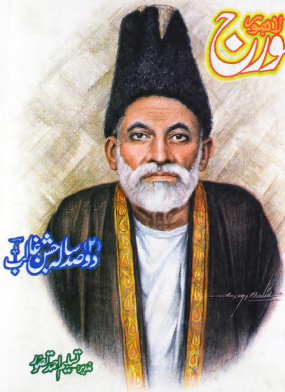


مشاور الامام

دوست دار خيال

میرزا محمد





PDF By : Meer Zaheer Abass Rustmani

Cell NO : +92 307 2128068 - +92 308 3502081



غالب اور
ستارے

علم نجوم کی روشنی ہیں —
غالب کے فن اور شخصیت کو بھلاؤں
بھی پرکھا گیا ہوگا۔

نایاب تحریریں
نادر تصویریں

نوادرات غالب
کا بیش بہا خزانہ
ہر خاص و عام کی دسترس میں

آنجمہانی
پر تھوڑی چند
کی مایہ ناز
کاوشیں

جاگیر غالب
کا اصل نسخہ منظرِ عاکف
تین سو سے زائد صفحات پر مشتمل یہ انمول کتاب بالکل مفت

غالب اور
کارون

اشعارِ غالب کے کارڈزوں کا موضوع بنایا گیا،
فکرِ غالب کے کیا کیا انداز
— سامنے آئے — آپ مکرائے
بغیر نہیں رہ سکتے۔

1997ء

شاعر بے مثال مرزا اسد اللہ خاں غالب
کا

دو صد سالہ جشن ولادت

شوخی

کے غالب نمبر کی جلد دوم
تمام تر معنوی و صوری خوبیوں کے ساتھ

عنقریب منظر عام پر

اُردو ادب کا معیار

سُورج

لاہور

غالب کا دؤ صد سالہ جشن ولادت

خصوصی اشاعت

تحقیق و تدوین

تسلیم احمد تصور

16۔ عُمَر رُودِ اسلام پُور

لاہور : فون : 7226970

سُورج پبلشنگ سپورٹ

اپریل مئی 1996ء

جلد 25 شماره : 5,4

قیمت خصوصی اشاعت : 600 روپے

تفہیم بحالہ لغت و لسانیات

تفسیر کار :

القمر انٹرپرائزز غزنی سٹریٹ
اُردو بازار : لاہور
فون : 7237500

کرمیں

پہلی کرن

5

مدیر کے قلم سے

حیات غالب

9

گوہر نوشای

حیات غالب شہن کے آئینے میں

مرزا اسد اللہ غالب کی خود نوشتہ سوانح کا ایک نادر ورق — بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق کی

پہچان

11

غالب اور ستارے

(عالم نجوم کی روشنی میں غالب کے فن اور شخصیت کو بھلاہوں بھی پرکھا گیا ہو گا — مضامین کا

ایک دلچسپ سلسلہ)

غالب کا زائچہ (تاریخ پیدائش)

13

مسلم ضیائی

غالب کی صحیح تاریخ پیدائش

17

سید محمد حسین رضوی

میرزا غالب کا زائچہ

43

امتیاز علی مرثی

اوج قبول (غالب کا نیم ناز کا نام)

48

سید محمد حسین رضوی

غالب، محمد غالب

محمد غالب میں لال قلعہ کی معاشرتی زندگی

81

سید ضمیر حسین دہلوی

دلگاہ رنگ بزم آرائیاں

90

ڈاکٹر خلیق انجم

غالب اور ان کی ہم عصر صحافت

101

ڈاکٹر عبدالسلام طور شید

محمد غالب میں دینی فکر اور سماجی مسائل

119

پروفیسر افتخار حسین

ڈاکٹر غالب — 1862ء کے اودھ اخبار میں

126

محمد حقیق صدیقی

غالب کا کھلتے

136

پروفیسر احمد خاں

غالب کے محمد میں ڈاک کا نظام

144

ڈاکٹر حنیف نقوی

غالب تحقیق کے آئینے میں

162	ڈاکٹر فرمان قمبروی	غالب کے اولین تعارف نگار
180	ضیاء الدین ڈیہائی	غالب و شعر کے مضمون کتبے
188	ڈاکٹر قمر کیمرا	مرزا غالب کی بازیافت ان کے آبائی وطن میں
196	مسلم ضیائی عہد	غالب کے سفارش نامے
207	ڈاکٹر مولوی عبدالحق	رونگہ اور مقدمہ مرزا غالب
227	ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی	غالب، مرآت الاشبہ اور حکیم احسن اللہ
240	ڈاکٹر فرمان قمبروی	غالب اور غالب شخص کے اردو شعراء
261	عمر مشتاق بخاروی	آغا مرزا، غالب کا ایک شناسا خطاط
267	مولانا غلام رسول صبر	لطائف لکھی۔ "طالع برہان" کے سلسلے کی ایک کتاب
281	ڈاکٹر سید حامد حسین	غالب کے دو قلمی دیوان اور میر علی بخش رنجور
291	جلیل قدوائی	غالب کا لفظی کلام۔ ایک داستان
296	کالیداس گپتا رضا	مرزا عباس بیگ مرحوم (خواہر زادہ غالب)
310	حمیدہ سلطان احمد	جان غالب
312	مولوی احتشام الدین حق و ہلوی	غالب کے بعض غیر مطبوعہ شعر اور لطیفے
316	کالیداس گپتا رضا	عارف اور فرزند ہی غالب
326	ڈاکٹر آصف زمانی	غالب اور گستاخ
344	مالک رام	میرزا غالب

غالب اور لکیریں

ملک کے ممتاز کارٹونسٹ حمید (میر صاحب) نے غالب کے اشعار کو اپنے کارٹونوں کا موضوع بنایا اور یہ ستار ان غالب کے چہروں پر مسکرائیں کھڑکیں۔

غالب ڈرامے

393	سید امتیاز علی تاج	غالب اور ان کی تنظیم (دعوت غالب میں ایک شعری نمونہ)
399	ڈاکٹر محمد حسن	مرزا غالب

مرزا غالب لندن میں (ریڈیائی ٹیلیفون)

428

شان الحق حق

مرزا غالب

438

ڈاکٹر اعجاز حسین

غدر کے بعد

485

غلام الطہین نقوی

نقد غالب

غالب کے سیاسی افکار

491

میر محمد حسین مفتاح بلوچ

غالب کا جذبہ حب الوطنی اور سند ستاروں

496

پروفیسر گوپی چند نارنگ

غالب اور وفا کا تصور

511

ڈاکٹر ظ۔ انصاری

گوئے اور غالب

522

ڈاکٹر انعام الحق کوثر

خوف زدہ غالب اور عصری صورت حال

528

ڈاکٹر وحید قریشی

غالب کے زمانہ اسیری کی ایک یادگار نظم

532

ڈاکٹر آفتاب احمد

دخنیہ اور دسائیر

552

پروفیسر نذیر احمد

غالب کی شاعری اور جنس

569

ڈاکٹر سلیم اختر

عندلیب گلشن با آفریدہ

583

احمد ہمدانی

غالب کا تصور جنت و دوزخ

588

مولانا غلام رسول مر

مرزا غالب کی ایک الجھن

594

ڈاکٹر سہیل بخاری

غالب کے ادبی مصرعے

602

مالک رام

کلام غالب کے تراجم

غالب کی اردو شاعری کے انگریزی تراجم

625

پروفیسر آل احمد سرور

کلام غالب کے بنگلہ تراجم

640

پروفیسر کلیم سہرا

کلام غالب کے کشمیری ترجیمے

649

محمد عارف بیگ

کلام غالب کے پنجابی تراجم (پاکستان میں)

655

منیر احمد شیخ

نوادرات غالب

غالب تحریریں: نوادرات تصویریں جنہیں تلاشِ بسیار کے بعد کھجکا کیا گیا ہوں کہ ہر سطحِ جانناات غالب میں شمار ہونے لگے۔

پر وہ اہم ہے

آنجنابی پر قوی چندی مایہ ناز کوش "جاگیر غالب" جو غالب کے مقدمہ پیش سے متعلق نادر دستاویزات پر مشتمل ہے اس نایاب کتاب کا اصل نسخہ پہلی بار منظر عام پر — پاکستان میں یہ اعزاز انوارہ سورج کو حاصل ہوا۔

691

انتظار ہے

1009	انتم عرفانی	غالب یونور شی محمد
1016	فکر و نسوی	غالب بنام لکڑ
1017	اختر سنوی	مرزا غالب — ایک فلمی اختراع
1025	ڈاکٹر وحید قریشی	غالب اور اس کا ماحول
1042	سکھیا لال کپور	غالب کے اڑیس کے پر وے
1064	ارشاد میر	غالب کا بستر (انشائیہ)
1053	اعظم حسن صدیقی	غالب اور انکم ٹیکس
1057	ناوم بیجا چاری	غالب کے متعلق چند غیر مستبر روایات
1070	ڈاکٹر انور سدید	عبد غالب کے چند مسائل
1077	ڈاکٹر نثار احمد قادری	نواور غالب
1091	ڈاکٹر حسین فراقی	مشہور جہانگیر — ایک جائزہ
1108		ماہر غالبیات پروفیسر لطیف الزمان خان کا ایک اہم خط





میں نے اپنے دارِ بھگ سے بچھا۔۔۔۔۔
 "غالب کو جانتے ہو؟"

"ہاں جی اودہ غالب" لوتی۔۔۔۔۔ بھلا غالب کو کون نہیں جانتا، اتنی اِشاعر کیا تھا، شاہزادہ تھا، شاہزادہ اور نصیر الدین شاہ ہے نا اودہ تو ظم میں ایسا غالب بنا ہے کہ کمال کر رہا ہے۔"
 ممتاز دانشور علامہ فاضل ابن فاضل نے فرمایا۔۔۔۔۔
 "غالب کل بھی بڑا تھا، آج بھی بڑا شاعر ہے اور آنے والے کل میں بھی غالب شعر و سخن کی بلندیوں کو چھو رہا ہو گا۔"

غالب۔۔۔۔۔ ایک نام، جو ہر خاص و عام میں یکساں مقبول ہے۔ بلکہ سخن کے اسی ناہدار کا دو صد سالہ جشنِ ولادت 15 فروری 1997ء کو منایا جا رہا ہے۔ 1997ء غالب کا سالِ قرار پایا ہے۔
 میں نے سوچا۔

اس تاریخی موقع پر "سورج" کی ایک خصوصی اشاعت غالب کی نذر کی جائے جو سب سے الگ ہو۔ سب میں نمایاں ہو۔

بس صاحبِ ایسی سورج قیامت ہو گئی۔ مظلوم ہوا کہ یہ کام یکم اکتا آسان بھی نہ تھا۔ خیال تھا کہ یہ بڑے بڑے ماہرِ غالبیات ہیں۔ جو اس راہ و شمار سے مجھے بڑی مہارت سے گزار لے جائیں گے۔ محققین و دانشور مجھ سے جا مل مطلق کی صفت بڑھائیں گے۔ اور میرے لیے علم و دانش کے خزانوں کا منہ کھول دیں گے۔

مگر مظلوم ہوا کہ بس نام ہی نام تھا۔ کام یکم نہ تھا اور اگر کسی کے پاس یکم تھا تو وہ اسے سات تالوں میں بند کیے بیٹھا تھا۔ اور پھر بھی پلک بھینکتے ڈرتا تھا کہ کہیں کوئی تالہ کھولے گا اسمِ اعظم ہی نہ جانا ہو؟ یہ کیسے عالم تھے جو ظم کی دولت پر سانپ بہتے بیٹھے تھے۔ میں نے تو سنا تھا کہ ظم ایسی دولت ہے جو تقسیم کرنے سے بڑھتی ہے۔

ایسی صورت ہو تو بات کیو کر رہے؟

یکم نہیں۔ بس یہ کہ تلاشِ جاری رکھی جائے۔

قریبِ قریہ، گاؤں گاؤں، شہر شہر۔

پاکستان اور بھرِ پاکستان سے باہر بھارت، بلکہ دہلی، برطانیہ۔۔۔۔۔ کہیں خود پہنچا، کہیں خط لکھے،

کئیں احباب کو دست دی۔

ایک ہی درخواست ایک ہی سوال۔

شاعر بے مثال غالب کے بارے میں کوئی ایسی تصویر، کوئی ایسی تحریر، جس کا 'سورج' کے غالب نمبر میں شامل ہونا ضروری ہو، بے حد ضروری۔

اور پھر یہ ہوا۔۔۔۔۔ میرے خدائے مجھ سے کم مایہ پر نظر کرم کر دی۔ غالب نمبر شائع پذیر ہونے لگا۔

انچ کچھ جمع ہوا اور وہ کچھ مل گیا کہ غالب نمبر کم از کم دو جلدوں میں شائع کرنا ضروری ہو گیا۔

۔۔۔۔۔ جلد اول نذر کار نہیں ہے۔

آج جب کہ غالب نمبر تخیل پا چکا ہے اور میں جلد اول کی پہلی کرن کے لیے یہ سطور قلم بند کر رہا ہوں تو اپنے ان احباب اور کرم فرماؤں کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں۔ جن کا چار بھرا ساتھ اپنے اپنے رنگ میں میرا دنگار رہا۔

ضیاء اکرام۔۔۔۔۔ ایک خوبصورت شاعر، بلند پایہ نثر نگار اور میرے بڑے ہی پیارے دوست۔ میں نے انھیں کراچی ایک ممتاز محقق و دانشور کے پاس بھیجا۔ جو اپنے قیام لاہور کے دوران چند اہم تحریریں میا کرنے کا وعدہ کر چکے تھے۔ مگر ضیاء صاحب ان کے پاس پہنچے تو موصوف نے ضیاء پر دست رویہ اختیار کرتے ہوئے نٹے سے انکار کر دیا۔ اور جب میں نے ضیاء اکرام سے معذرت چاہی تو وہ کمال الطیفان سے بولے۔

نہیں یار ایسی کوئی بات نہیں۔ البتہ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ واقعی کچھ مل سکتا ہے۔ تو میں دوبارہ چلا جاتا ہوں۔

ضیاء اکرام کی یہ مشفقانہ محبت غالب نمبر کی ترقیب و تدوین کے دوران عیش میرے ساتھ رہی۔ معروف صحافی و شاعر بیدار سردی سے میری برسوں کی دوستی ہے۔ کبھی ٹرکپوڈنگ سفر چلا رہے ہیں۔

غالب نمبر کی کپوڈنگ انھیں کے ادارے سے ہوئی ہے۔ اور یہ کام جس محبت اور لگن کے ساتھ کیا گیا۔ اس کے بعد بجا طور پر بیدار سردی کو غالب دوستوں کی صف اول میں جگہ دی جا سکتی ہے۔

اردو کی جانی پہچانی افسانہ نگار فرشتہ نودھی جو گورنمنٹ کالج لاہور کی چیف لائبریریئن ہیں۔ نے ایک انٹرویو کے دوران کہا کہ پاکستان میں لائبریریاں قبرستان اور لائبریریئن مجاور ہیں۔ مجھے غالب نمبر کو مرتب کرتے ہوئے بار بار اس مکالمے کی صداقت کا تجربہ ہوا۔ جب کہ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری کے انچارج نصرت اشعر سے ملاقات ایک خوشگوار حیرت میں تبدیل ہو گئی۔

نصرت اشعر کتاب دوست بھی ہیں اور کتاب شناس بھی، 'طلی ادنی کاسوں سے دلی لگاؤ رکھتے ہیں۔ انھوں نے نہ صرف اپنی لائبریری کے دروازے میرے لیے کھول دیے۔ بلکہ دیگر بہت سی لائبریریوں سے استفادہ کرنے میں بھی میری مدد کی۔



بائب دوستوں کی ایک تقریب ملاقات میں بائب عبداللطیف مصری
بائب ضیاء انعام بائب ابو سعید حسن اعلیٰ اور دے سورج تسلیم امیر قصور



مستاز ماہر عالمیات پروفیسر لطیف الزماں اور دے سورج تسلیم امیر قصور



شہزادہ آصفی منصور اٹس ایم غلام جسوں سے زیر فکر شاعرے کا
فلم بصورت سرورق چادر کیا

حیات غالب سن کے آئینے میں

گوہر نوشانی

۱۸۲۵ء - قاری زبان میں پہلی ترقی تصنیف۔ رسالہ قواعد نیز پنج آہنگ تصنیف ہوئی۔

۱۸۳۶ء - پیش کی حصول کے لئے لکھنے کا سفر مرزا امین بخش معروف فرغاب کی وفات۔

۱۸۳۶ء - دہلی سے لکھنے کی طرف ہجرت۔ انتخاب دیوان اردو۔

۱۸۳۷ء - لکھنؤ کا سفر۔ لکھنؤ سے کچھ دور اور بکھارو۔

۱۸۳۸ء - دہلی ونگھت۔ معرکہ حامیان قتل۔ دیار آگرہ جی کا اعزاز۔

۱۸۳۹ء - دہلی میں مراہمت (۱۸۳۸ء - ۱۸۳۹ء) انتخاب کلام قاری دارود موسوم بہ "نعلی دھانی قدوسی" بلگرامی سوانوی مرزا الدین احمد۔

۱۸۳۹ء - جشن کا دعوتی ولیم ٹیبلنگ کے خارج کیا۔

۱۸۳۹ء - انتخاب کلام اردو۔ دیوان سراج۔

۱۸۳۵ء - فرزند کا قتل۔ نواب شمس الدین خاں کو سزا سے موت۔ کلیات قاری "مکانات آرزو" کے نام سے مرتب کیا۔

۱۸۳۷ء - کلیات غالب قاری کی تدوین۔

۱۸۳۶ء - دیوان غالب کے پہلے ایڈیشن کی شامت مسطورہ یہ المطابع دہلی۔ قماربازی کے الزام میں پہلی بار ہر۔

۱۸۳۶ء - دہلی کالج میں پروفیسری کی پیش کش اور غالب انکار۔

۱۸۳۵ء - دیوان قاری "مکانات آرزو" کا پہلا ایڈیشن "مطبع دارالاسلام دہلی سے شائع ہوا۔

۱۸۳۷ء - دیوان غالب کے دوسرے ایڈیشن کی شامت "مطبع دارالاسلام دہلی۔ قماربازی کے الزام میں کو قتل شرفیض

۱۸۳۷ء - بیوانش۔ ۷۲ سیر سوانح ۸ جلد ۲۳۳۷ء اردو انش خاں عرف میرزا نوٹہ ولد عبداللہ بیگ بن میرزا قوجان بیگ خاں مستقام آگرہ۔

۱۸۳۶ء - وفات عبداللہ بیگ خاں غالب اپنے چچا امراٹھ بیگ کی سرپرستی میں آئے۔

۱۸۳۳ء - لاہور ایک نے دہلی کو فتح کیا۔

۱۸۳۶ء - غالب کے چچا مرزا امراٹھ بیگ خاں کی وفات جنھوں نے غالب کو اپنا بیٹا بنا رکھا تھا غالب اپنے چچا خواجہ غلام صمیم کیلئے انھیں آگرہ کی سرپرستی میں آئے۔

۱۸۳۶ء - شاد عالم کی وفات اور آگرہ شہر جانی قتل تصنیف۔

۱۸۳۷ء - ایک روایت کے مطابق غالب نے شعر گوئی کا آغاز کیا۔

۱۸۳۷ء - دوسری روایت کے مطابق اس سال سے شعر گوئی کا آغاز کیا اور رنگ بیدل کو اپنا چچا ۱۸۳۲ء تک قائم رہا۔

۱۸۳۷ء - نواب امین بخش خاں معروف کی بیٹی اور نواب احمد بخش خاں دانی فیروز پور و معرکہ دجاگیر دار بھادوی کی بیٹی امراء ونگھت سے شادی ہوئی۔

۱۸۳۷ء - نواب حسام الدین خاں حیدر نے ان کا کلام میر تقی میر کے سامنے پیش کیا۔

۱۸۳۷ء - عبدالصمد کی شاکر دی۔

۱۸۳۳ء - آگرے سے دہلی میں آمد اور قیام۔

۱۸۳۶ء - اردو کلام کی تدوین پر ترتیب دیوید کی دیوان غالب نسخہ ہمالی کی تاریخ تکمیل ہے۔

۱۸۳۲ء - قاری شاعری کا آغاز۔ ۱۸۳۲ء تا ۱۸۳۵ء قاری نظم و

الحسن کے ہاتھوں کر دار ہو کر تین ماہ تک تہ میں رہے۔

۱۸۵۰ء - باہر شاہ سے نظم الدولہ، دیر الملک حکم جنگ کا

خطاب اور پچاس روپے ماہوار تنخواہ - تاریخ نویسی پر مقرر۔

دلی عہد شہزادہ فتح الملک کی استادی - ریاستہ کوئی کا دور چلی۔

۱۸۵۱ء - مرزا ہاں بخت کی شادی اور غالب و دکن کی کشمکش۔

۱۸۵۲ء - مرزا یوز کشمکش - وفات زمین العابدین عارف

اور غالب کا مشہور لوح - لازم تھا کہ دیکھو مرادست کوئی دن

اور۔

۱۸۵۳ء - استاد مقرر ہوئے۔ چار سو روپے سالانہ تنخواہ

مقرر ہوئی۔

۱۸۵۵ء - مرزا یوز کا پہلا حصہ شائع ہوا۔

۱۸۵۷ء - دلی ان اردو ترتیب دیا اور اس کا ایک نسخہ رام پر

نکلا۔ دو بار رام پر سے تھیل - وفات مرزا فتح سب۔

۱۸۵۸ء - حنیف کا پہلا ایڈیشن - مطبع منیر الملائکین، لاہور۔

۱۸۵۹ء - نواب رام پر نے سو روپے ماہوار تنخواہ مقرر کی جو

وفات تک چلی رہی - سز میرٹھ۔

۱۸۶۰ء - نواب کی دعوت پر رام پر گئے - ترتیب کام غالب،

ہدست باحر حسین مرزا - قاضی بہان کشمکش۔

۱۸۶۱ء - دلی ان اردو کا تیسرا ایڈیشن - مطبع احمد دلی - مرزا

صاحب اردو قاضی میں مبتلا ہوئے - ترتیب کلیات فارسی۔

۱۸۶۳ء - دلی ان اردو کا چوتھا ایڈیشن - مطبع کھائی مکان پر۔

۱۸۶۳ء - حکومت انگلند سے خلعت کا اعزاز

لا - "نگارستان سخن" مرزا علیمہ دلی میں احتساب کام غالب

کی طاعت اس مجموعے میں ذوقی "موسم اور غالب کے کام

کا احتساب تھا اور یہ مطبع منیر الملائکین لاہور میں اختتام فنی

شہر نائن پچاس - کلیات فارسی کا دوسرا ایڈیشن فنی نوٹسور
نے شائع کیا۔

۱۸۶۳ء - مشہور اور سمہار اکمل المطابع دلی سے شائع ہوئی۔

۱۸۶۵ء - نواب پر سب علی خاں کے انتقال پر نواب کتب علی

خاں ہاتھیں ہوئے تو تھیل کے لئے رام پر کا سز کیا۔ قاضی

بہان نظر چلی اور افسانوں کے بعد درفش کدوانی کے نام سے

شائع ہوئی۔ لالک فنی اور سوات - عبد اکرم شائع

ہوئیں۔

۱۸۶۶ء - آخری احتساب کام "بہار فنی طلہ آشیں نواب کتب

علی خاں دلیء رام پر۔ حواس باختی کا اقرار نامہ کام نواب

رام پر۔

۱۸۶۷ء - مولوی امین الدین پر ازالہ حقیقت عنی کا مقدمہ۔

سمہد بھین کے نام سے فارسی کام مطبع احمد دلی سے

شائع ہوا۔ فتح مرزا شائع ہوئی۔ نکات و واقعات غالب شائع

ہوئی۔ حسین علی خاں مستثنی کی حقیقی نواب احمد بخت خاں کے

حقیقی ہمائی کی چٹی سے۔ فتح مرزا سمہد بھین شائع ہوئی۔

۱۸۶۸ء - خود بخود کا پہلا ایڈیشن - مطبع مجتبیٰ میرٹھ۔

کلیات خرقہ فارسی (پنج آہنگ) "دھنیو" مرزا یوز، فنی نوٹسور

نے پہلی مرتبہ مرزا غالب کی اجازت سے شائع کی۔ اواسے

قرض کے لئے اعانت کی درخواست دلیء رام پر سے۔

۱۸۶۹ء - وفات غالب ۱۵ فروری مطابق ۱۵ ذی القعدہ ۱۲۸۵ھ

کے دن "عمر کے وقت - حکام الدین اولیاء کے مزار کے قریب

دفن ہوئے۔



مرزا غالب

(خود نوشتہ سوانح عمری کا ایک ورق)

جب بمبھال کے سرکاری کتب خانے میں مرزا غالب کے قدیم کلام کا نسخہ ملا تو انجمن ترقی اردو کی جانب سے اس کی ترتیب و ترمیم کا کام ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کے سپرد کیا گیا تھا۔ اس کے لئے بہت سی نئی نئی چیزیں جمع کی گئی تھیں۔ مگر جملہ ان کے ایک عجیب چیز خود مرزا صاحب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اپنے حالات تھے جو انہوں نے کسی تذکرہ نویس کی فرمائش پر لکھے تھے۔ یہ ورق کہیں سے سید افتخار عالم مرحوم کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ اور انہوں نے اپنی سعادت سے مرحوم بجنوری کو بھیج دیا تھا۔ اگرچہ یہ حالات انہوں نے اس طرح لکھے ہیں جیسے کوئی غیر غرض گفتا ہے لیکن عبارت کا رنگ صاف بتا رہا ہے کہ اس پر دے میں خود مرزا نوشہ ہاتھی کر رہے ہیں، دوسرے ایک دو ہاتھی جو وہ لکھ گئے ہیں۔ وہ مرزا کے دل کی ہیں اور دوسرا غرض کہاں لکھ سکتا تھا تیسرے خط ان کا ہے، میرے پاس ان کے قلمی خط ہیں۔ ملا کر ہو دیکھا تو عین عین وہی شان پائی۔

ان حالات کے پڑھنے سے کم سے کم ایک بات تو پکی ہو جاتی ہے اگرچہ ان کے کلام اور رفاقت میں بھی جاہل اس کا ذکر کیا ہے اور ایک صاحب نے جو مرزا صاحب کی حب وطن اور حب قوم کی نسبت (بہرہ خیالات کے رد سے) جو حسن ظن قائم کیا تھا اس کی تردید خود مرزا صاحب کے الفاظ سے ہو جاتی ہے۔

سید افتخار عالم مرحوم نے ان حالات کے ساتھ "نثر" راجستھان جلد ۲ نمبر ۵۵ کا بھی ایک مطبوعہ ورق بھیجا تھا جس میں "تذکرہ منظر الجہان" کا اشتہار شائع ہوا تھا، اقلب ہے کہ یہ حالات مرزا صاحب نے اسی تذکرے کے لئے تحریر کئے ہوں۔ ہم یہاں وہ اشتہار بھی نقل کئے دیتے ہیں یہ بھی ایک دلچسپ چیز ہے اس تذکرے کے مولف مولوی محمد انوار الحق صاحب مرحوم، مولوی احتشام الدین صاحب ایم اے دہلوی کے والد ہیں۔ معلوم نہیں اس تذکرے کا کیا حشر ہوا؟

(عبدالحق)

خوش مزاجان مائدہ سخن اور شیریں کامن شربت نظم و فن پر واضح دلالت ہو کر عرصہ چند سال سے ایک تذکرہ الشعراء قاری دہلی میں تالیف ہو رہا ہے، کج تک ایسا تذکرہ فراہم نہیں ہوا ہے۔ مصنف اس کتب کے جس کو ایک دفتر کتبہ چاہتے علی مرتبت معافی منصب مدد المصنفین طراز الدہ قہن، فاضل جلیل، عالم نبیل، شاعر کامل، عانی میان وائل برگزیدہ ایہ مطلق مولوی منقرح صاحب خلف الرشید فرزند سید یگانہ بہ داس، فرزادہ دوداس، مسین قاسم کشور شیدا بیانی، زندہ سن نام انوری و خاقانی، گزیدہ خداوند اہم زبانہائی، قبول بارگاہ لم یزلی، مولانا مولوی علو علی صاحب مدخلہ، العلوی المستخلص، بہ علو ہیں۔ اگرچہ یہ تاریخ سنہ ۱۳۵۵ھ میں ختم ہو چکی تھی اور تقاریط و تاریخ جو نظم

الوداد بہادر و مولوی نقوی و حضرت حضور و قمریم نے عنایت کیں، ان سے بھی مدد ملے معلوم ہوتے ہیں، مگر اب یہ تذکرہ دوبارہ ترتیم ہوا اور اب قریب دو ہزار شاموں کے ترسے سے مزین ہوا اور اشعار کی تو کچھ حد نہیں، حالات جو اس میں لکھے ہیں بڑی تلاش اور تجسس سے بہت ہی صحیح ایک سو چلہ کتب قاریخ سے جمع کئے جن کی فہرست اکثر اخباروں میں چھپ چکی اور جناب مسٹر لیکن صاحب بہادر بیج سلیقہ دہلی کے اول اس کے بانی ہوتے تھے اور چھ سو شاموں کا ترجمہ بہ زبان انگریزی انہوں نے فرمایا اور خبر ہے کہ ولایت میں چھپا۔ سوائے ازیں جناب صاحب کشف بہادر و حلی اور نواب محمد ضیاء الدین خان بہادر و لیکن بہادر و نواب احمد اللہ خان بہادر و دیگر رؤسائے عنایت فرما کر اپنے کتب خانوں سے بڑی مدد دی اور نیز فضائل و کمالات در سگاہ گوہر درج شرافت، اختر مرآۃ مجاہدیت، مولانا مولوی محمد انوار الحق صاحب میر تقی اعظمی باردار نے چار سو سے زیادہ شعرا کا حال اضافہ کیا۔ اور جناب فاضل درگاہ پرشار صاحب مدرس اول ریاضی تعلیم المعطین دہلی نے بھی ہر ایک طرح کی مدد دی۔ لیکن باری ہمہ جیسا کہ چاہئے شعرائے بہمنی و نکلت و ممالک و سلاطین کے کلام فارسی اور محلات سے کچھ آگئی نہ ہوئی۔

لہذا یہ اشتہار دیا جاتا ہے کہ جمیع شعرائے فارسی اپنا حال مطّلع مع تقریر و قاریخ و اشعار خدمت میں جناب مولف صاحب کی پہنچ دیں اور جن صاحبوں کو خریداری منظور ہو تو درخواست اپنی تعدادی تین روپیہ علاوہ محصول واک خدمت میں جناب ممدوح کے و حلی تکرر بہرام خان میں بذریعہ پیڑ ارسال کریں اور اہل مطابع میں اشتہار کو اپنے اپنے اشتہار میں درج فرمادیں۔



سہ ماہی

طالب کا زائچہ

(مغیر انہی)

غالب کا یہ واقعہ کلیات نظم فارسی نو کشور لکھنؤ مطبوعہ ۱۸۷۲ء میں ص ۸۹ کے حوالی شائع ہوا تھا۔ ۱۸۸۵ء کے مطبوعہ نسخہ میں موجود قصید اور ۱۸۷۸ء کا نسخہ میری نظر سے قصید گزرا۔ ہر حال اس میں حسب ذیل قرعہ لائق توجہ ہے۔

”راہِ علاج و دوا سے معارفِ جنابِ قلب پر غلبہ احوال کو“

ہفت شب چار گھنٹی میں اس طلوع صبح روز یکشنبہ

۱۰۳۳ء مطابق آگست ۱۷۹۸ء کو دہلی میں استیلاء ہوا۔ نیز جلال قوس استیلاء کے بعد شیشیاں اور دہلی میں رہا۔

غالب پر لکھنے والوں نے عام طور سے سن پیدائش ۱۸۳۳ء ہی لکھا ہے اور غالب کی دوسری تقریروں مثلاً "صاحب عالم بارہوی کی تاریخ پیدائش" "تاریخ" کے مقابلہ میں "تاریخیں" اور حسب ذیل قطعہ سے بھی یہی من لکھا ہے۔

غالب چو دنیا سازی فرجام نصیب
هم کهم حدود دارم و هم فوق حسیب

تاریخ ولادت میں از عالم قدس ہم "شورش شوق" تہذیب لفظ غریب

اس لئے ۱۳۳۵ھ کے قلعہ چمپ جانے کے بارے میں کوئی شبہ نہیں پڑا۔ فتح کے دن کے بارے میں عموماً خاموشی اختیار کر لی جاتی ہے۔ انیسویں صدی کے وسط میں ۱۳۳۵ھ کو تقریبی اعتبار سے یکشنبہ نہیں چار شنبہ تھا (۲۷ دسمبر ۱۷۵۹ء) جو اس رات چمپ کے قلعہ سے قلعہ قرار پاتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر ۱۳۳۳ھ مانا جائے تو انیسویں صدی کے یکشنبہ کا دن آگیا ہے (۱۶ دسمبر ۱۷۵۹ء) جو اس رات چمپ میں درج ہے۔۔۔۔۔ چونکہ لوگ تاریخ تو بھول جاتے ہیں لیکن دن نہیں بھولتے اس لئے یہ ”غلطی“ واقعی قہر خیز ہے۔ ممکن ہے ماہرین نجوم اس پر روشنی ڈال سکیں۔

غالب کے نامہ میں اہل ثروت اور اہل علم اشخاص کو نجوم سے بھی بڑی دلچسپی تھی اور نومولودوں کے لئے داسے یا حتم چڑیاں ہٹائی جاتی تھیں چنانچہ غالب کا یہ زائچہ بھی ان کی پیدائش پر ہٹایا گیا تھا۔

اس سلسلے میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ غالب کو بھی مومن کے مانند اپنی "مستعارہ شاعری" کا ادعا تھا جس کا اظہار انہوں نے اپنے بعض اشعار میں بھی کیا ہے چنانچہ کہتے ہیں۔

ہم چرمن شاعر و مصنف و نقوی و محکم

نیت و در هر قسمی و نکته که است

بیم نامہ و عظم خدائی مستولے
تھا کارش اسرار شکل زانچہ را
گوی زانچہ کایں لفظ ایست از انتقام
نور اصل طالع من جزوی از کائناتے
غرام زہرہ بطالع اگرچہ دلو نشان
ولی از آنکہ غریب است زہرہ اندر قوس
تو گوی از اثر انتقام بادت است
بہ صفر ہدی ذنب را اشارہ باشد
چہ دام درج دلوں را گزارش پر دیال
ذمر و بیکر حیرا شکار گشتہ بجدے
بخت در شدہ ہم مشغری ہم مرغ
کی بیات ہے کہ نامہ از غوغا
کی بہ صورت ترکی کہ از پے یلما
قر بہ نور کہ شانہ چشم باشد
سیاہ گشتہ و بیکرہ علی کیوان
بدیں وہ عین عمر نامہ ہل مسخ
بچار میں کردہ ہرام ہمیں پایہ
کنکچر ترک شکر بہ سکن استحال
دعوت بیت طوفان لوح ہند کشا

مراچہ سایہ سیاہست روز و شب تاریک
کند پشم و قرطاس بدین سلام
غس بہ لرد زہرہ سبب نکشتہ
تو اے ستارہ بدائی کہ رجم از آلود
ترافیت برسیایہ گرانی کہ
من و بلاتے تو طبع لیم و تاب سبیل
نغان و حوصلہ دل شرارہ و غارا
من دستم دل رنجور و انفات طیب

سہم دشمن و بیجان دہدہ حباد
کند زود دل درد مند افندہ داد
گوی زانچہ کایں جامعیت از اضداد
کز دست ناکم غم را ہزار گونہ کشاد
ہم از لطافت طبع و ہم از صفائے نداد
نشت بدست نقد قبول گرد کساد
کہ مرطالع من چرخ زہرہ رابا داد
ہاک و حلقہ دام و کھیں کہ سیاد
چہ صفر رنج و الم را فرائض اعداد
فردغ انکھ رخشہ و کئے زرد
کی کلیل صلاح و کی دلیل فساد
چہ کج صومہ دانندہ باشند از اوراد
شیز جوئے درآید نہاد زہرہ
چہ نور طویش کند شکار جسم زہرہ
چنانکہ از اثر خاک مجہ گردید
کشیدہ اندر تراف طویش درلود
چہ ہمیں زہ کیوان ہمیں بنیاد
کندچہ ہند رہن بدان استہاد
عیان و صورت جو زانیب سر صباد

مراچہ شطہ ساحل است وہ دول فطار
گے بہ نامہ دانش گے بہ صرت داد
نکھ خیرہ ز ہنگامہ الہ آباد
زائے پسر نہ سخی کہ رسم از بیداد
مراد بیت بہ نیوی چشم فراد
من و بجائے تو شاکر و ولی استاد
فہار و نامہ بہت ہوم و فواد
من و ظہر رگ بھون و شکر فساد

.....
 ستارہ راہبر دنیا را از اقتصادی قناست
 چنانکہ جنیش نواز اہل نواز

 قلب کبای و طالع چہ و ستارہ کدہام
 کسم شکست دشمن دوست شرم باد
 غزل سرایم و دود سر ہم از اندہ
 ترانہ شہم و ہرگزیم از سرفیاد

عیا کہ شوق عیان خن مجراہ
 عیا کہ نیست و دای بدیں عیاض و سواد



غالب کی صحیح تاریخ پیدائش

عام طور پر یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی کی تاریخ پیدائش ۸ ربیع ۱۲۳۴ ہجری مطابق ۲۷ دسمبر ۱۸۱۷ء عیسوی بدوڑ چار فتنہ ہے۔ یہاں تک کہ مولانا غلام رسول مرتے بھی اپنی کتاب ”غالب“ میں یہی تاریخ پیدائش لکھی ہے اور بنجاب مالک رام صاحب نے بھی ”تذکرہ غالب“ میں اسی تاریخ پیدائش کو صحیح بتایا ہے۔ لیکن یہ معلوم کر کے اعلیٰ علم و ادب حضرات کو حیرت ہو گی کہ غالب کی صحیح تاریخ پیدائش وہ نہیں ہے جو عام طور پر مشہور ہو گئی ہے بلکہ جیسا کہ ذیل کے صفحات میں ثابت کیا جائے گا، ان کی صحیح تاریخ پیدائش ۸ ربیع ۱۲۳۹ ہجری مطابق ۸ جنوری ۱۸۲۷ء عیسوی بدوڑ لکھنؤ ہے۔ غالب یک شخص کے دن اکبر آباد یعنی آگرے کے مقام پر ملے الصباح طلوع آفتاب سے چار گھنٹی قبل یعنی انجمن اسٹینڈرڈ ٹائم کے مطابق صبح پانچ بج کر ۳۹ منٹ پر پیدا ہوئے تھے۔

اگرچہ اصل اسلام، اہل یونان اور اہل مغرب کے اصول کے مطابق غالب کی پیدائش اتوار کے دن ہی ہوتی تھی، کیونکہ اصل اسلام کا دن ایک غروب آفتاب سے دوسرے غروب آفتاب تک سمجھا جاتا ہے، اور اہل یونان و اہل مغرب کا دن ایک نصف شب سے دوسری نصف شب تک مانا جاتا ہے۔ لیکن هندوؤں کی تقویم کے مطابق غالب کی پیدائش سنہ کے دن کی کبھی جائے گی کیونکہ ہندوستان کے تمام جیونشی عام طور پر دن کا شمار ایک طلوع آفتاب سے دوسرے طلوع آفتاب تک کرتے ہیں۔ چونکہ غالب اتوار کا سورج نکلنے سے چار گھنٹی پہلے پیدا ہوئے تھے اس لئے ان کی پیدائش اتوار کے دن میں شمار نہیں کی جائے گی بلکہ اس سے پہلے دن یعنی سنہ کے دن میں شمار ہو گی۔ ہندو جیہ شبیں کے مطابق سنے دن کی ابتداء طلوع آفتاب سے ہوتی ہے۔ ان دن رات کی مدت کو ساتھ برابر کے حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور ہر حصے کو ایک گھنٹی کہتے ہیں۔ ہر گھنٹی کے بھی ساتھ حصے کئے جاتے ہیں اور ہر حصے کو ایک ہل کہتے ہیں۔ طلوع آفتاب سے پیدائش کے وقت تک جتنی گھنٹی ہل میں گزر جاتی ہے اسے ”شٹ کل“ کہتے ہیں۔ لہذا ہندو جیہ شٹ کے مطابق غالب کی پیدائش سنہ کے دن ۵۹ گھنٹی صفر ہل اشت کل پر ہوئی تھی، اور پیدائش کے وقت سمیت ۵۹ گھنٹی تھا۔ شاکا ہندو شاکا ہمن تھا، جس کا صید تھا، شادی پاکو تھا، دھنی تھی، تھی، بھنی، بکسٹر تھا، ساجید، بولگ تھا، تھیل کرن تھا، اور دھن داس کی گھن تھی۔

مندرجہ بالا تمام تفصیلات میں نے غالب کے اس واسطے کی حد سے حساب لگا کر حاصل کی ہیں جو غالب کے کلیات فارسی کے نو نگاروں میں شائع ہوا تھا اور جس کا تھیں اس مضمون کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ اس واسطے کے ساتھ ہی غالب کا وہ عظیم الشان قصیدہ بھی ہے جو انہوں نے سید اشرفا حضرت امام حسین علیہ السلام کی شان میں کہا ہے۔ اس قصیدے کا ایک ایک لفظ پڑھئے، سمجھئے اور خود کرنے کے قابل ہے۔ اس قصیدے کی تحقیر

میں غالب نے اپنے اسی واسطے پر سیر حاصل تبصرہ اپنے خاص انداز میں کیا ہے ' اور بڑے علمائے و شاعرانہ حیرانے میں واسطے کے مختلف سیاروں کے سعد و نحس اثرات کا ذکر کیا ہے جس سے بلا شک و شبہ یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ غالب علم نجوم پر کامل عبور رکھتے تھے۔ اس واسطے کی تفصیل اور حقیقت قصیدے کی تفسیر پر تبصرہ کرنے سے پہلے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ عام پڑھنے والوں کی سہولت اور دلچسپی کے لئے علم نجوم کی وہ چند ابتدائی باتیں اور اصطلاحات نہایت اختصار کے ساتھ آسان الفاظ میں بیان کر دی جائیں جن کو کچھ بغیر واسطے کی تفصیل اور قصیدے کی تفسیر اچھی طرح سمجھ میں نہیں آ سکتی۔

تکمیل نے آسمان پر اس فرضی دائرے کو جس پر آفتاب اور دیگر سیارے حرکت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، بارہ برابر کے حصوں میں تقسیم کر لیا ہے اور ہر حصے کو برج کہتے ہیں۔ ان برج کے سعد و نحس اثرات وغیرہ بھی مقرر کر لئے گئے ہیں جو کسی بھی نجوم کی کتاب کو پڑھ کر معلوم کئے جا سکتے ہیں۔ اس مقام پر میں صرف وہی باتیں بتاؤں گا جن کا تعلق غرض مضمون سے ہے۔ چونکہ پورے دائرے میں ۳۶۰ درجے ہوتے ہیں اس لئے ہر برج میں ۳۰ درجے شمار کئے جاتے ہیں اور ہر درجے کے ساتھوں حصے کو دقیقہ کہتے ہیں۔ ان بارہ برج کے عمل نام بالترتیب یہ ہیں۔

(۱)۔ حمل (۲)۔ ثور (۳)۔ جوزا (۴)۔ سرطان (۵)۔ اسد (۶)۔ سنبل (۷)۔ میزان (۸)۔ عقرب (۹)۔ قوس (۱۰)۔ جدی (۱۱)۔ دلو (۱۲)۔ دلو (۱۳)۔ حوت۔ برج حوت کے فوراً بعد ہر برج حمل شروع ہو جاتا ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح ایک دائرے کے اندر چلتا رہتا ہے۔ ہندوؤں کی پترہ کے مطابق برج کو راس کہتے ہیں اور ان بارہ راسوں کے نام بالترتیب یہ ہیں۔ (۱)۔ ثلثہ (۲)۔ برکو (۳)۔ قنص (۴)۔ کرک (۵)۔ ثلثہ (۶)۔ کنیا (۷)۔ مٹلا (۸)۔ برٹیک (۹)۔ دھمن (۱۰)۔ مکر (۱۱)۔ کبھ (۱۲)۔ مین۔ ان برج کے نام ان فرضی شکلوں کے مطابق رکھے گئے ہیں جو مختلف جمیع النجوم کی وجہ سے آسمان پر نظر آتی ہیں اور مشاہدہ فلک کی ذرا سی مشق کے بعد آسانی سے پہچانی جا سکتی ہیں۔ لہذا اصل کی شکل ایک میٹھے کی طرح ہے جس کا مزاج غائی ہے اور خاصیت ثابت ہے۔ ہر ذرا کی شکل دو انسانی جسموں کی طرح ہے جس کا مزاج باری ہے اور خاصیت لوجہدین ہے۔ سرطان کی شکل ایک ٹیکڑے کی طرح ہے جس کا مزاج آبی ہے اور خاصیت متلب ہے۔ اسد کی شکل ایک شیر کی طرح ہے جس کا مزاج آتش ہے اور خاصیت ثابت ہے۔ سنبل کی شکل ایک لڑکی کی طرح ہے جس کا مزاج غائی ہے اور خاصیت لوجہدین ہے۔ میزان کی شکل ایک ترادو کی طرح ہے جس کا مزاج باری ہے اور خاصیت متلب ہے۔ عقرب کی شکل ایک بھجھو کی طرح ہے جس کا مزاج آبی ہے اور خاصیت ثابت ہے۔ قوس کی شکل ایک کمان کی طرح ہے جو ایک عجیب و غریب مخلوق کے ہاتھ میں ہے جس کا مزاج آتش ہے اور خاصیت لوجہدین ہے۔ جدی کی شکل ایک عجیب اقلقت جانور کی طرح ہے جو دریا کی بھی ہے ' صحرائی بھی ہے اور چمپ کر حل کرتا ہے جس کا مزاج غائی ہے اور خاصیت متلب ہے۔ دلو کی شکل ایک گھڑے کی طرح ہے جو ایک مو کے ہاتھ میں ہے جس کا مزاج باری ہے اور خاصیت ثابت ہے۔ حوت کی شکل دو پھلیوں کی طرح ہے جن کی دھن جڑی ہوئی ہیں۔ اس برج کا مزاج آبی ہے اور خاصیت لوجہدین ہے۔

برج حمل کی ابتداء کی شناخت کے لئے آسمان پر ایک چھوٹا سا ستارہ مقرر کر لیا گیا ہے جسے اصطلاح نجوم میں

نقطہ اول محل کہتے ہیں۔ اہل مغرب اس ستارے کو زہا کہہ کر کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں یہی وہ نقطہ تھا جہاں پر جب شمس پہنچتا تھا تو تمام دنیا میں دن اور رات برابر ہو جاتے تھے اور موسم اعتدال پر آ جاتا تھا۔ اسی لئے اسے نقطہ اعتدال بھی کہتے تھے اور چونکہ اس وقت فصل ربیع کا زمانہ ہوتا تھا اس لئے اسے نقطہ اعتدالِ ربیع کہتے تھے۔ لیکن جنگوں سال بعد معلوم ہوا کہ نقطہ اعتدالِ ربیع دراصل نہایت آہستہ آہستہ نقطہ اول محل سے پیچھے کی طرف منت ہوا ہے۔ یعنی شمس نقطہ اول محل پر پہنچنے سے پہلے ہی نقطہ اعتدالِ ربیع پر پہنچ جاتا ہے اور اس طرح شمس کے برج محل میں داخل ہونے سے پہلے ہی دن رات برابر ہو جاتے ہیں اور موسم اعتدال پر آ جاتا ہے۔ یہ فرق معلوم ہونے کے بعد اصل یونان نے نقطہ اعتدالِ ربیع ہی کو نقطہ اول محل بھی مان لیا اور بعد قدیم میں مقرر شدہ چھوٹے سے شناختی ستارے کو نظر انداز کر دیا اور بارہ برج کی ابتداء نقطہ اعتدالِ ربیع ہی سے شمار کرنی شروع کر دی۔ لیکن اصل بند نے پیچھے ہٹنے ہوئے نقطہ ربیع کو قتلِ اعتدال نہیں سمجھا اور بارہ برج کی ابتداء اسی چھوٹے سے ستارے سے کرتے رہے۔ تاہم نقطہ اول محل کی حیثیت کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ اسی وقت سے اصل یونان اور اصل بند کی تقویم میں فرق پڑ گیا۔ اس طرح اصل یونان کے برج دراصل آسمانی مجمع النجوم کی شکل کے پابند نہیں رہے بلکہ محض فرضی و عارضی ہو کر رہ گئے جو حوازی پیچھے کی طرف سرکتے جا رہے ہیں۔ لیکن اصل بند کے برج بعد قدیم کی طرح اب بھی مجمع النجوم کی شکل کے پابند ہیں اور حقیقی و مستقل ہیں جو کبھی آگے یا پیچھے نہیں سرکتے۔ ہر حال یہ فرضی نقطہ اول محل آہستہ آہستہ حقیقی نقطہ اول محل سے پیچھے سرکتا جا رہا ہے اور ایک سال میں تقریباً ایک دفعہ سے باہر کم پیچھے سرک جاتا ہے۔ ان دونوں نقطوں کے درمیان جو فاصلہ ہوتا ہے اسے اصل بند ایٹائن کہتے ہیں۔ یعنی اگر اخراجِ تقویم ہندی کے مطابق معلوم کئے ہوئے سیاروں کے مقامات میں ایٹائن کو جمع کر دیا جائے تو تقویم یونانی حاصل ہو جائے گی اور اس کے برعکس اگر اخراجِ تقویم یونانی میں سے ایٹائن کو تفریق کر دیا جائے تو تقویم ہندی حاصل ہو جائے گی۔ ایٹائن کی مقدار میں بھی کئی کمی زیادہت کے اختلاف ہے لیکن یہ اختلاف چند درجوں یا چند دقیقوں سے زیادہ نہیں ہے۔ غالب کی پیدائش کے وقت ایٹائن تقریباً ۲۱ درجے تھا اور ان کا زائچہ موافق اخراجِ تقویم یونانی بنایا گیا تھا۔

مندرجہ بالا بارہ برج کی شکل کے تمام ستارے اپنی جگہ عیش قائم اور ثابت رہتے ہیں جس کی وجہ سے ان برج کی شکلیں بھی عیش یکساں رہتی ہیں۔ ان زیادہت کے درمیان چند سیارے بھی نظر آتے رہتے ہیں جو اپنی جگہ قائم نہیں رہتے بلکہ عیش آہستہ آہستہ اپنی جگہ تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ یہ سیارے کبھی مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور کبھی مغرب سے مشرق کی طرف سرکتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ جب یہ سیارے مغرب سے مشرق کی طرف چلتے ہیں تو ان کی رفتار کو سیدھی چال یا احتیاط کہتے ہیں اور جب یہ مشرق سے مغرب کی طرف چلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں تو ان کی رفتار کو اپنی چال یا رجعت کہتے ہیں۔ ان سیاروں کی رفتار عیش یکساں نہیں رہتی بلکہ کبھی تیز ہو جاتی ہے اور کبھی دھیمی پڑ جاتی ہے۔ ان سیاروں میں شمس اور قمر سے زیادہ روشن ہیں۔ ان دونوں کو نیریز کہتے ہیں اور یہ عیش احتیاط میں رہتے ہیں۔ نیریز کے علاوہ باقی سیارے مربع، قطار

مشتزی 'زہرہ اور زحل بھی ہیں جو کبھی اختلاست میں ہوتے ہیں' کبھی رجعت میں 'اسی لئے ان سیاروں کو خسہء مطہر کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ دو فرضی نقطے بھی ہیں جو دراصل ہمارے مشتزی اور ہمارے قمری کے تقاطع نقطے ہیں۔ ایک نقطے کو زنب اور دوسرے نقطے کو داس کہتے ہیں۔ علم نجوم میں ان دونوں کو بھی کبھی حد تک دو شخص سیاروں کی ہی حیثیت دیدی گئی ہے۔ یہ دونوں بیش رجعت میں رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے بیش چھ ہجرت کے فاصلے پر رہتے ہیں۔ یعنی بیش ایک دوسرے کے مقابل اور دہرہ رہتے ہیں اس لئے اگر ایک کا مقام معلوم ہو جائے تو دوسرے کا مقام خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔ حندوں کی پتہ کے مطابق ان نو سیاروں کے نام بالترتیب یہ ہیں۔ (۱)۔ سورج (۲)۔ چاند (۳)۔ منگل (۴)۔ سہارہ (۵)۔ پریمیٹی (۶)۔ شکر (۷)۔ شنی (۸)۔ راحہ (۹)۔ کیٹہ۔ یہی نو ہند سیارے زیادہ مشہور ہیں اور ان سیاروں کے مختلف سعد و شمس اثرات متصل طور پر مقرر کر لئے گئے ہیں جو علم نجوم کی مختلف کتابوں میں درج ہیں۔ ان کی حرکتوں کا صحیح حساب بھی معلوم کر لیا گیا ہے جو علم حینت کی مختلف کتابوں میں درج ہے۔ چڑھنے والوں کی واقعیت کے لئے صرف چند ضروری باتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

شمس : شمس شخص سیارہ سمجھا جاتا ہے اور فلک چارم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مزاج آفتابی ہے اور شمشاد فلک کہلاتا ہے۔ قمر' مرغ اور مشتزی اس کے دوست ہیں۔ زہرہ اور زحل اس کے دشمن ہیں۔ عطارد اس سے بے تعلق ہے۔ یہ برج اسد کا مالک ہے اور برج دلو میں اس پر وہاں آتا ہے۔ حمل میں شرف اور میزان میں صوبہ ہوتا ہے۔ ہوزا میں اور قوس میں ضعیف واقع ہے۔ یہ اپنی اوسط رفتار سے ایک درجے کو تقریباً ایک دن میں ' ایک برج کو تقریباً ایک مہینے میں ' اور پورے دائرہ ہجرت کو تقریباً ایک سال میں طے کر لیتا ہے۔ یہ بیش اختلاست میں رہتا ہے۔

قمر: قمر سعد سیارہ سمجھا جاتا ہے اور فلک اول سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مزاج آبی ہے اور ذریہ فلک کہلاتا ہے۔ شمس اور عطارد اس کے دوست ہیں۔ کوئی اس کا دشمن نہیں ہے۔ مرغ' مشتزی ' زہرہ اور زحل اس سے بے تعلق ہیں۔ یہ برج سرطان کا مالک ہے ' برج جدی میں اس پر وہاں آتا ہے۔ ثور میں شرف اور عقرب میں صوبہ ہوتا ہے۔ اس کے اورج و ضعیف نیز رفتار سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور حساب لگا کر معلوم کرنے پڑتے ہیں۔ یہ اپنی اوسط رفتار سے ایک درجے کو تقریباً پانچ دن میں ' ایک برج کو تقریباً سوا دو دن میں ' اور پورے دائرہ ہجرت کو تقریباً ایک مہینے میں طے کر لیتا ہے۔ یہ بھی شمس کی طرح بیش اختلاست میں رہتا ہے۔

مرغ : مرغ شمس اصغر ہے اور فلک ثانی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مزاج آفتابی ہے اور جلاہ فلک کہلاتا ہے۔ شمس ' قمر اور مشتزی اس کے دوست ہیں۔ عطارد اس کا دشمن ہے۔ زہرہ اور زحل اس سے بے تعلق ہیں۔ یہ حمل و عقرب کا مالک ہے اور ثور و میزان میں اس پر وہاں آتا ہے۔ جدی میں شرف اور سرطان میں صوبہ ہوتا ہے۔ اسد میں اورج اور دلو میں ضعیف واقع ہے۔ یہ اپنی اوسط رفتار سے ایک درجے کو تقریباً دو دن میں ' ایک برج کو قریباً دو مہینے میں ' اور پورے دائرہ ہجرت کو تقریباً دو سال میں طے کر لیتا ہے۔ یہ ایک سال میں تقریباً دس مہینے تک اختلاست میں رہتا ہے اور تقریباً دو مہینے تک رجعت میں رہتا ہے۔

غالب کا زائچہ بحساب یونانی

بارہواں خانہ - برج عقرب	طالع یعنی پہلا خانہ	دوسرا خانہ - برج جدی - شمس
گیارہواں خانہ	برج قوس	عطارو - ذنب
برج میزان	زہرہ	تیسرا خانہ
دسواں خانہ	برج سنبلہ	برج دلو
برج اسعد	سہم السعادت	چوتھا خانہ
نواں خانہ	ساتواں خانہ	برج حوت
برج اسد	برج جوزا	مریخ - مشتری
آٹھواں خانہ	زحل	پانچواں خانہ
برج سرطان - راس	برج ثور - قمر	برج حمل

غالب کا زائچہ بحساب ہندی

بارہواں گھر - برہمچک راس	نہیں یعنی پہلا گھر	دوسرا گھر - مکر راس
گیارہواں گھر	دھن راس	بہہ
ستارا راس	سوریہ - کیئتو	تیسرا گھر
دسواں گھر	مین راس	گنبد راس
کنہیا راس	مستحق راس	برہمچکی
نواں گھر	ساتواں گھر	چوتھا گھر
شنگھ راس	مشتی - زہو	مین راس
آٹھواں گھر - کرک راس	پچھٹا گھر - برکہ راس	مینگ راس

عطارد : عطارد جیسے سیاروں کے ساتھ ہونا ہے دنیا ہی سعد و خس ثمودی ہے اور فلک دوم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مزاج ہادی ہے اور دھڑلک کھاتا ہے۔ خس اور زحرو اس کے دوست ہیں۔ قمر اس کا دشمن ہے۔ مریخ مشتری اور زحل اس سے بے تعلق ہیں۔ یہ جزا و سنبلہ کا مالک ہے اور قوس و حوت میں اس پر وہاں آتا ہے۔ سنبلہ میں شرف اور حوت میں جہوٹ ہوتا ہے۔ میزان میں اونج اور حمل میں مٹھن واقع ہے۔ یہ اپنی اوسط رفتار سے ایک درجہ کو تقریباً چھ گھنٹے میں ایک برج کو تقریباً ساڑھے سات دن میں اور پورے دائرہ بدیع کو تقریباً تین مہینے میں طے کر سکتا ہے لیکن چونکہ یہ ہمیشہ خس کے آس پاس ہی رہتا ہے اور بھی سیدھی کبھی الٹی چال پھرتا ہے اس لئے یہ بھی تمام آسمان کا چکر کم و بیش اسی عرصے میں لگاتا ہے جس عرصے میں خس لگتا ہے۔ یہ چار مہینے میں تقریباً اٹھاونے دن احتیاط میں رہتا ہے اور تقریباً پانچ دن راحت میں رہتا ہے۔ یعنی یہ ایک سال میں تین دفعہ واقع ہوتا ہے۔ مشتری : مشتری سعد اکبر ہے اور فلک ششم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مزاج ہادی ہے اور خاصی ٹھک کھاتا ہے۔ خس قمر اور مریخ اس کے دوست ہیں۔ عطارد اور زحرو اس کے دشمن ہیں زحل اس سے بے تعلق ہے۔ یہ قوس و حوت کا مالک ہے اور جزا و سنبلہ میں اس پر وہاں آتا ہے۔ سرطان میں شرف اور جدی میں جہوٹ ہوتا ہے۔ سنبلہ میں اونج اور حوت میں مٹھن واقع ہے۔ یہ اپنی اوسط رفتار سے ایک درجہ کو تقریباً بارہ دن میں ایک برج کو تقریباً ایک سال میں اور پورے دائرہ بدیع کو تقریباً بارہ سال میں طے کر لیتا ہے۔ یہ ایک سال میں تقریباً آٹھ مہینے تک احتیاط میں رہتا ہے اور تقریباً چار مہینے تک راحت میں رہتا ہے۔

زحرو : زحرو سعد اصغر ہے اور فلک سوم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مزاج ہادی ہے اور رقاہ فلک کھاتا ہے۔ عطارد اور زحل اس کے دوست ہیں۔ خس اور قمر اس کے دشمن ہیں۔ مریخ اور مشتری اس سے بے تعلق ہیں۔ یہ قور و میزان کا مالک ہے اور حمل و قزح میں اس پر وہاں آتا ہے۔ حوت میں شرف اور سنبلہ میں جہوٹ ہوتا ہے۔ جزا میں اونج اور قوس میں مٹھن واقع ہے۔ یہ اپنی اوسط رفتار سے ایک درجہ کو تقریباً سولہ گھنٹے میں ایک برج کو تقریباً تین دن میں اور تمام دائرہ بدیع کو تقریباً آٹھ مہینے میں طے کر سکتا ہے لیکن چونکہ عطارد کی طرح یہ بھی ہمیشہ خس کے آس پاس ہی رہتا ہے اس لئے یہ بھی تمام آسمان کا چکر کم و بیش اسی عرصے میں لگاتا ہے جس عرصے میں خس لگاتا ہے۔ یہ ایک سال میں تقریباً گیارہ مہینے تک احتیاط میں رہتا ہے اور تقریباً ایک مہینے تک راحت میں رہتا ہے۔

زحل : زحل خس اکبر ہے اور فلک ہفتم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مزاج غائی ہے اور دھقان فلک کھاتا ہے۔ عطارد اور زحرو اس کے دوست ہیں۔ خس قمر اور مریخ اس کے دشمن ہیں۔ مشتری اس سے بے تعلق ہے۔ یہ جدی و دلو کا مالک ہے اور سرطان و اسد میں اس پر وہاں آتا ہے۔ میزان میں شرف اور حمل میں جہوٹ ہوتا ہے۔ قوس میں اونج اور جزا میں مٹھن واقع ہے۔ یہ اپنی اوسط رفتار سے ایک درجہ کو تقریباً ایک مہینے میں ایک برج کو تقریباً زحائی سال میں اور تمام دائرہ بدیع کو تقریباً تین سال میں طے کر لیتا ہے۔ یہ ایک سال میں تقریباً ساڑھے سات مہینے تک احتیاط میں رہتا ہے اور تقریباً ساڑھے چار مہینے تک راحت میں رہتا ہے۔

راس اور ذنب: راس اور ذنب کو اعلیٰ حد یا ترہیب راس اور ذنب کہتے ہیں۔ یہ دونوں ٹکس کہتے جاتے ہیں اور ہمیشہ ایک دوسرے کے مقابل اور دیکھ لینی چہ ہرج کے فاصلے پر رہتے ہیں۔ ان دونوں کو ایک اڈوسے سے تھیر دی جاتی ہے جس کے سر کو راس اور دم کو ذنب کہتے ہیں۔ اعلیٰ حد راس کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں لیکن اعلیٰ پیمانہ ذنب کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ ان دونوں کی رفتار ہمیشہ یکساں رہتی ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کو تقریباً انہیں دن میں ایک ہرج کو تقریباً انہیں مہینے میں اور تمام دائرہ ہرج کو تقریباً انہیں سال میں طے کر لیتے ہیں۔ یہ دونوں ہمیشہ رجعت میں رہتے ہیں۔

اس مختصر سے تعارف کے بعد چہنے والوں کے ذہن میں ہرج و سیارگان کا ایک دھندلا سا خاکہ آگیا ہو گا۔ جس کی مدد سے غالب کے زائچے کو سمجھنے میں آسانی ہو گی۔ یہ بھی غلط رہے کہ جب کوئی سیارہ گردش کرتا ہوا اس ہرج میں پہنچتا ہے جو اس کا بیت یا گھر ہوتا ہے یعنی جس کا وہ مالک ہوتا ہے تو وہ سیارہ صاحب استطاعت سمجھا جاتا ہے۔ جب وہ اپنے ہرج وہاں میں پہنچتا ہے تو بے ہضمت سمجھا جاتا ہے۔ جب وہ اپنے ہرج شرف میں پہنچتا ہے تو صاحب عزت سمجھا جاتا ہے۔ جب وہ اپنے ہرج حیوط میں پہنچتا ہے تو بے عزت سمجھا جاتا ہے۔ جب وہ اپنے ہرج اوج میں پہنچتا ہے تو بلند سمت سمجھا جاتا ہے۔ جب وہ اپنے ہرج ضعیف میں پہنچتا ہے تو پست سمت سمجھا جاتا ہے۔ جب وہ اپنے دوست کے ہرج میں پہنچتا ہے تو بشاش طبع سمجھا جاتا ہے۔ جب وہ اپنے سے بے تعلقی کے ہرج میں پہنچتا ہے تو ابھنی سمجھا جاتا ہے۔ جب وہ استقامت میں ہوتا ہے تو تندرست سمجھا جاتا ہے۔ اور جب وہ رجعت میں ہوتا ہے تو بیمار سمجھا جاتا ہے۔ فرض یہ کہ ہر سیارہ اپنی اصلیت، اپنی خاصیت، اپنی حیثیت اور اپنی حالت وغیرہ کے مطابق مختلف زائچوں میں مختلف ثمرہ دیتا ہے۔ لیکن نے مختلف ہرج سیارگان کے انفرادی اور اجتماعی اثرات جان کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ نکالا ہے کہ ہرج اور سیاروں کو مختلف صورتوں، طبعیوں اور کرداروں کے افراد فرض کر لیا ہے اور زائچے میں ہمیں ان کی حالت ہوتی ہے ویسی ہی تاثیر اور ویسے ہی ثمرات ان سے اخذ کر لئے جاتے ہیں۔ اس فن کو علم نجوم کی اصطلاح میں "نحوج سیارگان" کہتے ہیں اور مرکزاً غالب اس فن کے میدان میں سب سے گئے بہت لے گئے ہیں۔ نحوج سیارگان کی افادت کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس کا مفصل بیان کتبہ التعليم فی مناقب النجم میں کیا گیا ہے۔

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نحوج سیارگان کی چند مثالیں دے کر اس فن کی کچھ وضاحت کر دی جائے تاکہ غالب کے قصیدے کی تہنیت کا معلوم اچھی طرح سمجھ میں آ سکے۔ مثلاً زائچے میں زحل اگر اچھی حالت میں ہو تو اسے دشمن یا کشادہ و دنیوہ سے تھیر دیتے ہیں لیکن اگر وہ بری حالت میں ہو تو اسے کافریا دزد و دنیوہ سے خیر دیتے ہیں۔ مریخ اگر اچھی حالت میں ہو تو اسے سپاہی یا سپہ سالار دنیوہ سے خیر دیتے ہیں لیکن اگر وہ بری حالت میں ہو تو اسے قاتل یا قصاب دنیوہ سے خیر دیتے ہیں۔ زہرہ اگر اچھی حالت میں ہو تو اسے رقصہ یا مطرب دنیوہ سے خیر دیتے ہیں۔ لیکن اگر وہ بری حالت میں ہو تو اسے قاتل یا قہر دنیوہ سے خیر دیتے ہیں۔ اسی طرح دیگر سیاروں کے لئے بھی سمجھ لینا چاہئے۔ ان سیاروں کے باہمی تعلقات کے لئے ان کی "نظروں" کو سمجھ لینا بھی

ضروری ہے، یعنی اگر دو سیاروں کے درمیان چھ ہرج کا فاصلہ ہو تو کہا جاتا ہے۔ کہ وہ ایک دوسرے کو نظر نحیف سے دیکھ رہے ہیں۔ اگر چار ہرج کا فاصلہ ہو تو اسے نظر ٹھیک کہتے ہیں، اگر تین ہرج کا فاصلہ ہو تو اسے نظر ترجیح کہتے ہیں، اور اگر دو ہرج کا فاصلہ ہو تو اسے نظر تدلیس کہتے ہیں۔ نحیف کو عقل و حسی کی نظر، ٹھیک کو عقل و حسی کی نظر، ترجیح کو نصف و حسی کی نظر، تدلیس کو نصف و حسی کی نظر سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی زائچے میں مریخ اور زحل آپس میں ایک دوسرے کو نظر ترجیح سے دیکھ رہے ہوں تو یہ سمجھا جائے گا کہ دونوں سیاروں پر ایک دوسرے کی نصف و حسی کا برا اثر پڑ رہا ہے۔ یعنی اس زائچے کے مولود کو مریخ ایک کبیدہ خاطر گنجلد انسان کی طرح ستا رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی زحل بھی اس مولود کو خشم آلود کافر کی طرح برہادر رہا ہے۔ یا مثلاً اگر کسی زائچے میں حسی، زحل اور دھرم ایک ہی ہرج میں موجود ہوں اور ابھی حالت میں ہوں تو یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک شہنشاہ کے ساتھ ایک دشمن بیٹھا ہوا ہے اور ایک مطرب ان دونوں کے سامنے گا رہی ہے۔ اسی قسم کی بہت سی اور بھی تفصیلات کو اصطلاحاً ترجیح سیاروں کہتے ہیں۔

ترجیح سیاروں کے بعد سام کے حلقے بھی کچھ واقفیت بھی پہنچا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ مختلف سام کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان کا مطالعہ جان کتاب الفہم لکھنا اسل مناہج الفہم میں موجود ہے۔ نمائین نے طالع کے لحاظ سے مختلف سیاروں کی ایک دوسرے سے دوری کی بنیاد پر مختلف سام مقرر کئے ہیں جن کے استخراج کا طریقہ دن کے وقت کچھ اور ہوتا ہے اور رات کے وقت کچھ اور ہوتا ہے۔ چونکہ غالب کی پیدائش رات کے وقت ہوئی تھی اس لئے میں صرف رات کے وقت کا طریقہ بیان کروں گا اور صرف انہی چار سام کا ذکر کروں گا جن کے نام غالب کے زائچے میں درج ہیں۔ سم السعادت حاصل کرنے کے لئے حسی کے مقام میں سے قمر کے مقام کو تفریق کرتے ہیں اور حاصل کرنے کے لئے حسی کے مقام میں سے قمر کے مقام کو تفریق کرتے ہیں اور حاصل تفریق میں طالع کو جمع کرتے ہیں۔ سم الغیب معلوم کرنے کے لئے قمر کے مقام میں سے حسی کے مقام کو تفریق کرتے ہیں اور حاصل تفریق میں طالع کو جمع کرتے ہیں۔ سم الولد معلوم کرنے کے لئے عطری کے مقام میں سے زحل کے مقام کو تفریق کرتے ہیں اور حاصل تفریق میں طالع کو جمع کرتے ہیں۔ سم امراض معلوم کرنے کے لئے زحل کے مقام میں سے مریخ کے مقام کو تفریق کرتے ہیں اور حاصل تفریق میں طالع کو جمع کرتے ہیں۔ ان سام کے بھی مختلف نیک و بد ثمرات مقرر کر لئے گئے ہیں لیکن ان کے حلقے یہاں کچھ بیان کیا جائے گا۔

اب زائچے کی شکل کے حلقے بھی چند ابتدائی باتیں درج کی جاتی ہیں تاکہ غالب کے زائچے کی اہمیت کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ کسی خاص شخص کی پیدائش کے وقت اس کا زائچہ بنانے کے لئے بارہ خانوں والا ایک نقشہ دائرہ نما یا مربع نما یا مستطیل نما بنایا جاتا ہے۔ پھر پیدائش کی ساعت اور مقام پیدائش کے مطابق حساب لگا کر معلوم کیا جاتا ہے کہ اس وقت افق مشرق میں کون سا ہرج ظہور ہو رہا ہے۔ ہو ہرج ظہور ہو رہا ہوتا ہے اسے اس نقشے کے پہلے خانے میں لکھ دیا جاتا ہے اور اس ہرج کے ظہور شدہ درجے اور دقیقے بھی اس کے ساتھ ہی لکھ دیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد اس سے اگلے ہرج کو اس نقشے کے دوسرے خانے میں لکھ دیا جاتا ہے اور پھر اس نقشے کے باقی خانوں میں بھی

جائی بدھ باقرتیب لکھ دیے جاتے ہیں۔ اس طرح جو برج اس وقت افق مغرب میں غروب ہو رہا ہوتا ہے وہ خود غور اس نقش کے ساتویں خانے میں پڑ جاتا ہے۔ ہر برج سر کے اوپر خط نصف النہار پر ہوتا ہے وہ دوسری خانے میں پڑ جاتا ہے۔ اور برج زمین کی دوسری سمت میں ہمارے قدموں کے نیچے (یعنی امریکہ کے نصف النہار پر) ہوتا ہے وہ چوتھے خانے میں پڑ جاتا ہے۔ ان چاروں خانوں کو سمت ہی اہم سمجھا جاتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو وہ لور چاروں کو اوتار کہتے ہیں۔ خصوصاً پہلے خانے کو یا اس کے برج کو طالع اور ساتویں خانے کو یا اس کے برج کو غارب کہتے ہیں۔ اصل مند طالع کو لکھن کہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ حساب لگایا جاتا ہے کہ اس دن لور تارخ کو سیاروں کے مقدمات کیا تھے۔ پھر جو سیارہ جس برج میں ہوتا ہے اسے اسی برج کے خانے میں لکھ دیا جاتا ہے اور اس کے طے شدہ درجے اور دقیقے بھی اس کے ساتھ لکھ دیے جاتے ہیں۔ اس طرح زائچہ مکمل ہو جاتا ہے۔ بعض مغربی سم السطوت، سم الغیب، سم الاول، سم امراض وغیرہ کو بھی زائچے میں مناسب مقدمات پر لکھ دیتے ہیں۔ مختلف خانوں میں مختلف بدھ کے درجے اور دقیقے معلوم کرنے کا بھی ایک ہدایتی طریقہ ہے جو یہاں بیان نہیں کیا گیا، کیونکہ ذرا تحریر مضمون سے اس کا کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔ زائچے کے بارہ خانوں کی سعادت و نحوست بھی ان بدھ لور ان سیاروں کا ہر خانہ بھی ایک خاص شعبہ زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ مثلاً مولود کے زائچے کا پہلا خانہ جہم لور دل سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرا خانہ دولت اور خاندان سے، تیسرا خانہ بھائی اور طاقت سے، چوتھا خانہ ماں اور سکون سے، پانچواں خانہ بیٹے اور علم سے، چھٹا خانہ دشمن اور بیماری سے، ساتواں خانہ بیوی اور بخش سے، آٹھواں خانہ موت اور عمر سے، نواں خانہ قسمت اور ایمان سے، دسواں خانہ حکومت اور کاروبار سے، گیارہواں خانہ آمدنی اور قائدے سے، اور بارہواں خانہ فرج لور نقصان سے تعلق رکھتا ہے۔

غالب کے نمونے میں زائچے کے اندر مند سے لکھنے کے درجہ نہیں تھا بلکہ ابجد، حوز کے قاعدے کے مطابق مندوں کے بجائے حروف لکھ دیے جاتے تھے۔ یعنی حا کا صغر، الف کا ایک، ب کے ۲، ج کے ۳، د کے ۴، ه کے ۵، و کے ۶، ز کے ۷، ح کے ۸، ط کے ۹، ی کے ۱۰، ک کے ۱۱، ل کے ۱۲، م کے ۱۳، ن کے ۱۴، س کے ۱۵، ع کے ۱۶، ف کے ۱۷، ص کے ۱۸، ق کے ۱۹، ر کے ۲۰، ش کے ۲۱، ت کے ۲۲، ث کے ۲۳، ذ کے ۲۴، ز کے ۲۵، ض کے ۲۶، ط کے ۲۷، اور ع کے ۲۸ ہوتے ہیں۔ اب اگر ہمیں ۸ لکھتا ہے تو صرف ع لکھ دینا کافی ہو گا۔ اگر ہمیں ۲۷ لکھا ہے تو ک اور ز کو ملا کر ہم کز لکھیں گے، اور اگر ۳۹ لکھتا ہے تو لظ لکھیں گے۔ یعنی اگر کسی وقت کسی مقام پر طالع برج قوس کے ۲۷ درجے ۳۹ دقیقے پر ہے تو ہم زائچے کے پہلے خانے میں صرف ع لکھ لکھ دیں گے، کیونکہ آٹھ مکمل بدھ طے ہو چکے ہیں اور نوں ناقص بدھ قوس طلوع ہو رہا ہے جس کے ۲۷ درجے ۳۹ دقیقے طلوع ہو چکے ہیں۔ اب اگر ہم حساب لگا کر معلوم کریں کہ اس وقت سیارہ زہرہ بھی برج قوس میں تھا اور اس برج کے ۳۳ درجے ۲۳ دقیقے طے کر چکا تھا تو ہم زہرہ کو بھی زائچے کے پہلے خانے میں لکھ کر اس کے نیچے یہ لکھ دیں گے۔ اسی طرح تمام سیاروں اور سماں کو زائچے کے مختلف خانوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔

اس ضروری تمہید کے بعد میں اصل مقصد کی طرف آتا ہوں۔ صفر ۲۲ پر غالب کے اس زائچے کا عکس دیا جاتا

ہے جو ان کے کلیات فارسی کے نو لکھنوردی ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۷۹ء ہجری (۱۸۲۳ء عیسوی) میں شائع ہوا تھا اور جس کی اشاعت کے چھ سال بعد تک غالب زندہ رہے تھے۔ یہ ڈانچہ صفحہ ۱۸۸ اور صفحہ ۱۸۹ کے درمیان موجود ہے۔ غالب کا یہی ڈانچہ کلیات فارسی مطبوعہ ۱۳۳۴ ہجری (۱۸۴۸ء عیسوی) میں بھی موجود ہے۔ اور اس میں بھی اسی قسم کی تفصیلات درج ہیں لیکن ذرا کم ہیں۔ اس کی شکل و صورت میں بھی ذرا سا فرق ہے اور اس میں سنہ عیسوی کا ذکر بھی نہیں ہے۔ یہ غلط رہے کہ غالب کی پیدائش اکبر آباد یعنی آگرے کے مقام پر ہوئی تھی جس کا عرض البلد تقریباً ۲۷ درجے شمال ہے اور طول البلد تقریباً ۷۸ درجے مشرق ہے۔ اس شائع شدہ ڈانچے کے طالع بینی پہلے خانے کے سوا باقی خانوں کے درجوں اور دقیقوں پر کوئی تبصرہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ ہمارے مقصد کے لئے غیر ضروری ہے۔ طالع کے درجے اور دقیقے معلوم ہو جانے کے بعد اسی کی مدد سے باقی خانوں کے درجے اور دقیقے خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں۔ ڈانچے کا ٹکس صفحہ ۲۲ پر ملاحظہ فرمائیے۔

اس ڈانچے سے ہمیں مندرجہ ذیل خاص خاص باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ جو کہ غالب کے شائع شدہ ڈانچے کے مطابق تقویم سیارگان۔

- ۱۔ استخراج تقویم یومانی بروز یکشنبہ ۸ رجب، بوقت چہار گھڑی پیش از طلوع آفتاب بمقام اکبر آباد (شائع شدہ سنہ ہجری ۱۳۳۴ ہے اور سنہ عیسوی ۱۸۴۸ء ہے) لیکن دونوں مخلوک ہیں جیسا کہ بعد میں بتایا جائے گا۔
- ۲۔ طالع بینی پہلا خانہ 'برج قوس' کے ۲۷ درجے ۳۹ دقیقے پر تھا۔
- ۳۔ شمس دوسرے خانے میں 'برج جدی' کے ۱۸ درجے ۲۰ دقیقے پر تھا۔
- ۴۔ قمر چھٹے خانے میں 'برج ثور' کے ۸ درجے ۲۱ دقیقے پر تھا۔
- ۵۔ ماس آٹھویں خانے میں 'برج سرطان' کے صفر درجے ۱۵ دقیقے پر تھا۔
- ۶۔ زہرہ دسے خانے میں 'برج جدی' کے صفر درجے ۱۵ دقیقے پر تھا۔
- ۷۔ مریخ چوتھے خانے میں 'برج حوت' کے ۲۳ درجے ۲۹ دقیقے پر تھا۔
- ۸۔ عطارد دوسرے خانے میں 'برج جدی' کے ۳۱ درجے ۸ دقیقے پر تھا۔
- ۹۔ مشتری چوتھے خانے میں 'برج حوت' کے ۳۰ درجے ۳۷ دقیقے پر تھا۔
- ۱۰۔ زہرہ پہلے خانے میں 'برج قوس' کے ۳ درجے ۲۳ دقیقے پر تھا۔
- ۱۱۔ زحل ساتویں خانے میں 'برج جوزا' کے ۲۲ درجے ۲۸ دقیقے پر تھا۔
- ۱۲۔ سم السموات دسویں خانے میں 'برج سنبلہ' کے ۷ درجے ۳۸ دقیقے پر تھا۔

(سم الغیب 'سم لولہ اور سم امراض' کا ذکر بعد میں کیا جائے گا)۔

نوٹ: محدثوں کی چہرے کے استنباط کے مطابق بھی طالع برج قوس ہی میں تھا لیکن اس برج کے چھ درجے پر تھا۔ اس کے علاوہ شمس بھی برج قوس کے ستائیس درجے پر تھا، زہرہ بھی برج قوس کے گیارہ درجے پر تھا۔ معلوم نہیں غالب کا یہ ڈانچہ کس ذریعہ پر بنایا گیا تھا کیونکہ اس زمانے میں بہت سی لمبھی رائج تھیں اور

مردج کے حسابات میں دوسری زوجوں کے حسابات سے چند درجوں یا چند دقیقوں کا فرق ضرور پڑ جاتا ہے۔ ہر حال اگر ہم اس معمولی سی اشتباہی حقیقت کو سامنے رکھیں اور چند درجوں یا دقیقوں کے فرق کو نظر انداز کرنے کے بعد کسی بھی زوج کی مد سے یہ معلوم کرنا چاہیں کہ سیاروں کے مندرجہ بالا انتظامات کب واقع ہوئے تھے تو ہم کو غالب کی صحیح تاریخ پیدائش کا علم ہو جائے گا، کیونکہ واسطے میں سیاروں کے مجموعی مقامات صرف ایک خاص دن اور خاص ساعت ہی میں حاصل ہوتے ہیں اور پھر ہزاروں سال میں بھی اس قسم کا زائچہ نہیں بن سکتا۔ اس لئے اگر غالب کے شائع شدہ واسطے کی سرفی میں ان کی پیدائش کا وقت 'دن' تاریخ اور سن نہ بھی لکھے ہوتے تو بھی صرف واسطے کے سیاروں کے مقامات ہی سے حساب لگا کر سب کچھ معلوم کیا جاسکتا تھا۔ اس قسم کی ایک مثال اس مضمون کے آخر میں درج کر دی گئی ہے۔

میں نے جن کتابوں اور زوجوں سے مد لے کر مندرجہ ذیل حسابات لگائے ہیں ان کا ذکر اس مضمون کے خاتمے پر کر دیا گیا ہے۔ یہ انجمن مختلف صدیوں میں لکھی گئی ہیں اور ان میں مختلف امرگن' جولین ڈے اور تقویم سیاروں وغیرہ معلوم کرنے کے طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ امرگن دراصل دنوں کی اس تعداد کو کہتے ہیں جو ایک خاص تاریخ سے دوسری خاص تاریخ تک گزر جاتے ہیں۔ لہذا میرے حساب کے مطابق غالب کا یہ زائچہ صرف اور صرف ۸ جنوری ۱۷۷۱ عیسوی مطابق ۸ ربیع الثانی ۱۱۹۱ ہجری بمطابق انجم اکبر آباد طالع آفتاب سے چار گزری نکل یعنی انجمن اسٹینڈرڈ ٹائم کے مطابق ۵ صبح ۵ بج کر ۳۶ منٹ کے لئے ہی ہو سکتا ہے، کسی اور وقت 'دن' تاریخ یا سن کے لئے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مثال کے طور پر صرف قمر کے مقام ہی کو لیجئے۔ اگر تاریخ پیدائش میں ایک دن کا بھی فرق ہو جائے تو قمر کے مقام میں تقریباً تیرہ درجے کا فرق ہو جائے گا۔ یعنی اگر غالب کی پیدائش تاریخ ۷ جنوری ۱۷۷۱ عیسوی بمطابق قمریہ فرض کریں تو قمر پانچویں خانے میں برج حمل کے تقریباً ۲۵ درجے پر آتا ہے، حالانکہ غالب کے واسطے کے مطابق قمر پچیسے خانے میں برج ثور کے تقریباً ۸ درجے پر ہے۔ یہ بات بھی بالکل عینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ یہ زائچہ غالب کی پیدائش کے وقت ہی ان کے والد نے کسی قابلِ علم سے بنوایا تھا کیونکہ اگر یہ زائچہ بعد میں بنایا گیا ہو، تو اس میں اتنی صحیح تفصیلات درج نہ ہوتیں۔ خصوصاً بعدوں کی چتر کے استنباط کے مطابق ذب کو برج قوس کے گیارہ درجے پر بتایا گیا ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ عمرگن سے بنی ہوئی اس سال کی چتر کو بطور دیکھ کر حساب لگایا گیا ہو۔ ورنہ اگر یہ زائچہ کوئی عجم بعد میں بناتا تو ذب کی بجائے تقویم (یعنی برج جدی کے مفرد درجہ ۱۵ دقیقے) میں سے ایٹائن کے ۲۱ درجے تقریباً قمر کے مندرجہ تقویم (یعنی برج قوس کے ۹ درجے ۱۵ دقیقے) حاصل کر لیتا اور نتیجتاً گیارہ درجے کے بجائے ۹ درجے لکھ دیتا۔ میرے حساب کے مطابق ۸ جنوری ۱۷۷۱ عیسوی کو صبح ۵ بج کر ۳۶ منٹ پر واسطے کے لئے مندرجہ ذیل تقویم سیاروں حاصل ہوتی ہے۔ عام پڑھنے والوں کی سمجھ میں اگر بعض علمی اصطلاحات نہ آئیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ ان کو سب سے بغیر بھی قمر مضمون کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔ میں نے طالع کے استخراج کے لئے ایٹا ہی لاسری کی جدولوں سے کام لیا ہے۔ قمر کی تقویم کے لئے نئے کوسم کی زوج کے مطابق حساب لگایا ہے۔ قمر' راس اور ذب کی تقویم کے لئے اسی طریقے پر اڑن کی زوج کا سارا لیا ہے۔ باقی سیاروں کے لئے

گرہ لاکھو کی رتھ کو بنیاد ملتا ہے۔ استنباط پتہ بندی کے لئے حکمران ساری کی رتھ کو استعمال کیا ہے اور تاریکی کی مطابقت کے لئے غرق الزیجات کو اپنایا ہے۔ طلوع آفتاب کا وقت اور انجین اسٹیڈرو ٹائم وغیرہ معلوم کرنے کے لئے آگرے کی پبلشیا کو تقریباً چھ انگل سات دسگن ملتا ہے۔ چھ گھنٹوں کو پانچترتیب ۱۱ مل ۲۹ اور ۳۰ مل ملتا ہے۔ عرض البلد کو تقریباً ۲ درجے شمال ملتا ہے، طول البلد کو تقریباً ۷۸ درجے مشرق ملتا ہے، قدیم لٹکا کو تقریباً ۷۵ درجے ۳۵ دقیقے مشرق طول البلد پر ملتا ہے، اور انجین اسٹیڈرو ٹائم کو ۸۳ درجے ۳۰ دقیقے مشرق طول البلد کے مطابق ملتا ہے۔ میرے صاحب کے مطابق تقویم میاں لکھن

۱۔ استخراج تقویم یوٹائی تاریخ ۸ ربیع ۳۵ ہجری مطابق ۸ جنوری ۱۷۹۷ء بمطابق ہجری بروز یکشنبہ بمقام اکبر آباد وقت چار گھنٹہ پیش از طلوع آفتاب انجین اسٹیڈرو ٹائم کے مطابق طے الصباح ۵ بج کر ۳۹ منٹ پر۔ اپناش تقریباً ۲۱ درجے۔ مساحت وقت تقریباً ۷ منٹ مثبت۔ غرق الزیجات اسرگن ۷۳۳۳۳۰۳۰، گرہ لاکھو پتھر ۲۵، اسرگن ۶۸۳، یوٹائی ۷۳۷۷۳۷۔

- ۲۔ طالع یعنی پست خانہ۔ برج قوس کے ۲۹ درجے ۱۸ دقیقے پر (فرق اورچ ۳۹ دقیقے مثبت)
 - ۳۔ شمس دوسرے خانے میں۔ برج جدی کے ۱۸ درجے ۳۰ دقیقے پر (فرق صفر درجہ صفر دقیقہ)
 - ۴۔ قمر چھٹے خانے میں۔ برج ثور کے ۹ درجے ۱۸ دقیقے پر (فرق صفر درجہ ۵۵ دقیقے مثبت)
 - ۵۔ راس آسمانی خانے میں۔ برج سرطان کے صفر درجے ۳۰ دقیقے پر (فرق صفر درجہ ۶ دقیقے منفی)
 - ۶۔ زنب دوسرے خانے میں۔ برج جدی کے صفر درجہ ۳۰ دقیقے پر (فرق صفر درجہ ۱۱ دقیقے منفی)
 - ۷۔ مریخ پچھلے خانے میں۔ برج حوت کے ۲۵ درجے ۲۳ دقیقے پر (فرق اورچ ۵۴ دقیقے مثبت)
 - ۸۔ عطارد دوسرے خانے میں۔ برج جدی کے ۲۸ درجے ۱۲ دقیقے پر (فرق ۴ درجے ۴ دقیقے مثبت)
 - ۹۔ مشتری چوتھے خانے میں۔ برج حوت کے ۱۱ درجے ۳۶ دقیقے پر (فرق اورچ ۹ دقیقے مثبت)
 - ۱۰۔ زہرہ پچھلے خانے میں۔ برج قوس کے ۱۳ درجے ۳۰ دقیقے پر (فرق صفر درجہ ۷۰ دقیقے مثبت)
 - ۱۱۔ زحل ساتویں خانے میں۔ برج جوزا کے ۴۵ درجے ۱۲ دقیقے پر (فرق ۲ درجے ۴۸ دقیقے مثبت)
 - ۱۲۔ سم السموات۔ دوسرے خانے میں، برج سنبلہ کے ۸ درجے ۴۰ دقیقے اور (فرق صفر درجہ ۳۲ دقیقے مثبت)
- نوٹ: صندوق کی پتہ کے استنباط کے مطابق طالع برج قوس کے چھ درجے پر تھا، شمس برج قوس کے ستائیس درجے پر تھا، اور زنب برج قوس کے گیارہ درجے پر تھا۔ (یہ مقالات بعضہ دہی میں جو غالب کے شاہجہادہ زائچہ میں درج ہیں اور ان سے میرے بیان کی صداقت کسی شک و شبہ کے بغیر ثابت ہو جاتی ہے)۔

اس مقام پر ایک لفظ فنی کا ازالہ کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ الیڈورڈ مائلو کی تقویم ہجری و ہجری سلسلہ ۱۱۸۸ (محدث) نمبر ۳۳، مملوہ و مملی (۱۸۳۹ء) کے مطابق ۸ جنوری ۱۷۹۷ء بمطابق ۹ ربیع ۳۵ ہجری کی تاریخ پڑتی ہے، لیکن غالب کے زائچہ کی سزئی کے مطابق ۸ جنوری ۱۷۹۷ء بمطابق ۸ ربیع ۳۵ ہجری کی تاریخ تھی۔ اس بات سے شاید عام پڑھنے والوں کے دلوں میں شک پڑ جائے، اس لئے پہلے میں الیڈورڈ مائلو کی تقویم ہجری

و بصورتی کی اصل حقیقت کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ یہ تقویم دراصل طس و قمری صرف اوسط رفتاروں کی بنیاد پر بنائی گئی ہے اور اس میں عام طور پر سلسلہ وار ایک قمری مہینہ ۳۰ دن کا اور دوسرا قمری مہینہ ۲۹ دن کا سمجھا جاتا ہے۔ سال کیسے میں دی الجہ کے مہینے کو بھی ۲۹ کے بجائے ۳۰ دن کا سمجھ لیا جاتا ہے۔ لیکن جیسا کہ قریباً ایک مہینہ ثابت کیا گیا ہے، حقیقی رویت حلال کے مطابق کبھی دو کبھی تین قمری مہینے کے بعد دیگرے متواتر انتیس دن کے بھی ہو سکتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ ایڈورڈ مہلول کی تقویم ہجری و بصورتی کے مطابق معلوم کی ہوئی اوسط ہجری تاریخ اور رویت حلال کے مطابق معلوم کی ہوئی حقیقی ہجری تاریخ کے درمیان کبھی ایک دن اور کبھی دو دن کا فرق پڑ سکتا ہے۔ بلکہ اگر مطلع صاف نہ ہو تو تین دن کا فرق بھی پڑ سکتا ہے اس لئے جو حضرات کسی حقیقی کام کے لئے ایڈورڈ مہلول کی تقویم ہجری و بصورتی کو حرف آخر سمجھ لیتے ہیں، وہ بہت بڑی غلطی کرتے ہیں۔ میں نے اکثر ایسے تاریفات لوگوں کی تحریریں پڑھی ہیں جنہوں نے محض ایڈورڈ مہلول کی تقویم کی بنا پر بڑے بڑے تاریخی واقعات کو بھٹکانے کی کوشش کی ہے۔

دراصل علم ہفت کی مختلف کتابوں میں حقیقی رویت حلال معلوم کرنے کے لئے معیاری قاعدے درج ہیں۔ اس لئے حقیقی کام کرنے والوں کو لازم ہے کہ وہ ان معیاری قاعدوں سے صحیح ہجری تاریخ کا تعین کریں۔ اگرچہ وہ کتنے ہی دشوار کیوں نہ ہوں۔ علم ہفت کے ان معیاری قاعدوں کو استعمال کرنے کے باوجود بعض اوقات ہجری تاریخ میں ایک دن کا فرق پڑ سکتا ہے۔ جس کا سبب یہ ہے کہ کبھی کبھی شام کے وقت ہجری مہینے کی ۲۹ تاریخ کو آسمان اس قدر گرد و غبار و ابر آلود ہوتا ہے کہ لوگوں کو چاند نظر نہیں آتا حالانکہ چاند نظر آنے کے قابل ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں شرعی طور پر رویت حلال نہیں مانی جاتی بلکہ اس ہجری مہینے کے ۳۰ دن پورے کرنے کے بعد اگلا ہجری مہینہ شروع کیا جاتا ہے۔ یعنی جس دن حقیقی طور پر اگلے مہینے کی تکمیل تاریخ ہوئی چاہے کتنی اس دن کو شرعی طور پر پہچنے مہینے کی ۳۰ تاریخ سمجھ لیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں دن کے نام کو بنیاد بنا کر حسابات لگانے چاہئیں کیونکہ دن کے نام میں کسی حالت میں بھی کوئی اختلاف یا شک و شبہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسی قسم کا اتفاق غالب کی پیدائش کے وقت بھی ہوا تھا جس کی تفصیل اس جگہ بیان کرنا ضروری ہے۔ میں نے علم ہفت کے معیاری قاعدوں سے حساب لگا کر معلوم کیا ہے کہ یکم دسمبر ۱۷۹۱ء بصورتی کو اگرے میں بروز پنجشنبہ جمادی الاخر ۱۲۱۰ ہجری کا چاند نظر آیا تھا اس لئے ۳۰ دسمبر ۱۷۹۱ء بصورتی کو بروز جمعہ جمادی الاخر ۱۲۱۰ ہجری کی ۲۹ تاریخ تھی۔ ان دن اگرے کے مقام پر غروب آفتاب کے وقت تقویم پرانی کے مطابق طس برج جدی کے ۹ درجے ۳۹ دقیقے پر تھا۔ قمری برج جدی کے ۲۳ درجے ۶ دقیقے پر تھا اور اس برج سرطان کے ۱ درجہ ۸ دقیقے پر تھا۔ ان مواضع کی بنیاد پر علم ہفت کے معیاری قاعدوں کے مطابق حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ اس شام کو رویت حلال کا قوی امکان تھا کیونکہ حلال نظر آنے کے قابل صاف چکا تھا۔ لیکن قرآنی سے پتا چلتا ہے کہ اس وقت افق مغرب اس قدر کدھ تھا کہ لوگوں کو رجب کا چاند نظر نہ آ سکا۔ اس لئے انہوں نے شرعی طور پر بروز شنبہ ۳۱ دسمبر ۱۷۹۱ء بصورتی کو ۳۰ جمادی الاخر ۱۲۱۰ ہجری ۱۱۔ اور بروز یکشنبہ یکم جنوری ۱۷۹۲ء بصورتی کو یکم رجب ۱۲۱۰ ہجری ۱۱۔ یعنی وہ ہے کہ غالب کے واسطے کی سرفی میں بروز

مکتبہ ۸ جنوری ۱۷۷۱ عیسوی کو ۸ ربیع ۱۱۹۱ ہجری مانا گیا ہے۔ اس زمانے میں شہرہ اشاعت کے ذریعے اسے سوئٹس نہیں تھے کہ اگر کسی دور دراز کے علاقے میں چاند نظر آجائے تو اس کی اطلاع فوراً ملک کے عرصے میں پہنچ جائے۔ اس لئے اگرے والوں نے صرف اپنے ہی اقل کے مطابق ہجری تاریخ کا تعین کیا تھا حالانکہ ملک کے بعض دورے حصوں میں ۳۰ دسمبر ۱۷۹۹ عیسوی کو بدھ چاند ضرور نظر آیا ہو گا۔ یہ اس بات کا مزید ثبوت ہے کہ غالب کا زائچہ ان کی پیدائش کے وقت ہی بنایا گیا تھا۔ اگر بعد میں بنایا جاتا تو زائچہ بنانے والا غم ۸ جنوری ۱۷۷۱ عیسوی کو لازمی طور پر ۹ ربیع ۱۱۹۱ ہجری مانا کیونکہ اسے اسے عرصے بعد اس حقیقت کا علم کس طرح ہو سکتا تھا کہ ۳۰ دسمبر ۱۷۹۹ عیسوی کو اگرے میں ربیع کا چاند نظر نہیں آیا تھا بلکہ ایڈورڈ اہلوی کی تقویم کے مطابق "فرقۃ الزیجات کے اوسط طریقے کے مطابق" اور علم ہیئت کے معیاری قواعدوں کے مطابق بھی ۳۰ دسمبر ۱۷۹۹ عیسوی کو ضرور چاند نظر آتا چاہئے تھا۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ جب غالب کی صحیح تاریخ پیدائش ۸ ربیع ۱۱۹۱ ہجری مطابق ۸ جنوری ۱۷۷۱ عیسوی بدھ مکتبہ ہے تو پھر غالب نے اسے ۸ ربیع ۱۱۹۳ ہجری کیوں سمجھا ہے اور حرمقام پر اپنی پیدائش کا سنہ ۱۱۹۳ کیوں بتایا ہے؟ جیسا کہ ان کے خود لکھے ہوئے بارہ حائے تاریخ یعنی خود شوق "طریب" اور تاریخ سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ نیز ان کے شائع شدہ زائچے میں سنہ ۱۱۹۳ اور سنہ ۱۷۹۸ عیسوی کیوں درج ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ میں انہوں نے قوانین وفاق کے ساتھ کلمہ سکتا ہوں کہ غالب کے زائچے کے اصل مخطوطے کی سرخشی میں "ثبوت چاند گھڑی پیش از طلوع صبح روز مکتبہ ہشتم ربیع ۱۱۹۱ ہجری مطابق آغاز ۱۷۷۱ عیسوی" لکھا ہوا ہو گا۔ اس زمانے میں عیسوی تاریخ کو زیادہ اہمیت حاصل نہیں تھی "اس لئے ۸ جنوری ۱۷۷۱ عیسوی کے بجائے صرف آغاز ۱۷۷۱ عیسوی لکھا ہی کافی سمجھا گیا ہو گا" یا ممکن ہے اصل مخطوطے میں سنہ عیسوی کا ذکر ہی نہ ہو اور بعد میں اسے شامل کیا گیا ہو۔ بہر حال جب غالب نے ایک عرصے تک قیسی اور مصیبت کی زندگی گزارنے کے بعد ہوش سنبھالا ہو گا اور پرانے کاغذات میں اپنے بوسیدہ زائچے کو ابھی دیکھا ہو گا تو ممکن ہے اس وقت اس کی سرخشی کے بعض حروف صاف صاف نہ چڑھے جاسکے ہوں اور بالخصوص سنہ ۱۱۹۳ ہجری اور سنہ عیسوی کے بارے میں کوئی غلط فہمی پیدا ہو گئی ہو جس کی بنا پر ۱۱۹۳ ہجری کو ۱۱۹۳ ہجری اور ۱۷۷۱ عیسوی کو ۱۷۷۱ عیسوی فرض کر لیا گیا ہو۔ حالانکہ اگر ۱۱۹۳ ہجری کو ۱۱۹۳ ہجری فرض کر لیا گیا تھا تو آغاز ۱۷۷۱ عیسوی کو اواخر ۱۷۷۱ عیسوی فرض کرنا چاہئے تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید غالب کو بھی اس امر کی حقیقت کا موقع نہیں مل سکا ہو گا اور انہوں نے ۱۱۹۳ ہجری ہی کو صحیح ماننے میں کوئی مصلحت سمجھی ہو گی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر غالب کے زائچے کا اصل مخطوطہ دیکھا جائے، یا کلیات قاری کا وہ مخطوطہ دیکھا جائے جس کی بنیاد پر نوٹسٹوری ایڈیشن شائع ہوا تھا تو زائچے کی سرخشی میں سنہ ۱۱۹۳ ہجری اور سنہ عیسوی کے آخری حندے یعنی باقریب "۲" اور "۸" ضرور منکھوک و مشتبہ نظر آئیں گے "جن کو اگر فور سے دیکھا جائے تو باقریب "۶" اور "۷" بھی چڑھا جا سکتا ہو گا۔ اور شاید اس منکھوکیت ہی کی وجہ سے نوٹسٹوری پر اس والوں نے مخطوطے کے سنہ ۱۱۹۳ ہجری کو نہ ۱۱۹۳ چڑھا بلکہ ۱۱۹۳ چڑھا لیا اور اسی طرح شائع کر دیا۔ بہر حال اب یہ دورے اصل علم حضرات

کا کام ہے کہ وہ اس ملکوکیت کی اصل حقیقت معلوم کریں میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ غالب کی صحیح تاریخ پیدائش اردوئے زائچہ ۸ جنوری ۱۸۹۷ء بمطابق ۸ رجب ۱۲۹۷ ہجری ہے۔

غالب نے اپنی تحریروں میں بار بار ہفتہ کو اپنا یوم پیدائش لود ۸ رجب کو اپنی تاریخ پیدائش بتایا ہے۔ جیسا کہ نواب علانی کے نام ایک خط میں مورخہ جون ۱۸۹۷ء بمطابق ۱۸ رجب کو تذکرہ مظہر العجائب کے لئے لکھی ہوئی ان کی ایک تحریر سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان حقائق سے اس بات کا مزید ثبوت ملتا ہے کہ ان کا سن پیدائش ۱۲۹۷ ہجری نہیں ہے بلکہ ۱۲۹۸ ہجری ہے کیونکہ ۸ رجب ۱۲۹۷ ہجری کو ہفتہ نہیں تھا بلکہ چار شنبہ تھا اور جیسا کہ بعد میں بتایا جائے گا۔ سیاروں کے مواضع بھی غالب کے زائچے سے بالکل مختلف تھے۔ ۸ رجب ۱۲۹۷ ہجری کو ضرور ہفتہ تھا لیکن اس دن بھی سیاروں کے مواضع غالب کے زائچے سے بالکل مختلف تھے۔ ۸ رجب ۱۲۹۷ ہجری کو بھی ہفتہ نہیں تھا بلکہ جمعہ تھا اور سیاروں کے مواضع بھی غالب کے زائچے سے بالکل مختلف تھے۔

غالب کے زائچے میں سیاروں کے جو مواضع درج کئے گئے ہیں اور جن کی غلطی پر میں نے غالب کی صحیح تاریخ پیدائش معلوم کی ہے ان کی تصدیق غالب کے اس لا جواب قادی قصیدے کے تشبیب کے اشعار سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی شان میں کہا تھا۔ یہ قصیدہ انہوں نے اپنی کتب مشقی کے زمانے میں یعنی تقریباً چالیس سال کی عمر میں کہا تھا۔ اس کا ایک ایک معارف و معانی کا دریا ہے۔ اس قصیدے کے کل ایک سو بارہ اشعار میں سے صرف وہ اشعار اشعار جن کا قصص مضمون سے تعلق ہے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ ان اشعار میں غالب نے اپنے زائچے کے سیاروں کی سعادت و غصہ پر اپنے مخصوص حالانہ و شاعرانہ انداز میں طبعی تبصرہ فرمایا ہے۔ اگر اس ذمہ ملائے مضمون کی قصید کو اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لیا جائے تو ان اشعار کو سمجھنے میں ذرا سی بھی مشکل پیش نہیں آئے گی۔

مگر مرا دل کافر بود شب میلاد
کہ ظلمتیں دھند از گور اصل عصیان یاد
خود اصل خالق من جزوے از کائنات
کدوست ملک فم را هزار گونہ کشاد
خرام زحمہ بطلع اگرچہ دلدہ نکاح
ہم از لطافت طبع و دم از صفائے نعل
دلے ازاں کہ غریب است زحمہ اندر قوس
نشت بر سر نقد قبول گرد کساد
تو کوئی از اثر انعام حادث است
کہ سر بطلع من چشم زحمہ را چلاو

چہ صفر ہدیٰ زنب را اشارۃ باشد
 بخاک و حلقہ دام و کھیں کہ صیاد
 چہ دام؟ مدح رداں را گذازش پ دیال
 چہ صفر؟ رنج و الم را فزائش اعدا
 زمر و یکہ حیر کشاد شد بجدی
 فردغ افگر رخشہ و کھے زرداد
 بخت در شدہ مم شتری و مم مرغ
 یکے کلیل صلاح و یکے دلیل فساد
 یکے بہشت جہنم کہ ناکہ از غونا
 ہکنج صومہ و امانہ باشد از لوداد
 یکے بصورت ترکے کہ از سنے یلما
 شیرہ ہونے در آید بخارہ اعدا
 قر بہ نور کہ کاشاک ششم باشد
 چہ نور خورشید کند دنگاہ قسم زیاد
 سیاہ موشے در یکہ زلیخا کیواں
 چنانکہ از اثر خاک تیمہ گردہ ہا
 ہریں در عین عمر تاپہ قتل مستقبل
 کشیدہ اند ز تریج خویش در اوتاد
 چہ چارم کہہ ہرام ہنجس پایہ
 چہ ہفتس زندہ کیوان ہفتس نہاد
 کند چہ ترک ملکہ چہ کشتن استہلال
 کند چہ حندہ دھوان چہ ہوان استہداد
 ز حوت ہبت طوقان لوح پردہ کشا

میاں ز صورت ہوا نصیب صرصر عار

تو و خدا کہ دریں شکل من باطم

بچو نہوں و گراں نعتن توان ہمارا

ان اشعار تا اردو ترجمہ اور علمی اصطلاحات کی وضاحت نہایت اختصار کے ساتھ ذیل میں درج ہے۔

شعر ۱۔ (ترجمہ) میرے لئے میرا دل کافر ایسی شب ولادت ہے جس کی تیری کے آگے بڑے سے بڑے نگہدار کی قبر کی تاریکی ہیچ ہے۔ (وضاحت) اس شعر میں غالب نے کتاب ذیہ بتا دیا ہے کہ ان کی پیدائش رات کے وقت ہوئی تھی۔

شعر ۲۔ (ترجمہ) دراصل میرا طالع ولادت مکان (یعنی برج قوس) کا ایک حصہ ہے جس کے ذریعے ٹاؤک فلم کو ہزار مگی سولت حاصل ہو گئی ہے۔ (وضاحت) کسی واسطے میں برج قوس اگر طالع ہو جائے تو مولود کو بڑی دکھ بھری زندگی گزرانی پڑتی ہے۔ اسی بات کو غالب نے نہایت ہی لطیف اور شاعرانہ پیرائے میں بیان کیا ہے۔

شعر ۳۔ (ترجمہ) اگرچہ میرے طالع میں زہرہ کی موجودگی یہ ظاہر کرتی ہے کہ مولود لطافت طبع اور صفائے نملہ میں نیکلے روزگار ہو گا لیکن چونکہ برج قوس میں ہونے کی وجہ سے زہرہ کی حیثیت ایک غریب کی سی ہے اس لئے میرے عقد قبول کے چرے پر کساد بزاری کی گرد پڑی ہوئی ہے۔ (وضاحت) برج قوس کا مالک مشتری ہے جو زہرہ سے بے تعلق ہے گویا زہرہ ایک ایسے گھر میں پڑا ہوا ہے جہاں اس کی حیثیت ایک اجنبی مسافر کی سی ہے اور اسی وجہ سے وہ سعد امنر ہوتے ہوئے بھی اپنا پورا اثر دکھانے سے معذور ہے۔ یعنی اس نے اتنا نیک اثر دکھایا کہ غالب کو لطیف طبع اور نیک نملہ بنا دیا لیکن اس درجہ نیک اثر نہیں دکھاسا کہ غالب کی متاع خن کے خریداروں کی ریل چل ہوئی۔

شعر ۴۔ (ترجمہ) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چہرے نے (مجھ پر مہمان ہو کر نہیں بلکہ) حادثات سے انتقام لینے کی غرض سے (اس کی محبوب یعنی) زہرہ کو میرے طالع میں جگہ دی ہے (تاکہ حادثات چاہ باطل کے خطاب کے ساتھ ساتھ آفتل رقابت میں بھی جتا رہے اور مجھے بھی بدعا دینا رہے)۔ (وضاحت) اس شعر میں غالب نے حادثات و حادثات کی مشہور بھیج سے کام لیا ہے جو بد فرشتے تھے اور بالترتیب زہرہ و مشتری پر عاشق تھے اور اپنی بدکرداری کی پاداش میں چاہ باطل میں ابھی تک اگلے اگلے ہوئے ہیں۔ تعویذ سیارگان اور تحفیل شاعرانہ کا کچھائی تاثر اس سے بہتر کوئی پیش نہیں کر سکتا۔

شعر ۵۔ (ترجمہ) برج جدی کے صفر درجے پر زنب کی موجودگی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ میری قسمت میں خاک، حلقہ دام اور کہیں گاہ میاد کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ (وضاحت) برج جدی کا مزاج غامبی ہے جس سے خاک کی طرف اشارہ ملتا ہے، زنب کی فصل اڑوسے کی حلقہ دام کی سی ہے جس سے حلقہ دام کی طرف اشارہ ملتا ہے، اور جدی کی فصل چھپ کر حملہ کرنے والے جانور کی سی ہے جس سے کہیں گاہ میاد کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ اس شعر میں بھی غالب نے تعویذ سیارگان کا بڑا اچھوتا تصور پیش کیا ہے۔

شعر ۷۔ (ترجمہ) یہ دامن کیا ہے؟ یہ میری روح رواں کے پ و پال کو جلا دینے کی طرف اشارہ ہے۔ اور صغریٰ کیا ہے؟ یہ میرے رنج و الم کے لئے افزائش امداد کی طرف اشارہ ہے۔ (وضاحت) صغریٰ یہ خصوصیت ہے کہ جس حد کے آگے لگا دیا جاتا ہے اس کی قیمت دس گنی ہو جاتی ہے۔ صغریٰ اسی خصوصیت کا سارا لے کر غالب نے زب کے صغریٰ ہی پر ہونے سے رنج و الم کے لئے افزائش امداد کا لطیف نکتہ پیدا کیا ہے۔

شعر ۸۔ (ترجمہ) برج ہدی میں طمس بھی ہے اور عطارد بھی ہے۔ جس سے یہ آشکار ہوتا ہے کہ میری قسمت میں آفتل عشق اور اس کے بعد جلی ہوئی راکھ کھس ہوئی ہے۔ (وضاحت) طمس کا مزاج آفتل ہے اور وہ آگ کے ایک گولے کی طرح ہے جو متحرک بھی ہے۔ اس لئے غالب نے طمس کی برج ہدی میں موجودگی کو آشکارہ و مشہور سے نسبت دی ہے 'جو ہمازا' آفتل عشق کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ تیر یعنی عطارد کا مزاج ہادی ہے جو آگ کو بجڑکانے میں مدد دیتا ہے اور ہدی کا مزاج غامی ہے جو جل کر راکھ کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ کتب کے سنی سوختہ چشما کے بھی ہیں۔ اس شعر میں غالب نے تعویج بیارگان کی ایک لائواب مثال قائم کی ہے۔

شعر ۹۔ (ترجمہ) برج حوت میں مشغی بھی موجود ہے اور مرغ بھی موجود ہے۔ ان دونوں میں سے ایک (یعنی مشغی) کلیل صطح ہے 'اور ایک (یعنی مرغ) کی دلیل قناد ہے۔ (وضاحت) مشغی سعد اکبر ہے اور اس کی شکل ایک مسخر شخص کی سی ہے جو نیک مشورہ دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مرغ نفس اصغر ہے اور اس کی شکل ایک ایسے بچہ جو ان کی سی ہے جو قتل و غارت کے لئے بے باک و صبور ہوتا پھرتا ہے۔

شعر ۱۰۔ (ترجمہ) ایک (یعنی مشغی) ایسی حالت میں ہے جیسے کوئی بوڑھا آدمی ناگہانی شور و غل سے سہرا کر اپنی خانقاہ کے گوشے میں وحیفہ اور درد بھی پھوڑ بیٹھا ہے۔ (وضاحت) برج حوت کا نامک مشغی ہے اور وہ اپنے ہی گھر میں بیٹھا ہے۔ ایسی حالت میں مشغی سے نیک شمولے کی توقع تھی کیونکہ یہ سعد اکبر ہے 'لیکن چونکہ مرغ بھی ساتھ ہی موجود ہے اور قند و قناد اور شور و غل میں مشغول ہے' اس لئے ایسی پریشان کن حالت پیدا ہو گئی ہے کہ مشغی بھی نیک شمولہ دینے سے قاصر ہو گیا ہے۔ اس شعر میں غالب نے مشغی کی تعویجی حیثیت کا جو عمل نقشہ کھینچا ہے وہ اپنا جواب آپ ہے۔

شعر ۱۱۔ (ترجمہ) ایک (یعنی مرغ) ایسی صورت میں ہے جیسے کوئی خروار و خالم ترک لوٹ مار کرنے کے ارادے سے زاهدوں کے گھر میں گھس گیا ہو۔ (وضاحت) مرغ برج حوت میں داخل ہو گیا ہے جو مشغی کا گھر ہے اور مشغی بھی اسی گھر میں بیٹھا ہے۔ گویا کہ مشغی تعویجی حیثیت سے ایک زاہد کی مانند ہے۔ لہذا برج حوت خانہ زادوں کی مانند ہوا۔ اس تعویج میں غالب نے ایک لطیف نکتہ بیان کیا ہے۔ یعنی اگر کوئی ڈاکو کسی غریب زاہد کے گھر میں ڈاکہ ڈالنے آجائے اور اسے وہاں ڈاکو سا بھی مال ہاتھ نہ آئے تو پھر اندازہ لگائیے کہ مسلسل حلاش مال 'ناامیدی اور فیسے کی حالت میں اس ڈاکو کی کھست خوردہ ذہنیت اور اس کے علم و حسم کا کیا حال ہو گا۔ اپنے واسطے میں مرغ کی نوست انگریزی کا اس قدر جامع اور موثر نقشہ پیش کرنا غالب ہی کا خاصہ ہے۔

شعر ۱۲۔ (ترجمہ) قمر برج ثور میں ہے اور برج ثور واسطے کے پھلے خالے میں پڑا ہے' اس لئے قمر اپنے ثور کی

طرح صوبے دشمن کی دنگھ کو بھی بیٹھا رہا ہے۔ (وضاحت) برج ثور میں قمر کو شرف حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کا ٹیک ثمنو بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ لیکن غالب کے زائچے میں قمر برج ثور میں ہوتے ہوئے بھی زائچے کے چھٹے خانے میں جا چکا ہے۔ چونکہ چھٹا خانہ دشمن سے تعلق رکھتا ہے اس لئے قمر کا سارا ٹیک ثمنو بجائے غالب کے حق میں ہونے کے ان کے دشمن کے حق میں ہو گیا ہے۔ قمر کا یہ ٹیک ثمنو غالب کے حق میں اسی وقت ہو سکتا تھا جب کہ قمر برج ثور میں ہوتے ہوئے زائچے کے پہلے خانے میں بھی ہوتا جس کا تعلق مولود کے جسم اور دل سے ہے۔ غالب نے اس تعلق میں بھی ایک باریک نگہ بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ چونکہ قمری مینے کی آجہ تاریخ کا رانچہ ہے اس لئے قمر کا نور روز بروز بڑھتا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں نور قمر کی زیادتی کے غالب سے دشمن کی دنگھ بھی زیادہ ہوتی جا رہی ہے۔

شعر ۳۰ (ترجمہ) زحل کے طوائف سے جوڑا کا چھو سیادہ چم گیا ہے جس طرح کہ (اندھی کے وقت خاک کے اثر سے ہوا تاریک ہو جاتی ہے۔ (وضاحت) برج جوڑا کو وہ بیکر اور زحل کو کیدان بھی کہتے ہیں۔ برج جوڑا قدرے ٹیک ثمنو دینے والا ہے لیکن چونکہ اس میں زحل بھی موجود ہے جو نفس اکبر ہے اس لئے برج جوڑا کا ثمنو بہت ٹیک اثر بھی زائل ہو گیا ہے۔ چونکہ جوڑا کا مزاج ہادی ہے اور زحل کا مزاج خاکی ہے اس لئے غالب نے مٹی کے اثر سے ہوا کے تاریک ہو جانے کی تشبیہ استعمال کی ہے جو نہایت با معنی اور حسب حال ہے۔

شعر ۳۱ (ترجمہ) ان دونوں نفس سیاروں (یعنی مریخ و زحل) کی مالتوں پر غور کرو کہ آپس میں نفرت مزاج بھی رکھتے ہیں اور ان دونوں میں بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس طرح ان دونوں نے مل کر میرے مستقبل کی کیسی (صیب) تصویر کھینچ رکھی ہے یعنی ملک باہم سے تعلق رکھتے والا مریخ زائچے کے چوتھے خانے میں ہے اور فلک باہم سے تعلق رکھنے والا زائچے کے ساتویں خانے میں ہے۔ (وضاحت) مریخ کو برہم بھی کہتے ہیں۔ جب وہ سیاروں کے درمیان تین ہفتوں کا فرق ہوتا ہے تو وہ ایک دوسرے کو نفرت مزاج سے دیکھتے ہیں۔ یہ نصف دشمنی کی نظر بھی جاتی ہے۔ غالب کے زائچے میں مریخ برج حوت میں ہے اور زحل برج جوڑا میں ہے اس لئے ان دونوں کے درمیان نفرت مزاج ہے جس کی وجہ سے ان دونوں کی خواست میں اور بھی اختلاف ہو گیا ہے۔ مزید برآں دونوں سیارے ان دونوں میں بیٹھے چوتھے اور ساتویں خانوں میں بھی بیٹھے ہوئے ہیں جس سے ان کی خواست اور بھی مستقل اور دیرپا ہو گئی ہے۔

شعر ۳۲ (ترجمہ) اول اللہ کر (یعنی مریخ) ظالم ترک کی طرح تجھے ہاک کرنے میں جھڑی دکھا رہا ہے اور سوخا لہو کر (یعنی زحل) حدود ملک کی طرح تجھے لوٹے کھسٹوٹے میں اڑتیں بچھا رہا ہے۔ (وضاحت) مریخ اور زحل دونوں کے فطری خواص اور زائچے میں ان کی مخصوص مالتوں کے مطابق غالب نے جو تعبیریں ان دونوں سیاروں کے لئے پیش کی ہیں وہ نہایت ہی بیخ و بکھر اور مکمل ہیں۔ غالب کے سوا کوئی دوسرا شاعر اتنی صحیح عکاسی نہیں کر سکتا۔

شعر ۳۳ (ترجمہ) برج حوت (اور کس میں بیٹھے ہوئے مریخ) پر نظر ڈالنے سے طوفان نوح کی ہیبت سامنے آ جاتی ہے۔ اسی طرح برج جوڑا (اور اس میں بیٹھے ہوئے زحل) کی شکل کو دیکھنے سے مرمرماد کی ہی دشت طاری ہو جاتی ہے۔ (وضاحت) حوت کا مزاج آبی ہے اور اس میں مریخ موجود ہے جو نفس اصغر ہے اس لئے اس کے نفس

اثرات کو طوقان لوح کی مہیاہوں سے نصیبہ دی گئی ہے۔ اسی طرح ہوا کا مزاج ہادی ہے اور زحل آس میں موجود ہے ہر عین اکبر ہے اس لئے اس کے عین اثرات کو اس آندھی کی تباہ کاریوں سے نصیبہ دی گئی ہے ہر قوم عدا کے لئے بھیجی گئی تھی۔ یہ تہذیب بھی غالب نے بڑے شاعرانہ انداز میں بیان کی ہے اور وہ مشہور تہذیبات کا ذکر کر کے حسن بیان کو اور بھی دو بلا کر دیا ہے۔

شعر ۱۸۔ (ترجمہ) خدا کے لئے مجھے یہ تو ہا دو کہ (اپنے زائے کے سیادوں کے عین اثرات کی) اس مکتل میں پڑ کر میں کیوں کر دوسرے لوگوں کی طرح ہمارا زندگی گزار سکا ہوں۔ (وضاحت) غالب نے اپنے زائے میں سادے سیادوں کے مجموعی اثرات کو اپنے لئے بڑا مایوس کن بتایا ہے۔ علم نجوم کی رو سے غالب کا ایک ایک لفظ صحیح ہے۔ انہوں نے داس اور سم السعوت وغیرہ کا ذکر کرتے اپنے قصیدے میں ضروری نہیں سمجھا کیونکہ ان کے اثرات کو ظفر انداز کر دینے کے باوجود زائے کے مجموعی اثر میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

غالب کے قصیدے کے ان اشعار سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ غالب کا شائع شدہ زائچہ بالکل صحیح ہے اور اس صحیح زائے کی بنیاد پر غالب کی صحیح تاریخ پیدائش ۸ جنوری ۱۷۷۵ عیسوی مطابق ۸ ربیع ۱۱۹۱ ہجری بمذہب تکسبہ ہے۔ اس شائع شدہ زائے میں سم الغیب، سم اولاد اور سم امراض کے مقالت قلم درج ہو گئے ہیں۔ ہر شخص کاتب کی قطعی پر محمول کئے جا سکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اصل زائے کے محفوظے میں ان تینوں سام کا ذکر نہ ہو بلکہ بعد میں کسی نے ان تینوں کو زائے کے خالوں میں قلم طور پر درج کر دیا ہو، کیونکہ یہ تینوں سام زیادہ اہم نہیں سمجھے جاتے اور عام طور پر صرف سم السعوت ہی کو زائے میں لکھنا کافی سمجھا جاتا ہے۔ اگر صحیح حساب لگایا جائے تو غالب کے زائے میں سم الغیب پانچویں خانے میں برج حمل کے عا درجہ ۳۰ درجے پر ہونا چاہئے، سم اولاد دسویں خانے میں برج سنبلہ کے عا درجہ ۳۸ درجے پر ہونا چاہئے، اور سم امراض چوتھے خانے میں برج حوت کے ۲۶ درجہ ۳۸ درجے پر ہونا چاہئے۔ اغلب یہی ہے کہ ان تینوں مسہم کو شائع شدہ زائے میں کسی نے بعد میں قلم طور پر درج کر دیا ہو گا، ورنہ زائے کا اصل محفوظے میں ان تینوں مسہم کا اندراج نہیں ہو گا۔ ہر حال ان تینوں مسہم کے قلم موضع سے زائے کی اصل حقیقت پر ذرا بھر بھی اثر نہیں پڑتا کیوں کہ یہ مسہم کوئی علاحدہ حیثیت نہیں رکھتے بلکہ طالع اور دیگر سیادوں کے مقالت کی مدد سے افذ کر لئے جاتے ہیں۔ لہذا اگر سم السعوت کا مقام بھی قلم درج ہوتا تو بھی زائے کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑتا۔ عام پڑھنے والوں کی سموت کے لئے صلو ۳۸ و ۳۹ پر غالب کے دو مختلف زائے مختصر اور آسان کر کے درج کئے جا رہے ہیں، ایک زائچہ بحساب یونانی اور ایک زائچہ بحساب ہندی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اگر ہم یونانی حساب میں سے ہر جگہ اپڈیشن یعنی ۲۱ درجے کم کرتے چلے جائیں تو ہندی حساب حاصل ہو جاتا ہے۔ اصل ہندی کی قدیم کتب میں سام کا ذکر نہیں ہے، اس لئے حساب ہندی کے مطابق سام کا استخراج نہیں کیا جاتا اور حساب یونانی میں بھی صرف سم السعوت ہی کو زیادہ قتل اہتمام سمجھا جاتا ہے۔

ان زائچوں کو دیکھنے سے ہمارا اصل مقصد حاصل ہو جاتا ہے، پھر بھی میں نے پڑھنے والوں کی مزید دلچسپی کے لئے

زحل میں ۸ ربہ ۴۴ ہجری ۸ ربہ ۴۴ ہجری اور ۸ ربہ ۴۴ ہجری کے مطابق تین واسطے بحساب یو ثانی بنائے ہیں اور ان کے سیاروں کے عقلمت کا حساب درج کیا ہے۔ غالب کے شائع شدہ واسطے کے سیاروں کے عقلمت میں اور ان تینوں واسطوں کے سیاروں کے عقلمت میں جو نمایاں فرق آتا ہے وہ بھی ساتھ ہی لکھ دیا ہے جس سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گی کہ غالب کی صحیح تاریخ پیدائش صرف ۸ ربہ ۴۴ ہجری ہی ہو سکتی ہے جیسا کہ پہلے بھی ثابت کیا جا چکا ہے۔

”۸ ربہ ۴۴ ہجری کا زائچہ“

۱۔ استخراج تقویم یو ثانی تاریخ ۸ ربہ ۴۴ ہجری مطابق ۷ دسمبر ۱۷۹۷ء بمطابق بروز چار شنبہ بمقام اکبر آباد بوقت چار گھنٹی پیش از طلوع آفتاب۔ اذین اسٹیزڈ ٹائم کے مطابق طے الصباح ۵ بج کر ۳۳ منٹ پر۔ اپنا نقل تقریباً ۲۱ درجے۔ مساوات وقت تقریباً ۷ منٹ مثبت۔ فرقۃ الزیجات امرکن ۳۷۳۔۳۔۳۔ گرہ لاکھ پندر ۲۵ امرکن ۱۳۶۔۱۳۶۔ جولین ڈے ۱۷۹۷۔۲۳۔

۲۔ طالع یعنی پستال خانہ۔ برج قوس کے ۱۷ درجے ۵۰ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۹ درجے ۳۹ دقیقے مثلی)
۳۔ خمس ”دوسرے خانے میں۔ برج جدی کے ۵ درجے ۵۰ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۳۱ درجے ۲۱ دقیقے مثلی)
۴۔ قمر یا چاندی خانے میں۔ برج جوزا کے ۴ درجے ۵۰ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۲۱ درجے ۲۱ دقیقے مثلی)
۵۔ راس ”ساتویں خانے میں۔ برج جوزا کے ۹ درجے ۵۸ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۸ درجے ۵۳ دقیقے مثلی)
۶۔ ذنب ”پہلے خانے میں۔ برج قوس کے ۹ درجے ۵۸ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۸ درجے ۵۳ دقیقے مثلی)
۷۔ منہ ”بارہویں خانے میں۔ برج عقرب کے ۳ درجے ۵۹ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۷ درجے ۲۱ درجے ۳۰ دقیقے مثبت)۔

۸۔ عطارد ”دوسرے خانے میں۔ برج جدی کے ۲۰ درجے ۵۵ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۵ درجے ۳ دقیقے مثلی)
۹۔ مشتری ”پانچویں خانے میں۔ برج حمل کے ۹ درجے ۲۸ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۸ درجے ۵۵ دقیقے مثبت)
۱۰۔ زہرہ ”تیسرے خانے میں۔ برج دلو کے ۲۲ درجے ۳۳ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۲ برج ۷ درجے ۵۵ دقیقے مثبت)
۱۱۔ زحل ”آٹھویں خانے میں۔ برج سرطان کے ۹ درجے ۵۳ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۹ درجے ۲۱ دقیقے مثبت)
۱۲۔ سم السموات ”دسویں خانے میں۔ برج سنبلہ کے ۹ درجے ۳۰ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۲ درجے ۲ دقیقے مثبت)
نوٹ : بعدوں کی قدر کے اعتبار کے مطابق طالع برج عقرب کے ۳۹ درجے پر تھا خمس برج قوس کے ۳ درجے پر تھا اور ذنب برج عقرب کے ۲۳ درجے پر تھا۔

”۸ ربہ ۴۴ ہجری کا زائچہ“

۱۔ استخراج تقویم یو ثانی تاریخ ۸ ربہ ۴۴ ہجری مطابق ۱۹ دسمبر ۱۷۹۸ء بمطابق بروز یکشنبہ بمقام اکبر آباد بوقت چار گھنٹی پیش از طلوع آفتاب۔ اذین اسٹیزڈ ٹائم کے مطابق طے الصباح ۵ بج کر ۲۸ منٹ پر۔ اپنا نقل تقریباً ۲۱ درجے۔ مساوات وقت تقریباً ۳ منٹ مثلی۔ فرقۃ الزیجات امرکن ۳۷۳۔۳۔۳۔ گرہ لاکھ پندر ۲۵ امرکن ۱۳۰۔۱۳۰۔ جولین

ژے ۷۸۶۷۳۳

- ۲۔ طالع یعنی پیلا خانہ۔ برج قوس کے ۱۷ درجے ۲۰ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۳۰ درجے ۸ دقیقے مثلی)
 - ۳۔ خُش، پہلے خانے میں۔ برج قوس کے ۲۲ درجے ۲۳ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۲۳ درجے ۵۷ دقیقے مثلی)
 - ۴۔ قرۂ پانچویں خانے میں۔ برج حمل کے ۲ درجے ۳۲ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۱ درجے ۵ درجے ۳۹ دقیقے مثلی)
 - ۵۔ راس، چھٹے خانے میں۔ برج ثور کے ۲۳ درجے ۳۴ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۱ درجے ۷ درجے ۳۷ دقیقے مثلی)
 - ۷۔ منی، پانچویں خانے میں۔ برج حمل کے ۳ درجے ۳۷ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۰ درجے ۱۸ دقیقے ثبت)
 - ۸۔ مظاہر، دوسرے خانے میں۔ برج جدی کے ۴ درجے ۳۸ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۳ درجے ۳۰ دقیقے مثلی)
 - ۹۔ مشرقی، چھٹے خانے میں۔ برج ثور کے ۱۸ درجے ۵ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۲ درجے ۷ درجے ۲۸ دقیقے ثبت)
 - ۱۰۔ زحراء، پہلے خانے میں۔ برج قوس کے ۲۱ درجے ۱۱ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۶ درجے ۵۳ دقیقے ثبت)
 - ۱۱۔ زحل، آٹھویں خانے میں۔ برج سرطان کے ۲۸ درجے ۶ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۱ درجے ۵ درجے ۳۸ دقیقے ثبت)
 - ۱۲۔ سم السموات، نویں خانے میں۔ برج اسد کے ۲۹ درجے ۸ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۸ درجے ۳۷ دقیقے مثلی)
- نوٹ : حدود کی پتہ کے استنباط کے مطابق طالع برج عقرب کے ۱۱ درجے پر تھا، خُش برج قوس کے ۳ درجے پر تھا، اور زنب برج عقرب کے ۴ درجے پر تھا۔

”۸۔ زنب ۲۳ ہجری کاواچہ“

- ۱۔ استخراجِ تقویم برائے تاریخ ۸ زنب ۲۳ ہجری مطابق ۶ دسمبر ۱۷۹۹ عیسوی بروز جمعہ بمقام اکبر آباد بوقت چار گھڑی لگبل از طلوعِ الآب۔ انجمنِ استیضار قائم کے مطابق طے السیاح ۵ بج کر ۲۱ منٹ پر۔ اینٹل تقریباً ۲۱ درجے۔ مسافات وقت تقریباً ۹ منٹ مثلی۔ فرق الزیجات امرکن ۳۳۳۔۳۔ گرو لاکو پیکر ۲۵۔ امرکن ۷۵۵۔ جلیمن ژے ۷۸۶۷۳۳

- ۲۔ طالع یعنی پیلا خانہ۔ برج عقرب کے ۳۹ درجے ۵۵ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۱ درجے ۴۲ درجے ۴۲ دقیقے مثلی)
 - ۳۔ خُش، دوسرے خانے میں۔ برج قوس کے ۱۳ درجے ۵۷ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۱ درجے ۲ درجے ۲۳ دقیقے مثلی)
 - ۴۔ قرۂ پانچویں خانے میں۔ برج حمل کے ۴ درجے ۴۸ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۱ درجے ۳ درجے ۲۳ دقیقے مثلی)
 - ۵۔ راس، ساتویں خانے میں۔ برج ثور کے ۴ درجے ۲۱ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۱ درجے ۲۹ درجے ۲۵ دقیقے مثلی)
 - ۶۔ زنب، پہلے خانے میں۔ برج عقرب کے ۴ درجے ۲۱ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۱ درجے ۲۹ درجے ۲۵ دقیقے مثلی)
 - ۷۔ منی، پہلے خانے میں۔ برج عقرب کے ۱۵ درجے ۳ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۷ درجے ۲۱ درجے ۳۵ دقیقے ثبت)
 - ۸۔ مظاہر، تیسرے خانے میں۔ برج جدی کے ۳ درجے ۳۹ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۲۲ درجے ۱۹ دقیقے مثلی)
 - ۱۰۔ زحراء، پہلے خانے میں۔ برج عقرب کے ۴ درجے ۵۲ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۱ درجے ۹ درجے ۳۱ دقیقے مثلی)
 - ۱۱۔ زحل، دسویں خانے میں۔ برج اسد کے ۱۵ درجے ۳۰ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۱ درجے ۱۱ درجے ۳۳ دقیقے مثلی)
- نوٹ : حدود کی پتہ کے استنباط کے مطابق طالع برج عقرب کے ۵ درجے پر تھا، خُش برج عقرب کے ۲۳

درسے پر تھا اور غالب برج میزان کے ۵۵ درسے پر تھا۔

مصدر جہانگیر کے حالات کا مطالعہ غالب کے شائع شدہ رسائل سے کرنے کے بعد یہ امر یقینی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ غالب کی صحیح تاریخ پیدائش ۸ جنوری ۱۷۹۷ عیسوی بمطابق ۱۷ جولائی ۱۷۹۷ء ۲۳ تھا۔ اس کی ولادت ۵۵ فروری ۱۷۹۹ عیسوی کو بمطابق ۱۵ شہید ہوئی تھی جبکہ جولائی ۱۷۹۷ء ۲۳-۲۴ تھا۔ اس طرح غالب نے اس دارقانی میں کل ۲۳۳۵ دن قیام کیا تھا۔

اس مقام پر ہمارا مقصد پورا ہو جاتا ہے، لیکن ضمنی طور پر غالب کے اس قصیدے کا بھی ذکر کر دینا دلچسپی سے غلط نہ ہو گا جو انہوں نے ابو ظفر مبارک شاہ کی شان میں کہا تھا، کیونکہ اس سے ہمارے نفس مضمون کو کافی تقویت پہنچے گی۔ اس قصیدے کی تہنیت میں بھی غالب نے سیاروں کے ان مقامات کا ذکر کیا ہے جو اس مخصوص ساعت میں واقع ہوئے تھے، جبکہ غالب نے مبارک شاہ صفر کے ساتھی یہ قصیدہ بے نفس نہیں پڑھا تھا۔ وہ دس اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

بو ظفر قبلہ کائنات کے در ملک شوق
ہر کہ رو سوائے تو دارد پہ جہاں قبلہ نداشت
ہمچو من شاعر و سنی و نبوی و حکیم
ہست در دھر قلم مدلی و نکتہ کواست
ذوق صبح تو بریں داشتہ باشد کامروز
رگ اندیشہ زدم گرچہ قر در ہوزاست
ایکے طور در محل و مہ پہ وہ یکے باشد
صفت تدلیں جہاں نظر مر قراست
بادہ با نیر اعظم زندہ کیاں پہ محل
ہم نشینی پہ شہنشاہ ز کشادہ ملکاست
دھرم دھرم پہ محل تن زدم از شہت زحل
بر ش مطہ کو رو نہ دھقان نکاست
قاضی چرخ کہ در خوش بود داؤوں پہے
خیر کہ چرا ارج و دہانش یکہاست
چوں فرود آمدہ مرغ پہ خرگدہ باد
کبہم یک طرف نگہ صہیب نہ رواست

تو چہ افقوں کہ در خانہ کافیت دور
پر سہل واقعہ صحت اگر پر سی راست
مشتہ در دلو و اسد روئے بد جلدہ نور
ذنب و راس کہ از طالع و غارب پیداست

مضمون کہ مختصر کرنے کی غرض سے ان اشعار کے ترجمے کو اور اصطلاحات کی تشریح کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ اگر اس مضمون کی قصید کو سمجھ کر پڑھ لیا جائے تو ان اشعار کی تجسّس اہمیت کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہو سکتی۔ ان اشعار میں بھی غالب نے تنوعِ سیارگان کی بڑی اعلیٰ و ارفع مثالیں قائم کی ہیں اور کتبہ اپنے حرفوں پر 'خصوصاً اسناد شاہ یعنی شیخ ابراہیم ذوق پر بڑی چٹھیں کی ہیں۔ یہ طوطا رہے کہ ان اشعار میں غالب نے شاعرانہ طور پر کتبہ ہماورد شاہ ظفر کو جس سے تشبیہ دی ہے 'اپنے آپ کو قرعے تفسیر دی ہے جس نے شاید اس محفل میں ذوق کا قصیدہ ترنم کے ساتھ پڑھ کر یا گا کر سنایا ہو گا۔ اسی طرح باقی سیاروں کو بھی حسب مناسبت اپنے دوسرے حرفوں سے تشبیہ دی ہے۔ یہ بھی طوطا رہے کہ تنوعِ سیار سے غالب نے جس کو شمشیر 'قر کو بیک طرب' مریخ کو سپید 'عطارد کو دیر' مشتری کو قاضی 'زہرہ کو مطر' 'زحل کو کشادہ و دھن' اور ذنب و راس کو روئے بد جلدہ نور دیا ہے۔ اس طرح تنوعِ سیارگان کی لذت میں شاعرانہ شوق کی پاشنی بھی شامل ہو گئی ہے۔

ان اشعار سے جن باتوں کا علم ہوتا ہے وہ یہ ہیں۔ اس وقت طالع برج دلو میں تھا اور اس میں ذنب بھی موجود تھا۔ غارب برج اسد میں تھا اور اس میں راس بھی موجود تھا۔ جس برج حمل میں تھا اور اس کے ساتھ زحل و زہرہ بھی تھے۔ قرعہ جوڑا میں تھا اور اس پر جس کی فکر تھیں بھی پڑ رہی تھی جو مہارک کبھی جاتی ہے۔ مشتری رابع ہو کر برج سنبلہ میں پڑا تھا۔ جہاں اس کا لوہ بھی ہے اور وہاں بھی ہے۔ قرعے گھر یعنی برج سرطان میں مریخ تھا۔ اور مشتری کے گھر یعنی برج حوت میں عطارد تھا۔ سیاروں کے ان مواضع پر غور کر کے حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے یہ قصیدہ جشن نوروز کے موقع پر کہا تھا اور جس تقویم سیارگان کا اس قصیدے میں ذکر ہے وہ دراصل زائچہ نوروز کی تقویم تھی 'جیسا کہ غالب نے لفظ "موز" استعمال کر کے ظاہر کیا ہے۔ میں نے اس تقویم سیارگان کو بھی اسی طرح معلوم کر لیا ہے جس طرح کہ غالب کے زائچے کے لئے حسابات لگائے تھے لیکن اس تقویم کی تفصیلات کو اس جگہ بیان کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ صرف اتنا سمجھ لیجئے کہ اس وقت طالع برج دلو کے ۲۲ درجے پر تھا جس برج حمل کے ۲۲ درجے پر تھا 'قرعہ جوڑا کے ۲۷ درجے پر تھا 'راس برج اسد کے ۲۳ درجے پر تھا 'ذنب برج دلو کے ۲۲ درجے پر تھا 'مریخ برج سرطان کے ۲ درجے پر تھا 'عطارد برج حوت کے ۱۸ درجے پر تھا 'مشتری برج سنبلہ کے ۳۰ درجے پر تھا 'زہرہ برج سنبلہ کے ۵ درجے پر تھا 'اور زحل برج حمل کے ۸ درجے پر تھا۔ یہ یاد رہے کہ جب جس برج حمل میں داخل ہوتا ہے تو اس داخلے کو علم نجوم کی اصطلاح میں "تحوّل جس در برج حمل" کہتے ہیں اور اس ساعت کی تقویم سیارگان کو زائچہ نوروز کہتے ہیں۔ یہ ساعت نہایت مہارک کبھی جاتی ہے اور اصل یگانہ و ایران کے مطابق اس وقت سے نئے شمسی سال کا آغاز ہوتا ہے۔ اسی لئے اس موقع پر نہایت شاندار جشن نوروز منایا جاتا

ہے اور تھنسی قصیدے پڑے جاتے ہیں۔ غالب نے بھی شاعریاں تہذیب (یعنی دہلی) میں ایک ایسے ہی جشن نوروز کے موقع پر ہمارے شاہ ظفر کی شان میں یہ تھنسی قصیدہ پڑھا تھا۔ لہذا جس ساعت میں غالب نے یہ قصیدہ پڑھا تھا وہ ساعت تاریخ ۲۱ مارچ ۱۸۵۵ عیسوی، ہمدرد پنجشنبہ مطابق ۷ جمادی الاول ۱۲۶۶ھ ہجری، طے الصباح ۳ بج کر ۱۵ منٹ (انڈین اسٹینڈرڈ ٹائم) سے شروع ہوئی تھی جبکہ تحویل خمس در پنج محل واقع ہوئی تھی اور تقریباً ۳۵ منٹ کے بعد ۵ بج کر ۲ منٹ پر ختم ہو گئی تھی جب کہ طالع پنج دو سے پنج عت میں تبدیل ہوا تھا۔

کتابیات :

۱۔ غزوة الزکات : یہ ابو رحمان عمر البیہودی کی وہ کتاب زنج ہے جو اس نے گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں لکھی تھی۔ اس کا واحد محفوظ احمد آباد ضریں درگاہ پیر محمد شاہ کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ دراصل یہ سنسکرت کی کتاب کرن جنگ کا مہل ترجمہ ہے جو بیرونی نے اپنے مخصوص انداز میں کیا ہے۔ اصل سنسکرت کتاب کا مصنف دسے ہندی تھا جو کاشی کا رہنے والا تھا، لیکن وہ سنسکرت کتاب اب ناپید ہو چکی ہے۔ میں نے غزوة الزکات کو اس کے انگریزی ترجمے، تخریج اور تصحیح کے ساتھ مکمل کر لیا ہے، اور اب اس کتاب کو میں حیدر آباد (دکن) کے انگریزی رسالے "اسلاک کلچر" میں بالاقلام شائع کر رہا ہوں۔ اس وقت تک اپریل ۱۹۶۳ء، جولائی ۱۹۶۳ء، اکتوبر ۱۹۶۳ء، جنوری ۱۹۶۳ء، جولائی ۱۹۶۳ء، جنوری ۱۹۶۵ء اور اپریل ۱۹۶۵ء کے شماروں میں سات قطعیں شائع ہو چکی ہیں۔

۲۔ کتاب التضمیم لاوائک مناصر التمجید : یہ علم نجوم کی معرکہ آرا کتاب ہے اور اسے ابو رحمان عمر البیہودی نے گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں لکھا تھا۔ بیرونی نے اس کتاب کو خود ہی عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں لکھا تھا۔ اس کا ایک ملبورہ فارسی نسخہ لیاقت بیوریل نیشنل لائبریری کراچی (پاکستان) میں محفوظ ہے، یہ ایران میں شائع ہوا تھا۔

۳۔ کلامہ التحلیف فی مناصر التمجید : یہ بھی علم نجوم کی بڑی مستند کتاب ہے اور بارہویں صدی عیسوی کے وسط میں لکھی گئی تھی۔ اس کا ایک فارسی محفوظ میری ذاتی لائبریری میں موجود ہے جو سو سال پرانا ہے اور بہت اعلیٰ معیار کا ہے۔

۴۔ زنج الف یک : یہ زنج پندرہویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہندوؤں کی شکل میں لکھی گئی تھی اور اس کے حسابات سرقت کی رصدگاہ کی مدد سے مقرر کئے گئے تھے۔ اس کا ایک چارہ فارسی محفوظ کتب کل اسلامیہ کالج پشاور (پاکستان) کی لائبریری میں محفوظ ہے یہ بڑی قابل اعتماد زنج کہی جاتی ہے۔

۵۔ کمرہ سارانی : یہ زنج پندرہویں صدی عیسوی کے اواخر میں لکھی گئی تھی اور آج تک حدود بیستوں میں مقید عام ہے۔ اس کے حسابات ہندوؤں کی شکل میں سورج مدحانہ کے مطابق ہیں لیکن بعض مقالات پر زنج سیکار

سے یعنی ترجمات سے بھی کام لیتا ہوا ہے۔ یہ کتاب منکرت میں کبھی مکی ہے اور اس کے مطبوعہ نئے بھارت کے بازاروں میں عام ملتے ہیں۔

۶۔ گرہ لاکھو: یہ ذبیح سولہویں صدی عیسوی کے آغاز میں کبھی مکی تھی اور اس کے مصنف جیش دیو گپ نے واقعی ظہر پر مشاہدات نگاہ کرنے کے بعد اس کے حسابات مقرر کئے تھے۔ حسابات کی صحت کے لحاظ سے یہ ذبیح بہت مشہور ہے اور ہندو جیوتھی اسے گرنہ سارنی سے زیادہ قابل اہم سمجھتے ہیں۔ یہ کتاب بھی منکرت میں کبھی مکی ہے اور اس کے مطبوعہ بھی میں بھارت کے بازاروں میں عام ملتے ہیں۔

۷۔ ای ویلیو برافون اور نیو کومپ کی لکھنؤ: یہ دونوں لکھنؤ دور عارض کے ہیئت دانوں نے مغربی ممالک کی رصد گاہوں کے مشاہدات کے مطابق لکھی ہیں اور جدولوں کی شکل میں ہیں۔ ان ذبیحوں کا جزوی اور مختصر ہندی ترجمہ الہ آباد پرنٹورشی کے شعبہ ریاضی کے ریڈر ڈاکٹر گو روکھ پر شاہ نے کیا تھا جسے کاشی ناگری پر چارنی سہا نے "چندر سارنی" اور "سورہ سارنی" کے ناموں سے پانزویں اور ۱۸۳۸ء میں شائع کیا تھا ان ذبیحوں کے حسابات موجود سائنسی تحقیقات کی بنیاد پر مقرر کئے گئے ہیں۔

۸۔ این سی لاہری کی جدولیں: یہ جدولیں خط استوا سے لے کر ۶۰ درجے عرض البلد تک کے لئے علاحدہ علاحدہ بنائی گئی ہیں اور انگریزی رسم الخط میں لکھی گئی ہیں۔ ان جدولوں کی مدد سے ہر مقام کا اور ہر ساعت کا طالع معلوم کیا جاسکتا ہے۔ ان جدولوں کو این سی لاہری نے مرتب کیا ہے اور ایملو دیسریچ یورو ٹکنک نے شائع کیا ہے۔ یہ جدولیں اپنے صحیح حسابات کے لحاظ سے بڑی اہم سمجھی جاتی ہے اور آج کل کے منجمین میں مقبول ہیں۔ ان کا پہلا ایڈیشن ۱۸۴۷ء میں اور دوسرا ایڈیشن ۱۸۵۵ء میں شائع ہوا تھا۔



میرزا غالب کا زانچہ

انتیاز علی عرشی

میرزا غالب نے ایک فارسی قصیدے میں اپنا زانچہ (ختم چڑ) بیان کیا ہے۔ یہ قصیدہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت میں ہے اور کلیات فارسی کی نوٹکسٹوری نسخہ مطبوعہ سنہ ۱۳۷۹ھ (۱۹۶۳ء) کے صفحہ ۹۷ سے شروع ہو کر صفحہ ۲۰۳ پر ختم ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

مگر مرا دل کافر بود شب میااد کر ظلمتیں بہاؤ کرد اہل عصیل ہاد
اس قصیدے کی تاریخ نظم کیا ہے؟ اس کا قرار واقعی ظم ابھی تک نہ ہو سکا۔ لیکن کلیات نظم فارسی کے اس مخطوطے میں یہ قصیدہ موجود ہے جو خاتمے کے مطابق ۱۳۵۵ھ (۱۸۶۷ء) میں مرتب ہوا تھا اور آپ پاپہ کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ لہذا یہ اس سلسلے سے پہلے ہی کا مکتوم ہو گا۔

اس قصیدے کا یہ شعر تاریخ نظم پر مزید روشنی ڈالتا ہے:

فلس بزم زاد "منیب نکتہ" نامہ خبر و "ہنگامہ الہ آباد"

اس شعر میں "منیب نکتہ" اور "ہنگامہ الہ آباد" سے کیا مراد ہے اسے سمجھنے کے لئے مولانا مری کتاب "غالب" کے حسب ذیل اقتباسات ملاحظہ فرمائیے: "ان کی کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے صفحات ۱۸۳ تا ۱۸۴ سے ماخوذ ہیں:

"آخر کار (گورنر جنرل کے یہاں سے) غالب کے خلاف فیصلہ صادر ہوا۔ غالب اس کے بعد اس درجہ راجس ہوئے تھے کہ گورنر جنرل دہلی آئے تو ان سے ملنے بھی نہ سکے۔

اس دوران میں ولیم فوجز کے قتل کا واقعہ پیش آیا، جس میں ذوالفلس الدین احمد خاں ماخوذ ہوئے۔ اس زمانے میں دہلی کا علاقہ آگرہ والا آباد کی لٹریٹس گورنری سے حلقہ تھا۔ غالب نے بھی ۳۰ جون ۱۸۳۵ء (۳ رجب الاول ۱۲۵۵ھ) کو اپنے پرانے مطالبات کے حلقہ ایک مفصل درخواست مرتب کر کے لٹریٹس گورنر آگرہ والا آباد کے پاس بھیج دی۔ اس درخواست کے جواب میں لٹریٹس گورنر نے حکم دیا کہ ریڈیفائنٹ دہلی اس کے حلقہ راجس پیش کریں۔

دعویٰ کے جواب میں لٹریٹس گورنر کا حکم کیا کہ مقدمہ سپریم کورٹ میں پیش ہو چکا ہے۔ اس لئے لٹریٹس گورنر اس کے حلقہ کوئی کارروائی نہیں کر سکا۔ سارے کاغذات گورنر جنرل کے پاس بھیجے جائیں۔ ۲۳ مارچ ۱۸۳۶ء (۵ ذی الحجہ ۱۲۵۵ھ) کو غالب نے لاارڈ آفٹین کے پاس دو درخواستیں بھیجیں۔ ان میں اپنے مقدمے کی مدعا اور حق کر دی۔ نیز لکھا کہ ٹیکرٹری اور ریڈیفائنٹ نے میرا مقدمہ غراب کر دیا ہے۔ آپ خود انگریزی انصاف کے اصول پر اس مقدمے کا فیصلہ کریں۔"

پوری داستان میں "منیب نکتہ" اور "ہنگامہ الہ آباد" سے انہیں احکام اور فیصلوں اور اس درمیان دلت کی مصلحت امید و ہم کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لہذا قصیدے کو ۱۳۶۱ھ (۱۸۳۶ء) کے قرب و جوار کا ہونا چاہئے۔

بہر حال اس قصیدے میں اپنے زانچہ کا بیان حسب ذیل اشعار میں کیا ہے:

بظاہر اندام آدم پہلے دھند
غرض مرگ کہ طوفان نا امید ریاست
گوئے زانچہ کاہیں نور نیست از انام
خود اصل طالع من جودے از کمانے (۱)
گرام (۲) بظاہر اگرچہ دانہ نکلیں
وے ازاں کہ غریب است ذہوا اندر قوس
و گوئی از اثر انکام بادست است
پہ سطر پدی (۳) زب (۴) را اشارہ باشد
چہ دام' دماغ و دواں را کرازش پدیاں
زم (۵) و عکس (۶) آثار گشتہ بجدی
کدورت (۷) در شدہ ہم مشرقی (۸) دیم مرغ (۹)
کے بہشت چوے کہ باہر از غونا
کے بصورت ترکے کہ از پے یثرا
قرا (۱۰) پہ نور (۱۱) کہ کاشاندہ ششم باشد
سیاہ گشتہ (۱۲) عکس (۱۳) زلی کیان (۱۴)
دلیں دلیں عکس عکس شکل مستحیل
پہ ہار میں کدہ ہرام (۱۵) بھجیں پاپہ
کدہ چہ ترک شکر پہ کھنن استہول
دعت' بیت طوفان لوح پہ کشا
تو دھدا کہ دریں نکلیں کہ من ہاشم

کہ رفتہ بود بدر واذا ارم شداد
غرض یاس کہ مرگے ہو مہارک یاد
گوئے زانچہ کاہیں جامعیت از اشداد
کدورت ملک فہم را ہزار گوئے کشا
ہم از طافت طبع دیم از صفائے نادر
لشت بدست نقد قبول گرد کسلا
کہ سرطالع من چھٹ ذہوا راجا وار
ہاک و حقدہ دام و کسین کہ صبا
چہ صغر' رنج دالم را فرائض اعداد
فردغ افگر دشتہ و کھجے زد ہار
کے کلیل صغر' دیکے دیکل فدا
ہکچ صومد و اماندہ باشد از نو وار
ستیزہ ہار در آید طاعت زہار
چہ نور طوفان کدہ دشتہ عجم زہار
چنانچہ از اثر خاک سمجہ گرد ہار
کلیدہ اندر ترجیح طوفان در لوتو
پہ بھنن دہ کیان بھنن بنیاد
کدہ چھٹ و دھنن بیوان استہاد
عیان زصورت ہارزا نیب صرصر ہار
چگونہ چوں دگراں بھنن دلیں ہار

ان احکام کے بیان کے ساتھ کلیات مذکورہ میں زانچہ بھی شامل ہے۔ لیکن یہ ۳۵۳ کے مرتبہ کلیات میں بھی موجود ہے یا نہیں' میں سواست اس کے بتانے سے قاصر ہوں۔ البتہ کلیات کے نمبر مرتبہ ۳۵۳ (۱۸۷۸ء) میں یہ ضور پڑا جاتا ہے۔ میری دانست میں یہ زانچہ خود غالب کے قلم کا ہے۔ لیکن اس میں شک کرنے کی تو کوئی وجہ ہی نہیں کہ خود غالب نے اس زانچہ کے لئے لکھتی معلومات بھی پہنچائی تھیں' اور یہ غالب کی فکر سے ایک سے زائد بار گزرا ہے۔ اس لئے اس کے مصدقات کسی دوسرے کے دیں منت نہیں ہو سکتے۔

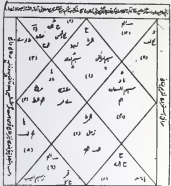
۱۰ زانچہ حسب ذیل ہے:

جیسا کہ اگلے ذائقے سے معلوم ہوتا ہے یہ زانچہ
پراگئی تعلیم کے مطابق بنایا گیا ہے' اس لئے غالب نے

یہ رائج خطوط مذکورہ کے صفحہ ۳۰ کے بعد چمکایا گیا ہے اور اس کے آخر میں سورج دھندلی سے کسی نے لکھا ہے "توشہ حضرت نیر و غیاں مرحوم" بظاہر اس نوٹ کے کاتب نیر کے بیٹے سعید الدین احمد خاں غالب ہیں، گنہ گار یہ نوٹ انکی ملکیت میں تھا اور ۱۹۹۹ء میں انہوں نے سرائیہ الدین احمد خاں بہادر والی لہارہ کو تحفے میں دے دیا تھا۔

اس رائج میں میرزا غالب کا سال ولادت ۱۲۳۳ھ ہی لکھا ہوا ہے۔ لیکن پہلا ۲ کا ہوسہ کسی قدر مشتبہ سا نظر آتا ہے۔ اس لئے فنی نوٹسکسور نے ۱۲۷۹ھ (۱۸۶۳ء) میں اس خط سے مطبع کے لئے کافی کھسوائی، تو ان کے کاتبی نوٹس نے اسے اس بنا پر ۲ بدلہ لیا کہ وہ غالب کی واقعی تاریخ پیدائش سے آٹھ نہ تھا۔ ورنہ اسے ۲ اور ۳ میں دھوکا کبھی نہ ہوگا۔

اس کے واسطے میں جو مزید تجویز مطبوعات مستخرج ہیں انہیں میں اقل تعظیم کے لئے چھوڑ کر ایک اور مسئلے کی طرف متوجہ ہوا ہوں اور وہ ہے میرزا غالب کی تاریخ ولیم و سال ولادت کا معاملہ۔



زیر نظر دونوں رائجوں میں انکی تاریخ پیدائش "مجمع روز یکشنبہ ہفتم رجب ۱۲۳۳ھ مستخرج ہے۔ دوسرے واسطے میں اس کے ساتھ مصباحی آثار ۱۲۷۹ھ" بھی لکھ دیا گیا ہے۔

جہاں تک ۱۲۳۳ھ کا حقیقی ہے میرزا صاحب نے "شورش شرقی" اور "غریب" کو ماوراء تاریخ لکھا ہے جن سے بھی اندازہ لگتے ہیں۔ نیز انہوں نے ازراہ غرض قلمی مولانا صاحب عالم مارہروی کے ماوراء تاریخ ولادت "تاریخ" پر اکتف پیجا کر اپنا ماوراء "تاریخ" قرار دیا تھا جس سے وہی اندازہ مستخرج ہوتے ہیں۔

دہا، پیدائش اور تاریخ تو خود غالب ہی نے ان دونوں کا ذکر نوٹب ملائی کے نام کے ایک خط مورخہ جون ۱۸۷۸ء میں کیا ہے۔ علاوہ بری تذکرہ منظر العجائب کے لئے انہوں نے ۱۸۹۳ء میں اپنا حال لکھا تھا۔ اس میں اپنے قلم سے ۸ رجب کو تاریخ ولادت لکھا ہے۔ اس نوٹ کا کس "احوال غالب" میں صفحہ ۳۳ کے مقابل چسپاں ہے۔

عام پیدائش کا ذکر ان کی صرف ایک اور تحریر میں ہے جو تذکرہ منظر العجائب کے لئے لکھی تھی اور وہ وہی "یکشنبہ" ہے جس کا ذکر واسطے میں ہوا ہے چونکہ اردوئے قزویم اس تاریخ کو چھار شنبہ ہونا چاہئے۔ اس لئے سب سے پہلے مولانا عمر نے "غالب" میں اس غلطی کی نشاندہی کی وہ فرماتے ہیں:

"غالب نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ان کی ولادت بوقت شب چار گزنی غیبی از طلوع آفتاب مجمع روز یکشنبہ ہفتم رجب

۱۲۳۳ھ مطابق آٹھ ۱۸۹۸ء ہوئی۔ لیکن تقویم کی رو سے ۸ ربیع ۱۲۳۳ھ کی بھوسوی ۲۷ دسمبر ۱۸۹۷ء لگتی ہے۔ نیز اس دن دن یکشنبہ یعنی اوار نہ تھا بلکہ چار شنبہ تھا۔ (غالب ص ۱۶ ج ۱)

اس سلسلے میں جناب بانک رام صاحب ذکر غالب میں زیادہ وضاحت کے ساتھ فرماتے ہیں:

”میرزا کے کلیات نظم قاری (طبع دوم) میں ان کا زائچہ بھی شامل ہے۔ اس کے عنوان میں نواب نیر بخش نے ولادت سے متعلق لکھا ہے روز یکشنبہ یستم ربیع ۱۲۳۳ھ مطابق آٹھ ۱۸۹۸ء دوا۔ اس تحریر میں کئی غلطیاں ہیں۔ بھری تاریخ اور مہینہ ٹھیک ہے۔ البتہ سال میں کاتب کی سرکاری سے ۱۲۳۳ھ کی جگہ ۱۲۳۴ھ لکھا گیا ہے۔ یہ بھری تاریخ جو یقیناً میرزا نے انھیں بتائی ہو گی درست ہے اور اس کی تائید اور کئی جگہ سے بھی ہوتی ہے۔ باقی سب باتیں خود نیر بخش نے اضافہ کیں اور بد قسمتی سے سب غلط ہیں۔ دن یکشنبہ نہیں بلکہ چارم شنبہ تھا۔ بھوسوی سال ۱۸۹۷ء چاہئے تھا اور وہ بھی اوار نہ۔ غالب نے اپنے جو حالات تذکرہ منظر العجائب کے لئے لکھے تھے (احوال غالب بانک محلہ فوق) وہاں نیر بخش ہی کا تتبع کرتے ہوئے انہوں نے بھی یوم ولادت یکشنبہ لکھ دیا ہے۔ اس سلسلے میں بنیادی چیز ۸ ربیع ۱۲۳۳ھ کی تاریخ ہے۔“

(تذکرہ غالب ص ۲۵ ج ۳)

ان دونوں محققوں کا یہ ارشاد بالکل درست ہے کہ داسپے کے عنوان میں بھری تاریخ اور مہینہ صحیح ہیں۔ دن اور بھوسوی سہ غلط ہیں۔ لیکن بانک رام صاحب کا یہ قول ابھی مزید تحقیق چاہتا ہے کہ یکشنبہ اور آٹھ ۱۸۹۸ء نواب نیر بخش کا اضافہ ہے۔

اس طرح یہ امر بھی قبول نہیں معلوم ہوتا کہ منظر العجائب والے نوٹ میں یکشنبہ کا اضافہ غالب کے ذاتی علم کی بنا پر نہیں ہے بلکہ وہ نیر بخش کے تصحیح میں ایسا لکھ گئے ہیں۔

میری دانست میں نیر بخش صرف داخل ہیں یکشنبہ خود غالب کا لکھا اور بتایا ہوا لفظ ہے۔ چنانچہ یہ کلیات کے ۱۲۳۳ھ والے نسخے میں بھی موجود ہے اور جیسا کہ مجھے ابھی لکھ آیا ہوں ممکن قوی خود غالب کے قلم کا نقشہ ہے۔ بہر صورت جو لفظ ۱۸۹۸ء میں بھی غالب نے لکھا یا لکھوایا تھا اس کا ۱۸۹۳ء میں جو منظر العجائب والے نوٹ کا سال تحریر ہے (احوال دوسرے کا تصحیح قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ اس بارے میں اردوئے نجوم معلوم کرنا چاہئے کہ زائچہ کس دن کے لحاظ سے بنایا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ غالب نے اپنی ہی جلی سے تاریخ اور دن جو غلط بنا ہو اور پھر اس کے مطابق زائچہ بھی تیار کیا گیا ہو۔

وہ کیا سہ بھوسوی قہیدہ نہیں کہ اس کا اضافہ اس ہندی نجومی کے قول پر کیا گیا ہو جس نے اردوئے صائب ہندی اس زائچہ کی توثیق و تصدیق کی تھی کہ کہ اہل ہند کے بتول آئینہ برج جدی (دکن) میں داخلہ آٹھ سال یعنی جنوری کی کسی تاریخ کو ہوا کرتا ہے۔

خدا کرے صیب سے کوئی سو کار پیدا ہو اور وہ میرزا غالب کے دونوں زائچوں کی جانچ کر کے اس صحیحی کو سلجھا دے۔



سید محمد حسین رضوی

اوج قبول

(غالب کا ننھانہ کلام)

اس موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے میں ایک عام غلط فہمی کا ازالہ کر دینا چاہتا ہوں۔ آئینکل کے پیش در نجومیوں کی حالت زار اور کم علمی کو دیکھ کر اکثر لوگوں کے دلوں میں علم نجوم کی طرف سے بڑی بدگمانیاں پیدا ہو سکتی ہیں اور وہ لوگ علم نجوم کو نہایت حقیر اور سلی چیز سمجھنے لگے ہیں۔ علم نجوم کا نام سننے ہی ان کے تصور میں شرکی سوزکوں کے کناروں پر چھٹے ہوئے کم علم اور جاہل نجومیوں اور دست شناسوں کی خشکیاں بکھرنے لگتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ علم نجوم بھی علم صیت اور علم طب کی طرح ایک مستقل اور وسیع علم ہے اور قدیم زمانے میں اس علم کو حاصل کرنا بھی ہامت اختیار سمجھا جاتا تھا۔ چونکہ اس علم کو کماحقہ سمجھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے اسی لئے اس علم کو جاننے والے دنیا میں محدودے پتر ہی ہوتے ہیں۔ ایسے ہی محدودے پتر لوگوں میں مرزا اسد اللہ خاں غالب کو بھی شمار کرنا چاہئے۔

غالب کے کلام میں ہر ہر مقام پر علم صیت و نجوم کے اتنے بڑے اشارے کھڑے پڑے ہیں کہ ان کو سمیٹنا آسان نہیں ہے۔ خصوصاً ان کا فارسی کلام تو ان ستاروں سے اس قدر بھنگا رہا ہے کہ جس طرف نظر پڑتی ہے اسی جگہ جم کر نہ جاتی ہے۔ غالب کے کلام کو غور سے دیکھتے پر یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔ کہ وہ علم صیت و نجوم میں سستی تھی۔ خصوصاً علم نجوم میں تو وہ اس قدر گہری نظر رکھتے تھے کہ ان کے بیان کردہ انکام نجوم تمام اعلا پائے کے ننھنوں کے لئے ہمیشہ مشعل راہ بنے رہیں گے۔ انہوں نے جتنی پیش گوئیاں کی ہیں وہ بعد میں حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی ہیں۔ مثلاً انہوں نے اپنی غزل کے ایک شعر میں اپنے زمانے کے سیاروں کے خفایاں کی مدد سے اپنے متعلق یہ پیش گوئی کی تھی کہ:

کو کہم را در عدم اوج قبولے بود است
شرت شعرم بہ گیتی بود من لواحد شدن

یعنی میرے زمانے میں میرا سیارہ چوتھے خانے میں ہے جو خانہ عدم کہلاتا ہے اور اس خانے میں اس سیارے کو اوج قبول بھی حاصل ہوا ہے اس لئے دنیا میں میری شاعری کی شرت تو ضرور ہو گی لیکن میرے مرنے کے بعد ہو گی۔ ان کی یہ پیش گوئی کس قدر صحیح ثابت ہوئی ہے یہ اعرس من الشمس ہے۔ آج سو سال بعد ان کی صد سالہ بری دنیا کے ہر حصے میں مٹائی جا رہی ہے حالانکہ ان کی زندگی میں ان کی شاعری کی خاطر خواہ قدر و منزلت نہ ہو سکی۔

اس پیش گوئی کی ننھانہ وضاحت اور غالب کے مزید ننھانہ کلام کی تشریح اس مضمون میں مناسب مقام پر کی

جائے گی جس سے چہنۂ والوں کو اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ غالب نے کس قدر احتیاطاً انداز میں احکام نجوم کا اشتہار کیا ہے۔ غالب کو اپنی "نجوم والی" پر خود بھی مکمل اعتقاد تھا جس کا اظہار انہوں نے جگہ جگہ کیا ہے۔ انہوں نے ایک شعر میں صاف طور پر اس کا دعویٰ اس طرح کیا ہے۔

ہم چمن شاعر و صوفی و نبوی و حکیم
ہست در دہر علم مدی و نکتہ کماست

یعنی "میرا قلم اس بات کا دعویٰ کرتا ہے اور اس دعوے کی دلیل میں اعلیٰ اعلیٰ کچھ بھی بیان کرتا ہے کہ دنیا میں مجھ جیسا شاعر 'صوفی' نبوی اور حکیم کوئی دو سرا نہیں ہے۔" غالب کا یہ دعویٰ محض شاعرانہ صلی نہیں بلکہ حقیقت کا اظہار ہے۔ غالب نے اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ "اثر اعلیٰ مضامین شعر کے واسطے بہت تصوف، بہت نجوم لگا رکھا ہے ورنہ سوائے مولوی طبع کے اور یہاں کیا رکھا ہے۔" یہ محض ان کی کسر نفسی تھی کہ علم نجوم میں اتنی وسیع دسترس ہوتے ہوئے بھی اپنے علم کو معمولی سمجھتے تھے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے سمجھنے کلام کا ایک ایک شعر علم نجوم کے اسرار کا ایک ایک دفتر ہے۔ اگر کوئی ذرا تھک محض غالب کے اس قسم کے عاجزانہ انداز تحریر کو حقیقت پر مبنی سمجھ کر یہ فیصلہ کر لے کہ "غالب کو علم نجوم سے بہت معمولی ہی واقفیت تھی" تو یہ سراسر غلط ہو گا۔

غالب کے سمجھنے کلام کو اس کی نوعیت کے اعتبار سے متعدد چاروں پانچ قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ مکمل تقویم سیارگان برائے احکام زائچہ حقیقی : اس قسم کے کلام میں غالب نے خاص خاص سماعت کے لئے تمام سیاروں کے صحیح مقامات معلوم کر کے مکمل طور پر حقیقی زائچہ بنائے ہیں اور ان سیاروں کے اچھے یا برے اثرات کا ذکر لمبیت عالمانہ اور شاعرانہ انداز میں کیا ہے۔

۲۔ مکمل تقویم سیارگان برائے احکام زائچہ فرضی : اس قسم کے کلام میں غالب نے اپنے مصدح کے لئے ایک مثالی اور فرضی زائچہ خود ایجاد کیا ہے اور اس زائچہ کی فرضی سماعت کے لئے سیاروں کی مکمل تقویم بیان کر کے اس کے طالع کی سماعت کا ذکر کیا ہے۔

۳۔ جزوی تقویم سیارگان برائے تین سماعت و اثرات : اس قسم کے کلام میں غالب نے مختلف سماعتوں کے تین کے لئے صرف ایک یا دو سیاروں کے مقامات کا حساب لگا کر ان کا ذکر محض طور پر کیا ہے اور باقی سیاروں کے ذکر کو چھوڑ دیا ہے۔ بعض جگہ اس قسم کی جزوی تقویم سیارگان کے ایک دو اثرات کا ذکر بھی کیا ہے اور ان کی بنیاد پر آئندہ کے لئے پیش گوئیاں بھی کی ہیں۔

۴۔ تذکرات ثوابت و سیار برائے ترتیب و تحلیل و تعویج : اس قسم کے کلام میں غالب نے سیاروں اور سیاروں کا ذکر ان کی سمت و ترتیب کے لحاظ سے ہونے سنوڑ اور اعلیٰ انداز میں کیا ہے۔ بعض جگہ ان ثوابت و سیار کو شاعرانہ تحلیل و ترتیب ظاہر کرنے کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ تعویج سیارگان کا بھی طویل رکھا گیا ہے یعنی مختلف سیاروں کے مجموعی اثرات کو مثالیں دے کر سمجھایا گیا ہے۔

۵۔ اصطلاحات سمت و نجوم برائے جمعیات و تشریحات و استعارات : اس قسم کے کلام میں غالب نے سیاروں

لور ستاروں کے منجملہ خواص کا سارا لے کر بنی اچھی اچھی سمجھات وضع کی ہیں اور ان کی مدد سے بنی تاروں کیسیات اور اچھوتے استعارات پیدا کیے ہیں۔

اس سے پہلے کہ غالب کے منجملہ کام پر کوئی تبصہ کیا جائے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علم نجوم کی چند ابتدائی باتوں کو نہایت آسان اور مختصر الفاظ میں بیان کر دیا جائے تاکہ غالب کے کام کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ اگر ہم آسمان پر نظر ڈالیں تو ہم کو دو قسم کے ستارے چمکتے نظر آئیں گے۔ جو ستارے ایک جگہ سے دوسری جگہ تک حرکت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں وہ سیارے کہلاتے ہیں اور جو ایک ہی جگہ قائم رہتے ہیں وہ ثابت کہلاتے ہیں۔ سیاروں کے نام بالترتیب یہ ہیں۔ ۱۔ 'خس' ۲۔ 'قمر' ۳۔ 'مرخ' ۴۔ 'عطارد' ۵۔ 'مشتری' ۶۔ 'زہرہ' ۷۔ 'زحل' ہر سیارے کا ایک فلک ہے جس پر وہ گردش کرتا ہے لہذا سیارے بھی سات ہیں اور ان کے الاک بھی سات ہیں۔ ان الاک سے اوپر آسمانوں فلک ہے جس پر ثابت قائم ہیں۔ اس سے بھی اوپر نواں فلک ہے جسے فلک الافلاک کہتے ہیں جو تمام الاک کو اپنے اندر لے کر گردش کرتا ہے۔ ان سات سیاروں میں سے 'خس' اور 'قمر' ہمیشہ سیدھی رفتار سے چلتے رہتے ہیں اور ان دونوں کو بخیر کہتے ہیں۔ باقی پانچ سیارے بھی سیدھی رفتار سے چلتے ہیں اور بھی انہی رفتار سے چلتے ہیں 'اس' لئے ان کو فساد منعمہ کہتے ہیں۔ ان سات سیاروں کے علاوہ آسمان پر دو فرض نقطے بھی ہیں جو ہمیشہ ایک دوسرے کے مقابل رہتے ہیں اور ہمیشہ انہی رفتار سے چلتے رہتے ہیں۔ ان دونوں کو بھی سیاروں کی مانند سمجھ لیا گیا ہے اور ان کا نام داس اور ذب رکھ لیا گیا ہے۔ داس کو ایک اڑھے کا سر اور ذب کو اس کی دم فرض کر لیا گیا ہے۔ اصل یونان داس کو سعد سمجھتے ہیں لیکن اگر داس کسی شخص سیارے کے ساتھ ہوتا ہے تو 'خس' اثر دکھاتا ہے۔ عطارد بھی سعد ہے لیکن اگر 'خس' سیارے کے ساتھ ہوتا ہے تو 'خس' اثر دکھاتا ہے۔ عطارد بھی سعد ہے لیکن اگر 'خس' سیارے کے ساتھ ہوتا ہے تو 'خس' ہو جاتا ہے۔ ذب کو 'خس' کہا جاتا ہے۔ 'خس' 'مرخ' اور 'زحل' بھی 'خس' ہیں۔ 'قمر' زہرہ اور 'مشتری' سعد ہیں۔ اصل حند داس کو داس اور ذب کو ذب کہتے ہیں اور دونوں کو 'خس' سمجھتے ہیں۔ غالب نے اصل یونان کا نتیجہ کیا ہے 'اصل حند کا نتیجہ نہیں کیا ہے۔

ثوابت کے درمیان 'خس' قرار دیا گیا سیارے جس آسمانی دائرے پر چلتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں 'اس دائرے کو دار خشی کہتے ہیں جو ۳۶۰ درجوں کے برابر ہوتا ہے۔ اس دار خشی کو برابر کے بارہ حصوں میں تقسیم کر لیا گیا ہے اور ہر حصے کو برج کہتے ہیں جو ۳۰ درجوں کے برابر ہوتا ہے۔ ان بارہ برج کے نام بالترتیب یہ ہیں۔ ۱۔ 'حل' ۲۔ 'ثور' ۳۔ 'جوزا' ۴۔ 'سرطان' ۵۔ 'اسد' ۶۔ 'منبل' ۷۔ 'میزان' ۸۔ 'عقرب' ۹۔ 'قوس' ۱۰۔ 'جدی' ۱۱۔ 'دلو' ۱۲۔ 'حوت' جب بارہواں برج ختم ہو جاتا ہے تو اس سے اگلا برج یعنی برج حمل شروع ہو جاتا ہے۔ ان برجوں میں 'خس' کے قیام کی جو تاریخیں متعلقہ نقطے میں دی گئی ہیں ان میں ایک آدھ دن کا فرق پڑ سکتا ہے۔ داس مضمون کے آخر میں نقشہ طوائف برج ملاحظہ کیجئے) ان برج کے نام لور خواص ان شکلوں کے مطابق مقرر کئے گئے ہیں جو ان کے ثوابت کی مجموعی حیثیت کے مطابق نظر آتی ہیں۔ اگر کوئی سیارہ کسی برج میں ہو تو وہ اس برج سے تیسرے برج کو نظر تدبیر سے دیکھتا ہے جو اسے برج کو نظر تدبیر سے دیکھتا ہے 'پانچویں برج کو نظر تثلیث سے دیکھتا ہے' اور ساتویں برج کو نظر تحریف یعنی نظر

مقابلہ سے دیکھتا ہے۔ ان نظموں کے ٹیک و بد اثرات حقیقت نقشے میں دکھائے گئے ہیں۔ بارہ ہجرت اور سات سیاروں کے خواص ظاہر کرنے کے لئے بھی علاحدہ علاحدہ نقشے دیئے گئے ہیں۔ (اس مضمون کے آخر میں ان نقشوں کو ملاحظہ فرمائیے)

ہر سیاہ ایک یا دو ہجرت کا ٹیک ہوتا ہے اور وہ ہجرت اس سیارے کا بیت نکلتا ہے، جہاں پہنچ کر وہ سیارہ طاقت حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح جب وہ سیارہ اپنے ہجرت شرف میں پہنچتا ہے تو نہایت سعد ہو جاتا ہے اور جب ہجرت اوج میں پہنچتا ہے تو بے حد ہمت ہو جاتا ہے۔ وہاں، صہو اور حسی میں پہنچ کر سیارہ بالترتیب کمزور، غصہ اور کم ہمت ہو جاتا ہے۔ دنیو و دنیو۔ سیارے کو سب سے زیادہ ٹیک اثر ہجرت شرف میں حاصل ہوتا ہے اور سب سے زیادہ بد اثر ہجرت صہو میں حاصل ہوتا ہے۔ قر کا اوج و حسی بہت جلد جلد تبدیل ہوتا ہے، اس لئے کسی خاص ساعت کے لئے حساب لگا کر معلوم کرنا پڑتا ہے۔ باقی سیاروں کے اوج و حسی بہت سی آہستہ آہستہ تبدیل ہوتے ہیں۔ تمام سیاروں کے بیت و وہاں و شرف و صہو کبھی تبدیل نہیں ہوتے۔ اوج و حسی کو کبھی صدیوں اور قرون تک ایک جی ہجرت میں قائم رہتا جا سکتا ہے۔

مندرجہ بالا ہجرت و سیارہاں کے علاوہ بعض دیگر ثابت بھی اپنے منجملہ خواص میں بہت مشہور ہیں۔ مثلاً ایک ستارہ سکیل ہے جو کہ معظمہ سے جنوب کی طرف یعنی یمن کی طرف طلوع ہوتا ہے، اس لئے اسے ستارہ بمانی بھی کہتے ہیں۔ جب یہ ستارہ طلوع ہوتا ہے تو برسات کا موسم ختم ہو جاتا ہے اور بارشیں بالکل بند ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے وہاں کے محلات الارض، بنییں و دارا بھی کہتے ہیں، خود بخود فنا ہو جاتے ہیں۔ اسی سکیل کی روشنی میں چڑے کو پھینکا دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس میں خوشبو پیدا ہو جاتی ہے اور وہ خوشبودار چڑھا طبع اوسم یا صرف اوسم کہلانے لگتا ہے۔

علم نجوم میں طالع کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس لئے اس اصطلاح کو بھی ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔ جب کوئی ہجرت کسی خاص ساعت میں کسی مخصوص مقام پر افق مشرق میں طلوع ہوتا ہے تو اس ہجرت کو طالع کہتے ہیں۔ جب کوئی چہرہ پیدا ہوتا ہے تو کسی مستحق جزئی یا زوج سے طالع کا حساب لگایا جا سکتا ہے، اور طالع معلوم ہو جانے کے بعد اس کی بنیاد پر اس ساعت کا زائچہ بنایا جا سکتا ہے۔ زائچہ بنانے کے لئے مندرجہ ذیل بارہ خانوں کا ایک نقشہ بناتے ہیں اور اس نقشے کے پہلے خانے میں طالع کو درج کرتے ہیں۔ پھر اگلے خانہ میں یعنی نقشے کے دوسرے خانے میں طالع سے الگ ہجرت لکھتے ہیں اور اسی طرح بالترتیب تمام خانوں میں بارہ ہجرت کے نام لکھ دیتے ہیں۔ اس کے بعد حساب لگا کر معلوم کیا جاتا ہے کہ اس وقت کون سا سیارہ کس ہجرت میں تھا۔ جو سیارہ جس ہجرت میں ہوتا ہے، اسے اسی ہجرت کے خانے میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اس طرح زائچہ مکمل ہو جاتا ہے۔ زائچہ کا خانہ اول طالع کہلاتا ہے، خانہ دوم شہد کہلاتا ہے، خانہ ہفتم غارب کہلاتا ہے اور خانہ چہارم عدم کہلاتا ہے۔ یہ چاروں خانے چڑے اسم کہجے جاتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو وقتہ کہتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے، پانچویں، آٹھویں اور گیارہویں خانے کو مائل کہتے ہیں۔ تیسرے، چھٹے، نویں، اور بارہویں خانے کو داخل کہتے ہیں۔ جس خانے کی نظر طالع پر (تدلیس) تریخ، تخلیف، یا

زائچہ کی شکل اور تفصیل

بارہواں خانہ - زائل ساقط	دوسرا خانہ - مائل ساقط
گیا جہواں خانہ - خرچ - نقصان	پہلا خانہ - دولت - خاندان - تیسرا خانہ
مائل ناظر	طالع - وند اقول
زائدی - فائدہ	(جسم - دل)
دسواں خانہ	چوتھا خانہ - (بھائی - طاقت)
شہود - وند و ہم	عدم - وند چہارم
نواں خانہ - ملکوت - کاروبار	(رماں - سکون)
زائل ناظر	ساتواں خانہ
(عشرت - ایمان)	خائب - وند ہفتم
آٹھواں خانہ - (بیوی - عیش)	پچھا خانہ - (دلو - علم)
مائل ساقط - (موت - عمر)	زائل ساقط - (دشمن - بیماری)

زائچہ طالع غالب (حقیقی)

بارہواں خانہ - عقرپ	دوسرا خانہ - چندی
گیا جہواں خانہ	طالع یعنی پہلا خانہ - شمس - عطارد
میزان	توس
شہود یعنی دسواں خانہ	زہرہ
سنبہ	عدم یعنی چوتھا خانہ
نواں خانہ	مشتی - مرج
اسد	خائب یعنی ساتواں خانہ - حوت
آٹھواں خانہ	جوزا
سرطان - راس	زحل
	پچھا خانہ - حمل
	ثور - قمر

زائچہ طالع نوروز (حقیقی)			
خانہ دوازدہم جدی		خانہ دوم - حوت	
خانہ یازدہم قوس	خانہ اول دلو - ذنب طالع	عطارد خانہ سوم حمل یخس زحل	
		خانہ چہارم ثور	
خانہ دہم عقرب		خانہ ہفتم اسد - راس غارب	
خانہ نہم میزان	خانہ ہشتم سنبلہ - مشتری	خانہ ششم سرطان - مریخ	
		خانہ پنجم جوزا	

زائچہ طالع ممدوح (قرضی)			
خانہ دوازدہم - زائل ساقط - دلو		خانہ دوم - ساقط مائل - حمل	
خانہ یازدہم مریخ - زحل	خانہ اول طالع - وند اول حوت	شمس - عطارد - خانہ سوم زائل ناظر - ثور	
		قمر - جدی	
خانہ دہم - وند دہم		خانہ چہارم - وند چہارم راس	
قوس	خانہ ہفتم - وند ہفتم	جوزا	
		خانہ پنجم مائل ناظر	
خانہ نہم زائل ناظر - عقرب	سنبلہ	خانہ ششم سرطان	
		زائل ساقط - اسد	
خانہ ہشتم مائل ساقط - میزان		خانہ ہشتم مائل ناظر - عقرب	

نقشہ خواص برمج

رتبہ	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
برج	محل	ثور	جوزا	سرطان	اسد	سنبلہ	میزان	عقرب	قوس	جدی	دلو	حوت
شکل	بیت	سائے	جوتا	کچکڑا	قیر	لڑکی	ترازو	بچھو	کمان	گرچہ	گھڑا	پھل
نمایہ	مست	مست	مست	مست	مست	مست	مست	مست	مست	مست	مست	مست
عنصر	آتش	خاک	بادی	آبی	آتش	خاک	بادی	آبی	آتش	خاک	بادی	آبی
اثرات	خس	سعد	خس	سعد	خس	سعد	خس	سعد	خس	سعد	خس	سعد
مالک	مریخ	زہرہ	عطارد	قمر	شمس	عطارد	زہرہ	مریخ	شمس	زحل	زحل	شمس
خس	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰
کا	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰
قیام	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰
غاری	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰

نقشہ انظار سیارگان

نام نظر	تدیس	تربیع	تثلیث	تصفیہ
مقام نظر	تیسرے برج	چوتھے برج	پانچویں برج	ساتویں برج
نظام نظر	نصف دوستی	نصف دشمنی	کمل دوستی	کمل دشمنی
انجام نظر	سعد	خس	بہت زیادہ سعد	بہت زیادہ خس

نقشه خواص سیارگان

رتیب	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
نام	شمس	قمر	مریخ	عطارد	مشتری	زهره	زحل
دیگر نام	آفتاب	ماہتاب	بہرام	تیر	نبیس	تابسید	کیوان
اثرات	خس	سعد	نفس صفر	سعد	سعد اکبر	سعد صفر	خس اکبر
بیت	اسد	سرطان	حمل و عقرب	جوزا و سنبل	قوس و حوت	ثور و میزان	جدی و دلو
وبال	دلو	جدی	میزان و ثور	قوس و حوت	جوزا و سنبل	عقرب و حمل	سرطان و اسد
شرف	حمل	ثور	جدی	سنبل	سرطان	حوت	میزان
بہبوط	میزان	عقرب	سرطان	حوت	جدی	سنبل	حمل
اوج	جوزا	-	اسد	میزان	سنبل	جوزا	قوس
مضییض	قوس	-	دلو	حمل	حوت	قوس	جوزا
جنس	مذکر	مؤنث	مذکر	مذکر	مذکر	مؤنث	مذکر
عنصر	آتش	آبی	آتش	خاک و بادی	بادی	بادی و آبی	خاک
فلک	چہارم	اول	پنجم	دوم	مششم	سوم	ہفتم
ایام ہفتہ	یکشنبہ	دو شنبہ	سشنبہ	چار شنبہ	پنج شنبہ	جمعہ	شنبہ
عمر	میانہ	طفول	جوانی	کودکی	کہولت	برائی	پیری
حیثیت	بادشاہ	وزیر	سہ سالہ	مشیر	قاضی	رقاصہ	دریان
خطاب	خود انجم	پیکر طرب	جلال فلک	دیر فلک	زاد فلک	مشتو و فلک	دستان فلک
متعلقات	نخت و تاج	خلعت و تاج و کمر	لوح و قلم و کتاب	ایلسان	ساز و چوہار	گرز	
خصوصیت	عکرائی	خوشحالی	خونریزی	ملودستی	بدداری	ثوٹی	بلندی

تصنیف) ہوتی ہے وہ غائب نامہ کہلاتا ہے اور جس خانے کی کوئی نظر ملاحظہ پر نہیں ہوتی وہ ساقط کہلاتا ہے۔ دتہ میں سیارے کو پوری طاقت حاصل ہوتی ہے، مائل میں طاقت کم ہو جاتی ہے اور واسطے میں سیارہ بہت سی کمزور ہو جاتا ہے۔ واسطے کا مرکز زندگی کے کسی نہ کسی شعبے سے تعلق رکھتا ہے۔ (زائچہ کی شکل اور تفصیل اس مضمون کے آخر میں ملاحظہ فرمائیے)

کسی مولود کے زائچے کے جس خانے میں سعد سیارہ ہوتا ہے یا جس خانے پر سعد سیارہ کی سعد نظر ہوتی ہے اس خانے سے تعلق رکھنے والے شعبہء زندگی پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ شمس سیارہ اس کے برعکس اثر ڈالتا ہے۔ ہر مخصوص ساعت کے لئے زائچہ کی مجموعی حالت جداگند ہوتی ہے اور جس قسم کا زائچہ ایک ساعت پر بن جاتا ہے بالکل دوسری زائچہ صدیوں میں بھی دوبارہ نہیں بنتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی مولود کا زائچہ معلوم ہو جائے تو اس کے سیاروں کے مقلات کی مدد سے یہ حساب لگایا جاسکتا ہے کہ زائچہ کس ساعت کا ہے۔ غالب کے زمانے میں سارے زائچے بحساب اصل یونان بنائے جاتے تھے جو اصل ہندو کے زائچوں سے مختلف ہوتے تھے۔ غالب نے بھی اصل یونان ہی کا نتیجہ کیا ہے۔ سنہ ہجری کی تاریخ اور سنہ عیسوی کی تاریخ میں مطابقت معلوم کرنے کے لئے یہ بات بعید شہ یاد رکھنی چاہیے کہ انجمن ترقی اردو کی طرف سے جو تقویم ہجری و عیسوی شائع ہوئی ہے وہ محض اوسط حساب سے مرتب کی گئی ہے اور اس میں مطابق عیسویوں کو ۳۰ دن کا مانا گیا ہے اور ہفت عیسویوں کو ۲۸ دن کا مانا گیا ہے، لیکن سال کبیسہ میں ڈی الپہ بھی ۳۰ دن کا مانا جاتا ہے۔ اگر حقیقی رویت حلال کے مطابق تاریخ ہجری اور تاریخ عیسوی میں مطابقت معلوم کرنی ہو تو اس کے لئے علم ہیت کے پیچیدہ حسابات سے مدد لینی چاہئے۔ زنج الف یگ میں صاف طور پر بتا دیا گیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ پانچ مہینے متواتر یکے بعد دیگرے تین تین دن کے ہو سکتے ہیں اور زیادہ زیادہ تین مہینے متواتر یکے بعد دیگرے انیس انیس دن کے ہو سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے اوسط ہجری تاریخ اور حقیقی رویت حلال کے مطابق ہجری تاریخ کے درمیان زیادہ سے زیادہ دو دن کا فرق پڑ سکتا ہے اور اگر مطلع ایر اکو ہو تو زیادہ سے زیادہ تین دن کا فرق بھی پڑ سکتا ہے۔ ایسی حالت میں ایام ہفتہ کو صحیح مان کر اس کے مطابق عیسوی تاریخ سے مطابقت کرنی چاہئے۔ اس تہید کے بعد اب ہم شمس مضمون کی طرف آتے ہیں۔ اس مضمون میں غالب کے مستعمل کلام کا صرف تھوڑا سا حصہ محض نمونے کے طور پر دیا جائے گا۔

۱۔ عمل تقویم سیارگان برائے احکام زائچہ حقیقی :

غالب کے کلیات قاری میں دو حقیقی زائچوں کی عمل تقویم اور ان کے مختصر احکام کا بیان ملتا ہے۔ پہلا زائچہ تو خود غالب ہی کا ہے جو ان کی پیدائش کے وقت کسی مہر فن نجم نے بنایا تھا اور دوسرا زائچہ تحویل آفتاب در بدر حمل کی ساعت کا ہے جو ۱۸۵۵ء میں جشن نو روز کے موقع پر خود غالب نے بنایا تھا۔ غالب نے اپنے زائچے کا ذکر قصیدہ نجم کی تشبیب میں جیسے لکھتے اترائے میں کیا ہے۔ یہ قصیدہ غالب نے سید الشہداء جناب امام حسین علیہ السلام کی شان میں کہا ہے اور اس کی تشبیب میں اپنے زائچے کے سیاروں کے شمس اثرات کا ذکر کر کے پھر گریز کا پہلو اس طرح پیدا کیا ہے کہ آسمان سے غالب ہو کر کہا ہے کہ ۳۷ سالہ! ہماری کیا حسرت ہے، میرے طالع کی کیا حقیقت ہے اور

سیادوں کے اثرات کی کیا اہمیت ہے۔ مجھے تو خود میرے مولا حسن نے جس حال میں رکھنا مناسب سمجھا ہے اسی حال میں رکھا ہے۔ اب میں اپنے دوست یعنی امام حسین سے تو اپنی اس نامرادی کا شکوہ کر نہیں سکتا اس لئے بالواسطہ طور پر حمیری اور حمیرے ستاروں کی غوسٹ کی شکایت کر رہا ہوں۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ حمیری ذاتی ہوئی یا نہیں میرے لئے تاب سہیل کی مانند مفید ثابت ہوئی ہیں جن کے اثر سے معمولی سی کمال بھی نہایت خوشبودار پھڑے کی شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس قصیدے کی تشبیہ اور گریز کے ضروری اشعار اوّل میں دیے جا رہے ہیں۔ جن میں غالب نے تمویج سیارگان کا حق ادا کر دیا ہے :

مگر مرا دل کافر بود شب میلاد
کہ ظلمتیں دھند از کور اطل عصفی یاد

حقا نگارش اسرار شکل زانچہ را
گند ز دور دل دروند افق دادر
گوی زانچہ کایں نوبہ ایست از اسقام
گوی زانچہ کایں ہامیت از اخداد

خود اصل طالع من جزوے از کمانست
گزست نلک غم را ہزار گوند کشاد

غرام زحمہ بطلع اگرچہ داد نکلیں
ہم از لطافت طبع دہم از صفائے نند

ولے ازاں کہ غریب است زحمہ اندر قوس
نقشہ بر رخ نقد قبول گرد کسباد

تو گئی از اثر انکسار حادث است
کہ مرہ طالع من چرخ زحمہ را جا داد

یہ صفر ہدی زلب را اشارہ باشد
نظاک و حلقہ دہم و کبکے کہ مباد

چہ دام روج رواں را گدازش ۛ وہاں
چہ صفر رنج و الم را فزائش اعداں

ز مر و چکر حیر آشکار گشتہ بجدی

فردا اکل رہا د کئے ز رہا
 موت در شدہ ہم شتری ہم مرغ
 کے کلیل صلاح د کے دکل لسا
 کے بیست چرے کہ تاک از غوا
 بکھ صومہ والاندہ باشد از اورلو
 کے بصورت ترکے کہ از پے یزا
 ستیزہ ہونے در آید بخاندہ زحوا
 قر پ نور کہ کشاندہ ششم باشد
 چ نور خورشید کند دنگاہ عصم زباد
 سیاہ گشتہ د بکر ز سلی کیواں
 چنانکہ از اثر خاک حمہ گردد باد
 ہدی د غصہ مگر ہاچہ شکل مقبل
 کشیدہ اند ز ترجیح خورشید در اوکار
 چارہا کہ ہرام ہفتیں پایہ
 ہ ہفتیں در کیواں ہفتیں بنیاد
 کند چ ترک شکر ہ کشتن استہلال
 کند چ حندہ درمن ہوان استہلال
 زحوت میت طوفان لوح پردہ کشا
 میاں ز صورت ہوزا نیب سرمر غا
 تو د خدا کہ دریں شکل کہ من ہاشم
 چگونہ چوں دگرں دستن لوان ہرا
 تو اے ستارہ ندانی کہ دلم از آزاد
 تو اے ہر نہ سخی کہ رسم از ہدا
 من د بلکے تو نفع لولیم و تاب سبیل

من و بجائے تو شاعر و سلی استاد
ستارہ راسخ رفتار ز انتہائے فصاحت
چنانکہ جنم نہ از اہل زلو
لفک کہانی و طالع چہ و ستارہ کدھام
کسم فصاحت دشمن و دوست شرم ہا
ہما کہ دادہ لوبہ کوئی فرہام
مہین ابن علی آہدے دانش و داد

ان اشعار کی مد سے غالب کا طالع برج قوس تھا جس میں زہرہ موجود تھا۔ زہرہ کے طالع میں ہونے کی وجہ سے غالب کو لطافت طبع اور مطالعے لہار تو حاصل ہو گئی لیکن چونکہ برج قوس میں زہرہ کی حیثیت ایک ایجنی مسافر کی سی ہے۔ (کیونکہ برج قوس سے زہرہ کا کوئی بھی سہ تعلق نہیں ہے نہ یہ بیت ہے نہ شرف ہے نہ لوج ہے) اس لئے غالب کی زندگی میں ان کے نقد قول پر ہمیشہ گرد کساؤ پڑی رہی گیا چرخ منظر نے ایک نیک سیارے کو یعنی زہرہ کو غالب کے طالع میں جگہ دی بھی تو محض انتقام عداوت کے اثر سے دی زہرہ زہرہ پر عاشق تھا اور اب اپنے رقیب عداوت کے ساتھ چاہ باطل میں الٹا لٹکا ہوا ہے۔) برج جدی میں شمس اور عطارد کی موجودگی سے بھی غالب کو خاندان بربادی میں گوناگوں پریشاندوں کا باعث بنی رہی۔ برج جدی میں شمس اور عطارد کی موجودگی سے بھی غالب کو خاندان بربادی میں نصیب ہوئی۔ خاندان چارم میں برج حوت کے اندر مریخ اور مشتری کی موجودگی نے بھی غالب کو قصص ہی پہنچایا کیونکہ مریخ کی موجودگی نے مشتری کے نیک اثر کو بھی زائل کر دیا۔ خاندان ششم میں یعنی دشمن کے گھر میں برج ثور کے اندر قمر کی موجودگی سے بھی غالب کے دشمنوں ہی کو نصرت حاصل ہوئی۔ خاندان ہفتم میں برج جوزا کے اندر زحل کی موجودگی سے تو گویا قیامت ہی ٹوٹ پڑی کیونکہ اس طرح مریخ اور زحل کے درمیان فخر تراجیع بھی پیدا ہو گئی ہے۔ جو شمس ہے اور یہ دونوں شمس سیارے و تدوں میں بھی موجود ہیں جس کی وجہ سے ان کو اور بھی زیادہ قوت حاصل ہو گئی ہے۔ لہذا یہ دونوں سیارے مل کر غالب پر جو کچھ بھی علم توڑ سکتے ہیں وہ توڑ رہے ہیں۔ اس اشعار کے مطابق مندرجہ ذیل زائچہ حقیقی بنتا ہے۔ اگر مستند زبکوں کی مدد سے سہلیت لگائے جائیں تو معلوم ہو گا کہ یہ زائچہ بمقام آگرہ ۱۵ بج (۱۵) بروز یکشنبہ بوقت چہار گھڑی تہی از طلوع آفتاب تاریخ ۸ رجب ۱۱۷۷ مطابق ۸ جنوری ۱۷۷۷ء سے الصباح ۵ بج ۳۹ منٹ (۱۱۷۷) اسٹینڈرڈ ٹائم کے لئے بنایا گیا تھا۔ لہذا غالب کی صحیح تاریخ پیدائش یہی ہے۔ عام طور پر جو غالب کی تاریخ پیدائش مشہور ہو گئی ہے وہ ۱۷۷۷ء بمطابق ۸ رجب ۱۱۷۷ بروز چہار شنبہ ہے لیکن یہ تاریخ پیدائش غلط ہے اور اسے بھول جانا چاہئے۔ صحیح تاریخ پیدائش ۸ جنوری ۱۷۷۷ء ہے۔ (غالب کا زائچہ طالع اس مضمون کے آخر میں دیکھئے)۔

ایک اور زائچہ حقیقی کا ذکر غالب نے کلیات فارسی کے نوذر میں قصیدے میں کیا ہے جو ابو ظفر بلور شہد کی

شان میں جیٹن تو روز کے موقع پر بمقام دہلی کا کیا ہے قصیدے کے ضروری اشعار ذیل میں دیئے جاتے ہیں :

ہجو من شاعر و صوفی و نجوی و کلیم

بیست و دو دہر نظم مدی و کلمہ گواست

لذوق مدح تو براں داشتو باشد کاموز

دگ اندیشہ زدم گرچہ قمر در جودااست

ایکے خود در حل و مدح و دیکر باشد

صحت تدبیر و سماہوں نظر سر فدااست

بادہ پاییزہ اعظم زدم کیوں بہ حل

مشمعینی بہ شمشاد ز کشاورز خطااست

دھو دھم بہ حل تن زدم از غیث زحل

بہرشد مطلب گورو نہ دحقان خطااست

قاضی چرخ کہ در طوطی بود داڑوں پوسے

مقبر کہ چرا لوح و دیباچہ کجاست

چوں لہو آندہ مرغ بہ خرگاہ

کلبہ یک طرفہ گاہ سپید نہ رواست

تاجہ اللہ کہ در خانہ چاقیت دیر

پریش واقفہ صحت اگر پر ہی راست

کشتہ در دلو و اسد دوسے ہو جلدہ نور

دوب و راس کر از طالع و عارب پدااست

ان اشعار میں غالب نے بیوزج سیارگان کو نمائندگی اعلیٰ بنانے پر بیان کیا ہے اور کئی جگہ اپنے حریفوں پر اور خصوصاً استاد ذوق پر بڑی چٹکتائی کی ہے۔ اس مقام پر غالب نے بملار شاہ ظفر کو 'شمس' خود کو قمر اور ذوق کو زحل فرض کر لیا ہے۔ باقی سیاروں کو بھی حسب مناسبت اپنے باقی حریفوں سے تشبیہ دی ہے۔ غالب کے بیان کے مطابق اس وقت طالع برج دلو میں تھا جس میں قزح بھی موجود تھا، عارب برج اسد تھا جس میں راس بھی موجود تھا۔ جودا میں قمر تھا، حمل میں شمس، زحل اور دھو تھے، سنبلہ میں مشتری تھا جو رابع تھا، سرطان میں مریخ تھا، اور صحت میں عطارد تھا۔ شمس کی ٹھہر تدبیر قمر پر تھی جو نیک لگتی جاتی ہے۔ شمس اپنے برج شرف میں تھا، مشتری ایسے برج میں تھا

جہاں اس کا اورج بھی ہے اور وہاں بھی ہے 'منج قمر کے بیت میں تھا' اور عطار و مشعری کے بیت میں تھا۔ ان اشعار کے مطابق جو نو روز کا زائچہ حقیقی بنتا ہے وہ بمقام دہلی تاریخ ۲۱ مارچ ۱۸۵۵ء مطابق ۷ جمادی الاول ۱۲۷۱ھ بروز پنجشنبہ علی الصباح ۳ بج کر ۱۵ منٹ سے ۵ بج کر ۲ منٹ تک (ایلیس اسٹیز رڈ قائم) کے لئے بنایا گیا تھا۔ (دو زائچہ نو روز مضمون کے آخر میں دیا جا رہا ہے)۔

۲۔ مکمل تقویم سیارگان برائے احکام فرضی :

غالب کے کلیان فارسی کے قطع ۳۳ میں ایک زائچہ کی مکمل تقویم کا ذکر ہے۔ یہ زائچہ غالب نے اپنے ممدوح یعنی جان جا کوپ بہادر کے لئے محض فرضی طور پر بنایا تھا اور اس زائچہ میں یہ خوبی دکھی تھی کہ طالع پر کسی شخص سیارے کی نظر نہیں تھی۔ یعنی یہ فرضی طالع تمام برے اثرات سے پاک تھا اور تمام اچھے اثرات سے مملو تھا۔ اس زائچہ کو دیکھ کر غالب کی منجھانہ سوادہ کی حسادت داؤدینی پڑتی ہے کہ فرضی زائچہ بھی بنایا تو بالکل حقیقی زائچہ کی مانند بنایا جس میں کسی قسم کا صیب نہیں ڈھونڈا جا سکتا۔ غالب نے دعا کے طور پر اپنے ممدوح کے لئے یہ فرضی زائچہ پیش کر کے کہا ہے کہ "خدا کرے میرے ممدوح کا طالع اس طرح کا ہو جیسا کہ اس فرضی زائچہ میں دکھایا گیا ہے۔" قطع یہ ہے :

جان جا کوپ بہادر کہ زبیراں داد

خوبی خوب و فروزندی در عمر رائے

ظالمین سخت بود آ نظر کلمہ مکمل

مشعری سوئے سعادت بودش راہ نمائے

بھل مر درخشان و عطار دہلے

چوں دیرے کہ بود خوش شمشادہ پائے

چہ سوم خانہ کہ نوراست نہ و ذہب و داس

کس کے در شرف خویش و دگر خانہ خداے

چہ نیم خانہ ذنب عقدہ طراز و برہیں

چہ قوی ہنجگی از کار ذنب عقدہ کشائے

دلواں زائل ساقط بود از دوسے حساب

کہہ منج و دہل مر دوروں ذلوں جانے

مر در ساقط باطل شدہ تمثال طراز

ماہ در زائل ناظر شدہ آئینہ نوائے

ہر دو نیر و شرف یافتہ اقبال قبول
 ہر دو کو کب و خوشی آمدہ اندہ رہائے
 دھو و باد بہم فرخ و فرخ تر ازاں
 کہ شود راس بدی فرخی اندازہ فزائے
 باد و تھند مستند طالع گراں
 اندہ برجیں بہ تثلیث دم سر گرائے
 نظر کفایت نصیب و طالع ساقہ
 چشم بہ دور ازلی طالع عالم آرائے
 گل کہ ایں اختر مسود نگار و غالب
 ہر قمری داد کوہ از غل حائے

اس قلعے میں غالب نے اپنے صمدی کے لئے دعا کی ہے کہ "خدا اسے میرے صمدی کا طالع عطا کرے" تاکہ اس
 برج کا مالک یعنی مشتری سوداگروں کی طرف رجحان رکھتا رہے۔ شمس
 برج حمل میں یعنی اپنے برج شرف میں ہو اور عطارد بھی اس کی مدد کے لئے بلور ہشکادہ کے کھڑا ہوا ہو۔ برج ثور
 میں قمر ہو کہ اس کا برج شرف ہے، اسی برج ثور میں دھو بھی ہو جو کہ ثور کا مالک ہے، اور راس بھی ساتھ ہو تا
 کہ ان ایک اہتمامات کی سعادت میں کچھ زیادتی ہو جائے کیونکہ راس جب ایک سیاروں کے ساتھ موجود ہوتا ہے تو
 ان کے ایک اثر کو اور بھی بڑھا دیتا ہے۔ قمری خانے میں ذنب اپنی خواست دکھاتا چاہتا ہو لیکن اسی کے پاس مشتری
 بھی ہو جو سوداگروں کی وجہ سے ذنب کی خواست کو زائل کر سکے۔ مریخ ثور و حمل برج دلو میں ہوں جو کہ چاروں
 خانے میں ہونے کی وجہ سے زائل ساقہ ہو جائے تاکہ ان دونوں کی غصے نظریں طالع پر نہ پڑ سکیں۔ شمس اور قمر
 دونوں اپنے اپنے برج شرف میں ہونے کی وجہ سے "اقبال قبول" کو ظاہر کریں جو صاحب طالع کے لئے نعمت ہی سود
 سمجھا جاتا ہے۔ قرار دھو دونوں کی نظریں تیسری کی حیثیت سے طالع پر ہوں تاکہ طالع کی سعادت اور بھی زیادہ
 بڑھ جائے، اور مشتری کی بھی نظر تثلیث طالع پر ہو جو نعمت ہی ایک سمجھی جاتی ہے۔ ایسا طالع ایسے نیک اثرات کا
 حامل ہو گا کہ اگر کوئی اس کی سعادتوں کی تفصیل لکھنے بیٹھے گا تو اسے حاکم کے سامنے سے روشناسی حاصل کرنی پڑے
 گی۔ اس جگہ غالب نے غل حاکم کا ذکر کر کے اشارہ یہ بھی فرمایا ہے کہ جس طرح غل حاکم حاصل ہوتا تھا غل فرضی
 ہے اسی طرح یہ دانچہ بھی غل فرضی ہے اور یہ کسی حقیقی نعمت کے لئے نہیں بنایا گیا ہے۔ ان اشعار کے مطابق
 دانچے کے حلیات لگانے سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اس قسم کا دانچہ پندرہویں صدی عیسوی سے لے کر بیسویں
 صدی عیسوی تک کی مدت میں نہیں بن سکا۔ پندرہویں صدی عیسوی سے بھی پہلے کا حساب میں نے غیر ضروری سمجھ
 کر نہیں لگایا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ دانچہ غالب نے غل اپنی مافی کوشش سے ایجاد کیا ہے

اور بہت خوب اچھا کیا ہے۔ "جنم بد دور" کا لغو استعمال کر کے غالب نے اشارہ یہ بھی دیا ہے کہ اس واسطے میں خاص طور پر یہ کوشش کی گئی ہے کہ غرض سیاروں کی نظر صمدی کے طالع پر نہ پڑے پاسے۔ (یہ فرضی زائچہ مضمون کے آخر میں دیا جا رہا ہے۔)

۳۔ جزوی تقویم سیارگان برائے قصین منامات و ثمرات

غالب کے کلام میں ہا بجا مختلف سامعین کے لئے مختلف سیاروں کے مقامات کا ذکر و صاف شدہ طور پر ملتا ہے جس سے ان سامعین کے قصین میں اور بھی زیادہ پختگی ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اثر انگیزی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض جگہ اس قسم کی سامعین کے ٹیک و بد ثمرات بھی ساتھ ہی ساتھ بیان کر دیے گئے ہیں جس سے کلام کی طاقت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً انہوں نے اپنے واسطے کے صرف ایک اجتماع کی بنیاد پر مندرجہ ذیل پیش گوئی کی تھی:

کو کیم را در دم اوج قولے بود است

شرت شعرم بہ گیتی بود من خواہد شدن

یعنی "چونکہ میرے واسطے میں میرے سیارے کو یعنی خداوند طالع کو غلظہ دم میں یعنی غلظہ چارم میں اوج قبول حاصل ہوا ہے" اس لئے میری مشغری کی شرت میری زندگی میں نہیں ہوگی بلکہ میرے مرنے کے بعد ہوگی اور اتنی ہوگی کہ تمام دوسرے زمین پر کھیل پائے گی۔" غالب کی یہ منجملہ پیش گوئی بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ اس پیش گوئی کو سمجھنے کے لئے چند اصطلاحات کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ غالب کے واسطے میں (جس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے) غلظہ اول یعنی طالع میں برج قوس ہے جس میں سیارہ دھرو موجود ہے۔ قوس کا بائک مشغری ہے جو چوتھے خانے میں موجود ہے۔ مشغری چونکہ خداوند طالع ہے اس لئے یہی غالب کا سیارہ ہے۔ یہ سیارہ غلظہ دم میں ہے جہاں برج حوت واقع ہے جو اس کا ریت ہے اور دھرو کا برج شرف ہے۔ دھرو سفل ہے اور مشغری طوی ہے۔ دھرو سد اصغر ہے اور مشغری سد اکبر ہے۔ مشغری پر دھرو کی نظر توجہ بھی ہے۔ اس قسم کے اجتماع کو طم نجوم میں "اوج قبول" کہتے ہیں اور اس اجتماع کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ مولود عالمی شرت کا بائک ہو جاتا ہے۔ اس اوج قبول کو ظاہر کرنے والا سیارہ یعنی مشغری اگر طالع میں ہوتا تو مولود کو بچپن ہی سے عالمی شرت حاصل ہو جاتی، اگر غلظہ ثمود یعنی دوسرے خانے میں ہوتا تو طوائف میں شرت حاصل ہوتی اگر غالب میں ہوتا تو بیسالیہ میں شرت حاصل ہوتی، لیکن چونکہ یہ سیارہ غالب کے واسطے میں غلظہ دم میں ہے اس لئے مرنے کے بعد مولود کو شرت حاصل ہوگی۔ غالب کی پیش گوئی میں یہی نکتہ پنہاں ہے۔

غالب نے اپنے واسطے کی ایک خصوصیت کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

شایم کہ تب و تبے بود است

و شیمائے ہوزا شے بود است

یعنی "میری جوانی جو میرے لئے تاب و تب ہے" برج ہوزا کی راقوں میں سے ایک رات ہے۔" (یعنی بہت ہی جلیل الودت ہے)۔ غالب کے واسطے میں غلظہ ہلیم یعنی غالب میں برج ہوزا ہے اور چونکہ غالب کا حلق غروب

آفتاب یعنی وقت شب سے بھی ہے، عیش و عشرت سے بھی ہے، تب و تاب اور شباب و توانی سے بھی ہے، اس لئے جہت ہوا کہ مولوی یعنی غالب کے لئے عیش و عشرت، تاب و تاب اور شباب و توانی کا نائد اس رات کی طرح گھیل امدت ہو گا جو "خس در برج جوڑا" کی آخری ساعت میں واقع ہوتی ہے۔ یہ پیش گوئی بھی غالب نے اپنے واسطے کی جزوی تقسیم کی بنیاد پر کی ہے جو بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ جس جب برج حمل میں داخل ہو کر آگے بڑھتا ہے تو شبلی نصف کرہ میں دین کی مدت بڑھنے لگتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ رات کی مدت کم ہونے لگتی ہے۔ اسی طرح آگے بڑھتے بڑھتے جب خس برج ثور میں پہنچتا ہے تو رات کی مدت اور بھی کم ہو جاتی ہے، اور جب برج جوزا میں پہنچتا ہے تو رات کی مدت بہت ہی کم ہو جاتی ہے یہاں تک کہ جب خس برج جوزا کے آخری درجے پر پہنچتا ہے تو رات کی مدت کم سے کم ہو جاتی ہے۔ ایسی ہی رات کو "یا اس رات کے آس پاس کی کسی رات کو غالب نے "شے از شبائے جوڑا" کہا ہے، اور اپنے عالم شباب اور تاب و تاب کو بھی اتنا ہی مختصر الیحد بتایا ہے۔ یہ پیش گوئی مجملۃ اقدار سے نہایت اعلیٰ پاسے کی ہے۔ اور غالب کے چند دودھ نکلا سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ (زائچہ، غالب اس مضمون کے آخر میں دیکھئے)

مردچہ ذیل اشعار میں غالب نے "فتح شباب" کے عنوان سے اس ساعت کا قصید کیا ہے جبکہ انگریزوں اور سکھوں کے درمیان دویائے سنج کے کنارے پر جنگ ہوئی تھی جس میں انگریزوں کو فتح ہوئی تھی۔

چراں بر ہزار دھشت مد و ہل لہود شش
نوشہ شمار سال دریں کاغ ششدری
ہار دریں نائزہ فرغ کہ آفتاب
در دلو جائے داشت بہ زنج مشغری
دوڑے کہ بست و ہشتم ماہ گزشتہ بود
دول بود چار شہد آخر د جنوری
دشتی کہ بر کنار دویائے سنج است
گردید ہلہو جاو دو سد سکھدری
ایں قطعہ میں کہ کہو آمد اللہ خاں رقم
دوڑ دو شہد و دوم ماہ فروری

"یعنی ۱۸۵۷ء میں ایک ایسی کم سر ہوئی ہے کہ اس کاغ ششدری یعنی دنیا میں اس کم کی یاد میں ایک نئے سال کی ابتداء ہوئی ہے۔ یہ وہ مبارک نائزہ ہے جب کہ خس برج دلو میں واقع ہے اور اس پر مشغری کی نظر توجہ بھی پڑ رہی ہے۔ یہ کم ماہ گزشتہ (یعنی جنوری) کی افغانیوں کی طرف سے آیا تھا کہ جنوری کا آخری چار شہد تھا۔ اس دودھ دویائے سنج کے کنارے پر میدان لکڑزار میں آئے سائے دو سد سکھدری (یعنی دو مخالف فوجیں) دیکھنے میں

آئی تھیں۔ اس قطعے کو دیکھتے تھے اسد اللہ خاں نے تاریخ دوم فروری بروز دو شنبہ رقم کیا۔ غالب کے کلیات فارسی کے شائع شدہ قطعہ ۳۰ میں جنوری کی ہفت و ہشتم یعنی ستائیس تاریخ لکھی ہے لیکن چونکہ یہ صوبہ کاتب کی غلطی ہے اس لئے میں نے ہفت و ہشتم کر دیا ہے۔ صلب لگانے سے معلوم ہوا کہ جنوری ۱۸۳۶ء کا آخری چار شنبہ ستائیسویں تاریخ، میں بلکہ اٹھائیسویں تاریخ کو چار شنبہ مزید برآں مستحکب تاریخ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ عسکوں کی یہ جنگ ۲۸ جنوری ۱۸۳۶ء کو بروز چار شنبہ ہوئی تھی۔ اس روز محسوس ہرج و مرج کے انھوں نے درجے پر تھا اور مشرقی ہرج و مرج کے چوتھے درجے پر تھا۔ چونکہ ہرج و مرج اور ہرج و مرج سے ہرج و مرج ہے اس لئے محسوس ہرج و مرج کی نظر ترویج پڑ رہی تھی۔

مندرجہ ذیل دو شعروں میں غالب نے اس ساعت کا قیمن کیا ہے جب کہ ۳۵ سالہ مسٹر اسٹرنلک کی وفات ہوئی تھی۔

بروز ہفت و یکم از منی پہنکائے
کہ بود خسرو انجم بہ ہرج و مرج نکس
ہزار و ہشتصد و سی ز عدد یعنی بود
کہ ہفت ہجرت جہاں سوز میں الم دیکس

یعنی صوبہ کہ اس الم کی ہجرت جہاں سوز نکس جگہ سے نمودار ہوئی۔ اس وقت ۱۸۳۰ء کی منی کی اکیسویں تاریخ تھی اور ستاروں کا بادشاہ یعنی محسوس ہرج و مرج میں نکس تھا۔ غالب کے کلیات فارسی کے شائع شدہ قطعہ نمبر ۳۵ میں منی کی ہفت و سوم یعنی تیسویں تاریخ لکھی ہے لیکن یہ کاتب کی غلطی معلوم ہوئی ہے جسے میں نے درست کر کے ہفت و یکم یعنی اکیسویں تاریخ کر دیا ہے۔ دراصل ۲۳ مئی ۱۸۳۰ء کو بروز یکشنبہ محسوس ہرج و مرج میں تھا بلکہ ہرج و مرج کے دوسرے درجے پر تھا۔ ۲۲ مئی ۱۸۳۰ء کو محسوس ہرج و مرج کے پہلے درجے پر تھا اور ۲۱ مئی ۱۸۳۰ء کو محسوس ہرج و مرج کے تیسویں درجے پر تھا۔ اس صبح تاریخ ۲۱ مئی ۱۸۳۰ء ہی ہو سکتی ہے۔ اس تاریخ کی مزید تصدیق کے لئے مجھے کسی مستحکب میں مسٹر اسٹرنلک کی وفات کی صبح تاریخ نہ مل سکی لیکن میرا خیال ہے کہ ۲۱ مئی ۱۸۳۰ء ہی ہو گی۔

مندرجہ ذیل تین شعروں میں غالب نے جشن نوروز کی ساعت کا قیمن کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ جلوس شادی اور عید ذی الحجہ کا بھی ذکر کیا ہے جو نوروز ہی کے آگے پیچھے واقع ہوئے تھے۔

دریں زمانہ کہ کلک رعدگار حکیم ہزار و دو صد و پچاس راندہ در تقویم
لو اعرسہ ذیقعدہ خسرو انجم فرود شان حمل رابہ فرہارہ
جلوس شادی و نوروز و عید ذی الحجہ
مجموع خاص و قشائے عام و شور عظیم

یعنی "یہ وہ زمانہ ہے جبکہ بحساب ہجرت ۱۲۵۰ھ ہے" یا ذیقعدہ کا آخری حصہ ہے اور محسوس نے بڑے کوفہ کے

ساتھ برج محل میں داخل ہو کر اس کی شان بچا دی ہے۔ جلوس شامی 'نو روز اور میداٹنی' یہ تینوں جشن قریب قریب رونما ہونے کی وجہ سے مجموعہ خاص 'قشائے عام' اور شور عظیم بپا ہو گیا ہے۔" غالب نے یہ قصیدہ نمبر ۳۳ جشن نوروز کے موقع پر کہا تھا جب کہ تحویل آفتاب دو برج محل واقع ہوئی تھی۔ یعنی ۲۱ مارچ ۱۸۳۵ء مطابق ۲۱ ذی قعدہ ۱۲۵۵ھ جشن کو روز بھٹایا گیا تھا اور کچھ عرصے کے بعد یعنی ۹ اپریل ۱۸۳۵ء کو بروز پنجشنبہ میداٹنی واقع ہوئی تھی۔ اس طرح یہ تینوں جشن آگے پیچھے ہی منائے گئے تھے۔

مندرجہ ذیل دو شعروں میں غالب نے میداٹنی کی سماعت کا قصین بڑے لطیف چرائے میں کیا ہے۔ یہ اشعار قصیدہ نمبر ۵۵ کے شروع میں آئے ہیں۔

میداٹنی بر آفتاب زمستان آمد وقت آراستہ جزا و اہل آمد
گری لڑ آب بیدوں رفت و حرارت سوا محل سر بجاتاب پہ میزبان آمد
یعنی "آفتاب زمستان اپنے سر پر میداٹنی کو اٹھائے ہوئے آیا ہے جس کی وجہ سے جزو و اہل کو سہانے کا زمانہ آ گیا ہے۔ پانی سے گری اور حواسے تپش دور ہو گئی ہے اور محل سر بجاتاب کا داخلہ برج میزبان میں ہو گیا ہے۔" غالب کے زمانے میں ایسی میداٹنی جو "تحویل آفتاب دو برج میزبان" کے فوراً بعد آئی ہو ۲۵ دسمبر ۱۸۵۲ء کو مطابق ۱۲ ذی الحجہ ۱۲۶۸ھ بروز شبہ آئی تھی "جب کہ آفتاب کو برج میزبان میں داخل ہوئے تقریباً دو دن گزر گئے تھے۔ لہذا یہ قصیدہ اسی زمانہ میں کہا گیا تھا۔

مندرجہ ذیل روایت میں غالب نے ایک ایسی سماعت کا ذکر کیا ہے جب کہ تین تہ عمار یعنی عیدالغفر صلی اور نو روز ایکس دن کے اندر ہی اندر منائے گئے تھے۔

ہیں شہ میں صفات ذوالجلالی ہام
آباد چلی د چلی ہام

ہوں شاہ نہ کہیں ساقی و عانی ہام
پہ اب کے شب قدر و دوائی ہام

جس رات کے لئے غالب نے کہا ہے کہ اس وقت شب قدر بھی تھی اور ساتھ ہی ساتھ دیوالی بھی تھی "۱۲ اکتوبر ۱۸۳۳ء (یکشنبہ) اور ۲۳ اکتوبر ۱۸۳۳ء (دو شنبہ) کی درمیانی رات تھی۔ رمضان کی ستائیسویں شب کو عام مسلمان شب قدر مانتے ہیں (ملاحظہ اہل تحقیق کے نزدیک تیسویں شب کو شب قدر ہوتی ہے) رمضان ۱۲۵۵ھ کا چاند ۲۵ جنوری ۱۸۳۳ء کی شام کو بروز دو شنبہ نظر آنے کے قابل ہو گیا تھا لیکن قرائن سے پتا چلتا ہے کہ اس شام کو دھلی کے افق پر مطلع اس قدر گرد و غبار آلود تھا کہ چاند نظر نہ آ سکا۔ اس لئے ۲۶ جنوری (بروز منہ شنبہ) کی شام کو شرعی طور پر رمضان کی چاند رات یعنی پہلی شب مانی گئی۔ اس لحاظ سے ۲۲ اکتوبر کی شام کو رمضان کی ستائیسویں شب مانی گئی اور شب قدر کا چاند اٹھایا گیا۔ اسی رات کو بعدوں کی ہدف نجات تقویم کے مطابق سبت ۱۸۰۰ء بکری کے کار تک پہنچنے کی امان تھی جو کہ دیوالی کی رات مانی گئی اور دھپک چلائے گئے۔

مردہ قبل چار اشعار میں غالب نے ایک ایسی سماعت کا ذکر کیا ہے جب کہ تین تہ حار یعنی عید الفطر ہوئی اور نو روز انیس دن کے اندر ہی اندر مٹائے گئے تھے۔

مرزا سال فرخ انیس عید شوال و ماہ فروردیں
گرچہ ہے بعد عید کے نوروز لیک جی اڑ سے ہفتہ بعد ضعیف
سو اس انیس دن میں حولی کی جا بجا کھلیں ہوئیں دھنیں
تین تہ حار اور ایسے خوب بیج ہرگز ہوئے نہ ہوں گے کس
جس نے انے کا ذکر ان اشعار میں کیا گیا ہے ۲۸ فروری ۱۸۶۵ء سے ۲۱ مارچ ۱۸۶۵ء تک کا ناز ہے۔ عید الفطر کا تہ حار یکم شوال ۱۲۸۵ھ مطابق ۲۸ فروری ۱۸۶۵ء بروز سہ شنبہ منایا گیا تھا کیونکہ عید کا چاند ۲ فروری ۱۸۶۵ء کی شام کو نظر آنے کے قابل ہو گیا تھا۔ اس کے بارہ دن بعد یعنی ۳ مارچ اور ۳ مارچ کی درمیانی رات کو سبت ۳۳۱ ہجری کے چار گن مینے کی پروراسی تھی لہذا اس رات کو حولا چلائی گئی تھی یعنی حولی کا تہ حار منایا گیا تھا اور اس کے آٹھ دن بعد یعنی ۲۱ مارچ کو نوروز کا تہ حار منایا گیا تھا جب کہ تحویل آفتاب در برج حمل واقع ہوئی تھی۔ اس طرح یہ تینوں تہ حار تین بہتوں کے اندر آگے پیچھے بیچ ہو گئے تھے اور نو روز پر ماہ شوال و ماہ فروردیں ساتھ تھے۔ یہ قسیدہ بھی غالب نے جشن نو روز کے موقع پر کہا تھا۔

سہ تذکرات ثابت و سیار برائے ترتیب و تخیل و تہویج :

غالب کے کلام میں جہاں جہاں ثابت و سیار کا ذکر آیا ہے وہ معجزانہ اور شاعرانہ دونوں لحاظ سے اتنا جامع ہے کہ غالب کے کمال فن پر حیرت ہوتی ہے۔ مثلاً انہوں نے اپنی ایک جاتنام شغوی موسوم پر ”میر گہوار“ میں (۱۰ کلیات فارسی کی گیارہویں شغوی ہے) جب معراج نبی کا بیان شروع کیا ہے تو لکھن سے آسمان کی بلندیوں تک براق نئی کے راستے کا مفصل ذکر سیاروں اور ستاروں کے فاصلوں کی ترتیب کے لحاظ سے بڑے استوائی انداز میں کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان سیاروں اور ستاروں کے تذکرات خصوصاً کا سلسلہ بھی جاری رکھا ہے ”اور ہر مقام پر مناسبات عقلی و معنوی کا خیال رکھا ہے۔ معجزانہ تہویج سیارگان کو بھی اس انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ شاعرانہ طور پر صنعت حسن تعلیل بن گئی ہے۔ پہلے براق لک اول پر پہنچتا ہے ”پھر بہ ترتیب سارے افلاک کو لے کر آتا ہوا فلک الافلاک یعنی عرش تک پہنچ جاتا ہے۔ اس شغوی کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :

قدم تابر اور تک باطن رسید چہ انلیل کیوں کاغش رسید
بالید چوں زبشتی قدر کے ہے منت سر گردید ہر
شد از پہلی ہم بخت الفصاح مقابل بخور شد و انجمن
در سر سر کند سر پہلوچی
چہ نم چوں ز خوش بود فری

یعنی ”جب براق نے کرا ارض کو پیچے پھوڑ کر فلک اول یعنی تخت ماہ پر قدم رکھا تو بزرگی سماعت کی وجہ سے

اس کے سر کی کھلی ٹھک ہضم یعنی صواب و عمل تک پہنچ گئی اور پیش قدمی کی وجہ سے وہ اتنا پر نور ہو گیا کہ آفتاب سے روشنی مانگے بغیر بدر کمال بن گیا۔ لہذا اپنی پوشیدگی کی وجہ سے تحت الشعاع یعنی رخ کی حالت میں ہوتے ہوئے بھی بدر کمال ہونے کی حیثیت سے آفتاب کا مد مقابل بن گیا۔ کیونکہ اگر آفتاب کسی ایسے باعث سے روشنی سے محروم کر دے جو خود اپنے ہی نور سے روشنی رہتا ہو تو کوئی غم نہیں۔

بیمائے	سہ	داغ	چوں	بر	لہو	دوم	ہایہ	را	ہایہ	بر	تر	نوا
مٹائے	کشلو	خونک	نگو	ہاں	سہ	کہ	شد	تیرش	کنج	گاہ		
چہ	شمعے	کہ	نیش	بلبلکو	سوفت	شد	دیدا	در	تیر	بر	تیر	دوست
عطارد	باعک	دست	گری	زبان	جست	ہر	زبان	آدوی				
بدستوری	خواش	دوکار	نمان	خو	از	پردہ	کد	آفتار				
در	اندیشہ	بچہ	غالب	گرفت	نور	در	شد	و	شکل	غالب	گرفت	

یعنی ”جب براق نے اپنے سم کے نشان سے باعث کی پیشانی پر داغ ڈال دیتے تو پھر اس نے دوسرا قدم اس سے بھی زیادہ بلندی پر (یعنی فلک دوم پر) رکھا جہاں تیر نگاہ کی پہنچ ہے اور جو تیر یعنی عطارد کی کنج گاہ ہے۔ وہاں پہنچ کر شہ دیدہ و در نے اس شمع کے ذریعے جو چٹائی نے کچھلی رات کو روشنی کی تھی، تیر یعنی عطارد پر تیر یعنی پیکان لگایا (پھر عطارد نے نئی کریم کی مدحت گری کر کے اپنی زبان آدوی کے لئے ان سے زبان مانگی اور خواش دوکار کے دستور کے مطابق اپنے پوشیدہ حال کو ظاہر کر دیا۔ اس اندیشے میں عطارد کو جسم حاصل ہو گیا اور اس نے جسم ہو کر غالب کی شکل اختیار کر لی۔“ گویا غالب علم و فضل و زبان آدوی میں جسم عطارد تھے۔

اڑوں	بیں	کہ	گشت	اندراں	مرط	عطارد	فروزاں	نور	صلہ
پہر	سوم	گشت	ہولاندگیس	جہیں	سو	ٹھہد	اندو	وحت	

”یعنی ”جب اس مرحلے میں عطارد اپنا صلہ پا کر فروزاں ہو چکا تو پھر براق دوڈنگا کر فلک سوم تک پہنچ گیا۔ جہاں دھو نے اس کے راستے میں عقیدت کے ساتھ جہیں سائی کی۔“

بداں	دم	کہ	دھو	برامش	گرفت	چہ	شہ	سوتے	پلا	خواش	گرفت
د	مرش	بھینس	در	تہ	لے	ہر	پوسر	دست	از	ٹھک	کھسے

یعنی ”جب دھو نے خوشی سے رقص کرنا شروع کر دیا تو براق بی نے اور زیادہ بلندی کی طرف قدم بڑھایا۔ جب چرخ چارم پر پہنچا تو آفتاب نے بوسے لینے شروع کر دیے اور ہر بوسے سے ایک ستارہ بنا۔“

پہرے	سہید	ہے	بر	کلاہ	گمر	رجہ	جا	رفت	از	شاعر
دلے	ہو	چوں	بر	کمر	دامش	ڈانگر	نگو	آج	گمر	چندل

یعنی ”پھر براق چرخ چہم پر پہنچا جہاں موع نے اپنے ہر کلاہ سے براق کے راستے سے موتیوں کے ٹکڑوں کو سمیٹا لیکن چونکہ اس کا دامن اس کی کمر سے بندھا ہوا تھا اس لئے وہ ان گمریوں کو دامن میں بندھ کر نہ رکھ سکا۔ یہی

وجہ ہے کہ وہ صاحبِ ثروت نہ ہو سکا بلکہ فقیر اور شرم ہی رہا۔ (مرغ کا دامن اس کی کمر سے بندھا رہتا ہے تاکہ غریزی میں آسانی ہو۔)

شیشم چوں مرضِ فکر گرفتِ فرازِ ششمِ جہشِ وہ بر گرفتِ خداوندِ دریا و بر حبسِ میلِ از بسو کششِ بودِ دانشِ میلِ یعنی "جب نبی کریم نے فلکِ جہم پر مرغ کے فکر کا سناہ کر لیا تو پھر فلکِ ششم کی بلندی نے ان کے قدم لئے۔ سمات کے لحاظ سے نبی کریم ایک دریائے پاییدار کی مانند تھے اور مشرقی ایک چھوٹے سے میلِ رواں کی مانند تھا۔ اس طرف کشش تھی اس طرف سے میلان طبع تھا" اس لئے مشرقی کو اتنی سمات نصیب ہو گئی کہ وہ سدا کبیر ہو گیا۔

بہ لطفِ دمِ از آبِ حیاںِ مژشتِ بوجسِ سرِ از کاخِ کیوںِ مژشتِ براںِ رشتِ مسکینِ آفتِ کنایںِ زِ بختِ بر فتنِ وقتِ کنایںِ یعنی "براق اور صاحبِ براق کے لطف کے آگے آبِ حیات کی تیزی ہیچ تھی اور اس کی رفتار نے اس کے سر کو کاخِ رطل یعنی فلکِ ہضم تک پہنچا دیا" (لیکن چونکہ رطل اپنی اصل کا حدود تھا اور اپنے زہار میں پھنسا ہوا تھا اس لئے پیشانی کے لئے جلدی نہ آسکا) خداوند نصیبِ رطل بعد میں افسوس کرتا ہوا آیا اور دیر سے آنے پر شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ اسی وجہ سے وہ آفتابِ سمات سے محروم رہا اور آج تک منوں اور سماتِ رطل ہے۔

پہرِ ثابتِ بہ جیشِ آتشِ مکرہا زِ اندیشِ جیشِ آتشِ صورِ گوندِ گوںِ از جنوبِ و شمالِ کشوندِ بندِ غلبِ خیالِ یعنی "جب براق فلکِ ہضم سے آگے بڑھا تو پھر وہ فلکِ ہضم یعنی فلکِ ثابت پر پہنچا جہاں اندازے سے بھی زیادہ حارے موجوں کی طرح ٹکڑے پڑے تھے گیا کہ یہ موتی فلکِ ہضم کو نبی کریم کی طرف سے انعام میں ملے تھے۔ ان حاروں کے تھاج سے جنوب اور شمال کی طرف طرح طرح کی شکلیں خیال میں آ رہی تھیں۔"

صلِ سرِ بہ غریِ فراہشِ داشتِ سپاسِ اداںِ لبِ بر خویشِ داشتِ بودیِ اگر شیرِ درِ مرضِ راہِ چہدیِ بچاویِ از خوشِ کاہِ یعنی "جب براق فلکِ ثابت پر پہنچا تو سب سے پہلے حملِ یعنی برجِ حمل نے (جو میزجے کی شکل کا ہے) خوشدانہ انداز میں اپنے سر کو جھکیا اور سپاس منہ نکلیا۔ اس معمولانہ انداز کے باوجود یہ اتنا چالاک ہے کہ اگر شیر یعنی برجِ اسد اس کے راستے میں حائل نہ ہوتا تو یہ آگے بڑھ کر اس خوش گندم کو "جو سنبلہ کے ہاتھ میں ہے" چبکے سے گھاس کی طرح چر لیتا۔"

تو گویِ براہِ خداوندِ و درِ پہرِ از نمودِ ثرا و نورِ گدائستِ حندیِ کہ سر تا پایاِ بر صواِ آراستہِ کلا و راہِ یعنی "حمل کے بعد ثور آیا (جو سانپ کی شکل کا ہے)۔ اس کے حلق میں کچھ لچکے کہ خداوند دور (یعنی آفتاب

کے لڑائے میں (یعنی دار پر) آسمان کی مدد ملے اور خود کے چپک دار اور خواہشوں سے تاملوں کی وجہ سے قائم ہے۔ یہ ہر اس طرح نظر آتا ہے گویا کسی متحد بھکاری نے اپنے گائے کو ہر طرف سے سہا رکھا ہو۔" (شرا کے چھوٹے چھوٹے چھوٹے خواہشوں سے نظر آتے ہیں اور خود کے قریب ہی ہیں۔ ان کو ہر دین اور ہر کما بھی کہتے ہیں۔)

دو چکر کر گئی وراں تو اہاں برہو پنہری در آمد جہاں
 زبس ہو جودا وراں رھوی کر بست خدمت خسروی

”یعنی ”بب براق جودا میں پہنچا ہے دو چکر اور تو اہاں بھی کتے ہیں (اور جس کی شکل جڑواں بچوں کی سی ہے) تو
 وہاں کی عیشوائی کے لئے ناز انداز سے چل کر آیا اور خدمت شاہی میں کمر بستہ ہو گیا۔“ (قالب نے کمر بستہ کا لفظ
 اس لئے استعمال کیا ہے کیونکہ جودا کے دونوں بچوں کی کمرس انہیں میں بندھی ہوئی ہیں)۔

یعنی جب براق ہوا سے آگے پیدا نور روشنی کے دروازے کھلے تو سلطان دیوانے نور میں جھرنے لگا (یعنی سلطان میں روشنی کا ایک جہل یا دریا نکل آتا ہے جسے نثر کہتے ہیں۔ چاہے اسی نثر کی رعایت سے دیوانے نور کا لفظ استعمال کیا ہے) یہ ہر لگا دکھ ہو گیا کہ مشرقی کے لئے خانہ شرف بن گیا۔

شاہانہ کاغذ کے کلمہ پام داشت در از نقطہ اوج بہرام داشت
نقد گرچہ چوں گلا قربان او ولے شیر شد کہ بہ طوان او

یعنی ”جب براق و صاحب براق اس کاغذ شاہانہ میں پہنچا جس کا نام اسم ہے اور جس کا دروازہ صبح کے لئے
نقطہ اوج ہے تو وہاں پر وہ برج (تو کہ شریک شکل کا ہے) اگرچہ گائے کی طرح اس پر قربان تو نہ ہو سکا لیکن اس کے
ٹرانز پر ٹی کی طرح خاموش بیٹھا رہا اور لطف و کرم کا امیدوار رہا۔“ (مطلب نے اسم کو شاہانہ کاغذ اس لئے کہا ہے کہ
وہ شمشادہ لطف یعنی شخص کا بیت ہے۔ اور اس لئے بھی کہا ہے کیونکہ برج اسم کے ستارے بہت روشن ہیں اور کافی
سعت میں چلے ہوئے ہیں۔)

دراں راہ گر توش داشت چہ رخ ہم از طرغش خورشہ داشت چہ رخ
ازین را بخود بیکہ پایید تھر ہم از خانہ و خود شرف دید تھر
یعنی ”بہر اوراق شبہ میں پانچا (جس کی شکل ایک لڑکی کی طرح ہے جس کے ہاتھ میں خورشہ و گندم ہے) کا چہ آسمان
کے طرس کے ایک خوشے کی حیثیت رکھتا ہے اور بطور توشہ راہ کے ہے۔ اس جگہ معادہ کو پایید حاصل ہوتی ہے
کیونکہ یہاں اس کا گھر بھی ہے اور اسی جگہ اس نے اپنا شرف بھی دیکھا ہے۔“

یعنی "مہمبر اہل میوان میں پہنچا (جس کی شکل قزاق کی طرح ہے) جس کی طرح دوزگار میں قزاق سے تو لے گا کام

لیا جاتا ہے۔ اس مقام پر آسمان نے شرف حاصل کرنے کے لالچ میں دھل کو نبی کریم کی گمراہی کے ساتھ ڈالا۔ اس وجہ سے دھل خاکی گھٹایا اور میزبان میں اس کا شرف بٹا دیا۔

”عقرب خداوند کس جلوہ گاہ براں شد کہ نامزد ہویش ز راہ نگداشت خود را از اس جہ ہے کہ از حکم شد سر نہ چہد رہے یعنی ”عقرب براق عقرب میں پہنچا تو اس برج کا مالک یعنی مرغ سامنے آیا تاکہ اس بے راہ عقرب کو راستہ سے ہٹانے کے لئے دوڑے۔ اور چونکہ نبی کریم کے حکم کے بغیر کوئی بھی راہ سر نہیں اٹھا سکتی اس لئے مرغ اپنی کوشش میں کامیاب رہا۔“

”توس اندر آورد چوں خواہد روئے سعادت چہ بریں شد عژدہ گوئے کس مکت زیں فخر قربان خویش ز سے طالع غالب بجز کیش یعنی ”جب نبی کریم توس میں تشریف لائے تو اس برج کے مالک یعنی مشتری کو بخشش سعادت کی خوش خبری ملی۔ اس فخر سے وہ کمان خنیدہ ہو کر اپنے ہی اوپر قربان ہونے لگی۔ خوش نصیب! کہ یہی برج توس غالب بجز کیش کے واسطے میں طالع ولادت کی حیثیت سے موجود ہے۔“

”گر فصل دواں سعد داغ براں کہ فخر کیو جلو دار شدہ پسرے رفیعان بسیار فن گشتہ از دلو گروں رسن چہ نژادگی آفتدش بدست کہ کیو مکر طواہ نامی بشت یعنی ”پھر براق آگے بچھا اور جدی میں آیا۔ راستے میں برج جدی کا خاص ستارہ یعنی سعد داغ نبی کریم کے سامنے کی مانند سامنے آیا اور اس نے دوڑ کر شمار کو بچھا لیا۔ پھر براق دلو میں آیا اور آسمان کے ستاروں نے رفیعان یا فخر کی حیثیت سے اس گھڑے کی گردن سے ڈوری تازی اور جب براق حوت میں پہنچا تو انہوں نے از راہ دوستی ڈوری اپنے ہاتھوں سے بٹ کر اور لٹکا دیا۔ چونکہ نبی کریم کو پیش کی تاکہ وہ اس ڈوری سے بھلی کو شمار کریں۔“

”نیم پایہ کس را توں خواند عرش بہ زاطلس خویش مستو فرش بشادی و آمد علی از درش وصال علی شادی دیگرش نکسجہ دوئی ورنی و امام علیہ الصلوٰۃ و علیہ السلام یعنی ”پھر براق فلک نیم تک پہنچا جسے فلک الاناک یا فلک اطلس بھی کہتے ہیں۔ یہ فلک ساہو و صاف ریشم کی طرح ہے اور امتحانی بندی پر واقع ہے اس لئے اسے عرش بھی کہہ سکتے ہیں۔ جب نبی کریم عرش پہنچے تو اس نے ان کے قدموں کے نیچے اپنا اطلس فرش بچھایا اور نبی کریم کو خداوند تعالیٰ کے امتحانی قرب کی خوشی حاصل ہوئی۔ پھر اسی عرش کے دروازے سے علی ابن ابی طالب امام اول مسکراتے ہوئے برآمد ہوئے جن کو دیکھ کر محمد الرسول اللہ نبی آخر الزماں کی خوشی دوبلا ہو گئی۔ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ اور امام علیہ السلام بلا فصل میں اور ان کے درمیان دوئی نامی نہیں نکلیے تاکہ یہ ایک ہی نور کے ٹکڑے ہیں۔ (ایسی وجہ سے غالب نے علیہ الصلوٰۃ و علیہ

اسلام کو بھی ایک ہی جگہ لکھا ہے جو دونوں کے لئے مشترک ہے۔)

۵۔ اصطلاحاتِ وقت و نجوم برائے تعلیمات و تہذیبات و استعارات :

غالب کے کلام میں ہزاروں مقامات پر اصطلاحاتِ وقت و نجوم کو ایسی قادرِ انکاشی کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے کہ وہ عام تعلیمات و تہذیبات اور استعارات کے مقابلے میں کہیں زیادہ با معنی اور لطیف ہو گئی ہیں۔ اس مقام پر صرف چند اشعار پیش کئے جائیں گے تاکہ غالب کا اندازِ کلام معلوم ہو جائے ورنہ اگر غالب کا مقام منجھلتے کلامِ فصیح کیا جائے اور اس پر میر حاصل تبہ کیا جائے تو کئی ضخیم کتابیں نکل سکتی ہیں۔ نمونے کے طور پر ذیل کے اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

دورِ بدستِ نفسِ امّیر چنگِ سفاکی زور
دورِ گھوڑے سعدِ اکبرِ طبلِ انداخت
غمِ چو گھوڑے خستِ نواں شکوہ از دلدارِ کرد
بر آسمانی آسماں آسماں آسماں انداخت

جاہِ بیابانِ راحت نہ لکھ را چوں جرس
دورِ گھوڑے باقِ حائے کارواں انداخت

یہ اشعار کلیاتِ فارسی کے قہیدۂ اول دورِ توحید سے لئے گئے ہیں۔ اس مقام پر غالب نے خداوندِ تعالیٰ کی خلاق کی ہوشیاریوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ”اے خداوندِ تعالیٰ تو نے ایک طرف تو نفسِ امّیر یعنی مرغ کی مویں میں اس کی سفاکانہ روش سے اس کی انگلیاں ڈال دی ہیں گویا کہ وہ قتل و غارت پر کمر بستہ ہوئے اپنی مویں کو تار و دے رہا ہے“ اور دوسری طرف سعدِ اکبر یعنی مشغی کے گلے میں قابضوں کا سابلہ زال دیا ہے جس کو بہن کر وہ رحمی اور غلی کے کاسوں میں مشغول ہے اور سفاکی کے خلاف اپنے فیصلے جاتا ہے۔ جب محبوب کا ظلم و ستم بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے تو مصافتِ نالہ و قریاد اور شکوہ پیدا کرنے کو ہی چاہتا ہے۔ لیکن ایسی شدید حالت میں بھی اپنے محبوب سے شکایت کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ ایسے ہلکے موقع پر آسمانی پیدا کرنے کے لئے اے خدا تو نے آسمان کی بنیاد ڈال دی تاکہ ہم ہر رنگ و ظلم کی ذمہ داری اسی پر ڈال کر اس سے شکوہ پیدا کر سکیں۔ جو لوگ تیری راہ میں معرفت کی حیل تک سفر کر رہے ہیں انہوں نے غفلت سے دور رہنے کے لئے تو آسمانوں کو جرس کے طور پر قائم کے اونٹوں کی گردنوں میں لٹکا دیا ہے۔ لیکن راہِ معرفت میں چلنے والے لوگ جب آسمانوں کی گردش کو دیکھتے ہیں ار توہمت و سیار کے ٹپک و بد اثرات پر غور کرتے ہیں تو ان پر ایسا بیدار کن اثر پیدا ہوتا ہے گویا وہ لوگ بانکِ دریا میں رہے ہیں اور اپنے سفر سے غافل نہیں ہیں۔“

نہ من بگمہ انجما برامشکوئی اگر زمرہ آید شود مشغی
یہ شعر مشغی ہندو ہمیں موسوم بہ ابر گمرہ سے لیا گیا ہے۔ اس مشغی کے سلقِ ناسے میں غالب نے نبی کریم کی یوم کی جلدی و پاکیزگی کا ذکر ہنسے اچھوتے لہز میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ (ملاحظہ میں ایک دہ شربِ شاعر ہوں اور ہر کسی کی یومِ آرائی کا ذکر دود و سرود و شراب و کہاب کی اصطلاحات کی حد سے کرتا ہوں) لیکن اسے نبی کریم!

آپ کی بزمِ پاک ایسی برگزیدہ ہے کہ اس کی شان بیان کرنے کے لئے میں اس قسم کے الفاظ استعمال نہیں کر سکتا۔ بلکہ نہایت ادب و احتیاط کے ساتھ بڑے سنجیدہ الفاظ استعمال کر رہا ہوں۔" یہ احتیاط صرف میری ہی ذات تک محدود نہیں ہے بلکہ اس بزم میں اگر دھوا بھی رقص کرنے کے ارادے سے آئے تو وہ بھی اس بزم کی پاکیزگی دیکھ کر اس قدر مہر واپ ہو کہ اپنی رندانہ حالت ترک کر دے اور مشغری کے سنجیدہ خواص کو اختیار کر کے عابد و زاہد بن جائے۔ یعنی اس بزم میں اگر دھوا بھی آئے تو مشغری ہو جائے۔" (اس جگہ ایک بار یہی نکتہ یہ بھی ہے کہ اس محفل میں اگر سعد اصفہر بھی سعد اکبر ہو جاتا ہے۔)

غیر آفتاب فروغِ شہل درں ہد از نی لام ۔ و جواں پان
اے از تو بودہ دوق دین محمدی دوست سہلی و کعبہ اوم و عرب یمن
یہ اشعار قصیدہ بنیم در محبت سے لئے گئے ہیں ان میں حضرت علی ابن ابی طالب لام اول کی شان میں غالب نے کہا ہے کہ "یہاں کریم آفتاب کی مانند ہیں" دین اسلام آفتاب کی روشنی کی مانند ہے، حضرت علی اس صاحب کی مانند ہیں جو آفتاب کی روشنی سے چمکتا ہے اور جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو اسی اخذ شدہ روشنی کو دوبارہ دنیا میں پھیلا دیتا ہے، "یہاں علی کی جود کی کہنے والے لوگ اپنی صفاء کے باعث عہدِ شریا کی مانند ہیں۔ حضرت علی ہی کی ذات سے دین محمدی میں دوق ہے" ان کا چہرہ گویا ستارہ سہلی ہے، کعبہ اس قیمتی چلنے کی مانند ہے جو سہلی کی شعاعوں کے اثر سے خوشبودار ہو جاتا ہے، اور ملک عرب جس میں حضرت علی جلوہ گر ہوئے اس یمن کی مانند ہے جس سے سہلی کی شعاعیں کعبہ کی طرف آتی ہیں۔"

فرزاد زہر خانہ کہ نیلے رسدش خاص خواہد شرف ذات خداوند مکان را
بازم روش زہر کہ در شکر گزاری از حوت بہ تثلیث بیند سرطاں را
دوران تو و یار تو فرزند قرائیت در طالع من جلوہ وہ آثار قرآن را
یہ اشعار قصیدہ چہارم مشرک در نعت و محبت سے لئے گئے ہیں۔ اس مقام پر غالب نے نبی کریم کو مشغری سے مناسبت دی ہے جو سعد اکبر ہے اور حضرت علی کو دھوا سے مناسبت دی ہے جو سعد اصفہر ہے۔ جب یہ دونوں سیارے ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں تو وہ سمیت نہایت ہی ٹیک لگتی جاتی ہے اور اسے قرن السعین کہتے ہیں۔ غالب کہتے ہیں کہ "فرزاد وہ ہے جسے جس گھر سے بھی فیض خاص پہنچتا ہے وہ اس گھر کے مالک کے لئے شرف ذات کی خواہش کرتا ہے۔ لہذا میں بھی سیارہ دھوا کی طرح ناز کرتا ہوں کیونکہ وہ بھی جب برج حوت میں پہنچتا ہے (جہاں اسے شرف حاصل ہوتا ہے اور جس کا مالک مشغری ہے) تو وہ اس سے پانچویں برج یعنی برج سرطان کو (جو مشغری کا برج شرف ہے) نظر تثلیث سے دیکھتا ہے جو عمل دوستی کی نظر ہے" یہ اس امر کی دلیل ہے کہ دھوا خداوند مکان شرف یعنی مشغری کے لئے بھی شرف ذات کی خواہش کر رہا ہے۔ یہی حال نبی کریم اور حضرت علی کا بھی ہے۔ چونکہ حضرت علی کو نبی کریم کے گھر سے شرف حاصل ہوا تھا اس لئے وہ بھی بیٹھ نبی کریم کے لئے شرف ذات کی خواہش کرتے رہے۔ ٹیک ذات لوگوں کا باہمی معاملہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ مشغری و دھوا کے درمیان ہے۔ اے نبی کریم! آپ اور آپ کے دوست حضرت علی کا ایک جگہ پر جمع ہونا گویا قرآن السعین ہے لہذا آپ اس قرآن کے ٹیک اثرات

میرے طالع میں بھی پیدا کر دیجئے اور میری بد نصیبی بھی دور کر دیجئے۔"

دور کر یہ دور گرفتاری زماں نے گاہک پرہیز فغاندان است و شریا گرفتاری
گوندہ دور طلوع سبیل قطع سبیل مارا فرود زماں رخ رجا گرفتاری
دشک کیم چہ ایر کہ درود دسج اوست بر خاک کھائے معنی گرفتاری
یہ اشعار قصیدہ وسم سے لئے گئے ہیں۔ یہ قصیدہ غالب نے سید اشرف حضرت امام حسین علیہ السلام کی شان
میں کہا ہے۔ غالب کہتے ہیں کہ "میں حسین میں دوستی وقت اگر حسین مظلوم کے دوست گاہک کا قصور آنکھوں کے
سامنے رہے تو پھر آنکھوں کے قطرے بھی تباہی کی اور قدر و منزلت میں پرہیز یعنی شریا کے ستارے بن جاتے ہیں اور
ایسے پر نور رونے کو پرہیز فغاندان اور شریا گرفتاری کہنا چاہئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ جب ستارہ سبیل طلوع ہوتا ہے تو
برسات کا موسم ختم ہو جاتا ہے اور بارشیں بند ہو جاتی ہیں، لیکن میرا ذاتی تجربہ اس کے برعکس ہے کیونکہ میرا سبیل
جب طلوع ہوتا ہے یعنی جب حسین علیہ السلام کے دوستی کا قصور آتا ہے تو آنکھوں کی بارشیں اور بھی زیادہ ہو
جاتی ہیں۔ مجھے ایر پر دشک آتا ہے کیونکہ کھائے معنی کی خاک پاک پر جا کر رونا اس کی دسترس کے اندر ہے اور
میری دسترس سے باہر ہے۔"

دیر چوں نقش کھائے تو بر خاک زحل
فرود سوند کہ امیں "کنہ میزبان مست
فرود کرد رحمت را ہوا دور پرواز
چرخ مستم چہ قسم گفت کہ کیوان مست
دھوا چوں بزم ترا نام طلب کرد کہ پدیت
مشرقی گفت کہ حوت تو د سلطان مست

یہ اشعار قصیدہ ہی و مشتم سے لئے گئے ہیں۔ ان میں غالب اپنے صودج کی شان و شوکت کا ذکر کرتے ہوئے
فرماتے ہیں کہ "جب فلک مشتم کی بلندی سے زحل نے خاک پر تیرے دونوں قدموں کے نشان دیکھے تو ان کے
موازن انداز اور علو شان کی بنا پر قسم کھا کر کہا کہ یہ تو میری اس میزبان کے پڑے میں جس میں مجھے شرف حاصل
ہوتا ہے (یعنی ان نقوش قدم پر نہیں سائی کے لئے اگر میں اپنا سر دکھ دوں تو یہ میرے لئے باعث شرف ہے)۔
پھر راستے کی گرد کے ایک دانے کو جب ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھا اور اس کی بلندی پر غور کیا تو فلک مشتم نے
قسم کھا کر کہا کہ یہ تو میرا حکمران یعنی زحل ہے۔ جب میری بزم کے چراغوں کو آسمان سے دھوا نے دیکھا تو اس کی
دوق اور سعادت پر تعجب ہو کر اس نے مشرقی سے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ مشرقی نے فوراً جواب دیا کہ یہ تیرا برج حوت
ہے اور میرا برج سرطان ہے یعنی اس بزم میں ہمارا بھونا ہم دونوں کے لئے باعث شرف ہے۔"

غالب نے کتب اور کنہ کے الفاظ میں بڑی اعلا پائے کی رعایت لفظی پیدا کی ہے "اور یہ بتایا ہے کہ جس مقام پر
صودج کے نقوش قدم ہیں اس مقام پر زحل کی پیشانی ہے۔ یعنی جب زحل کی پیشانی کی بلندی صودج کے قدموں کی

خاک کی بلندی کے برابر ہو تو پھر صمدی کے سر کی بلندی کا تو کتنا ہی کیا ہے۔ زحل خاکی ہے اور اسی فضلی رعایت سے قاصدہ اٹھا کر غالب نے زحل کو خاک کف پا اور ذرہ گرد راہ سے مناسبت دی ہے۔

یہ صمدش ماہ ہر شب کامل و آفاق مبتلی

بدورش زہروہ دائم حوتی و برہیں سرطانی

یہ شعر قصیدہ سی و سوم سے لیا گیا ہے۔ اس میں غالب اپنے صمدی کے صمد کی خوش حالی و خوش بختی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اس کے زمانے میں ہر رات کو ماہ کامل طلوع ہوتا ہے جس کی وجہ سے ہر طرف چاندنی بجلی رہتی ہے۔ مزید برآں زہروہ کا قیام حیث اس کے برج شرف یعنی حوت میں رہتا ہے اور عطش کی قیام حیث اس کے برج شرف یعنی سرطان میں رہتا ہے تاکہ ہر طرف سعادت کا دور دورہ رہے۔"

دوش در بڑے کہ قاصد از صفائے آں بھاد

مکنت دھم گھیری قزم کہ لغوہ پائے من

یہ شعر قصیدہ نمبر ۳۶ سے لیا گیا ہے جس میں غالب نے اپنے صمدی کی بزم کے فرش کی صفائی کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ "کئی رات کو اس کی بزم کے فرش کی صفائی کا یہ عالم تھا کہ زہروہ بھی ماسرفن و قاصدہ بھک بھی مجھ سے کہہ رہی تھی کہ میرا ہاتھ بچا لو ورنہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا پاؤں نہ کھل جائے۔" (غالب نے ہاتھ اور پاؤں کا ذکر کر کے بڑی ادا صنعت تشاہد پیدا کر دی ہے۔)

یہ دیکھ گمراہی جو باعث ہے نور

یہ ہوشیار قوی دل جو زہروہ در محکم

یہ شعر قصیدہ نمبر ۳۷ سے لیا گیا ہے۔ یہ قصیدہ غالب نے عہد اکبر شاہ کی برج میں کہا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ "اس بادشاہ کو شرف و اقتدار کے لحاظ سے وہ بزرگی حاصل ہے جو باعث ہے اپنے برج شرف یعنی نور میں پہنچ کر حاصل ہوتی ہے" اور مرد موت کے لحاظ سے یہ بادشاہ ایسا قوی دل ہے جیسا کہ سیارہ زہروہ حالت محکم میں ہوتا ہے۔" (محکم اس حالت کو کہتے ہیں جب کوئی سیارہ گردش کرتے کرتے آفتاب کے آقا قریب آ جاتا ہے کہ دونوں کے عقبات میں سولہ دقیقوں سے کم فرق ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ سیارہ بہت قوی ہو جاتا ہے خصوصاً زہروہ کو محکم میں بہت ہی زیادہ قوت حاصل ہوتی ہے کیونکہ دیگر سیاروں کی یہ نسبت زہروہ کا خاصی قطر بھی زیادہ ہے اور مدار عطشی پر اس کا عرض بھی زیادہ ہے۔)

در دل افتادہ ہر گمشدہ سر گھون اول محکم فراز سر گھیاں رستم

یہ شعر قصیدہ نمبر ۳۸ سے لیا گیا ہے اس میں غالب نے نصیر الدین حیدر خواجہ اودھ کے مرے کی بلندی کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ "جب میرے دل میں اس کی بارگاہ کا راست طے کرنے کا ارادہ ہوا تو پہلے ہی قدم پر میں زحل کے سر کی بلندی تک پہنچ گیا جو فلک معتم پر ہے۔" (یعنی صمدی کی بارگاہ تک پہنچنے میں جتنے قدم کا فاصلہ ہے، ان قدموں کی تعداد کو فلک معتم کی بلندی سے ضرب دے کر جو بلندی حاصل ہو گی وہ صمدی کے مرے کی بلندی کے برابر ہو گی۔)

با ساغر و ساغر خورشید سفاست
با خنجر و خنجر مرغ نیاست

یہ شعر ستمین قصیدہ سے لیا گیا ہے جو ابو ظفر بہادر شاہ کی شان میں کہا گیا تھا۔ غالب نے اس شعر میں بادشاہ کی بزم و روم کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ "میرے بادشاہ کی بزم آرائی کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ اس کے ساغر کی قدر و قیمت کے سامنے آفتاب جیسے شہنشاہ ملک کا ساغر زریں بھی گویا ایک مٹی کا ٹھیکرا ہے" اور اس کی بزم آرائی کی سمیت کا یہ حال ہے کہ اس کے خنجر کی تیزی و برش کے آگے مرغ جیسے پہ سار ملک کا خنجر بھی اتنا کند نظر آتا ہے گویا کہ وہ محض ایک نیام ہے۔" (ستمین نے آفتاب کی شکل و صورت کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ وہ ایک بادشاہ کی مانند سر پہ تاج مرصع پہنے ہوئے تخت شاہی پر بیٹھا ہے اور ہاتھ میں خنجر کھینچے ہوئے ہے۔ اسی طرح مرغ بھی ایک پہ سار کی مانند کلاہ و کمر سے آراستہ ہے اور ہاتھ میں خنجر کھینچے ہوئے ہے۔)

خورشید بدیع ذوق و عجم رخ آلود بہرام طلبکار کلاہ و کمر آلود
یہ شعر مرثیہ میں قصیدے سے لیا گیا ہے جو ابو ظفر بہادر شاہ کی شان میں کہا گیا تھا۔ غالب نے اس شعر میں بادشاہ کی داد و مدح کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ "میرے بادشاہ کی شان و شوکت و عظمت کا شواہد کہ آفتاب بھی اپنے لئے تخت شاہی مانگنے اس کی بارگاہ میں نمودار ہو گیا" اور مرغ بھی اپنے لئے کلاہ و کمر کی طلبگاری کی فرض سے اس کے حضور میں پیش ہو گیا۔"

نظر پہ سحر حاصل بود سرم برشت
اگرچہ بکرم از سق کاغ کھلاش

یہ شعر قصیدہ نمبر ۳۶ سے لیا گیا ہے۔ اس میں غالب اپنے صودح کے مرتبے کی بلندی کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ "اس کا مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ اگر میں ملک مستقم پر پہنچ کر دھل کی رعائش نگاہ کی بھٹ پر چڑھ کر بھی اسے دیکھنا چاہوں تو مجھے اپنی آنکھیں اوپر اٹھانے کے لئے اپنی گردن اتنی موڑنی پڑے گی کہ میرا سر میری کمر سے لگ جائے گا۔" (اس مقام پر کاغ کیون سے برج جہی یا برج دلو مراد نہیں ہے بلکہ وہ فرضی مکان مراد ہے جس میں دھل اپنی زندگی گزارتا ہو گا۔)

کیوں عجبہ کہ بود دیدبان بام
حقن کہ بام کاغ . چہ کیوان برابر است

یہ شعر قصیدہ مندھیں سے لیا گیا ہے۔ اس میں غالب نے ابو ظفر بہادر شاہ کے مرتبے کی بلندی کو اس طرح ظاہر کیا ہے کہ "تو یہ غلط کہتا ہے کہ میرے صودح کے محل کی بھٹ بلندی میں دھل کے برابر ہے کیونکہ یہ بات تو نے دھل کو دیکھے بغیر ہی ہے" ورنہ اگر تو دھل کو دیکھتا تو تجھے خود پہاں مل جاتا کہ دھل تو خود اپنی نظریں اوپر کی طرف اٹھائے ہوئے میرے صودح کے محل کی بھٹ کو خود سے دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

آسمان آستان بہادر شاہ کہ ملک بد درش سر انداز
بکمان دہلی صطارد را از فراز بد بیکر انداز

یہ اشعار بہت و چار میں قصیدے سے لئے گئے ہیں ' ان میں غالب نے ابو ظفر بہادر شاہ کے علم و فضل کی مدح کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "بہادر شاہ کا عمل بھی عظمت و بلندی کے لحاظ سے آسمان کے برابر ہے ' اور اس عمل میں ٹھٹھے ہوئے شہنشاہ کے دروازے پر آسمان بھی اپنا سر جھکا دیا ہے۔ میرے صدمہ نے اس گمان سے کہ عطاورد کو دو ٹیکر یعنی برج جزا میں (جو کہ عطاورد کا بیت یعنی گھر ہے) بیٹھا ہوا دیکھ کر کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ عطاورد بھی شہنشاہ کا مصرع ہے " عطاورد کو دو ٹیکر کی بلندی سے نیچے گرا رکھا ہے۔ " (عطاورد اپنے علم و فضل کے لئے مشہور ہے اور غالب کا صدمہ بھی علم و فضل میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ اس لئے غالب نے قمر شامی میں ٹھٹھے ہوئے بہادر شاہ کو برج جزا میں ٹھٹھے ہوئے عطاورد سے شبیر دی ہے " اور پھر چونکہ عطاورد خاکی ہے " اس لئے غالب نے اس رعایت عقلی سے مدد لے کر اس کو آسمان سے زمین پر گرانے کا ضمون پیدا کیا ہے۔ یعنی غالب کے صدمہ نے ذرا سی مدتی بھی گوارا نہ کی اور عطاورد کو بلندی سے محروم کر دیا۔

تا ترے وقت میں ہو بیش و طرب کی توقیر

تا ترے عہد میں ہو رنج و الم کی تسکین

ما نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر

دھم نے ترک کیا حوت سے کرنا تحویل

یہ اشعار غالب کے ایک قطعے سے لئے گئے ہیں جو ابو ظفر بہادر شاہ کی شان میں کہا گیا تھا۔ بہادر شاہ کے عہد کی طوفان مانا کا ذکر کرتے ہوئے غالب کہتے ہیں کہ "حیرے عہد حکومت اور زندہ سلطنت میں قمر نے ثور سے یعنی اپنے برج شرف سے باہر جانا چھوڑ دیا ہے تاکہ اس کے ٹیک اثر سے حیری رعایا کو ہمیشہ بیش و طرب حاصل رہے۔ اسی طرح حیرے زمانے میں دھم نے بھی حوت سے یعنی اپنے برج شرف سے تحویل کرنا ترک کر دیا ہے تاکہ اس کے ٹیک اثر سے حیری رعایا کے رنج و الم میں ہمیشہ کمی ہی ہوتی رہے۔"

دہوئے شاہد بہت آں بود نیکوڑ سخن عمر شہنشاہ عالم آرا را
کہ سخی میر ڈا بہت عجب رائے حکیم دور آورد بہ شکافہ ثور جزا را

یہ اشعار بہت و حکیمیں قصیدے سے لئے گئے ہیں جو ابو ظفر بہادر شاہ کی شان میں کہا گیا تھا۔ اس قصیدہ کے آخری دو شعروں میں غالب نے بہادر شاہ کے لئے درازی و عمر کی دعا اس طرح مانگی ہے کہ "خدا کرے شہنشاہ عالم آرا کی عمر کے پختے برس قضا و قدر نے مقرر کر دیے ہیں " ان برسوں میں سے ہر ایک سال کا ایک ایک دن بچا نکلیں وقت کے لحاظ سے اتنی مدت کا ہو جائے جتنی مدت میں حیات والوں کے حساب کے مطابق فلک ڈا بہت اپنے مقام سے ایک برج کے برابر پیچھے سرک جائے یعنی جس جگہ اس وقت برج ثور ہے اس شکافہ پر برج جزا آ جائے۔ " (حیات والوں کے حساب کے مطابق فلک ڈا بہت حرکت آہستہ آہستہ پیچھے کی طرف گردش کر رہا ہے اور اس کا ایک دور (یعنی ۳۶۵ درجے) تقریباً چھتیس ہزار سال میں پورا ہو جاتا ہے۔ اس مدت میں ہر ایک برج پیچھے سرکتے سرکتے پھر اپنی اسی جگہ پر آ جاتا ہے جس جگہ پر چھتیس ہزار سال پہلے تھا۔ اس طرح فلک ڈا بہت کو ایک برج کے برابر یعنی صرف تیس درجے

پچھے سرکنے میں تقریباً ۱۰ حرار سال گتے ہیں۔ یعنی جس جگہ اس وقت برج ثور ہے اس نشانہ پر برج جوزا کو آنے میں ۱۰ حرار سال لگیں گے۔ اس صاب کو پیش نظر رکھ کر غالب کہتے ہیں کہ خدا کرے یہ ۱۰ حرار سال کی مدت شمشاد کی عمر کے ایک دن کے برابر ہو جائے۔ یعنی بادشاہ کی عمر کا ہر ایک سال تقویم حشی کے لحاظ سے تقریباً ساڑھے سات لاکھ سال کے برابر ہو جائے۔ سیر ثابت کو اصل حد اپناش کہتے ہیں اور اصل مغرب پری پیش کہتے ہیں۔ یہ علم جنت کا ایک بہت دقیق مسئلہ ہے اور غالب اس دقیق مسئلے سے بھی کما حقہ واقف تھے۔

تیر بازہ کر یہ اردو ہی بھاک اوزاد اصل
دھوا بازہ کر یہ بھقیسی سلیمان سنم

یہ شعر ترکیب بند سے لیا گیا ہے۔ اس میں غالب نے شاعرانہ تعلق سے کلام لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "اگر عطارد کو اپنی اور کسی پر (یعنی فضا میں بند ہونے پر اور علوم و فنون میں مامر ہونے پر) باز ہے تو میں بھی اپنی عقل و دانش کے زور سے اسے زمین پر گرا سکتا ہوں اور اس کے خود کو خاک میں ملا سکتا ہوں۔ اسی طرح اگر دھوا کو اپنی بھقیسی پر (یعنی مشورہ و غور پر اور حسن و جبل پر) باز ہے تو میں بھی اپنے جاہ و عظم کے لحاظ سے اس کے مقابلے میں حضرت سلیمان کی سی حیثیت رکھتا ہوں۔" (حضرت اور میں ایک خطیر تھے جو علوم و فنون میں مامر تھے اور زندگی ہی میں آسمان پر پہنچ کر جنت میں داخل ہو گئے تھے۔ حضرت سلیمان اور نوح بھقیسی کی حقیقت بھی سب کو معلوم ہے۔ چونکہ عطارد غامی ہے اس لئے غالب نے اس رعایت لفظی کے سوا اسے اسے خاک پر گرنا آسان سمجھا اور چونکہ دھوا بادی ہے اس لئے اسے تخت سلیمان کی پہاڑ سے مغرب کرنا مناسب سمجھا۔ تئوئج سیارگان اور شاعرانہ صنائع و بدائع کے استخراج کی یہ ایک بہترین مثال ہے۔ اس قسم کے اہل فنوں سے غالب کا فارسی کلام بھرا چا ہے۔

تیر را از چنے دوام دیل جانے ۲۲ در کلاں فی خوام
نیش مغرب جگر شکاف بہت زیں گزشتہ اداں فی خوام

یہ اشعار قصیدہ نمبر ۶۳ سے لئے گئے ہیں۔ یہ قصیدہ کلیات فارسی کا آخری قصیدہ ہے اور اس میں غالب نے بڑے مایہ ناز انداز میں اپنی محرمیوں کا ذکر کیا ہے اور بے نیازانہ طور پر خوشی سے اقلات زمانہ کو قبول کرنے کا اعلان کیا ہے۔ ان اشعار میں وہ کہتے ہیں کہ "میں چاہتا ہوں کہ تیر یعنی عطارد ہمیشہ کلاں میں یعنی برج قوس میں رہے تاکہ اس پر دائمی دیل مسلط رہے اور اس کے اثر سے میرے علم و فن کی ناقصی ہوئی رہے۔ میں اس گزند سے بھی اداں نہیں چاہتا جو اس وقت پہنچتی ہے جب کہ قمر برج مغرب میں داخل ہو کر اس کے نیش کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ حالانکہ یہ سماعت قر کے لئے جگر شکاف ثابت ہوتی ہے اور اس کے اثر سے مجھ پر بھی تباہ حالی مسلط ہو جاتی ہے۔" (جب قمر برج حشر میں داخل ہوتا ہے تو وہ سماعت قمر در مغرب کھلائی ہے۔ یہ سماعت سماعت خمس کبھی جاتی ہے کیوں کہ مغرب قمر کا برج مہبط ہے۔ یہ سماعت تقریباً سوا دو دن تک رہتی ہے اور اس سماعت میں کوئی بھی طوفی کی تخریب نہیں کرتی چاہئے۔ اس سوا دو دن کی مدت میں بھی وہ گھڑیاں خاص طور پر خمس اکبر طیال کی جاتی ہیں جب کہ قران دو ستاروں کے قریب پہنچتا ہے جو نیش مغرب پر واقع ہیں اور جنہیں شولہ کہتے ہیں۔ غالب نے قر کو نیش

عقرب پر پہنچا کر انتہائی محسوس کا تصور پیش کیا ہے۔ تھر اور کمان کے الفاظ اس طوطی سے استعارہ کے ہیں کہ
لبایت اظہار ہے کی صنعت ابرام پیدا ہو گئی ہے۔

قر اور عقرب و غالب پر دھلی سندور درخش و مامی در آتش
یہ غالب کی ایک فارسی غزل کا مطلع ہے۔ اس میں انمول نے ان افعال کی طرف اشارہ کیا ہے جو دھلی میں
رہتے ہوئے انہیں پیش آتی تھیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ”جس طرح سندور یعنی آگ کا کیڑا دریا میں پھینک کر بے چین ہو جاتا
ہے، یا جس طرح مچھلی آگ میں پا کر تڑپتی ہے، یا جس طرح قر عقرب میں پھینک کر جھوٹ میں مبتلا ہو جاتا ہے، بالکل اسی
طرح غالب بھی دھلی میں رہ کر اذیتیں اٹھا رہا ہے۔“

آہم کہ پہ پتاندہ من ساقی دھر ریزہ ہند درو درو و تھلہاء دھر
ہنگر و سعادت و نوست کہ برا ٹھہر پہ لغو گفت و مرغ پہ قر
یہ رباعی کلیات فارسی سے لی گئی ہے۔ اس میں غالب اپنی بدنصیبی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”میں وہ
بد نصیب ہوں جس کے پیانے میں ساقی دھر بیٹھتا، درد کی گچھت اور زہری تلخی می ڈال دیتا ہے۔ اے لوگو! تم
سیاروں کی سعادت و نوست کے پتھر میں مرگنا نہ پڑنا۔ (کیوں کہ سیارے بھی اپنا اچھا اثر اسی وقت دکھاتے ہیں جب
قدرت کی نظر سیدھی ہوتی ہے ورنہ محسوس تو محسوس سیارے بھی خراب اثر دکھاتے گتے ہیں)۔ مجھ کو دیکھو کہ مرغ
نے تو اپنے قمر سے مجھے مارا ہی تھا۔ زہر نے بھی اپنے لغو سے مجھے مار دکھا ہے۔“

آسمان دم است و از بریں و کیناق گونے

فعل ما هیچ است بر پنہاں و پیدائش چچ

یہ شعر غالب کی ایک فارسی غزل سے لیا گیا ہے۔ اس میں غالب نے بتایا ہے کہ آسمان کے ستاروں اور سیاروں
کی مدد سے قضا و قدر کے راز جاننے سر بہت معلوم کرنے کی کوشش کرنا سخت ناواقف ہے کیوں کہ یہ راز اتنی آسانی سے
معلوم نہیں ہو سکتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ”آسمان اور اس کی گردش محض خیالی چیزیں ہیں اور اصل میں ان کی کوئی حقیقت
نہیں۔ اس کے ستاروں اور سیاروں کی سعادت و نوست بھی محض فرضی ہے۔ فضا مشرقی و دھلی کی گردش سے کسی
امر کی سعادت و نوست کے متعلق کوئی حتمی فیصلہ لگانا چاہئے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارے ظاہری و باطنی
حالات کا یا باطنی و مستقبل کے واقعات کا اس آسمان اور اس کے ثوابت و سیارے سے کوئی حقیقی تعلق نہیں ہے۔“ (بلکہ
محض مشاہدات و تجربات کی بنا پر تعلق پیدا کر لیا گیا ہے)۔

چوں جنبش سپر بفریان دلورست

پیداو بود آنچه بیا آسمان دھد

عم نقر سنج عشقم دم نکتہ دان علم

ٹھہر ساز و مشرقیم طلسل دھد

یہ اشعار قصیدۂ دوازدہم و در منہب امام دوازدہم سے لئے گئے ہیں۔

یہ قصیدہ غالب نے بادشاہیں امام یعنی امام ممدی آخر اہل طبع اسلام کی شان میں کہا ہے۔ ان اشعار میں غالب نے لوگوں کے لئے صبر و شکر کی تلقین بالکل ہی نئے انداز میں کی ہے۔ پہلے شعر میں صبر کی تلقین اس طرح کی ہے کہ "چونکہ آسمان کی گردش خداوند تعالیٰ ہی کے حکم سے قائم ہوئی ہے" اس لئے اس گردش کے اثر سے مساوت و نمونہ سیارگان بھی خدا ہی کے حکم سے ہم کو حاصل ہوتی ہے "اور چونکہ خدا کی ذات بے بدل ہے" اس لئے جو کچھ بھی آسمان ہم کو دیتا ہے اسے ہم علم و حکم نہیں کہہ سکتے۔ لہذا ہم کو ہر حال میں راضی برضا رہنا چاہئے۔" اس کے بعد دوسرے شعر میں شکر کی تلقین فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ "میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آسمان جو کچھ مجھے دیتا ہے وہ میری ذاتی اہلیت کے عین مطابق ہے" مثلاً میری نقد سبھی عشقِ اتنی املا ہے کہ اس سے محروم ہو کر ملبہ شکستہ یعنی زخمی بھی اپنا سزا مجھے پیش کرتی ہے "اور میری نکتہ ذاتی علم اتنی ارفع ہے کہ اس سے محروم ہو کر تاضیہ شکستہ یعنی مشغی نے بھی اپنی عباد و قبالہ و دستار فضیلت میرے لئے وقف کر دی ہے۔" (اس مقام پر علم نقد سے غالب کی مراد علم تصوف و معرفتِ الٰہی ہے) کیونکہ مشغی کو ایسے ہی علوم سے بہت دی جاتی ہے "ورنہ عام حکم کے علوم کے لئے عطا کردہ مہسوب کیا جاتا ہے۔ اس شعر میں غالب نے بتایا ہے کہ میں یہ ایک وقت نقد سبج عشق بھی ہوں اور نکتہ دان علم بھی۔ نقد سبجی کے لئے مجھے زخمی سے سزا ملتا ہے اور نکتہ دانی کے لئے مجھے مشغی سے طبلستان ملتا ہے۔ آسمانی یہ داد و دھن میرے حق میں ہمت افزائی کی حیثیت بھی رکھتی ہے "قدر دانی کی حیثیت بھی رکھتی ہے اور باج گزارگی کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔ غالب نے زخمی و مشغی کی جسمیات کی مدد سے ایک نمائندگی باریک نکتہ بیان کیا ہے "اور عشق و معرفت کے باہمی اخراج کو بڑی خوبی سے اجاگر کیا ہے۔ یہ غالب کی شانِ شکر گزارگی ہے کہ اثراتِ نعمت سے بے نیاز ہو کر صرف اثراتِ سحر کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ زخمی نے مجھے سزا دیا ہے اور مشغی نے مجھے طبلستان دیا۔





غالبُ عهدِ غالبُ

سید ضمیر حسن دہلوی

عہد غالب میں لال قلعے کی معاشرتی زندگی

انیسویں صدی کے شروع کا زمانہ ہے۔ شاہ عالم از دہلی تا پالم لال حویلی میں برآمدی ہیں۔ اپنی جڑ رسی اور دکنیوں کی خدمات شائستہ سے غزانے کی حالت انہوں نے خاصی مدعا دل ہے۔ تخت طاؤس بھی ہوا لیا ہے۔ قلعے میں جہاں پناہ کا دور ہے۔ باہر عجب پیشوا کی ہندو ہی بدھ متی اور کھولی جاتی ہے۔ قلعے خدا کی ملک بادشاہ کا اور حکم بانڈوں کا ہے۔ دلی بھری پری اور شاہ آباد دکھائی دیتی ہے۔ بخت از گئے بلندی رہ گئی ہے۔ ہاتھی لٹا یا پھر بھی سوا لاکھ کا۔ اگلی شان شوکت کے آثار ابھی باقی ہیں رتھ 'ہنڈیاں' تاکے 'خیمولیاں' ہولوار 'تام جسام' پالکیاں 'تخت دواں' کھپال 'چٹول' پالکیاں 'ہاتھی گھوڑے' امیر امرا ہٹاؤ سنگھار کئے 'مرقع بنے عدم حشم کے ساتھ' تھیوں کی تواڑ 'کڑکیوں کے کڑکے' چوہادر 'لہار' مصاہرہاد' موڑے سب جوں کے توں سلامت ہیں۔ رات کو سواری نکلتی ہے تو مشاہی کا دھواں اٹھتا ہے تو اپنی خوشبو سے فضا کو معطر کر دیتا ہے۔ کماروں کی فہار 'چوہادر' کی ہونچ کی صداؤں سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔

حکومت کی بے مقصدی اور معاشرتی ٹھگ دہانی کے باوجود قلعے کی شاہی زندگی میں ایک جہنم کے وقت بھر کئے ہوئے چراغ کی ہی روشنی اور شفق شام کی ہی رنگارنگی موجود ہے۔ مولوی ذکاء اللہ نے لکھا ہے: "قادر ہے کہ جب چراغ بجھنے کو ہوتا ہے تو لو اٹھتی ہے۔ اسی طرح سلطنت تیموریہ کا چراغ گل ہونے کو ہوا اور آخری وقت آیا تو اس نے اپنی وہ روشنی پھٹائی اور ایسا سہجاء لیا کہ اس کی نظیر مشکل سے تاریخ میں ملے گی" (10)

"تیموری شاہ و جلال اور شاہجہانی شان و شکوہ رخصت ہو چکا تھا مگر شاہی اوپ و قرینے کی جھلک قلعہ سلی کی بادشاہت میں اب بھی نظر آتی تھی۔ سلطنت کا دائرہ سینے سینے گھٹنے کی سنگین دیواروں تک محدود ہو کر رہ گیا تھا مگر اس محدود دائرے میں بھی سب کچھ ضیق تو بہت کچھ تھا اور اس انداز سے تھا کہ دیگر کا ایک ہی جاول اور پھول کی ایک ہی جھکمری سواری داستان خاوندے"۔ (11)

آخر زمانے کے تینوں مسئل بادشاہوں کے سیاسی حالات میں تو جا بجا فرق دکھائی دیتا ہے۔ کبھی امردوں ملک شر دشمن سر اٹھاتی ہیں اور کبھی بیرونی طاقتیں سیاست 'تدبیر اور سازشوں کے ذریعے اقتدار کی کٹائی مڑوڑتی دکھائی دیتی ہیں لیکن جہاں تک قلعے کی معاشرت کا تعلق ہے وہاں اہلاد کی روایات اور مصلوں کے آہائی رسم و رواج کو قائم زیست نبھانے کی جان توڑ کوشش ہنوز جاری ہے۔ وہاں شاہی میں امیر و وزیر غشی حصدی 'غلاب' و مخالف 'خواص' و خواجہ سرا 'منار' و کارنگر 'خدمت گزار' مصاہب 'ٹک پروردے' سب اپنی اپنی جگہ پر تھے اور مجھے اور سلام 'نذر و پیش کش' 'خطاب و خلعت' انعام و اکرام و فیروز و سوم و دربار اب بھی لوا ہوتی تھیں۔ بادشاہ کی زندگی اس لٹی اور سلی

”انکیر شاہ جانی کا انتقال رات کے دو بجے ہوا۔ خیروار دم بدم فی خیر دل عہد کو دے رہے تھے اور دل عہد تاج اور لباس اور زر و جواہر اور زور کا خوان لئے بیٹھے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ کب یہ سنوں کہ سچی کا کہا لفظ گیا۔“

اور تختِ بادشاہی پر جا بیٹھوں۔ چنانچہ ایک خیردار نے خبر دی کہ حضور مبارک ہو مسافر کیا بس فرما۔" ولی عہد بہادر نے شاہانہ لباس پہنا اور چاہا کہ تخت پر قدم رکھیں جو نبوی اور حبیبیوں نے کہا کہ وقتِ اجماع میں ہے۔ سورج نکلے جلوس فرمائیے گا۔ اندھیرے میں تخت پر بیٹھنا محسوس ہے ولی عہد نے کہا میرے لئے محسوس ہے یا رعایا کے لئے؟ نبوی کہنا تو یہ چاہتے تھے کہ دونوں کے لئے برا ہے مگر ولی عہد کے وار سے کہہ دیا کہ حضور رحمت کے لئے اجماع میں ہے۔ ولی عہد نے کہا غیر دیکھا جائے گا۔ آداب نہ ہو گا تو کیا روشنی نہ ہو گی اور مشعل و ستاب اور شمع و چراغ کی ایسی روشنی ہوتی کہ دن نے مات کھائی، ولی عہد تخت پر بیٹھے ابو ظر محمد سراج الدین بہادر شاہ خانی لقب اختیار کیا۔" (۱۱۰)

یہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ لال قلعے کی ضد جی اور شاہی روایات گونا گونی تھیں۔ بادشاہ کی تقریریں بعدِ مسلم شہید سنی سب برابر تھے چنانچہ قلعے میں ہولی کے موقع پر ایک زبردست چل پل ہوتی تھی۔ شہر بھر میں جو سوانک رہائے جاتے وہ سب بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوتے تھے۔ سراج الاخبار کی ایک خبر کے مطابق بادشاہ اور ہندو مسلم امرا ایک طرف اور شہزادیاں اور امیرزادیاں دوسری طرف جموں کوں میں بیٹھ جاتیں۔ بادشاہی خانقہ ہولی نکلیتے۔ بادشاہ کے سامنے ہولی نکھیل جاتی۔ تخت کے کناروں کو ایک ایک اشرفی انعام ملتی۔ (۱۱۱)

"دولتی کے موقع پر بادشاہ خود اس میں حصہ لیتا تھا اور انعام و اکرام تقسیم کرتا تھا۔ لو آج پتلا دیا ہے۔ روشنی ہوئی، قسمت، روشن چوکی اور باہا بچتے لگا۔ چاروں کونوں میں ایک ایک گنا گنا کر کیا۔ خجودوں میں ڈورے ڈال کر ان میں ٹکا دیئے۔ صبح کو وہ گئے اور خود حلال خوری کو دے دیئے۔ دھت پان نیلوں کو ستوار بنا کر پاوں میں مندی رنگ برنگ کی اس پر لٹائی کر، سیٹکوں پر قلعی اور سنگھیاں۔ گلوں میں مختصر اور کار چوبی بنائی جموں میں چڑیں، جیم جیم کرتے چلے آتے ہیں۔" (۱۱۲)

بہادر شاہ کی والدہ راج پوت سمارانی لال ہائی تھیں۔ پھر یہ کہ تصوف سے انہیں گہری دلچسپی تھی۔ وہ کالے صاحب کے باقاعدہ مہد تھے اسی لئے ان میں بڑی آواز خیالی، وسیع اعظمی اور کشادہ ذاتی پیدا ہو گئی تھی۔ قلعے کے ملازمین میں ہندوؤں کی کمی نہیں تھی۔ بادشاہ ان کے دھرم میں برابر کے شریک ہوتے تھے چنانچہ سی۔ ایف، ایچ ریوز نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ بادشاہ ہندو مسلمانوں میں قلعی تقریب میں کرتے تھے وہ لکھتا ہے:

"شہرِ دہلی میں دونوں فرستے ہندو مسلمان مغل شہنشاہوں کی دانشمندانہ رہنمائی میں جنوں نے ہندوؤں پر احترام کیا تاکہ ان کا اور اس کے جواب میں جنوں بھی ان پر احترام کرتے تھے نہایت پر امن طریقے سے ہندو بہ ہند رہتے تھے مغل شہنشاہ بجا طور پر اس نیک غائی کے حق وار ہیں کہ وہ اندرونی مذہبی تعصب پر غالب آ گئے اور اس بنیاد پر اس قاتل ہو گئے تھے کہ اپنی ہندو رعایا کے ساتھ مہربانی کا سلوک کریں اور غیر ہندو ارادہ انصاف کریں۔" (۱۱۳)

اسپیر نے بہادر شاہ کی درباری زندگی کے عام گوانک سے بحث کرتے ہوئے جو نتیجے نکالے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ بہادر شاہ کا دربار ہر دے برصغیر کے لئے رفتار و رفتار کا ایسا نمونہ تھا جیسا فراخسیر بادشاہ کا دربار برصغیر کے لوگوں کے لئے ہے۔ اس کے عہد میں ایک تہائی اشتہارست تھی جو لوہائی کھنڈ پر بھی اپنا تھس ڈالتی تھی۔ صرف لشت

دیرگست اور رفتار میں ہی لوگ دربار کی پیروی نہیں کرتے تھے بلکہ لباس بھی وہی قبول سمجھا جاتا تھا جو اہل دربار پہنتے تھے۔ چنانچہ ہمارے شاہ کا دربار گویا تھن اور تختہ کا محور و مرکز تھا اور طبقات معاشرت کا استخراج اور نکل میل اسی دربار کی مرکزیت پر منحصر تھا۔ اس دربار میں فنون لطیفہ کی ترقی کے وسائل بھی مہیا تھے۔ لہذا زبان و ادب کی بھی پرورش ہوتی رہی اور مصوری کا دلستان بھی قائم رہا۔ راجا جیون رام اور حسن ناصر مشہور مصور اسی دلستان سے تعلق رکھتے تھے۔ ہمارے شاہ کا دربار پرانے وقتوں کی صحت مند روایات کا محافظ تھا۔ آثارِ اصنام طبع اول کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بعض تصویریں شہزادگان مغل نے بنائی تھیں۔ قلعے میں آنے والے دن مشاعرے ہوا کرتے تھے۔

”حضور والا کی جانب سے دو مظاہرہ ہوتا وہ شاہانہ انداز سے ہوتا تھا بادشاہ سلامت خود یہ شخص نہیں حرکت فرما کر عزت بکھتے تھے“ تمام شاعر حضور مغل کے سامنے حسب ارشاد بیٹھ جاتے تھے۔ بادشاہ کے مقابل طبع رکھی جاتی تھی۔ جس شاعر کو حکم ہوتا تھا وہ سامنے حاضر ہو کر قول پڑھتا تھا۔ بادشاہ جس شعر کی تعریف فرماتے حاضر باش امیہوں میں سے ایک بلند آواز سے اس شاعر سے کہتا تھا۔ ”غل بھائی آپ کے شعر کی تعریف فرماتے ہیں۔“ وہ شاعر سرودھ کھڑے ہو کر حسب قاعدہ تین بار ”آواہ“ بھالاتا۔ ”واہ واہ“ کے شکرے میں سلام کرتے کرتے تھک جاتا تھا۔ حسب رسم ایک طیبرہ مکان میں ملائی ترمید سے شربت اور قند وغیرہ مہیا رہتا تھا۔“ (۱۵)

جہاں پتا کے چڑھا خانے میں ایک بلیل ہزار داستان پٹی ہوتی تھی۔ وہ سونے کے بھیرے میں رہتی تھی۔ استاد میرن جو چڑھا خانے اور کبوتر خانے کے داروغہ تھے اس کی دیکھا کرتے تھے۔ اس کے بھیرے پر کئی کئی بستیاں منڈھی رہتی تھیں۔ جب ہمارا موسم آتا تو بلیل کو چھٹکے کا شوق ہوتا تھا۔ استاد میرن اس کا بھولے کر بچم کے بارغ میں آتے تھے اور کھنے کے وقت کی فنی میں اسے لگا دیتے تھے۔ شہر میں ایک روز پہلے سے دھوم مچ جاتی کہ کل مغرب کے وقت استاد میرن بادشاہی بلیل کا بھولے کر بچم کے بارغ میں آئیں گے شوقین لوگ اپنی اپنی ”اگن“ چنڈول، طوطے، ”فنا“ شلا وغیرہ بولنے والے ہاتھوں کے بھیرے لے کر بارغ میں پہنچ جاتے۔ گھاس کے تنکوں پر دو محل کو مات کرتی تھی بھنگو مار کر بیٹھے اور اپنے اپنے پتھروں کے بھیرے سے اپنے آگے رکھ لیتے تھے۔ بادشاہی بلیل ہزار بولیاں بولتی جنہیں سن کر سننے والے بھان اٹھ کھتے بلیل کے دم کو سن کر پرند شوقین کا چھٹکے لگتا تو اس کا ہانگ بھیرے کو تھپک دیتا جس سے یہ مراد تھی کہ بلیل ہزار داستان کی بولی کان لگا کر سن اور چپ رہا کہ تجھے بھی یہ ہانگ آجائے اور فی الواقع بلیل کی بولیاں سن کر شاہجہاں آباد کے شوقین لوگوں کے ”اگن“ چنڈول خوب بولنے لگے تھے۔ لوگ غریب کہتے تھے کہ پنجاب ہمارے ”اگن“ چنڈول نے بادشاہی ہزار داستان کی مار کھائی ہے۔

دو خانے کے وسط میں تخت ملاؤں نصب ہوتا تھا اور ہلائے تخت ”تھیکہ“ دریں ”چوب“ پائے تقریب طبع ملائی پر نصب ہوتا تھا۔ تخت ملاؤں کے برابر چار گوشوں میں چار ملاؤں ملائی جتا کار نصب ہوتے تھے اور ان کے حقداروں میں بڑے سوتیوں کی مالا میں جن میں دھو کے گچھے تھے آویزاں ہوتی تھیں۔ تخت ملاؤں میں مسد عجبے لگائے

جاتے تھے۔ جب بادشاہ دربار فرماتے تھے ملاؤں کے دونوں پہلوؤں میں دو طرفہ دو سطیوں دربار واروں کی دست بستہ استواء ہو جس سب چلی نکلیں گے گھڑے رچے تھے۔ خاموش۔ بھال کیا کہ کوئی کسی طرف دیکھ لے یا سمجھائے یا مسکرائے یا بات کرے۔ دیوان خاص کے مقابل لال پردے کا دروازہ تھا۔ وہاں سرخ باہت کا پردہ تھپا رہتا تھا۔ جو محض دیوانے میں سے داخل دیوان خاص ہوتا تھا پہلے لال پردے کے آگے آکر سلام گوہ پر استواء ہوتا تھا۔ آداب و شہادت بجا لاتا اور قیام لال پردے کے برابر سے آواز لگاتا تھا۔ ملاحظہ آداب ہے جواب بجا لاؤ۔ جہاں پناہ بادشاہ سلامت، عالم پناہ بادشاہ سلامت، بعد اس کے یہ محض سلامی پہلو میں ہو کر عقب حمام کی جانب کے زینے سے دیوان خاص کے چوتھے پر چڑھتا اور سطیوں خالی کرتا اور دیوان خاص میں جا کر دوبارہ دوسری سلام گوہ پر آداب بجا لاتا اور قیام دربار ایلور اول آواز لگاتا اور سلام کرتا۔ اگر نذر گزارنی ہوتی تو سیدھا تخت کی جانب جا کر نذر پیش کرتا۔ نذر دے کر پھر بیچلے قدموں پلٹ کر سلام گوہ تک جاتا اور پھر اول پھر اسی طرح جواب بجا لاتا اور جہاں جگہ ملتی صف دربار میں جاتا تھا۔ یہ نقشہ دربار شادی کا تھا۔

شہزادوں کی شادیوں کے موقع پر جشن منعقد ہوتے تھے۔ ترک جماعتی میں جماعتی بادشاہ نے اپنے بیٹے خرم کی شادی کی تقریبات اور جشن کا ذکر کیا ہے۔ کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ تیمور یہ خاندان کا جب چراغ فشاں رہا تھا اس وقت بھی شادی کی تقریبات بھی کہ شہزادہ خرم کی شادی میں جان کی گئی ہیں :

"ہر چند کہ تقریبات ہیادریا ستائے ہندوستان میں نظر سے گزری ہیں مگر بھی شادی باذیب و قہل شہزادہ مرزا ہواں بخت کی ہوئی ایسی رنگین محفل و تقریب، اقرب باہ و عظم اس دریا دل کے ساتھ کہیں نظر سے نہیں گزری۔ بیان خلقت رسوم سابق، مندی رات، آرائش شہر و روشنی، و نذر خانہ ہات و غیرہ فضول جان کر غم انداز کیا جاتا ہے۔ البتہ دو امر قابلِ تامل ہیں ایک یہ کہ قریب محفل سب سے جداگانہ تھا۔ دیوان کی بارہ درمی میں جدا جدا محفلیں ترتیب دی گئی تھیں۔ ہر درمی میں ایک طاقتور جدا رقص کرتا تھا شہزادگان کی محفل جدا، ملازمین معززین کی انجمن جدا، فرشتہ سپاہی بزم جدا، شاکر و پیشہ کے لئے بھی جدا۔ اس طرح ہر فرقہ کی محفل جدا تھی۔ اہل شہر کے لئے حکم عام تھا کہ آئیں اور تماشا دیکھو و رسوم سے محفوظ ہوں۔ کل ملازمین شادی و رسمائے شہر کے لئے قورہ ہات کا حکم تھا جس کا کوئی چاہے زر نقد بھاس روپے قورے کی قیمت لے۔ ایک قورے میں طعام اس قدر ہوتا تھا کہ ایک محفل حکم سیر ہو کر کھالے۔ ایک ایک طباق میں پانچ پانچ طرح کے پڑا رنگ رنگ کے پھلے ہاں۔ پانچ سیر کی باقر خانی۔ ایک شیریں ایک تخمینہ لود کی قسم کے بن فرض کہ انعام خوردنی کی کوئی شے باقی نہ رہی مٹی تھی۔ اس کے علاوہ جن شعراء نے قصائد تہنیت اور سروسے کہے تھے پانچ روپے ملازم تھے کرب کو پھل، ثلث و انعام عطا ہوئے اور شاکر و پیشہ کو ہار و تحفہ عظیم دئے گئے۔ (۱۸۱)

بادشاہ کی سواری میں سولہ گھوڑے لگائے جاتے تھے اور نواب زینت محل و حکم صاحب کی سواری میں آٹھ گھوڑے لگائے جاتے تھے۔

- 17۔ ذکاء اللہ آف دہلی۔ سی۔ ایف اینڈ ریوز
- 18۔ دہلی کی پندرہ عجیب ہستیوں پر اشرف مہسویں۔ انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۳۳ء
- 19۔ سیر دہلی مرتبہ غلام الدین احمد۔ انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۳۳ء
- 20۔ دہلی کا آخری سانس۔ خواجہ حسن نظامی ۱۹۳۵ء
- 21۔ لال قلعے کی ایک جنگ۔ ناصر ظفر فراق۔ اسپرل پریس دہلی۔
- 22۔ سیر المصطفیٰ۔ لوہاں عبد الغفور مطبع سرکار لاہور
- 23۔ تاریخ ہند محمد برطانیہ ترجمہ عبدالسلام۔ دارالترجمہ حیدر آباد دکن
- 24۔ آثار الصغریٰ۔ سرسید احمد خان (مطبع اول) دہلی یونیورسٹی لائبریری
- 25۔ واقعات مولوی کریم الدین مطبع سرکار لاہور ۱۹۳۶ء

حواشی

- ۱۔ تاریخ اسلامیان ہند۔ مولوی ذکاء اللہ ص ۳۰۰
- ۲۔ دراز فقیر۔ دانش النبی ص ۳
- ۳۔ سیر المصطفیٰ ص ۶۸
- ۴۔ دراز فقیر دانش النبی ص ۷
- ۵۔ دہلی کی آخری بار دانش النبی ص ۷
- ۶۔ دہلی میں پہلا دانش النبی ص ۶۸
- ۷۔ شاہجہاں آباد کی سیاست نے کبھی قریب واکو ہو کر محلوں واکو نہیں کیا یہ بتکرانہ تھا جس آباد۔
- ۸۔ شاہ ذکاء اللہ ص ۳۷ ڈاکٹر جی سے قریب۔
- ۹۔ دہلی کا آخری دیوانہ۔ ڈاکٹر جی سے قریب۔
- ۱۰۔ بھول دہلی کی سیر۔ مرزا فرحت اللہ جگہ ص ۷۰
- ۱۱۔ مال قلعہ کی ایک جنگ ناصر ظفر فراق ص ۱۱
- ۱۲۔ دہلی آخر کی کٹائی۔ سید کریم الدین ص ۷۰
- ۱۳۔ دہلی آخر کی کٹائی۔ سید کریم الدین ص ۷۰
- ۱۴۔ شاہجہاں ذکاء اللہ دہلی ۱۹۳۶ء ڈاکٹر جی سے قریب۔
- ۱۵۔ تاریخ دہلی دہلی ص ۱۰ سید احمد دہلی
- ۱۶۔ غلام حبیبی دہلی دہلی آخر کی کٹائی سید کریم الدین ص ۷۰
- ۱۷۔ دہلی آخر کی کٹائی۔ سید کریم الدین ص ۷۰
- ۱۸۔ TWILIGHT OF THE MOGHALS (دہلی آخر کی کٹائی سے قریب)



ڈاکٹر ظلیق اعظم

رنگا رنگ بزم آرائیاں

غالب ایک مجلسِ انیس تھے 'مزیوں' دوستوں 'مستفوں اور شاکروں سے ان کی محفل ہمیشہ جلی رہتی۔ اہانک ۱۸۸۵ء کا ہنگامہ ہوا۔ محفل کو سجانے والے بیشتر لوگ دنیا میں نہ رہے 'جو بچے' ولی سے فرار ہو گئے۔ غالب اجڑی ہوئی ولی اور بے شمار مزیوں کی موت پر مرعوب خولانی اور ماتم داری کے لئے تیار رہ گئے۔ میٹوں شکوہ ولی اور شکوہ پانی کے عالم میں گھر کا دروازہ بند کئے بیٹھے رہے۔ کچھ اسی جلی ہوئی 'حالات معمول پر آنا شروع ہوئے' تو کبھی کبھی شیعنی رام برہمن اور ان کے لڑکے ہل سکنہ آئے گئے۔ لیکن اس سے پیاس تھوڑی بجھتی ہے۔ "ہزاروں کے ماتم دار" غالب کو یہ غم کھائے جاناکہ جب وہ "میں گے تو انہیں کون روئے گا۔" وہ جانتے تھے کہ اب ان کے بلا خانے کی میزبانی پر کسی دوست کے قدموں کی آواز سنائی نہیں دے گی۔ پھر بھی میزبانی پر نظر رہتی کہ وہ صبرمدی آئے۔ وہ یوسف مرزا آئے اور وہ صبر آئے۔ "ان میں سے کوئی نہیں آیا" تو غالب نے غلوں کے ذریعے ان کی خیر و عافیت دریافت کرنی شروع کی۔ معلوم ہوا کہ ان میں سے بھی بے شمار دوست جنت کو سدا جارہے 'جو بچے' ان کو غالب نے قیمت ہانا۔ ان میں سے جب کسی دوست کا خط آیا تو غالب کو محسوس ہوتا کہ وہ "محبوب ہیں اور یہ خط بوسے ہی ہیں۔"

ڈاک کا انتظام بہتر ہوتا شروع ہوا تو غالب کے غلوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ کچھ وقت غلوں پڑھنے میں صرف ہوتا۔ کچھ غلوں کھینے میں اور کچھ کھانے بنانے میں۔ پھر بھی وقت تو بہت چلتا 'پھاڑ سادان کالے نہیں کھتا۔ ترائی کالے کو دوڑتی۔ کس سے مولوی محمد حسین حمزوی کی مشہور لغت بہان قاطع اور دساجیر کا ایک نسخہ ہاتھ آگیا۔ زندگی کے تلخ حقائق سے فرار حاصل کرنے اور خود فراموشی کے لئے شراب قتل نہیں سکتی تھی' غالب نے خود کو ان کتابوں کے مطالعے میں غرق کر لیا۔ بہان قاطع کے مطالعہ کے دوران انہیں محمد حسین حمزوی سے اختلاف ہوا۔ ایک دلچسپ معطر غالب کے ہاتھ آگیا۔ انہوں نے حاشیے پر اختلافات کھینے شروع کیے۔ اب تک غالب نے شاعری کی تھی۔ بیچ آہنگ میں غلوں فحشی کے آداب پر کچھ لکھا تھا یا سرخیم روز کا اردو میں مسودہ حکیم احسن اللہ خاں نے فراہم کیا اور اس کا غالب نے فارسی میں ترجمہ کیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب غالب نے کوئی علمی کام شروع کیا' ابھی وہ بہان قاطع کا مطالعہ کر ہی رہے تھے کہ انہیں روزنامے کے انداز میں ایک کتاب "دعوت" کھینے کا خیال آیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دعوت کھینے کے لئے ہی انہوں نے بہان قاطع کا مطالعہ شروع کیا ہو۔

الفاظ کی اصل اور ان کے معنی پر غور کرتے ہوئے غالب کو خیال آیا کہ دعوت ایسی فارسی میں لکھی جائے جس میں ایک لفظ بھی عربی کا نہ آئے "دعوت" کی تحریر کا اصل مقصد تو یہ تھا کہ غالب برطانوی حکومت پر اپنی بے گناہی ثابت کریں۔ لیکن انہوں نے سوچا کہ انہوں نے لکھے ہاتھوں انگریزوں پر فارسی دینی کا سکہ بھی بٹھا دیا جائے۔ بہر حال بے

کاری میں ایک اور مصلحہ ہاتھ آیا کچھ وقت اس کتاب کے لکھنے میں لگا اور کچھ اس کی طباعت کے اہتمام میں بہانہ قاطع پر اعتراضات ترتیب دے کر "قاطع بہانہ" کے نام سے شائع کئے گئے۔ کتاب کا چھپنا تھا کہ بعض اہل علم برصغیر اور بھارت لے کر غالب کی طرف دوڑے۔ پھر تو ایک مستقل مصلحہ ہاتھ آیا۔ اس صحرے میں غالب نے "ہمد غالب" اور "تجلی حیر" دو رسالے اپنے نام سے شائع کئے اور دو رسالے لطائف فحی میاں داو خان سیاح اور سوالات عبدالکریم، عبدالکریم کے نام سے شائع کئے۔ دلچسپ بات ہے کہ غالب نے طبعی کام زندگی کے اس لمحے میں کیا جب سب سے زیادہ وقتی پریشانیوں کا سامنا تھا۔ صحت جواب دے بجلی تھی اور یہ قول ان کے وہ بے دست و پا ہو چکے تھے۔

یہ طبعی کام تو غالب اس حالت میں کرتے ہیں جب ان کے پاس کچھ وقت بچ جاتا ہے، ورنہ وہ تو بزم آرائی میں مصروف رہتے ہیں۔

غالب نے خطوط کے سارے ایک بزم سہلی ہے۔ اس بزم میں ان کے عزیز دوست، معتمد، مداح، ممدوح اور شاکر و غرض سب ہی شریک رہتے ہیں۔ محفل کی لغزائے گفت و شنید، تصنیع اور لطافت سے پاک رہتی ہے۔ اگر کبھی غلاب رام پور یا ان جیسی کوئی اور عالی مرتبہ شخصیت محفل میں آتی ہے تو غالب ان کا احترام کرتے ہیں۔ محفل پر تنبیہ کی کی لغزائے ہو جاتی ہے لیکن غالب ایسی شخصیت کی موجودگی سے فضا کو زیادہ سکون نہیں دیتے۔ سلام دعا، خیر و عافیت، ہندوئی کی وصال پالی کی اطلاع کے بارے میں چند بدھ گئے دیکھ کر دیکھتے ہیں اور اپنا ایک شعر

تم سلامت رہو ہزار برس

ہر برس کے ہوں ان بھاس ہزار

پڑھ کر افسوس دیکھتے ہیں۔

اس محفل میں غالب مسند نہیں ہیں اور ہم کچھ ایسے زاویے سے کھڑے ہیں کہ غالب کا چہرہ بالکل ہمارے سامنے ہے۔ ہم ان کے چہرے کے اندر چڑھنا اچھی طرح دیکھ سکتے ہیں اور ان کی آواز صاف سن سکتے ہیں۔ لیکن حاضرین محفل کی نشست کچھ اس طرح ہے کہ ہماری طرف کمر ہے ہم ان کے چہرے دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی آواز صاف سن سکتے ہیں۔ غالب ہی کی باتوں سے ہم ان کی گفتگو یا سوال جواب کا اندازہ لگاتے ہیں۔

غالب کی گفتگو میں کبھی خود احتسابی اور ان کی شخصیت میں کبھی تمب اور وقار ہوتا ہے۔ ایسی جگہ اشتعالی گفتار کے لئے شخصیت کا متغیر ہونا ضروری ہے اور منفرد شخصیت اسے ہی ملتی ہے جس نے اپنی انائی کی نگہ داری کی ہو۔ کچھ دیر کے لئے اس بزم غالب کو چھوڑ کر آئیے ہم انا اور انفرادیت کے فلسفے پر تھوڑا سا غور کر لیں، کیوں کہ ہمارا خیال ہے کہ غالب کی اس بزم خطوط کے علاوہ صد رنگ کی بنیاد ان کی انا اور انفرادیت ہی پر ہے۔ ہر انسان کی ایک انفرادیت ہوتی ہے لیکن بیشتر انسانوں کی انفرادیت کی روشنی اتنی مدہم ہوتی ہے کہ وہ ایک مخصوص سماجی گروہ کی انتہائی انفرادیت کی تیز روشنی میں خود کو ضم کر دیتی ہے اور صرف باہرین نفسیات ہی اسے تلاش کر سکتے ہیں۔ انفرادیت کو فروغ انا سے حاصل ہوتا ہے جس انسان کی انا میں جتنی چمک ہوگی اتنی ہی اس کی انفرادیت بلند ہوگی۔ انا کے سرچشمے مختلف ہیں۔

عالمی وقار، دولت، سیاسی اقتدار اور علم و فن وغیرہ انا سے انفرادیت حاصل ہوتی ہے اور انفرادیت سے شہرت۔ شہرت بھی فرد کے سامنے گروہ تک محدود رہتی ہے اور کبھی پورے ملک میں پھیل جاتی ہے اور کبھی 'لیکن بہت کم' زبان و مکان کی قید سے آزاد ہو جاتی ہے۔ شہرت کا مدار اس پر ہے کہ فرد نے اپنی انا کو آہاد کرنے کے لئے کتنی محنت اور جگر کاوی سے کام لیا ہے۔ سیاسی اقتدار کے ذریعے حاصل کی ہوئی شہرت افقی یعنی (Horizontal) ہوتی ہے۔ یعنی فرد کی زندگی میں اس کا دائرہ اثر تو بہت وسیع ہوتا ہے لیکن مدت کم ہوتی ہے دسل و دسائل نے کھیل اور فلم کو بھی اس دائرے میں شامل کر دیا ہے۔ علم اور فن کے ذریعے حاصل کی ہوئی شہرت عمودی (Vertical) ہوتی ہے۔ یعنی دائرہ اثر تو محدود ہوتا ہے لیکن مدت لامحدود ہوتی ہے۔

دنیا کی تاریخ میں ایسے عالم اور ایسے فن کار کتنے کے ہیں جن کی انفرادیت اور شہرت نے زبان و مکان کی قید سے آزاد کیا ہے۔ غالب بھی انہیں میں شامل ہوتے جا رہے ہیں۔ غالب کی انا میں بلا کی قربانی ہے۔ اس انا کے سرچشمے تین ہیں۔ عالمی وقار کا دسی دانی اور ان کا فن۔ چونکہ غالب اپنے صد کے اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، انہوں نے قادی کا علم حاصل کرنے کے لئے واقعی بہت محنت کی ہے اور اب اس منزل پر پہنچ گئے ہیں جہاں ان کی انا امیر خسرو کے علاوہ کسی ہندوستانی قادی شاعر، نوب یا لغت نویس کو تسلیم نہیں کرتی جہاں تک فن کا تعلق ہے غالب جیسا فن کار کسی بھی زبان میں صدیوں میں پیدا ہوتا ہے۔ غالب زندگی بھر انا کے آئینہ کو عکس کر کے اپنی انفرادیت کو بلند کرتے رہے، انہوں نے پیش اور ہر میدان میں اپنے لئے نیا راستہ بنایا اور اس منزل پر پہنچ گئے جہاں ان کی آواز منور ہو گئی ہے۔

فن کی تو خیر بات ہی کیا ہے۔ عام زندگی میں بھی وہ اپنی انفرادیت قائم رکھتے ہیں۔ غالب کا جلیہ ہو، خدا کھینے کا سلطان ہو یا دودھو کے استعمال کی چیزیں، ان میں سے ہر ایک کے انتخاب میں منفرد جمالیاتی ذوق کی گہری چھاپ ہوتی ہے۔ چھوڑے ان باتوں کو اور آئیے محفل میں داخل چلیں۔

لیجئے غالب کی توکل و صورت ہی بدل گئی مرزا حاتم علی مر کو اپنے طے کی عہدگی کی تفصیل بتا رہے ہیں، بھائی "جب داڑھی میں سفید بال آئے" تیرے دانا چوٹی کے اٹھنے کاہل پر نظر آئے گئے۔ اس سے بچ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے، تاہم کسی بھی چھوڑ دی اور داڑھی بھی، ٹکڑاؤ رکھنے اس بوڑھے شہر میں ایک عام دودی ہے۔ "ما، حافظ، بھائی، یچو، بند، دھولی، سقا، بھلیاوا، ہولابہ، بھڑا، منہ پر داڑھی، سر پر بال۔ فقیر نے جس دن داڑھی رکھی، اسی دن سر منڈایا۔"

میر صدی بھوج شکایت کر رہے ہیں کہ ان کے شہر میں میر صدی نام کے ایک اور صاحب ہیں۔ غالب مذاق میں جواب دیتے ہیں لیکن اس جواب میں بھی ان کی غصیت کی انفرادیت موجو ہے، "فراہتے ہیں، صاحب! تصور تھمارا ہے، کیوں ایسے شہر میں رہتے ہو جہاں دو سرا میر صدی بھی ہو، تجھ کو دیکھو میں کب سے دلی میں رہتا ہوں، نہ کوئی اپنا نام ہونے دیا، نہ کوئی اپنا نام مرچنے دیا نہ ہم شخص بھی پہچانے۔"

اوسے وہ دیکھئے، اس کوئے میں غلی شید زائن آرام یکھ شرمندہ سے بیٹھے ہیں۔ غالب انہیں لافوں کا ایک پکٹ

دے کر فرماتے ہیں "میں اپنے مزاج سے ناچار ہوں۔ یہ لفاظی از مقام و در مقام و تاریخ و زمانہ مجھ کو پہنچ نہیں۔ آگے جو تم نے مجھے بھیجے تھے وہ بھی میں نے دوستوں کو بانٹ دیئے۔ اب یہ لافوں کا لفظ اس مراد سے دیتا ہوں کہ ان کے معنی یہ لفاظی نہ در مقام و از مقام سے خالی ہیں جن میں تم اپنے خط سمجھا کرتے ہو بھیج دو۔"

زندگی بھر غالب کی انا اور سراج میں آدھری رہی ان کے خاندانی وقار کو شاید کسی نے پہنچ نہیں کیا لیکن ان کے فن اور ان کے قاری علم پر محبت ہوتے رہے اور غالب ان کا برابر جواب دیتے رہے۔ اپنی انا کے تحفظ کے لئے تو غالب بڑے سے بڑا غلو مول لے لیتے ہیں۔

دیکھئے آج ہزم میں نواب کلب علی خاں ہیں۔ یہ وہ نواب ہیں جنہوں نے غالب کا سو روپے ہاوار وغیرہ ہاتھ رکھا ہے۔ اس دیکھنے پر غالب اور ان کے اہل و عیال کی زندگی کا دار و مدار ہے۔ نواب صاحب کچھ ناراض ہیں۔ ہوا یہ کہ کچھ قاری الفاظ پر غالب اور نواب صاحب کی بحث ہو گئی۔

نواب صاحب نے اپنے دعوے کے ثبوت میں ہندوستانی لغت نویسوں کو پیش کیا تو غالب نے کہا میں نے بے تکلف مان لیا لیکن نہ ان صاحبوں کے قیاس کے بموجب بلکہ اپنے خدو و خصلت کے حکم کے مطابق۔ گویا دوسرے لفظوں میں غالب نے صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ تم بھی غلط اور وہ لغت نویس بھی غلط۔ اب جو نواب صاحب کی پیشانی پر تل دیکھے تو غالب گھبرا گئے۔ دیکھئے نواب صاحب سے کس انداز میں صلح مقنا کی کر رہے ہیں۔ اگر حضور کے ارشادات کو بحث تعبیر کیا ہو تو مجھے جناب الہی اور حضرت رسالت پناہ کی قسم! اگرچہ فاسق و فاجر ہوں مگر وحدانیت خدا اور نبوت خاتم الانبیاء کا یہ دل مستقر اور بہ زبان معترف ہوں۔ خدا اور رسول کی بھائی قسم نہ کہو تو انکار بحث سے مراد یہ تھی کہ شعراء ہند کے کلام میں جو غلطیاں نظر آتی ہیں یا ہندی فرہنگ لکھنے والوں کے بیان میں جو نادوستی اور باہم جو ان کی عقل میں اختلاف ہیں ان میں کلام نہیں کر کہ اپنی تحقیق کو سامنے نہ لائیں۔ ان دونوں باتوں کو میں نے مانا لیکن نہ فرہنگ لکھنے والوں کی رائے کے بموجب بلکہ اپنے خدو و خصلت کے حکم کے مطابق۔ گویا صلح مقنا میں بھی غالب کی انا چوب سنگ کی طرح ٹوٹنے کو تو تیار ہے لیکن جھکے کو نہیں اب بھی وہی کہہ رہے ہیں کہ تم بھی غلط اور ہندوستانی فرہنگ نویس بھی غلط۔

غالب دلی کے رئیسوں میں "پایہ عالی" رکھتے ہیں لیکن ابتدائی جوانی میں فقر و فاقہ میں ایسے ڈوبے کہ دوسرے میں ملی ساری جائیداد بچ کر کھا گئے۔ برطانوی حکومت سے ساڑھے سات سو روپے ہاوار پیش ملتی لیکن غالب کے شاہی شوق کے سامنے اس رقم کی حقیقت کیا۔ فرض یہ کہ غالب زندگی بھر مالی مشکلات میں گرفتار رہے۔ ان کا خیال تھا کہ پیش کے معاملے میں ان کے ساتھ حق تلفی ہوئی ہے۔ کئی سال تک برطانوی حکومت سے غلط و کتابت رہی۔ غور نگاہتے جا کر افسران اعلیٰ کے سامنے اپنا معاملہ رکھا لیکن فیصلہ ان کے خلاف ہوا۔ بالی پریشانیوں کی وجہ سے انہیں ذہنی اضمحلال پڑا۔ قرض خزاہوں کے خوف سے گھر میں چھپے بیٹھے رہے۔ میکسٹرس نامی ایک شراب فروش کے ہاں سو روپے کے مقروض تھے اس نے عدالت میں پالش کی۔ ایک دفعہ شام کو غالب اپنے ایک دوست یوسف خاں سے ملنے گئے راستے میں عدالت کا ایک چڑیاں فل گیا اس نے غالب کو گرفتار کر کے باغ کے گھر میں قید کر دیا۔ نواب امین

الدین احمد خاں چار سو دے کر چھڑا کلائے۔

۱۸۳۱ء اور ۱۸۳۷ء میں جوئے کے الزام میں گرفتار ہوئے۔ پہلی دفعہ تو جرمانہ دے کر چھوٹ گئے لیکن دوسری بار چھ مہینے کی سزا ہوئی، جس میں تین مہینے غالب کو قید میں گزارنے پر تھے۔ ان کے کام اور خطوط میں ان واقعات کا نمایاں اثر دکھائی دیتا رہا۔

غالب جن سے مخاطب ہیں وہ صاحب؟ وہ نواب ملا الدین احمد خاں ملانی ہیں۔ غالب ان سے بہت محبت کرتے ہیں لیکن نواب ملا الدین احمد خاں کی جو شامت آئی تو غالب سے پوچھ لیا کہ اگر آپ کو خط لکھوں تو کس پتے سے۔ یہ سن کر تو غالب چراغ پا ہو گئے۔ فرما رہے ہیں: "سنو صاحب، حسن پرستوں کا ایک قاعدہ ہے وہ امر کو دو چار برس گننا کر دیکھتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ جوان ہے، لیکن پتہ سمجھتے ہیں۔ یہ حال قصاری قوم کا ہے۔ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایک شخص ہے کہ اس کی عزت اور نام آوری جسور کے نزدیک ثابت اور محقق ہے اور تم بھی جانتے ہو، مگر جب تک اس سے قطع نظر نہ کہ اور اس سحرے کو گنہم و ذلیل نہ سمجھ لو، تم کو یقین نہ آئے گا۔ پچاس برس سے دلی میں رہتا ہوں، ہزار ہا خط اطراف و احوال سے آتے ہیں، بہت لوگ ایسے ہیں کہ محض سابق کا نام لکھ دیتے ہیں۔ حکام کے خطوط فارسی و انگریزی یہاں تک کہ دلالت کے آئے ہوئے، صرف شعر کا نام اور میرا نام۔ یہ سب مراتب تم جانتے ہو اور ان خطوط کو تم دیکھ چکے ہو اور پھر پوچھتے ہو کہ اپنا مسکن تھا۔ اگر میں قصارے نزدیک امیر نہیں، نہ سنی، الٰہی حریف میں سے بھی نہیں ہوں کہ جب تک محض اور تھانہ نہ لکھا جائے، ہر کا وہ میرا پتہ نہ پاسے۔"

غالب کا موڈ ذرا خراب ہے۔ آج انھیں اپنی بے قدری، مالی پریشانیوں اور ساری دلوں کا خیال آگیا ہے، فرما رہے ہیں: "خوف ہوں، پہچ ہوں، غمی ہوں، فاق ہوں، رویا ہوں، یہ شعر میری حقیر کامیابی حسب حال ہے: مشہور ہیں عالم میں اگر ہوں بھی کہیں ہم
القصہ نہ درپے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

فرمان علی بیگ سالک نے یہ باتیں سن کر قہقہے دینے کے انداز میں کچھ ایسی باتیں کہیں جن سے غالب کی اظہار شوق ہو سکے، مگر آج تو غالب حقیقت بیانی کے موڈ میں ہیں، کہتے ہیں: "میاں اپنا آپ تماشائی بن گیا ہوں، مدح و ذلت سے خوش ہوتا ہوں۔ میں نے اپنے کو اپنا غیر تصور کیا ہے۔ جو دکھ مجھے پہنچتا ہے، لکھتا ہوں، غالب کے ایک اور ہوتی 'کی' بہت اتنا تھا کہ میں بڑا شاعر اور قاری دل ہوں، آج دور دور تک میرا نواب نہیں۔ لے اب قرض وادوں کو جواب دے۔ سچ تو یہ ہے کہ غالب کیا مرا، بڑا کھد مرا بڑا کافر مرا۔ ہم نے ازراہ تقسیم، جیسا بلو شاہوں کو بعد ان کے جنت آرام گاؤں و عرش نشین خطاب دیتے ہیں، چہ نکہ یہ اپنے کو شاہ قہم رو سخن جانتا تھا، مقرر اور ہادیہ زاد یہ خطاب تجویز کر رکھا ہے۔ آئیے نجم الدولہ ہلوار، ایک قرضدار کا کہ جان میں ہاتھ، ایک قرض دار بھوگ بنا رہا ہے، میں ان سے پوچھ رہا ہوں، ابی حضرت نواب صاحب۔ نواب صاحب کہیے، اوطان صاحب آپ سلوٹی اور افراسیابی ہیں، یہ کیا ہے حریفی ہو رہی ہے، کچھ تو اس کو یو یو، بولے کیا، بے حیا، بے غیرت، کوٹنی سے شراب، گندمی سے گلاب، ہڈاں سے کپڑا،" یہ فودش سے آم، صرف سے دام قرض لئے جاتا تھا۔ یہ بھی سوچا ہوتا کہاں سے دلوں کا۔"

دیکھا آپ نے 'غالب نے اپنی مجموعہ اور نظم خوردہ اناسیت کا اجماع کیسے درد انگیز انداز میں کیا ہے۔ غالب نے سلامی زندگی کی ناکامیوں اور قانون سے قضاوت کر لی ہے' لیکن نظم اور فن ان دونوں میدانوں میں وہ کسی مفاہمت کے لئے تیار نہیں۔ کسی بھی حالت میں ان کے اس احساس میں کمی نہیں آئی کہ وہ بہت سے شاعر اور فارسی دان ہیں اور درد درد تک ان کا جواب نہیں۔ ایک اور دلچسپ بات تھی۔ غالب نے فارسی شاعروں اور فارسی دانوں کو تو برا بھلا کہا لیکن کبھی کسی اردو دان اور اردو شاعر کو کچھ نہیں کہا اس لئے کہ وہ اردو دانوں کو اس قاتل ہی نہیں سمجھتے کہ ان کو برا بھلا بھی کہا جائے۔ غالب کی ناکامیوں 'یادیں' اور 'نامیہ'وں کا سلسلہ عین جوانی میں شروع ہوا تھا اور زندگی کے آخری سانس تک جاری رہا۔ گویا جملہ زندگی میں انہوں نے اکثر گھسٹ کھائی لیکن ان کے دل و دماغ نے کبھی ہار نہیں لی۔ ان کا دل ہاتھوں زندگی بھر باسلاہ حالات کا مقابلہ کرتا رہا۔ غالب کی زندگی کو دیکھئے یا ان کی باتیں سنئے تو سازگار حالات میں زندہ رہنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔

غالب کا ایک شعر ہے:

کو ہاتھ کو جھینٹ نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

یا غالب کا وہ شعر:

ناب لائے ی ہے کی غالب
دافتہ سخت ہے اور جان عزیز

یہ دونوں شعر غالب کی زندگی اور زندگی کی طرف ان کے رویے کی شکل تصویر ہیں۔

دیکھئے حاضرین میں سے کسی سے کہہ رہے ہیں "چھیانہ برس کی عمر میں اس طرح کی شرمساریاں اور دوسیاہیاں بہت اٹھائیں۔ جہاں ہزار داغ ہیں" ایک ہزار ایک کہی۔"

غالب سلامی زندگی میں طواہوں کی دنیا میں رہنے والے نہیں بلکہ ایک۔ عملی انسان ہیں۔ مجموعہ نے جشن کے بارے میں تشویش کا اجماع کیا ہے۔ دیکھئے غالب کیا جواب دیتے ہیں "تمہیں برس بہت قدم اختیار کیا۔ اب انہماک کار میں اضطراب کی کیا وجہ" چپکے ہو رہو اور مجھ کو کسی عالم میں اٹھیں اور خطر گمان نہ کہو۔ ہر وقت میں جیسا مناسب ہوتا ہے "دنیا محل میں آتا ہے۔"

دیکھئے غالب نے اپنی تھک و سستی اور مالی دشواریوں سے مفاہمت کے زندہ رہنے کا حلیہ کیا ہے۔ کچھ کتابیں اور کچھ شراب کی بوتلیں 'خوش رہنے کی لئے یہی سامان کافی ہے۔ آج غالب بہت خوش ہیں۔ مجموعہ کے خیر و خالیات پر پچھنے پر مسکرا کر جواب دیتے ہیں: "مولانا غالب ان دنوں بے حد خوش ہیں" ۴۵ ج ۱ کی کتاب داستان امیر حمزہ کی اور اسی قدر غم کی ایک جلد یوحنا خیال آگئی ہے۔ مترو بوتلیں بادۂ ناب کی خوش حالت میں موجود ہیں۔ دن بھر کتاب دیکھا کہتے ہیں "دلت بھر شراب پیا کہتے ہیں۔"

غالب ایک اچھے دوست ہیں لیکن اچھے دشمن نہیں۔ ان کی اتنا ایسے قانون کو برداشت نہیں کر سکتی جو ان کے

فن اور فارسی دانی پر اگست لٹائی کریں۔ ایسے موقعوں پر تو وہ قطب اور شائعگی کا دامن بھی ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں۔ غالب کے سب سے بڑے دشمن قہیل ہیں۔ غالب ان کا نام بھی سننے کو تیار نہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ مخالفت اور دشمنی میں قہیل بے چارے کا کوئی ہاتھ نہیں۔ وہ تو اسلام میں اس عالم رنگ و بو سے رخصت بھی ہو چکے تھے۔ غالب قہیل سے مخالفت کی ابتداء نکلتے کے اس اپنی سرکے میں ہوئی جس میں کچھ لوگوں نے غالب کے بعض اشعار پر اعتراضات کئے اور منہ میں قہیل کو پیش کیا۔ اس سرکے میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جو قہیل کے حامی تھے۔ غالب نے بعض وجوہ سے صلح منافی تو کر لی، لیکن اس سرکے کا اثر زندگی بھر ان کے دل و دماغ پر رہا۔ وہ قہیل کو اور بعد ازاں کے فارسی گو شعراء فارسی عالموں اور اعلیٰ فہم لوگوں کو چالیاں دیتے رہے۔ اس سرکے کا نقطہ عروج غالب کی قاطع بہان اور اس پر اپنی سرکے قہان جن لوگوں نے غالب کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ غالب زبردست نیکو انسان ہیں وہ مذہب اور عقیدے سے زیادہ انسانیت اور انسانی دوستی کو اہمیت دیتے ہیں۔ آپ کو یاد ہو گا کچھ دیر پہلے غالب مرزا ہر کہاں گفت سے کہہ رہے تھے: "بندہ پورو" میں تو بنی آدم کو مسلمان ہو یا ہندو یا نصرانی عزت رکھتا ہوں اور اپنا بھائی گنتا ہوں۔" لیکن محفل میں قہیل کا ذکر آتے ہی غالب کا سیکور ازم ہی باقی رہا اور نہ انسان دوستی۔ وہ قہیل پر جاز اور ناجائز مئے کر رہے ہیں سب جانتے ہیں کہ قہیل ہندو تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے تھے اس واقعے کا اپنی مباحثے سے کیا تعلق لیکن اس معاملے میں غالب کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے۔ کسی سے قطب ہو کر فرما رہے ہیں اس طرح کی نثریں تو لالہ دولابی شکھ قہیل موتی نے بہ عقید اہل امر ان لکھی ہیں۔ دیکھا آپ نے قہیل کو لالہ دولابی شکھ اور موتی کہہ کر کیا رنگ حملہ کیا ہے۔ سنئے! قہیل کے بارے میں کچھ اور گل افشانی ہو رہی ہے فرما رہے ہیں: "اصل فارسی کو اس سٹوری بچے قہیل علیہ ما علیہ نے چلا کیا۔" یعنی یہ فارسی لالہ قہیل کی ہے۔

آج تو بس قہیل ہی کی شامت ہے۔ غالب کو نکلتے کا اپنی سرکے یاد آگیا۔ فرما رہے ہیں: "خلیفہ شاہ محمد مامور رام و نصیرت و قہیل۔۔۔ رلو سخن کے غول ہیں۔ آدی کے گمراہ کہنے والے یہ فارسی کو کیا جانیں۔" اور "یہ الو کا چننا قہیل صلوٰۃ کدہ و شفقت کدہ و شتر کدہ اور ہر عالم اور ہر جا کو لٹلا کتا ہے۔" میاں "تھار شریعت اور خیانت اللغات کو جنس کاتہ سمجھتا ہوں۔"

محفل بھی ہوا دست احباب اور شاکردوں کا مجمع ہو تو غالب محفل میں کسی خلف کو روا نہیں دیکھتے۔ بعض باتوں میں بچوں کی طرح ناراض ہو کر جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتے ہیں۔ آج کی محفل میں شریعت ہی میں موذی غراب ہو گیا تھا اس لئے سب کی شامت آ رہی ہے۔ دیوان کی اشاعت کا ذکر آگیا کسی نے عظیم الدین کا ذکر کر دیا میں آگیا نکلا۔ فرما رہے ہیں عظیم الدین جس نے مجھ سے دیوان منگا بھیجا آدی نہیں ہے، بھوت ہے، چلید ہے، قول ہے، قصہ مختصر خلت باسقول ہے۔

کسی کے خط کا ذکر آگیا تو ارشاد ہو رہا ہے "اس کی ماں مرے" اگر میرے خط کا جواب لکھا ہو۔" اہل محفل میں سے کسی نے کچھ کہا تو فرماتے ہیں "اگر وہ بامو" ہے درد بھوتا ہے تو اس پر ہزار لعنت اور اگر میں بھوتا ہوں تو مجھ پر

سو ہزار لعنت۔" ملائی نے قاضی نور الدین حسین خاکی کے ایک خط کا ذکر کیا تو فرما رہے ہیں قاضی مسکوا تو ہے۔ میر صدی مجموع نے جیٹن کا ذکر کرتے ہوئے کچھ کما تو کمر رہے ہیں۔ ترجم یہ ہے تو تھاقول کیا ہو گا میں خود موجود ہوں اور حکام صدر کا مددگار۔"

مرزا 'باب الدین احمد خان قزلباغ' لا رہے ہیں۔ سلام دعا کے بعد غالب سے قریب ہی بیٹھ گئے۔ کچھ دن ہوئے مرزا شباب الدین نے کچھ اشعار کہہ کر پوچھا تھا کہ وہ غالب کے ہیں یا نہیں۔ ان پر برس ہی تو پڑے۔ "یہ اشعار جو تم نے بھیجے ہیں خدا جانے کس ولد الزنا نے داخل کر دیئے ہیں۔ دیوان تو چھاپے کا ہے۔ متن میں اگر یہ شعر ہوں تو میرے ہیں اور اگر حاشیے پر ہوں تو میرے نہیں ہیں۔ بالفرض اگر یہ شعر متن میں پائے بھی جاویں تو سمجھا کہ کسی ملعون زن جالب نے اصل کلام کو چھیل کر یہ خرافات لکھ دیئے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جس ملحد کے یہ شعر ہیں اس کے باپ اور دادا پر لعنت" وہ ہنسا و پشت تک ولد الزمام۔"

آج کئی دن بعد میر صدی مجموع قزلباغ لائے ہیں۔ غالب ان سے بہت ناراض ہیں۔ بات یہ ہے کہ غالب چاہتے ہیں کہ جب کوئی خط لکھے تو اس میں کام کی باتیں ہوں 'انشاء پرداز' اور فضول باتوں میں وقت ضائع نہ کیا جائے۔ کچھ ہی دن کی بات ہے کہ میر صدی نے غالب کو خط لکھا تو دنیا بھر کی اس میں باتیں 'کام کی کوئی بات نہیں۔ غالب نے انہیں غصے میں لکھا تھا:

"واہ حضرت! کیا خط لکھا ہے" اس خرافات کے لکھنے کا قائد بات اتنی ہے کہ میرا چنگ مجھ کو ملا، میرا بھوٹا مجھ کو ملا، میرا جام مجھ کو ملا، میرا بیت الخلاء مجھ کو ملا، رات کو وہ شور کوئی آئندہ کوئی آئندہ فرد ہو گیا۔ میری جان بچی، میرے آدمیوں کی جان بچی۔

انکوں شب من شب است و روزم روز است۔"

اس واقعہ یہ ہوا کہ غالب نے صدی کو مختصر خط لکھا اور ساری کام کی باتیں لکھ دیں۔ صدی نے خط میں اس انتقاد کی شکایت کی "اس سے پہلے کہ غالب خط کا جواب دیتے وہ آج خود ہی آگئے، کبھی دعا اور کہاں کا سلام۔ غالب تو انہیں دیکھنے ہی پٹ پڑے۔" "ہاں صاحب! تم کیا چاہتے ہو۔ مجتہد العصر کے مسودے کو اصلاح دے کر بھیج دیا اب اور کیا لکھوں؟ تم میرے ہم عرض ہیں جو سلام لکھوں، میں فقیر نہیں جو دعا لکھوں۔ تمہارا دماغ جل گیا ہے۔ لفظ کے کر کے اکو، مسودے کو بار بار دیکھا کرو۔ پاؤں کے کیا؟ یعنی تم کو وہ عجیب شعلی روشنی پسند ہیں جس میں خط اس طرح لکھتے تھے: "یہاں خبریت ہے" وہاں کی حافیت مطلوب ہے۔ خط تمہارا بہت دن کے بعد پہنچا، مٹی خوش ہوا۔" دلیو و دیو

ابھی غالب مجموع سے مخاطب ہی تھے کہ ان کی نظر مرزا قاسم علی صریح پڑ گئی اور انہیں سمر کا ایک خط یاد آگیا۔ اس میں بھی اسی طرح کی خرافات تھیں۔ مجموع کو چھوڑ کر صریح برس پرے: "بھائی اگر تم صاحب جانو تو ایک بات میری باتو، رفاقت عالم گیری یا انشائے خلیفہ اپنے سامنے رکھ لیا کرو، جو مہارت اس میں سے پسند آیا کرے" اپنے خط میں لکھ دیا کہ خط مفت میں تمام ہو جایا کرے گا اور تمہارے خط کے آنے کا نام ہو جایا کرے گا۔"

غالب کو مؤبدلے میں کمال جاہل ہے، ابھی غصے میں لال ہو رہے ہیں اور دوسرے ہی لئے ہونٹوں پر

مسکراہٹ کھیل رہی ہے۔ مرزا حاتم علی صر قہ غالب کے طے سے خاصے تھرا گئے تھے لیکن غالب کا لہجہ اچانک بدل گیا۔ بڑے مشفقانہ انداز میں صر کو سمجھانے لگے۔ مرزا صاحب میں نے وہ انداز تحریر اپنایا کیا ہے کہ سرائے کو نکالنا بدوا ہے۔ ہزار کوس سے بہ زبان قلم باتیں کیا کرو۔ ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو۔ پھر غالب بھروسہ کو سمجھا رہے ہیں "ہم جانتے ہیں تم زندہ ہو۔ تم جانتے ہو کہ ہم زندہ ہیں" امر ضروری کو نگھ لیا۔ نذاکد کو اور وقت پر موقوف رکھا۔"

"وا شاس جانتے ہیں کہ میرا طرز نگارش یہ ہے کہ جب کاغذ و قلم ہاتھ میں لیتا ہوں تو منٹے کے شروع میں مکتوب الیہ کو اس لفظ سے نکارتا ہوں جس کا وہ اہل ہوتا ہے اور پھر مطلب کی بات پر آجاتا ہوں۔ القاب و تلواب اپنی خیریت تانا اور دوسروں کی خیریت پر پھٹا ہے کار باتیں ہیں۔ پلٹ کار لوگ بے کار اور دانہ باتوں کو اہمیت نہیں دیتے۔ واقعی متعدد کو معلوم ہے کہ اس باب میں کیا ساحری کی جاسکتی ہے اور اس شیعہ (تحریر) میں کہاں تک خلی مستری کی گنجائش ہے؟"

چونکہ خطوط کا ذکر چل رہا ہے اس لئے مفتی شیخ زراخی آرام نے کہا: "حضرت دہنوی کی خرید کے سلسلے میں بنری اسٹورٹ ریڈ کو ایک خط لکھ دیجئے۔ غالب فرما رہے ہیں: "ابھی میں خط نہیں لکھ سکتا" ان کی فرمائش ہے اردو نثر کی وہ انجام پائے تو اس کے ساتھ ان کو خط لکھوں۔ مگر بھائی تم غور کرو اردو میں میں اپنے قلم کا زور کیا صرف کروں گا" اور اس عبارت میں معافی ناک کہیں کر بھروں گا۔"

شیخ زراخی نے جواب میں نہ جانے کیا کہا کہ غالب کے لیے میں قصوری ہی تجنی آگئی۔ فرما رہے ہیں: "جواب ریڈ صاحب صابھی کرتے ہیں۔ میں اردو میں اپنا کمال کیا ظاہر کر سکتا ہوں" اس میں مضجائن عبارت آرائی کی کہاں ہے۔ بہت ہو گا تو یہ ہو گا کہ میرا اردو بہ بہت اردوں کے اردو کے فصیح ہو گا۔"

مفتی شیخ زراخی آرام نے پھر اصرار کیا تو غالب بگڑ گئے: "میں اردو اور کیا لکھوں۔ میرا یہ منصب ہے کہ مجھ پر اردو کی فرمائش ہو۔"

زرا اوھر آئیے! ہم بھی غالب کی نکال نگاری کے بارے میں کچھ عرض کریں۔ جی نہیں "زرا دور آ جائیے۔ اگر غالب یا ان کے معتقدوں نے ہماری محنگو بن لی تو قیامت ہوا ہو جائے گی۔ تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ غالب یہ تو نمیک کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے سرائے کو نکالنا بدوا ہے۔ مجھے اس سے بھی انکار نہیں کہ اردو مکتوب نگاری میں بے تکلفی کی لغت غالب نے ہی پیدا کی ہے بلکہ میں تو یہ کوں کا کہ اگر مکتوب نگاری کو تحقیقی فن میں شامل کریں تو پہلی بار اردو کی تحقیقی نثر لکھنے کا شرف غالب کو حاصل ہے۔ لیکن جب غالب کے خطوط اور خاص طور سے نکال نگاری کی تعریف شروع ہوئی تو غالب نے کچھ خطوط میں واقعی نکالے لکھ کر خط کو زرا بنا دیا۔ یہ زرا کچھ زیادہ ہی ہو گیا۔ سوچتے زرا سے اور مکتوب نگاری کے فن میں کچھ تو فرق ہے۔ ہر حال یہ خدا کا شکر ہے کہ غالب کے ایسے خطوط زیادہ نہیں ہیں۔ دراصل جب سے غالب کو اپنے خطوط کے پچھنے کا احساس ہوا تھا ان کے خطوط کی زبان کی نوک پلک زیادہ درست اور بے تکلفی کم ہوتی گئی۔ بلکہ کہیں کہیں تو بے تکلفی میں بھی تصنع کا شائبہ آگیا۔

غالب کے خطوط کے بارے میں ایک بات اور سن لیجئے۔ آرائش مختار کے لئے جس یک سوئی 'خوش و دل' نے وہی و جملتی طاقت و صلابت کی ضرورت ہوتی ہے 'غالب مصداق سے بہت پہلے اس سے محروم ہو چکے تھے۔ اسی لئے تو شاعری اور خاص طور سے فارسی شاعری اور نثر سے دامن بچانے لگے تھے۔ لیکن دل چاہا کہ وہ اس کے ساتھ ساتھ غالب کے تجزیوں اور مشاہدوں میں وسعت، فکر میں زیادہ پختگی، احساس میں زیادہ گیرائی و گہرائی پیدا ہو رہی ہے۔ غالب کے قوا متحمل ہو رہے ہیں، لیکن حقیقی قوتوں میں زیادہ توانائی آ رہی ہے۔ غالب نے اپنی شخصیت کے اعتبار کے لئے اردو خطوط کا میدان منتخب کیا ہے۔ خطوط کے بیس میں ایک نیا غالب نظر آتا ہے۔ وہ غالب جو انسانی نفسیات کا ماہر ہے، جو کردار نگاری میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ مکالمہ نگاری کے فن پر فاضلہ قدرت حاصل ہے جو غالباً 'اردو کا پہلا اور بہترین فنکار' ہے۔ غالب کی مہر نگاری کی وہ صلاحیتیں جو دلائف و تالیف کی بند فضا میں نگلی دلائل کی شکست کھاتی تھیں، نثر کے کشادہ میدان میں اپنے جوہر دکھا رہی ہیں۔ فنکار کو بلند پروازی کے لئے زیادہ وسیع میدان مل گیا ہے۔

اگر مصداق میں غالب جوں ہوتے اور اس وقت تک اردو میں ٹالون نگاری کا چلن ہو چکا ہو تا تو غالب اردو کے پہلے اور کامیاب ترین ٹالون نگار ہوتے۔ محمد حسین آزاد نے غالب کی اردو نثر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھ دیا تھا کہ غالب کی باتیں بھی خاص فارسی کی خوش فہم تراشوں اور عمدہ ترکیبوں سے مرصع ہوتی تھیں۔ بعض فقرے کم استعداد ہندوستانیوں کے کانوں کو بے معلوم ہوں تو وہ چائیں، یہ علم کی کمزوری کا سبب ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں جو طبع ہے۔ لیکن آزاد نے جو کچھ کہا ہے وہ ہے تو درست۔ ادب میں ٹالون اور محققوں کی ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی ہے جو غالب شناس کہلاتی ہے۔ یہ جماعت تو آزاد پر لکھ لے کر دوڑ گئی مگر آزاد نے جو کچھ کہا تھا وہ لفظ نہیں۔ غالب عام طور سے اپنے خطوط میں فارسی محاوروں کا ایسا ترجمہ کر دیتے ہیں جو اردو میں مستعمل نہیں ہیں۔ مثلاً "اس قدر طرز چاہتے ہو۔ یہ طرز خواستہ کا ترجمہ ہے۔" "نظر اس دستور پر" "نظر بریں ضابطہ" کا ترجمہ ہے۔ "یاد دانا" "یاد آوردن" کا۔۔۔۔۔ "گھر رکھنا" "گھر داشتن" کا۔ "بے وفائی بھی سرزد نہیں ہوتی" یہ "بے وفائی سرزد شدن" کا ترجمہ ہے۔ دستور قدیم کو برہم مارے۔ "برہم مارے" "برہم لوان" کا ترجمہ ہے۔ یہ رجب میری "روزش کے فوق" ہے۔ "فوق از ارزش" کا ترجمہ ہے۔ جب تک مجھ سے طلب رخصت نہ کریں۔ وغیرہ وغیرہ

یہی نہیں بعض اوقات تو غالب ایسے فقرے لکھ دیتے ہیں کہ اگر ایک دو لفظ بدل دو تو پورا فقرہ فارسی کا ہو جاتے۔ مثلاً "دیکھئے: "جس کے بی میں آئے وہ حصدی فقرہ قوائد افشا ہو گیا۔" یا "یہ سبب استعمال اردو بہ حارہ کہ اس مرض میں اس سے گریز نہیں۔" یا "حضور نے بوجہ ناسازی آب و ہوائے فکرتہ شمول کو فصل سے انکار کیا۔" یہ عبارت تو دیکھئے: "سر آواز فصل ایسے شرابے پیش دس کا پانچواں نوید ہزار گوند سمجست اور شادمانی ہے" یہ شرب و الخمر اثر ہے" اور یہ فقرہ ملاحظہ کیجئے "آواز دمی دلیل موت دہائی ہے۔"

زبان کی یہ خامیاں بجا اور محمد حسین آزاد کے اعتراضات درست۔ مگر بھی غالب کے خطوط ہمارے ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔

کچ کچتے مرے بعد ہم غالب کے دہان خانے میں آئے ہیں۔ وہی غالب ہیں وہی اصحاب اور وہی شاگرد لیکن محفل کی ہارغ و ہمار فضا کو کیا ہوا؟ وہ کھٹکلی کیا ہوئی۔ ہر چہرے پر گہری اداسی کیوں ہے؟ بات یہ ہے کہ جس کے دم سے محفل میں روشنی تھی وہ صاحبِ فراش ہے۔ اب غالب اٹھ کھٹے ہیں نہ بیٹھ کھٹے ہیں۔ کسی نے کلمہ کر خیریت پوچھی تو رک رک کر جواب دے دیتے ہیں۔ سامع مر گیا تھا اب باصرہ بھی ضعیف ہو گیا۔ جتنی قوتیں انسان میں ہوتی ہیں سب ستمیل ہیں۔ حواس سراسر ختم ہیں۔ حلقہ گویا کبھی قادی نہیں 'نواب عطاء الدین پنگ سے لگے بیٹھے ہیں' غالب بہت دھیمی آواز میں ان سے کہہ رہے ہیں: اب جو چار کم اسی برس کی عمر ہوئی اور جانا کہ میری زندگی برسوں کا بلکہ صدیوں کی نہ رہی شاید بارہ مہینے جس کو ایک برس کہتے ہیں اور جنوں دودھ دو چار مہینے 'پانچ سات پہلے' دس ہیں دن کی بات رہ گئی ہے۔

غالب خاموش لیٹے ہیں۔ کبھی کبھی اپنا ایک مصرع 'اے مرگ ہمارے تھے کیا انتظار ہے' پڑھ لیتے ہیں اور کبھی یہ شعر دہرا دہرا کرتے ہیں:

دم واپس۔ ہر سر رلو ہے

موزوں! اب اللہ ہی اللہ ہے

چراغ کی روشنی مدھم ہوتی جا رہی ہے۔ اہل محفل کے چہروں کی اداسی بڑھ رہی ہے۔ وہ وقت نزدیک تر آتا جا رہا ہے جس کا بہت دن سے خوف تھا۔ روشنی مدھم — اور مدھم۔ بجتے چراغ گل ہو گیا۔ اللہ بس باقی ہوں۔

اللہ و انا الیہ راجعون



غالب اور ان کی ہم عصر صحافت

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید

غالب کو ان کی ہم عصر صحافت نے کس نظر سے دیکھا اور صحافت کے بارے میں غالب کا اپنا طرز عمل کیا تھا؟ اس کے جواب میں تین قسم کے شواہد پیش کئے جاسکتے ہیں 'اول' اخباروں میں غالب سے تعلق رکھنے والے خدمات پر تبصرہ۔ 'دوم' ان کے بارے میں مثبت و قانع نگاری۔ 'سوم' صحافت کو فروغ دینے کے سلسلے میں غالب کی سعی۔ تاجزی مسائل میں دو مسئلے خصوصاً اہمیت رکھتے ہیں 'ایک قمار بازی کے الزام میں ان کی گرفتاری۔ دوسرے "بہان قاطع" کی تکلیف پر معرکہ ان دونوں مسائل پر بحث کو سمجھنے کے لئے یہیں مقرر کا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مولا ابوالکلام آزاد رقم طراز ہیں:

"تھو سے پہلے مرزا کی آمدنی کا وسیلہ صرف سرکاری و عہدہ داروں کے پاس دوپے تھے۔ چونکہ زندگی دیکھنا نہ کرنا چاہتے تھے اس لئے ہمیشہ مقنن و پریشاں حال رہتے تھے۔ اس زمانے میں دہلی کے بہ فکر و دیکھ زانوں اور چاندنی چوک کے بعض جوہری بچوں نے گزروان وقت کے جو مشغلے اختیار کر رکھے تھے۔ ان میں ایک قمار کا بھی مشغلہ تھا۔ سمجھنا عام طور پر کیلا جاتا تھا اور شر کے کئی دواہی خانوں کی مجلسیں اس باب میں شہرت رکھتی تھیں۔ مرزا بھی اس کے شائق تھے۔ رفتہ رفتہ ان کے یہاں چاندنی چوک کے بعض جوہری بچے آنے لگے اور باقاعدہ جوا بازی شروع ہو گئی۔ قمار کا عام قاعدہ ہے کہ صاحب مجلس دواہیوں کا ہانے کہ مستم قمار خانہ کا ایک خاص حصہ ہر بازی میں ہوا کرتا تھا۔ جو بھی جیتے 'نی صدی اتنا صاحب مجلس کا ہو گا۔ مرزا صاحب کے دواہی خانے میں مجلسیں کھتے تھے تو وہ صاحب مجلس ہو گئے اور ایک اچھی خاصی رقم بے منت و مشقت وصول ہونے لگی۔ وہ خود بھی کھیلتے تھے اور چونکہ ایسے کھلاڑی تھے اس لئے اس میں بھی کچھ نہ کچھ ماری لیتے تھے۔ انگریزی قانون اسے جرم قرار دیتا تھا لیکن شرکیہ رسم نصر مانی تھی کہ دیکھ زانوں کے دواہی خانے مستثنیٰ کئے جاتے تھے۔ کیا ان کی وہ نوعیت مان کی گئی تھی جو آج کل کے کلبوں میں ہرج کھیلتے کی ہے۔ مرے تک شر کے کوڑاں اور حکام ایسے لوگ رہے جن سے مرزا غالب کی رسم و رواج تھی" اس لئے ان کے خلاف نہ تو کسی طرح کا شبہ کیا جاتا تھا نہ چاندنی اقدام کا اندیشہ تھا۔ انہیں میں ایک کوڑاں قیل کے شاگرد مرزا خانی بھی تھے جن کی نسبت خواجہ نصیر نے کہا ہے:

نصیر الدین ہے ہمارے دوست دوستوں کا لیتا

نہ ہوتے غلام دہلی اگر یاں میرزا خانی

لیکن غالب ۱۸۷۵ء میں انگریزوں سے تبدیل ہو کر ایک نیا کوڑاں آیا۔ یہ میرزا خانی کی طرح نہ تو شاعر تھا نہ عثر طراز کہ غالب کا قد و خاس ہوتا تھا کوڑاں تھا۔ اس نے آتے ہی سختی کے ساتھ دیکھ بھل شروع کر

دی اور جاسوس لگا دیئے۔ حکام سے قول لے لیا تھا کہ جب تک میرا کوئی جرم ثابت نہ ہو، میرے معاملات میں مداخلت نہ کی جائے ورنہ میں شر کو جرائم سے پاک نہ کر سکوں گا۔ اس زمانے کے بعض دوستوں نے مرزا غالب کو ہاردار لٹرائٹس کی کہ ان مجلسوں کو ملوثی کر دیں، لیکن وہ خبردار نہ ہوئے، اور اس دہم میں رہے کہ میرے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاسکتی۔ بالا فر ایک دن ایسے موقع پر کہ مجلس قار گرم اور مدہوں کی ڈیمیاں جلی ہوئی تھیں، کو قاتل پہنچا اور دروازے پر دھک دی۔ اور لوگ تو بچھوڑے سے نکل بھاگے، صاحب مکان یعنی میرزا دھڑلے گئے۔ ان کی گرفتاری سے پہلے چند چوہری پکڑے گئے تھے مگر وہیں خرچ کر کے بچ گئے تھے۔ مقدمے تک قیمت نہیں بچتی۔ میرزا کے پاس وہیں کہاں تھا؟ ہاں امرا و اصحاب تھے۔ انہوں نے بادشاہ سے سفارش کی مگر کچھ نتیجہ نہیں نکلا تو گھر چلے رہے۔"

(بحوالہ غالب از مرسلہ ۱۸۶۷ء)

مولانا ابوالکلام آزاد کو یہاں ایک غلط فہمی ہوئی کہ یہ واقعہ ۱۸۳۵ء کا ہے۔ حقیقت میں یہ واقعہ ۱۸۳۱ء میں ہوا جس کی روداد "دہلی اردو اخبار" نے ۲۳ اگست ۱۸۳۱ء کے شمارے میں اس طرح پیش کی۔

"سنا گیا ہے کہ ان دنوں گزر قاسم جاں میں مرزا نوشہ کے مکان سے اکثر تائی قار باز پکڑے گئے مثل ہاشم خان دلیو کے، جو سابق بڑی ساتوں میں روداد (۲) تک سپرد ہوئے تھے۔ بڑا قار ہوتا تھا۔ لیکن یہ سب دعب و کثرت رواں یا کسی طرح سے کوئی تھانے دار دست انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ اب تھوڑے دن ہوئے یہ تھانے دار، قوم سے سید اور بہت جری سنا جاتا ہے۔" مقرر ہوا ہے کہ مرزا نوشہ ایک شاعر تائی رہیں زادہ نواب خٹم الدین قاتل و دہم فریزر کے قربات قہیدہ میں سے ہے۔ یقین ہے کہ تھانے دار کے پاس بہت رہنمائی کی سعی و سفارش بھی آئی ہو گی۔ لیکن اس نے دیانت کو عالم فرمایا، سب کو گرفتار کیا۔ عدالت سے جرمانہ علی قدر مراتب ہوا۔ مرزا نوشہ پر سو روپے نہ لوا کریں تو چار مہینہ قید۔ لیکن ان تھانے دار کی خدا خیر کرے، دیانت کو تو کام فرمایا انہوں نے، لیکن اس علاقے میں بہت رش و دھول حاصل اس رہنمائی کے ہیں، کچھ قہیدہ نہیں کہ وقت بے وقت چوٹ پھٹ کریں اور یہ دیانت ان کی دیال جان ہو۔ حکام، اپنے تھانے دار کو چاہئے کہ بہت عزیز دیکھیں ایسا کوئی کامیاب ہوتا ہے۔"

(بحوالہ ہندوستانی اخبار نویسی، از حقیق صدیقی، ص ۲۷۷ء)

اس خبر سے کھینے والے کا تعصب نہایت نمایاں غلط پر ظاہر ہو رہا ہے۔ "نواب خٹم الدین قاتل و دہم فریزر کے قربات قہیدہ" میں بیٹے کا غلط ہے تھا کہ غالب حکام کی نظر میں اور بھی معتب ہوں۔ اور تھانے دار کی اس شہرت سے پشت پناہی سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ کارروائی اسی اخبار کے خفیہ ایما پر ہوئی ہو۔ "دہلی اردو اخبار" کے مدیر مولوی محمد باقر تھے جو مولانا محمد حسین آزاد کے والد تھے۔ فوج سے ان کا گہرا رابطہ تھا اور فوج غالب کے حریف تھے۔ اس لئے انہوں نے غالب کو دھوکا دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور یہ تعصب اگلی فصل تک چلا۔ مولانا محمد حسین آزاد نے جب حیات میں فوج پر بہت توجہ کی اور غالب پر کب

یہ خبر ”دلی اردو اخبار“ سے دوسرے اخبارات میں بھی نقل ہوئی۔ مثلاً ”گلست کے غازی اخبار“ میں ”میر“ نے ۲ ستمبر ۱۸۵۷ء کے شمارے میں اس کی تحلیلیوں پیش کی۔

شاعر نادر دہلی

”اخبار دہلی“ واضح شدہ کہ از مکان میرزا نوشہ ”شاعر نادر دہلی“ کے از مرزا خان قواب جس الدین خان مرحوم“ نے چند مقامات نادر کہ در لیل و نهار بجز قمار دیگر کار نداشتہ“ در حالت مقامت بعضی تھانیداد اسیر گرفتار شدہ و بر تلک حاکم حاضر گردیدہ حاکم نصحت شعار از شاعر یک صد روپیہ و از دیگران سی سی روپیہ جمانہ گرفتہ آزاد فرمود۔“

(حوالہ حقیق صدیقی، صفحہ ۲۵۵)

اس خبر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غالب کو سو روپیہ جمانہ ہوا اور دوسروں کو تین تین روپیہ۔ یہ حقیقت بھی اس امر کی قیاس ہے کہ غالب سے زیادتی ہوئی اور ظاہر ہے اس میں ”دہلی اردو اخبار“ کے مدیر کا ہاتھ تھا۔ جناب حقیق صدیقی ”دہلی اردو اخبار“ کے تصب کے محرکات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ غالب کو دوسرے اخباروں سے بہت دلچسپی تھی لیکن:

”دہلی اردو اخبار سے کسی قسم کی دلچسپی نہیں تھی“ (صفحہ ۲۵۷)۔

”دہلی اردو اخبار جو دہلی سے نکلا تھا نہ تو ان کے پاس آتا تھا اور نہ وہ خود اس کو پڑھنے کی فکر کرتے تھے۔“

(صفحہ ۲۵۷)

یہ بیان محل نظر ہے کیونکہ بقول ”ادوار ساری ۱۸۵۳ء سے ۱۸۵۷ء تک کی جلدوں میں مرزا غالب کا کلام بھی ملتا ہے اور ۸ ستمبر ۱۸۵۷ء تک کی جلدوں میں مرزا غالب کا کلام بھی ملتا ہے اور ۸ ستمبر ۱۸۵۷ء کے شمارے میں اس شمارے کی روداد بھی جس میں غالب نے اپنی وہ مشہور غزل شائع کی جس کا مطلع یہ ہے:

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں لیلیاں ہو گئیں

خانک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پناں ہو گئیں

ان شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ ”دہلی اردو اخبار“ کے بارے میں غالب کا رویہ معاندانہ نہیں تھا اور وہ حتی المقدور اس کی نقلی سرپرستی بھی کرتے رہے۔ اس کے باوجود اگر ”دہلی اردو اخبار“ کا رویہ معاندانہ تھا تو اس کی ایک وجہ تو ہی غالب اور نوری کی رقابت تھی اور دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ غالب ”سید الاخبار“ (دہلی) سے زیادہ تعلق رکھتے تھے جو ”دہلی اردو اخبار“ کا ہم عصر تھا۔ یہ اخبار سید محمد نے نکالا تھا جو سرسید احمد خاں کے بھائی تھے اور سرسید سے غالب کے دوستانہ تعلقات تھے۔ چنانچہ وہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

”... کہں کہ دربارہ سید الاخبار داو نکارش داون اند“ منت دیگر بر من ندادہ اند۔ نساں لمانہ کہ تعلق مطلع“ سید

الاخبار انکھتہ مطلع کے از دوستان روحانی من است۔“

(تکلیات نثر غالب، صفحہ ۷۷)

۱۔ تاریخ صحافت اردو، جلد اول، صفحات ۳۲-۳۱
پھر غالب کے اردو دواں کا پہلا ایڈیشن اسی مطبع سے شائع ہوا تھا اور "سید الاخبار" میں غالب کی نگارشات بھی چھپتی رہتی تھیں۔

۲۔ ۱۸۸۷ء میں غالب پھر قمار بازی کے جرم میں پکڑے گئے۔ اس سلسلے میں بمبئی کے "حسن الاخبار" سے یہ دو انتہاس (حوالہ بدر تکیب، صفحات ۶۸-۶۹) پیش کئے جاتے ہیں۔

مرزا اسد اللہ خان بہادر کو دشمنوں کی غلط اطلاعات کے باعث قمار بازی کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔ معظم الدولہ بہادر کے ہاں سفارشی چٹھی لکھی گئی کہ ان کو رہا کر دیا جائے کہ یہ معززین شہر میں سے ہیں۔ یہ جو کچھ ہوا ہے، محض حاسدوں کی خستہ پردازی کا نتیجہ ہے۔ عدالت، فوجداری سے نواب صاحب کلاں بہادر نے جواب دیا کہ مقدمہ عدالت کے سپرد ہے۔ ایسی حالت میں قانون سفارش قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔"

(۳۶ جون ۱۸۸۷ء)

"مرزا اسد اللہ خان غالب پر عدالت فوجداری میں جو مقدمہ دائر تھا، اس کا فیصلہ بنا دیا گیا۔ مرزا صاحب کو چھ مہینے کی قید با مشقت اور دو سو روپیہ جرمانے کی سزا ہوئی۔ اگر دو سو روپیہ جرمانہ ادا نہ کریں تو چھ مہینہ قید میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ اور مقررہ جرمانے کے علاوہ اگر پچاس روپیہ زیادہ ادا کئے جائیں تو مشقت معاف ہو سکتی ہے۔ جب اس بات پر فیصلہ کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب عرصے سے طویل رہتے ہیں، سوائے پرہیزی غذا کلیہ چچائی کے اور کوئی چیز نہیں کھاتے، تو کہنا چڑتا ہے کہ اس قدر مصیبت اور مشقت کا برداشت کرنا مرزا صاحب کی طاقت سے باہر ہے، بلکہ پاکت کا اندیشہ ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اگر سشن بیچ بہادر کی عدالت میں انہی کی جائے اور اس مقدمے پر نظر ثانی ہو تو نہ صرف یہ سزا سوقوف ہو جائے بلکہ عدالت فوجداری سے مقدمہ اٹھا لیا جائے۔ یہ بات عدل و انصاف کے باطل خلاف ہے کہ ایسے پاکمل دیکھیں کہ جس کی عزت و شہرت کا دیدہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے، ایسے معمولی سے جرم میں اتنی سخت سزا دی جائے جس سے جان جائے کا قوی اٹھل ہے۔"

(۱۷ جولائی ۱۸۸۷ء)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس گرفتاری اور سزائیابی کے مرحلے پر "دلی اردو اخبار" کا رد عمل کیا تھا؟ بد قسمتی سے "دلی اردو اخبار" کے قارئین پاکستان میں موجود نہیں ہیں اور اس اخبار کے سلسلے میں ہمیں ہندوستانی محققین کے دئے ہوئے انتہاسات پر ٹکے کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ انہوں نے اس بارے میں کوئی انتہاس نہیں دیا اس لئے یہ قیاس کرنا چاہئے کہ "دلی اردو اخبار" اس گرفتاری پر حاشوش رہا۔ نہ حق میں گھسانہ مخالفت میں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ان دنوں "سید الاخبار" کی اشاعت سناٹا نہیں رہ گئی تھی اور وہ آخری دنوں پر قند نیز مرزا غالب کسی قدر باقاعدگی سے

”دلی اردو اخبار“ کو اپنے کام سے نوازتے تھے۔

قانع بہان کا مسئلہ :-

اب ہم ”قانع بہان“ کے مسئلے کی طرف آتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد جو دور آیا اس میں غالب گوشہ نشین ہو گئے۔ ان کے پاس فارسی لغات کی مشہور کتاب ”بہان قانع“ موجود تھی جس کے مولف محمد حسین تبریزی تھے۔ انہوں نے ”بہان قانع“ کا کمری قطر سے مطالعہ کیا اور جو غلطیاں نظر آئیں ان پر اشارات قلم بند کرتے رہے۔ انہی اشارات سے ایک رسالہ مرتب ہو گیا جس کا نام آپ نے ”قانع بہان“ رکھ دیا۔ ۱۸۶۳ء میں یہ رسالہ چھپ گیا تو ”بہان قانع“ کو پسند کرنے والوں نے مخالفت کا ایک طوفان برپا کر دیا اور بقول غالب ”مستندان بہان قانع برہمیاں اور تلواریں پکڑ پکڑ کے اٹھ کھڑے ہوئے۔“ مولانا مر گھستے ہیں۔

”... قانع کے شائع ہونے ہی چاند خیال مقلدوں کے لشکر غالب کے خلاف مٹھیں باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے کوئی یہ سوچنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ غالب نے کیا لکھا ہے یا اصول فارسی کے لحاظ سے اس کی حقیقی حیثیت کیا ہے۔ سب مٹھیں اس وجہ سے جوش میں آ گئے کہ غالب کو صاحب بہان قانع کے خلاف زبان کٹنا ہونے کی جرات کیوں کر ہوئی؟ اس مسئلے میں غریب غالب نے چھوٹے بچانے پر وہ تمام مصیبتیں اور لاپتہیں برداشت کیں جو تقلید و جمود کے راستے سے الگ ہو کر چلنے والوں کو ہر عہد اور ہر دائرے میں پیش آنی رہی ہیں۔“

(غالب، صفحہ ۲۲۷)

”قانع بہان“ کے جواب میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں جن میں چار کے نام یہ ہیں : ”عمرک قانع“ (مولوی سعادت علی)، ”سالمق بہان“ (میرزا رحیم بیگ)، ”قانع القانع“ (مولوی امین الدین بٹالوی)، ”مکتوبہ بہان“ (مولوی آغا احمد علی۔ اور ان کتابوں کے جواب میں یہ کتابچے غالب اور ان کے ہم دروہوں نے لکھے : ”وافاقہ بہان“ (مولوی نجف علی)، ”مطائف نجیبی“، ”سوالات عبد الکریم“ (غالب)، ”مائدۃ غالب“ (غالب)، ”سچ خیز“ (غالب)۔ اس سلسلے کی مکمل کسی حد تک اخباروں نے بھی کی۔ ”اخبار عالم“ (میرٹھ) نے ”سالمق بہان“ پر ان الفاظ میں تبصرا کیا :

”... سالمق بہان۔ اس عرصے میں کئی کتابیں یہ جواب قانع بہان کے ہو تو اب نجم العود احمد اللہ خان بیدار عرف مرزا نوشہ صاحب نے بہان قانع کے رد میں لکھا ہے، تالیف ہو گئی اور ہوتی ہیں، لیکن ایک رسالہ سالمق بہان جو میرزا رحیم بیگ صاحب نے تالیف کیا ہے، چھپ کر ہمارے ہاں آیا۔ پہلے رسالے بھی تین چار خراس مناظرہ میں تالیف ہوئے، حرف بہ حرف دیکھے۔ ان میں فقط حرف اور نقطہ جرائی تھی، حقیقت اور مناظرہ سے بیکہ متوجہ نہیں رکھتی تھیں۔ الحق اس رسالے یعنی سالمق بہان میں مولف نے ماو (اداو؟) حقیقت اور حق مناظرہ لڑا کیا ہے۔ یہ کتاب واسطے خالصین کے ایک جدا رسالہ حقیقت لغت، قواعد اور اصول میں سمجھا چاہئے۔ اور ہمارے اس تھوڑے لکھنے کی صداقت اس کتاب کے لحاظ پر منحصر ہے۔ ہاداصلہ ان تمام غریبوں کے، قیمت اس کتاب کی نہایت مناسب مقرر ہوئی ہے۔ یعنی ساڑھے گیارہ جز کی کتاب ہے اور

قیمت آٹھ آنے جس صاحب کو ضرورت ہو، مطلع داراعظم میں قیمت بھیج کر مقیم اخبار عالم سے طلب فرمائیں۔" ۲ اگست ۱۸۶۵ء (بحوالہ امداد صابری، جلد دوم، صفحہ ۷۰-۷۱)۔

"پندرہ دہلی" بھی مرزا غالب کا مخالف تھا۔ اس نے "مطلع القاطع" کا اشتہار ان الفاظ میں چھاپا:

"ایک کتاب مسمیٰ بہ قاطع القاطع من تصنیف مولوی امین الدین بکواب قاطع برہان مصنفہ مرزا اسد اللہ خان غالب کہ جناب ممدوح نے بہ روایات برہان قاطع تحریر فرما کر اس مودۂ دو صد سالہ کو بہ دشنام دیی یاد فرمایا تھا۔ مولوی صاحب نے جملہ اقوال جناب مرزا صاحب کو تردید کر کے اور شد اور تھاکر اس کے کلمات اساتذہ قدیم سے کچھ پہنچا کر اقوال برہان کو بخوبی تمام پایہ ثبوت پہنچایا۔ چھاپہ خانہ مصطفائی میں واقعہ کوچہ دہلوان میں ہے جگہی ہے اور قیمت اس کتاب کی دو روپے فی جلد ہے۔ جس صاحب کو یہ کتاب خریدنی منظور ہو۔"

۱۔ کچھ رائے مان۔

چھاپہ خانہ ۱۷ گور سے طلب فرمائیں۔" ۶ اکتوبر ۱۸۶۶ء

(بحوالہ امداد صابری، جلد دوم، صفحہ ۲۳۶)

غالب کی حلیت میں سرمایہ "نثر الفوائد" (آرہ، ضلع شاہ آباد) کے مدیر خواجہ سید فخر الدین خاں نے خاص سرکاری دکانی۔ امداد صابری لکھتے ہیں:

"مرزا غالب سے خواجہ خاں رشتہ داری ظاہر کرتے تھے اور اپنا ٹاٹا کما کرتے تھے۔ مرزا غالب کی جنگ کے زمانے میں بھی یہ پیچھے نہیں رہے۔ جب قاطع برہان کا سفر شروع ہوا اور غالب پر چاروں طرف سے لے دے شروع ہوئی تو یہ مو میدان بنے۔" (جلد دوم، صفحہ ۷۷)۔ ہرمال اس سفر کے میں دہلی کے اکمل الاخبار نے غالب کی حلیت میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور حلیت کیوں نہ کر؟ غالب نے بھی تو اس اخبار کی سرپرستی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ ایک تو اس میں مضمون لکھتے تھے دوسرے اسے خریدار فراہم کرتے تھے۔ غالب اس کے ادارہ تحریر کے ارکان کو دلو بھی دلا کرتے تھے۔ چنانچہ اپنے دوست سیف الحق سیاح کے نام خط میں لکھتے ہیں:

"اقبال نقی سیف الحق کو دیا چھپے پانچ اشتہار امداد کی خریداری کے اور تین اشتہار کتاب کی خریداری کے آپ کے پاس پہنچے ہیں۔ چھوٹے صاحب کو ملاحظہ کرا اپنے اور اطراف و جوانب دور و نزدیک بھیجئے۔ جو صاحب کتاب اور اخبار دونوں کے خریدار ہوں وہ دونوں کی خریداری کی اطلاع میرے فخر الدین مقیم اکمل المطابع کے نام لکھیں اور وہ خط میرے پاس بھیج دیں۔ جو صاحب فقط اخبار کے خریدار ہوں وہ اس کی اطلاع کا خط لکھیں۔ غالب۔ ۲۲۔ مارچ ۱۸۶۶ء۔"

(مخطوط غالب، جلد دوم، صفحہ ۱۶۶)

"اکمل الاخبار" کی مسلسل مدد کا ثبوت اس خط سے بھی ملتا ہے۔ یہ بھی مولوی سیف الحق ہی کو لکھا گیا ہے:

”بھائی! تمہارا خط کل پہنچا“ آج جواب لکھتا ہوں۔ پہلے یہ پہنچتا ہوں کہ میری طرف سے جو اعتقاد چھپا ہے، وہ تمہاری نظر سے گزرا ہے یا نہیں؟ نہ گذرا ہو تو اکمل الاخبار بلا شوال کے چاروں ہفتہ کے دو ورقہ دیکھ لو۔ ایک ہفتہ میں نکل آئے گا۔ واقعی اعتراض کے جواب ایک مولوی نے لکھے ہیں اس ہفتے کے اکمل الاخبار میں دیکھ لو۔ جو تم سے کلام کرے، اس انداز سے تم بھی کلام کرو۔
نجات کا طالب غالب۔ ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء

(خطوط غالب، جلد دوم، صفحہ ۱۷۲)

بہاری لال مشتاق ”اکمل الاخبار“ کے حوالے سے قائل رکھتے تھے۔ ان کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:
”میر خوداد بہاری لال! مجھ کو تم سے جو محبت ہے، اس کے دو سبب ہیں، ایک تو یہ کہ تمہارے خال فرغ قال شقی مکنتہ لال میرے بڑے پرانے یار ہیں۔ خوش ہو، شکستہ ہو، بدلتے ہو۔ دوسرے تمہاری سعادت مصدی اور خوبی اور علم اور ہنر حال علم، اردو نظم و نثر میں تمہاری طبع کی روانی اور تمہارے قلم کی گل نشانی مگر چونکہ تم کو مشاہدہ اخبار اطراف اور خود اپنے مطبع کے اخبار کی عبارت کا فضل تحریر عیشہ رہتا ہے، یہ تنقید اور انتقاد پرانوں کے تمہاری عبارت میں بھی اردو کی غلطیاں ہوتی ہیں۔ میں تم کو جاننا اگاہ کرتا رہتا ہوں۔ خدا چاہے تو الماک کی غلطی کا حکم بالکل داخل ہو جائے۔ مگر بہاری لال! اس زوال بارغ دولت یعنی حکیم غلام رضا خاں کے دام محبت کو اپنے طالع کی یاد دہی سمجھو۔ یہ دانش مند ستورہ خوی امیر نامور ہونے والے اور مراتب اعلیٰ کو پہنچنے والا ہے۔ اس کی ترقی کے ضمن میں تمہاری بھی ترقی ہونے والی ہے:

یا دامن صاحب دولتی کبیر

کہ مراد از صاحب دولت خود تیر

میاں! آج تو یہ ہے کہ اکمل الطالع، اصل الطالع بھی ہے۔ حکیم غلام نبی خاں من جملہ خوبان روزگار ہیں گو خوی اور نیکی کردار ہیں۔ میر خرم الدین آواز منش اور سعادت مند فوجوان ہیں، تم گفتار اور منہ و مرتجان ہیں۔ تم چاروں فضل جیکر صدق و صفا اور صبر و لا کے چار عنصر ہو۔ جہاں آفرین تم چاروں صابین کو خوشنود و دل شاد اور اکمل الطالع کو ہادوق اور آید رکھے۔ غالب، ۱۹ جون ۱۹۰۸ء

(خطوط غالب، جلد دوم، صفحہ ۱۷۳)

یار لوگ صرف مخالفت ہی نہیں کرتے تھے، غالب کو دشنام بھرے گم نام خطوط بھی لکھا کرتے تھے اور ظاہر ہے ان سے وہ کبیدہ خاطر ہوتے تھے۔ اس وقت عمر ستر برس سے تجاوز تھی۔ مستقل طور پر بیمار رہتے تھے۔ اس کے باوجود جواب دینے میں تیز تھے۔ چنانچہ موت سے ساڑھے چار مہینے پہلے وہ گرام خطوط کے جواب میں ”اکمل الاخبار“ میں یہ سطور شائع کرائیں:

”مسد اللہ ہے گمنا، جس کا قصص غالب اور خود لال ہند کا مظلوم ہے، مہتممان اخبار بلا ہند سے عموماً“ عرض کرتا ہے کہ یہ فقیر کا استغاثہ از دوسے اکمل الاخبار اپنے صحائف میں درج فرما کر مننون

فرمائیں۔

استغاثہ غالب :

کئی ہفت پہلے ایک خط کھنڈ سے یہ سبیل ذاک انگریزی بہ سیدہ بیگ میرے نام آیا۔ راقم عبد اللہ و نکس و معانی دار کمال کا۔ بہر حال حصول دے کر میں نے خط لیا اور پڑھا تو اس میں لکھا تھا "تو نماز کیوں نہیں پڑھا کرتا؟ خود ار نماز پڑھا کر اور نماز نہ پڑھے گا تو بعد مرنے کے بھوت بن جائے گا۔" کل پنج شنبہ کے دن ایک اور خط بیگ آیا۔ سرنامہ پر یہ عبارت مرقوم: "انشاء اللہ لکھنؤ ڈاؤن شہر دہلی رسیدہ بہ ملاحظہ اقدس جناب مستطاب نواب اسد اللہ غالب مرحلہ باد مرحلہ منظر علی از مارہرو 'خلع اللہ' بیگ 'تاریخ' ۲ رجب ۱۲۸۵ ہجری روانہ شد۔" مضمون بیحد یہی کہ نماز پڑھا کر دو دن بعد مرنے کے بھوت ہو جاؤ گے والسلام علیک۔ نام بخار و قضا مرحلہ منظر علی از مارہرو خلع اللہ بہر کار غرور قیام ہوا۔ اب فقیر مکتوب الیہ کہتا ہے کہ پہلے خط میں میں نے عبد اللہ کو اسم فرضی سمجھ لیا تھا مگر اب دوسرے خط میں اس توضیح سے کاتب کا اسم و مقام کھلا ہوا ہے تو کیونکر شک و شبہ باقی رہے۔ پس اب میں قلم و دھنیں برہان و دلائل پر عمل کر کے چپ ہو رہتا ہوں مگر یہ حافظ کا شعر جواب میں لکھتا ہوں:

من اگر شکم (د) گر بد تو بد خود را باش

ہر کسے آن درود عاقبت کار (اک) کشت

یہ دوسرے شخص صاحب بے نام و مقام ہیں اس اظہار میں دیکھ کر سمجھ لیں گے۔ شاید وہ صاحب بھی کسی اظہار میں مشابہہ فرمائیں۔"

(اکتوبر ۱۸۶۸ء بحوالہ امداد صابری 'جلد دوم' صفحہ ۳۳-۳۴)

"شیخ مبارک جناب معنی القاب نعم الدولہ دیر الملک اسد اللہ خان بابہ نظام جنگ غالب مدظلہ العالی۔ ناظرین والا حسین اور نیز شاگردان ادبوت آئین حضرت ممدوح الصدق کو مرثیہ ہو کہ وہیں دلا حضرت ممدوح کی تصویریں فوٹو گراف کی ترکیب سے ایک شخص نے تیار کرائی ہیں۔ پس جس صاحب کو شیخ مبارک یعنی حضور ہو وہ دو روپے کے ٹکٹ بلیٹ حلیت نامہ پین لال بہاری لال کے نام اکمل الطالع دہلی میں بھیج دیں۔ سیدہ بیگ ان کی خدمت میں مرسل ہو گی۔"

(۲۸ مئی ۱۸۶۸ء بحوالہ بدر شکیب 'صفحہ ۲۸)

غالب کا ذکر گھر کے انگریزی اظہار "دی مصلحات" میں بھی آیا۔ غالب نے "طالع الطالع" کے مولف امین الدین خیالوی کے خلاف ازادہ حیثیت عینی کا دعویٰ کر دکھا تھا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نظام رسول مرتکب ہیں: "اس زمانے میں دہلی سے ایک انگریزی اظہار مصلحات کے نام سے نکلتا تھا جس میں غالب کے اس مقدمے کے حقیقت ایک خط ۴ مارچ ۱۸۶۸ء کو چمپا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولوی خیالوی الدین مدعا علیہ کی طرف سے شہادت کے لئے پیش ہوئے تو کسی نے جھلسٹ کے کان میں کہہ دیا کہ یہ بڑے معزز اور عالم

جس کو اسی لئے وقت انہیں کرسی دی جائے۔ مجسٹریٹ نے قاعدے اور دستور کے خلاف مولوی صاحب کے لئے کرسی کا انتظام کر دیا۔

”مکتوب نگار لکھتا ہے: میں سخت حیران ہوں کہ اسٹنٹ کسٹرنے مولوی ضیاء الدین کو کس بنا پر کرسی دی؟ اس رعایت سے غالب کے ساتھ سخت بے انصافی ہوئی ہے۔ وہ سوسائٹی میں نہایت معزز ہیں۔ لیفٹنٹ گورنر کے دربار میں انہیں مولوی ضیاء الدین سے اونچے درجے پر بٹھایا گیا تھا۔“

(غالب، صفحہ ۴۳۸)

”قاطع یہاں“ کی بحث ختم ہوئی۔ اب غالب کے بارے میں چند حقائق لیکن مثبت خیالوں کے اظہار پیش کرتا ہوں:

”میں دنوں شاہ دین پناہ نے جناب مفتی القاب مرزا اسد اللہ خاں غالب کو بہ قریب حیثیت اپنے حضور طلب کر کے ایک کتاب قورائے کے لکھنے پر جو تیموریہ کے زمانے سے سلطنت حال تک ہو، نامور کیا اور اس کے کاتبوں کے شرح کو بافضل پچاس روپیہ مشاہیرہ مقرر کر کے آئندہ الزام پرورش کا موقع کیا۔ اور نظم العادلہ دھرم الملک اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ خطاب دے کر چھ پارچہ کاٹش بما خلعت اور تین رقم جواہر عطا فرمائے۔ یقین ہے کہ قورائے مذکور ایسی دلچسپ اور حسین عبارت

۱۔ یہ اخبار دہلی سے نہیں، آگرہ سے لکھا تھا۔

میں لکھی جانے گی کہ ہر ایک اس کے لطف عبارت سے فیض یاب ہو گا۔“

(اسد الاخبار، ۱۵ جولائی ۱۸۵۰ء، بحوالہ بدر تکیب صفحہ ۶۹-۷۸)

”دہلی۔ مرزا نوشہ صاحب نے درخواست پرورش بنا بر سبیل ولایت بخنور صاحب کسٹرن پیش کی تھی۔ بدی نظم واپس کر پیش گاہ، مگر معظمہ سلطنت ہائے سے کچھ پرورش نہ ہو گی۔“

(شطہ طود، کاکتور، ۱۰ اکتوبر ۱۸۶۵ء، بحوالہ ادوا ساری، جلد دوم، صفحہ ۳۶)

”طولیہ ہند نواب مرزا اسد اللہ خاں عرف مرزا نوشہ خاں غالب مع الخیر رام پور سے داخل دہلی ہوئے۔“
(خیر خواہ، پنجاب، ۱۸ جنوری ۱۸۶۶ء، بحوالہ ادوا ساری، جلد دوم، صفحہ ۴۹)۔

مرزا غالب دلی، فوٹو، بعض اخبارات پر جمعہ فرماتے رہے اور بعض کے قریب اور بتانے کی کوشش کرتے رہے۔ ان میں ”سید الاخبار“ اور ”اکمل الاخبار“ کا تذکرہ پہلے آپکا ہے، باقی اخبارات کے بارے میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔ ٹکٹ کے اخبار ”جام جمہاں لٹا“ (فارسی) کی دہریہ بانی کے بارے میں مولانا سران الدین احمد کو لکھتے ہیں:

”موسم اسی وارہہ کہ از تاسعدی اخبار جام جمہاں نما طول اند۔ ذوقی دست پاپار ناولند۔ انصاف بالائے عامت کم اتقاقی اللہ کہ صاحب جام جمہاں نم دریں ہفتہ کسے نگار کہ در ہفتہ دیگر خود کذب آن نہ کرد۔ دریک ہفتہ جنگ اہلبی مرکز با دلی لاہور پیش از رسیدن موسم زمستان مسلک تحریر ی کنند و بعد از

دو ہفتہ کی لہجہ کہ اس خبر دروغ ہونہ است و در یک ہفتہ خبری ہد کہ مسجد قلعہ اکبر آباد و در سہ تاج محل
 بدیں بہا فروخت شد ' پتا بہ از دو ہفتہ رقم می کند کہ فرہان دہان کو نسل اسیں بیخ و شری روانہ باشند۔"
 (تکلیات عتر غالب صفحہ ۷۳)

رام پور کے اخبار "دیپہ سکندری" کے خلاف تو غالب اسنے جہاں میں آئے کہ اس کا چرمانہ ترک کر دیا۔ ملاحظہ
 فرمائیے "اس کے مدبر کے نام مکتوب :

"مختلفی اور کمری محمد حسین خاں صاحب کو غالب آذرہ دل کا سلام پہنچے۔ آج بھی آپ کا ایک خط آیا کئی
 اخبار آپ کے پھرے 'کئی خط آپ کے بھیجے اور آپ اخبار کیجے جاتے ہیں۔ الٹی! آپ کا خط خط تھا یا
 کوئی جھوٹ کی پوٹ ' بیشتر مہندیوں کی سی بڑا اور جو کچھ سمجھ میں آیا "وہ لفظ اور دروغ اور جھوٹ۔ یہ لفظ
 محض ہے کہ مطبع حضور کا ہے اور تم متعم ہو حضور کی طرف سے اللہ "اللہ ذکیج سنگھ کی تعریف میں کہیں
 سارا ایک صفحہ "کہیں سارا ایک ورق سیاہ کرتے ہو اور اپنے والی ملک اور اپنے پادشاہ یعنی امیر المسلمین
 نواب کلب علی خان بہادر کے نام کے آگے نام سے پہلے کوئی دو تین لفظ تعظیم کے لکھتے ہو اور ہیں۔ اور
 اس قیامت کو نہیں سمجھتے کہ اگر یہ اخبار حضور کی طرف سے ہے تو گویا ذکیج سنگھ کی تعریف بھی حضور کی
 طرف سے ہو گی۔ ہندوستانی عمل داری میں وہ ایک زمیندار اور مال گزار تھا "اب گورنمنٹ ہند نے اس کو
 ہاکیوار مستقل کر دیا ہے۔ اور نواب محمد علی خاں دیکھیں تو کب کا ہر اخبار میں ایک حرفیہ لکھتے ہو۔ اس سے
 معلوم ہوا کہ تم طرح طرح سے اطراف و ہوا میں کے رئیسوں سے بھیک مانگتے ہو۔ بھائی! ایک در گھرو
 حکم گیر اگر حضور کے ذکر بھی نہیں ہو تم "تو آخر رحمت تو ہو۔ یہ کیا ہے کہ اپنے پادشاہ کا ذکر سب سے
 بچے لکھتے ہو۔ کبھی صفحہ پر "کبھی حاشیہ پر؟ ہم نے ان باتوں سے بزار ہو کر تمہارا اخبار مولف کیا ہے اور
 اب پھر تمہیں لکھتے ہیں کہ دہائی خدا کی باتیں کیم جنوری ۱۸۶۸ء سے دیپہ سکندری کا خریدار نہیں ہوں۔ نہ
 سمجھا کہ "واسلے خدا کے نہ سمجھا کہ۔ اس سے زیادہ کیا لکھوں۔ غالب "۲۵ جنوری ۱۸۶۸ء۔"

(مکتوبات عتر غالب صفحہ ۷۴)

اور اب دیکھئے "مرزا غالب نکلنے کے قادی اخبار "آئینہ سکندر" پر اس کے مدبر مولوی سراج الدین احمد گھنٹوی
 کو کس فاضلہ سے داد دیتے ہیں۔

"صاحب من! دیدہ بہ مشاہدہ آئینہ سکندر فرد علی گڑھ "و صفائی عمار قیل مگر برشت لکھاہ کشید۔ بیان ہائے
 خوش و خبر ہائے مختصر و کثک ہائے دل پسند و رقم ہائے نگر فریب و داد۔ امروزیک شنبہ چارم جہر است۔ نامہ
 نامی بہ لوداق اخبار بہ من رسیدہ است۔ مبارک اللہ! حسام الدین حیدر خاں بہادر و فقر اللہ! نواب امین
 الدین خاں بہادر دیدند و خریداری "اسی را نہ پندیدہ زیں نامی ہر کہ از ایمان دیار ہرچہ ہر من خواہد فرمود"
 شنبہ عرض خواہم کہ۔"

(تکلیات عتر غالب صفحہ ۷۵)

”اشرف الاخبار“ (دہلی کے بارے میں ۳۱ فروری ۱۸۶۷ء کو مولوی سیف الحق کے نام لکھے ہیں :

”ایک نئی بات سنو‘ محمد مرزا خاں میرے حبیبی بھائی کا فرارسہ ہے۔ اس نے ایک اخبار نکالا ہے‘ مسی بہ اشرف الاخبار‘ اور اس کا ایک لفظ بھیجتا ہوں۔ اس کو پڑھ کر معظوم کرلو گے کہ قصداً اعتراض قلیل کے کلام پر چھپایا گیا ہے۔ اس ارسال و اعلام سے صرف اطلاع منحور ہے۔ ہاں ایک بات یہ بھی ہے کہ چھوٹے صاحب کی بھی نظر سے گزر جائے اور اس سرکار میں یہ اخبار خرید کیا جائے‘ اور تم ان کی طرف سے حکم خریداری ابتدائے جنوری ۱۸۶۷ء سے تمام محمد مرزا خاں نکھو۔ اور وہ خط اس پتہ سے دلی کو روانہ کر دو جو ان کے اخبار کے آخر میں لکھا ہے۔“

(غالب ’جلد دوم‘ صفحہ ۱۷۰ء)

ایک سفارشی خط نواب حکام بابا خاں کے نام ملاحظہ فرمائیے :

”خواجہ بدرالدین خاں‘ میرے بھتیجے نے بوستان خیال کو اردو میں لکھا ہے اس کا ایک اشتہار اور یہاں ایک نیا اشتہار جاری ہونے والا ہے“ اس کے دو اشتہارا اس خط کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ آپ یا آپ کے احباب میں سے کوئی صاحب کتاب کے یا اخبار کے خریدار ہوں تو اشتہار کے مضمون کے مطابق عمل میں لائیں۔

۲۳ مارچ ۱۸۶۶ء

(مخطوط غالب ’جلد دوم‘ صفحہ ۲۸-۳۷ء)

موصوف اپنے احباب کے حکام اخباروں میں چھپوانے میں مدد دیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ہرگاہاں تفتہ اور امیر برطانوی کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ ہرگاہاں تفتہ کے نام لکھتے ہیں :

”اب آپ اس ملت دیت کے قلعے کو اپنے دیوان میں داخل اور شامل کر لیجئے‘ یعنی قلعوں میں کہہ دیجئے جب قصداً دیوان چھپایا جائے گا‘ یہ قلعہ بھی پھپ جائے گا اور ہاں فنی صاحب کے سامنے اس کو پڑھئے اور ان سے استدعا کیجئے کہ اس کو اگر سے پیچھے تاکہ اس کو چھپایا جائے اسعد الاخبار اور زندۃ القبار میں لکھیں ہے کہ وہ قصداً کہنے سے عمل میں نہ لائیں گے۔ مجھ کو کیا ضرورت ہے کہ میں یہاں سے نکھوں؟ میں نے یہاں سابق الاخبار میں چھپوا دیا ہے۔ اگست ۱۸۵۰ء۔“

(مخطوط غالب ’جلد اول‘ صفحہ ۳۲ء)

اگر کے گلدستہ ”معیار الشعراء“ کو امیر برطانوی مرحوم نے اپنا حکام اشاعت کے لئے بھیجا تھا۔ چونکہ وہ معصوف شاعر نہیں تھے اس لئے ”معیار الشعراء“ نے اس نام پر چھاپنے سے انکار کر دیا کہ انہوں نے اپنا پورا نام اور پتا درج نہیں کیا تھا۔ اس پر غالب نے فنی شیونارائن آرام کے نام سے مکتوب لکھا :

”یہ میرے دوست ہیں۔ امیر احمد ان کا نام ہے اور امیر قلعہ کرتے ہیں۔ کھٹو کے ذی عزت باشندوں میں سے ہیں اور وہاں کے بادشاہوں کے درویش اور مصائب رہے ہیں“ اور اب وہ رام پور میں نواب صاحب کے پاس ہیں۔ میں ان کی غزلیں قصداً سے پاس بھیجتا ہوں‘ میرا نام لکھ کر ان غزلوں کو چھاپ دو۔ یعنی

فریض غالب نے قمارے پاس بھیجیں اور اس کے لکھنے سے ان کا (امیر مرحوم کا) نام اور ان کا حال معلوم ہوا۔ اس کو معیار اشعار میں چھاپ کر ایک دو ورق یا چار ورقہ رام پر ان کے پاس بھیج دو اور سرنامہ چ لکھو کہ "اور رام پر یہ دو دولت حضور رسیدہ بختم مولوی امیر احمد برسد" اور مجھ کو اس کی اطلاع دو کہ رام پر یہ دو تمہارا اخبار جاتا ہے یا نہیں؟"

(مخلوط غالب، جلد اول، صفحہ ۲۵۱)

۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد غشی شیخ نارائن آرام نے آگرہ سے ایک اخبار نکالا اور غالب سے استفادہ کی کہ کچھ خریدار فراہم کریں۔ جواب میں لکھا:

"میں ان کوئی کہیں کہ اخبار کے خریدار ہوں۔ صاحبان لوگ جو یہاں بستے ہیں وہ یہ وصول کرتے پھرتے ہیں کہ گیوں کہاں بستے ہیں۔ بہت جی ہوں گے تو جنس پر دی دیں گے۔ کانڈ (یعنی اخبار) روپے بیسے کا کیوں مول لیں گے۔"

(تحوالہ مر، صفحہ ۱۵۶)۔

اسی قسم کے ایک اور خط کا اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

"مسلمان امیروں میں تین گوئی: حسن علی خان، نواب حامد علی خان، حکیم احسن اللہ خان، سوان کا یہ حال کہ روٹی ہے تو کھڑا نہیں۔ معینا یہاں کی اقامت میں تہذیب۔ خدا جانے کہاں جا نہیں، کہاں رہیں۔ حکیم احسن اللہ خان نے آفتاب علم تاب کی خریداری کر لی ہے۔ اب وہ مکرر حالات دربار شاہی کیوں لیں گے؟ سوائے ساہوکاروں کے یہاں کوئی امیر نہیں۔ وہ لوگ اس طرف کیوں توجہ کریں گے؟ تم لوہر کا خیال دل سے دھو ڈالو۔ ۳ جون ۱۸۵۸ء

(مخلوط غالب، جلد اول، صفحہ ۲۵۰)

حکیم احسن اللہ خان نے "آفتاب عالم تاب" کی خریداری غالب ہی کی وساطت سے قبول کی تھی اور اس کی ایک وجہ یہی تھی کہ اس میں حالات دربار شاہی بالاقبال چھپا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ہر گویا وقت کے نام غالب کا یہ خط خالی از دہلی نہیں ہو گا:

"میرزا آفتاب سنو! ان دنوں میرے حسن حکیم احسن اللہ خان آفتاب عالم تاب کے خریدار ہوئے ہیں۔ میں نے بہرحال ان کے کہنے کے برابر دینی مولانا سر (عالم علی بیگ مر) کو لکھا ہے۔ حضرت نے لا و تم جواب میں نہیں لکھا۔ تم ان سے کہو کہ وہ جنوری ۱۸۵۸ء سے خریدار ہیں۔ آج ۱۶ جنوری ہے۔ وہ نمبر اخبار کے حکیم صاحب کے نام کا سرنامہ "خان چند کے کسے کا چا لکھ کر روانہ کریں۔ آئندہ ہفتہ بہ ہفتہ پیسے جانیں اور حکیم احسن اللہ خان کا نام خریداروں میں لکھ لیں وہ میرے اخبار مذکورہ میں ایک صفحہ وچھ صفحہ بادشاہ دہلی کے اخبار کا ہوتا ہے جس دن سے کہ وہ اخبار شروع ہوا ہے اس دن سے صرف اخبار شاہی کا صفحہ نقل کرا کے ارسال کریں کاتب کی اجرت اور کانڈ کی قیمت یہاں سے بھیج دی جائے گی بھائی تم مرزا صاحب

سے اس کو کہہ کر جواب لو اور مجھ کو اطلاع دو۔ ۲۲ جنوری ۱۸۵۸ء

(خطوط غالب، جلد اول، صفحہ ۳۳-۳۴)

مرزا غالب سبب صفت شخصیت معلوم ہوتے ہیں کہ:

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں

میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

کے صدیق انہوں نے جواب کا انتظار کئے بغیر دوسرے ہی دن نقتہ کے نام ایک نو خط لکھ دیا، جس میں اس کام کے سلسلے میں تائید مزید کر دی اور اس کے تین دن بعد مرزا حاتم علی بیگ کے نام ایک مکتوب میں لکھا:

"مطیع اطاعت آفتاب عالم تآب میں یکم جنوری ۱۸۵۸ء سے عظیم احسن اللہ خان کا نام لکھوا دینا اور دو فیہوں کا

اخبار ایک ہار بھرا دینا اور آئندہ ہر ہفتے اس کے ارسال کا طور نصرا دینا۔ کہیں صاحب! یہ امر ایسا کیا

دشوار تھا کہ آپ نے نہ کیا؟ اور اگر دشوار تھا تو اس کی اطلاع دینی کیا دشوار تھی؟ ابھی شکایت نہیں کرتا؟

پوچھتا ہوں کہ آیا یہ امور شخصی شکایت ہیں یا نہیں؟۔ ۲۰ جنوری ۱۸۵۸ء۔

(خطوط غالب، جلد اول، صفحہ ۳۴)

مرزا غالب پر عظیم کے قریب قریب تمام اہم اخبارات کا مطالعہ کیا کرتے تھے، اور ان کے خطوط میں اس طرف بے شمار اشارے ملتے ہیں۔ بہر حال وہ کسی اخبار کا فائل نہیں رکھتے تھے۔ ان پر ایک ایسی اطلاع آئی کہ "دلی اردو

اخبار" کا ۱۷۲۷ء کا فائل درکار ہوا۔ اطلاع کی نوعیت جواب حسین میرزا کے نام اس مکتوب سے واضح ہوتی ہے۔

"یہ ہولیا، اب میرا دک سنو۔ بھانگا نہیں، پکڑا نہیں گیا" دفتر قلعہ سے میرا کوئی کانڈ نہیں لگا۔ کسی طرح کی

بے خیالی و تسک خرابی کا دھبہ مجھ کو نہیں لگا۔ یہاں ایک اخبار جو گوری فکری یا گوری دہلی یا کوئی اور نذر

کے دلوں میں بھیجتا تھا، اس میں ایک خبر اخبار نویس نے یہ بھی لکھی کہ غلامی تاج احمد اللہ خان غالب نے

یہ سکھ کہہ کر گزرا تھا:

یہ در زد سکے کشور ستانی

سراج طعین بیدار شاہ تانی

مجھ سے غلامی حالات صاحب کشور نے پوچھا کہ یہ کیا لکھتا ہے؟ میں نے کہا کہ غلط لکھتا ہے۔ پادشاہ شاعر

پادشاہ کے بیٹے شاعر، پادشاہ کے نوکر شاعر۔ خدا جانے کس نے کہا۔ اخبار نویس نے میرا نام لکھ دیا۔ اگر میں

نے کہہ کر گزرا تھا تو دفتر سے وہ کانڈ میرے ہاتھ کا لکھا ہوا گزرا۔ اور آپ کو چاہئے کہ عظیم احسن اللہ خان

سے پوچھئے۔ اس وقت تو چپکا ہو رہا، اب جو اس کی بدلی ہوئی تو جانے سے وہ ہفتے پہلے ایک قاری روکاری

لکھی کہ یہ جو احمد اللہ خان قاری کے علم میں بیٹا مشہور ہے، اس سے کام نہیں لےنا۔ ہمارے نزدیک ختم

کے پانے کا مستحق نہیں۔" ۱۸ جون ۱۸۵۸ء۔

(خطوط غالب، جلد دوم، صفحات ۳۳-۳۴)

بریکمیل تک مجر کا نام گوری شکر تھا۔ وہ صحافتی اصطلاح میں اخبار نویس نہیں تھا۔ دہلی میں انگریزوں کا مجر تھا اور پل پل کی خبریں مکاتیب کی صورت میں اپنے انگریز آفیس کو غصہ طور پر بھیجا کرتا تھا۔ غالب نے بعد میں سوچا کہ ۱۸۵۳ء میں فوق نے بلوار شاہ کی تخت نشینی پر لکھے گئے تھے جو "دہلی اردو اخبار" میں شائع ہو گئے تھے۔ چنانچہ اپنی برات کے لئے اس اخبار کے ۱۸۵۳ء کے قائل کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ چند ہری عبدالغفور خاں سرور مارہروی کو لکھتے ہیں:

"مولوی باقر دہلوی کے مطبع سے ایک اخبار مینے میں چار بار لکھا تھا جسی بہ دہلی اردو اخبار بعض اشخاص مصلحانہ کے اخبار حق کر رکھتے ہیں۔ اگر اعلیٰ آپ کے یا آپ کے کسی دوست کے پاس حق ہوتے چلے آئے ہیں تو اکتوبر ۱۸۵۳ء سے دوچار مینے کے آگے پیچھے کے اور حق جن میں بلوار شاہ کی تخت نشینی کا ذکر ہو اور میاں فوق کے دو لکھے انکے نام کے کہہ کر نزد کسی کا ذکر مندرج ہو" یہ مختلف وہ اخبار چھاپے کا بیسہ میرے پاس صبح دیکھئے۔"

(نور ہندی، صفحہ ۴۳)

وہاں سے نہ ملا تو جام جہاں نرا (نگلخت) والوں کو کھلا۔ باج ہی ہوئی تو سرور مارہروی کے نام دوبارہ لکھتے ہیں:

"مکہ کا دار تو مجھ پر ایسا چلا جیسے کوئی چمرا یا گراب۔ کسی سے کہوں کسی کو گواہ لاؤں یہ دونوں کے ایک وقت میں لکھے گئے ہیں۔ فوق نے یہ دو لکھے کہہ کر گزارے، بلوار شاہ نے پسہ کہے۔ مولوی محمد باقر فوق کے معقروں میں سے تھے۔ انہوں نے دہلی اردو اخبار میں یہ دونوں لکھے چھاپے اس سے علاوہ وہ لوگ موجود ہیں جنہوں نے اس زمانے میں مرشد آباد اور نگلخت میں یہ لکھے تھے اور ان کو یاد ہیں۔ اب یہ دونوں سرکار کے نزدیک میرے کہے ہوئے اور گزارے ہوئے ثابت ہوئے۔ میں نے ہر چند رقم رو بہد میں دہلی اردو اخبار کا پرچہ ڈھونڈا کہیں ہاتھ نہ آیا۔ یہ دھما مجھ پر رہا۔ پٹنن سے بھی گیا اور وہ ریاست کا نام و نشان خلعت و دوچار بھی ملا۔ خیر ہو کہہ ہوا" چونکہ موافق رضائے الہی ہے اس کا لکھ کیا ہے:

چوں جنش پسر بہ فرہان داور است

پیدا نہ ہو آں چہ بمان آسماں رسد

یہ غزل بہ طریق حکایت ہے نہ سبیل شکایت۔"

یوسف میرزا کے نام مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید غالب نے لکھے لکھے ہی ہوں اور محض جان بچانے کی خاطر قریب کر رہے ہوں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

"میں نے سکہ نہیں کمال اگر کہا تو اپنی جان اور حرمت بچانے کو کہا۔ اور اگر کہتا بھی ہے تو کیا ایسا عقین ہے کہ ملکہ معطلہ کا اشتہار (مضمون عام) بھی اسے مٹانے کے؟ سبحان اللہ! کولہ انداز کا بارود پھٹا اور توہیں لگتا اور بیک گھر اور بیگزین کا لونا صاف ہو جائے اور شاعر کے دو مصرعے صاف نہ ہوں۔ ہاں صاحب! کولہ انداز کا بخونی دھگاہ ہے اور شاعر کا سال بھی جانب دار نہیں۔"

(بحوالہ مرصعہ ۲۹۹)

مولانا مرتضیٰ ہیں کہ غالب آخری عمر میں بہت معذور ہو گئے تھے اور اخباروں میں اعلان چھپا دیا تھا کہ کوئی صاحب اپنا کلام اصلاح کے لئے نہ بھیجیں۔ لیکن ادیبانِ عقیدت اس زمانے میں بھی تھمکا "اصلاح کے لئے اصرار کرتے تھے۔ سیاح کو ۲۵ اگست ۱۸۹۶ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"بھائی! اب میں تو کوئی دن کا مسلمان ہوں اور اخبار والے میرا حال کیا جانیں؟ ہاں اکمل الاخبار اور اشرف الاخبار والے کہ یہاں کے رہنے والے ہیں اور مجھ سے ملنے ہیں، سو ان کے اخبار میں میں نے اپنا حال متصل چھپوا دیا ہے۔ اور اس میں میں نے ہذر چابا خطوں کے جواب کا تقاضا اور اشعار کی اصلاح سے۔ اس پر کسی نے عمل نہ کیا۔ اب تک ہر طرف سے خطوں کے جواب کا تقاضا اور اشعار واسطے اصلاح کے پتلے آتے ہیں اور میں شرمندہ ہوتا ہوں۔"

(خطوط غالب، جلد دوم، صفحہ ۳۷۸)

جی پوچھئے تو اس میں لوگوں کا بھی کوئی قصور نہیں تھا۔ اخباروں کی اشاعتیں سو پچاس سے زیادہ نہیں ہوتی تھیں۔ بلکہ چند ایک روپے سے کم نہیں تھا اور یہ رقم اس زمانے میں صرف دو سائی ادا کر سکتے تھے۔ اس لئے جو لوگ جواب کا تقاضا کرتے تھے یا اصلاح کے لئے اشعار بھیجتے تھے، ان کی انتہا تک مدح و تحسین ہی نہیں تھی۔

اب آخر میں ہم اکمل الاخبار سے غالب کی وفات کی روداد پیش کرتے ہیں:

"فغان اس زمانہ نادر سے، تو روزگار ناہنجار سے۔ ہر روز ناز و گنگ دکھاتا ہے، ہر دم دامنِ غم و الم میں پھنسا ہوا ہے۔ اس محبتِ اعلیٰ کی موجِ بلاغ ہے، اس وادیِ ہولناکی کی ہوا تختِ انگیز ہے۔ اس کا آبِ مرعب، اس کی راحت جزوِ براحث، اس کی راحت سرمایہِ صداقت، اس کی شکر زہرِ اکود، اس کی امید آرزوئے فرسودہ، ہر روز عملِ حیات کو صرصرِ صحت سے گراتا ہے، ہر دم محفلِ سرود سے صدائے ماتم اٹھاتا ہے۔ پھولِ اوجر کھلا، اوجر گر چڑا۔ لالہ لباسِ رنگین میں بھی دلِ دل پر دکھتا ہے۔ غنچہِ خونِ بکر سے بدوش پاتا ہے۔ لیلِ نوحہ گر بھی ہے اور صبحِ سرخوایں اسیرِ سخن۔"

در این زمانہ بہار و خزاں ہم آغوش است

زمانہ جامِ بدست و چنانہ بر دوش است

کیا جب اگر آسمان روپے آوار ہے۔ بھلا اس سے کیا توقع آسودگی جس کا خود گردش پر مدار ہے۔ دیکھو چٹھے بھائے کیا آفتِ اعلیٰ ہے، کس منتخب روزگاری کی جدائی دکھائی ہے۔ قفلِ بدمدِ معانی کو باخزاں سے گرایا۔ صرصرِ سخنِ دلی کو خاک میں ملا دیا۔ جو خسرو کے بعد ملکِ سخن کا خسرو ملکِ رقاب تھا، اس کا بادشاہ صر طے ہوا۔ جو میدانِ معنوی کا شہسوار ملکِ رقاب تھا، اس کا رخشِ زندگی پہ ہوا۔ ان حضرت کی کن کن خوبیوں کا ذکر کیا جائے دنیا کو ذرے میں کیوں کر سائے۔ حسنِ خلق میں اخلاق کی کتاب، صمیمِ اخلاق میں لاجواب، غنچہِ قلم میں بے نظیر صافی، خیمہٴ جادو تقرر، فارسی زبان میں لاجبلی، اردوئے سنی کے پانی، انیسویں

جس کا شہساز خیال طائرِ صمدہ شکار ہو، وہ پتھرِ مرگِ اہل میں گرفتار ہو۔ اس لم سے سب کی حالت چہ ہے روزِ بھی اس مصیبت میں سیاہ ہے اب توشیحِ ابدال و تحصیلِ منتال ہے۔ واضح ہو کہ جناب مرحوم دو تین مہینے سے سادب فراہل رہے، ضعف و کفایت کے صدمے سے۔ آخر دن انتقال سے پہلے کھانا چنا ترک فرمایا۔ اس دنیا سے فانی سے بالکل دل اٹھایا۔ تا آنکہ ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء مطابق ۲۴ شعبان ۱۲۸۵ھ ہجری روزِ دو شنبہ کو وہ پھر ڈھلے اس خود شہید اورچ فضل و کمال کو زوال ہوا۔"

اکمل الاخبار، ۱۵ فروری، ۱۸۶۹ء۔ بحوالہ ادراکِ سادری جلد دوم، صفحہ ۴۳۵

اس روزِ در میں ہو قادیہ بنائی کی گئی ہے، وہ کھنڈ و والوں کا خاصا تھی۔ دلی دالے اس طرزِ ادا کو عرصے سے ترک کر چکے تھے چنانچہ دلی اور کھنڈ کے اہلادوں کی تقریر میں یہی بڑا فرق تھا کہ کھنڈ والے مقصی و مسجع مہارت گھنٹے، دلی والے سیدھی سادی زبان میں ہر بات کہہ دیتے۔ بہر حال غالب کی وفات چونکہ ایک بہت بڑا المیہ تھا اس لئے خصوصی اہتمام کے لئے قادیہ بنائی کر دی گئی۔

غالب کی وفات کے بعد چھ ماہ تک "اکمل الاخبار" میں بالخصوص اور دوسرے اہلادوں میں بالعموم تاریخی قطعات چھپتے رہے اور پھر خاموشی طاری ہو گئی۔

اس ساری بحث سے ہم یہ نتائج اخذ کر سکتے ہیں:

۱۔ غالب تقریباً "ہم اخبارات" کا مطالعہ کرتے تھے۔

۲۔ انہوں نے اخبارات پر ایسے تبصرے بھی کئے جن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ صحافت میں کن قدروں کے قائل تھے۔

۳۔ انہوں نے اپنے دوست اخباروں کو آگے بڑھانے اور ان کے خریدار بنانے کی خصوصی کوشش کی جس کا یہ نتیجہ تو نکلا کہ یہ اخبار غالب کے حق میں سید پر رہے۔ لیکن ایک قصصان بھی ہوا کہ ان کے حریف اخبارات غالب کی مخالفت پر اتر آئے۔ "سید الاخبار" کی حمایت نے "دلی اردو اخبار" کو دشمن بنا دیا اور "آئینہ سکندر" کی تعریف نے "مصر منیر" کو مخالف بنا دیا۔

۴۔ اگر اخبارات نے مجموعی طور پر غالب کی اتنی پذیرائی نہ کی جس کے وہ مستحق تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم مصر کی تعریف میں پیشہ نگار سے کام لیا جاتا ہے۔

۵۔ اس بحث سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ کسی شخصیت کے خلاف اخبارِ خلوہ کتابی نہ موسم پر دیکھتا کیوں نہ کریں اس کا اثر ماضی ہوتا ہے۔ آخر کار اس شخصیت کی اصل خصوصیات منظرِ عام پر آجاتی ہیں اور زمانہ اسے غویوں کی بنا پر اس کی شان کے شایانِ حیثیت دیتا ہے۔

کتابیات

۱۔ کتابتِ قزاقی، "ادواتِ خانِ غالب"، کراچی، ۱۹۵۹ء۔

۲۔ "ہادی" مرتبہ گوشتار علی قاسم، "مطبوعہ اردو"، کراچی، ۱۹۵۹ء۔

- ۱۔ کتاب: قاتل۔ مرتب: الشیخ علی بن علی عقی '۱۳۳۵ھ
- ۲۔ خطبہ قاتل۔ مرتب: قلام رحمانی مراد علی چوہدری 'لاہور' ۱۳۳۵ھ
- ۳۔ کتاب: قلام رحمانی مراد علی 'لاہور' ۱۳۳۳ھ
- ۴۔ مکتبہ۔ پاکستان و اردو میں عبد السلام قوریہ 'لاہور' ۱۳۳۳ھ
- ۵۔ تاریخ مہملتہ اردو۔ جلد اول اردو ساری 'دہلی' ۱۳۳۵ھ
- ۶۔ تاریخ مہملتہ اردو۔ جلد دوم 'اردو ساری' مکتبہ 'سلی لاہور'
- ۷۔ اردو عالی اہلاد نویسی 'عشق صوحی' علی گڑھ ۱۳۳۵ھ
- ۸۔ اردو مہملتہ۔ جلد قلیب 'کراچی' ۱۳۳۵ھ



”مجھے یقین ہے کہ مرتضیٰ برلاس کی غزل کا لہجہ ہی
 مستقبل کی غزل کا لہجہ ہے“ — احمد ندیم قاسمی

”مرتضیٰ برلاس کے کلام نے عصر کو آئینہ بھی دکھایا
 ہے اور راستہ بھی“ — فیاض خان

ایسی بستی کو زمیں چاٹ لیا کرتی ہے
 ظلم بڑھ جاتے جہاں حد سے زیادہ برلاس

جدید اُردو غزل کے منفرد لہجے کے مقبول ترین شاعر

مرتضیٰ برلاس

لاشعری مجموعہ تیشہ کرب انہی حلقوں سے انتہائی تحسین حاصل کر چکا ہے
 اُنے کا دُوسرا شعر ہے مجھو عہ

ارتعاشے

بھی شائع ہو چکا ہے۔

پروفیسر افتخار حسین صدیقی

عبد غالب میں دینی فکر اور سماجی مسائل

مرزا غالب کا عہد یعنی انھارویں صدی عیسوی کا آخری عشرہ اور انیسویں صدی کا نصف اول کی اعتبار سے تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ اگرچہ اس عہد میں مغل بادشاہوں کے سیاسی نوال کی داستان اپنے انجام کو پہنچ گئی تو دوسری طرف برخلاف اس کے علوم و ادب کی ترقی کے ساتھ ساتھ نئے دینی رجحانات اور دانش ورانہ میلانات کی وجہ سے اہم سلتی تبدیلیاں بھی رونما ہوئیں۔ بہت سے دانشوروں نے اپنی تاریخی وراثت کا قرآن و حدیث کی روشنی میں جائزہ لیا اور روایت پرستی کے خلاف کواڑ اٹھائی۔ ان کے افکار اور ان کی تعلیمات عبد آفریں ثابت ہوئیں۔ اس عہد کا قاری اور اردو ادب بھی تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ علم و ادب کی ترقی اور دانش ورانہ فکر کو پیدا کرنے میں کچھ مدرسوں کا جو کہ اس زمانے میں دانش گاہوں کی شکل اختیار کر چکے تھے بڑا مفید رول رہا۔ خاص طور پر دہلی میں مدرسہ رحیمپور اور گھنٹہ میں مدرسہ فرنگی محل نے نظریاتی اور اسلامی تحریکوں کے مراکز اور کاتب فکر کی حیثیت سے رول ادا کیا۔ دونوں دانش گاہوں میں ایسے علماء اور فضلا نکلے کہ جن کے افکار آج بھی بصیرت افروز ہیں۔ ان کی تعلیمات کے اثر سے اسلامی تہذیب کی تاریخ اور اسلامی تصوف کا تہذیبی جائزہ لیا گیا اور نتیجے میں دانش وروں کے عمل میں اہم تبدیلی پیدا ہوئی۔ اس مقالے میں دینی مدارس اور اس عہد کے اہم علماء کے علمی کارناموں دینی فکر اور کچھ سماجی مسائل کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

انھارویں صدی کی آخری دہائیوں میں دہلی کی علمی اور دانش وری کی تاریخ بڑی حد تک مدرسہ رحیمپور اور شاہ ولی اللہ رحمت اللہ علیہ کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز (م۔ ۱۸۶۳ء) شاہ عبدالقادر (م۔ ۱۸۳۳ء) شاہ عبدالغنی (م۔ ۱۸۵۸ء) شاہ رفیع الدین (م۔ ۸ اگست ۱۸۸۸ء) اور ان کے نامور شاگردوں سے عبارت ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے پناہ دہانت، علمی بصیرت، زبردست قوت حافظہ کے علاوہ کامیاب قیادت فراہم کرنے کی صلاحیت کے مالک تھے۔ انہوں نے اپنے دادا کے قائم کئے ہوئے مدرسہ رحیمپور کو نئی زندگی دی اور وہاں اپنے شاگردوں کو روحانی علوم اسلامی کے علاوہ فلسفے اور منطق کے مطالعے کی بھی ترغیب دی اور ساتھ ساتھ اپنے والد کے افکار کی اشاعت کے لئے تحریک کا آغاز کیا۔ جلد ہی ان کے شاگردوں کے لئے بے لوث جذبے اور عمل کی بنا پر شمالی ہندوستان میں مسلم طوائف Intelligentia شاہ ولی اللہؒ کے افکار سے روشناس ہوئے اور اس طرح دینی اور سلتی اسلامی تحریک کا آغاز ہوا۔ بعد میں انگریز حکمرانوں کی پیدا کی ہوئی غلط فہمی کی بنا پر شاہ ولی اللہؒ تحریک دہلی تحریک کے نام سے مشہور ہوئی۔ حالانکہ ۱۸۵۷ء تک اس تحریک پر دہائی اثرات معلوم نہیں ہوتے۔ شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے رفقاء کا دہلی تحریک کے بانی شیخ محمد بن عبدالوہاب کے نظریات سے بنیادی اختلاف رکھتے تھے۔ مثال کے طور پر شاہ عبدالعزیزؒ ایک لٹوے میں اپنے

اختلاف کو اس طرح ظاہر کرتے ہیں کہ امام ابن تیمیہ کے افکار جن کا اجماع ان کی کتاب "مناہج المسلمۃ الصبیہ" میں ہوا ہے، خطرناک ہیں۔ مثال کے طور پر اہل بیت کی اہمیت سے افکار مناسبت نہیں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدحی کی زیادت کرنے سے منع کرنا، فوٹ، قلب اور ابدال کے دعو سے افکار یا صوفیاء کرام کی خدمت یا پھر اسی طرح کے دوسرے خیالات جو کہ ان کی تالیفات میں ملتے ہیں اس کے بعد یہ بھی فرماتے ہیں کہ امام ابن تیمیہ کے نظریات سنی علماء کی اکثریت کے لئے کبھی قابلِ قبول نہیں ہوئے لہذا ان کی باتوں کے لئے سنی دسے دار نہیں فہمراے ہا سکتے (۱)۔ شاہ صاحب صوفیاء کرام کی درگاہوں کی زیادت کے خلاف نہیں تھے۔ جب کسی نے اس موضوع پر مسئلہ پر پھان تو فرمایا کہ کسی بزرگ کے مزار پر چلنے اور فاتحہ پڑھنے میں ثواب ہے، کیوں کہ اس سے ایک صلہ اور دین دار بزرگ کی یاد تازہ ہوتی ہے، لیکن مزار پر سجدہ کرنا یا اس کا خوف کرنا بدعت ہے (۲)۔ ایک جگہ مزار پر چادر چڑھانے کی بھی مخالفت کرتے ہیں اور اپنی دلیل کے ہوا میں حدیث شریف کا حوالہ دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے دعا کی تھی "اے اللہ میری قبر کو پرستش کے لئے بت میں تبدیل مت کرنا" (۳)۔ وہ ۱۸۷۳ء تک صوفیاء میں مقبول روایت تصور جو کہ بھی قائل نظر آتے ہیں۔ ۱۸۷۳ء میں سید احمد شہید رائے بریلوی (موتی احمد) ان کے مقلد مریدین میں داخل ہوئے، اس کے بعد انہوں نے اس روایت کی مخالفت کی۔ سید احمد شہید نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا کہ مراد میں تصور جو، بہت پرستی کے حوالہ ہے اور یہ مواد کے مسلک کے قطعی خلاف ہے۔

فرض کہ شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے بھائی علماء اور فضلاء کی تربیت میں لگے رہے اور ان کے شاگرد ہندوستان کے مختلف شہروں اور قصبوں میں درس و تدریس کے ذریعے مسلمانوں کی اصلاح میں لگ گئے۔ ان فضلاء کی روحانی بصیرت کا ذریعہ شاہ ولی اللہؒ کی تصنیفات تھیں۔ خاص کر ان کی معرکہ نگار تالیف "جہاد اللہ الباقی" اس کتاب کے بارے میں متفرقین اور مسلم فضلاء کی حلقہ رائے ہے کہ امام غزالی کی تالیف "احیاء علوم الدین" کے بعد "جہاد اللہ الباقی" میں دوسری مرتبہ کامیاب کوشش کی گئی ہے کہ اسلامی فکر، فلسفہ، تصوف و فہمہ میں قرآن و سنت کی روشنی میں باہمی ربط پیدا کیا جائے۔ نہایت حال کے محققین اس بات پر بھی متفق ہیں کہ "جہاد اللہ الباقی" کا علمی معیار "احیاء علوم الدین" کے معیار سے کہیں زیادہ بلند ہے۔

اس طرح جب ۱۸۷۳ء میں دہلی اور اس سے متعلق علاقوں پر انگریزوں کی حکومت قائم ہوئی تو انگلستان کے عیسائی مشنریوں نے عیسائیت کی تبلیغ شروع کی۔ انہوں نے اپنا تبلیغی لٹریچر فارسی رسم الخط میں آسان حوام زبان میں شائع کرنا شروع کیا۔ عیسائیت کے اثر کا مقابلہ کرنے کے لئے شاہ عبدالعزیزؒ کی ترغیب پر ان کے بھائی شاہ عبدالقادرؒ نے قرآن حکیم کا رومو کی حوامی ہندی زبان میں ترجمہ کیا۔ مصر کے ملکا کا خیال ہے کہ قرآن کا ترجمہ کسی زبان میں ممکن نہیں ہے لیکن اردو اور ہندی سے واقف علماء اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ قرآن سے بہت قریب ہے۔ دوسرا یہ ترجمہ اردو زبان کی تاریخ میں بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اردو میں دوسری اہم کتاب شاہ صاحب ہی کے خانوادے کے دوسرے بزرگ شاہ اسماعیل شہید کی تالیف "تحفۃ الامامین" ہے۔ دونوں کاموں کی

اہمیت کا اس بات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ اب تک بار بار شائع ہو رہی ہیں۔

۱۸۸۳ء میں شاہ صاحب کے انتقال کے بعد دوسرے حصہ کی روایات کو ان کے بھتیجوں "والد اور نواسوں نے آجکے پڑھایا۔ محمد اسحاق نواسہ شاہ عبدالعزیز ان کے جانشین بنے۔ دوسرے نواسے مولانا محمد یعقوب بھی مولانا محمد اسحاق کی طرح علم حدیث کے متبحر عالم تھے۔ شاہ محمد اسطیل شاہ عبدالغنی کے بیٹے اور شاہ صاحب کے بھتیجے تھے اور پرزور داعی۔ شاہ صاحب کی تیسری بیٹی کے شوہر مولانا عبدالحمی تھے جو کہ شاہ صاحب کی بیوی کے بھتیجے بھی تھے۔ ان کے شاہ صاحب کی بیٹی سے کوئی پٹا نہیں تھا لیکن دوسری بیوی سے مولانا عبدالقہوم محدث پیدا ہوئے تھے۔ مولانا عبدالقہوم کی شادی محمد اسحاق کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ ان کے علاوہ شاہ صاحب کے دوسرے شاگرد بھی دینی اور اصلاحی کاموں کے لئے مشہور تھے۔ ان میں سے ان کے چچا عطاء دہلی کے شری تھے اور دوسرے مولیٰ پٹنہ "رامپور" بریلی "کانپور" بجنور "اموہہ" بلخ آباد "کھنور" "کاکوری" فیض آباد "خیر آباد" "راستہ بریلی" "قنوج" "مراد آباد" "پھلی شہر" اور "چڑیا کوٹ" سے متعلق تھے۔ دہلی کے علماء میں مولوی رشید الدین خان (۱۷۷۳ - ۱۸۸۳ء) نے براہ راست شاہ صاحب اور شاہ عبدالعزیز سے تعلیم حاصل کی تھی۔ مولانا رشید الدین خاں کے شاگردوں میں مولانا مملوک علی (فرزند شیخ احمد علی نانوتوی) بھی اپنے وقت کے عظیم عالم تھے۔ ان کے شاگردوں نے بھی ۱۸۷۷ء کے بعد کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

شاہ صاحب کے اور دو ممتاز شاگرد مفتی عبدالعزیز آزادہ اور مولانا فضل حق خیر آبادی قابل ذکر ہیں۔ آزادہ دہلی میں ۱۸۸۸ء میں ایک کشمیری خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے محفلات کا مطالعہ شاہ صاحب "شاہ عبدالقادر اور شاہ محمد اسحاق کی گمراہی میں کیا تھا۔ جب کہ محفلات کا درس مولوی فضل امام خیر آبادی سے لیا تھا جو کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے دہلی میں صدر الصدور تھے۔ ان کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے ۱۸۹۰ء میں دہلی کا صدر الصدور بنایا۔ وہ اندھ "قاری اور عربی میں شعر کہتے تھے۔ ان کا دہلی کی علمی اور ثقافتی زندگی پر بڑا اثر ہوا۔ سرسید احمد خاں کے قول کے مطابق مفتی صاحب انسانیت اور علوم اسلامی میں ایک انجیل میں شخصیت کے حامل تھے۔ ہر بچنے ان کے گھر پر علماء اور شعراء کی نشست ہوتی تھی جس میں امام بخش صہبائی "مومن" "نیر" شیخ "اور غالب وغیرہ شرکت کرتے تھے اور شعر و شاعری کا دور رہتا تھا۔ جولائی ۱۸۷۷ء میں دہلی کے علماء نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف جدوجہد کا فتویٰ دیا۔ اس پر انہوں نے بھی دخل دیا۔ اس لئے انگریزوں نے دہلی پر اپنی فوج کے بعد ان پر مقدمہ چلایا۔ اگرچہ ان کو سزائے موت نہیں ملی لیکن ان کی جائیداد ضبط کر لی گئی تھی۔ ۱۵ جولائی ۱۸۸۸ء کو انہوں نے نگہ دستی کی حالت میں انتقال کیا۔ مولوی فضل حق خیر آبادی مفتی عبدالعزیز دہلوی کے دوست تھے۔ وہ علماء کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد مولانا فضل امام محفلات کے عالم تھے جس کی تعلیم دینے کے لئے دہلی میں انہوں نے مدرسہ قائم کیا تھا جہاں پر دوسرے حصہ کے طلبہ محفلات کا مطالعہ کرتے تھے۔ ان کے بیٹے مولانا فضل حق خیر آبادی نے شاہ صاحب کے دھڑ پابندی سے سنے تھے اور شاہ عبدالقادر سے حدیث کا درس لیا تھا۔ انہوں نے منطق و لطیفہ کا درس اپنے والد گرامی سے لیا تھا۔ وہ مفتی صاحب کے ساتھ ان کے محفلوں کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ بعد میں وہ ہجرت کے نواب فیض محمد خاں الود کے صدارت اور رام پور کے نواب یوسف غالب کی ریاستوں میں صدر کے محفلوں پر فائز رہے۔ ان

کی غالب اور مرید احمد خاں سے دوستی تھی۔ علامہ کی جنگ آزادی کی تحریک میں شامل ہونے کی وجہ سے ان کو کمپنیاں قید کی مرزا ملی اور جزیرہ انڈمان بھیج دیئے گئے۔ یہ متعدد کتابوں کے مصنف تھے جو انہوں نے علوم منطق، فلسفہ و طبیعیات پر لکھی تھیں۔ یہ لکھنا 77 مہینے کتابوں کی شرمیں ہیں لیکن جدت اور غرور طیال سے خالی نہیں ہیں۔

مثالی ہندوستان میں دو سرا قابل ذکر دوسرے جو کہ ایک داخل گما کی حیثیت رکھتا تھا دوسرے فرنگی محل گھنٹہ تھا۔ اس کے بانی مولانا بحر العلوم کے والد مولانا غلام الدین انصاری تھے۔ مولانا غلام الدین انصاری علی کے مشہور نصاب درس نقاشی کے بھی بانی تھے۔ مولانا بحر العلوم (عبدالغنی) نے اپنی عمر کے انارویں سال میں کتب و رسد سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے والد کے شاگرد ملا کمال کی سرپرستی میں مزید مطالعہ کیا اور دس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ جلد ہی آپ کی طبیعت کا شہہ بلند ہوا۔ مختلف مقامات سے طلبہ تحصیل علم کی غرض سے آپ کے پاس گھنٹہ آنے لگے۔ جب گھنٹہ میں رہتا دشوار ہو گیا تو حافظ رحمت علی خاں کے پاس شاہ جہاں پور چلے گئے۔ حافظ رحمت خاں کے جنگ میں مارے جانے کے بعد نواب فیض اللہ خاں کی دعوت پر لاہور منتقل ہو گئے جہاں چار سال تک دس و تدریس میں مصروف رہے۔ راجپور سے نواب ارکات والا جاہ محل خان کی دعوت پر پہنچے اور چلے گئے۔ جہاں بھی جاتے تھے طلبہ کی بڑی تعداد آپ کے ساتھ ہوتی تھی۔ نواب ارکات نے آپ کو ملک املا کا خطاب دیا تھا لیکن مشہور ہوئے بحر العلوم کے لقب سے جو کہ قدر پر ان کی تصنیف "ارکان اربعہ" کے مطالعے کے بعد آپ کو شاہ عبدالعزیز نے دیا تھا۔ مولانا بحر العلوم کثیرا تصانیف بزرگ تھے۔ بہت سی کتابیں اوق مسائل پر ہیں۔ مثلاً کے طور پر ابن العربی کے فلسفہ وحدت الوجود پر ان کا رسالہ "وحدۃ الوجود و شمول الحق فی کل موجود" اس کی مثال ہے۔ یہ رسالہ علی میں لکھا تھا لیکن بعد میں نواب نور الدین خاں کی فرمائش پر اس کو فارسی میں بھی لکھا (4)۔ رسالہ واضح طور پر ثابت کرتا ہے کہ مولانا بحر العلوم ہندوستان میں ان چند صوفی علماء میں سے تھے جو کہ ابن العربی کے فلسفے کی صحیح طریقے پر توجہ کر سکتے تھے۔

غالب کے عہد میں دہلی اور دوسرے شہروں میں مختلف صوفیاء کرام کا بھی دخل قابل ذکر ہے۔ دہلی میں مرزا سکر جان جاناں کے روحانی چاشیں شاہ غلام علی بڑے عالم بزرگ تھے۔ ان کی خانقاہ مربع خاص و عام تھی۔ دہلی کے علاوہ بیرونی ممالک کے لوگ بھی آپ کے مرید تھے۔ آپ کے مکتوبات کا مجموعہ مکاتب شریف ایک سو تیس مکتوبات پر مشتمل ہے۔ ان میں سے 4 مکتوبات مجدد الف ثانی کی تعلیمات کی تائید میں ہیں۔ ہر مکتوب کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ روحانیت کا صحیفہ ہے (5)۔ مرزا جان جاناں کے دوسرے مرید اور خلیفہ شاہ فہیم اللہ بھرائی تھے جو کہ یک وقت دو خانقاہوں میں رشد و ہدایت کا کام کرتے تھے۔ ایک خانقاہ بھرائی میں تھی جبکہ اپنے چچ کے فریاد پر انہوں نے دوسری خانقاہ گھنٹہ میں قائم کی تھی۔ انہوں نے اودھ میں تعمیر شدہ اور حدیث کے علوم کو مقبول کیا اور صوفی کی تعلیم بھی جاری رکھی۔ مرزا جان جاناں کے مرید مولانا غلام بخش نے کلمۃ الحق و وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود سے حلقہ تار سے یہ تصنیف کی اور اس کے ذریعے شاہ ولی اللہ کے اس طیال سے کہ اگر دونوں فلسفوں میں اگر کوئی فرق ہے تو لسانی ہے حقیقی نہیں اختلاف کیا۔ مولانا غلام بخش کا نقطہ نظر تھا کہ قرآن اور شرع سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خالق کائنات

اور مخلوق ایک ہی ذات ہے بلکہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں اور ایمان کے احکام کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وحدۃ الوجود یا وحدۃ الشہود پر یقین کیا جائے۔ یہ مسائل صرف تصوف میں زیر بحث آتے ہیں اور شریعت سے علیحدہ ہیں۔ ان نظریات کا انحصار صوفیاء کی روحانی بصیرت پر ہے۔ راہ سلوک میں کچھ صوفیاء پر وحدۃ الوجود ظاہر ہوا اور دوسروں پر وحدۃ الشہود کے علم کا انکشاف ہوا لیکن کم فہم صوفیہ وحدۃ الوجود پر یقین کو اسلام پر یقین کے حروف سمجھتے ہیں اور اس لمبائے میں ایسا ہی عام طور پر نکر آتا ہے۔ جب کہ صوفیاء کی اکثریت کو حکمت وحدۃ الوجود کا صحیح اور اک نہیں (۱۸)۔ اس کتاب میں شاہ ولی اللہ کے نظریے پر سخت تنقید تھی۔ لہذا شاہ فریخ الدین نے ”مرآۃ الباطل“ کتاب لکھی جو کہ قرآن شریف کی سورۃ یٰسین کی تفسیر ہے۔ اس میں مولانا غلام نجفی کی تصنیف پر سخت بحث چلی اور لکھا کہ ایمان کے لئے ضروری ہے کہ مومن کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق میں کیا رشتہ ہے؟

شاہ عبدالعزیز اور شاہ فریخ الدین کی خانقاہوں کی طرح دہلی میں شاہ فریخ الدین چشتی خانقاہ بھی ایک اہم ادارے کی حیثیت رکھتی تھی۔ شاہ فریخ الدین خانقاہ میں مریدوں کی تربیت کے علاوہ مدرسہ امیری دروازہ میں صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مشکوٰۃ شریف کا درس دیتے تھے۔ بعض متعلّیٰ شہزادے بھی ان کے مریدوں میں شامل تھے۔ اکبر شاہ غانی اور بہادر شاہ ظفر شاہ فریخ الدین کے بیٹے اور علی شاہ غلام قطب الدین کے مرید تھے۔

شاہ غلام قطب الدین کے بعد ان کے بیٹے میاں نصیر الدین عرف کالے صاحب اپنے باپ کے خلیفہ کی حیثیت سے مقبول ہوئے۔ ان سے غالب کو بھی عقیدت تھی۔ ایک خط میں کالے صاحب سے اپنے لکڑ کو اس طرح ظاہر کرتے ہیں۔ میں کالے صاحب کے مکان سے اٹھ آیا ہوں۔ ملی ماروں کے محلے میں ایک عربی کرائے پر لے کر اس میں رہتا ہوں۔ وہاں میرا رہنا تکلیف کرائے کے واسطے نہ تھا، صرف کالے صاحب کی محبت سے رہتا تھا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ تصوف نے سبھی نامکدہ صوفی بزرگ مراۃ میں تصورِ جبر کے قائل تھے اور اس کو یکسوئی ذہن حاصل کرنے کا اہم ذریعہ سمجھتے تھے لیکن مجدد میں شاہ عبدالعزیز نے اپنے عزیز مرید سید امیر شہید کے کہنے پر اس کی مخالفت کر دی تھی۔ سید امیر شہید کا اعتراض تھا کہ تصورِ جبر سے اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے بجائے جبر کی مہربانی ہونے لگتی ہے۔

اس لمبائے میں یورپ کے اثر سے ہندوستان میں علم تاریخ اور تاریخ فہمی کے روایتی تصور میں بھی تبدیلی پیدا ہوئی۔ اس تبدیلی کا آغاز مرزا عظیم بیگ کی تالیف ”سیرۃ المتزلزل“ سے ہوا۔ یہ کتاب دہلی کے انگریز ریڈیفنٹ چارلس تھیو فیلس منکاف (۱۸۸۵ء تا ۱۸۸۶ء) کی خواہش اور ہدایت پر لکھی گئی تھی۔ اس میں دہلی کی قدیم عمارتوں کا ذکر ہے اور ان پر نصب قاری کتبوں کی نقل ہے۔ قاری ذہان میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب تھی۔ اس کے ذریعے تاریخ فہمی کی روایت کو درست فہمی کیونکہ آثار قدیمہ کو تاریخ کا ایک نیا ماخذ سمجھا گیا۔ ”سیرۃ المتزلزل“ سے متاثر ہو کر ۱۸۸۵ء میں سرسید امیر خاں نے بڑے بڑے دہلی اور اس کے ارد گرد عمارتوں کا ذکر اپنی کتاب ”آثار اہستارہ“ میں کیا۔ ان کو تاریخ کے لازمی ماخذ کا زیادہ گہرا علم تھا۔ لہذا ”آثار اہستارہ“ زیادہ جامع تالیف ہے۔ سرسید نے ابو الفضل کی قائم کی ہوئی روایت کا نتیجہ کرتے ہوئے اپنی تالیف میں ایک باب دہلی کے دانشوروں، فنکاروں، علماء اور فضلا پر شامل کیا۔

انوار ہوتا ہے کہ وہ سرب میں تاریخ نویسی کے قصور سے بچ نہ سکے ضرور واقف تھے۔ اس کا اعتراف ان کی تصنیف "مسلک الملوک" سے ہوتا ہے۔ یہ کتاب بھی توحید کے اعتبار سے پہلی کوشش ہے۔ سرید پہلے دانش ور تھے جنہوں نے تاریخ کے مختلف ادوار کی اہمیت سمجھتے ہوئے ہر بادشاہ کی تخت نشینی اور اس کی وفات کی تاریخوں کا صحیح طریقے پر تعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ سرید نے ہندوستان کے عظیم فرماں روا شیر شاہ کی تاریخ پیدائش بھی معلوم کرنے کی کوشش کی۔ کسی ایسی تاریخ کی کتاب کی بنا پر جو ہمیں دستیاب نہیں انہوں نے شیر شاہ کی تاریخ پیدائش ۳۷۷ھ بتائی ہے (۹8۱ء)۔ بعد میں سرید احمد خان کی کوشش رہی کہ تاریخ کے اہم ماخذ صحیح کے ساتھ شائع کئے جائیں۔ ابو الفضل کی آئین اکبری فیض الدین بٹنی کی تاریخ فیروز شاہی اور جہاں گیر طوہ نوشت ترک جہانگیری کو صحیح کے ساتھ شائع کیا

جہاں تک سنی مسائل کا معاملہ ہے ان کا بھی اختصار کے ساتھ کچھ ذکر کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے ماضی میں مسلمانوں میں حسب و نسب کا تصور کافی اثر انداز تھا۔ کچھ لوگوں نے شاہ عبدالعزیزؒ سے دریافت کیا کہ حسب و نسب اور شرافت کا کیا مسئلہ ہے۔ انہوں نے جواب میں تحریر کیا کہ حسب کا علم ہو سکتا ہے اگر سات پشتوں تک اجداد کا صحیح علم ہو۔ جہاں تک نسب کا معاملہ ہے تو اس کا تعین ماضی بعید میں خاندان کی اہمیت سے وابستہ ہے۔ مثال کے طور پر ایک حبشی "سید" یا بامی یا علوی یا قریشی یا ابراہیمی شاندار نسب رکھتا ہے۔ علاوہ انہیں ایک شخص دونوں صورتوں میں اہمیت کا حامل ہو سکتا ہے جیسے نوح الاظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد کچھ لوگ حسب میں ممتاز ہیں لیکن نسب میں نہیں جیسے آل تیمور، راجپوت یا پھر امام اعظم ابوحنیفہ عرف امام میں شرافت اور نہایت نسب کے معنی میں بولے جاتے ہیں۔

اسی طرح عام اشراف میں بیوہ کی دوسری شادی چاہے وہ کم عمری کیوں نہ ہو معیوب سمجھی جاتی تھی۔ شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے شاگردوں نے اس کے خلاف مہم چلائی۔ اس کے خلاف ردعمل میں لوگوں نے شاہ صاحب کو لکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کی بیواؤں نے شادی نہیں کی تھی۔ لہذا عام خواتین ان کا اہجرع کرتی ہیں اور اس طرح ثواب کی مستحق ہوتی ہیں۔ اس پر شاہ صاحب کا جواب تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی بیواؤں کا معاملہ مختلف تھا لیکن اس کے باوجود اگر کوئی مسلمان بیوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا اہجرع شوق اور عقیدت کی بنا پر کرے تو یقیناً ثواب کی مستحق ہوگی لیکن اگر مو کسی بیوہ کی شادی کرنے میں رکاوٹ بناتا ہے تو وہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ قرآن کریم کا واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ بیوہ کی دوبارہ شادی میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے۔ انہوں نے یہ بھی مثال دی کہ ازواج مطہرات میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نبی کریمؐ سے شادی سے پہلے بیوہ تھیں۔

اخیر میں ان مذہبی تحریکات کا حوالہ دیتے ہوئے یہ ہے جو کہ ۱۸۵۷ء کے بعد شروع ہوئیں اور جنہوں نے لوگوں کو حاکم کیلئے ان تحریکوں کے بانی مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا ذریعہ حسین اور سرید احمد خاں تھے۔ اگرچہ تینوں شاہ ولی اللہ

کے کتبہ فکر تھے لیکن عرصہ کی جہی کے بعد تینوں نے مسلمانوں کی اصلاح کے لئے مختلف لاکھ عمل طے کئے۔ مولانا قاسم نانوتوی کے نزدیک اسلام اور مسلمانوں کی بقاء کے لئے ضروری تھا کہ قدیم مذہبی روایات کا منہی مسلک کے تحت تحفظ کیا جائے ان کے برخلاف سرسید احمد خاں کا خیال تھا کہ اخلاقی بہتری کے لئے ضروری ہے معاشی حالات کا سدھار اور معاشی اور تہذیبی ترقی ممکن نہیں ہو سکتی اگر جدید ترقی یافتہ یورپ کے علوم اور فنون نہیں سیکھے گئے۔ مولانا ذریہ حسین مجددی کی دہائی تحریک سے متاثر ہوئے تھے لہذا وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کی نجات قرآن اور سنت کی پیروی کرنے اور غیر اسلامی روایات کو ترک کرنے میں ہے۔ صحیح اسلام وہی ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا۔ مولانا ذریہ حسین تصوف پیروی مجددی کو غیر اسلامی سمجھتے تھے۔ مولانا قاسم کی تحریک دہلوی تحریک کہلاتی ہے۔ مولانا ذریہ حسین نے جو تحریک چلائی وہ اہل حدیث تحریک کے نام سے جانی جاتی ہے جب کہ سرسید کی تحریک علی گڑھ تحریک کے نام سے مشہور ہے۔ تینوں تحریکوں کا داخلی مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ ابتداء میں اہل حدیث تحریک نے مسلم دانش وران کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ خود سرسید احمد خاں تقلید سے منحرف ہو گئے اور اہل حدیث کی طرح نماز میں آمین بلند آواز میں کہنے لگے وہ اپنے مذہبی عقائد میں مولانا ذریہ حسین سے زیادہ قریب تھے۔ مخلص یہ کہا جاسکتا ہے کہ مولانا ذریہ حسین اور سرسید احمد خاں اپنے ہی دور کے اہم مفکرین میں نہیں تھے بلکہ ان کی تعلیمات آج بھی توجہ طلب ہیں۔



۱۔ لکھنؤ عزیز (دہلی ۱۹۳۳ء۔ ۱۹۳۴ء) جلد اول، ص ۳۴۔

۲۔ "ایمان"۔ جلد اول، ص ۱۰۰۔

۳۔ "ایمان"۔ ص ۱۰۰۔

۴۔ "دعوتِ انوار" اور "زمر" "حرمِ معرفت مولانا شاہ ابوالحسن زید قادری"۔ دہلی، ص ۷۰۔

۵۔ "شہ نامہ نئی"۔ "مکتبہ شریعہ"۔ "مطبع میرزا"۔ "مدراہ"۔ ۱۹۳۳ء ص ۱۰۰۔

۶۔ "شہ نامہ نئی"۔ "مکتبہ شریعہ"۔ دہلی، ۱۹۳۳ء ص ۱۰۰۔

۷۔ "انوار"۔ "مکتبہ شریعہ"۔ دہلی، ۱۹۳۳ء ص ۱۰۰۔

۸۔ "لکھنؤ شاہ مہاجر"۔ جلد اول، ص ۱۰۰۔



ذکر غالب - ۱۸۶۳ کے اودھ اخبار میں

محمد حقیق صدیقی

مرزا غالب اپنے پیش رو اور معاصر شاعروں اور ادیبوں کے مقابلے میں اس اعتبار سے بھی یقیناً خوش قسمت تھے کہ انہیں "اپنی تعظیمات و تہنیتات کے لئے" بڑی مولانا ابوالکلام آزادؒ "ابتداءً ہی سے پریس موجود تھا" اور اپنے حاصل عمر کو انعام و طباعت کے لئے فیروں پر چھوڑ کر دنیا سے چلے جانے کی مصیبت سے دوچار نہ ہونا چاہا۔ [۱] یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ مطالع کی موجودگی سے جس درجہ فائدہ مرزا غالب نے اٹھایا اس درجہ ان کے معاصرین اس سے مستفید نہ ہو سکے۔ یہی بات "بہ استثنائے سرسید ان کے بعد کے آنے والوں کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ جہاں تک مرزا غالب کا تعلق ہے اس کی بڑی وجہ ان کا وہ ترقی پسند اور مستقبل بین ذہن تھا، جو ان کے معاصرین کے حصے میں نہیں آیا تھا۔

مرزا غالب کی ذاتی ترقی پسندی کا ایک دلچسپ ثبوت یہ بھی ہے کہ اخبار سچی سے انہیں گہرا شغف تھا۔ ملک کے مختلف حصوں سے شائع ہونے والے اکثر اخبارات ان کے پاس آتے تھے۔ ان کے علاوہ جو اخبار ان کے دوستوں اور عزیزوں کے پاس آتے انہیں بھی وہ منگا کر پڑھا کرتے تھے۔ اخبار کی اہمیت اور اس کے داخلہ اثر کی وسعت و گہرائی کا بھی انہیں اندازہ تھا۔ اس کے پیش نظر اپنے عہد کے صاحبان اخبار سے تعلقات پیدا کرنے اور انہیں خوش گووار بنانے کی انہوں نے ہمیشہ کوشش کی۔

انیسویں صدی کے نصف آخر میں کھنڈر کا "اودھ اخبار" شمالی ہند کا ایک اہم اخبار تھا جس کے مالک منشی نول کشور تھے۔ وہ صاحب اخبار ہونے کے علاوہ ایک مطبع کے بھی مالک تھے۔ جو شمالی ہندی کا نہیں بلکہ برصغیر کا ایک بہت بڑا مطبع تھا۔ منشی نول کشور اس دور میں عربی، فارسی اور اردو کے غالباً سب سے بڑے ناشر تھے۔

مرزا غالب نے منشی نول کشور سے بھی تعلقات پیدا کئے اور وہ ان کے بھی ناشر بن گئے۔ ان دونوں کے تعلقات کا آغاز ۱۸۶۰ء میں ہوا۔ لیکن غالب کے خطوط میں اودھ اخبار کا پہلا ذکر ۱۳ نومبر ۱۸۶۱ء کے ایک خط میں ملتا ہے، جو شیونرائی آرام کے نام لکھا گیا تھا۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک "اودھ اخبار" ان کے پاس آتا تو انہیں تھا، تاہم وہ پابندی سے اس کا مطالعہ کرتے تھے۔ انہوں نے لکھا تھا کہ "اودھ اخبار" بھائی ضیاء الدین خان کے یہاں آتا ہے اور وہ میرے پاس بھیج دیتے ہیں [۲] لیکن اس تحریر کے آٹھ ماہ بعد وہ خود بھی اودھ اخبار کے خریدار بن گئے۔ نول کشور پریس کی گنجی ہوئی بیچ آہنگ کا آخری خط مورخہ ۱۸ جولائی ۱۸۶۸ء منشی نول کشور صاحب کو لکھا گیا تھا۔ "مرشدان اودھ اخبار از ان سود ہر ماہ چار بار" ورسیدان از ان سود ہر سال دو بار اگر منظور دارند منظور است" [۳] ۱۸۶۳ء کے اودھ اخبار کا فائل اس وقت تیار ہے جس پر نظر ہے اس سے اندازہ ہوتا

ہے کہ غشی نول کشور نے مرزا غالب کے بخود طرچے کو قبول کر لیا تھا اور وہ اخبار کے پانچواں خریدار بن گئے تھے۔ پچانوچ فروری ۱۸۸۳ء کے پہلے شمارے میں "رسمہ روزہ اور اخبار" مضمون کو ابتداءً نومبر ۱۸۸۲ء سے شروعات آخر جنوری ۱۸۸۳ء وصول ہوا۔" کے عنوان سے خریداروں کی جو فہرست شائع ہوئی تھی، اس میں "نواب احمد اللہ خان صاحب ریکس لوہارو" کا نام بھی موجود ہے۔ غالب کے نام کے سامنے تین روپے کی رقم اور نواب علاء الدین کے نام کے آگے چار روپے کی رقم درج ہے۔ (4)

دونوں خریداروں کی بھیجی ہوئی رقموں میں جو فرق ہے اس کی کوئی وجہ اخبار میں درج نہیں ہے۔ اور اخبار کی قیمت "مع محصول ڈاک باہر والوں کے واسطے (چار روپے) سالانہ ... شہر والوں کے واسطے (بارہ روپے) سالانہ" تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرزا غالب صرف محصول ڈاک ادا کرتے تھے اور اخبار کی قیمت ان سے وصول نہیں کی جاتی تھی۔ یہی بات انہوں نے ایک خط میں بھی لکھی تھی۔ غشی نول کشور "ہر مہینے میں چار اخبار مجھ کو بھیجتے ہیں۔ قیمت نہیں لیجئے مگر ہاں اڑتالیس نکلت میں مطبع میں پہنچا دیتا ہوں"۔ (5)

غالب کو اور اخبار کا خریدار بننے کی ضرورت کبھی پیش آئی جب کہ نواب علاء الدین احمد خان اخبار کے مستقل خریدار تھے اور ان کی وساطت سے غالب کو اخبار دیکھنے کو پابندی سے مل جاتا تھا؟ اس کی تامل صرف یہ ہو سکتی ہے کہ غالب غشی نول کشور سے تعلقات پیدا کرنا چاہتے تھے اور اس کی معقول، تقریباً ان کی سمجھ میں آئی کہ وہ اخبار کے خریدار بن جائیں۔

غالب صدی (۱۸۴۳ء) کے موقع پر مجید (لاہور) کے غالب نمبر (حصہ اول) میں جناب مرتضیٰ حسین صاحب فاضل کا ایک مقالہ "غالب اور اخبار میں" کے عنوان سے شائع ہوا تھا جو ۱۸۸۳ء کے اور اخبار کے محقق کاروں پر مبنی تھا۔ فاضل مقالہ نگار نے اخبار کی پوری عبارتیں نقل نہیں کی تھیں، صرف ان کی نشان دہی کی تھی اس وقت راقم السطور کے پیش نظر اس سے ایک سال قبل، ۱۸۸۳ء کے اور اخبار کی ایک جلد ہے، جس میں یکم جنوری سے ۲۲ اکتوبر ۱۸۸۳ء تک کے شمارے ہیں۔ ان شماروں میں غالب کی تصانیف کے اشتہاروں کے علاوہ ان سے حلقہ ایک خبر اور ان کا ایک مختصر مضمون بھی ملتا ہے۔ اس مضمون کی اہمیت یہ ہے کہ یہ سیاسی نوعیت کا ہے، اور میرے علم کے مطابق مرزا غالب کے اور ہر کے کسی حوالہ مل جھوٹے میں اسے جگہ نہیں مل سکی ہے۔ یہ مضمون اس اخبار سے بھی قابل ذکر ہے کہ اس کی عبارت آرائی کا طرز غالب کے عام انداز نگارش سے مختلف ہے۔ اس تمید کے بعد ہم اور اخبار کے ان اندر بہت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جن کا براہ راست مرزا غالب سے حلقہ ہے!

۱۸ ششمار مطبع کلیات نظم جناب مرزا غالب دہلوی

یکم جنوری ۱۸۸۳ء کے اور اخبار کے پہلے ہی صفحے پر مندرجہ بالا عنوان کے تحت ایک طویل اشتہار ملتا ہے جو اخبار کے تقریباً "نیمہ کالم پر پھیلا ہے۔

مرتضیٰ حسین فاضل نے غالب ہی کے ایک خط (شمارہ اور دسے مطبع اول) کی بنیاد پر اپنے مقالے میں لکھا ہے کہ "۱۸۸۳ء کے آغاز میں غشی نول کشور نے شباب الدین خان کو لکھ کر کلیات فارسی جو ضیاء الدین خان نے خود

کے بعد بڑی محنت سے جمع کیا تھا وہ منگا لیا۔ [67] اردوئے معلّٰی کا طبع اول اس وقت میرے سامنے نہیں ہے۔ لیکن اس کتاب کا جوائنٹن میرے پیش نظر ہے اس میں اسی مضمون کا ایک خط ملتا ہے۔ اس پر ۲۳ ذی قعدہ ۱۲۹۰ء کی تاریخ درج ہے جس کی مطابقت ۳ مئی ۱۸۷۳ء سے ہوتی ہے۔ اس کی مطلق عبارت یہ ہے۔

”محل گذشتہ کے آغاز میں ملٹی نول مشور نے شباب الدین خان کو نگہ کر کلیات فارسی جو ضیاء الدین خان نے خود کے بعد بڑی محنت سے جمع کر لیا تھا وہ منگا لیا اور چھاپنا شروع کیا۔ اب سنا ہے کہ چھپ کر چار ہو گیا ہے۔“ [77]

اس خط میں ”محل گذشتہ“ یعنی ۱۸۷۳ء غالب نے سواۓ لکھا تھا۔ کیوں کہ کلیات کا جو اشتہار یکم جنوری ۱۸۷۳ء کے اردو اخبار میں ملتا ہے اس میں وہ تمام باتیں تفصیل کے ساتھ درج ہیں جو تذکرہ بالانکوب میں غالب نے لکھی تھیں۔ لیکن غالب ہے کہ کلیات کی اشاعت کی بات حیرت ۱۸۶۱ء کے وسط سے شروع ہو چکی تھی۔

جولائی ۱۸۷۸ء کے ایک خط میں غالب نے میر صدیقی مجموعہ کو اطلاع دی تھی کہ کلیات نظم فارسی کے چھاپنے کی تدبیر ہو رہی ہے [8]۔ یہ اشارہ بیٹیا ملٹی نول مشور ہی کی طرف تھا اور ۱۸۷۸ء کے اواخر تک کلیات کا وہ نسخہ نول مشور تک پہنچ چکا تھا جس کا ذکر غالب کے خط میں اور مندرجہ ذیل اشتہار میں کیا گیا ہے۔ ہر کیف اردو اخبار میں شائع ہونے والے اشتہار کا متن یہ ہے:

اک بشارت نئی سنو ہم سے گوہر آب دار لوم سے

ایسا حشرہ خستہ ہیں کہ کسی نے سنا نہیں وہ سالن کرتے ہیں کہ اب تک ہوا نہیں۔ مرجان کھنڈے شاہ شیریں کار آتا ہے۔ مبارک ہو یوسف سرایاز آتا ہے۔ عزیز ہر دل ہے دلیری میں کامل ہے جب مطلق دو چار ہوں گے نقد ختمنا سے فریاد ہوں گے پودے میں عمال کیا دکھائے اب شباب چرنا خن سے اٹھا ہے۔ کوہِ نگار گوش جہاں ہو نزدیک دور عیاں ہو کہ نواب مرزا احمد اللہ خاں صاحب غالب دہلوی کا فارسی کلیات مطبوع ہوا چاہتا ہے۔ نقش و نگار اس دل آرام دہ نقیہ اروا کا تقریب شروع ہوا چاہتا ہے۔ اقسام خن پر مشتعل ہے۔ ہر ایک شعر فرد کمال ہے عالی مضامین قصائد لاجواب و تہنیں نرہیں انتخاب کر انہیں دیکھ کر ظہیر کا کمال بھول جائے نظیری کی شوکت بھی طیال میں نہ لائے۔ مشرقی کی جاویدمانی میں جائے محنگو نہیں۔ سحر طالع دلائی کی اس کے سامنے آہد نہیں۔ رباعیوں کو بیکہ خن کے اربع عناصر کہئے۔ آب دار قطعات کو قطعات جو اہر کہئے۔ ہر مصرع قد موزوں سے بڑھ کر ہے۔ ہر بیت شاید ماہیمائے سنی کا گھر ہے۔ دس ہزار چار سو کئی اشعار ہیں کہ سب سنگ گوہر شاہوار ہیں۔ خدا کے فضل سے نسخہ بھی وہ صحیح و درست بڑے کتب خانہ کا ہاتھ آیا جس کو نواب ضیاء الدین خان صاحب ہمدرد دہلوی نے جہود و جہد تمام سے جمع فرمایا۔ متہل تھاق کو تحریف کی حاجت نہیں آفتاب کی صفات بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ عالم کی بے مثالی آثار ہے عالم کو ان کی استادی کا اقرار ہے۔ اس زمانے میں سبحان طائی ہیں جواب انوری و غافقی ہیں ہر نقطہ ان کے قلم کا اختراع کمال ہے جو خن زبان سے نکلا سحر طالع ہے ایسی نادر چیز کہیں میر آتی ہے کس خوش نصیب کی یہ امید بر آتی ہے دیکھئے ہم در غالب کے ڈیمر لگائے دیتے ہیں موتی کو زہن کے مول لٹائے دیتے ہیں سب کتاب تقریباً چالیس ہزار میں

پچے کی بعض مقام مناسب پر تصویر مصطفیٰ کی۔ شروع طبع میں قیمت بیچنے والے (تین روپے چار آنے) کو پائیس کے چھپ چکنے کے بعد پورے ص (پانچ روپے) مقرر ہو جائیں گے۔ غالباً اہل بخرنے ہی اشتراک میں آئیں گے بیچنے تو وہ 'باقوں ہاتھ اٹھائے جائیں گے۔ اشتراک دینے کا یہ سبب ہے 'صرف اسی مطلب ہے کہ درخواست بیچنے والوں کو اطمینان یک سرے کا پہلے ان کا اشتراک مد نظر رہے گا اگر ابھی سے طلب کاروں کی قیمت کے حصہ دار ہوں

[8]

"اشتراک قاطع برہان"

قاطع برہان کے سلسلے میں یہ جانا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ جولائی ۱۸۸۷ء تک غالب کا خیال تھا کہ "مقدمہ سادہ کرے گا تو میں بے شرکت فیر اس کو چھاپوں گا"۔ (۱۰) لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ کلیات کے ساتھ ساتھ قاطع برہان کا معاملہ بھی منتی نول کشور سے طے ہو گیا۔ چنانچہ اردو اخبار کی جس اشاعت میں کلیات کا اشتراک شائع ہوا، اس میں کلیات کے اشتراک کے نیچے ہی اشتراک قاطع برہان بھی ہم کو نظر آتا ہے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ کلیات کا اشتراک اردو میں تھا، اور قاطع برہان کا فارسی میں یہ تفریق غالب کی ذہنی لوح کا نتیجہ تھی یا طور ناشکی؟ اس کا ہمیں کوئی سراغ نہیں ملتا۔ اشتراک کی عبارت یہ ہے:

ارباب فرہنگ و ہر راژندہ یاد دہید بگوش تکتہ سخاں رسد کہ گوہر لفظ آب نہاں دیدہ و فراخ سخن بھلائے نور سیدہ۔ اعلیٰ خدا جو ہر حقیق، دہشگر آئینہ دقیق، آموزگار جلیل المصابغ نواب اسد اللہ خاں غالب کہ بالسطح فلسفہ در زلف و خیال آرائی سخن بے نظیر ست در تئیں طبعی عارفہ روئے شہد ان دلہندہ پانچواں برہان از تمام کتاب پیوہ پنجاب احتیاجت و انورد و جہانگیر دیوارش سکندری طورہ مکان آگہی بر شاردہ سورہ حاصل کہ ذائق برکور وہ باصلاح پرداخت و ہر راجع نمود رسالہ مختصر سادہ علاوہ ان دیگر فوائد کار آمدنی نرمل و آفرش ہوا کہ گوہر گوہر کمال کردہ میوز لعلہائے ربانی ست کہ چشم آفرانیدہ دلوحش اللہ بواقیت سیلابی کہ آویزہ گوش نگر دیدہ۔ ذراست کہ این سلائے دلفریب بہ نقش و نگار طبع آراہندہ بس دیر کہ عرض حسن خداوند را بر مندرہ شود بر آید فرض و صفتی چہ بر شاردہ کہ سلسلہ سخن دراز گردیدہ۔ طبع این کتاب کہ ازہ جزییش باشد قریب اختتام رسیدہ تئیں کہ درود ہفتہ طیار گردد و قاتل قماشائے اولی الاہبار گردد۔ ہر کراشوق دامن دل کشندہ خریداری بہ داند و مناسب ست کہ درخواست فرستادہ از پیش تر آگاہ سازد۔ رعایت سخن برنگان مد نظر شد این زبان یک روپے قیمتیں مقرر شد فقط۔

کلیات فارسی نور قاطع برہان کے اشتراکات کے سلسلے میں یہ کھیل ذکر ہے کہ اردو اخبار کے اکتوبر ۱۸۸۳ء تک کے جو شمارے پیش نظر ہیں ان میں کلیات کا اشتراک پہلی بار شائع ہونے کے بعد پھر شائع نہیں ہوا لیکن قاطع برہان کا اشتراک نجم بخوری کے بعد ۸ بخوری کے شمارے میں بھی شائع ہوا اور بعد میں بھی متعدد بار اسے چھپا گیا جس کی تحصیل آگے درج کی جائے گی۔

قاطع برہان کے متعدد بار اشتراک میں توقع ظاہر کی گئی تھی کہ وہ بخوں میں طاعت کمال ہو جائے گی لیکن یہ توقع

پوری نہیں ہو سکی اور اس کی تکمیل میں کم و بیش تین مہینے لگ گئے۔ چنانچہ اشتہار انتظام قاطع بہانہ ۲۶ مارچ کے اخبار میں ہم کو ملتا ہے [۱۶] یہی اشتہار دوسری اور تیسری اپریل کے شماروں میں چھاپا گیا تھا۔ "اشتہار قاطع بہانہ" اور "اشتہار انتظام قاطع بہانہ" دونوں کی عبارتیں ایک ہی ہیں۔ البتہ آخری سطروں میں حسب ضرورت معمولی سی ترمیم کی گئی تھی۔ "تقریباً کہ در دو ہفتہ طیارہ گرد و قاتل کشائے اولیٰ الابعاد گردو" کو حذف کر دیا گیا تھا" اور اس جگہ ایک نوید بخش غنی سخنان رسالہ کی بعض باتیں درجہ [۱۷] نے لے لی تھی۔

قاطع بہانہ تین مہینوں میں پچھپ گئی لیکن کلیات شاید ابھی کتبیت ہی کی حیل سے گذر رہی تھی۔ دوسری طرف غالب قدرتی طور پر جڑ ہو رہے تھے ان کی ذاتی کیفیت کا اندازہ اس جملے سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے علامہ الدین خاں کو "۸۳ ہجری المبارک" (۱۸۸۳ء) کو لکھا تھا۔ "کلیات کے اجراء کا انتظام اپنی ذہانت میں نظر نہیں آتا۔ قاطع بہانہ کا چھاپا تمام ہوا۔ حق تعالیٰ کی ایک جلد میرے پاس آئی۔" [۱۸]

جناب مرتضیٰ حسین قاضی نے اپنے مقالے میں ایک خط کے حوالے سے جو ۵ مئی ۱۸۸۳ء کو لکھا گیا تھا، لکھا ہے کہ کلیات کی طباعت اس وجہ سے ٹھوکی تھی کہ مولوی ہادی علی چار تھے [۱۹]۔ یہ بیان یقیناً قرین صحت ہے۔ مولوی ہادی علی ٹول کشور پریس کے طباعتی انتظام کی مشین کے اہم پرزے کی مشیت رکھتے تھے۔ ان کی اس مشیت کا علم ہمیں خود فشی ٹول کشور کے ایک مضمون سے ہوتا ہے جو "آغاز سال ۱۸۸۳ء" کے عنوان سے اورہ اخبار میں شائع ہوا تھا یہ مضمون دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ کئی اعتبار سے اہم ہے اس سے ٹول کشور پریس کی وسعت و گہرائی کا اندازہ ہونے کے علاوہ پریس کے جملے کی فرست اور ان کی استفادہ و الیت کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

فشی صاحب نے اس مضمون میں گزشتہ سال کی کارگزاری کا جائزہ لیتے ہوئے عام روش سے ہٹ کر "سرپرستوں اور خریداروں کا شکریہ ادا کرنے سے پہلے مطبع کے تمام کارکنوں کا نام بطام شکریہ ادا کرنے میں تمام ناظرین اخبار کو بھی اپنا ہم نوا بنایا تھا۔" اگر ہمارے ناظرین اورہ اخبار اور بزرگانِ پادشاہ جن کو اس مطبع سے فائدہ پہنچا ہمارے ساتھ متعلق الفظ ہو کر اس مطبع کے کارپردازوں کا شکریہ ادا فرمائیں منت بہ حال راقم مجھ سے [۲۰]۔ اس فرست میں مولوی ہادی علی کا نام سرپرست نظر آتا ہے۔"

"مولوی محمد ہادی علی صاحب کچھ مطبع۔ یہ بزرگ وہ ہیں کہ جن کے صرف جبرک نام سے جو ہر علوم معرض عرض میں آتا ہے علامہ اور فضلا کا سرمایہ افکار کوئی علوم و فنون مختلفہ عربی و فارسی اور دینی زبان کا ایسا نہیں جس کے واسطے استاد مسلم نہ کہوں اس وجہ سے قلم رو بہ میں مجھ کو دعا ہے کہ کوئی اہل مطبع اسے ہم چلے نہیں۔" [۲۱]

ان ہی مولوی ہادی علی کی عبارت کی وجہ سے مطبع کی کوشش اور غالب کی خواہش کے باوجود کلیات کی طباعت میں سترہ افراد مہینے لگ گئے۔ مرتضیٰ حسین قاضی صاحب کی وسالت سے ہماری معلومات میں یہ اضافہ ہوتا ہے کہ جو ۵ مئی ۱۸۸۳ء کے اورہ اخبار میں "اشتہار کلیات جناب مرزا غالب دہلوی" چھاپا تھا جس میں طباعت کے تمام ہونے کی خبر دہی تھی۔ اس اشتہار کی عبارت جو قاضی مقالہ نگار نے درج کی ہے وہ وہی ہے جو ساتھ معلومات میں نقل کی جا چکی

ہے۔ صرف آخری چند سطروں کی عبارت میں حسب ضرورت دو بدل ہوا تھا ان سطروں کی شکل یہ ہو گئی تھی۔
 ”تمام کتاب سوا پینتیس جز میں چھپ کر تیار ہے“ اور مقام مناسب پر تصویر مصطفیٰ بھی یادگار ہے۔
 سابق میں سوائے محمول جنگی قیمت تین روپے چار آنے قرار دی تھی اور بعد ختم کتاب پانچ روپے درج
 کی تھی۔ اب چونکہ رقم عام منظور ہوا، قیمت کا گنتا دینا ضرور ہوا، جن لوگوں سے قیمت جنگی لی گئی ہے
 انہیں محمول (مقابل) اور جو صاحب اب طلب کریں گے، ان سے چار روپے قیمت لیں گے۔“ [177]
 غالباً اسی اشتہار کی بنیاد پر غالب نے ایک خط مورخہ ۲۳ ذی قعدہ ۱۲۳۳ (مطابق ۳ مئی ۱۸۹۳ء) میں سید بدر الدین کو
 اطلاع دی تھی کہ ”اب سنا ہے کہ کلیات چھپ کر تیار ہو گیا ہے روپے کے فکر میں ہوں ہاتھ آجائے تو ۶۵ روپے بھیج
 کر میں جلدی سنگراؤں۔“ [178]

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک کلیات چھپ کر طبع سے باہر نہیں آیا تھا۔ ۳ جون ۱۸۹۳ء کے اوپر اخبار
 سے معلوم ہوتا ہے کہ:
 ”بہ وجہ عدم تیاری تصویر مرزا صاحب موصوف کلیات بہ خدمت شائقان تقسیم ہونا ملتوی رہا۔ اب تیار ہو گئی۔“
 [179]

”نواب مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی“

کلیات نامی اور قاطع برہان کے اشتہاروں کے بعد مجدد چہاں عنوان کے تحت مرزا غالب سے حعلق ایک خبر بھی
 اور وہ اخبار میں ملتی ہے۔ خبر مختصر ہے لیکن تنقید کی عبارت اخبار کے پورے ایک کالم پر پھیلی ہوئی ہے یہ خبر کس نے
 بھیجی تھی یا کس ذریعے سے دفتر اخبار تک پہنچی تھی؟ اس کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ مگر غالب ہے کہ غالب ہی کے ایما
 پر یہ خبر شائع کی گئی ہوگی پوری عبارت یہ ہے:

سب جانتے ہیں کچھ حاجت دلیل نہیں کہ آج ہندوستان میں ان کا مدخل نہیں فصاحت و بلاغت میں معیار
 جاتی ہیں فن شعر میں جواب انوری و خاقانی ہیں زمین حق کو آسمان پر پہنچایا۔ ہر نقطہ کو اختراع معانی بنایا۔
 زور قمران کا جہاں میں مشور ہے نتائج طبع عالی کا آوازہ دور دور ہے۔ جناب جہانیاں اب تک معطلہ ہندو
 انگلینڈ کی دہائی میں وہ پایہ بلند و مرتبہ ارجحہ پایا کہ ابتدائے عمل داری سرکاری سے کسی ہندوستانی کے
 لئے اس کا دواں حصہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ یہ کیفیت نواب ممدوح نے خود کھس ہے اپنی کتاب دہلیو میں
 متصل بیان کی ہے۔ آگے ایک قصیدہ تک معطلہ کی شان میں کہا تھا۔ وہاں تو ہر کمال کی قدر دانی ہے۔ کلا
 ہوا باب فیض رسائی ہے۔ جب فیض باب سماعت ہوا منظور نگاہ محضت ہوا جو دو نوال کی طرف ہمت آتی
 صلہ شایانہ دینے پر طبیعت آتی فردی ۱۸۵۷ء میں جناب دسل ٹرک صاحب بہادر نے مصنف کو انگریزی
 چھٹی نکسی۔ ولایت سے ڈاک میں پہنچ کر اس نوید سراپا امید سے خبر دی کہ تمہارے قصیدے کے انعام کا
 مقدمہ ذمہ تجویز ہے من قریب خطا اٹھا کے بعد صدور حکم انڈیا گورنمنٹ اس کی اطلاع پاؤ گے۔ ناگہ سنہ
 مذکورہ میں سرزمین ہند پر آسمان نوا، فرج حلاوت نے بالکل متاع امید کو لوٹا۔ ہجیرے بے گناہوں ذمہ

ایسے کردوں ہے جس طرح بجلی کے پائے کے تے گیہوں ہے۔ کیا آغاز تھا کیا انجام ہوا کہ ہر حرمدی بھی ناکام ہوا نواب صاحب کا وہ معاملہ گویا طواب قمار جب آگھ کھلی تو یکہ نہ دیکھا!

جب ضمیمہ کے پرورش سلطان پور توجہ فرمائے بین حالت یاس میں لطف خسروانی سے امید برائے۔ اس تقریب میں ایک ذکر اور سنئے کہ ان دنوں جب تعزیت شاہزادہ عالی پائے گا [20] عالم گیر تھی۔ دہلی میں ایک ورق عہد انگریزی لکھا ہوا اور اس کے ساتھ دوسرا ورق سالہ پیش نگاہ حکام سے مشاعرہ شمر کے پاس پہنچا۔ ہر ایک نے اپنا نام لکھ دیا۔ نواب صاحب نے اس دلو سے کہ صاحب خن چن "دحت سرائے ملکہ زمن چن" یہ شعری الہدیہ کہا ہوا لکھ کر مر کر دی۔

شاہ عالی گمر و گوہر پاکش صدحیف ویکہ ناچار سپردہ غناکش صد حیف ہندوستان کی سمجھ۔

اور وہ اخبار کے صفحات میں مندرجہ بالا عنوان کے تحت 'غالب کا ایک سیاسی نوعیت کا مفکر سا مضمون بھی ملتا ہے جو آغاب عالم گمر کے حوالے سے نقل کیا گیا تھا۔

غالب سیاسی لیڈر یا مصلح نہیں تھے "ہام اپنے دور کے اور شاعروں کی طرح نرے شاعر بھی نہیں تھے۔ اہلدارت پابندی اور دلچسپی سے پڑھتے تھے اور ان سے رواج بھی اٹھ کر تے تھے اخبار، سہ ستون کی بندت کی ناکامی کے کم و بیش چار سال بعد انہوں نے یہ مضمون لکھا تھا چنانچہ مضمون میں اس حادثے کے گمرے سائے نظر آتے ہیں۔

اس مضمون کی محرک ہندوستان پر افغانستان کے حملے کی چاروں کی افواہیں تھیں جنہیں پڑھ کر اور سن کر ہندوستانی عوام ذہنی انبساط محسوس کرتے۔ اس نوع کی افواہیں ۱۸۵۷ء کے اوائل میں اس ملک میں عام تھیں ہندوت سے یکہ عمل تو اس مضمون کے اشتادات بھی تقسیم کئے گئے تھے کہ ایرانی فوجیں انگریزوں سے جنگ کرنے کے لئے نکل کاٹنے سے پس کھڑی ہیں ہندوت کی ناکامی کے بعد جب برطانوی دریائے انقام کے جزر نے مد کی شکل اختیار کی تو اسی نوع کی افواہیں پھر اشتادوں میں جگہ پائے گئیں۔ عوام الناس جن کے ذہن غیر ملکی اقتدار کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے "ان افواہوں پر ایمان لے آئے بلکہ ملک مرجع لگا کر ان کی تشہیر بھی کرتے غالب جو ہندوت کے محرکوں اور اس کی ناکامی کے رواج کے شاہد تھے ان افواہوں کو پڑھ کر اور سن کر گھبرا اٹھے تھے۔ اس مضمون میں ان کی ذہنی کلیت کے واضح نشان ملتے ہیں اس مضمون کو پیش کرنے سے پہلے اس نوٹ کو نقل کر دینا یہ عمل نہ ہو گا جو مضمون کی پیشانی پر درج ہے اور جس سے مضمون کے پس منظر اور غالب کی شخصیت پر روشنی پڑتی ہے۔

افغانستان کا دو تاج پیر مدت وراز سے بنا جاتا ہے دس برس سے زیادہ ہونے کے صحائف اخبار میں دیکھا جاتا ہے غرض سالہا سال گزر گئے "نئے نئے کان بھر گئے کسی بات کا تصور نہ پایا انسان کے سوا کچھ نظر نہ آیا اس زمانے میں بھی دکنی ہی باتوں نے شرمیں پائیں۔ چاروں طرف لوگوں نے بے پروائی اڑائیں۔ ہندوستانوں کی سمجھ کے قریب "کیا کیا عقلیں ہیں کبھے کبھے انسان نے سنے سنے باتوں کو یاد ہے "تو لے اٹھائے" محض

اپنے گمان پر نیکوں کا اس گھٹا ہے گھرو! خدا سے اردو' فاتح عالم کو پریشان نہ کرو مظلوم نہیں ہے
 ہے اصل باتیں کون مڑتا ہے خصوصاً "واقعہ کاروان انگریزی کو کون کھسکا رہا ہے۔ کیا کریں جب بھیغوں کو
 ایسے اخبارات سے ملھواتے ہیں تو ہم بھی حسب ضرورت کچھ کچھ احکاب کر کے اپنے جھینے میں چھپاتے
 ہیں آج کل داتا سے روزگار سراہہ اول الابصار" ارسطو فطرت" فلاطون نعت" جناب والا شان" عالی مناقب"
 مرزا اسد اللہ خاں غالب نے جن کی سلامت ذہن مستقیم پر قسم کھانچے استقامت رائے سلیم کے صدقے
 چاہئے ناموں کی تصانیف میں ایک نثر تحریر فرمائی ہے۔ ہمارے مضمون ٹیالی سے قارہ ہوا ایسی تقریر فرمائی ہم
 اس کو درج اخبار کرتے ہیں اہل جہاں پر آشکار کرتے ہیں بعد اس کے بھی جو خبریں ملا کریں گی پیش کش
 ناظرین مشتاق ہوا کریں گی۔

مذہب عبارت میں اگرچہ اس امر کی تصریح نہیں ملتی کہ یہ نوٹ "آداب عالم تاب" کا ہے یا اردو اخبار کا۔
 لیکن عبارت آرائی کا طرز اردو اخبار ہی کا ہے۔ ممکن ہے کہ غشی نول کشور ہی کے زور قلم کا نتیجہ ہو۔
 غالب کا مضمون "جس کا عنوان "نثر" ہے "ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے یہ عنوان اصل مضمون کا نہیں ہو سکتا "غالب"
 اردو اخبار کا قائم کردہ تھا۔

نثر۔

یاد رہے دنیا میں جتنے تیرے بندے ہیں سب اپنا بھلا چاہتے ہیں۔ آیا یہ کج قسم واقعہ طلب لوگ کیا چاہتے
 ہیں؟ فتنہ و فساد سے خوش اور امن و امان کے دشمن ہیں۔ گویا اپنے دن و فرزند و مال و جان کے دشمن ہیں
 اگرچہ اس جنگ سے میں آپ بھی برباد ہوتے ہیں لیکن جہاں بھی جنگ کے کی خبر سننے میں شلو ہوتے ہیں ابھی
 سرزمین ہند میں سورج دن دریاے خون دیکھ چکے ہیں نیکوں ہمراہ کشتیاں اس دریا میں سرگوں دیکھ چکے
 ہیں۔ یہ عاقبت دشمن صبرت نہیں بکارتے ہیں اور جو کوئی ان کو بھانے اس سے بھڑکتے ہیں۔ کابل کے
 اخبار پر کس رحمت سے نکلن دھرتے ہیں اور اس اخبار پر کیا کیا آماج مرتب کرتے ہیں از بس کہ سرکار
 انگریزی کی توجہ طرف رفاہ عام کے ہے۔ اور کار خیال و قصد ہو کچھ ہے واسطے انتظام کے ہے۔ بلرض حال
 اس گروہ میں سے کسی نے کچھ پیڑہ کر حاصل کیا اور صاحبان عالی شان مصلحت نکان کا مقابلہ کیا بات صاف
 صاف ہے جائے انصاف ہے جن موبدین اللہ حاکموں نے اپنی فوج باقی کو صرف اپنے حسن تدبیر و ضرب
 شمشیر سے زیر کیا ہے اب جو یہ فوج جبار و لشکر بے شمار ساتھ ہے مخالف کا دفع کرنا مشکل کیا ہے۔ ہند و
 مسلمان جو اہل ہند اگلے فتنہ و فساد سے بچ رہے ہیں اور بعد اس کے دبا اور قتل کے دکھ سے ہیں وہ اپنی
 سلامت و صحت پر خدا کا شکر بجا لائیں۔ ناپاکیزہ سستا لاج فراغت سے کھائیں۔ آگن پوت اور دہلی گاڑی
 کی صنعت کو دیکھیں تار بجلی میں پیام کے پہنچنے کی سرعت کو دیکھیں مددوں کی رونق اور دواج علم کی

غالب کا کلمتہ

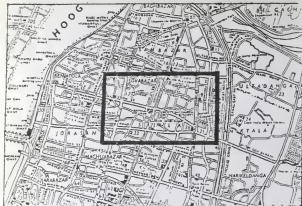
پروفیسر سعید احمد خاں

اگر ان شہداء کی فرست قیاد کی جائے جن میں مرزا غالب کو اپنی زندگی کے کسی نہ کسی حصے میں رہنے کا اتفاق ہوا تو مدت قیام کے لحاظ سے اس فرست میں دہلی اور آگرے کے بعد کلمتہ کا قہر آئے گا۔ کلمتہ کا ستر مرزا صاحب نے ایک مجبوری سے اختیار کیا تھا۔ وہ اپنی جاگیر کا قصبہ طے کرانے کے لئے یہاں آئے تھے۔ مگر یہاں پہونچ کر شہداء میں جو امیدیں انہیں بندھیں وہ کچھ عرصے کے بعد باطل ثابت ہوئیں اور بلا غرورہ کلمتہ سے باجوس ہو کر واپس دہلی کو گئے۔ اس پہلو سے کلمتہ کو مرزا غالب کی یاد پر کوئی خاص حق باقی نہ رہا۔ لیکن بعض پہلوؤں سے کلمتہ کا تعلق اس قدر پائیدار ثابت ہوا کہ خود دہلی اور آگرہ بھی رنگ کرتے تو جائز تھا۔ آگرہ و دہلی غالب کے پیداواری اور اقتصادی وطن ہونے کی حیثیت سے قدر تاہ اپنی اپنی خصوص کشش رکھتے تھے۔ چنانچہ غالب نے فارسی اور اردو مکاتیب اور اشعار میں جانتا ان کا ذکر محبت اور احترام سے کیا ہے کلمتہ کو غالب سے اس قسم کی کوئی نسبت حاصل نہ تھی۔ پھر بھی کلمتہ کے حلقہ انہوں نے اپنی پسند کا اعتبار اس پرورش پورائے میں کیا ہے کہ ہمیں اس پسند پر کچھ غور کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

جشن کا مقدمہ لگانے کے لئے مرزا غالب ۱۸۸۶ء میں جس لمبے سطرہ روانہ ہوئے اس کے سلسلے میں دہلی سے لے کر کلمتہ تک انہیں شمالی ہند کے اکثر بڑے شہداء سے ذاتی واقفیت حاصل ہوئی لیکن کھنڈر آہلہ "نارس" پٹنہ کسی کو بھی شاعر کی حسین و قویہ سے وہ حصہ نہ ملا جو کلمتہ کے لئے مقدر تھا۔ نارس کی تعریف میں ضرور ایک رشتہ منشی قادی کلیات میں موجود ہے، لیکن یہ تعریف نارس سے کہیں زیادہ "مناج نارس" کے لئے وقف ہے۔ خلاف اس کے کلمتہ میں شہوانی حسن کے جلوؤں کے علاوہ شہر کی خاص جغرافیائی کھنڈیں بھی غالب کو قابل قدر معلوم ہوئیں۔ اس شہر کا پانی "اس کی ہوا" اس کا سبزہ" اس کی سڑکیں" فرنگہ اس کی ہر جہ ان کے لئے موجب فرحت تھی۔ وہ جب دہلی سے چلے تو ہر طرف پرستاروں کا جھوم تھا۔ ذاتی مکان فروخت کرنا پڑا تھا۔ قرض خواہ بھیجے گئے پھرتے تھے، بھائی دے انہ ہو گیا تھا۔ اس حالت میں کلمتہ پہنچ کر ایک عجیب ذہنی آسودگی حاصل ہوئی تھی اگرچہ حکام کی امید افزا ملاقاتوں نے باہر معلوم بنیاد پر کھڑا کر دیا اور جسے شہر کے عام کاروبار میں انگریزی معاشرت کی آمیزش نے ایک دل پذیر تازگی بخشی کلمتہ کا مرزا غالب کو ہر لحاظ سے ایک نئے جہاں کا انکشاف معلوم ہوا۔

طوشا روز و شب کلمتہ و بیش مقصافش گورنر سرد کنا تن ہلوار ما تہائش

اس معارف و مدحہ مطلع میں بھی کلمتہ کی ستائش کا وہ جذبہ چمکا پڑتا ہے جو اس شہر کی ہمت طراز زندگی میں ایک خاص عقلی اور قریب و کچھ کر غالب کے دل میں خود بخود پیدا ہوا۔ کلمتہ سے لکھے ہوئے ایک فارسی خط میں ایک



صبر و تحمل کے بغیر علم حاصل نہیں کیا جاتا۔

مختصر عبارت ملتی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوؤں کی بین الاقوامی چمچ پھل 'بازاروں کی مدد' اور کھانے کے منہ پر شرمناکوں کی ہنرمندی کا مرزا غالب کی طبیعت پر کیا اثر ہوا۔

”چھ نکلے جہانے از ہر گونہ نکلے، ہاں“ جڑ چارہ، مرگ ہرچہ کوئی پیش ہنرو وارفش سل“ و جڑ بخت ہرچہ طوائف بہ
ہزارش ارڈاں“ (خط نظام علی بخش خان دہلوی)

۱۰ سال بعد نکلنے کو اعلان کہ کر پھر دلی پہنچ گئے تھے۔

”میریدن بہ وطنی تھائی بھڑان نکلتے نہ کہو“ تپ شادی چہ رسد؟ ہر کہ از اہل نظر مرا گوید ہرگز خاند کہ این دہر
بہ منہل رسیدہ بہ وطن آرمیدہ ایست بلکہ چہ اندوہ نہ منہست از وطن دور افتادہ تازہ بہ دارغ غریب چلا“

(خطایم مولوی معراج الدین احمد)

واپس دہلی آئے ہوئے پانچ سال گزر چکے تھے کہ نواب امین الدین خان کو فکلتے روانہ ہوتے دیکھ کر اپنے قیام فکلتے کی مسجد آمیز یاد متلاتے ہوئے۔

"برادر والا قدم ستورو میر نواب احمد الدیج خان ہمارے۔۔۔ عمل عزم بہ جانب نکلتے رائدہ دمن چوں نقش قدم ہم وریں غراب خاک بہ سراغہ۔ (خط بام نواب علی اکبر خاں طاهانی)

گلتے کے دو سالہ قیام نے غالب کے لئے اس صدمہ میل دور شر کو نیم وطن بنا دیا تھا۔ وہیں اگر کچھ نئے دشمن بنے تھے تو کچھ نئے دوست بھی ہاتھ آئے تھے۔ اور کے دونوں خط انہیں دوستوں کی یاد سے معمور ہیں۔ لیکن گلتے صرف ان دوستوں کی وجہ سے نہیں بلکہ خود اپنی وجہ سے بھی عزیز تھا۔ اس سلسلے میں وہ مشہور قطعہ دیکھئے جو یوں شروع ہوتا ہے۔

گلتے کا جو ذکر کیا تو نے ہنسنے اک تیر میرے چنے میں مارا کہ ہائے ہائے
اسی قسم کے جذبات کا اظہار شعر میں بھی کیا ہے مثلاً ایک فارسی خط میں لکھتے ہیں کہ اگر میں خیال دار نہ ہوتا تو
سب کچھ بھڑچھاڑ کر گلتے میں بس گیا ہوتا۔ پھر گلتے کی چار غزلیں اسی طرح مکتائی ہیں۔
نہے ہوا ہائے سوز و غشا آب ہائے گوارا!
فر خابادہ ہائے باب و غشا شر ہائے شیریں

(خط نام مولوی سراج الدین احمد)
یہ شعر جسے ہماری تہذیب کے دور آخر کے سب سے بڑے ترانہ نگار نے اس طرح سراہا اب بھی کلام غالب کے شائقین کے لئے کچھ نہ کچھ دلچسپی ضرور رکھتا ہے لیکن آج کا گلتے بلکہ خود تین سال پہلے کا بین الاقوامی گلتے غالب کا گلتے نہ تھا۔

غالب کے وقت سے لے کر اب تک ہندوستان کا جغرافیہ اور اس کے شہروں کے خدوخال بے حد بدلے ہیں چنانچہ انیسویں صدی کے ربع اول کا گلتے جس میں ابھی نہ ریل ضرور ہوتی تھی نہ مار ہتی نہ بجلی کی روشنی اور نہ کالج اور یونیورسٹی، صحیح معنوں میں اب موجود نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جس شہر میں سوا سو برس ہوئے غالب نے قدم رکھا اس کی اصل ہمار دیکھنے کے لئے ہمیں ایک خاص تلاش کی ضرورت ہے۔

گلتے دریائے بنگلے کے مشرق کنارے پر ایک بے قاعدہ مستطیل کی شکل میں آباد تھا۔ اس کا انتظامی طول چھ میل اور اس کی چوڑائی جو کسی جگہ بھی سمت زیادہ نہ تھی۔ کہیں کہیں دو میل کے قریب پہنچتی تھی۔ شر کے باہر ہر طرف ایک شاداب اور سرسبز علاقہ تک حد تک پھیل رہا تھا۔ جس کے اور معنوی اور تقدتی صوبوں اور تداروں کا ایک جال بنا ہوا تھا اس علاقے کی ہریال اپنی تہائی اور شمع سے گلتے کو مرشد آباد سے ملائی تھی۔ مرزا غالب چنے اور مرشد آبادی کے راستے سے آئے تھے۔ نووری ۱۸۴۸ء کی جس صبح کو پھر دن چڑھے وہ گلتے میں وارد ہوئے انہیں یہ شر دور سے اسی بے کراں ہریال کے واسطے میں ٹٹکا ہوا دکھائی دیا۔ کاشی پور کے گاؤں تک پہنچ کر گلتے کی عمارتوں کی پوری شان و شوکت ان کی نظروں میں تھی لیکن اس زمانے میں گلتے کا نظارہ دیکھنے کے لئے سب سے اچھا موقع فورٹ ولیم کے سامنے کا میدان تھا۔ یہ وسیع وسیع سبزہ زار اب بھی موجود ہے اس کے گرد بڑی بڑی عالی شان عمارتیں متحدہ ہائے گزنی تھیں اور خود انگریزوں کے خیال میں بھی یہاں سے گلتے کی آب و تاب و روپ کے کسی شر کے مقابلے میں کم نہ تھی۔ کتاب محل اور لال قلعے کی عمارتوں کے لاشریک صحن کی چمکائی اور بے ہنگامی سے محروم ہوتے ہوئے بھی یہ انگریزی قیارات ایک الگ کیفیت رکھتی تھیں۔ بادشاہی دور کے آخری شاعر کی ذکرت وہیں اک

نے جمہوری فن تعمیر کی زبانیں اور یورپی شرمساز کے انتہائی آہنگ سے متاثر ہونے بغیر نہ دی گئیں کی سرکاری عمارتوں میں نہ سبک مرمر استعمال ہوا تھا نہ سبک سرخ یہ پوری کی پوری اینٹ کی بنی ہوئی تھیں۔ لیکن چونے کے پلستر نے کثرت و سبک کے فرق کو اس سطح سے چھپا رکھا تھا کہ ان عمارتوں کے ٹکڑوں میں کسی محسوس نہ ہوتی تھی۔ گئے گا گورنمنٹ ہاؤس، جیکن ہال، سینٹ جان کا گر جا اور پرانا مشن گر جا مسجد ان عمارتوں کے ہیں جو غالب کے زمانہ قیام میں اپنی جگہ پر موجود تھیں۔ گئے گئے کے بعد اس وقت تک کوئی وجود نہ تھا نہ بجلی کا بل ابھی بنا نہ تھا۔

گئے گئے کے جس حصے میں یورپین آبادی تھی اس کی سڑکیں پختہ، فراخ اور صاف ستھری تھیں لیکن کشادگی کے باوجود ان کے کناروں پر پتھر اور گھاس ابھی نظر نہیں آتی تھیں۔

شر کا ہندو متلی حصہ شمال میں تھا۔ یہ ویسا دل کشا تھا نہ ویسا صاف جیسا جنوب کی طرف کا یورپین حصہ۔ یہاں اکثر گلی کو کچے سنگ، ٹیڑھے اور پر چٹے تھے۔ ان گلیوں میں چھاپا پانی کے گڑھے اور تالاب تھے۔ بہت سے مکان ہاؤس کے بنے ہوئے یا کچے تھے اور ان کی چیمیں مچھری تھیں۔ کہیں کہیں پختہ سڑکیں بھی ملتی تھیں اور کسی امیر مسلمان یا ہندو کا بڑا مگر بڑا مکان گرد و پیش کی لامکت میں سے سراونچا کے نظر آتا تھا۔ ان مکانوں کا نقشہ بالعموم یہ ہوتا تھا کہ ایک مربع صحن کے گرد دو منزلہ یا سہ منزلہ عمارت کھڑی کی جاتی تھی۔ اور کا حصہ عورتوں کے لئے الگ کر دیا جاتا اور چلی منزل سے موائے کا کام لیا جاتا تھا۔

شر کے مغرب میں ایک وسیع قلعہ زمین دریائے بجلی کے رخ کھلا پڑا تھا۔ یہاں دریا کا پانی میل سوا میل تک پہنچتا تھا اور سطح آب پر تک تک کے چھوٹے بڑے جہازوں اور کشتیوں کا جھوم تھا۔ ان کے درمیان کہیں کہیں کوئی "دوٹھنی جہاز" بھی نظر آتا تھا۔ لیکن ہادیانی جہاز ان نوساختہ دھنلی جہازوں کے مقابلے میں ٹھکے چرگے سے بھی زیادہ تھے۔

بندرگاہ پر انسانوں کا مجمع بین الاقوامی نوعیت کا تھا۔ یہی اندازہ شر کے کوچہ و بازار میں بھی قائم تھا۔ اس وقت شمالی ہند میں ایک ہی مقام تھا جہاں انگریز اور ہندو متلی ایک دوسرے سے شر کے کم و بیش ہر موڑ پر ملتے تھے اس بارے میں گفتگو کا مشہور میدان ایک الگ خصوصیت رکھتا تھا۔ شام کو جب فسطی ہوا چلتی اور مسقاہنہ زار پر انگریز مرد اور عورتیں تفریح کے لئے نکلتیں تو یہ ایک ایسا منظر ہوتا جو ہندو متلی آنکھوں نے اس سے پہلے بھی نہ دیکھا تھا۔ اس نیم فرنگی نیم ایشیائی شر میں مشرقی اور مغربی معاشرت کا عجیب احزان نظر آتا تھا۔ انگریز اگر مغرب لاپٹی اور پان کے استعمال سے بے خبر نہ تھا تو ہندو متلی بھی وہی اور اولاد چم سے ہانوس ہوتے جاتے تھے اس زمانے کے انگریزی حکام نہ صرف قادی بولتے اور سمجھتے تھے بلکہ قادی قصیدہ و غزل سے بھی لطف اندوز ہو سکتے تھے دوسری طرف اہل ہند بتدریج انگریزی مصنوعات کا استعمال سیکھ رہے تھے اور ان میں سے بعض کو انگریزی زبان اور علوم سے واقفیت حاصل کرنے کا شوق تھا۔

اس لئے بچے تھان کی جنگ شر کے دما کی نقل و حمل میں بھی نمایاں تھی۔ انگریز گھوڑا گاڑی کو پسند کرتا تھا جس کی تین ٹھکیں سڑکوں پر ملتی تھیں "بند گاڑی" تھیں اور بھی "ہندو متلی اپنی سواری میں تل یا کوئی بھوتہ تھا اور



جیم نکلتے کے محلہ خند بازار میں غالب کا رسم نقشہ کا پکا نقشہ

بہلی یا چھکے، 'تم جہاں یا پاکی میں سوار نظر آتا تھا اس سواروں سے قطع نظر' اونٹ کی سواری بھی اٹھارہویں صدی تک بنگال میں بہت مقبول تھی۔ ۳۔ بعد میں اس کا استعمال کم ہوتا گیا مگر یک قلم ترک نہیں ہوا۔ نکلنے کے بڑے سرکاری کتب خانے میں پرانے نکلنے کی (مثلاً ۱۸۵۷ء کی چار شدہ) ایک تصویر آویزاں ہے۔ اس تصویر میں یوپی صوبہ کا مرکز چوہدری کا علاقہ خاص طور پر نمایاں ہے۔ چوہدری کے پاس ہی ایک ٹالاب ہے اردگرد کے مکانات سب انگریزی وضع کے ہیں مگر چوک میں 'پاکی'، 'بہلی' رتھ اور شتر سوار سب ہی نظر آتے ہیں۔

نکلنے کے مصافقات کے لیے فاصلے طے کرنے کے لئے ایک اور ذریعہ بھی تھا۔ کشتی کا سبز لوگ چند و نگر اور بہلی بلکہ پانی اور مرشد آہل اور ان سے بھی آگے موٹکھو اور پنڈے تک کشتی میں آتے جاتے تھے۔ غالب اپنے دور و نکلنے کے قیمرے ہی دن بعد دریا کے راستے سے بہلی کو روانہ ہونے کشتی کا سفر انہیں پسند تھا۔ وہ ان لوگوں میں نہ تھے جنہیں آبی سفر سے مقلی ہونے لگتی ہے۔ اس کے علاوہ یوں بھی ریل گاڑی کے زمانے سے پہلے سب سے زیادہ آرام کشتی کے سفر میں ملا تھا۔ غالب کا اس جہاز سے بہلی کو جانا اسی مقصد سے تھا جسے لے کر وہ نکلنے آتے تھے۔ یہ واضح رہے کہ بہلی نہ صرف نکلنے کے دریا کا نام تھا بلکہ مصافقات کی نئی بہتوں میں سے بھی ایک اسی نام سے منسوب تھی یہ بہت نکلنے سے ہیں یا کہیں میل لوہ دریا کے دوسرے کنارے پر تھی یہاں کی مسجد اور امام باڑہ بہت مشہور تھا۔ اس امام باڑے کے بانی ایک صاحب کرامت علی تھے مگر انیسویں صدی کے اوائل میں امام باڑے کی شہرت اور

شان و شوکت جاتی تھی جس کی وجہ سے قاضی صاحب نے علماء میں اپنے انتقال پر اپنی لاکھوں کی جائیداد اس امام باڑے کے لئے بطور وقف چھوڑی تھی جس زمانے میں غالب لکھتے پہنچے امام باڑہ بجلی کے متعلق نواب اکبر علی خان طرابلسی تھے یہ اپنے علاقے کے خیریت ذی اثر اور پارسوں لوگوں میں تھے۔ اور غالب کو اپنے مقدمے میں ان سے مدد کی توقع تھی۔

مرزا غالب کو لکھتے پہنچے ہی بعد متعلق حصہ شہر میں دس روپے ماہوار پر حسب طوائف مکان مل گیا۔ اس کا پتہ آگے ایک قاری خط میں یوں درج ہے۔

”دور نکلے قریب پست بازار در شہ بازار نزدیک کتاب گدود حویلی مرزا علی سوداگر۔“

اس پتے میں ”پست بازار“ تو ظاہر ہے سوکھت کا تہہ ہے۔ لکھتے میں بھی کوئی پست بازار نہ تھا۔ پتہ پر دو روٹ غالب کے زمانے میں بھی اسی نام سے موسوم تھی اسی طرح ”کتاب گدود“ میں بھی کلیات نثر کے کاتب سے سو ہوا ہے یہ ترکیب ظاہر کتاب کر گدن ہے۔ ”شہ بازار کج بھی اسی نام سے موجود ہے لیکن مرزا علی سوداگر کی حویلی کا جس میں غالب مقیم ہوئے اب صرف نام باقی رہ گیا ہے علاقہ کے باوجود شہ بازار میں اب اس حویلی کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ البتہ وہ کتاب قریب ہی موجود ہے جس کا ذکر غالب نے اس مکان کے پتے میں درج کیا ہے لکھتے کے شہ بازار کو شہ شہر سے کوئی تعلق نہیں۔ محل نکال زبان میں کپاس کے پودے کو کہتے ہیں اور بازار منڈی کو۔ گویا مغربی پاکستان میں شہ بازار کا نام کپاس منڈی ہوتا۔ شہ بازار کا موجودہ پتہ یہ ہے نزد کار نوالس اسٹریٹ متصل مکان لیڈی پرنسپل مہتھون فیملی سکول ۵)

غالب کے سوانح نگار کے لئے لکھتے کی ایک اور عمارت بھی خاص کشش رکھتی ہے یعنی مدرسہ لکھتہ جس کے اندر مرزا قاضی کی زبان دانی کی بحث میں ایک ایسا جھگڑا کھڑا ہو گیا کہ اس کے عواقب آخر عریک غالب کے لئے موجب کلفت ثابت ہوتے رہے اس قضیے کو یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں ”بادگار غالب“ میں مولانا حالی نے اور خود غالب نے اپنے مکاتیب میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ البتہ ایک چیز جس کا ذکر مولانا حالی نے اور خود مرزا غالب نے بھی نہیں کیا۔ یہ ہے کہ مہترمین میں سب سے زیادہ بڑے باگ ایک صاحب نوابزادہ مرزا ایمان علی خان تھے یہ بھی غالب شخص کرتے تھے عظیم آباد کے رہنے والے تھے اور کچھ عرصہ پہلے لکھتہ میں آ رہے تھے۔

مدرسہ لکھتہ دارن پستھنگو نے ۱۸۷۳ء میں قائم کیا اس کی موجودہ عمارت ورنلی اسکولز کے شمال میں ہے یہ ایک دو منزلہ عمارت ہے جس کی چلی منزل کے وسط میں ایک صحن ہے۔ اس صحن کو ہر طرف سے دلائن گھیرے ہوئے ہیں اور دلائلوں کے پیچھے مدرسے کے کمرے ہیں اس چلی منزل کے اوپر اسی طرز کی دوسری منزل بھی ہے اگست ۱۸۷۸ء میں جب میں لکھتہ میں تھا مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک مجلس میں مجھ سے کہا ”مدرسہ اپنی موجودہ عمارت میں ۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۵ء کے قریب بنی ہوئی۔ غالب کو شکاری ”بادخلاف“ والا ہنگامہ مدرسہ کی پہلی عمارت میں پیش کیا۔ جو سیالہ میں شہنشاہ خانہ روڑ پر تھی۔ اس سوانح کے بعد میں نے مدرسہ کی پرانی عمارت کے آثار تلاش کرنے میں سعی کی اور اس میں کامیابی بھی ہوئی لیکن اس کے ساتھ ہی بعض اسباب کی بنا پر شبہ پیدا ہو گیا کہ مولانا کی اطلاع موجودہ

عمارت میں مدرسے کے منتقلی شاید درست نہیں لگتے میں میرا قیام مختصر تھا اس لئے میری درخواست پر خان بہادر شمس العلماء مولوی محمد موسیٰ صاحب نے جو اس وقت مدرسے کے پرنسپل تھے یہ ذمہ لیا کہ تحقیق کر کے مجھے صحیح کیفیت سے مطلع کریں گے بعد میں ان کی طرف سے جو خط مجھے موصول ہوا اس کے مضمون سے اس مسئلے کے متعلق فیصلہ کن معلومات حاصل ہوئیں اس خط کا ترجمہ عام دلچسپی کے لئے درج ذیل ہے۔

”آپ نے دو باتوں کی تحقیق کی خواہش کی ہے یعنی (1) مدرسہ نکلے اپنی موجود عمارت میں کس سال منتقل ہوا اور (ب) مدرسے میں جو مشاہیر ۱۸۲۹-۳۰ء میں ہوتے۔ ان کا مدرسے کے پرانے کالذات میں کوئی ذکر ہے یا نہیں۔

میں اس مسئلے میں آپ کی توجہ جس حد تک (1) کا تعلق ہے

BENGAL PAST END PRESENT کی جلد ہفتم نمبر ۱۲ کے ص ۱۱۳ پر مینڈل کرانا چاہتا ہوں جہاں یہ درج ہے کہ گورنمنٹ نے جون ۱۸۲۳ء میں فیصلہ کیا کہ ایک نیا کالج ایک سونوں ترقیاتی کام کالج (مال دہلی اسکول) میں جہاں پیشتر آبادی مسلمانوں کی ہے قیام کیا جائے اس فرض سے پہلے ۱۸۲۳ء کی رقم زمین کی قیمت اور عمارت کے مصارف کے لئے منظور ہوئی۔ نئے کالج کا سنگ بنیاد ۱۸۲۳ء کو رکھا گیا اور مدرسہ اگست ۱۸۲۷ء میں یہاں منتقل ہو گیا۔“

جہاں تک تک (ب) کا تعلق ہے مدرسے کے کالذات میں کوئی تحصیل دستیاب نہیں ہوئی۔

مدرسہ نکلے کے کالذات غالب کے ذکر سے بے نیاز ہیں۔ تاہم نکلے نے غالب کو بالکل نظر انداز نہیں کر دیا۔

نکلے کے بڑے سرکاری سب خانے کے اس حصے میں جو بہار لاہوری لکھتا ہے۔ شعراء کا ایک قلمی تذکرہ دیا ہے۔ یہ میر دہلی علی تھیں بہ جہتی عظیم آبادی کی تصنیف موسم بہ ریاض الافکار ہے۔ مخطوط نمبر ۳۴ بہار لاہوری (اس نسخے کا سال تحریر ۱۸۲۸ء ہے جہتی نے اپنے تذکرے میں غالب کا ذکر بڑے اچھے لفظوں میں کیا ہے۔

مرزا غالب فروری ۱۸۲۸ء کو نکلے پہلے اور اکتوبر ۱۸۲۹ء میں دہلی روانہ ہوئے۔



حوالہ جات

- 1- نکلے کا پہلا فنڈ ہفتہ ۱۸۵۸ء میں چار گھنٹی کی سڑک پر بنا۔
- 2- یہ ذکر مکالمے کی اس مشہور روایت سے پہلے کا ہے جس کے مطابق بہارستان میں جہتی انگریزی تعلیم کے آغاز کا فیصلہ ہوا۔
- 3- نواب مزاج الدولہ کی فوج کو میر جعفر نے جب کھانچے کے ہاتھ بیچ دیا تو وہ پانی کے گاؤں سے ایک میز و قدر ادا ہوئی پر پتہ کر لیا۔

- ۱۸۔ اس قیاس کی بنیاد مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک بیان ہے ۱۹۳۸ء میں مولانا نے موصوف نے ایک مختصر میں راقم الحروف کو بتایا کہ مکتے اگر مرزا غالب جس مکان میں رہے وہ گیلے کے گلاب کے پاس تھا۔
- ۱۹۔ یہ گلاب اٹھاتی ہے کہ اگرے کے اس مکان میں بھی جہاں مرزا غالب پیدا ہوئے ایک لٹلہ دروس ہے۔



ڈاکٹر حنیف نقوی

غالب کے عہد میں ڈاک کا نظام

اپنے امرو اور اسباب کی خبر و عاقبت دریافت کرنے اور اپنے حالات سے انہیں باخبر رکھنے کی خواہش انسان کا ایک فطریامید ہے اس دماغی کی تحلیل کے لئے قدیمی ترقی کے مختلف ادوار میں مختلف ذرائع و وسائل اختیار کئے جاتے رہے ہیں۔ غالب انیسویں صدی کے آخری عشرے میں پیدا ہوئے، اس زمانے تک یہ ذرائع و وسائل نہ تو آج کی طرح سہل الحصول تھے اور نہ کسی قاعدے اور ضابطے کے تحت منظم ہو پائے تھے۔ انیسویں صدی کے شروع کے ساتھ ملک پر انگریزوں کے روز افزوں تسلط و اقتدار کے نتیجے میں گھر و نظر اور نظم و نسق کی مختلف سطحوں پر جو تبدیلیاں آنا شروع ہو گئیں، ان سے رسل و رسائل کا موجود نظام بھی متاثر ہوا۔ غالب نے اپنے خطوط میں ان تبدیلیوں اور ان کے مختلف انواع داخلی و خارجی موثرات کی اس تسلسل کے ساتھ نشاندہی کی ہے کہ اس کی مدد سے ان کے عہد میں ڈاک کے نظام کی باقاعدہ تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے۔ پیش نظر مضمون کا مقصد اسی تاریخی عناصر کو ایک ترتیب کے ساتھ پیش کرنا ہے۔

غالب کے عہد میں ڈاک کے دو متوازی نظام کام کر رہے تھے۔ ایک "انگریزی ڈاک" کا نظام جو مکمل طور پر انگریزوں کے ماتحت تھا اور دوسرا "ہندوستانی نظام" جو فیکہ داروں اور پیشہ ور ہندوؤں پر مشتمل تھا۔ "انگریزی نظام" کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں نہ تو خطوط ضائع ہوتے تھے اور نہ ان کے پہنچنے میں زیادہ وقت صرف ہوتا تھا۔ غالب کو گلے کے زمانہ قیام میں ان خوبیوں کا بار بار تجزیہ ہوا چنانچہ اس زمانے کے مختلف خطوط میں ان کا تذکرہ موجود ہے۔ مثلاً

(۱) "بارہ مہینہ" در ڈاک انگریزی دواں سازندہ..... باشد کہ قاصدان ڈاک انگریزی چوں میر دماغے مستجاب

صوف خط نہ گند۔" (نامہ ہائے فارسی غالب ص ۲۵)

(۲) "دریں ڈاک بارہ تک نمی شود" (نامہ ہائے فارسی غالب ص ۲۵، مکتوب مورخہ ۳۶ اکتوبر ۱۸۶۸ء)

(۳) "خط از ڈاک انگریزی تک نمی شود..... پادشاہ پاش کہ ہا کے نیست۔" (ایضاً ص ۵۰، مکتوب مورخہ

۲۵ نومبر ۱۸۶۸ء)

اس کے برخلاف "ہندوستانی ڈاک" کے ذریعے بھیجے گئے خطوط کا مکتوب الیہ تک پہنچنا بالکل یقینی نہیں تھا۔ ایک بار غالب نے شیخ امام بخش تاج کو یکے بعد دیگرے دو خط "ہندوستانی ڈاک" کے ذریعے بھیجے اور یہ دونوں ضائع ہو گئے، تیسرے خط میں اس نظام کی نااستواری کا ذکر اور آئندہ کے لئے اپنے لائحہ عمل کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ہر دو بار نامہ در ذاک ہندوستانی فرستادہم و اس سر دشتہ را اس بابہ استواری نیست کہ دل ہاں توان بست۔ لاجرم در رسیدن آن مرائض دولت بودہم اکنون۔۔۔ عہد کلام کہ ازین بعد نامہ جز در ذاک انگریزی لفظم۔“ (پنج آہنگ، ص ۱۳)

ذاک کے اول دونوں نظاموں کے ساتھ ساتھ کام کرتے رہنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ”انگریزی ذاک“ کے نظام کی توسیع ملک کے تمام علاقوں تک نہیں ہو سکی تھی۔ مثال کے طور پر بیجاپور کا قصبہ خیر آباد ایسے ہی علاقوں میں سے ایک تھا جو انیسویں صدی کے وسط تک اس نئے نظام کی برکت سے آشنا نہیں ہو پایا تھا۔ تفضل حسین خاں کے نام کے ایک خط میں اس صورت حال کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے:

”خیر آباد جاوہر ذاک انگریزی نمادہ“ (بلغ دود، ص ۳۰)

قدیم ہندوستان میں ذاک ایک مقام سے دوسرے مقام تک یا تو حیز و قدار گھوڑوں کے ذریعے پہنچائی جاتی تھی یا پہل پہلے دالے ”سرنگھن تھ گام“ یہ خدمت انہماں دیتے تھے۔ غالب کے زمانے میں بھی یہ دونوں طریقے بدستور رائج تھے، لیکن ملک کی وسعت اور مختلف النوع جغرافیائی حالات کی بناء پر دوسرے کئی ذرائع و وسائل سے بھی ذاک رسائی کا کام لیا جاتا تھا۔ ان تمام طریقہ ہائے کار کی تفصیلات ان کے اردو و فارسی کے مختلف خطوط میں موجود ہیں۔ جاوہر دھرمکراؤں کے ذریعے ذاک کی آمد رفت کے سلسلے میں تفضل حسین خاں کے نام کے ایک خط کا یہ اندراج ملاحظہ طلب ہے:

”سرنگھن حیز گام ذاک اردو در آمد و نامہ کہ از دارالخیر الجمیرال روانی مشہور بودہ من ارسال کرو۔“ (بلغ دود، ص ۵۵)

یہ ہرکارے ہاتھوں سرکاری ملازم ہوتے تھے اور بعض اوقات ان کی حیز و قدار کی مناسبت سے انہیں مختلف توصیفی ناموں سے بھی یاد کیا جانے لگا تھا۔ تفضل حسین خاں کے نام ایک خط میں ایک ایسے ہی ہرکارے کا ذکر آیا ہے جو ”سرمر“ کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے ذریعے ایک خط کی روانگی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”سرمر نامی از بہد ان ملازم سرکاری آں نامہ راہد۔“ (بلغ دود، ص ۴۵)

گھوڑے کے ذریعے ذاک پہنچانے کا ذکر قفقہ کے نام کے ایک فارسی خط مورخہ ۲۳ راج ۱۸۵۴ء میں آیا ہے۔ جہتی بانگے لال کے خط کا حوالہ دیتے ہوئے انہیں لکھتے ہیں:

”نامہ دوست جانی۔۔۔ از سر حیل سرودی رسید۔ برواری ذاک سوار است و بہ بھرت پوری رود۔“ (بلغ دود، ص ۴۴)

نواب کلب علی خاں نومبر ۱۸۶۶ء میں گورنر کے دربار میں شرکت کی غرض سے آگرہ روانہ ہوئے۔ اس موقع پر بطور خاص رام پور سے آگرے تک گھوڑوں کی ذاک کا انتظام کیا گیا تھا۔ ان کے نام کے ایک خط مورخہ ۱۸ نومبر ۱۸۶۶ء میں لکھتے ہیں:

”رام پور سے آگرے تک گھوڑوں کی ذاک کا بیعتلہ موع ہوا۔“ (مکتبہ غالب، ص ۴۳)

تشریف تھی۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں اگر کسی قریبی شہر سے بھیجا ہوا خط تیسرے روز تک پہنچ جائے تو وہ اس کے لئے حیرت آمیز مسرت کا باعث بنی جاتا ہے "جب کہ اس دور میں جن شہروں کے درمیان ڈاک کے برلہ راستہ روابط موجود تھے ان کے مابین خطوط کی آمد و رفت میں عموماً "تین چار دن سے زیادہ وقت صرف نہ ہوتا تھا" ابتدا پارسلوں کے ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچانے کے لئے نسبتاً "کچھ زیادہ مدت درکار ہوتی تھی۔ جیسا کہ اوپر کی سطور میں عرض کیا جا چکا ہے" دہلی میں ۱۸۳۳ء سے پہلے ریل کے ذریعے اور ڈاک و رسائی کی سہولیات موجود نہ تھیں۔ یہاں غالب کے خطوط کے حوالے سے دہلی سے تک کے مختلف مقامات تک خطوط اور پارسلوں کے پہنچنے کی مدت کے بارے میں جو تفصیلات پیش کی جا رہی ہیں انہیں اگر اس میں مظر میں دیکھا جائے تو یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ یہ رفتار کار آج کی رفتار کار کی بہ نسبت کہیں زیادہ بہتر و برتر تھی۔

فحقی نبی بھٹی حقی کے ہم ۳۳ جنوری ۱۸۵۸ء کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی سے کول بمبئی علی گڑھ تک خطوط عام طور پر دوسرے دن پہنچ جاتے تھے۔ غالب نے اس خط میں لکھا ہے:

"آج دو شبہ کو یہ خط میں تم کو بھیجا ہوں" یقین ہے کہ کل پہنچے گا۔"

۵ اگست ۱۸۵۹ء کے ایک خط سے اس یقین کی تائید ہو جاتی ہے۔ اس خط میں غالب حقی کو یہ اطلاع دیتے ہیں کہ:

"ایک شبہ کا لکھا ہوا خط کل دو شبہ کو یہاں پہنچا۔"

علی گڑھ کی طرح اگرے کی ڈاک بھی باغیوں دوسرے روز تیسرے روز پہنچ جاتا کرتی تھی "جب کہ پارسل چوتھے یا پانچویں دن پہنچتے تھے۔" لندن کو ۲۵ اپریل ۱۸۵۸ء کے خط میں لکھتے ہیں:

"تمہارے اشعار کا کالڈر ہفٹل پانٹ اسی خط کے ساتھ ڈاک میں بھیجا گیا ہے۔ یقین ہے کہ یہ خط پرسوں اور دو پانچ چار دن میں پہنچ جائے گا۔"

دہلی سے مارہرو بھیجی جانے والی ڈاک پہلے علی گڑھ پہنچتی تھی "وہاں سے سکندریہ راؤ سے مارہرو بھیجی جاتی تھی۔ اس طول عمل کے باوجود خطوط کا چوتھے دن ایک شہر سے دوسرے شہر تک پہنچ جاتا یعنی تھا۔ اس معمول کے برخلاف ایک بار غالب کا خط کسی قدر تاخیر سے مارہرو پہنچا تو وہ اس پر اظہار حیرت کرتے ہوئے چودھری عبدالغفور سردار کو مکتوب سرخ ۱۸ نومبر ۱۸۵۸ء میں لکھتے ہیں:

"مارہرو کا خط دلی چوتھے دن آیا۔ دلی کا خط مارہرو دیر میں کیوں پہنچتا ہے؟ اب کے یہ خط ہر گز بھیجتا ہوں" مجھ کو اطلاع دیجئے گا کہ یہ کس دن پہنچا۔"

لاہور "کھنڈ" اور "آہ" اگرہ اور علی گڑھ کی بہ نسبت دہلی سے کافی دور ہیں۔ اس کے باوجود دہلی اور ان شہروں کے درمیان ڈاک کی آمد و رفت میں چار یا پانچ دن سے زیادہ صرف نہ ہوتے تھے۔ خواجہ غلام غوث بے خبر کو جو "آہ آباد میں ختم تھے" دو خطوط اور دو پارسل ۲۸ نومبر ۱۸۵۸ء کو بھیجے گئے تھے۔ تیسرا خط ۵ دسمبر ۱۸۵۸ء کو لکھا گیا۔ اس میں تذکرہ خطوں اور پارسلوں کے بارے میں لکھتے ہیں:-

ہوتے تھے۔ ختی شیرزائی آرام کو ۳۰ مارچ ۱۸۶۰ء کے خط میں رام پر سے یہ اظہار دیتے ہیں۔
 ”کتاب (دختر) اور عرضی اواسط ماہ جنوری میں ولایت کو روانہ کر کے یہاں آیا ہوں۔ چھ ہفتے میں ہمارے ہجرت
 ہے۔ یقین ہے کہ پارسل ولایت پہنچ گیا ہو گا۔“

اپریل ۱۸۶۰ء کے تیسرے عشرے میں لکھے ہوئے ایک اور خط میں دوبارہ انہی تفصیلات کا ان الفاظ میں اظہار
 کرتے ہیں:

”۱۸ یا ۲۰ جنوری ۱۸۶۰ء کو کتاب اور دونوں عرفیاں ولایت کو روانہ کر کے رام پر آ گیا ہوں۔ تین مہینے کی
 جہاز کی آمدورفت ہے۔ سرگزرنجی ہے۔ خراسانی اسی مہینے میں خراسانی آٹھ ماہ آئندہ یعنی مئی میں جواب آئے گا
 حرمند ہوں۔“

علم واک کی کارکردگی کے سلسلے میں واک کی تربیل اور تقسیم کے نظام المذاقات کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ غالب
 کے خطوط اس سلسلے میں بھی ہماری مناسب راہنمائی کرتے ہیں۔ ختی نجی بھٹی حقیر کے نام ۱۹ ستمبر ۱۸۶۸ء کے ایک
 خط سے معلوم ہوتا ہے کہ واک خانہ صبح کو اول وقت کھل جاتا تھا اور خطوط صرف دوپہر تک وصول کئے جاتے تھے۔
 غالب اس خط میں لکھتے ہیں:

”کارہ وازان واک پچھو کی کشانید وہیں از گذشتن بعد روزنامہ فنی ستانہ۔“ (انتظار غالب ص ۹)

اس کے برخلاف پارسلوں کے وصول کرنے میں وقت کی ایسی کوئی پابندی نہیں تھی بلکہ بھیجنے والے کو اس وقت
 تک واک خانے میں موجود رہ کر انتظار کرنا پڑتا تھا جب تک کہ اس خاص ست میں پارسل لے جانے والے ہر کارے
 کی روانگی کا وقت نہ ہو جائے۔ سب مرزا کو ۱۹ دسمبر ۱۸۶۵ء کے خط میں لکھتے ہیں:

”ہر سوں کلو ہوتا لے گیا۔ کل دونوں طرف سے کھا ہوا لے کر گیا۔ واک کے کارہ وازانوں نے الٹا پھیر دیا
 اور کہا کہ پلندہ دیا لاؤ۔ پلندہ دیا کر لے گیا۔ کہا بارہ پر دو بیچے لے لیا جائے گا۔ جیسا رہا رات کے نو بجے
 اس کے سامنے روانہ ہوا۔ رسید لے کر اپنے گھر آیا۔“

خطوط اقرار کو اور دوسری تمام تفصیلات کے دنوں میں بھی وصول کئے جاتے تھے لیکن پارسلوں کی وصولی کے
 معاملے میں اس رعایت کی گنجائش نہیں تھی۔ اس قصے کا علم سیاح کے نام ۱۷ ستمبر ۱۸۶۵ء کے خط کے اس اندراج
 سے ہوتا ہے کہ ”آج یک شنبہ ہے پارسل روانہ نہ ہو گا۔“

ایک خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دلی سے ملک کی مختلف سمتوں میں جانے والی واک کی روانگی کے اوقات
 بھی مختلف تھے۔ جون ۱۸۶۳ء میں حکام حسین قدر بھنگواہی کو لکھتے ہیں:

”بہار شرقہ کو واک نو دس بجے روانہ ہوتی ہے۔“

باہر سے آنے والی واک دن میں دوبار یعنی صبح اور شام کے وقت تقسیم ہوتی تھی۔ نئی دہلی ۲ دسمبر ۱۸۶۵ء کے
 خط میں اظہار دیتے ہیں:

”دوبار واک کا ہر کارہ خط لاتا ہے۔ ایک دو صبح کو ایک دو شام کو۔“

صبح کے وقت تقسیم ہونے والی ڈاک بالمعوم اول وقت پہنچ جاتی تھی۔ سراج الدین احمد خاں کو گھنٹے ہیں۔
 "تاریخِ ہندوستان" شوال روز پنج شنبہ وقت صبح کو از بسز ثواب بدرجہ ہم چٹاں روئے ناشتہ نشتہ ہودم (کر)
 برہ ڈاک رسید و نامہ شاپہ من واد۔" (مختصرات غالب ص ۸۶)
 غلام غوث بے خبر کے نام ۲۶ جنوری ۱۸۶۰ء کے خط میں لکھتے ہیں:
 "ڈاک کا ہر کارہ پیردن چڑھے تھارا خط لایا۔"

میاں داو خاں سیاح کو ۳ جنوری ۱۸۶۰ء کے خط میں یہ اطلاع دیتے ہیں:
 "صبح کے وقت یہ خط لکھ رہا ہوں۔ اٹھ بج گئے ہیں اس وقت تک نہ کوئی تھارا خط آیا نہ کوئی ثواب صاحب کا صلیت نامہ۔"

دوسری ڈاک بارہ بجے کے بعد سے شام تک کسی وقت بھی آ سکتی تھی۔ حقیر کو ۱۹ جنوری ۱۸۶۸ء کے خط میں لکھتے

ہیں:

"امروز ہمیں دم کہ نیم روز است" برہ ڈاک آمد و نامہ نمود۔" (مکاتیب غالب ص ۹۰)

شاہزادہ بشیر الدین احمد کو مطلع کرتے ہیں:

"آج منگل ۱۹ جون ۱۸۶۰ء بارہ بجے صلیت نامہ آیا۔"

غلام غوث بے خبر کے نام ۲۳ جولائی ۱۸۶۱ء کے خط میں رقمطراز ہیں:

"آج دو شنبہ ۲۳ جولائی کے بارہ پر دو بجے ہر کارے نے آپ کا خط دیا۔"

انوار اللہ شفیق کو ۱۹ فروری ۱۸۶۳ء کے خط میں یہ اطلاع دیتے ہیں:

"اس وقت کہ بارہ پر تین بجے ہیں۔ مطوفت بند پہنچا۔ ادھر پرچا" ادھر ثواب لکھا۔ ڈاک کا وقت نہ رہا۔

خط کو معطل کر رکھا ہوں۔ کل سہ شنبہ ۱۹ فروری کو ڈاک میں بھجوا دوں گا۔"

نعت کو مکتوب مورخہ ۵ اپریل ۱۸۶۳ء میں لکھتے ہیں:

"آج منگل کے دن پانچویں اپریل کو تین گھڑی دن رہے ڈاک کا ہر کارہ آیا۔"

نعت ہی کے نام ایک اور خط مرقومہ ۲۳ فروری ۱۸۶۸ء میں یہ اطلاع دیتے ہیں:

"بدھ کا دن" تیسری تاریخ فروری کی "ویجہ پیردن باقی رہے ڈاک کا ہر کارہ آیا اور خط مع رجسٹری لایا۔"

جن ملاحقوں میں ڈاک لانے لے جانے کے لئے ہدیہ ذرائع نقل و حمل کا استعمال شروع نہیں ہوا تھا وہاں سے

آنے والی ڈاک کی تقسیم کا کوئی خاص وقت مقرر نہ تھا چنانچہ اگر ہر کارے چار چھ گھڑی رات گئے تک بھی شہر میں

داخل ہو جاتے تھے تو وہ اسی وقت خطوط مکتوب الہم تک پہنچا دیا کرتے تھے۔ اس طریق کار کا علم ثواب یوسف علی

خاں باہم کے نام ۷ نومبر ۱۸۶۳ء کے خط کے اس اندراج سے ہوتا ہے:

"کل چار گھڑی رات گئے ڈاک کے ہر کارے نے مطوفت نامہ عالی دیا۔" (مکاتیب غالب ص ۲۹)

مرزا حاتم علی سر کے نام ۲۰ نومبر ۱۸۶۸ء کے لئے ہوئے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح پارسل خطوط

کے وصول کئے جانے کا وقت ختم ہو جانے کے بعد بھی وصول کئے جاتے رہتے تھے۔ اسی طرح ان کی تقسیم بھی نسبتاً تاخیر سے یعنی خطوط کی تقسیم کے اوقات کے بعد ہوتی تھی۔ لکھتے ہیں:

"چار گزری دن رہے عرصہ فروخت فرمایا اور چار گزری کے بعد وقت شام سات چلوں کا پارسل پہنچا۔" اس بیان سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ خطوط اور پارسل تقسیم کرنے والے ہر کارے اس زمانے میں بھی علیحدہ علیحدہ ہوتے تھے۔ اس تقسیم کار کا حوالہ کئی دوسرے خطوط میں بھی موجود ہے۔

مختلف خطوط میں موجود بیانات سے ڈاک خانے کے اس ضابطے کا بھی علم ہوتا ہے کہ وصول کرتے وقت پارسلوں، رجسٹری شدہ کافزات اور بعض اوقات قرام خطوط کی بھی باقاعدہ جانچ پڑتال کی جاتی تھی اور پھر اطمینان کے بعد ہی رسید دے کر انہیں آگے روانہ کیا جاتا تھا۔ نکلنے میں قرام کے دوران غالب نے پٹن کے مقدمے متعلق بعض کافزات دہلی میں اپنے وکیل کے پاس روانہ کئے تھے، مولوی محمد علی خاں صدر امین باندہ کے نام کے ایک خط میں ان کافزات کے سپرد ڈاک کئے جانے کی تفصیل صحت لفظ میں بیان کرتے ہیں:

"مجموعہ کافز پارہ ہار اور دوسرے نور دیدہ خود بہ ڈاک کدہ رستم صاحب ڈاک و اپنی ڈاک راہر جمع آن کو انڈ کوٹہ گرفت و سرنامہ راہر حضور آئیں بہ لک فروخت۔" حصول ڈاک سربراہ گزاروم و رسید ڈاک گرفتہ باخود آوردم۔" (نامہ ہائے قاری غالب ص ۳۴۸)

نکلنے سے واپس آتے وقت بھی غالب نے کچھ دنوں باندے میں قیام کیا تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد اپنے کسی مقامی دوست کو بھیجے گئے دستی خط میں ڈاک سے بھیجے جانے والے ایک خط کے متعلق یہ ہدایات دیتے ہیں:

مکتوبہ برائے دواگلی نکلنے ہی رسد۔ بہ یکے ازطراہ تاشان من فرمایا رو کہ میں را کدہ ڈاک برساند و حصول سربراہ گزاروم و رسید بستاند۔" (نامہ ہائے قاری غالب ص ۸۹)

اسی سلسلے کے ایک اور خط میں بھی انہوں نے اسی قسم کی مدد طلب کی ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ان کے ذاتی ملازم ڈاک خانے کے عمل وقوع اور ڈاک کے قاعدوں اور ضابطوں سے واقف نہیں۔ لکھتے ہیں:

"میں کو کم من فال شخاص و قاعدہ دان ڈاک کدہ نیست۔ کو سے پہلے۔" ان نگارند تا خط بہ ڈاک رساند و حصول سربراہ باندہ رسید چنان کہ رسم است۔" (نامہ ہائے قاری غالب ص ۹۰)

مندرجہ بالا بیانات اور اسی قسم کے دوسرے کئی اور اندراجات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شروع شروع میں ڈاک کے حصول کے لئے تکنیکوں کے استعمال کا قاعدہ وضع نہیں ہوا تھا۔ صاحب معاملہ خط یا پارسل لے کر ڈاک خانے جاتا تھا اور اس سے حسب شرح حصول وصول کر کے اسے رسید دے دی جاتی تھی۔ خود تیار کدہ ڈاک بھی ضروری تفصیلات کا اندراج اور اس پر رسید حاصل کر کے اسے محفوظ رکھنا خطوط یا پارسل بھیجنے والوں کی ذاتی ذمہ داری ہوتی تھی۔ غالب اس معاملے میں پوری احتیاط برتتے تھے۔ انہوں نے کئی جگہ اس "سیغہ ڈاک" کو دیکھ کر اس کے حوالے سے اپنے احباب کو کچھلی گزریوں میں بھیجے ہوئے خطوط سے متعلق تفصیلات فراہم کی ہیں۔ مرزا ہرکھان لکھتے کہ ۲۳ مارچ ۱۸۵۲ء کے خط میں لکھتے ہیں:

"مخلص نگارش را پانچ ساز دادہ ہے، اگر وہاں داغہم چٹاں کہ در سفیرہ ذاک نشان سودار است و اس دو شنبہ روز است، بہت و دوام باورج۔" (پانچ دور ص ۱۵۹)

غنی نبی بخش حقیر کو ۶ اکتوبر ۱۸۵۳ء کے خط میں ایک پچھلے خط کے بارے میں یہ اطلاع دیتے ہیں:

"ذاک کتاب مع رسید میرے پاس موجود ہے۔ روز یک شنبہ ۲۰ اکتوبر ۱۸۵۳ء کو خط روانہ ہوا ہے۔"

موصول ذاک کی شرح کے بارے میں بھی غالب کے چٹاں ہر اقباب سے معلومات افزا ہیں۔ ۱۸۴۸ء کے ایک خط سے 'جو لکھتے سے لکھا گیا تھا' یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ذاک کی شرح موصول غالباً چارے ٹک میں یکساں نہ تھی یا کم از کم بھاری جینکوں اور پارسلوں پر یہ اقباب مسافت موصول کی شرح میں کئی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ حالانکہ خط میں مولوی محمد علی صدر امین ہندہ کو مقدمہ بخش سے متعلق کاغذات کے بذریعہ ذاک دہلی بھیجے کی اطلاع دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"چون وزن اس کاغذ گرفتہ شدہ ۲۰ روپیہ برابر آئے۔ موصول ذاک انگریزی برائے روانگی دہلی یک روپیہ

سنگ بہ یک روپیہ بی رسد۔ ۲۰ روپیہ سربرسر گزاردم۔" (نامہ ہائے قاری غالب ص ۳۹)

ایک روپے کے بقدر یعنی ایک ٹکہ وزن پر ایک روپیہ موصول ذاک آج کی بہ نسبت یقیناً زیادہ تھا لیکن اس زمانے میں لکھتے سے دہلی تک چارہ پندرہ روز کے اندر ذاک پہنچانے میں جو دشواریاں پیش آتی ہوں گی، ان کو دیکھتے ہوئے یہ رقم کچھ زیادہ نہیں معلوم ہوتی۔

غالب کے زمانے میں پوسٹ کارڈ کا رواج نہیں ہوا تھا۔ صرف لٹائے استعمل ہوتے تھے اور وہ بھی خود بنانا پڑتے تھے۔ ان کی عام شرح موصول دو پیسے فی لٹائے تھی جو آج کے تین پیسے کے برابر ہے۔ اگر لٹائے کا وزن تین ماشے سے زیادہ ہو جاتا تو اس پر کم از کم دو گنا موصول ادا کرنا پڑتا تھا۔ غالب کی احتیاط پسند طبیعت کے لئے یہ صورت حال بعض اوقات پریشانی کا سبب بن جاتی۔ چنانچہ غنی نبی بخش حقیر کو ۳ اکتوبر ۱۸۵۳ء کے خط میں لکھتے ہیں:

"امیانا ہم نے تین ماشے سمجھ کر آج کے اسٹامپ لگایا، وہ خط دو روٹی بڑھتی لگا۔ مکتوب الیہ سے دوٹا موصول لیا گیا۔ طواغی غزالی کاٹا ہٹ رکھتے۔"

دو ٹکا بڑھ جانے کی صورت میں دو گنا موصول ادا کرنے کا حوالہ نکتہ کے نام ۵ جون ۱۸۵۹ء کے خط میں بھی ملتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"موراق مشغی۔ میں نے پمفلٹ پاکٹ نہیں کیجی۔ خط میں پیٹ کر' چرکہ خط داخل تھا' دو نکتہ لگا کر ارسال کئے ہیں۔"

اسی طرح اگر کوئی خط موصول ذاک لیا کئے بغیر یعنی ہر ٹک بھیجا جاتا تھا تو مکتوب الیہ کو مقدمہ موصول سے دگنا موصول یعنی ایک ٹک ادا کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ ایک خط میں غلام حسین قدردان لکھوائی کو یہ نضر احتیاط ہر ٹک خط بھیجنے کی اطلاع دیتے کے ساتھ ساتھ یہ وضاحت بھی فرماتے ہیں کہ "ہر ٹک خط کا ایک آنہ دینا پڑے گا۔"

ایک مقدمہ بھی تھا کہ موصول زیادہ ہونے کی صورت میں کوٹا موصول خط بھیجنے والا ادا کر دے اور باقی آدھا

موصول مکتوب الہ ادا کرے۔ اس صورت میں غالبؒ جملہ ادا کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی تھی۔ مرزا احمد علیک
یہاں کو جن کا مشعر نکلتا تھا ایک خط میں لکھتے ہیں:

”لہجہ موصول ڈاک پہ سرکاران اس دہار دارہ و نیمہ برانہا حوالہ کدہ شد۔“ (مختصرات غالب ص ۷۷)

جن خطوط کا موصول ادا کر دیا جاتا تھا ان کے لغاتوں کی پیشانی پر کسی جگہ ”پوسٹ پیڈ“ یا ”اسٹامپ پیڈ“ کا
صرف ”پیڈ“ لکھ دیا جاتا تھا۔ ایسے تمام لغاتوں پر ڈاک خانہ والے لال سرنگ کر اٹھیں روانہ کر دیتے تھے۔ اسی طرح جو
خطوط یا ٹکٹ ہریک کیے جاتے تھے یا جن کا موصول جزوی طور پر ادا کر دیا جاتا تھا ان پر صرف ”ہریک“ یا ”بمیدہ
ہریک“ لکھ دینے کا رواج تھا۔ ایسے خطوط پر سیاہ رنگ کی سرنگائی جاتی تھی۔

آج کی طرح اس زمانے میں بھی اہم خطوط اور کائنات رجسٹرا ڈاک سے ارسال کئے جاتے تھے اور رجسٹری کی
نہیں چار آنے یعنی ٹھیکس پیسے تھی۔ غشی بی بخش حقیر کے نام ۳ اکتوبر ۱۸۵۸ء کے خط میں اس کا حوالہ موجود ہے۔ نکلے
کی قیمتوں کے حساب کو ملحوظ رکھا جائے تو یہ موصول موجودہ شرح موصول کے مقابلے میں بہت زیادہ تھا لیکن تقابلی کے
اس معاملے میں بھی اس دور کے محدود وسائل اور مختلف النوع دشواریوں کو نظر انداز کر دینا مناسب نہ ہوگا۔

خطوط کے علاوہ دوسری نوعیت کے کائنات مثلاً کتابوں کے مسودے اور مطلوبہ نئے بطور پارسل بھیجے جاتے
تھے۔ غالب اس قسم کے ٹکٹوں کے لئے ”پمٹلٹ پائلٹ“ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ ان کے متعدد جانات سے یہ
معلوم ہوتا ہے کہ ان ٹکٹوں کے موصول ڈاک کی شرح عام طور پر ایک آنہ یا ٹکٹ تھی۔ غشی بیو زانی آرام کے
نام ۳ جنوری ۱۸۵۸ء کے خط میں ”دستو“ کی دو جلدیں کھستو کے دو صاحبوں کو ”بہ میدہ پمٹلٹ پائلٹ“ اسٹامپ پیڈ
بھیجے کی استدعا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”دو آنے کے دو ٹکٹ اس خط میں ملحوظ کر کے تم کو بھیجتا ہوں۔ دو پارسل الگ الگ کھستو کو ارسال کرو۔
آنے آنے کا ٹکٹ اس پر لگا دو۔“

ٹکٹوں کے استعمال کی ابتدا غالبؒ ۱۸۵۷ء میں ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی اس زمانے میں یکم اور قواعد و ضوابط بھی
وضع کئے گئے۔ یہ تبدیلیاں غیر معمولی نوعیت کی تھیں جن کے نتیجے میں محکمہ ڈاک کے بیشتر معاملات یکسر بدل گئے۔
غالب نے ان تبدیلیوں کو اپنے کئی خطوط میں ”بندوبست جدید“ سے تعبیر کیا ہے۔ اس سلسلے کی سب سے اہم تبدیلی یہ
تھی کہ خطوط براہ راست وصول کرنے اور رسید دینے کا قاعدہ ختم کر کے ڈاک خانے میں ایک صندوق یعنی لیٹر بکس
رکھ دیا گیا اور خطوط اہلکار ڈاک کے سپرد کئے جانے کے بجائے اس میں ڈالے جانے لگے۔ غالب غشی بی بخش حقیر کو
۳ اکتوبر ۱۸۵۸ء کے خط میں اس تبدیلی کی ان الفاظ میں اطلاع دیتے ہیں:

”اب ڈاک گھر میں ایک صندوق منہ کھلا دھر دیا ہے۔ جو جائے خط کو اس میں پہنچنے اور چلا آئے۔ نہ
رسید نہ مرزہ نہ مشاہدہ۔ خدا جانے وہ خط روانہ ہو گا یا نہیں۔“

اسی خط میں ان تبدیلیوں کا غشی کے معاملات سے مقابلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”خط جب ڈاک گھر میں جاتا تھا رسید ملتی تھی، پوسٹ پیڈ کی لال مرزہ ہریک کی سیاہ مرزہ غلط جمع ہو جاتی

تھی۔ ڈاک کلاب کو دیکھ کر یاد آ جاتا تھا کہ غلط خط کس دن بھیجا ہے اور کس طرح بھیجا ہے۔ اسے ڈاکر خط نہ پہنچا تو بیچنے والے کس دستخط سے دعویٰ کرے گا؟

سرشت ڈاک کے اس "بندوبست جدید" کے سلسلے میں غالب نے جس حد تک کامیاب رہا اکتفا کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے بعد غلطوں کے بہ حفاظت مکتوب الہم تک پہنچنے کی کوئی ضمانت باقی نہیں رہی اور ان کا تک ہو جانا ایک معمول بات سمجھا جانے لگا۔ چنانچہ مٹی کی مٹی تلخ حقیر کی کو ۳ جون ۱۸۵۵ء کو لکھتے ہیں:

"انگریزی ڈاک کا حال کسے! انہیں معلوم کیا بندوبست جدید ہوا ہے کہ بالکل ڈاک کا انتظام و احتیاج جاتا رہا۔ ایک دو خط انگریزی ایک فرنگی کے تک ہو گئے۔ اس نے میرا ڈاک میں جھٹک کر کوئی اس کا پیب نہ ہوا۔ اس نے بڑے پست ہاتھ سے شکایت کی۔ جواب پلایا کہ مجھ کو جواب نہ پڑے گا۔"

غلطوں کو حفاظت کے ساتھ مکتوب الہم تک پہنچانے کے خیال سے ان کا ہرگز سمجھا جانا اس زمانے میں عام طور پر زیادہ مناسب سمجھا جاتا تھا۔ لوگوں کا خیال یہ تھا کہ کارپوریشن ڈاک محمول کے لالچ کی وجہ سے ہرگز غلطوں کی قریل و تقسیم میں زیادہ ذمہ داری اور مستعدی سے کام لیتے ہیں۔ اس لئے ان کے بہ حفاظت خطل مقصود تک پہنچ جانے کے امکانات زیادہ قوی ہیں۔ تفصیل حسین خاں کے نام کے ایک خط میں جسور کے عقیدے کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے:

"امانا عقیدہ جسور آن است کہ کارگذاران ڈاک در رسانیدن بصرہ ہرگز بہ توقع حصول حصول اہتمام بیشتر ہی کنند۔" (بارغ وود ص ۳۳)

نقد کے نام ۲۸ مارچ ۱۸۵۵ء کے غلطوں کے سلسلے میں اپنا ایک اور تجربہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

"ڈاک کے لوگ ہرگز خط کو ضروری سمجھ کر جلد پہنچاتے ہیں اور پست پیڑ پڑا رہتا ہے۔ جب اس محلے میں جانا ہوتا ہے تو اس کو بھی لے جاتے ہیں۔"

سرشت ڈاک کے تذکرہ پلا انتظام جدید کے بعد احاطہ غلطوں کے بعض واقعات کے پیش نظر غالب نے یہ قصہ بیان کیا تھا کہ اہم غلطوں "پست پیڑ" بیچنے کی بجائے ہرگز بھیجے جائیں تاکہ ان کے ضائع ہونے کا امکان ہی باقی نہ رہے۔ چنانچہ ۱۸۵۵ء کے بعد کے متعدد غلطوں میں اس طریق کار پر عمل کا بار بار ذکر آیا ہے۔ الزم الدولہ شفق کو ۹ مارچ ۱۸۵۵ء کے خط میں لکھتے ہیں:

"ڈاک میں اکثر غلطوں تک ہوتے ہیں۔ ہرگز پر ضائع ہونے کا گمان کم ہے۔"

ایک بار الزم الدولہ شفق ی کو غالب نے کہے بعد دنگرے دو خط لکھے لیکن دونوں میں سے کسی کا جواب نہیں ملا۔ تیسرے خط میں اس تعاقب کا شکوہ کرتے ہوئے انہیں لکھتے ہیں کہ "دونوں خط ہرگز ملے تھے" تک ہونا کسی طرح محصور نہیں۔"

میاں دلخواں سیاح کے نام ۷ ستمبر ۱۸۵۳ء کے خط میں انہیں بھیجہ ہرگز خط بیچنے کی توجہ اس طرح کرتے

”بیڑہ غلط“ کچھ گاہ تک بھی ہو جاتا ہے۔ نظر اس بات پر یہ غلط فہم کو ہرگز بھیجتا ہوں تاکہ ضائع نہ ہونے کا احتمال قوی رہے۔“

سیاح ہی کو ایک اور غلط مرقومہ ۲ جون ۱۸۶۱ء میں لکھتے ہیں:

”میرا شیوہ نہیں غلط ہرگز بھیجتا۔ یہ غلط محض“ ہرگز بھیجتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ بیڑہ کے تکلف ہونے کا احتمال ہے اور ہرگز کا نہیں۔“

ہرگز غلط ارسال کرنے میں ایک مصلحت اور بھی تھی۔ شروع شروع میں جب غلطوں پر ٹکٹ چسپاں کرنے کا رواج ہوا تو اس خیال سے کہ کوئی دوسرا ان ٹکٹوں کو نکال کر اپنے کام میں نہ لائے، غلطوں لکھنے والے ان پر اپنے دستخط کر دیا کرتے تھے۔ رضا لاہوری دام پور میں غالب کے پیچھے ہوئے جو الفاظ محفوظ ہیں، ان کے حوالے سے عربی صاحب نے ان کے معمول کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

”ایک بات کا انہوں نے بڑا لحاظ رکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک دو کو چھوڑ کر باقی ہر ٹکٹ پر اپنا تخلص اسد یا غالب اور اگر دو ٹکٹ ہوں تو پہلے پر اسد اور دوسرے پر غالب ضرور لکھا ہے۔ ایک دو پر اسد اللہ بھی ہے۔ اس سے مقصود یہ ہو گا کہ دوسرا تخلص اس ٹکٹ کو استعمال نہ کر سکے۔“ (مکتبہ غالب۔ مقدمہ مرتب ص ۷۶)

یہ معمول صرف غالب کا نہ تھا، دوسرے لوگ بھی اس طریقے پر عامل تھے۔ اس کی تصدیق محمد عبدالرزاق شاکر کے نام غالب کے ایک خط کے اس اندراج سے ہوتی ہے:

”لفافے پر مرسلہ محمد عبدالرزاق جعفری العبدی اور ٹکٹ پر شاکر دیکھ کر دیر تک غور کی کہ یہ وہ صاحب ہیں۔“ (مکتوب مورخہ یکم اگست ۱۸۶۵ء)

اگست ۱۸۶۵ء کے بعد جب یہ طریقہ ممنوع قرار پایا تو غالب کو ٹکٹوں کے عاتب کر لئے جانے اور غلطوں کے ہرگز ہو جانے کا اندیشہ ستانے لگا۔ اس اندیشے میں انکے بعض احباب اور شاکر بھی ان کے شریک تھے۔ چنانچہ اس کے ضابطے کے خلاف کے خطوں میں غلام حسین قدر بھگوانی کو ان کے کسی اشتہار کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”میں بھی ٹکٹ پر قریب کی ممانعت ہے۔ بہتر یہی ہے کہ طرفین سے غلطوں ہرگز پیچھے جائیں کہ یہ قصہ مٹ جائے۔“

موصول نقد ادا کر کے رسید حاصل کرنے کی بجائے ٹکٹ چسپاں کرنے کے رواج اور سداہ غلطوں لیٹر بکس میں ڈالنے کے انتظام کے نتیجے میں جو غرایاں پیدا ہوئیں، ان میں سے ایک غرابی یہ بھی تھی کہ بعض لوگ برصغیر کے لاطینی ”پمفلٹ پاکٹ“ بھی لیٹر بکس میں ڈال آتے تھے، اور ان کی اس غلطی کا غمازہ ہماری جہانے کی صورت میں مرسل الیہ کو بھٹکتا چلتا تھا۔ غالب کے ساتھ ایک بار مرزا قندے کے پیچھے ہوئے ایک پارسل کے سطحے میں ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ ۲۸ جولائی ۱۸۵۸ء کے خط میں قندے کو اس کی اطلاع دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”کل قریب دوپہر کے ڈاک کا ہرکارہ وہ جو خط پٹا کرتا ہے، آیا اور اس نے پارسل موم جاسے میں لپٹا ہوا

دیا۔ پہلے تو میں بھی حیران رہا کہ پاکٹ خطوں کی ڈاک میں کیوں آیا؟ بارے جب اس کی تحریر دیکھی تو حصارے ہاتھ کا پھٹت لکھا ہوا اور دو ٹکٹ لگے ہوئے مگر اس کے آگے کالی مراد رکھ انگریزی لکھا ہوا۔ ہر کارے نے کہا کہ ایک روپیہ دس آنے دلوایئے، دلوایئے اور پارسل نے لیا مگر حیران کہ یہ کیا بیچ چاہا؟ قیاس ایسا چاہتا ہے کہ حصارا آدھی جو ڈاک گھر گیا، اس کو خطوں کے بجس میں ڈال آیا۔ ڈاک کے کار ہذا دونوں نے غور نہ کی مگر اس کو بھگ خطوں کی ڈاک میں بھیج دیا۔

یہ واقعہ قتل کے پیچھے ہوئے پارسل سے متعلق تھا۔ چند برسوں کے بعد ۱۸۸۳ء کو خود غالب کے ملازم سے ایسی ہی لفظی سرزد ہوئی۔ اتفاق سے اس پارسل کے مرسل الیہ قتل ہی تھے۔ غالب نے اگلے روز انہیں اس صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا:

"مکل پارسل اشعار کا ایک آنہ ٹکٹ لگا کر اور اس پر لکھ کر کہ "یہ پارسل ہے" خط نہیں ہے" ڈاک میں بھیج دیا۔ ڈاک فنی نے کہا کہ خطوں کے صندوق میں ڈال دو۔ خدمت گار مانواؤہ کوئی اس کا حکم بجا لایا اور اس کو خطوں کے صندوق میں ڈال دیا۔ وہ لفظ کہ "یہ خط نہیں ہے" پارسل ہے" دستور معقول ہے اگر وہاں کے ڈاکے تم سے خط کا حصول مانگیں تو تم اس خطے کے ذریعے منکھ کر لینا۔"

نئے ضابطوں کے تحت اگرچہ سان خطوں کی رسید ملنے کا قاعدہ منسوخ ہو گیا تھا لیکن پارسلوں پر چونکہ خطوط کے مقابلے میں دیکھا یا اس سے بھی زیادہ حصول وصول کیا جاتا تھا اس لئے ان کی رسید بدستور ملتی رہی۔ پہلی رسید پارسل سپر ڈاک کے جانے کے وقت ملتی تھی، دوسری رسید اس کے مرسل الیہ تک پہنچنے کے بعد آتی تھی۔ غالب نے ششی شیو نرائن آرام کو ۳ جنوری ۱۸۸۸ء کو ایک ایک آنے کی دو ٹکٹ بھیج کر "وختیہ" کی دو جلدیں اگرے سے کستو بھجوائی تھیں۔ ۱۵ جنوری تک انہیں ان کتابوں کی رسید نہیں ملی تو آرام کو لکھا:

"کستو کے دونوں پارسلوں کی رسید مجھ کو آج تک نہیں آئی۔ آخر رسید تو تم کو پارسلوں کی ملی ہو گی؟"

۱۶ جنوری کو ان میں سے ایک پارسل کی رسید آگئی تو دوبارہ خط لکھ کر انہیں یہ اطلاع دی:

"آج میرے پاس کستو کے ایک پارسل کی رسید آگئی۔ دو سرا بھی جیجی بھیج گیا ہو گا۔"

جس طرح پارسل وصول کرنے والے کی دخلی رسید بھیجنے والے کے پاس پہنچتی تھی اسی طرح وہ ڈاک خانے کو جس کے ذریعے پارسل روانہ کیا جاتا تھا، باقاعدہ رسید بھیجا کرتا تھا۔ یہ رسید ایک کتاب میں چپا کر کے محفوظ رکھی جاتی تھی۔ ۱۸۸۳ء میں غالب نے طوائف عبدالغفور سرور کو بارہرے کے بچے پر ایک پارسل بھیجا جو انہیں بہت دنوں تک نہیں ملا۔ غالب کو تشویش لاحق ہوئی چنانچہ انہوں نے ڈاک کے کارپروانوں سے پازرس کی۔ انہیں اس کا جواب ملا "سرور کو اس سے آگاہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"بندہ پرور! میں نے پارسل کی رسید ملے لی تھی۔ اب آپ کے خط کو پڑھ کر کارپروانان ڈاک کے پاس وہ

رسید بھجوائی۔ انہوں نے کتاب دیکھ کر میرے آدھی سے کہہ دیا کہ سکندر دلاؤ کی رسید یہ موجود ہے۔ اب

پارسل کی جواب دی وہاں والوں کے ذمہ ہے۔"

غالب کی زندگی کے آخری ایام میں وقتاً فوقتاً ڈاک کے جوئے ضابطے اور قاعدے نافذ ہوتے رہے، ان میں ایک اہم ضابطہ یہ بھی تھا کہ ایک شخص کی طرف سے ایک ہی شعر میں دہنے والے دو مختلف افراد کے نام لکھے گئے یا دو مختلف اشخاص کی طرف سے ایک ہی شخص کو لکھے ہوئے خطوط ایک لفافے میں رکھ کر نہیں بھیجے جاسکتے تھے اور اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے پکاس روپے کے جرمانے یا قید کی سزا مقرر تھی۔ حبیب اللہ ڈاک کو ۲۵ جنوری ۱۸۷۳ء کے خط میں لکھتے ہیں:

"خط میں خط مخلوف کرنا غالب حکام سے ممنوع ہے۔ اگر یہاں نہ ہوتا تو میں ان (مولوی مسیح الدین خاں) کے نام کا خط تمہارے خط میں مخلوف کر کے بھیجتا۔"

غلام بسم اللہ نعل میرٹھی مفتی محمد سلطان من خاں سلطان منصف میرٹھ کی عدالت میں تاحرقے۔ آپ ہمارے انہوں نے اپنے خط کے ساتھ منصف صاحب کی ایک غزل بھی یہ غرض اصلاح غالب کے پاس بھیج دی۔ قاعدے کی یہ خلاف ورزی غالب کے لئے اندیشہ ہائے دور و دراز کا سبب بن گئی چنانچہ انہوں نے نعل کو ان کی اس غلطی پر فوراً متنبہ کیا:

"میں حضرت! خط میں داخل ہوا ہے۔ اگر یہاں کی ڈاک میں بھی خط نعل کیا تو مجھ سے پکاس روپے لئے جلیس کے یا قید کا حکم ہو گا۔ آج آپ خط بد لکھو بھیجا کیجئے۔ اس باب میں تاکید جائے کوئی حیلہ ہوا کہ آپ کی طرف سے ممنوع نہ ہو گا۔"

پارسل میں خط رکھ کر بھیجا یعنی اسی ضابطے کے تحت آتا تھا۔ ایک بار چودھری عبدالغفور، سرور اسی قسم کی غلطی کر بیٹھے تھے، انہیں اس طرف متوجہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پارسل میں خطوط بھیجے میں اندیشہ ہے، خدا نے بچایا۔"

پارسل کے اندر خط یا اور کوئی قرعہ نہ رکھنے کا ضابطہ آج بھی بدستور نافذ ہے لیکن خط میں خط مخلوف کرنے پر پابندی زیادہ دنوں تک برقرار نہیں رہ سکی۔ غالب کے مختلف خطوط کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حتیٰ ۱۸۷۳ء تک اس قاعدے کا خلاف نہیں ہوا تھا اور دسمبر ۱۸۷۳ء سے پہلے یہ پابندی افغانی جا بگئی تھی۔ غالب نے اپنے ہمارے مرزا عباس بیگ کو جو گھسٹو میں رہتے تھے، ۲۳ شبہ ۱۲۷۱ھ ۱۹ جون ۱۸۷۳ء کو ایک خط لکھا تھا۔ اس میں ایک خط ان کے بھتیجے محمود مرزا (ڈپٹی مرزا محمود بیگ) کے نام کا بھی مخلوف تھا جیسا کہ اس بیان سے ظاہر ہے:

"دوسرا دینی نام محمود مرزا کے ہے، اس کو دینا اور اگر تمہارے پاس نہ ہو تو یہاں ہو وہاں بھیج دینا۔"

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس خط کی قرعہ کے نالے یعنی حتیٰ ۱۸۷۳ء تک خطوط میں داخل ممنوع نہیں تھا۔ دسمبر ۱۸۷۳ء سے پہلے اس ضابطے کی منسوختی کا ثبوت میاں داد خان سیاح کے نام ۳ دسمبر ۱۸۷۳ء کو لکھے ہوئے خط کے مندرجہ ذیل اندراج سے ملتا ہے:

"غواب صاحب (میر غلام بابا خاں) کے نام کا خط گزری کی رسید کا تم کو پہنچتا ہے۔"

دسمبر ۱۸۷۳ء کے بعد کے کئی خطوط میں اس "داخل" کے شواہد موجود ہیں۔ جنوری ۱۸۷۳ء میں حبیب اللہ ڈاک کو

آگاہ کیا گیا تھا کہ "خط میں خط لغوف کرنا جانب حکام سے ممنوع ہے" لیکن ۱۵ فروری ۱۸۸۷ء کو ان کے نام کے خط کے ساتھ حیدر آباد سے موصول شدہ ایک خط بھی انھیں بھیجتے ہوئے یہ اطلاع دی گئی ہے:

"کسی صاحب نے حیدر آباد سے گمنام خط ڈاک میں بھیجا۔ بیچے والے کی فرض یہ تھی کہ مجھ کو تم سے رنج و ملال ہو۔ وہ خط بھجھہ تمہارے پاس اس خط میں لغوف کر کے بھیجتا ہوں۔"

جانب کے نمائے میں علی آزار کے درمیانے ترسیل و قوم کا ضابطہ وضع نہیں ہوا تھا۔ کم از کم ان کے خطوط میں اس کی کوئی شہادت موجود نہیں۔ البتہ خطوط کے ساتھ نوٹ لغوف کر کے بھیجتا تھا۔ منور نہیں تھا۔ اس کی قدیم ترین شہادت نواب میر قلام علی خان لودھی کی طرف اٹلی میں داد خان سیاح کے نام ۲۵ جنوری ۱۸۸۵ء کو لکھے ہوئے خطوط سے ملتی ہے۔ نواب صاحب نے "ورکش کوریائی" کی طہارت میں ادا کی فرض سے سو روپے کا ایک نوٹ عطیت فرمایا تھا۔ جو سیاح نے اپنے خط میں لغوف کر کے جانب کو بھیجا تھا۔ ان دونوں خطوں میں اس عطیت کے پختے اور دوپہ وصول ہونے کا ذکر موجود ہے۔

خط میں نوٹ لپیٹ کر بھیجتا اس نمائے میں لوگوں کے معمولات میں داخل تھا۔ اس کا ایک اور ثبوت حکیم احمد حسن سوداوی کے نام یکم جنوری ۱۸۸۳ء کے خط میں جانب کے اس بیان سے ہوتی ہے:

"سید صاحب قبل کیوں تکلیف کرتے ہیں؟ اگر یہی مرضی ہے تو اتھوٹ وادھا تکلف محض ہے۔ فقیر بے سوال ہوں۔ اگر کچھ بھیج دیں گے" وہ دن کہوں گا۔ کم و بیش پر نظر نہ کریں" بھجنے کا چاہیں" نوٹ خط میں لپیٹ کر بھیج دیں۔"

حکیم صاحب ہی کے نام کے ایک اور خط مورخہ ۲۵ جنوری ۱۸۸۳ء سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نمائے میں بعض علاقوں میں نونوں کو آدھا آدھا کر کے دو بار میں بھیجنے کا رواج عام تھا۔ یہ طریقہ احتیاط کی فرض سے اختیار کیا جاتا تھا کیوں کہ اس صورت میں کارہ وازان ڈاک کی طرف سے طہارت یا دست برد کی محتاجات پاتی نہیں رہتی۔ غالب حکیم صاحب کو اس طریق کار کے برخلاف صحیح و سالم نوٹ ایک ہی بار میں بھیجنے کا مشورہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب نوٹ بھیجنے تو اہل نکلنے کی طرح آدھا آدھا دو بار کر کے نہ بھیجنے گا۔ میرے نام کا غلط جس شر سے چلے" اسی شر کے ڈاک گھر میں وہ جائے تو وہ جائے" ورنہ دلی کے ڈاک خانے میں بھیج کر کیا امکان ہے کہ تکف ہو۔"

اس خط کے جواب میں سید صاحب (نواب میر ابراہیم علی خان دقا) کا خط کردہ لودھی حکیم صاحب موصوف کا مرحلہ سو روپے کا نوٹ تو جانب کو مل گیا لیکن اس کی رسید میں لکھا ہوا غالب کا خط غالباً "ڈاک کی بد نظمی کی خذر ہو گیا۔ چنانچہ اگلے خط میں جب حکیم صاحب نے جانب سے اس نوٹ کی رسید طلب کی تو انھوں نے کسی قدر جھلالت کے ساتھ یہ جواب دیا:

"سو روپے کے نوٹ کی رسید سو بار مانگتے ہو۔ نوٹ عطیت سید صاحب کا آپ کے خط میں پہنچا رہا ہے وصول ہوا" سنا" خرچ ہوا۔"

نوٹ کے ذریعے لکھا ہوا روپیہ وصول ہونے کے بارے میں غالب کے اس بیان سے نیز مکتوب مرسومہ سیاح مورخہ ۱۸۶۵ء کے اس اندراج سے کہ ”جس دن نوٹ پہنچا“ اس کے دوسرے دن روپیہ وصول ہو گیا۔ ”ضمناً“ یہ بات بھی ہمارے علم میں آتی ہے کہ اس زمانے میں بازار میں سو روپے کے نوٹ کا چلن آج کی طرح عام نہیں تھا بلکہ اس کی حیثیت کمیشن، واچر یا بینک ڈرافٹ کی سی تھی جس میں درج رقم وصول کرنے کے لئے خزانے یا بینک کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

غالب کے خطوط کے حوالے سے غلط فہم کی کارکردگی اور احساس ذمہ داری کے کچھ اور پہلو بھی ہمارے سامنے آتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ خطوط صرف مکتوب الہ کے حوالے کئے جاتے تھے اور اگر وہ دیکھے ہوئے ہوتے ہتے یہ موجود نہ ہوتا تو اس کے نام کا خط یا تو بدلے ہوئے ہتے یا روانہ کر دیا جاتا تھا یا بیچنے والے کو لوٹا دیا جاتا تھا۔ گھنٹوں میں مکتوب ایک شخص کو بھیجے ہوئے خط کے اسی قاعدے کے مطابق آجائے کا ذکر خواجہ انور الدولہ شخص کے نام کے خط مورخہ ۱۸۶۳ء میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

”میں نے جو خط بھیجا، انا پھر آیا۔ ڈاک کا یہ تو قیح کہ مکتوب الہ یہاں موجود نہیں۔“

غالب ۱۵ اگست ۱۸۶۹ء کو لکھتے سے دہلی کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ اس سے ایک دن پہلے انہوں نے مولوی محمد علی خاں صدر امین ہند کے نام جو خط لکھا تھا، اس میں بھی اس ”قاعدہ“ ڈاک کا حوالہ موجود ہے، لکھتے ہیں:

”اگر خطبات نامہ۔ تمہی از دود امیں عرضہ خواہ شد، لامحالہ موافق قاعدہ ڈاک باز بہ خدمت خواہ رسید۔“ (نامہ ہائے قاری غالب ص ۸۸۸)

جنوری ۱۸۶۰ء میں غالب نے پہلی بار رام پور کا سفر کیا اور مارچ کے وسط تک وہاں مقیم رہے۔ ان ایام میں کار پردازان ڈاک دہلی میں ان کے نام آنے والے خطوط برابر ان کو رام پور کے ہتے پر بھیجے رہے۔ چنانچہ مرزا ہر کوہاں نقد کو ان کے ”موراقع اشعار“ کی رسید دیتے ہوئے اسی زمانے کے ایک خط میں لکھتے ہیں:

”تھماوے یہ اوراق سکندر آپد سے دلی اور دلی سے رام پور پہنچے۔“

نقد ہی کے نام ایک اور خط مورخہ ۱۳ فروری ۱۸۶۰ء میں ششی ہال کنڈ بے صبر کے خط کے بارے میں یہ اظہار دیتے ہیں:

”مٹھی ہال کنڈ بے صبر کا خط بلند شہر سے دلی اور دلی سے رام پور پہنچا۔“

دوسری مرتبہ غالب ۱۸۶۵ء کے اواخر میں رام پور گئے۔ اس بار واپسی کا سفر ۲۸ دسمبر کو شروع ہو کر ۸ جنوری ۱۸۶۶ء کو ختم ہوا۔ آخر کے ان دنوں میں خواجہ غلام نوٹ بے خبر کا ایک خط کس طرح رام پور اور دہلی کے درمیان گردش میں رہا، اس کی روداد خود غالب کی زبانی سنئے:

”آپ کا پہلا خط رام پور سے دلی آیا۔ پھر دلی سے خط رام پور پہنچا، میں وہاں بھی نہ تھا۔ خط دلی روانہ ہوا۔

اب کئی دن ہوئے کہ میں نے ڈاک سے پایا۔“

خطوط کے برخلاف پارسل مرسل الہ کی غیر موجودگی کی صورت میں ڈاک خانے میں بطور امانت محفوظ رکھتے تھے

اور مرسل الہ کی دانی کے بعد اسے پہنچا دیئے جاتے تھے۔ مثلی ہوا پر نگہ جو ہر نے ایک بار لاہور سے ایک لکھی اپنے والدہ رائے چھچھ ل کی معرفت غالب کو بھیجی تھی۔ یہ پارسل جب وقت دہلی پہنچا، رائے چھچھ ل اس پر گئے ہوئے تھے۔ ان کے دانی کے بعد یہ پارسل انھیں لاہور ان کے ذریعے یہ لکھی غالب کو ملی۔ غالب نے جوہر کے نام ۲ مارچ ۱۸۸۳ء کے خط ۷، یہ کیفیت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

”مہلو شاں واڈہ شاں بہ من رسید۔“ (بارغ دور ص ۳۵)

غالب کے مد میں ڈاک کے نظام سے حلقہ یہ تفصیلات کسی اور جگہ بھی دستیاب ہیں، انھیں اور خود خود ڈاک کے نقطہ نظر سے ان کی کیا اہمیت ہے، عمرہ سطور فی الوقت اس سلسلے میں کچھ کہنے کے موقع میں نہیں لیکن ناہیات کے مسائل میں ان کی اہمیت سے بے غور انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس پہلو کی وضاحت کے لئے صرف دو مثالیں پیش کر دینا کافی ہو گا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ غالب کے ہمت سے خطوط کا نذرہ تحریر ماحولم ہے۔ اس قسم کے لاتعداد خطوط میں نسل میر غنی کے نام کا وہ خط بھی شامل ہے جس میں انھیں اپنے خط کے ساتھ کسی اور کا خط ملوٹ نہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ایسا ہی ایک اور خط قدر پٹھواری کے نام کا ہے جس میں ”گٹ پر تحریر کی مرافعت“ کا ذکر کیا ہے۔ گزشتہ اوراق میں پیش کردہ معلومات کے مطابق خطوط میں داخل کا خطبہ مئی ۱۸۸۳ء کے بعد نافذ ہوا اور دسمبر ۱۸۸۳ء سے پہلے مضمون کر دیا گیا۔ اس اعتبار سے نسل کے نام کے خط کا نذرہ تحریر ان دو میٹوں (مئی ۱۸۸۳ء و دسمبر ۱۸۸۳ء) کے درمیان محدود کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ”گٹوں پر تحریر کی مرافعت“ کا خطبہ اگست ۱۸۸۵ء تک نافذ نہیں ہوا تھا، اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ قدر کے نام کا محولہ والا خط اگست ۱۸۸۵ء کے بعد کا لکھا ہوا ہے۔ ان دو مثالوں کے بعد اس وراثت فنی کے ہوا کے لئے مزید کسی ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔



فہرست ماخذ و مراجع

۱۔ بارغ دور، مرتب ڈاکٹر سید رام الرحمن، جلد ۱، ”شائع کردہ غالب“، پتھر علی، لاہور (پہلی دوم)، ۱۹۵۰ء

۲۔ ”جنگ“ (انٹرنیٹ)، مرتب ڈاکٹر محمد گل داس، پتھر علی، لاہور (پہلی دوم)، ۱۹۵۰ء

۳۔ ”غالب“، از ڈاکٹر امجد علی، ”شائع کردہ“، لاہور، دہلی، مطبوعہ مئی ۱۹۵۰ء

۴۔ ”غالب“، مرتب سید امجد علی، ”شائع کردہ“، نظام علی، لاہور، دہلی، مطبوعہ ستمبر ۱۹۵۰ء

۵۔ ”غالب“، مرتب، بانک داس، ”شائع کردہ“، انجمن فنی، لاہور، دہلی، ”مطبوعہ“، ۱۹۵۰ء

۶۔ ”غالب کے خطوط“، مرتب ڈاکٹر شفیق احمد، ”شائع کردہ“، غالب انجمن فنی، لاہور، دہلی، ”مطبوعہ“، ۱۹۵۰ء (جلد اول ۱۹۵۰ء، جلد دوم ۱۹۵۱ء، جلد سوم ۱۹۵۲ء)

۷۔ ”خطرات غالب“، مرتب پروفیسر مسعود حسن، ”مطبوعہ“، ”شائع کردہ“، کتاب گزشتہ، ”مطبوعہ“، لاہور، دہلی، ”مطبوعہ“، ۱۹۵۰ء

۸۔ ”مکتوبات غالب“، مرتب سید امجد علی، ”مطبوعہ“، ”مطبوعہ“، ”شائع کردہ“، ”مطبوعہ“، لاہور، دہلی، ”مطبوعہ“، ۱۹۵۰ء

۹۔ ”غالب کا دہلی غالب“، مرتب سید انور علی، ”شائع کردہ“، غالب انجمن فنی، لاہور، دہلی، ”مطبوعہ“، ۱۹۵۰ء

(نوٹ) اس حصہ میں ہدف کے حوالے صرف ان خطوط کے اختصارات کے ساتھ دیئے گئے ہیں، ان کی حوالہ میں ہر جگہ کو گئے قدر و ہوا کی ہوتی ؟

نکلی ہے۔ وہ خطوط گزشتہ تحریر کی حد سے خطوط کے نام مجموعوں میں ہیں، انسانی حوالہ کے چائے ہیں، ان کے اختصارات کے حصہ میں اس قسم کے حوالوں کو گزشتہ تحریر کے لئے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر قربان فتح پوری

غالب کے اولین تعارف نگار

مرزا غالب رجب ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے اور اسی قصہ ۱۲۵۵ھ مطابق فروری ۱۸۴۳ء میں وفات پائی۔ گویا سترہ جہری کے لحاظ سے تیسرے سال اور سترہ جہری کے لحاظ سے ہجرت سال زندہ رہے۔ ان کی زندگی میں بھی ان کی سوانح اور شاعری کے بارے میں بہت کچھ لکھا جاتا ہے۔ لیکن ان کی وفات سے لے کر ان کی صد سالہ برسی فروری ۱۸۴۳ء کے درمیانی عرصے میں ان کے حلقے آگاہ کچھ لکھا گیا ہے کہ اب تک اقبال کے سوا اردو کے کسی اور شاعر کے حلقے نہیں لکھا گیا۔ اس سلسلے میں سنا ہے سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ غالب کے فکر و فن کے حلقے سب سے پہلے کس نے رائے ظاہر کی اور کن لوگوں نے انہیں اول اول پہچانا اور کن لوگوں نے ان کی شخصیت اور کام کو سب سے پہلے دعوں سے متعارف کرایا۔ بعض مقالہ نگاروں کا خیال ہے کہ غالب کا ذکر سب سے پہلے سر سید احمد خاں کی مشہور تصنیف ”آثار الصنادید“ مرقومہ ۱۳۳۸ء میں ملتا ہے (۱) لیکن چونکہ یہ جواب حلقے و استدار سے جاری ہے اس لئے لوپ کے قارئین مطمئن نہ ہوئے اور غالب کے اولین تعارف نگار کے بارے میں ان کا انتظار کچھ تک جوں کا توں باقی ہے۔ (۲)

غالب کے سلسلے میں ”لہ نو“ کے مقالہ نگار یا کسی بزرگ کا یہ خیال کہ ان کا ذکر سب سے پہلے سر سید احمد خاں نے ”آثار الصنادید“ میں کیا ہے، درست نہیں ہے اور کہنے والے کی بے خبری کا پتا دیتا ہے۔ اس لئے کہ آثار الصنادید مرقومہ ۱۳۳۸ء سے بہت پہلے کی تذکرہ نگار غالب کا تعارف کراچے تھے۔ تذکرہ نگاروں کے تراجم سے قطع نظر کئی اور ایسی باتیں ہیں جو غالب کی شاعرانہ شخصیت و عظمت کے حلقے اولین تعارف کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس سلسلے کی پہلی کڑی میر تقی میر کی وہ حاشیہ گوئی ہے جس کا ذکر مولانا حالی نے اس طور پر کیا ہے:

”جس روش پر مرزا نے ابتدا میں اردو کا شعر کہنا شروع کیا تھا قطع نظر اس سے کہ اس زمانے کا کلام طوطا مارے پاس موجود ہے“ اس روش کا اندازہ اس حکایت سے بخوبی ہوتا ہے۔ خود مرزا کی زبانیاں مانگیا ہے کہ میر تقی میر نے جو میرزا کے ہم وطن تھے، ان کے لڑکپن کے اشعار سن کر یہ کہا تھا کہ اگر اس لڑکے کو کوئی کامل استاد مل گیا اور اس نے اس کو سیدھے راستے پر ڈال دیا تو لاخواب شاعر بن جائے گا ورنہ مصلحت پکے گئے گا۔“ (۳)

غالب کا سال پیدائش ۱۲۳۵ھ اور میر تقی میر کا سال وفات ۱۲۵۵ھ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت میر تقی میر کی نظر سے غالب کے اشعار گزرے ہوں گے یا انہیں سنائے گئے ہوں گے، اس وقت غالب کی عمر زیادہ سے زیادہ ۲۰/۳۰ سال رہی ہو گی۔ ظاہر ہے ۳۰/۳۱ سالہ لڑکے کے کلام کے حلقے میر تقی میر جیسے عظیم المرتبت شاعر و تذکرہ

نثار کی رائے اس وقت جیسی واقع خیال کی تھی ہوگی اور اپنی سطحوں میں غالب کو دو شاس کرائے میں میر تقی میر کے شعروں نے ضرور مد دی ہوگی۔ بعض حضرات میر تقی میر کی دشمنی گوئی کو قرن قیاس نہیں سمجھتے۔ چنانچہ مولانا نظام رحیل میر نے اس روایت کی صحت سے انکار کرتے ہوئے بطور استدلال ذیل کے چند سوالات اٹھائے ہیں :

۱۔ اس کم عمری میں مرزا کا کلام اگر سے سے کھنڈ پھلپھلے اور اسے وہاں کون لے گیا اور اس کی ضرورت ہی کیوں محسوس ہوئی۔

۲۔ میر اپنی عمر کے آخری دو تین برس حقل النواں رہے اور چنانچہ ان کے یہ ایام بہت وارثی عوام اور عوام امراض میں گزرے اس لئے وہ کوئی رائے ظاہر کرنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ (۱۶)

۳۔ مالک رام نے مولانا نظام رحیل میر کے استدلال کے سلسلے میں لکھا ہے کہ :

”یہ استدلال بہت کمزور ہے“ یہ کس نے کہا کہ کلام ضرور آگے گیا۔ مرزا کے تعلقات نواب امیر بخش خاں کے خاندان سے معلوم ہی ہیں ”دو سات برس کی عمر سے دہلی آتے جاتے رہے اور ان ایام میں وہ لازماً نواب صاحب کے پاس ٹھہرے ہوں گے۔ نواب صاحب کے چھوٹے بھائی امیر بخش مسعود کے کہنے ”دوستہ تعلقات میر صاحب کو بھی حلیم ہیں۔ بانی نے مرزا کا کلام خود مرزا سے لیا یا مسعود سے اور اس کی عذرت و غریب کے پیش نظر اسے لے جا کے کھنڈ میں اپنے استاد میر کو دکھایا کہ دیکھئے حضرت ایک بار تیرہ برس کا لڑکا ایسے شعر کہتا ہے۔

”میر میر لکھا پریشان حال اور وارث اور پادشہ رہے ہوں لیکن اتنے بھی نہیں کہ یہ شعر سننے اور ان کے حلق اپنی رائے ظاہر کرنے کے قابل نہ رہے ہوں۔ وہ کوئی مفصل تنقیدی مضمون تو لکھ نہیں رہے تھے کہ انہیں اپنے خیالات بھج کر کے کافی وقت تک بیکسٹی اور اطمینان سے ایک جگہ بیٹھنے کی ضرورت ہوئی۔ انہوں نے بانی سے کچھ شعر سنے اور اپنی رائے ایک توجہ خیرے میں ظاہر کر دی۔“ (۱۷)

مالک رام کی بات دل کو گھتی ہے۔ اول اس لئے کہ میر تقی میر کی دشمنی گوئی کے سلسلے میں مولانا حالی جیسے بیک پس اور ثقہ بزرگ کے جھوٹ بولنے کی وجہ کچھ میں نہیں آئی۔ دوسرے اس سبب سے کہ غالب فی الواقع بہت کم عمری سے شعر کہنے لگے تھے اور ان کے کلام نے بہت جلد اقبال حاصل کر لیا تھا۔ مولانا حالی کا بیان ہے کہ :

”مرزا کی شاعری اکتالی نہ تھی بلکہ ان کی حالت پر خود کہنے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ یہ ان کی فطرت میں رویت کیا گیا تھا۔ انہوں نے جیسا کہ اپنے قادیان کے خاندان میں نصرت کی ہے کیا، برس کی عمر میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔“ (۱۸)

خود مرزا غالب کا بیان ہے کہ :

”بارہ برس سے لکھنے لکھنے و ستر میں ہاتھ اپنے ہاتھ اعمال کے سیاہ کر رہا ہوں۔ باطنہ برس کی عمر ہوئی“

پچاس برس اس شخصے کی ورزش میں گزرے۔“ (۱۹)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ :

”دور و ساگی آثار سوزنی“ مطلع پیدائی گرفت۔“ (8)
 ”غالب کے مستحق حقیقتیں نے بھی غالب کے آواز شاعری کے بارے میں یہی رائے قائم کی ہے۔ ہاگ رام لکھتے ہیں کہ:

”و مولوی محمد معظم کے کتب میں چھتے تھے اور ان کی عمر دس مياں سال سے زیادہ نہیں تھی کہ انہوں نے شعر کہنا شروع کر دیا۔“ (9)

یہی بات انہوں نے دیوان غالب کے دیباچے میں بھی دہرائی ہے۔ (10)

مولانا امتیاز علی خاں مرثی بھی مخالف اقوال و بیانات پر بحث کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ:

”میں میں سے راج قول یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ دس برس کی عمر سے شعر گو تھے کیونکہ کلیات

قاری کا اہتمام جو سب سے قدیم ہے، یہی ثابت کرتا ہے۔“ (11)

ان حقائق کی روشنی میں ہمارے جو سال کی عمر میں غالب کے اشعار کا میر تقی میر کے کانوں تک پہنچ جانا اور میر کا انہیں سن کر ایک دو شعروں میں اپنی رائے کا اہتمام کرنا بعید از قیاس نہیں رہ جاتا۔

میر کی حاشیہ گوئی سے قطع نظر ایک جامع تقریر کی صورت میں غالب کا اولین تعارف سرسید احمد خاں نے نہیں

بلکہ نواب ضیاء الدین خاں نیرو دہلوی نے کرایا ہے۔ اس نثری تقریر میں نواب ضیاء الدین احمد خاں نے غالب کو ”

سرخیل المصنوع“ قرار دیتے ہوئے ان کی توصیف میں چند اشعار بھی لکھے ہیں جو غالب کے کلام پر اولین

تقریری شبائات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اشعار یہ ہیں:

خون	را	از	خیالیں	ارجمندی	مطانی	راز	فکرش	سربلندی
میرے	خاندان	اش	اس دل پذیر	است	پیشانی	عندلیباں	را	مینیر
سکین		فرزند	شیعہ	بیاباں	بہیں	شاگرد	محل	کل
جہاں	را	ہے	دربخ	آسودہ	است	کزیں	معنی	شیش
سراسر		دفتر	شیعہ	بیاباں	در	ایں	فن	انکار
ہ	جہاں	گاہ	معنی	یکہ	آوازے	ظاہریں	ظہرتے	سخت
یہ	کھٹکھٹ	ریش	تج	مطانی	جواہر	آزادی	در	در
دھماکے	خون	سرشار	مکنت	درق	از	فکر	او	کھزار

یہ تقریر کی صفت میں پہلی ہوئی ہے اور اتفاق سے خود سرسید احمد خاں کی تالیف آثار الصلوٰۃ میں بھی شامل ہے (12) لیکن آثار الصلوٰۃ میں شامل ہونے کے یہ معنی نہیں کہ یہ تقریر غالب کے سلسلے میں سرسید احمد خاں کے بعد لکھی گئی ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ یہ تقریر آثار الصلوٰۃ سے بہت پہلے وجود میں آ چکی تھی اور غالب کے اولین دیوان دہلوی کے لئے لکھی گئی تھی۔ یہ اردو دیوان احمد میں مطلع سید لاہنار دہلی سے شائع ہوا تھا۔ مولانا امتیاز علی خاں مرثی رقم طراز ہیں کہ:

"مرزا صاحب کے دواخان کا پہلا مطبوعہ نسخہ مطبع سید الاطہار دہلی میں چھپ کر شائع ہوا" یہ مطبع سر سید مرحوم کے بھائی سید محمد خان بہادر نے دہلی میں قائم کیا تھا اور سید الطالع یا سید الاخبار کے نام سے مشہور تھا۔ شبانہ ۱۲۵۵ھ مطابق اکتوبر ۱۸۳۸ء میں اس مطبع سے مرزا صاحب کا دواخان چھپ کر شائع ہوا۔ مولف لاہوری رام پور میں اس لائبرین کا ایک نسخہ محفوظ ہے۔" (۱۳)

گویا جس مطبع سے ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۸ء میں سر سید احمد خان کی آثار الصنایہ شائع ہوئی، اسی سے غالب کا اردو دواخان نواب ضیا الدین احمد خان کی تقریب کے ساتھ ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۸ء میں شائع ہو چکا تھا۔ لیکن نواب ضیا الدین خان کی تقریب ۱۲۵۵ھ سے بھی پہلے کی ہے۔ یہ تقریب حقیقتہً "اس سے تین سال پہلے دواخان اردو کے قلمی مسوے کے لئے لکھی گئی تھی۔ مولانا امتیاز علی خان غفری کا بیان ہے کہ یہ تقریب ۱۲۵۸ھ میں لکھی گئی تھی۔" (۱۴)

ان امور کی روشنی میں یہ کہنا کہ غالب کا تعداد سب سے پہلے سر سید احمد خان نے ۱۲۵۸ھ/۱۸۳۸ء میں کرایا ہے، درست نہیں ہے۔ ضیا الدین احمد خان کی تقریب جو کہ آثار الصنایہ میں بھی شامل ہے، سر سید کی تحریر سے بہت پہلے کی ہے۔ لیکن نواب ضیا الدین خان کی تقریب بھی تعداد غالب کے سلسلے کی پہلی تحریر نہیں ہے، اس سے پہلے غالب کا ذکر مع انتخاب کلام کی تذکروں میں ملتا ہے۔ اس سلسلے میں تین قدیم تذکرے:

۱۔ عیار الشعراء، مولفہ خوب چندہ دکا

۲۔ غنی، فقیر، مولفہ اعظم الدولہ سرور

۳۔ گلشن بے غار، مولفہ نواب مصطفیٰ خان شینو

خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

جہاں تک گلشن بے غار کا تعلق ہے، اسے شینو نے ۱۲۳۸ھ (جون ۱۸۲۲ء) میں شہرہ کیا اور دواخان ۱۲۵۵ھ (اپریل ۱۸۳۵ء) میں دو سال کی کوشش کے بعد ختم کیا ہے (۱۵)۔ گویا گلشن بے غار سر سید احمد خان کی ۱۲۵۸ھ/۱۸۳۸ء سے پورے گیارہ برس پہلے لکھا گیا ہے۔ اس میں غالب کے متعلق شینو لکھتے ہیں:

"غالب فقیر، اسم شریفی احمد اللہ خان الشترہ۔ مرزا نوشہ، از خاندان حکیم است و از دوسای قدیم۔ سابقہ مشرق الحکومت اکبر آباد از استراش سرگرم کبر و تاز بود، اکنون دارالملکوت شاہجان آباد بدین نسبت غیرت افزائے مقامات و شیراز۔ طوطی، بلند پرواز چمن معانی است و بلبل نغمہ پرداز گلشن شیدا بیانی۔ بیش بلندی خیالش لوج فلک پہنچی زمین است و در جنب ۳۰ نشینی غورش سرفرازی قادون کرسی نشین۔ شاہین گرش جز ہشکار مقلانہ پرواز و اصحاب طبعی جز ہرم و ملک ماز۔ اگر امروز تلاش متاع نہیں شکاری جز بد کاش و در نہائی۔ ساما است کہ پادشاہ شاعری نادر۔ در اوائل حل ہفتاساے طبع و خواہ چند بہادر مرزا عبدالقادر بیدل غنای غلت و وقت آفرینی حائیکو، آخر الامراض طریقہ اعراض کہ اندازی دیگر مطبوع ابداع نمود، دواخان را بعد ترتیب و تکمیل دیگر تحریر است، فراوان ایات از ان حذف و سابقہ کہ قدر قلیلے انتخاب زدہ۔ در قاست کہ ہنظم رشتہ سری ندارد، در زبان فارسی نیز دستگامی بلند و بایہ وافر بہم

رسانید۔ پایہ اش از قول استخوان کم نیست۔ غزلش چوں غزل غلجی بے نظیر و قصیدہ اش دجوں قصیدہ' معنی دل پذیر۔ مضامین شعری و کامیابی طبع و جمیع نکات و لطائف بے ی و مدد اس شخص است کہ خصوص بعض اصل حق است۔ اگر طبع حق شایس وادی ہیں تکت میری۔ چہ خوش فکر اگر چہ کیاب است اما خوش فہم کیاب' خوش حال غرض کہ از مرد شہلی یافتہ و خطی مدودہ پانچلہ جتنی تکت سنج نظر گفتار کتر مئی شد' دلش ہر چند گاہ گاہ صورت ی مدودہ لاجورد معنی مستحکم است' و غزلش بنظر رسید و اس اہیات از ان ختب کردید۔" (17)

انہی لکھنے کے بعد شیخ نے تمام اشعار بطور نمونہ کام درج کیے ہیں۔ چونکہ سارے اشعار غالب کے جداول دیوان میں شامل ہیں اس لئے ان کا اس جگہ نقل کرنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ صرف پہلا اور آخری شعر نقل کیا جاتا ہے:

کاو کو سخت جانی ہائے غنائی نہ پہچ
صبح کرنا شام کا لانا ہے ہوئے شیر کا

دعائی اپنی جو اس شکل سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا دیکھتے تھے

گھٹن بے خار غالب کے سلسلے میں یوں اہمیت رکھتا ہے کہ اس کے درپے پہلی بار یہ بات سامنے آئی کہ غالب نے اپنے اردو کام کا بہت سا حصہ حذف کر کے موجودہ دیوان مرتب کیا تھا۔ گویا لنوء حیدر کا سراغ سب سے پہلے شیخ نے دیا ہے۔ بعد کے تذکرہ نگاروں نے جو کچھ لکھا ہے انہیں کے حوالے سے لکھا ہے۔ (18)

مرء متخیر اور عیار الشرا میں بھی غالب کا ذکر صراحت سے آیا ہے اور یہ دونوں تذکرے گھٹن بے خار سے بھی پہلے لکھے گئے ہیں۔ ہر چند کہ یہ دونوں قریب قریب ایک ہی زمانے کے ہیں اور ان کی تقدیم و تاخیر کی باتوں کا تعین آسان نہیں ہے۔ پھر بھی بعض قرائن عیار الشرا کو مرء متخیر پر مقدم کر دیتے ہیں۔

مرء متخیر کے آغاز و اختتام پر بحث کرتے ہوئے خواجہ امیر فاروقی نے لکھا ہے کہ ۱۸۸۵ء/ ۱۲۹۱ھ تا ۱۸۸۹ء/ ۱۲۹۵ھ کو آغاز تکلیف اور ۱۸۸۹ء/ ۱۲۹۵ھ کو اختتام تذکرہ کی تاریخ قرار دینا چاہئے۔ (19) لیکن خطوطات انجمن ترقی اردو پاکستان گرامی، جلد اول کے مرتبین نے مرء متخیر کی بعض داخلی شدتوں کی مدد سے لکھا ہے کہ:

مرء متخیر کی جمیل ۱۲۹۳ھ میں نہیں ہوئی۔ اسے تذکرے کے ابتدائی مسودے کی جمیل کا سند کہہ سکتے ہیں جس کی نقلیں بموہ ہاتھ مافق کے لکھے ہوئے نسخے سے لی گئیں۔ اس میں اضافے ۷۸ سال بعد تک ہوئے۔" (20)

اس کے معنی یہ ہیں کہ مرء متخیر ۱۲۹۵ھ اور ۱۲۹۳ھ کے درمیان ہی لکھا گیا ہے۔ عربی صاحب نے ۱۲۹۱ھ/ ۱۸۸۹ء اور ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۸۳ء کے درمیان کی تکلیف بتایا ہے، لیکن ماخذ کا سراغ نہیں دیا۔ (21) ہمارے اشعار کا مرء تصنیف ایڈیٹر نے ۱۲۹۸ھ اور ۱۲۹۷ھ جری کے درمیان متعین کیا ہے۔ (22)

مرثی صاحب کی تحقیق ہے کہ یہ تذکرہ ۱۸۳۳ء / ۱۲۵۸ھ میں شروع ہوا اور تقریباً ۱۸۳۸ء / ۱۲۶۲ھ تک اس میں اضافے ہوئے رہے۔ (22)

ان یادوں کی روشنی میں اگر تذکروں کے آغاز کو ملحوظ رکھیں تو عیار اشعار کو مرثیہ خجندہ سے مقدم بنانا پڑتا ہے اور اگر ان کے تشکیل کی تاریخیں محسوب کریں تو مرثیہ خجندہ مقدم اور عیار اشعار سوسر ہو جاتا ہے، لیکن مرثیہ خجندہ میں ذکا کے حلقہ لکھا ہے:

”ذکا تھیں، خوف چند نام، قوم کابیت، شاگرد مہاں نصیر، جو اسے سلیم الطبع، ذرا مثل بہ صلاحیت واجب،
کام مثل نصیب، از چندے بعض از کشتن شعر الخراف و در قید۔ مشار الیہ ہم تذکرۃ اشعار تالیف کردہ۔“ (23)
گویا سوز جس وقت اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے، ”ذکا کا تذکرہ لکھا جا چکا تھا اور ان کے علم میں آچکا تھا۔
اس اعتبار سے عیار اشعار کو مرثیہ خجندہ سے مقدم تسلیم کر لینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہ دونوں
تذکرے غالب کے حلقے میں غائبے اہم ہیں۔ ان کے ذریعے غالب کے بعض ایسے نایاب اشعار سامنے
آتے ہیں جو نسخہ مہدیہ میں بھی شامل نہیں۔

”مرزا اسد اللہ خان غالب عرف مرزا نور المتخلص بہ غالب، ولد مرزا عبداللہ خان عرف مرزا دل،
بیہ مرزا غلام حسین کنیدان، ساکن بلوہ اکبر آباد، شاگرد مولوی معظم، شاعر فارسی و ہندی است از دست:

نہ بھولا اضطراب دم شادی انتظار اپنا
کہ آخر شیوہ سامت کے کام آیا غبار اپنا

گل کھلے شہے پھٹکے گلے اور صبح ہوئی
سر خوش خواب ہے وہ زمیں حضور حوز

بارگ تھ بن گل زمیں سے ڈراتا ہے مجھے
جاہوں گر میر جن آنکھ دکھاتا ہے مجھے

مبا لگا وہ طمانچہ طرف سے بلبل کی
کہ روئے غنچہ گل سوئے آتشیں پھر جائے

دخم دل تم نے دکھایا ہے کہ بی جانے ہے
ایسے جنتے کو دلیا ہے کہ بی جانے ہے

حسن غزل کی کشاکش سے پھتا میرے بعد
بارے آرام سے ہیں اہل جنا میرے بعد

منصف جینگی کے کوئی قاتل نہ رہا

ہوئی مسکونی انداز و ادا میرے بعد
 شمع بجتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹتا ہے
 شعلہ عشق پہ پاش ہوا میرے بعد
 قفا میں گلدستہ احباب کی بخش کی گیا
 حلق ہونے میرے رقص میرے بعد
 غم سے مرنا ہوں کہ ایسا نہیں دنیا میں کوئی
 کہ کہے قنوت صوفیہ میرے بعد (24)

غالب کے حلقے میں دکا کے ترے کی اہمیت یوں ہے کہ مذکورہ بالا دس اشعار میں سے نمبر ۱ اور ۹ ایسے
 ہیں جو نسخہ حیدریہ کے علاوہ کسی اور نسخہ وراج میں شامل نہیں ہیں۔ نسخے کا مسودہ ۱۳۳۷ھ میں مکمل ہوا تھا (25)
 اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا تین اشعار ۱۳۳۷ھ سے قبل کے ہیں۔ لیکن عیار اشعار کے اشعار میں نمبر ۴
 ایسے ہیں جو نسخہ حیدریہ میں بھی نظر نہیں آتے۔ گویا یہ دونوں شعر صرف دکا کے تذکرے کے دریغ ہمارے سامنے
 آئے ہیں مولانا امتیاز علی خان عرشی (26) اور بانک رام (27) نے البتہ اپنے نسخوں میں یہ دونوں شعر شامل کر لیے ہیں۔
 کم و بیش یہی اہمیت اعظم اللہ سرور کے بیان اور انتخاب کلام کی ہے۔ مرزا غالب کا مکمل ترجمہ یہ ہے :
 ”سو شخص ”اسد اللہ خان“ عرف میرزا نوشہ“ اسٹیج از سرود“ مولدش مستقر الکافہ اکبر آباد۔ جو ان قاتل و یار
 باطل و درد مند۔ ہمیشہ بہ خوش معاشی بسر میداد۔ ذوق رنختہ کوئی درد خاطر متحمل۔ غم ہائے عشق ہماز (کذا) تربیت یافتہ
 فکدہ نیاز۔ در فن سخن سخی قبیح محاورات میرزا عبدالقادر بیدل طبع الرحمہ و رنختہ در محاورات فارسی موزوں کی کند۔
 بالکل موجد طرز خودش و دارا قلم رابطہ یک جہتی محکم وارو۔ اکثر اشعارش از زمین سنگدل بہ مضامین نازک گشت۔
 روید خیال بکری پیش از پیش پیش نعل خاطر وارو۔ از مکتب طبع دوست :

شعبیر صاف یار جو زحراب وارو ہو
 وہ خط سبز ہے کہ پہ رخسار سارو ہو
 دیکھا ہوں اسے قہمی جس کی قہقا مجھ کو
 آج بیداری میں ہے خواب رنگا مجھ کو
 آئے ہیں پارہ ہائے بکر درمیان افک
 لایا ہے نعل پیش ہما کردان افک
 آنسو کھوں کہ آہ سوار ہوا کھوں
 ایسا مصل کیوں آیا کہ کیا کھوں

ہنستے ہیں دیکھ دیکھ کے سب ہڈیاں مجھے
 یہ رنگِ زرد ہے جہن زعفران مجھے
 دیکھ وہ بقیہ تبسم ہیں کہ دل چاہ ہے
 دیدۂ گمراہ مرا فوارۂ سحاب ہے
 کھول کر دروازۂ بھلائے پولا سے فروش
 اب گشتِ توبہ سے طواروں کو فتحِ الہاب ہے
 مجلسِ شعلہ ہزاروں میں ہو آ جاتا ہوں
 شمعِ ماں میں نہ دامن صبا جاتا ہوں
 صوفے ہے ہارۂ رہِ رشتہ گوہرِ مر کاہ
 جس گزرد گاہ سے میں آئندہ پا جاتا ہوں
 سرگراں مجھ سے سبک رو کے نہ رہنے سے رہو
 کہ بیک جنبشِ لب مثلِ صدا جاتا ہوں
 ایک گرم کہ کی تو ہزاروں کے گھر جلتے
 رکھتے ہیں عشق میں یہ اثر ہم بگر جلتے
 پودائے کا نہ فہم ہو تو پھر کس لئے اسد
 ہر رات شمعِ شام سے لے تا سحر جلتے
 بگر سے لٹی ہوئی ہو مکی شاہ پیدا
 دھانِ زخم میں آخر ہوئی زباں پیدا
 خرواہ کے چاہنے کے میں قاتل نہیں رہا
 جس دل پہ تاز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
 نیازِ عشقِ غریبِ سوزِ اسباب ہوں بہتر
 نہ ہو چلے تارِ بقیہ شمعِ غار و شمس بہتر
 یاد آیا نہ وہ کہتا کہ نہیں راہِ غلط
 کی تصور نے بہرے ہوں راہِ غلط
 گلشن میں بندوبست بہ خطِ دیگر ہے آج

قمری کا طوق حلقہ بیرون در ہے آج
 اس جہا مشرب پہ عاشق ہوں کہ کجے ہے اسد
 خون زاہد کو مہاج اور بل صوفی کو حلال
 کتا تھا کل وہ تار رساں سے پہ سوز دل
 درد ہدائی اسد اللہ خان نہ پوچھ
 اسد کو پوسے میں دھر کے پھونکا موج بہتی نے
 فقیری میں بھی پائی ہے شرارت لہوہانی کی
 شعل طلوع کس گرفتار بتایا ہے مجھے
 ہوں میں وہ دام کہ سبزے میں پھیلا ہے مجھے
 یہ تو ہوں کہ لک بگو سکھاتا ہے مجھے
 عمر بحر ایک ہی پہلو پہ سلاتا ہے مجھے

پھر کہہ ایک دل کو ہے قراری ہے
 چن چھوٹے رخم کاری ہے
 پھر بگر کھونے کا عاشق
 آمد فصل کالہ کاری ہے
 قبلہ مقصد کلام نماز
 پھر وہی پردہ عماری ہے
 چشم دلال جنس رسوائی
 دل خریدار ذوق خواری ہے
 وہی صد رنگ نامہ فرسائی
 دل صد گونہ اشک باری ہے
 دل ہوائے خرام ناز سے پھر
 محشرستان ہے قراری ہے
 جلوہ پھر عرض ناز کرتا ہوں
 روز بازار چاں چاری ہے
 پھر اسی ہے دغا پہ مرتے ہیں

پھر وہی زندگی ہماری ہے
 کب سے ہے وہ کہانی میری
 اور پھر وہ بھی زبانی میری
 غل غلہ خوں ریزہ نہ پوچھ
 دیکھ خوں تابہ فطانی میری
 کیا جہاں کر کے مرا روئیں گے لوگ
 مگر آشفقہ جانی میری

عشرت قلعہ ہے دریا میں ڈکا ہو جانا
 درد کا حد سے گزرتا ہے روا ہو جانا
 تھکے سے قسمت میں میری صورت لعل ابجد
 تھا کسا ہاتھ کے بچے ہی جدا ہو جانا
 اب جہاں سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
 اس قدر دشمن ارہاب دلا ہو جانا
 دل سے فنا تری انکشت حنائی کا خیال
 ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا

پھر کھلا ہے وہ عدالت باز
 گرم بازار فوجداری ہے
 پھر ہوا ہے جہان میں اندھیر
 زلف کی پھر سرشت داری ہے
 پھر دیا پارہ بکھر نے سوال
 ایک فریاد و آہ و زاری ہے
 پھر ہوئے ہیں گواہ عشق طلب
 بے قراری کا حکم جاری ہے
 دل و حراکوں کا جو مقدمہ تھا
 آج پھر اس کی رو بکاری ہے
 بے غودی ہے سبب نہیں غالب
 کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

کیا۔ مگر ایک دیوان چھوٹا سا قرب پانچ جز کے تصانیف نواب مودع سے نظر عاجز سے گزرا۔ اسی سے چند اشعار بطور یادگار مندرج گلدستہ ہذا کے کئے گئے۔ مگر چونکہ نواب مودع صافت مباح سے آج تک شوق زبان فارسی کا رکھتے ہیں اور اشعار فارسی میں غالب گھس گھس لکھتے ہیں چنانکہ ایک دیوان چالیس جز کا زبان مذکور میں شاعر مودع کا قالب طبع میں آ چکا ہے، اس لئے اب فکر اشعار اردو کا نہیں کرتے۔" (30)

یہ تذکرہ دو دور سے غالب کے سلسلے میں اہمیت رکھتا ہے۔ اول اس لئے کہ اس سے پہلے کسی اور تذکرے میں کلام غالب کا اتنا طویل انتخاب نہیں تھا۔ کریم الدین نے اس میں غالب کی گیارہ بارہ غزلیں نقل کی ہیں جو سو سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہیں۔ چونکہ یہ سارے اشعار غالب کے متداول دیوان میں موجود ہیں اس لئے ان کے نقل کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ دوسری اہمیت یہ ہے کہ اس تذکرے کے درپے غالب کی ایک ایسی غزل کا سراغ لگا ہے جو ان کے کسی مطبوعہ دیوان حتیٰ کہ نسخہ حیدر میں بھی شامل نہیں ہے۔ غزل یہ ہے:

اپنا احوال دل زار کہوں یا نہ کہوں
ہے حیا مانع اظہار کہوں یا نہ کہوں
نہیں کرنے کا میں تقرر ادب سے باہر
میں بھی ہوں محرم اسرار کہوں یا نہ کہوں
شکر سمجھ اسے یا کوئی شکایت سمجھ
اپنی صفت سے ہوں بیزار کہوں یا نہ کہوں
اپنے دل ہی سے میں احوال گرفتاریہ دل
بہ نہ پاؤں کوئی فہم طوار کہوں یا نہ کہوں
دل کے باتوں سے کہ ہے دشمن جانی میرا
ہوں ایک آنکھ میں گرفتار کہوں یا نہ کہوں
میں تو دیوانہ ہوں اور ایک جہاں ہے فغان
کوش ہیں در بھی دیوار کہوں یا نہ کہوں
آپ سے وہ مرا احوال نہ پوچھے تو اسد
حسب حال اپنے ہمار اشعار کہوں یا نہ کہوں

اپنی نقل مصروف نے غالب کی اس غزل پر فہم کیا ہے اور یہ فہم مصروف کے ترجمے کے ذیل میں درج کیا گیا ہے (31)۔ نسخہ مرثی (32) میں یہ غزل دیوان مصروف کے حوالے سے اور نسخہ مالک رام (33) میں دیوان مصروف و گلدستہ "ماہر پستان کے حوالے سے شامل کی گئی ہے۔ مصروف کے مطبوعہ دیوان میں بھی مذکورہ بالا فہم موجود ہے (34) لیکن یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا کہ یہ غزل مرزا نوشہ اسد اللہ خان غالب کی ہے۔ اول اس لئے کہ معنی اور اسلوب دونوں لحاظ سے غالب کے رنگ سے بالکل الگ ہے۔ دوسرے یہ کہ گھس کے سوا اس غزل کی تصدیق کسی اور ہاتھ

سے نہیں ہوتی۔ نثرء حیدرہ بھی اس سلسلے میں خاموش ہے۔ کیا جب کہ یہ غزل سید الملک نواب اسد اللہ خان یا اسد گلشن کے کسی اور شاعر کی ہو۔ اس خیال کو یوں تقویت بخینتی ہے کہ اردو میں اسد اور غالب گلشن کے متعدد شعراء گزریے ہیں اور ان کی غزلوں کو غلطی سے مرزا نوشہ اسد اللہ خان غالب سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ (35)

گلدستہ، بازیستان کے ساتھ قصب الدین باطن کے تذکرے کا ذکر بھی اس جگہ ضروری ہے۔ "گلدستان بے نواں" کا تاریخی نام "نثرء حیدرہ" ہے جس سے اس کا سال تصنیف سمجھ لگتا ہے۔ غالباً یہ سال آغاز ہے۔ "حیدرستان" یہ تذکرہ ۱۵۳۵ھ میں مکمل ہوا ہے جیسا کہ خود باطن نے نیاپے میں لکھا ہے۔ (36)

یہ تذکرہ دراصل گلشن بے خار کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ چنانچہ باطن نے اپنے نیاپے میں نواب مصطفیٰ خان شینو پر غاصب لعل طعن کی ہے۔ شینو سے باطن کی خاصیت کا اصل سبب یہ تھا کہ شینو نے گلشن بے خار میں باطن کے استاد نظیر اکبر کلبی کے مصطفیٰ کلمہ دیا تھا کہ ان کے جو اشعار بازاری لوگوں کی زبان پر جاری ہیں "ان اشعار کی بنا پر نظیر شاموں میں شمار ہونے کے لائق نہیں۔" (37)

"باطن نے اپنے تذکرے میں اس کا انتقام لیا اور شینو کے استاد اور مودعین کو ہی کھول کر برا بھلا کہا۔ شینو نے مومن و آزاد کی بڑی تقریضیں کی تھیں۔ باطن نے دونوں کے کلام میں کیڑے نکالے۔ چنانچہ اس سلسلے میں غالب بھی ان کے طعن و تقریض کا نشانہ بنے۔

باطن کا بیان خلاصہ دلچسپ ہے اور غالب کے کلام اور شخصیت پر جائز و بیجا، ہر حال اولین تنقیدی تحریر کی حیثیت رکھتا ہے :

"غالب و اسد گلشن، اسد اللہ خان نام قصب بمرزا نوشہ۔ آپ دو شخص کرتے ہیں یکہ تو سبب ہے کہ دو شخص کہنے پر دل دھرتے ہیں۔ از جائز کلام حسین کیدان۔ لعل اس سے جد دلی (آگرہ) میں ان کی سکونت کا مکان۔ استاد ان پاشور کے مش غلیف معظم جو بڑے معظم و مکرم اور حادی شعراء (نظیر) جو بے نظیر روزگار تھے جن سے تعلیم پائی۔ ایام صبا سے ہرکت اناس حیر کہ ان استادوں کے ہر جہ علم پہنچے۔ تب ان کی فکر سامنے یہ صورت دکھائی۔ کہیں نہ خوش گو ہوں جن کے ایسے استاد وہ ہوں۔ متانت نواسے کلام میں لا کلام، کلام سے بیزار جن کو احتکام، چو نگہ وہ استاد مر گئے، یہ جد دلی سے اوھر گئے۔ اب خواہ شاکر دی سے انکار کریں یا شاید اقرار کریں۔ ہاں خود استاد ہیں، مریخان مضافین کے صیاد ہیں۔ ہاں ان کا فراغ حوصلہ ہے، پھر تنہا کا کیا گلہ ہے۔ گو فارسی میں متین ہیں، پر اردو میں تو ذوق ہی کچھ نہیں ہیں۔ اب بعد وفات ذوق ان کو شاعری میں کمال ہو، کلام ان کا بحر حائل ہو، مگر زندہ خالی نہیں کیا اور کسی کی طبیعت عالی نہیں۔ غالباً جو کسی سے مقابلہ ہو تو حاکمین ٹکڑے شعر کے رو بہ معاملہ ہو۔ بندے کے والد مرحوم سے کمال ملاکات تھی اور از حد احمول کی بات تھی۔ انتخاب زبان میں یکدم ددراں ہیں۔ جس طرف آئی، اسی کی خاک اڑائی، چنانچہ دختر رز سے جو ناگ لگائی تو وہ عرف پیدا کیا کہ جتانے گردوں میں شراب شفق قاضی آفتاب بابوش کش لایا اور شمار بازی پر جو دھیان کیا تو وہ چھٹے جادوی ہونے کہ میر سبط اور بکھڑے داؤں کھانے لگے۔ ایسا کمال پایا، شعر کم تقدیر ان کا بھی کسی کی زبان سے نہ سنا، نہ اپنی آنکھ سے دیکھا۔ لاعلمی اور جہوت زبان فیض ترجمان سے

میں ہے 'کام شیریں وصف سرور' چٹم فرما میں ' جس نے شاعریات حق اور گھوگہری سرور سے دارائے صفت شعر نہ رہا گویا کہ وقت امتحان ہے۔ کثرتِ غزوت سے ہونٹ چپک گئے۔ سرے کی غاصت سے زبان یہ گولال ہوئی ' حد تک گئے۔ جو شخص ان کے کام سے بہرہ ور ہوا ' ہے سائنس آفرین اور سبحان اللہ اس کی زبان پر ہوا۔ چہ نگہ دارائے کام و دھان نہیں کہ مثل وصف میں قدم سرگئے ' لہذا واقف لہام توں سب تک کلک سوتے ہادیہ مطلب پر گئے۔ اب یہ دھلی والے ہیں اور جسے ارادے والے ہیں۔ شاید قدم کی نظم پر نثر کو خفیف جانتے ہیں۔ غرور کی راہ چاہیں ' سو فرمائیں ' پہل میں تو ان کا لوجا مانتے ہیں۔ دھلی والے صاحب کھی کو اپنے دیود خاطر میں نہیں لالتے۔ بارے خودی و تجتر کے جی میں پھولے نہیں ملتے ' یہ جب کسی سے مقابلہ ہو تو دم بھر میں فیصلہ ہو۔

"ان کو شراب و کباب چاہئے۔ خلاف شرع کا بے حساب چاہیے۔ روزے کے نام سے انہیں کیا کام ' نواز کو ان کا ہر دم سلام۔ اصحاب تذکرہ کی تقریر دیکھی اور ان کی تقریر دیکھی ' کیا غرور ہیں ' اپنے نزدیک کتنے دور ہیں ' یاران ہم صحت ان سے زیادہ غرور میں چہر ہیں ' گویا ان کے یار خوشامد کے غرور ہیں۔ دھلی والے صاحبوں کے تذکرے جو عبارت رکھتے ہیں ' متاعِ غریب شعرائے باطن و حل و مصطف کو غارت رکھتے ہیں۔ ہیں ہیں باطن کو مہر گیا۔ جوش میں بھر گیا۔ خیردار ہو شیار ان کے اسد فکر کا پیچھے مضمون پر طلب ہے ' طے ان کا شعر کا بیج ہے ' داغ ان غاری ختم ہے مگر اسد کا داغ ان مانند کہ نہ تھیل و قدیم ہے۔ اسد فکر نیتان کاغذ میں ڈالتا ہے۔ دیود مضامین کو نا حق جان سے مارتا ہے " (38)

باطن نے لوندہ کام میں دہل کے چودہ اشعار درج کیے ہیں :

یار فم خوارى میں میری سہی فرمائیں گے کیا
دخم کے بھرنے تک باطن نہ بیجہ آئیں گے کیا

بے نیازی سے گزری بندر پور کب تک
ہم کہیں گے حل دل اور آپ فرمائیں گے کیا

جراحت خند الماس ارمغان داغ بگر پیہ
مبارک باد اسد فم خوار جان درد مند آیا

کاوے کاوے سخت جانی حالت عثمائی نہ پاچہ
مچ کر شام کا لٹا ہے جوئے شیر کا

دیوانے معاصی تک آن سے ہوا تک

میرا سر دامن بھی ابھی تو نہ ہوا تھا

ہوئے گل تارہ دل دود چراغ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشان نکلا

نظر ہائے ظم کو بھی اسے دل نصیب نہ پائے
بے صدا ہو جائے گا یہ ساز ہستی ایک دن

اسد زندانی، تاثیر الفت حائے طرباں ہوں
غم دست نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں

کم نہیں وہ بھی طراپی میں یہ وسعت معلوم
دشت میں ہے مجھے وہ بیش کو گمر یاد نہیں

دل سے تری نگاہ بکھر نکلتی
دونوں کو اک ادا میں رضا مند کر گئی
نظارے نے بھی کام کیا وہاں غائب کا
صفت سے ہر نگہ ترے رنگ پر بکھر گئی

ایک نظر بیش نہیں فرصت صفتی غافل
گرم بزم ہے اک رقص شرر ہونے تک
دام ہر موج میں ہے مقدمہ مدد کام رنگ
دیکھیں کیا گزروے ہے قطرے یہ نہ ہونے تک
غم صفتی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شیخ ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک (38)

تذکرہ ہمارے غزلیں (مولفہ احمد حسن عمر) میں بھی اسد محفل کے ساتھ غالب کا ذکر کیا ہے۔ الفہرست کو اس

کے تراجم اس وقت ہماری دسترس سے باہر ہیں۔ یہ تذکرہ هنوز غیر مطبوع ہے، اس کا ایک قسمی نسخہ ندوۃ العلماء لاہور کے کتب خانے میں موجود ہے۔ یہ نسخہ مولوی عبدالحی مولف "کل رحمت" کی ملکیت تھا جسے ان کے بیٹے مولانا عبد العلی ندوی نے کتب خانے کو دے دیا تھا۔ فہرست کتب میں اس کا نمبر ۳۳۲ ہے۔ اس کے ساتھ مصنف کا دو سرا تذکرہ "طور مقلی" بھی جلد :- ۱۔ اس تذکرے میں دیے ہوئے ایک قطعہ تاریخ سے اس کا سن تصنیف ۱۱۳۵ھ نکلا ہے۔

مذکورہ بالا تراجم اور مباحث سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آثار الصنادید مولفہ سر سید احمد خان سے بہت پہلے غالب کا ذکر ایک دو جگہ نہیں بلکہ متعدد تذکروں میں آچکا ہے۔ چنانچہ غالب کے اولین تعارف نگاروں میں سر سید نہیں بلکہ جیسا کہ اوپر صراحت کی گئی ہے، علی القریب میر تقی میر، خوب چند و کا، اعظم الدولہ سرور، مصطفیٰ خان شیفہ، نواب ضیاء الدین احمد خان نیر، رفیع الدین، قطب الدین باطن اور احمد حسین محرونیو کے آہ آتے ہیں۔ غالب کے سلسلے میں مختلف تذکرہ نگاروں کے تراجم اور سر سید کے ترشے کی تاریخوں کی چھان بین کی جائے تو بہت ممکن ہے کہ اور کئی تراجم سر سید کے ترشے سے مقدم قرار پائیں۔

غالب کے بارے میں آثار الصنادید کا ترجمہ اس لحاظ سے الٰہی ضایت و قبح اور اہم ہے کہ یہ انیسویں صدی عیسوی کے ممتاز ترین ادیب اور مرزا غالب کے ایک معاصر دوست کا لکھا ہوا ہے۔ لیکن افسوس کہ سر سید کا بیان غالب کے سلسلے میں یکسر ردی ہے اور اس میں غالب کی زندگی یا کلام کے بارے میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جس کی کسی معاصر تذکرہ نگار سے توقع کی جاتی ہے۔

(39) نگار پاکستان "www" آنکریں کا آنکریں لہر" میں ہے "مراہہ، راقم الحروف۔

(40) کشن ہے نگار" میں "www" مطبوعہ نول نگار لکھنؤ" ہے۔

(41) نگاروں کے طبعی صوفیہ یہ لفظ صوفیہ میں (www) ہے، مطبوعہ نول نگار لکھنؤ "www" ہے۔

(42) نگاروں کے طبعی صوفیہ یہ "نگار" صوفیہ" میں "www" مطبوعہ نول نگار لکھنؤ "www" ہے۔



نبیاء الدین فیضانی

غالب و ظفر کے مظلوم کتبے

اس مقالے میں غالب اور ظفر کے نظم کردہ کتبوں کا ذکر مقصود ہے جو دہلی میں پائے گئے ہیں۔ غالب کے ایک اور کتبے کا بھی ذکر ہے جو اجیر میں ہے۔ میری دانست میں ان دو بزرگوں کے ایسے کتبوں کی دریافت کی باقاعدہ کوشش ضمیمہ کی گئی نہ تو ان ماخذ کا پتہ لگایا گیا ہے جن میں ان کا ذکر ہوا مجھے خود اس بات کا اعتزال ہے کہ آثار قدیمہ حکومت ہند کے شعبہ عربی فارسی کتبات سے منسلک ہونے کے باوجود میں خود اس طرف توجہ نہ دے پایا لیکن اس امر کی وجہات میں جانے کا یہ موقع نہیں نہ وہ ضروری ہے۔

بہر حال ہندوستان کے عربی فارسی کتبوں کے گزشتہ تیس دہے کے مطالعے کے دوران میرے علم میں جو کتبے آئے ہیں ان کا مختصر بیان یہاں کیا جا رہا ہے۔ اس مقالے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ یہ ممیز کا کام دے کر اہل دہلی کی توجہ اس طرف متوجہ کرے غالب اور ظفر اور ان کے عہد کے دیگر شعرا کے ایسے کتبوں کا سراغ لگا کر انہیں منظر عام پر لایا جائے تو یہ تاریخ اور ادب دونوں کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔

اس امر کا اعتراف بھی کرنا چاہئے کہ خود ضرور دہلی اور اس کی تاریخ اس کی عمارات اور ان کے کتبوں پر کافی لکھا جا چکا ہے ہماری موجودہ دانست میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سب سے پہلی کتاب جس میں دہلی کی اس نوعیت کی معلومات پائی جاتی ہیں وہ مرزا عظیم بیگ کی پیر المنازل ہے جسے میرے فاضل دوست ڈاکٹر شریف حسین قاسمی نے ترتیب دے کر اسے مع اردو ترجمہ شائع کیا ہے اس سے قبل علی گڑھ سے اس کتاب کا اردو ترجمہ چھپ چکا ہے اسے بھی اتفاق کئے کہ پیر المنازل کے متن اور ترجمے کے اشاعت کا سراغ غالب انشائی ٹیوٹ کے سر ہے۔ پیر المنازل ۱۳۳۳ ہجری مطابق ۱۸۵۷ عیسوی کے قبل کسی وقت تصنیف ہوئی اس کے بعد سر سید احمد خاں کی مشہور و معروف کتاب آجودا اصفیاء ۱۳۵۵ھ میں شائع ہوئی جس میں منجملہ دیگر حالات شہر دہلی کی عمارات اور کتبوں کا تفصیلی ذکر ہے آثار اصفیاء کی مقبولیت کا اندازہ اس کی متعدد ایڈیشنوں سے ہوتا ہے اس کے بعد تقریباً پانچ صدی تک اس سلسلہ میں کوئی کام ہوتا ہوا نظر نہیں آتا۔ موجودہ صدی کے دوسرے دہے میں پھر اس موضوع پر کام شروع ہوا اور اس دہے کے آخر میں تقریباً ایک وقت دو کتابیں معرض وجود میں آئیں، ایک انگریزی میں صوبہ دہلی کی حکومت کے تحت محفوظ شدہ ہندو مسلم عمارات کی مفصل فہرست اور دوسری اردو میں واقعات دارالحکومت دہلی تین ضخیم جلدوں میں جن میں پہلی جلد میں دہلی کی مکمل سیاسی تاریخ اور باقی دو جلدوں میں شہر اور گرد و نواح کے مفصل حالات مع آجودا تاریخی عمارات اور کتبوں کے بیان کئے گئے ہیں۔ یہ دونوں اہم کتابیں ۱۹۸۸ء میں زبور طبع سے آراستہ ہوئیں اگرچہ اس امر کی کہیں تصریح نہیں

پائی جاتی لیکن دونوں کتابوں میں اس امر کے قرائن موجود ہیں جن سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ انگریزی فہرست کے مرتب مولوی ظفر حسن اور واقعات کے مصنف مولوی بشیر الدین احمد میں کسی قسم کی ہنگامی ضرورت تھی۔

اول الذکر کتاب کو حکومت ہند کے عہدہ آثار قدیمہ نے شایع کیا تھا اس کی ترمیم کا کام اس عہدے کے ایک اعلیٰ افسر ہند میں اس کے ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل اور آزادی کے بعد پاکستان کے عہدہ آثار قدیمہ کے ڈائریکٹر جنرل بنے وہ خان بہادر مولوی ظفر حسن نے انجام دیا یہ کتاب اپنی نوعیت کی ضابطہ کار گو کتاب ہے اور جیسا کہ میں نے ایک جگہ لکھا ہے دہلی والوں پر مولوی ظفر حسن مرحوم کا جو دین ہے وہ تاقیامت بھلایا نہیں جاسکتا لیکن یہ بڑے افسوس کی بات ہے آج دہلی والے مولوی صاحب مرحوم کے نام تک سے واقف نہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کتاب کے اندراجات کو دہلی کی بدلی ہوئی شکل اور نئے یا جدید نام یافتہ پرانے خطوں کے ناموں کے ساتھ تطبیق دے کر اس کا نیا ایڈیشن انگریزی میں اور اس کا ترجمہ اردو میں شایع کیا جائے۔

دوسری کتاب یعنی واقعات دارالحکومت دہلی دہلی کے سربراہ اور وہ علی خان خانان کے چراغ ڈپٹی نذیر احمد کے صاحبزادے اور اردو کے مشہور ادیب اور انشاپور دا شاہد احمد دہلوی کے والد مولوی بشیر الدین احمد نے تصنیف کی اس سے پہلے مولوی بشیر الدین احمد حکومت نظام حیدر آباد کی سول سروس کی اپنی طویل کارگزاری کے دوران واقعات مملکت پنجاب میں عظیم جلدوں میں تصنیف فرما چکے تھے جس میں وہ پنجاب کے علاوہ دکن کے کئی دیگر مقامات کی تاریخ اور کتبے دے قرطاس لائے تھے ان دونوں کتابوں میں یہ التزام تھا کہ آثار تاریخی کے ساتھ عمارات کے کتبوں کا متن بھی دیا جائے مولوی ظفر حسن صاحب کی کتاب کے مقابلے میں دارالحکومت دہلی کی گناہم اور کارآمد ہے اس لئے کہ اس میں بلا مبالغہ دہلی جس میں گریٹر دہلی کی حدود بھی شامل ہیں اس کے چھپے چھپے کا چشم دید حال بیان کیا گیا ہے اس کتاب کا بھی جدید ایڈیشن ازحد ضروری ہے۔ اس کتاب میں مذکور شدہ کئی مقامات کا پتہ لگانا خود دہلی والوں کی تعمیر بنی دہلی یعنی ۱۷۳۵ء کے بعد کی نئی نسلوں کے لئے جوئے شیر لانے سے کم نہیں کاش اس صدی کے اوائل میں جنہوں نے آنکھیں کھولی ہوں وہ حضرات بقید حیات ہوں جو ان مقامات کی نشاندہی کر سکیں اگر یہ کام ہو سکا تو دہلی کی تاریخ کی ایک بہت بڑی خدمت ہوگی۔

ان اہم کارگزاریوں کے باوجود کتبوں کے باقاعدہ جائزے کی گنجائش ہے ابھی ابھی میرے قاضی دوست عہدہ آثار قدیمہ ہند کے ڈائریکٹر جناب وقار الحسن صدیقی نے مجھے بتایا ہے کہ انیس بہادر شاہ ظفر کے آخری جلوس کا ایک اہم کتبہ خود دہلی میں دستیاب ہوا ہے۔

سیرالمنازل میں ظفر کے صرف ایک کتبے کا ذکر ہے جو مولوی میں لوبادر خان خانان کے مزارات والے احاطے کے دروازے پر نصب ہے عکسین جگہ کی کتاب چونکہ ۱۹۳۳ء جزی مطابق ۱۳۵۲ء ہجری سے پہلے لکھی گئی اس لئے اس میں اس سال کے بعد نصب شدہ کتبوں کا ذکر نہ ملتا تعجب کی بات نہیں لیکن آثار العنابد جس کا پہلا ایڈیشن ۱۸۳۹ء ہجری میں لگا اس میں مولوی کے حکیم احسن اللہ خان کے مکان کی مسجد کے کتبے کو بطور ذکر باقی سب کتبوں کا ذکر نہ ہونا قابل غم ہے بالخصوص اس صورت میں کہ آثار العنابد میں کتبوں والی عمارات کا تو ذکر ہے لیکن کتبوں کا نہیں۔

اس مقالے میں جن بارہ کتابوں کا ذکر ہو گا وہ واقعات و ارا حکومت اور مولوی ظفر حسن صاحب دہلی فہرست میں درج ہیں ان میں ظفر اور غالب کے علاوہ سید الشہداء سید محمد بن یحیٰی کے کئے ہوئے قطعات کے کتبے بھی دستیاب ہوئے ہیں (اور محاش و تحقیث سے مزید مل جائیں گے) لیکن ان کا ذکر اس مقالے کے موضوع سے خارج ہے۔

غالب کے خود دہلی میں صرف دو کتبے دستیاب ہوئے ہیں ان میں پہلا کتبہ دہلی کے کشمیری گیٹ کے علاقہ میں میٹن روڈ پر واقع حامد علی خان کی مسجد کے پیش طاق پر لگا ہوا ہے۔ اس میں بہادر شاہ ظفر کے وزیر اعظم احمد الدولہ حامد علی خان کے مولوی فتح علی کے اہتمام میں سنہ ۱۲۵۷ھ بمطابق ۱۸۴۳ء بمسوی میں مسجد بنانے کا ذکر ہے کتبے کا متن یوں ہے:

احمد الدولہ	کز	افراط	بود	ہست	در	پیش	کشف	قلم	نہد
دیدہ	در	حامد	علی	خان	کز	عفا	بیند	اسرار	ازل
ساعت	در	دہلی	ہمایوں	مسجدی	تا	شہد	طاہر	ہزار	ہو
شد	تظہیر	کہہ	در	عالم	پہ	سال	تغیر	بود	"کعبہ" نظیر

بہتمام مولوی فتح علی ۱۲۵۷ھ

غالب کا وہ سرا کتبہ بہادر شاہ ثانی کے حبیب شاہی مشہور معروف حکیم احسن اللہ خان کے ۱۲۷۰ھ بمطابق ۱۸۵۴ء بمسوی میں تعمیر کردہ چٹانک کے بارے میں ہے جو حرمی بدل نیک خان سے متعلق ہے اس حرمی کا وہ سرا چٹانک حوض قاضی سے لال کواں جاتے ہوئے بازار سرکی والوں سے لگا ہوا ہے اس کتبے کی مزید اہمیت یہ ہے کہ یہ اپنے زمانے کے مشہور خطاط محمد امیر رضوی المعروف پیر پچر کش کا کھیا ہوا ہے جو خود میں اپنے مکان کی حفاظت کرتے ہوئے مارے گئے اس کتبے کی عبارت یہ ہے:

ہوا حکیم

نہاد	یا	احسن	اللہ	خان	سر	وہ	بد	انسان	در	دکشا
کہ	غالب	بی	سال	تاریخ	او	رقم	لو	در	دکشا	بنڈا

فقیر محمد امیر رضوی

غالب کا ایک اور کتبہ اجیر میں پایا گیا ہے یہ وہاں کے رطے ایشیٹن کے نزد ۱۲۴۰ واقع مخدہ گھری مسجد میں لگی ہوئی تنگ سرری تختی پر محفوظ اور اپنے زمانے کے مشہور خطاط میر جمال الدین مرصع رقم کا وہ بہادر شاہ ظفر کی ولی عہدی کے زمانے میں ان کی سرکار سے وابستہ تھے تحریر کردہ ہے اس تاریخی کتبے میں خلاف معمول شاعر کا نام یا تخلص نہیں پایا جاتا جس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی لیکن اس کا مرع غلام غالب ہونے میں کوئی شک نہیں اس لئے کہ غالب کی کتب سب جہن میں یہ نظم شامل ہے یہ کتبہ سب سے پہلے ۱۳۲۰ھ بمطابق ۱۸۰۳ء بمسوی میں مطلوبہ اکبر جہان کی کتاب احسن السیر میں چمپا تھا اس میں میر باقر علی کے بیٹے میر سعادت علی کے جن کے نسب کا سلسلہ حضرت علی تک پہنچتا ہے اجیر میں ۱۳۶۸ھ بمطابق ۱۸۵۲ء بمسوی میں مسجد اور کواں بنوانے کا ذکر ہے چار شعر پر مشتمل اس

کتبے کا متن اس طرح ہے:

میر سعادت علی گڑ در اجیر طرح مسجد و چاہی کہ بہت پشہ آب ہا
آنگہ دباقر علی کپ علی میرسد حلقہ بختہ بجم سلسلہ اش مرجا
ساختہ شد این مکان کندیل اجر کن ازہ صدق و معاذر رسول خدا
ازپہ این سال یک گشت ہایوں سواش چتر زمزم صفت مسجد کعبہ بنا
کتبہ میر جلال الدین مرصع رقم ۳۹۹

یہ میر سعادت علی اجیر سلسلہ نشی میں میر خشی تھے ان کا ایک اور کتبہ دہلی میں بہتقی نظام الدین میں لکھا ہے۔ یہ آستانہ حضرت نظام الدین اولیاء کے مشرقی دروازے کے باہر ایک قدم مکان پر نصب ہے اس کی عبارت یہ ہے:

”اس مکان مقبرہ ہد ہد خود راسعادت علی واردات علی ایما سے سید باقر علی منظور و نیسان شیخ محمد موسیٰ خان بہادر در ۳ ہجری نبوی از مرقوبہ ساختہ“

ظفر کے شہر دہلی میں کل بارہ کتبوں کا سراغ ملتا ہے ان میں سب سے قدیم ۳۲۷ ہجری مطابق ۱۸۳۳ء کی ہے اور سب سے آخری کتبہ ۳۷۴ ہجری یعنی ۱۸۵۵ء عیسوی یعنی غدر سے تقریباً تین سال پہلے کا ہے۔

پہلا کتبہ جیسا کہ ابھی بتایا جا چکا ہے مولیٰ میں درگاہ حضرت قطب الدین بختیار خانی کے مجلس خانے کی مغرب میں واقع خاندان لہارو کے حواریات کے احاطے کے پچانگ پر نصب سنگ مرمر کی تختی پر منقوش ہے اس کے مطابق نواب ممتاز محل نے ۳۲۷ مطابق ۱۸۳۳ عیسوی میں ایک ”محل نیک“ تعمیر کیا تھا جس سے مراد کوئی محل نہیں ابھی جگہ ہے جیسا کہ میرزا عظیم بیگ نے لکھا ہے کہ کتبہ نواب ممتاز محل کے دالان پر نصب ہے جو انہوں نے اپنی آخری آرام گاہ کے لئے تعمیر کیا تھا کتبے کی عبارت یہ ہے:

آنگہ نواب فلک مرتبہ ممتاز محل ضعیف جودہ منشا یک میر یک سرشت
از صداقت چہ در گاہ شد قطب الدین محل نیک بنا سائنہ تعمیر غشت
سال تعمیر زمزم خود بہت ظفر دلعتا داو ہوا بش کہ جو دنگ بہشت

ظفر کا دروازہ کتبہ لال بنگہ میں واقع ایک سنگ مرمر کے لوح حزار پر کندہ ہے جو بقول میرزا عظیم بیگ زودہ ولی عہد کی قبر ہے اس لوح پر علی کے یہ اشعار منقوش ہیں:

فتح بادی من اللہ عافا ساو حلت تبغی الموزمن اللہ وارو الوصفو
لنمی یوظفر تصد ضبط التاریخ واجلانت عفو و تعب العفو

اس تاریخی ماوے سے ۳۲۹ ہجری مطابق ۱۸۳۳ عیسوی کا سال وفات برآ کر ہوتا ہے۔ اس قطعے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بہادر شاہ ظفر علی میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے۔ اس کتبے میں مذکور ولی عہد سے مراد میرزا بہادر شاہ ہیں جو اکبر شاہ خانی سے محل سے ۳۳۷ء میں راہی ملک ہوا ہوئے تھے اس کتبے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مرحومہ کا نام محل بادشاہوں کی روایات کے مطابق تجوری اکبر آبادی اور پوری زمین آبادی وغیرہ کی بیچ پر راج آبادی تھا۔

ظفر کا تیسرا کتبہ قدیم بارگ میں واقع مسجد کی شمالی دیوار میں نصب سنگ مرمر پر کندہ ہے یہ مسجد انھارویں صدی

میسوی کے وسط میں نواب قدسہ بیگم کے ہاتھوں تعمیر ہوئی تھی آثارِ اصناد میں قدسہ باغ اور مسجد دونوں کا ذکر ہے لیکن کتبے کا مطلق ذکر نہیں، لیکن بیگم کے ہاں اس کتبے کا ذکر اس لئے نہیں کہ وہ اس کی کتاب کی تالیف کے بعد نصب کیا گیا تھا لیکن لیکن بیگم نے نہایت اہم اطلاع بھی پہنچائی ہے کہ قدسہ باغ جسے عوام میں کربہ باغ کے نام سے پکارا جاتا تھا "مرزا احمد ابو ظفردلی عبد ہادی" کے حصے میں یعنی ان سے متعلق یا ان کے قبضے میں ہے۔ اس اطلاع سے ظفر کی اس مسجد میں ترمیم کی دلچسپی کی بات سمجھ میں آتی ہے۔ اس مسجد کی ترمیم ۱۳۳۹ ہجری مطابق ۱۹۲۳ء میں عمل میں آئی اور اس کے لئے ظفر نے یہ کتبہ لقم کیا:

ہوا المشتاق

سال ترمیم میں ہمارے قدیم اسے ظفر چودھدر اجر عظیم
۱۳۳۹ ہجری

ظفر کا یہ کتبہ ان کے والد اکبر شاہ ثانی متوفی ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ء کے مزار کے سواپے نصب سنگ مرمر کے لوح پر سنگ سیاہ کی حکمرانی سے بہ خط نسخ کندہ ہے اس میں اکبر شاہ کی تاریخ وفات اس طرح درج ہے:

ہوا العلی الاکبر

شاہ اکبر فردغ بخش برجان
پے سال وفات کشت ظفر
عش آرام گاہ عالی قدر

۱۲۵۳ھ

آثارِ اصناد میں اکبر شاہ ثانی کے مزار کے بیان میں اس کتبے کا ذکر نہیں ہے اگرچہ سرسید نے اپنا کہا ہوا قلم تاریخ ضرور درج کیا ہے جس میں ملوہ تاریخ "غم اکبر" ہے
ظفر کا پانچواں کتبہ جوان کی تخت لٹینی کے بعد کا پہلا کتبہ ہے اس کو میں پر نصب تھا جو لال قلعے میں حمام کے عقب میں ظفر نے خود بنوایا تھا۔ اس کتبے کا ذکر صرف مولوی بشیر الدین احمد نے کیا ہے لیکن ان کا وہاں ہوا متعلق کتبے کے آثارِ قدیمہ کے بلند کلمات میں دیئے ہوئے متن سے قدرے مختلف ہے۔ یہ کتبہ سنگ مرمر کی تختی پر سنگ موسیٰ کی حکمرانی میں بے خط لکھا گیا ہے یہ تختی بقیعہ درج ہے جو اب لال قلعے کے آباد قدیمہ کے عجائب گھر میں محفوظ ہے اس پر دو عبارت کندہ ہے وہ یہ ہے:

اللہ اکبر

ظفر امین جاہ۔ انا یاد گاری کہ ایش شہیت قد د نہایت
ازین خوشتر باشد سال تاریخ حویہ چشمہ آب حیات

بر محمدی

مولوی بشیر الدین صاحب کی نقل کردہ عبارت میں "اللہ اکبر" اور "بھڑھی" غالب ہیں اور پہلا مصرع "ظفر قیصر شد این چاہ شیریں" دیا ہے اور "مہلت است" اور "عیات است" کا الامع الف لکھا ہے اور سن ہندوں میں ۱۰۵۵ء ذکر ہے سال تاریخ میں ایک عدد کی زیادتی اس لئے ہوئی کہ بارہ تاریخ کے اجزا آب عیاست میں املا کی غلطی کی وجہ سے زاید الف کا عدد شمار میں لایا گیا۔

اس کتبے سے یہ حشر ہوتا ہے کہ ۱۰۵۶ء مطابق ۱۸۳۰ء میں قیصر شدہ اس کنویں کا نام بڑھ رکھا گیا تھا۔ یہ وجہ تسمیہ تحقیق طلب ہے۔

ظفر کا چٹا کتبہ مولوی میں واقع حکیم احسن اللہ خان کے مکان کی مسجد پر چپاں ہے یہ مسجد حکیم صاحب نے ۱۱۳۵ مطابق ۱۸۳۵ء میں بنائی تھی آثار الصنادید میں اس کتبے کا ذکر ہے۔ کتبے کی عبارت یہ ہے:

مسجدے سلامت چوں بحسن عمل احسن اللہ خان پاک سرشت
ای ظفر ہر سال آمد مصلیٰ خاند ام خانہ خدا خوش

خود مکان پر بھی جو قطعہ تاریخ ہے وہ صاحب مکان اور بانی حکیم اللہ خان کا کہا ہوا ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا مناسب نہ ہو گا کہ دہلی میں واقع احسن اللہ خان کے مکان کے حمام کی تاریخ بھی خود حکیم صاحب نے لکھی تھی جبکہ اس کے چائے کا کتبہ جیسا کہ ابھی بتایا جا چکا ہے غالب کے قلم سے لکھا ہے۔

ظفر کا بعد از ساویں کتبہ بازار لال کواں میں واقع زینت محل کے دروازے پر لگی ہوئی سنگ مرمر کی تختی پر محفوز ہے اپنے زمانے کی یہ عايشان عبارت ظفر کی حکیم زینت محل نے ۱۲۱۲ء مطابق ۱۸۳۵ء میں قیصر کی تھی کتبے کا متن یہ ہے:

کودائے ظفر زینت محل قیصر قصر ہے بدل شہر محل سال بنامین خانہ زینت محل

ظفر کا آٹھواں کتبہ درگاہ حضرت قلب الدین بختیار کاکی مولوی کے امیری دروازے کی مغرب میں واقع ایک بلند دروازے پر منسوب ہے جس کے اندر ایک بڑے بھاری محل کے کھڑے موزوں ہیں دروازہ خود اچھی حالت میں ہے یہ دروازہ ۱۲۳۳ء مطابق ۱۸۳۸ء میں خود ہماورد شاہ ظفر نے بنوایا تھا اور غالباً "باب ظفر کے نام سے موسوم تھا۔ یہ پتہ نہ چل سکا کہ اصل محل کس نے اور کب بنوایا تھا۔ یہ ایک شعری کتبہ اس طرح ہے:

این درعالی چو شد محکم بنا حسب المراد گفت دل سال بنا باب ظفر پایندہ باد

ظفر کا نوں کتبہ شاہ درویشی کے مقابل قدیم محلہ اولاد پور میں واقع شاہ بارگ نامی بارگ کے دروازے پر دروازے پر نصب سنگ مرمر کی تختی پر محفوز تھا یہ کتبہ کلی بیستوں کا حامل ہے ایک تو یہ کہ یہ مشہور خطاط محمد امیر رضوی کے قلم کا نتیجہ ہے دوسرے اس میں بارگ کا نام عربی انگریزی اور دیوناگری رسم الخط میں تحریر کیا گیا ہے تیسرے ظفر کا سن جلوس بھی جبری سن کے ساتھ دیا گیا ہے۔ چوتھے سن بھری کے ہندوے دائیں سے دائیں اور سن جلوس کے دائیں سے دائیں لکھے گئے ہیں۔ کتبے میں بارگ کی غیاد ۱۲۶۹ء مطابق ۱۸۵۳ء جلوس اور سنہ ۱۸۵۳ء میں پڑنے کا ذکر ہے بارگ کی غیاد سے غالباً مراد دروازہ اور اس کی چار دیواری ہو گی۔ متن سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جلوس کا بارگ تھا

اور یہ شاہی خاندان کے مصروف کے لئے لگایا گیا ہو گا۔
تجے کی عبارت یہ ہے:

SHAH BAGH

شاہ باغ

سال: تاریخ ازراے این بنائے پایدار ای ظفر پر سیدم اندل کشت باغ میدوار
سنہ ۱۱ جلوس فقیر محمد امیر رضوی سنہ ۱۱۱۱ ہجری
دسویں کتبہ صوبائی کی مٹھی میدگاؤ کے عقب میں واقع ایک چھوٹی سر درمی مسجد جو انور علی کی مسجد کے نام سے
مشہور ہے اس کی درمیانی کمان پر لگا ہوا ہے۔ اس میں آخوندی کونٹ تھے اس کے بارے میں پتہ نہ چل سکا میرا سوال
میں اس حد کے ایک مشہور عالم و فاضل انون ملا شیر علی کا ذکر ہے لیکن یہ وہی ہیں جنہوں نے مسجد کی ترمیم کرائی یہ
کتنا مشکل ہے۔
اس تجے کی عبارت یہ ہے۔

ہو العلی اکبر

ظفر چوں ہریم آخوندی صفا دارو این مسجد کشت را
چہ سید سال مرمت زحمت بکشت آفرین ایک سو خدا
۱۲۰۰

ظفر کا کیا جواب کہہ ان کے دربار کے ملک اشعرا نور ان کے اپنے استاد شیخ محمد ابراہیم لدق کے لوح مزار پر
نصب تھا لدق کے اس نامی شاعر کی آخری آرام گاہ کی یادداشت یہ حالت کا ملک کی پارلمان میں ایک سے زیادہ مرتبہ چرچا
ہوا ہے قدم شریف کے پاس کلو کے نگینہ نامی قبرستان میں مولوی بشیر الدین احمد کے زمانے میں یعنی موجودہ صدی کے
دوسرے دہے میں (اور غالباً ۱۷۹۵ء تک) ایک جگہ اہلی اور شہیل اور نیم کے تین درخت برابر واقع تھے ان کے
مقتل ایک خشک چار دیواری کے اندر یہ مزار تھا جس کے سرانے سبک باہی پر ظفر کا کیا ہوا یہ کتبہ کندہ تھا:

اللہ اکبر

طوطی ہند حضرت استاد لدق نے لی تمکین جہاں سے ہو باغ بہان کی راہ
سبل وفات ہو کوئی پوچھے تو اسے ظفر کہ لدق بختی زمر بخشش الہ

۱۲۰۰ ہجری

نور مولوی بشیر الدین احمد نے مزار کی حالت زار پر آنسو بہاتے ہوئے پینچنگوئی کی تھی کہ افسوس ان کے
شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں و مسلم بھرا پر کہ ایسے بڑے شاعر نامور فخر ہندوستان کا مزار یوں سمیٹری کی حالت
میں پڑا ہے اور چار دیواری جا بجا سے گری پڑی ہے اگر جلد توجہ نہیں کی گئی اور یہی فحشت رہی تو تھوڑے ہی دنوں
میں ان کے مزار کا پتہ چلتا بھی دشوار ہو جائے گا آج لدق کے مزار کا پتہ چلانا واقعی دشوار ہو گیا ہے اور اس جگہ سنا

گیا ہے کہ بلند کا بیچ تاج خانہ بنا ہوا ہے باقی رہے ہم اللہ کا
 ظفر کا پار حواں اور آخری کتبہ لال قلعہ سے حاصل یہلم گڑھ کے اس دروازے کی کمان پر نصب ہے جو شمالی
 یعنی دریائے جمنہ کے جانب رخ والی دیوار میں ہے سنگ مرمر کی عقیق پر کندہ اس تاریخی قلعے میں اس دروازے کا
 ۱۷۵۳-۵۵ء مطابق ۱۸۵۳ء میں تعمیر ہونا مذکور ہے۔ باقی کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں۔ کتبے کی مہارت یہ ہے:
 مکت چو تعمیر بفضل الہ ایں درطوش مظهر و فرحت فزا
 مکت فرد سال بنائیں ظفر باب ملک ہند و بہت بنا
 یہ ان کتبوں کا بیان ہے جن میں ظفر کا نام بحیثیت ناظم موجود ہے اکبر شاہ جانی کے عہد کے پشتیہ خاندان کے
 ایک بڑے بزرگ شاہ سار صاحب حقانی ۱۷۲۷ء مطابق ۱۸۱۸ء کی خانقاہ جو قاضی وارو فیض بازار کی شری مسجد کے
 مقابل واقع ہے اور جہاں وہ خود مدفون ہیں اس کی دیوار میں نصب کتبے کے بارے میں مولوی بشیر الدین صاحب کا یہ
 بیان ہے کہ شاہ صاحب کی قبر کے سہارے دیوار میں ایک لمبی لوح لگی ہوئی ہے جس پر قرآن شریف کی ایک تہت اور
 پندرہ نامہ مطار کے سات اشعار پر مشتمل خلاصہ و تشلیق نہایت خوشخط جو کتبہ ہے وہ ہماور شاہ جانی نے نصب کرایا
 ہے۔ مولوی ظفر حسن نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ یہ کتبہ خود ظفر نے لکھا اور خانقاہ میں نصب کرنے کے لئے بھیجا ان
 بیانات کی تصدیق کرتا مشکل ہے لیکن اس سلسلے میں یہ بات قابل غور ہے کہ میرزا حکیم یک جو اس کتبے کا متن نقل
 کرتا ہے اس بارے میں بالکل خاموش ہے۔



ڈاکٹر قمر نہیں

مرزا غالب کی بازیافت ان کے آبائی وطن میں

اسے محض اتفاق نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے تین بڑے اور بالکل شاعر امیر خسرو، بیدل اور مرزا غالب جیسی اقبالیہ سے سمرقند و بخارا کی سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک یا دو بیڑی پہلے ہی ان کے آباؤ اجداد انصاریہ سے ہندوستان آکر بس گئے تھے۔ ان مقتدر شعرا کے کارنامے اس درجے کے ہیں کہ کسی صد میں بھی ان کی قدردانیت کم نہیں ہوئی۔ صرف ہندوستان ہی نہیں حضرت امیر خسرو اور بیدل کو ارض سمرقند میں بھی بے پناہ تہذیب حاصل رہی۔ ملا علی شیر نوائی اور دولت شاہ سمرقندی سے ملے کر انیسویں صدی کے اذکی شعرا فرقت اور تنکی تک سب نے امیر خسرو کی استادی کا اعتراف کیا ہے۔ اور ملا علی شیر نوائی نے ازکی زبان میں لکھے اپنے قصے میں نکلی اور خسرو کے غموں سے فیض اٹھانے کا ذکر کیا ہے۔ بیدل امرتسار میں نہ سہی اپنے آبائی سرزمین و سلی ایشیا میں بیٹھ آنکھوں پر پٹائی لگائے۔ مولانا آزاد نے ”آپ حیات“ میں صحیح لکھا ہے کہ ترکستان میں ان کی قدر مولانا رومی کی طرح کی جاتی ہے۔ بیسویں صدی میں ازبکستان کے سب سے بڑے شاعر غلام (مرحوم) نے ۱۹۶۵ء میں مجھے اپنا شمار و کما کر تحریر بتایا تھا کہ بیدل اور وہ اصلاً ”ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ تو گویا بیدل اور خسرو خوش نصیب تھے کہ ہندوستان کے ملا وہ اپنے اجداد کے وطن میں بھی ان کی قدر افزائی ہوئی رہی۔ آج بھی وہاں کے کتب خانوں میں ان کے دواوین اور مثنویوں کے بے شمار مخطوطے ملتے ہیں۔ ملنی دہاں پر ان کی غزلیں گاتے آتے ہیں اور آج بھی گاتے ہیں۔ البتہ مرزا غالب اپنے آبائی دیار میں اس قدر شہاسی سے اس وقت تک محروم رہے جب تک کہ ان کی صد سالہ برسی کی تقریبات کے جڑے شروع نہیں ہوئے۔ حالانکہ مرزا غالب نے ”اپنے ان پیش رو شاعروں کے مقابلے میں شاید زیادہ جوش و خروش کے ساتھ ارضی سمرقند سے اپنی واپسی کا نہ صرف اعلان کیا بلکہ اس واپسی پر بیٹھ غمزدہ کرتے رہے۔“

غالب از خاک پاک توراہم

اور

سر زبان زادہ سر قدیم

کہہ کہ اور بھی (صیب اللہ ذکا کے نام) یہ کلمہ ترک

”میں قوم کا کلمہ ہوں۔ دادا میرا باوراء النمر سے شاہ عالم کے وقت میں ہندوستان میں آیا۔“

الغرض وفات کے نوے سال بعد غالب کے دن پھرے اور اپنے آبائی وطن میں غالب شہاسی کا آغاز ہوا۔ گذشتہ تین یا تین سال کی مدت میں سویت یونین میں اور خاص طور پر وسط ایشیا میں ان کی زندگی اور تصانیف کے

تعلق سے ہزاروں صفات شائع ہوئے۔ نہ کہے ہوئے۔ ان کی فزولیں کھائی گئیں اور ان کے دیکھاؤ اور کیسٹ فروخت ہوئے۔

سوویت یونین میں سب سے پہلے غالب شمس علی گڑھ کے اولڈ ہوائے عبداللہ غفاروف ہیں۔ جنہوں نے "غالب کی زندگی اور شاعری" پر ڈاکٹریٹ کیا۔ اس کے بعد ماسکو کے شرقی افسی ٹیوٹ کے ہندو شمسوں نے غالب سنجیدگی سے مطالعہ شروع کیا اور ڈاکٹر مٹالیہ پی گارینا "مختصر علی ایف اور امین گھیوف نے مشرک کو مشعل سے غالب کے فارسی اور اردو کلام کا انتخاب دوسری زبان میں شائع کیا۔ صرف یہی نہیں انہوں نے غالب کی شاعری کے تعلق سے کئی اہم علمی مقالے بھی لکھے جو دوسری "انگریزی اور اردو میں شائع ہوئے۔ یہاں یہ عرض کروں کہ ڈاکٹر مٹالیہ پی گارینا وہی ہیں جنہوں نے برسوں کی جانفشانی کے بعد چند سال قبل علامہ اقبال کے سات ہزار اشعار کا ترجمہ دوسری زبان میں شائع کیا۔

تائی عالموں میں عبداللہ غفاروف کو وہاں کا مالک رام کہا جاتے تو بے جا نہ ہوگا۔ انہوں نے غالب شمس کو اپنی تحقیق کا میدان بنایا اور اس میں نمایاں شہرت حاصل کی۔ تائی زبان میں ان کی مسموٰۃ کتاب "غالب کی زندگی اور شاعری" کے علاوہ انہوں نے ایک ضخیم جلد میں غالب کی فارسی نظم و نثر کا ایک جامع انتخاب بھی شائع کیا جس میں "روحیہ"، "سچ ابھگ"، "مہریم روز" اور دوسری نثری تصانیف کے علاوہ غالب کی ایک سو پچاس فزولیں "دہامیاں اور متعدد قصائد کے منتخب اشعار دیئے ہیں۔ ان کے علاوہ محترمہ لکس۔ پولا قوا نے تائی میں اپنے طویل مقالے "شاعر مشہور ہند" میں غالب کے اردو مکاتیب کا تجزیاتی مطالعہ کیا ہے یہاں تک کہ ان کے خطوط کی الفاظ شماری بھی کی ہے۔ ان حضرات کے علاوہ پروفیسر جیٹی شیفت "پروفیسر سٹا چوف" ڈاکٹر گودون پولا نکلیا "اور مولانا علی پر ڈاکٹریٹ کرنے والی میلاد سیلوہ نے بھی مرزا غالب کے افکار اور تخلیقی کارناموں سے سوویت عوام کو روشناس کرایا ہے۔

تاہم اس وقت غالب شمس کے اس وسیع سرائے کا جائزہ لینا میرا مقصود نہیں ہے۔ اس مختصر مضمون میں ان کے آبائی وطن یعنی ازبکستان میں ان کی غیر معمولی مقبولیت اور ازبکی زبان میں ان کے اردو کلام کے ترجمے کے بارے میں چند باتیں عرض کروں گا۔

ادبک عوام مرزا غالب کے اردو کلام سے سب سے پہلے ۱۹۶۵ء میں آشنا ہوئے جب ان کی منتخب فزولوں کا ترجمہ راقم الحروف کے مقدمے کے ساتھ ازبکی زبان میں شائع ہوا۔ یہ ترجمہ اردو زبان و ادب کے معتبر عالم اور استاد رحمان بیوی محمد جانف نور ازبکی زبان کے ممتاز شاعرین غن مرزا نے طے کر کیا تھا۔ جب یہ انتخاب شائع ہوا تو سرحد و بخارا اور خوارزم سے لے کر وادی فرغانہ تک ہر علاقے اور ہر طبقے میں اس کی شان دار پذیرائی ہوئی۔ اسے کم و بیش دسی مقبولیت حاصل ہوئی جو اسی زمانے میں شائع ہونے والے میرامن کے "قصہ چار دہائیں" کو حاصل ہوئی اور جس کے ایک سال میں ساٹھ ساٹھ ہزار کے دو اڑھائی شائع کئے گئے تھے۔ غالب کا یہ شعری ترجمہ ۳۵ ہزار جلدوں میں شائع کیا گیا تھا لیکن یہ ایک سال کے اندر ہی فروخت ہو گیا اور پھر چند سال بعد نظر ثانی اور مزید فزولوں کے اضافے کے ساتھ اس کا دوسرا اڑھائی شائع ہوا۔ یہاں یہ عرض کروں کہ غالب کے علاوہ نیکو، اقبال اور فیض احمد

فیض جیسے بڑے شعرا کے کلام کے ترسے بھی شائع ہو چکے ہیں اور وہ پابند بھی کئے گئے لیکن جہاں تک مجھے علم ہے ان کے ترجموں کے دوسرے لائسنس شائع ہونے کی قوت نہیں آتی۔ یہ امر لازماً امتیاز بھی مرزا نوشہ کا مقدر بنا۔ اس سے پہلے کہ اس ترسے کی قیامت کے بارے میں کچھ عرض کروں ایک سوال کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں جو اکثر میرے ذہن میں اٹھا ہے اور وہ یہ کہ وسط ایشیا میں غالب کی اس غیر معمولی مقبولیت کے اسباب و محرکات کیا ہیں؟ اصل میں یہ سوال ایک علاحدہ مطالعے کا تقاضا کرتا ہے۔ تاہم آغا خورشید کا جاسکا ہے کہ امیر خسرو کی طرح غالب کی شخصیت میں بھی وسط ایشیائی اور ہندوستانی تہذیب کی جو آمیزش ہوئی تھی وہ خاص تہ دار اور طرح دار تھی۔ جس طرح تہذیب کی کوہنہ یا پتھر کاوی کے عمل سے ایک نئی اور جدید تہذیب جنم لیتی ہے جو اپنی قوت نمو کے لحاظ سے زیادہ تغیر، بہت اور بار آور ہوتی ہے، اسی طرح ان دو تہذیبوں کی تحلیل ترکیب سے مرزا غالب کا روحانی وجود بھی زیادہ توانا اور درخیز ہو گیا تھا۔ ان کا تخلیق و جدان زیادہ فعال، ان کا قلب زیادہ حساس اور تحلیل زیادہ شاداب بن گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی بے مثل اختراعی لطافت کے شاہکاروں نے دونوں دھاروں یعنی ان کے وطن اور ان کے آبا کے وطن میں امتیازی تقد و منزلت پائی۔

ازبکستان میں غالب کی مقبولیت کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ وسطی ایشیا اور ہندوستان (اگر ہدویسر مسعود نصیبن کی اصطلاح استعمال کروں) کے "اردو پلجر" کی اقدار و دہلیات میں صدیوں سے جو نگاہت رہی ہے اسے بھی غالب کی مقبولیت کا ایک سبب کہا جاسکتا ہے۔ لیکن اب اگر دوسرے زاوے سے اردو کے کلاسیک شعرا میں مرزا غالب پہلے شاعر ہیں جن کے کلام سے وسطی ایشیا کے لوگ متاثر ہوئے۔ قدیم مشرق طوم، اساطیر، حکمت و فن، شعری رسوم و عادات، انسان دوستی پر مبنی تصوف اور مذہب کے تصورات اور دینی و عاشقی کی حکایات جو غالب کی تخیل میں پڑی تھیں انہیں ازبک عوام کی دیرینہ تہذیب میں بھی وہ خمیر کا درجہ رکھتی ہیں، لیکن گزشتہ نصف صدی میں، ایک ترقی یافتہ سوشلسٹ سماج کی تعمیر کی مسلسل جدوجہد اور سخت کوشش نے انہیں اس پیش ہما تہذیبی درخت کی قدم شاخ کا زیادہ موقع نہیں دیا۔ اب جب انہیں کچھ فراغت اور راحت کے دن نصیب ہوئے تو وہ اپنی تہذیبی توقعات کی از سر نو دریافت اور اپنی ابتدائی شناخت کی طرف مائل ہوئے۔ یہاں گنا ہے کہ مرزا غالب کی دریافت بھی اپنی شناخت اور شیرازہ بندی کے اسی عمل کا ایک حصہ ہے۔ اس میں سوجھ بوجھ بھی امکانی قطاروں کر رہی ہے۔ لیکن ممتاز سوجھ بوجھ مشرقی خیالات و اکثر غنچہ ملی ایف نے وسطی ایشیا میں غالب کی ہم گیر مقبولیت کے سلسلے میں ایک اور دلیل دی ہے وہ بھی قابل توجہ ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

"یہ قرن قیاس ہے کہ ہندوستان کے عظیم فارسی شاعر بیکل کی فارسی شاعری کی شہرت و عام مقبولیت نے وسطی ایشیا میں غالب کی شاعری شہرت اور مقبولیت کا راستہ ہموار کیا۔ وسطی ایشیا کی شاعری پر بیکل کے اثر نے غالب کی فارسی (اردو) شاعری کو وسطی ایشیائی اقوام کے لئے قابل فہم بنا دیا۔" (حسن سلور، ص 117)

سورج لاہور، 1971ء

آزاد دوی ترسے کے برعکس ازبکی زبان میں غالب کے اردو کلام کا ترجمہ پابند اور متقی ترجمہ ہے۔ سوال یہ

ہے کہ ازبکی زبان میں غالب جیسے شاعری دقیق فکر اور اچھوتے شعری دیکھوں کو کیوں کر غفل کیا ہاسکا؟ اور حرمین کو اس میں کتنی کامیابی حاصل ہوئی؟ شاعری کے ترشے کے تعلق سے اعتقاد پندار باتیں کہی گئی ہیں۔ خلا یہ کہ اصل شاعری باقاعدہ ترجمہ ہے۔ بقول رابر فراسٹ شاعری وہی ہے جو مظلوم یا مشرد ترشے سے غالب ہو جائے۔ نیگور کا کہنا ہے کہ شاعری کے ترشے میں اصل وہاں ترشے سے باہر رہ جاتے ہیں۔ آزاد ترشے کے حامیوں کا خیال ہے کہ شاعری نے تخلیق باز آفرین کا نظریہ پیش کیا۔ دراصل اس طرح کے نظریے شاعری کے بارے میں مخصوص تصورات کا عکس ہوتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ کوئی شعری تخلیق صرف مضمون یا سنی سے عبارت نہیں ہوتی۔ اس کی استعاراتی، لفظی، تلمیحی اور تشبیہی عناصر بھی طور پر فیروہ شکر ہوتے ہیں اور یہ وہ عناصر ہیں جو کسی دوسری زبان میں (خاص طور سے ایک مختلف تمدنی ماحول کی پروردہ زبان میں) جسے غفل نہیں کئے جاسکتے۔ ترشے کے سنی ہیں ایک لسانی استعاراتی لفظی کو ایک دوسری لسانی استعاراتی لفظی میں اس طرح غفل کرنا کہ پہلی لفظی کا معنی اور جمالیاتی تاثر دوسری میں نمودار نہ ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر ترجمہ کسی ایسی زبان میں کیا جائے جو اصل تخلیق کی زبان سے تمدنی اور لسانی طور پر قریب ہو اور دونوں زبانوں کی شعری روایات میں بھی قابل لحاظ مشترک اقدار و عناصر موجود ہوں تو ترشے میں صحت اور کامیابی کے زیادہ امکانات پیدا ہو جائیں گے۔

بندستان اور وسطی ایشیا کے صدیوں پرانے تاریخی اور تمدنی تعلقات کا ذکر آپکا ہے۔ ازبک اور اردو کی کلاسیکی شاعری میں بھی بعض بنیادی اوصاف مشترک ہیں۔ دونوں نے براہ راست فارسی شاعری کے زیر اثر پرورش پائی۔ دونوں میں شعریات اور شعری مقامی کا تصور ایک ہے۔ دونوں زبانوں کی شاعری میں رموز و علامت اور سمبلیات کا ذخیرہ بھی بڑی حد تک مشترک ہے۔ نظام عروض بھی فارسی یا عربی سے مستعار ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ ازبکی شاعری کا اپنا ایک مقامی نظام اوزان بھی ہے جو ”مثنوی مثنوی“ یعنی پانچ انگلیوں پر گنا جانے والا وزن کہلاتا ہے۔ کیفیت اور دوسری نظمیں بعض شعرا ان مقامی اوزان میں بھی کہتے آئے ہیں اور جیسا کہ مجھے بتایا گیا کبھی کبھی علم یا فنل میں دونوں طرح کے اوزان کا اختراع بھی دیکھنے میں آتا ہے۔

مرزا غالب کی جو پسندیدہ بحرین ہیں اطلاق سے ازبکی شاعری میں بھی ان میں سے بیشتر پند خاطر رہی ہیں۔ بقول ڈاکٹر منیر احمد فریدی ”مرزا ان غالب“ کی نوے فی صدی غزلیں صرف آٹھ بحرین کے ۱۱ مختلف اوزان میں کہی گئی ہیں۔ ان میں بھی ان کا سب سے محبوب وزن بحر مضارع کے اوزان مضبوط قاطعات بنائے گئے ہیں۔ جن میں غالب کی ۵۵ غزلیں ملتی ہیں۔ ترشے میں بھی اس بحر کی متعدد غزلوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔ خلا:

(۱) کہیں جہل کیا نہ تاب رخ یار دیکھ کر

(۲) دیا لگی سے دوش پہ زنار بھی نہیں

(۳) مدت ہوتی ہے یار کو صماں کے ہوئے

(۴) کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں

ان کے ترے میں بھی 'جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں' اصل غزل کے وزن کی بڑی کی گئی ہے۔ اگرچہ مشکل یہ ہے کہ ایک زبان کے الفاظ کے مختلف 'لے اور قرات کی صحیح واقفیت یا متقن نہ ہونے کی بنا پر مصرعوں کو مناسب آہنگ کے ساتھ پڑھنا یا تلفظ کرنا مشکل ہے۔ مثلاً ایک غزل کے یہ دو شعر دیکھئے:

کیوں ہل گیا نہ تاب رخ ہار دیکھ کر جہاں ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر
آتش پرست کہتے ہیں اہل جہاں مجھے سرگرم تالہ ہائے شرار ہار دیکھ کر

ترجمہ حسب ذیل ہے:

کونب کل بولدی موثرم آتلب رخسار کرب
دشک اہلو من ازاز دن قوت دیدار کرب
آتش پرست دیدی جہاں اہلی مینی نلکا تلب
تالہ اہم لی بیٹہ اتلی شطہ وار کرب

ترے کے پہلے شعر میں الفاظ اور ان کی صوتی ترتیب تو بھی ہو وزن پورا ہے۔ البتہ معلوم میں کچھ انحراف ضرور ہے۔ مثلاً ایک شعر کا نقلی ترجمہ اس طرح ہوگا:

"تم چمکے تاس آتلب رخسار دیکھ کر۔ میں تو اپنی قوت دیدار دیکھ کر صدمہ کرتا ہوں۔"

دوسرے شعر کا نقلی معلوم یہ ہوگا:

"اہل جہاں مجھے آتش پرست کہتے ہیں۔ میرے تالہ کو ہمیشہ شطہ وار دیکھ کر۔"

یہاں کسی غلطی کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے بھی کہ ادبکی ترے کے شعری عناصر پر رائے دینے کا حق مجھے نہیں۔ پھر بھی اتنا اندازہ ضرور ہو جاتا ہے کہ ترے میں اصل متقن کے صرف چند الفاظ "دیدار"، "آتش پرست"، "اہل جہاں" اور "تالہ" ہوں گے توں ترے میں آگئے ہیں۔ لیکن ایسی غزلیں بھی ہیں جہاں وزن اور قافیے کی یکسانیت کے علاوہ مفرد الفاظ بھی بڑی تعداد میں وہی ہیں جو اصل اشعار میں استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً یہ معروف غزل دیکھئے:

دل	تاراں	تجے	ہوا	کیا	ہے	اے	دل	تاراں	یوسوا	نادر
آخر	اس	درد	کی	دعا	کیا	ہے	بودردگا	آخر	ایست	دوا
ہم	ہیں	مطلق	اور	وہ	ہزار	بڑکو	مطلق	تیر	ایمہر	ہزار
یا اہلی	ہے	ہاجر	کیا	ہے		پودردوگرم	ہاجر			نادر
میں	بھی	مٹ	میں	زبان	دکھائوں	ہیڈام	ہار	کو	قل	زبان
لاش	پوچھو	کہ	دعا	کیا	ہے؟	کاش	کہ	من	سودرنگ	دعا
ہے	پہی	چرا	لوگ	کچھ	ہیں	کم	ہے	پروار	ہے	نار
مشوہ	و	نور	و	درا	کیا	ہے	بوغزوہ	ہوفاز	ہے	اور

شکن زلف جبری کہیں ہے قدرِ حیا و زلفِ حیر ۲۷
 نگہ چشمِ سرسہ سا کیا ہے قراہی کو زسر و سرسہ نادر
 سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں کانٹوں پانچا بولدی سبزہ گل
 ابر کیا کھڑ ہے ہوا کیا ہے بولت نے نرسہ و ہوا نادر
 ہم کو ان سے وفا کی ہے امید امید فکرِ سن ان دنِ وفا نی
 جو ضعیف جانتے وفا کیا ہے ازی بلہائیدی چن وفا نادر
 ہاں بھلا کر ڈا بھلا ہو گا یا عشقی کفِ قل گلِ تاثیر یا عشقی کف
 اور دردِ دل کی صدا کیا ہے دردِ دل کا جتا بیت صدا نادر
 ہاں تم پہ غار کرتا ہوں ہلنی نی فدا قل غمی غالب
 میں نہیں جانتا وفا کیا ہے واسلام بلباس او دعا نادر

غالب کے پہلے شعر میں لفظ "سودا" نہیں ہے لیکن ان کی میں کہا گیا ہے: "اے دل غاروں تجھے یہ کیا سودا ہوا ہے۔" تاہم اس تریم سے شعر کے مجموعی تاثر میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دوسرے شعر میں "یا الہی" کی جگہ "پروردگارم" کا استعمال ہوا ہے۔ تیسرے شعر میں "پری چو" کی جگہ "یہ پری زادِ نازنین" کہا گیا اور دوسرے مصرعے میں "غزو و مشور و ادا" کے بجائے "غزو و ناز و ادا" کر دیا گیا ہے۔ چوتھے شعر میں ان کی میں کہا گیا ہے: "میں بھی آخر زبان رکھتا ہوں کاش پوچھو کہ دعا کیا ہے۔" یعنی پہلے مصرعے سے "ممن میں" کا ٹکڑا حذف کر دیا گیا ہے۔ پانچویں شعر میں "شکن زلف جبری کہیں ہے؟" کی جگہ "قدرِ حیا و زلفِ حیر کہیں ہے؟" کر دیا گیا ہے۔ اس آخری تبدیلی کا بظاہر کوئی جواز سمجھ میں نہیں آتا۔ چھٹے ساتویں اور آٹھویں اشعار کا ترجمہ جسے وہی مضمون و تاثر دیتا ہے جو اصل میں ہے۔ صرف اس قول کے مقطع کو لٹل کر آخری شعر میں غالب شخص لا کر اسے مقطع بنا دیا گیا ہے۔ لیکن اس جڑوی تبدیلی سے شعر کے اسامی تاثر میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

فزولوں کے ایسے تراجم کی تعداد بھی خاصی ہے جہاں قافیے تو اصل فزل کے برقرار رکھے گئے ہیں اور مضمون میں

بھی انحراف نہیں ہے لیکن وزن اور الفاظ کی ترتیب میں تبدیلی آگئی ہے۔ مثلاً غالب کی مشہور فزل:

ہے بس کہ ہر اک ان کے اشارے میں نکلیں اور
 کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گمائی اور

اس میں صرف ایک قافیے "ہاں اور" کے علاوہ دوسرے تمام قوافی اصل فزل سے مستعار ہیں۔ سطلے کا یہ ترجمہ دیکھئے

اگر تمہا اشارہ مل جاو نکلیں یا شوق
 فکرِ بے انتہا سن آجہن گمائی یا شوق

کسی غیر زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے اگر کسی شعر میں صحیح ہوئی ہے تو یا تو اسے حذف کر دیا جاتا ہے یا پھر ماضی

میں تحریر کی نوٹ دیا جاتا ہے لیکن انہی زبان میں غالب کے ترے میں اگر کوئی تاریخی یا تفسیری حوالہ آتا ہے تو اسے اسی طرح برقرار رکھا گیا ہے جس طرح وہ اصل میں ہے۔ کسی تحریر کی نوٹ کی ضرورت بھی نہیں پڑی۔ یہ الگ بات ہے کہ حرم اس صحیح کے بارے میں غلط فہمی سے آگاہ نہیں تھے جس کے نتیجے میں ترے کی شعری معنویت میں فرق پڑا۔ یہ تین لکھ اشعار دیکھئے:

اور بازار سے لے آئے اگر نوٹ کیا
جام جم سے یہ مرا جام سفال اچھا ہے

قلو اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا یکن
ہم کو تحقید تک عرفی منصور نہیں

ان پری دادوں سے لیں کے غلط میں ہم انتقام
قدوت حق سے یہی حوریں اگر وہاں ہو گئیں

ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

سب تھا بازار دن کیل دیر دم زیاگی من
جشید جام دن کراہد کا شوشغال یا عشی

قلو ہونک ہم اصل دا دریا ام دم یکن
یت در دعویٰ قلن تک بو پست امت منصور اماں

ایچ امر مز جنت دا اشبو پری زاد سر دن
اگر خدا دن بولب شو خود و غفلت بولدی

پہلے شعر میں پاری صحت کے ساتھ غالب کے شعری معنوی وحدت کو انہی کا لباس پہنایا گیا ہے۔ دوسرے شعر میں پہلے مصرعے کا ترجمہ تو صحیح ہے لیکن دوسرے مصرعے میں "تک عرفی منصور" کو "پست یعنی منصور" کہہ کر حرم نے شعر کا سارا معنوی حسن ختم کر دیا ہے۔ اسی طرح تیسرے شعر میں جہاں غالب نے صرف "موریں" کہا ہے ترے میں "مور و ملاں" کر دیا گیا ہے۔ اس طرح کی قرینیں جو بہت کم ہیں اس حقیقت کا ثبوت ہم پہنچاتی ہیں کہ حرموں نے شرح سے مدد لینے کے باوجود غالب کے بعض اشعار کی استثنائی اور معنوی نزاکتوں کو نہیں سمجھا۔ نتیجے میں ترجمہ ناقص ہو گیا۔

میں نے اردو پڑھنے والے کچھ نوجوان انہی کا طلبا سے جب غالب کے اس ترے کے بارے میں پوچھا تو انہوں

نے بتایا کہ تقریباً نصف اشعار طبع دار شاعری کا مزہ دیتے ہیں۔ ہلکی اشعار میں ایسی روانی اور کیفیت تھیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ غالب کے اشعار ہمارے لئے اس لئے دلچسپ اور نئے ہیں کہ پڑھنے کے بعد کچھ غور و غور کر کے یہ وہ لطف دیتے ہیں۔

ظاہر ہے شاعرانہ خوبیوں کے لحاظ سے ترجمے کی کامیابی کا فیصلہ اہل زبان ہی کر سکتے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ دونوں زبانوں کے ترجمہ جی کردار اور شعری روایات کی یکسانیت کی بنا پر غالب کا یہ ترجمہ مستحضر اور کامیاب ترجمہ ہے۔ اس کی عوامی مقبولیت بھی اس کی کامیابی کا ثبوت ہے۔ لیکن یہ غالب کی دریافت کے کوشش میں پہلا قدم ہے۔ امید ہے کہ ان کے منتخب خطوط کا ایک مجموعہ بھی ان کی زبان میں جلد شائع ہو گا۔



غالب کے سفارش نامے

لٹے کو تو حالی بھی غالب سے لٹے تھے اور محمود بھی 'غالب کے مرے پر حالی نے بھی استاد کا مرتبہ کیا اور محمود نے بھی دونوں نے ایک ہی صنف یعنی ترجیع بند میں اپنے جذبات کا اظہار کیا لیکن دونوں ترجیع بندوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں وہی فرق ہے جو غالب اور محمود میں ہے۔

بات یہ ہے کہ فنکار بیش اپنے فن میں اپنی افتاد طبع اور رنگ طبیعت کا توازن طود پر اظہار کر رہا ہے لیکن افتاد طبع میں نظرت اور تربیت دونوں شامل ہیں۔ اس لئے ہر فن پارے سے فنکار کے 'علم' تجربے اور ماحول کے اثرات کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

غالب کے خطوط کثیر بھی ہیں اور متنوع بھی۔ وہ اسی قدر پلو دار ہیں جس قدر غالب کی شاعری یا شخصیت۔ ان کے خطوط میں طبی بھیش بھی ہیں۔ خوش طبعی بھی ہے 'زندگی کی داستان بھی ہے اور ان کے دور کی سچی تاریخ بھی۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ہزار چشم اور ہزار خیال انسان تھے اور یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ظہورِ سخن میں لاکھوں نگاہیں ان کی طرف اٹھی ہوئی اور ان کی تحریروں کی شکر رہتی تھیں۔ حیدر آباد دکن کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ غالب کا خط کسی کے پاس آتا تو غالب کے دوست وہاں کی مکہ مسجد میں جمع ہوتے اور وہ خط سب کو سنا کر ایک اور غالب دوست کے پاس بھر دیا جاتا تھا۔ ان کے بعض خطوط کی عبارتوں سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ افراد الدولہ 'شیخ' صاحب عالم ماحضریٰ اور صدیقی محمود کے ہاں بھی کچھ اسی قسم کی محفلیں آراستہ ہوتی تھیں اور ان کے اصحاب دلی سے آنے والی ڈاک کے شکر رہتے تھے۔

وہ اپنے دور کے ممتاز لوگوں میں سے تھے۔ مغل دربار کے ملازم ہونے کی حیثیت سے انھیں پچاس روپے ماہانہ حقوق ملتی تھی مگر اس کے یہ معنی نہ تھے کہ ان کی عزت بھی پچاس روپے کے برابر تھی۔ ان کا رتبہ آسمان کے برابر ہی نہیں اس سے بھی بلند تھا۔ شیعہ ملازم کی حیثیت سے نہیں 'نجم الدولہ' 'دور الملک' نظام جنگ کھلانے سے نہیں بلکہ ان کے 'علم' ان کی شاعری، ان کی محبوب نگاری ان کی شائستگی اور انسان دوستی کے باعث۔

جاگیرداری دور کے معاشرے سے لے کر اس وقت تک انسان محض اپنی قابلیت کی بنا پر ذرا مشکل ہی سے اپنے معاشی مرتبے پر پہنچا ہے۔ کیونکہ ہماری معاشی زندگی میں اب تک کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی اور انسان سو و ذراں کے چکر میں گرفتار رہا ہے۔ مٹی جا رہی ہے مریہ بخور کی مثل ہاتھوں سے چلی آ رہی ہے اور آج بھی اس میں ترمیم کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، یعنی سارا شمس آج بھی پروانہ 'حصول معاش' میں۔

غالب نے جاگیرداری دور کی بدترین افراطی کو شاہ عالم، اکبر شاہ جانی اور بہادر شاہ ظفر کے صدوں میں دیکھا۔

مغل سلطنت کی چابی نے معاشی زندگی میں سخت لہری پھیلا دی تھی۔ بے روزگاری عام تھی۔ ایسے زمانے میں روزگار حاصل کرنے کے لئے ممتاز آدمیوں کی تحریروں کا سارا لینا پڑتا ہے۔ ایسی تحریروں عموماً خطوط ہی کی شکل میں ہوتی ہیں۔

غالب سے پہلے عموماً فارسی میں خط لکھے جاتے تھے۔ ان میں بہت زیادہ منافی اور لفظی بازی گری ہوتی تھی۔ احتیاج کے قیوت مانے بھی ان سے پری نہ تھے۔ غالب نے ابتدا ہی سے غالباً انگریزی خطوط میں کر اور ان کی روش دیکھ کر خطوط لکھاری کے لئے چند اصول متعین کر لیے تھے۔ چنانچہ 1826ء میں انہوں نے علی بخش رنجور کے لئے بیج آہنگ کے اتناڑ میں لکھا کہ جب میں خط لکھنے کے لئے قلم اٹھاتا ہوں تو تکوب الہ کو اسی کے مرتبے کے لحاظ سے غائب کر کے بیان دعا پر آجاتا ہوں۔ القاب و ثواب اور طہریت کی اطلاع دینا بے ضرورت سمجھتا ہوں اور جاننے والے جاننے میں کہ اس میں کتنی سادگی کی جا سکتی ہے اور کتنی معسری کی کتنی گنجائش ہے۔

آج کی وسیعہ دنیا میں تعلقات بھی وسیعہ ہو گئے ہیں اور سماج بھی 'چنانچہ بعض اوقات کسی عزیز یا دوست کو ایک طرف سفارش بلکہ ہاتھ سے لکھ کر یا ٹاپ کر اس کے دیا جاتا ہے اور دوسری طرف اس شخص کے مرسل الہ کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی ٹیلیفون بھی کر دیا جاتا ہے کہ اس شخص کو 'خیرے' پاس بھیجا جا رہا ہے 'کسی زمانے میں وہ اور اس جگہ پر میرے (بیٹے) والد' پہنچنے یا پہنچنے 'جیسا موقع ہو' کا تصور کر دو۔

غالب کے زمانے کا معاشرہ اتنا وسیعہ تھا اور نہ ایسا کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی شخص 'موج' یا 'مخ' کا سفارش کر کے اس کے خلاف کہتا بھی تو غالب کے ہاں سے میں یقین کے ساتھ کہتا جا سکتا ہے کہ اس نے ایسا نہیں کیا۔ بے غرض اور انسان دوست ایسا نہیں کرتے۔ حالی 'غالب کے کردار کے گواہ ہیں۔ اور حالی کی شرافت پر ایمان لا کر ان کی راست گفتگاری کی قسم کھا لی جا سکتی ہے۔

غالب چونکہ اپنے دور کے ممتاز آدمی تھے 'اس لئے لوگ ان کے پاس آتے۔ اور ان سے مدد چاہتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے اپنے لئے دوسرے معاملات کی مانند سفارش کے لئے بھی چند اصول مقرر کر رکھے تھے اور وہ ہر شخص کی سفارش نہ کرتے تھے۔ سب سے پہلے ان کے سامنے یہ بات رہتی تھی کہ جس شخص کی سفارش کر رہے ہیں 'وہ سفارش کا مستحق بھی ہے یا نہیں' اس کے ساتھ ہی انہیں اس بات کا بھی خیال رہتا تھا کہ جس شخص سے سفارش کی جا رہی ہے 'وہ اس سفارش کے مطابق کسے گا بھی یا نہیں۔

اگر حاجت مند خود متعلقہ شخص دونوں سے ان کے مراسم ہوتے تو خاموشی اختیار کرتے 'راست نہ لکھتے اور کسی دوسرے شخص سے مراسلت کے ذریعے حالات معلوم کرتے رہتے' لیکن ان کی ہمدردیاں ہمیشہ حاجت مند کے ساتھ رہتیں 'راست گفتگو ہوتی تو حاجت مند کی تائید کرتے تھے۔

مثال کے طور پر قربان علی بیگ سالک اور ہمشاد علی بیگ رضوان 'دونوں بھائیوں سے غالب بہت محبت کرتے تھے۔ ان کے دکھ درد میں شریک رہتے اور ان کی بہتری چاہتے تھے 'چنانچہ رضوان کو ایک خط میں فرزند دل بند لکھا ہے۔ 1857ء کے بعد مسلمان شرفاء کی حالت نہایت شست و خراب ہو گئی تھی۔ سالک اور رضوان دونوں بے روزگار تھے

اب ذرا مرزا علی حسین خاں سے متعلق ایک سفارش نامہ ملاحظہ ہو۔ ان کا تعلق دلی کے ایک ذی مرتبت خاندان سے تھا اور نواب امین الدین خاں کے متوصل تھے۔ بیوی کی بیماری اور شاید کچھ خانہ دانی بھگنوں کے باعث رخصت لے کر لوہارو سے دلی آئے اور ہلد واپس نہ جاسکے، اس لئے علی نے دوبار غالب کو خط لکھے، جن میں علی حسین خاں کے واپس نہ آنے کی شکایت کی گئی تھی۔ مرزا علی حسین خاں غالب سے ہا کر لئے اور حالات سنائے تو غالب نے علی کو ان کے بارے میں لکھا:

”مرزا علی حسین خاں آئے اور مجھ سے ملے، میں نے خطوط مرسلہ تمہارے یک شت ان کو دیے۔ اب تمہارے پاس بھیجے گا ان کو اختیار ہے۔ علی حسین خاں سے آنے کی حقیقت اور یہاں اقامت کی مدت پر بھی لکھی۔ جواب پلا کہ ایک مہینے اور دس دن کی رخصت لے کر آیا ہوں۔ بی بی بیمار ہے۔ اس کا استعلاج منظور ہے۔

بھری جان بھی علی حسین کے کام آئے تو دریغ نہ کروں۔ بھلا یہ مہلت سہی بلکہ بے لک تبلیغ و نظو ہے لیکن قریب قریب اس کے یعنی جو چیز امکان سے باہر ہو۔۔۔ مگر سوچو کہ آئینہ غم خوار و اندوہ گساری کیا ہو گا۔

مرزا بد وضع و بد روش نہیں کہ چند و بند کا محتاج ہو رہے۔ امور خانگی یعنی بی بی اور اس کے آباد اخوان کے معاملے، ان میں نہ تم کو دخل نہ مجھ کو مداخلت، تم علی حسین خاں کو اس بوجھ پر کیا بھیجتے ہو؟ اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس کا دوا کتنا بڑا توی تھا! اور اس کی سسرال ایک ہے۔ یہ ذریعہ فقر ہے اس کو اور اس کے غمیل سے تم کو بلکہ تھوڑی سے نازش اگر مجھ تک اقربا کے حصے میں بھی آ جائے تو کچھ بعید نہیں۔“

دیکھا تب نے کہ غالب نے ایک شریف اور پریشان حال شخص کی جس کے بزرگوں سے ان کے مراسم تھے، کس طرح مافیہ سفارش اور ہمدردی کی ہے اور کس طرح اس کی پریشان حالی کے زمانے میں علی سے چاہا ہے کہ اسے اس پریشانی کے وقت میں نہ بھڑکے اور اس وقت تک انتظار کریں کہ وہ شخص جو ”بد وضع“ بھی نہیں اور بد روش بھی نہیں، معاملات سے فراغت پا کر اپنی خدمت پر رجوع ہو جائے۔

عائنی کے چچے بھائی اور ضیا الدین احمد خاں نیر کے بیٹے شباب الدین احمد خاں غالب تھے، گویا غالب کے چچے۔ 1861ء کا زمانہ تھا، 1857ء کے اثرات چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ لوگ تلاش روزگار میں مارے مارے بھر رہے تھے۔ ان میں سے ایک سید حسن علی، غالب کے پاس بھی پہنچے اور غالب نے غالب کو سفارش نامہ لکھا۔

”نور چشم شباب الدین کو بھو دغا کے مظلوم ہو کہ یہ جو دفعہ لے کر پہنچے ہیں، ان کا نام حسن علی ہے اور یہ سید ہیں، دوا سازی میں بگات، رکاب داری میں ٹیکہ، جان محمد ان کا باپ ملازم سرکار شاہی تھا۔ اب ان کا بچا، میراج علی چند روپے کا اور میں نوکر ہے۔ ہر حال کما گیا کہ پانچ روپے مہینہ ملے گا اور لوہارو جانا

۸۰-

انکار کیا کہ پانچ روپے میں کیا کھانوں گا؟ یہاں دن و فرزند کو کیا سمجھواؤں گا؟ جواب دیا کہ سرکار بڑی ہے۔ اگر قصداً کام پسند آئے گا تو اضافہ ہو جائے گا۔ اب وہ کہتا ہے کہ خیر توقع ہے یہ قلیل مشاہدہ قبول کرتا ہوں مگر دونوں وقت دونی سرکار سے پاؤں۔ پھر اس کے کسی طرح ہا نہیں سکتا۔

سنو میں! حق بجانب اس غریب کے ہے۔ دونی غیر بات نہیں فحش۔ یقین ہے تم راجوت کو کے تو اس امر کی منظوری کا حکم آ جائے گا۔ یہ قصہ فیصل ہوا۔ اب وہ کہتا ہے کہ دو ماہ مجھے جنگی دو تاکہ کپڑاں بنواؤں اور کچھ گھروے جاؤں، راہ میں دونی اور سواری سرکار سے پاؤں۔ تو یہاں بھی حق بجانب سائل کے جانتا ہوں مگر کچھ کہہ نہیں سکتا، خیر تم یہ میرا رتھ اپنے نام کا عطائی مولائی کو بھیج دو۔

غالب نے یہ سفارش نامہ شباب الدین احمد خاں کو حسن علی راکھدار کے ساتھ اس کی ملازمت کے لئے بھیجا۔ پہلے اس کا ساتھی مرتبہ بتایا کہ یہ سید ہیں، پھر اس کی لیاقت کا حال بتایا کہ وہ اسماعیلی میں لگانے اور راکھداری میں یگانا ہیں۔ بھر باپ اور بچا کے معافی دے دے گا ذکر کر کے تحفہ کا قصین کیا اور اس کے بعد تحفہ کے ساتھ کھانا گھر کے انتظامات کے سلسلے میں کچھ جنگی رقم اور آخر میں جانے کا کرایہ لکھا اور ان سب معاملات میں حق بجانب سائل قرار دیتے ہوئے اپنی مجبوری بھی ظاہر کر دی کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا کہ یہ ملے گا یا نہیں۔ اور چونکہ خود کوئی فیصلہ نہ کر سکتے تھے اس لئے یہ بھی لکھ دیا کہ تم یہ رتھ عطائی کو بھیج دو تاکہ مصلحت کے مطابق میری سفارش اور علی حسن راکھدار کے مسئلے پر خود کر کے فیصلہ کریں۔

لالہ فتح علی سے غالب کے دیرینہ تعلقات تھے۔ ساتھ بیٹے اور کھیلنے تھے۔ ممکن ہے دو لوش کا سلسلہ بھی رہتا ہو۔ ان کے دونوں بیٹوں، جواہر سنگہ جوہر اور ہیرا سنگہ کو اپنے بچوں کی طرح سمجھتے تھے۔ اس قبیلے میں بڑے اور چھوٹے بھائیوں کے ہارے میں یہ مثل مشہور تھی کہ "سنگ ہاش برادر خود مہاش" کیونکہ بڑے بھائی باپ کے برابر قصور کئے جاتے تھے۔ بات بات پر چھوٹے بھائی کی سرزنش ہوتی، جو ان کے انکام بجا لانے پر مجبور کئے جاتے تھے۔ جواہر سنگہ نے ہیرا سنگہ سے کچھ قتلے منگوائے اور چند روپے بھیج دیے کہ ان میں خرید لو۔ ہیرا سنگہ نے بڑی دھڑ دھوپ کی اور جینٹیں تیس روپے اور صرف کر کے قتلے خریدے۔ اس عرصے میں شاید جواہر سنگہ نے غالب کو ہیرا سنگہ کی شکایت لکھ بھیجی کہ وہ مطلوبہ قتلے حاصل کر کے بھیجنے میں سب پر دوائی برت رہا ہے۔ اس پر غالب نے جواب دیا۔

"قتلے جو تم کو مطلوب تھے، ان کے حصول میں جو کوشش ہیرا سنگہ نے کی ہے، میں تم سے کہہ نہیں سکتا۔ فری کوشش نہیں، روپیہ صرف کیا چند روپے جو تم نے بھیجے تھے وہ اور جینٹیں تیس روپے اور صرف کیے۔ پانچ پانچ اور چار چار اور دو دو روپے کے قتلے مول لئے اور بوائے۔ خرید میں روپے جدا دیے اور بوائے میں روپے جدا لگائے، دوڑنا پھرا۔" حکیم صاحب کے پاس کئی بار جا کر حضور والا کا قتلہ لایا، اب دوڑ رہا ہے وہی صد ہزار کے دھنکی قتلے کے واسطے، یقین ہے کہ وہ چار دن میں وہ بھی ہاتھ آئے اور بعد اس قتلے کے ہاتھ آئے کے وہ سب کو یک جان کر کے قصارے پاس بھیج دے گا۔ عد میں بھی اس کی کر دیا

ہوں لیکن اس نے بڑی مشقت کی۔ آپریس منہ آفریں۔ چند روپے میں سے ایک روپہ اپنے صرف میں نہیں لایا اور ماں کو عاجز کر کے اس سے بہت روپے لئے۔ اب سب قلعے تسمارے پاس پہنچیں گے اس کا حسن خدمت تم پر ظاہر ہو گا۔

غالب نے اس خط میں چھوٹے بھائی کے جس کارکردگی کا ذکر کرتے ہوئے اس کی محنت اور دوڑ دھوپ کی تعریف ہی نہیں کی بلکہ یہ بھی بتایا ہے کہ اس نے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اور کس طرح بادشاہ کا اپنا دوختی قلعہ لایا اور کس طرح ولی عہد کا دوختی قلعہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ساتھ ہی ان تھکن کی قمیضیں بھی بتا دیں اور جو زائد صرف ہوا ہے وہ بھی بتا دیا جس کا مقصد غالب یہ تھا کہ ہوا پر کچھ وہ رقم روانہ کر دیں جو زائد صرف ہوئی ہے۔

1857ء کے ہنگامے میں دہلی کے اعلیٰ علم تخریب ہو گئے۔ ان میں حکیموں کا ایک خاندان چٹالے پٹیا۔ ان میں حکیم غلام مرتضیٰ خاں اور ان کے صاحبزادے حکیم غلام رضا خاں بھی تھے۔ غالب نے نور چشم اقبال نشان حکیم غلام رضا خاں کو اردوئے معلیٰ کا حق اشاعت بخش دیا تھا۔ موجودہ سفارش نامہ حکیم غلام مرتضیٰ خاں کے نام ایک ہمد ملاقاتی کے لئے 1860ء میں لکھا تھا:

"خاں صاحب جمیل المناقب حکیم غلام مرتضیٰ خاں صاحب کو غالب درود مند کا سلام پہنچے۔ خوب یاد کیجئے کہ میں نے کسی امر میں آپ کو تکلیف نہیں دی۔ اب ایک عنایت کا سائل ہوں۔ حامل ہذا المکتوب پڑت ہے نرائن صبر یہ خط لے کر حاضر ہوتے ہیں۔ ان کے بزرگ ثواب احمد بخش خاں کی سرکار میں مناصب عالیہ اور عہدہ ہائے جلیلہ رکھتے تھے اب موقع کیا ہے کہ جتنوئے فکری میں چٹالے آتے ہیں۔ آپ کو میرے سر کی قسم 'جہاں تک ہو سکے' سنی کر کے ان کو موافق ان کی عزت کے کوئی منصب کوئی عہدہ دلوادو گے تو میں یہ جانوں گا کہ تم نے مجھ کو فکر دکھایا ہے پیدا احسان مند ہوں گا۔"

اس خط سے مرسل اور مرسل الیہ دونوں کے تعلقات کا علم ہوتے ہوئے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غالب کو اپنے پرانے واقف کاروں کا کس قدر خیال رہتا تھا۔ ثواب احمد بخش خاں کے ہاں ملازمت کے تعلق سے غالب پڑت ہے نرائن سے واقف تھے۔ ان کی پریشاں روزگار دیکھ کر انہوں نے حکیم صاحب کو پہلی بار رحمت دینے کا ذکر کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ بار بار کی سفارش واجب التعظیم رہ جاتی ہے واجب التعمیل نہیں رہتی۔ مقصد یہ تھا کہ ان کی سفارش کو نظر انداز نہ کیا جائے اور کسی نہ کسی طرح سائل کو روزگار سے لگا دیا جائے۔

آخر میں معاملے کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے مرسل الیہ کو اپنے سر کی قسم بھی دلا دی اور یہ بھی لکھ دیا کہ ان کو ملازمت دلوادو گئے جیسے ملازمت دلوادو گئے پر احسان کرنا ہے۔

اگرے میں فشی نبی بخش حقیر غالب کے دوست اور غالب شناس تھے۔ سکندر کے رہنے والے صاحب عالم مارہروی کے شاگرد حکیم انبی بخش نے غالب سے ملازمت کے لئے سفارش چاہی تو غالب نے حقیر کو لکھا:

"_____ ایک خط حکیم انبی بخش صاحب کو دیتا ہوں۔ یہ صاحب شرفائے سکندر میں سے ہیں اور

دوست اور شاگرد اس کے ہیں جس کا میں بغیر دیکھے عاشق ہوں یعنی چناب صاحب عالم مارہروی سلمہ اللہ تعالیٰ۔

یہ ان کا خط میرے نام لائے تھے۔ مئی میں یہاں رہے اور حکیم امام الدین خاں صاحب سے مفرح القلوب پڑھی۔ بہت خوب اور مذہب آوی ہیں، حسن طبع بھی رکھتے ہیں۔ یہاں ان کی نوکری کا کہیں اسلوب نہ ہوا اور نہ اس نے سادہ نہ کی۔ اب یہ اپنے گھر جاتے ہیں کول میں پہنچ کر آپ سے ملیں گے۔ ان کی تقریر کچھنے کا اور ان کو اپنا دوست دیر نہ صبر فرمائیے گا اور اس کا خیال آپ کو رہے کہ اس خلع میں چمکیدار اور بل گزار بہت ہیں، اگر کسی کی خواہش طیب کی ہو تو ان کو اس سے بے بخوبی ملوا دیجئے گا اور اس باب میں جلدی نہیں ہے، خیال رہے۔

غالب اپنے خطوں میں غیر ضروری باتیں نہیں لکھتے اور اپنے مطلب کو کم سے کم الفاظ میں لیکن جامع طور پر لکھ دیتے ہیں۔ ان کے خطوط سے نہ صرف مرسل الہم سے ان کے حقیقی تعلقات کا پتا لگتا ہے بلکہ اسی سلسلے میں دوسرے دوستوں سے بھی تعلقات کا ظم ہو جاتا ہے۔ متعلقہ شخص کی لیاقت اور کردار کا حال بھی معلوم ہو جاتا ہے نیز اس کے معاشی حالات کا بھی۔ مثلاً اسی خط سے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب کے معاشی حالات ایسے خراب نہ تھے کہ ان کے لئے فوری طور پر ملازمت کا انتظام کیا جاتا، اس لئے آخر میں یہ بھی لکھ دیا کہ اس باب میں ایسی جلدی نہیں ہے خیال رہے۔

انہی کو ایک اور خط میں یاد دہانی کرتے ہیں کہ ”حکیم امین رجسٹری آپ کے پاس پہنچے ہیں۔ بہت نیک بخت اور معقول آوی ہیں۔ ان کی پرورش کا خیال رہے اور شیخ رحمت اللہ صاحب جو آگے آپ کی بدولت کامیاب رہے۔ وہاں ہوں تو ان کا بھی خیال رہے۔ اگر وہاں نہ ہوں تو ان کا حال بھی کو لکھئے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب کو ان لوگوں کا جن کی سفارش کرتے تھے، کس قدر خیال رہتا تھا۔ ان کے مقابلے میں شیخ وزیر الدین کے بارے میں لکھا کہ ”شیخ وزیر الدین بہت چلا اور خراب ہے۔ اس کا دادا بہت معزز آوی تھا اور میرا بڑا دوست تھا۔ یہ تمہارا بھی نیاز مند ہے۔ حتیٰ الوسع خیال دوڑاؤ اور گھنٹا نقل نکالو۔ اگر کہیں نوکری قرار پا جائے تو گویا مجھ پر احسان ہو گا۔“ عرض شیخ کی پہنچتی ہے۔ اس کا مناسب جواب لکھئے اور کوشش کیجئے۔“

اس خط میں بعض دوسرے مطالب لکھنے کے بعد لکھا کہ ”ایک بار میری من لو“ پھر فرزل پڑھو۔ شیخ وزیر الدین بیمار ہو کر کراچی واک سے کول کو روانہ ہوا ہے۔ میں اگرچہ خدمت گزار طلق ہوں پر ان کی کچھ خدمت بجا نہ لا سکا اور ان سے شرمندہ رہا۔ تم ان کی دل جوئی کرنا۔ کوئی ان کے بھگوانا اور ان کی خیر پیمنا اور بھائی اگر ہو سکے تو کسو کے یا اپنے علاقے میں بخار کاری، سرشت کی عریض نویسی، کچھ نہ کچھ ان کے واسطے کر دینا۔ ضرور۔ ضرور۔ لور! اب فرزل پڑھو۔“

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ وزیر الدین کے دلوا بہت معزز آوی اور غالب کے دوست تھے۔ اس وقت

ان کی حالت بہت ختم تھی۔ غالب کے پاس اکثر لوگ مد اور سفارش کے لئے آتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو خدمت گزار مطلق سمجھتے اور ہر شخص کی مدد کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے تھے۔ اس خط میں انہوں نے بار بار شیخ وزیر الدین کی طرف اپنے دوست حقیر کو توجہ دلائی ہے تاکہ وہ حالات کی اہمیت سمجھ کر جلد سے جلد شیخ وزیر الدین کی ملازمت کا انتظام کریں۔

انہی ہی خلق حقیر کو ایک خط میں مطلع کرتے ہیں:

"مرزا نجف علی خاں مرحوم تمہارے دوست ہوں گے۔ وہ یہاں مر گئے۔ ان کے فرزند ارجمند مرزا یوسف علی خاں کو میں اپنے فرزند کی جگہ چاہتا ہوں اور ان کی سعادت مندوں اور خدیجیوں کی جانوں کو میں ان کا عاشق ہوں۔ وہ اب کل کو گئے ہیں۔ تم کو لازم ہے کہ ان کے وہاں جاؤ اور فائدہ چرو اور ان کا حال ان کی نہانی سنو۔ وہ صاحبزادے باز پروردہ گرم و سرد زمانہ دیدہ ہیں۔ وہ ایک حویلیاں ان کے والد ماجد کی وہاں ہیں۔ خدا جانے وہ کیا کریں گے۔ آپ کو ان کی مہلی گیری کرنی چاہئے مگر وہ بیٹھے کو روانہ ہونے (بچنے) والے ہیں۔ آج وہ غصے کو یہ خط میں تم کو بھیجتا ہوں۔ یقین ہے کہ کل پہنچے گا۔ مسجد اس کے پہنچنے کے آپ ان سے ملنے کا ماتم لڑو کا بلانا مناسب نہیں۔ آپ کو یہ تقریب تعزیت جانا چاہئے۔ یہ خط جو آپ کے نام ہے، ان کو پڑھا دیجئے۔"

اس خط سے جو کسی ملازمت کے لئے نہیں، بلکہ محض ہمدردی کی بات پر لکھا گیا، معلوم ہوتا ہے کہ غالب کو اپنے دوستوں اور ان کی اولاد کا کس قدر خیال رہتا تھا۔ مرزا یوسف علی خاں کے والد مفتی بی خلق حقیر اور غالب، دونوں کے دوست تھے۔ غالب نے ان کے انتقال کی خبر، حقیر کو دیتے ہوئے بتایا کہ مرزا یوسف نوجوان ہیں، ملازمت زمانہ سے ملاقات ساتھ ہی آگے میں ان کے حویلیوں کا ذکر کرتے ہوئے اشارہ کر دیا کہ ایمان نہ ہو نوجوان یوسف، انہیں اونٹے ہونے بیچ دیں۔ اس لئے کہہ دیا کہ تم ان کے دوست کی حیثیت سے ان کے مہلی بن جاؤ، تاکہ نقصان نہ اٹھائیں۔

ساتھ ہی خیال آیا کہ ایمان نہ ہو بی خلق اپنے آپ کو بزرگ سمجھ کر مرزا یوسف کے پاس جانے کے بجائے انہیں اپنے پاس طلب کریں۔ اس لئے کہہ دیا کہ ماتم لڑو کا بلانا مناسب نہیں، آپ کو یہ تقریب تعزیت جانا چاہئے۔ خط پڑھا دینے سے متفہم یہ تھا کہ یوسف مرزا حقیقت حال سے واقف ہو جائیں اور بی خلق حقیر کو غالب کی جگہ جان کر اپنا مہلی و سرپرست سمجھیں اور ان کے حسب ہدایت کام کریں۔

میر تقی حسین قدر بھگوانی، اپنے دور کے فضلاء میں سے تھے لیکن بیرونگاہ تھے اور پریشان حال، غالب اس سے واقف تھے، ان کا دل اپنے شاگرد کی پریشانی پر کڑھتا تھا، سوچتے تھے کہ کیا کون اور کس طرح اپنے شاگرد کو اس کی پریشانوں سے نجات دلاؤں۔ اسی زمانے میں مفتی نورمحمد سے غالب کے تعلقات پیدا ہو چکے تھے۔ وہ دلی آکر غالب سے ملے اور ان کی کتابیں چھاپ رہے تھے۔ غالب کو نورمحمد کی فارغ البالی اور قدر کی لیاقت کا خیال آیا، اس لئے انہوں نے لکھا۔

”صائب! تم بہت دن سے بیکار ہو۔ ایک جگہ سادھت روزگار کی صورت ہے۔ بے تکلف یہ رقم صری لے کر کھنڈ چلے جاؤ۔ مطیع اودھ اخبار میں میرے شفیق دلی یعنی نئی نوٹکسور صائب سے طواور یہ رقم انیس پڑھاؤ۔ اپنی نظم و نثر ان کو دکھاؤ اور اپنا مبلغ علم ان پر ظاہر کرو۔ اگر وہ اپنی مرضی کے موافق تم کو کار گزار سمجھیں گے تو مبلغ کا کام تمہارے سپرد کر دیں گے۔ مشاہدہ خاطر طواور تم کو مقرر ہو جانے کا۔ معزز و محرم رہو گے۔ زندگی کا لطف اٹھاؤ گے لیکن شرط یہ ہے کہ جلد چلے جاؤ۔ کھنڈ تم سے نزدیک ہے۔ اپنی راہ قطع کرنا کچھ دشوار نہیں“ اگر نوکر نہ ہو جاؤ گے پھر چلے آنا۔ جنت آزمائی ہے۔“

غالب اپنے دوسرے اوصاف کے علاوہ نہایت موقع شناس آدمی تھے۔ اس خط میں انہوں نے راست نوٹکسور کی بجائے قدر کو غالب کر کے اپنے شفیق دلی نئی نوٹکسور سے جلد جا کر ملنے کے لئے لکھا، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ نوٹکسور کے پاس وہ کام ہو رہا ہے جو قدر کے مزاج کے مطابق تھا، یعنی علمی کام۔ دوسرے یہ کہ غالب کے تعلقات چوگر نئی نوٹکسور سے طواور تھے، اس لئے انہیں یقین تھا کہ وہ غالب کے پیچھے ہوئے شخص کو مرغانہیں گے نہیں۔ تیسری بات یہ تھی کہ انہیں قدر بلکھوا کی ملی لیاقت پر اعتماد تھا۔ چوتھی بات یہ کہ وہ چاہتے تھے کہ قدر کو خاطر خواہ مشاہدہ ملے۔ اسی لئے انہوں نے لکھا کہ نئی نوٹکسور سے مل کر یہ رقم انہیں پڑھاؤ۔ اپنی نظم و نثر ان کو دکھاؤ اور اپنا مبلغ علم ان پر ظاہر کرو۔ آخر میں یہ بھی لکھ دیا کہ اگر نوکر نہ ملے تو گھر نہ کہنا۔ اس کو خوش کو جنت آزمائی سمجھنا اور یامس نہ ہونا۔ طواور ہو جاؤ تو بستر ہے نہ ہو تو کوئی نقصان نہیں۔ بلکھوا سے کھنڈ کچھ دور بھی نہیں، صرف تھوڑا سا کرایہ صرف ہو گا لیکن کامیابی کی توقع ہے، اس لئے ہانا ہی بستر ہے۔

نئی امیر احمد امیر جٹائی 1829ء میں پیدا ہوئے۔ غالب سے عمر میں 3 سال چھوٹے اور امیر کے شاگرد تھے، 1857ء سے پہلے کھنڈ میں اپنی شعر گوئی سے عزت اور بھوری حاصل کر چکے تھے۔ رام پور اس وقت دہلی اور کھنڈ سے لگے ہوئے شاموں کا مربع اور مرکز تھا۔ اس لئے امیر بھی وہیں پہنچ گئے اور انہوں نے نئی شیو زرائی کے چہرہ دودھ دسلے ”معیار اشعرا“ میں چھپنے کے لئے غزلیں بھیجیں لیکن اپنے ہارے میں کچھ نہیں لکھا، جس پر شیو زرائی نے ”معیار اشعرا“ میں لکھا:

”امیر شاعر اپنی غزلیں بھیجتے ہیں۔ ہم کو جب تک ان کا نام و نشان معلوم نہ ہو گا، ہم ان کے اشعار نہ چھاپیں گے۔“

امیر جٹائی کو غالب اور شیو زرائی کے تعلقات کا علم تھا، حتیٰ کہ پہلا ایڈیشن انہی کے ”مطیع“ منید غلابی سے شائع ہو چکا تھا۔ اس نے انہوں نے اپنی غزلیں غالب کے پاس اشاعت کے لئے بھیجیں۔ وہ معیار اشعرا میں امیر سے مطلق شیو زرائی کا نوٹ پڑھ چکے تھے، اس لئے انہوں نے فوراً ”شیو زرائی کو لکھا: 12 جون 1859ء۔“

”اب تم یہ تاؤ کہ دیکھیں رام پور کے ہاں بھی تمہارا اظہار یا ”معیار اشعرا“ جاتا ہے یا نہیں۔ اب کے تمہارے ”معیار اشعرا“ میں میں نے یہ عبادت دیکھی تھی کہ امیر شاعر اپنی غزلیں بھیجتے ہیں، ہم کو جب

تک ان کا نام و نشان معلوم نہ ہو گا۔ ہم ان کے اشعار نہ چھاپیں گے۔ سو میں تم کو لکھتا ہوں یہ میرے دوست ہیں اور امیر احمد ان کا نام ہے اور امیر قلعہ کرتے ہیں، لکھنؤ کے ذی عزت باشندوں میں ہیں اور وہاں کے بادشاہوں کے دوستوں اور مصاحب رہے ہیں اور اب رام پر میں نواب صاحب کے پاس ہیں، میں ان کی غزلیں قصائدے پاس بھیجتا ہوں۔ میرا نام لکھ کر ان غزلوں کو چھاپ دو۔ یعنی یہ غزلیں غالب نے ہمارے پاس بھیجیں اور اس کے لکھنے سے ان کا نام اور حال وہ جو میں ادھر لکھ آیا ہوں، اس کو اب "معیار الشعرا" میں چھاپ کر ایک دو ورق یا چار ورق رام پر ان کے پاس بھیج دو اور سونامے پر لکھو: در رامپور، بر دور دولت حضور رسیدہ بخد مت مولوی امیر احمد صاحب امیر قلعہ برسد۔"

اس خط سے اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ 1857ء کے ہنگامے کے باعث 1859ء میں بھی "معیار الشعرا" جیسے گل دستوں میں، شاعر کے بارے میں تفصیلات معلوم کئے بغیر، غزلیں بھی چھاپتے ہوئے ڈرتے تھے۔ دوسرے بات یہ ہے کہ امیر غنائی نے "معیار الشعرا" میں چھپنے کے لئے راست غزلیں بھیجیں تھیں اور جب شیخ زرائع نے شائع کرنے کی بجائے تذکرہ نوٹ لکھا تو امیر غنائی نے اپنی غزلیں، غالب کے پاس بھیجیں کہ وہ شیخ زرائع کو اپنی طرف سے بھیج کر شائع کرا دیں۔

تیسری بات یہ کہ امیر غنائی غالب نواب رام پر کے محل ہی کے کسی حصے میں رہتے تھے، علیحدہ قیام نہ تھا۔ اگرچہ نواب کی قیام گاہ کا پتا لکھنے سے یہ بھی متعین ہو سکتا ہے کہ شیخ زرائع کا محل دستہ شعر یعنی "معیار الشعرا" بھی نواب کی فخر سے گزری اور امیر کا کلام بھی، جس سے ممکن ہے دونوں کو فائدہ پہنچ سکے۔

آخر میں ایک اور سطرارش نامہ ملاحظہ ہو۔ اس میں حکیم مرزا خاں ظف الصدف حکیم آغا جان کی سطرارش کی کپی ہے۔ یہ وہی حکیم آغا جان ہیں جن کا قلعہ پیش تھا اور جنہوں نے ایک طری طریقہ میں غالب کو قلعہ کرتے ہوئے چڑھا تھا:

اگر اپنا کہا تو آپ ہی کہے تو کیا کہے
مرزا کہنے کا جب ہے اک کے اور دوسرا کہے

کلام میر کہے اور زبان میرزا کہے
مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا کہے

پیش نے ہنگامہ 1857ء کے چند روز بعد اطفال کیا۔ اس زمانے میں دلی کے اہل علم ہمارے بارے میں بھرنے لگے۔ ان میں پیش کے بیٹے حکیم مرزا جان بھی تھے۔ سنہ 1864ء میں غالب کے محبوب شاعر غفر جواہر سنگھ جوہر بلب گڑھ کے تحصیلدار ہو گئے تھے۔ اس زمانے میں کسی دلی باشندے کے لئے تحصیلداری بہت بڑا عہدہ تھی، حکیم مرزا جان وہاں میضہ طبابت میں ملازم تھے، اس لئے غالب نے جواہر سنگھ کو لکھا: "برخودار کامگار، سعادت و اقبال نشان غفر جواہر سنگھ کو بلب گڑھ کی تحصیلداری سہارک ہو۔ قبلی

سے نوح آئے اور نوح سے بلب گڑھ گئے۔ اب بلب گڑھ سے ولی آگئے۔ ان شاء اللہ۔
 ستر صاحب! حکیم میرزا جان ظف الصدفی حکیم آغا جان صاحب کے 'قمارے' خلاقہ تحصیل داری میں
 بیضہ طبابت ملازم سرکار انگریزی ہیں، ان کے والد ماجد میرے بچپن میں کے دوست ہیں، ان کو
 اپنے بھائی کے برابر جانتا ہوں۔ اس صورت میں حکیم مرزا جان میرے بچپن اور قمارے بھائی ہوئے۔
 لازم ہے کہ ان سے ایک دل و یک رنگ رہو اور ان کے مددگار بنے رہو۔ سرکار سے یہ وعدہ بیضہ
 دوام ہے۔ تم کو کوئی ہی بات پیش کرنی ہوگی۔ صرف اسی امر میں کو مشغول رہے کہ صورت اچھی بنی رہے۔
 سرکار کے خاطر نشان رہے کہ حکیم میرزا جان ہوشیار اور کار گزار آدمی ہے۔"

غالب کے اس سفارش نامے میں کسی ہی جگہ پر فقرہ کے لئے نہیں لکھا گیا ہے بلکہ جواہر نگہ کو ایک
 بیٹے کے مانند ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ایک دیرینہ دوست کے بیٹے کو اپنے بھائی کی طرح سمجھیں ایک دل و
 یک رنگ رہیں اور حسب موقع ان کی تائید کرتے رہیں تاکہ وہ اپنی ملازمت پر قائم رہیں اور سازشیوں کی
 شرارتوں سے بچ کر اپنی مفوضہ خدمات انجام دے سکیں۔

غالب کے یہ سفارش نامے بھی ان کے دوسرے خطوط کی طرح ان کے مزاج، ان کے علم، ان کی
 ہمدردی، انسانیت اور دوست نوازی کی فحاشی کرتے اور ان کی بلند شخصیت کو بے حجاب کرتے ہیں۔



ڈاکٹر مولوی عبدالحق

روکد او مقدمہ مرزا غالب

قدوم کے بعد دل میں شام چھایا ہوا تھا اور کوئی دل بہلانے کا سامان نہ تھا۔ مرزا نے قاری لغت کی مشہور کتاب ”برہان قاطع“ کو دیکھنا شروع کیا۔ اس کے مولف محمد حسین کے اجداد حمزہ سے آئے تھے اور اگرچہ وہ خود ہندوستان میں پیدا ہوئے اور ساری عمر دکن میں رہے مگر حمزہ کی کہلات تھے۔ مرزا کو اس کتاب میں غلطیاں نظر آئیں، جنہیں انہوں نے ایک مختصر کتاب کی صورت میں مرتب کیا اور اس کا نام ”قاطع برہان“ رکھا چنانچہ ایک خط میں صاحب عالم ماہروی کو لکھتے ہیں۔

اس دماغ کی کے دنوں میں — ”برہان قاطع“ میرے پاس تھی اس کو میں دیکھا کرتا تھا ہزار ہا لغت خطا ہزار ہا بیان لغو عبارت پرچہ اشارات پاور ہوا میں نے سو دو سو لغت کے اظہار لکھ کر ایک مجموعہ بنایا ہے اور ”قاطع برہان“ اس کا نام رکھا ہے۔

یہ کتاب بقتل مولانا حالی ۱۲۶۰ھ (۱۸۷۶ء) میں پہلی بار اور ۱۲۸۶ھ (۱۸۷۰ء) میں یہ اضافہ و دیگر مضامین و فوائد ”دانش کربالی“ کے نام سے دوبارہ چھپی۔

اس پر مرزا کی بڑی مخالفت ہوئی اور جواب میں ”محرم قاطع“ ”مناطع برہان“ ”قاطع قاطع“ اور ”موسم برہان“ لکھی گئیں۔

”مناطع برہان“ کے جواب میں ”ہند غالب“ اور ”موسم برہان“ کے جواب میں ”چنچ حمزہ“ خود مرزا نے دو رسالے لکھے اور ”محرم قاطع“ کے جواب میں ”دافع ہدیان“ ”طائفہ فیہی“ اور ”سوالات عبدالحکیم“ تین رسالے مرزا کے دوستوں نے شائع کئے مگر قاطع برہان کا جواب نہ خود مرزا نے لکھا اور نہ کسی اور نے خارجہ حالی نے اس سے متعلق ”یادگار غالب“ میں ایک لطیف لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

مولوی امین الدین کی کتاب ”قاطع القاطع“ کا جواب مرزا نے کچھ نہیں دیا کیونکہ اس میں فحش اور ناشائستہ الفاظ کثرت سے تھے۔ کسی نے کہا ”حضرت! آپ نے اس کا جواب نہیں لکھا؟“ مرزا نے کہا ”اگر کوئی گدھا تھمارے لات مارے تو کیا تم بھی اس کے لات مارو گے؟“

”چنچ حمزہ“ میں بھی مرزا نے لکھا ہے کہ ایسے اونٹنی درجہ کے آدمی کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنا میری شان کے خلاف ہے۔ لیکن معظوم ہوتا ہے کہ آگے چل کر وہ اس خیال پر قائم نہ رہے بلکہ انہوں نے مولوی امین الدین پر ”ازالہ مہیثیت عینی کی پالش کردی اور ۲ دسمبر ۱۲۸۶ھ کو عرضی دعویٰ داخل عدالت کر دیا۔ خواجہ حالی اس مقدمے کے متعلق ”یادگار غالب“ میں لکھتے ہیں۔

”مرزا نے ایک قاری رسالے کے مولف پر جو ”قاطع برہان“ کے جواب میں لکھا گیا تھا اور فحش و شام سے

بہرا ہوا تھا۔ ازالہ حیثیت معنی کی باتیں بھی کی تھی۔ مگر جب کامیابی کی امید نہ رہی تو آخر کار انہوں نے راضی نامہ داخل کر دیا۔ اگلے تحقیقات میں دلی کے بعض اہل علم عدالت میں اس بات کے استفسار کے لئے بلائے گئے تھے کہ جو فقرے دلی نے دعوے کے جملوں میں پیش کئے ہیں آیا فی الواقع قس و دشنام مسموم ہوتا ہے؟ یا نہیں؟ انہوں نے غریب ظلم کو سزا سے بچانے کے لئے ان فقروں کے ایسے معنی بیان کئے جن سے ظلم پر کوئی الزام عائد نہ ہو۔ ان مولویوں کا مرزا سے ملنا جلنا تھا۔ کسی نے پوچھا ”محترمت انہوں نے آپ کے برخلاف شہادت کیوں دی؟“ مرزا نے اپنا قاری کا یہ شعر پڑھا۔

بہرچہ در نگرانی جزبہ جنس مائل نیست

عیار بد کسی من شرافت نہیں است

اس مقدمے کی پوری مسل کی نقل اب اعلیٰ سے ”میں دستاویز ہو گئی ہے اور ذیل میں تمام و کمال شائع کی جا رہی ہے۔ اس کے ساتھ سے اس مقدمے کے تمام حالات بہ خوبی واضح ہو جاتے ہیں۔ اس مقدمے کے دوران میں مولوی ضیاء الدین کی پیشی کے وقت کسی نے عاکم عدالت کے کان میں کہہ دیا کہ ”یہ بڑے معزز آدمی ہیں انہیں کرسی ملنی چاہئے“ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس زمانے میں دلی سے جو انگریزی اخبار ”مفسلاٹ“ نکلتا تھا اس میں ۳ مارچ ۱۸۶۸ء کو ایک خط چمپا تھا جس کا مکتوب نگار بڑے قہج سے لکھتا ہے۔

”میں سخت حیران و پریشان ہوں کہ اسسٹنٹ کمشنر نے مولوی ضیاء الدین کو کس بنا پر کرسی دی اس رعایت سے غالب کے ساتھ نا انصافی ہوئی وہ سوسائٹی میں قناعت معزز ہیں۔ یونیٹینٹ گورنر کے دربار میں انہیں مولوی ضیاء الدین سے اونچے درجے پر بنایا گیا تھا“ یہ پورا انگریزی خط ”رسالہ اردو“ اکتوبر ۱۸۶۹ء کے پرچے میں ہم شائع کر چکے ہیں۔ اس طے مناظر کا بدترین مرحلہ یہی مقدمہ تھا۔ اس کی مسل مل جانے سے مقدمے کی پوری کیفیت صحت کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

مسودے کی عبارت اکثر جگہ جھجک ہے۔ وہ چار مقام پر ایک آدھ لفظ پڑھا نہیں گیا اس کے متعلق فٹ نوٹ میں حسب ضرورت صراحت کردی گئی ہے اور جہاں شبہ رہا وہاں قوسین میں سوالیہ (?) علامت بنا دی گئی ہے)

جس کا صاحب اس سرشت

چونکہ مقدمہ جات فوجداری نمبری مسٹر اسٹافڈن صاحب پیش ہوتے ہیں یہ مقدمہ انہی صاحب ہمارے کے اجلاس میں پیش ہوگا اور صاحب عزت وغیرہ کو بحال (۶) صاحب بہ غلبہ جانتے ہیں یہ خط بخدمت مسٹر اسٹافڈن صاحب ہمارے پیش ہووے

۲ دسمبر ۱۸۶۷ء

صاحب والا مناقب عالی شان مرحومہ لطف و احسان جناب صاحب ڈپٹی کمشنر ہمارے دلی دام اقبالہ بعد عرض دارج فقیم و حلیم گزارش کرتا ہوں کہ مجھے ایک شخص پر ازالہ حیثیت معنی کی باتیں کرنی منظور ہے

اس واسطے اگرچہ میرے مدارج عزت آپ کو خوب معلوم ہیں لیکن چونکہ اس مجموعے کے بیان میں کچھ بیان اپنی عزت کا ضرور ہے لہذا عرض کیا جاتا ہے کہ میں قوم کا ترک ہوں، دادا میرا شاہ عالم کے عہد میں ترکستان سے آیا، باپ اور بچا بہ سبب ضعف سلطنت مرہٹوں کی فوری کسرت رہے باپ میرا عبداللہ بیگ خان بھلور سرکاری محل داری (2) سے پہلے ایک لڑائی میں مارا گیا حقیقی بچا میرا نصر اللہ بیگ خان بھلور جرنیل ایک بھادر کا رفیق مع چار سو سوار کے سرکشان بھد کی لڑائیوں میں شریک رہا چار سو سوار کا بریگیڈیئر اور لاکھ روپے کے پرچے کا جاگیردار تھا۔ جرنیل صاحب کے سامنے یہ مرگ ناکہ مرگیا۔ جاگیر موافق قراردادوں سرکار میں بازیافت ہوئی اور میرے واسطے بہ عوض جاگیر کچھ نقدی سرکار سے مقدر ہو گئی۔ پس میں رکھیں زادہ بعض جاگیر نقدی پانے والا ہوں۔ جاگیر داروں کے بعد میرا نمبر ہے اور باقی آپ کے دفتر سے ٹیکر دلی کی کسٹری اور لاہور کی یونیٹیٹ گورنری، کلکتے کے گورنر جرنیل بھلور کے دفتر تک میرے مدارج بہ عزت بہ خوبی ثابت ہیں۔ ایک شخص امین الدین نام دلی کا رہنے والا کہ اب وہ پنجاب میں راجہ کے مدرسے کا مدرس ہے اس نے ایک کتاب لکھی، اگرچہ اس کتاب کی علی بحث پر ہے لیکن اس نے اس بحث طبعی میں میرے واسطے وہ الفاظ چٹا کست اور ایسی گالیاں دی ہیں کہ کوئی شخص کسی کوئی بھدر کو بھی یہ الفاظ نہ کہے اور ایسی گالیاں نہ دے کہ بظاہر میں نے فحش عریض الدین صاحب کو اس مقدمے میں اپنا وکیل کیا ہے۔ امیدوار ہوں کہ بعد تصدیق وکالت نامہ سرشت فہم داری میں یہ مقدمہ پیش ہو اور خاص آپ کی تجویز سے اول سے آخر تک یہ مقدمہ لعل ہو، اور کسی غلط تہمت میں یہ مقدمہ سپرد نہ ہو۔ فقط

والتم احمد اقر خان قلاب

المشرفون

رہیں گا، مسٹر لٹاکھن صاحب اسٹنٹ کٹر ہمارے

خفی وزیر علی۔ وحی پر شاو کو اہل حاشیہ نے جانب مقررے شہادت سامنے ہو کر یہ اقرار صالح مضمون عمار نامہ کو تصدیق کرایا۔ لہذا تصدیق عمار نامہ عمل میں آئی۔

115

عبدالله بن مسعود

جو مجھ کو یہ نام امین الدین ساکن دہلی مدرس مدرسہ بنیالہ جالب ازالہ حیثیت حسب دفعہ ۵۰۰۰ نمبر تقریرات ہند
پہ صیف فوجداری تائش کفری منظور ہے، خدا میں نے اپنی طرف سے عزیز الدین وکیل سرشت کو واسطے گزارنے عرضی
اور پیروی کرنے مقدمے کے وکیل کیا۔ وکیل مذکور جو کچھ سوال و جواب پیروی مقدمہ ہذا میں کرے جملہ سائنس پر دانستہ
اس کا مثل ذات خاص اپنی کے قبول و منظور ہے اس واسطے یہ مختار نامہ لکھ دیا گیا۔ فقط

گواہ شد
درجی پر شلو

گواہ شد
محمد اسد اللہ خان

گواہ شد
مفتی وزیر علی

المرقم چہار دہم (3) دسمبر ۱۸۹۷ء

آج دیکل نے کتاب پیش کی تھم ہے کہ یہ کاغذات ہندو سوسوار کے پیش ہوں۔ اور دیکل مدعی انگریزی میں ترجمہ ان الفاظ کا بعد اس عبارت کے جہاں یہ الفاظ واقع ہوئے ہیں کراگر پیش کرے اور مقدمہ درج رجسٹر کیا جائے۔

۳ دسمبر ۱۸۹۷ء

دحلا حاکم

تھم یہ ہے۔

تھام نامہ تصدیق کیا جائے اور دیکل پہلے کتاب پیش کرے

۵ دسمبر ۱۸۹۷ء

جناب عالی

جو حال عزت و اقدار میرے منوکل کا گورنمنٹ میں ہے اس کی تصریح وقا تر سرکاری اور کہ خطوط اور چٹیاں حکام "خصوص ٹیکرہری گورنمنٹ پنجاب و قلاب گورنر جرنیل ہمارے کشور ہند سے پہ ٹولی ہو سکتی ہے۔ مسی امین الدین ساکن دہلی" حال مدرس بیالہ کے ایک کتاب "قاطع القاطع" (۱)..... برہان معنف منوکل تصنیف کی "اس میں ایسے الفاظ ناٹاشائستہ بلکہ دشنام مغلطہ نسبت منوکل تھم کئے ہیں اور اس کتاب کو چھپا کر شتہر کیا ہے کہ جس سے ایک نامی کو نقصان پہنچنے کا باعث ہوا اور ازالہ حیثیت کہ جس کی تعریف دفعہ ۲۹۹ تعویرات ہند میں درج ہے وقرب میں گوے پس دعا علیہ مرتکب اس جرم کا ہوا جس کی سزا تعویرات ہند کے ۵۰۰ اور ۵۰۱ میں قرار پائی ہے۔ لہذا امیدوار ہوں کہ بعد تحقیقات معروفہ "فدوی کے دعا علیہ کو سزا مندرجہ وفیات مذکورہ فرمائی جاوے کہ آئندہ عزت داران سرکار کالی منزل حیثیت کا نہ ہووے۔ زیادہ حد ادب۔

تفصیل ان الفاظ مندرجہ و شتہو کتاب کہ جس سے ازالہ حیثیت کا ہوا وہ مع نمبر صفحہ :

الفاظ مزملہ حیثیت

نمبر صفحہ

ہایں بے چارہ چہ حرکت ناگہانی کردہ است

۳

پیش حاکم وقت رفتہ دغم نمائی طویش دانایہ

۳

ایں خر بھینں لہو زہیں رابر پشت طو نمادہ است

۲۳

بہ دشنام پروازم

۲۳

میان خون حیض غوطہ خورد

۲۸

کمال اکبر آبادی دریں جا حشر بہ کار ہند

۳۳'۷۷

کلی دگرہنی ہار ایرائے اوشیا و تھند

۳۳'۷۸

۵۱	صلہ چاند کشاوتہ جنوں نعل فرود گردد
۶۱	ایں طغی
۲۳۲۰	از خراب اکبر آباد یوسے بہ دلی رسید است
۷۰	معترض از ہی علم صد سے دیدہ است
۳۱	

ظاہر اس کے اور بہت جگہ ایسے الفاظ ہیں ' ملاحظہ کتاب سے واضح رہے عالی ہوں گے

عرضے

کترین عزیز الدین وکیل اسد اللہ خان بخش دار سرکاری عرف مرزا قوش معروضہ ۵۵ دسمبر ۱۸۶۷ء
یہ ممکن نہیں۔ ۲۳ جنوری ۱۸۶۸ء

دعوت

صاحب والا مناقب عالی شان سرچشمہ ' لطف و احسان فری کشنر بہادر دلی دار شوکو

بعد تقسیم و حکیم و افسار آرزوئی بمواصلت کثیر الافادت اتماس یہ ہے کہ تجلینا " تیسرا صینہ ہے کہ میں نے یہ
وکالت بخشی عزیز الدین صاحب کے عدالت فوج داری میں ازالہ حیثیت پیش کیا " وکالت نامہ تصدیق ہو گیا اور میرا خط
دکیل کے حضور میں گزرا " اور آپ نے وہ مقدمہ تجویز کے واسطے صاحب والا قدر اسٹاکٹن صاحب بہادر کے سپرد کیا۔
میری خواہش تو اس میں تھی کہ وہ مقدمہ آپ تجویز کرے۔ آپ بہ صد گو نہ بجزو داری استدعا کرتا ہوں کہ کفالت
مقدمہ وہاں سے منگائے جائیں اور حضور کے سامنے پیش کئے جائیں تاکہ امین الدین دعا علیہ کی طبعی کا حکم چٹالہ کو
جائے اور بعد اس کے حاضر ہونے کے یہ مواجر اس کی اور میرے وکیل کے مقدمہ تجویز ہو کر میری داری ہو اور
دعا علیہ کو سزائے سخت ملے۔ تاکہ پھر کوئی چھوٹا آدمی بڑے آدمی کو ایسے کلمت قتل و تاسر نہ لکھے۔ یقین ہے کہ
آپ اس اپنے بھعدار قدیم کی عرض قبول کر لیں گے۔ اور بہ ذات خود میری داری فرمائیں گے۔ فقط

راقم اسد اللہ خان غالب

۲۳ جنوری ۱۸۶۸ء

ہو کہ ہماری تہذیب اس ضلع سے ہو گی

حکم ہوتا ہے کہ

میرے بعد بہ حضور صاحب فری کشنر بہادر پیش ہوں گے

تجربہ ۳۰ جنوری ۱۸۶۸ء

دعوت

از پیش گاہ مسٹر اورین صاحب بہادر
تکم ہو اگ

۵ فروری ۱۸۶۸ء
عرض مولوی امین الدین دعا علیہ کی سچ مقدمہ ازالہ حیثیت عینی مرزا اسد اللہ خان غالب مدنی کے معروضہ
تاریخ ۱۸ فروری ۱۸۶۸ء
(اس کی نقل کی چٹواں ضرورت نہ تھی اس واسطے نہیں کی گئی)
اطلاع نامہ مولوی امین الدین (اس کی نقل نہیں کی گئی)

انحصار وکیل مدنی

نام میرا عزیز الدین وکیل مرزا اسد اللہ خان عرف مرزا نوشہ
"قاطع القاطع" میں امین الدین نے صفحہ ۳ میں لکھا ہے کہ "صاحب بہان بایں پچاہہ چہ حرکت ناکند فی کردہ
است" بار دیگر صفحہ مذکور میں ہے "پیشی حاکم وقت رندہ دھم لٹائی طویش دانایہ" "سیا فریادش کارگر گئیہ" صفحہ ۲۳ کی سطر
۳ میں ہے "ایں فریسی نہ زین را بر پشت خود فداہ است" صفحہ ۲۸ میں ہے "میان خون جہیل غوطہ خورد" صفحہ ۳۲
کی سطر ۱۷ میں لکھا ہے "کمال اکبر آبادی دریں جا نسوا پایہ کار بدوہ" صفحہ مذکور کی سطر ۱۸ میں لکھا ہے "سلی د کرد
نی پارا برائے اونچاد رند" صفحہ ۵۹ میں لکھا ہے "فصد پایہ کشلو باہولش فرد کردہ" صفحہ ۷ کی سطر ۱۸ میں لکھا ہے "ایں
قبلی" (۵)۔ صفحہ ۶۱ کی سطر ۱۱ میں لکھا ہے "گز خراب اکبر آباد ہوسے پہ دلی رسیدہ است" صفحہ ۷۰ کی سطر ۱۳ میں
لکھا ہے "مسخرض ازین عضو صدستے دیدہ است" علاوہ اس کے جو جو کچھ لکھا ہے ذیل میں گزارش ہے۔

خلاصہ

صفحہ	صفحہ	مطرح
۳۷	۱۷	اگر ایں چہیں قسمت را حاکم منصف می دیدہ' بنی چہ گویم گوشش می بریدہ۔
۳۹	۱۵	بہداشت خواہد ہمیں ازار است ہر کس را نشان می دیدہ
۴۲	۱۸	مسخرض عالیہ را چہ اگر رفتہ ہنگر برائے ترکیب بان خودش گرفتہ باشند
۴۳	۲	مستن غرس را یاد کردہ است در قص ہونزدہ را بہ اعتبار آوردہ است
۱۷۲	۲۰	گوش و بینی چہ گویم دست خواہد بردیدہ و زبان پہ لٹکا خواہد کشیدہ
۳۸	۲۱	گوش اواز ہا گوش بر کند یا پہ سوراخش کھلے زندہ

ان الفاظ سے اور عبارت ازالہ حیثیت عینی میرے موکل کا ہے۔ میرے موکل کے بزرگ باشندے اکبر آباد
کے تھے۔ فرست گواہان کل داخل کون ہو گئے۔

یہ انحصار ہمارے اہتمام سامع میں پہ دعوت حکم ایں جانب تھے ہو کر مقرر کو پہ زبان اردو جس کو وہ سمجھتا ہے
پڑھ کر سنایا گیا۔ اقرار کیا' سچ ہے' دعا علیہ نے سوال نہیں کیا۔

حکم ہے کہ مدی فرست گواہان داخل کرے۔ سوائے "کالمع القاطع" کے باقی کتابیں واپس ہوں۔ چنانچہ واپس ہوئیں۔

۳۰ فروری ۱۸۶۸ء

جناب عالی

چونکہ فدوی کو نقل الفاظ اپنے گزرائیدہ مدی واسطے گزارنے مننے کے مطلوب ہیں، لہذا بذریعہ گزارش و درخواست ہذا امیدوار نقل جملہ الفاظ اپنے گزرائیدہ مدی فدوی کو عطا ہو جائیں۔ فقط

مولوی امین الدین

حقار نامہ از جانب مولوی امین الدین اسی وجہ سے وکیل (نقل نہیں کئے گئے)
فرست گواہان مولوی امین الدین مدرس پٹوالہ

۱	۲	۳
مولوی نبیاء الدین صاحب	مولوی سعید الدین خان صاحب	حکیم شمس اللہ خان صاحب
پروفیسر محلی مدرسہ سرکاری	استاد میو (۶) صاحب نیکریٹری اعظم	
۴	۵	۶
محمد سعید الدین خان صاحب	مولوی ابراہیم صاحب	مولوی محمد حسین صاحب
عرف عبدالحکیم صاحب		
۷		
مولانا قمر الدین صاحب		

فرست گواہان مرزا اسد اللہ خان غالب

۱	۲
مولوی قسطنطین معاونت علی خان صاحب	بامشیراے لال صاحب
مدرس کالج دہلی	نیکریٹری
۳	۴
مولوی نصیر الدین صاحب مدرس	مولوی لطیف حسین صاحب
مدرسہ دہلی	مدرس
۵	
فشی حکیم چند صاحب مدرس	

کالج دہلی

اطلاع نامہ با سبھی (۶) گواہان طریقین کہ جن کی نقل نہیں کی گئی۔

نام میرا امین الدین ولد مولوی زین الدین قوم شیخ ساکن بنیالہ عمر ۵۵ برس پیشہ مدرس
جان ہے کہ

میں نے ایسا نہیں لکھا کہ جس میں ازالہ حیثیت عینی مدعی کا ہو۔ یہ کتاب "طالع القاطع" تصنیف میری ضرور

ہے۔

سوال : فرد قرار داد جرم تم کو طعنے جاتے ہیں تم مرکب جراء قرار دادہ کے ہوئے یا نہیں؟ تیار کیا جواب ہے؟
کیونکر صفائی کر کے؟

جواب : فرد جرم میں نے سنی۔ جواب یہ ہے کہ اس کتاب میں تین قول ہیں ایک تو محمد حسین "بہان قاطع" دوسرا
مرزا اسد اللہ خاں مصنف قاطع بہان تیسرا قول میرا "طالع بہان" میں رد کیا ہے۔ "بہان قاطع" کو اور میں نے تردید
کرتی ہے۔ "طالع بہان" کی "صفحہ ۳۳ میں جو لکھا ہے برائے مثل ہے "سوائے معنی تحت لفظی کے اور کچھ معنی میں نے
نہیں خیال کئے "مطلوبہ صفائی" مراد وہی درج سے ہے۔ اور دیگر شامروں نے بھی یہی معنی لئے ہیں بہت شعر ہیں جن میں
الفاظ رقم لکھائی کو والا ہے "اور معنی اس کے درج دیا لئے ہیں "سواب یاد سے شعر پیش کر دوں گا۔

صفحہ ۳۳ میں جو لکھا ہے "غریبی۔۔۔" خر کے معنی نادان کے ہیں لفظ بھیجی صرف یہ طور مرکب کے ڈالا گیا
ہے۔ یہ عبارت جو درج ہے کہ "ہدشام پروازم" معنی یہ ہیں کہ ساتھ گلی کے مشغول ہوتے ہیں مگر آگے جو اس کے
عبارت ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ میں نے درج کیا ہے کہ زبان الکی خراب کر لی ہے۔

صفحہ ۳۸ میں لکھا ہے کہ "میان فون چیض فوط خود" اس کے معنی یہ ہیں کہ کیوں گز مار ہوتے ہو "اور
کہ..... (8) دیتے ہیں "یہ الفاظ کچھ تحت مثل ہے۔ "فون چیض کا لفظ عینی اور (7)..... (نے) لکھا ہے "اور یہ بھی
معنی دیتا ہے کہ کیوں گز مار ہوتے ہو۔

صفحہ ۳۶ میں جو درج ہے "لکال اکبر کھادی" کمال سینے سے لئے ہیں۔ دوسری جگہ لکھا ہے "کلی دگر دنی
بارا برائے او بنیاد نند" (8) اوہ کی عبارت سے اسے شامل کیا جانے "تو معنی اس کے یہ ہوتے ہیں کہ شریک طوفی کے
ہوئے۔

صفحہ ۵۵ میں لکھا ہے "نصد ہایہ کشو تا جنوفش فرد گرد" یہ الفاظ ایسے مقام پر آتے ہیں کہ جب کوئی اعتراض ہے
یا کرتا ہے تو کہا جاتا ہے سینے اس کے تحت لفظی ہیں۔

صفحہ ۶۰ میں جو لکھا ہے "مبلی اس کے سینے بھی یہی ہیں یعنی برہمنی مزاج
صفحہ ۶۱ میں ہے "از خراب اکبر کاہوے بہ دلی رسیدہ است بوم کے معنی مدعی نے بھی اپنے قول میں جو اوہ
درج ہیں زمین کے لئے ہیں "یعنی لکھا ہے "کاش از بوم دکنی دگر بہ رخزد چنانچہ میں نے بھی معنی زمین کے لئے ہیں
معنی اس کے یہ ہوتے ہیں کہ زمین اکبر آباد سے ایک فٹس آئے ہیں۔

سوال مدنی : ”غراب“ کا معنی الہ کون ہے؟ غراب اکبر آبادیوم ہے اور ”سی“ یوم کی واسطے قسمیں کلام کے ہے۔
نقطہ

صفحہ ۷۷ میں جو لکھا ہے ”مضو“ میں نے اس کے سینے ”غرائون“ کے لئے ہیں انہوں نے اپنے کلام میں جو اور درج ہے ”مضو“ کے معنی اگر تامل کے لئے ہیں میری مراد یہ ہے کہ مدنی نے لفظ ”مضو“ سے صدمہ اٹھایا، درج دیکھا ہے ”زیریں“ کی ضمیر قریب پر آتی ہے، بعید پر نہیں جاتی۔

صفحہ ۷۷ میں لکھا ہے ”یعنی چہ گویم کو شش کی برید“ اور یہی عبارت سے ملا کہ اس کے معنی ہوتی ہیں اگر حاکم اس قسمت کو دیکھتا سزا دیتا۔

صفحہ ۷۸ میں لکھا ہے ”بہداشت خواجہ ہمیں ازادات ہر کس را نشان ی دیو“ یہ لفظ ”زار“ مدنی کے قول میں درج ہے مگر سینے اس کے چادر کے ہیں اور یہی میں نے لئے ہیں

صفحہ ۷۸ میں لکھا ہے لفظ ”غایہ“ اس کے سینے بیض مرغ کے ہیں، میری مراد یہ ہے کہ معترض نے اس ہی لفظ ”غایہ“ کو بے سینے ضمیمہ کہیں لیا، مگر نام واسطے غوروش کے بے معنی بیض مرغ لیا ہو۔

صفحہ ۷۸ میں لکھا ہے ”ہستی خرمل ریا د کردہ است و رقص ہوز نہ را بہ اعمار آوردہ“ اس کے معنی تحت لفظی ہیں ”مطلب یہ ہے کہ معترض کی ایسی باتیں یاد کریں ہیں کہ ہستی فرس و رقص ہوز نہ ”بیکار ہیں یا کربا ہوں۔“

صفحہ ۷۸ میں ”کوش و بچی چہ گویم دست خواہد بود و زبان بہ لقا خواہ کشید اس کے سینے تحت لفظی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ معترض نے چوری الفاظ کرے ہیں اس کی سزا ملنی چاہئے۔

میں نے یہ کتاب صرف بے بحث علمی چھپوائی ہے، گوکہ میرے محدود ہیں۔

یہ غراب میرے سواج میں قلم بند کیا گیا، اس میں تمام بیان شخص با خود مشتاد ہی صحیح و درست مندرج ہے۔

اعتماد گواہ مدنی باقرار صلح بہ اجلاس مسٹر اورین صاحب بہادر مرقوم ۲ مارچ ۱۸۶۸ء

ہام میرا پیارے لال ہے ولد رام فرائی بیٹا ماسٹر اسکول قوم کھتری ساکن دوریہ عمر ۳۰ برس کی پیشہ ماسٹر۔ بیان یہ ہے کہ صفحہ ۳ ”طالع الطالع“ کی عبارت ”جس پر نشان سرخی کا ہے۔ میں نے پڑھی سینے حرکت ناکہنی کے ہیں“ ”غلام ضریح پار کشیدہ“ اس مقام پر وہ سینے کئے جاتے ہیں جب بحالت حماقت ضرب لگتی ہے۔ زخم نمائی کے لغوی سینے ہیں ”پہ شیدہ زخم“ مگر یہاں اس زخم سے مراد کہ جو فعل بد سے عاکہ ہوئے جو شخص پڑا سکتے ہیں وہ اس سے بیک مراد رکھیں گے۔

سوال از طرف دعا علیہ : آپ مرزا نوشہ کے شاگرد ہیں؟

غراب : میں شاگرد نہیں ہوں۔

سوال دوسرا : آپ فارسی کما حقہ جانتے ہیں؟

غراب : عربی میں نہیں جانتا، اور فارسی بھی اچھا نہیں جانتا، جس قدر جانتا ہوں سینے بیان کر رہا ہے۔

سوال تیسرا : مئی نے ترجمہ ان الفاظ کا انگریزی میں آپ سے کرایا تھا؟
جواب : ہاں مجھ سے کرایا تھا۔

صفحہ ۲۳ سطر ۱۵ میں لکھا ہے "فرہیسی" اس کے معنی عیسیٰ کا گودا مگر یہاں مراد صرف گودے سے۔ عیسیٰ کے لفظ سے کچھ حاصل نہیں۔ لکھا ہے "بدشام پروازم" یعنی میں گامیاں دیتا ہوں۔
صفحہ ۲۸ سطر ۱۹ میں لکھا ہے "ہمیان خون جیض غوطہ خور" اس کے معنی یہ ہیں کہ خون جیض میں غوطہ کھایا اور لفظ نسبت مخالف کے ہیں۔

سوال دعا علیہ : آپ مضاف مضاف الیہ کو جانتے ہیں؟

جواب : جانتا ہوں۔

صفحہ ۳۲ کی سطر ۱۸-۱۹ میں لکھا ہے "کمال اکبر آبادی" یعنی اکبر آباد کا کمال سوائے اس کے اور کچھ معنی پیدا نہیں ہوتے "رقص میوں" بندر کا ناچ "شتر فزا" بے معنی بد کاری۔

سوال دعا علیہ : کمال بالفتح لفظ ہندی ہے اور یہ کتاب فارسی ہے "لفظ ہندی فارسی میں آتا ہے؟

جواب : دو طرح لفظ پڑھتے ہیں آتا ہے "کمال و کمال" کمال کے معنی شراب کشی اور کمال کے معنی کسار۔
صفحہ ۳۳ میں لکھا ہے "دوست راہ سلی دل راہ شام ہاد کشاید" یعنی ہاتھ کو تھپڑ کے ساتھ اور لب کو گالی کے ساتھ کھولا۔

صفحہ ۵۵ میں لکھا ہے "فصد باہ کشاید باہنوش فرگرد" "فصد کے معنی ہیں شتر سے خون نکالنا "باہنوش فرگرد" یعنی جنون اس کا جانا ہے۔

صفحہ ۵۶ میں لکھا ہے "ہیلی" معنی اس کے جنونی ہیں۔

سوال دعا علیہ : دوسرے معنی آپ جانتے ہیں۔

جواب : میں نہیں جانتا۔

صفحہ ۶۶ میں لکھا ہے "آرے از خراب اکبر آبادی" بے دلی رسیدہ" معنی اس کے یہ ہیں کہ اجاڑ اکبر آباد سے ایک اور دلی میں پہنچا سوائے اس کے اور کچھ معنی میرے نزدیک نہیں ہیں۔

صفحہ ۷۷ میں لکھا ہے "عضو" لغوی معنی اس کے ہیں جسم کا کوئی حصہ مگر یہاں مراد عضو حاصل ہے "پدیں مراد کہ معترض نے اس عضو سے مددے اٹھائے ہیں" اور یہ بیان مصنف کا سمجھتا ہوں۔

صفحہ ۷۷ میں لکھا ہے "بچی گرچہ گویم گوشش ی برد" معنی یہ ہیں کہ تاک کو کیا کسوں کان اکھاڑے۔
"گوشش" کی خمیرہ طرف معترض ہے۔

صفحہ ۸۱ میں لکھا ہے "ہذات خواہد ہمیں از راست برکس را نشان ی بد" اس کے معنی میں نہیں سمجھتا۔
صفحہ ۸۲ میں لکھا ہے "ظاہر راچہ اگرقت" اس مقام پر "ظاہر کے معنی عضو حاصل کے ہیں؟ اگرچہ معنی اس کے بعد مرع بھی ہیں۔

صفحہ ۳۸ میں جو لفظ 'مخ' (90) سوراخ کا لکھا ہے اس سے مراد مقعد ہے۔

صفحہ ۱۶۴ میں لکھا ہے "ہستہ خرس را یاد کردہ است در قصہ یزدنہ را بہ اقلہار آوردہ" یعنی یہ ہیں کہ خرس کے گونے کو یاد کیا ہے۔ اور یزدن کے ناپنے کو ظاہر کیا ہے۔

یہ اقلہار ہمارے اہتمام سمیت میں بہ رعایت حکم امیں جانب تخریج ہو کر منظر کو بہ نہاں اور وحشی کو دیکھتا ہے ' پڑھ کر حائل کیا ' اقرا د کیا صحیح ہے۔ دعا علیہ کے سوال کا جواب لکھا گیا۔

اقلہار گواہ دہی بہ اقرا د صلح بہ اجلاس مسطور بریں صاحب بہادر مرحوم ۲ مارچ ۱۸۶۸ء

نام میرا لطیف حسین ولد حکیم محمد حسین خاں "شیخ" مدرس عربی فارسی 'ساکن کوئٹہ حکیم جواد علیہ عمر ۳۵ برس کی۔ جان یہ ہے

صفحہ ۳۰ میں لکھا "مکلف" نام کوئی "ناشائستہ کے سینے میں غلاف وضع نظری" ہو کوئی پڑے یہ سینے لے گا۔ سوال دعا علیہ : ان الفاظ کے سینے اور بھی ہو سکتے ہیں؟

جواب تحت لفظی سینے اور بھی ہو سکتے ہیں مگر اس مقام پر یہی سینے ہیں۔

صفحہ ۳۰ "وہم فانی" کے معنی اس مقام پر "اندام فانی" کے ہیں اور ضرب سے وہی مراد ہے جو اس کام سے ضرب ہوتی ہے۔

صفحہ ۳۳ میں لکھا ہے "خرمینی" اس کے معنی گودھا ہے "بے وقوف" یعنی کالفاظ کہہ سینے نہیں دیتا اس سطر میں لکھا ہے "بدشام پروازم" سینے اس کے یہ ہیں کہ گالیاں دوں۔

صفحہ ۲۸ میں لکھا ہے "میان خون میض غوطہ خورد" خون میض وہ جو غورتوں کو باہری آتا ہے 'نپاک ہے کلل نہیں ہے۔ کلر سخت ہے اور کچھ معنی نہیں ہو سکتے۔

صفحہ ۳۸ میں لکھا ہے "بہ سوراخش بختہ زند" اس مقام پر سوراخ کے سینے مقعد کے ہیں۔ لفظی سینے چمید کے ہیں "سوراخش" کے شہین کی ضمیر بہ طرف گوش کے ہو سکتی ہے۔ مگر اس مقام پر میری دانست میں سینے مقعد کے ہیں۔

صفحہ ۳۲ میں لکھا ہے "مکال اکبر آبادی" اگر ضم سے پڑھا جاوے تو "کھارو اور اگر مخ سے پڑھا جاوے تو سینے سے فروش" وہ سری جگہ لکھا ہے "سلی و گردنی ہار ابرائے انویمانند" سینے یہ ہیں 'ہاتھوں سے گردن مارنا۔

صفحہ ۳۳ میں لکھا ہے "ہوست را بہ سلی و لب را بہ دشنام باز کشاید"

سینے وہ ہیں کہ جو لفظی ہیں اور کچھ سینے نہیں ہوتے۔

صفحہ ۵۵ میں لکھا ہے کہ "فصد باید کشاد تا بتولش فرو گرد" یعنی فصد کھولنا چاہے تو جنوں اس کا جانا رہے۔

صفحہ ۶۰ میں لکھا ہے "نبی" اس کے معنی یہ ہیں کہ "راہ اند"

صفحہ ۷۰ میں لکھا "معرض اوس عضو مدحے دید" "عضو" سے مراد عضو تاجمل ہے۔

۳۷ میں لکھا ہے کہ ”جینی چہ گویش ی برید“ ”گویش“ کی ضمیر بہ طرف معترض ہے۔

صفحہ ۳۸ میں لکھا ہے ”ہناعت خواجہ ہمیں ازاراست ہرکس رانٹان فی دہ“ ”مئے“ یہ ہیں کہ یہی پاجاسہ ہے جو ہر ایک کو دکھاتا ہے۔

سوال دعا علیہ : ازار کے معنی اور بھی ہیں؟

جواب : مجھے معلوم نہیں۔

صفحہ ۳۹ میں لکھا ہے ”غایہ راجہ گرفت“ ”مئے“ لفظی یہ ہیں کہ معترض نے ”غایہ“ کو کیوں لیا اور لفظ کیوں نہیں لیا۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ فیض کو کس واسطے لیا اور عربی میں ”غایہ“ فیض کو بھی کہتے ہیں

صفحہ ۴۰ میں لکھا ہے کہ ”ہستی غریں دایا کردہ است و رقص یوزنہ بہ انکار آوردہ“ ”مئے“ یہ کہ کوہ نے دیکھ کر یاد کیا اور بندر کا طبع ظاہر کیا ہے۔ یعنی دیکھ کی طرح وہ شخص کوہا ہے اور بندر کا بائج کیا ہے۔ ضعیف ”مئے“ یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ کوہا دیکھ اور بندر کا یاد کیا ہے۔

صفحہ ۴۱ میں لکھا ہے ”گویش و جینی چہ گویش دست خواہد برید و زبان بہ قضا خواہد کشید“ ”مئے“ لفظی اور دیکھ ”مئے“ اس کے نہیں ہو سکتے میں ایسی تقریر کو بہت درست سمجھتا ہوں اور ہر ایک شخص کی سمجھ میں آئی ہی تو ہے ”کا“ جیسا میں نے بیان کیا ہے اور کوئی کتاب میں نے نہیں دیکھی جس میں ایسی عبارت درج ہو۔

سوال دعا علیہ : ”قانع بیان“ آپ نے دیکھی؟

جواب : میں نے دیکھی

یہ انکار کوہ کا ہمارے اہتمام سعادت میں آیا۔ مگر کوہ زبان آورد جس کو وہ سمجھتا ہے غلط کیا۔ اقرار کیا ”صحیح“ ہے ”دعا علیہ کے سوال کا جواب لکھا گیا“ لفظ

انکار کوہ دہی :

نام میرزا نصیر الدین ولد محمد علیم الدین قوم سید ساکن کوپہ پندت عمر ۳۳ سال پیشہ روزگار

بیان یہ ہے کہ

میں قاری عربی، فارسی اور انگریزی بہت کم جانتا ہوں صفحہ ۳ میں جو لکھا ہے کہ وہ میں نے اس سے سابق بھی اس عبارت کو دیکھا ہے ”حرکت ناکوئی“ سے یہ مراد ہے کہ جو حرکت نہ کرنے کی ہو ”دخم ثنائی کے وہ معنی ہیں کہ ”دخم“ پیچیدہ مگر اس جگہ مراد اس ”دخم“ سے ہے جو دکھایا نہیں جاتا۔

سوال دعا علیہ : آپ دہی کے شاعر ہیں؟

جواب : میں شاعر نہیں ہوں۔

صفحہ ۴۲ میں لکھا ہے ”یہ شام پردازم“ ”مئے“ اس کے یہ ہیں کہ غالبیوں

صفحہ ۴۸ میں لکھا ہے ”میان طون جیض طوط خود“ ”مئے“ طون جیض کے وہ ہیں کہ جو عورت کو ماہ بہ ماہ اندام

کھائی سے پیدا ہوتا ہے' یہ چیز نہایت نغمس ہے اور ایسا لفظ آج تک استعمال نہیں آیا۔

صفحہ ۳۸ میں لکھا ہے "گوش لواز یا گوش برکنند یا ہ سوراخش چٹکے قرند" سوراخ سے مراد قند ہے اور یہ معنی عام ہر اس عبارت کو پڑھیں گے سمجھیں گے۔

صفحہ ۳۲ "مکال اکبر آبادی" قسم سے مراد کھار سے ہے اور رخ سے مراد شراب کش سے ہوتی ہے۔ اس مقام پر دونوں معنی ہو سکتے ہیں' یہ معنی مرغ بھی آتا ہے مگر اس جگہ معنی مرغ کے نہیں دیتا۔ عربی میں معنی اس کے سستی کے ہیں وہ بھی اس جگہ سونوں نہیں ہوتے اس صط میں "مشر غنہ" لکھا ہے اس کے معنی صرف پھونکی کے ہیں۔

صفحہ ۱۱ میں لکھا ہے "نصہ یاید کشاید تا جنفلش فرو کرد" اس کے معنی یہ ہیں کہ جنون ہو گیا ہے نصہ کھولنی چاہئے۔

صفحہ ۱۱ میں لکھا ہے "از غراب اکبر آبادی" یہ دہلی دہیدہ است "یعنی جنگل اکبر آباد سے ایک الودہلی میں پہنچا ہے۔

صفحہ ۱۱ میں لکھا ہے "معرض ازین عظمہ صدمتے دیدہ است" معنی اس عظمہ کے عظمہ قائل سے مراد ہے' کر لکھتا۔

صفحہ ۱۱ میں لکھا ہے "مگر ایں چمنی قسمت را حاکم منصف ی دید چنی چہ گویم گوشش ی دید" میں ضمیر ضمین کی یہ طرف معرض ہے ضمیر اس شین کی یہ طرف قسمت میں ہو سکتی۔

صفحہ ۱۱ میں لکھا ہے "بہشتت خواہ ہمیں ازاں راست ہر کس را نشان ی دید" معنی اس کے یہ ہیں کہ اس کے پاس یہی بار ہے' اور گائی کا کہنا یہ ہے کہ ہر کسی کو دکھاتا ہے کہ غریب ادبی کرے

اس کے بعد صفحہ ۱۱ میں لکھا ہے "معرض خایہ راجا گرفت" معنی "خایہ" کے خیر اور اندے کو بھی کہتے ہیں' یہاں شاید مراد خیر لے ہیں جو کوئی پڑھے گا وہی اس کے معنی خیر کے جگے جگ

صفحہ ۱۱ میں لکھا ہے "ہستہ فرس را یاد کردہ است در قصہ یوزید را بہ اعمار آوردہ" معنی یہ ہیں کہ دیکھ کے کوئی یاد کیا ہے' اور بندہ کے بچنے کو یاد کیا ہے۔

صفحہ ۱۱ میں لکھا ہے "گوش و سینہی چہ گویم دست خواہ بر ہوز جان چہ قضا خواہ کشید" معنی اس کے یہ ہیں کہ کان اور ناک کو میں کیا کھوں ہاتھ کانٹے گا اور زبان ساتھ گدی کے کہیں گے گا۔

سوال از طرف دیکل دی : یہ الفاظ کس کی طرف بیان کئے گئے ہیں؟
جواب : دیباچہ دیکھ کر جان کرنا ہوں کہ نسبت مرزا اسد اللہ کے ہیں۔

یہ الفاظ لوشو اعمار گواہ ہمارے اہتمام سامت میں یہ دعایت حکم ایں جانب قری ہو کر منظر کو بڑھان اور جس کو وہ کہتا ہے چہ کر ٹایا۔ اقرار کیا' صحیح ہے' دعا علیہ کے سوال کا جواب لکھا گیا۔

جوان یہ ہے کہ

صفحہ ۳۰ میں لکھا ہے "چہ حرکت نامکملی کردہ است" اس کے معنی یہ ہیں کہ جو حرکت کرنے کے لائق نہیں ہے وہ کی ہے یعنی اقدام کیا ہے دوسری جگہ لکھا ہے "زلم نعلی" طویل و اٹھلایہ "زلم نعلی" زلم نعلی جانے مخصوص سے مراد ہے میری رائے میں یہی معنی آتے ہیں "عام لوگوں کو میں نہیں کہہ سکتا ہوں مگر یقیناً ہے یہی معنی بیان کریں گے اور یہ عبارت سابق بھی میں نے دیکھی ہے۔

سوال دعا علیہ : تساری تصنیف پر مرزا نے تصدیق کبھی؟

جواب : ہاں لکھی ہے اور دیگر حکام نے بھی لکھی ہے۔

صفحہ ۳۳ میں لکھا ہے "فرہین" اس جگہ مراد خاص گدھے سے ہے اور دوسری جگہ لکھا ہے "پہ دشنام پردازم"

صفحہ ۲۸ میں لکھا ہے "سیاہ خون جنس فوطہ خورد" اس کے معنی وہی ہیں جو معنی نقلی ہیں۔

صفحہ ۲۸ میں لکھا ہے "یہ سوراخ ملے دند" سوراخ کے معنی اس جگہ عقد کے ہیں۔ شین کی ضمیر بہ طرف معرض ہے "بہ طرف کوش نہیں

صفحہ ۳۲ میں لکھا ہے "کمال اکبر کہدی" اگر لفظ عملی ہو تو یہ معنی سستی اور اگر یہ ضم ہو تو یہ معنی کھار اور اگر یہ فتح ہے تو یہ معنی سے کش دوسری جگہ لکھا ہے "سلی دگردنی دارا برائے او بنیاد نمود" اس کے معنی یہ ہیں کہ تہنہ راری۔

صفحہ ۱۸ میں لکھا ہے "مگر قصد باید کشاد آجنوش فروگد" سوائے نقلی معنی کے اور کچھ معنی نہیں۔

صفحہ ۱۸ میں لکھا ہے "نبلی" اس کے معنی "دعا اند"

صفحہ ۷۰ میں لکھا ہے لفظ "عقد" کا اس حصہ سے مراد آگہ حاصل ہے۔

صفحہ ۳۰ میں لکھا ہے "بنی چہ گویش ی برید" سوائے معنی تحت نقل کے دوسرا مطلب نہیں ہے "کوش" کے شین کی ضمیر بہ طرف معرض ہے۔

صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے "بنداشت طراپہ ہمیں ازار است ہر کس را نشان ی بد آفریداری نہاید" حاصل اس کا یہ ہے کہ اس کے پاس یہ پاجامہ ہے اور ہر ایک کو دکھانا ہے۔

سوال دعا علیہ : ہمیں کی ضمیر کس طرف جاتی ہے اور لفظ زار کس کا لیا ہوا ہے؟

اس سوال کا جواب ضروری نہیں ہے۔

صفحہ ۳۲ میں لفظ "غایہ" کا لکھا ہے اس کے معنی خضیہ ہیں۔

صفحہ ۱۳۸ میں لکھا ہے "ہستی خوس رایاد کردہ است و رقص یوزند بہ اعشار آوردہ" سوائے نقلی معنی کے اور کچھ بات پیدا نہیں ہو سکتی ہے۔

صفحہ ۱۳۸ میں لکھا ہے "کوش و بنی چراگویم دست خواہ بدید و زبان بہ قضا طراپہ کشید" معنی اس کے تحت نقلی

کے اور کچھ پتے انہیں ہوتے ہیں۔

یہ اعتبار گواہ کا ہمارے اہتمام سمیت میں یہ رعایت تھم میں چاہت تھیں جو کہ منظر کو بہ زبان اردو جس کو وہ سمجھتا ہے، پڑھ کر چٹا کیا اقرار کیا گچ ہے۔ دعا علیہ کے سوال کا جواب لکھا گیا۔
اعتبار گواہ دعا علیہ یہ اقرار صالح بہ اجلاس مسٹر اورین صاحب ہمارے۔ ۳ مارچ ۱۸۶۸ء
نام میرا خیاء الدین ولد محمد بخش ساکن دہلی، پروفیسر عربی، دہلی کالج
جان یہ ہے کہ

میں نے سابق اس کتب کو دیکھا ہے۔ صفحہ ۳ میں جو عبارت لکھی ہے وہ ”ہرکت نامزدنی“ بہ ہر الفاظ کو خاص حرکت پر خصوصیت نہیں دیکھی اس کے معنی وہ ہیں جو حرکت لائق کرنے کے نہ ہو، لفظ ”ضررت نا“ جو لکھا ہے اس کے معنی مارنے کے ہیں، خصوصیت کسی دوسرے معنی پر نہیں رکھتے۔

دلم لسانی کے معنی یہ ہیں، ”نظم اندوزنی“ یا صدمہ دل استعمال سے اس کے لوطیان میں چاہے جو کچھ لے لے، طرز عبارت سے جو کوئی دیکھے گا وہ معنی اس لفظ کے اور معنی کے خیال نہیں کر سکتا ہے۔ یہ عبارت نہ قش ہے نہ نامزد گوی ہے۔ ”نظم موصوف“ اور ”نظم“ اس کی صلت ہے۔ لسان کے معنی کسی نے مقدمہ کے نہیں لئے۔

صفحہ ۲۳ میں لکھا ہے ”خریمینی“ ”خر“ کے معنی بے وقوف ہیں اور لفظ ”یمینی“ سے عظمت اور بزرگی ہوتی ہے۔ جیسے کہ فریزر (۱۵) صاحب کشف دہلی یہاں مارے گئے ہیں ان کی تاریخ ولادت میں ایک قطعہ یہ ہے۔

چوں فریزر کشف دہلی گفت متعل از قنک بلا

از قنک چار میں نرا آمد خریمینی نمود داوٹا (۱۶)

”خریمینی“ ایسا ہے جیسا کلب حسین اور کلب علی ”چنانچہ دلی رام پور کا نام کلب علی خاں ہے“ معنی کتب علی کے۔

سوال دیکل مدی : اس عبارت سے کیا مراد ہے؟

جواب : میرے نزدیک کوئی امر تنقید کا نہیں ہے۔

صفحہ ۲۸ میں جو لکھا ہے کہ ”میان خون حیض غوطہ خورد“ یہ صنعت ایسا ہے کہ لفظ حقیقی معنی کے کسی طرح خدمت نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کام نہایت بے وقوفی سے کرنا اور وہ کام جو نہیں کرنا ہے معنی خون حیض کا چنا نہایت بے وقوفی سے۔ دوسرے معنی یہ کہ خون حیض کو بہ لفظ رنگ ناپاک مشابہت شراب سے ہے گویا کثرت شراب۔

سوال دیکل مدی : اگر آپ کتب کو دیکھیں تو کیا کہیں گے؟

جواب : لطیف عبارت اس واسطے ہم نہیں کے مگر تنقید کسی طرح کی اس میں نہیں ہے۔ معنی کا قول ہے راج

خون حیض دختر زوشد از لب بائے من

خون حیض عورتوں کو آیا کرتا ہے۔ اگر موی نسبت کہا جاوے تو معنی بے وقوفی میں جیسا کہ حیض الرجال موی کل

نہیں ہے۔ فیض کے واسطے اس کے سینے میں عیب اور بدگونی کے ہیں۔

صفحہ ۳۸ میں لکھا ہے کہ "گوش اواز نیا گوش برکتہ" یا "سوراضل جگہ زندہ" سوراضل کی شین کی ضمیر پر موجب جگہ کے قریب کی طرف ہوتی ہے یعنی بہ طرف کان۔ مطلب یہ ہے کہ کان کھولے جاویں مگر صرف لواطت والے اور سینے بھی سمجھ سکتے ہیں۔

صفحہ ۳۲ میں لکھا ہے "کمال اکبر آبادی" یہ سینے سے فروغی مگر اس فیض کے واسطے جو دائم الخمر ہو عیب نہیں ہے بلکہ مرزا فروغ کا شکر تخلص (۱۲) سے کش ہے جو شراب نہ پئے اس کے نزدیک عیب ہے۔ مگر مدعی دائم الخمر ہے اس واسطے اس کی نسبت کچھ تنقید نہیں ہے۔ دوسری جگہ لکھتا ہے "سیلی و گرونی ہارے اوغیاہ نمند" یعنی نہیں ان کے اور اور اصل یہ ہی ہے۔

صفحہ ۱۵۱ میں لکھا ہے کہ "فصد بایہ کشاد" یہ بخارہ روز مو کا ہے کچھ تخی کام نہیں ہے۔

صفحہ ۶ میں ہے "مبلی" (۱۳) لغوی معنی اس کے یہ ہیں لا پلندہ۔

صفحہ ۶۶ میں لکھا ہے "۳۲ خراب اکبر آبادی سے بہ دلی رسیدہ است" یہ صنعت ایہام ہے مگر اس جگہ معنی زمین کے ہی اچھی طرح ہو سکتے ہیں۔

صفحہ ۷۰ میں لکھا ہے لفظ "ازری عضو" اس ازری عضو کی ضمیر بہ طرف قریب بھرتی ہے عضو عاں کی طرف مگر کوئی کافی نہیں ہے۔

صفحہ ۶۷ میں جو لکھا ہے اس کے سینے یہ ہیں کہ خوب اس کو سزا دینا۔

صفحہ ۶۶ میں لکھا ہے لفظ "زار" اس کے سینے میں چادر کے ہیں مگر ہندی میں پاہاے کو کہتے ہیں یہ کتاب فارسی اگر دیکھا جائے تو بہ معنی چادر بھی سمجھا جائے گا۔

صفحہ ۶۲ میں لفظ "خانیہ" کا لکھا ہے یہ بھی صنعت ایہام ہے مگر اس مقام پر سینے بیڑہ مرغ کے ہیں۔

صفحہ ۶۳ میں جو لکھا ہے اس کے سینے یہ ہیں اور ایسے مقام پر یہ عبارت نکلی جاتی ہے کہ جو حرکت ہے جا غلوہ میں آئی ہو جیسا کہ دقت۔

صفحہ ۶۴ میں جو عبارت نکلی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ حاکم خوب سزا دے گا۔

عبارت متنازعہ کو ہم لطافت اور خوبی جان کرتے ہیں اور ایسی تحریریں دشنام یا جگ نہیں سمجھتے۔

یہ اہتمام گوانہ کا اتارے اہتمام ہامت میں بہ رعایت حکم ایسی جانب قرار ہو کر منظر کو بہ زبان اردو جس کو وہ سمجھتا ہے "بڑھ کر سٹلا گیا۔ اقرار کیا" صحیح ہے۔ مدعا علیہ نے سوال نہیں کیا۔ لفظ

اھتمام گوانہ مدعا علیہ بہ اقرار صالح بہ اہلاس مسٹر اورین صاحب پبلشر واقع ۱۳ مارچ ۱۸۶۸ء

نام مدعیہ الدین والد کا نام رشید الدین قوم شیخ سداکن گل امام عمر خٹیبہ ۶۰ برس کی

دیان ہے کہ

میں نے ان دونوں میں اس کتاب کو دیکھا ہے صفحہ ۳۳ میں لکھا ہے کہ "موتک نامرونی کہہ است" اس کے معنی

یہ ہیں کہ "حرکت" بہ معنی ہلنا اور "ناکرنی" بہ معنی بے جا سوائے اس کے اور کچھ نہیں میرے خیال میں نہیں آتے لفظ "زخم نمانی" کے سینے زخم پر شیعہ ہیں، یعنی زخم اندرونی، اگر یہ جیل لیلہ کوئی اور سینے ہوں تو مجھ کو معلوم نہیں "ضرورت ہائیکہ" کے معنی ہیں کہ کچھ مارا گیا ہے۔

صفحہ ۲۳ میں لکھا ہے کہ "فریسی" اس کے معنی بے وقوف کے ہیں۔

صفحہ ۲۸ میں لکھا ہے کہ "میان طون جیل غوطہ طورہ" اس کے معنی یہ ہیں کہ جیسے کہ دو سرا فریق لکھتا ہے کہ میں پھنس گیا، مصنف اس کا لکھتا ہے کہ ٹپاک چیز میں پھنس گیا۔

سوال از طرف مدعا علیہ : جیل الزہل کے معنی کیا ہیں؟

جواب : ہر کوئی کے

صفحہ ۲۸ میں لکھا ہے کہ "گوش اواز کا گوش برکتہ یا بہ سوراضی نئے دند" سوراضی کے شین کی ضمیر بہ طرف گوش ہے، معنی اس کے تحت لفظی ہیں۔

سوال وکیل مدعی : اگر سوراضی کے شین کی ضمیر بہ طرف گوش ہو تو بھی ایسے الفاظ خلت ہوتے ہیں یا نہیں؟

جواب : کچھ خلت الفاظ نہیں ہیں۔

صفحہ ۳۳ میں لکھا ہے "کمال اکبر آبادی" اردو میں کمال سے فردش کو کہتے ہیں، مگر یہ کتاب فارسی میں ہے، اس واسطے بہ سینے سے نوش در رقص میونی و شتر فزہ" کے سینے سے وہ کام ہے۔

سوال وکیل مدعی : تحت لفظی معنی کیا ہیں؟

جواب : صاف ہیں۔

صفحہ ۶۸ میں لکھا ہے کہ "موتش بست بہ لائے شراب اندازہ" (۱۸) کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معنی شراب کے نہیں ہیں اگر پیدا کسے ہوں تو معترض کے ہاتھ پاندہ کر بہ شراب الیں

صفحہ ۷۰ میں "معترض ازین عضو صد سے دیدہ است" سینے یہ ہیں کہ مصنف "قاطع بران" یعنی اس جگہ سینے عضو کے عضو کامل لکھا ہے، اور جگہ اس عضو کو دیکھا ہے مصنف اس کتاب کا یہ قول ہے کہ معترض نے اس عضو سے کیا صدمہ دیکھا ہے۔

صفحہ ۷۰ میں جو عبارت لکھی ہے "اس جنس حسرت را حاکم مصنف بی دیدہ بنی چہ گویم گوشش بی برید" اس کے معنی صاف ہیں اور معنی اس کے تحت لفظی ہیں دوسرے سینے یہ کہ حاکم مرا دتا اور سینے نہیں۔

صفحہ ۷۱ میں لکھا ہے "ہناعت خراہ ہمیں ازا رات ہر کسی دانشان بی دہ" "ازاد" سینے تھ کے ہیں، امور نجیہ کے نہیں، صرف طبی بحث ہے۔

صفحہ ۷۲ میں لکھا ہے لفظ "تالیہ" کا اس کے دو سینے ہیں، ایک بیضہ مرغ دوسرے ضیہ مگر چوں کہ اس مقام پر لفظ "تالیہ" اس واسطے سینے اس کے اس مقام پر بیضہ مرغ کے ہیں۔

صفحہ ۷۳ میں لکھا ہے "ہستن عرس را یاد کردہ است و رقص پوزند بہ اعشار آورہ" اس کے سینے حرکت لہو

اور کام نہ ہونے کے ہیں۔

مطلوبہ صفا میں جو لکھا ہے اس کے معنی تحت عقلی صاف ہیں۔

سوالِ حرالت : جو فقرے آپ نے پڑھے ہیں آپ ان کو کیا سمجھتے ہیں؟

جواب میں قمریوں کو لطائف سمجھتا ہوں، بحث میں ایسے بھی فقرے ہوتے ہیں، قش یا بدنامی کسی کی نہیں ہے، نہ

کسی کو برا معلوم ہوگا۔ یہ انعام گواہ کا ہمارے اہتمام سماعت میں یہ رعایت اس جانب قریب ہو کہ غلط کو بہ زبان آورد

جس کو وہ سمجھتا ہے، پڑھ کر حلا گیا، اقرار کیا صحیح ہے، وکیل دعا علیہ کے سوال کا جواب لکھا گیا۔ فقط

انعام گواہ دعا علیہ یہ اقرار صلیح ہے اجلاس مسز اورین صاحب ہمارے ۳ مارچ ۱۸۶۸ء

نام میرا حضرت اللہ خاں ولد غلام نقشبند جلی قوم مغل ساکن جٹا محل عمر ۳۲ سال پیشہ سخت

جان یہ ہے کہ

اس چار پانچ روز کے عرصے میں مقرر نے اس کتاب کو دیکھا ہے۔ صلو ۳ میں لکھا ہے "حرکت ناگونی" وظم

نسانی و ضربت ناگونی حرکت ناگونی خصوص کسی حرکت کے واسطے نہیں ہے۔ "ضربت ناگونی" کے معنی میں ہیں اول (15)۔

دوم پیدا کرنا سوم اپنا ہاتھ سر میں مارنا چارم سے نقصان کے بھی ہیں اور وظم نسانی معنی دودل کے ہیں اور اکثر

کتبوں میں لکھا ہے "حرکت ناگونی" معنی دیک دودلی حاصل کرنے کے ہیں۔

صلو ۲۲ میں لکھا ہے "خرمینی اس کے معنی ہے وقوف کے ہیں" اور خر کے معنی ناوان کے ہیں اور فقط مینی

بست بزرگ ہے۔ اگر ہم کو خرمینی کہا جاوے تو ہم اپنی عزت سمجھیں۔

صلو ۲۸ میں لکھا ہے "میان خون حیض غوطہ خورد" اس سے مراد ہے وقوف اور گندی بات سے ہے اصل بات

اس کی مصحف سے پڑ بھی جائے۔

صلو ۳۸ میں لکھا ہے "یہ سوراخیں تھے زندہ" سوراخوں کے شہین کی ضمیرہ طرف گوش کے ہے

سوال وکیل مدعی : فارسی میں کیا معنی ہیں؟

جواب : اس کا حال میں معلوم

صلو ۳۹ میں لکھا ہے "از اکبر آباد ہوئے یہ دہلی رسیدہ" اس کے معنی یہ ہیں اور ترکیب مطلوب ہے یعنی از

یوم اکبر آباد سے ہیں اس جگہ سے آئے ہوئے ہیں چنانچہ واکندہ اور معترض نے لکھا ہے کہ یوم مصحف نے لکھا ہے کہ

اکبر آباد یوم

صلو ۴۰ میں لکھا ہے "معترض ازین مضمہ مدحتے یہاں است" اس کی ضمیرہ طرف آگہ کامل ہوتی ہے اور

"ازین" کی ضمیرہ طرف قریب ہے۔

صلو ۴۱ میں جو لکھا ہے اس کے معنی تحت لفظ ہیں کہ اگر حاکم اس کی حمت کو دیکھتا تو کلن کاٹا۔ صلو ۴۱ میں

لکھا ہے کہ "بضامت خواہ ہمیں از دست ہر کس رانکار کی دہ تا غیہ ادنیٰ نہاید" معنی "آزار" کے چاروں کے ہیں

"غیہ ادنیٰ" کے معنی قبول کرنے کے ہیں۔

صفحہ ۳۲ میں لکھا ہے کہ ”ظاہر“ اس کے معنے بھڑ مرغ کے ہیں اور مرزا نے بھی اسی قول میں معنے اس کے بھڑ مرغ اور لکھے ہیں۔

صفحہ ۱۳۳ میں ”جست خرس و رقص یوزنہ“ معنی اس کے یہ ہیں کہ بے جا باتوں کو یاد کیا جیسا کہ ”جست خرس و رقص یوزنہ“ حرکت ہے جا ہے۔

صفحہ ۱۷۱ میں لکھا ہے ”گوش و بچی چراگویم و سنگی خواہ بید“ معنی اس کے اور بھی عبارت سے یہ ہیں کہ حاکم سزا دیتا۔ میرے نزدیک خت کائی اس میں نہیں ہے شعرا ایسی عبارت لطافت خواست کے ساتھ طیال کرتے ہیں۔

یہ اعجاز گلو کا ہمارے اہتمام سماعت میں بہ رعایت نظم امیں جانب تحریر ہو کر منظر کو بہ زبان اردو جس کو وہ لکھتا ہے چاہ کر سنایا گیا۔ اقرار کیا صحیح ہے۔

دعا علیہ کے سوال کا جواب لکھا گیا۔ لفظ

اعجاز گلو دعا علیہ

نام میرا حمید اللہ عرف عبداللہ عہدہ قلم سید عمر ۳۰ سال ساکن کلان محل پیشہ دوزکار

بیان یہ ہے کہ

میں نے اب یہ کتاب دیکھی صفحہ ۳۳ میں لکھا ہے ”ناکردنی“ ”ضریت باد“ ”زخم نعلانی“ ”حرکت فاکرانی“ کے معنی لفظی ہیں خصوصیت کسی حرکت پر نہیں۔ ”ضریت باد“ کے معنے رنج و صدمے کے ہیں اور ”زخم نعلانی“ کے معنے رنج کے ہیں اور اکثر شعرا نے بھی یہی معنے بانٹے ہیں۔

صفحہ ۲۳ میں لکھا ہے ”فرہیشتی“ اس کے معنے یہ ہیں کہ ”فر“ معنی علوان اور ”ہیشتی“ نام خیمبر کا لفظ جس سے فرہیشتہ کیا۔

صفحہ ۲۸ میں لکھا ہے ”میان خون حیض غوطہ خورد“ اس کے معنی یہ ہیں کہ گزہ کار ۱۰ گھنٹے (۱۰%) در لفظ ہیں اگر دوسری دلدہ کوئی لفظی کرے گا تو اس عبارت کو پاندہ جاوے گا۔ دلی ان حافظ میں کئی جگہ خون حیض درج کیا گیا ہے۔

اس وقت کوئی شعر یاد نہیں۔ یقین ہے کہ مولانا شاہ عبدالعزیز نے قتلہ اشعری میں ان الفاظ کو لکھا ہے۔

صفحہ ۳۸ میں لکھا ہے کہ سزاوار بجا گوش برکنہ یا سنے پہ سوراخ دل دند سنے اس کے لفظی ہیں ”سوراخ دل کی زمین کی خیمبر۔ طرف گوش ہے۔

صفحہ ۳۲ میں لکھا ہے کہ ”کمال اکبر آبادی“ یہ کتاب فارسی ہے فارسی میں کمال پہ معنے مست کے ہیں اور اردو میں یہ معنے سے فروض۔

صفحہ ۶۱ میں لکھا ہے کہ ”آرے از خراب اکبر آبادی“ یہ دلی سیدہ“ معنے یہ ہیں کہ بوم اکبر آبادی سے یعنی زمین اکبر آبادی سے کوئی دلی میں پہنچا۔

صفحہ ۷۱ میں لکھا ہے کہ ”افری عضو صد سچہ دہ است“ معترض کے دل میں ہے کہ ”د ہمیں عضو“ اس ہمیں

ڈاکٹر عبداللہ چغتائی

غالب، مرآت الاشباہ اور حکیم احسن اللہ

۱۸۹۷ء میں پرنس میوزیم لندن میں فارسی مخطوطہ نام "مرآت الاشباہ" دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کی تفصیل فرسٹ لٹرار ڈاکٹر چارلیس ریو نے یوں دی ہے:

"مرآت الاشباہ۔ ملاطین آسمان چاند، ملاطین تیموریہ ہندوستان کی یہ جدولیں ان کی تاریخ پیدائش، مقام جلوس، تاریخ وفات وغیرہ (مع مختصر حالات) بجم پہنچاتی ہیں۔ اس کا مصنف فقیر الدین حسین ہے۔ اس میں امیر تیمور سے لے کر اس کے جانشین ابو حفص سراج الدین محمد بہادر شاہ (۱۵۵۳ء میں تخت نشین ہوئے) کے تیرہویں سال جلوس (ملاقات ۱۵۶۶ء) تک کا بیان ہے۔ اس کے مصنف نے اسے حکیم احسن اللہ خاں، مصور نظام علی خاں اور بابہ علی خان کی اعانت سے سرانجام دیا ہے۔ اس میں جگہ چھوڑ دی گئی ہے تاکہ اسے معاصر تصاویر شامیان سے مکمل کیا جائے۔"

(فرسٹ فارسی مخطوطات، صفحہ ۲۸۵)

آج تک اس مختصر فارسی مخطوطے کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی۔ غالب کے ضمن میں حکیم احسن اللہ خان کی شخصیت خاصی اہمیت رکھتی ہے۔ میری نظر سے "مرآت الاشباہ" (فارسی) مطبوعہ صورت میں نہیں گزری، خیال ہے کہ حوزہ طبع نہیں ہوئی۔

خوش قسمتی سے "مرآت الاشباہ" کا اردو ترجمہ مطبوعہ صورت میں میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے جو ۱۸۷۸ء میں طبع ہوا تھا۔ مطبوعہ کتاب کے چھ صفحات کا عکس جو براہ راست غالب سے تعلق رکھتے ہیں، یہاں پیش کرتا ہوں۔ پہلے عکس سے یہ واضح ہے: "کتاب لب لباب حالات فرما دوا بیان ہندو مسی بہ مرآت الاشباہ مع مختصر حالات و ذرائع اوردہ مولف من مستم طبع حذا المختص بہ شیدا اور طبعی مرتضوی محمد ارتضیٰ خاں طبع نمبر ۱۸۶۸ء"۔ دوسرا عکس مطبوعہ کتاب کا صفحہ اول ہے جس سے واضح ہے کہ محمد ارتضیٰ خاں مستم طبع مرتضوی دہلی نے رسالہ مرآت الاشباہ (مولفہ احزام الدولہ، مدۃ الفکا، معتر الملک، مذاق العبد والاوان حکیم احسن اللہ خاں بہادر جاہت جنگ) کو لوگوں کے اصرار پر فارسی سے اردو میں عبارت سلیس اور عام فہم میں خلاصہ کیا اور کچھ مختصر حالات دیگر کتب تاریخ سے لے کر ناظرین کی خاطر اضافہ کیے۔

اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مرآت الاشباہ کے مصنف حکیم احسن اللہ خاں تھے۔ نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کی اردو تخلیق (مع اضافہ) ۱۸۶۸ء میں طبع ہوئی۔ یاد رہے کہ غالب کا انتقال ۱۸۶۱ء میں ہوا تھا۔ تیسرے اور چوتھے عکس کا تعلق کتاب کے صفحات ۶۷ و ۶۸ سے ہے۔ ان میں شعرائے دہلی کا ذکر کیا گیا ہے۔

ترجمہ غالب انصاف میں ہے۔ پانچویں اور چھٹے کس مرثیہ الاشباہ کے آخری صفحات ۱۰۳ و ۱۰۴ کے ہیں۔ جن سے کتاب کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ (۱۶)

تحکیم احسن اللہ خان سرید کے معاصرین میں سے تھے۔ سرید نے تحکیم احسن اللہ کا ذکر اپنی تالیف "اعجاز الہندیہ" (سال ۱۸۳۵ء) میں تذکرۂ اہل دہلی کے تحت کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تحکیم صاحب کا خاندان ہراتی الاصل تھا اور کشمیر میں آکر آباد ہوا تھا۔ کشمیر میں انہوں نے جہاں قیام کیا تھا وہ مقام ڈل کے کنارے "زمیندار شاہ" کے نام سے مشہور ہے۔ ان کے والد تحکیم محمد عزیز اللہ خان تحصیل علم طب کی طرف متوجہ ہوئے تو دہلی میں آکر تحکیم دکان اللہ خان سے فیض حاصل کیا اور اعلیٰ شاہجہان آباد سے سبقت لے گئے۔ ان کے لڑکے تحکیم احسن اللہ خان نے علم طب اپنے والد سے حاصل کیا اور قزوین عربیہ میں عارض کمال کو پہنچ گئے تو نواب فخر الدولہ احمد بخش خان دہلی فیروز پور کی ملازمت میں داخل ہوئے اس کے بعد نواب فیض محمد خان دہلی بھیمبر کے پاس آ گئے، ان کے انتقال کے بعد حضرت صیح الدین اکبر بادشاہ کی خدمت میں آ گئے۔ ان کے انتقال پر بادشاہ ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ نے طلب کر کے سعادت نہیں سمجھی سے مستغنیہ فرما کر احترام الدولہ اور ثابت جنگ کے خطابات کا اضافہ کیا۔

دربار شاہی سے تعلق اور قربان دہا سے خصوصی روابط کی بنا پر سرید کی زندگی کے بعض واقعات سے بھی تحکیم صاحب کا گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔

حالی "نبیات جاوید" میں لکھتے ہیں کہ بہادر شاہ نے سرید کو ان کا موروثی خطاب عنایت کیا تھا۔ ۱۸۵۳ء میں جب وہ مین پوری سے تبدیل ہو کر رنج پور میں آئے تو چند روز کے لئے بہتریب رخصت یا تعطیل ملی آئے۔ اس زمانے میں تحکیم احسن اللہ خان بادشاہ کے یہاں نبیات کا کام کرتے تھے، انہوں نے بادشاہ سے سرید کی سفارش کی کہ ان کو ان کے دادا کا خطاب ملنا چاہئے، بادشاہ نے منظور کر لیا۔ اگرچہ سرید کے دادا کا خطاب صرف جوہر الدولہ تھا اور یہی خطاب لکھ کر تحکیم احسن اللہ خان نے پیش کیا تھا، مگر بادشاہ نے خود اس پر عارف جنگ کا لفظ اپنی طرف سے اضافہ کر کے جوہر الدولہ سید احمد خان عارف جنگ کا خطاب سرید کو عنایت کیا۔ اور خطاب ملنے کی تمام رسمیں حسب قاعدہ ادا کی گئیں۔ (۱۷)

اسی طرح غالب سے تعلقات پر بھی مولانا حالی نے خاصی روشنی ڈالی ہے۔ حالی یادگار غالب میں لکھتے ہیں۔ "۱۸۳۶ء میں مرحوم ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ نے مرزا کو خطاب غم الدولہ دھیر الملک نظام جنگ اور چھ پارچے کا نصبت مع تین رقوم ہوا، مرہونین ریض و سرچ و حاکم موارید کے، دربار عام میں مرحمت فرمایا اور خاندان تیموریہ کی تاریخ فنی کی خدمت پر بہ مشاہیر یکایک مددگار کے نامور کیا اور یہ قرار پایا کہ احترام الدولہ تحکیم احسن اللہ خان مرحوم غفلت مارگیں سے مضامین لکھا کر کے مرزا کے حوالے کیا کریں اور مرزا ان تمام مطالب کو اپنی طرز خاص کی فارسی نثر میں بیان کریں۔ اور کتاب دو حصوں میں تقسیم کی جائے۔ پہلے حصے میں یکم مختصر حال ابتدائے آفرینش سے صاحب قرآن تیمور گورکانی تک اور کسی قدر مختصر حالات تیمور سے نصیر الدین تاجپوں کے اخیر زمانے

تک بیان کئے جائیں اور دوسرے حصے میں جلال الدین اکبر بادشاہ سے لے کر سراج الدین بہادر شاہ کے زمانے تک کے تمام واقعات شرح و بسط کے ساتھ درج کئے جائیں۔ مرزا نے تمام کتاب کا نام "ہر توحش" اور اس کے پہلے حصے کا نام "مہرِ نمونہ" اور دوسرے حصے کا نام "نہ نیم نام" تہج کیا تھا۔ (3)

اگرے کے ہفت روزہ اخبار "اسد الاخبار" بابت ۲۵ جولائی ۱۸۸۵ء میں ذیل کی خبر بھی چھپی تھی (4):
 "ان دنوں شاہ دین پناہ نے جناب صلی اللہ علیہ وسلم مرزا اسد اللہ خاں غالب کو بہ فرما عطیت اپنے حضور طلب کر کے ایک کتاب قاریج کی لکھنے پر ہر تہجور کے زمانے سے سلطنت حال تک ہو" مامور کیا اور اس کے کاتبوں کے شرح کو بالکل عجیب و غریب مشاعرہ مقرر کر کے اسدہ انواع پرورش کا موقع کیا اور عظیم الدولہ ویر الملک اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ خطاب دے کر چھ پارے کا پیش ہما غفلت اور تین رقم جواہر عطا فرمائے۔ تعین ہے کہ قاریج مذکور ایسی دلچسپ ہو گی کہ ہر ایک اس کے لطف عبارت سے فیض یاب ہو گا۔"

مالک رام متھوکر غالب "میں لکھتے ہیں کہ مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے مولانا نصیر الدین مہاں کالے بہادر شاہ کے چرھے اور غالب کے بھی دلی دوست اور پرانے صواہ" ان کے علاوہ احترام الدولہ حکیم احسن اللہ خاں دارالکلام بھی ان کے تعداد میں تھے۔ ان صاحبوں نے سفارش کی اور بہادر شاہ نے منظور کر لیا کہ مرزا خانہ دین تہجوری کی تہج قاریج زبان میں لکھیں۔ مولانا محمد حسین آزاد اس کے بارے میں یوں کوثر لفظی کرتے ہیں۔ "حکیم احسن خان طیب شائقی تھے اور بڑے مقرب تھے" انہیں کے پاس بادشاہ کی فرمائیں جمع ہو کر لکھی گئیں "یہی وہ ان فقر ترتیب دیتے اور مرتب کر کے چھوڑتے تھے۔ مطبع سلطانی انہیں کے احترام میں تھا۔ خن کے جوہر شائقی تھے۔ اسناد ذوق کا کام بھی شوق سے لکھوا لیتے تھے۔ کام کی محبت سے استاد کی محبت رکھتے تھے" مگر طیلید صاحب (یعنی محمد اسٹینیل صاحب ظلف استاد ذوق) کے سبب سے ٹھکرتے تھے، خیال تھا کہ حضور ہمارے میں خدمت نہ سپرد کریں۔ ان کے سامنے حکیم صاحب کے اختیار ضعیف ہو جاتے تھے۔ اسی لئے مرزا نوشہ غالب مرحوم کو حضور میں پہنچایا تھا۔ حالانکہ استاد نے ترقی و منزل طیلید کے کسی معاملے میں کبھی دخل نہیں دیا۔" (5)

غالب سے حکیم احسن اللہ خاں کے تعلقات کا پتا اس بات سے بھی ملتا ہے کہ ہفتہ وار "اسد الاخبار" مورخہ ۲ مارچ ۱۸۸۵ء میں مرزا غالب کی بیچ آہنگ کا اشتہار ایک طویل نظم کی صورت میں شائع ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب حکیم احسن اللہ خاں کے توسل سے قلم و دہلی کے مطبع سلطانی میں چھپی تھی (6)۔ ان دنوں کے روابط قریہ کا حال اس واقعے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حکیم احسن اللہ خاں نے مرزا سے جب وہ ٹھکرتے میں مقیم تھے فراہم کی تھی کہ اگر آپ نے اپنی یہ تہجیں جمع کی ہوں تو بھیج دیجئے۔ اس کے جواب میں مرزا نے لکھا:

"درد مند نوازا! خیم درود طغیانی رقم نامہ فہمہ میں راز را پردہ کشائے و خیم میں نوید را خلیہ سبائے آہ کہ روزگار یہ کزنگ مد طول زبان فراق فصل نے اعتباری حالے من از صفوہ خاطر احباب نہ ستودہ و زکات صرصر بیداد جہاں خاکسار ہلے مرا از یاد عزیز مرود است۔" (7)

غالب کو درباری معاملات میں ایک اور موقع پر بھی حکیم صاحب سے رابطہ پڑا۔ یہ دہخ ابیل کی اشاعت کا



بجود ارضی و غیر بنیاد کجاست که این را وضع می کند

بنا لا بد من مراعات این است که هیچگاه نباید به خاطر

حضرت خاتون الصدقہ امیرہ بیگم صاحبہ حسن خان بیگم صاحبہ

تجربہ بخیر رہا ہے یا برا۔ کسی کا۔ اور دنیا بھر۔ یہ تو جس عالم لہجہ میں کہنا

۱۰۔ کہہ کہیں حال خیر و برکت ہے یا نہیں۔ جیسا کہ زیادہ کہا گیا۔ اور جو کس نے نہ

بکتابخانه‌های دانشگاه تهران و مراکز تحقیقاتی دیگر.

من الامام ابي جعفر عليه السلام

Schlagwortindex

[illegible]

12345678910111213141516171819202122232425262728293031323334353637383940414243444546474849505152535455565758596061626364656667686970717273747576777879808182838485868788899091929394959697989910010110210310410510610710810911011111211311411511611711811912012112212312412512612712812913013113213313413513613713813914014114214314414514614714814915015115215315415515615715815916016116216316416516616716816917017117217317417517617717817918018118218318418518618718818919019119219319419519619719819920020120220320420520620720820921021121221321421521621721821922022122222322422522622722822923023123223323423523623723823924024124224324424524624724824925025125225325425525625725825926026126226326426526626726826927027127227327427527627727827928028128228328428528628728828929029129229329429529629729829930030130230330430530630730830931031131231331431531631731831932032132232332432532632732832933033133233333433533633733833934034134234334434534634734834935035135235335435535635735835936036136236336436536636736836937037137237337437537637737837938038138238338438538638738838939039139239339439539639739839940040140240340440540640740840941041141241341441541641741841942042142242342442542642742842943043143243343443543643743843944044144244344444544644744844945045145245345445545645745845946046146246346446546646746846947047147247347447547647747847948048148248348448548648748848949049149249349449549649749849950050150250350450550650750850951051151251351451551651751851952052152252352452552652752852953053153253353453553653753853954054154254354454554654754854955055155255355455555655755855956056156256356456556656756856957057157257357457557657757857958058158258358458558658758858959059159259359459559659759859960060160260360460560660760860961061161261361461561661761861962062162262362462562662762862963063163263363463563663763863964064164264364464564664764864965065165265365465565665765865966066166266366466566666766866967067167267367467567667767867968068168268368468568668768868969069169269369469569669769869970070170270370470570670770870971071171271371471571671771871972072172272372472572672772872973073173273373473573673773873974074174274374474574674774874975075175275375475575675775875976076176276376476576676776876977077177277377477577677777877978078178278378478578678778878979079179279379479579679779879980080180280380480580680780880981081181281381481581681781881982082182282382482582682782882983083183283383483583683783883984084184284384484584684784884985085185285385485585685785885986086186286386486586686786886987087187287387487587687787887988088188288388488588688788888989089189289389489589689789889990090190290390490590690790890991091191291391491591691791891992092192292392492592692792892993093193293393493593693793893994094194294394494594694794894995095195295395495595695795895996096196296396496596696796896997097197297397497597697797897998098198298398498598698798898999099199299399499599699799899910001001100210031004100510061007100810091010101110121013101410151016101710181019102010211022102310241025102610271028102910301031103210331034103510361037103810391040104110421043104410451046104710481049105010511052105310541055105610571058105910601061106210631064106510661067106810691070107110721073107410751076107710781079108010811082108310841085108610871088108910901091109210931094109510961097109810991100110111021103110411051106110711081109111011111112111311141115111611171118111911201121112211231124112511261127112811291130113111321133113411351136113711381139114011411142114311441145114611471148114911501151115211531154115511561157115811591160116111621163116411651166116711681169117011711172117311741175117611771178117911801181118211831184118511861187118811891190119111921193119411951196119711981199120012011202120312041205120612071208120912101211121212131214121512161217121812191220122112221223122412251226122712281229123012311232123312341235123612371238123912401241124212431244124512461247124812491250125112521253125412551256125712581259126012611262126312641265126612671268126912701271127212731274127512761277127812791280128112821283128412851286128712881289129012911292129312941295129612971298129913001

CONTRACT



واقعہ ہے۔ حالی نے "یاوکار غالب" میں اس کی تفصیل دی ہے۔

"ایک دفعہ بہادر شاہ بہت سخت بیمار ہوئے۔ اس زمانے میں مرزا حیدر شکوہ جو اکبر بادشاہ کے بھتیجے اور مرزا سلیمان شکوہ کے بیٹے تھے، وہ بھی کھنڈے سے آئے ہوئے تھے اور بادشاہ کے ہاں صمان تھے۔ ان کا مذہب اٹھ مشرعی تھا۔۔۔ مرزا حیدر شکوہ کی صلاح سے خاک شفا دی گئی اور اس کے بعد بادشاہ کو صحت ہو گئی۔ مرزا حیدر شکوہ نے غر بانی حتیٰ کہ بادشاہ کو صحت ہو جانے کی تو حضرت عباس کی درگاہ میں جو کہ کھنڈے میں ہے علم چڑھانے کا چٹانچہ۔۔۔ بادشاہ نے یکم روپیہ مرزا حیدر شکوہ کو بھجوا دیا اور انہوں نے بڑی دھوم دھام سے علم چڑھایا۔۔۔ اس واقعے کے بعد یہ بات عموماً مشہور ہو گئی کہ بادشاہ شیعہ ہو گئے، اس شہرت کا بادشاہ کو بہت رنج ہوا اور حکیم احسن اللہ خاں مرہوم نے اس کے تدارک کے لئے کچھ رسالے شائع کرائے اور بہت سے اشتیارات کوچوں اور بازاروں میں چسپاں کرائے گئے۔ مرزا صاحب (غالب) نے بھی ایک مثنوی قاری زبان میں لکھی، جس کا نام غالباً دینح الباطل (۱۸) رکھا گیا تھا اور جس میں بادشاہ کو تشیع کے انہام سے پرہیز کیا گیا تھا۔ اس مثنوی میں مرزا نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں لکھی حتیٰ بلکہ جو مضامین حکیم احسن اللہ خاں نے بتائے تھے ان کو قاری میں نظم کر دیا تھا۔

"بہت یہ مثنوی کھنڈے پہنچی تو مجدد العصر نے مرزا سے دریافت کیا کہ آپ نے خود مذہب شیعہ اور مرزا حیدر شکوہ کی نسبت اس مثنوی میں ایسا اور ایسا لکھا ہے۔ مرزا نے کلمہ بھیجا کہ میں ملازم شاہی ہوں، جو تاہم بادشاہ کا علم ہوتا ہے اس کی تعمیل کرتا ہوں، اس مثنوی کا مضمون بادشاہ اور حکیم احسن اللہ خاں کی طرف سے اور الفاظ میری طرف سے تصور فرمائے جائیں۔" (۱۹)

حسن اتفاق سے مثنوی دینح الباطل کا ملبوہ نسخہ راقم کے کتب خانے میں بھی موجود ہے۔ یہ مثنوی ۱۷۵۵ھ میں قمرالطالع میں باصنام حافظ عبداللہ طبع ہوئی تھی۔ یہ ملبوہ کتاب کل ۸۶ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ پر ۳۵ اشعار ہیں، یعنی اس مثنوی میں تقریباً دو ہزار اشعار ہیں۔

حکیم احسن اللہ خاں کی زندگی کے واقعات میں ۱۷۵۵ھ کی جنگ آزادی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ۱۷۵۵ھ میں اصل ہند کی طرف سے انگریزی حکومت سے بیزاری کا مظاہرہ ہوا، ۱۲ مئی ۱۷۵۵ء کو میرنور کی چھاؤنی سے ابتدا ہوئی اور میرنور ہی ہندوستان میں انگریزوں کی سب سے بڑی چھاؤنی تھی۔ اس کے دوسرے روز دہلی میں مسلمانوں نے حاکمہ شروع کیا اور قریب قریب چارے ملک میں آگ بھڑک اٹھی۔ ان واقعات کے نقشہ راولپنڈی میں ایک تو عبداللطیف کا روزنامہ (۱۰) ہے اور دوسرا حکیم احسن اللہ خاں کا۔

حکیم احسن اللہ خاں نے جنگ آزادی سے متعلق یادداشتوں کو محفوظ کیا تھا، ان کا انگریزی ترجمہ ایڈیا آفس لاہوری لندن میں سرپان کی Jhan Kaye کے کاغذات میں ہے۔ حکیم صاحب نے خود حرم کی خواتین پر ان یادداشتوں کو قلم بند کیا تھا۔ یہ روزنامہ پاکستان مشاورتکل سوسائٹی کی طرف سے جنوری ۱۹۵۸ء میں شائع ہو چکا ہے۔

۸ رمضان المبارک (۳ مئی ۱۷۵۸ء) صبح کے وقت بادشاہ کو اطلاع ملی کہ خیال پیدا ہوا۔ عموماً انکھا حکیم احسن اللہ خان کے ساتھ نیاز مندانہ طو پر بارگاہِ سلطانی میں حاضر ہوئے اور عموماً انکھا کی سفارش پر اس مضمورہ اور جود نجات کی حفاظت پر مبینہ کئے گئے اور کچھ فوج شری کی تمہائی کے لئے ان کو دی گئی۔ وہی ڈھلے پروان عطا کرنے کا حکم ہوا کہ راست کرداری اور نیک نیتی سے ان شوریہ سروں کو جو بھڑوں کے چھتے کی مانند ہیں ایسا نکلیں کہ وہ ختم ہو جائیں اور پریشان حقوق آراہم پائے۔ رضائے انہی اور حفاظت حقوق کو دائمی طو پر قرض بین اور بین قرض مانیں اور ہماری خیر امتیسی میں مشغول ہوں۔

۲۳ رمضان (۲۰ مئی ۱۷۵۸ء) : عموماً انکھا محمد احسن اللہ خان کچھ عرض کرنے بارگاہ میں کھڑے ہوئے اور کہا کہ یہ تمام گروہ بد اطوار لوگوں کا خانہ حدود ہوں یا سلطان وقت تا وقت حدود اور سلطان شامی ملازمین اور اعلیٰ دولت کے ساتھ طرح طرح کے خیلے اور ہمارے کر کے ہر جگہ اور ہر مقام پر جہاں چاہتا ہے، بھڑا کرنے لگا ہے۔ اس وجہ سے آج کل بے رو قی کی گرم بازاری ہے۔ عموماً انکھا اچھے حکیم اور طبیب نیک اور نئی توی تھے، اسی سبب سے ان کے ہمارے نصیر الدین احمد ان کے جیسی تھے۔ ہم ان کا ذکر کیوں نہ کریں کہ وہ پسندیدہ روش اور نیک سیرت توی ہیں اور مجھ مسجدوں کے بزرگ ترین احباب میں سے ہیں۔ یقیناً وہ ایک بڑے ادب اور طبیب اور عظیم المرتبت صفتی ہیں۔

۱۱ شوال (۹ جون) : عموماً انکھا نے دو طبیبوں کے اصرار تھے، اپنے مقام پر کھڑے ہو کر گزارش کی کہ ہمارا لوگ بازار میں گشت لگاتے ہوئے دکاتوں کو توڑتے ہوئے، خلی گواہیں لے کر نہایت مسندانہ طریقہ سے ہمارے ہیں، جس کے باعث ہمارے شہر کو بڑی پریشانی ہے۔ بادشاہ نے بہت بلند خان کو تاکید کی کہ اس روش کو بند کرانے کے لئے کمر بست ہو اور فرمایا اس عالم قانی میں نیست و نابود ہو جانا اس سے بہتر ہے کہ حقوق کے ساتھ ہدی کرے۔

۱۸ شوال (۳ جون) : چونکہ ہذات بائیں نے اگرچہ سروں کے مقابلے میں اپنی مکاری اور رویہ بازی سے بامردی کا ثبوت دیا، اس لئے سب نے کچھ لیا کہ ان ہدست لوگوں سے لڑائی میں کوئی برا کام انجام نہیں پائے گا اور یہی بات بادشاہ کے دل میں بھی جم گئی۔ بس بادشاہ نے حسرت کے ساتھ آج شام کو ایک مجلس شوریٰ منعقد کی اور ان لواب نہت محل اور شہر اسے سے دریافت فرمایا، پھر عموماً انکھا احسن اللہ اور لواب سیف الدولہ میر ہاس وکیل شامی سے بھی رائے دریافت کی مگر، جب ان کی رائے سے اطمینان خاطر نہیں ہوا تو چند خاص امیر زادوں کو بھی ہمارے کی ضرورت محسوس ہوئی، چنانچہ سب امرا کو جا کر انجمن آراستہ کی۔

۲۱ شوال (۱۵ جون) : بادشاہ نے فرخ جہ لواب مصمم الدولہ بلور احمد قلی خان کو جنہیں ایک جیسا نعت سے حال ہی میں سرفراز فرمایا گیا تھا، اب وزارت عطا فرما کر ان کے اعزاز میں اضافہ کیا گیا اس بات پر عموماً انکھا حکیم احسن اللہ خان کو حسد پیدا ہوا اور وہ ایک دن کم سم بیٹھے رہے، چند ساعت گزرنے پر انہوں نے ملاحدہ بادشاہ کے پاس جا کر ان کی نصیحت کی، جب سمکھو میں مبالغہ کیا تو بادشاہ نے فرمایا کہ خاموش رہو نصیحت دنا سے بھی زیادہ شدید منہ ہے۔

۳۶ ذی الحجہ (۱۸ اگست) : ناگہ بارود خانے میں ایک چتر آکر گرا اور اس سے آگ لگ گئی اور اس حادثے سے پانسو بیس بارود جلتے والوں کو ایسا جلاؤ لگا کہ ان کی مدح دنیا سے پرواز کر گئی۔ ہر کردار نظریوں نے یہ حرکت عموماً اٹکھا احسن اللہ خاں کی طرف منسوب کی اور انہیں خلافت کی اور ان کے گھراور اسباب کو لوٹ لیا۔ بادشاہ کی حمایت سے ان کی جان بچی۔ بادشاہ نے فرمایا کہ عموماً اٹکھا ہمارے دشمن کا دشمن ہے۔ (12)

مولانا غلام رسول مرے "غالب" میں خاتم اسی واقعے کو یوں لکھا ہے :

"حکیم احسن اللہ خاں کے ایک لے پانک نے ناہانز طریقوں سے دوپہے جمع کر لیا تھا، حکیم صاحب اس راز سے آگاہ تھے، لے پانک نے اس بددیانتی پر پردہ ڈالنے کی غرض سے افواہ اڑا دی کہ احسن اللہ خاں انگریزوں کا بھی خواہ ہے اور ان کے لئے جاسوسی کی خدمت انجام دے رہا ہے، باقی مجھ گئے اور حکیم صاحب کے قتل کی نیت سے ان کے مکان پر چڑھ دوڑے۔ حسن اتفاق سے حکیم صاحب اس وقت قلعے میں بادشاہ کے پاس موجود تھے۔ باقی تعاقب میں قلعے پہنچے اور جاتے ہی حکیم صاحب کو گھیر لیا، غلام نواز بادشاہ نے اپنے آپ کو حکیم صاحب پر ڈال دیا، اس طرح جان بچ گئی، لیکن باغیوں نے حکیم صاحب کا سامان لوٹ لیا اور مکان کو آگ لگا دی، سارا مکان جل کر راکھ بن گیا، راجا راجی دھوری سے سیاح ہو گئیں، گویا مکان کے ماتم میں انہوں نے سیاح لباس پہن لیا۔"

حکیم احسن اللہ خاں کے اس دور کے حالات غالب کی تحریروں میں بھی ملتے ہیں، ان سے واضح ہوتا ہے کہ حکیم احسن اللہ خاں کو نظر بند بھی کیا گیا تھا۔ غلام نجف خاں کے نام حکیم احسن اللہ خاں کے متعلق یکم اپریل ۱۸۵۸ء مطابق بھوشنبہ ۱۳ شعبان ۱۲۷۵ھ کو غالب ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"میں تم کو مبارک ہو، حکیم بی (احسن اللہ خاں) پر سے وہ سپاہی ہو ان کے اوپر چھین تھا اٹھ گیا اور ان کو حکم ہو گیا ہے کہ اپنی وضع پر دھوگر شر میں دھو، باہر جانے کا اگر قصد کرو تو پوچھ کر جاؤ اور ہر پختہ میں ایک بار پکری میں حاضر ہوا کرو، چنانچہ وہ کچے باغ کے چکواڑے مرزا جاکسن کے مکان میں آ رہے۔ بی ان کے دیکھنے کو چاہتا ہے، اگرچہ از راہ احتیاط چاہئیں مکتا۔" (13)

اسی ماہ اپریل کے بعد کے خط میں غالب غلام نجف خاں کو بھر لکھتے ہیں :

"جناب حکیم صاحب ایک روز از راہ عیلتیں یہاں آئے تھے، کیا کون کہ ان کے دیکھنے سے دل کیا طوش ہوا ہے، خدا ان کو زندہ رکھے، خصوصاً اس قدر آشوب میں تو میرا جانے والا کوئی نہ بچا ہو گا۔" (14)

یہ ۳ فروری ۱۸۶۰ء کے خط میں لکھتے ہیں : "جناب حکیم صاحب کو سلام و ہاناز۔" (15)

خلیق احمد نقاشی ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامہ کے دیباچے میں حکیم احسن اللہ خاں کے بارے میں لکھتے ہیں :

"جہاں تک امرا کا تعلق ہے ان میں بیشتر ایسے تھے جو ذاتی مفاد اور مختلف کی خاطر بڑے سے بڑے مفاد کو قربان کر سکتے تھے۔ حکیم احسن اللہ خاں، نواب احمد قلی خاں، رفیعہ جو دربار کے حامیوں میں سے تھے، عوام کی نظر میں اسی ماہ معتبر نہ رہے تھے۔

"کچھ دوستوں میں عبداللطیف نے صرف حکیم احسن اللہ خاں کے بھائی عمیر الدین احمد خاں کا ذکر کیا ہے۔

تحکیم صاحب کا ذکر احزا کیا گیا ہے، جس سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید عبداللطیف بھی تحکیم احسن اللہ خاں کا ہم خیال ہو اور ہنگامے کے دوران میں اس کا طرز عمل بھی وہی رہا ہو جو تحکیم صاحب کا تھا، لیکن روزنامے سے اس شبہ کی تائید نہیں ہوتی۔ (۱۸)

جنگ ۱۸۵۷ء کے خاتمے پر انگریزوں نے ابو ظہر بلور شاہ پر مقدمہ چلایا، اس مقدمے کی روداد طبع ہو چکی ہے، مقدمے میں تحکیم احسن اللہ خاں نے انگریزوں کی حمایت میں بہت اہم کردار ادا کیا، بلور گواہ بھی پیش ہوئے، مقدمے کی روداد کے علاوہ اس واقعے کی یکم جنک "واقعات دارالحکومت دہلی" میں بھی ملتی ہے:

"۲۰ جنوری ۱۸۵۸ء کو بلور شاہ فرنٹی کیشن کے دوہو لائے گئے جن میں تین سردار ملکہ معظمہ کی طرف سے اور دو کمپنی بلور کی جانب سے، بادشاہ پر چار الزام تھے یا یوں کہو کہ چاروں طرف سے گھیرے گئے تھے۔ جن میں ایک الزام یہ بھی تھا کہ ۱۱ مئی کو جو قلعے میں انچاس انگریز مارے گئے ان کے بانی مہلتی بھی تھے۔ ایک دن نہ دو دن، پورے اکتیس دن مظہر تاجدار کیشن کے سامنے ایک بھرم کی حیثیت سے کشاکش کھڑا رہا۔ ہوا بگڑتی شرط ہے، گواہوں کی کیا کمی تھی، خود تحکیم احسن اللہ خاں وزیر بادشاہ کے دوہو کڑے تھے۔ یوں گھسنے کے ذہین آسمان اور اپنے دست و پا تک دشمن تھے۔ لسانی شہادت کے علاوہ دستاویزی شہادت کا ایک طواغ تھا۔ بادشاہ کو جلا وطن کر کے رتھوں بھیج دیا۔ پانچ سال کے بعد وہیں آخر ۱۸۶۵ء میں دہلی، اہل کرلیک کہا۔" (۱۹)

تصد کوآء ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں تحکیم احسن اللہ کا کردار کچھ خوشگوار اثر نہیں چھوڑا۔ اہل دہلی انہیں عام طور پر پندہ کرنے لگے تھے۔ تحکیم احسن اللہ نے حمایت اسی میں لگئی، ہے پور جا کر ملازم ہو گئے، صرف کبھی کبھار دہلی آتے تھے۔ غالب کی زندگی کے آخری ایام میں ان کے اور غالب کے دوایا بہت بڑھ گئے تھے۔ وہ غالب کے آخری زمانے کی تصویریں پیش کرتے ہیں:

"من شریف آپ کا منہ اور من کے درمیان ہے، چراغ سحری ہیں، خدا تمہارے ہے، سماعت میں بالکل فرق آگیا ہے۔ جس کسی کو کچھ عرض کرنا ہو بذریعہ تحریر جواب لہانی حاصل کرتا ہے۔"

مرزا غالب کو مرض کی شدت کے باعث موت سے چند روز پہلے حواضر عشق کے دورے پڑتے تھے اور دواخان خانے ہی میں رہتے تھے۔ کہا جاتا بالکل ترک ہو چکا تھا۔ ۳۴ فروری ۱۸۶۹ء کو غالب یکایک بے ہوش ہو گئے۔ فوراً تحکیم محمود خاں اور تحکیم احسن اللہ خاں کو اطلاع دی گئی، انہوں نے تحقیق کی کہ دماغ پر فالج گرا ہے۔ تمام کوششیں اور علاج کئے گئے مگر بے سود، انہیں ہوش نہیں آیا نہ اس کے بعد انہوں نے کوئی بات کی۔ اسی حالت میں اگلے روز ۲۵ فروری سنہ ۱۲۹۶ھ (مطابق ۲۲ ستمبر ۱۸۵۷ء) بروز شنبہ دہسڑے پہلے یوسف نگر اس پکا کمال کا انتقال ہو گیا۔ (۲۰)

مولانا حالی لکھتے ہیں کہ جنازہ سے پہر بعد اظہارِ اہل دہانے کے باہر نماز جنازہ پڑھی گئی۔ "راقم بھی موجود تھا اور شہر کے اکثر علماء اور ممتاز لوگ جیسے نواب ضیا الدین احمد خان، نواب محمد مصطفیٰ خان، تحکیم احسن اللہ خان وغیرہم اور بہت سے اہل سنت اور اہل ایمہ دونوں فرقوں کے لوگ جنازے کی مشافعت میں شریک تھے۔" (۲۱)

تحکیم احسن اللہ خاں اس کے چند برس بعد تک زندہ رہے۔ ۲۵ ستمبر ۱۸۷۳ء میں بیوہ میں عالم غربت

میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ نواب ضیا الدین احمد خان خیر نے الفاظ ”عظیم فریب“ سے تاریخ وفات لکھی: ”مہر سال فوٹس عظیم فریب“ (201)

احسن اللہ خان محض طیب نہ تھے ”انہیں تعمیرات سے خصوصی لگاؤ تھا۔ ان کی تعمیر کردہ عمارتوں کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ سن ۱۷۷۵ء میں عظیم صاحب نے اپنی حویلی بدل یک کو خرید لیا تھا۔ بدل یک خان جن کے نام سے حویلی مشہور تھی، ان کا اصل نام ترکی یک تھا۔ اوائل نادر شاہ عالم خانی (۱۷۷۵-۱۷۸۷ء) میں سرحد سے آئے تھے اور امیر الامرا مرزا نجف خان کے تحت رسالدار مقرر ہوئے تھے۔ حویلی بدل خان دراصل نواب قمر الدین خان کی ہوائی ہوئی تھی۔ اس حویلی کا کیا ٹھکانا تھا۔ اجیری دروازے تک اس کا سلسلہ چلا گیا تھا اور اسے متعدد قطعات تھے کہ نواب صاحب کا سارا خاندان اور دیگر متعلقین سب اسی میں رہتے تھے۔ نواب قمر الدین خان کے بعد یہ حویلی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، جس میں سے صرف ایک قطعہ نواب بدل خان کو ملا تھا اور جب عظیم احسن اللہ خان نے خرید تو اس وقت بھی یہ اسی بدل یک خان کے نام سے مشہور تھی۔

عظیم صاحب کے زمانے میں اس کے مالک محمد سلام اللہ خان خلیفہ خان بہادر مولوی اکرام اللہ خان صاحب تھے۔ حویلی کے اندر بہت وسیع مچھ اور دو کھانا ہال تھا۔ اس کا دروازہ عظیم احسن اللہ خان نے سن ۱۷۷۵ء میں خود بنوایا تھا۔ جس پر مندرجہ ذیل منظوم تاریخی کتبہ نصب تھا جو غالب کا نتیجہ فکر ہے:

لکھا بنا احسن اللہ خان / رہا بد انسان اور دکشا
کہ غالب ہے سال تاریخ او / رقم زدہ در دکشا چنڈا

۱۷۷۵ء

عظیم صاحب نے اس حویلی کے احاطے میں ایک حمام بھی بنوا دیا تھا۔ حمام کے اندر دیوار پر سنگ مرمر کی حلقی پر مندرجہ ذیل کتبہ تھا:

حوالہ عظیم

مرتب محنت ان حمام دلخواہ / تعمیر تعمیر احسن اللہ
محمد امیر رشیدی

سنگ مرمر کی حلقی پر پھر کی دیوار پر درجہ ذیل کتبہ بھی تھا:

بد عمل احسن اللہ خان بنا کرد / یکے مگر باہر اندری نشین
بے سائش کہ یارب جاہلوں باد / بفرق بانی خود سایہ اکلن
نہشتم روئے لفظ آگاہ گلشن / شدہ تعمیر این حمام احسن

۱۷۶۸ - ۳۰ = ۱۷۹۸

اس کے علاوہ مردہ میں (مضلع درگاہ عقب الدین بختیار خانی) عظیم احسن اللہ خان نے بادشاہ کو خوش کرنے کی خاطر ایک مسجد اور حویلی بنوائی تھی۔ مسجد اور مکان دونوں پر قطعات تاریخی پاکستان کے علوم میں آنے سے بہتر موجود

تھے۔

تاریخِ مسجد

مسجدے سلامت چوں بحسن عمل احسن اللہ خان پاک سرشت
اے غفر ہر سال تارِ بخش خالد ام "خازنہ خدا" بلوشت
۱۳۲۶ھ

تاریخِ مکان

ارسل ہائے نو بدرگاہِ حق خرم نمود آگاہ
برداشت لب از دہارِ دہلی فقیر احسن اللہ
۱۳۲۳ھ = ۱۳۲ - ۱۳۹۵

مولانا بشیر الدین امر دہلوی مولف "واقعات دار الحکومت دہلی" نے اپنی کتاب میں مسجد و مکان احسن اللہ خان کی تصویریں بھی دی ہیں (27)۔ حکیم احسن اللہ خان شاعروں کے قدردان ہی نہیں خود بھی شاعر تھے، حتیٰ شعرا میں سراغ نے ان کا کام احسن شخص کے تحت درج کیا ہے (22)۔ ان کی علمی صحبتوں کے ذکر سے تاریخ کے صفحات خالی نہیں۔ لال قحطی کے مشاعرے بہت مشہور تھے۔ قلم شعرا بہادر شاہ ظفر کے حضور میں جمع رہے اور علمی بحثیں گرم رہیں، حکیم احسن اللہ بھی اسی بزم کے حاضر و برداشت تھے۔ ایک دن معمولی دربار تھا، قذافی موجود تھے، ایک شہزادہ آیا اور بادشاہ سے آہستہ آہستہ کہہ کر چلا گیا۔ حکیم احسن اللہ خان نے عرض کیا یہ کتنا کیا تھا اور چاہا کیا تھا۔ بادشاہ کی زبان سے نکلا:

اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

نقدی نے اس وقت کہا:

لائی حیات تکی تھا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے (23)

- (۱) عراق اللہ کی غایت پر پہنچنے والے سفر میں طرہائی شاعر کا ہے۔ شعر کا جملہ تذکرہ علی شہرہ میں ص ۲۲۸ پر ملتا ہے۔ دوسرا شعر سید ہمیت علی کا ہے۔ آخری تین قصائد مرصعہ علی ص ۱۸۱ کے ہیں جو مرزا غالب کے شاگرد تھے۔ ان کا ذکر بھی تذکرہ علی شہرہ میں ص ۲۲۸ پر ملتا ہے۔ ان قصائد سے یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ کتاب دہلی میں ۱۸۶۸ء مطابق ۱۲۸۵ھ میں طبع ہوئی تھی۔
- (۲) حیات جلیہ، مطبوعہ دہلی، ڈاکٹر یحییٰ زکی اللہ، ۱۳۳۶ھ میں ۳۵
- (۳) یادگار غالب، جلدی، مطبوعہ دہلی، ۱۳۳۵ھ میں ۳۳-۳۲
- (۴) ہندوستانی اخبار نویس، مرزا یحییٰ مصباح، علی گڑھ، ۱۳۵۵ھ مطبوعہ ۲۰۸
- (۵) دیوانہ لہو، عربیہ انڈیا، ۱۳۷۰ھ میں ۳۷
- (۶) ہندوستانی اخبار نویس، ۱۳۸۸ھ
- (۷) یادگار غالب، ۱۳۸۵ھ
- (۸) یادگار غالب، میں واقعات کسی قدر غلط درج ہوئے ہیں، صحیح واقعات کے لئے دیکھئے : مستقرات غالب، مرتبہ مسعود حسن رضوی (دارال)
- (۹) شکیل احمد لکھائی : ۱۳۵۵ء کا تاریخی روزنامہ، از مہر الخلیف، دہلی، ۱۳۵۵ھ
- Memoirs of Hakim Akbarulla Khan, edited by S. Moazzam Haq, Karachi, 1968 (۱۰)
- (۱۱) ۱۳۵۵ء کا تاریخی روزنامہ، مہر الخلیف، مرتبہ شکیل احمد لکھائی، میں ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶
- (۱۲) خطوط غالب، میں ۷۷، ۷۸، ۷۹
- (۱۳) روزنامہ، میں ۳۳-۳۲
- (۱۴) واقعات دارالحکومت، دہلی، جلد سوم، میں ۱۳۵
- (۱۵) ذکر غالب، بانک، رام، میں ۳۶۱
- (۱۶) یادگار غالب، جلدی، میں ۳۵
- (۱۷) ۱۳۵۵ء کا تاریخی روزنامہ، مرتبہ شکیل احمد لکھائی، دہلی، ۱۳۵۵ھ میں ۷۷-۷۸-۷۹-۸۰، از نظام رحمانی، ۱۳۳۶ھ میں ۳۵۔ نورنگ
- (۱۸) یادگار غالب، لکھنؤ، میں ۳۵
- (۱۹) واقعات دارالحکومت، دہلی، مولفہ مولانا اختر الدین، امروہ، ۱۳۸۸ھ، ج دوم، میں ۲۱۰-۲۱۱، ج سوم، میں ۲۰۸
- (۲۰) جلی شہر، میں ۳۵
- (۲۱) آئین دہلی، اپریل ۱۳۸۸، شکاران، دہلی، ج دوم، شامی، ۱۳۸۸ھ، مہینہ الدین، مہاراشٹر۔



ڈاکٹر فرمان فتح پوری

غالب اور غالب تخلص کے اردو شعراء

اردو شعراء ادب کی تاریخ انفا کر دیکھی جائے تو ایک ہی نام اور ایک ہی تخلص کے کسی کی شاعر نظر آئیں گے۔ ان میں سے بعض نام ایسے ہیں جن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی طور پر قابل توجہ ہے اور ادب کا شاید ہی کوئی قاری ہو جو ان کے نام سے واقف نہ ہو، مثلاً آزاد ہی کے تخلص کو لے لیجئے: فقیر اللہ آزاد، محمد حسین آزاد، مولانا ابوالکلام آزاد، آزاد بھائی اور بنگن ناتھ آزاد میں سے ہر ایک اپنی ایک حیثیت رکھتا ہے۔ یہی حال جعفر علی خاں حسرت اور حسرت موہانی یا شاہ اللہ خاں فراق اور دگموتی سائے فراق گورکھ پوری کا ہے۔ جگر مراد آبادی اور بنگر بریلوی، بوش طبع آبادی اور بوش ملیح آبادی کے نام بھی اسی دمرے میں آتے ہیں۔ اختر تخلص اکثر شعراء کو داس آیا ہے۔ قاضی محمد صادق خان اختر مصطفیٰ مشوی "سراپا سودا" اور واجد شاہ اختر سے لے کر علی اختر حیدر آبادی، ہری چند اختر، اختر انصاری، اختر اوسدہی، اختر حسین رائے پوری، اختر شیرانی، جان نثار اختر، سید اختر اور اختر الامین تک متعدد ایسے ادیب و شاعر ہیں جو تخلص یا نام کے اشتراک کے باوصف اپنی انفرادی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن اس قسم کے ناموں کے بعض ایسے گروہ بھی نظر آتے ہیں جن میں سے صرف ایک ہی نام نے برگزگہ کے درخت کی طرح دوسرے ہم نام شعراء کو اپنے سایہ میں لے لیا۔ ہمارے ادب میں اس کی ایک واضح مثال مرزا نوشہ اسد اللہ خان غالب کی ہے۔ ان کا نام اتنی شاعری پر آداب بن کر اس طرح چمکا کہ اس تخلص یا نام کے دوسرے شاعر سے بیکر ماند پڑ گئے اور اب خواص کے سوا ادب کے عام قاری شاید یہ بھی نہ جانتے ہوں کہ ہماری شاعری میں غالب تخلص کے اور بھی کسی قابل توجہ شاعر گزرے ہیں۔ اس لئے اگر آج کی صحبت میں مرزا غالب کے ساتھ غالب تخلص کے دوسرے اردو شاعروں کا ذکر کر دیا جائے تو نامناسب نہ ہو گا۔

مرزا اسد اللہ خان غالب اس زمانے کے عام رواج کے مطابق اسد اور غالب دونوں تخلص کرتے تھے۔ اسد اردو کے لئے تھا اور غالب فارسی کے لئے۔ بالکل اسی طرح جیسے نواب مصطفیٰ خاں اردو میں شینہ اور فارسی میں صرقتی، یا نواب ضیاء الدین اسد خاں اردو میں درخشاں اور فارسی میں نیر تخلص کرتے تھے۔ مولانا حالی نے اسد تخلص کے سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ اس طور پر لکھا ہے:

"ایک صاحب نے ہر غالباً، عارس یا گھسٹو سے دلی آئے تھے، مرزا کے ایک شعری ان کے سامنے بہت تعریف کی۔ مرزا نے کہا ارشاد تو ہو وہ کون سا شعر ہے؟ انہوں نے میر لانی تخلص پہ اسد شاعر مرزا رفیع کا یہ شعر پڑھا:

اسد اس جنا پہ تجوں سے وفا کی
مرے شیر شاہاںِ رحمت خدا کی

شعر میں چونکہ اسد شخص واقع ہوا تھا انہوں نے سمجھا کہ مرزا غالب کا شعر ہے۔ مرزا یہ سن کر بہت برا ہوئے اور فرمایا کہ اگر کسی اور اسد کا شعر ہے تو اس کو رحمت خدا کی اور اگر مجھ اسد کا شعر ہے تو لعنت خدا کی۔ (1)
ممكن ہے یہ واقعہ سبب بنا ہوا اور کوئی وجہ رہی ہو لیکن غالب نے بہت جلد اسد شخص کو ترک کر دیا اور اردو فارسی دونوں میں صرف غالب کا استعمال کرنے لگے۔ چنانچہ ایک خط میں خود لکھتے ہیں:

"میں نے تو کوئی دو چار برس ابتداء میں اسد شخص رکھا تھا ورنہ غالب ہی لکھتا رہا ہوں۔" (2)

بقول مرثی صاحب یہاں دو چار برس سے مراد ان کی شاعری کا دور اول ہے جب کہ وہ مشکل گوئی کو معیارِ سخن بنائے ہوئے تھے۔ بعد ازاں انہوں نے اردو فارسی دونوں میں غالب کا استعمال کیا ہے (3)۔ لیکن غالب شخص اختیار کر کے بھی وہ بزمِ شعر میں اس شخص کے ساتھ تھا نہیں رہ سکے۔ اس لئے کہ غالب شخص کے خود کی شاعری کی تاریخ میں ان کے دوش بدوش موجود رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ جس شہرت اور جس مرتبے کو مرزا غالب پہنچے وہ کسی دوسرے غالب کو میسر نہ آیا۔ پھر بھی ان میں سے بعض ایسے قادر الکلام اور صاحبِ کمال شاعر ہیں جو اساتذہ قدیم کی صف میں آتے ہیں اور تاریخِ ادب کی گم شدہ کڑیوں کو ملانے کے لئے جن کے حالات و کلام کا مطالعہ بہر حال ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ غالب کے بعض محققین اور ان کے کلام کے بعض مرتبین نے کچھ ایسی غزلیں اور اشعار بھی مرزا فوش غالب سے منسوب کر دی ہیں جو کہ حقیقتاً مرزا فوش کے نہیں بلکہ کسی دوسرے غالب کے ہیں۔ یہ دھوکا محققین کو صرف اس لئے ہوا کہ انہوں نے غالب شخص کے دوسرے شعراء کے حالات و کلام پر تحقیقی نظر ڈالنے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔ چنانچہ ذیل نظر مضمون میں آپ کو اس قسم کی فرد گمراہی کی نشان دہی بھی ملے گی۔ اس سے پہلے ڈاکٹر عبدالغنی شادانی صاحب نے اہلہ اس طرف توجہ کی تھی لیکن جیسا کہ ان کے مضمون کی تفصیلات سے ظاہر ہے کہ چونکہ ان کا اصل مقصد غالب شخص کے اردو یا فارسی شعراء کے حالات و کلام کا سراغ لگانا نہیں تھا بلکہ یہ ثابت کرنا تھا کہ مرزا فوش اسد اللہ خان غالب شخص اختیار کرنے کے سلسلے میں بھی سوجھ بوجھ نہیں بلکہ مقلد تھے اس لئے ان کا مضمون خشک و نامکمل رہ گیا۔ چنانچہ انہوں نے اگرچہ اپنے مضمون کے ماخذوں میں اردو شعراء کے تذکروں کے ساتھ فارسی شعراء کے تذکروں کو بھی شامل کر لیا ہے لیکن دس مطبوعہ تذکروں کے تراجم کے سوا انہوں نے پیشتر اہم تراجم پر نظر نہیں ڈالی (4)۔ ان میں دو تذکرے فارسی شعراء کے ہیں "آئینہ اردو کے"۔ ہارنی نظر سے غالب شخص دیکھنے والے اردو اور فارسی شعراء کے ایک سو سے زائد قدیم ماخذ گنودے ہیں۔ ناچار ہے کہ ان سب کا ایک جگہ سمیٹنا آسان نہ تھا۔ اس لئے ذیل نظر مقالے کو "غالب شخص کے اردو شعراء" تک محدود کر لیا گیا۔ اس میں آپ کو ہمیں سے زائد قدیم ماخذوں کے حوالے ملیں گے۔ غالب شخص کے فارسی شعراء اور اسد شخص کے اردو فارسی شعراء کے حصص الگ الگ مضامین ذیل ترتیب میں اور جلد شائع کر دیئے جائیں گے۔

شعراء اردو کے تذکرہ کی جہاں تک ہم نے چھان بین کی ہے ان میں غالب شخص کے سب ذیل اردو

شعراء کے حالات و منکبات ملے ہیں:

- 1:- غالب - مرزا نوشہ اسد اللہ خاں غالب۔
- 2:- غالب - کرم الدولہ بہادر بیگ خاں دہلوی۔
- 3:- غالب - انور علی۔
- 4:- غالب - غالب علی خاں۔
- 5:- غالب - نواب مرزا بان علی خاں گھنٹی۔
- 6:- غالب - نواب سید الملک اسد اللہ خاں۔
- 7:- غالب - حکیم محمد خاں۔
- 8:- غالب - لالہ موہن لال۔
- 9:- غالب - دکنی۔
- 10:- غالب - عاقی یہاں۔

(1) مرزا نوشہ اسد اللہ خاں غالب کے حالات و کلام کے سلسلے میں اتنا کہہ لکھا جا چکا ہے کہ بطور تعارف ان کے متعلق کچھ کرنا تفصیل حاصل ہو گا۔ اس لئے غالب کو نظر انداز کر کے غالب شخص کے دوسرے شعراء کے حالات و کلام پر روشنی ڈالی جائے گی۔

(2) غالب 'بہادر بیگ خاں' مرزا نوشہ کے بعد غالب شخص کے شعراء میں سب سے ممتاز اور اہم حیثیت کے مالک بہادر بیگ خاں غالب ہیں۔ نواب اعظم الدولہ سرور جنہیں بہادر بیگ غالب کے معاصر دوستوں میں شمار کرنا چاہئے اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"غالب کرم الدولہ بہادر بیگ خاں غالب جنگ مرحوم فرزند نواب نیاز بیگ خاں توراتی کہ در عہد نواب ذوالفقار الدولہ منظور سوار سے اسی شوکت بود۔ بعد رحلت پدر بزرگوار خود بسیار بہ پیش و کلام رانی بسر بود۔ دلک ہا دہیچہ در عیاشی صرف نمود۔ شخص یار خلق 'خلیق قاتل' صاحب مروت بود۔ پیش از وقت قلام قادر ملک حرام" در خانہ خود مجلس مشامو مشفق کرد بہ اقسام اندیہ خیانت شاعران ی نمود و شب بہ تماشائے رقص ماہ رویان مع حاضرین محفل ہری ہمد۔ دعا کہ بہ ہمیں طور بہ ہر طرف کہ خاطرش رافب ی شد" مصروف ی گشت۔ در اکثر حرفہ ماہر بود۔ خصوص ذوق موسیقی نہایت درویش حکمن داشت" از مولف تعارف قدیمی بود" اشعار قاری و دہشت ہر دو خوب ی گفت و در حد یک ہزار و دو صد و پندرہ ہجری (۱۸۶۸ء) بہ آزلو در گذشت خدا بیش یا مرزا از دست۔"

مست ہو خفا بغل میں گر تھم کو یار کھینچا

بجور تھا لٹے میں ہے اختیار کھینچا

قصہ درد و غم اپنا جو سنایا ہم نے
یاں تنگ روئے کہ اس کو بھی دلایا ہم نے

دل میں اپنے نہ کو سوچ کہ کیا ہوئے گا
وہی ہوئے گا جو قسمت میں لکھا ہوئے گا

ہم سر ہی بچے تھے ہم پر رات
قصہ ہی ہوا تھا مختصر رات

وصل کی کیا دیکھیں امید کہ تم نے تو بھی
کسی کو بوسہ بھی ہرگز نہ دیا ہوئے گا

رہتے ہیں آئینے سے پیشہ دو چار آپ
تھا ہی لوستے ہیں یہ ساری بہار آپ

دلفنوں میں کھینچ کر یہ دل مستند بانہ
تا پھر نہ کوئی دل کو پھنساوے یہ بند بانہ
خوش کاموں کی یاد میں ہم بھی فقیر ہو
بیشیں گے اک چہرہ یاد بانہ بانہ

قاصد اسے آتا ہوں کہو میں بھی بھلا یاد؟
اب جس کی مجھے یاد میں یاں کہہ نہ رہا یاد

اے کہ روا خدا سے ڈر کر
اس شوق کے دل میں تک اثر کر

کلی سنے کڑکے کا ہوں قریاں
شب چھاتی سے لگ گئے وہ ڈر کر

ہم نے کھ کھ اسے حال سر و شام تمام
اپنے ہاتھوں سے خراب اپنا کیا کام تمام

دل ساتھ ہوں کے نہ پھر اکا تو لگا بیٹھ
گر ہو سکے کوئی روز سر اب یاد خدا بیٹھ
ساقی ترے اس جام سے صاف کی دولت
ہوں درد و غبار اپنے تو بس دل کا گیا بیٹھ
دیتے ترے کوسے میں کوئی غیر نصرتے
پر یار میں ہوں نقل قدم اٹھ نہ سکا بیٹھ (۵)

ہمارے ایک خاں غالب کے متعلق گارساں دہاسی نے جو کچھ لکھا ہے وہ یکسر محض ہتھیاری سے ماخوذ ہے۔ صرف
اک اضافہ ملتا ہے:

"غالب فارسی میں موزوں سے اور اردو میں ہدایت و فراق سے مشورہ خن کرتے ہیں۔" (۶)

غالب مصطفیٰ خان شینو نے بھی غالب کی بڑی تعریف کی ہے لیکن ان کے حالات زندگی کے سلسلے میں کوئی نئی
بات نہیں کہ جسے نمونہ کلام میں انہوں نے حسب ذیل تین شعر نقل کئے ہیں:

بجلی کے چمکنے سے ہے اسوں
شب چھاتی سے لگ گیا وہ دار کر

قصہ درد و غم اپنا جو خلا ہم نے
یاں تک روئے کہ اس کو بھی دلایا ہم نے

رہتے ہیں آجینے سے عیش وہ چار آپ
تھما ہی لوٹتے ہیں یہ ساری بہار آپ (۷)

کریم الدین اور فیض صاحب نے ہمارے ایک خاں غالب کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے وہ گارساں دہاسی کے ترانے
کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے ان کے یہاں بھی کوئی نئی معلومات ہاتھ نہیں آتی۔ نمونہ کلام میں وہی تین شعر ان
کے تذکرے میں بھی درج ہیں جو "گلشن بہ خار" کے حوالے سے اوپر نظر سے گزر چکے ہیں۔ (۸)

میر تقی میر نے غالب کو ہدایت خاں دہاسی کا شاگرد قرار دیا ہے لیکن ان کے استادوں میں موزوں اور فراق
کا نام نہیں لیا۔ نمونہ کلام میں پانچ شعر دیئے گئے ہیں جو اوپر نقل کئے جا چکے ہیں۔ (۹)

ضرافہ خاں خوشگلی نے حالات زندگی میں صرف تین چار سطریں لکھی ہیں۔ وہ بھی محرم اور غیر واضح۔ نمونہ کلام میں متعدد جگہاں اشعار میں سے آخری دو شعر درج ہیں۔ (10)

اشعر عمر نے بھی کوئی نئی معلومات ہم نہیں پہنچائی۔ ان کے بیان سے یہ سراغ لہتہ لگتا ہے کہ بہادر بیگ خاں غالب کا ذکر مشقی، قاسم، ذکا اور سود کے تذکروں میں بھی کیا ہے۔ (11)

غالب الدین باطن نے بھی غالب کا ذکر بہت ادب و احترام سے کیا ہے۔ لیکن کوئی نئی بات ہمیں کہی۔ ان کی مقفی انکسار دازی کا اسلوب یہ ہے

"جائے مشاعرہ سے از بس شرق قمار کشائے ارباب نکلا کا فوق قمار۔" (12)

نمونہ کلام میں باطن نے صرف دو شعر نقل کئے ہیں، دونوں شیخہ کے حوالے سے اوپر درج کئے جا چکے ہیں۔

منا بدایونی نے صرف دو سطروں میں غالب کا ذکر اس طور پر کیا ہے:

"غالب جنکس کرم الدولہ بہادر بیگ خاں غف نیاز بیگ خاں قورانی، ہاشمہ، دلی، شاکر و ہدایت" صاحب دیوان تھے۔ قاری شعر بھی کہتے تھے۔"

قصہ درد و غم اپنا جو سلا ہم نے

یاں تنک روئے کہ اس کو بھی دلاؤ ہم نے (13)

مشقی کا بیان اس طے میں اور بھی مختصر ہے۔ نمونہ کلام میں صرف ایک شعر درج کیا ہے۔ اصل بیان یہ ہے:

"غالب دہلوی غلاب قواب بہادر بیگ خاں غالب بیگ غف نیاز بیگ۔"

یاں تنک شب کو ہوا سود ہوئی اسے ساقی

پنہ صبح ہوا صرف کلاہ شیشہ (14)

یعنی فراموشی میں نے صرف ایک سطر میں جنکس، نام اور وطن کی نشان دہی کر دی ہے لیکن نمونہ کلام میں انہوں نے غالب کی متعدد ذیل تین غزلیں مع مطلع و مطلع وے دی ہیں۔ ان سے غالب کے رنگ خن کو سمجھنے میں کمالات ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہم قارئین کے ذوق طبع کے لئے درج کر رہے ہیں۔

کب رہا ہے اب ہمیں حور و بشر کا امتیاز

دیکھ کر جاتا رہا مجھ کو نظر کا امتیاز

اس کا کوچہ چھوڑ کر ہوسے ہے نقش کی طرف

ہو گیا معلوم بس بادِ سحر کا امتیاز

بازی جس نے دگ گل کی نہ دیکھی ہو بھی

ہو یہاں کیوں کہ اسے ہماری کمر کا امتیاز

ہے یہ سوائے محبت ہی کہ یاں انسان کو

کچھ نہیں رہتا جہاں نفع و ضرر کا امتیاز

جب نشست اغیار کے پہلو میں نصیری یار کی
تب ہمارا رہ گیا پھر واں کدھر کا اختیار
دل بہت بوچھے ہیں خاک جب اکسیر کو
ان کو کب ہوتا ہے صرف سیم و زر کا اختیار
آگے اپنے یار کے غالب ہمیں معیوب ہیں
دور ہے کس کے اسے صیب و ہنر کا اختیار

نقد جلیل کا ہے کیا داغ و دھن کے نزدیک
ہوتی ہے قدر خن اہل خن کے نزدیک
ہے ہر اجازت سہا کی حکایت مشہور
کچھ بڑی بات میں میرے خن کے نزدیک
دور ہو یا کر مجھے صاف پلا اے ساقی
سب ملالی ہے اب اس تکتہ دہن کے نزدیک
اس کی خوبی کو تو کیا جانے بہت دور ہے گل
کیا ہوا رہتی ہے جلیل تو جن کے نزدیک
اس رخ و ذلف کے سودا میں ہمیں اے غالب
شام غریب ہی بھلی صبح دھن کے نزدیک

کاکل نے تھ کو ہم سے مددوش کر دیا ہے
اپنا چراغ دل کا خاموش کر دیا ہے
نکواری کی تو اپنے پانچھے ہے کیا تنہا
ہر دلم دل نے غالی آغوش کر دیا ہے
آخر کو رفت رفت اے اشتیاق مرثیہ
ہم کو تمام تو نے اب گوش کر دیا ہے
ہے دج تو نہیں ہے حیرا ملال خاطر
شاید کسی نے تھ کو ذی ہوش کر دیا ہے
جگ کہہ کہ عالم کہیں مجھ خن تیری
جس نے کہ ایک عالم مددوش کر دیا ہے

لئے گئے ہو ہم سے دیکھا تجھے جہن میں
محل نے تمام حق کو آشوب کر دیا ہے

احسان ہے تجھ پر ہم پہ اسے جذبہ محبت
نیش بیکر سرپا یاں نوش کر دیا ہے
غالب کو کب دی ہے پردائے جام و ساقی
مست نگہ نے تجھی مدحوش کر دیا ہے (15)
ان غزلوں میں سے پہلی غزل کو جس کا مطلع ہے:

کب رہا ہے اب ہمیں حور و بشر کا امتیاز
دیکھ کر جانا رہا مجھ کو نظر کا امتیاز

بعض مشاعر نگاروں نے بہادر بیگ غالب کی بجائے اسد اللہ خاں غالب کے نام سے نقل کیا ہے۔ چنانچہ اردو کے ممتاز محقق مختار الدین احمد اردو صاحب اس کو مرزا نوشہ اسد اللہ خاں غالب سے منسوب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”یہ غزل اشعار کے ایک قسم مجموعے سے ”ہنس کی اشاعت غالب کی زندگی میں ہوئی“ مانو ہے۔ سال ترتیب ۱۳۶۸ء۔ یہ غزل اس کے ص ۳۳ پر مندرج ہے اور اس کے پہلے سودا اور بعد میں میر کی غزل ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ یہ غزل مرزا غالب ہی کی ہوگی اس لئے کہ ۱۳۶۸ء میں غالب شخص کا کوئی اور شاعر اچھا مشہور نہ تھا جو میر و سودا کے پہلو میں جگہ پاسے۔“ (16)

یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ مرزا غالب سے پہلے ”جیسا کہ اوپر کی تفصیلات سے اندازہ ہوا ہو گا“ بہادر بیگ خاں غالب متوفی ۱۳۶۸ء مطابق ۱۸۸۳ء اردو کے ممتاز شاعروں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ان کی وفات کے وقت غالب کی عمر چھ سال کی رہی ہوگی۔ اسد شعراء کا شاید ہی کوئی ایسا حوالہ ہو جس میں بہادر بیگ کا ذکر اہتمام سے نہ آیا ہو۔ ایسی صورت میں انھیں کم شہرت یافتہ سمجھنا درست نہیں ہے۔ علاوہ انہیں مذکورہ بالا غزل کا انداز بیان صاف بتا رہا ہے کہ وہ مرزا نوشہ اسد اللہ خاں غالب کی نہیں ”بہادر بیگ خاں غالب کی غزل ہے۔

”چمن بے نظیر“ کا ایک مطبوعہ نسخہ جس کے حوالے سے مختار الدین احمد اردو صاحب نے یہ غزل مرزا نوشہ غالب سے منسوب کی ہے۔ اس کے مولف کا نام محمد ابراہیم موہی ہے اور یہ ۱۳۳۵ء میں لکھا گیا ہے۔ ”چمن بے نظیر“ سے اس کی تاریخ نکلتی ہے۔ انجمن ترقی اردو کراچی میں اس کا ایک مطبوعہ نسخہ موجود ہے اور اس وقت یہی میرے سامنے ہے۔ اس کے سرورق پر کتاب کا نام اس کے موضوع کی تفصیل یوں درج ہے (17):

تفصیل کردگار بہ مجمع الاشعار و ان قاری و ہندی و نثر زبان پوربی المسمی ”مرآۃ العاشقین“ یعنی

چمن بے نظیر قاری

جس میں دیباچہ کتاب ”قصائد عربیہ“ غزل ہائے قاری ”مستزاد“ مختصات ”مقطعات“ رباعیات ”ایات“ فردیات“ ”صعود ہائے ضرب المثل“ ”تسمیحات و منافع و بدائع و جویستان و ذرائع۔

جن بے نظیر ہندی

جس میں غزل ہائے شعرائے ہند و قصائد و مستزاد و مثنات، مثنیات مسدسات و مثنیات و واسوشت و ترکیب ہند و مثنویات و رباعیات و قطعات و عیدیں و دعوت ایات و لڑکیاں و چند غزل بیاد و مناجات و نوازیات حقد میں مرقوم ہیں۔

نغمہ دل پذیر

جس میں حمد الہی، نعت رسالت، باب **بسم اللہ الرحمن الرحیم**، مناقب غفرلہ، مناقب خواجہ و مضامین عشقیہ بھاری، دلچسپ تراے و تقریب نغمے اور مثنوی عام ہند طرزوں میں جناب قہل جلال پوری نے لکھے ہیں۔ (18)

اس تفصیل سے یہ چلتا ہے کہ کتاب کا اصل نام "جن بے نظیر" نہیں بلکہ "مرآۃ العاشقین" ہے جسے موضوعات کے اعتبار سے مولف نے تین خاص حصوں میں تقسیم کر کے پہلے دو حصوں کو "جن بے نظیر" (قاری) اور "جن بے نظیر" (ہندی) سے موسوم کیا ہے اور تیسرے حصے کو "نغمہ دل پذیر" کا نام دیا ہے۔ اس میں مولف نے اپنی ہند کے شعراء کا کلام، جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے ظاہر ہے، جمع کیا ہے۔ لیکن کسی اصول یا معیار کو پیش نظر نہیں رکھا۔ چنانچہ اس میں جہاں سودا، غالب، فوق، موسیٰ، فتح، آتش، میر، جرات، انشاء وغیرہ جیسے معروف و ممتاز شعراء کا کلام شامل ہے، وہاں سیکڑوں گننام و غیر معروف شعراء مثلاً نیاز، قہل، مشتاق، یوسف، عارف، طور، علی، کنور، عال، لطیف، بخشش، فنا، حیرت، مستان، داہم، دلیر، قلندر، عشرت، قدوس، شادان، رضا وغیرہ کا کلام بھی کتاب کی زینت ہے۔ علاوہ ازیں بہت سی غزلیں اور اشعار بغیر کسی نام کے درج ہیں۔ اس لئے اس کے متدرجات سے آرزو صاحب کا یہ نتیجہ نکالنا کہ چونکہ "اس کے پہلے سودا اور بعد میں میر کی غزل ہے" خیال ہوتا ہے کہ یہ غزل مرزا غالب ہی کی ہوگی، "کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔

اس مجموعہ اشعار سے مرزا فوشہ غالب کی ایک دوسری غزل کا سراغ ضرور لگتا ہے۔ اس غزل کا مطلع ہے :

اپنا احوال دل دار کسوں یا نہ کسوں

ہے حیا مانع انکار کسوں یا نہ کسوں

یہ غزل غالب کی حداول دیوان حتیٰ کہ نسخہ حیدر میں بھی شامل نہیں ہے۔ نسخہ مال رام (19) اور نسخہ مرثی (20) میں البتہ یہ شامل کر لی گئی ہے۔ اس غزل پر مصروف نے سات ہند کا ایک مخلص کہا ہے، "یہ مخلص ہے عنوان "مخلص مصروف پر غزل نواب اسد اللہ خاں ہادر" جن بے نظیر کے حصہ دوم میں شامل ہے۔ پہلا اور آخری ہند ہلو نوٹ نقل کیا جاتا ہے۔

شرح درد بگر انکار کسوں یا نہ کسوں

ہے مجھے رخصت گفتار کسوں یا نہ کسوں

کچھ تو کہ اے بت عیار کسوں یا نہ کسوں

اپنا احوال دل زار کہوں یا نہ کہوں
 ہے حیا مانع اشعار کہوں یا نہ کہوں
 ہے خن وائشہ دل کی مجھے معصوفہ مد
 ہوں بہ زندان خن صودت قفل ایچہ
 دل میں باتیں بھری جب کہ زیادہ اڑد
 آپ سے وہ مرا احوال نہ پوچھے تو اسد

حسب حال اپنے پھر اشعار کہوں یا نہ کہوں (27)

یہ غزل موجودہ دہائی معصوفہ میں بھی شامل ہے (22) لیکن وہاں کے طبع ہونے سے پہلے کا سراغ کریم الدین کے ایک تذکرے میں ملتا ہے اور یہ ”بہمن بے نظیر“ سے پہلے مرتب ہوا ہے (23)۔ لیکن یقین کر کے کہی نہیں چاہتا کہ یہ غزل مرزا نوشہ اسد اللہ خاں غالب کی ہے ”اول اس لئے کہ سنی اور اسلوب وہاں لاف سے یہ رنگ غالب سے بالکل الگ ہے۔ دوسرے یہ کہ اس غزل کے سوا اس غزل کی تصدیق کسی اور ماخذ سے نہیں ہوئی۔ نفاذ حیدر بھی اس سلسلے میں خاموش ہے۔ کیا جب یہ غزل سید ملک نواب اسد اللہ خاں یا کسی دوسرے اسد کی ہو۔ کلام غالب کے محققین و مرتبین کو اس کا بالکل ثبوت یا صحت ماخذ کا سراغ فراہم کرنا چاہئے۔

ہمارے ایک خاں کا قدرے تفصیلی ذکر اعظم اللہ وہ سرور کے بعد قدرت اللہ قاسم کے یہاں نظر آتا ہے۔ لیکن چونکہ ان کے سامنے سرور کا تذکرہ موجود تھا۔ اس لئے غالب کی قریف و توصیف میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے ”وہ سرور کے بیان سے ملتا جلتا ہے۔ صرف یہ کہ غالب کے اساتذہ کا ذکر سرور کے یہاں نہ آیا تھا وہ قاسم کے یہاں اس طور پر موجود ہے۔

”بہر وہ زبان خن می گفت و ہر وہ دست در سنی می بست۔ شعر فارسی بہ سبب میر فرزند علی موزوں می و سانیہ و رنختہ طبع و دربار خود از فکر استلا صاحب و رایست خاں ہدایت معنی اللہ عنہ و دوستدار سراپا وفاق تحیم شاہ اللہ خاں فراق سلمہ الملاقی می گذراشید۔“ (24)

قاسم نے نمونہ کلام کے سلسلے میں غالب کے منتخب اشعار بھی دوسرے تذکرہ نگاروں کے مقابلے میں زیادہ دیئے ہیں۔ انیس اشعار میں سے دس اشعار سرور کے انتخاب کلام میں بھی شامل ہیں۔ سرور کا انتخاب ہم کچھلی طور میں نقل کر چکے ہیں اس لئے اس جگہ جیسے گیارہ اشعار درج کئے جاتے ہیں:

فرقت میں تھوڑی شب کو زبیں دل میں درد تھا
 کہ چہو سرخ گاہ مرا رنگ زرد تھا

کبھ تو زرد ہے چہو کبھ ہے لال اپنا
 دکھائی دے ہے جب دم بہ دم یہ حال اپنا

اگرچہ دل میں تو رہتے ہو پر بقاء بھی
بکھر بکھر تو دکھلا کر جمال اپنا

دل تو رہتے ہوئے دے بیٹھے ہم اس کو لیکن
سوچ رہتا ہے یہی دل میں کہ کیا ہوئے گا
اپنے غالب کے تئیں 'فت کا سٹانا کیا ہے
کچھ بھلا بھی کہ چارے کہ بھلا ہوئے گا

زلفوں کے بال منہ پر اس کے بکھر رہے ہیں
کیا کیا خیال دل میں ہم اپنے کر رہے ہیں

ہے مجھ کو یہی سوچ کہ اس بزم میں آ کر
جو اندھ مجھے کیا کر سکے کیا ہم نے کیا چند
یک ہا کوئی وہ شخص ملک دیکھ سکے ہے
چارے ہو تو آتا ہے تو تک مجھ سے جدا ہوتا
ہوتی ہے کوئی بیٹھی کی ہے عشق کی لذت
چاہے جو حرا اس کا کہیں دل کو لگا دیتا
منزل کو جو پہنچے ہیں یہ کہہ دیجئے ان سے
اک بار کوئی راہ میں ہے تھک کے رہا چند

کرچہ اپنا نہ رہا ہوش مجھے
پر ہوا تو نہ فراموش مجھے

ختم بی حرا امان نے صرف ایک مصرع میں غالب کے نام 'غالب اور ولایت کا سراغ دیکر اس غزل کے پہلے تین
شعر بطور نمونہ دیئے ہیں جو دواخان جہان کے حوالے سے نمبر (26) پر نقل کی جا چکی ہے (26) امان کے یہاں غلطی
سے بعد ایک غالب کا ذکر کر آگیا ہے۔ دوسری جگہ انہوں نے غالب کا یہ شعر بطور نمونہ دیا ہے:

رہتے ہیں آگئے سے بیشہ دو چار آپ

تھاقا لوستے ہیں یہ ساری ہمار آپ (27)

مرزا قوش احمد اللہ خاں غالب کا ترجمہ بھی امان کے یہاں دو جگہ ملتا ہے۔ پہلے احمد شمس کے ساتھ 'بعد

انوں غالب شخص کے ساتھ۔ انتخاب کلام البتہ الگ الگ ہے۔ گویا انہوں نے اسد اور غالب کو دو مختلف شخصیتیں سمجھا ہے۔ (28) بہادر بیگ خاں غالب کے متعلق خوب چند ذکا گیتے ہیں:

”غلاب محرم اللہ بہادر بیگ بیگ انتمکس بہ غالب فرزند اورزند غلاب نیاز بیگ خان بہادر“ غالب بیگ از امرائے قوہ ان بود در عہد ریاست امیر الامراء غلاب ذوالفقار اللہ مرزا نجف خان بہادر، عزت و شوکت تمام می گذرانیید۔ شعر قادی بہ نظر میر فرزند علی موزن گذرانیید و اصلاح شعر دلت از ہدایت اللہ خان ہدایت و حکیم شاہ اللہ خان قرانی گرفت و نیز بہ میر نصیر سلہ قسمل بہت۔ خلاصہ کلام ایں کہ مولے خوب و از مستحبات جہان است۔ ہر زور ہم ہشمان غالب آہ و سبب ظاہر در نظر مرام محرم و بزرگ گردید۔“ (29)

ذکا نے نمونہ کلام میں غالب کے ۲۲ اشعار درج کئے ہیں (30)۔ ان میں اکثر مختلف تذکروں کے حوالے سے اوپر نقل کئے جا چکے ہیں۔ اس لئے ان کا تکرر نقل کرنا لاعامل ہے۔

معادیت خاں ناصر نے مرزا نوشہ غالب کے علاوہ محرم اللہ بہادر بیگ غالب کا ذکر کیا ہے لیکن یہ ذکر صرف نام شخص اور لقب کی نشان دہی تک محدود ہے۔ نمونہ کلام میں یہ دو شعر درج کئے ہیں:

مست ہو خفا“ بغل میں گر تجھ کو یاد کھینچا
مبجور تھا نشتے میں“ ہے اختیار کھینچا

قصہ درد و غم اپنا ہو خانا ہم نے
یاں تک روئے کہ اس کو بھی دلاؤ ہم نے (31)

(3) غالب شخص کے ایک اور شاعر انور علی کا ذکر بھی مختلف تذکروں میں ملتا ہے لیکن بہت مختصر کار میں دآسی نے ”سریا خن“ کے حوالے سے صرف اتنا لکھا ہے:

”وہ غلاب بھمبر کے بڑے دوست تھے۔“ (32)

نور حسن علی حسن مولف ”سریا خن“ نے بھی انور علی غالب کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھا بلکہ نمونہ کلام یہ شعر دیا ہے:

کام تو سو طرح نکل توے
کوئی جانے تو دہائے دل (33)

عبدالمقدور شلیخ کے تذکرے میں بھی مندرجہ ذیل سطروں کے سوا کچھ نہیں ملتا:

”غلاب شخص“ انور علی نام“ علاوہ فیض محمد والی بھمبر۔“

کام تو سو طرح نکل توے
کوئی جانے تو دہائے دل (34)

مرزا قادر بخش صابر دہلوی نے البتہ اپنے تذکرے میں نور علی غالب کے متعلق بعض تفصیلات دی ہیں۔ ان کا بیان ہے:

"نور علی" مولوی پورب ملازم نواب فیض محمد خان والی جمشید۔ نوشت و خواہ میں لکھ حسب دل خواہ حاصل تھا اور طوٹ المانی میں بے نظیر اوز صانع و تقویٰ میں بے مدہل۔ یہ سب موزونی طبع کے شعر گوئی کی طرف راغب۔ یہ وہ تین شعراں کے ساتھ طبع سے ہیں۔" (35)

ایک شعر تو دی ہے جو ادب سراپا خن کے حوالے سے نقل کیا جا چکا ہے۔ باقی وہ شعر یہ ہیں۔

آہ کچھ کہ تار' وہ پ' فن
نص ہو' ہے آشنا دل کا

ہم تو غالب کے بھی قائل ہیں کہ جا ہی پہنچا
پاس اس بت کے 'کسی ڈھب' کسی عیاری سے

(4) ایک اور شاعر غالب علی خاں غالب کا نام بھی اردو شعراء کی فہرست میں ملتا ہے۔ اعظم الدولہ نے انکا پتہ دیا ہے کہ:

"غالب خاں ٹیبرہ دہلوی خان کہ سردار سے از قوم افغان بود دوست۔"

ہاں بلب ہیں تری اس چشم کے چار بست
تیر مڑگاں سے ہوئے ہیں جگر انگار بست (36)

عبد الغفور نلخ کا بیان اس سے بھی مختصر ہے۔ لکھتے ہیں:

"غالب خاں ٹیبرہ دہلوی خان باشندہ دہلی پڑے نور آور تھے۔" (37)

نمونہ کلام میں وہی ایک شعر جو اوپر سردار کے حوالے سے درج کیا گیا ہے نلخ کے یہاں بھی دیا ہوا ہے۔ کرم الدین اور فیض صاحب کے تذکرے میں بھی صرف انکا لکھا ہے کہ:

"غالب علی خاں ٹیبرہ دہلوی خان جو کہ شہادت میں رسم زباں بلکہ پگتہ 'ساکن رام پور تھے۔ یہ شعراں کا ہے:

ہاں بلب ہیں تری اس چشم کے چار بست
تیر مڑگاں سے ہوئے ہیں جگر انگار بست (38)

نواب مصطفیٰ خاں شینڈ نے غالب علی خاں کی توصیف و تعریف میں چند کلمات تو بڑھا دیئے ہیں لیکن حالات و نمونہ کلام میں کسی قسم کا اضافہ نہیں کیا۔ لکھتے ہیں

"غالب علی خاں ٹیبرہ دہلوی خان است۔ در شہادت و حضور رسم زباں بلکہ در اکثر اوصاف پگتہ" از دوسرا
ہاں دور نظر اولوالعباد گرائی بود اور است۔" (39)

نمودہ کلام میں یہاں بھی وہی ایک شعر ملتا ہے جو اوپر مختلف جگہوں کے حوالے سے آچکا ہے۔ نظم کی حرارت نے بھی ان کا نام لے کر وہی اوپر کا شعر درج کر دیا ہے (40)۔ ذکا نے بھی ایک سطر لکھ کر نمونے میں حوالہ دیا ایک شعروے دا ہے (41)۔ گارسلیں دہاسی نے کرم الدین کے حوالے سے صرف اس قدر کہنے پر اکتفا کیا ہے۔

"وہ افغان سردار دہادی خان کے پوتے تھے۔" (42)

قلب الدین باطن نے دو سطریں غالب کی تعریف میں لکھی ہیں۔ اس میں بھی کوئی نئی معلومات نہیں ہے۔ نمونہ کلام میں بھی وہی ایک شعر جو اوپر فقرے سے گذر چکا ہے ملتا ہے۔ (43)۔ اشپر گرنے بھی گارسلیں دہاسی کی طرح صرف ایک جملہ لکھا ہے:

"غالب علی خاں سردار دہادی خان کے پوتے تھے۔" (44)

غالب علی خاں غالب کے حالات زندگی اس سے زیادہ کسی اور تذکرے میں نہیں ملتے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ کوئی صاحبِ فن کے مزید حالات و کلام کا سراغ لگائے۔

(5) عبدالغفور خاں نسلخ نے عظیم آباد کے ایک شاعر مرزا انان علی غالب کا ذکر بھی اپنے تذکرے میں کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"مرزا انان علی خاں عظیم آبادی مولفِ اردو تھے، حمزہ شاکر، قیس، مدت تک اپنی کلنر تھے۔ بہت دنوں تک کلنر میں سکونت اختیار کی۔ شعر فارسی میں بھی کہتے ہیں۔ پہلے قومِ ہندو سے تھے، پھر شرف بہ اسلام ہوئے۔" (45)

نمودہ کلام میں نسلخ نے متعدد ذیل شعروے دیے ہیں:

ہن گئے نسل و گھر افک دل افکاروں کے
دہاد زار چرائے ہوئے قوادوں کے

کینے میں آپ نے جو دیکھا دے آتھیں
پڑ گئیں چنگاریاں گویا سراسر آپ میں

عجزِ حرم کی دکھا آج برائی مجھے
آئینہ تھم کو دکھائے نظمِ جبرانی مجھے
سلطنت سے ہے کہیں غالب میر ہو اگر
آستانِ سرورِ عالم کی درجانی مجھے

گارسلیں دہاسی کا بیان ہے:

"وہ دہلی سے ترک وطن کر کے نواب صاحبیت جنگ کے دور حکومت میں مرشد آباد چلے گئے تھے۔ وہ اپنی

فیاضی اور دوسری طرحوں کے لئے مشہور تھے۔ شعر و سخن کی اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اردو، فارسی دونوں میں کثرت سے اشعار کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ علی ابراہیم کے ساتھ بہ حیثیت مستند کام کرتے تھے۔
 بنی زرائن نے ان کی تین غزلیں نقل کی ہیں۔" (50)

یہاں کارسل دہمی نے اسد اللہ خاں غالب اور بہادر بیگ خاں بیگ کے حالات کو گزرا کر دیا ہے۔ اسد اللہ خاں غالب کے بارے میں بنی زرائن کا حوالہ ملا ہے۔ بنی زرائن نے اسد اللہ خاں غالب کا ذکر ہی نہیں کیا۔ ان کے یہاں صرف بہادر بیگ خاں غالب کا ذکر ہے اور انہیں کی تین غزلیں انہوں نے نقل کی ہیں۔ (51)۔ یہ غزلیں ہم بہادر بیگ خاں غالب کے ذکر میں درج کر چکے ہیں۔

کارسل دہمی کا بیان علی ابراہیم سے ماخوذ ہے اور علی ابراہیم کی اصل عبارت یہ ہے:

"غالب دہلوی صاحب ہر سید الملک نواب اسد اللہ خاں بہادر امام جنگ در زمان دولت نواب صابیت جنگ وارد مرشد آباد شد۔ سکونت در آن بلد اختیار فرمود۔ در ثبوت و موت یگانہ و در احتیاج و احتیاجت حال ممتاز عصر اند۔ اگرچہ شاعری دلی مرجہ کمال کن ستودہ نضال است اما گاہ بہ موزنی طبع بہ نظم شعر فارسی و ریاضت و رغبت ی فریاد۔ خاکسار را بخدمت آن سید عالی چار نیاز مندی است۔"

گہب کیا ہے اگر افکار گریں اب میری آنکھوں سے
 کہ رونا ہے دل پر شور آتش بار پہلو میں (52)

عبدالغفور نسف نے صرف اتنی اطلاع دی ہے کہ:

"اسد اللہ خاں دہلوی نے صابیت جنگ کے عہد میں مرشد آباد میں سکونت کی تھی۔" (53)
 نوذہء کلام میں وہی ایک شعر درج ہے جو گھڑار ابراہیم کے حوالے سے نقل کیا جا چکا ہے۔
 اچھر گھر نے عشقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"نواب اسد اللہ خاں غالب دہلوی کچھ عرصے مرشد آباد میں رہے اور علی ابراہیم سے ملے تھے۔ کبھی کبھی فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔" (45)

عشقی کا اصل بیان یہ ہے:

"غالب تھکن دہلوی الملقب نواب اسد اللہ خاں بہادر مولے لطیف و صاحب ہمت بودے۔ گوید کہ در عہد صوبہ داری نواب صابیت جنگ بہادر از دلی وارد مرشد آباد گردید۔ مدتہ در آنجا طرح احتیاجت انداخت گا، گاہ بہ نظم فارسی نیز پرداخت۔" (55)

نوذہء کلام میں وہی ایک شعر جو مندرج بالا تذکروں کے حوالے سے درج کیا جا چکا ہے، عشقی کے یہاں بھی ملتا ہے۔

مردان علی خان جٹا گھسٹوی نے بھی اپنے تذکرے میں کوئی تفصیل نہیں دی۔ بس اتنا لکھا ہے کہ:

"غالب تھکن نواب اسد اللہ خاں سید الملک از عہد دولت نواب صابیت جنگ در بلدہ مرشد آباد احتیاجت

دارد۔ سید بزرگ مرتبت پاقت و سہت است۔ در فن عہدیت نیز امیر" گا ہے ۔ ہ سوزنی طبع اظلاے شعر
رہنما ی کنہ "اندست۔" (56)

"جب کیا ہے اگر اٹھ کریں لب میری آنکھوں سے

کہ ہوتا ہے دل پر شور آتش بار پہلو میں"

(7) فنی امیریتانی نے غالب شخص کے ایک اور شاعر کا سراغ اپنے تذکرے میں دیا ہے۔ کہتے ہیں:

"غالب حکیم محمد خاں ولد محمد اعظم خاں "موقوف براق" شاعر نظام رسول خاں محتاق "متریس کی مرثیائی۔

رجب کی کیا رہویں کو ۹۰ھ میں قضا کی۔ یہ وہ شعر ان کے استاد کو یاد تھے:"

دلہ جب دل میں ہو کوئی نہیں مانع ہوتا

سیچکوں ڈھب ہیں اگر جاہیں وہ آنے کے لئے

پہی کسی نے ان کو پڑھائی تھی ایسی رات

بولے نہ پاس میرے بچہ کھٹ کے سوئے (57)

(8) گارماں دہاسی نے تاریخ اوپ ہندوستانی میں غالب شخص کے ایک ہندو شاعر لالہ موہن لال کا ذکر بھی کیا ہے

لیکن صرف اس قدر کہ وہ آگرہ کے ایک کاسنتہ ہیں۔ رہنما اور فارسی میں شعر کہتے ہیں۔ ذکا نے ان کا ذکر کیا ہے۔ (۱)

(58)

خوب چند ذکا کے یہاں موہن لال غالب کا ذکر اس طور پر آیا ہے:

"لالہ موہن لال غالب شخص "قوم کاسنتہ سکینہ ساکن اکبر آباد شاعر فارسی و ہندی۔"

ذکا نے موہن لال غالب کے نمونہ کلام میں ۱۸ اشعار درج کئے ہیں (59) : ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ

موہن لال غالب ایک رہنما گو تصور الکلام شاعر تھے۔

خن میں دل مرا گر غول نہ ہوتا

تو رہتیں اس قدر مضوں نہ ہوتا

لڑانا وہ ہندو آنکھ اس سے غالب

نظر میں اس کی گر جاند نہ ہوتا

پر کار کی روش سے بہت ہم رواں چلے

پر گردش فک سے نہ لکے جہاں چلے

اے بلبلو! کھوں سے یہاں اپنے خوش رہو

ہم طوطی جہاں تھے جہاں کے وہاں چلے

جہن لالہ سے غلوں ہوتا ہے صحرا غلوں اڑاتا ہے
جہلوں سے جس گھڑی سید ہم اپنا چاک کہتے ہیں

شانہ سے ملا زلف گرہ گمیر کسی نے
پستلی پھر آغز مجھے ڈنڈھر کسی نے
کیوں کر ہے غلوں جگر ایک ہمارا
اس غلّ کو آب تک نہ دلا شیر کسی نے
آج آیا ہے گلشن میں کوئی غلوں کا پیاسا
غلوں کی دھکی لخت جگر چر کسی نے
تو خاک ہوا ہے جو رہ عشق میں غالب
بتائی ہے تار تجھے اسیر کسی نے

جنس میں بت تا آئنا کی
عجب آئی نظر قدرت خدا کی

چشم نم تو بلب چاک گریبان سے ہم
اے جنوں خوب چلے سیر جلیبان سے ہم

گر نہ دیکھے تو اسے جرم ذرا ہے غالب
ورد اس کی تو کبھی جلوہ فتائی نہ گئی

شعلہ رو بلبل میں جس وقت نکل جاتے ہیں
دیکھ کر لالہ و گل دھک سے جل جاتے ہیں
دعویٰ غلوں سے ان کو جو نہیں ہے سواہرگ
کس لئے رنگ کا ہاتھ سے مل جاتے ہیں

اے فکر بیل سرکش آج بنائے دے مجھے

موم چشم کو دیا میں قذبانے دے مجھے
اس کی زلفوں سے ہوا دیکھ کے سودا ہوا
اے جنوں وقت ہے زنجیر ہلانے دے مجھے
گشتِ حسن میں وہ بھل ہیں تیرے سینے پر
پر یہ بھل ہے جو تک اک ہاتھ لگائے دے مجھے
اے دل اب ہوش جنوں نے تو گرہیں بکڑا
وجہاں چاک گرہیں کی اڑانے دے مجھے

کچھ خیر کچھ دلدل کی پائی نہ مٹی
جو گیا اس کی طرف پھر خبر آئی نہ مٹی
گرچہ غیبوں نے قسم مجھ کو دلائی لاکھوں
پر قسم ہے کہ قسم آپ کی کھائی نہ مٹی (50)

اچھر نگر کے بیان سے بھی مومن لال غالب کے حالات زندگی پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ وہ صرف اتنا لکھتے ہیں کہ:
"لال مومن لال غالب آگرہ کے تالیستہ ہیں اور قاری اور دہلی میں شعر کہتے ہیں۔" (61)
(9) قدیم دکنی شعراء کی فہرست میں بھی غالب گلشن کا ایک شاعر مرقا ہے۔ گارسل دہاسی کا بیان ہے کہ:
"دکن کے ایک شاعر ہیں اور دلی کے ہم عصر ہیں۔" (62)

کریم الدین نے لکھا ہے کہ:

"غالب ایک غصّہ پاشہء دکن کا گلشن ہے جو کہ ہم عصر دلی کا ہے۔ یہ شعرا اس کا ہے:

غالب کے خون چشم سے آلود کیا کریں
وہ پاؤں جو حنا سے رہے سر گراں سودا (63)

دو گاہ پر شلو اور بھی صرف اتنی خبر دیجے ہیں کہ:

"غالب کوئی غصّہ دلی کا ہم عصر دکنی ہیں گویا تھا":

غالب کے خون چشم سے آلود کیا کریں
وہ پاؤں جو حنا سے رہے سر گراں سودا (64)

(10) دو گاہ پر شلو کے یہاں غالب گلشن کے ایک اور شاعر کا تذکرہ مرقا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

"غالب حاجی میاں، بیڑو کا سید، ساراجہ کا قریبی نوکر، سرگودہ دہلی سے بیڑو کر کے جراتی ہی میں بعد فتح
ہونے اصلی کتاب کے مرگیا۔ یہ بیت اس کی ہے:

چاند تک دکھلا کے کھجوروں پہ کیا صورت کردوں

مانگا ہے طفل دل ہٹ کر کے اس کی ہی شیبہ (66)

بالکل یہی الفاظ بہاء الدین شیر نے دہرا دیئے ہیں اور وہی ایک شعر درج کیا ہے جو اوپر نقل کیا جا چکا ہے۔
مرف اچا اضافہ کیا ہے کہ اس میں حاجی میاں غالب کا سال وفات ۱۲۸۸ھ دیا ہوا ہے۔ (66)

قاضی نور الدین فاضل نے البتہ حاجی میاں غالب کے حعلق کچھ وضاحت سے کام لیا ہے۔ کہتے ہیں کہ:

"غالب شخص سید حاجی میاں از سادات مجددہ موطرط مزاج و حمید الطوار و از آباء اہل خود داخل ذمہ ملازمین صراچہ گانگیوار است۔ اکثر فحش نامی مناقب مرتضوی است" از فکر کردہ اوست۔"

دلف میں اور پریشان ہوا دل اپنا
کب سلجھتے ہیں سنبھالے سے جو دوانے ہیں

چاند تک دکھا کے سمجھاؤں پہ کیا صورت کدوں

مانگا ہے طفل دل ہٹ کر کے اس کی ہی شیبہ (67)

مردج بلا تھیفات سے انواز ہوا ہو گا کہ غالب شخص کے متعدد شعراء اردو میں گذرے ہیں۔ ان میں سے بعض غالب کے معاصر تھے اور اردو قاری دونوں میں نہایت اچھا سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض تذکرہ نگاروں نے ایک کے اشعار لفظی سے دوسرے کے نام منسوب کر دیئے ہیں۔ ہم نے زیر نظر مضمون میں صرف اردو شعراء کے تذکروں کی مدد سے غالب شخص رکھنے والے اردو شعراء کے حالات اور اشعار کا سراغ لگانے اور انہیں یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ ایک الگ مضمون کے ذریعے اس شخص کے اردو شعراء کی زندگی اور کام کا پتا چلایا جائے۔ اسی طرح قاری شعراء کے تذکروں کی مدد سے غالب اور اس شخص کے شاعروں کا الگ الگ پتہ چلا جائے۔ یقین ہے کہ اس انداز سے کام کرنے کے بعد مزاحمت اس شخص کے اردو شعراء کی زندگی اور کام دونوں کے حعلق بعض نئی باتیں سامنے آئیں گی اور تحقیق و تنقید کے باب میں اہم ثابت ہوں گی۔



- 1- یادگار غالب صفحہ ۱۵۱ مطبوعہ ملک قادیان پبلشرز لاہور۔
- 2- مکتوب عام لکھی ہوئی زبان، مرقومہ مجددہ۔
- 3- سیرتاج روحان غالب اردو نسخہ عربی صفحہ ۳۰ مطبوعہ ایجنسی قادیان لاہور۔
- 4- تحقیق کی مدد سے صفحہ ۱۵۱ مطبوعہ بیچ کلام علی ایڈیٹر لاہور مطبعہ اہل صوفیہ۔
- 5- مرزا غفران علی صفحہ ۱۵۱ مرتبہ غلام احمد قادیانی، مطبوعہ شہداء اردو ادبی بورڈ لاہور۔
- 6- تاریخ ادب ہندوستانی، جلد دوم (اردو زمرہ) از فیضانِ پاکستان صفحہ ۱۵۱ تذکرہ انکار ابراہیمہ صوفی۔
- 7- گھنٹن بے غار صفحہ ۱۵۱ مطبوعہ اولیٰ شہزاد پبلشرز لاہور۔
- 8- جنتانہ اشعار صفحہ ۱۵۱ مطبوعہ دارالعلوم دہلی، صفحہ ۱۵۱ تذکرہ کتب خانہ ایجنسی قادیان لاہور۔
- 9- قادیان صفحہ ۱۵۱ مطبوعہ اولیٰ شہزاد پبلشرز لاہور۔
- 10- گھنٹن بے غار صفحہ ۱۵۱ مطبوعہ ایجنسی قادیان لاہور۔
- 11- یادگار شعراء (اردو زمرہ) صفحہ ۱۵۱ مطبوعہ ہندوستانی لکچری اور آرٹس لاہور۔
- 12- گھنٹن بے غار صفحہ ۱۵۱ مطبوعہ اولیٰ شہزاد پبلشرز لاہور۔

- [illegible]

- 56۔ بخش حق صلہ دیا، مرید مسعود حسن رضوی ادبہ مطبوعہ انجمن ترقی اردو علی گڑھ مکتبہ کونکہ قیصران حسن۔
- 57۔ ہارنگر کتاب صلہ دیا، مطبوعہ ۱۹۵۷ء کالج الشیخ رام چ۔
- 58۔ آریخ ادب ہندوستانی جلد دوم اردو ترجمہ صلہ دیا۔
- 59۔ ہمارا انکراہ صلہ دیا۔
- 60۔ ہمارا انکراہ صلہ دیا۔
- 61۔ ہارنگر شعرا صلہ دیا۔
- 62۔ کالج ادب ہندوستانی اردو ترجمہ بخش جلد دوم صلہ دیا۔
- 63۔ جلیات انکراہ صلہ دیا۔
- 64۔ از صلہ العلوم فی التعلیمات المستطوع طبع اول مطبوعہ علیہ عام پٹنہ لاہور، مکتبہ کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو کراچی۔
- 65۔ از صلہ العلوم مطبوعہ ۱۹۵۷ء طبع اول مطبوعہ علیہ عام پٹنہ لاہور۔ مکتبہ کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو کراچی۔
- 66۔ بزرگ ہندو الہی جزیرہ مسودہ علمی مکتبہ طبعیہ کراچی۔
- 67۔ حقین شعرا صلہ دیا۔ مرید مولوی عبدالحق مطبوعہ انجمن ترقی اردو لاہور، آبد مسعود۔



آغا مرزا: غالب کا ایک شناسا خطاط

الود، لہارو، تہجد، سند، راجاڑی اور فیروز پور جھڑک میاں کے قدیم طبعی مراکز ہیں۔ ان مقلات سے مرزا غالب کا بھی بڑی قریبی تعلق رہا ہے۔ ان مرکزوں میں سب سے زیادہ اہمیت ریاست الود کو حاصل رہی ہے۔ الود ابتدائے عہد اسلامی سے علم و فن کا مرکز بن گیا تھا۔ 1803ء میں جب اسے ریاست کا درجہ دیا گیا تو یہاں علماء و فضلاء، اہلاد شعرا اور دوسرے مشاہیر فنِ کلمت سے جمع ہو گئے۔ یہ قول پیارے لال شہریت

شہر ہے شعر و فن کا ہر طرف
ان دنوں الود جہاں آباد ہے

الود کے علماء و فضلاء میں مولانا فضل خیر آبادی (1278ھ/1861ء) مولانا نور الحسن کاندھلوی (1285ھ/1868ء) مولانا نجف علی خاں جمہوری (1299ھ/1883ء) مولوی نجف علی الوری۔ ان کے بیٹے مولوی دیدار علی (1930ء) مولوی ارشد علی الوری، مولانا سید ابوالحسنات (2) (1940ء) مولانا سید ابوالبرکات، مولانا دکن الدین الوری (1936ء) مولوی عطیت علی جمہوری، مرزا کمالی (3) (1946ھ/1761ء) حکیم دوزخ علی اکبر آبادی، اور حکیم مبارک علی اکبر آبادی کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ شعراء میں میر صدیق بھونج، مرزا قربان علی بیگ سالک، غنی ہرگوہار، فقیر، ذہین العابدین خاں عارف، (4) خواجہ امان دہلوی، ظہیر الدین ظہیر دہلوی، رجب علی بیگ سوار، قصور، انگریز پڑا، پٹنہ دی کڑادی، چارج فٹن شہر، جوزف، (5) قمر الدین خاں راقم، مولانا دیدار علی طرزی، غلام علی وحشت، بیرون شاہ، سقا، ثواب احمد مرزا خاں، رشید اکبر آبادی، تختہ و فیروزہ اور خطاطوں میں آغا مرزا، سلطان سنگھ، میرھو علی، پھنج سنگھ، دارہ فخر لال، محمد ابراہیم، محمد حفیظ الدین، محمد عسف۔ اور ہمسو اصحاب میں ثواب احمد بھٹی (دہلی فیروز پور جھڑک) مرزا سندھ راجا بیگ، غنی امواج، (5) فضل اللہ خاں، انعام اللہ خاں، غلام علی خاں، جہولوی سلیم الدین، عبد اللہ کشک، شیخ ابراہیم، شمشیر سار، رحیم حسین ستارہ، لہن اور یہاں چاہک سوار، سکھ اور صدیقی پهلوان، میراقر علی پٹنہ بانو وغیرہ متعدد ادیب کمال کا تعلق الود ریاست سے رہا ہے۔

الود کے انہی نامی ناز سہرتوں میں آغا مرزا صاحب ہیں جو میر پنڈ کش (5) کے شاگرد تھے اور ہم عصر خطاطوں کے سرخیل ان کی عظمت کا اعتراف ان کے متعدد معاصرین نے کیا ہے۔ مولانا غلام علی بھٹ لکھی ”تذکرۃ خوش نویس“ میں لکھتے ہیں:

”آغا مرزا جو ان صالح سعادت اکتساب از تلمیذ با تیز و شگرد رشید سید امیر و ضوی است، انسان سلیم العین و مواضع، باہر کس باطنی و اخلاص و فتنی ی آید۔ در خط و تخیلیق کمال حاصل نمود۔ دوش بدوش است، رسیدہ و

مطلق راہلڑ آقا عبدالرشید بدرجہ اعلیٰ رسانید۔ ہر اقامت از احمد علی و نجاتین رابطہ ہے تکلیف زیادہ از
پاکت و بجائی است۔" (7)

"آقا مرزا صالح اور نیک جوان ہیں سید امیر رضوی (صوف بہ پنج محل) کے شاگرد ہیں۔ سلیم الطبع اور متواضع
نیز ہر ایک کے ساتھ اخلاق و اخلاص سے پیش آتے ہیں۔ خط نستعلیق میں انہوں نے کمال حاصل کیا۔ حتیٰ کہ اپنے
استاد کے برابر پہنچ گئے۔ اپنی مطلق آقا عبدالرشید و علی کے طرز پر اعلیٰ درجے تک پہنچا دی۔ راقم کے ساتھ ان کے
دلی دوا لیا ہیں۔ باہم بڑی ہے تکلیف، بجائی اور پاکت ہے۔"

سر سید احمد خاں بھی شخصیت ہیں آپ کے فن کی مدح اور آپ کے کمال کی معترف تھی۔ چنانچہ آپ
فرماتے ہیں:

"جناب آقا کمال شاگرد سید امیر صاحب کے موصوف نے اس فن میں کمال پہنچایا کہ استاد کو ان کے کمال پر
کمال تازہ ہے اور وہ اس فن کی تکمیل کے سبب اساتذہ سلف سے ممتاز ہیں علاوہ اس فن کے فن کی بجائی میں
بھی اقراں روزگار سے گئے سہت لے گئے اور یہ اہلیت و صلاحیت ایسی ہے کہ جس کا بیان نہیں اور وہ
اعتقاد کہ اپنے استاد کے بارے میں رکھتے ہیں غلط و ذہان کی بھال نہیں کہ بیان کر سکے۔" (8)

مجیدہ طریقیوں میں احترام الدین شاغل مرحوم نے ان کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

"آقا مرزا نام 'دلی وطن اور منی النسل' تھے اور میر پور محل کے شاگرد آقا عبدالرشید و علی کی طرز پر نستعلیق
بست اچھا لکھتے تھے۔ اپنے استاد کے خط سے اپنا خط ایسا لکھا تھا کہ یہ قبر مشکل ہوتی تھی کہ میر پور محل کی
وصلی ہے یا آفا کی۔ خط شیعہ بھی بست خوب لکھتے تھے۔ لیکن شک بھل خوش نویس انہی کا شاگرد تھا مگر
نستعلیق کی شان بست بلند تھی۔" (8)

"دعویٰ انتخاب منہ ستاروں سے پہلے وہ ریاست مہاجر میں ملازم ہو گئے تھے۔ نواب مہاجر نے ان سے ایک لاکھ کے
مصرغے سے گھنٹن کا ایک ٹاور نسخہ تیار کروایا تھا" کچھ عرصے کے بعد راجہ جے سنگھ والی الوداد (9) کے دربار میں ملازم ہو
گئے۔ وہاں انہوں نے راجہ کی فرمائش پر گھنٹن کا دو سرا نسخہ لکھا" دو چہرہ سال کی مدت میں تیار ہوا" راقم نے یہ
دیکھا ہے۔ یہ آج کل اور میوزیم میں پڑھیں نوادر محفوظ ہے۔ اس پر متعدد نمائشیں میں شفا بھی ملا ہے۔ 1874ء میں
برطانیہ لائسن کا افتتاح ہوا تو اس وقت دلی میں چالیس معزز تومیں کا وفد اور آیا" اس موقع پر بھی اس کی نمائش
کرائی گئی۔ اس کی خبر یہ سنکر دی (10) 5 اکتوبر 1874ء میں شائع ہوئی جس میں اس نسخے کی قیمت ایک لاکھ ستر ہزار
روپیہ بتائی گئی تھی۔

راؤ راجہ جے سنگھ کی فرمائش پر آقا مرزا نے ایک نسخہ قرآن مجید کا بھی تکمیل کیا جس پر دس ہزار روپیہ کا
مصدقہ لکھا تھا۔ یہ نسخہ بھی الوداد میں پڑھیں نوادر محفوظ ہے۔

تقسیم ملک تک آقا مرزا کی و ملیاں بھی جڑی قندواں میں الوداد ہے پور دیز دلی کے متعدد کتب خانوں میں محفوظ
تھیں مگر اب غائب ہیں۔ اس وقت راقم الحروف کی معلومات کے مطابق ان کی صرف تین و ملیاں موجود ہیں

(۱) احرام الدین شافل مرحوم مولف مجتہد خوش نویساں کے ذخیرے میں۔ (۲) مولانا آزاد لاہوری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں۔ (۳) کراچی میں۔ ان کے علاوہ تامل کسی کا سراغ نہیں مل سکا۔

احرام الدین شافل مرحوم اور شاید انہی کی ابتداء میں ملک رام صاحب نے آغا کو ارمنی حاصل بتایا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ آغا جرمن تھے، جرمنی سے ہندوستان آئے اور چوں کہ بیٹائی تھے اس لئے ایک ارمنی بیٹائی خاندان کے ساتھ ہی رہنے لگے۔ شاید اسی سے احرام الدین شافل مرحوم کو دھوکا ہو گیا، تقریباً مستند اور معاصر مراجع ان کو جرمن نسل کا ہی بتاتے ہیں (۱۲) مثلی خدمت قانونی جو آغا کے معاصر ہیں اور تہارہ (۱۳) میں تفصیل داتے تھے، انہوں نے انور اور تہارہ (۱۴) کی دو تاریخیں لکھی ہیں، دونوں ۱۲۹۰ء کی مطلوبہ ہیں۔ انہوں نے بھی آغا کو جرمن نسل کا بتایا ہے۔

”تاریخ خطاطی“ کے مولف اجاز راہی نے گستاخ کے مذکورہ نسخے کی کتابت کو میرچند کش کی طرف منسوب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ”میرچند کش نے راجہ انور کی فرمائش پر گستاخ سودی کا ایک نسخہ کتابت کیا جو سترہ سال میں مکمل ہوا اور اس پر ایک لاکھ سے زیادہ خرچ ہوا (۱۵) لیکن یہ سہ مولف ہے۔ مستند مراجع گستاخ کے موجود نسخے کو آغا مرزا ہی کا قریب کہہ سکتے ہیں۔ اس محفوظے کے بارے میں مندرجہ ذیل اطلاعات یقیناً دلچسپی کا باعث ہوں گی۔

”لکھا جاتا ہے کہ اس نسخے کے ایک نسخے کی کتابت پر چندہ دن انور پوری کتاب پر بارہ چال صرف ہوئے۔ حاشیے کی ترمیم کاری کا کام عبدالرحمن انوری اور منشی سگھ انوری نے کیا۔ تصویریں غلام علی خاں نے بنائیں اور تہذیب کا کام عبدالرحمن نے انجام دیا۔ اس نسخے میں سترہ رنگین تصاویر ہیں۔“

گستاخ کے اس نسخے کی ایسی اس لئے مزید جہد جاتی ہے کہ مرزا غالب نے سات اشعار پر مشتمل ایک فارسی مقدمہ تاریخ اس نسخے کی تکمیل پر کما حقہ پرویز فکاح الدین احمد کا ممنون ہوں جن کی عطیت سے اس قلمی کی نقل حاصل ہوئی۔

قلم یہ ہے۔

فرزادہ	یگانہ	صدار	راجہ	را
مرش	کے	ذکار	مزاران	بارگاہ
فرمود	امپراط	گستاخ	کنند	نو
آغا	کہ	حق	سپردہ	بدشت
			کلیہ	سج
رہنید	حسن	جو	ہر	الفاظ
			از	داد
غالب	طرز	سناں	پدیں	کو
			نہ	نقل
			ہست	
			ہر	کس
			کہ	خواہ
			آگہی	از
			سناں	انتظام

گستاخ کے خزان : ۱۲۳۸ء

سال کتابت : ۱۲۶۵ء

بحر حال یہ دونوں نسخے خطاطی کے نوادر میں شمار ہوتے ہیں۔ نسخہ ہجیر کو سیاحت پنجاب کے دوران مدارج

مکمل شکہ والی اور نے غریہ کر صدارت راجندر شکہ والی خیال کو دے دیا تھا۔ اس وقت غالب یہ نسخہ خیال ہی میں ہے۔ آغا مرزا صرف ایک فن کار ہی نہیں تھے بلکہ ان کے فن نے ان کو جو مرتبہ عطا کیا تھا اس نے انہیں انور کی اہم شخصیات میں شامل کر دیا تھا۔ ان کی رائے سیاسی و انتظامی امور میں بھی با وزن سمجھی جاتی تھی۔ فنی امور جان کو دین ان ریاست اور مرزا اسعد یار بیگ کو نائب دین انہی کے مشورے سے بنایا گیا تھا۔ ان کے شاگردوں میں پچیس شکہ چل کے علاوہ فنی رحیم اند (78) اور میرزا علی انور (77) بڑے پاسے کے خطا تشلیق کے استاد گزرے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی قہیں ہے کہ متعدد اصحاب نے آغا مرزا سے کثرت میں استفادہ کیا ہو گا۔ افسوس کہ اس سلسلے میں مزید معلومات ہمارے سامنے نہیں ہیں۔

آغا مرزا کی وفات 1274ھ مطابق 1857ء میں ہوئی۔ ”آغا مرگیا“ (78) ماوراء تاریخ ہے۔ لالہ سری رام نے لکھا ہے کہ ایام ندر میں یہ دونوں استاد شاگرد گوروں کے ہاتھوں مارے گئے۔ (79) لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے استاد و شاگرد کے ایک ہی سال وفات کی وجہ سے لالہ سری رام کو دھوکہ ہو گیا۔ ورنہ ایام ندر میں آغا مرزا انور میں تھے اور انور گوروں کے قبضے سے محفوظ رہا تھا۔

فنی مخدوم تھالوی نے آغا مرزا کی وفات پر یہ قصیدہ تاریخ نقل کیا ہے۔

روح آغا چوں سوے فردوس رفت قدیاں مستعد او
از پے تعلیم و تاریخ وفات گشت رضواں میرزا آغا (20)
آغا مرزا گاہے فکر ظن بھی کیا کرتے تھے۔ لالہ سری رام نے ان کے یہ دو شعر نقل کیے ہیں۔

کوئی دارا کوئی جم اور کوئی اسکندر ہوا
داغ سرینا ہمیں نام خدا افر ہوا

سرخ ہے صوف قاتل آج دیکھا چاہیے
قصہ اس قاتل کالب ہے کس کے شب خون پہ ہوا

صغیر بکراہی نے جو کہ جلوہ خضر میں ان کا یہ شعر درج کیا ہے۔

کل اس شک پہنچ تو کیا تھا پہ ہوسو

بکہ مجھ کو چہ ہی لگ گئی ایسی کہ کیا کہوں (20)

مشہور عالم مرزا ابو اکبر دہلی کے کتاب خانے میں محفوظ ہے۔

والفہامی اور کنوینٹ پر پروفیسر غلام الدین احمد عالم دارالم 'سورج' 29 جنوری 1993ء

انبارِ دیوبند، کنوینٹ کی ڈائریکشن میں لکھا گیا ہے۔

(11)

مرزا دوست احمد کا مشہور قصہ ہے۔ جو انگریزی میں منسلک سرکاری تھا۔ 1828ء سے 1843ء تک ایک ہندو ریاست دہلی، سہارن پور،

(12)

کے مہاراجہ قلم اس سرکاری نے لکھی۔ مرزا (ابو احمدی) 793ء کے بعد) مرزا، مرزا الدین عالم خان (احمدی 1832ء) مرزا بدایاں 'مرزا جٹا بیک

دہلی' مرزا جو شیب (احمدی 1796ء) مرزا بدایاں (1836ء) مرزا سلام اللہ (1915ء) راجہ 'سبک' چاندپوری 'کھنڈا' چاندپوری سادری

(دائیں) چاندپوری مرزا خان 'نظم چند کرم حسین' (1933ء) دیگر دہلی خان دہلیہ مرزا کی منت منتھار ہی ہیں۔ 1827ء سے 1943ء تک یہاں سے

ایک مٹی دہلی ابھی بعد کرم حسین کی لڑائی میں 1864ء

اور کی تاریخ 'سورج' اور 'سورج' 1828ء اور مرزا کی تاریخ 'سورج' اور 'سورج' 1828ء

(13)

مرزا خان 'سورج' اور 'سورج' 1828ء اور مرزا کی تاریخ 'سورج' اور 'سورج' 1828ء

مرزا خان 'سورج' اور 'سورج' 1828ء اور مرزا کی تاریخ 'سورج' اور 'سورج' 1828ء

مرزا خان 'سورج' اور 'سورج' 1828ء اور مرزا کی تاریخ 'سورج' اور 'سورج' 1828ء

(14)

مرزا خان 'سورج' اور 'سورج' 1828ء اور مرزا کی تاریخ 'سورج' اور 'سورج' 1828ء

(15)

مرزا خان 'سورج' اور 'سورج' 1828ء اور مرزا کی تاریخ 'سورج' اور 'سورج' 1828ء

مرزا خان 'سورج' اور 'سورج' 1828ء اور مرزا کی تاریخ 'سورج' اور 'سورج' 1828ء

مرزا خان 'سورج' اور 'سورج' 1828ء اور مرزا کی تاریخ 'سورج' اور 'سورج' 1828ء

غالب نے کہا ہے۔

مٹی دہلی اور کے دہلیہ دہلیہ ہے۔ بہت زور فوجی ہے۔ مرزا کا بیٹا قمر احمد اور (مرزا احمد) میں امریکا۔

(16)

مرزا خان 'سورج' اور 'سورج' 1828ء اور مرزا کی تاریخ 'سورج' اور 'سورج' 1828ء

(17)

مرزا خان 'سورج' اور 'سورج' 1828ء اور مرزا کی تاریخ 'سورج' اور 'سورج' 1828ء

(18)

مرزا خان 'سورج' اور 'سورج' 1828ء اور مرزا کی تاریخ 'سورج' اور 'سورج' 1828ء

(19)

مرزا خان 'سورج' اور 'سورج' 1828ء اور مرزا کی تاریخ 'سورج' اور 'سورج' 1828ء

(20)

مرزا خان 'سورج' اور 'سورج' 1828ء اور مرزا کی تاریخ 'سورج' اور 'سورج' 1828ء

(21)



مولانا غلام رسول مر

الطائف غیبی ”قاطع برہان“ کے سلسلے کی ایک کتاب

کتاب کی کیفیت

”الطائف غیبی“ ”قصائد تاریخ“ اور ”صحیح نامہ“ کو شامل کرتے ہوئے چالیس سلسلے کی ایک کتاب ہے جسے نقائص کے اعتبار سے رسالہ سمجھنا چاہیے سرودق پر سب سے پہلے مندرجہ ذیل شعر علی حروف میں مرقوم ہے:

ایں نثر کہ بہت درگاہِ خربگ
سر پہنگ بود برائے خربگ

اگر گمانی کے مرقع کو کہتے ہیں۔ ”سربگ“ ’دھول کو اور ’خربگ‘ ’ٹیکڑے کو۔ شعر کے بعد سرودق کی عبارت یہ ہے
منت ایو را کہ نتیجہ فکر محقق مد حق میاں داو خان سیاح الطائف بہ سیف الحق ایں نثرء شرف مسی بہ

الطائف غیبی

بہ جواب ”عرق قاطع برہان“ بہ صحت تمام دسی با کلام تختیں دار

بہ اہتمام میر فخر الدین در اکمل الطالیح دلی طراز اصباح گرفت

دوسرے سلسلے کا نصف سے کسی قدر کم حصہ چھوڑ کر اصل کتاب شروع ہوئی ہے۔ دیباچے کے علاوہ یہ ہیں لطیفوں پر مشتمل ہے اور سطور ۴۱ پر ختم ہو گئی ہے۔ سطور ۴۲ اور سطور ۴۳ پر پانچ قصائد تاریخ ہیں: دو فنی جواہر نگہ جوہر تحصیل دار بلب گڑھ کے تیسرا میرزا علی سف علی خاں مرزا کا جنہیں ”سراج الشعراء“ اور ”سلطان انوارین“ کہا گیا ہے چوتھا میرزا شمس الدین علی بیگ خاں رضویوں کا۔ یہ تینوں میرزا غالب کے شاگرد تھے۔ پانچواں قصیدہ ہماری لال کا ہے جس نے ”الطائف غیبی“ کی کتابت کی تھی۔ بحرِ مت کے پہلے یہ عبارت درج ہے:

الودفء والمنت کہ امین مجتہد سادی یعنی ”الطائف غیبی“ بہ شیریں کاری کار پرداز ان اکمل الطالیح بہ تاریخ
بہت و ختم ریح الانی مدھ طبع شد۔

گہا کتاب ۱۔ اکتوبر ۱۸۶۳ء کو کچھی۔ سطور ۴۴ مطبوعہ کتاب کی غلطیوں کی تصحیح کے لئے وقف ہے اور اسے عام رواج کے مطابق ”الطائف نامہ“ نہیں بلکہ ”صحیح نامہ“ قرار دیا گیا ہے۔

”عرق قاطع برہان“ فنی سید سعادت علی نے فرما محرم الحرام ۱۲۸۵ھ کو مکمل کی تھی اور اسی سال یہ چھپ گئی

تھی۔ ۸۰ صہ لواء کل جون ۱۸۶۳ء میں فتح ہوا۔ گویا چھ مہینوں میں میرزا غالب کی طرف سے اس کے جواب میں ۱۵ رسائلے شائع ہوئے۔ اول "مسائلات مبداء الکریم" دوم "مطائف لہجی" تیسری کتاب مولوی نجف علی نے "تواضع بلدان" کے نام سے شائع کی۔ اس کے بعد جو مخالف یا موافق کتابیں طبع ہوئیں وہ پیش نظر تھیں کہ اس کے دائرے سے خارج ہیں۔

مصنف کی بحث

اس سلسلے میں سب سے پہلا بحث طلب مسئلہ یہ ہے کہ "مطائف لہجی" کا مصنف کون تھا؟ کتاب پر میاں داد خاں سیاح کا نام درج ہے، جنہیں میرزا غالب نے "سیف الحق" کا خطاب دیا تھا۔ وہ خود ایک مکتوب میں سیاح کو لکھتے ہیں:

"تمہیں جو میں نے سیف الحق خطاب دیا ہے، اپنی فوج کا سالار مقرر کیا ہے، تم میرے ہاتھ ہو۔ تم میرے ہاتھ ہو۔ میرے خلق کی تلواریں تمہارے ہاتھ سے چلتی رہے گی۔"

یہ خطاب پہلی مرتبہ "مطائف لہجی" ہی کے ذریعے سے منظر عام پر آیا اور سیاح اس وقت مرزا کے پاس نہ تھے بلکہ سورت میں نواب میر نظام بابا خاں رکھیں اعظم کے پاس تھے۔ اگر اسے واقعی سیاح کی تصنیف فرض کیا جائے تو یہ باتنا لازم ہو گا کہ "عربی کاغذ" چھپ کر سیاح کے پاس پہنچی، اس نے کتاب دیکھتے ہی "مطائف" مرتب کئے، انہیں خلافت کے لئے میرزا کے پاس دہلی بھیج دیا اور یہ سب کچھ چار پانچ مہینے میں ہو گیا۔ یہ بات تو خیال میں آ سکتی ہے کہ سیاح کے دل میں "عربی" کے جواب کا خیال پیدا ہوا ہو، لیکن وہ اپنے افکار کو "مطائف" کی شکل میں پیش نہیں کر سکتا تھا۔ یہ اسلوب صرف میرزا غالب ہی کے عادت آفریں دماغ کو سوجھ سکا تھا اور وہی اسے قلم لازم کے ساتھ لطف انگیز الفاظ کا لباس پہنا سکتے تھے۔ یہ حقیقت کسی خاص توضیح کی محتاج نہیں، لیکن جو خواہد میں پیش کرنے والا ہوں، انہیں کسی خاص توضیح کی محتاج نہیں، لیکن جو خواہد میں پیش کرنے والا ہوں، انہیں غلط فہمی کے بعد ہر صاحب فکر و نظر پر روشن ہو جائے گا کہ "مطائف لہجی" خود میرزا نے لکھی۔ سیاح کو اصل کی ترتیب کا بھی علم نہ تھا، یہاں تک کہ کتاب چھپ کر شائع ہو گئی اور میرزا غالب نے اس کے نئے سیاح کے پاس بھیجے۔ وہ خود ایک مکتوب میں سیاح کو لکھتے ہیں:

"خلا میں آپ نے بہت سے مطالب لکھے، مگر تمہیں کتابوں کے دو پارسلوں کی رسید نہیں لکھی۔ یا ایک پارسل جو بعد دو پارسلوں کے بھیجا گیا ہے، اس میں وہی "مطائف لہجی" ہے جس کو میں نے اپنے مطالعے میں رکھ کر بھیج کیا ہے۔ اس کے پیچھے سے یہ دعا ہے کہ تم ان تین رسائلوں کو اس کے مطابق جمع کر لو۔ کتاب کی صحیح مصنف کا نام ہے، نہ کہ قاری کا۔ اگر "مطائف لہجی" سیاح کی تصنیف تھی تو میرزا کو یہ لکھنے کی کیا ضرورت تھی کہ "میرزا دوست کو ان نو سائے رکھ کر باقی نسخوں کی جمع کر لو۔"

"مطائف لہجی" کی ابتدا

میرا خیال ہے کہ میرزا نے "عرق" کے چھپے ی "مطائف فیہی" کے لئے ضروری چیزیں فراہم کرنے کا سلسلہ جاری کر دیا تھا۔ ہمارے سامنے ان کے تمام مکاتیب موجود نہیں۔ اگر ہوتے تو بہت سی بیش قیمت سطوحات مل جاتیں۔ مثلاً وہ ایک مکتوب میں نواب علاء الدین احمد خاں علانی کو لکھتے ہیں:

"یہ رسالہ موسوم "بہ عرق قاطع بہان" جو (شہاب الدین احمد خاں) قاقب نے تم کو بھیجا ہے، میرے کہنے سے بھیجا ہے اور اس ارسال سے میرا دعا یہ ہے کہ محتوی کے وقت اس کتاب کی بے راہلی عبارت پر اور میری اپنی قرابت اور نسبت ہائے عہدہ پر نظر نہ کرو، بلکہ وار و دیکھو اور از روئے انصاف حکم ہو، بے حیف و میل۔ اس نے جو مجھے کامیاب دی ہیں، ان پر غصہ نہ کرو۔ غلطیاں عبارت کی، شدت الخطا، عمل کی، سوال دیگر جواب دیگر، ان باتوں کو ملح نظر نہ کرو، بلکہ اگر فرصت مساعدت کرے تو ان مراتب کو الگ الگ ایک کافز پر لکھو اور بعد اقام میرے پاس بھیج دو میرا ایک دوست دوحانی کہ وہ من جملہ راہل الطیب ہے، ان اخوات کا خاکہ اڑا رہا ہے۔ نیز رعش نے اس کو عدد دی ہے۔ تم بھی بھائی مدد دو۔"

ظاہر ہے کہ میرزا خود بھی "عرق" کی غلطیاں جمع کر رہے تھے۔ نواب خیاہ الدین احمد خاں نے بھی یہ کام نہ دے لیا تھا اور میرزا چاہتے تھے کہ نواب علاء الدین احمد خاں علانی بھی جتنی مدد دے سکیں، ضرور دیں۔ مقصود یہ تھا کہ مختلف ادب، نظر اپنے اپنے اندازے کے مطابق جو جو غلطیاں ہونے کا دعائی گئے، انہیں جمع کر کے جو اپنی یا تھادی کتاب یا رسالہ مرتب کر لینا سہل ہو گا۔ اگرچہ میرزا نے اس مکتوب میں ایک "دوست دوحانی" کا ذکر کیا ہے، سے وہ من جملہ راہل الطیب کہتے ہیں، لیکن وہ خود میرزا تھے، نہ کہ وہاں داو خاں سیاح، جو ان حالات سے بھی ظاہر ہے خبر تھا۔

"سیر سیاح"

ایک قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ "مطائف" کا اسلوب تحریر سیاح کے اسلوب سے بالکل مختلف ہے، سیاح کے خطوط تو ہمارے سامنے نہیں، لیکن ان کی ایک کتاب "سیر سیاح" کے نام سے فنی نو کشور نے 1344ھ میں شاخ کی تھی۔ یہ سیاح کی سیاحت ہند کا ایک مرقع ہے، جس میں کچھ کم ساٹھ سٹے دو مشاہدوں میں مختلف شعراء کے کلام پر مشتمل ہیں۔ ابتداء میں سیاح نے اپنی سیر کے حالات یہ صورت نثر مرتب کیے ہیں۔ یہ نثر "مطائف" سے کم و بیش سات سال بعد کی ہے۔ اس وجہ سے اس میں زیادہ جتنی، زیادہ دوانی اور زیادہ حسن موجود ہونا چاہئے تھا۔ اس کے برعکس وہ پرانے رنگ کی نثر ہے، جس کے دو دو تین تین فقروں میں قافیہ بندی کا التزام کیا جاتا تھا۔ میں صرف ایک مثال پیش کروں گا۔ فنی نو کشور کی مصلیٰ لوزی کا نقشہ یوں لکھتا ہے:

"سیر چشمی، بھان اٹھ۔ منٹ بزرگ دلو وہا۔ حوصلے کی تومندی ہمت کی پندی بات بات میں، انضباط لوازم و انضباط مراسم کی پاندی ملاقات میں۔ رات دن خلقت کے سنے ٹھانے دکھاتے۔ سو سو طرح سے میرے دل کو بھلاتے۔ ہر مدد دود مدد، ہر شب شب برات۔ صبح و شام اکابر شرکی ملاقات۔ تواضع کوئی کا شفق کیا"

نے مناعہ کو پھڑکا دیا اور قش بکے گئے اور بھوک دینے لگے؟ اس سوال کا جواب مثبت نہیں۔
 "طائفہ فہمی" میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص عالی خانہ ہے۔ علاوہ بری صاحب کمال، پاکتہ، روزگار، لال
 ہندوستان کا سلطان، سائل منظر قاری کا ملکی مرہاں، منگ گوتہ نہیں، آلودہ دارست، سترہ کی عمر کا ہے یعنی اسد
 اللہ خان غالب۔

"یہ شخص کی نسبت ہمارا کتنا منفی شان علم و ادب بلکہ خلاف آئین کوسیت ہے۔ منفی سعادت علی نے
 قطع نظر اور حالات و کمالات سے، کبریاں کا بھی پاس نہ کیا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:
 کہ حق شرم وادب دوسرے سفید

جس سے خالق کو شرم آئے، خلق اس سے نہ شرمائے۔ بابہ التزلزل یہ ہے کہ حضرت غالب نے "ربان
 قاطع" کے الفاظ پر اعتراضات لکھے ہیں۔ کہیں کہیں ازراہ شوقی طبع طریقہ ہے، طریقہ بدلہ رقم کٹا ہوئے
 ہیں۔ فہمی نے حضرت غالب کی شان میں سفیانہ وہ کلمات ہمارا لکھے ہیں کہ ایسے کلمات کوئی شریف
 شخص نہ نسبت کسی آدمی کے نہ لکھے گا۔ محمد حسین دکنی کے انتقام لینے کا بہانہ مسعود و مقول نہیں۔ وہ دکنی
 فہمی کی کا کون تھا جو ان کو اس کی ذمت من کر لیا، قصہ آگیا کہ چہرہ گرمی سے لال ہو گیا۔ بدن سے نایت
 بنے لگے۔ منہ میں جھاگ آ گئے۔ آنکھیں بند کر لیں۔ گالوں پکے گئے۔" (طائفہ "م" ص ۵)

الطاب عمل

ایک اور اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔ لطیفہ نمبر ۲ کا آغاز یہی ہوتا ہے:

"اے صاحبان فہم و انصاف! عبارت "عشق قاطع ربان" کو دیکھا چاہئے۔ غلط بحث "الطاب عمل" سوء
 ترکیب، جہی روزموا، فہمی فہم، اس سے مجھے کچھ کام نہیں۔ بھلا حامیان معوج الذہن کی تفرور کیسی ہو
 گی۔ خاصاً" لہ یہ غلط کہ یہ مناعہ کو پھڑکا صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک بیڑا تباہیاں بجا کر گالیاں دتا ہے
 یا ایک سڑی کو کسی نے چمیر دیا ہے، وہ قش بک رہا ہے۔"

واضح رہے کہ الطاب عمل یہاں بھی موجود ہے۔ یہ نواب غلامی کے نام کے مکتوب میں بھی موجود ہے جس سے
 اقتباس پہلے پیش ہو چکا ہے اور اس قلمی میں بھی موجود ہے، جو میرزا نے مولوی احمد علی کی "منوید ربان" کے جواب
 میں لکھا تھا:

لہو و مشو اورعائے محض و الطاب عمل
 مور و موش و سو ہار و گرہ یک جا کر وہ است

دوسرے کے نام سے کیوں؟

ہر حال قرائن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ "سراوات عبد الکریم" کی طرح "طائفہ فہمی" بھی طو میرزا غالب
 نے کسی خفیہ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس پر اپنا نام کیوں نہ دیا؟ مطالب یا اسلوب قمر کے لحاظ سے یہ معمولی

کتاب نہ تھی، لیکن میرزا کو اس کے ساتھ احتساب کس لئے گوارا نہ ہوا؟ اس مسئلے میں بھی قیاس آرائی کے سوا چارہ نہیں۔ چنانچہ اب تک قیاس کی بنا پر مختلف دعوہ جہن کے گئے ہیں مثلاً

۱۔ غالب "عرق" کے مصنف کو لائق خطاب نہیں سمجھتے تھے لہذا انہوں نے جو رسالہ رد میں لکھا، اسے اپنے ایک شاگرد کے نام سے شائع کر دیا، جس طرح پہلے "مسائل" ایک فرضی نام سے شائع کر چکے تھے۔ میرزا نے جواب عدالتی کو "عرق" کے متعلق جو کچھ لکھا تھا، اس کے آغاز میں مثنیٰ کا یہ مشہور شعر بھی لکھ دیا تھا:

ہاں از ہل معارض شدہ تا خطبہ
کہ کرش ہو کسم ایسی بدوش صبح عظیم

اس سے ظاہر ہوا کہ وہ کی مزید تصدیق ہوتی ہے اور یہ شعر خود لطائف میں بھی آیا ہے۔

۲۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کتاب کو کسی اور سے منسوب کر کے اپنے متعلق متنبیل کے لئے زیادہ سے زیادہ گنجائش نکال جاسکتی تھی۔

میرے نزدیک تیسری وجہ تو چاروں قابل اوقات نہیں کیونکہ کتاب کوئی بھی لکھتا، میرزا غالب کی متنبیل میں ویسے کلمات خود استعمال کرتا، جیسے "لطائف لہجی" میں منقول ہیں۔ لہذا پہلی دو وجہیں خاصی مقبول معلوم ہوتی ہیں، تاہم میرے نزدیک ان کی حیثیت ثانوی ہے، کتاب "دوسرے کے نام سے شائع کرنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس میں نہ مباحثہ کا انداز ملے تھا، نہ "عرق" کے ایک ایک اعتراض کا جواب دیا گیا تھا اور نہ کتاب کا اسلوب تحریر طبعی تھا۔ بالکل یہی کیفیت "مسائل عبد اکرم" کی تھی۔ ان دونوں میں سرسری طور پر "عرق" کے خلاف چند اعتراضات کئے گئے تھے۔ چونکہ انہیں لطائف کی حیثیت دے دی گئی تھی اس وجہ سے اسلوب تحریر میں مستقل طبعی شہادت قائم نہ رہی اور میرزا غالب خاص اس مرحلے پر ایسی تحریر اپنے سے منسوب کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے تھے۔

کوئی طبعی تحریر مرتب نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میرزا غالب ۱۸۸۳ء میں اور اورام و شہور کا شکار ہو گئے تھے اور اس بیماری نے تین سال تک انہیں سخت پریشان و بد حال رکھا۔ اسی کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے جواب کتب علی غای مرحوم کو لکھا تھا:

جنت قبلہ حاجات! اس بلائیں نے
بڑے عذاب سے کانٹے ہیں پانچ ہار برس

یہ نشانہ ایسا تھا کہ نہ تو وہ اطمینان سے چل سکتے تھے اور نہ کچھ لکھ سکتے تھے۔ اس دور کے مصائب میں متواتر اس شدید مرض کی شکایتیں کی جاتی رہیں۔ ان کی تحریر میں جہاں کہیں علمی کی شدت محسوس ہوتی ہے، وہ دراصل ان دنوں افراطِ مرضی کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ ان کے عقیدت مندوں کی کہی نہ تھا بلکہ خاصی کجوت تھی، تاہم فکر و نظر کے اعتبار سے جیسا کہ پانچ دیکھا ہے۔ انہوں نے سچ کہا تھا:

ہائے گرم ہوائِ کم فیض از ما بھرے
سایہ بھوں دور بادی دور از ہل ما

ہیں، شفق طبع ان کا عقیدہ یہی ہے اگر ایک کوئی کا عوام میں سے یہ عقیدہ نہ ہو تو وہ آدمی بے شک ایک گروہ کا سرور ہو گا۔

گر نہ ہندو بہ دوز چہو چشم
چہرہ آفتاب راچہ کناہ

”مشرق“ کی عبارت ”واہ کیا کتنا ہے! جتنا کچھ“ ”خبر کچھ“ ”رواہا نا مروہا“ ”خاکِ عروہ“ اول سے آخر تک سوال ”دیکھ“ جواب دیکھ کا التزام۔ محبت یک تہم حشا اور حشا بھی قہج۔ ہاں ہر وہ رسالہ سراسر بغض و عداوت و سوء عن و حق و خبط و سب و قتل کا مجموعہ ہے۔ کیا خاطر یہوں غشی صاحب میں کیا آیا، جو اس رسالے کی تحریر کا قصد فرمایا۔ کتاب ”خبر کچھ“ عبارت ”خبر کچھ کی بھرتی۔ جو اشعار بہ ہشواشت سند کھسے ہیں“ وہ ”زیر شک“ ”زیر شک“ ”سوار طبع“ ”مرب کنت“ و ”لگ۔ کتاب گزوری“ ہر فقرہ ”کھڑا“ ہر کھڑے کا کیا رنگ۔ کیا غشی جی نے یہ قیاس کیا کہ تمام ہندوستان میں کوئی عالم کوئی ماحل ”کوئی منصف نہیں ہے؟ اللہ اللہ! ہندوستان مجمع فضل و کمال ہے۔ غشی جی کے حق کا پردہ کھل جائے گا بلکہ مولانا غالب کا ایک ایک شاعر غشی جی کا خاکہ اڑائے گا۔ مجھ کو کو حیت اور رعایت حق اس تحریر کی باعث ہوئی تاکہ میں نے میں لطائف جمع کئے اور اس گزارش کا ”لطائف نہیں“ نام رکھا!

در پس آئند طوطی مستقم داشتہ اند
آنچه استاد ازل گفت، بگو، ی کی کرم

حمید کے حلقے میں ایک دو باتیں عرض کر دینا ضروری ہے۔ میرزا نے ابتدا میں اپنی خانہ دانی پرانی اور ناموری نیز غشی سعادت علی کی گمانی کا ذکر جس انداز میں کیا ہے وہ مناسب معلوم نہیں ہو گا۔ علم و فضل، ناموری یا رعایت خانہ ان سے مخصوص نہیں۔ جن بزرگوں نے سن قاتل کے بجائے با قاتل پر زور دیا، وہ اس بارے میں حقیقت سے بہ درجا بحر واقف تھے، لیکن میرزا کے زمانے میں ان چیزوں کو خاصی اہمیت حاصل تھی۔ نیز میرزا نیرنگ روزگار کے تئیں محبت افزا قماشے دیکھ پچھنے کے بلوچو خانہ دانی برتری کے اس عظم سے نہایت نہ پا سکے، جو دراصل دور جاگیر داری کا گراں ترین سرمایہ تھا اور میرزا کو یہ سرمایہ وراثت میں ملا تھا، اگرچہ جاگیر نہیں ملی تھی۔ خواہ حالہ کا جو شعر حمید کے آخر میں لکھا ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیف الحق سیاح محل ایک پردے کا کام دے رہے تھے، ترانہ ریختاں دراصل مرزا غالب کی تھیں۔

سیاح کے حلقے کما گیا ہے کہ وہ منہ کاتل و کشمیر و قندھار بھی دیکھ چکے تھے۔ ”سیر سیاح“ میں ”جو سات سال بعد مرتب ہوئی۔ سیاح نے لکھا تھا کہ کشمیر نہیں دیکھا، کاتل و قندھار بھی وہ جیتے نہیں گئے۔ یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ کتاب سیاح کی نہ تھی، میرزا کی تھی، جن کی معلومات سیاح کے حلقے سرسری تھیں یا یہ کچھ لکھے کہ میرزا نے سیاحت کی اہمیت بڑھانے کے لئے شاعرانہ مبالغے سے کام لے لیا۔

لطیف نمبر ۳

”بہان قاطع“ میں ”آج بھی“ کے معنی ہوں جان کئے تھے کہ یہ اس کپڑے کو کہتے ہیں، جس سے مولے کا بدن

بعد فصل خشک کیا جاتا ہے۔ میرزا غالب نے اس پر یہ اعتراض کیا تھا کہ موسم کے گھن کو خشک کرنے کی قید بچا ہے کیوں کہ "آج بھی" ہر اس کپڑے کو کہتے ہیں جس سے جسم یا اس کا کوئی حصہ خشک کیا جائے۔ یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس بارے میں ملاحظہ صرف مصنف "برہان قاطع" تک محدود نہیں، دوسرے بھی اس میں جکڑا ہوئے اور اس کا سرچشمہ فرودی کا یہ مصرع ہے:

خداوم بہ مرگ آ بختن دکن

حالا کہ یہ مصرع مفید معنی صحر نہیں۔

یہ بالکل معمولی بات تھی اور کوئی وجہ نہ تھی کہ کسی کی سمجھ میں نہ آئی، لیکن ہر خلاف نے اس سلسلے میں میرزا غالب کی نہ صرف مخالفت ضروری کہی بلکہ یہ الزام بھی عائد کر دیا کہ میرزا غالب فرودی کو مسلم اثبوت نہیں مانتے۔ اس باب میں "مخالف" کی مہارت کم و بیش دو سطحوں میں تکمیل ہوتی ہے جس میں سے صرف ایک حصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

"فرودی شاعر تھا" فرنگ نہیں نہ تھا۔ مولانا غالب تعقید کرتے ہیں فرنگ تھنے والوں کے قیاس کا اور مثلی جی اس کو فرودی کا تعقید لگاتار کرتے ہیں۔ فقیر سیاح کے ایک بات یہاں خیال میں آتی ہے کہ ہم حسین دکنی فرودی کے شعر کو نہ سمجھا اور مثلی جی خان غالب کی تثر کے معنی اگلے سمجھے۔ نقد تھی کی صفت ہیں انصاف میں مشترک ہوئی اور یہ بات ثابت ہے کہ دکنی استاد اور مثلی شاگرد ہے اور یہ بھی متعلق علیہ مجسود ہے کہ شاگرد اپنے کی جگہ اور استاد باپ کی جگہ ہوتا ہے۔ پس اب جاننے کہ اس مقام پر ہم الولہ سر لاہیہ کہیں اور مثلی جی طوف ہو کر سلام کریں اور لاہیب فید کہیں۔ (ص ۷۷)"

معنی لفظ "فراز"

میرزا نے "قاطع برہان" کی ایک تنبیہ میں لکھا تھا کہ صاحب "برہان قاطع" "فراز" کو اضمحلال میں شمار کرتا ہے یعنی اس کے معنی دروازے کا بند کرنا اور کھولنا دونوں ہیں۔ خود میرزا نے لکھا تھا۔

"فراز" ضد "غیب" امت۔ چوں ہنگام مستحق تھکے ہائے درازہر دو سو مئی سے شود آں صورت بلند بست
ہر آئینہ مستحق دور اور فراز کردن گویند چنانکہ سدی گویند:

مردے	خود	طباع	باز	خواں	کو
چو	باز شد	بہ	در فنی	فراز	خواں کو

(قاطع برہان ص ۷۷)

مثلی سعادت علی نے "محقق" میں لکھا کہ "فرنگ برائگی" کے مصنف کے مطابق فراز بارہ معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے بعد مثال میں چتے شعر پیش کئے ہیں "ان میں" "فراز" بند کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً

۱۔ جہاں پناہ از یمن دوختا اموز

وہاں عالیہ باز است و چشم تھو افراز (کمال اعلیٰ)

(۱۳۳۷-۱۳۳۸)

الحقید فیبرہ میں فرماتے ہیں کہ غشی سعادت علی:

”نظری زمانہ غالب ناکہ سے اچھے ہیں کہ تو نے ”سیرابی بیان“ کہیں لکھا؟ ”سیرابی“ نیت و میوان و انسان کے واسطے ہے نہ بیان کے واسطے۔ غشی ہی فنِ استاد سے آگاہ نہیں ہیں۔ جو چاہیں سو کہیں۔ اس کے نظائر ہزار ہیں۔ غشی ہی کو مقدمات کی جھٹکیں فراہم کرنے سے اور مستحقوں کے مراغض پر حکم چڑھانے سے فرصت کہاں ملی ہوگی کہ سب کی سیر کی ہوگی۔ ”انتقل“ نہیں کی اور زمین شعر کی صفت پڑتی ہے۔ حالانکہ نہ جبین پھول ہے نہ شعر کی زمین۔ غشی ہی! تمہیں اپنے ایمان کی قسم، شاعر کو رتھیں بیان کہیں لکھا دیکھا ہے تو اس کو جائز رکھا ہے یا نہیں؟ یوں اگر ”رٹھیں بیان“ جائز ہے تو ”سیرابی“ بھی جائز ہے۔ بقول قصارے ”بیان“ نہ سبز ہے نہ جانور نہ آدمی، مگر سیراب کہیں کر ہوا؟ اسی طرح ”بیان“ نہ پھول ہے نہ رنگ ہوا کپڑا، مگر رتھیں کیونکر ہوا؟ بیان کی غولہ کی صفت ہے ”رٹھیں“ بھی اور ”سیرابی“ بھی۔ اغلب ہے حضرت غالب مغلوب افسوس ہیں، دکھی کی ایسی ہی پرچس بیاندوں پر فصر گیا ہے، تب اس کی تمکین میں کلمات خلت کے ہیں۔“ (ص ۱۸)

کے لیے جاری ہے۔

مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم و مغفور نے میری کتاب ”غالب“ پر قوتیج یا بھیج کے سلیطے میں جو عبارتیں رقم فرمائی تھیں، ان میں ایک عبارت ”قاطع بہان“ کی بحث پر بھی تھی۔ مولانا نے لکھا تھا:

”واقعہ یہ ہے کہ میرزا غالب نے یہ چند اجزاء“ (قاطع بہان) لکھ کر علم و تحقیق کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔“ السوس کے خواجہ حالی نے اس بحث کو زیادہ تفصیل سے نہیں لکھا..... ”بہان قاطع“ کے جو خرافات انہوں نے نقل کئے ہیں، انہیں چند کر توجب ہوتا ہے کہ اہل علم و بصیرت میں سے کوئی کیونکر ان کی تائید کر سکتا ہے؟ مگر مصیبت یہ ہے کہ سادہ معاملہ ایک طرح کا متعلق معاشرہ تھا۔ اعتراض بندی لغت نویسوں پر تھا اور بندی لغت نویسوں کی کا کام یہ طور دلیل پیش کیا جاتا تھا۔“

”طائفہ نجی“ میں بھی اس قسم کے اشارے ملتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

”بات یہ ہے کہ فارسی زبان ہندو متفق نہیں ہیں“ مقلد ہیں۔ اکثر تو عقل ہے سو ماہ کے بھاری ہیں۔ اس کی تائیدات کو آنکھ کی پتلی جاتے ہوئے ہیں۔ جو بلند پرواز ہیں، وہ ”طائفہ برہان“ کو عرش المعرفت جانتے ہیں اور اس کے اقوال کو مانتے ہیں۔ پس جب کوئی متفق حق و باطل کا میز ہو اور دکنی کے الخط ظاہر کرے تو وہ حضرت طور آشیانہ گم کردہ کیوں نہ بن جائیں؟ جب ان کا ہاتھ چاہ ہو گیا تو آپ سند کس کو نصرا نہیں؟ جس میں یہ دو صفات ثبوتی جمع ہوں گی، یعنی حقیقت زبان فارسی سے آگہی اور انصاف کا حکم، حضا یہ دو صفاتیں سلیبی بھی مع ”مردود ہوں گی“ یعنی مردود پرست نہ ہو گا اور حد پیش نہ ہو گا۔ وہ تو غالب کی قدر جانے گا اور اس متفق نہ حق کے قول کو مانے گا اور ایسے لوگ دنیا میں کم ہوں گے پس اس صغریٰ اور کبریٰ کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت غالب کے منافقین و منکرین ہزار ہزار پیدا ہو جائیں گے۔ ہر چند اہل حق انہیں سمجھائیں گے لیکن وہ انکار سے باز نہ آئیں گے۔ جمل مرکب کا علاج محال ہے، ”علم عربی کی قوت سے فارسی دانی محض وہم و خیال ہے۔“ (۳۳/۳۴)

میرزا غالب کا استاد

مصلح ”عمرق طائع“ نہیں بلکہ بعض دوسرے اصحاب نے بھی ہر مرد یعنی ملا عبد الصمد کو میرزا غالب کا استاد ماننے سے انکار کیا تھا، حالانکہ اس کے لئے کوئی قائل قہر دلیل مردود نہ تھی۔ ”طائفہ نجی“ کے لیلہ نمبر ۱۵ میں لکھتے ہیں کہ غشی سعادت علی کے نزدیک اس استاد کا وجود خارجی نہیں تھا:

”ہاں“ سچ ہے، وہ ایسا وجود خارجی نہیں دکھاتا تھا کہ نامی کے ساتھ مترادف بالمعنی ہو۔ مسلمان جہم کی اولاد میں سے رہنے والا یہو کا ایک امیر زادہ، جلیل القدر، جس نے پچاس برس طام عرب و بلاد سے علوم عربیہ حاصل کئے، پھر ہندوستان میں تشریف لایا، حضرت غالب سے ملا اور دو برس ان کا مسمان رہا۔ اس کو غشی جی، کس دلیل سے جھوٹ کہتے ہیں؟ ہم الدولہ جھوٹ نہ بولیں گے مگر ہاں بوجہ اس مصرع کے:

کاؤب ہمد را بہ کیش خود چنداو

غشی جی جیسے آپ ہیں، ویسا اور کو بھی سمجھتے ہیں، مخالفین مذہب اسلام اس طریق کو جھوٹا جانتے ہیں اور وہ از دوسے شمار نہ قعد و نہ تخصی ہیں۔ عیاذ اللہ! کیا اس اجتماع سے مذہب اسلام باطل ہوا جاتا ہے؟“

(۳۵/۳۶)

ہمارے زمانے میں بھی ایک مشہور صاحب علم و تحقیق نے ملا عبد الصمد کے وجود خارجی سے انکار فرمایا تھا اور ایسی دلیلیں پیش کی تھیں، جنہیں دیکھ کر بار بار تعجب ہوتا تھا۔ مثلاً کہ ”طائفہ برہان“ کی طاعت تک کبھی عبد الصمد کا نام نہ سنا گیا، یا خواجہ حالی نے لکھا ہے کہ کبھی کبھی میرزا کی زبان سے سنا گیا، چونکہ لوگ مجھے بے استاد کہتے تھے اس لئے ایک فرضی استاد تجویز کر لیا، حالانکہ خواجہ حالی اس روایت کے باوجود عبد الصمد کے معترف تھے یا مثلاً پروفیسر عبد الغفور شہباز کی ”حیات بے نظیر“ میں حکیم غلام رضا حاکم کا ایک مکتوب دیکھ لیا، جس میں موصوف نے فرمایا

تھا کہ میرزا نے اپنا فارسی یا اردو کلام کسی کو نہ دکھایا اور عبد الصمد کا دھوکہ ذہن میں تھا، خارج میں نہ تھا، گویا اس دنیا کے ہر انسان کا قول لازماً "بلایند بھی قبول کر لیتا چاہئے اور میرزا کے دعوے کو ضرور غلط مانتا چاہئے۔ میں اس موضوع پر الگ تفصیلاً لکھتا چاہتا ہوں، لیکن یہاں صرف اتنا عرض کرنے کی جسارت کروں گا کہ اہل تحقیق کو فیصلے میں جھلت نہ کرنی چاہئے۔ ملا عبد الصمد یقیناً میرزا کا استاد تھا، اگرچہ میرزا نے اس سے استفادے کا جو قصور قائم کر رکھا تھا، اس کی حیثیت کچھ ہی ہو اور اگرچہ خود ملا عبد الصمد کے علم فارسی کے حلق وہ رائے درست نہ مانی جاتے جو میرزا غالب نے چند سال کی عمر میں قائم کی تھی۔ خواجہ حالی اور نواب مصطفیٰ خاں شیخوہ دونوں عبد الصمد کے دھوکہ خارجی کے صدق ہیں، البتہ یہ بالکل درست ہے کہ میرزا نے فارسی یا اردو شعر کسی استاد کو نہ دکھائے اور عبد الصمد بھی ان اساتذہ سے مستفی نہیں۔ شعر میں استاد کی نفی کا مطلب یقیناً یہ نہیں کہ سمجھ لیا جائے "میرزا نے کسی سے تعلیم پائی ہی نہ تھی۔"

میرزا کی ایک خصوصیت

"حافظ برہان" کی نثر کے حلق جگہ جگہ معترف ہیں کہ اس کا جواب ممکن نہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو "الانک لہیں" کی نثر کے بارے میں بھی یہی کہا جاسکتا ہے۔ انہوں نے اب تک اس کا مطالعہ بہت کم اصحاب نے کیا تھا، اس وجہ سے کہ کتاب صرف ایک مرتبہ تھوڑی سی تعداد میں چھپی، پھر اسے چھاپنے کی نوبت نہ آئی، جس امر میں بطور خاص ذہر دینا چاہتا ہوں، یہ ہے کہ میرزا کو ہر معاملے کی توجیج و تخریج میں ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔ وہ عمارت ایسے انداز میں لکھتے تھے کہ جو کچھ خود ان کے ذہن میں ہو، وہ بیوزہ دہرے کے ذہن میں بیست ہو جاتے۔ پھر عمارت میں بیخانہ انجاز اور جامعیت ہے۔ ایسا اسلوب قرآنِ لغت نگاری کے لئے حد درجہ موزوں تھا، میں نے فارسی اور اردو کے پختہ بھی لغت اب تک دیکھے، ان میں سے بے شکائے چند کوئی بھی ایسا نہ پایا۔ جو اسلوب قرآن یا نظم و نظم لغت کے اعتبار سے قابلِ توجہ ہو۔ وہ لغت دہی لکھ سکتا ہے، جسے ہر لفظ کے مواقع استعمال پر چورا چور ہو اور وہ ہر موقع کی توجیج مناسب و موزوں عمارت میں کر سکے ہیں اس سلسلے میں مثالیں پیش کرنا چاہتا تھا، لیکن مضمون بہت لمبا ہو گیا ہے۔ اس لئے مجبوراً اسے ختم کرتا ہوں۔ انشاء اللہ کسی دوسری فرصت میں اس پر تفصیل سے بحث کروں گا۔

سیر سیاح

میاں داو خاں سیاح کی کتاب کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ وہ کتاب آج کل بہت کم باب ہے اور اس میں سیاح کے کچھ حالات بھی آگئے ہیں، جو میرے علم کی حد تک منظر عام پر نہیں آئے۔ ان حالات کا خلاصہ یہاں پیش کر دینا چاہتا ہوں۔ اقلب ہے، یہ خواندہ گان کرام کے علم میں اضافے کے موجب ہوں۔

جنوری ۱۸۹۰ء میں میر غلام بابا خاں رنجیں اعظم سورت کے بچوں کی تقریبِ عقد تھی، جس میں غنی نو کثرت کو بھی دعوت دے کر بلایا گیا تھا۔ چنانچہ غنی نو کثرت صاحب وہاں پہنچے اور سیاح سے خوب صحبتیں دیں، جن سے غالب

پہلے بھی شہنائی تھی۔ وہیں غنی صاحب نے سیاح سے مدد لیا کہ تھپیر آپ نے نہیں دکھا بولائی میں آئیں تو اسٹے نہیں گے۔ سیاح بولائی کے بجائے ہر اگست کو سورت سے روانہ ہوئے۔ پہلے نواب بھگن کے ہاں ٹھہرے، پھر بمبئی میں غنی نو کٹور کے ایجنٹ میر ابن حسن کے ہاں قیام کیا۔ ہر اگست کو بمبئی سے ریل میں سوار ہو کر مدد کو کپتور پہنچے۔ سیاح نو کٹور میں گئے تو معلوم ہوا کہ غنی صاحب انتقاد کرتے کرتے پچوس ہو کر ایک قافلے کے ساتھ کٹور چلے گئے۔ سیاح کو بڑا قلق ہوا، مگر عجیب اتفاق یہ ہوا کہ بارشوں کی کڑت سے ٹرین رک گئی اور اسی رات غنی نو کٹور رات کے ۱۰ بجے قافلے کے ساتھ واپس آ گئے، 'فرض تھپیر کی سیر کا موقع تو باقی نہ رہا۔ لیکن سیاح کی خاطر تواضع اس جگہ پر ہوئی کہ اس کا بیان ایک افسانہ معلوم ہوتا ہے۔ شاہ میر خاں عرف چٹھے صاحب کو سیاح کی رفاقت کے لئے مقرر کر دیا گیا۔ وہ کھٹو پیچھے آکر لاہور اور اہل علم سے ملاقاتیں کیں۔ لاہور میں سے خاص طور پر قاتل ذکر راجہ محمد امیر حسن خاں رکھی محمود تیار ہیں جنہوں نے سواری بھیج کر سیاح کو اپنے ہاں بلایا اور چار روز ٹھہرائے رکھا۔ وہیں راجہ صاحب کے غلام زاد بھائی نواب رحمت علی خاں سے ملاقات ہوئی۔ ان کے علاوہ سیاح نے کھٹو میں جن لوگوں سے ملاقات کا ذکر کیا ہے، ان میں سے چار سب تجیش پر شاہ وکیل ہدالت، غنی رام پر شاہ مدارا الہام حسن الدولہ اور ان کے دادو دادو عباس علی قاتل ذکر ہیں۔ متعدد طوائفوں کے گانے سنے۔ بیچ میں سیاح نے چند روز 'آگرہ' سکندریہ، دہلی اور میرٹھ میں گزارے دہلی میں قربان علی بیگ ساہگ، خواجہ بدر الدین خاں حترم، ابوستان خیال، مرزا محمد حسن خاں عرف چھوٹے مرزا، حکیم محمود خاں، حکیم محمد رضا خاں، سید فخر الدین، نواب خیاہ الدین احمد خاں نیر، مرزا حسین علی خاں ابن عارف سے بھی ملاقاتیں کیں اور غالب کے حوالہ پر جا کر فاتحہ بھی پڑھی۔ میرٹھ میں محمد وجاہت علی خاں مستم اخبار عالم سے ملاقات منظور تھی۔

سیاح دوبارہ کھٹو پیچھے تو رخصت تیار ہو گئے، غنی نو کٹور نے علاج کے لئے طیب بھی مقرر کئے دیے بھی اور ڈاکٹر بھی۔ غنی بی کی صفا نوازی کے متعلق سیاح کی عبارت پہلے نقل ہو چکی ہے۔ کھٹو میں مشاعرہ بھی ہوا تھا۔ جس میں متعدد شعراء نے حصہ لیا۔ سیاح نے اس مشاعرے کی تمام غزلیں بہ ترتیب حروف حچی مرتب کر دی تھیں اور اس کا تاریخی نام 'سورت شاعراں' رکھا تھا۔ سورت بہ معنی شرف و حرمت۔ اس سے ۸۸۸ھ تاریخ غلغلی ہے۔ کھٹو سے کپتور آئے تو وہاں بھی مشاعرے کا انتظام کر لیا گیا تھا، لیکن رمضان شریف شروع ہو جانے کے باعث مشاعرہ نہ ہو سکا۔ جن شعراء نے اس کے لئے غزلیں کہہ لی تھیں، ان سے کلام لے کر دوسرا مجموعہ مرتب کر دیا گیا۔ یہ دونوں مجموعے مع اور اق نثر سیاح 'سیر سیاح' کے نام سے طبع ہوئے۔ کتاب کی ضخامت ۶۶ صفحے تھی۔ سیاح مدد، نوہر کو کپتور سے روانہ ہوئے۔ اٹھ تیار میں میر ظہور حسین دیکل پانگورٹ کے ہاں دو روز ٹھہرے، پھر بمبئی پہنچے اور ایک رات ٹھہر کر میرے اندازے کے مطابق ۲۳ یا ۲۴۔ نوبر ۱۸۷۱ء کو دارو سورت ہوئے۔

غالب کے دو قلمی دیوان

اور

میر علی بخش خاں رنجور

تحقیق میں قیاس کو درجہء اعتماد حاصل نہیں ہو سکتا، خاص طور پر ادبی تحقیق میں جہاں مصدق حقائق کی روشنی میں پیش کئے گئے قرائن کے لئے یہ بحث ضروری نہیں ہے کہ وہ سائنسی حقائق کے درجے مرتبہ تنقید کی طرح "امر واقعہ سے مطابقت رکھیں۔ اس کے باوجود ادبی میدان میں تحقیق و تحقیق کے دوران بعض غلط ایسے رہ جاتے ہیں جنہیں پر کرنے کے لئے محققین کو قیاس کی مدد لینا پڑتی ہے۔ ضرورت صرف اس کی ہے کہ دوسرے محققین جب ان مسائل سے دوچار ہوں تو وہ اپنی احتیاط برتیں کہ اپنے پیش رو محققین کے قیاس کو قیاس کا ہی درجہ دیں اور ان کو مصدق حقائق کی حیثیت دے کر ان پر نئے قیاسات کی بنیاد نہ ڈالیں۔

غالب کی زندگی کے بھی ایسی نگہ کشی ایسے پہلو ہوتی ہیں جن کے بارے میں صحیح صحیح اور پوری معلومات فراہم نہیں ہو پاتی ہیں اور معتبر شواہد کی عدم موجودگی میں ہمسرا حقائق کی بنیاد پر قیاس آراء انہوں کی کوشش کی گئی ہے۔ یہی صورت حال دیوان غالب کے ان دو قدیم ترین نسخوں کے ساتھ پیش آتی ہے جن میں سے ایک بھوپال میں مسلمان فوجدار محمد خاں کے کتب خانے میں تھا اور دوسرا پروفیسر محمود شیرانی کے ذخیرہ کتب میں شامل تھا اور جو باترتیب "نسخہ بھوپال" اور "نسخہ شیرانی" کے نام سے موسوم ہیں۔ ان دونوں قلمی نسخوں کی اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ ان میں غالب کا ایسا کام بھی موجود ہے جسے غالب نے طباعت کے لئے اپنا دیوان منتخب کرتے وقت حذف کر دیا تھا۔ "نسخہ بھوپال" پر کاتب نے جو تاریخ الختام کتابت درج کی ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ اس کا متن ۱۸۸۱ء میں تحریر ہوا تھا۔ "نسخہ شیرانی" پر کوئی ایسی شہادت موجود نہیں ہے، لیکن عام طور پر یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کی کتابت ۱۸۸۶ء کے قریب ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ ان دونوں نسخوں میں غالب کا ۲۵ء سے ۳۰ء سال کی عمر تک کا کام موجود ہے اور اس لئے کام غالب کی تاریخی ترتیب میں ان نسخوں سے بہت مدد ملتی ہے۔

ان نسخوں کے بارے میں جہاں دوسرے مباحث محققین کی دلچسپی کا موضوع بنے ہیں وہیں اس مسئلے پر بھی غور کیا گیا ہے کہ یہ دیوان کس کے لئے لکھے گئے ہیں اور بعد میں یہ کس کس کے پاس رہے ہیں۔ خود ان نسخوں سے کوئی ایسی شہادت فراہم نہیں ہوتی جو اس سلسلے میں کسی جتنی نتیجے پر پہنچائے۔ نہ ہی غالب کی دوسری تحریرات یا کسی معاصرانہ تحریر سے کوئی خاص مدد ملتی ہے۔ لہذا ضمنی حوالوں کی مدد سے بعض امکانات کے بارے میں قیاس کیا گیا ہے۔ لیکن بے شک عرض کیا جا چکا ہے معتبر شہادتوں کی غیر موجودگی میں کوئی ایک قیاس ختم حیثیت اختیار نہیں کر پاتا

اور پیشہ مبتذل قیاسات کی مہیا نکل رہی ہے۔

”نثر بھوپال“ کے بارے میں ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہاں فوجدار محمد خاں نے خود اپنا کاتب بھیج کر کلام غالب کے اس نسخے کو تیار کروا کے منگوا یا تھا (1)۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اس نسخے کو غالب نے خود فوجدار محمد خاں کو بھجوا دیا تھا (2) اور اسے فوجدار محمد خاں کے لئے ہی تیار کرایا کیا تھی (3)۔ لیکن جناب اقتیاز علی عریفی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اسی نسخے کو غالب نے خود اپنے لئے ہی لکھوایا تھا۔ یہ قلمی نسخہ اب گم ہو چکا ہے۔ لیکن عریفی صاحب (4) اور ڈاکٹر سید عبد المطفی (5) جنہوں نے اس نسخے کو تفصیل سے دیکھا ہے بتاتے ہیں کہ اس میں قصیدوں اور غزلوں کے لئے علیحدہ علیحدہ دو لوصیں تھیں جو سنہری کلام سے مزین تھیں، جدولیں رنگین اور طلائی اور پارکا لٹور دی تھی“ تحریر صاحب اور خوشخط تھی۔ جس اہتمام سے یہ نسخہ تحریر کیا گیا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ محض شاعر کا اپنا نسخہ نہ تھا بلکہ اسے خصوصیت کے ساتھ کسی اہم شخص کے لئے نقل کروایا گیا تھا۔ جہاں تک فوجدار محمد خاں کے اپنے کاتب بھیجنے کا سوال ہے تو ۱۸۸۶ء میں جب نسخہ تحریر کیا گیا تھا فوجدار محمد خاں کی عمر صرف دس سال کی تھی اور اس لئے اس قسم کا کوئی اہتمام کسی طرح قرین قیاس نہیں ہے۔ جہاں تک بعد میں کسی وقت اس نسخے کو فوجدار محمد خاں کی نذر کیے جانے کی بات ہے تو اس کے بھی کوئی شواہد موجود نہیں ہیں۔ فوجدار محمد خاں ”والیہ بھوپال“ نواب قادیانہ کے بھائی تھے۔ بعد میں ان کی بھانجی سکندر بیگم رہیں۔ فوجدار محمد خاں نے کچھ عرصے کے لئے نائب الریاست اور سکندر بیگم کے پردے ہونے کے بعد عشق سلار رئیس بھوپال شاہیں بیگم کے ریکٹ کی حیثیت سے کام کیا۔ اس لحاظ سے فوجدار محمد خاں ایک اہم اور با اثر شخصیت کے مالک تھے اور اگر غالب سے ان کے براہ راست روابط ہوتے تو اس کے ضرور کوئی شواہد ملتے۔ لیکن فوجدار محمد خاں کے ان خطوط میں بھی جن کی نقل پر مشتمل نو جلدیں بھوپال کی مولانا آزاد سنٹرل لائبریری میں محفوظ ہیں، غالب کا کوئی براہ راست یا بالواسطہ حوالہ نہیں ملتا۔ چنانچہ اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ یہ نسخہ بالخصوص فوجدار محمد خاں کے لئے لکھا گیا ہو یا براہ راست ان کو پیش کیا گیا ہو۔ مزید برآں اس قلمی نسخے کے متن میں جا بجا اصطلاحات کے علاوہ حاضیے اور آخر میں موجود ساوہ اور اتق پر بھی اضافے ہیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ متن کی تکمیل کے بعد بھی کسی نہ کسی حیثیت سے اس نسخے کا غالب سے تعلق باقی رہا ہے۔ مفتی محمد انوار الحق مرتب نسخہ حمید نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ نسخہ بار بار بھوپال سے غالب کے پاس جاتا رہا ہے اور غالب نے خود اس میں اصطلاحات اور اضافے کئے ہیں (6) لیکن دہلی اور بھوپال کے درمیان فاصلے اور اس زمانے میں رسل و رساک کی دشواریوں کے یہ نظریہ امکان اتنا قرین قیاس نہیں معلوم ہو گا۔ ایسی صورت میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ نسخہ اولاً کسی ایسے شخص کے پاس رہا ہے جو یا تو غالب سے بہت قریب ہے اور دلاً دلاً غالب سے ان کا نیا کلام حاصل کر کے اپنے نسخے میں بیچھاتا رہا ہے، یا اس کے غالب سے اپنے قریبی تعلقات ہیں کہ خود غالب اس کو اپنے اشعار روانہ کرتے رہے ہیں۔

۱۸۸۶ء کے قریب غالب کے ایسے اصحاب میں ہو ان کے کلام کو جمع کرنے میں دلچسپی رکھتے ہوں اور ہر نئے اضافے سے پوری طرح باخبر رہتا چاہتے ہوں، سب سے نمایاں نام میرزا علی بخش خاں رنجور کا ہے۔ رنجور میرزا الہی

بخش معروف کے صاحبزادے اور غالب کی اہلیہ امراؤ بیگم کے حقیقی بھائی تھے۔ عمر میں غالب سے چار سال چھوٹے تھے۔ نواب احمد بخش خاں ریکس فیوز پر ہجر کو لوہاروان کے چلتے اور ان کے ہی ساتھ رنجور کا قیام فیوز پر میں قائم رہا۔ "نوب" دہلی آتے رہتے تھے (7)۔ ۱۸۸۵ء میں جب ہجرت پر پر انگریزوں نے چٹائی کی تو نواب احمد بخش کے ساتھ رنجور اور غالب بھی تھے۔ اسی صم کے دوران رنجور نے غالب سے یہ آرزو ظاہر کی تھی کہ وہ فارسی خط و کتابت میں استعمال کئے جانے والے القاب و آداب اور خط لٹنے کے شمسے لود نہ لٹنے کی شکایت و غصہ کے لئے مولوں فقرے ایک مختصر رسالے کی شکل میں یکجا کر دیں۔ یاد ہو کہ غالب نے اس روش سے اپنی بیگم کی ظاہر کی، پھر بھی انہوں نے اس فرمائش کو پورا کیا (8)۔ یہ رسالہ اب "بیچ آہنگ" میں آہنگ اول کی صورت میں شامل ہے۔

۱۸۸۷ء میں نواب احمد بخش نے انتقال کیا اور ان کے ساتھ ہی رنجور کے سارے بیٹے بیٹیاں شتم ہو گئے (9)۔ غالب اس وقت لکھنے کے سفر روانہ ہو چکے تھے، جب ان کو اس سانے کی خبر ملی تو وہ رنجور کے بارے میں کافی متحکم ہوئے (10)۔ نواب احمد بخش نے اپنی زندگی میں ہی اپنی ریاست کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا اور فیوز پر ہجر کو ریاست ان کے بیٹے بیٹے شمس الدین احمد خاں کے حصے میں آئی تھی۔ شمس الدین احمد خاں کی والدہ، دی عرف ہو خانم میواٹی تھیں، جب کہ احمد بخش کے دوسرے دو بیٹے امین الدین احمد خاں اور ضیا الدین احمد خاں نیز بیگم جان کے بہن سے تھے جو کہ ان کی ہم قوم تھیں۔ اس وجہ سے اہل خانہ ان شمس الدین احمد خاں کو تسلیم اپنا ہم راجہ خیال نہیں کرتے تھے اور یہی جذبہ اس کاڑے کی بنیاد بنا جس میں خانہ ان کے باقی افراد نے شمس الدین احمد خاں کے خلاف ایک مضبوط سازش لپائی۔ لیکن نواب احمد بخش نے شمس الدین احمد خاں کے حقوق کو محفوظ رکھنے کے لئے اپنی وفات سے ایک سال قبل اپنی جائیداد کو اپنے بیٹوں میں اس طرح تقسیم کر دیا کہ فیوز پر کی جاگیر شمس الدین احمد خاں کے پاس رہی اور امین الدین احمد خاں اور ضیا الدین احمد خاں کو لوہاروان۔ چنانچہ نواب احمد بخش کے انتقال کے بعد جن امور کی پیش فیوز پر کی جاگیر سے حلقہ تھی، اس کی ادائیگی میں دشواری پیدا ہوئی۔ ان میں رنجور اور غالب بھی تھے جنہوں نے اس خانہ دانی کاڑے میں شمس الدین احمد خاں کے خلاف امین الدین احمد خاں اور ضیا الدین احمد خاں کا ساتھ دیا تھا۔ چنانچہ نواب احمد بخش کے انتقال کے بعد حالات کو غیر اطمینان بخش پاکر رنجور نے بھی فیوز پر ہجر واک۔ کچھ عرصے کے لئے لکھنؤ میں رہے اس کے بعد جے پر چلے گئے۔ ۱۸۸۵ء میں جب شمس الدین احمد خاں، ولیم فریزر کے قتل میں ملوث ہوئے اور انہیں چٹائی دے دی گئی تو رنجور دہلی لوٹ آئے (11)۔

رنجور کو فیوز پر ہجر کو لوہاروان دیکھتا تھا جو نواب احمد بخش کے انتقال کے بعد خانہ بد ہو گیا۔ ۱۸۸۵ء میں ولیم فریزر کے قتل کے بعد فیوز پر کی ریاست ضبط ہو گئی اور سرکار انگریزی کی طرف سے رنجور کا پکاس روپہ ملانہ مقرر ہوا جو انہیں آخر دم تک ملتا رہا۔ (12)۔ اہلہ خد کے ہنگامے کی وجہ سے ہاتھیں بیٹنے لوائی رکی رہی۔ لیکن فروری ۱۸۸۸ء میں گیارہ سو روپے میں سے چھ سو مل گئے۔ ممکن ہے کہ جلا جلا ہی مل گئے ہوں (13)۔

دہلی لوٹنے پر رنجور نے غالب کے پاس قیام کیا (14)۔ رنجور کے جان کے مطابق غالب اس وقت "بیگم آرزو انہام" کے نام سے اپنا ایک مکان کھل کر چکے تھے جس میں نئی تزئینات بھی درج تھیں۔ رنجور نے یہ خواہش ظاہر

کی دیوان میں شامل نثر کے ساتھ دوسری مختلف عبارتوں جو اس سے ربط رکھتی ہیں اور القاب و آداب پر مشتمل وہ رسالہ جو رنجور کے پاس پہلے سے موجود تھا، نکجا کر کے ایک علاحدہ مجموعہ نثر تیار کیا جائے۔ اس سلسلے میں رنجور کو حکیم رضی الدین حسن خاں کی تحریک اور میرزا حسین خاں کی تائید بھی حاصل رہی۔ علاوہ ازیں رنجور کو خیال رہا کہ ان کے ساتھ جو غلام نثار الدین خاں بھی اس مجموعہ انشاء سے استفادہ کر سکیں گے (14)۔ اس طرح ”بیچ آہنگ“ مرتب ہوئی جس کی حمید خود رنجور نے لکھی۔

رنجور غالب سے قزاقوں کے کئی سلسلوں میں شلک تھے۔ وہ نہ صرف غالب کی اہلیہ امراء حکیم کے حقیقی بھائی تھے بلکہ رنجور کی اہلیہ امانی خاتون بھی غالب کی بھانجی تھیں۔ غالب کی صرف ایک بہن چھوٹی خاتون تھیں جو مرزا اکبر بیگ بدشتی سے منسوب تھیں۔ ان کے علاوہ غالب کے ایک بھائی میرزا یوسف خاں تھے۔ جو بین عالم شباب میں پاگل ہو گئے تھے۔ وہ دوران نذر حلاک ہوئے۔ میرزا یوسف خاں کی انکوئی صاحبزادی عورت امراء حکیم تھیں جن کی غالب نے رنجور کے ساتھ جو غلام نثار الدین خاں سے شادی کی تھی۔ آئندہ سلسلے پر درج شعرا قزاقوں کو بخوبی ظاہر کرتا ہے۔ رنجور نے باقی عمر مدحی میں ہی گزاری۔ یکم جنوری 1833ء کو 34 سال کی عمر میں انتقال کیا اور غلام الدین میں دفن ہوئے (15)۔

غالب کے رنجور سے جو خصوصیت رہی وہ ان قزاقوں کے علاوہ ان خطوط سے بھی اچھی طرح واضح ہے جو غالب نے رنجور کو لکھے ہیں (16)۔ انہیں کے لکھے میں بھی رنجور، غالب کے خاص مرزا و معارف تھے اور قیام نکلتے کے دوران بھی غالب، رنجور کو حالات سے آگاہ کرتے رہے۔ ان خطوط میں جہاں غالب نے رنجور کو اپنی سرگردانیوں کا حال بتایا ہے وہیں اچھے بخت خاں کے انتقال کے بعد پیدا ہونے والی پریشانیوں کے لئے اپنی فکر اور تشویش کا اظہار بھی کیا ہے۔ اس کے نتیجے میں رنجور کو غالب سے جو کچھ لکھا تھا، اس کا اندازہ ”بیچ آہنگ“ کے ابتدائے سے ہوتا ہے۔ (17)۔ غالب کی تحریرات سے ان کی دلچسپی سرگرمی و بھرپور کے دوران رسالہ انشاء کی فراغت اور مدحی واپس آنے پر ”بیچ آہنگ“ کی ترتیب کے واقعات سے بخوبی ظاہر ہے۔ رسالہ انشاء کے بارے میں رنجور تحریر کرتے ہیں:

حسب الاحتماس من درستی چند از آداب و القاب و شعر و سید خطوط و شعر و ہم دسی مکاتبات رقم فرمود و بمن عطا نمود۔ من اور اہل را چوں تمویذ بہاد و ہنم و کن کا شیشہ حار را در فن قرین دستور اصل خود ساختم (18)۔

اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ ابتدا میں غالب نے اپنی ساری نثری نگارشات کو محفوظ رکھنے میں کسی خاص دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ ”میں نے آئندہ انہماں“ کا نثری حصہ بھی غالباً صرف ان تقاریر اور مقدمات وغیرہ پر مشتمل تھا جو ”بیچ آہنگ“ کے آہنگ چارم میں شامل ہیں۔ باقی چار حصے یعنی آہنگ اول جس میں القاب و آداب وغیرہ پر مشتمل رسالہ انشاء شامل ہے، آہنگ دوم جس میں مصاد و مصطلحات فارسی درج ہیں، آہنگ سوم جس میں خطوط میں کام آنے والے غالب کے فارسی اشعار کا انتخاب ہے اور آہنگ چہم جس میں غالب کے فارسی خطوط نکجا کئے گئے ہیں، معلوم ہوتا ہے رنجور نے اپنی کوششوں سے جمع کئے ہیں۔

غالب کی ترنگاری سے اتنی دلچسپی کے پیش نظر یہ امر بعید از قیاس نہیں ہے کہ رنجور نے غالب کی شعری تخلیقات کو بھی اپنے پاس رکھنے کی کوشش کی ہوگی۔ اسی مضمون پر اس نظریے کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے کہ "نسخہ بھوپال" میں جس وقت اصلاحات اور اضافے ہوئے ہیں۔ اس وقت وہ رنجور کے پاس تھا۔ اور اسی کی حد سے رنجور نے "نسخہ شیرانی" کی شکل میں ایک صاف اور زیادہ مکمل نسخہ تیار کروایا تھا۔

"نسخہ بھوپال" پر کاتب نے تاریخ انعام کتابت ۵ صفر ۱۲۳۲ھ / ۱۸۴۱ء درج کی ہے۔ ۱۸۴۱ تک غالب کی مالی حالت بد و حملی آنے کے بعد رفتہ رفتہ گھٹتی جا رہی تھی "خاصی بکری چکی تھی اور وہ قرض کے بوجھ میں کٹنی دپ بچے تھے۔ ان کے چچا سر نواب احمد بخش خاں فیروز پور بھکرہ و لودھارہ سے انھیں جو سارے سالت سو روپیہ سالانہ (یعنی سوا ہاتھ روپیہ ماہانہ) بخش ملتی تھی (۱۹) وہ پہلے ہی لگانا تھی کہ اسی دوران میں نواب اور ان کے بیٹوں کے درمیان کشمکش کے آثار پیدا ہوئے اور اس کے نتیجے میں ۱۸۴۲ء میں نواب احمد بخش نے سرکار انگریزی اور مدارجہ الود کی اجازت سے اپنے بندے جینے شخص الدین احمد خاں کو تمام جائیداد کا وارث قرار دے دیا۔ (۲۰) غالب کی بخش فیروز پور کی جاگیر سے متعلق تھی اور چوں کہ نواب احمد بخش کے بیٹوں کے خارج میں غالب کے دو بیٹے شخص الدین احمد خاں کے خلاف اور امین الدین احمد خاں اور ضیاء الدین احمد خاں کی حمایت میں تھا، اس لئے غالب کو بخش کی اس محدود رقم کی لوائی میں بھی اندیشے پیدا ہوتے نظر آتے ہوں گے۔ اس لئے بدلتے ہوئے حالات کا رخ دیکھ کر غالب نے یہ سوچا کہ کسی اور ذریعے سے مالی امداد حاصل کرنے کی مقامی شہرہ کی ہوں اور کسی خاص موقع کے پیش نظر اپنا دوا ان صاف نقل کرایا ہو۔ یا یہ بھی سوچا کہ اسوں نے یہ قسمی دوا ان نواب احمد بخش خاں کو ہی پیش کیا ہو "اور چوں کہ احمد بخش خاں کی رنجور پر خاص نظر تھی اور رنجور کو غالب کی تحریکات سے خاص دلچسپی "اس لئے ممکن ہے کہ یہ نسخہ احمد بخش خاں سے رنجور نے لے لیا ہو "کیونکہ رنجور فیروز پور سے دہلی آتے جاتے رہتے تھے۔ (۲۱) اس لئے اس کا امکان ہے کہ بعض مواقع پر رنجور نے غالب کی اپنی عیاض کی حد سے اپنے اس نسخے کو مکمل بنانے دیکھنے کی کوشش کی ہو۔

"نسخہ بھوپال" میں کئی محسنے اضافوں اور اصلاحات کے بارے میں ڈاکٹر سید عبداللطیف نے بتایا ہے کہ "حاشیے کی بعض تحریریں خوشنما نستعلیق خط میں ہیں اور بعض شکستہ خط میں"۔ (۲۲) جناب امتیاز علی عرفی نے لکھا ہے کہ بعض غزلوں پر "مقابلہ کدہ شد" تحریر ہے اور نسخے کے آخر میں شامل سلاوہ اور حق پر اضافہ کی ہوئی غزلوں کے انتظام پر درج ہے "تمام شد" کارمن نظام شد" رب ہمد تم بالخیر (۲۳) یہ عبارت کسی پیشہ ور کاتب کا معلوم ہوتا۔ لیکن بعض اضافے بدلتا خط میں ہیں اور ان میں الما کی غلطیاں بھی مثلاً "قاسما" کو "حسنا" "مہربان" کو "مہربانے" "مضائق" کو "مطامع" "شک" کو "مہک" اور "مہائیں گے" کو "مہا گے گئے" لکھا ہے (۲۴)۔ اس کے علاوہ جیسا کہ ڈاکٹر سید عبداللطیف کہتے ہیں "کاتب نے حاشیے پر غزلیں نقل کرتے ہوئے نہایت بے پروائی کے ساتھ دوسری غزلوں کی جگہں اور مصرعوں کو خطا نظر کر دیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ کئی غزلیں باوجود متن میں متدرج ہونے کے ایک سے زیادہ مرتبہ لکھی گئی ہیں"۔ (۲۵) ان دونوں قسم کے اضافوں اور اصلاحات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی وقت رنجور کو غالب کی عیاض سے قائمہ امداد کے لئے خاصا موقع ملا ہے اور انہوں نے بھی غزلوں کو کاتب سے خوشنما نقل

کروا لیا ہے اور پہلے سے تحریر غزلوں سے مقابلہ کر کے ان پر "مقابلہ کردہ شد" تحریر کیا ہے۔ لیکن کبھی یہ اضافے بہت جلدت میں کئے گئے ہیں اور کسی کم استعداد والے شخص کو بول بول کر صبح کا کام کروایا گیا ہے جس کی وجہ سے الما کی قطعیں ہوتی ہیں۔ اسی طرح اضافے کرتے وقت جلدت کی وجہ سے بعض ایسی غزلوں کو دوبارہ بھی لکھ لیا گیا ہے جو پہلے سے درج تھیں، لیکن کاتب کو ان کی سوجھ بوجھ کی تصدیق کرنے کا وقت نہ تھا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کہیں کہیں متن کے اشعار میں اصلا میں یا حاشیے پر معمولی اضافے خود غالب کے قلم میں بھی ہوں۔

"نصۂ بھوپال کے شروع میں موجود مادہ اور ان پر وہ غیر منقوہ قاری خط نقل ہے جو غالب نے مولوی فضل حق کو تحریر کیا تھا۔ یہ خط بعد میں غالب نے "خاترہ گل رعنا" میں شامل کیا اور اسی حوالے سے اسے "بیچ آہنگ" میں درج کیا گیا ہے (25) لیکن ڈاکٹر سید عبداللطیف بتاتے ہیں کہ نصۂ بھوپال میں منقول خط کے خاتمے پر "محمد اسد اللہ" نام بھی درج ہے (26) جو کلیات نثر میں تحریر نہیں ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط "بیچ آہنگ" یا "گل رعنا" سے نہیں بلکہ بہت جلدت ممکن ہے کہ اصل خط یا اس کے مسودے سے نقل کیا گیا ہو۔ غالب نے یہ خط مولوی فضل حق کو فیروز پور سے لکھا تھا۔ جہاں غالب اپنی چٹن کے معاملے میں بات کرنے کے لئے نواب امیر بخش خاں کے پاس گئے ہوئے تھے۔ نواب ان دنوں الور میں تھے، اس لئے ان کے انتظار میں غالب کو کچھ عرصہ فیروز پور میں قیام کرنا پڑا (27)۔ ہو سکتا ہے فیروز پور میں اسی قیام کے دوران دہلی ورنجور نے مولوی فضل حق کے نام اس غیر منقوہ خط کو اپنے دیوان کے ابتدائی صفحات پر درج کرایا ہو۔ یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ غالب اپنی باض ساتھ لیتے گئے ہوں اور دہلی ورنجور نے اس کی مدد سے اپنے نسخے میں مزید اضافے اور ترمیمات کر لیا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالب کا فیروز پور میں یہ قیام غریب نہیں رہا۔ اس وجہ سے یہ اضافے اور ترمیمات بھی جلدت میں کی گئی ہوں گی۔ ڈاکٹر سید عبداللطیف بتاتے ہیں کہ مولوی فضل حق کے نام خط کی نقل کے خاتمے پر محمد اسد اللہ، اس طرح لکھا گیا ہے کہ "اسد" اور "اللہ" کے درمیان ایک داؤ زائد ہے (یعنی "محمد اسد و اللہ" 428K)۔ کتابت کی اسی قسم کی قطعیں "جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے" متن میں کی گئی دوسری اصلاحات اور اضافوں میں نظر آتی ہیں۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بدلنا خط میں اور خط الما میں کئی گنی ترمیمات اور اضافے غالب کے قیام فیروز پور کے وقت کے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہوتا ہے کہ صاف خط میں اضافے کبھی پہلے کے ہیں جب کہ دہلی ورنجور شاید وہی گئے ہیں اور وہیں انہوں نے ایک عرصے تک قیام کیا ہے اور بالخصوص ہو غزل کا مقابلہ کروا کے کسی کاتب سے اضافوں کو درج کروایا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو تاریخی ترتیب میں طرہ خط اضافے بدلنا خط میں اضافوں سے پہلے کے ہیں۔ یہ بھی امکان ہے کہ غالب کے قیام فیروز پور کے دوران دہلی ورنجور نے اپنے قلمی نسخے پر جو اضافے کروانا چاہے، ان سب کے لئے گنجائش نہ رکھ پائی ہو۔ اس لئے ان میں سے بعض کو کہیں علاحدہ درج کر لیا گیا ہو۔ شاید ان باقی ماندہ غزلوں کے پیش نظر یا حاشیوں وغیرہ پر بے رہا اضافوں اور الما میں قطعیوں وغیرہ کو دیکھتے ہوئے دہلی ورنجور یا خود غالب نے دہلی ان کی ایک اور صاف نقل تیار کرنے کی تجویز دے رکھی ہو یا اس کے برعکس دہلی ورنجور یا غالب کو ایک ہی نقل تیار کرانے کا خیال پہلے پیدا ہوا ہو اور اس کے لئے دہلی ورنجور کے پاس موجود نسخے کو بھلت نام "خط میں غفلت" ترتیب میں درستی یا الما میں صحت کو مد نظر رکھے بغیر "اضافے اور ترمیمات کر کے مکمل

کر لیا گیا ہو۔ بہرحال غالب اسی مقصد کے تحت بعض ایسی غزلوں پر بھی شکایات لگائے گئے جنہیں نئے نسخے سے حذف کرنے کا خیال تھا۔ عرشی صاحب نے تحریر کیا ہے:

"بعض غزلوں کے آغاز کی سادہ جملوں میں لفظ 'غلا' لکھا گیا ہے اور بعض غزلوں پر حرف "ع" اس طرح لکھا ہے کہ اس کا سر مطلع کے دونوں مصرعوں کے بیچ میں آیا ہے اور دائرے نے ساری غزل کو گھیر لیا ہے۔ یہ سب غزلیں وہ ہیں جو نسخہ شیرانی میں شامل نہیں کی گئی ہیں۔" (289)

یہ نیا ساف کیا ہوا نسخہ وہ خط ہو سکتا ہے جو اب لاہور یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے اور "نسخہ شیرانی" کے نام سے موسوم ہے۔ عرشی صاحب نے نسخہ شیرانی کو نسخہ بھوپال کا میضہ قرار دیا ہے (300) اور ڈاکٹر وحید قریشی نے اس کی تصدیق کی ہے کہ "نسخہ شیرانی" کے متن میں "نسخہ بھوپال" میں موجود ساری اصلاحات اور اضافوں کو شامل کر لیا گیا ہے۔ گو چند ایسی غزلیں بھی نسخہ شیرانی کے متن میں داخل ہیں جو نسخہ بھوپال میں درج نہیں ہیں (311)۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے، نسخہ شیرانی میں بعض ایسی غزلیں کو ممکن ہے نسخہ بھوپال میں موزوں مقام پر گھسائی نہ ہونے کی وجہ سے جداگانہ محفوظ کر لیا گیا ہو اور نئے نسخے کی تکلیف کے وقت انہیں اس میں شامل کر دیا گیا ہو۔ اس لحاظ سے "نسخہ شیرانی" کے متن میں یہ اضافے غالب اسی وقت کے ہیں جب نسخہ بھوپال میں آخری اضافے اور ترمیمات کی گئیں۔

عرشی صاحب نے بتایا ہے کہ "نسخہ بھوپال" میں بعض ایسی غزلوں پر جو دوبار درج ہو گئی ہیں کہیں کہیں "تکرر نوشہ شد" تحریر ہے۔ ہو سکتا ہے "نسخہ شیرانی" کے کاتب نے "نسخہ بھوپال" سے نقل کرتے ہوئے اس اصولے کا اعزاز کیا ہو اور یہ اندراج کیا ہو۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ جس وقت غالب نے ان غزلوں پر شکایات لگائے ہیں جن کو حذف کرنا مقصود تھا، اسی وقت دوبار تحریر کی ہوئی ان غزلوں پر ان کی نظر پڑی ہو اور ان پر "تکرر نوشہ شد" لکھا ہو۔ مفتی انوار الحق نے بعض اشعار کے بارے میں لکھا ہے ان کو کاتب نے "لا" لکھ دیا گیا ہے اور متن میں یہ یا حاشے پر اصلاح شدہ شعر یا مصرع لکھ دیا ہے (322)۔ مفتی صاحب کا خیال ہے کہ یہ اصلاحات غالب نے خود کی ہیں۔ مفتی صاحب کا یہ قیاس درست ہو سکتا ہے اور یہ اصلاحات بھی اسی وقت کی ہو سکتی ہیں جب غالب نے بعض غزلوں کو حذف کرنے یا ان کی تکرار کے بارے میں اشارے درج کیے ہیں۔

غالب نے فیروز پور کا سفر غالباً ۱۸۸۶ء میں کیا تھا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ اسی سفر کے دوران "نسخہ شیرانی" کی تکلیف شروع ہو گئی اور نسخہ بھوپال میں اضافے ہو گئے تو یہ نتیجہ اٹتا ہے کہ "نسخہ بھوپال" میں اس کی تکلیف (یعنی ۱۸۸۸ء) کے بعد پانچ سال کے اضافے اور اصلاحات شامل ہیں اور اس کے بعد جو اضافے ہوئے انہوں نے "نسخہ شیرانی" میں جگہ پائی۔

غالب وسطاً ۱۸۸۶ء میں دہلی سے کلکتہ کے لئے روانہ ہوئے (323) اور کلکتہ کا پتہ ہوتے ہوئے باہر پہنچے۔ "نسخہ شیرانی" میں وہ غزلیں ایسی درج ہیں جن پر "از باہر فرستادہ" اور "از باہر رسید" لکھا ہے (324) اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت تک "نسخہ شیرانی" کی تکلیف مکمل ہو چکی تھی یا کم از کم اس درجہ کی تکلیف پوری ہو گئی تھی

اسی وجہ سے ان غزلوں نے بجائے متن کے حاشے میں جگہ پائی۔ یہ بھی ممکن غالب ہے کہ یہ غزلیں رنجور کو ہی بھیجی گئی ہوں گی کیونکہ جشن کے اس جلسے میں دو غالب کے خاص ہراز و خیر خواہ تھے۔ اور اس سلسلے میں غالب کے دو خطوط جو انہوں نے رنجور کو لکھتے سے لکھے تھے ”کلیات شرف غالب“ میں درج ہیں (35)۔ اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ غالب ”رنجور کو“ اپنے سفر کی دو سری منازل سے بھی خطوط روانہ کرتے رہے ہوں اور کلام غالب سے ان کا غلت دیکھتے ہوئے اس خیال کے پیش نظر کہ فیوز پور میں ابھی ان کا دیوان زیر کتابت ہے ”غالب نے انہیں اپنی تازہ غزلیں بھی ارسال کی ہوں لیکن بعض ایسی منظومات ہو کہ غالب کے قیام ٹکٹ سے متعلق ہیں ”نصوہ شیرانی“ میں درج نہیں ہیں۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ لکھتے پہنچنے کے کچھ عرصے بعد (36) غالب نے رنجور کو اپنا کلام بھیجا ہو کر دیا۔ اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ بہت ممکن ہے کہ غالب کے علم میں آچکا ہو کہ ”نصوہ شیرانی“ کی کتابت مکمل ہو گئی ہے اور اس لئے ہو سکتا ہے انہوں نے حاشیوں وغیرہ پر اضافے کروانا مناسب نہ سمجھا ہو۔ دوم یہ کہ سفر ٹکٹ کے دوران ہی نواب احمد بخش خاں کا انتقال ہو گیا اور کچھ عرصے بعد ہی رنجور فیوز پور پہنچ کر جگہ جگہ مارے پھرے۔ لکھنؤ پہنچے وہاں تک نہ سکے اور کھڑے کھڑے پور پہنچے۔ رنجور کی ان سرگردانیوں کے دوران تازہ کلام سے واقفیت تو کیا ہو سکتا ہے رنجور کی غالب سے خلا و کتابت بھی موقوف رہی ہو۔ سوم یہ کہ اسی زمانے میں غالب ”گل رحمتا“ کے لئے انتخاب میں مصروف ہو گئے ”اس لئے ہو سکتا ہے انہیں اپنے نئے کلام کو کسی دوسرے دیوان میں شمولیت سے دلچسپی نہ رہی ہو۔

”نصوہ شیرانی کی کتابت پوری ہو جانے کے بعد رنجور کے پاس ایک صاف اور مکمل دیوان تھا“ اس لئے ہو سکتا ہے کہ فیوز پور پہنچتے وقت اس کے بعد بھی انہوں نے ”نصوہ بھوپال“ اپنے سے جدا کر دیا جو کسی دہلے سے بھوپال پہنچا اور میاں فوجدار محمد خاں کے کتب خانے میں داخل ہوا۔ ”نصوہ شیرانی“ کب تک رنجور کے پاس رہا اور کن واسطوں سے پروفیسر شیرانی کے ذخیرہ کتب میں شامل ہوا؟ ابھی حل طلب مسائل ہیں۔

حواشی

- (1) "غالب کے پانچ شاعر" فریڈ ہر آسٹ لکھڑ "مکتوبہ دو عالم حکیم ابھارل" ۵ فروری ۱۹۵۹ء "مکتوبہ در" "مکتوبہ حیدر اور سہیل لکھار" "غالب" از قلم جتا چوری مکتوبہ لکھڑ اردو" غالب لکھڑ" ص ۵۰۔
- (2) "چند ہم عصر" از مولوی عبدالحق (مضاف شدہ ایڈیشن) ص ۷۷۔
- (3) "مکتوبہ حیدر" "غالب" ص ۵۰۔
- (4) "جہاں غالب" "مکتوبہ حیدر" "غالب" ص ۵۰۔
- (5) "مکتوبہ" "جہاں غالب" "غالب" ص ۵۰۔ "مکتوبہ حیدر" "غالب" ص ۵۰۔ "مکتوبہ حیدر" "غالب" ص ۵۰۔ "مکتوبہ حیدر" "غالب" ص ۵۰۔
- (6) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "مکتوبہ حیدر" "غالب" ص ۵۰۔
- (7) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "مکتوبہ حیدر" "غالب" ص ۵۰۔
- (8) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "مکتوبہ حیدر" "غالب" ص ۵۰۔
- (9) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "مکتوبہ حیدر" "غالب" ص ۵۰۔
- (10) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "مکتوبہ حیدر" "غالب" ص ۵۰۔
- (11) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "مکتوبہ حیدر" "غالب" ص ۵۰۔
- (12) "غالب" "از قلم رسول مراد" ص ۵۰۔
- (13) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "از قلم رسول مراد" ص ۵۰۔
- (14) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "از قلم رسول مراد" ص ۵۰۔
- (15) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "از قلم رسول مراد" ص ۵۰۔
- (16) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "از قلم رسول مراد" ص ۵۰۔
- (17) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "از قلم رسول مراد" ص ۵۰۔
- (18) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "از قلم رسول مراد" ص ۵۰۔
- (19) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "از قلم رسول مراد" ص ۵۰۔
- (20) "غالب" "از قلم رسول مراد" ص ۵۰۔
- (21) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "از قلم رسول مراد" ص ۵۰۔
- (22) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "از قلم رسول مراد" ص ۵۰۔
- (23) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "از قلم رسول مراد" ص ۵۰۔
- (24) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "از قلم رسول مراد" ص ۵۰۔
- (25) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "از قلم رسول مراد" ص ۵۰۔
- (26) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "از قلم رسول مراد" ص ۵۰۔
- (27) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "از قلم رسول مراد" ص ۵۰۔
- (28) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "از قلم رسول مراد" ص ۵۰۔
- (29) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "از قلم رسول مراد" ص ۵۰۔
- (30) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "از قلم رسول مراد" ص ۵۰۔
- (31) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "از قلم رسول مراد" ص ۵۰۔
- (32) "غالب اور مکتوبہ حیدر" "از قلم رسول مراد" ص ۵۰۔
- (33) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "از قلم رسول مراد" ص ۵۰۔
- (34) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "از قلم رسول مراد" ص ۵۰۔
- (35) "مکتوبہ حیدر" "غالب" "از قلم رسول مراد" ص ۵۰۔

غالب کا المعانی کلام — ایک داستان

ہم آج بیٹھے ہیں تزیین دینے دفتر کو
دوق جب اس کا اڑا لے گی ہوا ایک ایک
(عالمی)

عالمِ شہر کا واقعہ ہے "میں علی گڑھ میں ایف اے کی ہجرت کا طالب علم تھا۔ میرے عزیز دوست خواجہ مسعود علی دوق (۱۸) اور میں چھٹیوں میں عموماً ایک ساتھ سفر کرتے تھے۔ میں راستے میں اکثر اپنے سابق وطن یا کانپور جہاں میرے اہل خانہ رہتے تھے۔ ٹھہر جاتا اور وہ آگے بڑھ کر اپنے مقصد کو پہنچ جاتے۔ کبھی وہ دیکھ دن میرے ہمراہ ٹھہر کر گزرتے جاتے "کبھی ہم دونوں اپنے اپنے مقصدوں پر کچھ دن قیام کر کے ٹھہر کر جمع ہو جاتے۔ اسی زمانے میں انہوں نے مجھے وصل بلکرائی مرحوم سے ملا (۱۹)

وہ کچھ دن پہلے گورکھپور میں مولوی سبحان اللہ صاحب مرحوم (۲۰) کے حسن سلوک سے فیض یاب ہو کر ٹھہر آئے تھے اور انہوں نے ٹھہر آہوں میں ایک خوش الطبع "دو منزل مکان کرایہ پر لے کر اپنا مہمان "مرقع" لگانا شروع کیا تھا۔ کوئی پچاس برس کا سن "لانا قدر گول سرخ و سفید چم (جس پر شیشی سے قدرے زیادہ بڑی "گول" چمکری وادھی تھی) "ہونٹ جہ وقت مسکراہٹ کے سبب خاصے کھلے ہوئے (جن کے اندر پان کھانے کے باوجود سفید چمکدار تھیں لیلیاں رہتی تھی) "سوا گروہ صیلا بدن" چوڑی مہلوں کا سفید چاباس "بغیر بنیان کے سفید ہی ڈھلیا ڈھلا کرت (جس کے اندر ان کا سرخ بدن جھلکتا تھا اور شہوانی نہ چہنے ہونے کی صورت میں وہ ہاتھ ڈال کر بدن کھاتے اور باتیں کرتے رہتے تھے) "ڈھلی شہوانی" ذکی لڑکی "دعانت کم مگر عام سمجھ بادی "مزاج میں متانت سے زیادہ تفصیل "جلد جلد باتیں کرنے کا انداز "شعر گوئی وادھی مگر شعراء کے لئے بیش کشاں "خوش خاطر مدارات میں طاق "بھلے آرا و فیہ و فیہو۔ یہ تھے وصل بلکرائی مرحوم!

پہلی ملاقات کے بعد ہی ان سے بے تکلفی کے تعلقات قائم ہو گئے۔ ان کی ذات دوسروں کو خواہ خواہ اپنی طرف کھینچتی تھی۔ دیر آگئی انہیں جمو ضیں گئی تھی۔ چنانچہ کبھی میں تھا "کبھی میں اور دوق دونوں ان کے ہاں جاتے اور ٹھہرتے گئے۔ پھر ان سے تعلقات اتنے بڑھ گئے کہ ہمارے خانگی معاملات میں دخل ہونے لگے۔ رسالہ "مرقع" تو نکالنے ہی تھے "خاص بات یہ تھی کہ ان کے ہاں دوق "فوق" ایسے ایسے شعرا اور اہل علم آتے اور ٹھہرتے رہتے تھے اور مقامی شعرا تو تقریباً ہر شام کو جمع ہوتے اور رختی آرائی کا سلسلہ رات گئے تک رہتا۔ وصل صاحب کا دستر خوان وسیع تھا۔ ہر کھانے پر ان کے مہمان اور دوقی طور پر آئے ہوئے آٹھ دس مہمان ضرور ہوتے اور بخش اور چائے وغیرہ کا تو

کوئی صاحب نہ تھا۔ قابل ذکر مسالوں میں کبھی کبھی رام پر سے ہوش چٹکھوای آتے تھے۔ ایک بار علی گڑھ سے واپسی پر امیر صاحب بھی مسالوں میں مگر غالباً وہی ایک (دو) (4) ریاض صاحب (5) کو بھی وہیں مسالوں دیکھا۔ مزید، علی (مگر ایک ساتھ نہیں) اثر (کھنڈوں میں ہوتے تھے) صدر مرزا پوری، امید انصاری، سراج، امین سلووی، حکیم آصف، آسی وغیرہ شام کے آنے والوں میں تھے، خصوصاً، موقوفہ کر جو مطبع فنی فیل کشور میں ملازم تھے اور اپنا کام ختم کر کے اپنے بعض شاگردوں یا حقیقت مندوں کے ہمراہ وہاں سے سیدھے وصل صاحب کے پاس آ جاتے۔

ایک بار شام کی نشست میں آسی صاحب کا کلام سننے کے بعد کسی نے ان سے اچانک کچھ اس قسم سوال کا کیا۔ "کتنے آسی صاحب، غالب کا غیر مطبوعہ کلام کچھ ہوا؟" میں نے یہ سمجھا کہ موجودہ ان غالب کے بعد جو کلام دستیاب ہو چکا ہے، موصوف اس پر کچھ کام کر رہے ہوں گے یا مزید غیر مطبوعہ کلام کی تلاش میں ہوں گے، اس کے بارے میں پرچھا جا رہا ہے۔ مگر جس آسانی، برکتی نیز سنجیدگی اور عزم کے لئے جیلے انداز میں جواب دیا گیا اس نے مجھ پر معاملے کی حقیقت کچھ کچھ واضح کر دی۔ آسی صاحب نے اس طور پر جواب دیا "جی نہیں؟ کچھ دنوں قہودا بہت ہوا ہے وہ فیل کرتا ہوں۔" یہ کہا اور ایک آدھ غزل یا اشعار ایسے سنائے جن پر بلاشبہ غالب کے فن کی بصورت پڑتی معلوم ہوتی تھی۔ میری لڑوائی کے زمانے میں بعض اصحاب غالب کی تقلید میں مزاما "بے معنی، مطلق قسم کے اشعار ضرور کہتے تھے مگر غالب کے رنگ میں سنجیدگی کے ساتھ کہے ہوئے اور با معنی اشعار سننے کا یہ میرا پسند اطلاق تھا۔ میں نے میں دیکھا مگر یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ کبھی حاضری نے اس کو وقت گزاری اور تقن طبع کے طور پر ایک لطیفہ سمجھا اور بس۔

اس کے بعد وہ ایک بار پھر کھنڈ ہانا ہوا۔ وصل صاحب کے پاس قیام چینی تھا اور آسی صاحب سے ملاقاتیں اس سے بھی زیادہ چینی، جن میں ان سے غالب کا غیر مطبوعہ کلام بھی ضرور سنا جاتا۔ حالت یہ ہو گئی تھی کہ اوپر آسی صاحب داخل ہوئے اوپر ان کے نیاز مندوں نے (جن میں اب راقم بھی شامل ہو چکا تھا) بے تاب ہو کر فریاد کی "آسی صاحب! کچھ غالب کا غیر مطبوعہ کلام؟" اور انہوں نے حسب معمول "بلا کسی رسمی تکلف کے اپنے مخصوص عزم کے ساتھ سنا شروع کر دیا۔

۱۸۸۵ء کے وسط میں پھر کھنڈ گیا۔ فوری کو ساتھ لیا۔ اس سال دسمبر میں ہماری پونی ورسٹی کی تاریخی جہلی منائی جانے والی تھی اور اس موقع پر شیر صمدی صاحب (5) کو اور مجھے بہ مشیت الفیض و حاجت ایضاً غزل گڑھ منگورین جہلی نمبر (5) شائع کرنا تھا۔ چنانچہ کھنڈ کے اس سفر کا مقصد وہاں کے شعراء اہل قلم سے ان کے نمونہ حائے کلمات "تصاویر" دیکھ کر نوادر و نیو حاصل کرنا تھا اور اس کام میں خاصی کامیابی ہوئی۔ اس مرحلہ بھی حسب معمول وصل صاحب کے پاس قیام ہوا۔ آسی صاحب سے ملاقات ہوئی اور غالب کا غیر مطبوعہ کلام سنا گیا۔ اس بار آسی صاحب کے ساتھ ایک اور صاحب سے ملاقات ہوئی۔ کچھ چڑے، ٹانگ پٹی سے آراستہ، منہ میں پان کی گھوری کے پلو جو کالوں میں گڑھے، دبے پتے اور لائے، لائی ہی ٹھیلی موٹھیں، ستا ہوا چہرہ، ہنک دار آنکھیں جن میں کابل کی باریک قریر، قدرے میلا سفید چوڑی دار پاجامہ، نیالے رنگ کی شیروائی، ہاتھ میں بس مشر کی کسر تھی، مسکراتے ہوئے لے بلکے ملے گئے۔ معلوم

ہوا ڈاکٹر علقٹ اتنی ہیں، غلام فروشی کرتے ہیں (7) اور "سیکرٹری" کے جوتی نمبر میں اپنے کامداد کا اشتہار شائع کرانا چاہتے ہیں! حضرت نے مجھاس روپے بھی پیش کیے مگر ظاہر ہے ہم نے فی الغور معذوری کا اہتمام کیا۔ ان سے عرض کیا "جناب! آپ سیکرٹری میں اپنا اشتہار شائع کرانا چاہتے ہیں یا ہمیں یونیورسٹی سے نکلوانا چاہتے ہیں؟"

ایک مدت کے بعد جب میں غالب علی کا زمانہ ختم کر کے زندگی کی سرحدات میں گھس گیا، وہ زمین دہی نہ وہ آسمان، میرا علی گڑھ کا قیام ترک ہوا، کھنڈ کا جانا ختم ہوا اور دہلی، شملہ، لاہور و فیرو پور میرے مسخر رہنے لگے تو انیس ڈاکٹر علقٹ اتنی کی ایک خاندانی بیاض کے حوالے سے اسی صاحب کی دریافت کے طور پر نیاز صاحب (8) نے "نگار" میں غالب کا غیر مطلوبہ کلام شائع کیا۔ بعد میں کچھ اور چیزیں شامل کر کے اسی صاحب نے اسے کلام غالب کا ایک مستقل حصہ بنا دیا۔ پھر ایک طویل عرصہ گزر گیا اور تقسیم ہند کے بعد جناب عرشی رام پوری نے بھی اپنے مروجہ "راج ان غالب" میں یادگار بلڈ کے ذیل میں اسی کے حوالے سے اس تمام کلام کو شامل کر لیا۔ اس کے مسخر ہونے میں ضرور شبہ ظاہر کیا مگر کئی اسباب کی بنا پر "یہ انہوں نے نہیں لکھا۔"

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنے دنوں تک ایک ایسے اہم علمی واقعے کے بارے میں میں نے "کھنڈ حقیقت" سے کیوں کام لیا اور اپنی دنیا میں یہ دعائی ہوئی رہی اور میں اپنے ہوشوں پر مرکوز لگے کیوں بیٹھا رہا؟ مگر معاملہ صرف اتنا نہیں ہے۔ اس سلسلے میں مجھے تفصیل سے اپنی ذاتی حالات و واقعات بتانے ہوں گے، مگر میں دیکھتا ہوں کہ اس مضمون میں پہلے ہی اصل موضوع کے علاوہ بہت سی ضمنی اگرچہ خاصی ضروری اور معلومات افزا باتیں جمع ہو گئی ہیں۔ مختصراً صورت حال یوں ہے کہ بعض نہایت تعلیم یافتہ صاحب اور زندگی کی پامناصلوں اور عروجوں کی وجہ سے میں عرصے تک اردو شعرو ادب سے بیزار رہا حتیٰ کہ کوئی سولہ سترہ برس تک میں نے اردو کی باقاعدہ خدمت سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ ان باسابق حالات نے پاکستان کے قیام کے کچھ عرصے بعد پلٹا کھایا، چنانچہ جب ہی سے مجھے ادب کی طرف واپس آنے کی توفیق ہوئی، اگرچہ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں کہ ہم رنگ آلود ہو گیا تھا اور اس کی روشنائی خشک ہو چکی تھی۔

اگر میں نے اب تک یہ واقعہ کسی "مقالے" کی شکل میں قلم بند نہیں کیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے اسے اپنے نہیں خاندان دل ہی میں حقد رکھا۔ اس دور ان میں جن جن اہل قلم سے بات چیت ہوئی میں نے ان سے اس کا تذکرہ کیا۔ محض ہلکے رام نے اسکندریہ سے اس کے بارے میں تحریری طور پر دریافت کیا تو میں نے انہیں بے کم و کاست صورت حال سے مطلع کر دیا۔ جناب عرشی سے بھی اس مسئلے پر خط و کتابت ہوئی، اگرچہ سہ اطلاق سے ان کے تاریخی فیصلے کی اشاعت کے بعد۔ غلام بیجاپوری صاحب پاکستان آنے تو ان سے اس موضوع پر بات چیت ہوئی اور بعد میں انہیں اس واقعے کا حال کچھ کر بھی بھیج دیا۔ ترج کل خالد اللہ امر کا کراچی میں قیام ہے۔ ان سے اس سلسلے میں گفتگو ہوئی۔ انہوں نے نہ صرف اس واقعے کی مکمل تائید کی بلکہ ڈاکٹر علقٹ اتنی کے حقد سے اور موت کا قصہ انہی سے معلوم ہوا۔ اصل میں میرے علاوہ اس دور کے متعدد اشخاص کو بشمول ذوقی جن کا ابتدائے مضمون میں ذکر کیا گیا، یہ واقعہ معلوم ہے مگر قلم ہے کہ کسی اور اہل قلم نے بھی اس کے بارے میں اب تک کچھ نہیں لکھا۔

۱۹۶۰ء میں اپنے مخدوم سید ہاشمی فرید آبادی مرحوم کی مشاورت سے بابائے اردو کی مجوزہ نو سالہ بریلی کے موقع پر ان کی خدمت اپنی طرف سے پیش کرنے کے لئے میں نے غالب کا نئی ترتیب کے ساتھ ایک انتخاب شائع کیا۔ اس کا تاریخی نام "کلام غالب۔ نثر و قوائی" اور دلی تھرا "پیش کشی جشن نو سالہ بابائے اردو" حاشی صاحب ہی کے عطا کردہ ہیں، جن سے علی الترتیب ۱۹۶۰ء اور ۸۰ء ص ۸۰ کے بعد اور آمد ہوتے ہیں۔ یہ انتخاب مارے کا سارا ان کی نظر سے گزرا ہوا بلکہ ان کا منظور کردہ ہے۔ انتخاب کی غایت اصلی یہ تھی کہ شاعر کو اپنی حقیقی اور علمی عکسوں ہی میں محدود رہنے دے جانے کی بجائے عام قاری حضرت میں بھی زیادہ سے زیادہ مقبول بنایا جائے تاکہ جہاں تک ممکن ہو مروجہ "پڑھا لکھا شخص غالب سے مستفید اور لطف اندوز ہو سکے۔ اسی لئے انتخاب بنیادی طور پر صرف اردو کلام "وہ بھی شاعری کی بقول عام صنف غزل تک محدود رکھا گیا۔ اس کے دباچے میں بھی "غیر مطلوبہ کلام" غالب سے اپنی واقعیت کے بارے میں اشارہ "۱" پر عرض کر کر دیا تھا۔

اس وقت مارے سامنے یہ پڑا سوال تھا کہ چوں کہ غالب کے تمام اردو غزلیہ کلام کو سامنے رکھ کر انتخاب کرنا تھا، غیر مطلوبہ غزلیات کے اس حصے کے بارے میں کیا رویہ اختیار کیا جائے۔ ہم نے بہت غور کیا اور ہماری مختلف رائے یہ ہوئی کہ اس کلام پر بھی ضرور نظر ڈال لی جائے مگر چونکہ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد میرے لئے ایک ایک شعر کے بارے میں یہ حکم لگانا کہ یہ معتبر ہے اور وہ غیر معتبر، بالخصوص جب کہ میرے سنے ہوئے کلام کے علاوہ اور کلام بھی اسی سے منسوب ہو چکا تھا، اصول یہ طے ہوا کہ جو میرا سنا ہوا کلام یا آئے اسے ترک کر کے باقی کے سلسلے میں اسی نوڈ نیاں کو شبہ کا قائلہ دے کر اس کلام سے بھی انتخاب کر لیا جائے، چنانچہ یہی کیا گیا۔ مجھے اعتراف ہے کہ یہ بہت مشکل طریق کار نہ تھا مگر اس کے سوا چارہ کار بھی کیا تھا؟

عرشی صاحب، کو یہ حیثیت جموی یہ انتخاب پسند آیا۔ مگر غیر مطلوبہ کلام کے انتخاب کے سلسلے میں شاید اس لئے کہ اس سے پہلے میں انہیں اسی سے منسوب کلام کو غیر معتبر یا چکا تھا، جب انہیں اس اصول سے مطلع کیا گیا تو ان کی خاطر خواہ تھپی نہیں ہوئی۔ میں یہ عرض کرنے کی جسارت کون تاکہ اس اصطلاح میں موصوف نے میرے ساتھ قدم سے چلتی روا رکھی ہے، اس لئے کہ خود اپنے مروجہ دوا ان غالب میں اس امر کا اقرار کرتے ہوئے بھی کہ انہیں بعض اشعار کے بارے میں الحاق کا شبہ ہے، انہوں نے ایسے سالے اشعار شامل کر لئے ہیں۔

حواشی

(۱) اپنے زمانے کے بے حد اچھے طالب علم اور ذہنی پائر افاضت لکھنؤ اور علیپور میں تھے۔ غزل سے زیادہ نظم سے دلچسپی رکھتے تھے۔ اب حجاز آباد ہیں۔ تعلیم سے فراغت ہانے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہوئے، پھر یونیورسٹی لڑکھ کارا میں رہے۔ اب وہی شہرہ اردو میں استاد ہیں۔

(۲) دیکھ لیا ۶۹-۷۰ ص ۱۱۱ میں جب میں کہتا ہوں کہ قاضی اور مراد علی صاحب کے حال اسکول میں چرچا یا انہوں نے غایت کا جائزہ لیا، انہیں مولوی نور الحسنی نیز دیکھ لیا۔ ص ۱۱۱ صاحب اور صاحب کے پاس یہاں ہیں، اپنے ایک مزاج مولوی صاحب علی مرحوم کے ساتھ وہ اسی دنوں میری تعلیم کے گمان تھے اور دعائیں لگا رہے تھے۔ صاحب کے ہم عمر تھے، بلا کر، قاضی ایک بار دیکھ چکا تھا۔ اس وقت وصل صاحب کیا کرتے تھے؟ یہ پڑھیں آج، میر صاحب مولوی کی ایک کہہ لیا، کھلی (میرے خارج صاحب) کے حدود یا سمجھ لے، خود ساتھ چلوں میں وصل صاحب کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ وہ بٹے بھی کیا

کلید اس گہنہ راز

مرزا عباس بیگ مرحوم (خواہر زادہ غالب)

آج تک ”دعاء الصبح“ کے فارسی مکتوم ترجمہ غالب کی اشاعت اول کا صرف ایک ہی نسخہ معلوم ہے جو غالب کی زندگی میں مطبع نو کشور سے حسب الامنائے مرزا عباس بیگ صاحب اسٹرا اسٹنٹ کشف کھنؤ“ شائع ہوا (1)۔ غالب کے اس ترجمے سے حلق تو کئی مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ (2) مگر مرزا عباس بیگ کے حالات ابھی تک تحقیق نہیں ہوئے تھے۔ جس کی وجہ سے کئی غلط فہمیاں راہ پا گئی تھیں۔ اس مقالے میں مرزا عباس بیگ سے حلق بہت سا مواد جمع کر دیا گیا ہے۔



1750ء کے لگ بھگ مرزا غالب کے دادا تو جان بیگ کے ساتھ قبیلہ بدلاس کے ایک امیر زادے مرزا جیون بیگ خاں جو حضرت بہز پاش کی اولاد میں تھے۔ اپنے خاندان سمیت داد بدوستان ہوئے (3)۔ ان کی تین اولادیں تھیں۔ مرزا اکبر بیگ، مرزا افضل بیگ (4) اور امیر افسانہ بیگم۔ مرزا غالب کی بڑی بہن چھوٹی خانم۔ شاید غالب کی والدہ کو بڑی خانم کہہ کر پکارا جاتا ہو گا) کی شادی انہیں مرزا جیون بیگ کے بڑے صاحبزادے مرزا اکبر بیگ سے ہوئی۔ ان کے بہن سے تین صاحبزادے مرزا عاشور بیگ، مرزا عباس بیگ، مرزا جواد علی بیگ عرف مرزا مظل بیگ اور ایک صاحبزادی ابائی خانم پیدا ہوئیں۔ اس مضمون کا موضوع مرزا اکبر بیگ کے بچپن صاحبزادے اور مرزا غالب کے بچپن بھانجے مرزا عباس بیگ ہیں۔ ان کی تاریخ ولادت کا صحیح علم نہیں مگر اندازہ ہے کہ مرزا عباس بیگ جنہیں آئندہ طور میں ہم صرف مرزا کہہ کر پکاریں گے (5) 1812ء کے لگ بھگ دلی پیدا ہوئے۔ وہ 1867ء میں آسٹرا اسٹنٹ کشف کے صدمے سے رنجاز ہوئے تھے۔ اگر رنجاز صدمے کے وقت ان کی عمر پچیس سال مان لی جائے تو ان کی ولادت کا سال 1812ء قرار پائے گا۔

مرزا علیحدت حسین اور سرخ و سفید تھے۔ سانپے میں ڈھلا ہوا جسم، دراز قد اور نہایت قوی الجوش کومیاشی، رتھیں مڑا لی اور اعصاب پرستی کے سبب پڑھنے کا شوق کم تھا۔ تاہم ذہین تھے۔ جب انگریزی پڑھنے کا شوق پیدا ہوا تو اس قدر پڑھ لی کہ تحریر و تقریر بخوبی سراپا ہوا دے سکتے تھے۔ فارسی کی لیاقت معمولی تھی اور عربی سے نااہل تھے۔ رتھیں مڑا لی کے باوجود شعر گوئی تو ایک طرف شعر صحیح پڑھ بھی نہ سکتے تھے۔ (5) صاحب ”کارنامہ سرداری“ کے مطابق جگہ عربیہ باغرام چند کے بھی شاعر رہے تھے۔ مگر یہ قرن قیاس نہیں کیونکہ باغرام چند 1844ء میں دلی

کالج کے مدرس مقرر ہوئے تھے اور اس وقت ان کی عمر تینیس سال تھی۔ جب کہ ہمارے قیاس کے مطابق مرزا 32 سال کے تھے۔ اس کے علاوہ محکموں کی پہلی لڑائی (دسمبر 1845ء) کے دوران مرزا فیروز پور (پنجاب) کے کوڑاں یا تحصیلدار تھے۔ اور کئی سال پٹنہ دی پھوڑ پکے تھے۔ جس کا حال آگے آئے گا۔

ممکن ہے کبھی پرائیویٹ ٹیوشن سے بھی پڑھا ہو۔ الغرض انگریزی تخریر و تقریر کی لیاقت پیدا کر کے مرزا وسیع تر میدان کی تلاش میں رہنے لگے۔ اتفاق سے یہ موقع بھی انہیں جلد ہی مل گیا۔ ہوا یہ کہ جب ان کے حقیقی بچا مرزا افضل بیگ سلاطت مظفّرہ والٹر رائے سے ان امور کا تصفیہ کرانے میں ناکامیاب رہے جن کے لئے انہیں نکلتے بیٹھا گیا تھا (6) تو انہوں نے مشہور رفتار سر موہن رائے کو راجا کا خطاب دلا کر تصفیہ امور کے لئے انگلینڈ روانہ کر دیا (1830ء) اور خود کچھ عرصے بعد دلی واپس آ گئے۔ آتے ہوئے اپنے ساتھ ایک بنگالین "بلالقا" کو بھی لے لئے مگر یہ ڈھسے ہو چکے تھے۔ زندگی نے مزید ساتھ نہ دیا۔ اور انتقال کیا۔ یہ ہواں سال ہیہ مرزا کے حسن و جمال پر فریفت ہو گئی۔ جس کا ان کے والد ماجد مرزا اکبر بیگ نے بہت برا منایا۔ سال کار مرزا اس عورت کو لے کر پنجاب کی طرف نکل کھڑے ہوئے اور ایک راجہ کے ہاں مصاحب خاص کی حیثیت سے نوکری کر لی۔ مگر یہ نوکری بھی جلد ہی چھوڑ دی۔ کیونکہ راجا کے دل میں اس کے مصاحبوں نے کچھ بدگمانی پیدا کر دی تھی جو اگرچہ بعد میں خلا نعلی تاہم مرزا نے وہاں رہنا گوارا نہ کیا۔

وہاں سے سبکدوش ہو کر مرزا انگریزی مصلواری میں سٹیج کے اس پار لدھیانہ اور فیروز پور کے نواح میں پہنچے۔ جہاں ان کی انگریزی سے واقفیت، علم لسانی اور ذاتی وجاہت و حسنیت کام آئی اور سر برہنہ لارنس نے حائر ہو کر ان کو "کوڑاں شہر" (شاہ فیروز پور) مقرر کر دیا۔ اس کے بعد کا حال ان کے بھتیجے آغا مرزا بیگ مصطفیٰ "نارنگہ سرودی" سے ملے۔ (8)

"بچا (مرزا) مہاس دیگ) مرحوم بیان کرتے تھے کہ سر برہنہ ایک وحشی حجازی مگر اواسے فرض منسکی میں از حد پابند قواعد اور اپنے طاقت عمل کے رفتار کردار کا شکر اں تھا۔ ایک روز مرزا باڑاد میں ایک دکاندار سے کسی امر پر برسر حساب تھے اور غصہ مت گوارا ان پر چھڑی لگائے ہوئے تھا کہ سر برہنہ اوسے سے کہیں پ لگا۔ اور کہا دل تو اب صاحب ہم تم پر چھڑی لگائے گا۔ مرزا اڑ کر آگے ہو گئے۔ سر برہنہ نے۔۔۔ ان کو کوٹھی پر حاضر ہونے کا حکم دیا۔۔۔ کوٹھی پر بھی انہوں نے جواب نہ کی۔ نہ کی دیا۔ ان کی دلییری اور صاف گوئی پر برہنہ نے بجائے مرزا کوٹھا میں اضافہ کر دیا۔

ایک روز۔۔۔ سر برہنہ ان کو اپنے ساتھ لے گئے راستے میں ایک جمیل باباب واقع تھی۔ سر برہنہ اس وقت۔۔۔ افہام و تفہیم کر رہا تھا۔ مرزا نے۔۔۔ اختلاف رائے کیا۔ کبھی سچ جمیل میں پہنچ گئی تھی۔ سر برہنہ نے غصہ میں آ کر ان کو گاڑی سے اتر جانے کا حکم دیا یہ بھی پانی میں کود پڑے۔ ان کی یہ حرکت بھی مفید ثابت ہوئی اور فیروز پور کے تحصیلدار مقرر ہو گئے۔ یہاں بھی انہوں نے محکموں کے حسابے میں بڑی خبر خواہیاں کیں اور جنرل ایچ (9) دہلی کو میدان جنگ سے اٹھا لائے۔۔۔

اس کے بعد سرہنری لارنس کے دل میں مرزا کی عزت یہاں تک بڑھ گئی کہ ہندوستانی افسروں کے علاوہ انگریز افسر بھی حد کرنے لگے۔ اوجھڑی میں مرزا کے اہل خاندان بھی ان سے سخت ناراض تھے۔ سوا ان کے بھائی مرزا مغل بیگ اور بن اپنی خانم (غالب کا چھوٹا بھائیچہ اور بھائی) کے کوئی ان سے بات نہ کرتا گوارا نہ کرتا تھا۔ (10) اس کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ کل خاندانی جاگیریں بوجہ عدم حیثیت و اختلافِ اعتقاد سرکار میں ضبط ہو گئی تھیں۔ اور عباس بیگ نے اس سلسلے میں قطعاً متداخل رہا تھا۔

مرزا اپنے عہدے اور رسوم کے نشتے میں کچھ ایسے چور ہوئے کہ شرافت کی تمام حدیں چاند گئے۔ رشوت خوری کا یہ عالم تھا کہ (قتلِ خور) آٹھ آنے بھی قبول کر لیتے تھے۔ اس طرح بہت سی دولت تو اکٹھا کر لی مگر بے شمار دشمن بھی پیدا کر گئے۔

انہیں ایام میں جب کہ مرزا مغل بیگ اور المانی خانم ان سے ملنے فیروز پور آئے ہوئے تھے ایک ہمسایہ ایک چھوٹری کو لایا اور کہا کہ آپ اس چھوٹری کو رکھ لیں میں دو تین روز کے لئے باہر جاتا ہوں اور آکر اپنی چھوٹری کو لے جاؤں گا۔ مرزا خود کچری میں تھے۔ مرزا مغل بیگ سمجھے کہ یہ مرزا کا کوئی بے تکلف دوست ہے انہوں نے چھوٹری کو اندر زنانے میں بگھوا دیا۔ وہ شخص تو چلا گیا مگر سازش کے مطابق پولیس آئن چوٹی اور چھوٹری کو برآمد کر کے لے گئی۔ اپنی کھنڈر موقع کا منتظر تھا۔ اس نے فوراً مرزا پر بدھ فروشی کا مقدمہ کھڑا کر کے انہیں "مغل" کر دیا۔ اس مقدمے نے اتنا طویل کھینچا کہ مرزا کی تمام پونجی صرف ہو گئی۔ حتیٰ کہ وارنٹ گرفتاری جاری ہو گیا۔ (12) ہمیز ایسٹ اس وقت 1847ء انگریزوں کے پولیٹیکل ایڈوائزر کے طور پر ملتان کے علاقے میں تھیں تھا۔ مرزا بھیں بدل کر اوٹ پر موار ہو چھپتے چھپاتے رات کو ایسٹ کے پاس چھوٹے اور کل ماجرا بیان کیا۔ میجر ایسٹ ان کو ساتھ لے کر ڈاک گاڑی سے لاہور پہنچا اور سرہنری لارنس (13) ریڈیٹنٹ پنجاب سے ملا جو خود بھی مرزا کا بڑا مداح اور خیر خواہ تھا۔ چنانچہ وارنٹ کی منسوخی کا حکم جاری ہوا اور اس نے مرزا کو وہیں شیل صاحب (14) کے محکمہ ہندوستان میں خدمت عطا کر دی۔

پنجاب کے انگریزی ایڈمنسٹریشن میں اس وقت دو بھائی بنری لارنس اور جان لارنس ممتاز ترین شخصیتیں تھیں۔ جان لارنس تھوکر کے زور سے حکومت کرنا چاہتے تھے۔ اور بنری لارنس عوام کی رائے سے۔ دونوں بھائیوں نے ایک ساتھ اشتعال دے دیا تاکہ لاہور ڈیویژن ان دونوں میں سے جس کا چاہے پنجاب میں تقرر کر دے۔ ظاہر ہے ڈیویژن ایسا جابر جان لارنس ہی کو پسند کرتا۔ اس طرح سرہنری لارنس کو پنجاب چھوڑنا پڑا۔ اور وہ وہاں سے لوٹ آگیا۔ مرزا بھی سرہنری کے ساتھ ہی چلے آئے اور بدستور تحصیلداری کی خدمات انجام دیتے رہے۔ چنانچہ کارپس سرورہی (15) سے اطلاع ملتی ہے کہ وہ 1857ء یعنی ایامِ فخر میں بھی ملاپور کے تحصیلدار تھے۔ "جب" "پانی" سپاہیوں نے اس تحصیل پر حملہ کیا تو انہوں نے بڑی بہادری سے خزانے کو لوٹا (16) کے پاس روانہ کر دیا اور خود پایادہ بھیں بدل کر جنگل جنگل چھپتے ہوئے ہنگام چھوٹ گئے۔ اہل ہنگام نے انہیں اپنے ہاں پناہ دی۔ (17) تاہم یہاں رہ کر بھی مرزا نے انگریزوں سے باقاعدہ خط و کتابت جاری رکھی اور "پانیوں" کی حرکات و سکنات سے ان کو برابر مطلع کرتے رہے۔

یہاں سے اُمیں فرخ آباد بھیجا گیا۔ معلوم ہوتا ہے یہ واقعہ قدر قزوہ ہونے کے بعد کا ہے اور "قدر" کے دوران انگریزوں سے وفاداری کے صلے میں فرخ آباد میں بحیثیت اپنی کلکٹران کا تقرر ہوا تھا۔ پھر جلد ہی خیر خواہی سرکار بھی لاہور کیننگ نے علاقہ بڑا گاؤں کی جاگیر اُمیں عطا کی اور چھ سو روپیہ ماہوار پر اسٹراسلٹ کشتہ مقرر کر کے بیجاپور تہذیب کر دیا۔ (۱۳۱)

اس کے بعد یعنی ملازمت سے ریٹائرمنٹ (۱۸۶۷ء) تک کے حالات بڑی حد تک پردہ خفا میں ہیں تاہم مرزا غالب کے خطوط اور دوسرے ماخذوں سے ہو کر کچھ معلوم کیا جا سکتا ہے وہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔
قدر و فساد قزوہ ہو جانے کے بعد چھ سو روپیہ اوروہ کی صلح بندی ہوئی تو بنگلہام کو ہر دوئی ضلع میں شامل کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ چند سال بیجاپور میں رہنے کے بعد مرزا کا چاولہ (۱۸۶۲ء) کے آخر میں یا شروع ۱۸۶۳ء میں ہر دوئی کو ہو گیا۔ غالب قدر بنگلہام کو ایک خط میں لکھتے ہیں!

"مرخودار مرزا عباس کی بدلی کی خبر میں نے پہلے ہی سنی ہے مگر یہ فیض معلوم تھا کہ وہ کہاں گئے۔ اب دریافت ہوا کہ تمام بے ہمتانے میں آئے ہیں۔ اب ان سے ملنے خدا ان کو موت کی توفیق دے۔"
قدر کے نام دوسرے خطوں سے ہامانی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط آخر ۱۸۶۲ء یا شروع ۱۸۶۳ء کا لکھا ہوا ہے اور قیاس چاہتا ہے کہ بنگلہام ہی کو بھیجا گیا تھا۔ یہاں مرزا نے قدر کو صاحب ضلع سے سفارش کر کے ہر دوئی اسکول میں مدرس قادی کر دیا۔ قدر بنگلہام پر مرزا کی موافقیات آئندہ بھی جاری رہیں۔ اس کی شروعات غالب کے ایک گمشدہ سفارشی خط سے ہوئی جس کے ثبوت میں غالب کا خط نام قدر (محررہ ۱۸۶۰ء) پیش کیا جا سکتا ہے۔

"مرخودار مرزا عباس کو دوبارہ تقرر کی حاجت نہیں اگر وہ سعادت مند ہیں تو وہی ایک خط کافی ہے۔"
(خطوط غالب از مرحوم ۵۴۹)

قدر بنگلہام کے نام غالب کا خط "محررہ صبح یکشنبہ ۳ رمضان۔ ۲۲ فروردی سال حال ۱۲۲۷ھ۔ مطابق ۱۸۶۳ء میں لکھا ہے:

"_____ مرزا عباس میری حقیقی بہن کا بیٹا ہے تو پھر میں مرزا کی اولاد کا ٹاکیوں کر بنا؟ مرزا کی بی بی میری ماں ہے جی نہیں تم نے جو لکھا ہے کہ میرے نواسے کی شادی ہے کیا سمجھ کے لکھا؟ میں مرزا کی اولاد کا ٹاکیوں کر بنا؟ بھائی کی اولاد پوتا پوتی ہے نہ نواسا نواسی۔ مرزا کی استدعا سے قطع نظر میرا دل بھی تو بھر لوے گا نہیں جو اپنے بچوں کو دیکھنے کو نہ چاہے۔ ایک بہن اس کی مجموعہ اولاد وہاں میرا تو وہ خانہ بدخ ہے۔"

پہلے "ایک بہن اس کی مجموعہ اولاد وہاں" کی تفسیر سن لیجئے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے صوفی خانم کے تین لڑکے تھے۔ یعنی مرزا عباس بیک کے علاوہ ان کے بڑے بھائی مرزا عاشق بیک جو اپنے لڑکے مرزا احمد بیک کے ساتھ "قدر" میں شہید کر دیے گئے تھے اور چھوٹے بھائی مرزا جواد علی بیک عرف مرزا مظل بیک جو ۱۸۵۵ء کی دور کی شورش میں مع اہل و عیال نکالے گئے تھے۔ یہ تمام افراد نیز مرزا عاشق بیک مرحوم کی بیوی (۱۸۵۱) اور بچے مرزا عباس

بیک کے پاس ہی رہنے لگے تھے۔ (18) شاید ساجہزادی (مرزا کی بہن) امافی بیگم کی اولاد میں سے بھی چند لوگ وہاں موجود تھے۔ غالب نے اسی لئے کہا ہے کہ چھوٹی خانم کی "مجموع الاولاد" وہاں رہ رہی ہے۔

اب خط کے اس جملے "میرے نواسے کی شادی ہے" پر غور کیجئے۔ ہمیں محمد رفیع الدین بیک وحشی ابن عاشور بیک صناعی، برادر زادہ، مرزا عباس بیک کے دیوان "غزلیات وحشی" میں دیکھنے ہوئے شجرہ نسب (ص 7) سے خبر ملتی ہے کہ مرزا کی اولاد میں صرف ایک لڑکی تھی۔ (گودیا ہوا لڑکا 1863ء میں محض چار سال کا تھا۔ لہذا اس کی شادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اولاد سے متعلق تفصیلات آئے آئیں گی) اس سے ظاہر ہے کہ خط کے اس قسطے میرے نواسے کی شادی ہے، پڑھنا چاہئے۔ اتفاق سے خطوط غالب کے تمام مرتبین نے یہ لفظی دہرائی ہے۔ جلا تکہ 24 نومبر 1863ء کا خط صاف بیٹی کی شادی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"_____ یہ (مرزا عباس بیک) اپنے والدین کے خاندان کا فخر ہے اور چونکہ اس کی ماں کا اور میرا سو اور گوشت اور ہڈی اور قوم اور ذات ایک ہے پس وہ فخر میری طرف سے عائد ہوتا ہے۔ وہ (مرزا عباس بیک) اپنے بی میں کہتا ہو گا کہ ماموں میری بیٹی کے بیاہ میں نہ آیا اور صرف زر سے جی چرایا۔۔۔۔۔"

چند سال ہر دلی میں رہنے کے بعد مرزا 1867ء میں یا اس سے پہلے اسی عدے یعنی آکسٹرا اسٹنٹ کشر کے طور پر لکھنؤ میں تبدیل ہو گئے۔ 1867ء میں ان کا لکھنؤ میں ہونا ثابت ہے۔ اس سال کا ایک خط غالب بنام قدر بکرائی دیکھئے:

تم قدر اور نور چشم مرزا عباس قدر والی۔ خاطر جمع رکھو تو کبھی قصاری ہو جائے گی۔ صاحب کی اور راجا کی تعریف کے قصیدے واقعی گلدستے ہیں مگر مرزا کی مدح کے قصیدے کو گلدستہ نہ کہو۔ یہ تو ایک بارغ ہے سرسبز شاداب جس میں تھکین ہزار در ہزار۔ ہولوار۔ درخت ہے شمار زمین مزار سرسبز دار۔ بہت خوش۔ بہت صبر۔ مثلی فکر نہیں آتی۔ سبزو یا لریں۔ فقیر غالب تمہارا خیر خواہ اور تبارے محمد صبح کا دعاگو ہے" (20)

صاحب سے مراد ولیم پنڈ فورڈ ڈائریکٹر تعلیمات اودھ اور راجا سے مراد راجہ مان سنگھ قائم گنج ہے۔ یہ قصیدے "کیلیات قدر" میں موجود ہیں۔ یہ قصیدہ مرزا کی شان میں ہے۔ "در مدح قہقہ (21) مرزا محمد عباس بیک خاں بہادر آکسٹرا اسٹنٹ کشر لکھنؤ۔۔۔۔۔" قصیدہ کا آخری شعر یہ ہے۔

"گل عباس" رکنا نام ہم نے اس قصیدے کا کریں تا میرزا عباس سن سن کر زر اللہی

اس سے ثابت ہے کہ مرزا 1284ھ یعنی 1867ء میں لکھنؤ میں آکسٹرا اسٹنٹ کشر تھے۔ مگر یہی سال ان کی ملازمت کا بھی آخری سال معلوم ہوتا ہے۔ وہ 1867ء کے آخر میں فتن پر رنڈا ہو گئے۔ "کیلیات قدر" (ص 6) ترجمہ المعنیٰ میں یہ جملہ اہم ہے:

_____ مرزا عباس بیک صاحب فتن پا کر لکھنؤ میں کالج مجبور (کیٹنگ کالج) کے ممبر ہو گئے تھے۔۔۔۔۔"

اور کیٹنگ کالج کا قیام نومبر 1867ء میں عمل میں آیا تھا۔ پڑھائی شروع ہی سے جاری تھی۔ مگر ملازمت کے مکمل ہونے

میں میارہ سال گئے اور وہ 1878ء میں فوت ہوئی۔ تاریخی قطعہ جس کے سرے سے تاریخ (1878ء) نکلتی ہے۔ قدر بگڑائی نے کہا یہ کلیات قدر (ص 349) میں موجود ہے۔ کل اشعار چودہ ہیں۔ ان میں سے چھ اشعار جو تاریخی شواہد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نقل کئے ہیں۔

(1957)

گودنر جنرل عالی پوٹش لارنس (22) صاحب نے
قوی دانی بنائے خیر خود کیسنگ کالج کی
قمارت بن چلی وہ پختہ پختہ بن گیا کالج
علی دل سر مبارک بہادر مصنف لائق
ہوئے ہر لڑائی میرزا عباس خان صاحب
کمل نظم وہ کھس ہے قدر بگڑائی نے
ہیں سال بیسوی مقصود ہر اک معصوم تر میں

سرور الدولہ آغا مرزا بیگ مصنف "کارتلہ سروری" نے مئی 1872 میں - عمر 24 سال اپنے عم بزرگوار مرزا عباس بیگ کی اجازت سے گھنٹو کو خیرباد کہا (23) اور عازم حیدر آباد ہوا۔ اب اس کے چند بیان معلقہ کالج ملاحظہ کیجئے اور یہ حقیقت سامنے رکھئے کہ اس میں کا ہر بیان مئی 1872ء کے پہلے کا ہے۔

1- اسی زمانے میں جب کہ کینٹک کالج قائم ہوا (جول 24) پیر و چیف کشنر اودھ نے مرزا عباس بیگ اور بابو رکھنا رنجن کھنک کو اپنے ہم رائے کر کے قیصریہ میں تعلیقہ دارانہ و امرائے اودھ کی تعلیم کے واسطے ایک خاص تعلیم خانہ قائم کیا۔ جس کا نام دارالاشقی نوشہ رکھا گیا اور تعلیم خانہ کینٹک کالج کی ایک شیعہ مقرر کیا گیا۔ (اس میں) مع راقم و محمود بیگ و خداوار بیگ و فیض الدین بیگ ہم کوئی 17 18 طلباء تھے۔ بابو استدلال رائے اہلے گورنر دکندار رنجن اور عم مرحوم (مرزا عباس بیگ) و دیگر یعنی گمراہ کار نامزد ہوئے۔ تعلیمات میں سب طلباء اپنے اپنے عقائد پر چلے جاتے تھے ہم چار چونکہ متحکم کھنک تھے۔ ہر روز شام کو بچا صاحب مرحوم (مرزا عباس بیگ) کے ساتھ کھانا کھا کر فوراً واپس جاتے تھے۔ دن کا کھانا کھا کر فوراً واپس جاتے تھے۔ دن کا کھانا (مرزا عباس بیگ کے) گھر سے آ جاتا تھا۔

(24-29) ✓ (any 4 of)

ہ۔ کھنڈ میں جب ان (مرزا عباس بیگ) کا قیام ہوا تو جنرل ایل ہڈر چیف کسٹمر یعنی امیر ملک اودھ اور ساراجہ مان سنگھ قائم جنگ صدر الصدور تعلقہ داران اودھ تھے۔ ان تینوں کی رائے سے کیننگ کالج اور۔۔۔ دارالاشیٰ ٹیوشن قائم ہوا۔۔۔ (اور) مجلس تعلقہ داران اودھ قائم کی گئی جس کے صدر۔ ساراجہ مان سنگھ۔۔۔ قرار پائے۔ اور بابو دکھن رنجی معتمد یعنی سکریٹری مامڑ ہوئے۔ جب مرزا (عباس بیگ) نے۔۔۔ پنشن لیا تو بعد دکھن رنجی یہ خود سکریٹری بنائے گئے۔ کالج قائم ہوتے وقت تعلقہ داران کا ایک جلسہ شروع

منعقد ہوا۔ جس کے صدر خود کشتراودہ اور نائب الصدر مباراجا اور مستد مرزا (عہاس بیگ) (26) تھے۔
 (کارنامہ سوری ص 54)
 مندرجہ بالا سے یہ قیاس کرنا لفظ نہ ہو گا کہ مرزا 1867ء سے پہلے ہی کشترا میں بطور استرا استت کشترا تھیں
 ہو چکے تھے اور کہ کشترا کی تجویز 1866ء یا 1867ء میں عمل ہوئی۔ جس میں شہادتی سے مرزا چیف کشترا آف
 اودہ کے صلاح کار رہے۔ 1867ء ہی میں جب کالج قائم ہوا تو مرزا رجسٹرار ہو چکے تھے۔ اور اس کے پہلے جلسہ شہادتی
 میں انہوں نے مستد یعنی سکریٹری کے فرائض انجام دیے۔ جب کہ صدر اور مباراجا مان سنگھ قائم بیگ
 نائب صدر تھے۔ مندرجہ بالا سے یہ بھی ثابت ہے کہ قیام کالج (1867ء) تک مرزا کالج کی مجلس شہادتی کے خاص رکن
 رہے۔ خیال یہی ہے کہ وہ آخر تک کالج سے وابستہ رہے ہوں گے۔
 مرزا نے تقریباً 6 سال کی عمر پر ایک شبہ جمادی الاول 1296ھ (1879ء) کو کشترا میں انتقال کیا۔ قدر بکراہی
 کے گریات قدر (ص 352-353) میں ایک قطعہ اور ایک رہائی ملتی ہے۔

تاریخ وفات زبانی مرزا عہاس بیگ خاں بہادر دہلوی

ماہ جمادی الاولے ایکشنبہ و دم شب آفتاب کے بزمیں پہ فطروہ واسطی
 یعنی بہار زبانی عہاس بیگ خاں ہے گئے پہاں امارت فسرہ دوائے
 برخواندہ قدر وہ بہ تاریخ ہجری عہاس بیگ خاں بہادر بہرہ دوائے
 1296ھ

ولہ رباعی

گور عہاس جاں غراشد اے دل از ہم بگر قدر چا شد اے دل
 خاموش کتاب در سبکی سال است شاید کہ چنگ خفتہ ہشد اے دل
 "ہے ہے گئے پہاں امارت فسرہ" اور "شاید کہ چنگ خفتہ ہشد" سے جو تصویر پیدا ہوتی ہے اسے غلام حسنین
 قدر بکراہی نے مدقوں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اگرچہ مرزا نے اس وقت کے امیوں کی طرح انگریزی حکام کی دل و
 جان سے مدد کی اور اطاعت گزار رہے تاہم ان میں ایک فطری طواری و حکمت بھی تھی۔ جو ہمیشہ ان کی امارت
 اور دعب واپ میں اضافے کا باعث بنی رہی۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں مرزا کی اپنی اولاد صرف ایک لڑکی تھی۔ جس کی شادی 1863ء میں ہوئی تھی۔
 جس سے متعلق ہم غالب کے وہ خط بھی پیش کر چکے ہیں۔ شادی کس کے ساتھ ہو اور صاحبزادی کا سال ولادت کیا
 ہے ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ 1845ء سے 1850ء تک یا کوئی اور سال کچھ بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اولاد نہیہ چونکہ
 نہیں تھی اس لئے مرزا نے اپنے بھائی مغل بیگ کے بیٹے کو کوہ لے لیا تھا۔ یہ داستان فرائض بیگ کے بھائی آغا مرزا

ایک مصنف "کارنامہ سروروی" (ص 18) سے منجے جو فیاض سے گیارہ سال بڑے تھے:

"چچا صاحب (مرزا عباس) ایک) مرحوم نے کہ اولاد خیر نہ رکھتے تھے ایک روز والد (مغل) ایک) مرحوم سے کہا کہ اب جو بچہ تھماوے یہاں پیدا ہو مجھ کو اس طرح دے دو کہ پھر اس سے کچھ تعلق نہ رکھو۔
الغرض فیاض ایک مرحوم پیدا ہوا اور چچا نے اس کو اپنی فرزندگی میں لے لیا۔"

فیاض ایک 1859ء میں بیٹاپور میں پیدا ہوئے۔ (26) اقدار بگلائی نے تاریخ مکی۔ قعد چار شعر کا ہے۔ پتا اور آخری شعر دینے جاتے ہیں۔

خان لای رجب د لای عسل مرزا عباس ہرے نام خدا یافت عالی سے
مکلف فخر تاریخ ولادت اسے قعد بد مید اس گل عباس زحل مجھے
1276ھ

ماہ تاریخ نکلتی بر محل ہے اور فیاض ایک کے متنبی ہونے کی طرف صاف اشارہ کرتا ہے۔

فیاض ایک کی شادی 1877ء میں گھنٹو میں ہوئی۔ "تاریخ کہ خدائی۔۔۔ بطریق سوا قعد نے مکی جس کا ہر مصرعہ تاریخی ہے قعد اس وقت کیسنگ کالج میں ملازم تھے۔ کل اشعار نو ہیں صرف چار شعر دینے جاتے ہیں۔

مقدم شوق ہے یہ ہاتھ میں کنگدہ دلخواہ دامن حسن ہے فیاض کے سر پر سرا
جس نے دیکھا نہ ہو خورشید زمین کرفوں میں دیکھے ان کا رخ غلاب بتا کر سرا
تاریخ ہے روشنیہ الوقت مرزا عباس دامن عقل مصلدار ولاد سرا

ایک اک مصرع تاریخی مسکی سے ملا
کسیں اس قعد کا اسے قعد حضور سرا
(کلیات قعد ص 348)

1857ء کی لڑائی کے بعد تعلق داران ادب مسلمان اور ہندو دونوں کو خاص قانون کے تحت منجے لینے کا اختیار مل گیا تھا۔ اسی بنا پر مرزا نے فیاض ایک کو 1859ء میں گود لیا تھا اور از روئے قواعد علاقہ بڑا گلاں کی جاگیر کا وارث اسی کو بنایا تھا (27)۔ فی الحال صرف اسکا معلوم ہے فیاض ایک 1933ء (کارنامہ سروروی کی ترتیب سے پہلے انتقال کر چکے تھے۔

مرزا ابھی پنجاب ہی میں تھے کہ انہوں نے اپنے اہل خانہ ان کے برخلاف اپنا مذہب تبدیل کر لیا۔ یعنی وہ سنی سے شیعہ ہو گئے کہتے کہ ایک شب انہوں نے خواب دیکھا کہ ایک چھینگے میں ایک سریدہ رکھا ہوا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ تم اہل بیت سے محبت رکھو (28)۔ برسوں بعد جب وہ پنجاب سے گھنٹو آئے تو مشہور مرید گودیر گھنٹوی ابھی زندہ تھے۔ انہیں دیکھ کر مرزا کو فوراً یاد آگیا کہ وہ سریدہ جو خواب میں انہوں نے چھینگے میں رکھا دیکھا تھا ہم شکل دیر تھا۔ اس کے بعد تمام عمر مرزا کٹر شیعہ رہے جس کا ثبوت کی نامذہبوں سے ہسانی مل جاتا ہے (29)۔

مرزا ملازمت کے آخری ایام میں ریٹائرمنٹ کے بعد بھی گھنٹو ہی میں مستقل طور پر رہے اور وہیں آخری

سانس لی۔ ہمیں ان کی جائے قیام سے حقل دو اندراج ملتے ہیں۔ مرزا فرحت اللہ بیگ نے رسالہ اردو اپریل 1931ء ص 251 کے حاشے میں لکھا ہے:

”یہ جگہ ڈپٹی مہاس بیگ صاحب کی اس کوٹھی میں ہوا تھا جو قیصر باغ کے دروازے کے بالکل سامنے تھی اور اب کد کد کر سڑک میں آگئی ہے۔“

ادنیٰ خطوط غالب میں مرزا محمد عسکری نے بھی تقریباً یہی لکھا ہے۔۔۔۔۔ ”ابن (ڈپٹی مہاس بیگ) کی کوٹھی روشن الدلہ کی کوٹھی کے سامنے واقع تھی جو ابھی حال ہی میں کھدی ہے۔۔۔۔۔“

قدیم بگڑائی کے اس قصیدے میں بھی جو انہوں نے 1867ء میں ”گل مہاس“ کے نام سے لکھا تھا مرزا کی کوٹھی ان کی فیاضی اور ان کے مذہب سے حقل اشارے ملتے ہیں۔

(کلیاتِ قدیم ص 35-36)

کیس نہری کیس گلشن پھر آگے ہے وہی کوٹھی جو ہے جنتِ تجری تھا انعام کی جانی
رفیع الدودج روضتِ پست جس سے ہم حاتم وسیع الدودج وسعتِ نیک جس سے عزمِ سلطانی

نئی اتنی دامن بھی نہ چمپائے جس سے گونگٹ میں بڑا دوں کرسیاں بھری چلو قصہ ہے طوائفی

امیرِ وقت ڈپٹی میرزا مہاس خاں صاحب کہ جس کی ذات ہے عزت وہ نوابی و عالی

نئی ایسا بھی رہنے نہ پائے گناہ میں بوسا جو کچھ پائے ہمالے جائے اس کا ہوش فیضانی

لم شیر کے نقشے میں یہ مدہوش رہتا ہے نہ آئے ہوش میں آنکھیں نہ چمکیں جب تک پانی

مرزا کے حسن و جمالِ رنگینِ مزاجی اور دمب داب کے قصے تو سن چکے مگر ان کی کوئی تصویر ہمارے علم میں نہیں۔ ایک تصویر مرزا فرحت اللہ کے خاندان میں 1931ء تک موجود تھی اب معلوم نہیں ہے کہ نہیں۔ یہ تصویر باجیِ داشت کی بی بی ہوئی تھی اور طوابع بدر الدین عرف خواجہ ابراہیم نے بنائی تھی۔ (رسالہ اردو 1931ء ص 249)

اب ہم ذیل میں ان تمام باتوں کو اکٹھا کر رہے ہیں جو ہمارے خیال میں مرزا کے کیریئر اور ان کے مقام کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔

اقتباسات از اردو اپریل 1931ء: (خواجہ بدر الدین خاں عرف خواجہ ابراہیم مرحوم و مظلوم۔ از مرزا فرحت اللہ بیگ)۔

1۔ ”..... (کھنڈ) کے چند رئیسوں نے طوابع (ابراہیم) کے بھائی ڈپٹی مہاس بیگ مرحوم سے کہا کہ ہمیں کسی

ہو نے انگریزی میں یہ قصہ کیا مرزا کیپ پور فہر اپنے مزاج کو قلم میں رکھیں۔

رضا: یہ قصہ طولانی ہے مختصر یہ کہ بعد میں صدارت مرزا کے گھر پہنچے۔ مرزا بہت غلام ہوئے اور کہا۔
برائے خدا اب آپ مجھ کو زیادہ خود میری آنکھوں میں حقیر نہ کیجئے اور میری گستاخی معاف کیجئے اور مجھ کو
اپنا ایک اپنی خدمت گار رکھئے۔

(ص 54-55-56)

- 6- "راجہ امیر حسن خاں (عمود آباد) کے والد راجہ نواب علی خاں (کا) قدر میں انتقال ہو گیا۔ اس پر شہید بنات کا قائم ہو گیا تھا۔ رانی صاحبہ محمود آباد امیر حسن خاں کم سن یتیم کو اپنے ساتھ (1858-1859ء) جیتا پور لے آئیں اور مرزا کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر فرمایا کہ مرزا صاحب اس یتیم کو آپ اپنی فرزندگی میں لیتے۔ مرزا نے راجہ کو آغوش میں لے لیا۔ مرزا نے کبک کو شش ان کا علاقہ چھڑایا اور راجہ سرکاری دارو ہو گئے۔ سینہ بٹے دیال حلق دار بسواں نے حال میں مجھ سے کہا کہ مرزا نے جو سلوک رانی صاحبہ (عمود آباد) کے ساتھ کیا اس کے کائنات ان کے پاس اب تک موجود ہیں۔"
- 7- "_____ (مرزا عباس بیگ نے) سید حسین بنگالی کو دوسرے روز مع اپنے خط کے ان امیر نواب علی سالار بیگ بنگالہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ نواب کو ان کے خیالات پسند آئے۔ اور تین سو روپے حالی مشاہری پر اپنے پاس ملازم رکھنا چاہا مگر چھ تین سو روپے یعنی ڈیڑھ سو کالج سے اور ڈیڑھ سو بچا (مرزا عباس بیگ) مرحوم کھنڈا (31) سے دیا کرتے تھے۔ سید صاحب نے انکار کر دیا۔"

(ص 62)

- 8- نواب وزارت پتہ (سالار بیگ) نے میرے ہم بزرگوار مرزا عباس بیگ ہاجیوار بڑا گلوں ملک اودھ جو منجاب گورنمنٹ اس دربار (دلی دربار 1876-1877ء) میں مدعو ہوئے تھے کی ملاقات و قدم بوسی حضور پر نور آصف شاہ سوس اس وقت دس گیارہ برس کی عمر تھی) سے کرائی۔ مگر جو خلعت و جواہر نواب وزارت پتہ نے ان کے واسطے تجویز کیا۔ اس کو بڑا اعزاز مرکز (انگریزی) قبول کرنا ناممکن تھا اور اس کے واسطے ہم بزرگوار مرزا عباس بیگ نے کوئی طویل کارروائی مناسب نہ سمجھی۔"

1876ء-1877ء کا دلی دربار 1877ء میں اپنے حبشی مرزا فیاض بیگ کی شادی 1878ء کا جلسہ فتم فقیر سیتنگ کالج شاید آخری بڑی تقریبات ہیں جن میں مرزا پادی شان سے شامل تھے۔ انہوں نے 1879ء میں انتقال کیا۔

- 1- غالب نے ایک خط (تمام قدر بنگالی) میں مرزا عباس بیگ کے نام کے ساتھ "خان بہادر" لکھا ہے۔ "سید صاحب۔ تم نے جو خط میں برطردوار کا سنگار مرزا عباس بیگ "خان بہادر" کی رعایت اور محتات کا شکر ادا کیا ہے۔"

قدر بنگالی نے بھی مرزا عباس بیگ کے ساتھ "خان بہادر" کا اضافہ روا رکھا ہے دیکھئے کلیات قدر بنگالی ص

54 اور ص 348) مگر یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ خان بہادر کا خطاب سرکار انگریزی کا عطا کردہ تھا یا محض ہندو منصب کو دیکھتے ہوئے لوگوں نے انہیں ایسا کہنا شروع کر دیا تھا۔

- 2- مرزا عباس بیگ کی صاحبزادی کا نام دبیہ النساء بیگم تھا۔ شاہی مرزا کے بھتیجے یعنی مرزا عاشور بیگ کے بیٹے محمود بیگ سے بیٹاپور میں ہوئی مگر کوئی اولاد نہ تھی (غالب نام نامہ تورم ص 196)
- 3- مرزا کی جائے سکونت اور دیگر چیزات سے حلقہ عدم بیٹاپور ہی لگتے ہیں کہ انگریزوں کے قتلہ (1857ء) کے بعد مرزا نے بیٹاپور کو مستحق "اپنا وطن بنا لیا تھا۔ ریلوے اسٹیشن۔ (پھولی لائن) کے قریب ساراچہ پکود محلہ کی کوٹھی خرید کر اسی میں رہ رہے گئے تھے (غالب نام نامہ تورم ص 204) اس کے علاوہ ایک کوٹھی قیصریہ لکھنؤ میں بھی تھی لیکن 1857ء کے بعد جب قیصریہ کا شمالی حصہ منہدم کیا گیا تو کوٹھی بھی کھد گئی۔ بعد ازاں انہوں نے "روشن الدولہ" کے جانب جنوب اس جگہ پر جہاں اب کوٹوالی قیصریہ ہے ایک شاندار کوٹھی اور امام باڑا تعمیر کرایا۔ کوٹھی کا پورا حصہ تو کوٹوالی قیصریہ میں آگیا لیکن ٹھکانہ حالت میں امام باڑہ اب بھی موجود ہے جہاں ہر سال محرم میں تقویہ داری ہوتی ہے۔

(غالب نام نامہ تورم ص 205)

- 4- جنگ آزادی 1857ء میں نواب برہمپور قاد کا ساتھ دینے کے جرم میں انگریزوں نے لوٹے لگے راجہ متولی کا بہت بڑا علاقہ ضبط کر لیا تھا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے خیر خواہوں میں تقسیم کر دیا تھا جس میں سے علاقہ پدا گاؤں مرزا کو ملتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ علاقہ بہت بڑا تو نہیں ہو سکتا تھا مگر مرزا نے اپنے مذہب اور ذہانت سے اسے ایسا بنا دیا کہ وہ باقاعدہ حلقہ داروں کی فہرست میں شامل کیا گیا۔ (غالب نام نامہ تورم ص 204)
- 5- مرزا کے انتقال کے بعد یہ علاقہ (مرزا کی قرعے کے مطابق جو انہوں نے اپنی زندگی ہی لکھ دی تھی) مرزا کے بیٹے مرزا فیاض بیگ کی ملک قرار پایا بعد ازاں مرزا فیض حسین بیگ بن مرزا فیاض بیگ اور پھر مرزا وقار علی بیگ بن مرزا فیض حسین بیگ کی طرف منتقل ہوا جو بقول عدم بیٹاپور لکھی غالب نام نامہ تورم ص 206 مطبوعہ 1961ء) بچید حیات ہیں اور وقار علی سول لائن بیٹاپور میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔
- 6- سردار الدولہ آغا مرزا بیگ مصنف "کارنامہ سہری" نے جون 1933ء میں بمقام علی گڑھ انتقال کیا۔ لاش دہلی لائی گئی۔ قبر "مندرچوں میں یعنی اے اے ان غالب کے قریب ہی قبرستان حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی میں ہے۔
- 7- سید افضل حسین ثابت حیات و دیر ص 389 و 390) نے بھی مرزا عباس بیگ کا تذکرہ کیا ہے خاصے میں لکھا ہے کہ یہ حالات کچھ میں اپنے نانا مرحوم سے کچھ جناب مرزا صاحب قبلہ سے سنا کر لکھتا ہوں۔ میں خود بھی اپنی عباس بیگ کی خدمت میں اپنے نانا مرحوم کے ساتھ داربا گیا ہوں اور محرم کی مجلسوں میں جو 8 بجے سے 12 بجے رات تک ہوتی تھی اپنے نانا کی پیش خوائی میں کبھی کبھی سلام بھی میں نے پڑھا ہے۔ بیان کردہ حالات سے جو باتیں سامنے آتی ہیں وہ یہ ہیں۔
- (1) مرزا بعد نذر 1857ء اوچھ میں اکثر اسٹینٹ کمشنر ہو کر آئے اور "لکھنؤ میں رہے۔"

(ب)۔ میرزا "نور مغفور کے معتقد خاص تھے۔"

(۱۵) مرزا شعر کہتے تھے غالباً اپنے ہاں مرزا غالب کے شاگرد تھے مگر جیسا کہتے تھے اس سے بہتر شعر کے جن کو کہتے تھے۔

(۱) انگریز مروجہ کے موجد مرزا غالب کے اشعار چمکا کرتے تھے اور دھڑ بھبھانے لگے۔

(۲) مرزا کے نام غالب جو خطوط لکھتے تھے وہ محفوظ نہیں رہ سکے ان میں "مرزا دہر کو سلام اور ایک نہ ایک پھڑکا ہوا قلمو بطور پیام" (غالب) ضرور تحریر فرماتے تھے۔

(اس۔ مرزا کے "فرزند مرزا فیاض علیک مرحوم حاتم محقق (جو منصف بھی ہو گئے تھے) جناب استاذی حضرت اوجہ علم کے شاگرد تھے جن کے بعض سلام و خیراتم میں مجھے ہیں۔")

[illegible]

ریجنے راقم کا خصوصی ”کتابتہ مبارک“ قلاب کا قاری مظلوم قریبہ (آج کل لیورڈی 1975ء)

اسعد^۱ ابریل ۱۹۳۸ء میں ۲۷۸ قوافل قباہی عزم^۲ "الفرست انڈیا" تک

اکبر شاہ دہلی کی طرف سے انگریزی دہشتہ طریقہ کو کرکھٹ میں پیغم ہے اس کے علاوہ یہ مطلق ایک فکر محسوس آئندہ شاہ سے میں خوش ہو

۱۰) "مکرمہ سہری" ص ۴۸ از نواب آغا مرزا، یک سہری رنگ، "سہری الدولہ" سہری تلک ملوہ۔ یہ مرزا عباس، یک کے پسرے بھائی مرزا مظفر، یک کے صاحبزادے تھے۔ ۱۸۴۸ء میں پیدا ہوئے۔ پورٹ مرزا عباس، یک کے حاکم میں پائی۔ بعد میں چند قبار چلے گئے وہاں بہت عورتیں۔

میر محبوب علی خان، تھمہ ہا ساری کے انتقالی طرز، نو کر محدود، با خطبات سے سرگرا ہوا۔ "کارنامہ سوری" (مجلد ۱) مسلم ہیرہہ علی علی
مگرہ (۱۹۹۱ء) کے نو، نوٹس ساری میں ہے ان کے صاحبزادے نوپ (۱۹۹۲ء) اور نوپ (۱۹۹۳ء) نے ترتیب دیا تھا۔

مولوی عبدالحق: ۱۱۔ مئی ۱۹۳۵ء کے خط میں مولوی ضیاء الدین دہلوی کا لکھا ہے: ”تپ کا اکتا کچھ ہے کہ“ (مکتوبات مولوی تپ)۔ یہاں یہ بھی واضح تھا ہے۔ لہذا تپ کا اس کا علم نہیں کہ اس کتاب کے مصنف سے اس فعل کے قاریوں کو اپنے لئے لکھے وہ بالکل سچ لکھے۔ لہذا جوئے کے حوالہ (۱۹۳۵ء) سے بھی ہے۔ (مکتوبات مولوی ضیاء الدین دہلوی) مئی ۱۹۳۵ء

[illegible]

”کامیاب دوستی“ میں ”مسعود“ لکھا ہے اور کیا ہے کہ وہاں اسی وقت سرکاری دارسی ”حاکم کلی“ کا باب ”قائم یہ دوست نہیں کے کہ سرکاری دارسی ۱۳ مارچ ۱۸۹۵ء کو انھیں کی پہلی فرامی (دک) فریڈر شام۔ میرا کی کے بچے کے طور کے ۱۸۹۵ء دربار کا پہلی لٹ ظہر ہوا تھا۔ آپ کے مرزا فرامی کے دربار فریڈر کے قہر ہوتے۔ فرامی دارسی (۱۳ مارچ ۱۸۹۵ء) میں حج کے اس بار اس واقعہ میں صہر تھا۔

[Zurück zum Anfang der Seite](#)

and Cultural History of India Vol. IX

59-30, 7, (over) 25, 1

بیکر ٹیکر ایجنٹ James Abbe سے ملنے والی اجنبی ہے۔ مہی نے انگریزوں کی چال کے مطابق مشکوک کی دہ سڑی (40-48) کو کرائے میں شامیت مکانی لہو چا کھینچ کر لایا اور اسی طرح انگریز چور غریب پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

1998, 1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 2676, 2677, 2678, 2679, 26

۱۸۵۲ء کی بات ہو گی۔ تب کہ اس وقت ہم ۱۸۴۷ء کے قریب کی بات کر رہے ہیں۔ کارپس سولہویں میں واقعات کے نظام و آواز کی طرف سے دست بہ پدالی کی جاتی ہے۔ اصل شکل کا وقت ۱۸۴۷ء کا ہے۔ اس کا آواز جوں جوں کی جگہ سے ہوتا ہے۔

- 12- کارنامہ سورجی ص 52
- 13- سرکاری لائسنس 4 جولائی 1857ء کہ گھنٹہ ریڈیائی کی طاقت کرتے ہوئے مارا گیا۔ سر جان ٹارنس 1864ء گورنر جنرل پاکستان نے یہ سطور دیا۔ ریڈیو ہولے پر کاربلا دیا گیا۔ وہی گھنٹہ جو گھنٹوں کی بجلی فراہمی میں دشمنی ہو گیا تھا اور جسے دشمنی جانتے میں مرزا مہاشیہ جنگ سے اٹھا دے تھے۔
- 14- شپن Sir Richard Temple گھنٹہ جہ دنگ کے زمانے میں پیدا ہوئے، ریڈیو نے ہو گیا تھا۔ 1876ء میں بنگال کا یونیورسٹی گورنر تھا۔ پھر بجلی کا گورنر دیا۔ انڈیا کا گھنٹہ سفر بھی دیا۔ اس نے تبت سے سری لکا اور آسام سے اڑھار تک سیاحت کی تھی اور تقریباً ہر سرکاری جگہ میں کام کیا تھا = 1908 Index in 1849 by Sir Richard Temple page = مرزا مہاشیہ جنگ سے کمال محبت تھی (کارنامہ سورجی ص 54 ملاحظہ)۔
- 15- لوڈام Gauram ریڈیو نے اورجہ اورجہ کے گھنٹہ کے کر 4 - 1850ء کو واپس جلی شلہ کے پاس گیا تھا۔
- 16- سالہ دسمبر 1858ء کا جنوری 1859ء کو چارہری جو افسر، سورجی کی سوانح صاحب عالم کو لکھتے ہیں؟
اس سوانح کی سب سے پہلی مثال میرے دوست جی اور مرزا مہاشیہ جنگ دیا تھا۔ تھو وند کے زمانے میں حکام میں دیا اور اب وہ فرخ آباد میں اپنی گھر ہے۔"
- 17- ان علاقے سے بعض شخصیتیں نے یہ کچھ لیا کہ مرزا مہاشیہ جنگ 1857ء میں بنگام میں اپنی گھر بنے جہاں کو اس وقت تک وہ صرف قبیلہ اور تھے۔ بنگام میں قومن کی حیثیت میں ایک پاد گھنٹہ کی تھی۔ میرے دوست کے لئے دیکھ۔ "گھنٹہ قدر" 1891ء ص 3 اور اپنی غلطی صاحب (1878ء) ص 304
- 17- کارنامہ سورجی ص 17 اور ص 64
- 18- حکیم نواب دکنہ علیہ دارم وقت کی صاحبزادی اور نواب شاہ علیہ کی بیوی 1857ء کی شادی کے بعد شاہ علیہ کی انصاف علیہ ہو گئی تھی۔ یہ اپنے وقت کا بہت بڑا امیر تھا۔ یہ بھی بڑا امیر تھا اور مرزا مہاشیہ جنگ کی کے ہاں دیا تھا کہ چند سال پہلے، حکیم مرزا (کارنامہ سورجی ص 63)
- 19- رائے "ڈی" کی گتے جاتے رہے تھے (کارنامہ سورجی ص 62)
- 20- غلطی صاحب از سر کے دونوں ایڈیشنوں میں 284 گھنٹہ مطابق 1853ء چھپ گیا ہے۔ 284 گھنٹہ مطابق 1827ء دیا ہے۔ غلطی صاحب بعضی پر شاہ میں اسی طرح ہے۔
- 21- مرزا مہاشیہ جنگ کو غلط نام میں اپنی ہی کہا جاتا تھا۔
- 22- سر جان ٹارنس۔ گورنر جنرل (1864ء تا 1869ء)
- 23- کارنامہ سورجی ص 63
- 24- کچھل جو Barrow 1877ء اور 1858ء میں ملوے (دوسرا) کا اپنی گھنٹہ تھا۔ پہلے اشتر اورجہ پھر میں ہوا۔ History of India Vol. 1% by Cultural
- 25- اس طے میں یہ طے کرنا تھا کہ ادارے کا نام دوسرے دیکھا جائے یا کوئی اور لکھا۔ "بجلی پاور ہاؤس" یا "کلی"۔
- 26- اس سے ظاہر ہے کہ مرزا اس وقت پتہ چڑھیں تھے۔
- 27- کارخانہ سورجی ص 64
- 28- کارنامہ سورجی ص 58
- 29- کارنامہ سورجی ص 170 اسی ص 64 صاحب "کارنامہ سورجی نے" مرزا صاحب کے تہذیب کے حلقے بھی اشارہ کیا ہے
"..... (نواب صاحب نے) قیلاز کے اقب کے غلاموں میں مرزا مہاشیہ جنگ کے عاویہ مرزا صاحب بھی قاضی تھے" میں سے غرض پاک کہ نثر سیر ہے' سب اہل بیت سے لگتے تہذیب اعتبار نہیں کیا تھا۔
- 30- سرور اللہ صاحب "کارنامہ سورجی" کے صاحبزادے نواب دلاختر جنگ نے جانتے میں لکھا ہے کہ "یہ گھنٹہ ہم آتے کا ہے اور دلاختر۔
لکھ گیا ہے میں راجہ کے ساتھ لکھا کرتا ہوں۔"
- 31- یہ اشارہ تھوے دارم اورجہ کے عاویہ کے گھنٹہ کے لئے شائع ہوا ہے۔

حمیدہ سلطان احمد

جان غالب

مرزا باقر علی خاں کامل کی پہلی بیوی کی لڑکی نواب بیگم دس مہینے کی ہو کر گذر گئی تھی۔ اس لئے دوسری صاحبزادی محمد سلطان بیگم کو چند بیگم بیار سے کہا جاتا تھا۔ مرزا غالب ان کو چہون یک کہتے تھے۔ چند بیگم کی ولادت 1281ھ مطابق 1865ء میں ہوئی۔ سہ بیگم میں ان کی ولادت کا قلعہ موجود ہے۔

محمد سلطان بیگم کے بچے مرزا باقر
چاند سلطان بیگم کے بچے مرزا باقر
محمد سلطان بیگم کے بچے مرزا باقر
محمد سلطان بیگم کے بچے مرزا باقر

1281ھ

محمد سلطان بیگم کی شادی 12 سال کی عمر میں باقر علی خاں کی وفات کے ایک سال بعد اپنے ماموں شہاب الدین خاں غائب کے بچے صاحبزادے مرزا شہاب الدین احمد خاں تباہ کے ساتھ ہوئی۔ ان کی اولاد کوئی نہیں ہوئی۔ اپنی بیوی محمد سلطان بیگم کی بیوی لڑکی عالیہ سلطان بیگم کو انہوں نے پیدا ہوتے ہی گود لے لیا تھا اور ان کی پرورش شادی اور اس کے بعد تمام بین دین اولاد کی طرح کرتی رہیں۔

محمد سلطان بیگم بہت فطرت نازک مزاج اور بد بے دلی بیگم تھیں۔ میاں لالہ بیلی مزاج کے نواب زادے تھے اور یہ ناز فہم میں پرورش پائی ہوئی۔ اس لئے دونوں کی بھی بچی تھیں۔ لیکن اس زمانے کا دستور ایسا تھا۔ اور وہ خود اپنی رکھ رکھاؤ کی بنا ہی تھیں کہ کبھی اس کا اظہار بر ملا نہیں ہوا۔ انہوں نے طوط کو دونوں چھوٹی بہنوں کی محبت اور ان کی اولاد سے لاف پیار کرنے میں کھو دیا۔ غالب اماں (محمد سلطان بیگم) کی لپٹی رکھنے کی قائل نہ تھیں غلامان کے لڑکے لڑکیوں کو نظروں میں رکھتیں جس کی کوئی بات بچا دیکھتیں اس کی سرزنش کرنے کے ساتھ اس کے ماں باپ کی بھی خیر لیتیں۔ ان کے فیض تربیت نے ان کی بہنوں کی اولاد کو بھی نکدن کا دیا۔

حضرت غالب نے غالب اماں کی بہت ناز برداری کی۔ اپنی اماں (مستعم لہائی بیگم) فرماتی تھیں مرزا صاحب کے بچے اتنا لاف پیار نے چند بیگم کو خدای کا دیا۔ وہ سارے دن کمرے کے سامنے والے جگے پر لڑکی کو لیے بیٹھے رہتے تھے۔ شہناز جو سامنے سے گذرتے ان سے دعا سلام باقی کرتے۔ سوئے والے بھی آوازیں لگاتے لگی سے گزرتے رہتے تھے۔ کسی سن بھائی چیز کے لئے چند کہتی:

”دادا جان! میں لوں گی۔“ وہ ہرے تھے کبھی سننے بھی نہ سننے۔ اگر ان کی سمجھ میں لڑکی کی فرمائش نہ آتی تو جگے سے آرمی لگ کر خود سوئے والے کو آوازیں لگاتی تھیں (باقر علی خاں) نے کہا۔ ”کیا لہا بیگم! چند ایک دن

مجھ سے گر کر شہید ہو جائے گی۔“ اسی پر بس نہیں ایک دن چلی کی ٹانگ دھول سے صاف کر دی اس پر خضری لڑکی نے اینٹیاں رگڑ کر دودھا شہرہ کر دیا۔ مرزا صاحب کو بھروسہ کیا تو آؤ دیکھا نہ گاؤ پڑے پر چھ ان کی جلتی چلم الٹ دی۔ ان کے انگر کے کی آستین جل گئی۔ انہوں نے ٹھٹھے میں بھر کر گھر میں آکر کہا۔ میں تو اب اس لڑکی کو کچھ کہوں گا نہیں۔ دلوا جان تو بیڑھالے میں بالکل سلجھا گئے ہیں۔ لڑکی ذرا سی چلی تو انہوں نے مجھ پر چلم الٹ دی۔“

ایک مرتبہ یہ لیلیٰ ہوا کہ ہندو مرزا صاحب کے پاس بیٹھا آم کھاتا رہا اور وہ ضعف بصارت کے باعث یہ سمجھتے رہے کہ ہندو بیگم ہے۔ دودھ نکلی آئے تو انہوں نے ہندو کو دھتکارا۔“ غالی ماں نے مرزا غالب کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ ”حکیم محمود خاں نے کہا یہ کیا کہہ کر بے ہوش ہوئے تھے دودھ کلو نے کہا دوسر کو گیارہ بیگے میں نے مرزا صاحب سے سے کہا کھانا ملاؤں تو انہوں نے کہا: ”ہندو کو بھی بلاؤ“ میں نے کہا وہ تو دوا سے معلوم ہوا ہے ابھی سو رہی ہیں اسے“ اچھا جب وہ آئے گی تو کھانا کھائیں گے۔“ اس وقت سے جو بے ہوش ہوئے تو اب ہر رات مجھے تک ہوش میں نہیں آئے۔ حکیم صاحب نے کہا ”ہندو بیگم کو لا کر ان کے پاس چھوڑ دو۔“ چنانچہ ہندو بیگم کو مرزا صاحب کے پاس لے جا کر چھوڑا تو انہوں نے حسب معمول ان کے سینے پر سر رکھ کر منہ کان کے قریب لے جا کر آواز لگائی۔ ”دلوا جان!“ اور مرزا نے فوراً ”آگے کھول کر اپنی لالائی کو دیکھا اور چلن چلن آفریں کو سپرد کر دی گویا ان کی جان ان کو دیکھنے کے لئے اٹھتی ہوئی تھی۔

میں نے بڑی خالہ ماں (امیر سلطان بیگم) سے پوچھا۔ ”تپ کو مرزا غالب یاد ہیں۔“ مسکرا کر بولیں۔ ”ہاں! بالکل مجھوں سے جانتے تھے۔ میرے اس قدر تھے کہ میں ان سے بات کرنے کے لئے بیچ کر بیٹھتی تھی اس لئے مجھے عادت ہی دور سے بولنے کی پڑ گئی۔ میں صبح اٹھتی ہی ان کے پاس چلی جاتی تھی۔ وہ مجھے بلاوام کشمش دیتے تھے۔ جب تک دادا جان زندہ رہے گھر میں سونے اور کپڑے بدلنے کے علاوہ سارا دن میں ان کے ہی پاس رہتی تھی۔ ان کے انتقال کے بعد میں دونوں ان کی ککڑی کو کھنے لگا کر ڈسائیز مار مار کر مرنی رہی“ مجھے ہر وقت ان کی بے پناہ جاہت یاد آتی تھی میرے رونے کے ساتھ میرے ابا میاں اور دیگر عزیز واقارب بھی مرزا صاحب کو یاد کر کے رونے لگتے۔

محمد سلطان بیگم کا انتقال 10 / مارچ 1934ء مطابق 22۔ رجب کو ہوا“ اپنی خاندانی پڑواؤ سلطان بی میں اپنے والد کے قریب مزار کی جگہ پائی۔

حوالے

1۔ ”ماں صاحب کے انتقال 1887ء میں قلعہ کے صدر 1914ء میں ان کے جائیں 1981ء تک راتہ ہوئی۔“

2۔ ”اپنی بھائی بی بی اور میں وہ مجھے بہت جانتی تھیں۔ سب ان کے ٹھٹھے سے اڑتے تھے میں ان کی لٹ صاحب میں کافی کتاغ تھی۔ میری یاد جا۔ حلیہ کر کے انہوں نے گھر آ کر کچھ میں کھلی شرم دیا تھا۔“

3۔ میرے پاس دو ماں صاحب کا ایک نسخہ تھا 1947ء کے شہر آفریں کی ذرا دور 1949ء میں سے جاری تھا ہے یا تھا۔ میں نے اس کے پاس ابا صاحب کا وہ نسخہ بھی تھا جس پر نوادہ صاحب (ابو علی) خان صاحب کے سہ سے وہ نسخہ مرزا صاحب کے ہاتھ میں سے ملے تھے۔ انہوں نے 1947ء سے اپنی ہی کسی دیکھنے والے نے صاحب کو دیا۔ صاحب کے حقیقی بھائی اور کنبہ اور درجن کنبہ کی تا کریم فرادہ نسخہ بھی ان کے پاس تھا۔ مجھے یاد کہ اس وقت ابا شہرہ نہ تھا اس لئے انہوں نے سب حق 1981ء تک نہ کیا۔

غالب کے بعض غیر مطبوعہ شعر اور لطیفے

مولوی احتشام الدین حقی دہلوی (مرحوم)

مرزا غالب کے حقیقی اورائی سی بات بھی ایک دلچسپی کی چیز ہے اور ان کے مقالے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے "آج کل" (نام رسالہ) نے ان کی ایک غیر مطبوعہ نامعلوم قول حال ہی میں شائع کر کے اس کے منتسبان کلام کا مطلق تر کیا ہے۔ قول بے شک اردو کے مجموعہ نقلیات میں ایک اضافہ ہے خصوصاً یہ شعر:

دیکھنا غیر سے کیا خوب بھائی اس نے نہ سہی ہم سے پر اس بات میں وفا ہے تو سہی

وہ یاد جس میں سب بے وفائی ہی ثابت کرتے گئے ہیں مرزا نے کس لطف والا کلام سے اس میں وفا ثابت کی

ہے۔

اس بیاض میں جس سے وجہ الدین خان صاحب نے یہ قول نقل کر کے عنایت فرمائی۔ راقم کو غالب کا یہ مطلع بھی نظر چلا:

تو قہ کہم کیا ہو جب اوار آتا ہے تو یوسف سامعین بکنے سرازار آتا ہے

(۲) اس کے ساتھ کوئی دوسرا شعر نہیں ہے۔ وجہ الدین خان صاحب نے قول نہ گور کے ہاتھ آنے کی شکایت یہ بیان کی ہے کہ ان کے والد ماجد مرحوم نے مرزا کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے کلام کو اپنی بیاض میں لکھنے کی استدعا کی۔ مرزا نے فرمایا یہ قول دیاں میں مطبع ہونے سے وہ گئی ہے۔ تم لے جاؤ۔ غالب! اس کے ساتھ یہ مطلع بھی عنایت ہوا ہو گا کیونکہ اسی بیاض میں غالب کے نام سے درج ہے۔ کسی مطبوعہ دیاں میں نہیں پایا جاتا۔

(۳) حضرت محمود دہلوی نے کچھ عرصہ ہوا مجھ سے فرمایا کہ مرزا کی کئی ایک غیر مطبوعہ فرمائیں ان کے پرانے کاغذات میں پڑی ہیں، خاکسار نے کمر ہد تاکید استقام کی کہ تکلیف فرما کر ان قولوں کو برآمد کریں۔ اور شائع کرا دیں۔ ان کا کچھ قول میں پڑا رہتا ہوا علم ہے۔ مہاروا ضائع ہو جائیں۔ بلکہ مناسب یہ تھا کہ حضرت محمود کی شرح کے ساتھ ہی شائع ہو جائیں۔ مگر حضرت موصوف شاید بوجہ جواز سہلی اس محنت کے مقفل نہ ہو سکے کہ تمام دفتر بارند کی چمان میں کس کے ان قولوں کو برآمد کر سکتے۔ اگر غالب پرستوں کا کوئی والد ان کی خدمت میں حاضر ہو کر استدعا کرے تو شاید درجہ قبولیت کو پہنچ سکے۔

(۴) ایک بار مجھ کو بدو الدین علی خان مرحوم دہلی کے مشہور و معروف محرکن کے کتب خانے کی بعض کتب ان کے نبیہ عمیر الدین خان کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ کتابیں اکثر پڑے پڑے مشہور خطاط خوشنویسوں کے قلم کی لکھی ہوئی تھیں۔ خان صاحب مرحوم خود بھی خوش نویس تھے۔ بادشاہ کے یہاں سے "مترق راقم" خطاب تھا۔ سہوں اور عجیبوں پر ان کی خوش خطی اور سہوں کاری کے نمونے کہیں نظر آتے ہیں تو آنکھوں میں نور آتا ہے۔ ان کتابوں میں دو میں نے ان کے نبیہ کے پاس دیکھیں مرزا عبدالقادر بیہل کی مشہور مثنوی "طور معرفت" بھی انجی

خوش قلم کسی خوشنویس کی کہی ہوئی تھی۔ خوشانی پر ملاکار لوح بھی تھی۔ سوادق کی پشت پر مرزا غالب کی مرثیت تھی۔ مرزا کے قلم سے لفظ الراقم کے تحت یہ مطلع قاری میں مرقوم تھا

دوہیں مجھ پر لوح قصور معرفت است کہ ذرا ذرا چہ امان طور معرفت است
مرزا بیدل کے غالب بنے۔ ماحول میں تھے بلکہ بیرونی کی کوشش بھی کرتے تھے۔ فرماتے ہیں:

طرز بیدل میں رہتے کہنا اسد اللہ خان قیامت ہے

اسی قاری مطلع سے جو اوپر نقل ہوا ثابت ہوا کہ مرزا غالب نے تصوف کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اس مبسوط منظوی کو جو سخت تصوف میں ہے بنے غور سے چڑھا تھا اور اس کے مضامین سے اس درجہ متاثر ہوئے تھے کہ ختم مطالعہ پر یہ مطلع انکے قلم سے نکھ چلا۔ درویشی مجھ پر لوح قصور معرفت است "ضمناً" یہ بھی ظاہر ہوا کہ مرزا غالب کے کلام میں جو مسائل تصوف اور خصوصاً ارشادات ہیں وہ عام شعرا کی طرح رکی نہیں بلکہ مرزا تصوف کے پختہ عالم بھی تھے اور ان کا یہ شعرا اپنے اوپر بھیجتے تھے بلکہ صادق ہے:

یہ مسائل تصوف یہ قرا بیان غالب تجھے ہم دلی سمجھتے جو نہ بادِ خوار ہوتا

(۵) خاندان لہارہ کی یکمیت میں ایک صاحب کو نواب ملا علی محمد مرحوم دیکھیں لہارہ کے یہ اشعار نہانی یاد ہیں۔
جو نواب صاحب مرحوم نے مرزا غالب کو لہارہ آنے پر لہارہ کے لئے لکھ کر بھیجے تھے:

سر آغاز موسم بھی کیا خوب ہے کہ دلی سے حضرت لہارہ کو آئیں

سودا کے آسمان کی ہر صبح ڈاک تو دلی کے افکار ہر شام آئیں

جب لطف ہے یاں کی برسات میں کہ کچھ بھی نام کو بھی نہ پائیں

وہ بے ریش بکری کا لحم طری جسے کھا کے کیا خوب لذت اٹھائیں

یہ ہو غم بادریچوں کو کہ ہاں! ابھی جا کے جلدی سے کھانا پکائیں

وہ لیں بارغ سے جا کے اٹلی کے پھول تو جنگل سے کڑوے کرپٹے منگائیں

ظاہراً کچھ اور اشعار بھی اس کے بعد تھے اور ان اشعار کے الفاظ بھی اور بہتر تھے مگر حکیم صاحب موصوف کو اسے ہی اور اسی طرح یاد رہ گئے ہیں اور ان کے جواب میں مرزا صاحب نے جو کچھ لکھا ہو گا اس میں سے صرف ایک شعر حکیم صاحب کی نہانی یہ ہے:

سر آغاز موسم اندھے ہیں ہم کہ دلی بھوڑیں لہارہ کو جائیں

لحاف نر میں بھی ایک لیلہ ہے جو مرزا کی ریختہ عرفیت کا ایک نمونہ ہے:

(۶) غدر میں دلی کے لوگ ایک عرصے تک جھگڑے رہے بعض کو تو واپسی نصیب ہی نہیں ہوئی۔ راقم کے والد

ان خوش قسمتوں میں سے تھے جو دلی واپس آئے اور مرزا غالب سے ملنے بھی گئے۔ مرزا کی یادداشت بڑی زبردست

تھی۔ دیکھتے ہی پہچان گئے۔ گئے حال پوچھنے۔ باتیں کرنے "حاضرین میں اسی وقت نواب ضیاء الدولہ (دلی کے ایک

دہسے) بھی موجود تھے۔ ان سے بھی ٹیکہ ملیک ہوئی مگر انہوں نے پہچانا نہیں۔ مرزا غالب نے کہا ہیں تم نہیں

جانتے یہ ظان ابن لٹاں مرزا کے اناج دینے سے نواب صاحب بھی پہچان گئے ہوئے میاں صاف کرتا میں نے قمیص پہچانا قمیص بہت عرصے بعد دیکھا۔ دوسرے یہ قیامت صبرا (تقدیر ۱۸۷۵ء) ۱۱۰ میں گزرتی کہ صورتیں بدل گئیں۔ تیسارے اس وقت ریلوے و بیروت قمیص تھی اس لئے بھی قمیص پہچان سکا کو کیسے ہو کہاں ہو، شادی ہو گئی؟

والدہ مرحوم نے ان سوالات کے جوابات دیئے۔ اور کہا شادی تو اس قیامت صبرتی سے پہلے ہی ہو گئی تھی۔ نواب صاحب نے کہا پھر اس شادی کا نتیجہ؟ کہا، ہاں ایک لڑکا ہے۔ پوچھا کیا نام ہے۔ جواب دیا "صباح الدین" یہ نام میرے نواب صاحب نے چونک کر کہا یعنی یہ کیا؟ تیسرا نام "انوار الحق" تیسارے والد کا نام احسان الحق تیسارے جد امجد کا نام شیخ عبدالحق محدث دہلوی غرض سب کا نام حق پر ہے لڑکے کا نام دین پر کیوں؟

اس اعتراض کو مرزا غالب نے بھی سن لیا۔ ولعت! لڑکے کو روئے میاں تم کیسے مسلمان ہو؟ نواب صاحب نے کہا حضرت میں نے خلاف اسلام کیا کہا ہے۔ فرمایا "دین کو حق نہیں سمجھتے؟" نواب صاحب جواب سے رو گئے اور جملہ حاضریں ہنس پڑے۔ اس چمنے سے قہرے نے کہ "دین کو حق نہیں سمجھتے ایک شعر کا مراد دیا

(۷) بملوہ شہد ظفر کی ساری ایک دن ملک باغ (کوئٹہ گردان) کے اندر سے ہو کر گزرتی اس وقت حکیم کا باغ کھلاتا تھا۔ باغ کی حالت خراب و خستہ دیکھ کر حضور کو افسوس ہوا۔ قلعہ میں جا کر ریڈیو نٹ کے نام شد جاری ہوا کہ بادشاہ کو باغ کی حالت دیکھ کر بہت دکھ ہوا کہ ایسا میرا باغ ایسی خراب حالت میں ہے کل فدوی جلد تو اس کو درست کروا کر مطلع کریں۔ فرج درستی کا فرمانہ حاکم سلطانی سے ادا کیا جائے گا۔

صاحب ریڈیو نٹ نے پتہ ماہ کے اندر انگریز انجینئری سروس باغ کی جھاڑ جھٹکاڑ کٹوا کر دو شیش و ضمیر برآمد کر کے مرمت کرا دی اور پمپوں کی آواز کیاریوں سے آراستہ کر کے حضور میں مسموئے کیا کہ حسب اہکم ورتی ہو گئی ہے۔ حضور تشریف لا کر معائنہ فرمائیں۔ تشریف آور کے لئے ایک دن مقرر ہوا۔ اور باغ کے اس وسیع میدان میں جو ہارڈنگ لائبریری کی جانب جنوب میں واقع ہے بادشاہ اور حکیمات کے لئے شیشے نصب کئے گئے۔ پتا شیشہ دربار کے لئے لگا جس میں دربار منصف ہوا۔ شہزادوں اور امراء نے بذریعہ گزرائیں "شاہوں نے قصیدے سنائے۔ طائفوں نے ناچ گانے سے حاضریں کو حضور کیا۔ مرزا غالب نے بادشاہ کی اس فخر کو

دل نے کی ساری غلابی لے گیا مجھ کو ظفر داں کے جانے میں میری توقیر تو بھی رہ گئی تھیں کیا تھا رہو پیش ہو کر تخت کے آگے آکر سٹلی۔ قطع کے بند کے ہر مصرع میں بادشاہ کا تخلص جو ان کا نام بھی تھا بار بار واقع ہوا تھا اس کو ادا کرتے وقت مرزا غالب ادا "جنگ جاتے تھے۔

اس دربار میں میرے والد بھی تھے حافظہ ان کا قوی تھا آخری بند پورا یاد تھا یہ تھیں مرزا کے کلام میں کہیں نظر نہیں آتی "وہ آخری بند بھی جو والد صاحب کو یاد تھا ان کے ساتھ دفن ہو گیا میں نے کمر سنا تھا نکریا نہیں رہا۔ شاید یہ تھیں سنانے کے بعد بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دی گئی بادشاہ کے کلمہ آت نقد میں عارت ہوئے وہ شکل ہوئی کہ تھیں دفتر کا غور و گذار انصاف ہوا

ملتی صدر الدین گزردہ کے مکان پر اکڑ حکیم مومن خان "سہیلی اور غالب کے چلے رہے تھے۔ شعر گوئیاں

فن آرائیاں ہوا کرتی تھیں ایک بار کسی کا یہ قلعہ پیش ہوا:

یہ منادی ہے کشور عشق میں اب کوئی بوالہوس اس میں رہانہ کسے

جو رہے بھی تو صاحب درد رہے کوئی درد کی اس کے دوا نہ کسے

سوال یہ تھا کہ اس قلعہ کے معرعوں کی تھلیل کیا ہے۔ سب نے عوض لڑایا مگر تھلیل نہ ہو سکی۔ معصفا قلعہ کے موندوں ہونے میں کلام نہیں عشق صاحب صدر الصدور تھے۔ بکری تحریف لے گئے اور سب اپنے اپنے مکان کی طرف لوٹ گئے۔ مرزا غالب کو سربراہی تھلیل اس کی سوجھ بکھج رہتی تھی میں سے پاکی اپنی سوز کر عشق صاحب کی بدالت جا پیچھے اطلاع ہوئی عشق صاحب ایک حنفی مراقب آدمی تھے۔ گھبرا کر نکل آئے کہ ابھی تو ایک دوسرے سے مل کر رخصت ہوئے کیا مصیبت آگئی کہ شام تک انتظار بھی نہ کر سکے۔ پاکی کے پاس آکر پوچھا ”خیر یا شہ؟“ مرزا نے فرمایا کہ اس قلعہ کی تھلیل سمجھ میں آگئی ہے۔ منہب سمجھا کہ اسے سنا کر آپ کی بھی حلقے دور گدوں۔ فرمایا بہت خوب تھلیل خانے مرزا تھلیل کرتے ہیں۔

یہ منادی ہے دھنا آگ دھنا در عشق میں اب دھنا آگ دھنا

تھلیل خانہ مرزا اپنے گھر کو رخصت ہوئے اور سوانا پٹنے ہوئے کرسی بدالت پر جا بیٹھے۔ یہ مطلع بھی مرزا کی ایک مسل غزل کا ہے جو بچوں کے جھولے میں گانے کے لئے موندوں فرمائی تھی۔

کاتی تھیں شہر کی حکم عطا ہا ہو درد میں کہے تھے ظفر عطا ہا ہو



(۴) "عارف گھس" نواب ذہین العابدین خاں بہادر، بیٹے نواب غلام حسین خاں بہادر ظف الرشید غالب نواب فیض اللہ ایک سراب جنگ کے اور خواہر زادہ (۱۵) اور شاکر نواب اسد اللہ خاں غالب معروف بہ مرزا نوشہ کے۔۔۔۔۔ اصلاح شاہ نسیر سے لیتے تھے لیکن بعد ایک مدت کے جب کہ نواب اسد اللہ خاں بہادر وادہ شہر چڑا ہوئے نسبت کھنڈ بھی ان سے حاصل کی اور طرز و طرح اول کو طرح دی۔۔۔۔۔ ان دونوں میں اس عاجز (کریم الدین مولف تذکرہ) کے مکان پر محفل مشاعرو منعقد ہوتی ہے۔۔۔۔۔ یہی صاحب (عارف) میر مشاعرو ہیں۔۔۔۔۔ وہ ان۔۔۔۔۔ معرض طبع میں آیا جانتا ہے۔۔۔۔۔"

انہیں مولوی کریم الدین نے تین سال بعد ایک اور تذکرہ تالیف کیا جس کا نام طبقات شعرائے ہند رکھا۔ یہ تذکرہ ۱۸۳۷ء میں مکمل ہوا اور ۱۸۳۸ء میں چھاپا۔ اس کے صفحات ۳۷۸ تا ۴۰۶ پر عارف کا ترجمہ درج ہے۔

(۵) عارف گھس و نام نواب ذہین العابدین خاں "خواہر زادہ (۶) نواب اسد اللہ خاں مرزا نوشہ غالب کے۔۔۔۔۔ جن ایام میں کہ میرے چھاپہ خانہ میں مشاعرو ہوا کرتا تھا یہی میر بھلی اور میر شاعر مقرر تھا۔۔۔۔۔ اب ان ایام میں اسبب مدت ذہن اور تیزی فکر خن کے سبکہ کر شکل کاٹنے کے ہو گیا ہے۔ بہت دلا چکا ساتھ ہے۔ واصلی بھر کر نہیں نکلی، ٹھوڑی ہی پر کچھ ہال ہیں۔۔۔۔۔ اس سال میں کہ ۱۲۳۳ ہجری میں عمر اس کی قریب تین برس کے ہے۔۔۔۔۔"

اسی تذکرے کے ص ۴۸ پر عارف کے والد غلام حسین خاں مسود کا ترجمہ بھی ہے ملاحظہ کیجئے۔

(۶) "مسود۔ نواب غلام حسین خاں بہادر مسود" والد نواب ذہین العابدین عارف کے۔ میری ان کی ملاقات ایک دفعہ اس طور پر ہوئی تھی کہ نواب ذہین العابدین عارف یعنی ان کے بیٹے "جو میرے بہت دوست اور صہبان ہیں ان کی بنیادی کی خبر کو ان کے گھر گیا تھا۔ اس جاے میں نے دیکھا "قریب ساٹھ برس ان کی عمر ۷۵ھ میں تھی۔۔۔۔۔ جن ایام میں میرے مکان پر مشاعرو ہوتا شروع ہوا" انہوں نے بھی ایک دفعہ ایک غزل اپنے ظف الصوف عارف مذکور کے بہت روانہ کی تھی۔۔۔۔۔"

مرزا قادر بھٹی صاحب تذکرہ گلستان خن میں "جو انہوں نے ۱۸۵۵ء میں تالیف کیا تھا" لکھتے ہیں :

(۷) "عارف گھس" نواب ذہین العابدین خاں مرحوم "ظف رشید نواب غلام حسین خاں بہادر مسود گھس" شاکر مرزا اسد اللہ غالب۔۔۔۔۔ سنہ بارہ سو اڑسٹھ ہجری میں دشت سربانندہ کر گلشن جنس کی طرف راہی ہوا۔۔۔۔۔"

حالی "بادگار غالب میں "مولاد" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں :

(۸) "مرزا صاحب کے لولاد کچھ نہ تھی۔ ابتدا میں سات بچے پے دو پے ہوئے "مگر کوئی زندہ نہ رہا۔ اس لئے ایک مدت سے وہ اور ان کی بیوی خزا زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر غم و سے چند سال پہلے جب کہ ان کی بیوی کے بھانجے ذہین العابدین خاں عارف کا انتقال ہو گیا۔۔۔۔۔ تو مرزا اور ان کی بی بی نے بھوئے لڑکے حسین علی خاں کو جو اس وقت بہت کم عمر تھا۔ اپنے سایہ عاطلت میں لے لیا۔

جب زین العابدین غاں کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو حسین علی غاں کے چچے بھائی باقر علی غاں کو بھی مرزا نے اپنی سرپرستی میں لے لیا۔

اب اس سے پہلے کہ غالب کے مختلف خطوط کے ذریعے یا دوسرے شواہد و دلائل سے جائزہ لیا جائے کہ غالب اور عارف کے تعلقات حقیقت میں کیا تھے؟ ضروری مسلم ہوتا ہے کہ غالب کی تحین قہرِ دل کا ذکر کر دیا جائے جن سے نکلا ہوا "اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ عارف واقعی غالب کے متنبی تھے۔

(۹) پہلے۔۔۔۔۔ غالب کے مرثیہ (B) عارف کا ایک شعر دیکھئے۔

”تم یہ شب چارم تھے مگر اے
پھر کیوں نہ رہا مگر اے وہ فقرا کیوں اور

(۳) دوسری..... عارف کے اعتقاد سے تقریباً دو مہینے بعد ۱۸ جون ۱۹۷۸ء کو تھکے ہیں (۹)

صاحبؑ یہ تو تم جانتے ہو کہ زمین اللہ ہی کاں مرحوم میرا فرزند تھا اور اب اس کے ہاتھوں بچنے کو وہ میرے پاس ہے، میرے پاس آ رہی ہیں اور دم ودم لکھ کر سناٹے میں۔۔۔۔۔۔"

(۴) تیسری۔۔۔۔۔ غالب کا وہ قلعہ جو غالب کے کلیات نظم فارسی کے مں ۳۰ پر درج ہے۔ یہ مجموعہ کلام پہلی بار ۱۸۵۵ء میں شائع ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ عارف کے حلق غالب کی یہ تحریر ”اوپر دی گئی دونوں تحریروں سے پہلے کی ہے۔“ اس اشعار کے اس قلعے سے چند اہم شعر پیش کئے جاتی ہیں:

تک پہنچو طوسے عارف نام کہ زخول شیخ دو دکان مست

آنگاه در بیم قرب و غیبت انس فلم عسار و مزاجین منست

قولا فدائے نام علی سے چوں با شہر چمکی کہ جان مست

اے کہ میراث خوار من ہائی اندر ایسے کہ آں زبان مست

غالب کے کلام نظم و نثر میں پہلے پہل عارف کا ذکر ان کے ایک فارسی خطِ بیامِ آرزو میں آیا ہے۔ یہ خط ۱۸۷۱ء کے آہنگ کے مخطوطِ عمرہ ۱۸۷۵ء میں شامل ہے۔ لفظ یہ جب کا ذکر ہوا جب عارف کی عمر ابھی ۱۸ سال سے بھی کم تھی (۱۸) اس کا مفہوم یہ ہے۔

(۴) آپ نے مطلق مرزا احمد جگ کے لئے جو چارہ سازی کی اس پر رشک آیا۔ اقبال نکلیں مرزا زین العابدین خاں کی سفارش کا جو جواب مجھ تک پہنچا ہے اس نے زخموں پر نیک پاشی کی۔ اب جیسے مجھے کمری مرزا

فاضل یک کا کام کریں۔

بچ آجک میں ایک خط (۲۱) مورخہ ۲۳ مارچ (۱۸۸۳ء) عام شیفتہ شامل ہے۔ عارف کی عمر اس وقت ۲۵ سال کے قریب ہوگی۔ مفہوم حسب ذیل ہے۔

(۳) بعد کی رات کو ہم خن آراستہ ہوئی مگر چونکہ میں نے غزل نہیں کہی تھی اس لئے اس میں شامل ہونے سے گریز کر رہا تھا کہ ضیاء الدین خان نے ذہین العابدین خان عارف اور غلام حسن خاں کو کہو کہ باقی دے کر میرے یہاں بھیج دیا اور یہ دونوں مجھے اپنے ساتھ ہی لے کر گئے۔ میرے دوستوں میں (زید الرحمن بٹہ) سے مرزا ذہین العابدین خان عارف اور جواہر سنگھ نے طریق ذہن میں دو غزلیں پڑھ کر شعر گوئی اور نودت لکھ کر آسمان تک پہنچا دیا۔

بچ آجک ہی میں ایک خط (۲۲) عام ضیاء الدین احمد خاں ہے جو غالب نے دہلی سے آگرہ بھیجا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ضیاء الدین احمد خاں آگرہ کسی کام سے گئے ہوئے ہوں گے۔ خط بچ آجک کی اشاعت اول (۱۸۸۵ء) میں شامل ہے۔ لہذا ۱۸۸۵ء سے پہلے کا ہے مگر یہ ۱۸۸۵ء یا اس کے بعد کا ہے کیونکہ بقول کریم الدین (۲۳) عارف لاہور سے ۱۸۸۵ء تک دہلی ہی میں رہے تھے کہیں کا سفر نہیں کیا تھا اور کہ ابن دون ضیاء الدین احمد خاں اور عارف کی کاظمی چھٹی تھی۔ خط کے اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ اس سفر میں عارف 'ضیاء الدین احمد کے ساتھ تھے۔

(۲۴) "مالیا" از صمد شاہ اقبال عثمان میرزا ذہین العابدین خان دعائی رسالہ۔

اب چند خط اردو سے (۲۵) مغل سے دیکھئے

میں ۵۷ مورخہ ۲۳ دسمبر ۱۸۸۵ء عام تفتہ

(۲۵) "وہ عزیز داری جس کو اہل دنیا قریبت کہتے ہیں" اس کو قوم اور ذات اور مذہب اور طریق شرط ہے۔ اگر دیکھو تو مجھ کو اس شخص (امجد الرحمن) سے خن برابر علاقہ عزیز داری کا نہیں۔ ارداء حسن اخلاق اگر عزیز نگہ دیا تو کیا ہوتا ہے ذہین العابدین خان عارف میری سالی کا چچا یہ شخص اس کی سالی کا چچا اس کو جو چاہو سمجھ لو۔

میں ۳۴ مورخہ ۲۳ جون (۱۸۸۵ء) عام امین الدین احمد خاں

(۲۶) "بھائی غلام حسین خان مرحوم کے قریب ہو کہ ذہین العابدین وحید حسن اور ابن کی اولاد کو بھی منہ نہ لگایا۔"

۳

فہم خانہ جلیوہ (۲۷) میں درج ہے

(۲۷) عارف 'نواب ذہین العابدین خان' 'نواب غلام حسین خان' مسودہ مرحوم کے خط الصدوق 'نواب ضیاء الدین احمد خان غیر دفعی کے بھائی' مرزا غالب کے شاگرد رشید اور سسرال کے رشتہ سے ان کے بھی بھائی تھے۔

عارف ۱۲۲۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ۳۵ سال تک دنیا کی ہوا کھائی۔ ۱۲۵۸ھ میں عالم قدس کو مدعا رہے۔ حالت نزع میں جب حضرت غالب عیادت کو تحریف لائے تو ہنسنے پڑے یہ شعر بڑھلے

آنکھوں میں دم ہے شعل چراغ مہر ہوں میں
لو لگ رہی ہے جان کو کیا انتظار ہے

مولوی کریم الدین (۱۵) لکھتے ہیں

(۱۸) ”غالب فیاض الدین خان بہادر سے کمال ارچنا اور صحبت اس (عارف) کو رہتی ہے۔۔۔۔۔“

کلیات عارف میں عارف کا ایک بڑا شعر کا قطعہ ہے جو غالب سے خطاب ہو کر لکھا گیا ہے ’کسا ہے

(۱۹) قہر جان و دل ترا خدوی
اسد اللہ نام ہے تیرا
دود نام بزرگ کا تیرے
حق نے سب پر کیا تجھے غالب
مجھ کو زیبا ہے بتانا باز کہوں
نظر فحش شک کی مجھے
عرض کرنا ہوں شکوہ صلو
وہ سب میں جان کرنا ہوں
فیض صحبت سے تیرے تیرا غلام
سنی اس زمرا طوارج میں
نیر و محو ہیں مرے دشمن
بات ان کی گئے ہے پھر سی
ان کی کیا کیا صفت کہوں تو
ایک جہا ہے دلک سے دائم
دوسرا محو کینہ ہوئی ہے
نور کہتے ہیں ہاتھوں پر

تجھ کو کہوے برا یہ طاقت ہے؟
اس بزرگی کی کچھ نصیحت ہے
اس میں کچھ شک نہیں عیادت ہے
تجھ سے روکش ہو ’کس کی طاقت ہے؟
مجھ پر جب یہ قری عیادت ہے
کچھ نہ پروا ہے کچھ نہ عیادت ہے
کچھ میری خلاف عیادت ہے
ان کی جس وجہ یہ شرارت ہے
جو بدل قائل اہست ہے
ہدف بزرگ طاقت ہے
آسمان کی انہیں نایب ہے
دل میں ان کے زبں قیادت ہے
ایک آفت ہے اک قیامت ہے
بس کہ عزت اسے نصیحت ہے
یہ پیشہ سے اس کی عیادت ہے
نصف ہے ’گرگی شجاعت ہے

ہیں وہ سارے جہان کے بھونٹے

قول میں ان کے کب صداقت ہے؟

۴

(۱۹) (۱۸) سے ظاہر ہے کہ غالب کے سات ادیبوں ہونے لڑکے بھی لڑکیاں بھی۔ غالب یہ بھی جانتے ہیں کہ
”میں برس کی عمر میں“ ہونے لڑکے۔ جس سے صرف یہ مراد ہے کہ (۲۹ اگست ۱۸۸۶ء) تک (یا دوسرے لفظوں میں جب

تک امرائے بیگم بچہ پیدا کرنے کے اہل رہیں۔ یعنی تقریباً "بچاس برس یا ۴۵ سال تک" ان کے سات اولادیں ہوئیں۔ اس بیان سے مالی کے قول کی لگی ہو جاتی ہے کہ غالب کے ابتدا میں سات بیٹے پے در پے ہوئے بالخصوص یہ بیٹے پے در پے بھی پیدا ہوئے ہوں اور ابتدا ہی میں پیدا ہوئے ہوں تو بھی ایسے حالات میں غالب کو متعجب کرنے کا خیال بچاس چھپن سال کا عمر سے پہلے نہیں ہو سکتا کہ وہی ہاتھ نہیں اور اس کی بچہ پیدا کرنے کی عمر ابھی باقی ہے غالب ۷۵ سال میں بچاس سال کے اور ۸۵ سال میں چھپن سال کے ہوئے اور اسی سال اپریل ۱۸۵۷ء میں ۳۵ سال کی عمر میں عارف کا انتقال ہوا۔ لہذا غالب کا عارف کو ہاتھ گود لینا ایک منظرے کے سوا کچھ نہیں۔ اس کے علاوہ

۱) (۶۶) میں مولوی کریم الدین لکھتے ہیں کہ "عارف یعنی ان (سور) کے بیٹے جو میرے بہت دوست اور مہمان ہیں" ان کی بیماری کی خبر کو ان کے گھر گیا تھا" اس جگہ میں نے ان (سور والد عارف) کو دیکھا" قریب ساٹھ برس ان کی عمر ۸۵ سال تھی۔ میرے مکان پر مشاعرے (میں) انہوں نے بھی ایک دفعہ ایک غزل اپنے ظف الصدق عارف مذکور کے ہوتے روانہ کی تھی"

۳ (۷۸) میں ہے کہ "حالت نزع میں جب حضرت غالب (عارف کی) عیادت کو تشریف لائے تو بہتر پڑے پڑے (عارف نے) یہ شعر بچاں

آنکھوں میں دم ہے مثل چرخِ بحر ہوں میں
لو لگ رہی ہے جان کو کیا انتقاد ہے

ان ہر دو باتوں سے ظاہر ہے کہ عارف جو سور کے ظف الصدق تھے کبھی غالب کے ساتھ ان کے گھر میں نہیں رہے۔ وہ مرتے دم تک اپنے گھر یا اپنے باپ کے ساتھ رہے۔ اگر وہ غالب کی فرزندگی میں ہوتے تو غالب کے گھر میں رہتے۔

۱) (۸۱) میں غالب کا قلم کو لکھتا کہ "زین العابدین خاں مرحوم میرا فرزند تھا" محض اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ غالب 'عارف' کو بے حد عزیز دیکھتے تھے اور محض فرزند کے سمجھتے تھے ورنہ عارف سے اپنا حقیقی رشتہ انہوں نے قلم ہی کے نام ایک اور خط میں بیان کیا ہے لکھتے ہیں

۲) (۸۵) "مجھ کو اس شخص (میرزا زین) سے خاص برابر ملاقات عزیز داری کا نہیں۔ ازراہ حسن اخلاق اگر عزیز لکھ دیا تو کیا ہوتا ہے۔ زین العابدین خاں عارف میری سالی کا بیٹا۔ یہ شخص (میرزا زین) اس کی سالی کا بیٹا۔ اس کو جو چاہو کہہ لو"

نواب الہی بخش خاں معروف کی دو صاحبزادیاں تھیں: بیٹھادی بیگم (۱۲) اور امرائے بیگم۔ بیٹھادی بیگم کا نکاح نواب حسین خاں مسعود سے ہوا اور امرائے بیگم کا مرزا غالب سے۔ بیٹھادی بیگم اور مسعود میں زیادہ دان نہ بنی تاہم اس تھوڑی سی مدت میں ان کے دو صاحب زادے پیدا ہوئے۔ زین العابدین خاں (عارف) اور حیدر حسن خاں۔ جب میاں بیٹھادی میں ملیوگی ہوگی تو مسعود نے ایک مکان بیٹھادی بیگم کے نام پر کدیا اور وہ دونوں بچوں کے ساتھ اس میں رہنے لگیں

مسودہ نے بعد میں ایک صورت نکلی جسکے لیے نکال کر لیا تھا۔ غلام حسن خاں کو اسی وہ سری ہندی کے ہاں سے تھے۔
 مگر بھی غالب سے اصلاح لینے تھے) چند روایات کی بنا پر غالب 'عارف کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ کیا یہ عامہ سمجھتے
 (الف) دونوں بھائیوں میں زمین العابدین خاں زیادہ ہوشیار اور لائق تھے اور بہت اچھے شاعر بھی تھے حیدر
 حسن خاں 'کو شعر و سخن سے شغف نہ تھا۔ دوسرے ان کی شادی ان کی والدہ بیادی بیگم کی حقیقی چچا زاد ہمشیرہ ماہ رخ
 بیگم (دختر نواب احمد باغی خاں) سے ہوئی تھی۔ اس طرح ماہ رخ بیگم زوجہ حیدر حسن خاں 'بیادی بیگم کی بہن بھی
 تھیں اور اس کی چچا زاد بہن بھی۔ وہ بیادی بیگم کی اطاعت کا سخت نہیں کرتی تھیں (۱۵) اس لئے ساس بہن میں جھگڑا
 رہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ غالب نے بیادی بیگم ہی کا (بے وہ مقصود سمجھتے تھے) ساتھ رہا ہوگا اور حیدر حسن خاں کے
 دوسرے کو ٹھنڈا کیا ہوگا۔

(ب) عارف 'غالب کے شاگرد تھے (۱۶)

(ج) (۱۷) میں دیکھ گئے اشعار غالب کے کلیات نظم فارسی میں شامل ہیں جو ۱۸۵۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس
 قطعے میں یہ شعر خاص اہمیت کا حامل ہے۔

جو لا فداے نام علی مست

چوں نا شد نہیں کہ جان من مست

یہ قطعہ عارف کے نام ہے اور قیاس ہے کہ ۱۸۵۰ء میں یعنی شاگردی غالب کے بہت ہی عرصے کے بعد لکھا گیا ہوگا۔
 اس شعر میں غالب نے پڑے ناز سے کہا ہے کہ عارف نہایت عقیدت سے حضرت علی کے نام پر فدا ہے اور ایسا کیوں
 نہ ہو گا وہ میری جان ہے (اس لئے ہر حال میں میری پیروی ہی کرتا)

(۱) ۳ (۱۸) یہ قطعہ عارف کا لڑکھو ہے جو غالب سے خطاب ہو کر لکھا گیا ہے۔ اس قطعے کے کئی شعر اہمیت
 کے حامل ہیں۔ یہاں صرف ایک شعر درج کیا جاتا ہے۔ باقی اشعار پر آگے چل کر بحث ہوگی۔

فیض صحبت سے تیرے 'تیرا غلام

جو بہ دل قائل امت ہے

یعنی اے غالب! تیرا غلام (یعنی عارف) جو تیرے فیض صحبت سے بدل و جان امت کا قائل ہو چکا ہے یعنی شیعہ بن
 چکا ہے۔۔۔۔۔۔ یہ شعر گویا غالب کے متعدد چلا فارسی شعر کی تصدیق و تائید ہے۔

(۵) (۱۹) کے تحت درج شدہ مصرع دیکھئے

"تم ما شب چار دہم تھے مرے گھر کے"

ظاہر اس کا مطلب یہی ہے کہ تم میرے گھر کے چودھوی کے چاند تھے مگر میں ممکن ہے کہ غالب نے اس ترکیب کی
 آڑ میں اپنے اور عارف کے مذہب کی طرف اشارہ کیا ہو۔ سب جانتے ہیں کہ "چارہ مصوم" شیعوں کی مخصوص
 اصطلاح ہے۔

اب اس بحث کے بعد کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ غالب عارف کو کیوں بمنزلہ فرزند سمجھتے تھے اگرچہ

وہ ان کے ہاتھ سے متحی نہ تھے۔

۶

(۵) جب عارف اپریل ۱۸۵۴ء میں انتقال کر گئے تو ان کے بھوٹے بیٹے مرزا حسین علی خاں (شاہن و خیالی) صرف دو برس کے تھے۔ چونکہ ان کی والدہ یعنی لدجہ عارف چند ماہ پہلے انتقال کر چکی تھیں اس لئے غالب کی بیوی امرلو بیگم انہیں اپنے پاس لے آئیں۔ عارف کی والدہ بنیادی حکم اور امرلو بیگم بھی ایسی تھیں۔ حسین علی خاں کے بڑے بھائی باقر علی خاں (باقرد کال) جو حسین علی خاں سے تین برس بڑے تھے۔ عارف کی وفات کے بعد اپنی داوی بنیادی حکم ہی کے پاس رہے تھے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد وہ بھی غالب ہی کے پاس آ گئے۔ مندرجہ بالا دو اہمیت اپ عام طور پر تسلیم کی گئی ہے۔ لیکن غالب کے خط نام نقد عمرہ ۱۸ جون ۱۸۵۵ء سے نتیجہ یکم اور نکلا ہے۔ لکھتے ہیں: "عارف) کے دونوں بیٹے کہ وہ میرے ہوتے ہیں میرے پاس آ رہے ہیں اور مجھ کو سنا ہے ہیں اور میں چل کر آ ہوں۔ مجھے کھانا نہیں کھانے دیتے" مجھ کو دوسر کو سونے نہیں دیتے" لگے لگے پاؤں میرے چنگ پڑ رکھتے ہیں، کہیں پانی لے جاتے ہیں، کہیں خاک اڑاتے ہیں میں تنگ نہیں آتا۔"

اب یہ سلسلہ ہے کہ عارف نے اپریل ۱۸۵۴ء (یعنی اٹھنی ۱۸۵۴ء) میں وفات پائی۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ یکم اپریل ۱۸۵۴ء (۱۶ جولائی اٹھنی ۱۸۵۴ء) کو مرے تو غالب کے مندرجہ بالا خط تک انہیں انتقال کے صرف دو ماہ سزا دن ہوتے ہیں۔ اس خط کی دو قسمی میں یہ چٹنی ہے کہ اس عرصے میں دونوں بیٹے غالب کے سایہ عاطفت میں آچکے تھے۔ کیا بنیادی حکم والدہ عارف، وفات عارف کے یکم ہی دنوں بعد انتقال کر گئی تھیں؟ ایسا ہونا ناممکن نہیں۔

(۸) ۳ (۹) کے تحت قطعہ عارف کی ستر یکم اس طرح ہو گئی

(اے غالب) اے قبلہ جان و دل! تیرا فدی (یعنی عارف) تجھ کو کس طرح برا کر سکتا ہے۔ تیرا ہم اسد افد (یعنی شیر خدا) ہے جس کی بزرگی کی کوئی انتہا نہیں تیرے نام کا ورد" عبادت کے برابر ہے۔ تجھے (یعنی شیر خدا) خدا نے سب پر غالب کیا ہے اس لئے کس کی مجال ہے جو تجھ سے دو ٹول ہو۔ بلکہ مجھے تو بتا بھی باز کہوں زیبا ہے کہ تو مجھ پر مہربان ہے۔ مجھے مٹنی فلک کی نظر کرم (20) کی نہ ہی پیدا ہے نہ حاجت۔ اگرچہ یہ میری عادت نہیں تاہم میں حاسدوں کی شکایت کیا جانتا ہوں اور وہ سب بیان کیا جانتا ہوں جو وجہ ضرارت بنا ہوا ہے۔

(اے غالب) تیرا نظام (یعنی عارف) جو تیرے فیض صحبت سے دل و جان سے لاسٹ کا قائل ہو گیا ہے (یعنی شیعہ ہو گیا ہے) وہ ان خادجوں کے ذمے میں تیرا خاصیت کا نشان بنا ہوا ہے۔ میر اور کو (21) میرے دشمن ہیں اور وہ اپنے آپ کو خدا کا قائم مقام سمجھتے ہیں۔ وہ اتنے سنگدل ہیں کہ ان کی بات بھری طرح لگتی ہے۔ ان کی صفت یہ ہے کہ ایک کو گفت کیا جائے اور دوسرے کو قیامت۔ اگرچہ ایک (تیرا) انتہائی معزز انسان ہے مگر دائم رنگ سے آفتاب بھلا ہے اور دوسرا (میں) کینہ بولی میں کو ہے جیسا کہ وہ پیش کرتا گیا ہے۔ وہ کنوڑیوں پر نذر کرتے ہیں، نصیحت ہے ایسی شجاعت پر اور جہان بھر کے بھوٹے ہیں ان

(13) "برادر" اغلب د کہ غالب فاروقی..... بہ کرم علی صاحبہ "السلام فیہ السلام"

(14) مولف لکھتے کہ: "تا بہن اور شہادت شعرا سے اب" (ایک شہادت شعرا سے اب) (۱۰۰ - ۱۰۱)

(15) پتا لکھتے: "۱۸۸۸ء" اکل الطبع دلی

(16) جلد دہم ص ۵۵

(17) لکھتے شہادت شعرا سے اب "معارف" ۱۸۸۸ء ص ۳۰۰

(18) "دکتر غالب" (انجمن ایضاتی ص ۱۳۳) میں بنیادی رنگ کو دہی حاضری نور احمد دیکھ کر بھائی حاضری لکھا ہے کہ "۱۸۸۸ء" غالب (۱۰۰ ص ۳۴)

میں بنیادی رنگ کو بھائی حاضری لکھا ہے۔

(19) "۱۰۰ سالہ غالب ص ۸۵"

(20) عارف پہلے شہادہ صیر سے اصلاح لینے تھے۔ انہوں نے ایک دہائی بھی "مطلع مر سحر" کے نام سے عرب کر لیا تھا۔ جو سراسر شہادہ صیر کے اسلوب کا ٹیپہ دار تھا۔ اصل جو کہ غیبیوں کا کتا ہے کہ جب معزا غالب نے دلی کو اپنا مستقل معقر بنا لیا تب عارف نے شہادہ صیر کی شادری ترک کر کے غالب کی شادری اختیار کر لی "مگر یہ غیبی کتا ہے کہ جب غالب مستقل طور پر دلی آئے ہیں اس وقت عارف کے دور میں آتے ہیں ابھی تک ہنگ ہانگ مالا ہاتی تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ جب شہادہ صیر عزم دکن ہوئے تب عارف نے غالب سے اشتوار شہادہ لکھا یہ بھی درست نہیں معلوم ہوتا کہ کتہہ شہادہ دکن کے کسی طرز کے "اٹری سڑ میں جود تیر" دکن میں ۱۸۳۸/۳۹ میں انتقال کیا۔ اس وقت عارف میں دیکھیں رہے تھے۔ میری رائے میں عارف نے شہادہ صیر کی وفات کے بعد ہی غالب سے اصلاح کام کے لئے دہی لکھا وہ پہلے بھی غالب کے حق تھے مگر اب عارف نور عارف کو لکھاں ہو گئے تھے کہ غالب کی عقید میں عارف شہادہ بھی ہو گئے۔

(21) مٹاؤ۔ بہت زیادہ میں سے ایک۔ جیسے کا نام جو لکھی میں اسے دہتے ہیں۔ اسے علم اور عقل کا تہاں کہتے ہیں۔ قاری میں عقل تھا کہ دہتے لکھی کہتے ہیں۔

(22) قاری مطالعوں کے اس قریبہ کو کہتے ہیں جو اہل بیت اور خصوصاً "عقربت علی کو" لکھا ہے "اور ان سے دھنی دکتا ہے۔

(23) "فیض الدین احمد خاں نور دہلی" (دکنور ۱۸۸۸ء) دکن ۱۸۸۸ء) "کلام حسین خاں کو" (دکنور تقریباً ۱۸۸۲ء - ۱۸۸۶ء) لکھتے ہیں: "تھے۔



غالب اور لکھنؤ

ڈاکٹر آصف زبانی

شاعری شخصیت کی تشکیل اور اس کے ادبی سفر کے ارتقا میں شہوں کا یہی حشر بھی کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں ہوگا۔ وہ دلی ہوں یا نظیر، میر و سودا ہوں یا بلخ و آمل یا انیس و دہر ان سب کی ادبی زندگی کی نشوونما میں دلی، اکبر آباد اور لکھنؤ جیسے شہوں کا اہم رول رہا ہے۔

مرزا غالب (پیدائش ۱۷ دسمبر ۱۷۹۷ء وفات ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء) کی ادبی زندگی کے خیب و فراز میں بھی ان شہوں کا خصوصاً بڑا ہاتھ رہا ہے جہاں کے سطر مرزا نے کئے اور مقیم ہوئے ان میں بھی خصوصیت کے ساتھ عارس نکلتے اور لکھنؤ زیادہ اہمیت کے حامل ہیں یہ ایک ایسا شٹل ہے جو غالب شاعری میں کئی جہوں سے سولن ثابت ہوتا ہے۔ ان شہوں کو فقط اک نظر نگاہوں سے دیکھنے تو صم کرد، عارس کو کپ ”چراغ دہر“ کی روشنی میں جگہ گاتا ہوا پائیں کے ”نکلتے“ کی ہنگامہ خیز زندگی کے ورق ورق ”باد عارف“ کے جھونکوں کی زد میں نظر آئیں گے اور ”لکھنؤ“ اس کا تو کتا ہی کیا، بتول غالب وہ تو ”مہدوستان کا بدو اور صبرا“ کرشمہ دامن دل کی سکہ کہ جا انہماست ”ہو بے سرو پا وہیں پہنچ گیا امیرین کیا“ فرض یہ شرمصر غالب کے گری و تزلزل، سانی اور ادبی نیر، تاریخی مسائل کو کھینے کا سمت بڑا دریدہ ہیں۔ یہاں اس نکلن سے صرف ”لکھنؤ“ کا استحباب کیا گیا ہے۔ اس لئے بحث کا دائرہ بھی صرف ”لکھنؤ“ کی سرزمین تک محدود رہے گا اس گفتگو میں جس نوعیت سے روشنی ڈالی جائے گی اس کے عنوانات اس طرح ہیں:

۱ غالب کا سطر لکھنؤ

۲ دربار اور سے غالب کے تعلقات

۳ غالب کے لکھنوی احباب اور ان کے لکھنوی مکتب الہ

۴ غالب کی وہ تصانیف جو لکھنؤ کے طبع سے شائع ہوئیں

۵ اور اخبار سے غالب کا تعلق

۶ غالب کے لکھنوی ملازم

۷ لکھنؤ کی تعریف اور اس کی یادیں

۸ غالب کی تقسیم میں لکھنؤ کی ادبی خدمات

یہ وہ جہتیں ہیں جن کا مطالعہ غالبیات کا ایک اہم حصہ ہے۔ داخلی خواہد کی روشنی میں ان عنوانوں کا ذیل میں مختصراً تجزیہ کیا گیا ہے۔

غالب کا سطر لکھنؤ۔

لکھنؤ سے تعلق کی بنیاد تو مرزا کے والد عہدائے یک ہی کے زمانے سے پڑ چکی تھی جب وہ آصف آباد

(۱۵۷۷ء) کے عہد میں ان کے یہاں ملازم ۱۶۱ ہوئے تھے غالب کھستو کہیں کر پہلے اس کی مختصر روداد پچھ اس طرح ہے۔

نومبر دسمبر ۱۸۳۵ء کا زمانہ تھا مرزا اپنی پٹن کی وصولیاتی کے سلسلہ میں نواب احمد بخش خاں کے توسط سے سرحدارس ملکاف سے ملاقات کی فرض سے فیوض پرور گئے شہی قسمت وہاں ملکاف سے ان کی ملاقات نہ ہو سکی مرزا یہاں سے نامراد واپس چلا نہیں چاہتے تھے اس لئے کہ انہیں ڈر تھا کہ قرض خواہ اس بار انہیں ہرگز ملکاف نہ کریں گے۔ معاً انہیں خیال آیا کہ وہ نواب احمد بخش خاں کے وسیلہ کے بغیر یہ راست بھی تو انگریزی سرکار سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ اتفاقاً اسی درمیان نواب گورنر جنرل بہادر کے درود کی خبر پہیلی مرزا کو یقین تھا کہ سرحدارس ملکاف بھی ان کی پسرانی و استقبال کو آئیں گے۔ لہذا انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ کانپور جائیں اور وہاں سے ان کے ہمراہ واپس ہوں اور راستے میں کسی مناسب موقع پر اپنی بے بسی کا سارا حال کہہ سنائیں۔ شاید کہ دعا برآئے چنانچہ اسی ارادے کے تحت وہ فرخ آباد ہوتے ہوئے کانپور روانہ ہو گئے بد قسمتی سے وہ کانپور پہنچتے ہی تیار ہو گئے کانپور شہر میں انہیں کوئی مستقل معالجہ نظر نہ آیا چنانچہ ایک کرائے کی پاکی کے دیر وہ گنگا پار کھستو پہنچے۔ ملکاف حسین حالی [۲] کے بیان کے بموجب کھستو جانے کا خیال انہیں اس لئے آیا کہ کھستو کے بعض ذی اقتدار لوگ مدت سے چاہتے تھے کہ مرزا ایک بار کھستو ضرور آئیں۔ چنانچہ انہوں نے موقع غیبت سمجھا اور کھستو کا رخ کیا کھستو میں مرزا کے قیام کی مدت پانچ ماہ سے یکم دانہ ہے۔ یکم تحقیق ان کے قیام کی مدت کو گیارہ ماہ قرار دیتے ہیں اور اپنی بات کی تصدیق میں اس فارسی [۳] نثر کی تاریخ تحریر کا حوالہ دیتے ہیں جو وزیر اودھ آٹا میر کی تحریف میں لکھی گئی۔ ہرمال کھستو میں مرزا کے قیام کی مدت جو بھی دی ہو اس میں وہ راضی نہیں کہ اہل کھستو نے مرزا کے شانہ و شان ان کا استقبال کیا اور جنیب مرزا نے بھی مدت العمر اپنی یادوں سے فراموش نہیں کیا۔

دربار اودھ سے غالب کے تعلقات :-

غالب کے مشور و منظم ادبی کار ناموں میں شاہان اودھ و امراء اودھ سے متعلق متعدد حوالے موجود ہیں۔ ان میں سے غالب نے بعض بادشاہوں کی طرف سے ملی منفعت پہنچنے کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہاں اسی صورت حال کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

۱۔ معتد الدولہ آٹا میر:

کھستو کے زمانہ قیام میں غالب نے معتد الدولہ آٹا میر کی مدد میں ایک فارسی نثر منصف تھیل میں لکھی تھی۔ معتد الدولہ آٹا میر کے لئے لکھی گئی غالب کی ایک غزل بھی موجود ہے جس کا مطلع ہے

داں پہنچ کر تو فطش آتا ہے ہم ہے ہم کو
معدودہ آجنگہ زنیں ہوں قدم ہے ہم کو

اگرچہ موصوفان میں اس کے مطلع کا پہلا مصرع ”لے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب“ قرار ہے لیکن نثر شیرانی میں اس کی جگہ مسمائی ہے معتد الدولہ بہادر کی امیہ [۴] ”لکھا ہوا ملا ہے یہ مصرع اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ

غزل اول آغا میر کے لئے ہی لکھی گئی تھی، آغا میر نے غالب سے ملاقات کی خواہش [5] بھی ظاہر کی تھی۔ لیکن غالب کی ملاقات آغا میر سے نہ ہو سکی۔ اس میں غالب کی وضع داری کو زیادہ دخل تھا۔ کیوں کہ انہوں نے شرط لگا دی تھی کہ معتد الدولہ کفرے ہو کہ ان کی پذیرائی فرمائیں۔ نیز نقد خزانہ انہیں پیش نہ کیا جائے [6] آغا میر نے غالب کی یہ شرائط نہیں مانیں لہذا ان سے ملاقات نہ ہو سکی [7]

۲ آغا علی خاں مرزا:

معتد الدولہ آغا میر کے بڑے صاحبزادے آغا علی خاں مرزا سے بھی غالب کے تعلقات تھے۔ "بیچ آہنگ" میں ان کے نام غالب کا ایک خط ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ غالب نے اپنے منتخب دیوان اردو کے کچھ اور اق [8] ان کی خدمت میں بھیجے تھے۔

۳ نصیر الدین حیدر بادشاہ:

کلیات غالب میں "دوسرا شاہ جنت نکال نصیر الدین حیدر سلطان جاہ بادشاہ اردو کے عنوان سے ایک قصیدہ پایا جاتا ہے جس کا مطلع ہے۔

گر بہ سنبل کدو؟ روضہ رضوان رقم ہوس زلف ترا سلسلہ بجاں رقم
ہاگ رام نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ قصیدہ پہلے غازی الدین حیدر (۱۸۸۳ء-۱۸۸۷ء) اور آغا میر کے لئے لکھا گیا تھا لیکن غالب کی اناہیت آؤے آئی اور وہ اسے ان کی خدمت میں پیش نہ کر سکے، بعد کو انہوں نے اسے نصیر الدین حیدر کے نام کر دیا۔ قصیدہ کے اشعار کی تعداد ایک سو چار ہے۔

۴ امجد علی شاہ (۱۸۳۲ء-۱۸۸۳ء)

کلیات نظم غالب (فارسی) میں "دوسرا جہاں پناہ امجد علی شاہ اورنگ نصیر اردو دام ملک کے عنوان سے چھ اشعار کا ایک قصیدہ شامل ہے۔ اسے غالب نے امجد علی شاہ کے تحت نشینی کے موقع پر کہا تھا اور اسے اپنے ایک دوست نوروز علی خان کی وساطت سے ان کی خدمت میں روانہ کیا تھا اس کے چھ اشعار یہ ہیں:

شلوم کہ گردشی بہ سزا کرد روزگار ہے پادہ کام پیش روا کرد روزگار
ایں از بھوم لالہ دکن دیگر از شفق رتقین بساط ارض و سما کرد روزگار [9]
لیکن غالب کی قسمت نے یہاں بھی پادری نہ کی کیوں کہ امجد علی شاہ کا انتقال جلد ہی ہو گیا اور غالب کو اس کا صلہ نہ مل سکا اس واقعہ کا ذکر غالب نے غشی جواہر نگہ جوہر کے نام تحریر کردہ ایک خط میں یوں کیا ہے:

"..... کھنڈر کا لب اور عالم ہے، جس بادشاہ یعنی امجد علی شاہ کی مدح گوئی کرتا تھا اور میرے ایک دوست معتد الدولہ نوروز علی خان کو ان تک رسائی تھی، ان کی اچانک وفات ہو گئی ان کا بیٹا و امجد علی شاہ جواب تخت نصیر ہوا ہے بدحواس اور بے تدبیر ہے۔" [10]

۵. واجد علی (۶۶) شاہ اختر:

۱۷۷۷ء میں واجد علی شاہ اختر کو سید اشدا کی جانب سے یہ بشارت ہوئی کہ ہم قسارے لئے خاک شفا روانہ کر رہے ہیں۔ لہجہ اشرف کے مجتہد نے بھی یہی خواب دیکھا کہ خاک شفا انیس روانہ کی جائے (۶۷) فرض ۲۶ شعبان ۱۷۷۷ء کو یہ خاک شفا بڑے احترام سے کھینچ لائی گئی۔ غالب نے اس موقع پر کارواں بنی 'سارباں بنی' کے قافیہ دردلیف میں ساتھ اشعار کا ایک قصیدہ لکھ کر سلطان العلماء سید عمر کھنڑی کے ذریعہ واجد علی شاہ اختر کی خدمت میں پیش کیا جس کا مطلع ہے:

جاوہر کر جاتا تھی ستم سخن کارواں بنی کہ دروی آدم کل جبارا سارباں بنی
واجد علی شاہ کو یہ قصیدہ بہت پسند آیا اور انہوں نے غالب کو خلعت فاخرہ سے نوازا۔ غالب کی ذہانت میں موقع شناسی کو بڑا دخل ہے۔ چنانچہ قصاید کے سلسلہ میں انہوں نے اپنی اس ذکاوت سے بڑا قافیہ اٹھایا ہے۔ یعنی عموماً یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ قصیدہ تو دی رہتا ہے لیکن اس کا مصدح بدل جایا کرتا ہے۔ اور خرابی یہ ہے کہ وہ اپنی اس کھنڈری کو ہرگز چھپانا بھی پسند نہیں کرتے۔

چنانچہ امجد علی شاہ کی خدمت میں قحور کہ قصیدہ میں نام بدل کر انہوں نے اسے واجد علی شاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس کا ذکر بڑے غر سے وہ اپنے ایک خط میں یوں کرتے ہیں:

"میں نے اسی قصیدہ میں امجد علی شاہ کی جگہ واجد علی شاہ کر دیا۔ انوری نے بارہا ایسا کیا ہے اگر میں نے باپ کا قصیدہ بیٹے کے نام کر دیا تو کیا غضب کیا۔"

نوائین اودھ میں صرف واجد علی شاہ غالب کے اپنے مصدح تھے جن کی طرف سے غالب کی خاطر خواہ پذیرائی ہوئی۔ جس کا ذکر وہ یوں کرتے ہیں:

"چودہ پارہے کا خلعت ایک بار، لبوس خاص، شال و دودھال و دو شالہ ایک بار، پیش نگاہ عالم واجد علی شاہ سے انعام میں پایا۔"

قصائد کے علاوہ غالب نے واجد علی شاہ کے رسالہ "واجدیہ سلطانیہ" پر بطرز مشغی تقریر بھی لکھی جو ان کے کلیات میں شامل ہے۔ واجد علی شاہ کی طرف سے یہ سزاوارتہ کسری پانچ سو (۶۸) روپیہ سالانہ بھی مقرر ہوئے، لیکن غالب کی قسمت جتنے جتنے بھڑے بگڑی چنانچہ یہ رقم بھی غالب کو دو برس سے زائد نہ مل سکی، اس لئے کہ اس کے بعد اودھ کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اودھ کے سلسلہ میں غالب کا ایک قطعہ مریم کللی کے سہ روفاات سے حلقہ ہوتا ہے جس کے پہلے شعر میں ۱۷۷۷ء کا ذکر ہے شعر یہ ہے۔

ایک ہزار دو صد و شصت و شش لڑنیا کرشت ہائی شاہ اودھ مریم کللی نام او
عبدالرحمن مولف تیرم غالب نے اس قطعہ کو قادی اللہ علی حیدر کی زوجہ بادشاہ تھم غیب بہ مریم کللی سے منسوب کیا ہے۔ یہاں ان سے سو ہوا ہے اس لئے کہ بادشاہ تھم کی تاریخ وفات ۳ صفر ۱۷۷۳ء ہے۔ گمان غالب

یہ ہے کہ سنہ تاریخ محمد علی شاہ کی حکم 'کافق جگم غلب' بہ مریم مکنی کے لئے کسی مئی ہو گی کیونکہ ان کا سنہ وفات ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۵ء) ہے۔

۳ غالب کے لکھنؤی احباب اور ان کے لکھنؤی مکتوب الیہ:

مضمون کا یہ حصہ بذات خود ایک مقالہ کا خلاصہ ہے۔ اس لئے کہ غالب ایک مرتجعاں مرغی طبعیت کا مالک تھے اور ان کا حلقہ احباب خاصا وسیع تھا۔ نہ معلوم کتنے تو غالب کے عارفہ دوست اور مکتوب الیہ تھے۔ چونکہ وہ خط کو "نصف طاقت" کا ذریعہ سمجھتے تھے لہذا خطوط کا جواب بڑی پابندی سے دیتے تھے۔ غالب کے یہ خطوط مختلف نوعیتوں کے ہوا کرتے، کبھی تذکرہ تالیف کی بحث چھڑی ہوئی تو کبھی کسی شعر، اصلاح دی جا رہی ہے۔ کبھی انگریزی سرکار سے پیش نہ ہانے کا ذکر ہے تو کبھی اوروہ دربار سے صلہ نہ ہانے کا شکوہ ہے۔ کبھی "رتنا" کا ذکر ہے تو کبھی "مرگنہ" پر بحث چھڑی ہوئی ہے۔ کبھی لکھنؤ کے چھاپہ خانوں کا ذکر ہے تو کبھی کتابیں بچھانے کی بات چیت ہو رہی ہے۔ فرض خطوط کیا ہیں دل بھلی کا ذریعہ ہیں بقل خود "ہزار کوس سے بڑھان قلم بیٹھے باتیں کیا کہو اور بھریں وصال کے سوسے لیا کہو" (۱۲۷۱)۔ لکھنؤی احباب سے مرزا کے تعلقات کی سطح کیا تھی۔ مصر غالب کے سلسلہ میں یہ ایک اہم باب ہے۔ اس پر یہاں مختصراً روشنی ڈالی جا رہی ہے۔

فشی (۱۲۷۱) نول کشور

فشی نول کشور کی ہستی حلقہ تعارف نہیں، وہ اپنے مطلع کی وجہ سے آج بھی ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ مرزا غالب سے فشی نول کشور کا اولین تعارف "اورد اخبار" کے ذریعے ہو۔ مرزا کی تحریروں میں اس کا قدیم ترین حوالہ فشی شہر نرائن آرام کے نام ایک خط مورخہ ۳ نومبر ۱۸۷۳ء میں ملتا ہے۔ گمان غالب یہ ہے کہ جولائی ۱۸۷۳ء میں فشی میاں دلو خان سیاح کی وساطت سے فشی نول کشور سے مرزا کے براہ راست روابط قائم ہوئے ہوں گے۔ فشی نول کشور کے نام غالب کا ایک خط بہ زبان فارسی اسی تاریخ کا لکھا ہوا ہے جس میں سیاح کے ذکر سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ ان کے ذریعہ فشی نول کشور سے مرزا کی شناسائی ہوئی ہو گی۔ اس کا اردو ترجمہ پیش ہے:

"تھاکواہ ہے کہ آپ سے آج تک ملاقات نہیں ہوئی۔ مگر آپ کی محبت دل میں گھر کر چکی ہے۔ آپ کا خط ملا تو دیدہ و دل میں تکرار چھڑ گئی، آنکھ سولو تحریر کو سرورہ چشم دھانا جانتی تھی اور سوچا اسے دل اس سے روشنی کا ہوا تھا۔ میں نے دونوں میں مناسبت کھائی، نظر کے حصہ میں فردغ آیا اور دل کو فراغ نصیب ہوا۔ اب مجھے کافور و کفن سے کام ہے۔ یہاں داد خان سیاح کو دعا کہئے۔"

(جماد الثانیہ ۱۲۷۱ھ جولائی ۱۸۷۱ء)

فشی نول کشور سے غالب کی باضابطہ ملاقات ۱۸۷۰ء مطابق نومبر ۱۸۷۳ء میں ہوئی اپنے ایک خط میں اس کا ذکر یوں کرتے ہیں:

"اب کہ ۱۲۸۰ھ میں 'روشن دل' 'روشن طبع' صاحب موت فشی نول کشور نام آور کا اس دہرانے میں

جس کا نام شاہ جہاں اکبر ہے گزر ہوا اور وہ ازراہ درویش نوازی قریب خانہ پر تشریف لائے میں نے اس ملاقات کی شادابی پر اپنے آپ کو مہار کھلادی۔ [173]

مرزا کو ملٹی نول کشور سے کس قدر عقیدت تھی، ان کی تحریر میں اس کا ثبوت ہے۔ مرزا نے اپنے پیش تر خطوط میں ملٹی نول کشور کی سیرت و صورت کے حقیقی اعداد خیال کرتے ہوئے انھیں "فیثی نکریم" "لفظ مجسم" "خوب صورت" "خوش سیرت" "سماعت مند" "مستقل پند" زہرو کی صورت و مشتری کی سیرت جیسے توصیلی الفاظ سے یاد کیا ہے۔

ملتی سید محمد عباس بن سید اکبر علی شومتری

مشہور محدث اور علمی و قاری کے حید عالم تھے۔ تین سو سے زائد کتابیں تصنیف کیں۔ غالب سے ان کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ اور غالب نے اپنے خطوط میں ان کا ذکر بڑی محبت سے کیا ہے مرزا محمد عزیز فرماتے ہیں کہ ملتی صاحب کی مکمل میں مرزا کے قلمی خطوط چھاپاں تھے "ہادی عزیز کی رائے ہے کہ ان سے مرزا کی مراسلت ۱۸۳۳ء میں اس وقت شروع ہوئی جب غالب نے انھیں "کاظم برہان" "بیگم [174] کتاب کے علاوہ یہ عبارت درج تھی۔

"مکان پر۔۔۔ بہ مکان نواب باقر علی خاں صاحب موصول وہ خدمت تمام ممدودی جناب ملتی میر عباس صاحب زانو محمد متیل و دربارہ ہشتادان اطلاع رسیدن اور مغان حمایت مہذول ہا۔"

(مرسلہ چارم اگست ۱۸۳۳ء)

شیخ امام [175] بخش نارنج

نارنج ان طوٹ قسمت شعراء میں سے ہیں جن کی طرف غالب دوسرے شعراء کی بہ نسبت پہلے متوجہ ہوئے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ نارنج کی شاعری کا براہ راست تعلق ناصر علی پھول اور صاحب دلیو سے ہے نارنج کو اردو شاعری میں "نئے طرز" کا موجد مانا گیا ہے۔ غالب کو بھی اس کا اعتراف تھا۔ انہوں نے اپنے اردو دواغین کا جو قلمی نسخہ نارنج کو شبہ ۲ اگست ۱۸۳۳ء مطابق ۲۶ ربیع الاول ۱۲۵۰ھ کو ارسال کیا تھا۔ اس کی پشت پر غالب نے فارسی زبان میں ایک عبارت لکھی تھی جس میں نارنج کے لئے یہ جملہ بھی لکھا تھا:

"مسلما نارنج کہ در ضمن طبع نری مبتدا دوست و رشتہ عقل بدلی انگیزندہ (176)

شیخ امیر لطف سواد کے نام سے خط میں انہوں نے نارنج کو "نادر خیالان گھنٹہ" کے دوسرے میں شمار کیا ہے لکھتے

ہوئے

"اور ان اشعار سرسری دیکھے، جن اقراء کا کلام اس مجموعہ میں شامل ہے ان میں میں نے مرزا حیدر علی انصاف کو کمال پایا اور ان کی روش پند آئی کہ یہی انداز شیخ امام بخش نارنج، طوابع حیدر علی آمل اور دوسرے نادر خیالان گھنٹہ کا ہے۔ [177]

غالب نے نارنج کو صرف غزل گو کی حیثیت سے اہمیت دی ہے۔ نارنج کی وفات (۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۹ء) کے بعد مرزا حاتم علی مر کے نام ایک خط میں اس ضمن میں یوں اعداد خیال کرتے ہیں:

”بلخ مرحوم جو قصارے استاد تھے میرے بھی دوست تھے صادق اللہواتے تھریک تھے تھے‘ صرف غزل کہتے تھے‘ قصیدہ اور مثنوی سے ان کو کچھ علاقت نہ تھی۔“ [22]

بلخ کا دویہ بھی مرزا کے ساتھ ہمیشہ ہر دو دن رہا۔ وہ خط جس میں مرزا نے نصیر الدین عید کی مدح میں کئے گئے قصیدہ پر پانچ [23] ہزار روپیہ دینے جانے اور اس کے خود مید ہو جانے پر انکار خیال کیا ہے‘ بلخ کی طرف سے اس واقعہ کی چھان بین کا قصصانہ حوالہ ملتا ہے [24] بلخ اور غالب کے درمیان نہ صرف خط و کتابت کا رشتہ قائم تھا۔ بلکہ دونوں شاعروں نے ایک دوسرے کو دیوان بھی تحفے میں بھیجے [25] تھے۔ غالب نے بلخ کو اپنے منتخب اردو دیوان کا ایک قلمی نسخہ ۲۹ ربیع الاول ۱۰۵۵ھ کو ارسال کیا تھا۔ بلخ کو زمینوں میں غالب کی غزلیں اور بلخ کے بعض اشعار کے مضامین پر غالب کی غزلیں بھی دونوں کے دیوانوں میں موجود ہیں۔ یہ اس بات کا اشارہ ہیں کہ بلخ و غالب دونوں کے مطالعہ میں ایک دوسرے کا دیوان جیسا رہتا تھا تحصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”بلخ کھنڈی اور اردو غزل“ مختار و تحقیق از کاظم علی خان‘ ص ۱۶۱

۔ رجب علی بیگ سرور [26]۔

غالب نے اپنے مختلف خطوط میں سرور کا ذکر کیا ہے۔ کبھی وہ سیاح کو کہتے ہیں کہ ”میرا اسم اور لفظ کی ترکیب سرور [27] سے پوچھ لیا کہ“ کبھی تذکیر و تائید [28] کی بحث پر مشورہ دیتے ہیں کہ سرور سے رائے لے لیا کہ۔ کبھی سرور کی کتاب فائدہ و غائب پر انکار خیال کرتے ہیں تو کبھی ان کتاب ”مکرمات سرور“ پر تقریر [29] لکھتے نظر آتے ہیں۔ کاظم علی خان [30] نے انکوائے سرور“ سے داخلی شہادتوں کی بنا پر آٹھ ایسے نکاتسب کا پتا لگایا ہے جس کے مکتوب الیہ غالب ہیں اس تحقیق کے بعد تو یہ بات اور بھی قہر ہو جاتی ہے کہ وہ شخص جو خط کا جواب دینا اپنا اولین فریضہ سمجھتا ہو کہیں کہ ان خطوط کا جواب دینے سے باز رہا۔ بہر حال ہو سکتا ہے آئندہ کی تحقیق اس گوشہ پر کچھ روشنی ڈال سکے۔

امیر احمد [31] میثالی۔

امیر میثالی سے بھی غالب کے دوستانہ تعلقات تھے‘ اس دوستی کا آغاز رام پور سے ہوا۔ غالب نے اپنے دوستوں اور شاگردوں کو حادف کرانے میں ہمیشہ فراخ دلی کا ثبوت دیا۔ امیر میثالی کے ساتھ بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ ہوا ہوں کہ غالب کے ایک شاگرد غنی شیو زانن آرام ایک رسالہ ”معیار اشعار“ کے نام سے نکالتے تھے امیر میثالی نے اس میں اپنے کلام کی اشاعت چاہی اس وقت تک وہ زیادہ مشورہ نہ تھے۔ غنی شیو زانن نے مضرت کی کہ جب تک ان کا نام و پتا معلوم نہ ہو گا۔ کلام کی اشاعت نہ ہو سکے گی۔ غالب کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے غنی شیو زانن کو ایک خط لکھا اور اس میں ان کی پر زور تائید کی۔ لکھتے ہیں:

”یہ میرے دوست ہیں۔۔۔ امیر احمد ان کا نام ہے اور امیر گھس کرتے ہیں۔ کھنڈ کے ذی عزت باشندوں میں ہیں اور وہاں کے بادشاہوں کے دوستوں رہے ہیں اور اب وہ رام پور میں لوہا صاحب کے پاس ہیں۔

ان کی غزلیں قصارے پاس بھیجا ہوں میرا نام لکھ کر ان غزلوں کو چھاپ دو یعنی غزلیں غالب نے قصارے
نام بھیجیں اور اس کے لکھنے میں ان کا نام اور ان کا حال معلوم ہوا۔ اور اس کو "سعیار الشعراء" میں چھاپ
کر ایک دو ورق یا چار ورق رام پور ان کے پاس بھیج دے۔ [332]

سید العلاء سید حسین [33] علی عرف میرن صاحب :

سید حسین "مطراں باب سید ولد ار علی کے صاحبزادے اور سلطان العلاء سید محمد کے چھوٹے بھائی تھے غالب اور
سید حسین علی میں مراسلت تھی۔ غالب نے اپنے خطوط میں بیٹھ انہیں میرن صاحب کہہ کر خطاب کیا شاہ اودھ سے
وکیلہ حاصل کرنے کے لئے غالب نے ان سے عدولی تھی۔ غالب نے ان کی تاریخ وفات کسی یہ تاریخ نواب انور الدولہ
بشنق کے نام لکھے تھے ایک خط مورخہ ۳ ربیع الاول ۱۲۷۷ھ میں مرقوم ہے۔

"حسین ابن علی" آہدے علم و عمل کہ سید العلاء قتل خاتمش بودی

فائدہ دہائی اگر زندہ پنج سال دگر فم حسین علی سال مانتغن بودی

لکھے ہیں۔

"آپ کو معلوم ہے میرن صاحب نے انتقال کیا۔ میں نے ان کی رحلت کی ایک تاریخ پائی اس میں پانچ
برصے ہیں یعنی ۷۷۷ھ ہوتے تھے تخریج فی دوش کا خیال میں کیا میں تو جانتا ہوں ایسا ہے۔ دیکھوں آپ
پہنہ فرماتے ہیں یا نہیں۔ [34]

حاتم [35] علی بیگ مرزا :

حاتم علی بیگ مرزا کے دادا منہان سے ہجرت کر کے شجاع الدولہ کے عہد میں گھسٹو آئے اور رکن الدولہ کا خطاب
پایا۔ غالب اور مرزا کے درمیان بلوچہ دوستی تھی لیکن آپس میں بے حد بے تکلفی تھی۔ مرزا چاہاں کے عاشق تھے جب
اس کا انتقال ہوا تو غالب نے لکھا :

"عاشق کی نمود یہ ہے کہ بھٹوں کی ہم طرحی نصیب ہو" لعل اس نے سارے مری تھی اور قصاری مستور
قصارے گھر میں مری" یعنی مثل بچے غصب ہوتے ہیں جس پر مرتے ہیں مار دیکھتے ہیں یہ بھی مثل بچہ
ہوں۔ مری میں نے بھی ایک ستم پیشہ دوستی کو مار دکھا۔ خدا ان دونوں کو بخشے اور ہم تم دونوں کو بھی کر
دخم مرگ دوست کھائے ہوئے ہیں۔ [36]

ایک دوسرے خط میں انہیں یوں قلمی دیتے ہیں ذریعہ تحریر طبیعت کی عرونی توجہ طلب ہے۔

"کسی کے مرنے کا تم دو کہے جو آپ نہ مرنے کیسی اشک انشائی کہاں کی مریہ خوانی؟ آواز کی کا شکر بجاؤ

تم نہ کھاؤ اور اگر ایسی ہی اپنی گرفتاری سے خوش ہو تو چاہاں نہ سہی چاہاں سہی [37]

منہان علی خاں کنیوہ گھسٹوی

سبحان علی خان کے نام غالب کے تین فارسی خطوط (38) ملتے ہیں۔ سبحان علی غازی الدین حیدر کے دربار سے وابستہ تھے۔ اور مستند الدولہ آغا میر کے مزاج میں بھی ان کو کافی دخل تھا اور وہ دربار میں رسائی کے لئے سبحان علی خان کو یہ بھی غالب کا ایک ذریعہ رہے ہیں۔

مندرجہ بالا اشخاص کے علاوہ بہت سے دوسرے گھسٹری افراد ایسے ہیں جن کا غالب نے اپنے کسی نہ کسی خط میں کسی نہ کسی صورت میں ذکر کیا ہے۔ مثال کے طور پر "غالب علی خاں عینی گھسٹری" عزیز مفتی پوری "مرزا عباس بیگ" مرزا نور الدین شاہی "سراج الدین احمد" عزیز گھسٹری "شٹی جواہر سنگ جویہ" میراجہ حسین مسکن "عبدالوہاب گھسٹری وغیرہ۔

غالب کی وہ تصانیف جو گھسٹری کے مطبع سے شائع ہوئیں:

کسی بھی تصنیف کو قطب و زعدہ و پایندہ بنانے میں صلاح کا اولین دہل ہوا کرتا ہے غالب کی پیش تر تصانیف اشاعت کے لحاظ سے دلی اور گھسٹری کے مطبع کے وہیں منت ہیں لیکن غالب نے دلی کے مقابلہ میں گھسٹری کے مطبع کی عید ترقی کی اپنے ایک مکتوب دہلی ہر گاہ وقت میں لکھے ہیں:

"ہائے گھسٹری کے چھاپے خانے" جس کا دعوانہ چھاپا اس کو آسمان پر چڑھا دیا "حسن خط سے افکار کو چکا دیا" دلی پر "اس کے پانی پر نور اس کے چھاپے خانے یہ لغت صاحب دہلی کو ایسا یاد کرتے ہیں جیسے کوئی کتے کو آواز دے۔"

نول کشور پریس غالب کی کتابوں کا سب سے بڑا ناشر رہا ہے۔ یہاں سے غالب کی زندگی ہی میں ان کی کئی کتابیں شائع ہوئیں۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے:

قانع برہان:

نول کشور پریس سے شائع ہونے والی یہ غالب کی پہلی کتاب ہے جو ۱۸۷۳ء کو شائع ہوئی۔ غالب نے قانع برہان کی پچاس جلدوں کی قیمت اپنے ایک خط میں پچاس روپے بتائی ہے "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اس کی قیمت ایک روپیہ (38) فی جلد تھی۔ قانع برہان" کے جلوب میں جو اولیٰ معرکہ وجود میں آیا "اس کے جواب میں غالب کو کئی خط (40) رسائل چھپانا چاہئے اسے بھی نول کشور پریس کو بھیجا پڑا۔

کلیات غالب:

اس مطبع سے شائع ہونے والی غالب کی یہ دوسری تصنیف ہے جو ۱۸۷۳ء میں شائع ہوئی۔ اس کی قیمت اس وقت پانچ روپے فی جلد تھی۔ کتاب پر غالب کی تصویر بھی تھی۔ اس میں فارسی نثر میں لکھی ہوئی غالب کی تقریر نیز مثنوی "برگبار" بھی شامل تھی۔ غالب کے فارسی کلام کے سلسلے میں "کلیات غالب" مطبوعہ نول کشور پریس قطعاً ایک سعادت اہم ماخذ ہے۔

علی "دعا الصباح" [47] کا منظوم ترجمہ :

یہ شاعری حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منسوب ہے۔ غالب نے اسے اپنی حقیقی بہن "پھرونی خانم" کے فرزند میرزا عباس بیگ (اسٹوڈنٹ کونسلر کھٹور) کی قربانگی پر نظم کیا تھا۔ اس شاعری میں چھبیس صفحات ہیں۔ ترتیب یہ ہے کہ سب سے پہلے علی قلم سے عہدِ دعا کی نثر ہے۔ اس کے نیچے اس کا قاری نثر میں ترجمہ ہے اور پھر غالب کا قاری منظوم ترجمہ ہے۔ قاری نثر کا حصہ غالب کے قلم سے نہیں ہے، انہوں نے اس حصہ کی صرف نوک پلک درست کی ہے۔

کلیات نثر غالب :

یہ جنوری ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی۔ غالب کی زندگی میں نول کشور پریس سے شائع ہونے والی یہ آخری کتاب ہے۔ اس میں بیچ آہنگ "مرہم روز اور دختیہ شامل ہے اس کے بعد اس کے کئی لڑکھن اسی مطبع سے شائع ہوئے۔ غالب کی وفات کے بعد ان کی ہر کتابیں اس مطبع سے شائع ہوئیں ان میں "کلیات غالب" (جنوری ۱۸۷۸ء) "مرد ہندی" (دسمبر ۱۸۷۵ء) اور ۱۸۶۸ء (گیارہواں لڑکھن مطبع بیچ کار وارث مطبع نول کشور) کلیات غالب مرتبہ امیر حسن نورانی راجہ رام کمار بک ڈپو وارث مطبع نول کشور (۱۵ فروری ۱۸۶۸ء) دہان غالب اردو — جون ۱۸۷۶ء (بیچ کار وارث) بیچ کار پریس کھٹور دلیہ شامل ہیں۔ مطبع نول کشور کے علاوہ مطبع صدر مجلس کھٹور سے بھی ۱۸۸۲ء میں دہان غالب کی اشاعت ہو چکی ہے۔

اردو اخبار سے غالب کا تعلق :

"۳۳۰ اخبار" مطبع نول کشور کھٹور سے شائع ہونے والا وہ پہلا اخبار تھا جو سیاسی و ادبی ہر طرح کی خبریں چھاپنے میں سرفہرست تھا۔ غالب اردو اخبار سے ۳۳ نومبر ۱۸۵۹ء کے نکل ہی متعارف ہو چکے تھے۔ اس زمانے میں وہ اس کے مستقل خریدار نہ تھے بلکہ وہ اسے نواب ضیاء الدین احمد خاں خیر سے مستعار [42] لے کر پڑھتے تھے۔ چونکہ "۳۳۰ اخبار" میں ان کے مطابق "غزلیں ان کی کتابوں کے اشتادات نیز ان سے اور ان کے شاگردوں سے متعلق خبریں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ لہذا اس اخبار کا انہیں شدت سے انتظار رہتا تھا۔ کلیات نظم اور کلیات نثر کی اشاعت کے درمیان غالب کا ایک مختصر رسالہ موسوم بہ "اسماء غالب" بھی اردو اخبار کی دو اشاعتوں میں شائع ہوا۔ ۱۸۶۰ء سے وہ اردو اخبار کے مستقل خریدار نظر آتے ہیں۔ اس کی خریداری کے سلسلے میں فنی نول کشور کو اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"مشتاکی چندہ کے عرض مینہ میں چار بار اردو اخبار بھیجا جاسکتا ہو تو مجھے اس کی خریداری منظور ہے" [43]

"(مکتوب ۱۸۶۰ء)

غالب کے لکھنوی ملازمہ :

کسی بھی شاعر کی عصری آہنگی کے ضمن میں اس کے شاعروں کو ہرگز فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ غالب کے علاوہ کی تعداد خاصی ہے۔ مانگ رام نے علاؤ غالب کی ہر فرست چار کی ہے اس کے مطابق ان کی تعداد چالیس تک پہنچتی ہے یہاں صرف کھسڑی علاؤ ذمہ بحث ہیں۔

میر افضل (44) علی عرف سید صاحب افضل کھسڑی:

افضل کے دادا میر حیدر علی حیدر اور ان کے والد میر قاسم علی خاں قاسم بھی شاعر تھے۔ ابتدا میں والد سے استفادہ کیا بعد کو غالب کی شاعری اختیار کی۔ بعداً عاشق مزاج تھے فارسی میں بھی شعر کہتے تھے "فارسی کلام و ستیاب نہیں۔"

نمونہ کلام اردو ہے

کیا حق ہو کہ وہ دہقان سے اپنے کہہ دیں کوئی ہاں آنے نہ پائے مگر افضل نے
شرعی غضب اس شرع کی طاقت میں بھری ہے بھلی ہے "شرابہ ہے" چھلدا " ہے پری ہے
کھسڑی میں پیدا ہوئے۔ اپنے چچا زاد بھائی شاہ رضا (45) احمد رافت سے ہو اپنے وقت کے ہیرو عالم تھے بہت
تھے "ابتدا میں انہیں سے مشورہ خن بھی کیا۔ کچھ عرصہ مومن سے مشورہ خن رہا۔ بعد کو غالب سے اصلاح لی۔ اردو
فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے (46) غالب کے شاعروں نے عموماً ان کی دین میں شعر کہنے کی کوشش کی ہے
خوشید کے یہاں بھی یہ رجحان ملتا ہے۔ نمونہ کلام ہے۔

ہانا نہیں آنکھوں سے تصور بھی خوشید سوخو ہے ہر وقت وہ گویا مرے آگے
کہاں پہلو میں دل خوشید جس کو ہم قتل دیں جو کچھ تھا آنسوؤں کے ساتھ خون ہو کر نکل آیا
فارسی کلام کا نمونہ ہے۔

سوئی چمن ادوی دای پیدان خواہم در موسم گل ریخت فلک بال دیو ما
ای صبا! گشت آں رشک چمن ہازرماں مژدہ دولت دیدار من باز دہاں

ناصر الدین خاں عرف یوسف مرزا (47) ناصر کھسڑی:

نواب حسام الدین حیدر خان کے نواسے اور ناصر حسین مرزا کے بھائی تھے۔ ان کے والد سید محمد نصیر عرف نواب جان ۱۸۵۷ء کے بنگالے میں بنگال کے جرم میں پھانسی ہوئے اور ۱۸۸۰ء میں پھانسی کی سزا ملی۔ ناصر کی طبیعت میں عرفان کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ بات بات میں عرفان کا پہلو پیدا کر لیتے مثال کے طور پر اپنے چچا سید محمد رضا کے دوست نواب محمد رضی خان کو دھکی "سی" کو یا "ے" تانبہ مان کر چچا کے دوست کی صاحبیت سے پیش چلی کہتے دسے میر تمدی مکتوح نے تاریخ رقعات کی۔

چشمی گشت رضوان سنن رقعات یا سیدم درمشت بریں (۱۸۸۰ء)
کلام ضائع ہو گیا "صرف ایک شعر ملتا ہے

ترشے سے جوں کے بڑھ گئی توخیر جہری صم بن کر ہوئی مشہور یہ قصہ جہری
دہی دیال عرف فیب جی ٹائی گھسٹری:

گھسٹری کے رہنے والے پیش کے اخبار سے مراد ہے۔ اردو قاری دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ کلام گلدستہ
نور بہار میں جو سید سدی حسن عقل اور یعقوب علی خان نصرت کی ادارت میں گھسٹری اردو پر پس راجہ بازار گھسٹری
سے شائع ہوا تھا۔ دستیاب ہے انہوں نے بھی غالب کی زمینوں میں شعر کہنے کی کوشش کی ہے۔

دشمن جاں بھرے پہلو میں مرا دل نکلا جس کو میں دوست سمجھتا تھا وہ قاتل نکلا
ٹائی اب جان کسی طرح ضعیف بچنے کی ہاتھ میں چٹا لے کر سے وہ قاتل نکلا
نور قاری کلام

جنونی کو کہ باطوار ام آں طفل پری ہوا زندہ اور سر من سنگ دمن بنم رخ اورا
راہد قدسی زن کہ دہم بحر مغل را بچاؤ اویاے عقل ہر دہاں را (48)

مرزا محمد اکبر خاں خلدو قزلباش:

خلدو کی پیدائش (1855ء - 1888ء) کابل کی ہے لیکن قلم عمر گھسٹری میں گزری اس لئے انہیں بھی گھسٹری
خلافہ میں شمار کیا گیا ہے۔ غالب اور میر دذریعہ علی صبا سے کلام پر اصطلاح لی۔ گھسٹری سے جوں اور بحر خیال چلے گئے۔
جہاں ریاست پٹیالہ کی طرف سے انہیں سلطان شعراء کا خطاب عطا ہوا۔ اردو قاری دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے
نور قاری کلام

محمود ہے دافوں سے سرایا مرے دل کا مثل فخر طور ہے نقش مرے دل کا
نہ دیکھا ہو جس نے کبھی رقص نعل وہ آج آکے دیکھے تماشا ہمارا
قاری کلام کا نمونہ:

حسب بالغ جاں بہار' عظیم بوستان دلیر صبا عود و لہر' ہوا اور سنگ در ہاؤں (48)
گھسٹری کے قرب و جوار شاعر کاگوری اور بھگام سے تعلق رکھنے والے غالب کے خلاف کو بھی گھسٹری مانا گیا ہے
ان میں جو نام دستیاب ہیں وہ اس طرح ہیں:

سید غلام حسنین قدر (50) بگڑی والد کا نام سید خلف علی تھا جو بڑے ہی متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ قدر
بھگڑی شادی کے بعد گھسٹری آئے۔ پہلے شیخ امان علی عمر کے شاگرد ہوئے پھر غالب سے اصطلاح لی۔ ابتدا میں ہر دوئی
اسکول میں فارسی کے استاد ہوئے۔ بعد کو کینٹنگ کالج گھسٹری (جو اب گھسٹری یونیورسٹی ہے) قاری کے استاد رہے۔ یہاں
1888ء تک تقریباً ساڑھے تین سال درس دیا۔ انہوں نے ایک کلیات (مطبوعہ منیر احمد مطبوعہ 1888ء) یادگار چھوڑا
ایک شغری سبکی پے نقاد قدر بھی ان سے یادگار ہے۔ نقاد عربی کی شرح بھی لکھی۔

ہیں، یہ بھی اتفاق ہے کہ غالب کے کلام کی مشہور شرحیں کسٹوری میں لکھی گئیں، مثلاً

شرح دیوان غالب از علامہ سید محمد احمد بنجد موبائی:

یہ غالب کے ایک ممتاز شارح ہیں جن کی شرح غالب کے مکمل دیوان کی مفصل شرحوں میں بلند درجہ رکھتی ہے۔ بنجد نے جس وقت یہ شرح لکھی اس وقت نظم طباطبائی حسرت موبائی "شرکت میر غنی" واپس واپس اور سادہ آہی کی شرحیں منظر عام پر آچکی تھیں۔ بنجد موبائی نے شرح لکھتے وقت ان تمام شرحوں کو سامنے رکھ کر اس پر باقاعدہ نگاہ ڈالی۔ بنجد نے کلام غالب کی تشریح میں شعراے اردو قادی کے بلند پایہ اشعار بھی دیئے ہیں جس سے یہ شرح اور بھی وقیع ہو گئی ہے۔ بنجد نے یہ شرح ۱۸۸۳ء میں مکمل کر لی تھی۔ کسی وجہ سے اس کی اشاعت نہ ہو سکی۔ غالب صدی کے موقع پر سید سکندر آغا نے اسے نکالی پریس وکٹوریہ اسٹیٹ کسٹوری سے ۱۸۷۳ء میں شائع کرایا۔

مکمل شرح دیوان غالب از مولوی عبدالباری آسی:

حسب قرائن فیہر صدیق بک ڈپو امین آباد کسٹوری یہ غالب کے فیہر مبدعہ کلام کی مفصل شرح ہے، مولانا عارفی کے بیان کے مطابق اس میں غالب کا فیہر صدوق کلام بھی شامل ہے۔

شرح دیوان اردوئے غالب از سید علی حیدر نظم طباطبائی:

نظم طباطبائی کی یہ شرح بھی اقلیت کی حامل ہے۔ ۱۸۸۹ء میں ادارہ فردغ اردو کی جانب سے بھی شائع ہو چکی ہے۔

شرح طباطبائی اور تنقید کلام غالب:

پروفیسر سید مسعود حسن رضوی اصیب نے شرح طباطبائی اور تنقید کلام غالب کے نام سے طباطبائی کے مقرر لیکن نہایت اہم تنقیدی حیثیت کی ترتیب و تنظیم کی ہے۔ اور اسے محاسن کلام اور معائب کلام کے دو بابوں میں تقسیم کیا ہے۔

غالب کے جنت جنت کلام پر بھی شرحیں لکھی گئیں۔ ان میں مرزا جعفر علی خاں اثر کسٹوری کی "مطالعہ غالب" ستمبر ۱۸۸۲ء میں سر فراز قوی پریس کسٹوری سے شائع ہوئی اس میں غالب کی مختلف غزلوں کے پالیس اشعار کی شرح شامل ہے۔ طریقہ کار یہ ہے کہ اول "قول شارحین" کے عنوان کے تحت مختلف شارحین کے خیال کو پیش کیا گیا ہے پھر "عرض اثر" کے عنوان کے تحت خود شارح نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ اس میں غالب کے کلام کا انتخاب بھی شامل ہے۔ پروفیسر مسعود نے ۱۸۷۳ء میں غالب کے بیس شعروں کی شرح "تعبیر غالب" کے نام سے شائع کی ہے۔ اس میں غالب سے متعلق مضامین بھی شامل

ہیں۔

پروفیسر مسعود حسن رضوی ادب نے بھی غالب کے بعض اشعار کی شرح کی ہے۔

از لحاظ مضامین و کتب متعلق بہ غالب:

اس عنوان کے تحت غالب کے سلسلہ میں دو قسم کے مضامین اور کتب سامنے آئیں اول وہ مضامین و کتب جو غالب کی موافقت میں لکھی گئیں
دوم۔ وہ مضامین و کتب جو غالب کی مخالفت میں وجود میں آئیں

غالب کی موافقت میں لکھی گئی کتب و مضامین:

سید مرتضیٰ حسین فاضل کھنڑی نے "اردوئے معلیٰ" میں شامل غالب کے چار سو اسی خطوط کو انتخابی وقت کے ساتھ رام ٹرس و خاشاک سے پاک کر کے نہایت مفید حواشی کے ساتھ ۱۹۹۱ء میں مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع کرایا۔ ان کی دوسری کوش کلیات غالب فارسی کے سلسلہ میں ہے۔ اس کو بھی انہوں نے جدید ترتیب و قلمب کے ساتھ تین جلدوں میں ستمبر ۱۹۹۷ء کو مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع کرایا۔

اردو کے بلند پایہ محقق پروفیسر مسعود حسن رضوی ادب نے مرزا کے غیر مطبوعہ اور نادر مکتوبات و معلومات کو جمع کر کے اسے "مکتوبات غالب" کے نام سے شائع کرایا پہلی مرتبہ یہ کتاب ۱۹۸۳ء میں کتاب خانہ ریاست رام پور سے ہوا۔ ۱۹۹۹ء کو کتاب مگر کھنڑی سے شائع ہوئی اس کی تفصیل پروفیسر مسعود رضوی کے قلم سے "غالب بلند" جلد (۱) شمار ۳ (۱۹۷۷ء) میں شائع ہو چکی ہے۔

مرزا محمد عسکری (حزیم) تاریخ ادبیات اردو از رام بابو سکینہ نے بھی ادبی خطوط غالب کے نام سے ایک کتاب مفید حواشی کے ساتھ ادارہ فروغ اردو کھنڑی سے شائع کروائی۔

دور حاضر میں بھی قابلیت کے سلسلہ میں کسی نہ کسی صورت میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ اس سلسلہ میں صبر حاضر کے محقق کاظم علی (۱۹۵۱ء) غن کا نام ایک سترہ جلدی ہے۔ انہوں نے غالب کے آٹھ سو اکثر خطوط پر بڑی وقت تلاش و تلمیض کے ساتھ پانچواں تقریباً ہے۔ جو خطوط غالب کا تنقیدی مطالعہ کے نام سے ۱۹۸۸ء میں کتاب مگر کھنڑی سے شائع ہو چکی ہے۔ اس تحقیقی کام کے علاوہ انہوں نے غالب کے بعض نادر اور غیر معروف و پائیدار آثار کا بھی سراغ لگایا ہے۔ نیز غالب کے بعض غیر معروف شاعروں کے متعلق بھی معلومات فراہم کی ہیں۔

ہدایات غالب کے نام سے وہاب علی مدنی کی ایک کتاب ۱۹۹۸ء (بار دوم) میں ضمیمہ یک و دو لاہور رڈ کھنڑی سے شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں غالب کے متداول دیوان کے علاوہ جو بھی کام نضوء حیدر یا دیگر ذرائع سے منظر عام پر آیا۔ اس کا مختصر لیکن جامع انتخاب پیش کیا گیا ہے نیز اس کتاب میں غالب سے متعلق مضامین بھی شامل ہیں۔

ڈاکٹر سعادت علی صدیقی کی ایک کتاب جسے غالب کے نام سے ۱۹۷۷ء میں فروغ اردو کمیٹی نے شائع کی ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس کتاب میں غالب کی اس زندگی سے بحث کی گئی ہے۔ جو زنداں کی نظر ہوئی۔ ان کی ایک دوسری کتاب ”غالب پر چند تحریروں“ انجمن ترقی اردو دہلی نے شائع کی ہے۔ یہ کتاب غالب سے حلقہ ان کے مضامین پر مشتمل ہے اس سلسلہ میں غالب کی وفات پر کسی گہی اس رہائی کا ذکر بھی ہے محل نہ ہو گا جو میرا انس سے منسوب ہے رہائی یہ ہے۔

گزار جہاں سے ہار جہت میں گئے مروج ہوئے ہزار رحمت میں گئے
دعای علی کا مرتبہ اعلیٰ ہے ”غالب“ اسد اللہ کی خدمت میں گئے

غالب کی مخالفت میں لکھی گئی کتب و مضامین:

کسی بھی شخص کی صحیح تصویر عوام کے سامنے لایا جانے کے لئے ضروری ہے کہ تصویر کے دونوں رخ سامنے آئیں۔ بقل ڈاکٹر سجاد الزماں اس میں لکھتے ہیں کہ غالب اچھے شاعر اور اچھے ادیب تھے لیکن وہ فرشتہ نہ تھے، غلطیاں ان سے بھی ہوئیں اسی تناظر کے تحت غالب کی مخالفت میں مضامین اور کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ ان میں جنس انجمن کی ”غالب تصویر کا دوسرا رخ“ ایک ایسی کتاب ہے جس میں غالب کی مخالفت میں لکھے جانے والے مضامین کو اکٹھا کیا گیا ہے۔ اس میں یگانہ پنجیری، حلم لطافتی مولانا عبدالسلام عسکری، اثر کھستری حلقہ عبدالکیم، عبداللہ اک آردی اور خود جنس انجمن کے مضامین شامل ہیں یہ کتاب سرفراز قوی پریس کھستری سے نومبر ۱۹۷۹ء کو شائع ہوئی۔

مرزا یگانہ پنجیری کی ”غالب شکن“ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے یہ دراصل پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب کے نام ایک طویل خط ہے۔ پروفیسر رضوی نے یگانہ کو لکھا تھا کہ ان کی غالب دشمنی خود ان کے حق میں مضرت ثابت ہو رہی ہے۔ اس کے جواب کے طور پر غالب شکن دعوہ میں آئی۔

غالب کا ذکر کھستری تذکرہ نگاروں کے یہاں:

ان میں ”خوش مسرکہ زبیا“ [55] مولف سعادت خاں ناصر اور سرایا خن [56] مولف حسن علی حسن خاص طور پر قابل ذکر ہیں ”خوش مسرکہ زبیا“ [57] میں اسد اور غالب دونوں شخص کے تحت غالب کا ذکر کیا گیا ہے۔
تذکرہ ”سرایا خن“ میں سرایا کے اعتبار سے اصضائے بدن کی روایتوں میں شعراء سے فرمائش کی گئی غزلیں شامل ہیں۔ اس میں ”پانوں“ روایت میں کہ گئی غالب کی وہ مشہور غزل شامل ہے جس کا مطلع ہے۔

دھوٹا ہوں جب میں پہنے کو اس ہم تن کے پانو دکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر گئی کے پانو
”راج ان قریب“ از کلب حسین نادر میں بھی غالب کے حالات کا ذکر مسعود ہے۔ اسے پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب نے تذکرہ ”خوش مسرکہ زبیا“ کے نام سے ایڈٹ کیا۔

بہشت جمہوری قسیم غالب کے سلسلہ میں کھستری کے تحری و تجویحاتی سہی و اہلی غزلی تاریخ میں شاعر کو ہرگز فراموش نہیں کیا جاسکتا بلاشبہ اگر ایک طرف کھستری کے حوالے سے ”غالبیات“ کے سلسلہ میں اضافہ ہوا تو یہ بھی

- [illegible]

مالک رام

میرزا غالب

میرزا غالب سے ان کی زندگی میں بھی بار بار ملنے کا اتفاق ہوا۔ ہمارے خاندان کے ان سے بہت پرانے تعلقات تھے۔ بلکہ دور نزدیک سے کچھ عرصہ داری بھی تھی۔ میرے والد ان کے ہم عمر اور بھولی تھے۔ وہ دونوں بچپن میں شیخ معظم کے کتب میں اکٹھے پڑھتے تھے لیکن میری ملاقات ان سے بہت بعد کو ہوئی۔ میرزا صاحب میری پیدائش سے بہت پہلے ہی ۱۸۳۵ یا ۱۸۳۶ء میں آگرہ پہنچ کر دلی چلے آئے تھے۔ پھر اگرچہ اس کے بعد بھی وہ وہ ایک مرتبہ آگرے تشریف لے گئے، لیکن مغربی کے سبب ہیں ان کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا۔

ایک زمانے کے بعد جب کادبار کے حلقے میں پہلی بار میرا دلی آنا ہوا تو چلتے وقت والد مرحوم نے مجھ سے فرمایا کہ دیکھو، میرزا غالب کی خدمت میں ضرور حاضر ہونا اور ان سے میرا سلام شوق عرض کرنا۔ یہ خود ۱۸۵۷ء سے چار سات برس پہلے کا ذکر ہے۔ گرمیوں کا زمانہ تھا۔ میرزا صاحب ان دنوں مال کواں میں حضرت مولانا نصیر الدین عرف میاں کالے کی حویلی میں رہتے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں ان پر ہوا خانہ قائم کرنے کے جرم میں مقدمہ چلا تھا۔ اس کے نتیجے میں وہ تین مہینے قید خانے میں رہے تھے۔ جب قید سے رہا ہوئے تو میاں کالے صاحب انہیں اپنے پاس لوالے گئے۔ میرزا صاحب نے بہت کہا کہ حضرت! آپ میرے بزرگ اور خدمت ہیں، میں آزاد مخلص قوی ہوں، میرے یہاں رہنے سے آپ کو تکلیف اور پریشانی ہوگی، لیکن میاں کالے ایک ضمیمے اور مجبوراً میرزا صاحب کو ان کے مکان پر قیام کرنا پڑا۔ ہمیں وہ مشہور لطیفہ پیش آیا تھا کہ ایک دن ایک صاحب مزاح پر سی کے لئے حاضر ہوئے اور مہارک باد دی کہ شکر ہے، خدا کے فضل سے آپ قید سے آزاد ہوئے! اس پر میرزا بولے، لیکن مجھ کو آزاد ہوا ہے! پہلے گورے کی قید میں تھا، اب کالے کی قید میں ہوں۔" میرزا غالب اس مکان میں ستمبر ۱۸۵۷ء سے لے کر مارچ ۱۸۵۸ء تک رہے تھے۔

یہاں دلی میں کام سے مجھے اتنی فرصت نہ ملی کہ جلد ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ لیکن یہی فکر تھی کہ میں نے واپس گیا تو قبلہ والد صاحب ناراض ہوں گے۔ اس لئے ہوں توں کر کے واپسی سے ایک دن پہلے مغرب کے قریب ان کے مکان پر گیا اور اطلاع کرائی۔ ملازم مجھے اندر لے گیا۔ باہر صحن میں سونڈھے بچے تھے، ایک تخت بھی قریب میں پڑا تھا۔ میرزا غالب صاحب ایک سونڈھے پر بیٹھے تھے۔ بعض اور اصحاب دوسرے سونڈھوں پر تشریف رکھتے تھے، میں ان میں سے کسی کو پہچان نہیں تھا، بعد کو معلوم ہوا کہ ان میں صاحب خانہ حضرت میاں کالے تھے، احرام اللہ، حکیم احسن اللہ خان تھے، نواب مصطفیٰ خان شیخو، نواب ضیاء الدین احمد خان تھے۔ اور بھی دو تین صاحب بیٹھے تھے۔ میں نے بھی کر آداب عرض کیا اور چپکے سے ایک طرف تخت کے سرے پر بیٹھ گیا۔ میرزا صاحب نے بے تکلفی کے

لجے میں فرمایا: "آئیے، آئیے" تشریف رکھئے، فرمایا ہے۔" میں نے اپنا نام بتایا اور عرض کیا کہ میں اکبر آباد کا رہنے والا ہوں اور صرف سلام کو حاضر ہوا ہوں۔ اس پر وہ مسکرا کر یکھ کھنے کو کہے کہ ماسلوم حاضرین میں سے کس نے کوئی سوال کر دیا اور وہ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ میں بھی خاموش ہو گیا۔

میرزا صاحب کا سن پچاس سے اوپر تھا، چڑا پگلا باز، داڑھی منچا چٹ، بازو ہار یک سر بھیں جنہیں تھوڑے رکھا تھا، بڑی بڑی گلابی آنکھیں، سرخ و سپید رنگ، جس میں چھٹی رکھ تھی، سر پر لے لے چٹھے، قلموں پر لکھتے ہوئے بال، سر پر ایک پلے کی ہلکی سی ٹوپی جس پر کشیدہ کا کام تھا، بدن پر تن زیب کا انگرکھا اور نیچے ایک بر کا سپید پاجامہ، پاؤں میں گھٹنلی جوتی، ہاتھ میں جھونان کی منک تھی اور کش لگا رہے تھے۔ نواب شیخہ چالیس سے اوپر تھے۔ ان کے چہرے سے محنت اور سنجیدگی چلتی تھی، ہاتھ بہت شمر شمر کر کرتے تھے۔ نواب فیاد الدین خان ان دونوں جہان تھے، تمیں کے لگ بھگ ہوں گے۔ ہار عجب کٹائی چو، بھری بھری داڑھی، شریقی آنکھیں۔ حکیم امین اللہ خان اور مولانا نصیر الدین دونوں بزرگ بڑی نورانی شکلوں کے مالک تھے۔ حالانکہ حاضرین میں سب وجیر اور بلوچار لوگ موجود تھے، پھر بھی اس سارے مجمع میں میرزا صاحب کی شخصیت خاص طور پر نمایاں تھی۔

دیر تک لوہر اوہر کی تھکوتہ ہوتی رہی۔ کچھ شعر و شاعری، کچھ قصوف، کچھ قتلے کے لطیفے، غرض کہ دو گھڑی بڑے لطف کی صحبت رہی۔ اس کے بعد انہاں رخصت ہونے لگے، میں اس انتظار میں رہا کہ ذرا فراغت اور یکسوئی ہوئے تو اپنا قارف کراؤں۔ چنانچہ جب سب صاحب رخصت ہو گئے تو میں نے جرات کر کے گزارش کی کہ میں خاص طور پر حاضر خدمت ہوا ہوں۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ میں کون ہوں تو بڑے تپاک سے بٹے۔ دیر تک حضرت والد صاحب قبلہ اور آگرے کے دوسرے انہاں کا حال پوچھتے رہے۔ پھر پوچھا کہ کہاں اترے ہو، اور کب تک قیام ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ایک عزم کے یہاں پہاڑ تلخ میں ٹھہرا ہوا ہوں اور انشاء اللہ کل واپس جا رہا ہوں۔ فرمایا کیا معنی کہ وہ عزم ہیں اور میں دشمن تھا۔ میاں تھیں اپنے اور ہمارے خاندان کی آمیزش کا حال کیا معلوم! ہمارے والد تو میرے لنگڑھٹے بار ہیں، ہم کتب میں کرنا اور مصلحت ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ دن بھر ایک ساتھ کھیلتے تھے اور ایک کو دوسرے کے بغیر نہیں تھیں، آتا تھا۔ ہمارے والد پڑھنے کھینے اور آسوتنے میں بہت ہوشیار تھے۔ آتا کیا زمانہ تھا، وہ بھی۔ میں نے باقاعدہ طور پر کتب جانا اور پڑھنا کھینا، دس بارہ برس کی عمر سے پہلے ہی پھوڑ دیا تھا۔ اس پر بڑے خان صاحب (یعنی خواجہ غلام حسین کیدان، مرزا صاحب کے نانا جان) بہت خفا ہوئے۔ والدہ بھی بہت ناراض ہوئیں۔ امیں نے بھی سمجھایا لیکن بیکار۔ معلوم نہیں، میرے سر پر آوارگی کا بھوت کچھ اس بری طرح سوار تھا کہ کچھ اثر نہ ہوا اور میں نے دوبارہ کتب کی طرف منہ نہ کیا (پھر مسکرا کر کہنے لگے) اب سوچتا ہوں کہ شاید کچھ ایسا بڑا نقصان بھی نہیں ہوا، بلکہ وہ تعلیم جاری رہتی تو زیادہ سے زیادہ بھی ہو تاکہ لوگ مجھے عالم اور مولوی کہنے لگتے۔ لیکن جتنا علم مجھے اب ہے، اس سے کیا لائدہ حاصل ہوا کہ مزید کی آرزو ہو۔ چالیس برس کی بک بک ہے۔

کھلا کہ قائمہ عرض ہنر میں خاک نہیں

اسی طرح تھوڑی دیر باتیں کرتے رہے، کچھ کچھ سے، کچھ اپنے آپ سے، جب میں نے اجازت چاہی تو فرمایا:

بھائی کو سلام شوق کے بعد کہنا کہ دل ان کے دیکھنے کو بہت چاہتا ہے اور یہ شعر سنانا:

ماذت دیدار' نظام کرشمہ

محقق تو دیدن دشمنان نفسانہ

اور ہاں دیکھو۔ اب کے جو دل اُٹا ہو تو میرے ہی پاس نصیب۔ اس میں خلف کی کوئی بات نہیں۔ اسے بھی اپنا ہی گھر سمجھو۔

(2)

دوسری بار میں نو دس مہینے بعد ۱۸۵۳ء کی گرمیوں میں دلی آیا اور جرات کر کے میرزا صاحب کے مکان پر چلا گیا۔ میں نے اپنے آنے کی اطلاع انہیں پہلے سے دے رکھی تھی۔ وہ ان دنوں بی مادرین میں حکیم محمد حسن خاں کی عریلی میں کرائے پر رہتے تھے۔ یہ مکان بہت ہوا دار اور مشرق سے کھلا تھا۔ اس لئے دریا کی طرف سے خوب ہوا آتی تھی۔ محل سرائے اور دیوان خانہ بھی الگ الگ تھا لیکن اس میں ایک نقص تھا کہ کمرے بہت چھوٹے چھوٹے تھے۔ میں پہنچا تو میرزا صاحب بڑی گرجوشتی سے ملے اور فرمایا کہ میں بہت خوش ہوا کہ تم نے اسے اپنا گھر سمجھا۔ تمہارے والد میرے بھائی ہیں اور تم میرے بھتیجے اور بیٹے ہو۔ باہر فرمایا: دیکھو کوئی شرم اور خلف کی بات نہیں، کسی شے کی ضرورت ہو تو بے جھجک مانگ لیجاؤ۔ اگر کھانے میں کوئی خاص چیز پکانے کی خواہش ہو تو وہاں سے کہہ دو، کپکپاے گی۔ اب تو' تمہیں تمہاری بچی کے پاس لے چلوں۔

اس کے بعد وہ مجھے اندر بیگم صاحب کے پاس لے گئے۔ وہ اس وقت زمین العابدین خاں عارف مرحوم کے دونوں صاحبزادوں، باقر علی خان اور حسین علی خان کو کھانا کھا رہی تھیں۔ باقر علی خان اس وقت پانچ چھ برس کا تھا اور حسین علی خان دسواں تین سالہ۔ باقر علی خان، مستقل طور پر رہتا تو اپنی دادی اماں کے پاس تھا، لیکن اس وقت جو مرضی کچھتے کچھتے اوجھڑا لگا تھا۔ حسین علی خان البتہ میرزا صاحب ہی کے ساتھ رہتا تھا۔ میرزا صاحب نے میرزا عارف کرایا اور کہا کہ یہ میرے عزیز ہیں اور رشتے میں بھتیجے ہوتے ہیں۔ کسی کام سے یہاں آئے ہیں، تمہارے پاس قصریں کے ذرا دیوال رکھنا، انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ میں آداب نبھا دیا۔ بیگم صاحب نے دعاوی اور فرمایا: "بیٹا، خلف کا خانہ غراب۔ اگر تمہیں کوئی چیز چاہئے تو کسی نوکر سے کہہ دو، یا مجھے اندر کھلوا بھیجو۔ میا ہو جائے گی اور اگر شراب شری میں دے، تو تم جانو۔"

میں شام کے قریب پہنچا تھا اور سفر کی تھکان کے سبب میری آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ اشتہا بھی نہیں تھی۔ میرزا صاحب نے کالے غن (عوف کلو) دار دے سے کہا: "دیکھو، آپ کا ہنگ باہر کے دالان میں لگا دو اور پانی کا لونا پاس رکھ دو، تاکہ صبح جاگنے کی ضرورت نہ رہے، میں کھانا دے دوں گا ہی، بہتر ہوتے ہی سو گیا۔"

اگلی صبح اٹھا تو دیکھا کہ میرزا صاحب مجھ سے پہلے جاگ چکے ہیں اور ابھی انہی دیوان خانے میں اُپر بیٹھے ہیں۔ میں بھی ہاتھ منہ دھو، آداب عرض کر کے، ان کے پاس جا بیٹھا۔ دیوان خانے میں سفید چاندنی کا فرش ہو رہا تھا۔ صدر میں قالین اور دو تین گاؤں تھکے لگے تھے۔ ایک طرف قرینے سے گھن میں چھپا ہوا رکھا تھا۔ قالین کے کنارے،

ہانڈی کا پانڈاں چڑھا تھا۔ کمرے میں تین چار بھل کے انگدان تھے اور ایک کونے میں بڑی سی چٹائی دھری تھی۔
 تھوڑی دیر میں وقار ملازمہ اندر سے سرپوش لٹکا ہوا ایک لوٹا اور دو خالی گلاس لائی، اور انہیں کالین کے پاس رکھ
 کے چلی گئی۔ میرزا صاحب نے مجھ سے پوچھا: کیوں بھائی، حصہ کو گے میں نے شکر یہ لودا کیا اور پوچھا کہ کیا ہے۔
 کہنے لگے: ہدام اور مصری، کوئی حرام چیز نہیں۔ بات یہ ہے کہ زمانہ سے مجھے گرمی کی شکایت ہے۔ حکیم صاحب نے
 کہہ رکھا ہے کہ دلت کو چندہ ایک ہدام پانی میں بھگو دو، صبح چھلکا اتار کر انہیں خوب ٹھوٹ لو اور اسے شیرہ میں
 گلاس بھر مصری کا شربت ملا کر پی جاؤ۔ چنانچہ گرمی ہو کہ ہالازا، مردانہ صبح فارم منہ، یہ ٹھنڈا پانی پیتا ہوں اور حقیقت
 یہ ہے کہ اس سے دن بھر طبیعت میں تازگی اور فرحت محسوس کرتا ہوں۔ اس حید کے لئے مصری خاص طور پر بیانیہ
 سے منگواتا ہوں کہ وہاں کی مصری صاف اور خشک اور مٹھاس میں خوب ہوتی ہے۔ یہاں جو مصری بازار میں ملتی ہے
 اس میں نمی ہوتی ہے۔

ہم ابھی بیٹھے باتیں ہی کر رہے تھے کہ ڈاکیا آیا اور تین چار خط دے گیا۔ میرزا صاحب خط پڑھنے اور خط چڑھنے
 لگے۔ ان میں ایک خط غالباً "مفتی برگہال" فقہ کا تھا جنہیں وہ میرزا فقہ کہتے تھے۔ دوسرے بریلی والے قاضی
 عبد الجیل کا تھا۔ دو اور خط اب یاد نہیں رہا کہ کن کے بتائے تھے۔ تیسرا خط چھوٹے قلم سے لکھا گیا تھا: "میرزا صاحب، میں تو
 اب تھکے جاتا ہوں دس بیٹے تک دائی ہو گئی۔ تم جاؤ، یہاں بیٹھو، جاؤ کھوٹے چلے جاؤ، قلم سے دائی پڑ کھانا کھاؤ
 گے۔ اگر چاہو، تو اس وقت تک کمرے پہنچ جاؤ۔ میں میر کے لئے باہر جانے ہی والا تھا کہ میرزا صاحب کے دو تین
 ملاقاتی آ گئے۔ ایک تو میر افضل علی عرف میرن صاحب کے خربزہ گوار جناب مولوی مظفر علی صاحب تھے، دوسرے
 پندت شیوا جی رام سولس میرزا صاحب کے شاگرد تھے۔ ان کے ساتھ ان کا نو جوان بیٹا بال کند بھی تھا۔ مولوی مظفر
 علی تو اسی محلے میں میرزا قربان بیگ کے مکان میں رہتے تھے۔ میرزا صاحب کے مسکن اور ان کے گھر کی درمیان ایک
 میر خیرات علی کی چوٹی تھی۔ پندت شیوا جی رام کا مکان کچھ فاصلے پر کوچہ پندت میں تھا۔ تھوڑی دیر بعد میر احمد حسین
 میٹھس آ گئے۔ یہ بھی میرزا صاحب کے شاگرد تھے۔ ان اصحاب کو دیکھ کر کچھ حق تازہ کر کے لے آیا۔ سب نے کچھ
 سے کھا کر تنگم صاحب کی خدمت میں ہمارا آداب کھلا دو۔ کھانے آواز دے کر وقار لوٹتی کو بلوایا۔ معلوم ہوا کہ
 وہ باہر سودا سٹاپ لینے گئی ہے۔ نیاز علی چھو کر سے نے جھانک کے پوچھا: کیوں دامدہ بی، کیا چاہئے؟ کھانے جواب دیا
 اپنے "تنگم صاحب سے یہ کہو کہ مولوی مظفر علی صاحب اور میر احمد حسین اور پندت شیوا جی رام آداب کہتے ہیں اور
 پندت بی کا ساتھ زور ہال کند بندگی عرض کرتا ہے۔ جب اندر اطلاع ہوئی تو دو گھوڑوں کی کھلی لئے آئی اور کہا کہ
 تنگم صاحب سب کو آداب اور ہال کند کو دعا کہتی ہیں اور یہ کہا ہے "میرزا صاحب اب آئے جاتے ہیں۔ آپ بیٹھے
 اور حق چیتے اور پان کھائیے۔ ہم سب بیٹھے کپ کر رہے تھے کہ وہی بھگ میرزا صاحب تھکے سے
 لوٹے۔ سب نے کھڑے ہو کر آداب عرض کیا۔ وہ صدر میں مولوی مظفر علی کے پاس بیٹھ گئے اور گئے ایک ایک سے
 گھر بار کا حال پوچھنے مولوی صاحب سے پوچھا کہ میرن صاحب کہاں ہیں اور کیسے ہیں؟ پندت شیوا جی رام سے
 دریافت کیا کہ کو "تھارے محلے میں اب موسی بخار کا کیا حال ہے؟ ہال کند سے اس کی تعلیم سے متعلق سوال کیا۔

میکھنے سے اس کے گردنوں کا پوچھا کہ شرمیں ہیں یا اپنے نیچے ہرام پر گئے ہوئے ہیں۔ باتیں ہو رہی تھیں کہ اندر سے نیاز علی نے اگر اطلاع دی کہ کھانا تیار ہے، 'تھم ہو تو نکلوایا جائے۔ اس پر دوستوں نے اجازت چاہی اور میرزا صاحب اور میں دونوں بچوں کے ساتھ اندر گئے۔

اندر ایک دالان میں فرش پر دسترخوان بچھا تھا۔ کھانے میں بننا ہوا گوشت تھا، قیہہ بھرے کرپٹے تھے، 'بروائی پلاؤ' تھا اور ایک 'ترکاری تھی'، روئے کا طوطہ تھا، دو تین قسم کا سرکہ اور تیل کا اچار تھا لیکن ایک بات عجیب دیکھی کہ تھے اور گوشت 'ترکاری' سب میں پننے کی دال پڑی ہے۔ دالے میں کم اور گوشت 'ترکاری' میں زیادہ۔ میرزا صاحب نے 'ترکاری' کو تو ہاتھ بھی نہیں لگایا، 'وہ ایک ٹوالے کرپٹے کے ساتھ کھائے'، قہوڑے سے چاول بھی پیچھے۔ البتہ گوشت بہت رغبت سے کھایا اور کافی مقدار میں کھلایا۔

جب کھانا کھا چکے تو اٹھے۔ دوا پانی کا لٹا اور میسن کی کنوڑی لے آئی۔ آپ نے میسن سے ہاتھ دھو لئے کہ ہاتھوں کی پچھتاہٹ چھوٹ جائے۔ باہر دالان خانے میں آئے اور پنگ پر دروازہ ہو گئے۔ فرمایا، 'نیند نہیں آتی'، لیکن لینے کی عادت ہے۔ جب تک وہ ایک گھنٹے آرام نہ کر لیں، 'نہ کھلائی'، بھم ہوتا ہے، 'نہ کوئی کام ہی کرنے کوئی چاہتا ہے۔ پنگ پر لینے جتنے کے کسل لگاتے رہے۔ میں فرش پر بیٹھا تھا پوچھنے لگے: 'کوئی انہیں سیر کھائے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ 'نفلے ہی والا تھا کہ یہ دوست آگئے اور ان کی خاطر سے رک گیا۔ فرمایا: 'واہ' اس کی کیا ضرورت تھی؟ وہ بیٹھتے تم اپنے کام پر چلے جاتے۔ میں ایک زمانے سے ہلوم ہر روز صبح کے وقت تھکے جاتا ہوں، بالخصوص جب سے حضرت علی بھائی نے خانہ ان قمر کی تاریخ گھنٹے پر مقرر کیا ہے۔ یہ بلا تاہر کا دستور ہے۔ میری غیر حاضری میں بھی ہمیشہ وہ ایک دوست یہاں موجود ہوتے ہیں۔ حق بیا، 'پان کھلایا'، کبھی کوئی خاص ملنے والے ہوں تو 'تھاری پگی چاہیں' تو انہیں کھانے کو بھی بھیج دیتی ہیں۔ جب لوٹ کے آتا ہوں تو ان سے 'دو گھڑی کی مجلس دیتی ہے۔

یہ وہ زمانہ ہے، 'جب حضرت جنت مکانی بہادر شاہ ظفر بہت بیمار ہو گئے تھے اور ان کی جان تک کے لالے پڑ گئے تھے۔ اگرچہ اب بیماری کی وہ خطرناک صورت تو نہیں رہی تھی اور پہلے سے کچھ طاقت تھی، لیکن ابھی ان کی حالت تشویش سے خلل نہیں تھی۔ اس لئے میں نے پوچھا کہ حضرت بادشاہ سلامت کی صحت اب کیسی ہے؟ کہنے لگے: 'عجیب علاج معالجہ کر رہے ہیں اور حالت آگے سے بہتر بناتی جاتی ہے، لیکن خطرہ پوری طرح رفع نہیں ہوا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا ہونے والا ہے۔ ان کا دم ٹھیک ہے۔ آج بھی جب میں گیا ہوں تو غراب گاہ ہی میں حاضری ہوئی۔ ولی مد بہادر میرزا فخر بھی وہاں بیٹھے تھے۔ میرزا سلیمان شکوہ کے چہرے میرزا نور الدین، 'گھنٹو' سے آئے ہوئے تھے، 'وہ بھی تھے۔ یہ رشتے میں اعلیٰ حضرت کے بچھے ہوتے ہیں اور اپنے والد میرزا کام خاں اور دادا کی طرح شیعان اہل بیت میں سے ہیں، 'حکیم احسن اللہ خان بھی موجود تھے۔ وہ ایک مصاحب بھی دست بستہ کھڑے تھے۔ میں نے اطلاع کرائی تو اندر چالے کی اجازت ملی۔ میں نے ہلکا عرض کیا اور ایک طرف بہت کرکڑا ہو گیا۔ کنوڑی کا کچھ نہ پرمو، 'کھانے نہیں جاتے۔ پہلے ہی کون سے سامان زمین تھے۔ ہر عمر کا قضا۔ ہوں سمجھو کہ اس اگلے شعبان میں اسی برس کے ہو جائیں گے۔ وہی سہی کمر' بیماری نے پوری کر دی۔ سوکھ کر کھانا ہو گئے ہیں۔ بہت رک رک کر وہ

ایک باقیں کیں۔ ارشد فرمایا۔ آج ایک عجیب بات ہوئی فجر کی نماز کے بعد یحییٰ ذرا میری آنکھ جھپک گئی تو میں نے دیکھا کہ حضرت عباس علیہ السلام کی درگاہ پر علم چڑھا رہا ہوں۔ اس پر میرزا نور الدین نے عرض کیا کہ جہاں پتہ؟ یہ دنیا صادق اور اشارہ نہیں ہے۔ اس خواب کو ظاہر میں پورا کرتا چاہئے۔ فرمایا: بہت اچھا۔ خدا نے ہمیں صحت دی تو ہم حضرت کی درگاہ پر سونے کا علم چڑھائیں گے۔ سب حاضرین نے خوشی کا اظہار کیا اور دعا کی کہ شافی مطلق جلد صحت بحال کرے اور حضور والا اپنی تخت پر دری کریں۔

پھر فرمایا: ایک بات میری یاد رکھو۔ خدا ان پر فضل کرے گا اور اب یہ اچھے ہو جائیں گے۔ میرا یہ ایمان ہے کہ جو شخص بھی اہل بیت سے محبت کرے گا، خدا اس سے محبت کرے گا۔ وہ دو ڈھائی بیگے اٹھے، ہاتھ منہ دھویا اور چائین پر آن بیٹھے۔ پہلے تھوڑی دیر حد پیتے رہے، پھر دوستوں کے خطوط کے جواب لکھے۔ لیکن گرمی اس بڑا کی تھی کہ اس دوران میں انہوں نے تین چار بار پانی پیا ہو گا۔ ٹھٹھے پانی کی صراحی، جس پر صافی لٹھی ہوئی تھی، پاس رکھی تھی، اسے اٹھاتے اور تھوڑا سا آٹھوڑے میں اتریل کر لی لیتے۔ پانچ بیگے کے قریب داندھہ پی کر بلاوا اور علم دیا کہ دیکھو، میاں کلو، اب گرمی بہت ہو گئی ہے۔ دھڑک رہا ہوں بیٹھنا مشکل ہے۔ کل سے داری اندر کی کو ٹھوڑی تیار کروا دو اور خس کی تھی کا بھی انتظام کر دو۔ ذرا خیال رکھنا، خس تیز اور پھوٹی پھوٹی ہو۔ جس میں پانی دیر تک ٹھہرنے اور فریو ہو گی ہو۔ اور اب برف کا ذخیرہ رکھنا چاہئے۔ میرزا صاحب اپنے علم انکام ختم بھی نہیں کر چکے تھے کہ کلیان کنار نے آکر اطلاع دی کہ ابھی ابھی باہر صدر الصدور کی پانگی سے اترے ہیں۔ یہ سنتے ہی میرزا صاحب جھٹ سے کھڑے ہو گئے اور صدر دودھانے تک جا کر مفتی صدر الدین خاں آزاد کی پیرائی کی۔ باہر مچن میں موڑھے بچے تھے۔ پہلے مفتی صاحب کو ایک موڑھے پر بٹھایا، پھر ٹوڈ بیٹھے۔ میں بھی ایک تخت پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد بچے بعد دیگرے بیٹھے، صہبائی، نیر بخش، داغ اور تعمیر بھی آ گئے۔ داغ اور تعمیر چونکہ عمر میں سب سے چھوٹے تھے، اس لئے موڈبان میرے پاس تخت پر آ بیٹھے۔ سب قاور انکام تو تھے ہی ابھی خاصی مجلس مشاعرہ گرم ہو گئی۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمائش کی کہ کوئی تازہ کلام ہوا ہو تو چلیئے۔ میرزا صاحب نے پہلے تو طعز کیا لیکن جب مفتی صاحب کے ساتھ صہبائی بھی اصرار کرنے لگے تو فرمایا کہ شعر کا کام دل و دماغ کا ہے۔ دنیا داری کی بھیلیں ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ قلم کی حاضری اور دوست احباب کی خدمت سے فرصت ملے تو انسان کچھ فکر بھی کرے اس پر آج کل آسمان سے آگ برس رہی ہے۔ گرمی کے مارے حواس ٹھکانے نہیں۔ ایک فوٹل تھوڑے دن ہوئے کئی تھی اس کے چند شعر عرض کرتا ہوں:

چاک از جہم بہ دایں ی رود	تاج بہ چاک از گریباں ی رود
جوہر طبع در عثمان مست، ایک	دو دم اندر ابر، پنہاں ی رود
گر در مشکل، صبح اسے دل، کہ کار	چوں رود از دست، آسمان ی رود
جز خن، کفرے د ایمانے کہاست	خود خن، در کفر و ایمان ی رود

آید و از ذوق غلغام کہ کیست 'تو' پراشتی 'جان' ی 'دو'
 ی 'بد' 'اندر' یک 'جانی' 'دو' ی 'دو' 'ا' پرشای ی 'دو'
 اول 'ی' است و از شرم تو 'ی' آخر 'شب' از 'سپطن' ی 'دو'
 کیست 'تا' 'مکید' 'ہاں' 'ایوان' 'نقص'
 آنچہ بر غالب' ز 'دوہاں' ی 'دو'

عظیم مومن خان کے انتقال کو مشکل سے سال بھر ہوا تھا۔ معلوم نہیں، کیسے ان کا ذکر چل چلا۔ اس پر میرزا صاحب قربانے لکے "صاحب" بڑی آن جان کا آوی تھا، ایسا رنگین مزاج اور زندہ دل اور خوداد شخص بھی کم دیکھنے میں آیا ہے۔ اپنی وضع کا اچھا کہنے والا تھا، بلکہ غزل میں ایک نئی روش کا مظهر تھا جب تک اس کا شعر ایک خاص لب و لہجہ سے نہ چڑھا جائے، اس کا پورا لطف نہیں اٹھایا جاسکتا، مجھے تو اس کا یہ شعر نہیں بھولتا:

تم میرے پاس ہوتے ہو مگرا
 جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

عس مضمون، لطف زبان، اسلوب بیان، فرض اس کی کس کس بات کی تعریف کی جائے، جب تک کسی شخص نے عشق بازی کی نہ ہو اور کسی کے فراق کا مزہ چکھا نہ ہو، اسے یہ مضمون سوجھ ہی نہیں سکتا۔ زبان کا کیا کتنا اور گویا، میں تو پہلو ہے، وہ تو کہنے کی بات ہی نہیں۔ سب پر طویح کہ سل مستح یہ لادائے شامی، "کچھ اور چڑ ہے اور شخص خدا کی دین۔ رشتہ میں اس پائے کے شعر بہت کم ہیں۔ میں نے تو مرحوم سے ایک بار کہا تھا کہ بھائی، میرا سارا دہان لے لے لو، یہ شعر مجھے دے دے۔ تو بڑی دیر چپ رہنے کے بعد بھر کئے گئے۔ صاحب، مومن کے مر جانے سے زندگی کا لطف آدھا رہ گیا۔ قافلہ خالی ہوتا جاتا ہے۔ مرحوم میرا بار اور ہمعصر تھا۔ میں جب آگرے سے یہاں آیا ہوں تو یہی چہرہ سولہ برس کی میری عمر تھی۔ شاید وہ مجھ سے دو ایک سال چھوٹا ہو، لیکن ذہن کا شعور سے بہت تیز تھا۔ اس نے ابتداء میں چند غزلیں ضمیر کو دکھائی تھیں، لیکن دونوں کی طبیعت میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ نصیر کی قادر الکلامی میں شک نہیں، مگر ان کے استعارے اور تشبیہیں ایسی ہی ہیں جیسے بازار کے چھلکے ہی چھلکے ہیں، گودے کا جام نہیں۔ اس کے برخلاف مومن نے طبیعت معنی آفریں پائی تھی۔ بھلا کیسے نہجی۔ بس جلد ہی یہ کہہ کر ان کے جال سے نکل بھاگے اور پھر کسی کو اپنا کلام نہیں دکھایا اور میرا خیال ہے کہ یہ اچھا ہی ہوا۔ ہم دونوں کی خوب کاڑھی چھنی تھی۔ اس چالیس چالیس برس کے عرصے میں کبھی کوئی رنگ و مال ہمارے درمیان نہیں آیا۔ حضرت، اتنی لمبی مدت کا تو دشمن بھی میر نہیں آتا۔ دوست کہاں سے ہاتھ آتا ہے! میں نے اس کے مرنے پر ایک رباعی کہی تھی:

شرطت کہ دے دل فراہم، ہر عمر غریب رخ زویدہ، پاشم، ہر عمر
 کافر پاشم، اگر چہ مرگ مومن چوں کعبہ، یہ پاش نہ ہاشم، ہر عمر
 ہاتوں اور شعر خوانی میں کسی کو وقت کا خیال نہ آیا۔ آخر مفتی آرزو مرحوم چمکے اور کما کے معاف فرماتے کہ۔
 آپ کی پر لطف باتوں اور کلام میں وقت کا اندازہ نہ رہا۔ اب اجازت دیجئے۔ اگلے جمعہ کے دن غریب خانے پر مشاعرہ

ہے۔ چند دوست جمع ہو رہے ہیں۔ آپ بھی متور قدم رنجو فرمائیے گا۔ نواب محمد مصطفیٰ خان اور نواب ضیاء الدین خان آئے کا وعدہ کر چکے ہیں 'طرح' کریں ہم غمی آئیے 'دائم غمی آئیے' ملے ہوئی ہے۔ لیکن اس کی قد نہیں 'آپ جو چاہیں' پڑھیں۔ میرزا صاحب نے خواب دیا کہ میں ضرور حاضر ہونے کی کوشش کروں گا۔ خیر دشمن برابر سے بولے 'تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ جیسے کو انہیں ساتھ لیتا آؤں گا۔

تھوڑی دیر میں سب صاحب ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ جب میدان صاف ہو گیا تو کلو نے ان کو پوچھا کہ آپ اسی جگہ کھانا کھائیں گے یا اندر چل کر۔ بولے 'میرے لئے تو بیس لے آؤ۔' یہ چاہیں تو بے شک اندر جائیں۔ میں نے کہا۔ نہیں میں بھی بیس کھاؤں گا۔ چنانچہ کلو اور لیاڑہ دونوں 'ہمارا کھانا دیں مڑانے میں لے آئے۔' میرزا صاحب نے صرف تین چار شای کہاب 'کھنی' چٹنی پٹنی کے ساتھ نوش جان فرمائیے اور اس کے بعد مٹی کے آنکڑے سے شراب پینے لگے۔ معلوم ہوا کہ گرمیوں کا معمول ہے کہ سرشیم کلو شراب یوق سے آنکڑے میں ڈال دیتا ہے۔ اگر برف موجود ہوئی تو آنکڑہ اس میں رکھ دیا تاکہ شراب ٹھنڈی رہے 'درد لال قد کی صافی' پانی میں تر کر کے آنکڑے پر لیٹ ڈالی جائیں گی اور آنکڑہ اوپر ہوا میں ٹھکے ہوئے جھینگے پر رکھ دیا جائے گا تاکہ ہوا ٹھکے سے صافی ٹھک ہو تو اس سے آنکڑہ لٹھا ہو جائے۔

شراب کے ساتھ گھی میں تھے ہوئے تخمین ہلام 'مکوک' کے طور پر کھاتے رہے۔ دس بارہ ہلام کھائے ہوں گے شراب میں برابر کا حق ملاتے گئے۔ فرماتے گئے: اس سے شراب کی حدت کم ہو جاتی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ وہ پیر کے کھانے سے پہلے یا شام کے قریب 'بب' چاہا دو تین گلاس پی لیتے۔ بارش کا دن ہوا تو اور زیادہ۔ پھر رات کی معمولی شراب اس کے علاوہ کڑوا کر لیا اور نیم چڑھا 'مراچ' پہلے ہی سے سوداوی تھا 'ان بے اعتدالیوں نے اسے اور آگ کا پتلا بنا دیا۔ اب یہ حالت ہے کہ صافی شراب گھونٹ بھر بھی نہیں پی سکتا۔ اس کے پینے سے سید بٹلے لگا ہے اور حلق میں کانٹے چبھنے لگتے ہیں۔ اس لئے اسے گوارا ہانے کو اس میں حق گلاب ملاتا ہوں اور مقدار تو تم دیکھ ہی رہے ہو کہ بڑھے نام نہ گئی ہے۔ میں نے ایک مقلع میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے:

آسودہ باد خاطر غالب کہ خورے اوست

تسخن بہ بارہ صافی' گلاب را

میں نے جرات کر کے کہا کہ اتنے پینے سے پھوڑ دیتا اچھا۔ ایسے گلد بے قدرت سے حاصل؟ بولے: بھائی فیک کہتے ہو 'لیکن میاں ذوق نے کیا بچ کما ہے:

پٹنی میں ہے منہ سے یہ کافر گئی ہوئی

۱۵۰-۲۰ برس کی عادات 'اب پچھے تو کیونکر' ہر حال خرمسار ہوں۔ اسے حرام اور اپنے کو عاصی سمجھتا ہوں 'لیکن اس کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ حضرت امیر مصطفیٰ اور امام علی مرتضیٰ کے صدقے میں بخش دے۔ اس کے بعد موضوع بدل گیا۔ دیر تک چٹکنے رہے اور گوجی رات کے قریب سونے کے لئے چنگ پر گئے۔

اگلے دن دوسرا کھانا کھا کر میرزا صاحب اندر کی کوفری میں چلے گئے۔ مجھ سے فرمایا: یہاں گرمی میں اکیلے بیٹھے کیا کرو گے۔ چاہو تو تم بھی اندر آ جاؤ۔ چنانچہ ہم دونوں کے لئے کھانے چارباٹیاں چھوا دیں اور ہم ان پر دروازہ ہو گئے۔ فرش پر پانی کا طوب چھڑکا کر دیا گیا تھا۔ کوفری کی شقی ست گل میں ایک بڑی سے کھڑکی کھلی تھی، اس پر شمس کی ٹٹی لگی ہوئی تھی۔ کھانے ایاز چمکے کو مقرر کر دیا کہ وہ ہر آدھ پان گھنٹے کے بعد اس پر پانی ڈالتا رہے۔ میرزا صاحب نے بدن کے سارے کپڑے اتار دیئے، صرف ایک پانچاماں رہ گیا۔ چنگ پر لیٹ گئے اور حق چیتے رہے۔ کمرے میں پانی کی صراحی اور برف رکھی تھی۔ پیاس محسوس ہوتی تو اٹھ کر پی لیتے۔ جب عصر کا وقت ہوا اور سائے لمبے ہونے لگے تو کوفری سے نکلے۔

آج فرمایا دیکھو میاں، دہلی کی خصوصیات میں سے ایک مسجد جامع کا شام کا بازار بھی ہے۔ چلو آج ہمیں قاشا دکھا لائیں۔ چنانچہ کھو کو حکم ہوا کہ پاکی کا انتظام کر دیا جائے۔ کیاں ہمارے ساتھ جائے گا۔ اگر ہماری غیر حاضری میں کوئی صاحب شریف لائیں تو انہیں بخلیا جائے۔ سڑک کے بعد مکان پر پہنچ جائیں گے۔

میرزا صاحب نے جامع مسجد کی بیڑیوں سے پاکی والیں کر دی اور ہم پیدل سیر کرنے لگے۔ ایک ہنگامہ تھا کہ کلن بڑی توراہ مٹائی نہ دیتی تھی۔ کہیں ہاڑی گر اپنے کتب دکھا رہا ہے، یا لوگ اس کے گرد پرا بانٹھے کھڑے ہیں۔ کہیں بھان سنی کا قاش ہو رہا ہے اور یہاں بھی ٹھٹھ گئے ہوتے ہیں۔ دوسری طرف، خواجہ والے طرح طرح کی بولیاں بول رہے ہیں، بیڑیوں پر ہر طرح کی دکائیں ج رہی ہیں۔ پلٹے پلٹے میرزا صاحب ایک جگہ رک گئے اور کیاں سے کہا، ہاڑ کلن کی دکان سے رات کے لئے ہار آنے کے صح کتاب لے آؤ۔ وہ دکان میں کہاں دکھا لایا۔ میں نے راستے میں ایک جگہ سے دو تین کتابیں خرید کیں اور میرزا صاحب نے بچوں کے لئے کچھ کھلونے اور مٹھائی خریدی۔ واپسی میں چاندنی چوک کے راستے سے ٹھٹھے ہوئے آئے۔ معلوم خان کی سرسراک کے پتھر پہنچ تھی۔ وہ دوسرے درختوں کی تنگریں اور دکانوں کی روشنی کا پانی میں عکس عجیب پر لطف نگاہ تھا۔ دن بھر کی گرمی سے طبیعت جتنی گھبرائی ہوئی تھی، اتنی ہی اس وقت شام کی سفالی فضا میں محفوظ ہوئی۔ سینکڑوں آدمی سر کے کنارے بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے، میں بھی اگر اکیلا ہوتا تو شاید وہیں کسی جگہ بیٹھ جاتا۔ لیکن میرزا صاحب کو گھر پہنچنے کی جلدی تھی کہ نہ معلوم کون کون صاحب انتظار کر رہے ہوں گے۔ اس لئے ان کے ساتھ واپس آ گیا۔

مجھے کے دن شام کے کھانے کے بعد ثواب ضیاء الدین خان کے قریب ہی قاسم جان کی گلی میں رہتے تھے۔ اپنے ہاتھی پر سوار ہو کر آگئے اور کہا کہ چلئے حضور، صدور الصدور کے مشاعرے میں۔ چنانچہ ہم دونوں بھی سوار ہو گئے۔ راہ میں سے ثواب شیخ کو کوچہ میدان سے ساتھ لیا اور یوں لمبے پھدے ہم سب ملحق صاحب کے مسکن محلہ جلی قبر میں پہنچے۔ دیکھا کہ وہاں خاصا مجمع ہو چکا ہے۔ قلعے سے بعض شہزادے بھی آئے ہوتے ہیں۔ جن میں سے میرزا غفر سلطان، میرزا تھلور شاہ شاکی، میرزا قزیش واقف، میرزا نور الدین شاہی اور میرزا عالی بخت علی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک عجیب بات دیکھی کہ سب شہزادوں کا ایک ساحلہ اور ایک ہی وضع اور ہر ایک کے ہاتھ میں بیل تھی۔ ان میں سے بیشتر "مناظرو" عبدالرحمن احسان مرحوم اور شیخ ابراہیم لوق کے شاگرد تھے۔ خود استاد لوق

بھی موجود تھے۔ داغ اور ظہیر اور محمد حسین آڈو تھے۔ صہبائی اپنے شاگردوں کے ساتھ آئے تھے۔ میرزا غالب کے شاگردوں میں سے قربان علی بیگ خان سالک 'بڑا ہرنگہ جوہر' غلام حسن 'موسف علی خان عزیز اور بعض دوسرے اصحاب موجود تھے۔ ایک دلائت آمدہ شاعر صہبائی بھی شریک مجلس تھے۔

مشاعرہ دس ماڑے دس پہلے کے قریب شروع ہوا۔ پہلے اردو کے شاعروں نے اپنا اپنا کلام سنایا۔ ان میں سے بعض کا کلام واقعی بہت بہتہ اور دل فکین تھا۔ اساتذہ نے بھی نکل سے کام نہ لیا اور ان کا دل پڑھنے کو خوب داد دی۔ خصوصاً داغ اور سالک اور ظہیر کی غزلوں کی بہت تعریف ہوئی۔ آخر میں اساتذہ کی باری آئی۔ آپ نوبھوان اور نو آموز طبقہ غرضی سے سنبھل کر بیٹھ گیا۔ سب سے پہلے آڈو نے کہ میرزا خان صاحب غازی تھے 'اپنی غزل سنائی۔ غالب اور صہبائی اور فوقی سب نے بہت تعریف کی اور آڈو نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ ان کے بعد نیر بخش 'شیخ' صہبائی وغیرہ نے اپنا کلام سنایا۔ آخر میں شیخ میرزا غالب کے سامنے آئی۔ انہوں نے پہلے ایک غیر طرعی غزل سنائی۔ اس کے تین چار شعروں کی بہت تعریف ہوئی تھی:

ہر چہ شک خواست 'بچ کس از شک خواست

عرف نقیہ سے نجست 'بدو مارک خواست

ہاں دلم بجز 'علم زہد ہے دیلا

ہم شک تو در عید 'ہم زدن شک خواست

نہ ہزار شیعہ را 'طاعت حق گراں نہ بود

لیکن صن مسجد در 'بیمہ مشترک خواست

آخری شعر پر آڈو تپ اٹھے اس کی خاص طور پر داد دی اور اسے دو تین بار پڑھوایا۔ اس کے بعد میرزا صاحب نے طرعی غزل سنائی۔ جس کے چند شعر میرے ہاتھ میں محفوظ رہ گئے ہیں:

چہ بیش از دعدہ 'چوں یاد زہد خانم' کی آید	ہوے گفت ی اکیم کہ ی دانم' کی آید
گرفتیم 'داں کہ بدلم دل صد بارہ خوں گریہ	خود اور اندھ بر جاگ گریہ نام' کی آید
دوش نکستہ و در سایہ دیوار نشست	بکوش 'دلک بر سر درخشانم' کی آید
دعاے خیر شد 'در حق من غریب بھال کدکن	دظریں 'بس کہ ی منجیب لب جانم' کی آید
دلش خواہد 'کہ تھا سوئے من روئے آود' لیکن	قریب بھلیں 'دانم' زنا دانم' کی آید
دھرم 'شاعرم' دھرم 'شیوا دارم	گرفتیم دم بر فریاد و افغانم' کی آید

تدارم یاد غالب گر سحر گاہش سر راہ

یہ اپنی مست 'دانی' کہ شبستانم کی آید

سب شعروں کی خوب خوب داد ملی۔ پڑھنے کا انداز یہ تھا کہ انہوں نے ساری غزل چکے ترنم سے پڑھی۔ پہلی بار صبح اولیٰ ایک بار کی پڑھ جاتے پھر اسے آہستہ آہستہ دہراتے اور ایک لمحہ کے توقف کے بعد اسی لہجے میں دوسرا

صرح ملے۔ جب کوئی صاحب داد دیتے یا صرح اعلیٰ تو میرزا صاحب کا داہنا ہاتھ ہے احتیاطاً نہ تھوڑا تھوڑا سا اٹھ جاتا اور بس "درد یوں وہ نصابت دلچسپ سے اپنی جگہ پر بیٹھے رہے اور پہلو تک نہیں چولے۔ میرزا غالب کی غزل کے ساتھ مشاعرو ختم ہوا اور اس کے بعد حاضرین ایک ایک کر کے رخصت ہونے لگے۔ آذر وہ نے سب صاحبوں کا شکریہ ادا کیا۔ ہم بھی چار ساڑھے چار بیگ کے قریب والہیں مکان پر آئے۔ یہ آٹھ دس دن جو میں میرزا صاحب کے مکان پر رہا مجھے کبھی نہیں بھولیں گے۔ چونکہ میں جس کام سے آیا تھا وہ ختم ہو چکا تھا اس لئے میرزا صاحب سے اجازت لے کر اگرے چلا گیا۔

(3)

اس کے بعد میں لگ بھگ دو برس تک وہی نہ آ سکا۔ اب کے میرزا صاحب میں آتا ہوا۔ میرزا صاحب ابھی تک اسی ملی باروں والے مکان میں رہتے تھے۔ میں شام کے قریب پہنچا تھا۔ وہ بہت لطف اور صوفائی سے ملے۔ ان سے مل کر میں اندر گیا۔ جناب بیگم صاحب کی خدمت میں بندگی عرض کی۔ انہوں نے دعا دی "سفر کا کام چھٹی رچیں کہ کو" راہ میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔ اس کے بعد میں باہر آیا۔ میرزا صاحب دیر تک حضرت والد صاحب قبلہ اور اپنے دوسرے ملے والے کی باتیں کرتے رہے۔ پھر پوچھا "شاؤ" کاروبار کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا کہ مندا تو ہے لیکن شکر ہے، پہلی بری گزراں ہو ہی جاتی ہے۔ کسی کا بکھو رہا نہیں، یہی قیمت ہے۔

اس تین چار برس میں میرزا صاحب کی ظاہری شکل د صورت میں بہت فرق آ گیا تھا۔ پہلی بار جب ملے تو واضحی سمجھی ہوئی تھی۔ اب چھوڑ رکھی تھی۔ لیکن اس کے بالکل سر منڈا ہوا تھا۔ سامنے کے دو دانت نادرہ اس لئے توڑا ہوئی ہو گئی تھی۔ کمر میں بھی خلیفہ سلطنت آ گیا تھا۔ فرض میں نے انہیں جسمانی لحاظ سے بہت کمزور پایا۔ البتہ طبیعت میں وہی پہلی سی چستی اور متفکرو میں شوقی موجود تھی۔

ان دنوں موسم بہار تھا۔ اگرچہ میں گرمیوں کا زمانہ ختم ہو چکا تھا، لیکن پھر بھی دن کو سخت گرمی پڑتی تھی۔ البتہ رات کو اچھی خاصی سردی ہو جاتی تھی۔ اس لئے وہ حسب معمول دوسرے کے بعد اندر کی کوفری میں گزارتے تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے "میں کوئی تین کا محل ہو گا۔ ہم لفظی ہوا کے جموں کوں سے لطف ملے رہے تھے کہ باہر دواؤں سے پر بکھو شور ہوا۔ اس کے ساتھ ہی کھٹ سے دواؤں نکلا۔ آگے حسین علی خان اور اس کے بیچے باقر علی خان اور ان دونوں کے بیچے مغربی حسین خان بھاگا چلا آ رہا ہے اور ساتھ ساتھ چوٹی بھی جاتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی گھڑی کا کھلوٹا تھا، معلوم ہوا کہ باقر علی خان ہاتھ ہے کہ حسین علی خان اسے یہ کھلوٹا دے دے اور وہ دنا نہیں جانتا۔ بس اس پر کتا چھنی ہو گئی۔ بیگم صاحب گھر نہیں تھیں، اس لئے حسین علی خان "پتا ہاتھ کو دارا جان کے پاس دوڑا کیا تھا۔ ہمارے چنگ بکھو ایسے اچھے نہیں تھے "حسین علی خان دوڑا دوڑا آیا اور میرزا صاحب کے چنگ پر چڑھ گیا۔ وہ باہر ملے اور گردن ہار میں کھینچا کیا تھا۔ کمرے میں پانی کا بھڑکاؤ ہو رہا تھا۔ اس سے اس کے پاؤں سلیے ہو گئے۔ اس کے اوپر چڑھنے سے سفید چادر پر ہو نکلا دی ہوئی وہ دیکھنے سے تعجب رکھتی تھی۔ میرزا صاحب نے ہوا نکالا تو بڑا لڑکا باقر علی خان تو خائب ہو گیا۔ لیکن حسین علی خان وہیں چنگ پر بیٹھا پھلے اور سونے لگا۔ چونکہ جو ہوتا

تھا۔ وہ تو ہر ہی چکا تھا اس لئے میرزا صاحب نے خیال کیا کہ اب تھا ہونے کا کوئی فائدہ نہیں۔ چنانچہ انہوں نے پہلے کو چکارا اور پیار کیا۔ پھر مصلحتی کو آواز دی اور اسے اس کے حوالے کیا۔ کلو سے بستر کی چادر ہدلولائی اور دوبارہ لیٹ گئے۔

چند لمبے بعد کہنے لگے۔ تم سے ایک دل کی بات کہوں۔ میں اس خانہ داری سے کبھی خوش نہیں رہا۔ جب میری شادی ہوتی ہے تو مجھے معلوم بھی نہیں تھا کہ شادی کتنے کسے ہیں اور اس کے سمجھت اور دوسرے داریاں کیا ہیں۔ خیر اس کا کیا غم؟ کیونکہ اگر معلوم بھی ہوتا تو میں کیا کر سکتا تھا۔ ہمارے ہر گ یہ خیال کرتے ہیں کہ اولاد کا اپنی شادی بیاہ کے ہمارے میں بولنا پر لے سرے کی ہے حیاتی ہے۔ میں نصرا فکندہ دانہ وضع کا آدمی۔ میری یہ آرزو کہ ایک خطرناکی اور لوٹا کھڑے پر ڈالوں۔ گھڑی ہاتھ میں لوں اور پیادہ پا چل نکلوں۔ آج یہاں کل وہاں ملک خدا تک نیست پائے خدا انگ نیست اور یہ قبیحہ داری کے تمام اصولوں کے خلاف۔ خدا نے اولاد دی اور لے لی، غم کسے نہیں ہو گا کہ وہ نہ۔ نہ اس پر، لیکن دم مارنے کی محال نہیں تھی، میں نے اس پر صبر شکر کیا کہ میں بھی تھائی میری آزاد طبیعت کے متانی نہیں تھی، غرض ختم ختم گزرتی جا رہی تھی۔ لیکن قدرت بڑی رحم عریف ہے۔ اس نے کہا ذرا صبر تو جا تو کیا مجھے :- ہے۔ تین برس ہو گئے۔ پہلے زین العابدین خان کی بھوی مری اور پھر وہ آپ بھی چل بسا۔ حسین علی خان کو میری بھوی یہاں لے آئی۔ بڑا بھائی اپنی داری کے پاس جا رہا۔ چند مہینے ہوئے، وہ نیک بخت بھی جنت سدھاری اور باقر علی خان بھی یہاں آ گیا۔ اسے کہتے ہیں، غم نہ داری بڑ بگڑ، کو بے موتی کسے کس سے کہوں کہ تو ان بچوں کو لے لے، میں اس بوجھ کا تحمل نہیں ہو سکتا، حالانکہ یہ حقیقت ہے۔ اب چپ چاپ، قضا و قدر کی شعبہ بازی کا تماشا دیکھ رہا ہوں۔ غرض اس طرح دوسری کی باتیں کرتے کرتے چپ ہو گئے۔ میں نے غور کر کے سنا تو ذرا لب یہ شعر ملتا رہے تھے:

نہ شام مارا مرنوئے، نہ صبح مارا دم پیوئے

جو حاصل ہاست تا امید، غبار دنیاں بفرق حق

اگلے دن صبح کے وقت بریلی سے قاضی عبدالجلیل جٹوں کے پیچھے ہوئے آسمان کے وہ ٹوکے پہنچے۔ میرزا صاحب نے قاضی صاحب کے ملازم کو جو ٹوکے لایا تھا، انعام دیا اور ٹوکے اپنے سامنے کھڑا کچھ آم راستے میں خراب ہو گئے تھے وہ پھٹکا دیتے۔ دس دس آم وہ جگہ ٹوٹا مصلحتی خان اور ٹوٹا فیاض الدین خان کے ہاں بھجوائے اور باقی کو لٹھے پانی کی ٹانہ میں رکھا دیا۔ تیسرے پڑنمر کے سب لوگ آم کھانے کے لئے جمع ہو گئے۔ سب نے خوب میرو کر کھائے۔ میرزا صاحب نے جلد ہی ہاتھ کھینچ لیا۔ میں نے کہا: حضرت، یہ کیا؟ کہنے لگے: سچ کہوں، نیت نہیں بھری مگر بھائی کیا کہوں، معدے میں ہضم کی وہ پہلی سی طاقت نہیں رہی۔ ہائے کیا دن تھے، بھولی کے عالم میں کہ طبیعت میں جوش تھا اور صحت برقرار تھی۔ صبر کے قریب ہم کھانے بیٹھ جاتا تھا۔ با مہلو کتا ہوں کہ اسے آم کھاتا تھا کہ بیٹ ابھر جاتا تھا اور دم پیٹ میں نہیں سہا تھا اب ہم کھانے کا کیا مزہ۔ نہ منہ میں دانت نہ بیٹ میں آنت، کھاؤں، تو ہضم کیسے کہوں۔ بھولی کیا گئی کہ زندگی کا لطف جاتا رہا۔

ایک دن بڑا دلچسپ لطیف ہوا۔ جب ہم دونوں دیوان خانے میں جا کے بیٹھے تو میں نے دیکھا کہ ان کے کمر بند میں نو دس گرہیں لگی ہوئی ہیں۔ میں حیران کہ اٹھی 'یہ کیا ماجرا ہے۔ پہلے تو مجھے خیال ہوا کہ شاید رات 'بے خبری کے عالم میں' انہوں نے یہ گرہیں لگائی ہوں 'کیونکہ بعض لوگوں کو ایک قسم کی بیماری ہوتی ہے کہ وہ سوتے میں کوئی کام کرتے ہیں اور انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ لیکن مجھے مذاق کی سوجھی۔ میں نے ان سے کہا 'قبلہ کیا رات کو قلعہ پھرتے رہے ہیں؟' کہنے لگے: 'نہیں تو لیکن کاندھ لٹم لو اور لکھتے جاؤ۔' میں نے غم کی قہقہ کی اور انہوں نے کمر بند کی پہلی گرہ ٹوٹنی شروع کی۔ پھر فرمایا 'لکھو مصلح:

اے فدائی فواسجی' بازم بخوش نمود
نوغائے شبے طوئے' برینکہ ہوش اور

اور اس کے بعد گرہ کھول دی۔ اس طرح انہوں نے مجھے پوری غزل کھولائی۔ ہر ایک شعر کے بعد وہ ایک گرہ کھول دیتے۔ حتیٰ کہ نو گرہیں کھل گئیں اور غزل مکمل ہو گئی۔ غیر غزل تو میں نے لکھ لی 'لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں تھی کہ یہ کیا عظم ہے وہ بھی میری کیفیت کو بہانہ کہے۔ پہلے تو چستے اور میری بدعوا سی سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ پھر بولے: بات اصل میں یہ ہے کہ رات جب استہزہ جاتا ہوں تو کبھی کبھی طبیعت شعر گوئی پر مائل ہو جاتی ہے 'اب تو ایک مدت سے یہ شوق ہی چھوٹ گیا ہے' ورنہ ایک نازق قہاک میں دن میں شعر کہتا ہی نہیں تھا۔ عام طور پر رات کو سرخوشی کے عالم میں فکر کیا کرتا تھا۔ اب بھلا اس وقت کون اٹھ کر روشنی کا انتظام کرے اور لکھنے کا سامان ڈھونڈے۔ میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب شعر ہو جاتا تو کمر بند میں ایک گرہ لگا لیتا۔ اس طرح دس دس 'بارہ بارہ گرہیں تک لگا کے سو رہتا۔ صبح کو اٹتا اور نثر نثر کر جانے سے نکل کے شعر قلمبند کر لیتا۔ اب تو بیٹھوں اور برسوں گزر جاتے ہیں 'کوئی تازہ فکر ہوتی ہی نہیں۔ رات بخوشی یہ ذہن خیال میں آگئی۔ طبیعت نے راہ دی اور میں نے غزل پوری کر لی۔ پرانی عادت کے مطابق کمر بند کا سامان لیا۔ اگرچہ مجھے اندیشہ تو تھا کہ کہیں یہ نسیان کی غبار نہ ہو جائے' لیکن اور کر بھی کیا سکتا تھا! تاہم تم نے دیکھا کہ پورے نو کے نو شعراء آگئے اس سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ بھائی کے دلوں میں کیا کیفیت تھی۔ اچھا اب غم و دلت اور کاندھ میری طرف بڑھاؤ۔ نواب انوار الدولہ بہادر اور ملٹی می پٹیل کو خط لکھوں اور یہ غزل ان کی خدمت میں خدمت کجیوں۔ آج ان دونوں صاحبوں سے زیادہ کوئی اور 'اس کلام کا مستحق نہیں۔

دائے بر جانِ خن 'مر بہ خن داں فرسا!

خاص طور پر خن نی پٹیل کے خن خن میں اس بزرگوار کا حق ہے۔ کچ کہتا ہوں کہ جب تک میں نے انہیں نہیں دیکھا' مجھے ٹھیک طور پر یہ معلوم ہی نہیں ہوا کہ شعر گوئی اور شعر خن میں کتنا بعید فرق ہے۔ جب تک یہ غزل ان دونوں صاحبوں کے پاس نہیں پہنچ جاتی مجھے یقین نہیں۔

اس کے بعد انہوں نے خط لکھے اور لفافوں پر چٹ لکھ کر رکھ دیئے۔ تھوڑی دیر میں کھڑ کیا۔ اس نے خط لفافوں میں ڈالے' بند کر کے ٹھٹ لگائے اور ڈاک خانہ چلا گیا۔

شیخ ابراہیم فدائی 'نومبر ۱۹۵۵ء میں خدا کو چارے ہوئے۔ حضرت غل بھائی صاحب نے ۳ برس ان سے اصلاح لینے

رہے تھے۔ اتنی لمبی مدت کی دوستی اور محبت 'صدر ہونہا'ی چاہتے انہوں نے شعر کہنا چھوڑ دیا۔ لیکن نہ نہ سکی۔ شای غازیان میں شعرو شاعری اور نظم و ادب کا مذاق شروع سے تھا لیکن اول اول یہ ذوق کچھ دیا دیا سا رہا۔ وہ لوگ کھوار کے بھی وہی تھے 'نری باتیں ہی بیٹا نہیں جانتے تھے۔ لیکن جوں جوں زمانہ گزر گیا 'کھوار کو پیام میں رنگ گئے لگا اور اس کی جگہ نظم و نظم و ادب اور کھوار اٹھا کے طاق پر رکھ دی گئی۔ ظفر کی بھی یہی حالت تھی۔ شاعری تو کویا ان کی مہلت میں پڑی تھی۔ ملک ہندوستان کی پادشاہی تو برائے نام وہ بھی تھی لیکن ملک خن کی تاجوری جنگ ان کے حصے میں آئی۔ اسنے زمانے کا شوق 'ملکن نہ تھا کہ وہ زیادہ دن غمناک رہ سکتے۔ چنانچہ انہوں نے پھر شعر گوئی شروع کر دی اور اب کے اصلاح کا فرض میرزا غالب کے سپرد ہوا۔ میرزا صاحب کا دستور یہ تھا کہ قلم لے کے ہند مصر کے وقت 'جہاں پناہ کی غزلیں جاتے تھے۔ ایک دن جب کام سے فارغ ہو چکے تو قس نے کہا: 'قبلہ' میں نے آج تک حضرت غل اللہ کو قریب سے نہیں دیکھا' دیکھنے کی بڑی مشتاق ہے۔ کہنے لگے: 'یہ کیا مشکل ہے۔ میں نے پہچا' وہ کیسے؟ فرمایا: آج کل روزانہ شام کو نور گڑھ کے پاس جتنا کی رہتی میں 'جنگ بازی ہوتی ہے۔ ایک طرف قلعہ سہلی کے بادشاہی چنگ باز ہوتے ہیں 'دوسری طرف ناصر حسین مرزا کے ساتھی۔ آج جہاں پناہ نے غم دیا تھا کہ تم بھی وہیں آیا کرو۔ اب کو 'غم حاکم' چاہا ہی پڑے گا۔ لیکن آج تو نہیں 'البتہ کل سے جاؤں گا۔ تم بھی چلتا' میرے ساتھ ساتھ رہتا اور جی بھر کے دیکھ لیتا۔

اگلے دن سہ پہر کو میرزا صاحب سو کر اٹھے۔ منہ ہاتھ دھوا اور پانگی میں سوار ہو گئے۔ میں پیدل ساتھ ہو لیا۔ نور گڑھ کچھ دور تو تھا ہی 'تھوڑی دیر میں ہم وہیں پہنچ گئے۔ دیکھا تو بڑا مہلا سیکنوں چنگ باز جمع ہو رہے تھے اور بڑا دلی قشاشی اپنے کھیلے وہاں ادھر ادھر ہار رہے ہیں۔ جہاں مجمع ہو 'وہیں بھلا خواہے' بھیری والے کیسے نہ پہنچیں اور ہار مسکنوں کو کون روک سکتا ہے۔ غم سے اور خیریاں 'پھونٹے پھونٹے بچوں کو انکی سے لگائے بر آئندہ روز سے ہیک باجئے پھرتے تھے۔ غرض کہ یہاں ایک ہی دنیا آباد ہو گئی تھی۔ قسم قسم اور رنگ رنگ کے چنگ اور کل آسمان میں ایسے معلوم ہوتے تھے 'جیسے کوئی بہت بڑا رنگین اور پھولدار قالین ہوا میں لومرے ادھر اڑ رہا ہو۔

اصلی حضرت کو میں نے پہلی بار اتنی نزدیک سے دیکھا۔ لمبوتر چوہا 'پلی ستواں ٹاک 'چوڑی پیشانی' پھونٹی ہمنویں' نمکات تیز اور بڑی بڑی بھوری آنکھیں 'چوڑا دہانہ' نیچے کا ہونٹ نسبتاً نمایاں اور اس پر 'پان کا لاکھا تھا ہوا۔ کھلے صاف اور ٹھوڑی پر وہ وحشی انگ کی سفید براق داڑھی خری ششاشی لبس قد میانہ اور سینہ چوڑا تھا۔ لیکن شانے ٹھک اور ڈھلوان تھے۔ رنگ خاصا ساٹولا تھا۔ حالانکہ سن مبارک اس وقت اسی سے اوپر تھا' اس کے باوجود چہرے مہرے سے ہنسی کا اظہار ہوتا تھا۔ انہیں دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ کسی زمانے میں کسرت کا شوق رہا ہے۔ چنانچہ ان کی جوانی میں مشہور تھا کہ ہندوستان بھر میں وحشی شہسوار ہیں۔ ایک یہ 'ایک ان کے پھونٹے بھائی میرزا جہانگیر اور آٹھے کوئی اور بڑا گوارہ۔ لباس میں نیچے قبا تھی اور اس کے اوپر چار قب سر پہ دستار اور دستار کے اوپر گوشادہ 'حیفہ' سرچ اور تاج شای۔ اس پر تین طرے لگے میں موتیوں کا کشا اور ایک سوا ایک موتی کا بالا ہاتھوں پر چنگ بند اور نور تن۔ ہاتھ میں موتیوں کی سرن زر نگار چوکی پر اٹکی پائی مارے تحریف فرما تھے۔ اس وقار اور شانیت کی صورت دیکھنے سے مجھ پر جو دہشت طاری ہوئی تھی 'اب میں اس کا جان نہیں کر سکتا۔

کے بچے شہزادوں اور سلاطینوں اور امیروں و ذریعوں کا چمکھٹا تھا۔ چند سرور کو درہ حضرت بیٹھے تھے۔ باقی سب مرتبے سے اپنی اپنی جگہ پر کھڑے تھے۔ بعض شہزادے بھی چنگ اڑا رہے تھے اور حضور والا سیر و کچ رہے تھے۔ میرزا سلطان بھی انہی لوگوں میں تھے جو چنگ اڑا رہے تھے۔ اسے میں ان کا چنگ کسی سے بچ لایا گیا۔ وہ گھبرا کر کھچم کرنے لگے۔ میرزا صاحب نے ان سے کہا: صاحبِ عالم! یہ موقع کھچم کا نہیں بلکہ ڈھیل کا ہے۔ اس پر انہوں نے ڈھیل چلائی۔ جب دیکھا کہ ڈوبنے ڈوبنے چنگ بہت دور نکل گئے ہیں تو میرزا صاحب نے ان سے کہا کہ دو چار ٹھمکیاں دے کر دیکھئے تو کہ خلاف کا کیا ارادہ ہے۔ انہوں نے ایک آدھ ہی ٹھمکی دی ہو گی کہ دوسرا چنگ چمکانے لگا۔ میرزا صاحب نے شہزادے سے کہا کہ اب اگر آپ پھرتی سے بھٹکا دیں تو خلاف سنہل نہیں سکے گا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ انہوں نے ایک ہی بھٹکا دیا تھا کہ دوسرا چنگ کٹ گیا۔

اعلیٰ حضرت اس پر بہت مسرور ہوئے۔ لطف سے فرمایا: اہاں! میرزا صاحب! ہم نہیں جانتے تھے کہ آپ اس فن میں بھی مہاں ہیں۔ یہ ادب سے بولے: جو عرشہ خود ستائی ہوتی ہے۔ ورنہ کون کہ یہ غائب زانو کیا نہیں جان! مجھے بھی کسی زمانے میں چنگ اڑانے کا بہت شوق تھا بلکہ میں نے نہایت ابتدائی زمانے میں چنگ کے ستارے سے عضوی کے طور پر چند شعر بھی کہے تھے۔ حضور والا بولے: اچھا! اچھا! ہمیں بھی سناچے تو میرزا صاحب نے گزارش کی۔ عالمِ بناہ! جان کی اہاں پاؤں صرف چند شعر ہیں اور وہ بھی نہایت ابتدائی مشق! سننے سنانے کے لائق نہیں۔ حضور نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا کچھ پڑھا نہیں! ہم سنیں گے۔ اس پر میرزا صاحب کہنے لگے۔ الامرفق للادب ہنکر اصلاح ملاحظہ ہوں۔ پھر یہ چند شعر تحت الفاظِ شائع۔

ایک دن شل چنگ کاغذی	لے کے دل سر رشتہ آزادی
خود بخود کچھ ہم سے کھانے کا	اس قدر گھبرا کہ سر کھانے کا
میں کہا! اے دل! ہوائے دلہراں	بلکہ جھڑے حق میں رکھتی ہے نواں
چچ میں ان کے نہ آیا نہ پھل	یہ نہیں پہنچے! سو کے بارِ خار
گودے چڑے پر نہ کر ان کے نظر	کھینچ لیتے ہیں یہ! دورے ڈال کر
اب تو مل جائیں گی جھری ان سے ساتھ	لیکن آخر کو پڑے گی ایسی کاغذ
خفت مشکل ہو گا سلجھنا تھے	قر ہے! دل ان سے الجھنا تھے
یہ جو مشکل میں بیٹھاتے ہیں تھے	بھول مت اس پر! اڑاتے ہیں تھے
ایک دن تھ کو لڑا دیں گے کہیں	ملت میں جانن کتا دیں گے کہیں
دل نے من کر! کانپ کر! کھا چچ و تب	غوطے میں جا کر دلا کٹ کر جواب
رشتہ در گردنم الفتہ دوست	ی ہوا! ہر جا کہ خاطر خواہ دوست

اعلیٰ حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ چنگ کے لئے اس شعر کی تھیں بھی کسی کو نہیں سوجھی ہوگی۔ میرزا صاحب نے جگہ کر شکر ادا کیا۔ چونکہ دیو ہو پہلی تھی اور شام کی ہوا میں ٹھکی ہوئی جا رہی تھی۔ اس لئے حضرت بادشاہ سلامت! واپس کے لئے مغرب کے قریب تختِ رواں پر سوار ہو گئے اور سب کو واپس جانے کی اجازت دی۔

ہم بھی چراغ جلتے مکان پر پہنچے۔ میرزا صاحب بست تھک گئے تھے۔ گھر پہنچتے ہی انہوں نے تین چار شاہی کباب نوش فرمائے 'شراب پی اور پڑ رہے۔ اس کے دو دن بعد میں اگرے چلا گیا۔

(۱)

اس کے دو برس کے بعد غدر کا ہنگامہ ہوا۔ کچھ مظلوم نہ ہوا کہ دلی اور دلی کے اصحاب پر کیا گزری۔ جب فساد کی آگ فرد ہو گئی تو والد قبلہ نے مجھ سے کہا کہ بیٹا! جاؤ اور میرزا صاحب کی خیر خواہی کی خبر لے آؤ۔ چنانچہ میں دلی آیا۔ یہ ۱۸۵۸ء کے شروع کا ذکر ہے۔ ابھی تک شہر میں پورا امن نہیں ہوا تھا۔ گرفتاروں کا سلسلہ جاری تھا۔ آئے دن کسی نہ کسی ہندوستانی امیر کی گرفتاری یا فخر ہندی، شبلی جانیو یا چانسی کی خبریں آتی رہتی تھیں۔ شہر میں باہر سے آنے والے پر بھی پابندیاں تھیں اور باہر سے آنے والوں کو شہر کے فوجی حکام سے خاص گفت لینا پڑتا تھا۔ میں نے بھی دو دن فصرے کا ٹکٹ لیا۔ سہ ہر کو دلی پہنچا اور سید حامد علی خان میں میرزا صاحب کے مکان پر چلا گیا۔ شام کو مرزا یوسف علی خاں عزیز اور مفتی میرا تھکہ و دو اور پخت شیدا جی رام آن پہنچے۔ میرزا یوسف علی خاں اپنے والد میرزا نجف علی خاں کی وفات کے بعد مستقل طور پر دلی آ رہے تھے اور ان دنوں اسی محلے میں میرزا صاحب کے مکان کے قریب ہی ایک ہندو امیر کے لاکھوں کو پڑھاتے تھے۔ وہیں محلے کے کچھ اور بچے بھی ان سے تعلیم پاتے تھے۔ اس طرح کوہا کتب کا سا طور ہو گیا تھا۔ مفتی میرا تھکہ و دو میرزا صاحب کے پرانے دوست اور مہمان 'رائے جھج جی' کے بھونے بیٹے تھے۔ حوض قاضی کے پاس گندی گلی میں رہتے تھے۔ یہ اور ان کے بڑے بھائی مفتی خواجہ تھکہ جہر (خصیلدار) صاحب دونوں میرزا صاحب کے شاگرد تھے۔

اسی زمانے میں اگرے سے میرزا حاتم علی مرے اپنی مثنوی 'شعار مر' میرزا صاحب کی خدمت میں بھیجی تھی۔ عزیز اسے بلند آواز سے پڑھتے رہے اور ہم سننے اور لطف اندوز ہوتے رہے۔ فرض رات گئے تک اور اور حاکم کی باتیں ہوا کیں۔

اگلے دن شام کے قریب ہم دو ان خانے میں بیٹھے تھے کہ راک کا ہرکارہ ایک دہلیزی خط لایا۔ میرزا صاحب نے کھولا تو معلوم ہوا کہ میرزا تھکے نے سو روپے کے ہندوی اپنے استاد کی خدمت میں بھیجی ہے۔ میرزا صاحب نے ہندوی بھیج کر کہے کہ کیاں کے حوالے کی اور اسے ٹیل کے کڑے میں کسی مہاجن کے ہاں بھیجا۔ جانے آنے کی دیر ہوئی وہ جا کے روپیہ لے آیا۔ انہوں نے پکاس روپے اندر گل میں بھیج دیئے۔ کھو واروئے نے پکاس روپے کے لگ بھگ 'دست گردان' اوجھا لیا تھا وہ اسے دینے اور باقی رقم اپنے بکس میں رکھ لی۔ فرمائے گئے: رات تم نے دیکھا مفتی میرا تھکہ اور پخت شیدا جی رام آئے ہوئے تھے۔ اب جب سے میرزا یوسف علی خاں یہاں آ گئے ہیں 'یہ بھی دن رات کا اکثر حصہ یہیں گزارتے ہیں' وہ نہ صرف یہ دونوں صاحب باقاعدہ آتے رہتے ہیں کتا کثیر الاہباب شخص تھا کوئی وقت نہیں جاتا تھا' جب وہ چار دوست میرے پاس مسجد نہ ہوں بلکہ اکثر میری غیر عارضی میں بھی دو ان خانہ خالی نہیں ہوتا تھا۔ یا اب یہ حال ہو گیا ہے کہ اس ہنگامے میں اگر یہ دو تین صاحب بھی یہاں نہ ہوتے تو میں کوہا شہر میں نہیں 'کسی دیرانے میں رہتا تھا۔ شہر میرے ملے والوں سے خالی ہو گیا' نہ کوئی میرے پاس آنے والا یہاں مسجد

نہ میں کسی کے پاس جا سکوں۔ زندہ ہوں مگر زندگی دوبرہ ہو گئی۔ نو دس مہینے سے پیش بند ہے 'گمب' یہ سارا زمانہ کیسے گزرا ہو گا۔ خدا بیگ رکھے، برخوردارِ تقدیر کو 'اس نے یہ سو روپے بھیج کر جلا لیا ہے۔ ابھی نہیں معلوم' اور کیا کچھ دیکھنا نصیبوں میں لکھا ہے۔ خبر یہ بھی جوں توں کٹ جائے گی۔

سفینہ جب کہ کنارے پر آگیا غالب

خدا سے کیا حتم و جور بخدا کئے

اس زمانے میں ان کی سرکاری پیش بند تھی۔ قلعے کی گھوا تو بند ہونا ہی چاہئے تھی۔ اس لئے بہت سختی تھی۔ سے گزارا ہوتا تھا۔ حضرت والد صاحب قبلہ نے مجھ سے قربانیاں قمار موقع دیکھ کے انہیں اگرے آنے کی دعوت دی۔ میں نے سوچا کہ اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ ابھی یہاں کی حالت خطرے سے خالی نہیں۔ آپ چند دن کے لئے اگرے تشریف لے چلے۔ وہاں خدا کے فضل سے آپ کا اپنا گھر ہے 'عز و اقارب' دوست احباب موجود ہیں۔ آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہو گی۔ پھر جب امن و امان ہو گیا تو واپس چلے آئیے۔ فرمانے لگے: یہ ٹھیک ہے کہ حالت یہاں کی تشویشناک ہے لیکن مجھے اپنی بے گناہی پر بھروسہ ہے۔ میں فراری یا ردپوش نہیں۔ میرے خلاف کوئی جرم ثابت نہیں ہوا۔ کسی نے میری بھڑی نہیں کی 'انگریزی حکام میری شہر میں موجودگی سے واقف ہیں۔ اکتوبر سال گزشتہ کرنل براؤن صاحب کے سامنے حاضر ہوا تھا اور انہیں کی اجازت سے یہاں مقیم ہوں۔ اس لئے اگر خطرے کی بات ہوتی تو اب تک معلوم ہو گیا ہوتا۔ بے شک قلعے کے ملازمین پر شدت ہے لیکن خاص طور پر انہی لوگوں پر جو اس ہنگامے کے دوران میں نئے نئے دالیت ہوئے تھے۔ میں تو آٹھ دس برس سے آرمی کھیتے پر مقرر تھا اور تین چار برس سے شہروں کی اصلاح کی خدمت بھی بجالاتا رہا۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں نے ان دنوں میں قلعے سے اپنے تعلقات بالکل قطع نہیں کر لئے۔ لیکن بھائی سوچو تو یہ کہ بھی کیسے سکتا تھا! اگر قلعہ گھوکوں کو میرے بارے میں کسی قسم کا شبہ بھی ہو جاتا تو میری اور میرے اہل و عیال کی ٹکا ہوتی کڑا لیتے۔ اس لئے وہاں جانا بھی رہا اور اصلاح کا کام بھی بدستور کرتا رہا۔ لیکن یہ کوئی نئی بات تو نہیں تھی بلکہ خیال کرو تو یہ مزدوری تھی 'بیت پالنے کے لئے اور حیلہ تھا جان پہچانے کے لئے۔ اس میں شک نہیں کہ میں نے انگریزی کی کوئی خاص غیر خاصی نہیں کی لیکن میرا مقصد یہی کیا تھا کہ میں کچھ کر سکتا ہوں خاموش بیٹھا انتظار کر رہا ہوں۔ دیکھئے 'غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ نظراپنی بے گناہی پر خیال کرتا ہوں کہ اب شاید امن ہونے کے ساتھ ہی پیش بحال ہو جائے۔ رہا یہاں سے کسی دوسری جگہ جانا تو یہ کیسے ممکن ہوا! اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ مجھے باز پرس اور واروگیر کا خوف ہے اور میں قصور وار ہوں۔ اس صورت میں اگر پیش کھیلنے کا کوئی امکان ہے تو وہ بھی جانا رہے گا۔ صاحب 'اس وقت یہاں سے لکھنا مصلحت کے خلاف ہے۔ بھائی سے کہنا 'گمب' انہیں 'وہ بھی ہمارے ہی بزرگ تھے جنہوں نے بھوکے پیاسے خدا کی رانہیں جان دے دی۔ دن بیٹھ ایک سے نہیں رہتے یہ وقت بھی گزر جائے گا۔ اگر حالات موافق ہوتے تو میں پھر کسی وقت اگرے کا پتہ لگاؤں گا۔

(5)

۱۸۶۳ء میں والد مرحوم نے مجھ سے فرمایا کہ تمہاری تہارت کے لئے مجھ کو گا کر تم مستقل طور پر دلی میں سکونت اختیار کر لو۔ وہاں یوں بھی کاروبار زیادہ ہے۔ پھر اس پر بڑا شر اور حکومت کا مرکز ہونے کے باعث وہاں ترقی کی زیادہ گنجائش ہے۔ میں نے بعض مقامی دوستوں سے مشورہ کیا۔ میرزا صاحب سے بھی خط کے ذریعے پوچھا۔ سب نے اس راستے پر صاف کیا۔ اس پر میں خدا کا نام لے کر ۱۸۶۳ء کے شروع میں یہاں دلی آ گیا۔

میرزا صاحب نے حکیم محمد حسن خان دہلوی مکان برلائی ۱۸۶۳ء میں چھوڑ دیا تھا اور اب اسی بلطاران میں ایک دوسرے مکان میں رہتے تھے۔ یہ اگرچہ پہلے مکان سے وسیع تھا لیکن اس میں تکلیف یہ تھی کہ محل مراۓ اور دیوان خانے ایک جگہ نہیں تھے۔ زیادہ حصہ ایک جگہ تھا اور مراۓ اس سے کچھ فاصلے پر تھا اگرچہ تھا اسی گلی میں یہ مکان وہ ہے جو بلطاران سے گلی قاسم جان میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے اگلے ہاتھ کو پڑتا ہے۔ اس کے برابر گھر پر ایک چھوٹی سے مسجد ہے، اسی مکان سے حقیقی میرزا صاحب نے کہا تھا:

مسجد کے ذریعہ سلیہ اک گھر بنا لیا ہے
اک بندہ کینہ ہمسایہ خدا ہے

میں نے پوچھا: قبلہ وہ پہلا مکان کیوں چھوڑ دیا۔ اچھا خامسا آرام وہ مکان تھا کہ فرمانے لگے اس میں سب سے بڑا نقص یہ تھا کہ بہت تنگ تھا۔ برلائی 'بچ مانا' میرا اس میں دم گھٹتا تھا لیکن چونکہ کوئی اور جگہ کا مکان ملا نہیں تھا اس لئے آخر برس تک اس میں پڑا رہا۔ مئی ۱۸۶۵ء تک جب فساد شروع ہوا ہے برابر چار روپے میزبانی کا کرایہ دیتا رہا۔ جب فساد ہوا تو حالات سے مجبور ہو کر میں کرایہ نہ دے سکا۔ تین برس تک فیشن بندہ رہی کھانے کو روٹی اور پیسے کو شراب تک ہر شے تھی 'چار روپے میزبانی کرایہ کمال سے دیتا' نتیجہ یہ ہوا کہ تین برس کا کرایہ 'نم و نیش' زیادہ سو روپیہ چڑھ گیا۔ بارے خدا خدا کر کے مئی ۱۸۶۷ء میں فیشن جاری ہوئی اور پھیلا ہوا بھی وصول ہوا تو میں نے تین سال کا کرایہ یکبخت ادا کر دیا لیکن اب ایک اور مصیبت پیش آئی۔ اگلے ہی مہینے جون کے آخر میں مالک مکان نے اسے حکیم غلام اللہ خاں کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ حکیم صاحب نے مجھ سے مکان خالی کر دینے کو کہا وہ اس میں دو دہل کرنا چاہتے تھے بلکہ اس کے بعض حصوں کو نئے سرے سے بنانا چاہتے تھے 'تم نے اسے دیکھا ہی ہے' تھا بھی بہت پرانا بڑی مشکل سے یہ جگہ ملی۔ اگرچہ اس میں محل سرا اور دیوان خانہ الگ الگ ہونے کی تکلیف تو ہے لیکن اس سے کہیں کچھ ہے۔ ہر حال اب پانچاں حرمنا ہاتھوں کی شکایت کیا۔ اب باقی رہی کتنی گئی ہے کہ ان باتوں کی فکر ہو۔ آمین

زندگی اپنی جب اس مشکل سے گزری غالب!

ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا دیکھتے ہیں

اس زمانے میں رودادہ عصر کے وقت ان کے عزیزوں میں سے بعض لوگ ان کے دیوان خانے میں جمع ہو کر فارسی پڑھتے تھے۔ باقر علی خان اور حسین علی خان تو گھری پر تھے۔ ان کے علاوہ نواب فیاض الدین احمد خاں کے

ہم نے صاحبزادے سعید الدین احمد خان اور عارف کے بچے (یعنی میرزا حسن خان کے ہونے بیٹے) محمد حسن خان (عرف فخر میرزا) زیادہ حاضر باش تھے۔ کبھی کبھی میرزا علی بخش خان کے صاحبزادے غلام فخر الدین بھی آتے تھے۔ پڑھانے والے معلم کا ہلکا سا نام تھا مجھے ٹھیک طور پر یاد نہیں رہا۔ میرزا صاحب پاس بیٹھے سنتے رہے۔ کبھی کبھی خود بھی تخریج و توضیح کرتے تھے۔ ساتھ ساتھ لپیٹے بھی ہوتے جاتے۔ چلتے وقت بچوں کو مضامین یا کوئی اور چیز کھانے کو ضرور دیتے۔ یوں بچوں کی گرائی کے ساتھ ان کی گھڑی بھر کی تخریج ہو جاتی۔ مجھے یاد ہے کہ ان دونوں سب اپنے گھٹس کا سچا لیتے تھے۔ جب میرزا وقت کی ٹھوٹی "میں بھٹن" چمپ کر آئی تو میرزا صاحب نے باقر علی خان اور حسین علی خان کو وقت کے بیچے ہوئے دونوں نئے دے دیے اور معلم کو ہدایت کی کہ آئندہ انہیں یہ کتاب پڑھانی جائے۔

باقر علی خان بہت حسین اور عاشق طبع تھا۔ اس کے برخلاف حسین علی خان حد درجہ شرمیل اور کھنڈرا۔ چڑھنے کے نام سے بھاگتا تھا۔ میرزا صاحب جانتے "ارے حسین علی" سچی پڑھ لیا وہ ایک واحد تو کہتا "تیا" دادا جان اور پھر غائب تھا "کسی طرف کھٹک جاتا۔ کھیل کود کا اسے لپکا تھا۔ زبان کا بھی چمورا تھا۔ میرزا صاحب کہتے تھے۔ لڑکے بادشاہ ہیں "جب اپنے سر پر دے گی" تب آئے دل کا بھڑا معلوم ہو گا۔

۱۸۸۳ء کے برس انہوں نے بڑی مصیبت دیکھی۔ انہیں تھوڑی بہت چوک دھانس تو پیشہ ہی رہتی تھی اور کچھ نہ ہوا تو سطل ہل اور قبض کے دونوں مرض تو سونہو ہی تھے کہ جان کے ساتھ کھسے تھے۔ لیکن اس سال مزید یہ ہوا کہ بخاری کے سینے میں ان کو پھوڑوں کی تکلیف شروع ہوئی۔ اول ایک معمولی سی پھنسی داہنے ہاتھ پر لگی۔ ان کی بے اعتدالی سے یہ پڑھ کر پھوڑا ہی گئی۔ اس کے بعد بائیں پاؤں میں درم ہوا اور ساتھ ہی پاؤں اور ایچی سے ہوتا ہوا چنڈی تک گھس ہو گیا۔ پھر دوسرا ہاتھ اور پاؤں پکڑے گئے اور آخر میں جسم کا یہ حال ہو گیا جیسے سودا چڑھا ہو۔ سامے بدن پر ہونے والے درجن بھر پھوڑے اور ہر ایک پھوڑا ایسا خاصا گھرا۔ عظیم محمود خان اور عظیم احسن اللہ خان دونوں صاحبوں نے تفتیش کی کہ اسحاق طون کا شراب حمل ہوا ہے "جو عمر بھر کی شراب نوشی اور بے اعتدالیوں کا نتیجہ ہے۔ آخر باہمی مشورے سے یہ نصیحت کی کہ سب سے پہلے پاؤں کے پھوڑے کو پکا کر گندہ مادہ خارج کیا جائے تاکہ اس کا زہر کہیں سامے جسم میں سرایت نہ کر جائے چنانچہ دو تین دن غم کے تھوڑے کا بھرنا بند تھا رہا۔ جب درم چمک گیا اور اس کا مدہ بن گیا تو شکر سے سوراخ دے کر گندہ مادہ نکال دیا۔ عظیم صاحب نے پھوڑوں پر لگائے گئے ایک مرہم کا نسخہ لکھ دیا۔

ان کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی تھی۔ عظیم محمود خان ہی کا آوی روزانہ صبح کے وقت آتا "وہ زخموں کو صاف کر کے مرہم لگاتا اور چھائے رکھ کر پھوڑا دیتا تھا۔ جب وہ سلائی سے دھم صاف کرتا اور چیپ نکالتا تو ہم دیکھنے والے کانپ کانپ اٹھتے تھے "لیکن آفریں ہے ان پر" ہاتھ پر تل تک نہیں لاتے تھے اور یہ تکلیف چند دن یا چند ہفتے نہیں بلکہ مسلسل کئی مہینے تک رہی۔ وہ روزانہ نہایت اطمینان اور عقل سے مرہم پٹی کرواتے رہے "بلکہ اس دیکھنے والوں کو حوصلہ دیتے رہے۔

ظاہر ہے کہ اس حالت میں ان کے لئے الٹا بیٹنا محال تھا۔ چنانچہ دن رات استراحت پر نہ رہتے بلکہ پیاس

ہاگل ذرا کل ہو گئی تھی، کھانا گھر سے آتا تو وہ لینے لینے ہاتھ دھو کر دو چار لمبے سلق سے انار لیتے۔ رات کو غنیمت بھی کم آتی تھی، بلکہ اسے غنیمت ہی نہیں چاہئے، ایک غفلت کی سی کیفیت ہوتی تھی۔ اگر کہیں طوفانِ حسنی سے پل بھر کے لئے آنکھ لگ گئی تو کسی پھونسے میں نہیں اٹھتی اور وہ ہلہلا کے جاگ اٹھتے۔ اسی طرح سوتے جاگتے رات گزار جاتی۔ اٹھ نہیں سکتے تھے۔ کمزور ہونے سے پڑا ہوا لڑنے لگتی تھیں۔ وہیں چنگ کے پاس اوٹ میں حاجی دھری تھی، ضرورت ہوئی تو کھسک پڑے اور اسی طرح ٹھیکے ٹھیکے واپس چنگ پر آکر پڑ سکے۔ مصیبت بالائے مصیبت، اسی دوران میں انیس فتح کی شکست بھی ہو گئی۔

اس تکلیف کے باوجود اس زمانے میں بھی "احباب کی قربانیاں بدستور جاری تھیں" شاکر و اصلاح کے لئے کلام بھیجے، دوست اور نئے واسے شوقِ غلط نہ تھے۔ وہ کسی کی دل شکنی نہ کرتے، سب کو لینے لینے جواب لکھتے۔ ایک دن فرمائے گئے۔ حیران ہوں، لوگ مجھے ابھی تک زندہ سمجھتے ہیں، حالانکہ میں موٹے سے بدتر ہوں۔ بہر حال یہ دونوں ہاتھ آدمی بچ ہیں اور آدمی جھوٹ، موت کی صورت میں غم مراد ہوں اور زندگی کی حالت میں غم دہرا ہوں۔

تو جی جاؤں، نکل جائے اگر جان کہیں

نومبر کے آخر میں حیدر علی اتنی عود کر گئی تھی کہ مزاج میں موقوف ہو گئی تھی، لیکن اس لمبی بیماری کا یہ نشان رہ گیا کہ دونوں پاؤں کی دو دو انگلیاں مستقل طور پر انھنے کے موٹی اور ٹیڑھی ہو کر رہ گئیں، جو تا پٹنے میں تکلیف ہوتی تھی اور زیادہ بل پھر بھی نہیں سکتے تھے۔ کمزوری کا تو ذکر ہی کیا! خود کہتے تھے کہ جسم میں جتنا خون تھا، وہ چھپ ہی نہ گئی تھا۔ اب تھوڑا سا ہجر میں پاتی ہے، وہ کھا کھا کر جیتا ہوں، کبھی اسے کھانا ہوں، کبھی پچا ہوں۔

میں ۱۸۶۳ء کے نو روز کے دن سر پھر کے وقت مزاج پر ہی کو گیا۔ اندر صحن میں ایک دھلاں تھا، جس شام سر دھوپ رہتی تھی۔ ہمیں چنگ پر لینے تھے۔ اب جاؤں کے موسم میں ان کا یہ عام معمول ہو گیا تھا کہ کھانا کھا کر دھوپ میں لیٹ جاتے اور جب تک ہوا میں ٹھنکی نہ محسوس ہونے لگتی، وہیں پڑے رہتے۔ میں خواب عرس کے سوئے سے پریشان گیا۔

معلوم ہوا کہ ان کے برادر حسین میرزا علی بخش خان فوت ہو گئے ہیں۔ وہ کہتے برس سے سلطان آباد کے قریب کی بہتی عرب سرائے میں رہتے تھے۔ رات سے صحت بھی ٹھیک نہیں رہتی تھی۔ وہیں پچھلی رات کو فحری لہاز سے تھوڑی دیر پہلے جنتِ سد جاوے۔ فرمائے گئے: مرحوم میرزا بہت زہر دور دلی دار تھا، مجھ سے چار برس چھوٹا تھا۔ میں چلنے پھرنے سے محذور ہوں، درنہ بنانے کے ساتھ جانا۔ بھائی ضیاء الدین خان گئے ہیں، کلن وطن کا سارا انتظام دینی کریں گے۔

اسی سلسلے میں ایک اور بات یاد آگئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ نواب غلام الدین احمد خان اور میرزا علی بخش خان میں آپس میں کچھ کشیدگی تھی۔ اگرچہ نواب صاحب نے مرحوم کی وفات پر دو تین تاریخ کے بلائے نکالے تھے، لیکن نہ خواہ انھیں نظم میں لکھا، نہ کسی دوسرے ہی کو یہ کام کرنے کی اجازت دی۔ بلکہ انہوں نے کسی مجلس میں مرحوم کے خلاف بعض ایسے کلمات کہے، جن سے ان کی دلی رنجش کا اظہار ہوتا تھا۔ اس پر میرزا صاحب نے انھیں گھبرا کر صیغہ کو نیچے سے یاد کرنا چاہئے۔ اب قصدا اپنی ناراضی کا اظہار کرنا مناسب ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دوسرے عربوں کے

دل طرب ہوں گے۔ ہاؤ! اس سے بھلا قمیص کیا حاصل ہو گا! بس اب خاموشی بستر ہے۔

اسی سال (۱۸۳۳ء) عارف کے بڑے صاحبزادے باقر علی خان کی شادی نواب فیاض الدین خان کی انکھوی صاحبزادی معظم زبانی بیگم عرف مگاجیم سے ہوئی۔ دولہا ۱۷ برس کے تھے اور دلہن ۳/۴ برس کی۔ دونوں میرزا کے ہاتھوں میں پلے تھے اور انھیں اپنی اولاد کی طرح عزیز تھے۔ ایک دن کا لحاظ مجھے آج تک یاد ہے۔

میں اس دن صبح سویرے کسی کام سے میرزا صاحب کے پاس گیا تھا وہاں باؤل میں دیر ہو گئی۔ اسے میں گھر سے حمایت اللہ ملازم نے آ کے اطلاع دی کہ کھانا چار ہے، 'ختم ہو تو نکلا جائے۔ میرزا صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ کھانا کھا بیس، ہمارے ساتھ کھانا کھا لو، کہاں اتنی دور جلا گئے۔ میں ان کی محبت کے پیش نظر انکار نہ کر سکا۔ چنانچہ انہوں نے حمایت سے کہا کہ بیگم صاحب سے کہہ کر کھانا لکھوائیں، ہم دونوں آ رہے ہیں۔ اور ملازم گیا، اور ہم دونوں اللہ کمرے ہوئے۔ وہ حد درجہ کمزور ہو گئے تھے۔ کھڑی کے سارے دست آہست آہست چلتے تھے۔ حالانکہ کل سراسر دور نہ تھی، 'پچاس قدم کا فاصلہ نہیں ہو گا، لیکن وہاں تک پہنچنے پہنچنے ان کی سانس پھول گئی۔ ہر حال، جب تھوڑا آرام کر لیا تو دسترخوان پر بیٹھے نوکر نے ان کے سامنے شوربے کا پیالہ رکھا۔ میں نے دیکھا کہ خلاف معمول کسی چیز میں بھی پینے کی دال نہیں۔ میرزا صاحب کو بھی اس پر دست تعجب ہوا۔ پوچھا، کیوں بھئی، دال گھر میں نہیں تھی تو بازار سے منگوا لی ہوئی، یا مجھ سے کہا ہوتا؟ میں منگوا دیتا۔ بیگم صاحب دوسرے دالان میں بیٹھی تھیں، 'دیں سے جواب دیا۔ نہیں، دال تو گھر میں موجود ہے لیکن ہو پینے کی دال میں کھائی، اس لئے کسی چیز میں نہیں دلی۔ خدا دے، ایسا موقع میرزا صاحب کو۔ بحث سے بولے: 'دلو! پھر تو ہو خدا سے بھی بد ہو گئی۔ اسے 'چتا تو وہ چیز ہے کہ اس پر خود اللہ میاں کی رال تک پڑی تھی۔ اب ہو پینے کی دال میں کھاتیں تو یہ کیا خدا سے بھی بد ہو گئیں۔ سب چہنہ لگے۔ بیگم صاحب نقل سے بولیں۔ بس انھیں تو باتیں بتانی آتی ہیں، بھاری بھٹی ہے۔ ہوا کیا؟ اگر وہ ایک چیز پسند نہیں کرتی تو اس کی مرضی۔ نیکو تھوڑی ہے کہ کئی چاہے نہ چاہے ضرور کھائیے۔

زندگی کے آخری تین چار برس میں اس کی حذر رستی بہت خراب ہو گئی تھی۔ دن دن بھر پڑے رہتے تھے۔ کوئی تکلف کاٹنے والا آجاتا تو جینے جانتے، 'ورنہ سارا وقت چارپائی پر لیٹے رہتے۔ گرمیاں میں دن بھر کوٹھری میں گزار جاتا، رات کو دو آدمی اٹھا کر گھن میں لے آتے۔ جائنوں میں دن کے وقت دھوپ میں لیٹے رہتے، رات کو سونے کا کمرہ اکیٹھس سے خوب گرم کرا لیتے تھے، 'خواب نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ صبح کی تحدید بدستور تھی۔ دوسرے کو صرف ایک پیالہ بھر گوشت کا پانی۔ ہوئی، 'دوئی، 'چادل، سب کچھ ہانکل منظور۔ سرشام تھوڑے دو تھوڑے بھر شراب اسی قدر گلاب میں ملا کر پیتے تھے اور بس۔ دوستوں کے خط آتے تھے، 'ان کے پڑھنے اور جواب لکھنے میں دن کٹ جاتا۔ طوڑا وہ لکھ بھی نہیں لکھتے تھے۔ لکھتے تو انکیاں آکر چائیں، 'اور درد کرنے لگتیں۔ کوئی دوست ملاقاتی آجاتا تو اس سے خطوط کے جواب لکھوا لیتے تھے۔ آپ بولتے جاتے تھے اور وہ لکھتا جاتا تھا۔

جانتے دانے جانتے تھے کہ اب یہ چراغ بجھ چکی ہیں۔ ۳۴ فروری ۱۸۳۹ء کو وہ حسب معمول لیٹے ہوئے تھے۔ اگرچہ کوئی خاص تکلیف نہیں تھی، لیکن ایک لمبے عرصے کی کلیت ضرور تھی۔ ہوش میں آئے تو کلو نے پوچھا کہ حضور کھانا لائیں۔ بولے، 'آج ہم کھانا میرزا جیوان بیگ کے ساتھ کھائیں گے۔ ہاؤ! اسے بلا لادو۔ اس سے اشارہ باقر علی خان

کمال کی سب سے بڑی صاحبزادی محمد سلطان کی طرف تھا۔ امیں میرزا پیار سے میرزا جیون یکے پا جینا بیگم کہا کرتے تھے۔ وہ اس وقت چار برس کی تھی۔ کلو انہیں بلانے محل سرائے میں گیا۔ وہ سو رہی تھیں۔ بچہ بیگم 'ان کی والدہ نے کہا: ابھی کھینٹے کھینٹے سو گئی ہے۔ ہوشی جاگتی ہے' بھیجتی ہوں۔ کلو نے آکے کہا کہ حضور 'وہ آرام کر رہی ہے۔ بیگم صاحبہ جاگنے پر بھیج دیں گی۔ یہ سن کر بولے 'اچھا' تو جب وہ آنے کی ہم اسی وقت کھانا کھائیں گے۔ اتنا کہہ کر بچے پر سر رکھا اور لیٹ گئے۔ لینٹے کے ساتھ ہی بے ہوش ہو گئے۔ فوراً حکیم محمود خاں اور حکیم احسن اللہ خاں کو اطلاع کی گئی۔ دونوں صاحبوں نے راستے دی کہ دماغ پر قابو کرنا ہے۔ یہ خبر سارے شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ جس جس نے سنا 'دوڑا آیا۔ عیادت کے لئے آنے والوں کا آنا بند ہو گیا۔ آٹھ پہر اسی بے ہوشی میں گزرے ' نہ ٹیکسوں کی پیش گئی ' نہ کسی اور کی ' نہ دوا کارگر ہوئی ' نہ دوا۔ اور ہوئی بھی کیسے؟ ان کا وقت آنا لگا تھا۔ اسی حالت میں اگلے دن صبح قہروری کو وہ پھر اٹھنے جان ' جان آفریں کے سپرد کر دی۔

حق منظر ت کرے ' عجب آزادو مراد تھا



ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
صلائے عام ہے یا زان نکتہ داں کے لیے



ندیم اینڈ کمپنی

D-25 فرسٹ فلور زمری محرشل ایریا بلاک ۶

پلی۔ای۔سی۔ ایچ۔ ایس کراچی — فون: ۴۴۱-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۱-۴۴۱-۴۴۱



غالب لکھنؤ ہیں



پاکستان کی اردو صحافت میں کارٹون کا آغاز کب ہوا؟ اس کے بارے میں حقیقی طور پر تو کچھ نہیں کہا جاسکتا، مگر روزنامہ کوستان لاہور کے کارٹون "میر صاحب" نے جو مقبولیت حاصل کی وہ شاید ہی کسی اور کے حصے میں آئی ہو۔ اخبار کے قارئین اپنی صبح کا آغاز "میر صاحب" کے ساتھ

کرتے تھے۔ تمام دن ”میر صاحب“ کے ذکر میں گزرتا اور شام ہی سے اگلی صبح کا انتظار شروع ہو جاتا۔ دیکھئے! اکل ”میر صاحب“ کا موضوع کیا ہوتا ہے؟ پھر جب کوستان کے کارکنوں نے روزنامہ مشرق کا آغاز کیا تو ”میر صاحب“ مشرق کے صفحہ اول کی زینت بن گیا۔ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اپنے دور کے کثیر الاشاعت اخبار مشرق کے قارئین کا ایک بڑا حصہ صرف ”میر صاحب“ کے پرستاروں پر مشتمل تھا۔

اس مقبول عام کارنوں کے خالق کا نام ایسے حید ہے۔ جو اپنے نام سے کم اور میر صاحب کے نام سے زیادہ متعارف ہیں۔

راجھا رانجھا کردی میں میں آپے رانجھا ہوئی

جناب حید نے کارنوں ہی نہیں بنائے۔ فن مصوری کے دیگر ذابوں میں بھی رنگ آمیزی کی اور فن شماسوں سے داد تحسین کے مستحق قرار پائے۔ خاص طور پر علامہ اقبال کے مفکرانہ انداز پر مبنی مختلف پورٹریٹ اقبالیات سے دلچسپی رکھنے والوں کو مدتوں یاد رہیں گے۔ ایک کام اور بھی کیا۔۔۔ اور یہ کام تھا کارنوسٹ حید کا۔

انہوں نے مرزا غالب کے اشعار کو اپنے کارنوں کا موضوع بنایا۔ اور افکار غالب کو ایسے ایسے معانی پسائے کہ غالب دوستوں کے چرے کھکھلا اٹھے۔

کارنوں کے اس ٹایپ و ٹاور ذخیرے میں سے چند قارئین سورج کی ضیافت طبع کے لیے اگلے صفحات پر شائع کیے جا رہے ہیں۔ اور اس فوازش بے پایاں کے لیے جناب حید کا انتہائی ممنون ہے۔



تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ جبہ کہ کل گئی دنیاں تھاد سو دھتا





رہنے لے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے

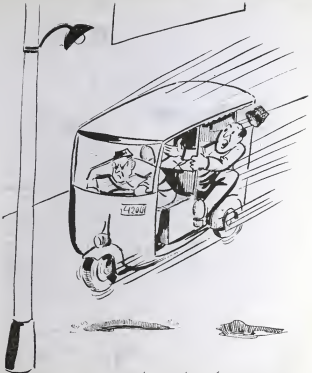


پاس مجھ آتش بجاں کس سے ٹھہر جائے ہے



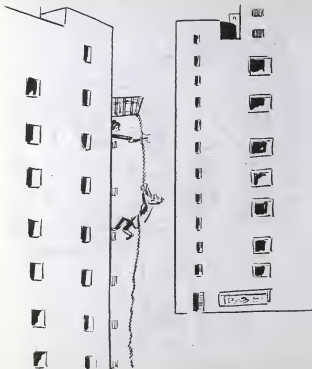
پہلے دھرم کوئی شہر چاہیے

پہلے

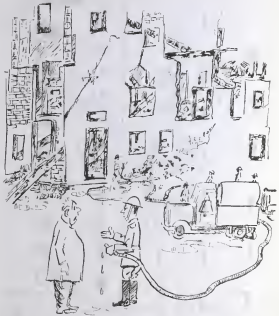


تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا

چمپ

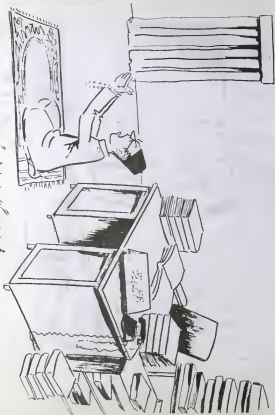


قطع کیجئے نہ تعلق مسم سے



مہربان ہو کے جالو مجھے چاہو جس وقت میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آجی نہ سکوں

جیسے جیسے گڑھا حساب آئے خدا دیکھ





شمس
چراغ

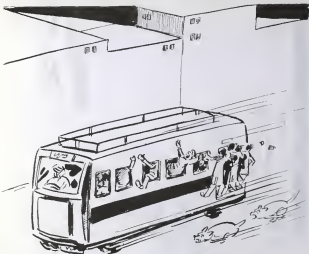
میں مجھ کو شکایت کی اجازت کہستم



فرصت کہاں کہ تیری تمنا کے کوئی



بے شہانِ نیم پیدائے کوئی مشعلِ رقیبے اوٹھنِ واکرے کوئی



شیر
۶۶۶

وہ کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جاتا ہے



حکایت

گر نہیں وصل تو حسرت ہی ہے



حشیر

بورب گا کچھ نہ کچھ بسرائیں کیا



پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی۔





کام وہ آن پڑا ہے کہ بتائے نہ بنے

میں نے
کچھ

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدائی مشورت ہے





جھبہ ، ہونے ہیں چاول پہلے ہی نہر و محقق میں دنگی — نہ ہوا لگا جانے پہ لگا سے نہ لگا امانے پہ لگا سے



دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی

حکیم



تو دوست کسی کا بھی ستم گر نہ بھلاست

مکتبہ
لاہور



یارب وہ نہ بچے ہیں نہ بچیں گے میری بات



کہ موج بوئے گل سے ناک میں آتا ہے دم



غالب ڈرامے

سید امتیاز علی تاج

غالب اور ان کی بیگم

دیوان غالب میں ایک شعری مکالمہ

(سانے کی دیوار میں کھڑی۔ دائیں اور بائیں ہاتھ دیوار کے اگلے حصے میں دردانے۔ بائیں ہاتھ پچھلے حصے میں دیوار کے ساتھ چنگ۔ دائیں ہاتھ کی دیوار میں کپڑے ٹانگنے کی کھونچ، جس پر علاوہ دوسرے کپڑوں کے برقعہ لٹا ہے۔ اس سے ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگا ہوا تخت، جس پر سوزنی بھی لٹاؤ گئیے اور بان دھن رکھا ہے۔ پردہ اٹتا ہے تو بیگم غالب چنگ پر اواس لٹی ہیں۔)

بیگم: (آہ بھر کے مضمحل انداز میں اٹھ کر بیٹھ جاتی ہیں) 'دردا سے وقف کے بعد)

تپش سے میری وقف کشف ہر تار بہتر ہے

مرا سر رنج پائیں ہے مرا تن بار بہتر ہے

(واقعی اور ست قدموں سے کھڑکی تک جاتی اور اس کے پٹ بند کر کے درز میں سے باہر بھاگتی 'بھر سر

دیوار سے ٹیک لیتی ہیں۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد آہ بھر کر)

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید

جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

(غالب بائیں ہاتھ کے دردانے سے داخل ہوتے ہیں۔)

غالب: (بیوی کو دیکھتے ہوئے)

پھر کچھ اک دل کو ہے قراری ہے

سینہ جو بوائے دلم کاری ہے

پھر بکر کھونے لگا ناخن

آہ فصل لال کاری ہے

بیگم: (غالب کو دیکھ کر شکوہ آمیز انداز میں)

فزاں کیا فصل محل کہتے ہیں سب کو کوئی موسم ہو

دی ہم ہیں 'فصل ہے اور ماتم ہاں و پر کا ہے

غالب: (بیوی کو دیکھ کر جھڑا مارتے ہوئے)

شرح ہنگامہ ہستی ہے زہے موسم گل
دہر قطرو بہ دہا ہے خوشا مون شراب
یہ مسائل قصوف یہ ہمارا بیان غالب
تجے ہم دلی سمجھتے ہو نہ باہ غوار ہوا
غالب: (کھوئی کی طرف پڑھتے ہوئے)

سے سے فرض نکلا ہے کسی رو سیاہ کو
اک گونہ ہے خودی مجھے دن رات چاہئے
یہ خودی ہے سبب تمیں غالب
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے
غالب: (چند اور ٹوٹی کھوئی پڑھتے ہیں)

آتش کدہ ہے سینہ مرا رازِ نماں سے
اے دوائے اگر صرغِ حقیر میں آئے
ہم گئے ہے ہر کسی کو لبِ ہام پر ہوس؟
دلف سیاہ رخ پہ پریشان کئے ہوئے؟
غالب: (تخت پر بیٹھ جاتے ہیں)

ہم دہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر تمیں آتی
ہو مگی ہے غیر کی شیریں بانی کارگر
مشق کا اس کو گماں ہم بے زبانوں پر تمیں
غالب: (بے بسی کے جھم کے ساتھ)

یا رب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زبان اور
رقب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے
تساری طرزِ روش چاہتے ہیں ہم کیا ہے
غالب: (دونوں ہاتھ سر کے پیچھے چاند کر گاؤں گئے سے ٹک لگا لیتے ہیں)

ہے کچھ ایسی ہی بات جو پپ ہوں
درد کیا بات کر تمیں آتی

ہجیم : وہ اپنی خرد چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سب سرین کے کیا پرہیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

غالب : کر خاموشی سے قائمہ اخلائے سال ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھیں محال ہے

ہجیم : در پردہ انہیں غیر سے ہے ربط نسلی
ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردہ نہیں کرتے

غالب : (اٹھ کر کڑی کی طرف جاتے ہوئے)

ہجیم : حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرم ترشا ہو
کہ چشم نگ شاید کثرت نظارہ سے وا ہو

ہجیم : تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و رواج ہو
مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا کتاہ ہو؟

غالب : (کڑی سے باہر دیکھتے ہوئے)

ہجیم : انہیں سوال پہ دم جنوں ہے کیوں لڑیجے۔
ہیں جواب سے قطع نظر ہے کیا کئے

ہجیم : تم سے ہے جا ہے مجھے اپنی جانی کا گد
اس میں کچھ شائبہ خوبی تقدیر بھی تھا

غالب : چال پیسے کڑی کمان کا تھر
(بڑھ کر اور ٹائلف قلب کے لئے ہاتھ تھام کر)

ہجیم : دل میں ایسے کے جا کرے کوئی
(گوشہ چشم سے آنسو پونچھتے ہوئے)

غالب : ہمیں نہ پیہز کہ طوفان اٹک سے
بٹھنے ہیں ہم تیرہ طوفان کے ہوئے

غالب : (تخت پر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے)

ہجیم : جان تم پر شمار کرتا ہوں
میں نہیں جانتا دعا کیا ہے

ہجیم : (غالب کی سلیم اطہری سے بھری)

ہجیم : چاہتے ہیں خوب رویوں کو اسد
آپ کی صورت تو دیکھا چاہئے

غالب : کرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی
نیگم : (ابھی دل نہیں بھرا)

غالب : غافل ان مہر طغیوں کے واسطے
چاہئے والا بھی اچھا چاہئے
غالب : (ہاتھ نیگم کے پر لے کندھے پر رکھ کر)

حد چاہئے سزا میں عقوبت کے واسطے
آخر گنہ گار ہوں 'کافر نہیں ہوں میں
نیگم : (ابھی آنسوؤں کا حباب باقی تھا)

غالب : دل ہی تو ہے نہ سبک و عشق درد سے بھر نہ آئے ہیں
روئیں گے ہم ہزار بار 'کوئی ہمیں دلائے ہیں
غالب : خدا! جذبہ دل کی مگر تاثیر الٰہی ہے

کہ بٹھا کھینچا ہوں اور کھینچا جائے ہے مجھ سے
آگ سے پانی میں بجھتے وقت اشقی ہے صدا
نیگم : ہر کوئی دماغی میں ٹالے سے ناچار ہے

غالب : بارہا دیکھی ہیں ان کی رہنمائی
لیکن اب کے سر کرانی اور ہے
نیگم : (آؤ دلدوز کے ساتھ)

غالب : زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے
نیگم : جی ہی میں کچھ نہیں ہے ہمارے دیگر نہ ہم

سر جائے یا رہے نہ رہیں پر کے بغیر
نیگم : (ہلکے کرانچہ کڑی ہوتی ہیں)

غالب : کلام اس سے آ پڑا ہے کہ جس کا جہان میں
یہ ہے نہ کوئی نام ستم گر کے بغیر
غالب : غلط ہے جذب دل کا شعور 'دیکھو جرم کس کا ہے

نہ کھینچو گر تم اپنے کو 'کٹھناتش درمیاں کیوں ہو؟
نیگم : (شہیدانہ انداز میں)

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی؟

غالب: (کہانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھنا چاہتے)

روک تو مگر غلط چلے کوئی
بخل و مکر غلط کرے کوئی

نیگم: (ہاتھ چھڑا کر)

کوئی دن مگر زندگی اور ہے
اپنے ہی میں ہم نے ٹھانی اور ہے
ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگ نامکملی اور ہے

غالب: (باپس ہو کر)

ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ
ہوں میں کام لے کر دے ناشنید ہوں
(دراغہ نگلی میں جا کر چند کھوٹی سے اندرتے ہیں)

رہتے اب ایسی جگہ جا کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم خن کوئی نہ ہو اور ہم نہیں کوئی نہ ہو

(چند پینے ہوئے)

بے درد و دماغ سا اک گھر بنا دیا
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسہاں کوئی نہ ہو

(ٹوٹی پینے ہوئے)

پہلے مگر پتار تو کوئی نہ ہو تیار دار
اور اگر مر جائیے تو کونہ خواں کوئی نہ ہو

(بہوش میں جھڑی سے باہر نکل جاتے ہیں)

نیگم: (اپنے طرز عمل پر غلام ہو کر اپنے آپ سے)

بھلا اسے نہ سہی کچھ بھی کو دم آتا
اثر مہرے کس ہے اثر میں خاک نہیں

(جھڑی سے کھڑکی کی طرف جاتی اور بے اختیاری میں ہٹ کھول کر)

اے ساکنان کوچہ و مدار رکھو!

تم کو کہیں جو غالب آشفق سر طے
 بے قراری سے واپس آئی اور احساس جرم کے خوف میں کھوئی پر سے برقعہ اتارتی ہیں
 اسد ہے نزع میں ' چل بے وقارے خدا
 مقام ترک عجب و دواعی نکلیں ہے
 (غالب خود واپس آجاتے ہیں ' جگم برقع پہن رہی ہیں)

غالب: (اپنے آپ سے)

فائدہ کیا ' سوچ ' آخر تو بھی دانا ہے اسد
 دوستی ناداں کی ہے ' جی کا نیاں ہو جائے گا
 جگم: (غالب کو دیکھتی ' ان کی طرف بڑھتی اور پشیمانی کے بغیر سے)

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے
 کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی
 غالب: (جگم کے انداز سے حوصلہ پا کر خوشی سے)

ہم کوئی ترک وقار کرتے ہیں
 نہ سہی تعلق ' مصیبت ہی سہی
 جگم: (سکراس)

ہم بھی حلیم کی طو ڈالیں گے
 بے نیازی تری عداوت ہی سہی
 (دونوں محبت سے ایک دوسرے کے دونوں ہاتھ تھامتے ہیں)

پردہ



مرزا غالب

ڈاکٹر محمد حسن

پہلا ایکٹ ————— آرزو ————— ۲ سین
 سچے اپ الہی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
 دہرا ایکٹ ————— فکرت آرزو ————— ۲ سین
 آئینہ خانے میں کوئی لئے جاتا ہے مجھ
 تیسرا ایکٹ ————— عرفان ————— ۲ سین
 حق سے کرتے ہیں روشن شعاع ماقم خانہ ہم

کردار:-

1-	غالب	10-	آرزو
2-	یوسف مرزا	11-	حالی
3-	جسی دھر	12-	فضل حق
4-	جگم	13-	کونوال شمر
5-	ماں	14-	مولانا
6-	لڑکی	15-	بزرگ
7-	نودارد۔ ماسوں	16-	چمپداز
8-	میر کاظم علی	17-	دستاں گو
9-	شیفتہ	18-	بکھ سیانی، سپاہی
			جہازی، فقیر دغیبہ

پہلا ایکٹ، پہلا سین

آگرہ ————— ۸ دہریں صدی کے شروع میں
 (دو فقیر چٹنوں پر گاتے ہوئے داخل ہوتے ہیں)
 بے دانتی سے آگرہ آیا ہوا چاہ پھوٹی عریضیاں ہیں تو لہنی شمر چاہ

ہوتا ہے باغیاں سے ہر ایک باغ کا باغ وہ باغ کس طرح نہ لگے اور نہ اجڑے آو
جس کا نہ باغیاں ہو نہ مالی نہ خارید
جب آگرے کی خلق کا ہو روزگار بند

پسلا فقیر : اللہ ہی دے گا۔

دوسرا فقیر : مولائی دے گا۔

پسلا فقیر : تجھے فضل کہتے تھیں گئی بار نہ ہو تجھ سے باجس امیدوار
چوہدار : بابا برکت ہے۔ آگے بڑھو۔

پسلا فقیر : ہم اس سرکار سے محروم دلائیں جانے والے تھیں۔

چوہدار : بابا! اب وہ حویلی کہاں۔ رسالدار نصرائٹ بیگ خان کا انتقال ہو گیا۔ کیا تیر کے لوگ تھے۔
پہلے مرہٹوں کی طرف سے آگرے رسالدار ہوئے فرنگیوں کے حملے کے وقت جان نژادنی 'پھر رسالدار
ہوئے اللہ مغفرت کرے اچھی گزار گئے' بھائی پہلے ہی اللہ کو پیارے ہوئے وہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو
چھوڑ کر سدھار گئے رہے نام اللہ کا۔

پسلا فقیر : اللہ ہی دے گا۔

دوسرا فقیر : مولائی ہی دے گا۔

(غالب جن کی عمر دس گیارہ سال سے زیادہ تھیں ڈیو ڈمی سے نکل کر آتے ہیں 'فقیروں کو ایک نظر
دیکھتے ہیں' اپنا چھوٹا سر فلفل لور کھاوا اتار کر نکل دیتے ہیں)

چوہدار : سرکار! چھوٹے سرکار!!

غالب : مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔

چوہدار : (غالب کو گٹھے سے لپٹا کر) آخر کیوں نہ ہو۔ بھائی سرکار کا بیٹا ہے جس ڈیو ڈمی سے بھی فقیر
دلائیں نہ لوٹا ہو وہاں یہ حال ہو کہ نہ باپ کا سایہ سر نہ چچا کا دست شفقت میرا۔

(یوسف مرزا جو غالب سے دو برس چھوٹے ہیں 'دوڑتے آتے ہیں آنکھوں سے دھشت ٹپک رہی ہے)
یوسف : مگر سرہ تاج ہے۔

چوہدار : کیا کہہ رہے ہیں چھوٹے سرکار!

یوسف : ہم کہتے ہیں سرہ تاج ہے یوسف ہم بھی بیٹے ہیں مگر سر تاج ہے (پلے جاتے ہیں)

(جنسی دھرج مرزا سے عمریں یکم ہوئے ہیں داخل ہوتے ہیں)

جنسی : چلو! فلرنگ کی ایک بازی ہو جائے استاد (باس کے دیوان خانے میں جا بیٹھے ہیں جو اسٹیج کے ایک
طرف ہے جلدی جلدی مریں لگاتے ہیں تھوڑی دیر خاموشی سے بازی ہوتی رہتی ہے 'تھوڑی دیر بعد)

غالب : چال چلو! میاں جنسی دھرج۔

- جنسی : چنا ہوں مرزا، ظفرؔ ہے کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔
- غالب : ہمارے لئے تو کھیل ہے۔
- جنسی : دیکھو مرزا ظفرؔ میں تو کوئی غاں ہو مجھ سے ہاڑی نہیں لے جاسکتا۔ ایک شہر دیا نصیب آگیا برس برس میں تو گویا آپ کو ظفرؔ کھیلنی آگئی چہ خوب یاد رہے ناظر جنسی دھر سے کھیل رہے ہو۔
- غالب : تو ابھی سے ناظر بھی ہو گئے۔
- جنسی : باپ دادا عزت والے تو چنا بھی ناظر ہو گا۔ دیکھ لیتا۔
- غالب : اچھا تو قبلہ ناظر صاحب یہ شہر تو بچنے یہ لکھنے فروری تو کیا۔
- جنسی : میاں صاحبزادے ہو ابھی ذرا نصیب۔ حال ابھی کاٹا ہوں وہ بھی ابھی کہ یاد کرو گے عمر بھر۔
- غالب : قبلہ ناظر صاحب، دوسری ہاڑی لگا لکھتے یہ خاکسار رک جی ہے حال ہی ابھی چنا ہے باپ میرا زندگی بھر فرج میں رہا۔ بچا میرا رسالہ دار بنا میرا کیدان۔ باپ دادا کا سلسلہ تو ابن فریدوں تک پہنچتا ہے ہم سے ہاڑی لے جانا آسان نہیں۔
- جنسی : چہ خوب؟ وہ تو کبھی کبھی کھلا دیتا ہوں جنہیں تو پر خوردار سمجھتے ہو کہ ظفرؔ آگئی کچھ خاندان کی پرانی راہ و رسم کا لحاظ کرتا ہوں ورثہ مات پلا پلا کر نوشیرواں بنا دیتا سوچتا ہمارے تمہارے خاندانوں میں پشتوں سے رسم چلی آتی ہے نجف خان کے زمانے میں تمہارے اور ہمارے تاتا دونوں ساتھ فرج میں رہے ساتھ تو کئی چھوڑی پھر تب سے ہوش سمجھا ہم تم ساتھ ساتھ ہیں اور وہ چار مات پلا دینے تو کھو گئے کہ رسول پرانی دوستی کا پاس نہ کیا۔
- غالب : دادا ناظر صاحب منگیا کہتے ہیں۔ عمر میں مجھ سے وہ ایک برس ہی چھوٹے بیٹے ہو گئے اور باتیں کرتے ہو تو دادا تاتا سے نرم لوالہ نہیں توڑتے۔
- جنسی : خیر جی مرزا، یہ ہاڑی جنہیں اتفاقاً لو مات ہمیں مانے لیتے ہیں کیا یاد کرو گے تم بھی کہ ناظر جنسی دھر کیا حاتم تھا اچھا چلو، دوسری ہاڑی لگاؤ۔
- غالب : نہیں چناپ، دوسری ہاڑی نہیں آج بلوان گھٹے سے چنگ کے چچ لڑا ہوں۔
- جنسی : کون؟ راجہ بلوان گھٹے دی گزریوں کے کھڑے والا، وہ بھی عمر بھر چچ رہے گا اور تمہارا بھی یہی حال ہے۔
- غالب : جی ہاں بس ظفرؔ کے سوا تو سارے کھیل گویا لاکھن نصیب تم بھی ذرا چچ لڑاؤ تو چائیں، چلو چلتے ہو۔
- جنسی : لہاں۔ قویہ کہو میں گھر جاتا ہوں جب اس کوٹھیا رہیں سے بہت جلد تو بلا لیتا۔
- غالب : جنسی دھر۔
- جنسی : اب کیا افتادہ ہے؟

غالب : ارے عالم! یہ تو خیال ہی نہیں رہا کہ استاد عبدالصمد ہرمو آج ابھی تک سیو تقریب کو نہیں
مکے ہیں تم نے اور چنہ بھیری اور اور انہوں نے کواز لگائی عزم عزم اور بس چنگ بازی دلیرا
سب دھری رہ جائے گی بس ذرا دیر اور بیٹھے رہو۔

جنسی : یعنی استاد ہرمو کبھی کہ آپ میری وجہ سے بیٹھے ہوئے ہیں۔

غالب : بس میں چچ کرا کے ابھی آیا۔

جنسی : گویا مجھے کوئی اور کام تھوڑا ہی ہے! میں آپ کے انتظار میں بیٹھا لوگھا کوں! جاتوں استاد ہرمو
سے سبق پڑھو۔

کرنا یہ نشتائے بر حال ما

غالب : خبر سنی یاد کرنے میں میرا کوئی حالی نہیں پتہ ہے استاد ہرمو خالص ایرانی ہے اور خالص پارسی
نژاد میری فارسی دہلی پر فخر کرتا ہے۔

جنسی : بہت اچھا! بہت خوب! اب آپ جلدی آئیے مجھے دیوان حافظ دیتے جاسیے۔ قل لکلا ہوں کہ
تصاری چنگ ڈور سے نکلتی ہے کہ پار ہوئی ہے۔ اور میری سنو تو مرزا اعنت کبھی چنگ بازی پر آج
رات راجہ بلاس رائے کی حویلی میں مشاعرہ ہے۔ چلے چلتے ہیں یعنی میری تو جان جاتی ہے ان
مشاعروں پر اکبر آبادی کے شاعر تو ایرانی شاعروں کو شہرت ہے اور رفیع تصاری قسم! وہ مضمون
لکھتے ہیں کہ ہرمو مرزا گرد ہیں اور اپنے میاں نظیران کا کلام تو شرمیں بچے بچے کی زبان پر ہے۔

غالب : تم کو گے اپنی بیانی کرنا ہے خدا کی قسم وہ چار شعر تو ہم نے بھی کہنے شروع کر دیئے ہیں۔

جنسی : جگ؟

غالب : بالکل جگ۔

جنسی : اچھا یہ تو تھوڑے محضے میں یا غاری میں۔

غالب : دونوں گہری لوزی ہیں! ایک قلعہ محضے میں چنگ پر لکھا ہے! ذرا دیکھنا! واو دینے میں کبھی
نہ کرنا۔

ایک دن مثل چنگ کاغذی

لے کے دل مرد شہداء آلودگی

خود بخود جگہ ہم سے کھینچے گا

اس طرح گویا کہ سر کھائے گا

جنسی دھر : اچھا! ارے تو تھوڑا کس سے کھولا ہے؟

غالب : قہین نہیں آیا حسین؟

جنسی دھر : قہین؟ میرا ایمان ہے کہ یہ شعر تم نہیں کہہ سکتے اس میں ضرور کوئی چال ہے۔

غلاب : مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے کہ میرے اندر کئی دل چھپے ہوئے ہیں اور ہیکر پوشیدہ ہیں ان میں سے ایک امیر زادے کا دل ہے جس سے اپنے خاندان کی چاہی نہیں دیکھی جاتی، ایک شاعر کا دل ہے جو سب تن بان، موٹی، موزی، عزت، شہرت، ہلو و جلال پر لبت مار کر من کی دنیا میں راج کرنا چاہتا ہے ایک نوجوان کا دل ہے جو پیش سے زندگی گزارنا چاہتا ہے شطرنج، چنگ بازی، ایسے دوست مشاعرے کی محفلیں میلے ٹھیلے نقد و مرود۔

جنس : یار تجھے سمجھنا نیز مٹی کبیر ہے کبھی تو شطرنج میں چال بھی نیز مٹی پتا ہے۔
 غلاب چلے جاتے ہیں۔ جنس دھر کوئی کتاب اٹھا لینا چاہتے ہیں کہ پس منظر سے گانے بجانے کی نواز اچھلتی ہے میرا میرا جنس مبارک بادی کا دہی ہیں

بعدت خلعت شانہ مبارک باشد
 جلوہ شمع نہ پروانہ مبارک باشد
 ساقیائیشہ و چنانہ مبارک باشد
 جو خلططن مستانہ مبارک باشد

جنس دھر تو مٹی کے دروازے تک آتے ہیں جہاں چوہدار کھڑا ہے۔

جنس دھر : آج یہ گانا بھانا کیا ہے۔
 چوہدار : جنس پتہ نہیں چھوٹے مرزا کی شادی دلی میں ہو گئی ہے۔
 جنس دھر : مرزا کی شادی؟
 چوہدار : ترک بچوں میں ہی ۳۰-۳۳ سال کی عمر میں شادی کا دستور ہے۔
 جنس دھر : اچھا تو یہ گل کھلا رہے ہیں اور ہمیں پتہ بھی نہیں لڑکی کس خاندان کی ہے؟
 چوہدار : انہی کے خاندان کے لوگ ہیں ریاست لوہارو کا نام سنا ہے۔ اسی کے نواب امیر بخش کی بیٹی اور نواب افغانی بخش کی صاحبزادی۔ میں تو جانوں مرزا بھی اب دلی ہی چاہئیں گے۔

جنس : اور سب لوگ؟
 چوہدار : اور سب لوگ بھی
 جنس : ایسا نہ کہو بھیا ایسا نہ کہو۔

(میراثیوں کی کواڑ پس منظر سے پھر اچھلتی ہے)

مشق ہمارے خیال چڑا ہے خواب کیا آرام کیا
 مٹی کا جان فھر رہا ہے صبح کیا یا شام کیا
 ہاتھ بولتی کیا کیا کہنے شور سہوں میں رکھتے تھے
 اب کیا ہے وہ صد گیا وہ موسم ہو ہجتم کیا

بلکہ میر ساد میں ہم تک دو شبیں شب سے شبیں کیا
شاہِ شمر سے ظلم کے عاشق وہ بدنام کیا

(دورِ پردہ)

پہلا ایکٹ، دوسرا سین

دلی۔ محلِ قاسم جان کے قریب ایک چوراہہ، کبھی سبیل بند

(شب کا ابتدائی حصہ لوگ ایک طرف داستان گو کے گرد جمع ہیں اور لائٹسوں کی روشنی میں داستانِ جوان کی جا رہی ہے۔)

داستان گو : جب شمر کے دروازے پر آیا ایک نعروں کا قتل کو سحر سے توڑا اور گھسپانوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر
بٹکارا کہ اپنے غلام کو جا کر کہو کہ ہزاروں خانہ کدہ، سرکار اور شہزادہ کامیاب کو جو تسارا دانا ہے۔ ہانگے
پاکوے لئے جاتا ہے۔ اگر مہادی کا کچھ نشہ ہے تو باہر نکلو اور مکہ کو چھین لو۔ یہ نہ کہہو کہ چپ
چاپ لے گیا شبیں تو تھکے میں بیٹھے آرام کیا کہ۔ یہ خبر بادشاہ کو جلدی جا پہنچی وزیر اور میر بخش کو
حکم ہوا کہ ان تینوں بدذات مشعوذ کو پانچ کر لایا ان کے سرکٹ کر حضور میں پہنچاؤ۔ ایک دم کے
بعد فٹ فریج کا نمودار ہوا اور زمین و آسمان گرد ہار ہو گیا۔ بادشاہ نے مکہ اور اس فقیر کو ایک در
میں ہلی کے بارہ پلے اور جون پور کے ہلی کے بارہ تھاکڑا کیا۔

(چادس اور چوبدار اور کچھ سپاہی آگے آگے دوڑتے جاتے ہیں۔) "ہلو بچو دو بادشاہ ہو شیار فرنگی
ریڈیٹ بلیور کی سواری آتی ہے۔" کی آوازیں پھر سبھی کے گزرنے کی آواز جمع میں بے چینی اور
سرگوشیں۔

مولانا : صاحبو! غلط فرمایا آپ نے یہ مفید شہزادے باہر فرنگی ہو بیٹھے دی ودی، دی پرشاک فرنگی
ریڈیٹ بلیور کو ساتھ بٹھا کر کبھی ہانگ رہے ہیں چچان پاس رکھا ہے اور سائیکس پیچھے کھڑا ہے۔ لوہار
کے قریب خمس الدین خان اردلی ہیں۔ اے سبحان اللہ تو یہ تو اسے چمک گرداں تھو۔
داستان گو : تو صاحبو! بادشاہ نے مکہ کو اور اس فقیر کو۔

مولانا : بس میر صاحب داستان ہو چکی۔ اب اجازت ہو تو میں کچھ دین ایمان کی باتیں کروں۔ اے
ایمان والوں فرنگی نے جو اسطفا لایا ہے اور اگلیم میں جو غصب اٹھایا ہے آپ حضرات نے اپنی
آنکھوں سے دیکھا پریم سمودی کا آخری چراغ جل رہا ہے۔ پتہ نہیں کب بھڑک کر خاموش ہو جائے۔
دن رات نہ جاتے کتنے ہندو مسلمان بے دین ہو رہے ہیں ہر سے چار خانہ ہیں ویران، دفتر آباد اور قسق
و فجور کا بازار گرم ہے۔ اب سنا ہوں غازی الدین حیدر کے ہر سے کو انگریزی کے ہر سے میں بدلا

جانے گا اور علم دین کی جگہ گنت ہٹ سکھائی اور لادینی بتائی جائے گی۔ ملک ویران ہو رہا ہے دین جاہ اپنے پیچھے اور امیر نادار یہ سب کہیں اس لئے کہ ہم جی راہ سے بھگ گئے ہیں ہم نے حق کے لئے بیٹا اور حق کے لئے مرنا چھوڑ دیا ہے جی چاہے تو مجھے وہابی کہہ کر ہنس لو سامیو! یاد رکھو حساب کا وقت قریب ہے بہت قریب اور اس وقت اس سے بڑی سعادت کوئی نہ ہوگی کہ ہر مومن ہنستے ہنستے حق کے لئے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دے۔

داستان گو : تو سامیو! بھڑا خان نے حکم کو۔۔۔

مجمع سے ایک

آواز : مولانا! کیا دلی کالج میں عربی، فارسی اور علوم دینی کی تعلیم نہیں ہوتی جو آپ اس قدر خواہی غزالی تھا ہو رہے ہیں۔

ایک بزرگ : اہی حضرت! داستان کا سارا مزہ کرکرا کر دیا۔ لاجلہ دلاقوہ

وہی آواز : کوئی دقیقہ نوی بزرگ معلوم ہوتے ہیں انہیں تو یہ بھی پتہ نہیں کہ فریاد صاحب نے خواب جس الدین خان کو بیٹے کی طرح تربیت کیا ہے۔

داستان گو : تو سامیو! بھڑا خان نے حکم کو۔۔۔

مولانا : میں پھر کہتا ہوں جو فرنگیوں پر بھروسہ کرے گا نقصان پائے گا اس میں خسران عظیم ہے خسران عظیم!

بزرگ : اہی! لاجلہ دلاقوہ وہ گھڑی جی بسلانے وہ کال ہنسنے بولنے کو آجاتے ہیں تو یہاں بھی اس شخص نے خسران عظیم وغیرہ کا سکہ لا پھینزا وہ اگلی گھنٹیں مٹ گئیں نہ سیر پانے میں وہ لطف ہے نہ قیادوں میں وہ مزہ نہ میلے ٹیلوں! عرس قوالیوں میں وہ کیلیت اک ذری داستان سے جی بسلانے آئے تھے تو یہاں بھی خسران عظیم لاجلہ دلاقوہ اہی حضرت! آپ سے خاموش نہیں بیٹھا جاتا۔

(جنسی دھر مجمع کے چپے آکر کھڑے ہو جاتے ہیں)

بزرگ : اب آپ بھی ماشاء اللہ دعا فرمائیں گے۔

جنسی : قبل مجھے نواب اسد اللہ خان بیگ کا مکان پر پھٹا ہے۔

بزرگ : اہی یہ اسد اللہ بیگ کون ہوئے؟

داستان گو : جناب والا۔ مرزا الہی بخش صروف کے والد اسد اللہ کو پوچھ رہے ہیں۔ جہاں پر خردوار لگی

میں میدھے ہاتھ جا کر اٹنے ہاتھ مڑ پاتا وہیں سب پتہ نشان معلوم ہو جائے گا۔

مولانا : تو جناب یہی راستہ پکڑ لیں میدھے (یعنی) پر پہنچے گا۔

بزرگ : اہی حضرت! کیا تہذیب میں چڑے ہیں ٹھیک روہ بتائی جا رہی ہے وہی اکبر آباد سے آئے ہیں

اب تو ماشاء اللہ شعر بھی کہنے لگے ہیں بیدل مرحوم کو گرد کر دیا۔ الہذا اکثر سنی والہا بھول جاتے ہیں۔

دلی کے شہزادہ کا دم قیمت ہے بھی کھار دو چار شعرا ان کے بھی پلے پڑ جاتے ہیں۔
(دلی کا لفظ آتے ہی یوسف مرزا سیاہ کھنٹی پہنے مشعل لئے نمودار ہوتے ہیں)

یوسف مرزا : پاگل ہو چکے ہیں دلی مرگئی مرگئی دلی اب صرف میرا بھائی اسد اللہ دلی ہے تم سب باطل ہو نانہ سب کو مٹا دے گا سخی ہو کاغذی تصویر! دلی مرگئی۔

(پچھتے پچھتے مجمع کی طرف بڑھتے ہیں اور مشعل کو ادھر ادھر گھماتے گھتے ہیں مجمع چھٹ جاتا ہے۔ البتہ جیسی اپنی جگہ سے جھنجھ نہیں کرتے)

یوسف : (مشعل کو ایک طرف پھینک کر جیسی دھر کو کندھوں سے پکڑ لیتے ہیں تم کون ہو؟ کاغذی تصویروں میں ایک جیسا جاکتا انسان۔

جیسی : میرا نام ہے جیسی دھر۔

یوسف : تمہاری جیسی کہاں ہے بھرا؟ برادر! یہ دلی ہے دلی ہو ایک شر ہے عالم میں انقلاب یہاں دن رات کھچلیں کا قہشا ہوتا ہے سب ٹاپتے ہیں لال قلعہ بھی ٹاپتا ہے اس کے اندر بیٹھا ہوا عالم پتا بھی ٹاپتا ہے فرنگی فرنگن ٹاپتے ہیں کون ٹپاتا ہے۔ خاموش یہ ست پرچمو! آؤ اب ہم تم بھی ڈالیں۔

جیسی : کون ہو تم؟

یوسف : میں ہوں دلی میں ہوں ہندوستان میں ہوں تاج محل بھی وہ مجھے یوسف مرزا بھی کہتے تھے۔

جیسی : یوسف مرزا (گنگے سے لپٹا لیتے ہیں)

یوسف : اکبر کہاں سے جو یہاں آیا لٹ گیا بابا۔ اکبر کا خاندان لٹا۔ خدووند خن میر لٹا اب یہ مجھے اور میرے بھائی اسد اللہ کو رہے ہیں مجھے بھلاؤ (اتنے میں چوہدار داخل ہوتا ہے)

چوہدار : چھوٹے مرزا گر پڑے۔ آپ کو لینے آئے ہیں۔

یوسف : چلو۔ (پلے جاتے ہیں)

جیسی : (چوہدار سے) مجھے بچاؤ۔

چوہدار : بچاؤ کہاں نہیں باقر صاحب! خانہ زاد دلی نصرت کو نہیں بھولتے آپ اکبر تبار سے کب آئے چلے گھر چلے۔

جیسی : اسد اللہ کہاں ہیں۔

چوہدار : جیسی کہاں ہے سب تباہی گک دوپہر رات گئی انگریزی عملداری ہے دلی کی حالت خراب ہے اندھیر ہو رہا ہے۔

جیسی : میں اس طرح گھر نہیں جانے کا مجھے ہٹاؤ یہ سب کیا قسم ہے اسد اللہ کو کیا ہوا ہے۔

چوہدار : کیا عرض کروں بدھ چود دلی اس خاندان کو راس نہ آئی پورا خاندان جاہی میں آگیا انسان کیا سوچتا ہے اور کیا ہوتا ہے سوچا تو یہ قہاک چھوٹے مرزا مرزا نوشہ بن کر رسالدار ہی اور کھیدالی پائیں

کے شادی کے بعد کل اولاد کا سکھ ملے گا تو باپ اور چچا کا غم ہی سے دھل جائے گا۔

جنسی : مگر ہوا کیا جلد بیان کرے۔ مرزا لوط خیریت سے تو ہیں۔

چوہدار : خیریت سے ہیں پہلے سرکار فرنگی سے ایک حکم ہو کہ دس ہزار سالانہ مرحوم رسالہ دار غفر اللہ

ایک کے عزیزوں کو ملے کہ ہر حکم ہوا فتنہ پانچ ہزار ملے اور اس میں کئی اور شریک ہوں۔ ہر ایک

میں دو فیصد سات اولادیں ہوئیں مگر کوئی زیادہ سال سے زیادہ نہ چلا۔ ہو دیکھ کیا کیا ترقی ہیں

پھولے بھائی کی شادی ہوئی مگر سکھ دیکھنا نصیب نہ ہوا ہے وہ بے مصروفی جھیلنے جھیلنے پاگل ہو گئے۔

جنسی : آخر اب اسد اللہ کیا کہتے ہیں۔

چوہدار : نہ پوچھو بھیا شعر شاعری ہے اور وہ ہیں معاشرے پرستے ہیں غزلیں کہتے ہیں کلی کلی کہتے

کو بے شاعر مشہور ہیں اور بس۔۔۔ اب کیا کون؟!

جنسی : حسین میری قسم مجھ سے کچھ نہ چھپاتا۔

چوہدار : دکھ سا نہیں کیا مرزا اسے بس اب شراب منہ کو لگی ہے اور سنتا ہوں ایک ڈومنی بچی پر

فہم نہ ہو گئے ہیں اب دیکھو دوسرے رات کئی ابھی گھر واپس نہیں پہنچے ہیں ہو دیکھ کیا کیا ترقی ہیں۔

پھولے بھائی کی شادی ہوئی مگر سکھ دیکھنا نصیب نہ ہوا ہے وہ بے مصروفی جھیلنے جھیلنے پاگل ہو گئے۔

جنسی : کون۔

چوہدار : نہیں کہا جاتا بھیا آخر اس سرکار کا پرانا تک خوار ہوں۔

جنسی : حسین میری قسم مجھ سے کچھ نہ چھپاتا۔

چوہدار : دکھ سا نہیں کیا مرزا اسے۔ بس اب شراب منہ کو لگی ہے اور سنتا ہوں ایک ڈومنی بچی پر

فہم نہ ہو گئے ہیں۔ اب دیکھو دوسرے رات کئی ابھی گھر واپس نہیں پہنچے ہیں ہو دیکھ عیاری آٹھ آٹھ

آنسو دیتی ہیں۔ پتہ نہیں کہاں ہوں گے۔ کس حال میں ہوں گے 'ایسی لاش میں مرزا غالب کا ہوا اور

آتا ہے۔ کہاں کے ہاتھوں میں مضطرب ہیں 'غالب چوہدار کی آواز پہچان لیتے ہیں' لٹے کی حالت

میں گھٹنا رہے ہیں۔

کسی کو دے کے دل کوئی تو اسلج فٹاں کیوں ہو

چوہدار کی آواز سن کر چٹک پڑتے ہیں۔

غالب : ہوا اور ہمیں دکھ دو (چوہدار سے) یعنی کہ آپ کون ہیں اور اچھی رات گئے یہاں کیا کر رہے

ہیں۔

چوہدار : ناگہر جنسی دھر بھیا اکبر آباد سے آئے ہیں ان کی بیٹھائی کے لئے یہاں تک آیا تھا۔

غالب : جنسی دھر تم ہو۔ (چوہدار سے) تو پھر تم باز جنسی دھر میرا سونے دوسرا ہے۔ آؤ جنسی دھر

جا برادر آؤ دے بھائی ہنسنا یاد دینے دی مائی

جی دھڑائی لٹ گئی اب یہاں مرزا نوشہ کا کلام سمجھنے والا کوئی نہیں کبھی یہاں عرفی نظیری اور بے دل کے قدردان موجود تھے۔ آج بڑے بڑے عین صبح، عین فہم طرود و ستار والے کہتے ہیں مرزا نوشہ مصلیٰ بکھا ہے کس کے دل میں اپنا دل ڈالوں کہ میری دھڑکنوں کو کبھے میرے لٹکوں کی تہ تک پہنچے میرے خون جگر کی تراوش پائے قلم معلیٰ کے مشاعرے میں جاتا ہوں لوگ مدہ نکلتے ہیں دھڑکنے کو فکر کی بلندی اور اسلوب کی تہ داری سے آسمان کا تارہ بنا کر دکھاتا ہوں اور دلوں پاتا ہوں تو کس سے جہاں پناہ سے نہیں ذوق اور موسمن سے نہیں غصے کی اس صورت سے جو میرے دھڑکنوں کو کشمکش ہے اور اپنی اصول دینی گواز سے چادروں کا دھڑکی ہے سن یا رنلتہ سن۔

کسی کو دے کے دل کوئی نواسنج لگاں کیوں ہو

نہ ہو جب دل ہی پہنے میں تو پھر منہ میں ڈھال کیوں ہو

(جی دھڑکنوں سے رہتے ہیں اور غالب کو بغور دیکھتے رہتے ہیں)

غالب : چلو گھر چلیں تم ابھی ان باتوں کو نہیں سمجھو گے میری جان انہیں سمجھنے کے لئے پتھر کا کلیجہ درکار ہے آؤ ہواوار ہے ہواوار میں بیٹھ جاؤ۔

(گھبرا ہواوار اٹھا کر چلے جاتے ہیں)

پہلا گہرا ہے

دوسرا ایکٹ، پہلا سین

(نور دھڑکی دھڑکی کی طرف ہوتی ہال کے ایک طرف ایک نو جوان لڑکی ستار چھیل رہی ہے دوسرے طرف ماں نوادہ سے باتیں کرنے میں مصروف ہے)

نوادہ : میں کہتا ہوں اب اتنا ہو چکی بات گھر سے نکل کو فوسن چڑھی، شرمیں بدنامی ہو رہی ہے بچے بچے کی زبان پر قصاری بولی اور مرزا نوشہ کے قصے ہیں تو بہ اب میری بات مانو تو اس کے ہاتھ پیلے کر دو۔

ماں : کیا کہیں جین کچھ بس نہیں چتا تم جانو پھوٹی آنکھ کا دیدہ ایک ہی تو بچی ہے اس کا دل بھی نہیں توڑا جاتا اچھی بڑی ہو گئی میں نے کبھی نہ اس کا پی سٹلا کیا ہو۔

نوادہ : ہر گھر میں ایسے تھے ہو جاتے ہیں بس آخر بزرگ کس دن کے لئے ہوتے ہیں، بچی نا بھو ہے جوانی دوانی ہوتی ہے ذرا جبر کرتا بڑے کا سب ٹھیک ہو جائے گا۔

ماں : اور جو میری چاندی بچا کو کچھ ہو گیا۔

نوادہ : بس کی باتیں ارے شادی بیاہ کے بعد امانوں میں لگ جائے گی۔ یار میں رہے گا تھے کوئی مرزا نوشہ بھی اپنی آنکھوں کے سامنے جڑاؤں نہیں تو سمجھوں اس قسم کے قصے دیکھ لئے۔

- ماں : تم میری بنیا کو نہیں جانتے تھیں۔ وہ بڑی ٹہلی ہے چاند کے لئے بھی چھلے گی تو لے کر پھوڑے گی یا جان کھو دے گی۔
- نوداد : بالک ہٹ ہے مگر ہٹ کے آگے بار گئیں تو سر پکڑ کر روؤ گی بچی ہاتھ سے نکل جائے گی۔
- ماں : میری کچھ میں نہیں آتا۔
- نوداد : میرا کیا مانو یہ وہ توڑے سونے کے رکھ لو۔ بڑی قسمت والی ہو کو تو ال کی نظموں میں ایسی بچی ہے کہ نہ پڑھو۔ بولو منظور ہے تم ایک ذرا مای بمر لو باقی میں خود ہیٹ لوں گا شام ہوتے ہوتے منگنی کا جڑا آجائے گا۔
- ماں : میں ایسی جلدی کیسے مای بمر لوں۔
- لڑکی : (خوکی بھری ہوئی جالی کی وہ سری طرف آتی ہے)
- ماں : اس ان سے کئے یہاں سے چلے جائیں۔
- لڑکی : جی تجھے ماموں ہیں ایسا نہیں کہتے۔
- لڑکی : میں کوئی کار چوب کی گڑا نہیں ہوں کہ وہ توڑے سونے میں بک جاؤں گی یہ کون ہیں میرا مول لگائے والے۔
- نوداد : میں کچھ نہیں کہوں گا بیسارے نے کبھی بڑائی سے قول نہیں بار۔ غصے میں ہو خوش لھذا ہو جائے تو ذرا معاملے پر خود کر۔ میں توڑی دیر میں پھر آجاؤں گا۔
- لڑکی : مجھے نہیں سوچتا آپ کے تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔
- نوداد : بچی ڈان ہو۔ میں ان باتوں کا برا نہیں مانا سوچتے سے کبھی کسی کا کچھ نہیں بکڑا (چلا جاتا ہے)
- لڑکی : (ڈان سے) یہ کپ کیا کچھڑی پکڑا کرتی ہیں لہاں ہر وقت شادی ہر وقت منگنی چاہئے میں آپ سے نہیں بدلتی
- ماں : پروڈھی ہو مگی ہوں شمیائے پن میں بھول ہو جاتی ہے تو کچھ خیال مت کیا کہ
- لڑکی : بہت بڑی بھول ہے لہاں تم نے سوچا یہ بات انہیں معلوم ہو مگی تو ان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا شاعر کا دل ہے اماں صدیوں میں ایسا انمول دل کسی کو ملتا ہے دولت نہیں حکومت نہیں مشاعرے کی واہ واہ تک نہیں شیشے سے زیادہ نازک تھیرے سے زیادہ انمول دل کو تم چاہتی ہو میں بھی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں۔
- (جسی دھرا غل ہوتے ہیں کھٹکھڑاتے ہیں)
- جسی : اس طرح بے اطلاع چلا آیا معاف کیجئے گا مجھے آپ سے وہ باتیں کہنی ہیں میرا نام ہے جسی دھرا اکبر آباد سے آیا ہوں 'مرزا نوشہ' کا بچپن کا دوست ہوں۔
- لڑکی : فرماہئے (ڈان اٹھ کر چلی جاتی ہے) مرزا صاحب نے کوئی پیغام بھیجا ہے کیا کہا ہے انہوں نے

کیسے ہیں وہ آپ کیوں نہ چلے آئے۔

آتے ہوں گے۔

: تعریف رکھئے۔

: بس، مرزا کا بچپن کا دوست ہوں شریعہ کیسے میں رانیں سیاہ کی ہیں باہم قہے کتابیں کئی اور سنی

ہیں عقلیں لڑائی اور بازیوں جیتی اور ہاری ہیں اس خاندان کو اپنی آنکھوں سے پاہل ہوتے دیکھا ہے۔

: میں کچھ نہیں سمجھی!

: آپ کو ایک نظر دیکھا تو مرزائے حسن نظر کی داد دی۔ مرزا نوشہ نے جان بچھڑ کر دی تو کیا

تجربہ کوئی اور ہوگا تو کئی جانیں بچھڑ کر والی۔ مجھے یہ بھی بھروسہ ہوا کہ اس نورانی عکس میں ایسا ہی

نازک اور درد مند دل بھی ہو گا جو دوسروں کے درد سے تڑپ اٹھتا ہو گا۔

: میں کچھ نہیں سمجھی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

: میں نہیں مانتا شرم میں جو مرزا نوشہ کے شعر سمجھنے والی ہو، وہ اتنی سیدھی سادی بات نہ سمجھے۔

: خدا را پہیلیاں نہ دیجئے۔

: لے دے کے اس گھرانے کے پاس تھوڑی سی کان بان بچی ہے آپ چاہیں تو یہ تنہا ہاں قائم رہ

جائے۔

: میں چاہوں؟ میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے بھائی صاحب دنیا میری مرضی پر چلتی ہے تو مرزا کا نام

آفتاب و آفتاب کی طرح رات دن عالم پر چمکتا اٹھیں اپنے حکام کی داد ملتی میرے بس میں تو کچھ بھی

نہیں۔

: میں آپ ہی سے کچھ مانگنے آیا ہوں۔ آپ اس گھرانے کی آہود بچا سکتی ہیں۔ آپ نے مرزا نوشہ

کا دل دیکھا، مگر اس گھر کی خوشی اس خاندان کی آہود مندی کا خیال نہیں کیا مرزا نوشہ نے اپنا سب

کچھ آپ پر وار دیا۔ مگر آپ نے کبھی یہ بھی سوچا کہ کوئی اور عورت آپ ہی کی طرح نازک آپ ہی

کی طرح درد مند عورت اپنا سب کچھ مرزا پر وار بھی ہے، اور اس کے محلے میں اسے وہ پیار بھی نہیں

ملا جو خوش قسمتی سے آپ کو مل گیا۔

: میں بھی انسان ہوں میرے بچنے میں بھی دل ہے پھر نہیں ہے بھائی صاحب!

: میں نے سنا قاصبت قربانی دینے ہے قربانی لینے نہیں۔

: آپ نے غلط سنا تھا بالکل غلط سنا تھا۔ عورت بھی انسان ہوتی ہے ہم گھنے والیاں بھی انسان کا

دل رکھتی ہیں۔

: آپ ٹھیک فرماتی ہیں سو ٹھیک بھی عورت ہیں اور ان کا دل بھی انسان کا دل ہے۔

: میں کچھ نہیں جانتی میں نے صرف اتنا سوچا تھا کہ درد سے چور شاعر کے دل کو اپنے پیار سے بھر

ہنس

لڑکی

ہنس

لڑکی

ہنس

لڑکی

ہنس

لڑکی

ہنس

لڑکی

ہنس

لڑکی

ہنس

لڑکی

ہنس

لڑکی

ہنس

لڑکی

ہنس

لڑکی

ہنس

لڑکی

ہنس

لڑکی

ہنس

لڑکی

دول بھر دل سوچا کبھی کبھی مانا ہے اس کی تو اپنی ذکر ہے اپنی راہ ہے۔

بنی : ذرا سوچئے ایک گھر چاہو جانے گا آپ پسند کریں گی کہ یہ چاہی آپ کے ہم نکلی جانے ایک نامور گھر تاراج ہو جانے اور اس چاہی کی لپٹوں میں ایک عورت کا دل اس کا ساگ ہی میں ایک شاعر کا مستقبل بھی مل جانے گا۔

لڑکی : یہ سب آپ مجھ سے کیوں کہتے ہیں جانے اپنے دوست کو سمجھائیے۔

بنی : وہ نہیں سمجھ سکے گا اسی لئے آپ کو دھت دیتے حاضر ہوا ہوں ذرا سوچئے چورے خاندان کا دار و دار مرزا نوشہ ہے مرزا بھائی دوانی کی قدر ہو گئے تو یہ باعزت خاندان بھیک مانگے گا۔ سرکار انگریزی میں پٹن کے کائنات بنی ہیں وہاں اس قضیے کو سن گن پہنچی تو سرکار بھی سوچے گی کہ پٹن اللہ تلوں میں اڑاتی جاتی ہے۔

لڑکی : میں آپ کے ہاتھ جوڑتی ہوں مجھے تمنا پھور دیجئے خدا کے لئے مجھے تمنا پھور دیجئے دوانہ دار بھانگی ہوئی جالی کے دوسری طرف چلی جاتی ہیں بنی دھرمبھاری قدموں سے واپس جاتے ہیں۔ اسٹیج پر جالی کے دوسری طرف لڑکی ستار بھیر رہی ہے پس منظر سے کواد ابھرتی ہے۔

دسٹے اب الکی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو

ہم خن کوئی نہ ہو اور ہم زبان کوئی نہ ہو

ہے درد دیوار سا ایک گھر بنا چاہئے

کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسہاں کوئی نہ ہو

چاہئے گر پیار تو کسی نہ ہو سار دار

اور اگر مر جائیے تو نوحہ طواں کوئی نہ ہو

اس آتی ہے اور لڑکی کو غائب کرتی ہے

ماں : بنی اب ستار رکھ دو چلو کھانا کھالیں

لڑکی : ماں

ماں : ہاں بنی ڈر نہیں!!

لڑکی : ماں میں نے شادی کا فیصلہ کر لیا ہے۔

ماں : بنی!

لڑکی : ماموں ٹھیک کہتے تھے انیس بلاؤ ان سے کو مٹھنی کا جوڑا لائیں میری ایک بات مانو گی ماں؟

ماں : کمر۔

لڑکی : مجھے دس بنا دو مجھے شادی کا جوڑا پنا دو میرے ہاتھ چوڑیوں سے بھر دو میری مانگ میں

انٹھان بن دو آج سے میں اپنی زندگی شروع کروں گی چلو ماں چلو (ماں کو تھمکتی ہوئی لے جاتی ہے)

ماں : پاگل ہوئی ہے لڑکی ذرا دم لے۔ (دونوں چلی جاتی ہیں)
 (غالب داخل ہوتے ہیں لومر لومر دیکھتے ہیں)
 غالب : ارے بھئی سب کہاں چلے گئے کچھ منگٹانے گئے ہیں
 ماں : (دوٹی جھٹکی داخل ہوتی ہے) ارے لوگوں میں لٹ گئی ارے لڑکی میری بچی ارے کوئی آگ۔ میری
 چاند سے بنیا کو کیا ہوا ہائے میں کیا کہوں۔ کہاں جاؤ۔ میرے کی انگوٹھی میں ڈھیر چھپا رکھا تھا زہر کھا لیا
 میری بنیا نے ہائے میں کیا کہوں (غالب دیوانہ وار اندر بھاگتے ہیں اور گود میں بھر کر لاتے ہیں عالم
 سکرات میں ہے ایک نظر دیکھتی ہے ان کی گود میں دم توڑ دیتی ہے دامن کے کپڑے پٹے ہوئے ہے)
 (بیس منظر سے غزل اداش ٹٹے کے ساتھ ابھرتی ہے)

شرم رسوائی سے جا چھٹا غالب خاک میں
 فتم ہے الفت کی قلم پر پردہ داری ہائے ہائے
 گل لٹائی ہائے تار جلوہ کو کیا ہو گیا
 خاک پر ہوتی ہے جھری لالہ کاری ہائے ہائے
 عشق نے پکڑا نہ تھا غالب ابھی وحشت کا رنگ
 رہ گیا تھا دل میں جو کچھ لائق خورای ہائے ہائے
 ————— یہ گرا ہے —————

دو سرا ایکٹ، دو سرا سین

دل میں سال بعد
 (پردہ اٹھتا ہے غالب دیوان خانے میں مسمری پر نیم دراز ہیں جیسے غم و اندوہ سے بے حال ہو گئے ہیں)
 اچانک یوسف مرزا سرہانے جا پہنچتے ہیں۔
 یوسف مرزا : جہاں تیلو کا شاعر اعظم نظیری عنی اور خانقاہی کا متاقل اسدا اللہ خاں غالب سرکاری یونی
 ہائے روپے ہے کوئی لینے والا ہائے روپے ایک ہائے روپے دو
 غالب : (سنبھل کر اٹھ بیٹھتے ہیں) یوسف مرزا تم کب آئے آؤ بیٹھو۔
 یوسف : بہت تکلیف ہے کیا؟ سب جانتا ہوں جو جانتا ہے وہ بولتا نہیں جو بولتا ہے وہ جانتا نہیں۔
 غالب : تکلیف کبھی تکلیف؟ (بیس منظر سے کسی فقیر کی درد مند آواز غزل پھیلتی ہے۔)
 دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
 دہنیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

دہ نہیں حرم میں در نہیں آتیاں ہیں
 بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں
 قید حیات و بند فم اصل میں دونوں ایک ہیں
 موت سے پہلے کوئی فم سے نجات پائے کیوں

چوہدار : کیا پھر نے میرزا اوجھڑے ہیں۔

غالب : میاں 'درا دیکھتا' یہ کون ہے جو غزل گاتا ہے 'اسے اک ذرا بلا لو'

چوہدار : غائب فقیر ہے اکثر اوجھڑے گزرتا ہے۔

غالب : جاؤ بلا لاؤ۔

فقیر : غزل گاتا ہوا داخل ہوتا ہے۔

موت سے پہلے کوئی فم سے نجات پائے کیوں

غالب خستہ کہ بغیر کون سے کام بند ہیں

دوچے زار زار کیا کیجئے ہائے ہائے کیوں؟

(غالب صندوق سے کچھ نکل کر دیتا چاہتے ہیں صندوق پر غالی ہے)

غالب : اسے کوئی ہے پایا کچھ دے دو۔

چوہدار : بہتر۔

فقیر :

اقبال بلند دولت زیادہ (فقیر چلا جاتا ہے)

دل ہی تو ہے نہ تنگ و غشت درد سے بھر نہ آئے کیوں۔

غالب : اقبال بلند دولت زیادہ 'خوب اقبال آتا بلند کہ بھکاری غریبیں گامیں اور عطاء نضواء اہرام اور

پادشاہ قدر انفرادی سے چار دہیں 'دہی دولت تو اس کا یہ حال کہ ساری دنیا کا قرضدار مسخر اس درباری

مل۔ خوب چند بھن سب تھسک مری لے کر چائیں۔ ایک دن قرضخواہوں کا ہاتھ ہے اور یہ

مگردان انہماں موت ہے یا بھیک بالکلہ کسی دکان سے دھکارے گئے اور کسی دروازے سے کوڑی پتہ۔

مل گیا اور ان کو شہرت سے کیا حاصل ہوا کہ تجھے ہو گا۔ (چانک ٹوٹ کھای سے چرتکتے ہیں) نکم! فم

دعا ان غائے میں!؟

نیکم : مجھے کچھ بات کہنی تھی۔

غالب : کسو۔

نیکم : اس طرح کب تک کام چلے گا کہ میں طرح کے لئے پھرتی کوڑی نہیں۔

غالب : مجھے معلوم ہے!

ہیکم : پھر اس کا کچھ انتظام؟

غالب : مجھ ہی!

ہیکم : تو پھر اس امیرالامرائی کو سلام کیجئے ان ہاں ختم کیجئے آخر اس طرح کب تک گزر ہو گی۔

غالب : جانتا ہوں اس لئے تو پیش کی واکزاری کے لئے ہاں کھپائی لکھنے کا سفر کیا۔ کتنی کو درخواست کی تھکہ مصلحہ سے اچیل کی کس کس در کی خاک پھلتی سرکاروں و درباروں میں صدا لگائی مگر نتیجہ کچھ نہیں۔

ہیکم : آخر کام کیسے چلے گا۔ قرضہ اور سود چہا چہدار 'نوکرائی' 'سف مرزا' کی دوا دادہ 'کھانا پینا' مکان کا کرایہ۔ آخر یہ سب کہاں سے آئے گا۔

غالب : کہاں سے گنجائش نکالوں؟ سنو۔ صبح کی حمید موقوف رات کی شراب گلاب موقوف 'چاشت کا گوشت آدھا۔

ہیکم : اس طرح بیٹ کٹ کر کیا مل جائے گا۔

غالب : جو ملے قیمت ہے آگے اللہ مالک ہے۔

ہیکم : خدا جانے میری قسمت کا کتہہ کتن کہاں چلا گیا ہے۔ اس گھر میں نہ اچھا کھانے کو نہ اچھا پہنے کو 'اولاد کا کتہہ کتن' نہ دل کو اطمینان۔

غالب : میں جس عالم میں ہوں وہاں تمام عالم بلکہ دونوں عالم کا پتہ نہیں یہ دوا نہیں سراپ ہے مستی نہیں چرا ہے۔ مجھ سے وہ نہ مانگو جو میرے بس میں نہیں تمہاری یہ دنیا اتنی وسعت بھی نہیں رکھتی کہ ایک ذرہ جی بھر کر باند بچھا کر بے تباہہ مارچ سکے۔ میرے غم چہرہ پڑیں تو اس کی رگوں سے خون کی ندیاں جاری ہو جائیں گاؤں بس اب گاؤں (ہیکم جلی جاتی ہے) میں نے تو دنیا سے اقبل دولت جاؤ و شست کچھ نہیں چاہا کچھ نہیں مانگا صرف اتنی ملت چاہی کہ جی کی بات کہہ سکوں۔ وہ بھی میر نہ ہوئی کون اس عہدی کو کیجئے گا کون اس بے نبی کو جانے گا۔

(میر کاظم علی داخل ہوتے ہیں اور شروع ہی سے بے غلغلہ گفتگو کرنے لگتے ہیں)

کاظم : تمام کاظم علی کو رفق نہالانا ہے مرزا صاحب 'نصیب دشمنی' سوانح تو بخیر ہیں کہ حضور نیم دراز ہیں۔؟

غالب : گو کیسے آتا ہوا۔

کاظم : غلام کا کیا اتنا۔ حضور کو سلام کرنے بھی کھار چلا آتا ہوں اور جانیں بھی کہاں۔ اب تو دلی میں وہ اندھیر گردی ہے کہ خدا کی پناہ اپنی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں مرزا صاحب کہ قدم قدم پر جاسوس ہیں فرنگیوں کے جاسوس 'مرابطہ کے جاسوس اور خدا معلوم کہاں کہاں کے جاسوس پھر دہلیوں نے قدر چار کھا ہے ذرا ملاحظہ فرمائیے ہیکم مومن خان جیسا رعدی سا جلد کی باتیں کرنے لگا۔ آپ سے بھی کیا

چوری ہے مرزا صاحب قبلہ میں نے یہاں تک سنا ہے کہ وہاںوں سے فرنگی حکومت تک پریشان ہے۔
غیر غلیہ کھنی ہلو کو پرچہ لگا ہے کہ یہ لوگ انگریزوں کے خلاف بھی جھوٹے والے ہیں حکم ہوا
ہے کہ ان پر نگاہ رکھی جائے۔

: باتیں کرتے کرتے کبھی کبھی دم بھی لے لیا کہ۔

: آپ تو ہاتھ کو شرمندہ کرتے ہیں مرزا صاحب! آپ نے بھی دنیا جہان کی کتلیوں کی سیر کی ہے
والہ ہاتھ کئے گا کبھی کسی مقام پر والی و سلطنت کو پھانسی دی گئی ہے۔ فرمانہاقد ہوئے لڑائی میں
مارے گئے مگر صاحب والیان ریاست کو پھانسی پر لگتے کبھی نہ سنا خدا لگتی کئے گا میری سنی نہ کئے گا
نواب محسن الدین خان تو آپ کے سامنے ہوئے ہائے ہائے کیا جون مارا گیا کھیر دودانے پر خلقت
کے جھوم نے والی ریاست کو پھانسی پر چڑھنے دیکھا آپ سے تعلقات لاکھ خراب تھے مگر اپنا خون تھا
آپ کے دل پر کیا سانپ نہ لوٹا ہوگا۔

: رہے نام اللہ کا

: آپ کے دل کا حال کیا میں نہیں جانتا مگر کیا کہیں حاتم دوست ہے! آپ دلم فریر صاحب
مغنیہ نٹ کے بھی شاما اور نواب صاحب کے بہنوئی مگر صاحب ایمان کی تو یہ ہے کہ جان تو ایک بار
جلی ہے امت موانہ تھی کہ فریر صاحب کو تو صوف کھینے کا کتے کی موت موانہ نواب نے میں نے
تو سنا ہے مرزا صاحب کو جب پھانسی کے بعد لاش کو اتار کر عزیزوں کے سپرد کیا جانے لگا تو موانہ جسم
خود بخود قبلہ رو ہو گیا! اور جسم پر قابض ہو گئی ایمان کی تو یہ ہے کہ شہادت کا وجہ پایا آج بھی لوگ
چوری چھپے قلب صاحب میں نواب کے مزار پر پھولوں کی چادر چڑھاتے ہیں دلی اردو اخبار اور صادق
الخبر میں خیر ملاحظہ فرمائی آپ نے۔

: ارے ابھی تم کس جہان کی باتیں کرتے ہو یہاں اپنے نیڑے نہیں بڑی بگھے اپنی حالت کی خبر
نہیں دوسرے حکمت سے کیسے آگاہی پاؤں۔

: قبلہ آپ کو کس چیز کی کمی ہے اب تو خیر سے دلی کلچر کھل گیا ہے مفتی صدر الدین آذرہ آپ
کے معترف! مولانا صہبائی آپ کے نیاز مند دلی کلچر کا تو مسیحا کھل جائے تو آپ ایسا استلوا بھر
آجائے۔ مرزا صاحب! سچ عرض کرتا ہوں اپنے کلمے کا لفظ! (کہ اللہ دلی کلچر کا پہنچا) بھرا ایسی باتیں
کرتا ہے کہ محل دنگ رہ جائے اور پھر وہ اگلے سیدھے کرب سینس (سائنس) کے لیا گیا ہے اس
کے دکھاتا ہے کہ توپ کتنا قاتلین کو ممتی ہے اور آسمان ساکن ہے گویا سارا علم نجوم ہی باطل ہو گیا۔
: اپنی کو کبھی گزر رہی ہے۔

: کہہ نہ پوچھئے مرزا صاحب! قبلہ! چلا حال ہے! ہمارا دھندا تو آپ جانتے ہیں امیر زادوں کے ساتھ
بدا ہوا! اڑا ہے کچھ سیر تفریح کچھ میٹھ و خطا کا چہا تو بدو! درگاہ کے بھی کچھ ہاتھ لگ جاتا۔ اور

اس کم بخت شر کو قتل نے وہ خاک میں تھر پٹایا ہے کہ توبہ بھلی۔ شرفائے دہلی کو وہ چار پائے پھینکا اور وہ چار بازی لگاتا تک حال ہو گیا ہے پھر اپنی بی کھاس؟

: حسین اس کاروبار میں کیا مل جاتا ہے؟

: ہم بھی کچھ لگوؤں میں ہیں حضور والا، مگر اصل حصہ تو اس کا ہے جس کے گھر پلاڑے اسی کی چاندی ہے آپ کا محلہ بادشاہ اللہ کو قتل کی نظموں سے بچا ہوا ہے اگر یہاں کوئی ٹھکانہ مل جائے تو بکری بن جائے۔

(چیدار سرکاری اٹھانہ لا کر دیتا ہے) غالب پڑھتے ہیں قصور میں گواہ امرتی ہے

ہر گاہ قصارے قرض خولہاں نے قصارے خلاف قرض کی خریدنی اور عدم ادائیگی کی بناء پر اصل اور سود واپس الودا رقم کی ڈکری حاصل کر لی ہے لہذا تم کو مطلع کیا جاتا ہے کہ تم مسی اسد اللہ بیک خاں ولد عبداللہ بیک خان قوم ترک ساکن املاہ کالے خان رقم مذکور کی ادائیگی کا فوراً انتظام کرو ورنہ قصارے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جاوے گی۔

مطلوب اسد اللہ بیک ولد عبداللہ بیک حاضر ہے۔

(یہ آواز دور تک کو بجتی چلی جاتی ہے)

: کاظم علی اس کا انتظام ہو جائے گا پھر میرے ہاں ہے گا بازی میرے گھر ہو گی۔

: (حیرت اور مسرت ہے) مرزا صاحب!

: ہاں کاظم علی اگر شہیت بھی چاہتی ہے تو یہی سہی میں نے زندگی سے صرف فرست دیا جس کا سودا کیا تھا۔ اب اس کے لئے شک و شبہ نہیں کہ وہ بھی داد پر لگتا پڑے تو مجھے منظور ہے۔

: میرزا صاحب بس آگے بس کام میرا ہے۔ آپ کے سارے قرضے بے باقی ہو گئے بس چاندی ہے چاندی آج شام تک پاس نہ ملے گی میں ابھی سب انتظام کئے لیتا ہوں (چلا جاتا ہے)

: (داخل ہوتا ہے) کھانا تیار ہے (مولانا حالی داخل ہوتے ہیں)

: ہاں بھئی گواہ دو آئیے مولانا الطاف حسین بہت دنوں بعد گزر ہوا۔

: کو اب بھالانا ہوں۔ تو اب مصطفیٰ خاں شیشہ اور خضیں آئے مجھ سے فرمایا تھا پہلے پہنچ جاؤ۔

: آتے ہوں گے اور کوئی میرا رہا ہو گا۔

: جی ہاں صدور الصدور مولانا صدور الدین آزدوہ اور مولانا فضل حق۔

: تو یوں کہو کہ دہلی کی دہلی چلی آتی ہے (چیدار کھانا لگاتا ہے کھانے میں صرف شای کباب ہیں مولانا حالی کھیاں جھلنے جاتے ہیں مرزا کھانا کھاتے جاتے ہیں۔

: اگر برتنوں کی کثرت پر خیال کیجئے تو میرا دسترخوان بڑی کا دسترخوان معلوم ہوتا ہے اور جو کھانے کی تعداد کو دیکھئے تو بائیزید کا..... مولانا الطاف حسین صاحب آپ ناحق تکلیف فرماتے ہیں میں ان

غالب
کاظم

غالب
کاظم

غالب

کاظم

چیدار

غالب

حالی

غالب

غالب

کہاؤں میں سے آپ کو کچھ نہ دوں گا۔

: ضعیف قبلہ میں تو خدمت کی سعادت۔۔۔۔۔

حالی

غالب

: میاں لو ایک قصہ سنو "نواب عبداللہ خان کے دستخطوں پر خاص ان کے لئے اُچھڑا ایک چڑی تھی ایک روز وہ حضری کا قلعہ دہلی ان کے سامنے لگایا گیا مصاحبوں میں ایک ڈوم بہت مسرگاہوا تھا نواب صاحب کھانا کھاتے چاتے تھے اور اس کو کھانا دینے کے لئے غلی دکھائی بار بار مانگتے جاتے تھے وہ مصاحب نواب کے آگے دوہل پلائے گا اور کہا "حضور اور دکھائی کیا کیجئے گا اب یہی غلی ہوئی جاتی ہے نواب یہ فقرہ سن کر پھڑک گئے اور وہی دکھائی اس کی طرف سرکا دی۔"

: مگر فقرہ بھی لا جواب تھا۔

حالی

غالب

: حضرت جی تو آپ کا بھی لپا رہا ہو گا کہاؤں پر مگر کیا کروں۔ نذر کرنے سے معذور ہوں۔

حالی

: مرزا صاحب قبلہ میں تو ابھی کھانا کھا کر آ رہا ہوں۔

غالب

: ضعیف بھائی میرے ہاں کے کہاؤں کی لذت کچھ اور ہے میرے یہاں پر ہر سالن میں پنہ کی وال لے کی "پنہ کی لذت کو کوئی ضعیف پہنچتا وہ لطیف خا ہے آپ نے۔"

: پنہ کے بارے میں۔

حالی

غالب

: جی ہاں بھئی دودھ بر گردن دہلی سننے ہیں کہ پنہ نے دربار خداوندی میں ایک دفعہ فریاد کی کہ دنیا میں مجھ پر بڑے ظلم ہوتے ہیں مجھے دلے ہیں پھتے ہیں بھوتے ہیں "پکاتے ہیں اور مجھ سے بیٹھکوں کھانے کی چیزیں بنا کر کھاتے ہیں جیسا مجھ پر ظلم ہوتا ہے ایسا کسی پر نہیں ہوتا وہاں سے ظلم ہوا کہ اسے پنہ! تیری خبر اسی میں ہے کہ امارے سامنے سے چلا جاوے امارا بھی یہی جی چاہتا ہے کہ تجھے کھا جائیں۔"

: سبحان اللہ مرزا صاحب اس لطیفے میں تو آپ کی ہجویت طبع کے آثار ہیں۔

حالی

غالب

: میاں چپ رہو! کہاں کی ہجویت اور کہاں کا حسن طبیعت سب کہنے کی باتیں ہیں۔

حالی

: اس وقت آپ کی طبیعت سوزوں ہے لطیفے پر لطیفہ یاد آ رہا ہے۔

غالب

: ہاں بھئی رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور میں نے ایک اور جگہ لکھا ہے۔

دیکھ سے غمگن ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے دیکھ

مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آسمان ہو گئیں

جب زہر غم دگوں میں سرایت کر جاتا ہے تو لبوں پر مسکراہٹ بن کر بھوٹ پڑتا ہے۔

(حقیقتہً "آرزو اور فضل حق آتے ہیں" اور کواب عبادہ کر اپنی اپنی جگہ جیت جاتے ہیں)

غالب

: آئیے آئیے صاحبو! آج تو بادل شاعر میں غاند تمام آفتاب ست "نواب صاحب" مولانا حالی کب سے آپ کے خط پر بیٹھے ہیں۔

شیفٹ : جی ہاں، میں اپنے سوکھ شعرا میں الجھا رہا۔ ایک صاحب نے بعض شعرا کے حالات قلم بند کئے تھے انہی کی تحقیق و تدوین میں تاخیر ہوئی انہی کے ہاں وہ تشویش ناک خبر معلوم ہوئی۔

غالب : کیا؟

آزاد : کہ آپ کے قرض خواہوں نے اپنے قرضوں کی فاکری حاصل کر لی ہے۔

غالب : جی ہاں!

شیفٹ : آپ کے اسباب کے لئے بلکہ پورے جہاں آہلہ کے لئے باعث ننگ ہے کہ ہمارے دور کا فطری و عاقبتی پر یہ حادثہ گزرے۔

غالب : اور فردوسی کو بھولتے ہیں آپ۔ اسے اپنی بھر کلاوی کا صلہ موت کے بعد ملا تھا۔ کیا تعجب ہو میرا بھی یہی حشر ہو میں نے تو اپنے کو اپنا غیر تصور کر لیا ہے۔ جو دکھ مجھے پہنچتا ہے کتا ہوں لو غالب کے ایک اور جوتی گلی بہت اترتا تھا کہ میں بڑا شاعر اور فارسی دان ہوں آج دور دور تک میرا جواب نہیں اب تو قرضہ اداوں کو جواب دے ایک قرض خواہ کا کہیں میں ہاتھ ایک بھوک سا رہا ہے میں ان سے پوچھ رہا ہوں اتنی حضرت نواب صاحب آپ سلطنتی اور افراسیابی ہیں۔ یہ کیا بے حرمی ہو رہی ہے کچھ تو اس کو کہہ تو بولو بولے کیا بے حیا، بے غیرت، کو مٹی سے شراب، گندھی سے گلاب، بزاز سے کپڑا، میوہ فروش سے آم، صراف سے دام قرض لے جاتا ہے یہ بھی تو سوچا ہوتا کہاں سے دلوں گا۔

شیفٹ : ہم سخت حیران اور حرمی ہیں۔

آزاد : جب زمانہ آن لگا ہے وہ جو میر تقی مرحوم نے کہا تھا۔

میر صاحب زمانہ نازک ہے

دولوں ہاتھوں سے تھامے دستار

میں صدر الصدور ٹکڑے ٹکڑے نام۔ ہر کام اور ہر مقام پر فرنگی با اختیار اور ہم سب محض بے اصل
دے بس زمانے کا رنگ کچھ ایسا بگڑا ہے کہ کیا عرض کیا جائے

فضل حق : مفتی صاحب بھا فرماتے ہیں مگر میرزا صاحب تردد نہ فرمائیں کچھ نہ کچھ اختتام ضرور ہو جائے گا وہ غیب سے اسباب پیدا کرنے والا ہے۔

غالب : جی ہاں۔ اسباب پیدا کرنے والا پیدا کرتا ہی ہے آخر دنیا امید پر قائم ہے۔

فضل حق : دانش کوئی مجبوری ہی مجبوری اکبر اور بابر کی نسل تاج الہی مجبور اور ہے بس ہو جائے کہ تختِ گلشن بادشاہ اپنا وارث مقرر نہ کر سکے جہاں پتلے مرزا ہوں بخت کی دلی عودی کے لئے کیا کیا کچھ نہ کیا مگر فرنگیوں کے سامنے ایک ٹپش نہ گئی اب سنا ہے لال قلعہ غلطی کر کے قلب صاحب غفلت ہونے کی شہرہ لگائی ہے۔

غالب : جی ہاں، بادشاہوں اور فرمانرواؤں کی حالت زبوں تو پچارے شاعر کا کوئی پرسان حال ہوتا ہے۔

شیخت : بادشاہوں کی بات بادشاہ ہائیں ہم تو اہل علم کی زبانوں سے فکر مند ہیں میرزا صاحب بخدا
خلف نہ کیجئے گا ایسا نہ ہو کہ آپ خواہ مخواہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں۔

عالم : آپ تردد نہ کریں ابھی ایک صورت انتظام کی نکالی ہے اور نہ ہوا کوئی بددوست تو آخر کہاں
جاؤں گا۔ دلی میں رہتا ہے۔

ہے اب اس معصومے میں قہہ غم الفت اسد

ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہے کہاں گے کیا

: یہ پھر آپ نے ہمارے انداز کا شعر کہا ہے۔

عالم : غالب فکر خن میں طون تھوکتے تھوکتے جان سے جانے کا مولانا غالب کو پھر بھی غالب نہ مانیں
کے آزدگی اس پر کہ مولانا کے دور میں کیوں پیدا ہوا۔

اے تو کہ موحنِ عصیانِ عشقینی

مہاشِ منکر غالب کہ در نازدِ قس

: مولانا آزدہ بھی ایک دن ایمان لائیں گے آپ آزدہ نہ ہوں۔

عالم : میں مولانا آزدہ سے آزدہ ہو کر کہاں رہوں گا۔ صدر الصدور ہیں بخدا میں مولانا سے آزدہ
ہوں تو میرا خدا مجھ سے آزدہ ہو مجھ پر ان کی چشمِ نعلی کے بھی بڑے احسانات ہیں البتہ شعرا کے
بارے میں یہ شیوہ رکھتا ہوں کہ جب تک مصطفیٰ خان شیخت صادق کتے شعرِ باطن میں شامل نہیں
کرے۔

شیخت : آپ کی ذمہ نوازی ہے مرزا صاحب' دوند ہم کیا ہماری خن خمی کیا یہ دور آپ کے شیان شان
پیداوائی تو کیا کرتا آپ کے مرتبے کو بھی نہ پہچان سکا۔

فضل : عالیت سے شرفا نے کس دور میں امر کی ہے میر تقی مرحوم زمانے کے لواشیاں تھے فرا گئے
ہیں۔

میں سے ہیں جو کچھ نہیں رکھتے تقری اک دولت ہے یاں

: ابھی آج کل تو یہی ہے۔

فضل : میں نے یہاں تک جانا ہے قبلہ کہ جب سے آپ کے لئے کو قائل صاحب کا عمل دخل ہوا ہے
شرقا تو شرقا باقی لوگ بھی پریشان ہیں۔

: ابھی یہ باقی لوگ کون ہوئے۔

فضل : چور اچھے' قدار باز' اربابِ کھانا اور نہ جانے کون کون سنتا ہوں سب کی ناک میں تیر ذال رکھا
ہے۔

آزدہ : آپ نے تو دلی کی وہ تصویر کھینچ دی جیسے دلی ان بد قداروں ہی سے آباد ہو۔ خدا کی قسم آج بھی

اس شری گود میں وہ آفتاب و مہتاب ہیں کہ علم و فضل کا کرے انوس کہ انوس نے نانا اچھا نہ پایا۔

شیفتہ : اس میں جو شک کرے وہ کافر شاعروں میں غالب 'سومن' فوق 'غلام' میں مولانا آزاد اور مولوی فضل حق مصدود میں جیون رام اور حکیم ناطر نویسیں میں سکھانہ رقم اور سومن خان میسوں میں حکیم محمود خان اور احسن اللہ خاں۔ غرض کونسا فن ہے جس کا باکمال اس شہر میں موجود نہیں البتہ نثار ہے۔

فضل : صرف کن باقی ہے ورنہ دلی اب وہ دلی کہاں !
چوہدار : (داخل ہوتا ہے) حضور سواہیاں آگئی ہیں !
آزاد : اچھا میرزا صاحب اب اجازت دیجئے۔
غالب : ہم اللہ اب لوگ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور چلے کو چار ہو جاتے ہیں غالب دروازے تک آتے ہیں اس وقت ایک ہانگی چار کمار لئے ہوئے داخل ہوتے ہیں مرزا واپس لوٹتے ہیں شیفتہ غور سے کماروں کو دیکھتے ہیں)

شیفتہ : (فکر مند ہو کر) مرزا کے ہاں سواہیاں؟ آج یہ سواہیاں کہاں سے آئیں (سب چلے جاتے ہیں)
(ہانگی سے میر کاظم علی اور دو چار دوسرے جواری برآمد ہوتے ہیں جن میں سے ایک شراب پیئے ہوئے ہے وہ دراصل کو قاتل ہے جو جواری کے ہمیں میں آیا ہے)
کاظم : آؤ اب بھالانا ہوں۔

غالب : (غیر ہنسیا سب لوگ آگئے ہیں۔)
کاظم : بس اب خان محمد خان ابھی نہیں پہنچے ہیں آتے ہی ہوں گے اتنے ہم لوگ بازی بھالتے ہیں مسکاتی سوائف سنا ہوں چو سر تو آپ بھی لاہور کھیتے ہیں اجازت ہو تو وہ بازی دوبارہ کے ہو جائیں (بازی کھیلنے لگتے ہیں)

شرابی : اپنا میر کاظم علی بھی خدا کی قسم برق ہے برق۔ کیا جگہ (مومن لکالی ہے کو قاتل شر کے فرشتوں کے خواب و خیال میں نہیں گزر سکتی۔

دو سرا جواری : بس اب بات حیت موقوف 'نقدی نکالو اور بازی سنبھالو۔

شرابی : 'نقدی' یہ نقدی 'ہر جگہ نقدی کی پکار' نقدی نہ ہو گئی خود ہائے خدا ہو گئی۔

دو سرا جواری : ابی حضرت اسی کی دھن پر خدا کی جانتی ہے۔

شرابی : جانتی ہے تو تپا ہے ہم ایسی خدا کی پر ٹھوکر مارتے ہیں۔

(کمیل جم جاتا ہے بازی جیتی اور باری جاتی ہے اور نقدی اوپر سے اوپر چلے گئی ہے اتنے میں شرابی ٹوکڑا ہوا اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور ہوشیارانہ اور حکمانہ لہجے میں کہتا ہے)

شرابی کو قاتل) خوار ہو کسی نے قدم بڑھایا میں تم سب کو قمار بازی کے جرم میں گرفتار کرتا ہوں
 (اسٹیج کے دونوں طرف سے سپاہی بڑھتے ہیں، کچھ لوگ بھاگنا چاہتے ہیں مگر گھیرے سے نکل
 نہیں پاسکتے۔) میں مرزا غالب ہیں۔
 کو قاتل : مرزا صاحب آپ مجھے انصاف سے مجھے پہچانا بندے کو فیض الحسن خان کہتے ہیں کو قاتل شہر
 (اسنے میں یوسف مرزا داخل ہوتے ہیں ہاتھ میں تلووار علم کئے ہوئے ہیں)
 یوسف مرزا : خوار ہو کسی نے آگے قدم بڑھایا۔ میرے بھائی کو پھوڑ دو، میں تو ایک ایک کو قتل کر
 دوں گا۔

(چوہدران کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں اور تلووار لے لیتے ہیں) تم سب روانے ہو میرا ہاتھ روکتے ہو
 انہیں کچھ نہیں کہتے جو ہاتھ قلم کرتے ہیں اور منصف کہلاتے ہیں جو گتے میں پھانسی کا پندرا ڈالتے
 ہیں اور خدوئے کے جاتے ہیں۔ میرا کیا ہے آفتاب کو قتل کر دو ہاتھاب کو زنجیریں پہنا دو۔ پھولوں کو
 شاخوں سے فوج کو جسم سحر کے پاؤں میں گھسٹھو پہنا کر نچاؤ شاہراہوں پر طوفان دل کا چمکناؤ کرو۔ لوں پر
 صبری لگا دو آنکھوں میں دھنکی ہوئی سلاخیں ڈال دو۔ میرا کیا ہے میں اپنے رستے جاتا ہوں۔ (چلے
 جاتے ہیں)

————— پردہ کرتا ہے —————



تیسرا ایکٹ، پہلا سین

(پھول والوں کی سیر کا مجمع رات کا ابتدائی حصہ جبکہ مسطح لائینیں دیوار کیمیاں بانٹیاں اور فانوس روشن ہیں چمکے کا جلوس نکل رہا ہے آگے آگے حامل تاشے والے اس کے پیچھے ذریعت کے دو جھنڈے پھر پولیس والوں کا پرا اس کے بعد فیت خانے کا تخت اس کے بعد دلی کے اکھاڑے ہر استاد کے ساتھ شاگردوں کی ٹولی ان کے پیچھے نفیری والے پھر دلی کے سٹے ان کے بعد ڈانڈے والوں کی سنگھی اس کے بعد تخت دواں جن پر ہماری پٹواڑیں پہنے رڈیاں شرج رہی ہیں اس کے بعد انگریزی باجہ لود ترک ساروں کا دست پھر پھول والوں کا جھوم جلوس کے گزر جانے کے بعد کچھ چائی پہچانی صورتیں نظر آنے لگتی ہیں یہ وہی لوگ ہیں جو پہلے ایکٹ کے دوسرے سین میں داستان گو کے گرد جمع تھے۔

پہلا سیلانی : لو بھیجی ہوئی پھول والوں کی سیر۔

دوسرا سیلانی : ابھی سے ہوئی ابھی تو ذرا بھرنے کا مڑا لوٹیں گے امروں کی بار دیکھیں گے سٹی کلاب پر تھراکی کا جیلہ دیکھیں گے اور کل آکھادی۔

تیسرا : اس بار دیکھنا شر کے آکھانوں کی تیاری۔ بخدا وہ ہوائیاں چمکے ٹوٹتھیں جلیں گے کہ بچھلے سال کی ساری کارگزاری کو مات کر دیں گے پھولوں اور چڑھیوں کے مقابلے میں اب کے میدان انہیں کے ہاتھ دے گا۔

پہلا : اہں خلقت ٹوٹ پڑی ہے اس سال تو وہ انڈام ہے کہ خدا کی پناہ۔

دوسرا : اہں آج مولانا نظر نہیں پڑے (مولانا داخل ہوتے ہیں)

مولانا : سن لیا عزیزم، وہ ایک کن رہ گئی تھی دلی شہر کی وہ بھی مٹی مرزا نوشہ کو قصاری فرنگی سرکار نے قید میں ڈال دیا اور جرم بنا آپ نے قمار بازی ہوا نکلیں گے اور مرزا نوشہ جیسے شریف ڈاوسے نوایز دوسے شاعر اعظم؟

پہلا : ہاں صاحب انسان خطا کا بنا ہوا ہے۔

مولانا : آپ نے اچھی منطق چھاننی ہے بخدا مرزا نوشہ کے چکانے فرنگیوں کے لئے جان دے دی باپ اللہ راج کے لئے مرٹے اور جب سارا راج کالج فرنگیوں کے ہاتھ آیا تو ان مرٹے والوں کی تولد کے لئے جشن تک کے لائے ہیں اس فریب کو بیٹے نہیں دیتے مرٹے بھی نہیں دیتے اتنا اسے ڈنکیل کرتے ہیں۔

دوسرا : میں کہتا ہوں اس کے ہاں دہر ہے اندھیر نہیں۔

- تیسرا : یہ شاہی کے لحاظ ہیں مل کی طاقت مست ہے اور ایک شاعر کو آزد کرانے کی سخت قصاصے
شاہ ظلیح میں نہیں۔
- مولانا : علم کی بیٹا پاکوار ہے صدائے بریلی سے اٹھی ہے صدائے حق' سید احمد صاحب نے حریت کا
نصو بلند کیا ہے سارے خس و خاشاک کو ہالے ہائے گاہ۔
- پسلا : انشاء اللہ
- مولانا : بخدا کچھ میں نہیں آتا۔ ہماری غیرت کو کیا ہوا۔ ہندو دھرم کو بھولا۔ مسلمان ایمان سے بچانہ
اور فرنگی زادے کالے کوسوں سے ہمیں تشنہ کا ساقی پرھانے آئے ہیں۔
- پسلا : نہ گھبراہٹ مولانا شفی سکھانہ رقم پیسے ہوئے نبوی کہتے تھے فرنگی حکومت سو سال میں بدلے گی
بس اب چند سال کی بات اور ہے۔
- مولانا : قوی حیت وطن ہو مکی شرافت کا جتان نکل گیا جرات اور حوصلے کا غائب ہو گیا ہائے کیا کلام
ہے غالب کا قدودان۔
- دوسرا : صاحبو! ہم راگ رنگ کے دیا ان باتوں کو کیا جانیں ارے یہی مولانا تم تو خراسی نوازی
بھارے فرنگیوں کے پیچھے پڑے رہتے ہو۔
- (آہستہ آہستہ بولنا باندی شروع ہوتی ہے جگہ جگہ لوگ گروہ در گروہ جمع ہونے لگتے ہیں ایک
جمع میں مولانا شعلہ فشاں ہیں)
- مولانا : سنا آپ نے سن لیا آپ سب نے قلمد معنی کی عزت معنی میں طا ڈالو۔ فرنگی مہڈینٹ بادشاہ
سلامت کی غیر ماضی میں قلمد معنی میں جاگسا دوست احباب کے ساتھ گھوڑے پر سوار لوٹ غائب
پر بھی نہیں گھبراہٹ پڑے پر بھی نہیں پڑ گئے میں شہسواری کرتا گھبرا گیا۔ کہا اب بھی مل والوں کی
غیرت جوش میں نہیں آئے گی۔
- (بادش اور حمز ہو جاتی ہے اسنے میں چوہدر نیک و مزنگ فقط ایک جہنگہ پنے سر پر مٹا لئے
جس میں کپڑے رکھے ہوئے ہیں اگر ایک گروہ کے پاس چڑ کے بچے بادش سے بچنے کے لئے آگڑا
ہوتا ہے)
- پسلا : ارے میاں ڈری پرے ہٹ کر کھڑے ہو۔
- دوسرا : بچا پتے بھی ہو انھیں مرزا غالب کے چوہدار ہیں۔ ارے بھائی یہ مست قلمد پنے کہاں گھوم
رہے ہو کپڑے کہاں ہیں؟
- چوہدار : ہیں اس جگہ میں رکھے ہیں بادش میں بھیگنے سے بچے رہیں گے۔
- مولانا : کہیں بھی مرزا صاحب کی بھی کوئی خبر خبر ہے (بادش اور حمز ہو جاتی ہے)
- چوہدار : مرزا صاحب تو کبھی کے چھوٹ آئے مولانا کالے خاں صاحب نے انھیں قلمد معنی میں دے کیا

ہوتا ہے تاریخ کہنے کی خدمت بھی دلواری ہے روز و رات جاتے ہیں وہی سرکار رہے آجاتے ہیں۔
(بادشادشاں و حاکم و حاکم ہونے لگتی ہے سب اور اور بھاگتے ہیں آخر میں انگریزی پولیس اور فوج
کا ایک دستہ مارچ کرتا ہلکے بھاگتا گزرتا ہے یہ سب تھوڑی دیر غفلت سے اسے دیکھتے رہتے ہیں پھر
بادشادشاں سے بچنے کے لئے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں)

تیسرا ایکٹ، دو سراسیمہ

مرزا غالب کی حویلی کا دیوان خانہ، حویلی میں اندر جاتا ہے، ایک گوشے میں مرزا شیخ کی روشنی میں غزلیں
لکھ رہے لکھتے جاتے ہیں اسے میں پس منظر میں کوئی آواز دی غزل گانا شروع کر دیتی ہے۔

کہ کو چاہئے اک مر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے جھڑی زلف کے سر ہونے تک
عاشقی صبر طلب، اور تمنا ہے تاب
دل کا کیا رنگ کدوں طون جگر ہونے تک
ہم نے مانا کہ تعارف نہ کہہ کے لیکن
جاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک
نہم ہستی کا اند کس سے ہو جز مرگ علاج
شیخ ہر رنگ میں جلتی ہے سر ہونے تک

ہمزاد کی توار: اے مرزا اب شعر کوئی موقوف۔

غالب: کیوں؟

ہمزاد: اب پرے نکالو اور محل سجائی جاوے، شاہ غازی کی غزلیں نکالو۔ آخر شاہ کے استاد ہو ان کا دوا
کھاتے ہو۔

غالب: اپنا تجربہ چیتا ہوں دل نہیں چیتا۔

ہمزاد: یہاں سب بگڑ چکا ہے۔

غالب: اندر جاتا ہے۔

ہمزاد: اور گھبراہٹ ہو گئی۔

غالب: میں روشنی کی لوار تیز کر دوں گا۔

ہمزاد: روشنی جیسے ہر ایک کے بس میں نہیں ہوتی اب دن نہ ہو گا۔

(سنجے قدموں سے مل جاتا ہے حویلی کے چاروں طرف بہت سے لوگ دوڑ رہے ہیں غبرے کا)

رہے ہیں "وہیں دین دھرم دھرم" فرنگیوں کو نکال دین کی ترغیب لوٹ مار کی گڑبڑ دینے کی گواہی توپ کا سادھنا (چوہدری داخل ہوتا ہے)

چوہدری : حضور! میرٹھ سے فرنگی فوج کے باقی سپاہی شہر میں گھس آئے ہیں قلعہ میں فرنگی کپتان مارا گیا شہر میں بادشاہ سلامت کی حکومت بھڑک اٹھی ہے کل شے بھر بادشاہ سلامت لال قلعے میں دوبارہ عام کریں گے

(عالم قصور میں دوبارہ عام کا ایک مظہر ۸۰ سالہ بہادر شاہ ظفر تخت پر براہِ عمل ہیں نوجوان مرزا مثل ایک طرف — اور مرزا قواش دلی عہد سلطنت دوسری طرف تخت کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں۔)

سرکاری چوہدری عجم اللہ دھرم انک میرزا اسد اللہ خاں بہادر غالب ٹھکس حضرت علی سہیل صاحبزادہ خانی علی اللہ بہادر شاہ شہنشاہ ہندوستان کے حضور میں سکھ پیش کریں گے شاہ دودھ لگاوا دار! حضرت علی سہیل — میرزا غالب آگے بڑھتے ہیں اور باکواز بلند سکھ پڑھتے ہیں۔

بندو آداب و فقرا باد

سکھ نند درجیاں بہادر شاہ

(شور یکایک بڑھتا ہے توپوں کی دھماکیں دھماکیں بعد قوت کی آوازیں دین دھرم دھرم کے نعرے اور توپوں کی چاپ سے اسٹیج مل جاتا ہے پھر یہ آوازیں دھم دھم پڑتی جاتی ہیں اور ایک بڑی آواز ان سب سے غالب آکر ایک آواز ابھرتی ہے FIRE اور توپوں کے دھماکے سے زمین آسمان مل جاتے ہیں اس کے ساتھ ایک نقشہ کی آواز ابھرتی ہے یوسف مرزا کا نقشہ اور مکالمے پس مظہر سے خالی دیتے ہیں۔)

یوسف مرزا : آپ آئے ہو کھلن ہو دی آپ آئے ہو کھلن ہو دی۔ اوسے مری دلی جاگ گئی مری دلی جاگ گئی۔ خاموش یہاں ایک بادشاہ رہتا ہے بادشاہوں سے بڑا بادشاہ ہمیشہ زندہ رہنے والا بادشاہ اس کا حکم ہے انہیں توپوں کی سلاخی بند کرو۔ ایک دم بند کرو اس کا نام ہے اسد اللہ ٹھکس غالب ملک خدا کا خلق غالب کی حکم یوسف مرزا بہادر کا — (نقشہ)

پس مظہر سے انگریز فوج کی آواز FIRE

(یوسف مرزا کا نقشہ ایک دم موت کے آخری سانسوں میں بدل جاتا ہے اور وہ جج کے ساتھ

دم توڑ دیتے ہیں)

چوہدری : (داخل ہوتا ہے) چھوٹے مرزا سرکار چھوٹے مرزا!!

غالب : کیا ہوا چھوٹے مرزا کو؟

چوہدری : فرنگی سپاہیوں نے گولی مار دی

- غالب : گولی مار دی؟ اسے کیوں مار دی گولی؟ وہ کون سے ملک کا بادشاہ تھا کیا کیا تھا اس نے میرے
دروائے بھائی نے ان خالوں کا کیا پکاؤ تھا۔
- چوہدار : فرنگی سپاہی جوہلی میں تھس آئے ہیں لوٹ مار کر رہے ہیں۔
- غالب : جو چاہیں نے جائیں تھے چاہیں قتل کریں جو چاہیں لوٹ لیں میں نے اپنا خون صاف کیا۔
(تیکم باقی لباس میں داخل ہوتی ہیں)
- غالب : نہ دوڑو۔ اب روکنے سے کیا ہو گا میرا دروازہ بھائی اب اس دنیا میں نہیں۔ سب کچھ لٹ گیا خدا
نے اسے ایک دھوکہ دی تھی وہ بھی ٹوٹ لی۔ ایک پدر اس دنیا میں آنا اور اس قدر ناگاہی اور نامرادی
سے آنا بڑا تھنہ اور اتنی بڑی سزا ایسا پیش ہرما سوئی اور ایسی کچھ میں ہمارا جانتے۔
- چوہدار : (گھبرایا ہوا داخل ہوتا ہے) مولانا صہبائی کو قہر کے منہ پانچہ کر اڑا دیا گیا۔ مولانا فضل حق
کو کالے پانی بھیج رہے ہیں۔ قہر مصلحتی غلی شیفٹ کی جاتیہ او خنڈ۔ سارے امیر خوار ہو گئے محلے
و حادینے گئے جامع مسجد کے آگے گھنڈ چڑے ہیں بازار میں سولیاں گڑی ہیں۔
- غالب : (تیکم سے) سنی ہو خشتی بند آمدنی فتم اگر سزا بھی ملے تو کچھ قہر نہیں الزام یہ کہ ہمارا شاہ
کے لئے سکے کیوں کمال قلہ میں توڑی کیوں کی گھر میں جو قیتی کپڑے اور برتن ہوں انھیں جمع
کر کے بازار بھیج دو۔ لوگ دہلی کھاتے ہیں میں کپڑا کھاتا ہوں (تیکم اور چوہدار جاتے ہیں)
- (پس منظر سے اعلان کرنے والے کی آواز ابھرتی ہے)
- اعلان کرنے والا طلق خدا کی ملک فرنگی کا فتم ملک معظہ ہلور کا دلی کے رہنے والوں سنو سنو
ملک معظہ انگلستان نے ہندوستان کو اپنی سلطنت میں شامل کرنا منظور فرما لیا ہے پانیوں کی بغاوت
کھل دی گئی ہے اسی غرضی میں سب رعیت و قداران انگریز پر واجب ہے کہ اپنے گھروں اور حویلیوں
پر چراغ بجائیں اور خوشی کریں طلق خدا کی ملک فرنگی کا فتم ملک معظہ ہلور کا۔
- (چوہدار اور تیکم آتے ہیں)
- چوہدار : (گھبرایا ہوا داخل ہوتا ہے) بادشاہ سلامت کو کتنی ہلور گرفتار کر کے باہر بھیج دی ہے لال
قلہ سوتا ہو گیا سرکار لال قلہ سوا کے لئے سوتا ہو گیا۔
- غالب : آفتاب ڈوب گیا چراغاں کا انتظام کرو۔
- تیکم : چراغاں!
- غالب : ہاں سنا میں تم نے تمام رعیت و قداران انگریز کے لئے ضروری ہے کہ غلج کی خوشی میں
چراغاں کریں۔
- تیکم : ابھی تو راست سزا کی موت کو بھی کچھ دن نہیں گزرے۔
- غالب : دل کے دھم کون دیکھتا ہے۔

(جودار تین چار چراغوں میں جل ڈالتا ہے۔ لو ٹھیک کرتا ہے اور مشعل چار کرتا ہے دیا ان خانے کے چھوٹے چراغ رکھتا ہے مشعل غالب اس کے ہاتھ سے لے لیتے ہیں اور پتلا چراغ جلاتے ہیں پھر وہ سرا پھر تیسرا پھر چوتھا چراغوں کی مدد سے مختلف ذالیوں سے ان کے دودھند اور فکر آلود چہرے پر چڑھتی ہے اچانک چوتھا چراغ مدھن کرنے کے بعد پلٹ کر دیکھتے ہیں ہیگم ابھی وہیں کھڑی ہیں) : غالب : ہیگم بھی تو زندگی کی پوری داستان ہے اندھیوں میں چراغ جلاتا ہی تو ہمارا منصب اور مقصد ہے مدھن کے ساتھ اندھیرا اور اندھیوں کے ساتھ مدھن ہی زندگی ہے۔
(پس منظر سے کئی آوازیں مل کر غالب کا ایک شعر پڑھتی ہیں "اور اسلج اس شعر کی موسیقی میں ڈوب جاتا ہے)

گھٹے رہے جنوں کی کھالیں طوں پنکھ
ہر چہ اس میں ہاتھ مارے قلم ہوئے

— پر وہ کرتا ہے —



مرزا غالب لندن میں (ریڈیائی تمثیل)

شان الحق حق

ایک نوجوان کے گھٹانے کی آواز ہو تھا کسی قدر اداس اور شاید کسی کے انتظار میں ہے بیکاری میں
عالم کے شعر گنگا بہا ہے۔

خس نہ اچھن آلود سے باہر کھینچ اگر شرب ضیں انتظار سافر کھینچ
(وقف جس میں پردوں کے چھلانے کی ایک کوہ آواز آتی ہے)

پھر اسی نوجوان کی آواز

دیر ضیں حرم ضیں درد ضیں آستان ضیں
بیٹھے ہیں وہ گذر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھانے کیوں
(وقف پھر وہ نوجوان کی انگریزی میں مٹھکھٹائی دیتی ہے جو رکت رکت مدہم ہو کر غالب ہو جاتی

ہے)

پہنچ : (خمن سے)

پوچھا ہے کس نے گوشِ بہت میں اے خدا

السنون انتظار تھا کہیں تھے

مر پر جھم درد فرجی سے ڈالنے

وہ ایک مشت خاک کہ صرا کہیں تھے

خوب شعر کہا ہے مرزا غالب اسے!

"وہ ایک مشت خاک کہ صرا کہیں تھے"

(بتائی لے کر) مگر میں ہر روز اس بارغ میں تو مٹی بھر خاک بھی ضیں لے گی۔

(بکھر کر کے قہقہے لگانے کی آوازیں)

کرتا ہے بس کہ بارغ میں تو ہے جلاوطن

آنے لگی ہے سخت گل سے حیا مجھے

(بتائی لیتا ہے بس مٹھکھٹک کی دھیمی آواز اور پردوں کی آوازیں۔ وقف)

مرزا غالب : کیوں میں صاف ہوا سے بھلا مکہ معظمہ کا مکان یہاں سے کتنی دور ہو گا؟

پردیہ : (تھک کر) "آئی جگ پر باران" صاف کیجئے کیا فرمایا آپ نے۔

مرزا غالب : بر خودار میں نے پوچھا کہ حکمہ معظمہ و کنواریا۔

پردیہ : ارے مرزا صاحب یہ آپ ہیں! کیسی لڑی۔ آپ مرزا غالب ہیں؟

مرزا غالب : یہ سچ میں کیا کلمہ آپ نے کہا! وہ تو میں نہیں ہوں۔ ہاں مرزا اسد اللہ خاں غالب اسی جتناں خراب کا نام ہے۔

نوجوان : مگر اگر آپ یہاں کیسے؟ کیونکر؟ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

مرزا غالب : حیرت کی کوئی بات نہیں۔ میں کیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں۔ میں غالب ہی ہوں۔

"سوالا ہے تم کو وہم نے کس سچ و نام میں" تم با حق گھبرا گئے اس لئے کہ۔

ایک انگریز لڑکی کی آواز (انگریزی میں) صاف کیجئے اور اسے کوئی چھوٹا سا پلا تو میں گزرا! ہڈال

رات کا؟

پردیہ : جی نہیں نظر تو نہیں پڑا۔

لڑکی : شکریہ۔

(لڑکی کہنے کو جانے کے لئے سین بجاتی ہوئی دور چلی جاتی ہے)

مرزا غالب : کیا یہ پردیہ تم کو مجھ سے زیادہ مریدہ نظر آئی؟

پردیہ : مریدہ جی نہیں تو آئی ایم انڈیا! وہ تو نوجوان تھی

مرزا غالب : پھر قجب ہے کہ تم اس کے آتے ہی سر وہ کھڑے ہو گئے جلاکتہ میں اس عورت کو دیکھ کر گوگو میں پڑ گیا تھا کہ ابھی عالم بالا ہی میں ہوں یا واقعی زمین پر پہنچ گیا۔ اگرچہ تم نے مجھ سے بیٹھے ہی بیٹھے مٹھکو کا منسوب سمجھا اور دسی آداب بھی نہ کیا تھا۔

پردیہ : او! آئی ایم آئی سوری۔ بہت بہت معافی چاہتا ہوں۔ آئی میں تو لوٹنیس۔ یعنی کہ گستاخی کا کوئی خیال نہ تھا ہے۔ اسے اسوس ہے تو اب! حلیم۔

مرزا غالب : میں افسوس کو حد کے اندر ہی رکھو۔ بیچے رہو۔ مردِ دادِ شعل و صورت سے تم کسی شریف گھرانے کے چشم و چراغِ مظلوم ہوتے ہو۔ اتنی دیر میں بس ایک تم ہی ہم صورت نظر آئے اس لئے میں نے تم کو ٹوک کر حکمہ معظمہ و کنواریا کا پتہ پوچھا۔

پردیہ : جی کیا فرمایا آپ نے حکمہ و کنواریا؟ مگر مرزا صاحب شاید آپ کو اطلاع نہیں کہ حکمہ و کنواریا آپ کی رطلتہ ایم سوری آپ کے تشریف لے جانے کے کوئی تیس برس بعد خود بھی سدھار گئی تھیں۔

مرزا غالب : میں بھی ایسا نہ کر کیا جی چک۔ اناض و انالیہ راجعون تم اناض و انالیہ راجعون۔

پہلے : ان سے تو آپ وہیں ملاقات فرما سکتے تھے "نئی ٹین" خریدی تو اچھا ہوا کہ آپ یہاں آگئے تشریف رکھیں یہ شریکوں کا مشورہ پینڈپارک ہے گویا کہ یہاں کا سب سے بڑا بلاغ سب سے بڑا محفلت "نہیں" شعر کہنے کے لئے بنی ابھی جگہ ہے۔

مرزا غالب : یہ آئین کا تو کوئی موقع نہ تھا مگر تم نے دو مرتبہ آئین کا صحت اچھا ہوا آئین بنی ابھی جگہ ہے آئین۔

پہلے : اور! حضرت کیا مرض کیا جالے لندن میں رہتے رہتے بلکہ یوں کہئے کہ انگریزی بولتے بولتے کچھ ایسے ہی کئے نہانا پر چڑھ گئے ہیں۔

مرزا غالب : اچھا انگریزی میں ایسے موقع پر آئین بولتے ہوں گے۔ خیر میں کہہ رہا تھا کہ اور عالم ہوا پر تو ایک نفسا نفسی کا سہا ہے۔ کسی کو کسی کی خبر نہیں۔ خدا جانے کھد و کھنود یہ کس طرف مقیم ہوں گی۔ ضرور اعلیٰ مقام پایا ہو گا۔ مجھے تو سوسٹ اعراف میں ٹھہرا گیا ہے۔

پہلے : مجھے بڑا السوس ہے مجھے واقعی بڑا السوس ہوا ہے میں کہہ گیا کہ معلوم شد قدر دانیء عالم ہوا۔ اعراف میں تو حضرت بنی ہے آراہی ہوگی شاید کس۔۔۔ ملتی بھی نہ ہوگی؟

مرزا غالب : نہیں کچھ ایسی بڑی جگہ نہیں بہت سے اللہ کے بندے وہاں ہیں جن کا حساب ابھی نہیں چکا ہے "آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں"۔ وہ کوئی ایسی حوالات تو نہیں نہ قید فرنگ ہے میں نہیں ہی کا ساموسم ہے۔ کبھی گری کبھی سوئی کبھی ایک جھوٹا لوہر کا آگیا کبھی اور کا جیسے دلی میں آگیا تھا۔ وہی نقشہ ہے ولے اس قدر آہل نہیں۔

پہلے : گویا کہ غلط کا ایک دور وہاں بھی نکلا ہے۔ شاید "نیلان حسن" کی برکت سے دلی کے گری جائے گا تو آپ نے اس قلعے میں فرمایا ہی تھا۔

دھوپ کی تابش آگ کی مری
دکارنا مذاپ اللہ
کچھ تو جائے میں چاہئے آخر
جسم دکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار

مرزا غالب : ابھی اس وقت اس قصیدے کا ذکر نہ ٹھہرا۔ اب تو مقدمہ کچھ اور ہی درخشاں ہے اور کہیں اور ہی درخشاں ہے۔

پہلے : جی حضرت کچھا مقدمہ؟

مرزا غالب : اسے ابھی وہی جس کے لئے اپنے دوست کرمل جان سن صاحب ہلور کا شوق کھ مظهر کے پیش کار کے نام لے کر آیا ہوں۔

پہلے : حضرت آپ تو پہیلیں بجا رہے ہیں۔

مرزا غالب : بچ کئے ہو بڑی مشق و لڑائی میں پڑ گیا ہوں تم نے کہا کہ معظم اب یہاں نہیں ہیں۔

پرویز : جی جگہ معظم تو ہیں۔

مرزا غالب : گویا اب تم بیلیاں بچانے گئے ابھی ابھی تو تم نے کہا کہ ان کے دشمنوں کو کچھ ہو گیا تھا کیا نہیں کہ؟

پرویز : جی یہ تو صحیح ہے کہ جگہ و کنوڑا کا انتقال ہو گیا۔

مرزا غالب : اگر یہ صحیح ہے تو پھر ان کے صاحبزادے قتل ہوئے ہوں گے۔

پرویز : جی نہیں ان کے بعد جگہ و کنوڑا کے صاحبزادے ملک معظم ایڈورڈ بطم کے نام سے تخت نشین ہوئے تھے مگر پھر ان کا بھی انتقال ہو گیا۔

مرزا غالب : اناٹے و اناٹہ راجہوں یعنی کیا بڑی بڑی خیریں سنا رہے ہو۔ پھر تخت پر کیا بیٹا؟

پرویز : جی تخت تو سلامت ہے اور ملک تخت نشین بھی ہیں مگر ان کا نام ہے ملک الزبتھ ثانی اور یہ ملک و کنوڑا کی سلاطنت ہیں۔

مرزا غالب : یا معظم! الجواب اتنی سی دیر میں تلوخ کے اتنے دقیق پلٹ گئے ابھی تو میں یہاں سے گیا ہی ہوں اور میرا مقدمہ پیش ہوا ہی ہے۔ شراب نوشی اور منقبت و فساد کے مقابل تو لی گئی اور میزان برابر رہی۔

”تھے یہ ہی وہ صاحب سودا ہوں پاک ہو گئے“

پچھلے دنوں کی بدولت جیسی تک قسمی اب کچھ نہیں ایک ساہوکار کا تھوڑا سا دنیا رہ گیا تھا۔ اس کی ڈگری ہوئی اتنی رعایت مل گئی ہے کہ اس کی رقم کسی نہ کسی طرح ادا کر دیں تو نکلیں پاؤں۔ ”درد و دام اپنے پاس کمال“ سنا کہ چٹن کے لئے پھر بڑی کٹنی چاہئے کہ یہ ہار گراں سر سے اتارے۔ یہی ایک صورت اس مطالبے سے بیکدوشی کی ہے۔

پرویز : بوجہ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹائے نہ اٹھے کام وہ کن چڑا ہے کہ ہٹائے نہ ہٹے

کیا یہ وہی ساہوکار تو نہیں جو آپ کی محفل میں قتالی کا شریک ہو گیا تھا؟

میری محفل میں قتالی کا ہو گیا ہے شریک ساہوکار۔

مرزا غالب : یعنی تم تو اسی قصیدے کو دہرائے جاتے ہو۔

پرویز : قرض کی پیچھے تھے بے گین سمجھتے تھے کہ ہاں

مرزا غالب : ہاں خوب یاد دلاؤ۔

دونوں (خس کس) رنگ لائے گی ہماری فاتحہ مستی ایک دن۔

مرزا غالب : سو وہ اب رنگ لا رہی ہے یعنی یہ خط تو پیش کار صاحب کے نام گویا بیکار ہی رہا۔

انصاف تو انگریزی سرکار میں اب بھی ہوتا ہو گا کیا صلح ہے قصاری اب میں اپنی عرضداشت لکھ

وقت ہی کے حضور میں پیش کروں۔ یہاں کوئی اچھا کاتب بھی مل جائے گا کہ عرضی خوشخط لکھ دے۔
ایک قصیدہ بھی نیا لکھا ہے (تخلیج کرتے ہوئے) 'منہ ہی منہ میں' (دک فوراً)۔
میں تک علونہ الی زحمتہ مقابلہ نام پڑھنا چاہے گا۔

پردیج : تخت کے کہیں ہی نہیں بدلے اور بھی بہت سے انقلابات ہوئے ہیں۔

مرزا غالب : کیوں خیر تو ہے کیا پھر کوئی بلوہ انا؟

پردیج : جی بلکہ بڑی بڑی ہتھکین ہوئیں بس کچھ تو پوچھئے کیا نو عمر کی کوئی خبر اور نہیں جاتی۔

غالب : اب تو جاکے

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی

کچھ ہماری خبر نہیں آتی

پردیج : کیا خوب فرمایا ہے۔ واقعی آپ کی بہت بہت سی خبریں ہیں جو آپ تک نہ پہنچی ہوں گی۔ مثلاً کیا عرض کروں اور کیا عرض نہ کروں۔ بس مثال کے طور پر یہی لے لیجئے کہ میرا ایک دوست آپ کی بہت اپنی ایک ٹیلیف پر پہلے انجی ڈی کی ڈگری لے کر گیا ہے۔ بڑی محنت کی تھی اس نے اس کے مقصد پر۔

مرزا غالب : یہ تو بدحواسی تم نے خوب ہی مثالی۔ یعنی میں یہاں سے قطع ہوا منہ کالا کر گیا اور ڈگریاں ہیں کہ میری جان پر ہونے چلی جا رہی ہیں؟

پردیج : AHME صحاف فرمائیے، حضور میرا مطلب یہ ہے کہ اس نے کوئی ڈگری آپ کے خلاف حاصل نہیں کی بلکہ کیا اسے یہ ڈگری ملی ہے۔

مرزا غالب : یہ اور بھی طرف بات ہوئی ڈگری اس نے چاہی بھی نہیں اور بے فنی ذہدستی مل گئی کیا آپ اسی انصاف کا ذکر کرتے تھے؟

پردیج : مرزا صاحب کچھ غلط بحث ہو گیا ہے دراصل اس نے آپ کے بارے میں بڑی تحقیقات کی ہے اور اس کے صلے میں گویا سند کے طور پر۔

مرزا غالب : مگر ایسا کیا جرم میں نے کیا کہ تحقیقات کی فہم آئی تو صاحب تحقیقاتیں ہو رہی ہیں گویا کہ ہم کوئی شخص یا شخص یا اشتہاری مجرم ٹھہرے۔ ٹھیک ہے۔ رسوائی میں کوئی کسر نہ رہ جائے جو جیتے جی نہ ہوا وہ مر گئے پر ہو۔ کیا آپ کے یہ نام نسل دوست خفیہ پولیس میں ہیں چھپی کرتے ہیں کوئی قرضہ انہوں نے اپنا دعوٰی نکالا اور یہ ڈگری آخر کتنے کی ہوئی؟

پردیج : حضرت آپ تو ناواقف بنا ہو گئے۔ دیکھئے آپ نے اپنی حیات میں فرمایا تھا نا کہ:

شہرت شہرم پہ گیتی ہر من خواہ شدن
ایں سے از قلم فرید لراں کسں خواہ شدن

سودہ ہتھکین کوئی اب بچ ہو رہی ہے۔

مرزا غالب : تف ہے الکی شرت پر گویا کہ قصیر ہو رہی ہے۔ ہنس پر چڑھایا جا رہا ہوں۔ میں تو شرت سے بھی نااں تھا۔ اپنی جان کو دے آقا کہ شاعر تو وہ اچھا ہے پوچھم بہت ہے۔ "سیر چشم لوگ شرت کو بدنامی ہی گردانتے ہیں اور آپ تو بد ہو گئی۔ تحقیقات 'ڈگریاں' مقدسے جہان لفظ تم قدر دانی عالم یا کاہم لیتے تھے قدر دانی عالم اسل کو کچھ نہیں کہتے؟

پہلین : جی ایک نہیں بہت سے قدردانوں نے آپ کی حیات و سیرت پر سیر حاصل تحقیقات کی ہے اور میرے ان دوست نے آپ کے کچھ خطوط بھی۔

مرزا غالب : خطوط بھی پکڑے ہیں کسے آفرین ہے ان کو اور آفرین ہے آپ کو کہ آپ اس قدر دانی کہتے ہیں۔

پہلین : حضرت میں کیونکر عرض کیں کہ اس میں بغض و عداوت کو بالکل دخل نہ تھا بلکہ سراسر فرض سمجھ کر۔

مرزا غالب : جی ہاں سراسر فرض صحتی انجام دیا ہے اور انعام میں ڈگریاں ماری ہیں سرفراز ہوئے ہیں۔

پہلین : سرفرازی کی بات ہی ہے بڑی حق دینی سے آپ کے حالات زندگی کی چھان بین کی گئی ہے۔ آپ کے کلام کی شرحیں لکھی گئی ہیں سارا کلام ڈھونڈ ڈھونڈ کر فراہم کیا ہے پورا نسخہ میدیہ چھاپ دیا ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی بہت سا پوشیدہ کلام کس کس کو نے سے برآمد کیا ہے اور کس کو شش سے مع حاشی و حوالہ جات مرتب کر دیا گیا ہے۔

مرزا غالب : نسخہ میدیہ؟ میں نے تو اس ہم کی کوئی کتاب نہیں لکھی۔

پہلین : اور! پاؤں کی آف بی! جی آپ کا وہ کلام جو آپ نے ملحق صدر الدین آزادہ مولانا فضل حق خیر آبادی دلیو کے مطبع سے یا خود اپنی مرضی سے طبع فرمایا تھا سب چھاپ دیا گیا ہے جن اشعار کو آپ نے تبدیل کر دیا تھا ان کی بھی اصل تلاش کر لی گئی ہے۔

مرزا غالب : یعنی غضب کر دیا ہے ستم پر ستم دیا رکھا گیا ہے۔ جو میں نے نہ پایا وہ بھی میری طرف لکھا جو کثرت دیا اس پر بھی صاف دیا اور شرحیں اور حاشی اور حوالے فراہم کئے سازش کی بھی حد ہوئی ہائے اور صاحب کیا کیا ثابت ہوا میرے خلاف اس تحقیقات سے ضرور سرکار میں بدنام کیا گیا ہوں گا خیر۔

پہلین : بے گناہی غلط سے ہے دل نہ ہو غالب کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے یہ سب آپ کی خیر خواہی میں ہوا ہے آپ کی محبت اور حقیقت کی بنا پر انجام دیا گیا ہے۔ آپ دیکھیں گے تو خوش ہوں گے کیا کیا غلط آپ کے اشعار سے برآمد کئے ہیں کس کاوش سے شرح کی ہے۔

مرزا غالب : اول تو شرح کرنا ہی ایک عیب لگتا ہے میں نے سنا ہے میاں الطاف حسین بھی اس کے ورہے تھے۔ گویا شعر میں اقلیدس کی افلاک ہیں میں نے جبک ہی مارا تھا۔ مطلب آپ ہائیں گے۔ خدا جلنے کیا کیا باتیں میرے سر قہولی ہوں گی۔ صاحب میں نے بھربایا۔

پرویز : مرزا صاحب میں بے حد شرمندہ ہوں۔

مرزا غالب : نہیں آپ حد کے اندر ہی شرمندہ رہئے۔

پرویز : ناحق آپ کی خاطر کو کدو کیا۔ رحمت نہ ہو تو آئیے ذرا عیب میں چلتے ہیں یہاں روز ایر تو برابر ہوتا ہے کج افلاک سے شب بہتاب بھی ہے۔

مرزا غالب : یہاں یہ عیب کیا بلا ہوتی ہے۔

پرویز : اوہ میں بھولا۔ جہاں چننے کے لی تھیں۔

مرزا غالب : تو سلیبل کئے نہیں پر سے خاند کہتے تھے وہی سلیبل کہتے ہیں مگر ملت تو کلمے کو ملتی ہو گی۔ میں تو ویسے ہی ڈگریوں کے مارے لٹلی ہوئی اسی ہوں۔ یعنی گاڑی جیب میں اک مار بھی نہیں یہ سلیبل قرض تو کلمے کو دے گا

پرویز : فکر نہ کیجئے میرے پاس کچھ پڑ ہیں۔

مرزا غالب : مجھے تو نظر نہیں آتے کہ سمجھتا آپ کس چیز کو پڑ کہتے ہیں۔

پرویز : اوہ میں جیب میں۔

مرزا غالب : جیب میں یعنی کہ نقدی میاں ہوئی تو بخت بھی۔ صرف دھب سے آواز نکلی یہ وہ نقدی ہے کہ بولے نہ بچے اس کے علاوہ آپ کے بزرگ کیا کہیں گے نہیں میاں تم میرے طور ہو۔ قصارے ساتھ ہم مشعلی رہا نہیں یہاں کوئی سرائے تو ہوگی جہاں رات کو پڑا کر سکو؟

پرویز : سرائے تو میں البتہ ہوئی میں ایک سے ایک چھ کر غلغلہ آرام وہ۔ آپ کو بڑے شوق سے ٹھہرائیں گے۔

مرزا غالب : ہاں نہ مان میں حیرا مسلمان میں کہیں کسی کے سر جا کر دھن دے دوں۔

پرویز : نہیں ان کے دردانے سب کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔

مرزا غالب : ہم نگاہیں اور کھلے ہیں کون جانتے۔ دردانے کھلے مہا کریں بغیر بلائے تو میں کہیں نہ جاؤں گا پکارنے کی بھی بات ظاہر ہے۔

پرویز : دیکھئے ہمیں قریب ہی ایک ہوئی ہے۔ بچاس خولیں ہیں اس کی اوپر کی خول سے مارا لہوٹا جھکا دکھائی دے گا۔

مرزا غالب : کیا کج شعر میں چاہاں ہے کس بات کا بچاس خولیں گویا یہ نہ خول ٹھک سے بھی بمثال چھ گیا ابھی تو میں اوہ سے آیا ہوں پوڑھا آوی اترنا مسلمان نہ چڑھنا۔ بچاس خولیں کیونکر

چڑھوں گا۔

پہلیج : لٹ گئی ہے ذرا کی ذرا میں پہنچا دے گی۔ اندر مجھے دواخانہ بند کیا اور اس نے اوپر کی طرف
ڑٹا ہمارا۔

مرزا غالب : اور جو نہ رکی وہ اور شرعی سیدھی۔ عالم بالا پہ ناک میں اپنا کام ختم کئے بغیر نہیں جاتا
چاہتا۔ ایسی خطرناک سواری میں کہ اور آپ چڑھے اور وہ چڑھی۔ ”تے ہاتھ ناک پر ہے نہ پاسے
رکاب میں۔“ اور قساری عربی ایسی لٹ میں بیٹھنے کی نہیں ہے ہاں جب جانا چاہو تو جاؤ مگر میرے
کالوں کو گھٹا نہ کرو۔

پہلیج : میں نے آپ کی غلطی دور کرنے کے لئے عرض کیا تھا ورنہ مجھے تو ایسی تھوڑی دیر یہاں بیٹھنا
چاہیے۔

مرزا غالب : کیوں کیا کوئی صبر طرح لے کے بیٹھے ہو۔ مشاہد ہے شرمیں؟

پہلیج : جی نہیں اپنی ایک دوست کا انتظار کر رہا تھا۔

مرزا غالب : کیا کما اپنی دوست پروردگار دوست کلہ ذکر کا ہے یوں کہو کہ اپنے دوست کا انتظار کر رہا
ہوں یا میرے دوست آ رہے ہیں۔

پہلیج : مگر وہ تو قبلہ ذکر نہیں سوٹ ہی کی صداق ہیں۔

مرزا غالب : اچھا؟ پھر اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا آخر ہم بھی تو یحییٰ تھے آئے ہیں۔

وہ آنا ہم میں دیکھو نہ کیسے ہمارے خالق تھے غیب و جبر اہل الجہنم کی آنکھیں ہے
پہلیج : معلوم نہیں کہاں رہ گئی؟

مرزا غالب : کیا چیز؟

پہلیج : میری دوست

مرزا غالب : ابھی جب تک میں ہوں اردو ٹھیک ٹھیک بولتے رہو۔ اس کے بعد جو جی چاہئے بولنا۔
بنگلے میں کہتے تھے ”جتنی آیا“ تم نے ابھی ترقی کی کہ ”میری دوست آئی“ دوست آیا کہ آئی؟

پہلیج : اور لیجئے وہ آئی گی۔ ذرا کسی سے بات کرنے کے لئے ٹھک گئی ہے۔

مرزا غالب : سماں یہ تو کوئی یم ہے یہ لیڈی صاحبہ کون سے حاکم کی کیا گئی ہیں؟ ابھی بڑے رسوم
والے ہو۔ کوئی ٹکا سیکھ لیا ہے۔ اللہ اللہ صاحبان عالی شان کی میوں سے یہ رسم و رواج کچھ دھلے
سے بدھ گئی چلی آ رہی ہے۔

پہلیج : نہیں حضرت کس کا حاکم اور کون سا ظہور ہے تو میری دوست، مخالف لیجئے میرے دوست کی آمد

آہ ہے۔ ہاں انکا ہے کہ ان کے والد اور پاکستان کی برطانوی سفارت میں ملازم تھے اردو بھی تھوڑی
بہت بول لیتی ہے۔ پاکستان میں ایک استعفیٰ کی جگہ خالی ہے اس کے لئے یہ بھی امیدوار ہیں۔

مرزا غالب : استانی تم نے کہا استانی تو کیا یہ قرآن پڑھی ہوئی ہیں؟

پرویز : جی نہیں، قرآن شریف تو میں پڑھا انہوں نے صیائی ہیں

مرزا غالب : خیر میں تو وسیع الشرب آدمی ہوں کر شان ہیں گویا کچھ سناؤں میں "بت کافر"

پرویز : یہ وہاں لڑکیوں کو انگریزی پڑھائیں گی۔ پاکستان کے شہر لاہور میں۔

مرزا غالب : پاکستان؟ یعنی یہ تم نے کوئی ولایت کا نام لیا اور لاہور تو دلی سے اور اور پنجاب کے

ایسٹ میں تھا کیا اٹھ گیا وہاں ہے؟

پرویز : جی نہیں وہیں کا وہیں ہے میں نے عرض کیا تاکہ بڑے بے اعتکالات ہو چکے ہیں۔

مرزا غالب : پس تم نے کہا کہ بڑی بڑی بتیں ہوں نہیں پھر گوروں کی فتح ہوئی کہ کالوں کی؟

پرویز : حضرت وہ گوروں کالوں کی نہیں وہ تو مالگیر بتیں تھیں۔

مرزا غالب : آخر یہ کس کا جلا رہا؟

پرویز : آخر میں۔ اللہ کا فضل رہا۔ اب یہ صورت ہے کہ ہندوستان اور پاکستان آزاد ہو گئے اور اس کو

بھی برسوں ہوئے۔

مرزا غالب : یعنی یہ پاکستان کوئی ولایت ہوئی پر اب میں کہہ چکا ہوں؟

پرویز : دونوں جانب ہندوستان کے دونوں جانب پاکستان کی سلطنت ہے، میں سمجھنے کے ساتھ ولایت تقسیم

کردی گئی ہے۔ انگریز اب وہاں حاکم نہیں رہے۔

مرزا غالب : اے بھائی تو کیا پھر تیوری سلطنت آگئی یا مرچے کن براہے؟

پرویز : جی نہیں بلکہ عوامی سلطنت۔ دونوں ملکوں میں جمہوریت قائم ہے۔

مرزا غالب : یہ لفظ تو تم نے خوب سنا۔ "جمہوریت" بہت معقول فہم کی امت میں اضافہ ہو رہا

ہے۔

لڑکی : انگریزی میں یہ لفظ گڑبگڑ ہے میں تو نہیں ہو رہی؟

پرویز : تو کم ایسا کج میری۔ مرزا غالب سے ملو، انارکے مشہور شاعر تم نے خود ان کا نام سنا ہو گا۔

لڑکی : (انگریزی میں) اسے کچھ کچھ یہ تو بڑی خوش سمجھی ہے۔ چاہے مجھے آپ سے مل کر بڑی مسرت

ہوئی! مزاج شریف

مرزا غالب : ہم تو صرف اتنا ہی کہیں کہ آپ نے خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے۔ جتنی دہو۔ بوزو

ساکین

پرویز : آپ انگریزی نہیں بولتے۔ تم اردو میں ہی بات کرو شہزادہ میں اچھی خاصی تو بولتی ہو۔ خوش

ہوں گے۔

لڑکی : مسٹر غالب۔ میں آپ کا بری میں گئی تھی۔ لاسٹ ٹائم جب بری ہوا۔

مرزا غالب : لیڈی صاحبہ خدا کے فضل سے اسی صبری بری میں شریک ہوئے ہوں گے کچھ مٹھی کچھ مولوی آپ وہاں کھائیں۔ کب اور کیسے؟ یہ تو کہتے ہیں میرے انتقال کو بہت دیر ہو گئی۔

لڑکی : نوربلا سٹ ڈائم جب آپ کا بری ہوں۔

پردیز : day "بری ہوئی" نہیں تو خفا ہو جائیں گے۔

مرزا غالب : کیوں بھی کیا انگریزی میں تمہارے کو "بچہ" کہتے ہیں؟

پردیز : جی نہیں بچہ یعنی مقالہ تنقیدی مضمون۔

مرزا غالب : عجب صواب سب میں ہوتے ہیں۔ تنقید کی اس میں کیا بات ہے مرنے کے بعد تو دشمن کو بھی بخش دیتے ہیں۔

لڑکی : میوزک بھی ہوا۔ بہت تلی بہا۔

مرزا غالب : اچھا تلی بھی پڑا

لڑکی : اور میں آپ کا دل ان بھی دیکھا۔ "مرکا پچرائی" بہت پسند کیا Beautiful

مرزا غالب : لیڈی صاحبہ آپ کو غلط فہمی ہوئی وہ کوئی اور غالب یا غالب ہو گا۔ پہلے کوئی اسد نکل آئے

تھے پھر شاید غالب بھی نکل پڑے۔ بسنی وہ ڈگریاں ان ہی کی طرف بھرا دینا۔ میری جان بخش دی

جائے تو بہتر ہے۔ میں پٹن سے بھی باز آیا۔ ساہوکار کا قرض بھی قاضی الیابات اپنے آپ بھروسے

کا۔



مرزا غالب

ڈاکٹر اعجاز حسین

ابتدائی تعارف

”سنجے پر دم مدھنی بجی بجی موسیقی“ غریب شاہ مرزا غالب کی موت کا اعلان حالی کے مریض ”غالب“ سے چند اشعار کا دودھناک آواز میں پڑھا جاتا (ایسے اشعار کا پیش کیا جاتا جن سے محنت اور ہر لحاظ سے احساسِ سامعین کو زیادہ ہو، مگر یہ دھکا کی طرف دھیان کم ہو۔

نکدہ	واں	شککہ	منج	نکدہ	شکاس
لاکھ	منسوں	اور	اس	کا	اک
ہو	میا	نکدہ	دل	پہ	جو
پاک	دل	پاک	وات	پاک	صنات
سو	تکلف	اور	اس	کی	سیدھی
قلم	اس	کا	تھا	اور	اس
					دولت



اس کو اگلے پہ کیوں نہ دیں تریج اہل انصاف غور فرمائیں
ہم نے سب کا کلام دیکھا ہے ہے ادب شریعت منہ نہ کھلوائیں
غالب نکدہ واں سے کیا لہبت خاک کو آسمان سے کیا لہبت
(ایک لڑکھٹ کے بعد)

کو دیکھیں کہ کون تھا غالب

(بروز الٹا ہے پہلے سین شروع ہوتا ہے)

پہلا ایکٹ ————— پہلا سین

غالب اور ان کی بیوی۔

غالب کا مکان — ایک کمرہ

فرش۔ گھڑ نکلیے لوگال دان۔ لوبان کی خوشبو۔ کچھ کتابیں۔ صندوق پر چچان، جام و مینا، غاصدان

امراؤ بیگم : میں یہ نہیں کہتی کہ اس شادی کے صلے میں آپ مجھے آسمان سے نامے توڑ کر دیں، میرا مطلب تو صرف اتنا ہے کہ لہارو خاندان کے مرتبہ کا خیال رکھ کر مزہ داری چاہی جائے۔

غالب : مجھے لہارو خاندان کا بھی خیال ہے اور اپنے خاندان کا بھی۔

امراؤ بیگم : کیا مطلب؟

غالب : کہتا یہ ہے کہ لہارو خاندان میری نظر میں صاحب عزت ہے دولت و ثروت کے اعتبار سے بھی اور علم و فضل کے لحاظ سے بھی اور اپنے خاندان پر نظر کرتا ہوں تو وہ بھی کسی سے کم نہیں دکھائی دیتا۔ میرے باپ اور چچا چھ ہی دن بچے مگر اس سرزمین پر اپنے خون سے شہرت کی مرگ گئے۔

امراؤ بیگم : اور آپ کے نانا اٹھ کے کرم سے ابھی تک باہر اور چلے پایہ کے رہیں ہیں۔

غالب : ہاں وہ اپنی شہامت اور حیثیت کے لحاظ سے کسی راجہ، نواب سے کم نہیں انھیں ہاتھوں کا خیال تو مجھے بارے ڈالتا ہے۔ پوری کے رشتہ دار بھی خوش حال اور میاں کا بھی خاندان اپنی نسل و بھلائی کے لئے مشہور ہیں۔

امراؤ بیگم : بات کٹ کر لیکن کیا؟۔ چپ کیوں ہو گئے؟۔

غالب : بات کہہ انکی ہی ہے جو چپ ہوں۔

امراؤ بیگم : آپ کو نے لولے لنگڑے ہیں کسی سے کم نہیں ہیں؟ آپ اپنی قابلیت سے نامہ بھر کو جگا سکتے ہیں اپنے بزرگوں کی شہرت میں اپنے ہاتھوں چار چاند لگا سکتے ہیں مگر شراب پیئے تو کچھ کام بہت۔

غالب : میں حدودت ہوں مگر کاتبِ تقدیر کی بددلی کو کیا کہیں اس نے میری زندگی کو شگفتہ پا کر دیا ہے۔

امراؤ بیگم : مرزا صاحب ! آپ عروجن کو الزام دیا کرتے ہیں کہ خدا جانے کہاں کہاں کی بے نیکی ہانا کرتی ہیں اور یہ کہ ان کو اتنی فرصت کیسے مل جاتی ہے؟

غالب : کیا میں سمجھا نہیں؟

امراؤ بیگم : اپنے ہی کو دیکھئے میری ذرا اسی بات پر غصہ بکھڑانے لگے ایرانِ قرآن کی باتیں کرنے لگے صاف جواب دینے کو ہی نہ چاہا تو پھر کاتبِ تقدیر کو بدنام کرنے لگے یا اللہ تو بہ!

غالب : (مسکرائیں) تم میرا مطلب نہیں سمجھیں۔

امراؤ بیگم : نوج آپ کا کوئی مطلب مجھے آپ تو شامی کر رہے ہیں۔ میں سمجھوں کیا؟

غالب : بیگم صاحب (ذرا لمبی آواز میں) میرے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ تم رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اپنے لہارو خاندان کے شایانِ شان کچھ تحفے لے جانا چاہتی ہو اور میں اپنے بزرگوں کے ہاں و مرتبہ کے لحاظ سے بھی اس کو ضروری سمجھتا ہوں تمہاری ہم خیالی ہوں مگر۔

دوم و دوم اپنے پاس کہیں

تیل کے گھونٹے میں ماس کھیں

امراؤ بیگم : میں یہ بھی جانتی ہوں مگر بھرم رکھنے کے لئے کچھ تو کہا ہی چاہئے جب ہنسانی سے تو بچنا ہی ہے دنیا کیا کہے گی کہ ظلم حسین کیدان اور دیکھیں کا دوسرا ایسا مجلس و ناچار کہ بھائی برادری میں ٹاک کٹانے کو تیار ہے۔

غالب : میں خود بھی لوہار خانہ میں سبک نہیں ہوتا چاہتا خاص خاص موقع پر نمایاں ہونے کی خواہش مجھے بھی ہے مگر نا جان سے کہاں تک مانگوں۔

امراؤ بیگم : (خاراض ہو کر) میں کچھ نہیں جانتی آپ کو روپے کا انتظام کیا ہے۔۔۔ آپ مجھے دے دیں ہے کل وہاں رت دنگا ہے مجھے جانا بھی ہے اچھا میں چلی خدا حافظ۔
(بیگم کا چٹا)

مرزا غالب : (سلما کا مرزا غالب کے کمرے میں آنا۔ جبکہ کر قہقہہ کرتا)

مرزا غالب : سلما آج تو بڑے فضاخ ہیں یہ پوشاک یہ جوج وچ تو۔۔۔

سلما : فوش میاں آپ تو ہر وقت مذاق کرتے ہیں نہ فضاخ ہے نہ ہنس۔

غالب : 'سلما' تم بیگم کے ساتھ ہی ان کے نیچے سے آئیں اور ان کو آپا جان کہتی بھی ہو اس منہ پر لے رشتہ سے میری سالی ہو اور سالی سے مذاق چاہتے ہیں۔

سلما : جیسی تو آپ کو میں نے فوش میاں کہا شروع کیا تھا۔

غالب : (ہات کات کر) فوش کو جو حق ہو آ ہے وہ بھی تم جانتی ہو۔ پھر خاراض کیوں ہوتی ہو۔

سلما : میری مجال ہے کہ میں آپ سے خاراض ہوں۔

غالب : اچھا تم نہیں تمہاری پوشاک بول رہی ہے 'ہاں اس کو تو مجھ سے خاراض ہونا چاہئے۔

سلما : آپ تو ہر وقت مذاق کرتے ہیں 'بیگم صاحب نے دریافت کیا ہے کہ آپ کے بیٹے نواب صاحب کے یہاں شریف لے جائیں گے۔

غالب : یہ کیوں پوچھا؟

غالب : شاید آپ کے ساتھ فٹنی جی کی لڑکی کی شادی میں جائیں۔

غالب : میں تو صبح ہی فٹنی جی سے معذرت کر آیا۔ مجھے تو نواب صاحب کے یہاں جانا ہے۔

سلما : بیگم صاحب کو یہ معلوم ہے 'مکر دلوں مکر تو قہب ہیں' آپ وہاں بیگم صاحب کو چھوڑ دیجئے گا۔

غالب : ہاں یہ ہو سکتا ہے۔

(دروازے پر دھک دھکی ہوتی ہے)

غالب : دیکھو کون دھک دے رہا ہے۔

(سلما باہر جاتی ہے اور پھر اندر آکر کہتی ہے)

- سلا : سینہ بھی چند آئے ہیں ملنا چاہتے ہیں۔
- غالب : ان کو یہاں بھیج دو اور تم جہاز جنگ کو تارو میں کچھ دے دو جہازوں تک۔
(مہاشین اندر آتا ہے سلام کرتا ہے)
- غالب : سلام کا جواب دیتے ہوئے۔ آئیے آئیے تشریف رکھئے۔ آپ آتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ میرے گھر کچ کچ بھی آئی۔
- بھٹی چند : ہا ہا ہا۔ مرزا صاحب میں تو آپ کا غلام ہوں اور شاہد دو۔
- غالب : ہاں بھائی۔ جب ہی تو تازہ فزے کرتی ہے مگر جب آتی ہے آپ ہی کے ساتھ ہر دے میں آتی ہے میں تو آپ ہی کا شرمندہ احسان ہوں کہ بولے بگئے اس کے درشن کرا دیتے ہیں۔
- بھٹی چند : مرزا صاحب آپ کی باتیں جو ایک بار سن لے تو ہر عجب۔
- غالب : آپ کی قدر دانی کہ آپ مجھے کچھ کہتے ہیں 'کچ کچ میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ کتنے آج کیسے تکلیف کی؟
- بھٹی چند : میں تکلیف دینے حاضر ہوا ہوں۔ اس رقم کی معیاد ختم ہو دی ہے۔ اگر وہیہ ممکن نہ ہو تو دوسرا رقم کچھ دیتے معیاد بدھ جائے گی۔
- غالب : آپ مجھے تکلیف دینے نہیں آئے قرض کی طرف توجہ دلائے آئے ہیں اس وقت میں بھی مزید تکلیف دینا چاہتا ہوں۔
- بھٹی چند : (دست بستہ) جو حکم ہو میں حاضر ہوں۔
- غالب : رقم کی معیاد تو میری معیاد حیات تک بڑھتی رہے گی۔ نہ قید ہستی کی معیاد مجھے معلوم ہے نہ رقم ختم ہونے کی دونوں معیادوں کو ساتھ ساتھ ہی چلنے دیجئے۔
- بھٹی چند : بھگوان آپ کو زندہ رکھے دونوں معیادوں کو آپ نے ملایا خوب۔
- غالب : پہلی معیاد امیری اللہ میاں نے غائب کی اور دوسری سینہ بھٹی چند نے معلوم نہیں پہلے کون معیاد ختم ہو گی یہ ہر حال دوسرا رقم کچھ دوں۔ مگر آپ کی تعداد کچھ اور ہو گی۔
- بھٹی چند : اچھا تو میں پھر کسی اور دن حاضر ہو جاؤں گا جتنے وہیہ کی ضرورت ہو گئی لیتا آؤں گا دوسرا رقم کچھ دیجئے گا۔

(دروازے پر کھٹ کھٹ کی آواز۔ عارف کا اندر آنا)

عارف : خالو اب نصیر خان صاحب اور سر فرزا حسین صاحب تشریف لائے ہیں۔

غالب : ہاں۔

بھٹی چند : حضور مجھے اجازت۔ جب میری ضرورت ہو عارف میاں سے اطلاع کرا دیجئے گا۔

غالب : اچھی بات ہے

(بھی چند سلام کر کے جاتے ہیں نصیر خان اور سرفراز حسین آتے ہیں)

سرفراز خان : (طہر میں) بد قیڑی کی حد ہو گئی شعر سمجھتے نہیں اور سہل کہنے کو تیار ہیں۔

نصیر خان : ان جاہلوں کے مد نہ لگنا چاہئے۔ یہ بات کے نہیں لات کے آوی ہیں۔

سرفراز خان : اب بھی ہو گا سر بازار ہوتے نہ مارے تو؟

نصیر خان : تو کیا ہتھ پائی کر کے؟

سرفراز خان : (آستین چڑھاتے ہوئے) ہتھ پائی۔ چلک کر نہ مارا تو بام نہیں!

غالب : (حیرت سے) کیا ہوا خیر تو ہے کس کو مارنا ہے؟ کس سے لڑتا ہے۔

نصیر خان : حضور یہ بھی عجیب آوی ہے جاہلوں سے لڑتے ہیں۔

غالب : کون جاہل ہے؟ کس سے لڑنے کا ارادہ ہے؟

نصیر خان : استاد یہ آپ کی برائی نہیں سن سکتے۔ وہ ہر سلیمان عطار کا لڑکا رحمان ہے۔ آج اس سے

الجمہ پڑے! میں نہ سمجھتا تو مار دیتا ہو جاتی۔

غالب : کیوں بات کیا تھی؟

سرفراز : اچھا! تو کیا وہ شاعر بھی ہے؟

نصیر خان : جی ہاں۔ کچھ کتا ہے۔ اپنے کو استاد ذوق کا شاگرد بھی بتاتا ہے۔

سرفراز : (نصیر خان سے) تم بھی کیا باتیں کرتے ہو؟ وہ بیوقوف کسی کا بھی شاگرد نہیں! اتنا چڑھا ہی نہیں

کہ شعر کہہ سیکے۔ کوئی کہہ کر دیتا ہو گا اور وہ شاعر ہو گیا۔

غالب : سرفراز تم نہ بچھان ہو۔ نہ جاہل ہو۔ ایسے آوی سے بحث ہی کیوں کی؟

سرفراز : وہ شعر سمجھنے کے بجائے آپ کو سمجھنا چاہتا تھا ذات و صفات پر اتر آیا تھا۔ حرامزادہ۔

نصیر خان : استاد ذات و صفات میں ہم دونوں نے حصہ کر لیا ہے۔ میں بچھان ہوں اور وہ جاہل۔

غالب : (بچتے ہوئے) یہ تقسیم بھی خوب دلی۔

سرفراز : نصیر خان تم یہ دونوں کی طرح باتیں نہ کرو۔ ہر وقت مذاق کیا کرتے ہو؟ تم نے وہاں بھی بے

دقتی کی اور یہاں بھی کر رہے ہو۔

نصیر خان : سکتے آوی! اس کو شعر سمجھاتے اور معنی مطلب پر مدد دینی ڈالنے تاکہ کھلی گور۔

سرفراز : مہاں کیا باتیں کرتے ہو وہ نہ سمجھ سکتا ہے۔ نہ سمجھنا چاہتا ہے! کتا ہے جس طرح مرزا

صاحب شعر کہتے ہیں وہ کوئی کہنے کا طریقہ نہیں نہ استاد ذوق اس طرح کہتے ہیں نہ شاہ نصیر نہ کوئی اور

مشہور شاعر۔

غالب : (مٹھی سامنے لے کر) افسوس یہ کم بخت کثیر کے فقیر دیں گے۔ باقی کڑمی میں اہل چاہتے

ہیں تازہ بہ تازہ خیال و خیال۔۔۔۔۔

نصیر خاں : حضور یہ لوٹے کیا جائیں کہ شعر کیا ہوا ہے۔ چہائے ہوئے تھے چہاٹا منہ بنا۔ ان کا شیوہ ہے۔

سرفراز : تو پھر کسی پر بلاوجہ اعتراض کیوں کرتے ہیں؟

نصیر خاں : بڑے آدمی پر اعتراض کر کے خود مشہور ہونا چاہتے ہیں اور کیا؟

غالب : میں نہانے کو نیا انداز چاہن سنے خیالات دنا چاہتا ہوں وہ اس کو میری کمزوری سمجھتے ہیں۔

سرفراز : اس کو سمجھنے کے لئے ذہن بھی لایا چاہئے۔ احتار الفاظ و محاورات کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ شعور اور وسیع الفہمی نہیں دے سکتے کیونکہ ان کو خود یہ دولت نصیب نہیں۔

غالب : میں نے چاہا تھا کہ نئی تحلیل و ترکیب کا سارا لے کر لوگ اندھیرے سے اہالے کی طرف سڑ کریں مگر یہاں تو لوگ اہالے سے اندھیرے کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ میری شاعری کی مدح کی میں نہانے کے انتخاب کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔

نصیر خاں : استاد آپ افسوس نہ کریں۔ بعض جانور آفتاب کی مدح کی سے اتنا گھبراتے ہیں کہ سورج چھپنے کے بعد ہی باہر نکلتے ہیں۔

سرفراز : میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ مرزا صاحب کی شاعر کا مذاق اڑانے والے ابو ہیں۔

غالب : وہ ابو نہیں بنائے والے ان کو ابو بنا رہے ہیں وہ ایک سار ہیں جن میں ان کی آواز نہیں کوئی اور۔۔۔۔۔

سرفراز : میں ان کو چپ کر کے رہوں گا۔

غالب : ممکن ہے ایک ساز لوٹ جائے پر بھی آواز آتی رہے۔ لیکن جلد ہی وقت آئے گا چپ یہ ہے وقت کی شہتانی خاموشی ہو جائے گی۔

نصیر خاں : تو کیا ہم لوگوں کو چپ ہو کر بیٹھ رہنا چاہئے۔

(چند چند اندر آجاتے ہیں)

چند : چد کا سلام قبول ہو، اجازت ہو تو اندر آجائے۔

غالب : آئیے اجازت ہے۔

(چند چند اندر آجاتے ہیں)

چند : (چیلنے سے پہلے) مرزا صاحب آج یہ خاموشی کیسی؟ آپ کچھ عجیبہ ہیں حالانکہ شاعر ہیں۔

غالب : (خس کر) تو آپ کے نزدیک شاعر کو عجیبہ نہ رہنا چاہئے۔

چند : مرزا صاحب گستاخی سنا کر عجیبہ کی تو ہر شخص کے لئے پاپ ہے اور شاعر کو تو حرام ہے۔

سرفراز : کیا کہنا ہے اس خیال کا۔

نصیر خاں : ان کی ساری وضع قطع سے یہ خیال نکھ رہا ہے۔ طبع دیکھئے لباس پر نظر ڈالئے۔ باقی

ہئے۔

جہد : جس صاحب جی ہے، میرا ظاہر و باطن ایک ہے۔

غالب : اور شامی؟

جہد : بزرگوں سے جانتا ہے کہ شاعر تفریح کے لئے ہے نہ کہ دماغ سوڈی کے لئے۔ سوچتا سمجھتا تو عمر کا گھنٹا ہے۔

غالب : کیا بات کہی ہے؟

سرفراز : جو لوگ بغیر سوچے سمجھے کسی شعر کو مصل کہتے ہیں، ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟

جہد : میاں! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے شعر تو مصل ہوتے ہی نہیں شاید وہ لوگ سوچ سمجھ کر مصل لکھتے ہوں گے سوچ بچار میں یہ غلطی ہوتی ہوگی ورنہ شعر اور مصل لاجملہ ولا قوت۔

نصیر خاں : اور جو لوگ مرزا صاحب کے اشعار کو بے معنی بتاتے ہیں وہ کیا ہیں؟

جہد : ان کا مطلب ہے کہ مرزا صاحب بہت بڑے شاعر ہیں، مصل شعر کرتا آسمان نہیں میر تقی میر احتوا فوق مومن کون مصل شعر کہ سکا کسی ایک کا نام تاجیے والد مرحوم ای فکر میں موشگے ایک شعر بھی مصل نہ کر سکے۔

غالب : جس طرح مصل شعر کرتا مشکل ہے ویسا ہی آپ کی فلسفیانہ گفتگو کا سمجھنا بھی آسان نہیں۔

جہد : مرزا صاحب آپ نے تو میری توجہ کر دی۔ میں اب جاتا ہوں۔

غالب : توجہ کیسے؟

جہد : توجہ نہیں تو اور کیا؟ سوچ سمجھ کر گفتگو کرنے والے پر نعت اگر میری باتیں فلسفیانہ ہو گئیں تو آج ہی میں خود بخود کر لوں گا۔ چاہے آپ برا مانیں یا بھلا اب میں نہیں رک سکتا آداب عرض ہے۔

(جہد اٹھ کر جاتے ہیں، سب دیکھتے ہیں مگر وہ غصہ میں چلے جاتے ہیں)

(سلما اندر آتا چاہتی ہے لوہ جہد غصہ میں تیزی سے باہر جانے کی فکر میں سلما سے دروازے پر ٹکرا جاتے ہیں)

سلما : اولیٰ اللہ یہ کون سمجھتا ہے دیکھ کر نہیں چلک۔

جہد : میںیں جانتی میں جہد ہوں۔

سلما : میں کبھی کوئی آدمی ہے۔

(جہد بیڑا تے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ سلما اندر آتی ہے)

سلما

: حضور! حکم صاحب آپ سے کہہ باتیں کرنا چاہتی ہیں۔

غالب : خیریت تو ہے؟

(بکھ سوچتے ہوئے سرفراز اور نصیر خان سے کہتے ہیں)

اچھا بھائی نے الماں رخصت۔ پھر باتیں ہوں گی۔ خدا حافظ۔

(سرفراز اور نصیر آواپ عرض کرتے ہوئے باہر چلے جاتے ہیں)

غالب : (سلا سے مخاطب ہو کر) ہاں کہ وہ یہاں کوئی لود نہیں۔ آپ آئیے۔

(سلا کا ہانا۔ امراؤ بیگم کا آنا)

امراؤ بیگم : یہ کیا شور تھا۔ کون لوگ لا رہے تھے۔

غالب : کہیں ہی کے لوگ تھے۔ کسی سے تو جھگڑ کر آئے تھے پریشان ہونے کی بات نہیں۔

امراؤ بیگم : اللہ تو بہ۔ میرا دل دھک سے ہو گیا میں سمجھی کہ آپ کسی پر ناراض ہو رہے ہیں۔ میں کھبرا کر چلی آئی آپ کو میرے سر کی قسم سچ بتائیے کیا بات تھی؟ کوئی صاحب۔

غالب : (ہات کٹ کر) لا حول ولاقوة الا فی فضل ہاتیں آپ کیوں سوچتی ہیں کیا حال کسی کی کہ مجھ سے

روان لڑا۔ انسان تو انسان ہیں گستاخی فرشتہ بھی نہیں پسند کرتا۔

امراؤ بیگم : تو بتاتے کیوں نہیں کیا بات تھی؟

غالب : وہی ہندوئی جو میرے دشمنوں کو اس آگلی۔ میرے کلام کو مصل ٹانا اس کا مذاق اڑانا ان کا

مغضہ ہو گیا ہے۔ ایک صاحب جن کا نام رحمان ہے وہ سبازار کہہ رہے تھے کہ مرزا غالب کے

اشعار بے معنی ہوتے ہیں اس پر میرے دوستوں کو فخر آیا۔ بکھ تیز تیز باتیں ہو گئیں سرفراز خان کو

کسی طرح یہاں تک لایا گیا مگر وہ اتنے فخر میں تھے کہ میرے سامنے بھی ہار سے باہر تھے۔

امراؤ بیگم : مصل کہنے والے کہ منہ میں خاک۔ میں ہوتی تو سونڈی کالے کو دس جوتیاں لگاتی یہ ہے

کون سٹو جو یہ سب بکھا ہے۔

غالب : استاذ ذوق کا شاگرد اپنے کو بتاتا ہے۔

امراؤ بیگم : استاذ ذوق تو بہ اللہ! ابا جان تو اُمیں کے شاگرد ہیں۔ وہ تو کئی بار کہہ چکے ہیں کہ مرزا غالب

کسی لحاظ سے قابلِ قدر شاعر ہے۔

غالب : میں بھی سمجھتا ہوں کہ ان کی سنجیدگی اور بزرگی اس قسم کی بے کار باتیں کہنا کیا سنا بھی نہ پسند

کے گی۔

امراؤ بیگم : ہارے کوئی ان جھانڈو بیٹوں کو۔ آپ اپنا کام کیجئے۔ خاص خاص لوگ تو آپ کی قابلیت اور

شاعری کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ ان چالوں کے بکچے سے کیا ہوتا ہے۔

غالب : (بکھ سوچ کر) اچھا لوگوں کو جانے دیجئے۔ بے لوث ہو کر بتائیے کہ میری شاعری آپ کے

نزدیک کیسی ہے۔؟

امراؤ بیگم : کیا آج اور کوئی آپ کو یہ وقفہ ملے گا۔ بھلا میں کیا اور میری رائے کیا۔؟

غالب : تم ایک اچھے شاعری بنی اور ایسے خاندان کی جنم و چراغ جس میں عیش و علم و ادب کا چراغ رہا۔
خود شاہد اللہ چڑھی نکسی پھر آپ کی رائے کیوں نہ پہنچوں۔

امراؤ بیگم : مجھے آپ کی شاعری میں نیا پن بہت پسند آتا ہے۔ مگر کبھی کبھی کہاب میں ہڈی جو خراب کر
رہی ہے۔

غالب : کیا مطلب؟
امراؤ بیگم : کس پرانہ ہائیں۔ مشکل الفاظ اور دور کا خیال بات کو پراثر نہیں ہونے دیتے۔ جی چاہتا ہے

کہ کچھ سہل زبان ہو نرم جان ہو۔ تو شعر میں طعاس آجائے کہ عمر بھر جانا نہ بھولے۔
غالب : طعنا والی ہو نہ؟ یہ کہو کہ بغیر سوچے اشعار سمجھ میں آجاتیں۔

امراؤ بیگم : اللہ آپ کو دندہ رکھے بات تو پتہ کی ہے۔ کہ خوش کہتے کہ جو کچھ کہتے وہ "اردو" ہو۔
غالب : میں سمجھا۔ تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ میرے فن و فکر میں ہم آہنگی نہیں؟

امراؤ بیگم : مرزا صاحب یہ تو میں نہیں جانتی۔ کہنا صرف یہ ہے کہ بعض وقت آپ کی شاعری سے دماغ
مجنونہ لگتا ہے آپ سیدھے سادے شعریں نہیں کہتے؟

غالب : میرے فکر و فن کا قضا کچھ اور ہے آسان زبان میں اول تو وہ بات نہ آئے گی اور پھر بڑی
صحت کی ضرورت ہے۔

امراؤ بیگم : آپ کو صحت شعر درست کرنے میں میں شراب پھونڈے میں۔۔۔
غالب : شراب کی توہین میں نہیں من سکتا۔

امراؤ بیگم : تو میں جانتی ہوں۔
غالب : (کچھ سوچ کر) میں ذرا ختم جاؤں۔ کچھ ضروری باتیں کہتی ہیں۔

امراؤ بیگم : یا اللہ خیر تو ہے۔
غالب : بات اہم ہے۔ فور سے سنو۔ میں یہ دیکھتا ہوں کہ بڑے بڑے دو خاندانوں کے بیچ میں ہم اس

طرح نہ گئے ہیں جیسے بنگلے کے دو پات کے درمیان کوئی دانہ نہ پڑ جائے۔ نہ نکل سکتے ہیں نہ ٹھہر سکتے
ہیں ان خاندانوں کی برابری دولت چاہتی ہے۔

امراؤ بیگم : مرزا صاحب میرا دم گھٹ رہا ہے۔ جو کچھ کہنا ہو صاف صاف کہئے" آپ شعر کہہ رہے ہیں
طاہاتیں کر رہے ہیں۔

(غالب قہقہے لگتے ہیں کچھ سوچنے کے انداز میں)

غالب : تم گھبرا رہی ہو۔۔۔ میں نے سوچا ہے کہ اپنا دکھ دکھاؤ قائم رکھنے کے لئے دنیا کی سب سے بڑی
دولت پر ہاتھ ماروں۔ اگر کچھ حصہ مل جائے تو دنیا مجھے قدر کی نگاہوں سے دیکھنے لگے؟

امراؤ بیگم : اولیٰ کون ایسی دولت ہے۔

غالب : اپنی شاعری سے میں ایسا چراغ روشن کرنا چاہتا ہوں جو فکر و فن کی دھند کو بجھکا دے۔ دنیا اسی کی روشنی میں مجھے دیکھے۔

امراؤ بیگم : آپ مرزا ہیں، مگر باتیں شاخ جلی کی سی کرتے ہیں، پہلے اپنے غصے کی لگڑ بچھڑے قرض کی تاریکی دور دیکھتے پھر شعرو شاعری سے چراغ جلا دیتے۔

غالب : (بات کٹ کر غصہ میں) کیا فضول باتیں کرتی ہو، شاعر کو صبا جن کی آنکھ سے نہ دیکھو۔

امراؤ بیگم : ذرا خدا گنتی کہتے، شاعری میری گنتی میں ہے میں مرزا اعلیٰ خلق مصروف کی بیٹی ہوں۔ اس خاکدان میں نہ معلوم کتنے شاعر ہوئے ہیں۔ کج پوچھتے تو میں شاعری کی گود میں پٹی ہوں اور آپ؟

غالب : (جھنجھلا کر) بس بیگم زیادہ نہ بدحواس رہو۔۔۔۔۔

امراؤ بیگم : درد کیا؟

غالب : تم نے ایک ترک کا جلال نہیں دیکھا۔ شاہیں کہ میرے باپ اور چچا کس جوانمردی سے میدان جنگ میں کام آئے۔

امراؤ بیگم : تو ایسے لوگوں کو شاعری سے کیا واسطہ؟

غالب : ہم نے اگر شمشیر و شال کے جوہر دکھا کر قوت تاج کو نصرت بخش ہے تو قلم و کتاب کا بھی احترام کیا ہے ذرا تاریخ کی کتابوں کو دیکھو۔

امراؤ بیگم : مجھے پ اپنی تاریخ نہیں معلوم۔۔۔۔۔ اور آپ کو ہی تاریخ کی خبر نہیں۔

غالب : خدا جائے کیا کہہ رہی ہو؟

امراؤ بیگم : آپ دہلی کے قتلے پر اکبر و جہانگیر کو کبھ رہے ہیں۔ اس پر نظر نہیں کہ اب ان کی جگہ

پہادر شاہ ظفر ہیں جو خود انگریزوں کے۔۔۔۔۔

غالب : بس غلاموں بیگم جلی جاؤ ورنہ اچھا نہ ہو گا۔

امراؤ بیگم : کیا اچھا نہ ہو گا، کھری بات کہو تو مرہیں گنتی ہیں، شاعری سے ان کو دولت مل جائے گی

سکومت ان کو جواہرات میں قول دے گی۔

غالب : اچھا اب تم جلی جاؤ مجھے تنہا چھوڑ دو۔

امراؤ بیگم : میں جاتی ہوں۔۔۔۔۔ کون میری شاعری کریں گے چراغ جلا لیں گے (۱۱۱)

(امراؤ بیگم کا جانا)

(غالب تنہائی میں خود اپنے آپ باتیں کر رہے ہیں۔)

خاندان کا وقار اپنا رکھ رکھاؤ تو کم نہ ہوئے دلی لگ گیا کیا جائے، صبا جن۔ قرض۔ کچھ سوچتے ہوئے ایک جام چڑھا لیتا۔

میری شاعری کچھ لوگوں کو تکلیف پہنچا رہی ہے کیوں نہ دست بردار ہو جاؤں گوی پتا خود غرض

ہوتا ہے۔ مگر میں شاعر بھی ہوں، دنیا کو کچھ دینا چاہتا ہوں۔ بڑی کبھتی ہے۔ میں سلطنت سے امید کرتا ہوں، میں نے نالے سے توقع کرتا ہوں آج میں تو کل وہ مجھے پہچانے گا میں دنیا کو روشنی دینا چاہتا ہوں۔ کیا انہوں نے خیال سے آنکھ دالوں کو چھوڑ دوں، میں یہ ہرگز نہ ہو سکتا۔ وہاں میرا انتظار ہو گا مجھے فوراً چلا جانا چاہئے۔

(پہلا گرتا ہے)

پہلا ایکٹ — دوسرا سین

شیفتہ کا مکان

(شیفتہ، میٹل خاں، سرفراز، غالب، شیریں)

- شیفتہ : ابھی تک مرزا نہیں آئے۔ کلنی دیر ہو چکی ہے۔
- میٹل : جی ہاں کیا کیا ہے۔ میں نے تو ایسا انتظام کر لیا تھا کہ فٹنی سیکر دو رو پر شاو کی دعوت سے مجھے ہم لوگ انہیں مرزا صاحب کی غزل فوراً سوانح شروع کر دے۔ اب وہ شروع کرنے ہی کو ہو گی۔
- شیریں : مرزا صاحب یوں ہی انتظار دکھایا کرتے ہیں۔؟
- شیفتہ : دیکھئے نہ۔ شیریں آدھ ٹکڑے سے یہاں بیٹھی ہیں۔
- پہلا : ان کو تو انتظار میں مزہ آتا ہے۔
- تیسرے خاں : (پہلا سے مخاطب ہو کر) آپ کو تو اس قسم کا انتظار ہی کبھی نہ کرنا پڑا ہو گا۔ ایک اذان میں آپ ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں۔
- شیریں : جانور انتظار کا مونہ کیا جانیں۔
- میٹل : (گھروں کے اندر) وہ مرزا صاحب کی غزل شروع ہو گئی۔
- شیفتہ : اگر اور بیٹے یہی انتظار ہوتا۔ کیا کیا ہے۔
- شیریں : بیٹے اچھے انداز سے غزل گائی جا رہی ہے۔
- تیسرے خاں : تو کیا یہ مصروف مرزا صاحب نے آج ہی کے دن ہم لوگوں کی زبان سے منٹا چاہا تھا۔
- پہلا : ارے وہ انہیں گے نہیں آپ لوگ ان کے وعدہ۔۔۔
- شیفتہ : (بات کٹ کر) نہیں نہیں وہ ضرور انہیں گے۔
- میٹل : پہلا صاحب گانا بٹھے۔ برا نہ مانئے تو کہوں کہ تھوڑی دیر کے لئے چپ ہو جائیے۔
- شیریں : ابھی بات ہے۔ ہم لوگ خاموش ہیں۔
- (غزل گائی جا رہی ہے۔ آواز دور سے آ رہی ہے۔ ہر مصروف پر لوگ شیفتہ کے بیان کی تعریف کر رہے)

ہیں کبھی کبھ کہہ دیتے ہیں۔ آخری شعر غالب آجاتے ہیں

: وہ ایسے اچھے اچھے لوگ یہاں تھے ہیں۔

: ارے مرزا صاحب آپ نے کمال کیا۔ ہم لوگ کب سے انتظار کر رہے ہیں۔

: بھائی میں تو وقت سے آہان! مگر تساری بھائی نے کھلا بیکھا کہ غشی سکھ رو پر شاہ اور نواب

صاحب تو چوری ہی ہیں، میں بھی ساتھ چلی چلوں، آپ مجھے وہاں چھوڑ دیجئے گا۔

: تب تو فور پہلے آنا تھا۔

: کی ہاں۔ ہونا تو یہی چاہئے تھا۔

: مگر مرزا صاحب عورتوں کو بدنام کرتے ہیں آپ۔

: نواب صاحب۔ آپ جانتے ہیں کہ عورتوں کی تجارتی کس غضب کی ہوتی ہے۔ ان کا بیڑا سنگار

کتنا وقت لیتا ہے۔

: مرزا صاحب یہی بیڑا سنگار تو سب کچھ ہے؟

: آپ کے لئے سب کچھ ہے مگر خود عورتوں سے پوچھئے کہ ان پر کیا گزرتی ہے۔ آزادانہ فہم کیوں

و زیبا کس پر شاہ پہلے ان کے لئے محنت طلب ہے۔ بھر دوسروں کے لئے جان طلب ہے۔

: مرزا صاحب آپ عورتوں کے ہمدرد کب سے ہو گئے۔

: (ہنستے ہوئے) جو سرلا رو ہو وہ کسی کا ہمدرد ہو سکتا ہے خوب ملاقات ہوئی۔ مجھے اگر معلوم ہوتا

کہ تم بھی یہاں مل جاؤ گی تو میں شام ہی سے آجاتا۔

: یہ تجارتی تو میری عیادت کے لئے آئیں۔ ان کو تو بہت بد میں علم ہوا کہ میں بیمار ہوں۔

: اب تو نواب صاحب بشاء اللہ بہت اچھے ہیں۔

: اب نہ اچھے ہوں تو کب اچھے ہوں گے۔

: مرزا صاحب۔ کیا آپ نے کب ہی کے لئے کہا تھا کہ

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق وہ دیکھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

: کیا شعر کہا ہے۔ حقیقت کو شکر دیا دیا ہے۔

: مرزا صاحب کب نواب صاحب نے اپنا ایک شعر خلا تو میں بزرگ اٹھی۔ محبت کی قریب اس

حسن سے میں نے سنی نہیں۔

: بھائی شیفٹہ اگر وہ شعر صرف شیریں کے لئے ہو تو میں کچھ نہیں کہتا ورنہ میں بھی۔

: مرزا صاحب شیریں کا حسن عامت ہے۔ تب بھی ان کی باتوں میں آگئے۔

: میں تو ایک مدت سے ان کی باتوں کا قائل ہوں۔

: ارے صاحب شعر شاد دیجئے۔ یہ بزرگ اٹھی۔ اب میں بھی بڑ بڑاٹھا ہوں۔

غالب

شیفٹہ

غالب

شیریں

شیفٹہ

شیریں

غالب

بد

غالب

شیریں

غالب

شیفٹہ

شیریں

غالب

میش

سرفراز

شیریں

غالب

شیفٹہ

غالب

بد

نصیر خاں : نوپ صاحب عزایت ہو۔

شیفتہ : ملاحظہ ہو۔

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ ہے آگ سی جو سینے کے اندر لگی ہوئی

غالب : سبحان اللہ۔ کس سادگی سے اتنی بڑی بات کہ دی ہے۔ یہ ایک شعر نہیں کتاب ہے۔

شیریں : شاید کا لفظ یہاں کتاب پر اثر ہو گیا ہے۔

میش : بار بار شکشٹانے کوئی چاہتا ہے۔

ہدہ : آپ کا یہی شکشٹانے کو چاہتا ہے اور میرا دل چاہتا ہے کہ گاتے گاتے ٹاپتے لگوں۔

شیفتہ : اور ٹاپتے ٹاپتے اڑ۔ چلوں کیوں بھائی ہدہ؟

سرفراز : حضور کج تو یہ ہے کہ اگر یہی شعر کسی حور کی صورت اور نور کے گلے سے ادا ہو جائے تو ہدہ کا کیا ذکر ہے؟ بے پر کے لوگ بھی مائل پرواز نظر آئیں۔

میش : (شیریں کی طرف دیکھتے ہوئے) میاں سرفراز کی حسین فرمائش کا رخ آپ ہی کی طرف ہے۔

شیریں : میں اس قابل ہوئی تو بخوشی سنا دیجی۔

شیفتہ : یہ بھاری بھی تو آتش چشم میں جلا ہیں؟

ہدہ : نوپ صاحب۔ چشم تیار سنا تھا۔ دیکھا نہ تھا۔ آج آپ کی ہدایت دیکھ لیا۔

غالب : (ہنس کر) آپ نے جب معنی پیدا کر دیئے۔ کج کج آپ ہدہ ہیں۔

شیریں : مرزا صاحب۔ آپ کی قابلیت کوئی کہاں سے لائے۔ آپ کا مطالعہ جتنا وسیع ہے۔ اس کا جواب نہیں۔

شیفتہ : مرزا سے زیادہ بعض لوگوں نے حاصل کیا۔ ان سے زیادہ چمکا۔ ان سے زیادہ کتابوں کے درون لائے۔ مثال کے لئے استادوں کو لے لیجئے۔

غالب : نوپ صاحب۔ میری آنکھیں میرے استادوں نے کھولیں۔ مگر میرے دماغ و ذہن کو قدرت نے روشنی دی معاملہ کے لحاظ سے میں دریائے علم کے ساحل پر کھڑا ہوں، مگر سمندر کی ان طویلوں پر نظر ہے جو فوط طویلوں کی آنکھوں سے اوجھل ہیں، لوگ سیپ میں موتی ڈھونڈتے ہیں، میں موتی کو بھی سیپ سمجھتا ہوں۔ موتی کی وہ قیمت جو زر دار کی نظر میں ہے، وہ میرے نزدیک بچہ ہے۔ میں اس کی لافذال قدروں پر نظر رکھتا ہوں۔

ہدہ : تو آپ کہ نور کی تلاش میں رہتے ہیں۔

غالب : ہاں، مگر اس لئے نہیں کہ وہ قند قامت میں بیٹا ہے، اس سے بڑا میرا ابھی موجود ہے مگر وہ حسن و جمال جو کہ نور کو کہ نور بناتا ہے۔ وہ کسی اور میں نہیں، وہ تجھ ہی کا مری ہے۔

شیفتہ : مرزا صاحب۔ آپ کو غصہ آگیا سکتا میرا مطلب بھی یہی تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ پھر اور چرنے کا

پہاڑ بھی ادا قیدی نہیں ہو سکتا جتنا تاج محل ہم کی عمارت مگر یہ ذوق فقیر بھی باپ دادا سے ملتا ہے۔
 : (عشق میں کھڑے ہو جاتے ہیں) آپ کا مطلب ہے کہ میرے بزرگوں میں یہ دمف نہ تھا۔
 نواب صاحب آپ نے میرے کپڑے کا رنگ سے بہت قریب سے دیکھے۔ صرف باپ۔ بچا کی کارگزاری
 نہ آپ کی نظر لگی۔ اس سے اور آنکھ اٹھا کر آپ نے نہیں دیکھا۔
 : سناؤ!۔ میں اور آپ کے بزرگوں کی توہین کدوں، لعنت ہے، ایسے خیال پر۔۔۔

: (بات لٹ کر) میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میرے باپ اور بچا صرف سہاوی نہ تھے، وہ گوارہ کے
 دشمن تھے، مگر گوارہ کے ظاہری حسن سے پرے ان کی نظر تھی۔ وہ اس کے حسن کو میدان جنگ میں
 رکھنا چاہتے تھے۔ اگر وہ مارنا چاہتے تھے۔ تو مرنا بھی چاہتے تھے ان کے نزدیک گوارہ اسی وقت گوارہ
 کھلانے کی مستحق تھی۔ جب کوئی لانا ڈال کا رہتا ہے پیش کرے، مجھے یہ احساس درط میں ملتا ہے۔ میں
 حسن لانا ڈال کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہوں۔

: چاہے وہ حسن عورت ہی میں ہو۔؟
 : سوال ہند ہر وقت یہ تو فی کی باتیں نہ کیا کرو۔
 : حسن کسی بیکر کا تاج نہیں۔ بیکر خود حسن کا تاج ہے۔
 : حضور میں سمجھا نہیں۔

: جیسے موسیقی الفاظ کی تاج نہیں۔ الفاظ الہت موسیقی کے تاج ہیں۔
 : ہر فعل حسن کی نمائندگی ہے، الفاظ ہوں یا ساز، چتر ہو یا انسان۔ زمین ہو یا آسمان۔
 : جب ہر فعل میں حسن ہے تو بعض شکلوں کو انسان اپنی ملکیت کیوں سمجھتا ہے؟
 : قدرت نے ہر ایک کو ذوق نظر یکساں نہیں دیا۔ کچھ لوگوں کو ہوس پرستی کے لئے پیدا کیا ہے،
 وہ حسن کی قدرت و قیمت سے نہیں ملکیت کے احساس سے غرض ہوتے ہیں۔

: آدمی پیدا خود غرض ہوتا ہے۔ اور خود غرض کو قدرت ذوق نظر سے محروم کر دیتی ہے۔
 : بندہ نواز تو آپ شیریں گد۔

: ہند تم نے میرا دماغ خراب کر دیا۔ تم جس محفل میں ہوتے ہو، اس میں میں بیٹنا نہیں چاہتا۔

(پہرہ کرتا ہے)

پہلا ایکٹ — تیسرا سین

شیفتہ کا کمر

افلاس۔ فضل حق، مفتی صدر الدین آزاد، حکیم احسان کا آٹا۔

شیفتہ : آئیے آئیے۔ زبے قسمت، غالب کی زبان میں کہنا چاہتا ہے۔

اردو : آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے، کبھی ہم ان کو بھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

اردو : کیا ہم لوگ ایسے خطرناک ہیں کہ کبھی آپ ہم کو دیکھتے ہیں، کبھی اپنے گھر کی چوکیداری کرتے ہیں۔

فضل حق : (خس کر) واہ آزاد، صاحب۔ غالب کے شعر کی کیا توجہ لہرائی ہے۔

شیفتہ : ان کے اشعار ہوتے ہی ترہ دار ہیں، کوئی کیا کرے۔ ایک مفہوم تو یہ بھی ہو سکتا ہے۔

فضل حق : غالب میں بے پناہ صلاحیتیں ہیں، مگر کبھی سیدھے منہ بات نہیں کرتا۔ کاش اس کا انداز

جہاں وہ اعتدال میں آجائے۔ میں سمجھایا کرتا ہوں، مگر وہ غصے سے کم اثر لیتا ہے۔

اردو : مولانا بات یہ ہے کہ مرزا غالب کی شاہراہ فکر ان بلندیوں سے گزرتی ہے، جہاں موجہ انداز

جہاں وہ روکے ہاتھ میں عصائے خطر تو بن سکتا ہے مگر عصائے موسیٰ نہیں ہو سکتا۔

شیفتہ : خطر کا عصا آپ حیات تک تو پہنچا ہی دے گا۔

اردو : ہو سکتا ہے مگر میں نے مرزا کو بار بار مرزا کا یہ شعر سناتے سنا ہے کہ۔

آپ حیات وہی باقی پر حضور و سکندر مرتے تھے خاک سے ہم نے ہمارا وہ چشمہ یہ بھی ہماری قسمت تھی

فضل حق : یہ ہم لوگوں کے درمیان حضور و سکندر کہاں سے آگئے۔ بات تو غالب کی شاعری پر ہو رہی تھی۔

اردو : قطع کلام صاف کیجئے گا۔ میں عرض کرنا چاہتا تھا کہ جو غصے خیالات کی بلندی طے کرنا چاہتا

ہو۔ اس کے لئے عصائے موسیٰ مفید تو ہو سکتا ہے مگر عصائے خضر بے کار بلکہ مضر۔

شیفتہ : مولانا، غالب کی شکوہ کا شکوہ بے کار ہے۔ آزاد کی نظم اس سے زیادہ صبر آگتا ہے۔

فضل حق : بھائی جان۔ صاف صاف بتائیے، آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ (دوئے سخن آزاد کی طرف ہے)

اردو : مولانا جیسے کہ طور پر جانے کا حوصلہ ہو، اسے داری انہن میں پڑے رہنے کی صلاح کیوں دی جائے؟

شیفتہ : ہاں صحیح ہے، مگر کہ طور پر حکیم کو کیا جواب ملتا تھا؟

(یہ باتیں ہو رہی ہیں کہ دہشتہ، غالب آجائے ہیں۔ دواؤں سے ہی سے یہ شعر پڑھتے ہیں۔)

غالب کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی میر کریں کہ طور کی
آواب صاحب یہ غلام بھی حاضر ہے 'اہانت ہو تو شرف پار پائی حاصل کئے۔ مگر یہی تو طور وصور
کی باتیں ہو رہی ہیں' میں کیا کچھ سکتا ہوں۔

(سب کے سب متوجہ ہو جاتے ہیں۔ شیفہ کھڑے ہو جاتے ہیں)

شیفہ : آئیے آئیے سرکار۔ اسے آؤ نت ڈامٹ آؤریء ما۔ (بوش سرست میں دونوں کا بغل گیر ہوتا)
غالب : آؤا با۔ یاں تو داران طریق کا ابتلع ہے۔ آواب عرض ہے۔

(لوگ جواب دیتے ہوئے آئیے آئیے۔ آپ ہی کی کئی تھی۔)

آزادہ : بچ پچھنے تو ہم لوگ آپ ہی کا ذکر فکر کر رہے تھے۔ آپ آگے بڑھا اچھا ہوا۔

غالب : ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے 'مفتی صاحب قبلہ کیا ارشاد ہے' حمایت ہو تو
میں بھی اپنا ذکر سن لوں۔

فضل حق : آپ کا ذکر آپ کی فکر سے حلق ہے۔ سنئے گا۔؟

غالب : حضور آپ کی زبان سے صلواتیں بھی سن لوں گا۔ باتیں کیوں نہ سنوں گا۔ فرمائیے۔

شیفہ : بھائی غالب سنو اور مناسب ہو تو خود بھی کہو اور ممکن ہو تو عمل بھی۔

غالب : کو حش اسی بات کی کہوں گا۔ آپ لوگ کچھ باتیں بھی تو۔؟

فضل حق : کہتا یہ ہے کہ یہاں سب آپ کے ہی خواہ ہیں۔ آپ کی شاعرانہ صلاحیتوں اور علمی

مطلوبات سے متاثر ہیں 'اسی لئے ہی چاہتا ہے کہ آپ تھوڑے راستے پر چلتا چھوڑ دیں۔ غارزار میں

شاعری کا دامن نہ الجھائیں' بلکہ ہی خیال اتنی ہی بلند ہو کہ زمین کے پٹنے والے بھی لطف اندوز ہو سکیں

پڑے کیسے لوگ قائمہ افلاکیں۔

شیفہ : یعنی آپ مشکل پسندی ترک نہ کریں۔ کم کر دیں تاکہ لوگ یہ کہنے پر مجبور نہ ہوں کہ۔

کام میر کجے اور زبان میرزا کجے مگر اپنا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا کجے

غالب : (مفتی سانس لے کر گویم مشکل وگرتہ گویم مشکل۔ خیر بہتر ہے۔ اور کوئی حکم؟)

فضل حق : دیکھئے مرزا صاحب۔ حکم نہیں۔ ہم لوگوں کی آرزو ہے کہ آپ کے علم و فن سے نمانہ فیض

حباب ہو۔۔۔ مگر مشکل الفاظ اور شائوس بیان کی بھل بھلیاں ذہن کو آئے نہیں بڑھتے دیتیں۔

شیفہ : باوجود ان وقتوں کے آپ کی شاعری نے دلوں کو سسڑ کر لیا ہے۔ اگر انداز یہاں کچھ اور سہل ہو

جائے تو مقلد اثر آتا بیوہ جائے کہ آپ خود نہ سوچتے ہوں گے۔

غالب : آپ لوگوں کی اصلاح سے جو قائمہ نہ اٹھائے وہ کافرو۔ (فضل حق کی طرف مخاطب ہو کر)

آپ نے وقتاً فوقتاً جن غامیوں کی طرف اشارہ کیا ہے 'میں نے ہر دم چشم منظور کیا ہے' آج بھی کہتا

ہوں کہ فن کا لحاظ کرتے ہوئے آپ لوگوں کی قربانوں پر عمل کروں گا۔

فضل حق : اس میں شک نہیں کہ آپ کی ابتداء کی شاعری جتنی کا واک تھی اتنی اب نہیں رہی، آپ کی ہر دھن کی رد و انہوں ہے۔

شیفٹ : یہاں تک کہ اہل قلم بھی لہا ہائے گئے ہیں، یہ بھی آپ کی اصلاح پسندی کا ثبوت ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو یہ سب کیوں کہا جاتا ہے۔

غالب : گستاخی معاف۔ ابھی تک صرف کہا گیا ہے۔ سنا نہیں گیا۔ اجازت ہو تو میں بھی اپنے معروضات پیش کروں۔

(سب کے سب۔ ضرور، ضرور، وہ تو سننے کی باتیں ہوں گی)

غالب : سحرست آدمیوں کو مریضوں کی غذا دینا۔ آپ لوگ بھی مناسب نہ سمجھتے ہوں گے مگر اس دور کی مریضانہ ذہنیت یہی چاہتی ہے۔ (لوگوں کو تیار بننے میں لطف آئے گا ہے، کچھ لوگوں کے نزدیک بیماری صحت ہے۔ اس خط کا کیا علاج۔

فضل حق : آپ کا مطلب میں سمجھ گیا۔ ابھی تیار ذہنیت پر لعنت کیجئے، مگر اردو زبان کا طود ایک مزاج بن چکا ہے۔ اس کا لحاظ تو آپ کو کرنا ہے۔

: اور غزل میں تو قلیں الفاظ اور غنائوں تراکیب کی روایت بھی تھی۔

غالب : تو کیا بلند خیال و پرورش بیان کو نرم و نازک الفاظ کا جلد پہنا جائے۔ اگر یہ رویہ اختیار کیا گیا تو زبان و بیان میں ہم آہنگی ممکن تھی۔ دیرپا اثر کلام سے غالب ہو جائے گا۔ کیا آپ لوگ یہ بات پسند کریں گے؟

شیفٹ : مرزا صاحب آپ کے سامنے میر تقی میر کی مثال موجود ہے۔ آخر انہوں نے بڑے بڑے مسائل کو نرم و نازک الفاظ میں کیسے جگہ دی۔

غالب : میں جانتا تھا کہ آپ یہ مثال پیش کریں گے مگر نواب صاحب۔

تو کو چاہئے اک حراثر ہونے تک

میرے سامنے بھی وہ عظیم فن کار نمونے کے لئے ہر وقت رہتا ہے لیکن۔

فضل حق : (بات کاٹ کر) لیکن دیکھن کچھ نہیں، آپ اگر کو حشش کریں تو آپ میں وہ جوہر ہیں کہ میر کی طرح اپنا مکہ دیکھنے لوہ میں دواں کر سکتے ہیں۔

(غالب سنجیدہ ہو کر سوچتے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ٹپٹے لگتے ہیں، پھر کہتے ہیں)

غالب : (ہستے ہوئے) بہت اچھا حضور۔ اس وقت خط کا بازار کہاں سے لاؤں گا۔ جب علم سید و سلینہ گنگا ہٹا کی طرح (دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے) ایک فکرۂ غزن کو حکیم سمجھ کر موجزن ہوں گے۔ میں کیسے پاک و پاکیزہ آب حیات کی لہروں کو پھر مگر عموماً اس کی طرف دامن کروں گا۔ اس وقت کیا یہ کرنا مناسب ہو گا کہ لوگوں کا آرام طلب ذہن ابھی تھکے سے استعجاب کو تیار نہیں۔ مشکل الفاظ اور

ٹائوس ترائپ میں تمہارا پیام ناقابل قبول ہے۔ تم دور ہو چلو۔ (بات یہاں تک پہنچی تھی کہ حکیم احسن اللہ خاں وردا نے بے آگے دیکھا کہ دربان نہیں) حکیم احسن : ہائیں تو کر کہاں گیا۔ کہیں گیا ہو گا (درا بلکہ آواز سے) مبارک۔ سلامت۔ مبارک باد۔

(اندرونگ چونک کر حوچ ہو جاتے ہیں۔)

شیفتہ : کچھ نہ پچھنے 'بڑی اچھی خبر ہے کیا؟ مبارک ہو۔ کون سلامت رہے۔ اندر آئے۔

(حکیم صاحب داخل ہوتے ہیں 'لوگ سلام کرتے ہیں)

حکیم احسن : کچھ نہ پچھنے 'بڑی اچھی خبر ہے' یہ کھنے کہ میں دوڑا ہوا آیا ہوں 'شر میں ملوی ہو رہی ہے۔ قلعہ میں جشن کا اہتمام ہو رہا ہے۔ شاہی فارے بچے گئے۔ آپ لوگوں کو کچھ خبر نہیں۔

شیفتہ : حکیم صاحب۔ تا دیکھئے۔ اب دم گھٹ رہا ہے۔

حکیم احسن : پھول والوں کی سیر کا دن ہے۔

فضل حق : اوسے یہ تو سب کو معلوم ہے۔ آپ کو کیا کہنا ہے؟

حکیم احسن : جی ہاں وہ تو معلوم ہی ہے۔ اس وقت جو بات اس سلسلہ میں ہوئی 'اس کی اہمیت نانا ہے۔

آزاد : تو بتائیے اسی کو سنتا ہے۔

حکیم احسن : آج اس سیر کے سلسلے میں بادشاہ سلامت اور ولی عہد میں مصنگو ہو رہی تھی 'جہاں پہا کی خواہش ہے کہ اس بار مشاعرہ پیش سے بہتر ہو۔ اس مصنگو کے بعد ولی عہد نے تملی میں مجھ سے فرمایا کہ آج آپ مرزا غالب۔ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ اور آزاد وغیرہ کو شرکت کی دعوت دیجئے۔

آزاد : یہ شہسایہ اعزاز قابل تہنیک ہے۔

غالب : یہ فرمائش میرے نزدیک حکم کا درجہ رکھتی ہے۔

شیفتہ : ہم لوگوں کو حکیم صاحب کا ممنون ہونا چاہئے۔

حکیم احسن : میں نے بھڑا کوئی سفارش نہیں کی۔ ولی عہد کے دل میں آپ لوگوں کی جگہ ہے۔ یہ بڑی بات ہے۔

شیفتہ : اسی لئے تو یہ یاد دہی 'خوش خبری محسوس ہوتی ہے۔

غالب : بے شک۔ میرا ارادہ تو میلے میں شریک ہونے کا پہلے ہی سے تھا۔ اب تو شرکت لازمی ہو گئی۔

حکیم احسن : کل ہی تو چنا ہے۔ مطلق صاحب بسم اللہ 'نواب صاحب کچھ سوچتے نہیں۔ آپ لوگ اللہ کوڑے ہوں۔ آج ہی سے جاری شروع کر دیجئے۔

آزاد : حکیم صاحب میرا ارادہ تو یہ تھا۔ مگر اب۔

حکیم احسن : مفتی صاحب کیوں ارادہ نہ تھا؟

غالب : (پلٹنے کے لئے کھڑے ہیں) ہاں مگر زندگی اسی کا نام ہے، ایسے ہی بنگالوں میں تو مجھے اپنی بیٹی ہوئی زندگی کی پرچمیں نظر آتی ہیں۔ تمہیں چنگ کے بیج ہو رہے ہیں۔ تمہیں طوائی آواز دے رہا ہے۔ علوہ سوہن کہا ہے، 'جان شیریں کے مزے اٹھائیے۔' (سب لوگ جاتے ہیں۔ صرف غالب رک جاتے ہیں، اور شیفتہ کا تو کمری ہے)

شیفتہ : تو کمری بچپن ہی سے شیریں کے مزے آپ لے رہے تھے۔

غالب : (دش کر) کیا بات تھی۔ آپ کے نزدیک جان شیریں اور شیریں جان میں کوئی فرق نہیں۔

شیفتہ : میرا مطلب ہے کہ نام کی صورت میں نہ کسی، کسی اور صورت میں یہ لفظ آپ کے دل و دماغ تک پہنچتا رہا، بہر حال دلچسپی کا سلسلہ بہت پہلے سے شروع ہو گیا تھا۔

غالب : اس وقت تو فارغ الدینی تھی۔ ہر تفریح و کھل معلوم ہوتی تھی، اور اب تو جان شیریں بھی تلخ ہو گئی ہے۔

شیفتہ : پہل والوں کی سیر میں دل بہل جانے کا۔ کل پلٹے۔

غالب : کیا دل بہلانا، بچپن کی باتیں یاد آئیں گی۔ اس وقت کی ہے فکری کج کی زندگی کی کجی اور زیادہ تلخ کر دے گی۔ اس وقت جان شیریں ایک آواز تھی۔ ایک غراب تھی۔ آج یہ شیریں بن کر ہے۔ حقیقت ہے مگر خود زندگی غراب ہو گئی ہے۔ کبھی شعری لہر ہے، کبھی دہریہ کی، کبھی باپ دادا کی عزت کا خیال ہے، کبھی گمشدہ عقلیت کا بلال ہے، فرض زندگی وہاں ہے۔ اور اس پر میلہ پلٹنے کا سوال ہے۔

شیفتہ : بھائی غالب آپ تو باتوں بات میں اٹل جاتے ہیں، خدا جانے کہاں سے پہنچ جاتے ہیں۔

غالب : خواب صاحب آپ نے دو دو تک نہیں سہارا۔ لوگ سمجھتے ہیں میں حکام وقت کا مصاحب ہوں۔ عزت و مرجہ کی خواہش مجھے ان کے قریب لے جا رہی ہے۔ میں اتنا گر گیا ہوں کہ اب عوام کے ساتھ میلہ میں بھی چلا جاؤں گا۔ میں بادشاہ کا احرام کرتا ہوں، اس لئے نہیں کہ صاحب تخت و تاج ہے، مجھے خزانہ مل دے گا۔ وہاں تو خود حضور کے وصال پر خاک اڑتی ہے۔

شیفتہ : ہے تو کچھ ایسا ہی تھک۔

غالب : میں اپنے تک اوب کا خود بادشاہ ہوں۔ اور اسی لئے بہادر شاہ ظفر کی قدر کرتا ہوں کہ اس کو اردو زبان سے محبت ہے۔ وہ علم و فن کا شیدائی ہے۔ وہ مظہر خاندان کی سمجھتی ہوئی آگ کی آخری چنگاری ہے۔ مگر۔۔۔ (چپ ہو جاتے ہیں)۔

شیفتہ : مگر کیا کہیں چپ ہو گئے۔

غالب : اس میں اب بھی اتنی گری ہے کہ ہندوستان کی بڑھتی ہوئی زنجیر لٹائی کو ہٹا سکتی ہے، ایسے

فصل کی عزت نہ کرنا اپنے ملک سے بغاوت کرنا ہے۔ میں بخدا ایسے فقیر نہا، بادشاہ کے ہاتھ کا ایک پیسہ بھی حیرک سمجھتا ہوں۔ میرے اسی جذبہ پر دنیا کو دھوکا ہے۔ میں اپنا دل چر کر نہانے کو کیسے دکھائوں۔

شیدائے : تو موقع اچھا ہے۔ پھول والوں کی میر میں ہم لوگ اس بات کا اعلان کیوں نہ کریں۔

غالب : غالب کو اپنے دافوں کی فرائض حضور نہیں۔ پھول کی بہاریں وہ دیکھے جس کے دل کی کلی مرصحنی نہ ہو۔ مجھے بھیڑ بھاڑ سے نفرت ہے۔ اسد اللہ خاں میں اب بھی خود داری کا جذبہ کم نہیں ہے۔ میں بیلے میں نہ جاؤں گا۔ وہاں فرائضی لوگ ہوں گے۔ جو اپنی منگاری کو وقار داری ثابت کرنا چاہتے ہوں میں ان کی دنیا سے دور بہت دور چلا جانا چاہتا ہوں، بخدا ہی چاہتا ہے کہ۔

سب سے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زبان کوئی نہ ہو
ہے دو دعار کا ایک گھر بٹایا چاہئے کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسیان کوئی نہ ہو
پڑیئے مگر بیکار تو کوئی نہ ہو حاددار اور اگر مر چاہیے تو نوہ خواں کوئی نہ ہو

نہا مانڈ

دو سرا ایکٹ ————— پہلا سٹین

غالب کا کمرہ

(فرش) اوبگدان، گاؤں کی، مندو تیرہ کہ کتابیں وغیرہ)

(ہرگوال تفتہ) میٹھ واس، حکیم احسن کا آٹا، آواب و تسلیمات کے بعد محنتو شروع ہوتی ہے۔

غالب : آپ لوگ آگے بڑی صرت ہوئی۔

تفتہ : آج صرت کی ایک لہر ہم لوگوں کو یہاں تک بھلائی۔

غالب : میں بھی تو سنوں؟

حکیم احسن : قبلہ ہم لوگ اس خبر سے خوش ہو کر آئے ہیں کہ دلی کالج کی میر مددی قبول کرنے کی دعوت آپ کو دی گئی ہے۔

غالب : (بات کاٹ کر) جی ہاں دعوت نامہ پا کر میں گیا بھی عمر میڈیاں کی کج خلقی زہر کا گھونٹ بن گئی۔
مجھے سے میں انکار نہ سک۔

تفتہ : ہماری طرف قصبات میں ایک مثل مشور ہے جس کا مفہوم ہے کہ بارہ سال کے بعد ایک پھول کھلا بھی تو مر رہا کیا۔

غالب : ہاں نکلتے سے آئے ہوئے مجھے کم و بیش بارہ سال ہوئے ہیں، یہ گل اسید ایسا ہی تھا، جس پر یہ

خس صادق آتی ہے۔

حکیم احسن : اور آپ کی پریشانیوں میں اضافہ لگتے ہی سے ہوا یہ جگہ مل گئی ہوئی تو آپ کو کچھ سکون ہو گا۔ بات کیا ہوئی؟

میش : کوئی بد چیز ہوئی ہو گی۔ فرنگی تو اس وقت فرعون ہے سلمان ہو رہا ہے۔

غالب : حکیم صاحب بات تو ایسی ہوئی جو صرف حساس آدمی سمجھ سکتا ہے "دنیا سارے کے لئے تو سب کچھ دوا ہے" ہوا ہے کہ اس ملازمت ٹاسمن صاحب کے حلقے میں آئے اور فرمایا کہ آپ ملازمت کے لئے آئے ہیں تو خود اندر گئے" میں نے جھنجھلا کر کہا اگر ملازمت کے معنی کلی مرتبہ کے ہیں تو ایسی ملازمت پر لطف۔ میں سیدھے گھر واپس چلا آیا۔

حکیم احسن : جو کچھ ہوا برا ہوا خیال ہے تھا کہ یہ ملازمت آپ کی تاریک فضا میں کچھ روشنی پیدا کرے گی "قرض کا بار بہت ہے" کچھ کم ہو جائے گا۔

میش واس : کوئی دوسرا ہوتا تو نہ کسی کے احتیال کا انتظار کرتا نہ ٹاسمن کے کہنے پر اتنا ناراض ہوتا مگر مرزا صاحب کی آن ہاں کب اس بات کو گوارا کر سکتی ہے۔

تقد : ہاں یہی تو حکیم صاحب کا مطلب ہے کہ اگر یہ ناگوار بات آپ بھی برداشت کر لیتے تو مضائقہ نہ تھا۔

غالب : مرزا تقد کیا باتیں کرتے ہو "کیا میں اپنے خاندانی وقار کو رسوا کرتا۔ تم ہانسنے ہو میں ایک ترک ہوں۔ یہ قوم اپنی دلا پرستی آزادہ روی کے لئے جہاں مشہور ہے "وہاں ضد اور الجہام سے بے پروائی کے ساتھ طروداری بھی اس کے کردار کا طرہ امتیاز ہے۔ میرے خون میں ہنوز حرارت باقی ہے۔ میں ضرورتوں کے بازار میں قوی خصوصیت نہیں بچ سکتا۔ یہ میری کنویر سہی۔

حکیم احسن : یہ کنویری بھی آپ کی قوت ہے "ظاہر میں چاہے کو کچھ ہو حقیقت کی آنکھ میں آپ کی کھلتی رخ سے کم نہیں۔

میش : میں تو سمجھتا ہوں نکتے کا ہانا ہر لحاظ سے سفر ثابت ہوا "پنشن کا مقدمہ بھی حسب خواہش فیصل نہ ہوا۔ قہیل کے شاگردوں سے الگ جگہ ہوا۔

تقد : وہ تو اچھا خاصا ایک ادبی ملازمین گیا۔ یہ سب نظر انداز کرنے کی بات تھی۔

غالب : (بات کات کر) کیا میں ان طالبوں کی بات مان لیتا۔ قہیل کو مستحق استاد سمجھ لیتا؟

تقد : نہیں منظور میرا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو بچنے دیا جاتا جواب کی ضرورت نہ تھی۔

غالب : لوگ کیا سمجھتے؟

میش : سچے بھرتے رنج ہیں باقی اپنی راہ چلا جاتا ہے ان کے بھرتے سے باقی کی حکمت میں فرق نہیں آتا۔

نقشہ : ہر مال نکلنے جانا غلاب جان ہو گیا۔ بجز پریشانی کے کچھ ہاتھ نہ لگایم تو کس کو کتنا قلق ہے۔

غالب : مالی نقصان تو بہت ہوا مگر یہ نہ کہو کہ بجز پریشانی کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ مشاہدہ و مطالعہ سے میری آنکھیں کھل گئیں مجھے ایک نیا ذہن ملا ایک ایسا آفاقی شعور عطا ہوا جو میرے فکر و ذہن کو ابدیت سے قریب تر کر رہا ہے یہ ذہن یہ شعور میرے طائر خیال کے پر پرواز ہو گئے ہیں اب میری شاعری وسیع تر فضا میں جا رہی ہے۔

حکیم احسن : خدا کہے آپ کی پریشانیاں طائر خیال کے لئے وہاں نہ ثابت ہوں آپ کا نظم کم ہوتا جائے بلکہ ختم ہو جائے۔

میش : مگر مرزا صاحب کا تو قول ہے کہ

غالب : بہت سہی نظم کہیں شراب کم کیا ہے
نکام ساقی کوڑ ہوں مجھ کو غم کیا ہے
ہے شک اس اعتقاد پر تو رہی رہا ہوں۔

نقشہ : حضور میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ وہ زہر جو گھونٹ تو ہیں نہ سکا مگر ایک تلخ احساس دے گیا اب اس کو بھی دھوا کا دیا جائے کوئی تازہ کلام صلابت ہو دل کا پودہ پلکا ہو جائے۔

حکیم احسن : ہاں مرزا صاحب بسم اللہ

میش : نکلنے والی نظم تازہ تو میں مگر بے پڑی حسین۔

غالب : اس وقت پڑھنے کو ہی نہیں چاہتا۔

نقشہ : حضور آپ نے یہ نظم کہی ہے پڑھی ہے مگر سنی نہیں..... دیکھئے کہ کس حسن سے کوئی دو سرا پڑھتا ہے اجازت ہو تو کسی دوسرے سے اس وقت وہ نظم سنی جائے۔

غالب : کیا مذاق ہے ضرور سنئے کون پڑھے گا؟

میش : ابھی عرض کرتا ہوں۔

فورا " اللہ کرہ دے کے باہر چلے جاتے ہیں میں پڑا یہ نظم ذم سے کوئی سنا ہے۔

نکلنے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشین
اک خبر میرے بچنے پہ مارا کہ ہائے ہائے
وہ سبزو دار ہائے معطر کہ ہے فغصہ
وہ غزنین جان خود آرا کہ ہائے ہائے
میر آرا وہ ان کی نگاہیں کہ حلق نظر
طاقت رہا وہ ان کا اشارہ کہ ہائے ہائے
وہ سید ہائے تازہ و شیریں کہ داد داد
ہائے ناب گوارا کہ ہائے ہائے

دو سرا ایکٹ ————— دو سرا سین

(مرزا غالب کا گھر دس خانے کی دیرانی ' امرائیکم کی پریشانی ' لوگوں کا ہمدردی میں آتا)

امرائیکم : ارے اللہ یہ کیا غضب ہے مرزا غالب کا مکان اور ہوا خانہ " خدا عادت کسے اس نے کوڑاں کو " جموٹا الزام لگا کر میرے میں کو گرفتار کر لے گیا ہائے اللہ میں کیا کوں کوئی مدد نہیں کرتا۔
نقد : حضور آپ گھبراہٹیں نہیں ہم لوگ ہر وقت خدمت کے لئے تیار ہیں بغیر مرزا صاحب کو رہائی دلائے جین نہ لیں گے۔

نصیر خاں : اس بدعاش کوڑاں کو ہوا کیا تھا جو لٹکا ہوا الزام لگایا؟
حکیم احسن : ائی وہ بڑا کینہ ہے مرزا خاں کوڑاں کی جگہ اور ایسا مفید آدمی یہ صرف فرنگی کر سکتا ہے خدا عادت کسے اس کو۔

امرائیکم : بیجا میں نے لاکھ لاکھ کما کر جس قسم کی عزت چاہنے لے لے مرزا کو گرفتار نہ کر کر وہ موڑی کا ایک نہ بنا۔

نصیر خاں : خیر اب اس انگریز کے بچے کو اس کا مزہ بچھتا پڑے گا۔
میش : کچھ پتہ نہ چلا کہ آخر یہ جموٹا الزام اس عوام خور نے لگایا ہی کیوں؟
امرائیکم : ہائے میں کیا بتاؤں کیا راز ہے مجھ سے میری خاموشی نے ایک دن تھلا تھا کہ لٹھو میاں گھر میں کہہ رہے تھے اب میں نے اپنا پرانا بدلہ مرزا غالب سے نہ نکالا تو چھان نہیں۔!

حکیم احسن : (بات کٹ کر) یہ لٹھو میاں کون؟
امرائیکم : ارے وہی ناکوڑاں جس کا نام فیض الحسن خان ہے۔
حکیم احسن : اچھا اچھا اور کیا کہہ رہا تھا کیا بدلہ؟

نقد : میں عرض کرتا ہوں آپ لوگ بیٹھ جائیے۔
میش : دل بیٹھ گیا ہے ہم لوگ کیا بیٹھیں۔
نقد : یہ کج ہے مگر کچھ سوچتا ہے اب کہہ کیا چاہئے؟
نصیر خاں : جی ہاں بیٹھے۔

(سب بیٹھ جاتے ہیں)

حکیم احسن : (نقد سے مخاطب ہو کر) ہاں آپ کچھ تا رہے تھے۔
نقد : بات یہ ہے کہ ایک زمانے میں میاں لٹھو کو بھی بلا خانوں پر جانے کا شوق ہوا اسی سلسلے میں شیریں کے یہاں بھی گزر ہوا یہ اس پر فریفتہ ہو گیا اور ایسا اندھا ہوا کہ اس کو یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ یہ کوئی معمولی طوائف نہیں یہ مرزا کی صورت سے زیادہ سیرت پر جان دیتی ہے خیر ایک دن کچھ ایسی باتیں ہو گئیں کہ اس نے اس مسئلے کو اپنے گھر سے نکال دیا اس دن سے یہ غار کھائے ہوئے ہے اب اس کو بدلہ لینے کا موقع آتا اس نے یہ الزام لگا کر اپنا عوض لیا۔

نصیر خاں : میں نے بھی اس قسم کی بات سنی تھی۔

حکیم احسن : ہوں (لمبی سانس کے ساتھ) بات سمجھ میں آگئی سوال یہ ہے کہ اب ہونا کیا چاہئے۔

نصیر خاں : ہونا کیا چاہئے یا کرنا کیا چاہئے؟

آفت : مطلب ایک ہی ہے۔

نصیر خاں : اس طرح سے سارے شہر میں کھلتی پھلتی ہے ہر ایک شخص مرزا صاحب کی ہمدردی پر مستعد ہے۔

میش : اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے خاص خاص لوگوں کو ریڈیٹ کے پاس بھینکا چاہئے۔

آفت : رائے مناسب ہے کہیں حکیم صاحب؟

حکیم احسن : جی ہاں بالکل یوں کرنا چاہئے اور اس کے علاوہ یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ جہاں پتہ سے درخواست کی جائے کہ وہ ریڈیٹ کو ایک سفارشی پروانہ لکھ دیں۔

آفت : بہت اچھی صلاح ہے تو ہمارے قہر آپ ہی اس کام کو انجام دیجئے وہاں تک رسائی آپ ہی کی ہے ہم لوگ ٹھانڈی شہر سے مل کر ایک دن تیار کرنے جا رہے ہیں۔

حکیم احسن : بھڑے آپ یہاں سے چلے۔

(یہ لوگ جاتے ہیں دوسری طرف سے ایک برقعہ پوش آتی ہے آواز دیتی ہے کہ میں بیگم صاحب سے کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں)

امراؤ بیگم : میں آتی ہوں کون صاحب ہیں؟

برقعہ پوش : حضور آپ وہیں رہیں یہاں نہ آئیے۔

امراؤ بیگم : یا اللہ خیر تو ہے۔

برقعہ پوش : نہ میرا نام بتانے کے قاتل ہے نہ منہ دکھانے کے لائق میں دوسرا ہوں اب وہ پوش ہو جاتا چاہتی ہوں آپ پر یہ نگاہ حلیہ اسی گنہگار کی وجہ سے ہوا ہے۔

امراؤ بیگم : میں سمجھ گئی آپ کون ہیں میں آتی ہوں آپ کے لئے میرے دل میں جگہ ہو گئی ہے۔

برقعہ پوش : ایسا غضب نہ کریں۔

امراؤ بیگم : (قریب پہنچ کر) شیری برقعہ اتار دو آرام سے بیٹھو تمہاری دلاواری شرافت سے زیادہ قیمتی ہے پردہ نہ کھولنے کی وجہ سے۔

(شیری برقعہ اتارتی ہے امراؤ بیگم سے پتہ کر دیتی ہے امراؤ بیگم بھی آنسو بہاتی ہے)

امراؤ بیگم : بہن ہو کچھ ہوا قسمت کا کھٹا تھا اللہ کی مرضی میں ہی تھی شکر ہے اس پاک بے نیاز کا شیری تم نے وہ رفاقت کی ہے کہ تم کو شریف راوی سمجھنے پر مجبور ہوں۔

شیری : کاش میں پیدا نہ ہوئی ہوتی اگر پیدا ہی ہوتا تھا تو وہی میں نہ رہتا تھا۔ بیگم صاحب مرزا صاحب پر

ساری تھیں مجھ ذلیل ہستی کے۔

امراؤ بیگم : بہن یہ نہ کہو میں نہیں جانتی تم اپن کو کمر سے جلائے تو نہیں آئی تھیں وہ خود تھمارے یہاں
جایا کرتے تھے اور پھر وہی کاکون ایسا رکھیں ہے جو طوائف نہ دیکھتا ہو؟ مرزا صاحب پر جو نفرت آئی وہ
تقدیر کی بات ہے تم کیا کہو۔

شیریں : میں نہ ہوتی تو مرزا کی تقدیر بھی بدل گئی ہوتی یہ مولیٰ کو قاتل کیوں پیچھے چڑتا۔

امراؤ بیگم : اب اس کو نہ دیکھو اپنے کو دیکھو جب سے یہ آفت آئی ہے میر نے سنا ہے تم نے کھانا پینا
چھوڑ دیا ہے دیکھو اس کے گھر جا کر کوشش کر رہی ہو کہ لوگ مرزا صاحب کو دہا کر انجیں۔

شیریں : آپ نے کس سے سنا؟

امراؤ بیگم : عارف میاں نے بتایا انہوں نے تھمارا بھیجا ہوا تحفہ بھی دیا وہ تم کو صورت سے پہچانتا نہ تھا
مگر کہتا تھا اس محبت و غلوں سے اس صورت نے ہاتھیں کیوں کہ مجھ سے الگ کرتے نہ ہا میں نے
لے لی لیا یہ سب سن کر میں نے سمجھ لیا کہ کون اتنی ہمدردی کسے گا بہن فوراً میرا خیال تھماری
طرف کیا۔

شیریں : (بات کاٹتے ہوئے) سرکار اس محفوضہ کا ذکر نہ کیجئے میں نے کیا خدمت کی رہائی کے لئے
میں نے کچھ نہیں کیا میں تو اپنی شرمندگی دور کر رہی ہوں خدا مجھے موت دے دے اب میں اس دنیا
میں نہیں رہنا چاہتی (سرسنڈا کر)

امراؤ بیگم : بہن ایسا نہ کو پرہ طیب سے مدد ہوگی۔

شیریں : انشاء اللہ۔

(عارف تھمرا تھمرا آتے ہیں ادب سے تسلیم کرتے ہیں۔)

امراؤ بیگم : کو بیٹا خیر تو ہے تم کچھ گھبرائے ہوئے ہو زمین العابدین؟
عارف : خالہ اماں خبیثت ہے ابھی ایک خبر یہ آئی ہے کہ جہاں چاہنے خالو اما کے لئے ریڈیو نٹ کو
سفارشی خط لکھ دیا۔

(امراؤ بیگم اور شیریں دونوں ہاتھ اٹھا کر شکر ادا کرتی ہیں)

شیریں : جی مبارک خبر ہے اب انشاء اللہ مرزا صاحب گھر آہائیں گے۔ اس بڑے کوتاہی کے منہ میں
کاف کے گئے گی۔

امراؤ بیگم : انشاء اللہ

عارف : میرا خیال ہے کہ عمارتیں شرمیلی وفد لے کر ریڈیو نٹ کے پاس گئے ہوں گے۔

شیریں : امید تو یہی ہے کہ مرزا صاحب سے محبت نہیں کرتا؟

عارف : میں نے تو باتوں باتوں میں لوگوں کو اس حادثہ پر دوتے دیکھا۔ کوئی ایسا نہیں ملا جو ہے ایمان

حکومت کو گالیاں نہ دیتا ہو۔

شیریں : عارف میاں تم نے یہ غیر اچھی سنائی کہ جہاں پتاہ نے سفارش کر دی۔ اب میں اجازت چاہتی ہوں۔

امراؤ بیگم : کیوں اتنی جلدی؟

شیریں : حضور میں نے سنت مانی تھی کہ اگر غل اٹھی نے سفارش کر دی تو دو گناہ میں چادہ چڑھاؤں گی مجھے انتقام کرنا ہے اب اجازت ہو پھر حاضر ہوں گی۔

امراؤ بیگم : جاز خدا حافظ (عارف سے مخاطب ہو کر) چتا تم گھر تک پہنچاؤ۔

عارف : میں حاضر ہوں۔

شیریں : خدا حافظ (باہر جاتی ہے)

دوسرا ایکٹ — تیسرا سین

شیفتہ کا مکان

(فرش کمرہ آرامہ 'ذوق' 'موسم' 'نقد' 'حکیم احسن' 'نصیر خاں' بیٹھ داس کا آنا اس پر غور کیا کہ علم و ادب کے رشتہ سے جو باہمی ارتباط پیدا کر رہا ہے اس روشنی میں مرزا غالب کی ہمدردی عم پر فرض ہو جاتی ہے)

شیفتہ : میں نے آپ لوگوں کو تکلیف اس لئے دی ہے کہ مرزا غالب کی رہائی کی جگہ اور تھک کی جائے اب تک لوگ دوسروں کے ساتھ دوڑ دھوپ میں رہے مگر شاعروں اور فنکاروں کا الگ سے کوئی وفد نہیں گیا۔

موسم : حالانکہ علم و ادب کا سلسلہ ایسا روحانی رشتہ ہو جاتا ہے کہ اس کے آگے تمام رشتے کمزور نظر آتے ہیں۔

ذوق : بے شک استادوی جبری میری بزرگمان دین کی محبت سب علم ہی کی وجہ سے تو ہے۔

حکیم احسن : گستاخی صاف میں تو دیکھتا ہوں کہ یہ رشتہ گھر کے باہر نہیں پڑتا۔

نقد : کیا مطلب؟

حکیم احسن : مطلب یہ ہے کہ لوگ اپنے عقد ہی تک محبت کا سایہ محدود دیکھتے ہیں شاعروں استادوں یا قدردانوں کے دائرے سے باہر محاب و اعتراض کی کڑی دھوپ شعراء پر سایا کرتے ہیں۔

ذوق : حکیم صاحب یہ تو میں کہہ سکتا کہ آپ کی نظروں نے محبت کو پہچانا نہیں مگر یہ ضرور عرض کروں گا کہ واقعات آپ کی نظر میں نہیں اس لئے یہ لاف غمی ہو رہی ہے۔

تحکیم احسن : کیسے؟

نذیق : آپ نے مرزا سورا اور میر ضاحک کا جھڑنا سنا ہو گا زندگی بھر ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے رہے مگر میر ضاحک کے انتقال کے بعد مرزا سورا ان کے گھر گئے ان کے صاحبزادے میر حسن کو گنگے ٹاکر بہت روئے مدافعی مانگی سارا کلام ہو میر ضاحک کی بھو میں تھا وہیں کھڑے کھڑے جلا دیا۔

شیفتہ : انکو مصطفیٰ کا بھی یہی اصول تھا دونوں میں کتنی چلتی تھی کتنی سخت باتیں ایک دوسرے کو کہتا تھا مگر انشاء کے مرنے پر مصطفیٰ نے کس درد سے کہا۔

مصطفیٰ کس زندگی پر کہلا میں شلو ہوں یاد ہے مرگ قبیل و سید انشاء مجھے

مومن : تحکیم صاحب کو چاہی اعتراض و اولیٰ اختلافات میں دل کی خیانت نظر آتی ہے مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اپنی محبت کے انداز نرالے ہیں خلافت بھی محبت سے مرشد ہے اگر دوستی نہ ہو تو دشمنی کہاں سے آئے۔

نقد : استاد کا ایک شعر یاد آگیا۔

لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا

میش : حضور اب یہ سوچتا ہے کہ مرزا صاحب کے لئے کیا کیا جانے کی مینے ہو گئے کہ وہ قد فرنگ جمیل رہے ہیں بادشاہ سلامت کی سفارش ٹاکنجین شہر کی درخواست کا کوئی اثر حکومت پر نہ ہوا۔

نقد : ہاں وہ تو برا ہوا لیکن لوگوں پر اس کا اثر بہت اچھا ہوا۔ مرزا غالب کی محبت و عظمت دلوں میں اور بڑھ گئی فرنگی کے خلاف نفرت کا جذبہ اور بھڑک اٹلا۔

تحکیم احسن : جہاں پناہ پر بھی کچھ کم اثر نہیں پڑا فریاستے تھے کہ اس جانب لاکھ مجبور سی مگر اپنی سفارش کو بے اثری کا شکار ہوتے نہیں دیکھ سکتے فرنگی کی خلافت اتنی قوی ہی جا سکتی ہے کہ مرزا غالب کی اب اور زیادہ قدر کی جائے۔

میش : اگرچہ اس طریق عمل پر اور جمل جانے گا پناہ اچھا خیال ہے مرزا صاحب کے لئے کیا کیا جانے؟

شیفتہ : سب سے پہلے تو یہ کیا جانے کہ کسی خواہ صورت طریقہ پر مرزا صاحب کے اہل و عیال کی خدمت کی جائے ان کو جسمانی تکلیف کسی قسم کی نہ ہو۔

میش : حضور اس کی فکر نہ کریں ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔

شیفتہ : ان کی رہائی کا مسئلہ مشکل نظر آتا ہے۔

تحکیم احسن : جی ہاں بادشاہ کی سفارش ٹاکنجین شہر کی درخواست سب بیکار ثابت ہوئیں تو اب کس کی بات فرنگی مانے گا۔

میش : سنے کا مگر تھاری نہیں ہمارے دشمن کی۔

نقد : یہ کیا کہا؟

میش : میں نے جو کچھ کہا سوچ کر کہا، معاملہ کے ہر پہلو پر نظر رکھ کر کہا۔

مومن : صاف صاف بتائیے کیلی نہ بھائیے۔

میش : (جوش و خروش کے ساتھ) یعنی جیل دی ہے لہذا جھٹلایا جاسکتا ہے صرف اکہن کر کی ضرورت ہے اور وہ یہ بیچتے ہیں۔

نقتہ : کیا تمہارا مطلب ہے کہ کو ذوال۔۔۔ کو ہموار کیا جاسکتا ہے۔

میش : ہاں مگر کیونکہ معمولی لوہا نہیں فولاد ہے ایک فیصد دو ہینوں کی ضرورت ہے اور وہ تیار ہیں۔

(حیرت سے سب میسز داس کی طرف دیکھتے ہیں)

مومن : یعنی

میش : فرنگی سے بنیادی مخالفت کے باوجود میں مرزا صاحب کی ہمدردی پننگاری کا کام دے سکتی ہے صرف شرط بلند ہونے کی تصویر حکام وقت کے سامنے کھینچنا ہے۔

شیفتہ : لیکن رشوت لینے والے کے دل و دماغ بکڑ زدہ و جاہل کے کسی اور شے سے متاثر نہیں ہوتے۔

میش : (کھڑا ہو جاتا ہے) اگر رشوت کی ضرورت ہوئی تو بھی یہ آپ کا خادم پیچھے بچتے نہ دکھائی دے گا۔

وہ ایسے کتنے سر کے چٹا ہے شراب کا کاہن سب کچھ کھاتا ہے۔ شراب کے خواص آپ

لوگوں نے دیکھے کہاں ایک طرف یہ آتش سیال ایمان ہوس کو زور دے رہا ہے تو دوسری طرف خرمن

نمود میں آگ بھی لگاتی ہے صرف موقع ملے نظر نہ کرنا کہ کام کرنے کا طریقہ چاہئے حالات کی روشنی

اور زور و دھمکت کی چمک دکھا کر ذوال ہی سے مرزا صاحب کی دہائی کی سفاقت نہ کراؤں تو میسز داس

ضمیمہ۔

حکیم احسن : میسز داس جو باتیں تم کہہ رہے ہو وہ کچھ میں تو آتی ہیں مگر قریب تو جب ہی ہے کہ

عمل میں بھی آجائیں۔

میش : حکیم صاحب اس کے لئے حالات کی تبدیلی پر انگلیاں ہونی چاہئے مجھے معاف کیا جائے۔ یہ

شاموں اور طبیعوں کے بس کی بات نہیں یہ لوگ صرف اپنے فن اور جذبات سے کام لے کر چاہتے ہیں

یہ بھارے دنیا کو کیا جائیں اہل دنیا سے ناہ کرنا ایک الگ فن ہے اور یہ بھارے شاعر لوگ۔

نقتہ : میسز آگے مت بڑھو۔ جذبات سے کھینچنے کی کوشش نہ کرو جو کچھ کہہ رہے ہو اس پر عمل کر کے

دکھلاؤ ہم سب کی اجازت ہے۔

میش : جاتا ہوں اور یہ کہہ کے جاتا ہوں کہ اگر مرزا صاحب کو جلد دہائی نہ ہوئی تو میسز داس

لوگوں کو منہ نہ دکھائے گا۔

شیفتہ : خدا آپ کو کامیاب کرے۔

(میش صدمہ میں باہر چلا جاتا ہے۔)

مومن : چلے ہم لوگ بھی چلیں (شیفتہ سے غالب ہو کر) اجازت ہے۔
شیفتہ : خدا حافظ۔
(سب لوگ جاتے ہیں)

(پردہ گرنا ہے)

دوسرا ایکٹ ————— چوتھا سین

شیفتہ کا مکان

سلان 'فرش اکلدان' حق 'کاؤ نکے' کچھ کتابیں 'اشخاص' نقہ 'میش واس' 'شیفتہ' نصیر خاں
نقہ : ہاں وہ بٹاش تو نہیں رہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا کیا جاسے؟ حالات ہی کچھ ایسے ہیں کہ۔۔۔
شیفتہ : اس غریب پر کیا کیا مصیبتیں نہیں پڑیں ابتدائی زندگی سے اب تک مصیبتیں موسلا دھار برہتی ہیں
یہ اس کا دم ہے کہ زندہ ہے۔
نصیر خاں : حضور وہ اکیلے نہیں زندہ شامی کو بھی زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے دل و دماغ کی قسم کھانا
جاسے۔
نقہ : ہاں یہ سب صحیح ہے مگر اس حالت میں کوئی کب تک وہ سکا ہے عرصہ دراز سے صرف ہاتھ
مدبہ آٹھ کنڈہ پٹن لٹی ہے اور بس ایسی صورت میں وہ کیسے بٹاش رہ سکتے ہیں۔
میش واس : ملی مشکلات تو دور ہو سکتی ہیں اور ہوتی بھی رہیں لیکن اس کا علاج کہ اسی زمانہ میں
شیریں کا بھی انتقال ہو گیا۔
نقہ : ہاں یہ بڑا ساتھ مرزا غالب کے لئے تھا۔ اس کی وقاداری و محبت پر ان کو بڑا تازہ تھا۔
نقہ : مرزا صاحب کو خوش رکھنے کا مرحلہ بھی مییش تم ہی سر کر سکتے ہو۔
میش : بھائی نقہ! میں کس جہل ہوں نہ شاعر نہ شاعر کا بھائی۔
شیفتہ : شعر و شامی وہ خوشی نہیں دے سکتی کہ غاری نفا بدل جائے اس موقع پر شاعر بیکار ہے آپ
اپنے ہر دہرہ کسایے آپ کی گونا گوں صلاحیتوں کا تو زمانہ قائل ہو گیا۔ جہاں عوام و خواص کی کوششیں
ہے جان نظر آئیں وہاں آپ نے مسما کا کام کیا مرزا غالب کا میخانہ سے پہلے رہائی پانا حیرت انگیز ہے وہ
صرف آپ کے دماغ کا نتیجہ تھا۔
میش : حضور اب آپ کی بندہ نوازی ہے ورنہ کس قائل ہوں۔
نقہ : (بات کٹ کر) مییش یہ حقیقت ہے دنیا مافی ہے تم نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا۔ تاہن کو ممکن بنانا
تسارائی کام تھا۔

نصیر خاں : اس میں شک ہے اس واقعہ کو ڈیڑھ دو سال ہوئے مگر اب تک لوگ میٹھ داس کی پرزور تقریر کرتے ہیں۔

میٹھ : بہر حال مرزا صاحب کا غلام میں پہلے بھی قبا اب بھی ہوں جو آپ لوگوں کا حکم ہو گا اس میں دریغ نہ ہو گا۔

(حکیم احسن تیز قدم رکھتے ہوئے آتے ہیں، آداب و تعلیم کے بعد فرماتے ہیں۔)

حکیم احسن : آپ لوگوں کو سن کر مسرت ہو گی کہ آج جہان پناہ نے مرزا غالب کو نہایت شاندار خطاب عطا فرمایا۔

نقد : (کھڑے ہو جاتے ہیں) واللہ حکیم صاحب آپ کے منہ میں کئی شکرست بڑی ہلت ہو گئی۔

شیفہ : غالب کی عظمت کا یہ شاہانہ اعتراف اس قید و معیت کے بعد تاریخی یادگار ہے۔

حکیم احسن : اس میں شک نہیں کہ غالب کا ایسا دیدہ ور بڑی مشکل سے پیدا ہوتا ہے۔

میٹھ : ارے حکیم صاحب آپ نے یہ بتایا ہی نہیں کہ خطاب کیا تھا۔ وہ کئی تو ثنا جائے۔ مارے خوشی کے یہاں تو ہاتھ جو پھولے جا رہے ہیں اور آپ ہیں کہ بتاتے نہیں۔

حکیم احسن : سنو سنو خوش ہو جاؤ گے بڑا شاندار خطاب ہے یہی

نعم اللہ! دیر الیک! نظام جنگ

میٹھ داس : سبحان اللہ مرزا غالب زندہ باد (درا بلندہ آواز سے)

حکیم احسن : ارے میاں میٹھ داس کیا پوچھتے ہو اسنے ہی پر بات غم نہیں ہوئی صرف روحانی مسرت تک معاملہ نہیں رکا کہ جو جہلمی اور دیہاتی آسمان کی بھی مسرت ہو گئی ہے۔

میٹھ : حکیم صاحب آپ بتاتے کیوں نہیں شعلوں میں خوشی ہانت رہے ہیں کیا راز ہے۔

حکیم احسن : اس لئے کہ شادی مرگ نہ ہو جائے حکیم تو حکمت سے کام کرتا ہے۔؟

نقد : تو اب دوسری قسط بھی محتاج ہو۔

حکیم احسن : یہ بھی کرم ہوا کہ مرزا غالب خاندان تیمور کی تاریخ مرتب کریں اور اس کے صلہ میں ان کو یہاں روپیہ ہاوار ملے رہیں گے۔

شیفہ : یہ محتاج بھی کسی طرح خطاب سے کم نہیں۔

شیفہ : بہر حال مرزا کی معیت اور ان کے لئے ہم لوگوں کی پریشانی کچھ تو کم ہوئی۔

میٹھ : ہاں صاحب بہت کچھ ہو گی وہ بھی پوری ہو جائے گی آئیے چل کر مرزا صاحب کو مبارک باد دی جائے۔

نقد : بخدا بڑی خوشی ہوئی ضرور چلے فوراً چلے۔

میٹھ : اس موقع پر استاد کے یہاں پیکا منہ لے کر نہ ہاتھوں کا پہلے صفائی کھائیے پھر بات کیجئے۔

نصیر خاں : ہاں صاحب آپ مرزا صاحب کے شاعر رشید ہیں آپ کو اعلیٰ مرتبہ عملی طور پر کرنا چاہئے۔

نقشہ : مٹائی کھائیے اور خوب کھائیے چٹے پٹے میرے گھر چلئے۔

شیفتہ : نہیں نہیں مٹائی نہیں کھائی جائے گی۔

(مٹائی کھائی چا رہی ہے اسنے میں ہندو شعراء بھی آجاتے ہیں)

ہندہ : آج کا دن بڑا مبارک ہے مٹی چاہتا ہے اڑا کر تمام مٹائی کھاتا پھروں۔

نصیر خاں : اس مٹائی کے بعد پھر کسی اور جگہ کھانے کی ضرورت صحت نہ رہے گی کھائیے دیکھتے کتنی مزے دار ہے۔

ہندہ : (مٹائی منہ میں رکھ کر) دانش بڑی مزے دار ہے کہاں سے مٹائی بھائی نقشہ؟

نقشہ : قریب ہی دوکان ہے ابھی مٹائی لٹی ہے زیادہ منگی بھی نہیں چار آنہ میرے۔

ہندہ : سنا ہے مرزا غالب غل اٹھی کے حضور میں گئے ہیں کیا حجب اب واپس آتے ہوں۔

نقشہ : ہاں وقت تو ہو گیا ہے اور راستہ بھی یکنے ہے لودھ سے گزروں تو حضور کرم فرمائیں گے۔

میش : اسے ہم لوگ ہاتھ جوڑ کر روک لیں گے اور پھر ایسا تو نہیں کہ وہ کندھا بھی کھادوں کو بدلے نہیں دیتے۔

نصیر خاں : کو میاں ہندہ مرزا صاحب کی اس سرفرازی کا لوگوں پر کیا اثر پڑا؟

ہندہ : زیادہ تو لوگ خوش ہیں بلکہ ایسے ہیں جو کہتے ہیں مرزا غالب دو عملی میں آشیانہ بناتے ہیں انگریزوں کی بھی تعریف کرتے ہیں اور قلمد مٹلی سے بھی ناتا رکھے ہیں ہندوستان کے زوال کا بھی ماتم کرتے ہیں اور انگریزی حکام کا بھی قصیدہ پڑھتے ہیں۔

نقشہ : (ہات کٹ کر غصہ میں) کہتے ہیں یہ لوگ دودھ کی سارے ماحول میں پھیلی ہوئی ہے کون رکھیں گا سپاہی آج ایسا ہے جس کا یہ رویہ نہیں مرزا غالب ہی پر کیا منحصر ہے سارا سلج اس رنگ میں رنگا ہے سلج کے رنگین سے پچھا شکن نہیں۔

ہندہ : بجا نہیں ہے مگر اعتراض کرنے والے کہتے ہیں کہ کسی اور شاعر نے یہ رویہ نہیں اختیار کیا۔

نقشہ : تنگ نظری نے اندھا کر دیا ہے لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ دوسرے شعراء الگ سے انتخاب کا قفاشا دیکھ رہے ہیں مرزا غالب براہ راست اس سے وابستہ ہیں جسمانی اور روحانی دونوں طرح ان کو اس سے واسطہ ہے غالب کے علاوہ کس شاعر کے باپ بچا لڑتے ہوئے مارے گئے جانا بازی کے عوض کوئی مائی کا لال انعام و اکرام سے محروم رہا کون غلام حسین ایسے ذی مرتبہ رکھیں گا نواسر تھا جس کی پیشین ہند ہو گئی ہو جو دونوں کو محتاج ہو کسی کا نام بتائیے۔

میش : بھائی ہر گہاں جلتے دو امن جاہلوں کو وہ یہ بھی تو نہیں جانتے کہ مرزا کی دودھیں نگاہ اس انتخاب

اور سلطنت کی تبدیلی کا انہام دیکھ رہی ہے ان کے دل میں تھانے کا درد ہے اور دوسروں کو صرف اپنا خیال ہے۔

(مرزا غالب کا دلچسپ آواز کے قریب گواہ رہتا)

مرزا غالب : کمرے والوں کو۔

شیفتہ وقت : آگے آمدت باعث آہدی۔

(سب کے سب مرزا صاحب سے پٹ جاتے ہیں کوئی ہاتھ چومتا ہے کوئی ہر جھکتا ہے مرزا صاحب سب کو دیکھیں دیتے ہیں)

میش : حضور اندر تشریف لے جائیں آج ہم لوگوں کی عید ہے!

(غالب کمرے میں داخل ہوتے ہیں)

ہدہ : مجھے تو اس لحاظ سے بھی غرضی ہے کہ اس وقت یہاں دو خطاب یافتہ موجود ہیں۔

ایک مرزا صاحب اور دوسرا یہ خاکسار۔

غالب : جی ہاں ہدہ اشعار تو اسی دربار کا عطیہ ہے؟ فرق یہ ہے آپ کو ہدہ بنا کر فضائے امید میں اڑنے کا موقع دیا اور مجھے تاریخِ تہجد یہ کہنے کا حکم دے کر پاؤں میں دسی باندھ دی۔

ہدہ : مرزا صاحب قبلہ! آپ کا اور میرا کیا مقابلہ میں ذرہ ناچھ اور آپ آفتابِ عالم تآب آپ کو تو ہلور وغیرہ پچاس روپیہ ماہوار بھی سرکار سے ملیں گے میں آزاد ہوں مگر آپ واد!

نصیر خاں : یہ تو ابھی ابتدا ہے معلوم ہے کہ کئی ایک شاہزادگان والا تار مرزا صاحب سے فیض اٹھانے کے لئے بے چین ہیں۔

نقد : ماشاء اللہ اب تو دروازہ کھلا ہے کچھ نہ کچھ روشنی آتی ہی رہے گی۔

غالب : اس وقت دربارِ شہنشاہ سے ہر میری عزت افزائی ہوتی ہے اس کا شکر گزار نہ ہونا کفرانِ نعمت ہے لیکن یہ دربار نہ اکبر اعظم کا ہے نہ شہنشاہِ جمائیکر کا کہ اس سے زیادہ کی امید کی جائے۔

شیفتہ : گمنامی صاف میرے نزدیک یہ عزت صرف سلطنت کا عطیہ نہیں سلطنت لوگوں کے جذبات سے متاثر ہو کر دلوں کی ترہائی کرتی ہے لہٰذا قلم لاکھ اجڑا ہوا دیوار سے مگر سارا ہندوستان غل اٹھی سے بے پناہ محبت کرتا ہے ان کی قدردانی آپ کی ہر گیر مقبولیت کی دلیل ہے۔

میش : مرزا صاحب کی طبی خدمات بھی تو کہ نور سے کم نہیں ان کی سرپرستی میں تاج شہنشاہ بھی اپنی شہرت کی پرچمائیں دوس دوس دیکھتا ہو گا۔

غالب : امروس میں وہ خدمت نہ کر سکا جو کرنا چاہتا تھا اس تجو و تارِ فضا میں ہندوستان و ایران کے ثقافتی و طبی تجربوں کی ہمیشہ سے مغرب کی مودودہ روشنی میں ایک ایسا چراغ روشن کرنا چاہتا تھا کہ لوگ باطنی و مستحق کو دیکھ لیں مگر یہ شہرت نہ پوری ہو سکی بلکہ بھی شکر ہے۔

ہست لکے مرے ارمان چین بھر بھی کم لکے

تقتہ : آپ نے جو کچھ کیا وہ کسی ایک شاعر یا عثر کار نے نہیں کیا علم و فن کے ہر گوشہ پر آپ کی نظر رہی اپنی رائے و خیال سے آپ برابر نئے کو فیض پہنچاتے رہے۔

مرزا غالب : اچھا اب مجھے دیر ہو رہی ہے میں جاؤں گا اجازت ہو۔

شیفتہ : حضور آپ کو اجازت کون دے اور کس دل سے؟

غالب : (سکرا کر) اچھا بھائی خدا حافظ اللہ اب لوگوں کو ذمہ دہکے میں بھی مطمئن ہوں کچھ تو قدردان نظر آتے ہیں

(سب لوگ مرزا غالب کو رخصت کرنے جاتے ہیں)

(پہن کر آتے ہیں)

دو سرا ایکٹ ————— پانچواں سین

غالب کے اعزاز میں مشاعرہ

سلمان :- نشست گاہ آراستہ 'گاہِ نکمے' 'لوگدان' 'خام دان' 'گلدان' 'چٹان' 'خوشبویات'

سامعین :- نصیر خاں 'سر فراز حسین' 'مرزا خاں کو قوال' وغیرہ۔

شعرا و :- غالب 'تقتہ' 'شیفتہ' 'مومن' 'ذوق' 'پہد' وغیرہ۔

مومن : یہ انتظام نہایت معقول تھا کہ اس جشن کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا کل دعوت ہمسائی تھی اور آج ضیافت دو عالمی۔

غالب : ایسے انواع و اقسام کے کھانے تو میں نے نکلنے میں بھی نہیں کھائے جیسے گل یہاں دسترخوان پر تھے۔

ذوق : اور مزے دار کتنے تھے باور بھی بھی کوئی خاص تھا اس نے کامل تعریف کام کیا۔

مومن : کھانے تو مزے دار تھے 'ساز و سلمان' کتنے خوب صورت و دیرہ زیب تھے کیا یہ سب مرزا غالب کے ساتھ نکلنے سے آئے تھے؟

نصیر خاں : حضور یہ سب مرزا صاحب کے طفیل ہی میں تو تھے۔

تقتہ : مشاعرہ ہی اسرار کے اعزاز میں ہے تو ان سے کیا چیز حلق میں؟

غالب : یہ سب علامہ عین شہر کی نوازش اور مرزا خاں کی کرشمہ سازی ہے ورنہ یہ چارہ غالب کیا؟

کو قاتل صاحب یہ اتنے اچھے ام آپ کو کھل مل گئے تھے۔

ذوق : مرزا کو اچھے ام مل گئے اور ہم لوگوں کو ایک اچھا لیلیہ۔

مرزا خاں : حضور میں انتقام میں مصروف تھا وہ لیلیہ نہیں سن سکا۔ اگر حمایت ہو تو میں بھی لطف اندوز ہو سکوں۔

ذوق : ہاں بھی وہ سب ہی کو لطف دے گا مرزا سناؤ۔

غالب : بات معمولی تھی مگر میں کئی لیلیہ کمانا کمانے کے بعد ام کی باری آئی ام بہت لیلیہ تھے لوگ بی لگا کر کھا رہے تھے وہاں کچھ ایسے نامعلوم لوگ بھی تھے جن کو ام ایسی چیز مرغوب نہ تھی ہم لوگوں کی آمد طوری کو وہ حرام خوری سمجھتے تھے ذرا دور ام کے چنگے پڑے تھے لوحہ سے کہیں گدھے آگئے چنگوں پر منہ ڈالا سوگہ سوگہ کر چلے گئے۔ ان کی اس حرکت پر ایک شخص ام ہزار نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ”مرزا صاحب دیکھئے گدھے بھی ام نہیں کھاتے“ میں نے جواب دیا جی گدھے ام نہیں کھاتے ”اس پر ساری محفل میں وہ قہقہہ پڑا کہ استاد ذوق کو بھی ہنسا پڑا۔

مرزا خاں : (دور سے ہنسا) آپ کی حاضر جوابی کا تو جواب نہیں۔

شیفٹ : حاضر وفاقی اور الفاظ پر عبور تو آپ کا حصہ ہے۔

مومن : مرزا صاحب فکرت کی شان و شوکت کا بخیر تو کل آپ نے بہت کچھ کیا مگر ذہنی تبدیلی کا ذکر نہیں آیا۔

غالب : جی ہاں داخلی تبدیلیاں بیان میں بھی نہیں آسکیں وہ سورج کی نظریں اور محقق کا ذہن چاہتی ہیں اور یہ خاکسار۔۔۔

شیفٹ : مرزا صاحب آپ کسی بات میں کسی سے کم نہیں۔

ذوق : قسمت ہی سے مجبور ہوں اسے ذوق و گرت کس فن میں نہیں طاق مجھے کیا نہیں آتا یہ میں نے مرزا ہی کے لئے کہا تھا

(غالب ہنک کر تسلیم کرتے ہیں مگر اتنے بڑے عزت افزائی کا شہرے ادا کرتے ہیں)

نقد : اپنے مطالعہ و مشاہدہ سے ہم لوگوں کو بھی سرفراز فرمائیے۔

مومن : مطالعہ و مشاہدہ کی ہم آہنگی سے تو آپ کی شاعری دوز افروں حقیقت حاصل کر رہی ہے۔

ذوق : مرزا تو طرز بیان کی عادت پر جان دینے والوں میں ہیں۔

مومن : اچھا تو اب کچھ بیان کیجئے داستان کوئی سے تو آپ کو غلام دلچسپی ہے حسن بیان سے ہم لوگ بھی محظوظ ہوں۔

غالب : فکرت پہنچ کر مجھے محسوس ہوا کہ جیسے میں عود باغی سے دور جدید میں آگیا نئی وضع کی عمارتیں کھلائے سڑکیں آرامتہ دوکانیں ہر چیز جاذب نظر ہر شخص صاف سحرے کپڑے پہنے نئی وضع کے لباس

میں۔

مومن : آج تو میں وطنی تبدیلیوں کا اندازہ کرنا چاہتا ہوں۔

غالب : میں دیدہ و دل کی محرز نگاہ کی طرف سے ذہن کی طرف آ رہا ہوں داخلی تبدیلیوں کا کیا پرہیز

انگریزوں نے علم و ہنر کے لئے ایمان بنائے ہیں جن کے دروازے انگلستان میں ہیں اور درہنچے

ہندوستان میں انگلستان کی ہوائیں حکومت کی شاہراہ سے ہوتی ہوئی پوری زندگی پر پھیل رہی ہیں اخلاقی

و سیاسی تحریکات انہیں ہواؤں کے رخ پر ہیں سیاست تجارت سے ہم آہنگ ہو گئی ہے۔۔۔۔۔

نقد : حضور کستانی معاف لوگ مشاعرے کے لئے بے چین ہیں۔

غالب : ہاں میں نے بہت وقت لیا مشامو شروع کیا جائے آج سب سے پہلے میں شروع کرتا ہوں

آداب مشامو کی قدیمی روایات کو ترک کرتا ہوں۔

ذوق : مرزا صاحب عہد ماضی کو میری زندگی تک پہنچے دیتے حسب دستور قدیم جس کے سامنے شمع بجائے

: وہ چمکے آپ اس روایت کو کیوں ترک کر رہے ہیں۔

غالب : استاد اکثر روایتیں اپنی فرسودگی کی وجہ سے بے ہاں ہو جاتی ہیں ان سے بے جاوت۔

مومن : (بات کٹ کر) مرزا صاحب بے جاوت سے بے جاوت بھی تو کبھی ضروری ہو جاتی ہے مشامو کی وضع

برقرار رکھی جائے کیوں شیفہ صاحب!

شیفہ : میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔

غالب : بہتر ہے مرزا صاحب شمع گردش میں لائی جائے۔

(اسی طرح شیفہ 'مومن' ذوق کے سامنے شمع جاتی ہے لوگ تعریفیں کرتے ہیں شعراء تو اب

عرض کرتے ہیں)

شیفہ

ابھی کہوں تو کہیں لوگ شرمسار مجھے کہ کسی کے دھڑے پر اتار ہے اعتبار مجھے

حد کے ساتھ بھی آخر جڑا ہوئی آواز کسی طرح بھی نہ دیکھا امیدوار مجھے

لیا ہی تو تھک پرندوں نے دل لیکن کیا اوائے حناخل نے ہوشیار مجھے

ہزار دہم سے نکلا ہوں ایک جنش میں جسے غور ہو آئے کرے غبار مجھے

نقد : کیا اس غزل میں کوئی اور شعر بھی ہوا ہے۔

شیفہ : شاہ اسی کا نام محبت ہے شیفہ ہے آگ سی جو چنے کے اندر لگی ہوئی

: جی نہیں ابھی تک یہی ایک شعر ہے۔

مومن :

وہ ہم میں تم میں قرار تھا جسیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 وہی یعنی وعدہ تہا کا جسیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 بھی ہم میں تم میں بھی چاہتی بھی ہم سے تم میں بھی راہ تھی
 بھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا جسیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 سنو ذکر ہے کئی سہل کا کہ کیا اک آپ نے وعدہ تھا
 سو نہا ہے کا تو ذکر کیا جسیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 جسے آپ سمجھتے تھے آشنا جسے آپ سمجھتے تھے بارگاہ
 میں وہی ہوں مومن بارگاہ جسیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

غالب : معاملہ بڑی اور تغزل مومن کا حصہ ہے
 ذوق : کیا زبان کیا بخاروے ہیں واہ واہ سبحان اللہ
 نقشب : بھائی نقشب بغیر دل پر گزرے ہوئے یہ واردات کوئی کلمہ نہیں سیکھ
 غالب : اس میں کیا شک ہے کیا کرتا بھی مومن یہ غزل تمہاری بڑی کافر غزل ہے۔
 (مومن سب کو حسب ضرورت تسلیم کرتے ہیں مستقبل جواب دیتے ہیں)
 ذوق : حضرات ملاحظہ ہو۔
 گواہیں : بسم اللہ، بسم اللہ
 ذوق :

موت ہی سے کچھ علاج دود فرقت ہو تو ہو
 فصل میت ہی ہمارا فصل صحت ہو تو ہو
 گواہیں : سبحان اللہ مرزا کیا بات فرمائی ہے۔
 ذوق : دوسرا مطلع عرض ہے۔
 گواہیں : ارشاد۔ عتابت ہو۔
 ذوق :

بہد مومن ہی ترے دشمنی کو راحت ہو تو ہو
 یاں کہاں راحت، جرات پر جرات ہو تو ہو
 ذوق : شعر ملاحظہ ہو۔

دست صحت سے ہے ہوا گوی کا مرتبہ
 پست صحت یہ نہ ہوئے پست قامت ہو تو ہو
 گواہیں : سبحان اللہ، سبحان اللہ
 غالب : حسب حال شعر ہے کیا کتنا استعد۔
 ذوق : حلق نکالی ہی میں گزری زندگانی مریخ
 ہاں شیریں کے دینے سے کچھ عداوت ہو تو ہو

- مومن : شعر مناجاتِ بدائع کا مرقع ہے اور پھر بھی حقیقت سے خالی نہیں واہ واہ استاد کیا کہتا سبحان اللہ
(ذوق ہر بار آواب عرض کرتے ہیں موزوں الفاظ میں جواب دیتے ہیں)
اب زبان پر بھی نہیں آتیں الٹ کا نام اگلے کتوں میں کچھ اس سے کثرت ہو تو ہو
شیفتہ : استاد ایک بڑی حقیقت بیان میں آگئی آپ ہی کا کام ہے سبحان اللہ کیا شعر ہوا ہے۔
آوازیں : واہ واہ مرزا سبحان اللہ
ذوق : حقیق ملاحظہ ہو۔
رات اک گہری ہوئی تھی میکے میں رہن سے ذوق وہ تیری ہی دستار نصیحت ہو تو ہو
آوازیں : واہ واہ سبحان اللہ سبحان اللہ
ذوق : آپ سب کی خواہش ہے کہ ہم لوگ مرزا غالب سے غزلیں سن کر لطف اندوز ہوں۔
آوازیں : سب لوگ اسی کے مقرر ہیں۔
شیفتہ : بسم اللہ مرزا صاحب
غالب : بہت اچھا غزل ملاحظہ ہو۔
دل ہی تو ہے نہ سگ و شفت درد سے بھر نہ آئے کیوں
دکھیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں
مومن : مرزا صاحب قرنم اس کا نام ہے غزل اس کو کہتے ہیں۔
آوازیں : سبحان اللہ سبحان اللہ
ذوق : مرزا ایک بار پھر دہمو۔
(غالب شعر دہراتے ہیں)
غالب :
دیر نہیں حرم نہیں در نہیں استاں نہیں بیٹھے ہیں دہکدہ پہ ہم طیر ہمیں الفائے کیوں
آوازیں : سبحان اللہ سبحان اللہ مرزا
غالب :
جب وہ جمالِ دل فرود صورت مہر نیمروز آپ ہی ہو نگارہ سوزِ پردے میں منہ چھپائے کیوں
آفتہ : کیا معلومت ہے فارسی اور ہندی مذاق کی کیا عمدہ آمیزش ہے فنکاری اس کا نام ہے۔
مومن : شک سبحان اللہ!
غالب :
قد حیات بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں موت سے پہلے آوی غم سے نجات پائے کیوں
مومن : بڑی لڑائی بات فکھگی کے ساتھ کہہ دی گئی ہے کیا کہتا ہے اس شاعری کا۔

(غالب ہنک کر تسلیم کرتے ہیں)

غالب : شعر ملاحظہ ہو! داد طلب

آوازیں : بسم اللہ بسم اللہ

غالب :

ہاں وہ نہیں دلا بہت ہلا وہ بے دلا سی جس کو ہو دین و دل عروج اس کی گلی میں ہائے کیوں

شیفہ : یہ شاعری نہیں ساری ہے مرزا صاحب اب آپ اس سے اچھا شعر نہیں کہہ سکتے۔

غالب : اب اس سے زیادہ داد مجھے کیا مل سکتی ہے آواہ بھلا نا ہوں۔

آوازیں : سبحان اللہ سبحان اللہ

غالب : مطلع ملاحظہ ہو۔

غالب خست کے بغیر کون سے کام بند ہیں دو بے زار زار کیا کہتے ہائے ہائے کیوں

مرزاخان کوڑائی یہ شعر بھی بہت اچھا سی مگر ہم لوگ سننے کو چار نہیں بلکہ صدائے احتجاج یہ ہے کہ

اس کی حلائی میں آپ کوئی دوسرا کلام سنائے کی رحمت فرمائیں۔

(سب کے سب) ہم لوگ اس احتجاج میں شریک ہیں۔

غالب : قلیل ارشاد میں ایک قلعہ پیش کرتا ہوں۔

اے تازہ داروان بے باک ہوائے دل زمار اگر جھیں ہوس ہائے و نوش ہے

دیکھو مجھے جو رعدِ جبروت لگا ہو میری سنو جو گوشِ طبیعتِ نبوش ہے

ساقی یہ جلوہ دشمنِ ایمان و آگہی مطلب پہ نقشہ رنجنِ جہکین و ہوش ہے

با شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشِ بے باک دہانِ ہامان و کفِ گلِ قروش ہے

لطفِ غرامِ ساقی و فدا کی صدائے ہنگ یہ جنتِ لگا وہ قروشِ گوش ہے

دارغِ فراقِ صبحِ شب کی جلی ہوئی اک طبعِ رہ گئی ہے سو وہ بھی غوش ہے

آوازیں : اب جناب ہمد الشراء کی باری ہے۔

ذوق : بسم اللہ جناب ہمد صاحب۔

ہمد : استاذ! آج میں معافی چاہتا ہوں مرزا صاحب نے میری شاعری کے پر کٹر دیئے۔ میرا مدد بند کر دیا۔

اب میں کیا خاک چڑھوں۔

غالب : خیر ہمد! میں نے کیا کیا؟

ہمد : آپ نے فوجہاؤں کی رنجنیں مڑائی چھین کر فصیح پہ کفِ رہنے کی طبیعت کی ساقی و مطلب کو رنجن

و دشمن بنا دیا تھی سہائی مظلوم کو دہان دیکھا دیا شاعری کو مرید بنا دیا۔ اب میرے کلام سے کون لطف

اٹھائے گا۔

- مومن : بھائی بہد آپ مرزا صاحب کے قلعہ کا مضمون سمجھنے کی کوشش کریں۔
- بہد : داد داد کیا بات کہی ہے شاعری سمجھنے کی چیز ہوتی ہے کہ چٹنے چٹانے کی دو دن کی زندگی اور اس میں بھی روئے۔ بھائی مطلب سمجھنے کی کوشش کیجئے کیا طوب وہ تو خیریت ہوئی کہ اشعار اردو میں نہ تھے دہندہ سادہ عقل دیتی ہوئی۔
- شیخہ : جناب بہد صاحب یہ اشعار اردو میں نہ تھے تو کیا فارسی میں تھے؟
- بہد : یہ میں کچھ نہیں جانتا (غالب سے مخاطب ہو کر) مرزا صاحب کچھ اردو میں کہا ہو تو خلیجے۔ (مجموع سے مخاطب ہو کر) آپ لوگ خاموش ہو جائیں مرزا صاحب اپنا اردو کا کلام سنا رہے ہیں) حضور اور شلو ہو۔ اسے وہ غزل سنائیے نہ پر نہیں آتی اور اوھر نہیں آتی۔
- آوازیں : مرزا صاحب بسم اللہ
- ذوق : بھئی غالب آج بہد کی بات مان لو۔
- غالب :
- کوئی امید پر نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی (لوگ داد داد کرتے ہیں)
- غالب :
- موت کا ایک دن صبح ہے خند کیوں رات بھر نہیں آتی
- مومن : یہ شعر ہے کہ زندگی کی قصوم
- غالب : شعر غلط ہو۔
- آگے آتی بھی حال دل پہ نہیں اب کسی بات پر نہیں آتی
- آفت : کیا شعر ہے حضور پھر ارشاد ہو۔
- شیخہ : میں درخواست کروں گا کہ ہار ہار اس شعر کو چھوڑ۔
- غالب :
- ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو کچھ ہماری خبر نہیں آتی
- آوازیں : داد داد سبحان اللہ
- غالب :
- مرنے ہیں آوند میں مرنے کی موت آتی ہے پر نہیں آتی
- ذوق : مرزا صاحب یہ غزل مرع ہے کیا تعریف کی جائے۔
- بہد : استاد یہ غزل اچھی کیوں نہ ہو اردو میں ہے نہ اس کے علاوہ غزل میں پر دوبارہ آیا ہے یعنی بہد کے پروردگار مرزا صاحب نے بھی طیال رکھا ہے مرزا صاحب سبحان اللہ

غالب : (جنگ کر بیٹھے بیٹھے آپ کہتے ہیں چہ سے غلب ہوتے ہیں) آپ کوئی غزل سنائیے یا نہیں
نہ تھی۔

چہ : مطلع غلط ہوا :
جو تھی صبح میں میں چنچ اپنی داکوں

آوازیں : دوا دوا جہان اللہ :
تو رنگ باغ اوم اپنا گھونسلہ کر دیا

چہ : شمر گئے :
جو آگے ریز گئے مرے آگے مسیحا

چہ : (دوا دوا کی آوازیں چہ کا جنگ جنگ کر ملام کرنا)
تو ایسے کان موٹوں کر پے سرا گدوں

نفاق : جو سرکشی گئے آگے ہا آکر :
تو اس کے کوچ کے پے شل نیلا کر دیا

چہ : (چہ تسلیم کرتے ہیں)
کیا شل بٹا ہے غصہ کی انتہا ہے ہا کو نیلا کر دیا۔

چہ : آخری شعر عرض کرتا ہوں :
میں کھانے والا ہوں نصرت کا اور میرے لئے

شفقت : کیا تھوئے نظم کیا ہے !
فلک کے ہے مقرر میں ہاجرا کر دیا

چہ : (دوا دوا کے شور میں چہ کھڑے ہو جاتے ہیں اور لوگ بھی کوئی چہ کو گنگے لگاتا ہے کوئی انعام دیتا ہے
کوئی ہاتھ ملاتا ہے تعریف کے شور وغل میں مشاعرہ ختم ہو جاتا ہے)
(چہ کرتا ہے)

تیسرا ایکٹ ————— پہلا سین

خبر۔

(غالب کا دیوانہ غاندہ ہر جہز پر اتاری غالب پریشانی میں بھی کمرے کے باہر بھی اُتار آتے جاتے ہیں
بندوق اور توپ کی آوازیں شور وغل بھاگتے پکڑنے کی آواز امراؤ بیگم کا گھبرا کر دیوانہ غاندہ میں آتا)

امراؤ بیگم : آج کی خبریں تو ہمیشہ سے زیادہ وحشت ناک ہیں میرا دل الٹا جا رہا ہے۔
غالب : کیا خبریں ہیں؟

امراؤ بیگم : شاہدہ مستحقوں کو شکست ہو مکی انگریزی فوجوں نے وطن میں طوں کی عیادیاں بنا دیں گورے
گھروں میں گھس آئے جی بے عزتی کا سامنا ہے۔

غالب : جو کہ نہ ہو جائے کم ہے اور شاہی تدبیر ویرانی ہا رہی ہے مجھے ابھی ابھی خبر ملی ہے کہ غل

اپنی کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ خنزروں کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔

امراؤ بیگم : (سننے پر ہاتھ مار کر) ہائے اللہ یہ کیا ہوا بادشاہت ختم ہو گئی ہے۔

غالب : بادشاہت ایک طرف بندوقستانی و قار بھی ختم عروج و زوال کے دوراے پر کھڑے ہو کر میں نے

اکثر زمین و آسمان کو زیر و زبر ہوتے دیکھا میں نے بارہا کہا کہ مغرب کا دیا پن اس تجزی سے بچھ رہا

ہے کہ مشرق کا پرانا نظام بیٹ کے لئے درہم برہم ہو جائے گا مگر کون سنتا ہے افغان دوہل!

(ایک ملازمہ اندر آتی ہے)

امراؤ بیگم : کیا ہے سلا

سلا : حضور گودے غضب کر رہے ہیں جس گھر میں مجھے ہیں لوٹ لیتے ہیں جس کو پھرتے ہیں پھانسی

دے دیتے ہیں نہ کوئی داد نہ قراؤ نہ پی پی اب کیا ہو گا قیامت آگئی کیا؟

امراؤ بیگم : قیامت نہ ہو تو قیامت کی پھوٹی بسن ضرور ہے کچھ نہیں کہا جاسکتا کیا ہو گا کون بچے گا کون

مارا جائے ہائے اللہ سولا مشکل کشا خدا کیجئے

غالب : سلا جاؤ ادھر ادھر سے جو خبریں ملیں بتا جایا کر یہاں گورے نہ آئیں گے صدارت خالی کے

سپاہی حفاظت کر رہے ہیں مگر ہر وقت ہوشیار رہنا چاہئے اپنے کو بچاتے ہوئے لکنا قبیلوں پر کان لگائے

رکھنا۔

امراؤ بیگم : ہاں اب اور تو کوئی آتا بھی نہیں کہ شر کا کچھ حل ملے کون آئے سب اپنی اپنی مصیبت میں

ہیں۔

غالب : مسلمانوں پر تو فرنگیوں کا خاص غلبہ ہے وہ تو گھر سے نکلے اور گرفتار یا پھانسی کچھ ہندو دوست

و شاگرد ہیں جو اپنے کو خطرے میں ڈال کر میری خیریت دریافت کرنے آہاتے ہیں اب کہاں ایسے

دھدار لوگ ملیں گے خدا ان کو محفوظ رکھے۔

امراؤ بیگم : آپ کی قدر و محبت دلوں میں ایسی ہے کہ لوگ جان کی بازی لگا کر آتے ہیں پر سوں ہی ایک

صاحب مرزا یوسف کے مرنے کی خبر لے کر آئے وہ کاشیں بند کھن کھن کھن کے ویران مگر کن کہاں؟

غالب : (سر جھٹ کر) یوسف مر گئے ہائے میرا بھائی بھی ساتھ چھوڑ گیا میں کتنا بد نصیب ہوں میں سنی نہ

وے سکا بھیا تم کو اس جنگ میں مرنا تھا میری تم نے مجھے اسی وقت کیوں نہ بتایا؟

امراؤ بیگم : میں کہہ کر کیا تاتی وہ بیمار تو تھے ہی دیوانہ پن بڑھ گیا تھا ان کا مرنا تو ان کے لئے اچھا ہی

ہوا آپ سنئے تو اس گھر میں میراتے کہ جمیزو ٹھہرن کیسے ہو کیا پوچھتے ہیں کھن کے لئے کپڑا جب نہ ملا

تو میں نے گھر سے سفید چادریں نکال کر دیں خدا زندہ رکھے دفن کرنے والوں کو کسی طرح سنی ہو گئی۔

غالب : ہائے یہ تو سب درست ہے مگر بھائی پھر بھی بھائی تھا میرزا یوسف تھا غالب یوسف تاتی تھے۔

امراؤ بیگم : خدا کی مرضی میں کیا چارہ اب یہ سوچنے کے قلم سے جو تحفہ ملتی تھی وہ بھی بند ہو جائے گی

کہائیں گے کیا؟

غالب : مجھے اس سے زیادہ اس کی فکر ہے کہ میرے کتنے دوست و عزیز سرست مارے مجھے میں اکیلے
جی کر کیا کروں گا یہی تم جانتی ہو میں کتنا یادداشت و دوست پرست آدمی ہوں اب کیا ہو گا کچھ دیر کے
لئے تم بھی مجھے شمار نہو
(امراؤں تکم کا چلے جانا)

موسیقی میں پردہ

مکی یک یک جو ہوا پلٹ نہیں دل کو اپنے قرار ہے کہوں فلم حتم کا میں کیا جاں مراغم سے سینہ لگا رہے
یہ رعایا ہند جب ہوئی کھوں کیا جو ان پہ بھا ہوئی جسے دیکھا حاکم وقت نے کہا یہ تو قاتل وار ہے
یہ کسی نے ظلم بھی ہے سنا لی پراسی لاکھوں کو بے گناہ و لے کر گریوں کی سمت سے ابھی ان کے دل میں غبار ہے
بہی جلیہ نام سخت ہے کو کبھی گردشِ بخت ہے نہ وہ گمان ہے نہ وہ تخت ہے نہ وہ شاہ ہے نہ وہ باد ہے

تیسرا ایکٹ — دو سراسیمہ

بعدِ غدر

(شیفتہ کا مکان فرش یکہ کرسیاں "الماری" "لوگڈان" خاص دان و دیو

نقدہ" میٹھ داس آتے ہیں گلاب و قلیات کے بعد گھنگرو ہوتی ہے)

شیفتہ : بھائی خوب آئے آپ لوگ تھوڑی دیر فلم لگا کر ابھی آج کل بہت ہے دہلی کا حال عجیب ہو گیا
ہے۔

نقدہ : جی ہاں بالکل دنیا بدل گئی اب تک اس دیار سے دیر لنی نہیں ہو گئی۔

شیفتہ : جن کا وطن دہلی ہے ان کو تو اب تک اس کی گھنوں سے خون کی بو آتی ہے حالانکہ ہنگامہ غم
ہونے کی سال ہو گئے۔

میش : کہیں نہ آئے کیسے کیسے لوگ مارے گئے کیا کیا عمارتیں کرائی گئیں کیسے کیسے مگر لوٹے گئے۔

شیفتہ : (ہات کٹ کر) مگر تھنے پر یاد آیا کہ اور تو اور کالے صاحب کا مکان بھی لٹ گیا۔ لوگ کتنا
مقدس سمجھتے تھے اس گھر کو۔ اس کے تاراج ہونے کا کسی کو اندیشہ نہ تھا لوگوں نے اپنے جیتی سمان
حفاظت کے خیال سے وہاں بھیج دیئے تھے۔

نقدہ : وہیں تو مرزا صاحب کی بیگم صاحبہ نے بھی اپنے زیورات بھیج دیئے تھے۔

شیفتہ : جی ہاں اسی کا ذکر کرتا تھا ان کے بھی سارے زیورات بدعنوان لوٹ لے گئے۔ مرزا صاحب اور
ان کی بیگم کو کتنا صدمہ ہوا ہو گا۔

میش

: ان کا یہی آخری سارا تھانہ پرچھے کہ میاں پیری پر کیا گزری۔

نقشہ

: حکیم صاحب دودھ کر کئی قصیں کو لاش میرا گھنا ہوتا تو گھر کے کپڑے کیوں بیچے جاتے۔

شیفتہ

: کیا کپڑے بیچ کھائے گئے۔

میش

: اسی لئے تو مرزا صاحب نے ایک بار کما تھا کہ لوگ لٹہ کھاتے ہیں میں کپڑا کھاتا ہوں۔

نقشہ

: ایسی حال میں بھی غرامت و معیت؟

شیفتہ

: جی ہاں ان کی ہر سانس ان خصوصیات کا نمونہ ہے۔ پاکیزہ و درست مذاق تو ان کا حصہ ہے۔

میش

: ارے صاحب بگم نہ پرچھے کہ مزاج ان کی رگ و پے میں کس طرح تاپا ہے وہ وقت ملاحظہ ہو

کہ فرنگی کے سپاہی گرفتار کر کے لے گئے ہیں ہر شخص کو دھڑکا تھا کہ اب مرزا کی خبریت ہمیں گھر

والے دست دے دیتے ایک کرام چا تھا گروہ رے دل و دماغ کیا تعریف کی جاتے جب کرنٹل براؤن

نے ان سے پوچھا۔

دل (WELL) تم مسلمان؟

انہوں نے جواب دیا حضور تو حاکم کرنٹل جیران کہ اس جواب کے کیا معنی اس نے مزید وضاحت چاہی تو

آپ بولے قبلہ شراب پیتا ہوں سوہ نہیں کھاتا براؤن ہے سائنس ہنس پڑا فوراً "پھوڑا دیا بلکہ کھلے میں

بدستور رہنے کی اجازت بھی دے دی۔

شیفتہ

: اسی لئے تو میں کھا کرتا ہوں کہ مرزا صاحب کوئی نہیں وہ مرزا شامری رہے ہر عالم میں ہر جگہ

اپنی کلنگل و خوش بختی سے زندگی پیدا کر دیتا ہے حالانکہ خود اس کا شیوہ دل چور ہے حالات نے اس

قابل قدر انسان کو پیالہ و ساغر سمجھا۔

نقشہ

: جی ہاں استاد ہر وقت گردش میں رہے ان کا آگہ سے دلی آنا کھانا پتار مصیبت میں آنا تھا جشن

بند ہوئی نکلنے جانا پڑا وہاں طرح طرح کی پریشانیوں رہیں دلی واپس آئے تو گرفتاری ہوئی عارف کو پتا

بٹایا تھا وہ جوان مراغہ آگیا تو بھائی مراغہ کی حکماء غم جشن بند فرض کہ مصیبت ہی مصیبت رہی۔

میش

: مرنے والوں میں آپ نے اس طوائف کا ذکر نہیں کیا اس کی واقعت پر بھی مرزا صاحب کو

زبردست صدمہ ہوا اس کی وفاداری و قدردانی ان کے تاریک ماحول میں روشنی کا کام کرتی تھی اس کی

موت نے استاد کو گھٹایا دیا۔

شیفتہ

: جی ہاں ان ہی کا دل تھا جو یہ سب گلشن سبب گئے نہایت خودداری سے۔

نقشہ

: اس میں شک نہیں کہ استاد نے مزاح و دار مقابلہ کیا۔ دوسرا ہوتا تو کھن لوڈھ کر قبرستان چلا

جاتا۔

شیفتہ

: اس کا صلہ قدرت نے ان کو دیا جتنی شہرت ان کی ہوئی وہ کسی اور کو نصیب نہیں ہو سکی کیا

دکن پالا ہے کیا دل و دماغ ہے جیسے جیسے سمجھتیں ہیں مرزا کے جوہر کھلتے گئے۔

میش : دیکھئے نا، ہنگامہ خد ان کے لئے بھی کتنا روح فرسا تھا مگر اسی عالم میں مولوی محمد حسین حمزوی کی گفت بہان قاطع پر کتنی بڑا اثر تھیں کی کہ دوست و دشمن سبھی چونک چکے۔

شیفٹ : مرزا غالب بڑی مشکل سے کسی کا لوبا مانتے ہیں ان کی بلند نگاہی و فہانت ان کو خاموش نہیں رہنے دیتی ہے اب ہم سے یا پانی وہ اپنی بات کہنے سے نہیں چوگئے۔

تقت : مگر حضور! بات ایسی بچہ کی کہتے ہیں کہ خود ساختہ استادوں کے چہرے قی ہو جاتے ہیں طبع اتر جاتا ہے۔

شیفٹ : یہ صحیح ہے مگر ان خود ساختہ استادوں کے شاگرد ایک آفت تو مچا دیتے ہیں ہمارے دوست اور ہمارے قاتل قدر استاد کو برا بھلا بھی کہتے ہیں جو سنا نہیں جاتا اب دیکھئے بہان قاطع کی بحث بدلتی ہے بڑھ کر مقدمہ بازی تک آگئی اس سے کیا فائدہ؟

میش : حضور کتے بھونکتے رہتے ہیں ہاتھی اپنے راستے پر چلا جاتا ہے ہانسنے والے اس کی غفلت جانتے ہیں بقول آپ کے چلتی شہرت ان کی ہوئی کسی اور کو نصیب نہیں ہو سکی چار دن کی زندگی کا ابدیت سے ہنگامہ ہونا کوئی معمولی بات ہے؟ استاد کا پاؤں چومنا چاہئے۔

شیفٹ : میسز تم برا مان گئے ارے میاں میں بھی ہمداری طرح مرزا کا قدم دان ہوں میں بھی ان کو اس صدی کا سب سے بڑا فن کار مانتا ہوں مگر کہتا یہ ہے کہ قتل کاروں کے من فن کاروں کو نہ لگتا چاہئے۔

میش : جی ہاں یہ تو صحیح ہے اچھا اب ہانت ہو۔

شیفٹ : میسز تم لوگ مرزا صاحب کو صرف شاعر جانتے ہو میں ان کو نثر نگار بھی اس پایہ کا مانتا ہوں جس کا جواب قاری وار دو میں نہیں ملتا۔

تقت : (بچک کر) خدا آپ کو زندہ رکھے۔ ان لوگوں کی نظر اس طرف نہیں۔

میش : کدھر نثر کی طرف نہیں نہیں میں ان کی نثر کا بھی قائل ہوں کیسی کیسی پردہ تہلیل مرزا صاحب نے لکھی ہیں۔

شیفٹ : (بات کٹ کر) بس اتنی ہی دور تک نظر جاسکی ارے میں ذرا ان کے خطوط کو دیکھو ہوا ہر بارے ہیں کیا انداز بیان ہے سچی برہمت منگھو ہے مرزا صاحب کا یہ قول لاکھ روپیہ کا ہے کہ میں نے مراسلہ کو نکالنا بڑا دوا ہے۔

تقت : ہر لمحہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی نگہ نہیں رہا ہے ہل رہا ہے جو میر کا لہجہ شاعری میں ہے وہ غالب کا نثر میں ہے دونوں کے روحانی ارتباط و جسمانی ہم آہنگی کو دیکھتا ہو تو نثر و نظم کے اس سنگم پر نظر والے لئے جہاں میر و غالب ہاتھ ملائے کھڑے ہیں۔

تقت : مرزا کی ادبی بلونت نظم میں کم نثر میں زیادہ نظر آتی ہے صدیوں کے فرسودہ آداب و القاب کو

انہوں نے ایک جنٹل قلم غم کر دیا۔ وہ سیدھا سادا انداز خطاب رائج کیا کہ دنیا کی آنکھیں کل نہیں اس طرز بیان پر نہ بیت پرستوں نے انگشت لٹائی کی نہ مرزا کے مخالفوں نے بدلائی وہ دلی فریب و کار آمد لب و لہجہ پیدا کیا کہ سبھوں نے لب و لہجہ لیا۔

میش : نواب صاحب آپ نے بخرا بڑی قیمتی بات کی طرف توجہ دلائی میں خود بھی حیرت کرتا تھا کہ وہی شخص جو شاعری کی دنیا میں اتنا مشکل پسند ہو وہی نثر کے میدان میں ایسا سہل پسند ہو جائے۔

نقتہ : میاں یہ سب فن کاری کے کشتے ہیں فن کار نہ مشکل پسند ہوتا ہے نہ سہل پسند موضوع سخن کی پرکاری ذہین حکما کار کو ضرورت کے سلسلے میں داخل دیتی ہے کچھ کچھ میں بات آتی یا نہیں اس محاورت پروردہ ناست چلو گھر چلیں اگر یہ باتیں نہیں کہتے تو اب نہ کہتے کہیں نواب صاحب۔

شیفتہ : (خس کر) نہیں نہیں میسٹ سب سمجھتا ہے کیوں میسٹ؟

میش : بھائی نقتہ جو چاہے کہتے مگر اب گھر چلے پڑی رہ ہو مگی نقد پانی کا وقت آیا۔

نقتہ : ہاں اس کا تو خیال ہی نہیں رہا چلو جلدی چلو۔ نواب صاحب اجازت ہو۔

(دونوں کا جانا پر دے کا کرتا)

تیسرا ایکٹ — تیسرا سین

غالب کا مکان، وہی سب سالان، میاں بھوی، مرزا گڑھ لکھتے ہیں۔

امراؤ بیگم : اب آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی زیادہ نہ سوچنے سب اللہ پار لگا دے کچھ کچھ ہم لوگ اس زندگی کے غامض بھی ہو گئے ہیں۔۔۔ اور کچھ تو آفتابی کی صورت ہو بھی سکتی ہے؟

غالب : کیا آفتابی ہوئی اونٹ کے منہ کو زبرد؟

امراؤ بیگم : رامپور سے سو روپے مہینہ برابر آ رہا ہے سرکاری پینشن بھی ملتی جا رہی ہے اور آپ کے شاگرد و ہمدرد بھی کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہتے ہیں یہ بھی خدا کا شکر ہے اب زیادہ فکر نہ کریں۔

غالب : ہاں ٹھیک ہے میری زندگی تو کسی نہ کسی طرح کٹ جائے گی مگر مجھے اپنے سے زیادہ فکر تھماری ہے۔ میرے بعد تمہارا کیا حشر ہو گا؟

امراؤ بیگم : مرزا صاحب آپ سے میں نے سو بار کہا کہ آپ اپنے مرنے بچنے کا خیال چھوڑ دیجئے تو اب میں آپ کے بعد زندہ ہوں۔ (روپے کا آئینل اٹھا کر) اسے پاک پروردگار تو مجھے مرزا صاحب سے پہلے موت دینا میری مٹی سوارت ہو جائے خدا نہ کہے کہ میں آپ کے بعد جیوں!

(دروازے پر آواز ہوتی ہے مرزا صاحب بھوی سے اندر جانے کہتے ہیں وہ زبان غصے کی طرف جاتی ہیں لوگ دیوان خانے میں آتے ہیں سب مرزا صاحب کو اوب سے سلام کہتے ہیں مرزا صاحب

جواب دیتے ہوئے خدہ ویشی سے سب کو نکلے ہیں، باقی شروع ہوتی ہیں۔
تقد: 'میش داس' شیخہ 'ضمیر خاں' سرفراز حسین وغیرہ۔

غالب: گھر سے کب آئے تقد؟
تقد: (دست بستہ) حضور میں کل حاضر ہوں۔ سیدھا میرٹھ سے آ رہا ہوں۔ خا نصیب دشمنی آپ کی طبیعت کا ساز ہے؟ میشل نے خط بھی لکھا تھا۔
غالب: اوسے بھائی اب عمری ایسی ہو گئی ہے کہ بیماری آتی ہی رہے گی دیکھئے موت کب آتی ہے؟
میش: خدا آپ کو مرنے کا حکم دے 'بیماری تو جوانوں کو بھی آتی رہتی ہے کیوں ضمیر خاں؟
ضمیر: یہ کوئی پرچہ کی بات ہے ایک ہفتہ کے بعد تو میں کل اٹھا ہوں آج آپ لوگ نہ آتے تو ابھی میں بستری پر پڑا رہتا۔ مگر اب اچھا ہوں۔

غالب: (سکرا کر) جوان کی بیماری اور بستر برس کے بوڑھے کی بیماری میں بڑا فرق ہے خیر پھر وہ اس بیماری کسے تم لوگوں کا آتا اس وقت بہت اچھا ہوا کچھ مشورہ کرنا تھا۔
تقد: ہم لوگ تو حاضر ہیں آپ حکم دیں۔
غالب: یہ قاضی بھائی کا ہوا قصہ بھل رہا ہے۔
تقد: حضور لعنت بھیجیں اس قصہ پر اپنی شہرت و قابلیت آلتاپ ہے جس کو خالت کرنے والوں کی کم بینی دیکھنے میں دیتی وہ لوگ اپنی بکواس کو مجھڑا آسمانی سمجھتے ہیں آپ کہاں ان کے مدد لگیں گے؟
ضمیر خاں: میں دست بستہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دشمنوں کی بکواس کو دفتر بے معنی سمجھ کر فرق سے باپ کر دیا جائے۔

غالب: (دشمن کی ضمیر خاں 'تم نے بھی کیا بات کی' میں اپنی شراب بھی جراب کوں۔"
(سب لوگ ہنستے ہیں)

سرفراز حسین: قبلہ و کعبہ ہم لوگ بھائی تقد کی رائے سے حقیق ہیں کہاں آپ کہاں یہ اعتراض کرنے والے۔

چہ جنت خام را با عالم پاک
(سب کے سب)

بالکل صحیح ہے خدا آپ کو زندہ رکھے۔

غالب: تم لوگ مجھ کو کتنا جانا چاہتے ہو اب نہ آنکھ کام دیتی ہے نہ کان اور نہ معدہ چنانچہ کھانا پینا سب کم ہو گیا ہے۔

میش: خود آگ کی کی تردید کی بات تو ہے مگر خطرناک نہیں بہرحال علاج ہونا چاہیے۔

غالب: سنو میں میشل جب گرانی اتنی ہو کہ روپے کا صرف ۱۸ سیرگیوں بازار میں ملے تو اس کی کے

مقابلہ کے لئے قدرت انسان کو تیار کرتی ہے بھی نور دے کر بھی کنواری عطا کر کے یعنی صبح غراب
کر رہی ہے کہ بھوک کم گئے توی کم کھائے" اس لئے میری خوداک کی کمی پر پریشان نہ ہو سب
قدرتی ہیں۔

(سب لوگ ہنستے ہیں)

لیکن میرا خیال ہے کہ تم لوگ میری جدائی کے لئے تیار رہو۔ اب چند دنوں کا صبر کرو (لوگ
الغیر ہو کر گھڑے ہو جاتے ہیں غالب خدا حافظ کہہ کر رخصت کرتے ہیں)



تیسرا ایکٹ ————— چوتھا سین

(وقات غالب)

(غالب کے انتقال کی جڑ "لوگوں کا اجتماع" نہیں پروہ اعلان دمر ہے)

بہل	بہر	مر	میا	بوسات	بوس کی تھی بات بات میں ایک بات
نکتہ	دان	نکتہ	سنج	'نکتہ' شناس	پاک 'دل' 'پاک' ذات' پاک صفات
ہو	میا	نقص	دل	چہ جو کھیا	قلم اس کا تھا اور اس کی دوات
ایک	روشن	دلخ	تھا	نہ رہا	شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا

دیکھ لو آج ہر نہ دیکھو گے
اب نہ دنیا میں رہیں گے یہ لوگ

غالب ہے مثال کی صورت
کیسے دھڑکے نہ پائیں گے یہ لوگ

غم سے بھرا نہیں دل ناشاد
میں سے غالی ہو جہان آباد



غدر کے بعد

(وقت: قریب شام)

غلام الثقلین نقوی

(غالب کے کمرے میں ایک سحر غالب قلم ہاتھ میں لے کر گاؤں بجیے سے ٹپک لگائے بیٹھے ہیں۔
گدھان سامنے پڑا ہے۔)

غالب: (اپنے کھسے ہوئے خط کے فقرے پڑی اداس گواز میں پڑھتے ہیں)۔

بقاؤنی زور پر ہے۔ رکاب میں پاؤں نہ باگ پر ہاتھ ہے۔ پڑا سفر دور و دراز درخشاں ہے 'زاو راہ موجود
نہیں۔ ہائے کسی کا کیا اچھا شعر ہے:

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی نہیں نہ پلا تو کدھر جائیں گے
(لے منہ میں لے کر جھڑکھڑکاتے ہیں۔ جھڑبھڑکا ہے۔ آواز دیتے ہیں) کلو!

کلیان: (آتا ہے۔ دروازے کے پاس کھڑا ہو کر حضور
(غالب چچان کی طرف اشارہ کرتے ہیں)۔

کلیان: بے جان خاموش ہے۔

غالب: یہ کسی سیمیا کے ہاتھ میں ہو تو یوں ہے۔ علاج کتنا چ کہہ گئے ہیں۔

کلیان: ابھی چلم بھر کر آؤ کر لاتا ہوں (ہائے لگتا ہے)۔

غالب: نہیں۔ کلو سے کہو کہ وہ چلم بھر دے۔

کلیان: کلو بازار سے سودا سلف لینے جا رہا تھا۔

غالب: اسے روک لو۔

کلیان: (حیران ہو کر) اسے روک لوں حضور؟

غالب: (بے خیالی میں) کلیان! تم میرے مزاج شناس ہو۔

کلیان: مجھے اس پر فخر ہے حضور۔

غالب: (اداس سی مسکراہٹ کے ساتھ) سنا بھی! میں ہڈیاں آؤں 'مرے سے تیار' طعف قوی میں جھلا 'تم
ہائے ہو (رک کر) وہ عرق ہو جقدر طاقت ہائے رکھتا تھا' اب میر نہیں۔

کلیان: (حضور میں جاتا ہوں۔ کھجواں پیش میرے پاس رہیں۔
غالب: (اسی منکراہٹ کے ساتھ) جب تھکو ہند میں دلی نام کا کوئی شراب آور تھا تو میں پیشہ اگرچہ شراب یا کرنا تھا۔

کلیان: مجھے معلوم ہے حضور!
غالب: میں گڑ چھال کی شراب نہیں پیتا تھا۔ مجھے اس سے نفرت تھی۔
کلیان: لیکن حضور اس وقت گھر میں۔۔۔

غالب: (اپنی ہی رو میں) میں برس آگے کی بات ہے۔ اردو ہاؤس میں دھن از طعام یا قریب شام تین گلاس پی لیتا تھا۔ پور شراب شاید معمول میں بھرا نہ لیتا تھا۔ اس میں برس میں میں برساتیں ہوئیں۔ بڑے بڑے سینہ برسے 'چٹا ایک طرف دل میں خیال بھی نہ گزرا اور۔۔۔ اب قلم۔۔۔ دلت کو بھی ایک گوشت نہیں ملتا۔

کلیان: (حاضر ہو کر) اتنی بامیسی کی باتیں۔۔۔

کلو: (ٹکڑو دے پاؤں کمرے میں داخل ہوتا ہے) سودا سلف کے لئے اور سے پوچھ رہا تھا۔ بی وفادار کسی بات کا سر نہ دے رہی تھیں۔ بی بی بچھو ادھی تھیں 'آج شام آپ کے لئے کیا کچے کا حضور؟
غالب: (ناگوارا سے) میں قنبر برس کا پورا سا گڑی کیا کھاؤں گا (منکرا کر) مشہور ہے کہ جو کوئی اپنے عجز کی فاقہ دلاتا ہے 'سودے کی روں کو اس کی بو پہنچتی ہے۔ گھر میں کچھ پک کیا تو میں بھی غذا کو سونگھ لوں گا۔

کلیان: (دھن کر گھر میں کچھ کچے کا ہی نہیں تو خوشبو کہاں سے آئے گی۔)

غالب: (تھلیل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے) ٹھیک کہا! خوشبو کہاں سے آئے گی؟

۔۔۔ گڑ چھال کی شراب سے! ذرا عرق گلاب ملا دینا۔ لطیف ہو جائے گی۔

کلیان: (ہنستا ہے) کلو۔۔۔ حقہ آموز کر لاؤ! (کلو ہانے لگتا ہے۔ کلیان اسے ٹھہرا لیتا ہے) جہلم بھر کر لاؤ تو مجھ سے مل لیتا۔ تمہارے پاس کے پیسے ہیں؟

کلو: ایک روپیہ ساٹ آئے۔

غالب: (ہونک کر) ایک روپیہ ساٹ آئے! کلیان اور کلو باہر جاتے ہیں تو غالب خط لکھنے کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔)

غالب: اب خاص اپنا دکھ دوتا ہوں۔ ایک بیوی اور دو بچے۔ تین چار آدمی گھر کے کلو۔ کلیان۔ ایاز باجر۔ بداری کے جوڑو بچے بدستور۔۔۔ ایک پیسے کی آمد نہیں۔ میں آدمی روٹی کھانے والے۔۔۔ جانتے ہو کہ علی کا بندہ ہوں۔ اس کی قسم کبھی بھوٹ نہیں کھتا۔ اس وقت کلو کے پاس ایک روپیہ ساٹ آئے ہائی ہیں۔ بعد اس کے نہ کہیں سے قرض کی امید ہے نہ کوئی بخش دہن و بیع کے قائل۔ اگر رام پور سے کچھ آتا تو خیر

دورنہ انتظار دانا الہ راجنوں۔ (بچھلے دروازے کا پردہ ہٹا ہے۔ غالب اپنے ہی خیالات میں گم ہیں)۔

بی وفادار! (پروے کے صفحے سے شوقی ہوئی آواز میں) جو رہا بی بی کاٹے امین۔

غالب: (چنگ کر) کون؟ خیر سے بی وفادار ہیں؟

بی وفادار! (چنگ کر) بی بی کاٹے امین۔

غالب: (کلن پر ہاتھ رکھ کر) کون کون کاٹے ہیں بی وفادار! میں بہرہ فیس۔ یہ الگ بات ہے کہ سنتا نہیں

ہوں۔ کہو بی بی کیا کاٹے امین؟

بی وفادار! (بدستور لڑائی آواز میں) وہ آپ سے بات کاٹے ہیں۔

غالب: (کچھ کھوگی (فلا کھینچے ہوئے) سنو ہر گز ہال تخت! تم جانتے ہو کہ یہ معاملہ

نیگم غالب! (پروے کے پیچھے سے یہ گلو سے آپ نے کچھ کہا۔

غالب: میں نے کچھ نہیں کہا ٹیک بخت! کلیان نے کچھ کہا ہو گا۔

نیگم غالب: ایک روپیہ سات آنے کی بات۔ یہی تو کل کا نکات ہے اس وقت گھر کی۔۔۔

غالب: (اپنی ہی رد میں) ایک عرصہ ہوا فکر شعر نہیں کر سکا۔ میری صدی کو خط نہیں لکھا۔ ہر گز ہال تخت

الگ پریشان ہے۔

نیگم: ہے ہے! میری بات بھی تو سنو!

غالب: سنتا نہیں ہوں بات نکر کے بغیر۔

نیگم: مجھے یہ بڑے چوٹیلے ایک آنکھ نہیں بھارت۔

غالب: بہرہ ہوں میں تو چاہتے دونا ہو القات۔

نیگم: (جھنجھلائے ہوئے لہجے میں) وہ آپ نے کیا کہا گلو سے ایک روپیہ سات آنے کی دی ٹھوس۔۔۔ وہی

بلان۔۔۔

غالب: (بات کاٹ کر) دیا قحی کہاں؟۔۔۔ ایک خضر برس کا مو! ایک ستر برس کی بڑھیا۔۔۔ ان دونوں میں

سے ایک بھی مرنا تو ہم جانتے کہ ہیں دیا آئی تھی۔ تھک رہیں دہا!

نیگم: (رد کی آواز میں) دیا قحی تو نہ لے جا سکی۔ اچھا ہوا۔ مجھے لے جاتی تو میں اس مصیبت سے بچت

جاتی۔۔۔ اس ڈانٹ سے تو نہایت مل جاتی جو ساٹھ سال سے اس گھر میں ڈیرا بٹائے بیٹھی ہے۔

غالب: کون سی ڈانٹ!۔۔۔ سمجھا۔۔۔ وہی بلان۔۔۔ جو میاں کالے صاحب کے مکان میں رہتی تھی۔۔۔

نیگم: (فصیحے سے) کون میاں کالے؟

غالب: (نمیدگی سے) خدر سے پہلے کی بات ہے نیگم۔ آہ! کیا دن تھے اب نہ وہ دن رہے نہ وہ دل۔۔۔ میں

پہلے گورے کی قید میں تھا۔

نیگم: (بدستور فصیحے میں) وہ واقعہ یاد نہ ملا۔۔۔ وہی روپا می۔۔۔ ساری دلی میں وہ تھوڑی تھوڑی ہوئی کہ خدا کی

پہلے۔ ابھی تک وہ کالک منہ سے نہیں چلی۔

غالب: (بدستور سنجیدگی سے) وہ تو کوئٹہ پر سر پر غاش تھا ورنہ شریف زادوں کے گھروں میں وہ گھڑی دل بھلاوے کو چوسا اور جھنجھے کی بازی جم ہی جاتی ہے۔

نیگم: (اچھی آواز میں) واہ! اچھا دل بھلاوا تھا۔ ایک شعر و شاعری اور اس پر جوا۔ سبحان اللہ! میرا تو بی جاہ رہا تھا کہیں چلی جاؤں۔ دل میں رہتا دو بھر ہو گیا تھا۔

غالب: تو مرحوم دل! میں پہلے گورے کی قید میں رہا۔ پھر کالے کی قید میں آ گیا اور تم تھیں کہ نئے مکان میں جانے سے گھبرا رہی تھیں۔ تم کہتی تھیں کہ اس مکان میں جا رہتی ہے اور میں نے یو جی کہہ دیا تھا کہ تم سے بڑی بلا اور کون ہو گی۔

نیگم: (جڑی ہوئی آواز میں) یو جی کہہ دیا تھا اور اب پھر کہہ رہے ہو۔۔۔ کاش مجھے تو موت آ جاتی۔

غالب: (مسکراتے ہوئے) آج سے کچھ عرصہ پہلے ہی بات تمہارے منہ سے نکلتی تو خیر اور بات تھی (سنجیدہ ہو کر) لیکن اب تو ایسا نہ کو نیگم۔

نیگم: کیوں نہ کوں؟ جہاں جہاں ہمارے مخوں قدم پڑے، اس کی اینٹ سے اینٹ بچ گئی۔

غالب: ہاں ٹھیک کہتی ہو نیگم! یہاں کالے صاحب منظور کا گھر اس طرح جاہ ہوا کہ جیسے بھانڈا پھری، کھڑ کا پر نہ، سوئے کا تار، شمعے کا ہال باقی نہ رہا۔

نیگم: اور شیخ عظیم اللہ جہاں آبادی کا مقبرہ؟ میں کئی بار وہاں زیارت کو گئی۔

غالب: وہاں ایک اچھے گاؤں کی آبادی تھی۔ اب ایک جنگل ہے اور میدان میں قبر۔ اس سے سوا کچھ نہیں۔

نیگم: (تکی ہوئی آواز میں) ایک دیکھ سہل آئے۔ آج رات کو کچھ نہ پکا تو کوئی بات نہیں۔ ایک فالتے سے کوئی نہیں مرے گا کچھ پیسے بچ رہے تو کوہ پاؤ گوشت منگوا لیا۔

غالب: آٹھ پہر میں ایک بار آپ گوشت لی لیتا ہوں۔ آج وہ بھی نہ سہی نیگم۔ لطف ہوں، پہچ ہوں، ماسی ہوں، فاق ہوں، دوسیا ہوں۔ پر بچ جانو۔

سے سے غرض نکلتا ہے کس دوسیا کو
یک گونہ ہے طودی مجھے دن رات چاہئے

کیاں: حضور!

غالب: کون؟

کیاں: میں ہوں کیاں! چلم بھر لایا ہوں۔

غالب: کیاں تم؟ ہم اللہ دہر الملک اسد اللہ خاں کے فقی۔۔۔ میں نے آج تک تم سے یہ خدمت نہ لی۔

کیاں: آقا! میں نے عمر بھر اس گھر کا تک کیا کیا۔

غالب: کلمہ ہزار چلا گیا؟

کلیان: جی حضور!

غالب: ایاز کو بھیج کر اسے روک دو۔

کلیان: لیکن آپ۔۔۔

غالب: میں آپ اپنا تماشائی ہوں کلیان! خدا کا راعی، خلق کا مرہود، یوزخا چاقوں، فقیر، کھٹ میں گرفتار۔۔۔

وہ جو کسی کو بھیک مانگتے نہ دیکھ سکے اور خود وہ پدر بھیک مانگتے وہ میں ہوں۔

کلیان: حضور حج کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔

غالب: (اپنی ہی رو میں) کاش! مجھے وہ دست گاہ نصیب ہوتی کہ تمام عالم کا بیڑیاں بن جاتا۔ اگر تمام عالم میں

نہ ہو سکے نہ سکیں۔ جس شرم میں رہوں، اس شرم میں تو بھوکا بچا نظر نہ آئے۔

کلیان: ظلم رکھ دوں۔

غالب: (بے خیالی میں) رکھ دو۔۔۔ جاؤ (خط کا کاغذ سامنے رکھ کر سوچتے ہیں)۔ روشنی آہستہ آہستہ تم ہو رہی

(ہے) اس فرائض گاہ کی سیر سے جس کو دنیا کہتے ہیں جی بھر گیا، (مک کہہ کر)۔۔۔ ہر دم دم نزع ہے۔۔۔ دل غم

سے خون ریز ہو گیا ہے۔۔۔ وہی ہلا خانہ ہے۔۔۔ وہی میں ہوں۔۔۔ بیڑیوں پر نظر ہے کہ وہ میر صدی

آئے۔۔۔ وہ یوسف مرزا آئے۔۔۔ وہ بھرن آئے۔۔۔ مرے ہوؤں کا نام لیتا۔۔۔ ہزاروں کا ماتم دار ہوں۔۔۔

میں مول کا قہقہہ کو کون دوسے گا۔۔۔ بس اللہ ہی اللہ ہے۔

دم والہیں بر سر راہ ہے

عزیز بس اللہ ہی اللہ ہے

کلیان: (آتا ہے) شمع روشن کر دوں حضور!

غالب: (آہستہ آہستہ آنکھیں کھول کر) کر دو۔ (بیڑیوں پر سے کھٹ کھٹ کی آواز آتی ہے۔ چند لمحوں بعد

کلمہ پاپا پاپا آتا ہے)۔

غالب: (حیران ہو کر) کیا بات ہے کلہو؟

کلہو: حضور غضب ہو گیا۔

کلیان: کیا ہوا؟

کلہو: رامپور سے!

غالب: (گھبرائے ہوئے انداز میں) انہیں رامپور!۔۔۔ خدا نہ کرے!

کلہو: نہیں حضور! حاصد ہے۔ گھر کا پتا پہنچتا ہوا آ رہا تھا۔ میں ساتھ لے آیا۔

غالب: (جس کو بلاؤ اسے۔۔۔ دھیلے کی رقم لیا ہو گا۔

کلہو: ہے تو کچھ ایسی ہی بات حضور! کہ میں کچھ بانٹھ تو رکھا ہے اس نے!

- کلیان: (اندھ آں نواب رامپور کا خط!) (خط پڑھتے ادب سے چپ کر رہا ہے)
- غالب: (خط کھول کر) کتنی قدر دہائی ہے! کلیان! سو روپے کی ہنڈوی۔ نہ رسید کی طلب۔ نہ شکریے کی خواہش۔ نواب صاحب مجھ کو نوکر نہیں سمجھتے۔ جو کچھ دیتے ہیں اذرا ہوا نمکوی دیتے ہیں۔
- کلن: بی بی بی سے پوچھ لوں۔ بازار سے کیا کیا آئے گا؟
- غالب: ابھی نہیں کھلے۔ کلیان تم جاؤ اور ہنڈوی ترقوا لاؤ۔ (سکرا کر) تم جانتے ہو کہ مجھے گڑ پھل کی شراب سے کتنی غارت ہے۔
- کلیان: (بہس کر) یہ قدری شک خوار حضور کا مزاج شناس ہے۔ (کلو اور کلیان باہر جاتے ہیں تو غالب خدا لکھتا شروع کر دیتے ہیں۔)
- غالب: زندگی میری کب تک؟ سات مہینے یہ اور بارہ مہینے آئندہ کے۔ اسی مہینے اپنے آقا کے پاس جا پہنچتا ہوں۔ وہاں نہ دہائی کی فکر نہ پانی کی پیاس نہ جائے کی شدت نہ گرمی کی حدت نہ مکان کا کرایہ دینا چاہئے نہ کپڑا خریدنا چاہئے نہ گوشت کھنی متگاؤں نہ دہائی چکاؤں۔ عالم نور اور سراسر مسود۔ (سکراتے ہیں اور آہستہ آہستہ پردہ مگرتا ہے۔)





نقدِ غالب

غالب کے سیاسی افکار

میر محمد حسین خان بلوچ

مرا سنی تازہ دعاست اگر مکتہ را باز گویم رواست

حافظ کے حقیقی جرم شاعر "ہائیس" نے لکھا تھا:

"یہ سب" زندگی و مسیحی جو حافظ کے کلام میں پوری تبدیلی اور گرمی کے ساتھ قائم ہے، "دراصل زندگی کو بیک کرنے کی گرمی اور تڑپ ہے۔ یورپ میں وہ ان حافظ کی قبولیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغرب بے جان اور عکسری ہوئی روحانیت سے آگیا چکا ہے اور مشرق کے مضبوط اور سادہ دست بند میں گرمی و صمیمیت رہا ہے، "خود و قصور" و "نفس و ہمت" قزو جبر اور مذہبی شریعت کے ماتحت انسانوں کو کلام بنا کر باور کھیتی کی راحتوں سے ہٹائے رکھنے کے عمل میں زندگی کے مقابلے میں موت کا ساتھ دیتا ہے اور موت سے ہر زندہ شے اور زندگی طلب بشر کو نفرت ہے۔"

غالب کے دماغ میں یہ، بلکہ اس سے کچھ زیادہ موجود ہے۔ یہ بادی زندگی سے دلچسپی اور ذہن خشک سے بیزاری کیا ہے۔ پھر غالب کیوں حافظ کی مانند یورپ کے علم و فکر تک پہنچ نہیں پایا؟ مورد الزام ہم ہیں غالب نہیں۔ کسی مطلوبہ شرح میں یہ اشارہ نہیں کہ غالب نے "سیاسی شعر" بھی کہے ہیں۔ ان کے کلام شعر میں سیاسی واقعہ اور کلام سیاسی عقیدہ ہے۔ جہلو کی ترغیب اور نکالی سے نفرت کا غیر متبادل جذبہ ہے اور غالب کی ذہنی پرواز کا یہ عالم کہ یہ اس وقت جب کہ اشتراکیت کہیں نہیں تھی، اس ضمن میں متعدد شعر لکھتا اور آنے والے انقلاب کے اس خطرہ سے دنیا کو آگاہ کرتا ہے۔

مقام حیرت ہے کہ غالب جس نے زندگی کے ہر گوشہ کی پوری پوری عکاسی کی ہے ہر کیف و حال کا محض اس میں اپنی ہر زندگی کا عکس دیکھ سکتا ہے، چاہے زمانے کی صورتوں کا بارا ہوا ہو یا سرخوشی میں ڈوبا ہوا، عشق میں صورت جبر ہو یا عالم انتظار یا حالت وصل، علم و فلسفہ کے کتب کا استحوا ہو یا سیکندہ تصوف کا سرست، امراء کی نفرت ہو یا فریاد کی فریاد، چند موعظت کا دلدادہ ہو یا عرفات کا کشتہ، انسانیت کا مست المت ہو یا حکمران الزامی کی خاک میں اٹا ہوا، غرض کوئی چیز نہیں جس کے لئے آئینہ موجود نہ ہو، پھر کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ سیاست اس دعوے کے بلوہو صرف نظر رہی ہو:

گر شعر و سخن بدہر آئیں ہوسے دماغ مرا شہرت پدیں ہوسے

غالب اگر آئیں سخن دیں ہوسے گل دیں را ایندوی کتاب این ہوسے

یہ خیال اپنی جگہ درست کہ جس ماحول میں غالب تھا وہ ناک تھا، خصوصاً "۱۸۵۷ء کا ہنگامہ" معمولی شہ پر پاداش تختہ دار ہوا کرتی تھی ایسے میں مصلحت ہونٹ سی رکھنا اور بے طواری میں ڈوبے رہنا تھی، مگر یہ اس کے لئے

جو فکر و فکر کے اعتبار سے جالی ہو نہ غالب جیسی شخصیت کے لئے جو یہ تو کر سکتا تھا کہ راکھ کے ڈھیر کے نیچے شعرو
 اوب کی صوف حیثیت کے انکار چھا کر رکھ دے مگر یہ نہیں کر سکتا تھا کہ ترقیاتی فطرت اور وقت کی آواز سے
 غافل اور پنبہ گوش ہو جائے۔ صحت کے ایسے تقاضوں کا ساتھ اس نے ضرور دیا کہ استعاروں کے ایسے صدف
 تلاش کئے جو سیاسی گہرست و نجی دار آلود ہوں تو قہر مند میں نہ لگیں ہو جائیں۔ دہن وہ غالب جس نے فکر کے
 باطل میں بھگ لیا اس پر ہمارا سوال ہو نہیں جن کے افکار ان ہی ایام میں طرد اس کے ہی قلم سے منظور کاتب کی
 صورت میں منصرہ شہود پر آتے رہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کے شعر اس جذبہ و باطل سے حادث نہ ہوں۔ غالب
 نے ایک دفعہ میں حدود ہار کہا ہے کہ

مجبورہ معنی کا عظیم اس کو سمجھئے جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے



تو پست فطرت اور خیال بنا بلند اے غفل خود معاملہ قد سے عصا بلند
 سیاسی لومیت کے شعروں کی یوں تو تعداد سیکڑوں تک ہے مگر طوالت سے بچنے کی خاطر میں ان سے میں تین
 جملوں کے کچھ شعر قارئین کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ ایک حکومت فرنگ کی جانب سے ہنگامی حالت کے ضمن
 میں۔ ایک غلامی سے جلا کے سلسلے میں اور ایک اشتراکیت (کیونزم) کے ذیل میں اس کے بعد حسبِ فرائض دوسرے
 اشعار بھی بالاختصار پیش کئے جاتے رہیں گے۔ جن میں سیاسی افکار برابر نظر میں۔ انگریزوں نے جب شہر دہلی پر قبضہ کیا
 تو کیا کچھ کہہ اسے غالب نے اپنے مشہور قلمیے میں بیان کیا ہے:

بلکہ فضل مایہ ہے آج ہر معشور انگلیں کا
 کمر سے بازار کو لگتے ہوئے دہرہ ہوتا ہے اب انہی کا
 چوک جس کو کہیں وہ حلق ہو گھر بنا ہے نمونہ دنیاں کا
 شہر دہلی ذرہ ذرہ خاک نقشہ خوں ہے ہر مسلماں کا
 روز روز کے "گواہوں" سے جگ اگر کہتا ہے

روز اس شہر میں اک غم لیا ہوتا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہوتا ہے
 مجنوں کے خلاف فریاد کرتا ہے پوری فزول اسی باطل میں ہے
 پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے کھسے پر ناحق آوی کوئی تار دار دم تحریر بھی تھا
 ڈاک پر سفر کے خلاف شکایت کرتا ہے

کیا ہوں غربت میں خوش جب ہو ہواوت کا یہ حال نامہ لاتا ہے وطن سے ہند پر اکڑ کھلا
 اس واضح اور آسان شعر کی شرح بھی اسی "حضرت" بخود "طباطبائی" سا "حیات" باقر "غفر" سعید و فیروز شادمان
 یہ کہتے ہیں کہ دم تھی کہ جس خط میں کسی کی موت کا واقعہ لکھا جاتا تھا تو اس خط کے ایک کونے کو سیاہ کر دیا جاتا
 تھا یا کھڑوا جاتا تھا اور لفظ اودھ لکھا جاتا تھا مطلب یہ کہ وطن کی تقیینوں سے بچنے کے لئے مسافرت اختیار کی

حقی لیکن حوادث کی یہ حالت ہے کہ گھر سے جو غلط آتا ہے وہ نکلا ہوا آتا ہے یعنی کسی نہ کسی عزیز کی موت کی خبر آتا ہے۔ اسی ایک اور معنی بھی بیان کرتے ہیں یہ کہ میرے عزیز اور دوست مجھے کھلے ہوئے خط بھیجتے ہیں یعنی راز داری کے قابل نہیں سمجھتے۔ حالانکہ غالب نے اپنی عمر میں مشکل سے کل تین چار سطر کتے ہیں۔ کسی سطر میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ جو حقی غالب نے وطن سے باہر قدم رکھا اس کے عزیزوں اور دوستوں نے رحلت کرنا شروع کر دیا۔ سب کو معلوم ہے کہ ہمارے عہد تک انگریزی حکومت سیاسی اور مملوکوں مفصلیتوں کی ڈاک کو سنبھال کر رکھتی تھی۔ غالب نے ڈاک کی یہ حالت دیکھی تو آکاؤں کی جہارت کا اظہار یوں کیا کہ غالب کے دوست ہندوستان بھر میں پھیلے ہوئے تھے۔ اسی حالت کو غربت قرار دے کر کہتا ہے۔ کہ اس غربت میں کیسے خوش رہا جاسکتا ہے۔ اور تو اور فانی واقعات نے اب تو یہ رنگ اختیار کر لیا ہے کہ جو مراسلت دوستوں اور عزیزوں میں ہوتی ہے تو وہ خطوط اکثر کھلے ہوئے ہوتے ہیں گویا قلم غلط کرنے کا یہ ایک ہی اسرار تھا کہ ہم انہماک و امرا خطوط کے درپے دل کھول کر اپنا اپنا دکھ ایک دوسرے سے سنتے اور سناتے تو وہ بھی بند کر دیتا چاہیے کہ انہیں کھولا جاتا ہے پوری غزل میں یہ فریاد پنہاں ہے۔

گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھلاؤں فریب آئیں میں دشن پنہاں ہاتھ میں شکر کھلا
گوشت سمجھوں اس کی باتیں گو نہ پاؤں اس کا مجھ پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری جیکر کھلا
وہ دے دے کو کھا اور کہہ کے کیسے پھر گیا ہشت عرصہ میں مرا لپٹا ہوا ہنر کھلا
کیوں اندھیری ہے شب فم ہے بلاؤں نفا نفل - - - کن لوحی کو رہے کا دیدۂ اختر کھلا
اس کی امت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند واسطے جس شہ کے غالب مجھ پر بید کھلا
ایک ایک شعر کی تشریح کرتے ہوئے مضمون کے طویل ہو جانے کا خدشہ ہے۔ اس لئے مجموعی تفسیر دانی پڑے گی۔ انگریزوں کی ڈپلومیسی یہ تھی کہ وہ خود کو لوگوں کا دوست ظاہر کیا کرتے تھے لیکن درحقیقت وہ دوست نہیں دشمن تھے۔ وہ لوگوں سے ملنا کرتے تھے مگر قیمت کا پودہ برابر موجود تھا۔ بعضوں کو ظاہراً "احد" میں لیتے تھے مگر یہ واقعی ہوتا تھا۔ جہاں تک ہندوستان والوں کا تعلق تھا وہاں اندھیری رات تھی "بلاؤں کا نفل" تھا ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے قسمت کا ستارہ خلاف سمت میں چمکنا رہے گا۔ مسلمانوں کو امید تھی کہ رسول اکرم صلعم کے صدقے میں ان کی نجات کا کوئی نہ کوئی راستہ ضرور کھلے گا۔ جملہ کے اسی جذبہ کے تحت کہتا ہے:

ڈھانچا کفن نے داغ محبوب برہنگی میں دندہ ہر لباس میں تنگ وجود تھا

دوسرے شارمین نے جب اس شعر کی شرح لکھی اور کہنے کی سعی قربانی تو کوئی شرح دل کو نہ گئی۔ حاکمیت کہتے ہیں کہ موت ہی نے عجب برہنگی کو مٹایا دندہ میں ہر لباس میں تنگ ہستی وجود تھا۔ تنگ وجود ہونے کو برہنگی سے تعبیر کیا ہے۔ داغ محبوب برہنگی سے مراد فقدان محاسن ہے غصہ کہتے ہیں کہ کمر شمس ظاہر کی ہے کہ میں اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود تمام عمر اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے نئی نوع انسان کے لئے بے عزتی و بدنامی کا سبب رہا۔ ہر لباس سے مراد ہر حالت میں یعنی زندگی میں کوئی لباس بھی میرے پیروں کو نہ ڈھانچا سکا۔ مرنے کے بعد کفن ہی میرے پیروں کو چھپا سکا۔ باقر نے لکھا ہے کہ میرا وجود دامن انسانیت پر بدلتا رہے گا۔ ہشتہ دھمی لباس میں نے پنے میرے عجب نہ

مجھے۔ جب میں مرا تو کفن ہوتا گیا۔ جب میوہ ڈھنگے سا کا خیال ہے کہ وجود سے مراد وجود مطلق ہے گویا میں ہر عالم میں وجود مطلق کے لئے ہمارے سید کا گنا ہے کہ جب تک انسان پر انسانیت کا اطلاق ہوتا ہے اس وقت تک وہ اپنے آپ کو ان کمزوریوں سے محظوظ نہیں رکھ سکتا جو اس کی عین فطرت ہیں۔ یہ مصائب اس وقت دور ہوتے ہیں جب انسان لباس زندگی کو چاک کر کے کفن پوش ہو جائے۔ محظوظ نے لکھا تھا کہ میں وہی انسان ہوں جس کو طانک نے سجدہ کیا دنیا میں آنے کے بعد میری وہ وقعت و عزت مرے اعمال و افعال کی وجہ سے باقی نہ رہی البتہ میرانے کے بعد کفن نے ان دامنوں کو چھپا لیا۔ طہائلی اور اسی قہارے ہیں کہ تنگ وجود ہونے کو برہنگی سے تعبیر کیا ہے۔ لفظ پاتکابہ شاعر کے ذہن کو ادھر لے گیا وہ تنگ وجود اس جگہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ طہائلی جب شرح سے عاجز آجاتے ہیں تو خود کو نہیں غالب کو قصود وار ٹھہراتے ہیں۔ شعر بے معنی ہے۔ یہ لفظ ٹھیک نہیں ہے۔ وغیرہ وغیرہ حالانکہ شعری حکمران ہے کہ میرے نگے پن کو کفن نے ڈھانپا دور ہر لباس میں میری شرم و فہرت مجموعہ تھی۔ غالب کے سکاٹیپ گواہ ہیں کہ اس کو ہندوستان کی غلامی کا سخت احساس تھا۔ غلام کتنا ہی خوش پوش ہو وہ غلام ہی رہتا ہے۔ یہ ذلت اس وقت جا کر دور ہوئی جب کہ فہرت کے احساس نے ذلت سے بے نیاز بنا کر غلامی کے خلاف جہاد کرایا اور شہید ہو گیا۔ چنانچہ جو لوگ آزادی کی جدوجہد میں شہید ہوئے وہ لوگوں میں باعزت اور ہرولعیز ہوئے۔

دوسرا اور شاہی گھرانوں میں جو شکست خودی پیدا ہوئی تھی اس سلسلے میں اسے احساس یہ قہار

لکھ سے ہم کو ہمیشہ رفتہ لاکھ کیا تھا خاصا ہے محتاج بدو کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رجن ہر
یہی جذبہ اس شعر میں بھی پنہاں ہے:

ہے تاز مقلد ذرا دست رفتہ ہوں کل فروش شوقیہ داغ کس ہنوز

غالب کو قید کیا گیا چو سر کھینے کے الزام میں، لیکن اتنی بڑی شخصیت کو جو انگریزی حکومت کا بھی دربار نہیں تھا، چو سر کھینے پر قید نہیں کیا جاسکتا تھا۔ غالب کے سکاٹیپ میں عام جذبات دال ہیں کہ چو سر ہٹاؤ تھا، اس طرح غالب کے ہاں کچھ آزاد خیال لوگ ایکنے ہوتے تھے غالب اس گلدستہ کا دھماکہ تھے۔ انگریز برداشت نہ کر سکا کہ اس کے خلاف غالب کا گھر سازش کر رہے ہیں۔ غالب نے اس قید کے تاثرات مختلف شعروں میں بیان کئے ہیں:

بکہ ہوں غالب امیری میں بھی آتش زہیا مومن آتش دیدہ ہے حلقہ سری زنجیر کا

انہاں چارہ سازی و دشت نہ کر سکے زنداں میں بھی طیلان جاباں نورو تھا

گر کیا نامح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی یہ جنون عشق کے انداز چھٹ جانیں گے کیا

خاندان دلف ہیں زنجیر سے بھاگیں گے کیوں ہیں گرفتار دلف زنداں سے گھبراہٹیں گے کیا

غالب کی سیاست دانی حاکمان نہیں تھی، دنیائے جدید کا سنے سے ناپا فلسفہ حیات اشتراکیت (کیونزم) ہے اور آج کی دنیا کی کوئی نصف آبادی اسے قبول کر چکی ہے۔ شاعر مشرق اقبال کا دل مارکس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

صاحب سرمایہ از نسل ظلیل یعنی آن ظہیر ہے ہر نیکل

یعنی "سرمایہ" نام کی کتاب کا مصنف یہودی النسل کا مل مارکس جغیران کتب کا مالک ہے۔ البتہ اس کتاب کو

جبرئیل میں لائے۔ ایک اور جگہ کہا ہے:

وہ عظیم بے جلی وہ سکا ہے صلیب نیست و خیر و یحییٰ در بخل دارو کتاب

یعنی وہ ایک سوئی ہے جو کسی طور پر نہیں گیا۔ وہ ایک عیسٰی ہے جو کسی صلیب پر نہیں چڑھا۔ بے شک وہ ظہیر نہیں۔ لیکن کتاب ظہیرانہ رکھتا ہے اس کا دل مارکس نے قبولیت عامہ کا جو قسط اچھلا کر لیا ہے اس کا محور نقطہ یہ ہے کہ دنیا کے معاشرتی نظام کی بنیاد ظلم پر قائم ہے۔ ایک طبقہ اس تمام فلاح کا مالک بن جاتا ہے جو در حقیقت مزدور اور کسان کی محنت کا ثمر ہے۔ لہذا اس نظام کے خلاف بغاوت ناگزیر اور قدرتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ خود سرمایہ دارانہ نظام کے اندر اس کے خلاف انقلاب کے جراثیم پرورش پا رہے ہیں وہ کسی مددگار کی مانند ہلک سے پھٹ کر اس سر دشت کو سرے سے الٹ کر رکھ دینے کا باعث ہوں گے۔ غالب نے نہ مارکس ازم چڑھانے لیکن ازم اور نہ ہی اس کی تشبیہ و دید میں اشتراکیت (کیورنزم) آئی لیکن اس کی فکر رسا سے یہ سیاسی فلسفہ بچ کر نہ رہا چنانچہ کہتا ہے:

مری عصو میں مضربے اک صورت خرابی کی بوسلے برق غریب کا ہے خون گرم دہقان کا
یہ معلوم بات ہے کہ شاعر اپنے شعروں میں خلل "میں" اور "تو" وغیرہ اس معنی میں استعمال کرتا ہے کہ ان سے دعا دنیا بحیثیت کل یا جزا یا اس کا کوئی واقعہ و نظریہ ہوتا ہے۔ نیز کہتا ہے کہ:

مقصود ہے باز و غزوہ و لے کشنگو میں کام چتا نہیں ہے دشت و غلج کے بغیر
اسی بنا پر اقبال کہتا ہے کہ:

جس کھیت سے دہقان کو میر نہیں روزی اس کھیت کے ہر غروب گندم کو جلا دو!
اقبال نے تجویز کیا تھا کہ غالب نے تجویز بھی کیا ہے:

کار گاہ ہستی میں لالہ داغ سلاں ہے برق غریب راحت خون گرم دہقان ہے
اسی کا دل مارکس کا کہتا ہے کہ مزدوروں کی فائدہ بخشی سے ناہائز فائدہ اٹھا کر سرمایہ داروں نے معمولی اجرت کے معاوضے میں اپنے لئے عالی شانہ عمارتیں بنوائی ہیں۔ یہ ظلم ہے اور اس کا طبعی نتیجہ طبقاتی کشمکش کو جنم دینا اور انقلاب پیدا کرنا ہے۔ ٹھیک اسی تصور کے تحت غالب عالی شانہ محلات کے مالکوں سے خطاب کر کے کہتا ہے:

دیوارِ دارِ مست مزدور سے ہے خم! اے خانانِ خراب نہ احسان اٹھائیے

محلات میں غلامی خمیرات دیکھ کر اسے غالب وہ خم قرار دیتا ہے جو بوجھ تلے دب کر پیدا ہو۔ محبت پوری دی جائے تو عوض معاوضہ لگے دیوار! مگر امیر مزدور کو ٹھیک مزدوری نہیں دیا کرتے اس لئے انہیں دیوار کہتا ہے کہ اے خانانِ خراب! اے ظلم پر اپنے گھر کی بنیاد رکھنے والو! دیوار ہو جاؤ مزدوروں کے احسان کے بوجھ تلے تساری دیواروں میں خم آچکا ہے۔ یہ دیوار نواہ عرصہ یہ بوجھ سہار نہ سکے گی۔ اور امارت کا یہ عالی شانہ محل ہلے و مزام سے ڈیر ہو کر رہ جائے گا۔

میں نے مصداق بنتے نمونہ از قردارے 'غالب کے چند اشعار پیش کئے جن میں مجھے سیاسی انکار کا ہر ذوق نظر آتا ہے اور یہ پہلو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

پروفیسر گوپی چند نارنگ

غالب کا جذبہ حب الوطنی

اور

سنہ ستاون

مرزا غالب سنہ ستاون کے ہنگامہ میں شروع سے آخر تک دہلی میں رہے۔ اس زمانے کے حالات «سنی ۱۲۵۵ھ (۱) سے ۳۱ جولائی ۱۸۵۸ء (2) تک انہوں نے اپنی قاری کتاب دخیو میں لکھے ہیں۔ ہنگامہ کے دنوں میں غالب پر جو گزری "اس کا ذکر دخیو کے علاوہ ان خطوط میں بھی ملتا ہے جو "نہجۃ" زیادہ آزادی اور بے پائی سے لکھے گئے ہیں۔ غالب کی دہلی و دہلی یا انگریزوں کے قسب ان کے سچے جذبات معلوم کرنے کے لئے صرف دخیو کے بیانات پر نظر رکھنا کافی نہیں۔ بلکہ غالب کی شخصیت "ان کے مزاج اور ان کے مخصوص حالات کو چھاننا بھی ضروری ہے نیز وہ خطوط اس بارے میں بے حد اہم ہیں جو انہوں نے اپنے خاص خاص دوستوں کو لکھے تھے اور جن میں ان کا چنانہ دل بے تابانہ جھلک گیا ہے۔

۲

مرزا غالب ہنگامہ سنہ ستاون میں خیال سمیت اپنے گھر میں رہے۔ (3) ایک خط میں وہ لکھتے ہیں "میں مع ذل و فرزند ہر وقت اس شرمیں قلم خون کا شہور ہوں۔ وروانہ سے باہر قدم نہیں رکھا۔ نہ پکڑا کیا نہ لگا کیا نہ قید ہوا۔ نہ مارا کیا۔" (4) لیکن دہلی پر انگریزوں کا دوبارہ تصرف ہو جانے کے بعد غالب پر پے در پے سختیوں نازل ہونا شروع ہوئیں۔ اس وقت وہ محلہ ملی ماران میں تحکیم محمد حسن خان کے مکانات میں رہتے تھے۔ فتح شہر کے بعد پانی وغیرہ کا سلسلہ بھی بند ہو گیا اور وہ دن بے شب و دن بھر کرنا پڑے (5) تیسرے روز تحکیم محمود خان کے خانہ دانی مکانات کی حفاظت کرنے کے لئے سارا راجہ پٹیلالہ کے پیچھے ہوئے سپاہی آپہنچے اور ان کی وجہ سے مرزا کا گھر قتلوت سے بچ گیا۔ (6) لیکن جو حقیقی سالن اور زیورہات ان کی دیکھنے کے خیال سے میاں کالے صاحب کے قہر خانے میں رکھائے تھے "انہیں فتح مند فوج نے لوٹ لیا۔ (7) چند گورے غالب کے گھر میں بھی کراہل ہوئے اور انہیں گرفتار کر کے کرنل برن (8) کے سامنے پیش کیا جو قریب ہی حاجی قلب الدین سوداگر کے گھر میں مقیم تھے۔ باز پرس ہوئی۔ (9) زندگی باقی تھی کہ مرزا بچ گئے۔ (10)

اواخر ۳۱ جنوری کے لگ بھگ کچھ فوجی ان کے بھائی مرزا یوسف کے گھر میں تھیں گئے اور سب کچھ لے گئے۔ مرزا یوسف تین سال کی عمر سے دلہا لے گئے۔ ۱۸ اکتوبر کو مرزا یوسف کا بوڑھا ملازم خیر لیا کہ مرزا یوسف پانچ دن کے

مسلسل بخار کے بعد رات کو گزر گیا۔ اس وقت نہ کھن کا کپڑا مل سکا تھا نہ غسل میر تھا اور نہ کوہ کن۔ غالب کے بھائیوں نے ان کی بے کسی پر رحم کھلایا اور پیالہ کے سپاہیوں میں سے ایک کو ساتھ لے جا کر مرزا یوسف کی قہقیر و ہنسیوں کی (17)

غیر کے دوران میں ان کے دوستوں، عزیزوں اور شاگردوں میں سے کسی قتل ہوئے کسی انگریزوں کے محتوب نصیرے اور کئی خائیاں ہریادہ دلی سے نکل گئے۔ امام بخش صہبائی کو کوئی مار دی گئی، عمر حسین آزاد کے والد محمد باقر بھی کوئی کا نشانہ بنے مولوی فضل حق خیر آبادی کو کالے پانی کی سزا ہوئی۔ شیلٹ کو جس ملت سالہ کا حکم سنایا گیا۔ صدر الدین الزمہ کی ملازمت موقوف اور جائیداد ضبط ہو گئی۔ نواب ضیاء الدین اور نواب امین الدین دہلی پر انگریزوں کے غلبے کے بعد لوہارو کے لئے روانہ ہوئے، ابھی صر دلی تک ہی پہنچے تھے کہ ٹھیکروں نے لوٹ لیا (18) اور دہلی میں ان کا گھر تاراج ہوا اور تقریباً "میں ہزار روپے کی مالیت کا کتب خانہ لٹ گیا۔ مرزا کا قاری اور اردو کلام ان کے پاس جمع ہوتا تھا وہ بھی ضائع ہو گیا۔ (19) مظفر الدین حیدر خان اور ذوالفقار الدین حیدر خان (حسین مرزا) پر اس سے بھی بڑھ کر گزری۔ نہ صرف ان کے گھروں پر بھانڈا بھر گئی بلکہ پردوں اور سائیاؤں میں ایسی آگ لگی کہ گھر کا گھر جھک گیا۔ (14) یوسف مرزا کو خط لکھتے ہوئے ان مصیبتوں کا ذکر یوں کیا ہے :-

"میرا حال سوائے میرے خدا اور خداوند کے کوئی نہیں جانتا۔ آدمی کثرتِ فتن سے سودا ہی ہو جاتا ہے۔ مشکل جاتی رہتی ہے۔ اگر اس جہنم فتن میں میری قوتِ خشک میں فرق آگیا ہو تو کیا جب ہے بلکہ اس کا بار نہ کرنا غصب ہے۔ پوچھو کہ غم کیا ہے، 'غم مرگ'، 'غم فراق'، 'غم رفق'، 'غم عزت'، 'غم مرگ' میں قلعہ نا مبارک سے قطع نظر کر کے اہل شر کو گنتا ہوں، 'مظفر الدولہ'، 'میر ناصر الدین'، 'مرزا عاشور بیگ' میرا بھانجا، اس کا بیٹا احمد مرزا انھیں برس کا بچہ، 'مصطفیٰ حسن امین اعظم الدولہ' اس کے دو بیٹے اور قاضی خان اور مرتضیٰ خان، 'قاضی فیض اللہ' کیا میں ان کو اپنے عزیزوں کے برابر نہیں جانتا تھا۔ اسے تو بھول گیا۔ حکیم رضی الدین خان، 'میر احمد حسین'، 'یکل'، 'اللہ اللہ'، 'ان لوگوں کو کہاں سے لائیں' (15)

ایک اور خط میں لکھتے ہیں :

"یہ کوئی نہ کہے کہ میں اپنی بے مددگی اور چھٹی کے غم میں مر رہا ہوں۔ انگریز کی قوم میں سے ہر ان دوسرا کالوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے، اس میں کوئی میرا امید گاہ تھا اور کوئی میرا شفیق اور کوئی میرا دوست، کوئی میرا پار اور کوئی میرا شاگرد، ہندوستانوں میں کچھ عزیز، کچھ دوست، کچھ شاگرد، کچھ مشفق، سوا سب کے سب خاک میں مل گئے۔ ایک عزیز کا نام کتنا سخت ہوتا ہے جو اتنے عزیزوں کا نام دار ہو اس کو دوست کیونکہ نہ دشوار ہو۔ ہائے اتنے پار مرے کہ جو اب میں مولاں گا تو میرا کوئی دوستے والا بھی نہ ہو گا" (16)

دعوت میں غالب لکھتے ہیں :

"دوبی ماتم کوہِ جلاوس۔ اگر گزر کر ستن بہ گھر ستن مری داشت باشد، روزان دیدہ بخاکِ اہلست ہار
جز روز سیاہ بیچ نیست کہ گویم دیدہ کن دید و برش دید ازیں ہزار۔ روز سیاہ خود تجزی است کہ دو تار کی آس

پچ عرصے میں۔۔۔۔۔ افسر در ہائے دارو گویں 'و رطم ہائے مریم چنبر' آں می بلو اند شید کہ من مرود اسم" (17)

۲

مضی صدوں اور چند دوسری دہوں سے غالب ندر کو ایسے لفظوں میں یاد نہیں کرتے تھے۔ دجنو میں غالب نے ندر کی بحر کے خدمت کی ہے۔ انہوں نے ندر کی تاریخ "مر سیرکھا" سے نکالی تھی۔ (18) دجنو میں انہوں نے انگریزوں کے خلاف لڑنے والے اپنے ہم وطنوں کو "ملک حرام" "نصیبت و آوارہ" "بندہ ہائے بے خداوند" "سیاہ باطن" "بے رحم قاتل" "مگراہ باطنی" "سیہ کار دہزن" اور "سیاہ رو جنگ جو" کے خطابات سے یاد کیا ہے۔ (19) میرٹھ کی فوج کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :

"بخت بر گشت و سرگشت چند از سیاہ کینہ عوا میرت (میرٹھ) مسترد آمدہ 'جہد بی آ۔ دوم دشور انگیرز و بخداوند کشتی تختہ خونی انگریز۔۔۔۔۔" (20)

ایک اور جگہ لکھا ہے :

"..... دلی کہ طون باد۔۔۔۔۔ و دستی کہ بر جلد۔۔۔۔۔" (21)

لیکن یہ تصور کا صرف ایک رخ ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ غالب نے دجنو میں ندر کی مخالفت اور ہانیوں کی بی بحر کے خدمت کی ہے بلکہ انگریزوں کی مدح و ستایش کا بھی کوئی موقع پا تھ سے نہیں جانے دیا۔ غالب نے انہیں "حاکمان عادل" "اختر تابندہ" "شیر دل قاتلین" "بیکر علم و حکمت" اور "طوفان اخلاق و تیک نام حاکم" کہہ کر یاد کیا ہے۔ (22) اس سلسلے میں دجنو کے یہ اقتباسات ملاحظہ ہوں :

"ہمدان دامن داوگران از دست داوند و در کھنہ دام بھدی و دان الفتد" (23)

"واد آست کہ آرامش جز در آئین انگریز آئین پای دگر ہستم دافن کوری است۔" (24)

"ہر کہ گردن از فرماندایان چہد سرش در خود کشتن است..... جہانیاں را سزد کہ بانداوندان بخت

خداوا" بہ خوشنودی سر فرود آرد و میدان فرمان جہانداراں را پذیرے فتن فرمان جہان آفرین نگارد" (25)

ندر کے بعد دلی کے ہر حالات تھے "جس طرح جگہ جگہ پھنسیاں لگی ہوئی تھیں اور جس طرح باشندگان دلی کے قتل و خون کا بازار گرم تھا (26) ان حالات میں غالب سے بغاوت کی موافقت یا انگریزوں کی مخالفت کی توقع تو نہیں کی جاسکتی۔ لیکن غالب نے جس طرح بندہ چڑھ کر انگریزوں کی مدح و ستائش کی ہے وہ خاصی معنی خیز ہے۔ آخر ایسی کیا بات تھی کہ غالب اس درجہ تعریف پر مجبور تھے ؟ اس سوال کے جواب میں مندرجہ ذیل حالات کا علم دلچسپی سے غل نہ ہوگا۔

۱۸۵۵ء میں غالب نے ملکہ وکٹوریہ کی تعریف میں ایک فارسی قصیدہ لکھ کر لارڈ کیننگ کی معرفت ولایت بھجوا دیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک عرضداشت تھی کہ روم اور ایران کے بادشاہ شامیوں پر بڑی بڑی مہربانیاں کرتے ہیں "اور اگر برطانیہ کی ملکہ مجھے خطاب" شعلت اور پشش سے سرفراز کرے تو بڑی عنایت ہوگی۔ غالب کو جنوری ۱۸۵۷ء میں لندن

سے جواب ملا کہ درخواست پر تحقیق کے بعد حکم صادر ہوگا۔ (27) اس جواب کو پا کر مرزا "کوئین پینٹ" ہونے کا خواب دیکھ رہے تھے کہ تین ماہ بعد خود ہو گیا۔

خود کے ایام میں ایک ماسوس گوری فکر نے انگریزوں کو خطیہ اطلاع دی کہ ۱۸ جولائی ۱۸۵۷ء جب بہادر شاہ نے دربار کیا تو مرزا غالب نے سکے کہہ کر گزارا (28) چنانچہ اسن قائم ہونے کے بعد جب غالب نے جشن اور دربار بحال کئے جانے کے لئے سلسلہ جنگی کی تو انہیں صاف صاف کہا گیا کہ وہ خود کے دنوں میں ہاتھوں سے انعام رکھتے تھے اور اس بنا پر ان کی جشن اور دربار موقوف رہا۔ عہد المنور سرور کو گھٹتے ہیں۔

”سکہ کا وار تو مجھ پر ایسا چلا جیسے کوئی چھرا کوئی گراب“ اس کو کسوں نے ”سک کو گواہ لایا“ (30)

اس الزام میں جو سکہ غالب سے منسوب کیا جا رہا تھا:

بزدل نہ سکے کشور ستانی

سراج الدین بہادر شاہ خانی

اس کے بارے میں غالب کا خیال تھا کہ اسے ذوق نے ۱۸۵۳ء میں بہادر شاہ کی تختہ نشینی کے موقع پر کہہ کے پیش کیا تھا۔ (31) اس لئے غالب دوستوں سے ۱۸۵۳ء کے اخبار اور خصوصاً ”اردو اخبار“ مانگتے تھے۔ (32) یہ اخبار محمد حسین آزاد کے مولوی محمد باقر کا تھا جن کے ذوق سے کمرے مرام تھے اور ذوق کے کئے ہوئے سکے کا اس اخبار میں ملتا جلتی تھا۔ یوسف مرزا کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

”وہ دلی اردو اخبار کا پرچہ اگر مل جائے تو بہت مفید مطلب ہے“ ”ورنہ خیر کچھ عمل خوف و خطر نہیں ہے۔“

دکام صدر ایسی باتوں پر نظر نہ کریں گے۔ میں نے سکے کیا نہیں؟ اگر کہا تو اپنی جان اور حرمت بچانے کو۔ یہ گناہ نہیں اور اگر گناہ ہے بھی تو کیا ایسا سنگین ہے کہ ملکہ مظفر کا اشتہار بھی اس کو نہ ملا سکے۔

سبحان اللہ! گولہ انداز کا ہارو پٹا اور تہیں لکٹی اور بنگ گمر اور نیگریں کا لوٹا معاف ہو جائے اور شاعر کے

”دو مصرعے معاف نہ ہوں۔“ (33)

یہاں اصل بیان صرف اتنا نہیں کہ ”میں نے سکے کیا نہیں“ جیسا کہ مالک رام کا خیال ہے (33) بلکہ اس کا دوسرا حصہ یعنی ”اگر کہا تو اپنی جان اور حرمت بچانے کو کہا“ اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ پہلا حصہ۔ اور اس کے بعد کے تمام جملے اعتدال کا اندازہ رکھتے ہیں جنہیں نظرائے اذ نہیں کیا جاسکتا۔ ان جملوں سے غالب کے دل کا چہرہ صاف ظاہر ہے اس امر کا قوی امکان ہے کہ غالب نے سکے کہا تھا اور اسے بہادر شاہ کے حضور میں پیش بھی کیا تھا۔ ایک سکے کا ذکر جیون لال نے اپنے روزنامہ میں کیا ہے۔ اس روزنامہ کا انگریزی ترجمہ مکلف نے کیا تھا اور طراچ حسن لکھایا نے اسے مع ایک اور روزنامہ کے انگریزی سے اردو میں ترجمہ کر کے ”خود کی صبح و شام“ کے نام سے شائع کیا تھا۔ جیون لال نے ۱۸ مئی ۱۸۵۷ء کے وہار کا ذکر کرتے ہوئے جہاں دوسرے کئی شاعروں کے سکے نقل کئے ہیں وہاں غالب کا سکے درج کرتے ہوئے بچانے ان کا پورا نام لکھنے کے محض ”مرزا نوشہ“ لکھنے پر اکتفا کی تھی۔ مکلف غالب“ اس نام سے واقف نہیں تھا اس کے انگریزی ترجمے میں یہ نام حذف ہو گیا۔ خواجہ حسن لکھایا نے چونکہ انگریزی ترجمے سے

ترجمہ کیا تھا۔ یہ نام ان کے ترانے میں بھی موجود نہیں ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے جیون لال کا قلمی رولناچہ لندن میں شائع کیا۔ اس میں مرزا نوشہ یعنی غالب سے منسوب یہ سکہ شعر یوں ہے۔

بزر آفتاب و نورا

سکہ زر در جہاں بہادر شاہ

ابنہ گوری فکر نے غالب سے جو سکہ منسوب کیا تھا:

بزر زر سکہ کشور ستانی

مہراج الدین بہادر شاہ طانی

وہ غالب کا نہیں تھا۔ مالک رام نے صلیح الاخبار کے حوالے سے حتی طود پر ثابت کیا ہے کہ یہ سکہ حافظ غلام رسول دیران قیضہ لوقی کا تھا۔

اگرچہ جو سکہ غالب سے منسوب کیا جا رہا تھا وہ غالب کا نہ تھا، لیکن غالب اس الزام سے اپنی برکت ثابت نہ کر سکے۔ قلعہ کی کھڑا تو کئی ہی حتی چٹن اور دربار کے معاملہ میں بھی ذک اٹھانی پڑی دخیو میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"دیرین چٹن سرکار انگریزی را سررشتہ بازیافت گم است" بغیر حقن کس مسرتونی و پشیدنی جان و تن
ہی پرورم کوئی دیگران بیان بخورند "ومن جامہ ہی خورم" ترسم کہ چون پشیدنی ہمہ خورہ باشم "در برنجی از
مرجلی مرہ باشم" (336)

اس وقت غالب کی سب سے بڑی ضرورت چٹن کا اجرا تھا اور یہ انگریزوں کو اپنی ولاداری کا یقین دلانے بغیر ممکن نہ تھا۔ اس کے لئے راج دہلی کے بعد غالب نے ملکہ وکتوریہ کی تعریف میں ایک قاری قصیدہ لکھا جس میں انگریزوں کو فتح ہند کی مبارک دی گئی تھی۔ غالب نے اسے حکام ہلا کو بھجوا دیا۔ جواب ملا کہ چیف کاشنر کے ذریعہ بھجوا دیا جائے۔ غالب نے ایسا کیا۔ اس پر جواب ملا جس خط میں قصیدہ کے سوا کچھ نہیں ہے "اس کے پیچھے کی ضرورت نہیں ہے (337) یہ جواب بڑا دل شکن تھا۔ ان حالات میں جو کام قصیدوں سے نہ ہو سکا غالب نے اسے دخیو سے لینا چاہا۔ ہر گز یہال قلعہ کو جس کی گمرانی میں دخیو چھپ رہی تھی۔ غالب ایک خط میں لکھتے ہیں:

اس تحریر (دخیو) کو جب دیکھو گے تب چاہو گے۔۔۔ ایک جلد نواب گورنر جنرل بہادر کی نذر کیجیوں گا اور
ایک جلد ذریعہ ان کے جناب ملکہ مسطرہ انگلستان کی نذر کروں گا اب سمجھ لو کہ طرز تحریر کیا ہوگی" (338)

اس بیان سے ظاہر ہے کہ دخیو کی طاقت بعض مصلحتوں کے پیش نظر تھی۔ دلی پر باغیوں کا قبضہ کچھ اونچے چار
ہا رہا۔ غالب نے اس کا ذکر صرف پانچ چھ سطروں میں کیا ہے۔ بیشتر محققین اس بات پر متفق ہیں کہ مرزا نے ان ایام
کے حالات شروع میں تحصیل سے لکھے ہوں لیکن راج دہلی کے بعد ان کی اشاعت مناسب نہ سمجھی ہو۔ دخیو دراصل
صاحبان انگلستان کو نذر کرنے کے لئے چھپائی گئی تھی جس کا سبب یہ قول غالب ہے تھا: "مسائل محکمہ ولایت کو یاد دہی
کرتا ہے اور گورنمنٹ سے قصین طلب ہے" (339)

دعوت میں غالب نے ملکہ دکنویہ والا فارسی قصیدہ "شادیافت" (دود گاریافت) بھی شامل کر دیا اور آخر میں اپنی خواہش کو صاف الفاظ میں یوں ظاہر کیا:

"کاش دربارہ آتن خواہشای سر گاند، مانا مرغزان، و سراپای، و مایہ، چنان کہ ہم درین نگارش از آن گزارش آجی وارد ام و ایک چشم نگران بدان بدخت و دل پر امید بدان خواہ ام (40)"

دعوت میں غالب نے بہادر شاہ ظفر کا جس کے وہ ولیکے قرار تھے اور استاد بھی تھے سرے سے نام ہی نہیں لیا۔ شہزادوں کا ذکر کیا ہے، لیکن سرسری طور (41) پر۔ اور تو اور فضل حق خیر آبادی اور صدر الدین آذرہ کا بھی (جنہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کے فتویٰ پر دھچکا کئے تھے اور جس کی پاداش میں فضل حق خیر آبادی کو کالے پانی کی سزا ہوئی تھی) اور آذرہ کی عازمت موقوف اور جانیہ او ضیہ کمل گئی تھی) جو دونوں غالب کے گہرے دوست تھے، غالب نے ان کا ذکر نہیں کیا اور اگر کیا تو صرف حکیم احسن اللہ خاں کا جو (42) انگریزوں سے ملے ہوئے تھے اور جن کا نام ندادوں کی فہرست میں سب سے اوپر تھا!

دعوت کا یہ پہلو بھی دل ہمیں سے خالی نہیں کہ غالب نے غدر کی ساری ذمہ داری "منک حرام" سپاہیوں اور "طبیعت و آوارہ" ہندوستانی فوجیوں پر ڈالی ہے اگرچہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ہندوستانوں نے اپنی ضائع ہوتی ہوئی سلطنت کو بچانے کے لئے سردھڑ کی بازی لگادی تھی۔ غالب نے دہلی کے گرد و فواح کے سات حکمرانوں اور کھنڈوں بریلی، مراد آباد، گوالیار اور فرخ آباد کے عہدیدوں کی کوششوں کا ذکر خاصی تفصیل کے ساتھ کیا ہے (43) لیکن غدر کی ذمہ داری وہ حکمران ملے یا عقد اشرافیہ پر ڈالنے کے لئے ہرگز چار نہیں تھے شاید اس لئے کہ خود ان کا تعلق عقد اشرافیہ سے تھا۔

۳

اس مقالہ کے باقی حصہ میں اب ہم اس سوال کو لیں گے کہ غدر کے بارے میں غالب کا اصل رویہ کیا تھا؟ کیا واقعی وہ انگریزوں کو حکومت کو ہندوستان کے لئے نعمت سمجھتے تھے اور جس طرح ان کے ہم وطنوں نے ملک اور قوم کی آزادی کے لئے سردھڑ کی بازی لگادی تھی، غالب اسے اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے اور ان سے انہیں کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ اس سوال سے بحث کرتے ہوئے غالب کی سیرت کو بھی نظر میں رکھنا ضروری ہے۔ غالب سچے معنوں میں مظل تھے جو بھول محمد اکرام "سازگار حالات میں میر کا دوا بن جاتا ہے" لیکن حمید ہونے سے گھبراتا ہے۔ (44) غالب کی طبیعت کا تمام رجحان "خیال پرستی نہیں بلکہ واقعیت پرستی کی طرف تھا" یہ بات ان کی درافت "ماحول" حالات زندگی اور اردو اور فارسی کلام کو سامنے رکھنے سے بخوبی صاف ہو جاتی ہے مرزا ترکی نسل سے تھے اور ان کی رگوں میں وہی خون موجزن تھا جو مغل بادشاہوں کی رگوں میں تھا۔ چنانچہ جاہ و جلال اور ثروت و شہت کی خواہش ان کی کھلی میں پڑی تھی۔ گو قدرت سے انہیں یہ چیزیں سیرتہ آئیں، لیکن جہاں تک بن پڑا انہوں نے انہیں بھانے کی کوشش کی وہ شہدائے حق سے و فداکاری اور ذاتی وجاہت کے قائل تھے اس کے لئے انہوں نے سز بھی کئے، دیکھ بھی سے اور عقد سے بھی لڑے۔ ان کا عرق دیا تھا اور بظہر حسرت باد پانے کی قہتا ساری عمر دی۔ بھول خود وہ "شہد کی کہنی" بچنے کے

خلاف تھے "مصری کی کہی" ہونے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ (45)

غالب کی نظر انگریزوں کے علم و آئین اور داد و دانش پر ضرور تھی، لیکن اس کے ساتھ ہی ان کی نظر مستقبل پر بھی تھی۔ نرزا کی جاگیر حکومت اعلیٰ کا عطیہ تھی۔ بہادر شاہ اور قلعے کی محفلوں کو وہ چراغ سہی سمجھتے تھے۔ (48) اس سے انھیں کوئی کمری وابستگی نہ تھی۔ اس کے برعکس کئی انگریزوں مثلاً "اسٹرنگ" "ہیمرہاں کوپ" "سرہاں میکڈ" خلاف اور ٹامس سے ان کے خالصانہ تعلقات تھے۔ وہ نہ صرف انگریزوں کے مدافع تھے بلکہ انگریزی آئین کو بھی مفید نظام پر ترجیح دیتے تھے۔ چنانچہ جب سرسید نے آئین اکبری کی تصحیح کر کے مرزا کی رائے طلب کی تو انہوں نے جو مشوری لکھی "اس میں بجائے تعریف کے تخریص کا پہلو نمایاں تھا۔ اس لئے سرسید نے اسے کتاب کے ساتھ شائع نہ کیا۔ نیز خود سے دو سال پہلے جب فیصلہ ہوا کہ بہادر شاہ کے بعد شاہی سلسلہ ختم ہو جائے گا تو غالب نے بھی اپنے مستقبل کو انگریزوں سے وابستہ کرنے کی کوششیں شروع کر دیں چنانچہ ملکہ وکنورہ کی تعریف میں لاؤڈ کیسٹنگ کی معرفت ولایت بھجوا یا گیا فارسی قصیدہ اسی کا نتیجہ تھا۔

خود سے کچھ پہلے انگریزوں کی غاصبانہ کارروائیوں کے خلاف ملک میں نفرت اور بے چینی کی جو لہر اٹھی، اس نے بھی "حقی" غالب اس سے بڑے خیر نہ تھی۔ اس سلسلے میں غالب کے ان خطوں کا ذکر ضروری ہے جو انہوں نے نواب یوسف علی خان والی رامپور کو لکھے تھے اور بعد میں غالب کی ہدایت پر چاک کردئے گئے تھے۔ مکاتیب غالب میں ۱۵ فروردی ۱۲۷۸ء کا خط موجود ہے لیکن اس کے بعد غالب نے نواب رام پور کو ۸ مارچ ۱۲۷۹ء کو دو خط لکھا تھا اس کے بارے میں مرتب مکاتیب غالب کا بیان ہے "مثل میں صرف اس کا الفاظ شامل ہے اور اس کی پشت پر تحریر ہے۔ حسب التعمیم چاک نمودار شد" (47) عرش صاحب نے مزید لکھا ہے "میزرا صاحب نے یکم اپریل ۱۲۷۹ء کو ایک اور عرض ارسال کیا تھا۔ مثل میں اس کا بھی صرف الفاظ شامل ہے اور اس کی پشت پر تحریر ہے : عرضی از دست مبارک چاک شد" (48) حواشی مکاتیب غالب میں عرش صاحب نے نواب رامپور کا ۲۳ مارچ ۱۲۷۹ء کا خط بھی نقل کیا ہے جس میں انہوں نے غالب کو یقین دلایا تھا کہ ان کے لکھنے کے مطابق ان کا خط ضائع کر دیا گیا "مجھے مسرت آگئی۔۔۔ مشعر رسید و تمت الوداد و اینکه صحائف شرائف عبارت اردو بعد حادثہ چاک شدہ باشند۔۔۔ وصول نظام شمول گردید۔۔۔ شفقاً! حسب الارقام سای مجید موصوف بعد استغاضہ" مضمرات چاک نمودار شد و آنکہ ہم دربارہٴ چاک مکاتیب قبیل ایجابی سای طوط خواہ نام" (49)

ظاہر ہے کہ یہ خط و کتابت عینہ راز قلمی اور ایسے تمام خطوط غالب کے حسبِ ہدایت چمک کر دیئے گئے۔ اس ہدایت کی کیا وجہ ہو سکتی تھی؟ مرثیہ صاحب کا خیال ہے ^{۱۸۰} اس ہدایت کی وجہ مجھ اس کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ ان تحریروں کا منہوں سیاست سے متعلق تھا (۱۹۰)

مولانا ابوالکلام آزاد نے کلام رسول مرکی کتاب پر حواشی لکھتے ہوئے ان خطوں کے بارے میں لکھا ہے کہ دہلی میں خود سے دو ماہ پہلے ہی تشکیل انقلاب اور فوجی حکومت کے چرچے شروع ہو گئے تھے اور جب ہمیں کہ مرزا غالب نے ان امور کی طرف لکھا ہو اور اس لئے احتیاط متقاضی ہو کہ یہ خطوط چاک کر دیئے جائیں۔

ابھی رام پور سے یہ خط و کتابت ہو رہی تھی کہ غدر کی آگ بھڑک اٹھی۔ غالب نے یہ نقصانے ہوش مندی پنجم کے دوران میں قلعہ والوں سے برابر بٹائے رکھی۔ ان کا یہ جان کہ غدر کے دنوں میں انہوں نے کیا جانا موقوف کر دیا اور دودھانے سے باہر قدم نہیں رکھا (51) صحیح نہیں۔ جیون لال نے اپنے دو کتابے میں ۳ جولائی کے دربار کا ذکر کرتے ہوئے واضح طور پر لکھا ہے کہ مرزا قوث اور حکرم علی خان نے آگرہ میں انگریزوں پر فتح پانے کی خوشی میں تصایف چاہ کر سٹائے۔ آگرہ کے اہلکار عالتاب کی سند بھی موجود ہے کہ غدر کے دوران میں غالب قلعہ میں قسیدے پڑھتے رہے۔ نیز اگرچہ جو سکے غالب سے منسوب کیا جا رہا تھا وہ ان کا نہیں تھا، لیکن کم از کم جیون لال کی شہادت موجود ہے کہ غالب نے سکے کیا تھا۔ اور وہ دربار آتے جاتے رہے تھے (52) غدر سے پہلے غالب کا انگریزوں کا طرفدار رہتا تھا۔ غدر کے دوران میں ان کا قلعہ والوں سے جاتے رکھنا اور فتح و ملی کے بعد فتح مند انگریزوں کا ساتھ دینا ایک اور صرف ایک بات کو ظاہر کرتا ہے وہ یہ کہ غالب انتہائی "واقفیت پسند" انسان تھے اور بدلے ہوئے حالات کا رخ دیکھ کر اپنی شخصیت کے لئے اقدام کرنا چاہتے تھے۔ یہ بات بھی غلط نہیں رہتی چاہئے کہ غدر سے چند ہی ماہ قبل غالب ریاست رامپور سے وابستہ ہوئے تھے۔ یہ ریاست غدر میں باغیوں کے خلاف انگریزوں کی حامی و مددگار رہی تھی۔ چنانچہ غالب کو مسلسل یہ خط لکھا ہوا تھا کہ ان کے خلاف ذرا سا بھی شبہ ہو گیا تو رام پور سے تعلقات منقطع ہونے سے ان کے کام بند ہو جائیں گے۔ اسی لئے تو غدر کے بعد رام پور سے مرسلت کرتے ہوئے غالب نے سب سے زیادہ زور اسی بات پر دیا کہ غدر میں وہ گوشہ گیر رہے اور انگریزوں کے دل و جان سے خیر خواہ ہیں (53) نیز غدر کے دوران اپنی مصلحتوں کے پیش نظر انہوں نے جو بدولت اختیار کی تھی 'غواب رام پور کے نام ۱۳ جنوری ۱۸۵۸ء کے ایک خط میں اس کا اعتراف صاف الفاظ میں کیا ہے۔

غالب نے غدر کو برے لفظوں سے اسی لئے یاد کیا ہے کہ علاوہ دوسری مصیبتوں کے اس کی وجہ سے ان کے مستقبل کا نقشہ بگڑ گیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اپنے ہم وطنوں کا یا ہندوستان کا ویدان کے دل میں نہیں تھا۔ دھنپور میں ایک جگہ اپنے خاص باواسطہ اسلوب میں کہا ہے

"لوست سنگ و اکھن نیست چراغ خود؟ چشم است رخسار و روزان نیست چوں گمرید" آری ہم بدراغ مرگ فرہاد ہاں باید سوخت، "وہم بدراغی ہندوستان باید گریست" (54)

لیکن غدر اور انگریزوں سے متعلق ان کے اصل رویہ کے لئے دھنپور سے نہیں، ان کے خطوں سے رجوع کرنا چاہئے جو راز داری میں دوستوں کو نکھے گئے ہیں۔ ان میں کسی مصلحت کا دھبہ نہیں اور دل کی بات ہڈی حد تک زبان پر آتی ہے۔

غدر سے چند ماہ پہلے اودھ کے اہلحق کے بارے میں ایک دوست کو خط لکھتے ہوئے کہتے ہیں۔ "اب ملاحظہ فرمائیں ہم اور آپ کس زمانہ میں پیدا ہوئے؟" "جہاں ریاست اودھ سے آنکھ بگائے شخص ہوں" "تھو کو اور بھی افسردہ کر دیا۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ سخت نا انصاف ہوں گے وہ اہل ہند جو افسردہ دل نہ ہوئے ہوں گے۔" (55)

جب غالب کو معلوم ہوا کہ مدارجہ الود کو پورے اختیارات کے ساتھ بحال کیا جا رہا ہے تو غالب جو جبر کے

مقیّدے میں تعین رکھتے تھے ' ایک خط میں طرہ لکھتے ہیں:

"تمام عالم کا ایک سا عالم ہے۔ سنتے ہیں کہ نومبر میں مبارکباد کو اعتبار ملے گا مگر وہ اعتبار ایسا ہوگا

جیسا خدا نے خلق کو دیا ہے۔ سب کچھ اپنے قصہ قدرت میں رکھا۔" آوی کو بدنام کیا ہے" (56)

غدر کے بعد انگریزوں نے ہندوستانوں پر جو مظالم ڈھائے تھے ' غالب کو ان کا احساس تھا۔ اپنے ہم وطنوں کی پامانی اور شہر کی دہلائی کا جو تذکرہ غالب کے ہاں ملتا ہے بڑا ہی درد ناک ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس سلسلے میں انہوں نے دہلی کے بعض دوسرے شعراء کی طرح کوئی شعر آشوب یا طویل نظم نہیں کہی لیکن ان کے خطوط میں دہلی اور اہل دہلی کی چاہی اور بھڑائی کی جو اہم تفصیل ملتی ہے ' غدر کا کوئی بھی مورخ اسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔ پھر بھی مرزا کے خطوں میں انگریزوں کی زیادتیوں اور خلیقوں کی طرف بڑے سختی خیز اشارے ملتے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے یہ تمام حالات ڈرڈ کے لکھے ہیں (57) پھر بھی ان خطوں میں بہت کچھ گھم دیا ہے:

"میں اس حال میں لپکا کرتے ہو۔ اگر بیٹے رہے اور ملنا نصیب ہوا تو کیا جائے گا ' ورنہ قصہ مختصر ' قصہ

تمام ہوا ' لکھتے ہوئے ڈرڈا ہوں" (58)

۳۶ دسمبر ۱۸۵۷ء کے ایک خط میں حکیم غلام نجف خاں کو لکھتے ہیں:

انصاف کرو ' کھوں تو کیا کھوں ' کیا کچھ کھ سکتا ہوں یا لکھنے کے قابل ہے۔ بس اتنا ہی ہے کہ

اب تک تم ہم بیٹے ہیں ' زیادہ اس سے نہ تم کھو گے ' نہ میں کھوں گا" (59)

میر صدی بخود کو لکھتے ہیں:

"اگر زندگی ہے اور پھر مل بیٹھیں گے تو کمالی کی جائے گی" (60)

۹ جنوری ۱۸۵۸ء میں حکیم غلام نجف خاں کو پھر لکھتے ہیں:

"جو دم ہے قیمت ہے ' اس وقت تک مع خیال و الحفل بیٹا ہوں۔ بعد گزری بھر کے کیا ہو ' کچھ

سلوک نہیں ' قلم ہاتھ میں لئے ہر ہی بہت کچھ لکھنے کو چاہتا ہے مگر کچھ نہیں سکتا۔ اگر مل بیٹھنا قسمت

میں ہے تو کمر لیں گے ورنہ انا اللہ وانا الیہ راجعون" (61)

ایک اور خط میں لکھا ہے:

"میں جس شہر میں ہوں اس کا نام بھی دہلی اور اس محلہ کا نام ملی ماروں کا محلہ ہے لیکن ایک دوست

اہل ہلم کے دوستوں میں سے نہیں پایا جاتا۔ مبالغہ نہ جانتا امیر غریب سب نکل گئے۔ جو رہ گئے تھے وہ

نکلے گئے۔۔۔۔۔ گمر کے گمر بے چراغ پڑے ہیں" (62)

ایک خط میں ان مسیحیوں کو جو غدر میں اہل دہلی پر گزریں ' ایک ایک کر کے گناہ ہے۔ ایک سطر انگریزوں کے

مظالم میں بھی ہے لیکن دیکھئے کہ کتنی شدت اور بے باکی سے حقیقت کا اظہار کیا ہے:

"پانچ لاکھ کا محلہ ہے وہ ہے اس شہر پر ہوا۔ پہلا ہاتھیوں کا لنگر اس میں اہل شہر کا اعتبار لیا ' دوسرا

لنگر خائوں کا ' اس میں ہاں و بال و باہون و مکان و مکین و آسمان و زمین و آسمان سرت سرت گئے"

(63)

فتح شہر کے بعد دہلی میں سرکار کے حکم سے جو مکانات اٹھائے گئے ان کے متعلق میر سمدی بھڑوچ کو لکھتے ہیں :
”مسجد جامع سے راج گھاٹ دروازہ تک بلا مبالغہ ایک صحرائی و دق ہے۔ انھوں کے ڈھیر ہو چکے ہیں وہ اگر اٹھ جائیں تو ہوا کا مکان ہو جائے۔“

”مقتدر مختصر شہر صحرا ہو گیا اور اب جو کوئیں جاتے رہے اور پانی کو ہر ٹیاب ہو گیا“ تو صحرا صحرائے کربلا ہو جائے گا۔ اللہ اللہ دلی والے اب تک یہاں کی زبان کو اچھا سمجھتے ہیں۔ دلوں سے حسن اعتقاد، بندۂ خدا، اور بازار نہ رہا۔ اور کہاں، دلی کہاں! واللہ اب شہر نہیں، کیپ ہے، چھاؤنی ہے۔ نہ قلعہ نہ شہر نہ بازار نہ ضرر“ (64) ایک اور خط میں لکھتے ہیں :

”بھائی کیا پوچھتے ہو، کیا کھوں۔ دلی کی ہستی مختصر کی ہنگاموں پر ہے قلعہ، چاندنی چوک ہر روز مجمع جامع مسجد کا، ہر ہفتہ سیر جنا کے پل کی، ہر سال میلہ پھول والوں کا، یہ پانچوں باتیں اب نہیں پھر کو دلی کہیں..... ہاں کوئی شہر قلم رو بند میں اس نام کا تھا“ (65)
علاء الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں :

”اے میری جان یہ وہ دلی نہیں جس میں تم پیدا ہوئے ہو، وہ دلی نہیں ہے..... جس میں تم شعبان یک کی حویلی میں مجھ سے پڑھنے آتے تھے۔ وہ دلی نہیں ہے جس میں سات برس کی عمر سے آتا جاتا ہوں..... ایک کیپ ہے..... معزول بادشاہ کے ذکور جو بقیۃ السیف ہیں وہ پانچ پانچ دویہ سمیٹ جاتے ہیں۔ اثاثہ میں سے جو بھرنے ہیں وہ کتلیاں اور ہوائیں کیسیں“ (66)

قدیم زمانہ کے بچے اور ایک سلطنت کے معدوم ہو جانے کا نقش غالب کے دل پر گہرا تھا۔ وقت کی منہلستان اچھی نہیں سمجھی تھی۔ اسے دیکھتے ہی بے اختیار کہہ اٹھتے:

”اس کالی کی مثال جب تم پر گھٹی کہ تم یہاں ہوتے اور بنگالہ قلعہ کو پھرتے پھرتے دیکھتے۔ صورت ماہ و بدھ کی سی اور کپڑے میلے، پانچنے لیر لیر، ہوتی ٹوٹی“ (67)

مولوی عزیز الدین خان کو ایک خط میں دلی کے اجڑنے کی داستان یوں بیان کی ہے :

”صاحب، دلی کو دنیا ہی تباہ جانتے ہو جیسی آگے تھی۔ قاسم جان کی گلی..... بے چراغ ہے۔ ہاں آباد ہے تو یہ کہ نظام حسین خان کی حویلی ہسپتال ہے اور ضیاء الدین خان کے کمرے میں ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں اور کالے صاحب کے مکانوں میں ایک اور صاحب عالی شان انگلستان تشریف رکھتے ہیں۔ لال کوئیں کے محلہ میں خاک اڑتی ہے۔ آوی کا نام نہیں“ (68)

مہر الغفور سردار کو لکھتے ہیں :

”بڑے بڑے نامی، خاص بازار اور اور بازار اور خانم بازار کہ ہر ایک بجائے خود ایک قصبہ تھا، اب پتہ بھی نہیں کہ کہاں تھے۔ صاحب اکٹہ اور دکانیں نہیں بتا سکتے کہ ہمارا مکان کہاں اور دکان کہاں تھی۔“

برسات بحر میں نہیں برسات اب تیشہ و کٹھن کی غلیانی سے نکالت کر گئے۔ غلہ گراں ہے "سوت اور اڑاں ہے" میوے کے مول اٹھ بٹکا ہے" (59)

انگریزوں نے بعض امراء کی حلیوں کی انصاف سے انصاف بھادی تھی۔ غالب نے اسے ایک جگہ "شیر نور اور کل تن بند کی زیادتی" سے تعبیر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"وہ دے بند! یہ زیادتی اور شر کے اندر" (70)

یہاں انگریزوں کو بند رکنا لطف سے خالی نہیں! یہ صحیح ہے کہ غالب کے ہاں وطن پرستی کا وہ تصور نہیں ہے جو بعد میں سیاسی اور تاریخی حالات کے تحت اور مغرب کے اثر سے انیسویں صدی کے اواخر میں پیدا ہوا۔ وطنیت کا یہ تصور اس قدر نیا ہے کہ غالب سے اس کی توقع رکھنا عبث ہے۔ ہاں اگر اپنے تہذیب و تمدن سے محبت کرتا اپنے ہم وطنوں سے بددلی رکھتا اور ان کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتا وطن پرستی کما جا سکتا ہے تو غالب بھی وطنیت کے اس جذبہ سے عاری نہ تھے۔ ان کے خطوط سے ان کے نمایاں خانہ دل کے جو راز ہم پر ظاہر ہوئے ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ دلی اور دلی والوں کی برادری کا انھیں گمراہ دکھ تھا۔ خود کے بعد مسلمانوں پر جو شدت روا رکھی گئی تھی، اس کا انھیں دلی صدمہ تھا اور ایسی شکایتوں سے ان کے خط بھرے ہوئے ہیں۔ (71) جنوری 1858ء میں دلی میں ہندوؤں کے آپاد ہونے کا حکم ہو گیا تھا لیکن مسلمانوں کو ایک مدت تک شرمیں رہنے کی اجازت نہ تھی۔ بعد میں حکم ہوا کہ جو مسلمان حاکم شرعی مرضی کے مطابق چرمانہ ادا کرے اور نکت حاصل کرے، وہ شرمیں داخل ہو سکتا ہے۔ دیکھئے "انگریزوں کی اس خاموشی کا ردائی پر مرزا کیسا گمراہ نظر کرتے ہیں:

"جو مسلمان شرمیں اقامت چاہے، ہندو مقدور نذرانہ دے۔ اس کا اندازہ قرار دینا حاکم کی رائے پر

ہے۔ دیکھ دے اور نکت لے۔ گمراہ ہو جائے" آپ شرمیں آپاد ہو جائیے" (72)

خود کے بعد مسلمانوں پر مصائب اور آلام کے جو پہاڑ ٹوٹے تھے، غالب نے وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا چنانچہ اس قلمی میں جو انہوں نے دلی کی جہی سے متاثر ہو کر نواب غلام الدین احمد خاں علانی کو ایک خط میں لکھا تھا، مسلمانوں کی زبوں حالی کا خاص طور پر ذکر کیا ہے:

ہر	ظہور	انگشتیں	کا
زہرہ	ہو آ	ہے	آپ
گھر	ہا	ہے	نمودہ زنداں
تھنہ	خوں	ہے	ہر مسلمان
آری	واں	نہ	جائے
وی	دوتا	تن	دل و ہاں
سوزش	داغے	پنہاں	کا

ہیں کہ خیال نا میر ہے تن
گھرے بازار میں نکلے ہوئے
چوک جس کو کہیں وہ شغل ہے
شر دلی کا زہ زہ خاک
کوئی واں سے نہ آنکھے یاں تک
میں نے ہا کہ مل گئے بھر کیا؟
کاہ بل کر کیا کئے شہو

کہہ دو کر کیا کئے ہام اجرا دیدہ ہے مگیاں کا

اس طرح کے دصال سے یا رب کیا نئے دل سے داغ ہواں کا (73)

غرض نذر سے حلق غالب کا اصلی رویہ مظلوم کرنے کے لئے دھجیوں سے نہیں بلکہ ان کے خطوط سے رجوع کرنا چاہئے۔ دھجی کو زیادہ سے زیادہ غالب کا پوری محنت سے تیار کیا ہوا "مرافعہ" کہا جاسکتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ جس مقصد کے لئے اس معاملے کو تیار کیا گیا وہ اس سے پورا نہ ہوا یعنی جشن تو غالب رام پور کی کوششوں سے مئی ۱۸۹۶ء میں جاری ہوئی (74) لیکن "گوئیں پورٹ" بننے کا غالب کا خراب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ یہ غالب کی مجلس اور ذاتی ضرورتیں تھیں جن کی وجہ سے وہ انگریزوں کی خوشامد پر مجبور تھے "لیز انگریزوں کے اثرات سے خضوع کی جو غی کریں بھوت دی تھیں" غالب ان کا غیر مقدم کرتے تھے کیونکہ ان ترقیوں کے مقابلے میں انہیں مظاہر نظام اذکار رفتہ اور بوسیدہ مظلوم ہوتا تھا اور وہ ان کی نظروں کے سامنے پارہ پارہ بھی ہو رہا تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ملک و قوم کی بربادی اور اپنی سلطنت اور حکومت کے جاتے رہنے پر ان کا دل کڑھتا بھی تھا اور اپنے ہم وطنوں کی چاہی اور بالخصوص شہر دہلی کی ویرانی و بربادی پر وہ اپنے خطوط میں خون کے آنسو بھی روئے ہیں۔ انگریزوں کی خوشامد کرنے اور ملک و قوم کی چاہی پر غور نہ ہونے کی ان دونوں کیفیتوں میں تضاد ہے۔ غالب کے یہاں یہ تضاد غالباً ایک کشاکش میں وحل کیا ہے۔ وہ چونکہ حقیقت پسند تھے "ان کی دانتیت انہیں مجبور کرتی تھی جہاں وہ انگریز کو انسانی ترقی کا استعارہ سمجھ کر قبول کریں وہاں اپنے ہم وطنوں کی چاہی و بربادی کا ماتم بھی کریں یعنی انہوں نے اپنے صد کی ان دونوں مضامین صداقتوں میں کسی ایک سے بھی نظریں نہیں چرائیں بلکہ دونوں کو ان کی پوری کشاکش کے ساتھ قبول کیا اور برتا۔

ایسا مجھے روکے ہے تو کیجئے ہے مجھے کفر

کہہ مرے پیچھے ہے کیا مرے آگے

حواشی

(1) دھجی ص ۶

(2) دھجی ص ۶۶

(3) دھجی ص ۱۰۱-۱۰۲

(4) نظام مہاراجہ "سور" اردو سے "سلی" ص ۳۰

(5) دھجی ص ۳۶

(6) دھجی ص ۳۳

(7) دھجی ص ۳۳

(8) کرلی دیوان کا پورا نام

(9) دھجی ص ۳۳

نہ۔ یہ اسی دھجی دہلی کے شرقی گوشہ

اس واقعہ کی تمام تفصیلات طو مہرا غالب نے اپنی نظم و نثر کے اس انتخاب میں نہیں دی جو انہوں نے سر جہاں سیکھو کے لئے مراد کیا تھا۔ ان کا جان ہے کہ جب گوشت انہیں اپنے ساتھ لے چلے تو وہاں میں ایک سادہ جوتھی آگ۔ اس نے مراد کی افویج و شجہ دیکھ کر کہ جوتھی تم مسلمان مراد لے گا "مراد مسلمان" سادہ جوتھی نے کہا۔ "ہل کر مراد مسلمان کیا؟" غالب نے جواب دیا "مراد بڑا ہوا" (مراد نہیں کہا)۔

اس کے بعد باب انہیں کرنل برن کے پاس لے جایا گیا تو انہوں نے کرنل کو حکم مطلق سے اپنی خدا و کتابت دکھائی اور اپنی وفاداری کا یقین دہا کر کرنل نے چھ ماہ کی قیادت کے وقت پہاڑی پر گھس کر آگے جہاں انگریزی فوجیں اور ان کے طرفدار جمع ہو رہے تھے۔ مرزا سے جواب دیا "تجھے دھانسنے سے باز کر لی کہ تجھے نہیں دیکھتے تھے" میں کہیں کہ "اگر ایک طرف کسی کوئی بات کر کے نکل جائے" جب دہلی کے قریب پہنچا تو پہرے والے گورا اگلے کرنل بار دیکھنے سے بھی ڈاڑھ کر "تجھے باور پانے دیجئے" گورسے گولی نہ مارے "پہری صورت دیکھنے اور میرا حال معلوم کیجئے" پورا دھماکا ہوا ان سے پہنچ اور گاؤں سے مرزا کو قیادت کے حق و مطورت کے قابل بنایا دیا کرنا یہاں بھی دیا کرنا دیا۔ "دیکھنے صاحب قلمی میں ۱۶۵۰ء" کرنل دیکھنے یہ ہی کر پٹے اور مرزا کو گھر جانے کی اجازت دی۔

(۱۵۶) حالی نے بھی اس واقعہ کو اسی طرح لکھا ہے (ہمارے میں ۳۶) لیکن صاحب قلم میں ان سے مختلف ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کسی دوست کی سفارشی سے دیا ہو۔ صاحب قلم میں صاحب قلم کے واقعہ اور مرزا کے ہم رابطہ تھے۔ خود کے زیادہ میں انہوں نے جو قاری دیکھا ہے لکھا "فوج میں کھانے سے اسے حضور کا بیچ" کے نام سے اس میں قریب کر کے شائع کیا تھا۔ اس میں صاحب قلم کے گرفتار ہونے کا واقعہ کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ "صاحب قلم مرزا کوٹ صاحب کے گھر میں چل کر گئے تھے کہ ان کو گرفتار کر کے لے گئے اور کرنل برن کے سامنے لے جا کر بیٹھ کر کہا۔ "مرزا صاحب کی ایک زندگی پائی تھی۔ ان کے ایک دوست اٹھائی سے اس وقت وہاں پہنچے ہوئے تھے۔ انہوں نے ان کی سفارشی کر کے پائی دہلی۔" (صورت ہمارے گورسے میں ۳۶)

(۱۱) دہلی میں ۱۳۸۰ھ

(۱۲) دہلی میں ۱۳۸۰ھ

(۱۳) دہلی میں ۱۳۸۰ھ

(۱۴) دہلی میں ۱۳۸۰ھ

(۱۵) دہلی میں ۱۳۸۰ھ

(۱۶) دہلی میں ۱۳۸۰ھ

(۱۷) دہلی میں ۱۳۸۰ھ

(۱۸) دہلی میں ۱۳۸۰ھ

(۱۹) دہلی میں ۱۳۸۰ھ

(۲۰) دہلی میں ۱۳۸۰ھ

(۲۱) دہلی میں ۱۳۸۰ھ

(۲۲) دہلی میں ۱۳۸۰ھ

(۲۳) دہلی میں ۱۳۸۰ھ

(۲۴) دہلی میں ۱۳۸۰ھ

(۲۵) دہلی میں ۱۳۸۰ھ

(۲۶) ایک نام ایران کے سفیر دہلی میں ۱۳۸۰ھ کو دہلی میں دیا گیا ہے چھ ماہ پہلے دہلی میں ۱۳۸۰ھ

(۲۷) دہلی میں ۱۳۸۰ھ

(۲۸) دہلی میں ۱۳۸۰ھ

(۲۹) دہلی میں ۱۳۸۰ھ

(۳۰) دہلی میں ۱۳۸۰ھ

(۳۱) دہلی میں ۱۳۸۰ھ

(۳۲) دہلی میں ۱۳۸۰ھ

(۳۳) (۱۳۸۰ھ) "صاحب قلم سے صاحب قلم" "صاحب قلم" "صاحب قلم" میں ۱۳۸۰ھ

(۳۴) "صاحب قلم" "صاحب قلم" "صاحب قلم" "صاحب قلم" میں ۱۳۸۰ھ - ۱۳۸۰ھ

(۳۵) "صاحب قلم" "صاحب قلم" "صاحب قلم" "صاحب قلم" میں ۱۳۸۰ھ - ۱۳۸۰ھ

(۳۶) دہلی میں ۱۳۸۰ھ

(۳۷) دہلی میں ۱۳۸۰ھ

- (38) اردو سہلی ص ۳۱
(39) عام ٹیلی نظام نوٹ نظر' مورہادی' ص ۳۳
(40) دشتہ ص ۷۶
(41) دشتہ ص ۵۵
(42) دشتہ ص ۶۱
(43) دشتہ ص ۳۳' ۵۸' ۶۳' ۶۴' ۶۵' ۶۶' ۶۷' ۶۸' ۶۹' ۷۰' ۷۱' ۷۲' ۷۳' ۷۴' ۷۵' ۷۶' ۷۷' ۷۸' ۷۹' ۸۰' ۸۱' ۸۲' ۸۳' ۸۴' ۸۵' ۸۶' ۸۷' ۸۸' ۸۹' ۹۰' ۹۱' ۹۲' ۹۳' ۹۴' ۹۵' ۹۶' ۹۷' ۹۸' ۹۹' ۱۰۰'
(44) آثار غالب ص ۷۷
(45) خطوط غالب ج ۱ ص ۷۳
(46) نقد میں شراذگاری خود ہی ص ۱۰۰ کر فریضہ فریضہ کر لیتے ہیں۔ یہ صحت پر چند دوا ہے' اس کو دوام کتاب' کیا معلوم ہے' ابھی نہ ہو' اب کے ہو تو آئندہ نہ ہو' عام کاغذ مہیا کیل ۱۹۱۱ء مورہادی ص ۳۳
(47) مکاتیب غالب (جشن) ص ۶
(48) ایہا
(49) مکاتیب غالب (مورانی) ص ۳۱
(50) مکاتیب غالب (مختصر) ص ۵۵
(51) دوا کیس پر نقد ٹی' سیاست دانے خود امریکہ میں بدلی اس خطوں کے یکے سے کچھ کچھ' مکاتیب غالب و محتاج نہیں تھی میری فریادیں پر اس کے واسطے اکثر ہزار ہریں اور آئندہ سے ملی گزرتے تھے کچھ' جس کے لئے ان ۲ شہرے لڑا کیا جا رہا ہے)
(52) خطوط غالب ج ۳ ص ۷۸' دشتہ ص ۳۶
(53) (غالب) غالب اور ابو الکلام' ص ۳۳' ۳۴
(54) سہارن ج ۳۰ نمبر ۵' ص ۳۸۸ - ۳۸۹
(55) مکاتیب غالب (مختصر) ص ۱ (جشن) ص ۸
(56) (غالب) مکاتیب غالب' ص ۸
(57) دشتہ ص ۳۳
(58) عام نظام میں نقد نگراں' اردو سہلی ص ۳۳
(59) مورہادی ص ۳۳
(60) مفصل حالات لکھے جیسے' دارا ہوں' عازمین نقد پر شہوت ہے مورہادی ص ۳۳ و دادا گوریں لکھا ہیں' عام نقد اردو سہلی ص ۵۸
(61) عام شباب احمدی' اردو سہلی ص ۶۷
(62) خطوط غالب ج ۲ ص ۷۷
(63) خطوط غالب ج ۱ ص ۶۶
(64) خطوط غالب ج ۲ ص ۶۸
(65) اردو سہلی ص ۵۸
(66) عام انوار اللغات سعد الدین شفیق' اردو سہلی ص ۶۶ مورہادی ص ۳۳
(67) اردو سہلی ص ۷۳ مورہادی ص ۳۳
(68) عام گوریں' اردو سہلی ص ۳۶
(69) اردو سہلی ص ۶۸
(70) اردو سہلی ص ۶۸
(71) اردو سہلی ص ۷۷' ۷۸' ۷۹' ۸۰' ۸۱' ۸۲' ۸۳' ۸۴' ۸۵' ۸۶' ۸۷' ۸۸' ۸۹' ۹۰' ۹۱' ۹۲' ۹۳' ۹۴' ۹۵' ۹۶' ۹۷' ۹۸' ۹۹' ۱۰۰'

(72) عام گھوڑہ بندی، مئی ۱۹۳۵ء

(73) بندی، مئی ۱۹۳۳ء

(74) ذکر قلاب، مئی ۱۹۳۵ء

ماخذ

(1) بندی، مئی، لاہور، ۱۹۳۴ء

(2) گور بادی، لاہور، ۱۹۳۳ء

(3) کتاب قلاب، مروجہ اشتیاق، علی محمد، (پار شکم) ۱۹۳۹ء

(4) طوطا قلاب، ج (1)، د (3)، مروجہ نظام، رسول، عمر، لاہور، ۱۹۳۹ء

(5) دستار، انار، (۱۹۳۹ء)

(6) شکستہ قلاب، (گھڑی)، کس، کھڑک، رنگ، رام

(7) یادگار قلاب، مئی، لاہور، ۱۹۳۸ء

(8) ذکر قلاب، رنگ، رام، دہلی، ۱۹۳۰ء

(9) ۱۹۲۷ء قلاب، لکھ ناکام، کھنڈ، ۱۹۳۵ء

(10) قلاب، نظام، رسول، عمر، لاہور، ۱۹۳۶ء

(11) خود کا تیرہ (محریت نامہ، گور، لکھتہ)، زیر، خواجہ، حسن، لکھ، دہلی، ۱۹۳۰ء

(12) "قلاب کا سنگ شعر" ڈاکٹر خواجہ ابو حامد، "شکوہ" مبارک، نومبر، ۱۹۳۵ء، ص ۳۸۸ - ۳۸۴

(13) "قلاب چنگ" از، ام اور اس کی، "شکستہ" رنگ، رام، "کولہ" مبارک، لکھتہ، ۱۹۳۶ء، ص ۱۳۶ - ۱۳۵

(14) "قلاب اور خود" ۱۹۳۵ء، "انگریزی ڈاکٹر" لکھتہ، "REBELLION BAY" مروجہ، لکھ، دہلی، ۱۹۳۵ء، ص ۲۳۵ - ۲۳۶

(15) قلاب اور ام، نظام، "شیل، صحت"، دہلی، ۱۹۳۸ء

(16) "قلاب سے منسوب ۱۰۰ سرا نکہ" "شکوہ" اشتیاق، قلاب، از، رنگ، رام، دہلی، ۱۹۳۷ء



غالب اور وفا کا تصور

دہر میں تھیں وفا وچ قسلی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ جو شرمندہ معنی نہ ہوا

دیوان اردو کے شہسوار کی غزلوں میں یہ شعر آتا ہے اور یہ اس قدر مشہور ہے کہ چڑھنے والے اس پر سے سرسری گزر جاتے ہیں، مگر کلمہ اگر غالب کی پوری زندگی پورے کلام اور گہری سوچ کے پورے آثار پر حلقہ کو لول تا آخر خود سے دیکھا اور جانچا جائے تو اس شعر کو بھی شہسوار سے آخر تک پیچھاڑا جاسکتا ہے، یہاں تک کہ ہم اسے ان کا آخری شعر بھی کہہ سکتے ہیں "تھیں وفا" "شرمندہ معنی" ضرور ہوا، لیکن ہر سچ اور ہر ایک صورت حال میں اس کے معنی بدلتے تھے۔ اس دوچہ بدلتے تھے کہ عام مفہوم میں وہ اپنے مقررہ معانی سے محروم ہو گیا اور ہلا خربتہ چلا کہ سوالیہ علامتوں کے درمیان اور ان کے ساتھ بسر کرنے والا ہمارا یہ عظیم شاعر "وفا" کے لئے شدہ تصور کو "کوچ قسلی" نہیں سمجھتا۔

آگے کی خلا فنی سے بچلو کی خاطر اور رائے عامہ کی رعایت کرتے ہوئے، ہمیں اچانک پچھلیں کہ "وفا" کوئی افعال نہ Loyalty کا لفظ پورا پڑتا ہے، نہ Faithfulness کا Devotion کا اور نہ Total Commitment کا الہوت یہ تینوں پر حاوی ہے۔ بے وفائی کا مطلب خدائی یا بے ایمانی بھی نہیں ہے۔ نہ یہ فکری سطح پر بے ایمانی کے مترادف ہے۔ بلکہ یہ ایک رویہ ہے، فرائض برداری اور سعادت مندی کے برعکس۔ مان لینے اور قسلی پانے کے برخلاف اس میں خیال اور ہر کام کا مسلسل تھپڑ لگاتا رہا، دل بدل، ترمیم اور دود قبول کی پے درپے تکلیف شامل ہے۔

یوں دیکھتے تو بلا طرف تردید کہا جاسکتا ہے کہ غالب بے وفا تھیں، ایک بے وفا شاعر، بے وفا فنکار ہے۔ زندگی کی آزمائش میں پورا اترنے کے سوا اس کے نزدیک "وفا" کا کوئی تصور نہیں، وفاداری کو وہ آدمی کے لئے، توانا اور دانا وجود کے لئے بے معنی قرار دیتا ہے۔

اگرے میں آنکھ کھولی تو باپ، بچا اور نانا سب کے سب فوجی افسر تھے، باپ شاہ عالم کی کچی فوج میں رسالہ داری کر رہے ہیں، کل حیدر آباد جا کر نظام الملک کے ہاں تین سو سواروں کے افسر، تین برس بعد صدارت الود کی فوج میں۔۔۔۔ اور وہیں مارے گئے۔

"دور خاک راج گزشتہ پدم را بود مزار"

(قصیدہ ص ۵۸)

بچا کا حال بھی معلوم ہے۔ مرادفا راج کی طرف سے اگرے کے صوبیدار ہیں، اور جیسے ہی دیکھتے ہیں کہ جنرل لارڈ لیگ کا فوجی پلہ بھاری ہے، وہ شعر کو دشمن کے حوالے کر کے اپنا منصب بچا لیتے ہیں۔

آگے پر لاؤ ایک کے طوفانی حملے سے پہلے تھمیری رکھیں غلام حسین اپنی بی بی مرانوں کے محل صہیدار نصر اللہ بیگ کے بھائی سے بیاہ دیتے ہیں اور خود بھی پہلے سطوں سے "بھر مرانوں سے اور پھر فوراً" انگریزوں سے معاملہ کر لیتے ہیں۔ پہلے وہ مرانوں کی طرف سے کیدان Commandant تھے، بعد میں انگریزوں نے ان کی جاگیر بحال رکھی۔ یہ وہ تھا جن کے گھر میں عبداللہ بیگ کا خیم پلا بیٹھا۔

جن لڑکوں کے ساتھ غالب کا اہم بیٹا "چنگی لڑا" چنگی بیٹا معمول تھا ان میں سادامہ "داس" بیٹا تھم کے جلا وطن وارث کنور بلوان تھم شامل ہیں جن کے بزرگوں نے شاہ اودھ کے زیر سایہ رہتے ہوئے اندر خانہ ایسٹ انڈیا کمپنی سے معاملہ کر لیا تھا یہاں تک کہ آگے چل کر "جب وارن ہیسٹنگز کے چھوٹے سے لشکر کو اہل داس نے مار بیٹ کر ختم کر دیا تو ہیسٹنگز کو بمشکل زندہ سلامت رکھا بلکہ ایک بڑی رقم سے خفیہ طور پر مدد بھی کی۔

تخصیلات اور دو حیل اور ہم عمر عزیزوں کی حویلیوں میں خیم، مگر تازہ پروردہ اسد اللہ یہ سب دیکھتا "ستار اور سوچتا ہوگا" اثر لیتا ہوگا۔ جس خاندان میں شادی ہوئی وہاں بزرگ خاندان محل شاہی منصبدار فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں اپنی چھوٹی سی میواٹی ریاست سنبھالنے کی خاطر انگریز کمپنی کے جنگ جو مہم پسندوں سے معاملہ کر لیتا ہے اور حملہ گوردوں کے اشارے بلکہ سپورٹ سے بھرت پور ریاست پر اچانک حملہ کرتا ہے۔ بھرت پور کی لوٹ اور بھٹے، غزے میں اسے بھی جاگیر انعام ملتی ہے کمپنی دہلی کے نواح میں اپنے ایک طاقتور مخالف "راجہ بھرت پور کو کچل ڈالتی ہے۔

چند پروردہ برس کی عمر سے "شادی کے بعد غالب کا مستقل مکانا سسرالی عزیزوں" یا لوہار والوں میں ہو گیا۔ ان کا منجلا برادر نصیق "جو بیوی کا سونپا بھائی تھا" نواب محسن الدین ظاہر ہے کہ یہاں ہی دوسرے بھائیوں سے گھڑا ہوا تھا "مرزا نوشہ کو کیا خاطر میں لانا جو باپ دادا کے گھر سے کوئی جاگیر بھی نہ رکھتے تھے اور اپنا حق جیتتے تھے۔ سسرال میں اولیٰ بن دھن انھیں دی نظر آیا۔ اور یہ ذاتی دھن ایسا تھا کہ ایک طرف پرنسٹنٹ ولیم فریڈ کو اپنے باپ فخر الدولہ کے رشتے سے بچا کرتا تھا "دوسری طرف اس کے قتل کی سازش کی اور قتل کرا دیا۔ جس کی سرگوشیاں قریب کے عزیزوں میں ہوتی ہوں گی۔ غالب کے کان تک بھی ضرور پہنچی ہوں گی اور پھر انہی دنوں انگریز نئی مجلسینٹ کانو بارو والوں کے دلا مرزا نوشہ کے گھر آنا چاہا۔ جب نہیں کہ دلی والوں میں جو افواہ غالب کے بھڑ بھڑنے کی پھیلی "اس میں کسی قدر چالائی بھی ہو۔ وہ اپنے بھٹے کی جاگیر کا مدویہ کمپنی کے سرکاری خزانے سے طلب کر رہے تھے۔

اسی دیکھ اور پہ چیدہ منظر میں نو عمر اسد اللہ "اور بعد کے مرزا نوشہ کی امان کا زمانہ اور ماحول غنی ہوتی وفاداریوں" بدلتی ہوئی وفاداریوں سے پارہ پارہ ہے۔ دوران امیر زادے کے پاؤں تلے رہتی زمین ہے "اور جدھر نظر اٹھتی ہے لوہریا بار بدلتا ہوا منظر۔ اور دلی کی طرح "اپنی پاکدار حیثیت اور ہم پیشوں میں عزت آہدہ ہائے رکھنے کی خاطر مرزا نوشہ کو وفاداری کے تصور میں ضرور مہمل نظر آتا ہوگا۔

"وفا" پہلے قبائلی اور پھر جاگیرداری نظام کا کلیدی لفظ رہا ہے۔ وفا کس سے؟ خاندان سے "فیملے سے" جس کا تک کھایا اس سے "جس ذات یا برادری" یا جاتی میں جم لیا "پے پڑھے" اس سے جس دھرتی کو بڑھا ہوا اس سے "جو مذہب" عقیدہ یا سنکار اس سے ملا اس سے؟ رہن سمن "چوڑ و تش" طور طریقے سے وفا؟ ایک حال پر صدیوں پہلے

والے سانچ کے لئے یہ دھواوی بیچ کی گئی تھی جس نے اپنے بندھن کچے پکڑے تھے۔ لیکن وقت کی رفتار نے جب جال پھٹائی، ہندوستان بھی دہلی دور سے نکل کر سرکشاہی رشتوں کی طرف پھلے پھلا، پھر پکا اور اس نے بوڑھائی کے اقتدار کے لئے راہ بنائی شروع کی تو ذات برہمنوں کی نگاہوں کے رشتے ڈھیلے پڑے ریت اور مزارع شہری کا دیوار کی جانب بڑھنے کو آزاد ہوئے۔ پچھلے دو صدیوں کی سماجی، سماجی سرگرمیوں کا چارٹ دیکھتے پہلے جانیں تو یہ عقوہ کھلے گا کہ دھواویوں کی گڑھیاں ڈیپٹی جلی گتیں اور کمرشل دولت اندوزی کے انڈسٹریل پیداوار میں گھٹے سے وفا کا تصور ایسا بدلا کہ ٹھیک ایسے وقت جب ۱۹۵۵ء میں ہندوستانی زبان کا علاقہ جنگ آزادی کے شعلوں میں لپٹا ہوا تھا، یعنی، ٹھیک اور مدارس کی پرکشی ڈسٹریکٹوں میں کارخانے اور کالج کھولے جا رہے تھے اور یونیورسٹیاں قائم ہو رہی تھیں۔ ہندوستانی سرمایہ کھلے بندوں ایسٹ انڈیا کمپنی کے سرمایے اور سرگرمی سے ہم آغوش ہو رہا تھا اور اس بالکل شروع کی Multinational سرمایہ کاری میں کوئی شرم کی بات بھی نہ تھی۔ یہ صرف سوئی سی مثال ہے وفا کے معرکہ اور تقسیم تصور کی ہولناک شکست کی ۱۹۴۷ء کے بعد کے چالیس پچاس برس بعد تک جو ہوتا رہا وہ کل کی سی بات ہے۔ بزرگوں کی نظر اور کالج کے دور نے ہمیں اس کا علم دے رکھا ہے اسے بھی نظر میں رکھئے۔

۳۰ برس کے غالب دہلی سے نکلے ہیں۔ کھنڈ ٹھہرتے ہیں۔ جنٹل ٹھٹکے کا گورنر جنرل سکریٹ ہے لیکن جھینے ہوئے جا رہے ہیں۔ کھنڈ میں صفت کا وہ مجموعہ جسے ”شرقی“ کہتے ہیں کن کن صورتوں میں ان صفات کے مجموعے سے حکم بنا رہا تھا جسے ”مغربی“ کے لیبل سے چپکا جاتا ہے۔ کمپنی نے نواب مملکت علی خان کے زمانے سے غالب کی آمد یا غازی الدین اور نصیر الدین حیدر کی برائے نام ”شاہی“ حکومت سے کونڈوں دھوپے ہی سوری قرض فیس لے رکھا تھا بلکہ کاریگری و دستکاری کو بھی متاثر کیا تھا۔ (اس پہلو پر تفصیل سے لکھا جا چکا ہے)

کھنڈ کی اس دھوپ چھڑوں، فضا اور طاقت کی دو عملی نے بھی جیتنا ”غالب کو کافی کچھ بھجایا ہوگا۔ پھر مدارس ”مہارت خاندان“ قایم اور کتبہ ہندوستان کا تفصیلی نظارہ، پھر ہندو کی طرار اور ست رفتار لڑائی، جو ۱۹۵۷ء میں باغیوں کی چھڑائی بنی (اور نواب کو پانسی دی گئی) عظیم آہر پنڈت قاضی محمد علی کے معاہدوں میں ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کے راج و لادوں کی شکار گاہ بن چکا تھا۔ اور بالآخر ٹھٹکے جہاں گورنر جنرل کے محل کے سامنے ایران کا سفارت خانہ اور مدرسہ عالیہ برائے علم تھے۔ ٹھٹکے سے غالب کے جوان ”اثر پذیر اور زور راج“ دنوں نے کیا سیکھا، کیا سمجھا، اس پر اوروں نے کافی لکھا ہے۔ ڈھائی برس کا یہ غرضمند بلکہ آرزو مند ”سز“ جو حق کا سفر، ”فیض“ ”من“ کا سفر بھی تھا، جیسائی فیض، ذاتی سفر بھی ثابت ہوا، اور اس نے سزے قسم کے اپنے فطرتیاتی کی بے دردی اور وفا کے ہر تصور سے نا آشنا کی ان پر روشن کردی۔ یہاں بریکسل تذکرہ ان کے دو غیر معروف شعر نقل کرتا ہے محل نہ ہوگا

اں کہ حید از تو شرم و اں کہ خواہ از تو مر

تقریبی از سے خانہ و داو از ترک آبادی

یا ٹھٹکے کے تاثرات پر ان کا قطعہ (نمبر ۱) جو یوں ختم ہوتا ہے۔

مکرم از سر داد آئند ام کلمت گنج دسر سنگ مرن

غالب سلسلہ میں ٹکڑے ہوئے اپنے گھر لوٹے ہیں۔ یہاں انگریزی تعلیم کی شروعات ہے۔ انگریزی علم و دانش کا چرچا اور اس کے خلاف علوم قدیمہ سے وفاداری کا مذاکرہ گرم ہے۔ دوسرے زمین کے گول ہونے اور زمین کے کھوٹنے کی خبر محکم دی ہے۔ "لوہر مولوی فضل حق خیر آبادی" غالب کے بزرگ دوست "۳ بطلان حوکمہ الاوضاع تصنیف فرما رہے ہیں۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کی جماعت میں فرائض کی سرور سلطان کی اور پتہ کے کی راقول کی دلیل بیل ہے۔ وہ تحریک جس کی موجود صورت کو آج کل Fundamental کہا جاتا ہے۔ غالب کے کئی ہم عصر اور ہم سراس تحریک کے ہمدرد ہیں یا اس تحریک کے ہمنوا ہیں، مثلاً "حکیم مومن خان" اس کے سیاسی پہلو سے ہمدردی، "مکرمہ اللہ" اور نظریاتی پہلو سے شدید اختلاف رکھتے ہیں مثلاً "مفتی صدر الدین آزاد" غالب کو مولوی فضل حق اپنے پریذیڈنٹ کے ایک اختیار دینا چاہتے ہیں، "موت میں غالب بچے بچے ہو جیتے ہیں" لیکن تجھے میں اتنی بات کہہ جاتے ہیں۔ "وائٹ سن کر پھر اسے سیدھا کرتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ دانش یا دانشدہان غیر مقلدوں کی طرف جاتا ہے تا نسبت "آزاد" بھٹکا ہے۔

اجی بڑی مذہبی سلتی تحریک جو دینی عقائد کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ایٹ ایٹریا کینی کی اثر وادھد معاشی لوٹ کا توڑ کرنے کے لئے اٹھی تھی، "ہندو" کی عکس حکومت کے خلاف کس ہوشیاری سے سوڑ دی گئی اور پھر دو تین سلی میں خود ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو گئی۔ یہ غالب کی بڑائی کے زمانے کا ان کی دہلی کا ان کے بچنے کا اور ماحول کا اتنا زبردست بیان انگیز واقعہ تھا جو کم و بیش دس برس دہلی سے لگتے تک گونجا رہا مگر ان کے ہاں اس سے نہ دہلی چلی ہے نہ تا بنگلی۔ دو راز کار چند اشارے ہیں، مثلاً

عشرت قل کر اہل قنات مت پرچہ

مید نکادہ ہے شمشیر کا عیوان ہوا

ان دونوں اپنے دہان کے مطابق، وہ پچاس ہزار کے مقروض ہیں مگر بچا زور بچا، "لوہر کیا بچا" کیسے قرض ادا کیا کیا بھی یا نہیں، ہمیں نہیں معلوم، صرف یہ معلوم ہے کہ ایک بار مقروض ہونے کی بنا پر گرفتار ہوئے، "دوسری بار خلاف قانون ہوا پھیلنے اور ہوا کھانے کی سلت میں قید خانے پہنچے اس حالت میں وہ ایک طرف اس دربار سے ہمارے پہلے جاتے بہتہ نچوڑ لینے کی فکر میں ہیں، جہاں ان کے لائق خن کی بچی داد دینے والا کوئی نہیں، "دوسری طرف ہر ایک آئندہ دوندہ انگریز عہدہ دار سے رشتہ جوڑنے میں، جس کے متعلق بہت امید ہے کہ اگر شاعری کی نہیں تو کم از کم ریسی شن کی ہی قدر کرے لگ قصبے اور قلعے لگے لگے کہ وہ دونوں سطحوں میں دواں کرتے ہیں، اس خیال سے کہ ایک دربار دار شاعر کے پاس کلام معلوم کے علاوہ غر کرنے کو اور ہے بھی کیا، اور وہ دین تہی آواز، "کو قید حیات کی ایک مشقت اور بدقولی کے اعداد کو محض ایک سلسلہ جنینی شمار کرتے ہیں۔

یہاں میں برس ہیں (۱۸۳۰ء سے ۱۸۵۰ء تک) جب وہ تمام دھڑاں اور دھڑاڑوں سے قلعوں بد گمان اور اگلے پچھلے تمام بد محلوں سے بد عہد ہو کر محض اپنی خجیل میں لگ جاتے ہیں "کرک صحبت کدوم و در بند خجیل علوم" میں بنگلی

کے نسلے میں وہ اب اس مقام پر کھڑے ہیں 'جہاں کعبہ ان کے پیچھے ہے اور کلیسا ان کے آگے۔ دونوں سے رشتہ ہے اور دونوں سے آؤلوگی۔ پتا چھوٹے بڑے قرار دی اور بے چینی کے بٹنے ہوئے اس قرار نے انہیں عادی شعر گوئی میں اور اپنے کلام کی ترسیم و تصحیح میں لگا رکھا ہے یہاں تک کہ اتفاق سے ان پر شاہ اودھ اور نال قلعے کی فخر انگلیت چڑتی ہے اور وہ نسلے کی اس خوشی کا مجبوراً استقبال کرتے ہیں نتیجہ ان کے اردو خطوط اور اردو کلام میں ظاہر ہے۔ جو یقیناً تب تک کے دوسرے سے دینی ہوئی بات تھی۔

غالب اپنے گھر میں ہیں۔ ملتا جلتا آٹا جاتا 'مخفلیں اور پھلیں کرنا سرفروں' اظہار اور کتب سے سروکار ہے۔ محل سرائیں صرف ایک بار دم بھر کو کھانا کھاتے جاتے ہیں۔ دن بھر موائے میں رہتے ہیں۔ یہ کون سی ازدواجی زندگی ہے؟ نوجوانی تک 'جب انہیں تخیلی اور دخیلی عریضوں کی شفقت، سیر قحی، جھپٹا بھی لا اپنی زندگی گزار دی ہو' لیکن گھر باد سنبھالنے کے بعد سے انہیں غی و دہ واریوں کا احساس ہو گیا اور جہاں تک بن پڑا اور سے غفلت نہیں برتی۔ غفلت تو نہیں، البتہ "بے وفائی" ضرور کرتے رہے۔ شادی شدہ زندگی میں ازدواجی بے وفائی کے دو واسطے ایسے ہیں جن کا اقرار خود غالب نے کیا ہے اور چوں کہ دونوں کا انجام جان لیوا جلوسوں پر ہوا۔۔۔۔۔ غالب کی بڑی امراد حکم کو ضرور ان کی خبر تھی۔ (ملاحظہ ہو چراغ و شعلہ میں "دو تال دے در پردہ تو")

ایک وہ حقیقت جو ریختہ شکن میں شامل تھا۔ خوش مذاق مگر پابند قسم کی طوائف محل جان کے مکان پر حاضری دی، دل کی اور خوش وقتی۔ ایک اور خوب رو خوشحال حاتم علی مرہٹے وہیں آتے جاتے رہے ہوں گے۔ اس خانقاہ نے مر کا ذکر قمری لفظوں میں غالب سے بھی کیا جس سے ان میں راجت نہ لگی۔ حقیقت کی کوشیت ظاہر ہے محل جان کے انتقال پر حاتم علی مرہٹے نے وہ دل غالب کو کھانا تو دے قہلی دے رہے ہیں، درد میں شریک ہیں مگر اس واسطے کو دل پر نہیں لیتے بلکہ اٹا کھاتے ہیں کہ ان کا تو شروع سے کسی بزرگ کی صحت پر عمل رہا ہے کہ "درد و دوا میں معذور نہیں، ہم ملے فٹے و لہو نہیں،۔۔۔۔۔ مصری کی کسی ہو، شہد کی کسی نہ ہو" یہ بات غالب نے گھما بھرا کر کی بار کی ہے، "شا"

درد ہر فرد رفت لذت عواں بود

برقہ نہ بر شد شہد کس ما

محل جان کے واسطے کو افسانوی حیثیت مل گئی۔ غالب ویسے ہی بے وفائی میں بدنام تھے، اس واسطے نے کچھ کی ڈھنسی نہ کی ہوگی۔

دوسرا واقعہ کسی خانقاہی خانقاہ کا ہے جن کی پوری تصویر 'غالب کے ایسے اشعار میں ملتی ہے جنہیں محض تخیلی تجربہ یا دور کا جلوہ نہیں کہا جاسکتا، ہم سب یکساں طور پر جانتے ہیں کہ کسی بھی فنکار کا ہر ایک لفظ اس کے ذاتی تجربے کا نشان مند نہیں ہوا کرتا لیکن ایسے اشعار اور اشعاروں سے کمال تک نظر چرائیے جو صاف صاف چلتی پھرتی تصویریں دکھاتے اور غالب کی ذاتی کیفیت سمجھنے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔ "شا" یہی ہے بے وفائی کا یہ دوسرا واقعہ جو سلیقہ و ادب میں ایک نسلے تک چلا رہا، سٹکا رہا۔

کلیہ حسرت، جسے نفوسِ مگورے رنگ، برقِ جنم، دراز گیسو اور بازو مزاج کوئی ہم قبیلہ نوہونِ عاشقوں قصیں نہیں ڈالتی تھیں بھی میر تقی میر اور غالب کو اپنا کام بفرضِ اصلاح سمجھا کرتی تھیں۔ عہدِ سلطان نے اپنی غلی کی زبانی اس خاتون کا تھکس "ترک" بتایا ہے۔ موصوف نے اس خاتون کو دیکھا بھی ہوگا اگر انہوں نے نہیں دیکھا صرف سنا تو ہم نے غالب کی زبانی سنا اور اس کے کلام میں "ترم" کو دیکھا بھی کہیں کہ ہم نے غالب کے دلم جگر کو دیکھا۔

"ترک" ہم یا تھکس کی کسی شاعرہ کا کلام آج تک دیکھنے میں نہیں آیا، مگر ممکن ہے یہ استبدی شاکردی شاعرانہ اور برائے بیت ہو اور اس پردے میں غالب خاتون کی کسی معزز خاتون سے ایسے ٹوٹ کر ملے ہوں، ملتے رہے ہوں کہ گھر والوں کو خبر ہوگئی۔ نہ صرف اس اشتداد کی خبر، بلکہ اس کے نتیجے کی بھی۔ خود غالب کے دیے ہوئے اشاروں سے ایک مدت بعد جب افواہ سرزد ہوگئی، وہ غزل، جس میں واقعی شاعر نے ہر سے علوے کا ماتم کیا ہے، "ہائے ہائے" کی ردیف کے ساتھ انہماکِ شاعری ہے۔ اردو قاری کے کوئی چودہ ہزار اشعار میں یہ واحد غزل ہے جس میں محبوبہ کی موت کا نمونہ نے ایک Monument منو منسٹ نصب کیا ہے اور وہ بھی اپنے مزاج کے خلاف "ہائے ہائے" کی صدا پر۔

اس غزل اور اس سے رشتہ رکھنے والے چند قاری اشعار کو غور سے پڑھنے والوں پر یہ جتنا کچھ ضوہ نہیں کہ غالب سے اس خاتون کے تعلقات یہاں تک پہنچے کہ بلا غور وہ جملہ ہوگئی اور چوں کہ معاملہ ایک معزز خاتون کی بی بی کا تھا، اور غالب نے اپنی ذمہ داری میں مضائقہ قبول کرنے سے پہلو تھکی کی۔ اس نے خاموشی سے چلن دے دی اور اس بنوں مرنے پر معاملہ دب گیا۔ عہدِ سلطان تھکس ہیں کہ جب اس شاعرہ کا انتقال ہوا، غالب تیار پڑ گئے تھے۔ ہاں ایسا ہی ہوگا، غالب کو اہلیت اس بنیادی سے ابھی شفا نہ ہوئی کیونکہ سالہا سال ان کے ضمیر میں اس کی دعا اور اپنی بے وفائی کا کلنا ٹھٹھا رہا، ورنہ ان اشعار کا کیا مطلب؟

شرم رسوائی سے جا چھپنا غالب خاک میں

ختم ہے الفت کی تھہ پر پردہ داری ہائے ہائے

خاک میں جیسو بچانِ محبت تل مکی

انہ مکی دنیا سے دلو رسم باری ہائے ہائے

بہتر ہوگا کہ ہم دقا اور بے وفائی کے اصل مضمون کی جڑ تک پہنچنے یا اپنے طور پر اس کو Define کرنے میں کسی قدر غالب کے اشعار سے بھی کام لیتے چلیں۔

ان کی ایک قاری غزل ہے جسے قریب کے لوگ بھی پوری طرح نہ سمجھ پائے تھے اور خود شاعر کو مطلع کا مضمون بیان کرنا پڑا۔

من بوقا مدام و رقیب بدر زد

نہد بعلی الجبین و نہد حمیزد

دقا اور رقیب کے ساتھ شدہ اور مصری کے علاقے یہاں بھی دہرائے گئے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ شاعر نے دقا میں ہلن دینا اپنے لئے اور مصری کی ڈلی بچہ کر اڑ جانا رقیب کے لئے فرض کر لیا ہے۔ یہ بات انہوں نے دوسرے طریقے سے ایک

— *W. J. G. B. J.*

۱۰. محکمہ ۱۱. قریب ۱۲. اس ۱۳. صبح ۱۴. علی

کیوں پرگلی ہوں دوست سے دشمن کے باب میں

یہاں رقیب دعا نہیں کرتا، دعا کا فریب دیتا ہے اور محبوب دعا کے ہر دعویٰ سے منکر ہے اس لئے وہ رقیب کے فریب میں بھی نہیں آئے۔ والد رقیب اور دعا کے سارے حلائے اور مصلحتات کو ایک ساتھ رکھ کر دیکھتے تو کھلے گاکہ یہ خود غالب ہیں جن سے دعا کی امید نہیں کی جاتی اور ان کے ہر دعویٰ کو فریب دعا شمار کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ خود دعا کی اصلیت سے بے گم ہوجاتے ہیں۔

وفا محبوب اور رقیب کے شعلے کو انہوں نے روشنی اور تاریکی کے واسطے بدل کر دیکھا ہے کوئی کرشمہ
بھروسہ نہیں۔

۱۸۸۳ء میں دہلی دروازے کے باہر ہٹل میں چپ اور عام عروسوں کے ساتھ رکھے گئے ہیں۔ جان نذاب میں ہے۔ عروسیوں نے بدعاطی کے طوف سے مدد بکھیر لیا ہے، کوئی خبر گیری تک کا دروازہ نہیں (سوائے مصطفیٰ خان شینڈے کے) غیب کا ”ہب“ لکھا ہے، جو پہلے ہی بعد میں شکایت سے شروع ہوا ہے۔

در اندک محراب و در آن نیست

خبرگزاری فارس، تهران، ۱۳۹۸/۰۸/۰۱

تفسیر (۳۹) در سطح فرہی رواج لہجہ میں انجیل ہی میں وہا کی بخش نارا کا رونا ہے۔

طوبى له ، و طوبى لوالديه ، الذين هم على الهدى

روحانی معتمد و قائد جامعہ اہل حق

مشہور و مقبول نزل ہے جسے ایرانی موسیقار نے بھی گایا ہے۔

نامی و نام خانوادگی

ما کے لئے جو کچھ ہے وہاں خیر ہے

دورانی که در خدمت پدرش بود

[illegible]

1. 2. 3. 4. 5. 6. 7. 8. 9. 10. 11. 12. 13. 14. 15. 16. 17. 18. 19. 20. 21. 22. 23. 24. 25. 26. 27. 28. 29. 30. 31. 32. 33. 34. 35. 36. 37. 38. 39. 40. 41. 42. 43. 44. 45. 46. 47. 48. 49. 50. 51. 52. 53. 54. 55. 56. 57. 58. 59. 60. 61. 62. 63. 64. 65. 66. 67. 68. 69. 70. 71. 72. 73. 74. 75. 76. 77. 78. 79. 80. 81. 82. 83. 84. 85. 86. 87. 88. 89. 90. 91. 92. 93. 94. 95. 96. 97. 98. 99. 100. 101. 102. 103. 104. 105. 106. 107. 108. 109. 110. 111. 112. 113. 114. 115. 116. 117. 118. 119. 120. 121. 122. 123. 124. 125. 126. 127. 128. 129. 130. 131. 132. 133. 134. 135. 136. 137. 138. 139. 140. 141. 142. 143. 144. 145. 146. 147. 148. 149. 150. 151. 152. 153. 154. 155. 156. 157. 158. 159. 160. 161. 162. 163. 164. 165. 166. 167. 168. 169. 170. 171. 172. 173. 174. 175. 176. 177. 178. 179. 180. 181. 182. 183. 184. 185. 186. 187. 188. 189. 190. 191. 192. 193. 194. 195. 196. 197. 198. 199. 200. 201. 202. 203. 204. 205. 206. 207. 208. 209. 210. 211. 212. 213. 214. 215. 216. 217. 218. 219. 220. 221. 222. 223. 224. 225. 226. 227. 228. 229. 230. 231. 232. 233. 234. 235. 236. 237. 238. 239. 240. 241. 242. 243. 244. 245. 246. 247. 248. 249. 250. 251. 252. 253. 254. 255. 256. 257. 258. 259. 260. 261. 262. 263. 264. 265. 266. 267. 268. 269. 270. 271. 272. 273. 274. 275. 276. 277. 278. 279. 280. 281. 282. 283. 284. 285. 286. 287. 288. 289. 290. 291. 292. 293. 294. 295. 296. 297. 298. 299. 300. 301. 302. 303. 304. 305. 306. 307. 308. 309. 310. 311. 312. 313. 314. 315. 316. 317. 318. 319. 320. 321. 322. 323. 324. 325. 326. 327. 328. 329. 330. 331. 332. 333. 334. 335. 336. 337. 338. 339. 340. 341. 342. 343. 344. 345. 346. 347. 348. 349. 350. 351. 352. 353. 354. 355. 356. 357. 358. 359. 360. 361. 362. 363. 364. 365. 366. 367. 368. 369. 370. 371. 372. 373. 374. 375. 376. 377. 378. 379. 380. 381. 382. 383. 384. 385. 386. 387. 388. 389. 390. 391. 392. 393. 394. 395. 396. 397. 398. 399. 400. 401. 402. 403. 404. 405. 406. 407. 408. 409. 410. 411. 412. 413. 414. 415. 416. 417. 418. 419. 420. 421. 422. 423. 424. 425. 426. 427. 428. 429. 430. 431. 432. 433. 434. 435. 436. 437. 438. 439. 440. 441. 442. 443. 444. 445. 446. 447. 448. 449. 450. 451. 452. 453. 454. 455. 456. 457. 458. 459. 460. 461. 462. 463. 464. 465. 466. 467. 468. 469. 470. 471. 472. 473. 474. 475. 476. 477. 478. 479. 480. 481. 482. 483. 484. 485. 486. 487. 488. 489. 490. 491. 492. 493. 494. 495. 496. 497. 498. 499. 500. 501. 502. 503. 504. 505. 506. 507. 508. 509. 510. 511. 512. 513. 514. 515. 516. 517. 518. 519. 520. 521. 522. 523. 524. 525. 526. 527. 528. 529. 530. 531. 532. 533. 534. 535. 536. 537. 538. 539. 540. 541. 542. 543. 544. 545. 546. 547. 548. 549. 550. 551. 552. 553. 554. 555. 556. 557. 558. 559. 560. 561. 562. 563. 564. 565. 566. 567. 568. 569. 570. 571. 572. 573. 574. 575. 576. 577. 578. 579. 580. 581. 582. 583. 584. 585. 586. 587. 588. 589. 590. 591. 592. 593. 594. 595. 596. 597. 598. 599. 600. 601. 602. 603. 604. 605. 606. 607. 608. 609. 610. 611. 612. 613. 614. 615. 616. 617. 618. 619. 620. 621. 622. 623. 624. 625. 626. 627. 628. 629. 630. 631. 632. 633. 634. 635. 636. 637. 638. 639. 640. 641. 642. 643. 644. 645. 646. 647. 648. 649. 650. 651. 652. 653. 654. 655. 656. 657. 658. 659. 660. 661. 662. 663. 664. 665. 666. 667. 668. 669. 670. 671. 672. 673. 674. 675. 676. 677. 678. 679. 680. 681. 682. 683. 684. 685. 686. 687. 688. 689. 690. 691. 692. 693. 694. 695. 696. 697. 698. 699. 700. 701. 702. 703. 704. 705. 706. 707. 708. 709. 710. 711. 712. 713. 714. 715. 716. 717. 718. 719. 720. 721. 722. 723. 724. 725. 726. 727. 728. 729. 730. 731. 732. 733. 734. 735. 736. 737. 738. 739. 740. 741. 742. 743. 744. 745. 746. 747. 748. 749. 750. 751. 752. 753. 754. 755. 756. 757. 758. 759. 760. 761. 762. 763. 764. 765. 766. 767. 768. 769. 770. 771. 772. 773. 774. 775. 776. 777. 778. 779. 780. 781. 782. 783. 784. 785. 786. 787. 788. 789. 790. 791. 792. 793. 794. 795. 796. 797. 798. 799. 800. 801. 802. 803. 804. 805. 806. 807. 808. 809. 810. 811. 812. 813. 814. 815. 816. 817. 818. 819. 820. 821. 822. 823. 824. 825. 826. 827. 828. 829. 830. 831. 832. 833. 834. 835. 836. 837. 838. 839. 840.

نہ رفتہ ایسا وقت آجائے کہ غلبہ نہ محض سے مطلق ہو اور اہل حق سے اہل باطل سے

کے لیے جو کہ بڑے خطرے اور جان بھری

...and the ...

جو منکر و قاتل ہو " والا خیل ایک بار سے زیادہ دہرایا گیا ہے اور وفا کے مثلث میں غور شاعر کا رویہ یا تصور بھی روشن ہوتا

خوشم کہ دوست خود کئی باہ ہے وفا باشد
کہ درمگن نکالم امید مجھ کشش
صد ہوگی کہ ایک غزل میں "قلم بود قلم" کی ردیف رکھ کر وفا کے ہر ایک تصور کو اس تار میں پرو دیا ہے۔

عجیب پر عمد زبان تو قلم بود قلم
کایں خود از طرز بیان تو قلم بود قلم
دل نما دن بہ پیام تو قلم بود قلم
کام جستی زبلیں تو قلم بود قلم
آخر اے پر قلموں جلوہ کھلی؟ کاخیا
ہرچہ دلوں نشان تو قلم بود قلم

وفا کا مقدرہ معلوم قلاب کے لئے زندگی کے ہر عمل، ہر مرحلے، ہر ماحول میں جگہ چھوڑنا چلا جاتا ہے۔ حسن محبوب کی وفا سے بھی ان کی تسلی نہیں ہوتی، کیونکہ وہ ان کا مقصود نہیں۔

جبری وفا سے کیا ہو تسلی کہ دہر میں
جبرے سوا بھی ہم پہ ہزاروں قسم ہوئے/ ہمت ہے؟
اور خود اپنی وفا سے دست بردار ہوتے ہیں۔

وفا کیسی، کس کا عشق، جب سر پہوڑا نصرا
تو میراے سنگ دل تیرا ہی سنگ آستان کیوں ہوا
یہ ان کا اصلی نقطہ نظر ہے، زندگی اور فن کے بارے میں ایک سوچا سمجھا ناپاختہ رویہ۔ ایک منظم، قائم مقامات
مجبوری و دعوایہ گرفتاری الفت
دست و سنگ آستان بیان وفا ہے

میں ممکن ہے کہ یہاں 'ہمارے خیال کو رد کرنے کے لئے قلاب کا کوئی پرستار اس قسم کے اشعار یا ردائے ہو پہلے سے
کافی مشہور ہیں اور وفا کی عظمت جانتے ہیں، مثلاً۔

وفا داری بشری استواری اصل ایمل ہے
مرے بت خانے میں تو کہے میں گاند برہمن کو

—————۱—————

نہیں یکہ سحر و زہار کے پندے میں گہرائی
وفا داری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

غور کیجئے تو یہاں بھی انہوں نے وفا کے اس تصور کو، اس کے اختلافے کمال کو شیخ و برہمن کے سپرد کر کے اپنی ہاں چھڑائی
ہے۔ برہمن اگر اپنی وفا میں استوار ہے تو اسے صلہ دیجئے اول تو برہمن کا زان نہیں، ہلایا جاتا ہے، پھر کہے میں کسی کو

دماغ نہیں کرتے۔ یہ اس کو دماغ دماغ سمجھنے کیونکہ وہ اپنی آنکھوں میں ”دماغ کے پتھر“ کی گرفتاری میں سارا جیون تباہ کیا ہے یعنی وہ عمل اس سے سزا دیا ہوا ہے جسے لوگ دماغ کی استقامت کا آزمائش سمجھتے ہیں۔ جو لوگ دماغ کی عظمت کے ایسے ہی قائل ہیں اب وہ دماغ کی ارحم پتھر کے لئے نہیں دیکھنے کے لئے تیار کریں۔ اور وہ بھی کہیں؟ تو پھر غالب اپنے لئے کیا پسند کرتے ہیں؟ یہ دماغ؟ یہ دماغ؟ مصری کی کہیں بن کر لذت چکھتا اور اڑ جاتا؟ نہیں۔۔۔۔۔ وہ زندگی کو اس سے زیادہ گمراہی کے ساتھ ”ہدایتی“ تجربے کے ساتھ دیکھتے ہیں اور دماغ تک تھنوں کی لنگ میں دیکھتے ہیں۔ ہم یہاں دماغ کے اس پہلو کو اشارۂ عرض کریں گے۔

(صاحبوہ) سینٹر کے سب سے حاضرین! آپ جو فلسفے اور عمرانیات کا مستحق واقف دیکھتے ہیں، آپ کے سامنے خیال اور عمل کے درمیان اور باہمی تعلق پر روشنی ڈالنا کچھ ضرور نہیں) خیال اور عمل میں کون کون سا ہے؟ یہ وہی مسئلہ ہے کہ Beina (بد) اور Thinking (شعور) میں کون فیصلہ کن ہے۔ سائنسی لحاظ کا نظریہ سامنے والے عمل کو ”خارجی حالت“ (بیرونی طرز و تعلقات) یا ماحول کے عمل کو انسان کے ذہن و شعور پر حاوی بلکہ ان کا راجعہ مانتے ہیں۔ اسی سبب سے ہم نے غالب اور دماغ کے تصور میں خارجی حالت کو ہی منظر کے طور پر پیش کیا۔ اب خود خیال اور عمل کے رشتے سے دانشور فنکار کا دلچسپ بھی دیکھئے۔

اول یہ کہ ”رچا“ اور Rifra میں دونوں دست و گریب ہیں۔ ”رچا“ یا خیال، بلکہ دستورِ نفسی کے طرزِ فکری نظام میں Idea ہے جو کسی شخص اور طرح کی روح میں دماغ رہتا ہے۔ آزمائش اپنی عظمت کے ساتھ عملی رسوم کی مشقت طلب کرتا ہے اور اسے جنم دیتا ہے۔ جب کوئی ”رچا“ پیچ کر ”ری چو کل“ میں نمودار پاتا ہے تو فکری سطحی عمل بن جاتا ہے اب سمجھئے کہ خیال دماغ پر ہے اور انکسین دماغ طلب خیال یا کھینچا کو انکسین میں ”انگڑی اور اجتماعی عمل میں ڈھلنے“ فرد اور جماعت کو ہم آہنگ کرنے اور ہموار رکھنے کے لئے دماغ پر نذر دینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ دماغ کے مشروط تصور کے بغیر کوئی ”رچا“ کھیل کر ”ری چو کل“ نہیں بناتا، نہیں بن سکتا اور جو نظریے کسی سطحی نظام کو جنم دے کر یہ اصرار کرتے ہیں کہ ہارٹی یا سوسائٹی ان کا قصور ہے، وہ فرد کو ثانوی حقیقت دے دیتے ہیں، جو اقبل کے لفظوں میں:

فرد قائم رہا ملت سے ہے، تھا کچھ نہیں

سوج ہے دنیا میں اور جہاں دنیا کچھ نہیں

آپ نے دیکھا یا پتا ہو گا کہ خیال کی جگہ یا عقیدے کی توارگی سے ہے موافق برتنے والے سطحی نظام مرتد کو مستحکم اور Dissenter کو Excell کر دیتے ہیں۔ عمل کی اجتماعی نوعیت کی خاطر انہیں اصرار ہوتا ہے کہ خیال کے سوتے سے پھوٹا ہوا اور نہلنے بھر کی آکاشیں لپیٹے ہوئے جو عقیدے طے شدہ ہے اسے جوں کا توں قبول یا نامزد کر دیا جائے۔ اسے وہ ”دماغی بشرط استقامت“ یعنی غیر مشروط دماغ قرار دیتے ہیں۔ جب کہ خیال بھلنے خود غیر مشروط ہے اور ہے دماغ کی روح لئے بغیر دماغ اور تکرار دم نہیں رہتا۔

اب ذرا غالب کا وہ مشہور نثر شعریہ کر سونچئے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

ہم سوچ رہے ہیں، ہمارا کیش ہے ترک رسوم

ہمیں جب مٹ گئیں اجڑے اکیلا ہو گئیں

”ترک رسوم“ دراصل ایک سنی میں ترک وفاق ہے کیوں کہ رسوم ہی تو ہیں جو عمل میں وفاق کا اظہار کرتی ہیں یہ ”رہا“ نہیں ”ری چو نکل“ کا مجموعہ ہیں۔ فکار اور وفکار نظریہ ساز اور نظریہ پرست میں نہیں آکے اتر چکا ہے۔ فکار اپنے عہد اور ماحول میں سامنے لے کر ”ہر رنگ میں ہمارے لہجے“ پر نود دیتا ہے۔ وہ اپنا داخلہ دے رہا ہے جو پوری وفاق داری کے چہرہ، بلکہ وفاق داری کے ساتھ کسی بھی مسئلہ عقیدے، طے شدہ سانچے، یا طاقت فوری دے دے وقت کے عام چلن سے، یا نیچلی رسم و رسم سے ”جڑی یا کلی“ عارضی یا مستقل ہے واقعی کرنے پر مجبور ہے۔ وہ خود اپنے سود و نیاں سے قائل یا ہے یا بلکہ ذاتی مفاد کا کھلا دشمن ہو کر بھی وفاق کے معمول سے بکڑھتا ہے اور راہ صواب کے بھائے بھٹکتے اور تلاش کرتے رہنے کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ خود کو بلا کر اپنا غیر فرض کر لیتا ہے۔ جیسا کہ غالب نے اپنے بارے میں ایک آنو بائیکریٹل (سوانحی) ہے ظلف خط میں لکھا ہے۔ وہ جب کہتا ہے۔

پیش و خم دہل لئی استہ نوشا کز لوی

بلکہ و خوشہ یکساںست در غریباں ما

اکیلا ہے غیب فقرہ ہا رفت از ضمیر

زاسما گزشتہ ایم و مسی نوشتہ ایم

”اس“ ”آزادی“ کے عہد و حال ابھارتا ہے جو خیال کے بدلنے ہوئے بعد () کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ وہ ”Rituals“ کی پوٹلی دے کھڑے پھوڑ کر خیال کے گرداب میں اترتا ہے اور مسی کی تلاش جاری رکھتا ہے۔ اس کی وفاق صرف اپنی فکر کے تقاضوں سے ہوتی ہے۔ جو گلوب کی طرح گردش کرتی اور روشنی و تاریکی کے عالم میں جھلا رہتی ہے۔

فکار اپنی عصری سطح سے بلند بھی ہو گا جب وہ دانش دہی میں قدم رکھے گا اور اپنے وقت کے داخلہ دور وہ ہوتے ہیں جن کی وفاق اپنی دانش کے تقاضوں سے برقرار ہے۔ ان تقاضوں سے جو ہر عہد، ہر ایک دور اور سلاطی ارتقا کے ہر ایک مرحلے میں تغیر پذیر اور ”بے وفاق“ رہے ہیں۔ جسے غالب کے متعلق اس سلسلے میں کچھ کلام ہو وہ ان کے قصیدوں کی تفسیریں دیکھیں، بعض مشعوذانہ دیکھیں جہاں اس داخلہ دور فکار نے اپنا سوچا سمجھا رویہ یا ایک تسلسل کے ساتھ بیان کر دیا ہے مثلاً ”بینند“ کی روایت والا قصیدہ (نمبر ۳۶)

دل نہ بلکہ بہ نیرنگ و دوری دور دورک

ہرچہ بینند بہ عنوان تماشا بینند

مرد تصوف کا نظریہ، جس میں غالب نے قیام کی بحثا بحث سے بچنے کے لئے پناہ لی تھی، ان کے ہاں ایک عمل عقیدہ یا اعتقادی نظام نہیں، بلکہ ایک اخلاقی برکت ہے۔ اپنے نظروں میں یہ راز افلا بھی کر دیا ہے کسی کو کبھی مشورہ نہ دیا کہ تم تصوف اختیار کرو، کھل کر کہہ دیا کہ تصوف و نجوم، انہوں نے بس یہی ہی لگا رکھا ہے، ”وہ نہ ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔“

"بے دہائی" کے اس برکتو میں ہمارا دانشور فنکار اس مقام کو پہنچ جاتا ہے جہاں فرطیں کے دوسو لود ہزاراک جیسے انسانی ٹیکنیڈسٹ اپنے وقتوں میں پہنچے تھے۔ وہ صرف تانیہ جاتی کی خاطر نہیں کہتا کہ
ہاں سما دین اے پد' فرزند آزاد راگر
برکس کہ شد صاحب نظر دین بزرگوں خوش نگرا
یہاں پد رچ کچ کا پد نہیں بلکہ رسوم اور سک بند مقام کے پہلے یا کو قتل ہیں جو پہلے دہی صاحب کی تقدیر میں لکھتے
تھے اب "ازسوں" کے حصے میں آ رہے ہیں۔

کفر د دین چیت' جز آکاش پدار دعو
پاک شو پاک کہ ہم کفر تو دین تو شود
غالب کے اس "بے دہائی" تصور اور برکتو میں کنہو دین کے تمام سواچہ تصورات کی دیا لریں دھن مگی ہیں اور ملو پد ر
آزاد اعلیٰ فکر سرپند ہو جاتا ہے۔

مصلحتیں برہم کرے ہے جھنڈ ہار خیل
ہیں دہائی ٹیرک یک بت خانہ ہم



گوئے اور غالب

ڈاکٹر انعام الحق کوثر

علامہ اقبال مرزا غالب کے سرائے میں فرماتے ہیں:

آدا تو اجڑی ہوئی دلی میں آرا میدہ ہے

مکھن دیکر میں تیرا ہم نوا خواہیدہ ہے

آج ہم گوئے اور غالب کی ہمنوائی کے بارے میں کچھ عرض کریں گے۔ گوئے کا سال پیدائش ۱۷۳۹ء اور سن وفات ۱۸۳۳ء ہے۔ وہ جرمن تھا اور جرمن ادب کی روح دواں مشغور ہوتا ہے۔ اگر اسے جرمن ادب کا درخشندہ ترین کارنامہ سمجھیں تو جانا نہ ہوگا۔

انھارویں صدی تک یورپیت کے اثرات کی گرفت یورپ پر بہت ڈھیلی ہو چکی تھی۔ صنعتی انقلاب کے باعث قدیم عقائد میں الجھل بچ گئی تھی۔ ان کی بنیادوں میں زلزلہ وقوع پذیر ہو چکا تھا۔ مذہب اور سربایہ دار کی آئینہ نش کی ابتدا ہو گئی تھی اور اسی صدی کے آخر میں فرانس اس طوفان انقلاب سے دوچار ہوا جس کی بنیادیں دھنوک والیٹر دنیوا نے رکھی تھیں۔ اور نئے پندوں نے پختہ کاموہ دیا۔ انفرض مذہب کا عمل دخل ختم ہو رہا تھا اور انسانی خمیر پکلا جا رہا تھا۔ انسانیت میں دی تھی۔ لیکن اوپر کا طوطا اقتدار، ایجادات، سائنس، ذرا اندوڑی اور بے خمیری کے نئے میں آسمانوں پر کندہ ڈال رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے گرد و پیش میں انسان کے مستقبل پر محض تصور گھٹائیں چھا رہی تھیں۔ اس وقت گوئے نے اپنی ڈرامائی نظم "فلاؤسٹ" تحریر کی۔ فلاؤسٹ ایک جرمن تھا جو "علم کل" کا حقیقی تھا۔ جس کے باعث وہ زندگی کے لیوں کو پس کر رکھ دے اور نئے حیات کی جست بھی نہ رہتے دے۔ گویا وہ میٹرفٹ کے بلکہ ترین مدارج کو اپنے بقدر اختیار میں لانا چاہتا تھا۔ اسی آئینہ نش کی خاطر وہ بحر علم میں غوطہ زن ہوا۔ جی بھر کر مطالعہ کیا، لیکن اطمینان قلب نصیب نہ ہو سکا۔ اس لئے اس نے اپنے رجحان کی باگیں جلو کی جانب موڑیں۔ اس کی سوچ کی پرواز نے اسے اسی میں تسکین قلب تلاش کرنے کا سمجھایا۔ چنانچہ اس نے مفسوفلز (MEPHISTOPHALES) یعنی شیطان کو ستر سے بلایا، اور اس کے ساتھ ایک معاہدہ کیا کہ اگر مفسوفلز فلاؤسٹ کی ہر آرزو کو جمیل تک پہنچا دے اور اس مطمئن کر دے تو فلاؤسٹ اس کے بدلے میں اپنی روح اس کے حوالے کر دے گا۔ مفسوفلز نے اس کی خواہشات کو کامرانی سے ہتکنار کر دیا اور اس کی روح لے لی۔ لیکن فلاؤسٹ کو اطمینان نصیب نہ ہوا اور وہ اس امر سے آگاہ نہ ہو سکا کہ لڑائو حیات میں حقیقی طمانیت پنہاں نہیں۔ وہ دلوں اسی تذبذب اور تا اسی کے عالم میں رہا۔ حتیٰ کہ وہ اس ارادے کے امتحانی مقام سے دوچار ہوا جس کے مدظر و مریوں کا فائدہ ہے۔ اس کی حاصل کردہ اخلاقی بلندی نے آسمانی طاقتوں کو اس کی مدد پر اکسایا اور ان طاقتوں نے فلاؤسٹ کو جواب انسان کامل تھا مفسوفلز کے چنگل سے نہایت دلائی۔

اگر ہم ڈائری (دور حیات ۱۷۶۵ء سے ۱۸۳۱ء) اور لٹن (۱۸۰۸ء سے ۱۸۷۷ء) سے گوئے کا تھیل کریں تو ہم کہیں

کے کہ وہ دونوں شاعرانہ ماضی ہیں؛ لیکن گوئے شاعر مستقبل ہے۔ ڈائے کی "آہلی طریقہ" (DEVINE COMEDY) اور ملٹن کی "فردوس گمشدہ" (PARADISE LOST) کے علاوہ سے ان دونوں کے کردار انجیلی، مٹوی اور غیر ارضی معلوم ہوتے ہیں۔ مگر گوئے کے کردار حقیقی انسان ہیں گوئے کے نزدیک موجود انسان کی نہایت علم کل یا سائنس یا ایجادات نہیں ہیں بلکہ فلسفہ سبھی "خداست و دیگر اور زندہ خمیری میں سفر ہے۔

گوئے نے صرف اس بلند عقل کا طلبہ وار اور تخلیق کشہ تھا بلکہ اس کی اپنی زندگی بھی اسی عقل کے پیمانے پر بنائی جا سکتی تھی۔ اس نے کبھی اپنی خواہشات کے سامنے سر حلیم ظم نہ کیا۔ اس نے کبھی خمیری آواز کو نہ ٹھکرایا۔ وہ کبھی کسی انسان کا قتل نہیں ہوا اور اس نے عیسائی انسان کو انسان سمجھ کر اس کی مدد کی۔ وہ دفتر میں ہوا یا قہر میں ہر جگہ آواز رہا۔ جرمی کے علاوہ دیگر کا جواب یعنی ڈیوک آف ویمبر اس کا دوست تھا اور اس نے اسے کو نظر آف ایشیت مقرر کیا ہوا تھا؛ لیکن نہ کبھی دیکھ کر اپنے آپ کو گوئے کا مہل یا افسر خیال کیا اور نہ گوئے نے کبھی اپنے آپ کو اس کا بخت جان ظاہر ہے کہ ایسے آدمی اور فن کار کا اثر آج تک موجود ہے۔ اور اسی لئے علامہ اقبال نے "پیام شرقی" اس کے جواب میں لکھی۔ ہم اس امر کو بھی صرف نظر نہیں کر سکتے کہ گوئے کے ذہن کی تربیت میں یورپی اثرات کے پہلو بہ پہلو حافظ اور ایران کے دوسرے عظیم شعرا نے بھی شرکت فرمائی تھے گوئے نے عیسائی حلیم کیا۔

اب ہم چنانچہ کہتے ہیں کہ اقبال کے نزدیک غالب اور گوئے ایک دوسرے کے ساتھ مماثلت کیوں رکھتے ہیں۔

اولاً۔۔۔ ان دونوں کا دور قریباً قریباً ایک ہے۔ اگرچہ غالب کی پیدائش بعد میں ہوئی اور بعد میں ہی اس نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔

ثانیاً۔۔۔ جب گوئے کے سامنے زمین کی سختیاں، فضاؤں کی تہ کیکیاں اور موت کی ہولناکیاں انتہائی ذرا تکی اور شکر جھوٹی تھیں تب بھی وہ دایر میں ہوتا تھا بلکہ اسے خوش آمد مستقبل کا تھیں۔ بالکل ایسے ہی غالب کو تھا "میں متروک گشت نا آریہ ہوں"

دوسرے مقام پر گویا ہوتے ہیں:

| | |
|----------------------------------|----------------------------------|
| تو دہانم کہ سرست حق خواہ شدن | ایں ی از قضا عیاری کمن خواہ شدن |
| کو کیم را دردم اون قبولی بود است | شرت شعرم بہ گیتی بعد من خواہ شدن |

پھر غالب نے یہ جو نکار:

کف غاتم خواہے ی نصم دگ عظم شرارے ی نصم

مک نہیں ہے بلکہ وہ عظمت اسلامیہ کے گدھے ہوئے کارواں کی غبار راہ کو اگر ایک طرف محفوظ کر رہا تھا تو دوسری طرف وہ شیطان صمد اور پند دہر کے عقب میں کچھ شراروں سے حملہ بھی کرتا تھا۔ یہ شعر اس کا سدا فن ہے اور اس کا فنی نظریہ بھی۔ اس کے فن کے وہ پہلو تھے۔ ماضی کو محفوظ کرنا اور مستقبل کے لئے کچھ شرارے

پیدا کرنا اور یہی وہ چیزیں یا افعال اقبال میں نقطہء مروج تک پہنچنے والے مکرر مباحثے کے لیے کہا تھا۔ مگر غالب اور حالی نہ ہوتے تو اقبال بھی نہ ہوتے۔

تھی کسی دماغیہ رعب کی صوائے درد ناک جس کو توانا و حیل کارواں سمجھا تھا میں

اور

دگر رستے ازین خوشتر ندیدم بخون طریقی تصویر ش کشیدم

وہی غالب کے نظریے۔۔۔ وہی غبار و شراب۔۔۔ وہی ماضی و مستقبل کا اتحاد ہے!

سنہری مستقبل پر ایمان ہی تھا جس نے غالب کو اپنی زندگی کے بڑے قہقہے یعنی بخش کے جھڑے سے ناامید نہ ہونے دیا۔ انہوں نے کبھی حیات سے انکار نہ کیا بلکہ زندہ رہنے اور سیلابِ حراوت، طوفانِ اشک، پچھلے کلفت اور وہ سب کچھ جو لوازمِ حیات ہے۔ اس سے منہ نہ موڑا۔

حال۔۔۔ گرجے آزادی، ضمیر کا طغیان، قہارِ ہادی کامیابی کو روحانی مسرت کے تابع رکھتا تھا اور اپنی ذات کو بتا کر دوسروں کی خاطر زندہ رہنا چاہتا تھا۔ یہی حال غالب کا تھا۔ بقول دہلوی:

"بڑے فن کار وہ بھی ہوتے ہیں جو صرف اپنی ذمہ داری کرتے ہیں" لیکن سب سے بڑے وہ ہیں جن کے دل سب انسانوں کے لئے دھڑکتے ہیں۔"

معمولی سی بات پر غالب نے ناہوں کو ٹھکرا دیا۔ اس کے کھم میں ہر جگہ سرگندہ آزادی اور زندہ ضمیر پائی جاتی ہے یہی بلند خیالات ہمیں اقبال کے ہاں بھی ملتے ہیں۔

بارہو اس کے کہ ایک جگہ غالب نے فرمایا تھا "صیف گر زمزمہء مدح و ثناء خیزاؤ"۔۔۔ پھر بھی انہوں نے قصیدے لکھے۔ ان کی کلیات فارسی کا ایک شاعری حصہ تھا کہ یہ یعنی ہے اور اردو زبان کا قریباً چوتھی حصہ تھا کہ یہ مشکل ہے۔ ان کے قصائد میں جہاں قصیدے کے لوازمات (شوکتِ الاطوار، عزتِ نقیبہ، بلند پروازی، علوِ تخیل، جدتِ ترکیب اور مبالغہ) موجود ہیں وہیں وہ اپنی انفرادیت کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اسی لئے ایک خط میں لکھتے ہیں "فارسی شاعروں کی دشمنی مجھ سے نہیں ہو سکتی"۔ ان کے قصائد میں فنی اختراعات کے علاوہ فلسفیانہ مسائل کا بیان ملتا ہے اکثر جگہ مدح کے مقابلے میں تنقید کا پلہ بھاری دکھائی دیتا ہے۔ بالعموم وہ تنقید میں زندگی کے مختلف مسائل پر اظہارِ خیال فرماتے ہیں۔ ان کی خودداری انہیں انسانی ہے اور وہ اپنی توصیف اور مدح کی تعریف کو ہم آہنگ کرتے ہیں جیسے:

مرا بہ شیعہ جلدوی ہل کمال ترا بہ پایہ شایستگی عدیل حکم

انہوں نے فارسی کا آخری قصیدہ جس کا مطلع ہے (2) خود اپنی تعریف میں کر دیا

او کوئی نکلی کی خواہم خویش راہگماں کی خواہم

ایک قصیدہ (3) میں اس مضمون کو کہ حرم کے نبھانے مدح کی خاک پر سجدہ کرتا ہوں، ایسے طریقے سے بیان فرماتے ہیں:

خاک کوئی خود پسند القادہ درجذب ہوا مجھ اذ ہر جرم نگداشت دریمائے من
یعنی گل کی خاک سختی مغرور اور خود پسند ہے کہ میرے ہاتھ پر حرم کے لئے ایک مجھ بھی رہنے میں ہوا۔
ایک اور شعر میں کہتے ہیں میں صمد کی تریف کرنے میں عاجز ہوں۔ لہذا رنگ سے کیا حاصل۔ میں اس کام کو
چھوڑتا ہوں تاکہ عطار و ہر آسمان کا شفی ہے وہ آئے اور اس کام کو پورا کرے۔

عاجز چوں در ثنائے دوست بار شکم چہ کار صیوم از خلیل ناگیو عطار دہائے من
اردو کا وہ قصیدہ جو ہلور شاہ ظفر کی حنائی میں عید الفطر کے موقع پر لکھا گیا مصرعے کا ہے۔ اس میں ہلور شاہ
کی تریف کے ساتھ ساتھ شاعر کے دل کی کیفیت حقیقی رنگ روپ میں اہاگر ہوتی ہے اور ہمارے وجد ان کو سوچنے پر
اہارتی ہے۔ چند شعر ملاحظہ فرمائیے (4)

ہاں سے تو نہیں ہم اس کا نام جس کو تو جگ کے کر رہا ہے سلام
وہ دن آیا ہے تو ظفر دم صبح کی اعزاز اور بھی اندام
ظہر میں تین دن نہ آنے کے لے کے آیا ہے عید کا عظام
اس کو بھولا نہ چاہئے کتنا صبح ہو چلے اور آوے شام
ہے مجھے آوندے بخشش خاص کر تجھے ہے امید رحمت عام
مرزا قلاب کے ایک معروف قصیدہ غنیہ کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے (5)

اُن بلبلم کہ در چمنستان بجا شاد بود آشیان من گلن طرہ بہار
اس میں ایک جانب شاعر نے خلوص دل کے ساتھ رسول اکرمؐ سے اپنی والہانہ عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ ان
شعروں میں فنی حاسن کے مقابلے میں سادگی کا عنصر نسبتاً زیادہ ہے۔ اور روز بیان میں فکر کی گہرائی کے برعکس جو
شاعری کے انکار کا خاتمہ ہے جذبات کی فراوانی پائی جاتی ہے۔ دوسری جانب شاعر کے انفرادی تاثرات اور اس
کا احساس برتری، ماحول کی مہماؤ گاری، سیاسی اور معاشرتی حالات کی نڈال پذیر ی اور ان کا رد عمل ملتا ہے۔
شاعری محض عقلت دیکھتے:

اُن معلوم کہ ساز نواہ خیال من غیر از کلمہ جلابہ دل تراشت تار
اُن کو کہیم کہ در دب و تب نوود شوق اوج من از رسیدن ی یافتی بقرار
قالب غزوہ انسان تھے اور ان کی طبیعت کا اصل رنگ فم ہی تھا وہ تو بہار کو بھی "مٹائے پائے خزاں" ہی کہتے
تھے۔ آکر نواہی شاعروں نے خود کو حلق کے مقابلے میں حرف بے معنی سمجھ کر ٹھکرا دیا ہے۔ لیکن مرزا قلاب جگر
خون کرنے کی لذت سے بھی آگاہ ہیں۔ شاعری "مٹنی نامہ" میں ان کا ذہن فم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ نئے وہ بہت
دستِ معنی پہناتے ہیں۔ وہ دل کے داغ کو ملا جھٹوں کے اہاگر کرنے اور شخصیت کے سنوارنے کا سبب گردانتے ہیں۔
یہ داغ سواہیہ حیات ہے اور یہی ان کی شاعری کی روح ہے۔ ان کی زبان سے نکلے (6)

برائش فم آموز نگار من است
خون عزیزان بہار من است
حق کر اہل در سرشت من است
بود دوزخ ابھشت من است
ہرین جلد کا بندہ خود است
لم غصہ راہ حق بود است
من از غفلت بادل درد مند
نمای غزل بر کشیدہ بند
خود از درد چاہ و نمود چاہ بخوی
نمود آشفتہ مغز و نمود انسانہ کوئی
کسم در حق کار فرمای نیست
ہے بختگی صحت انورای نیست
روز داں فم آمد دل افروز من
چراغ شب و اختر روز من
دلیم بھر غالب ہے فم شاد ہار
ہرین کج ویرانہ کیا ہار

جس طرح آسمان کے ستارے سورج کی آمد پر دم بڑھ جاتے ہیں، کھو جاتے ہیں، او بھل ہو جاتے ہیں، لیکن سورج کا طبقہ ہمارے ان کی جان قبض نہیں کر سکتا۔ اسی طرح فم و اندوہ کی یگانہاں غالب کو بڑھوہ جانے کی بجائے ایک نیا کورس بخشتی ہیں۔ وہ ایک ایسی روشنی پاتے ہیں جو صبح کے درجوں سے خود بخود بھر جاتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو ایک ایسے نور کا سیلاب سمجھتے تھے ہیں جو تاریک، سید پوش رات کے سینے میں بھی دھڑکتا ہوا دل پیدا کر دیتا ہے اور ان کی سوانحی، 'نور داری'، 'علیٰ بھی پندر نظری اور ذاتی صلاحت کی داو دینے بغیر نہیں رہا جاسکتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

ہندگی میں بھی وہ آزاد و خود ہیں کہ ہم
لگنے پھر آئے در کعب اگر دانہ ہوا
ہنگامہ زمینی صحت ہے اشغال
حاصل نہ کیجئے دہر سے صبرت ہی کیوں نہ ہو
ی تنیزم با تھا از دہر باز
خوش را بر تیغ عرواں ی دہم
لب ہاشیر و منجری کسم
براری کہ دران غصہ راعصا غلظت
پوسہ ی پریم راہ گرچہ پا غلظت (7)
آنچہ خواں دلو جز دروست محبوباں دل ست
و آنچہ خواں ریزت جز درپائی خواں آروست
تاہر شوق ہواں وہ بھجارت نمود
کہ وہ اہلاد و سواہ بھارت نمود
غالب شت کوی نورین تھیں است
کہ ہے شانی غلظت ہے وزارت نمود (8)

مرزا غالب کی پزلہ سنجی اور کشمکش کے گل کھلائی ہے جب وہ شمر کے کوتوال سے دشمنی کی بنا پر ایک مقدمہ میں ملوث ہوئے تو طبعی عرفان کو ہاتھ سے جاتے نہ دیا۔ اسی سلسلہ میں وہ درد و کرب کے بیان کے بعد اپنی حالت کا یوں ذاتی اڑاتے ہیں۔

پاسہاں بیکہ آئید کہ من ی اکیم
در زخاں بکھانید کہ من ی اکیم
ہر کہ دیدے ہے در خوشی سپاسم گھنٹے
خیر مقدم ہر آئید کہ من ی اکیم
دوسوں کو دلائے دوسوں پر ہنسا ہر افسان کا غامض ہے، لیکن اپنے اوپر خود ہنسا ہر اس مردوں کا ہی فیض ہے۔

اور پھر طردِ عرفیت کا کرشمہ یہ ہے کہ اس کے قافلہ دو رنگ پر نظر نہ پڑے۔۔۔ مگر جائے کام اپنا لیکن نظریہ آئے۔

اردوئے معنی کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ مرزا نے قنوت کے موقع پر بھی عرفیاتی انداز اپنایا اور اعتبارِ ربکی اور تلقینِ صبر کے بجائے قنوتِ ناموں میں بھی دل کو بھولنے والے لطیفے لکھے۔ عارف کے مرقع میں گویا ہیں:

تم کوٹنے تھے ایسے کمرے داو دستہ کے کراٹا ملک الموت تھمنا کوئی دن اور اپنے عروجِ شاکر دہر گہاں قند کو یوں ترک دنیا سے باز رکھتے ہیں "میںیں ترک لباس کرتے ہو۔ پسنے کو تھمارے پاس کیا ہے جس کو اتار کر بھینک دو گے۔ ترک لباس سے قید ہستی مٹ نہ جائے گی۔ بغیر کھائے پئے گزارا نہ ہو گا۔ غنی و سستی و ربکی و آرام کو ہموار کر دو جس طرح ہو اسی صورت ہر صورت گزرتے دو۔"

ایک اور خط میں یوں اپنی زندہ دلی کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں "میرا حال مجھ سے کیا پوچھتے ہو وہ ایک دن میں ہمایوں سے پوچھتا۔" قند کو تاک۔ گوشتے اور غالب کے ساتھ ہر سلوک ہوا وہ علف ہے۔ گوشتے کی عقلیت کا احساس جرمین قوم کی دعاؤں اور استغلوں کی عقیدت گاہ ہے لیکن عمارا غالب ہر گوشتے کی ملاہیت، تحلیل اور قہمیت کے حامل تھے ساری عمر اقتصادی لحاظ سے بھی پریشان رہے اور ذہنی طور پر بھی۔ ان کی قوم کو بھی ان کی عقلیت کا وہ احساس نہ ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ ہم غالب شناسی کے سلسلے میں مولانا حالی، ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری، شیخ محمد اکرام اور مولانا نظام رسول مروتیو نے گرانقدر کام کیا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں ان کی صد سالہ برسی منا کر قدر دانی کا ثبوت بہم پہنچانے کی جو کوششیں ہو رہی ہیں وہ یقیناً قابلِ قدر اور قابلِ توصیف ہیں۔ اقبال کیا خوب فرما سکے:

تھا سراپا مدح تو بزمِ خنجر ترا نصیب محفل بھی رہا محفل سے پنہاں بھی رہا
دنہی مضر ہے تجوی شوقیہ تحریریں تاب گویائی سے جنبش ہے لب تصویر میں

حوالہ جات

- 1۔ گوشتے (بی سنوری آف اے بی) جلد اول و دوم۔ ڈاکٹر لوئیگ (LUDWIG LEWISCHON) لیوڈاک ۱۹۳۹ء گیت بکس آف دی ویلن ویلف (گوشتے جلد نمبر ۲۷) لندن ۱۹۵۲ء
- 2۔ کلیات غالب کتب خانہ ۱۹۱۵ء صفحات ۳۳۷ تا ۳۳۹ کل اشعار ۵۷
- 3۔ کلیات غالب ص ۳۳۱
- 4۔ دیوانِ غالب۔ لاہور ۱۹۱۵ء صفحات ۱۱۱ تا ۱۱۲
- 5۔ کلیات غالب۔ ص ۳۳۹
- 6۔ کلیات غالب ص ۱۵۱ تا ۱۵۳
- 7۔ ۳ تا ۱ کلیات غالب صفحات ۳۱۸، ۳۷۳، ۳۳۳

ڈاکٹر وحید قریشی

خوف زدہ غالب اور عصری صورت حال

غالب کی ذاتی زندگی اور حقیقی زندگی کے درمیان فاصلے تھے۔ ان کا محض ماحول ایک امیرزادے کا تھا۔ ابتدائی بار و صحت کے ساتھ ساتھ احساس قیمتی اور چھاپاؤ کا خوف دونوں اوسنے سروں میں بات کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ان حالات میں وہ ایک بہت اوجھا کینڈیل ٹراشنے پر مجبور ہیں۔ اس کینڈیل کا ٹاٹھری ٹاکر جاگیوار ٹپکے کے میٹروں کے مطابق ہے۔ غالب زہرا اسی جاگیوار وار ٹپکے کے فرد تھے۔ ان کی آرزوؤں نے ایک مٹی دیا بنائی تھی جسے اپنی ذات کے گرد سہائے دیکھنے کا شوق انہیں طرح طرح کے نفوش جانے پر مجبور کرتا تھا۔ انہیں کسی جتن کرنے پڑتے تھے۔ اپنے اہلاد کی ملالی فیس کے بار بار ذکر سے دراصل وہ اپنے آپ کو یہ بار کرانے کی سعی کرتے تھے کہ وہ حاکم نسل سے ہیں۔ برتری کے خیال سے جو فی الاصل احساس کمتری ہی ہے وہ اپنی روزمرہ کی زندگی کو حقیقت میں بدلنے کے لئے عقیدہ شان و شوکت کو گھر پر طاری کرنے کے لئے قرض کا سارا لینے۔ قطع نظر اس کے کہ غالب کے گھر کے اخراجات اس عیاشی کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے، مگر بھر خوف نے ان کا چچا نہیں چھوڑا۔ سبب شاید یہ تھا کہ ابتدا میں غالب کو نسل کے خالی رحم و کرم پر پٹنا پڑا اور دیگر افراد خاندان کے مقابلے میں کم حیثی کا آسیب ان کو ڈستا رہا۔ اور غالب کا اپنے بارے میں رویہ زیادہ اہم ہو گیا۔ وہ عنی کی طرح اپنی شاعری میں بار بار اپنا ذکر کرتے گئے۔ ابتدا میں بیدل لیکن بعد میں عنی غالب کا پسندیدہ شاعر تھا۔ شاعری میں محبوب کی بجائے اپنی ذات اہم ہو گئی۔ مولانا حالی کا کہنا ہے کہ غالب عام راستے سے ہٹ کر چلے تھے۔ انہوں نے وہ شعری اسلوب وضع کیا جس کا عرک قوی بظاہر ذاتی ناآسودگی کو سمجھا جاسکتا ہے۔ غالب کا شعری سرمایہ اسی ذاتی ناآسودگی کی ایک تبدیل شدہ صورت ہے۔ خود حس غالب کے ہاں یہ حالت زیادہ محدود جز بھی ہو جاتی ہے۔ جذباتی زندگی کا مسلسل مدجزہ غالب کو بے قواد رکھتا ہے۔ اس کی شدید ترین شکل وہ ہے جب وہ اپنی مخالفین کے خلاف ہر سطح کی ٹھنڈو کرتے ہیں۔ معرکہ ٹکٹ سے لے کر بہانہ قاطع کی بحث تک ایک جذباتی رد عمل چھایا ہوا ہے۔

ذاتی عرصہ میں کس حد تک اس آئین جانی کا باعث ہیں؟ ناآسودگی کا یہ خفی اعداد غالب کی جذباتی اور جنسی عرصہ میں کا ہے تو سمجھا جائے تو زندگی کو عصری حوالے سے دیکھنا ضروری ہو گا۔ نکام غالب میں سیاہ اور سرخ رنگوں کا بکورت استعمال ان کی جنسی ناآسودگی کا واسطہ اعتبار ہی تو ہے۔ بچپن کی شادی بچی کے اعزہ کا عمومی طرز عمل "مولود سے عروسی کے پے در پے صدقات اور گھر والوں سے فرار کی جذباتی ذمیت واضح ہے۔ یہ حالات کس حد تک حقیقی تھے؟ اور کس تک غالب کی ذاتی اضطراب کا رنگ اس میں شامل تھا جو انہیں مہالوں کی حدوں تک لے گیا؟ اس

کی تلافی ممکن نہیں۔ غور طلب بات یہی ہے کہ غالب کی داخلی الجھن جب خارج میں آتی تو مبالغے کا عنصر ذاتی ردِ عمل کے طور پر رواں پا گیا۔ انہیں عمر بھر یہ طال رہا کہ زندگی میں ان کی مناسب قدر و منزلت نہیں ہوئی۔ ان کا طیال تھا کہ مرنے کے بعد ان کی شہرت کی قیمت آئے گی حالانکہ غالب کا شمار اپنے عہد کے اہم شعرا میں ہوتا تھا۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ شہرت کا معیار وہ نہ تھا جس کے غالب خواہش مند تھے۔ انہوں نے اپنے طرزِ عمل سے یہی ثابت کیا کہ وہ مظلوم ہیں اور ان کی خدمات کا اعتراف نہیں کیا گیا۔ نا افسوس کی کامرکزی نقطہ یہی احساس ہے جس نے انہیں داخلی اضطراب میں لا رکھا۔ ان کی سوچ کا یہ دھارا بائبل سے بھی منسلک ہے۔ مغل تمدن تیزی سے رد ہو رہا تھا۔ ہمارے شہر شہر کے شہر و شوکت جو شعرا نے بیان کی ہے اور وہ جو تاریخ بتاتی ہے دونوں میں بڑی فرق ہے۔ اصل زندگی اور زندگی کے بارے میں آئیڈیل پسندی کے مابین فاصلوں کا احساس ادب اور تاریخ کو آئے سامنے رکھ کر ہی ممکن ہے۔ لال قلعے کی سادہ شان اور عصری حالت میں فرق تھا۔ غلطیوں کی تقویض بجا لیکن معیار خلعت گر گیا تھا۔ عملِ اہل کا اقتدار، ازبلی ٹیپلم، انگریز بٹے و کیف خوار کہتے تھے۔ شہنشاہ کی نظر میں وہ خراج تھا۔ یہ دیکھ کر تو قدرت کی ستم گردی کا قائل ہوتا ہی پڑتا ہے۔ شعراء عصر سادہ تھی زندگی اور حالیہ اصل زندگی کے درمیان تحلیل کی حد سے بڑھتے نظر آتے ہیں۔ غالب اپنی معاصرین کی نسبت زیادہ حساس تھے اس لئے ان کے ہاں شادری کا یہ مظاہرہ زیادہ بلند ہے جس میں غم کی لہر بھی ہے۔ غالب نواب تو نہ تھے لیکن اپنے آپ کو عمر بھر نواب ہی سمجھتے رہے ان کا کمرانا معمولی تھا لیکن آئیڈیل سرسالی تھا۔ غالب کے ہاں اغراضات ان کے دماغ سے زیادہ تھے۔ اب اس دماغ کی توجہ بظاہر یہی ہو سکتی ہے کہ غالب کے اصل حقائق اور آئیڈیل کے درمیان بہت فاصلہ ہے۔

۱۸۵۷ء سے قبل جدید مغربی اثرات ظاہر ہونے لگے تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تہذیبی پالیسی کے سبب ابھی بڑی بڑی تبدیلیاں تو نہیں آئی تھیں اور نہ ایک فعال طبقے کے طور پر درمیانی طبقے کا انگ سے غور ہی ہوا تھا۔ تہذیبی تبدیلی کا احساس فنی غالب کو تھا۔ انہوں نے مغربی تمدن کی برتری کو یہ فکر استہسان دیکھا اگرچہ اس طرح نہیں جس طرح سر سید احمد خان اور ان کے رفقاء نے دیکھا۔ شعروادب میں وسعت کی خواہش تو غالب میں ہے لیکن موضوعات میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں ملتی۔ دوسرے یہ ان کی زندگی کا آخری دور تھا جب ذاتی غم و الم میں وہ ٹوٹ کر رہ گئے تھے۔ غالب کا انتقال (عصری شادیوں کے مطابق) حرکت قلب بند ہونے سے ہوا جس کا بنیادی سبب ذیابیطس کا مرض تھا۔ وہ بد پرہیز بھی تھے۔ آسموں کے بکھڑے استہلال نے ان کے ہاں شہر اور نصیحتہ "نظار خون کا درجہ بلند کر رکھا تھا۔ ان کی قوتِ مبالغہ اور مزاحم کے آغاز ہی میں غم ہو چکی تھی اس لئے غالب کی زندگی کے آخری ایام کی امراض کی بنا پر حیوانی زندگی سے بہت حد تک کنارہ کشی اور ذاتی افکار میں غم ہو جانے پر مبنی تھی۔ اپنی بے بسی اور بے چارگی پر غالب کڑھتے تھے اور بعض اوقات ان کی جھلجھل خود رمی کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ اب وہ اپنی مصنوعی امارت پر استہزائی منظر بازی بھی کرتے لگے۔ اس افسانوی انحطاط میں ممکن ہے جگر کی خرابی کا بھی حصہ ہو لیکن اس کے حیوانی شواہد نہیں ملتے۔ وہ اپنی ذات کے طول میں سمٹ کر رہ گئے۔ یہی خوف زدہ شخص کا ذاتی حربہ ہے۔ جب برطانوی اقتدار کی آنکھیں کھل رہی تھیں غالب کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ مگر برطانیہ کو اقتدار کی منتقلی

ایام میں سہار ہو کر رہ گئے۔ اس کا اکتھار خطوط میں ہوا ہے۔

اندو سے لوٹ کر وہ جانے کا یہ عمل غالب کی زندگی کا آخری اندوہناک باب ہے۔ وہ کرب کے امیر ہیں اور اس میں گناہ بندہ کیا ہے۔ اس کو توجہ غالب کی شخصیت کے ہندوئی عناصر کے حوالے ہی سے ممکن ہے جس میں ان کا مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ باقی بڑا بیک وقت انگریز کی توصیف اور دلی کی جاہی افروس۔ عقلی طور پر وہ انگریز کے حامی اور ہندوئی طور پر قدیم معاشرتی اقدار کے حامی لیا تھے۔ یہ عقلی اور ہندوئی توجہ ان کے دہرے دوسرے کا سبب ہے جس میں انگریز کا ڈر اور خوف بھی تھا اور صدق دلی سے وہ ابو ظفر مبارک کے شاخوں میں بھی تھے اس سے ان کے ہاں غم کا عنصر زیادہ شدید ہو گیا جس سے شخصیت کی لوٹ پھوٹ بھی شدت اختیار کر گئی۔ کسی حد تک یہ سکون دوسرے صرف مذہبی واردات کے حوالے سے غالب کے ہاں آئے ہیں لیکن ان کا دائمی شخصیت کا صرف محدود حصہ ہے۔ ان کی ذات کرب سے زیادہ متاثر ہے۔



ڈاکٹر آفتاب احمد

غالب کے زمانہء اسیری کی یادگار نظم

ادب کی تخلیق میں نثر خاتون کا بھی حصہ رہا ہے قرا سوچنے تو دنیا میں کتنے ادبی شکاروں نے نثر خاتون کے گوشہ ہائے عثمانی میں جنم لیا ہے۔ اس کی ایک وجہ شاید یہ ہو کہ بھی وہ جگہ ہے جہاں ادب اور شاعر کو کار جہاں سے وہ مکمل فراغت نصیب ہو سکتی ہے کہ جو اس کے فطری تقاضے یعنی سحر آور ہرچہ اندر سینہ وادی کے لئے صمیز کا کام دیتی ہے۔

قید و بند کے سلسلے میں اردو کے شاعروں اور ادیبوں کا ذکر ہو تو ابوالکلام آزادؒ، محمد علی جوہرؒ، ظفر علی خانؒ، حسرت موہانی اور فیض احمد فیض کے نام اور ان کی اسیری کے زمانے کی تحریروں کے نام تو اکثر لوگوں کو فوراً یاد آ جائیں گے۔ مگر ان سب لوگوں کو شاید فوراً یاد نہ آئے کہ غالب بھی اس دمرے میں شامل ہیں۔ اگرچہ جیسا کہ ابھی بیان ہو گا ان کی قید کی وجہ بالکل مختلف تھی اور اسی لئے اس اعلانے غالب کے دل و دماغ پر بالکل مختلف قسم کے نقوش چھوڑے تھے۔ نیز یہ کہ اس زمانے کی یادگار غالب کا ایک فارسی ترکیب بند ہے۔ صرف غالب کے کلام ہی میں نہیں بلکہ شاید دنیا بھر کی حبسات میں ایک منفرد اور بلند پایہ نظم کی حیثیت رکھتا ہے۔

اب تک غالب کی اس نظم کا نام ”حبیبہ“ بھی کہا گیا ہے کوئی تفصیلی ادبی جائزہ نہیں لیا گیا یا کم سے کم میری نظر سے نہیں گزرا۔ حالی نے اسے غالب کی ”حمود ترین عالیہ نظموں“ میں شمار کرتے ہوئے سب سے پہلے ”یادگار غالب“ میں اس نظم کا تعارف کرایا اور اس کے مختلف ہندوں میں سے کچھ کچھ اشعار بھی نقل کئے۔ غلام رسول مرصاحب نے بھی اسے ”ایک بہترین نظم“ کہا ہے اور چونکہ یہ عام طور پر دستیاب نہیں تھی اس لئے اپنی کتاب ”غالب“ میں اسے مکمل صورت میں درج کر دیا ہے۔ شیخ محمد اکرام صاحب نے ”غالب نامہ“ میں ”عارفہ اشیری“ کے باب میں اس نظم کا ذکر کرتے ہوئے متعدد اشعار کا حوالہ دیا ہے مگر مجموعی حیثیت سے نظم پر کسی خاص تنقیدی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ مانگ رام صاحب نے ”ذکر غالب“ میں اسے ”فارسی نظم“ کے سہائے میں پیش کیا اضافہ قرار دیا ہے اور ظالمی کے خیال میں یہ ”جان و تن کی آزادی طلب کرنے والے شاعر کا ایسا کارنامہ ہے جس کی مثال دنیا کی بڑی بڑی ذہنوں میں مشکل سے ملے گی۔“ مگر ان میں سے کسی نقد نے بھی مقولہ بلا توصیفی جملوں کے سوا اور کچھ نہیں لکھا۔ سید وقیم الحسن علیہی صاحب نے اپنے مرتب کردہ نسخہ ”مسجد بکین“ میں اس ترکیب بند پر عالجہ لکھتے ہوئے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ ”غالب کی شخصیت اور فکر و فن کے مطالعے کے لئے ان کی اس شعری تخلیق کا مربوط تنقیدی جائزہ بہت مفید ہو سکتا ہے اور غالب کی شاعری میں ایک نئے موڑ کا سراغ لگانے میں حد

دے سکتا ہے کہ کس طرح یہ حادثہ "فازۂ مدئے ہنر" ثابت ہوا۔"

اس سے پہلے کہ میں اس ترکیب بند کے بارے میں کچھ عرض کروں۔ صاحب معلوم ہوتا ہے کہ میں غالب کی امیری اور اردو کے دوسرے ادیبوں اور شاعروں کی امیری کے بنیادی اور امتیازی فرق کی وضاحت کرتا چلوں۔ غالب کی قید اس قسم کی قید سے بالکل مختلف تھی جو ہمارے دوسرے شاعروں اور ادیبوں کے حصہ میں آئی۔ یہ شاعر اور ادیب اپنی ایسی کارگزاریوں کی وجہ سے محبوب ہوئے جو حکومت وقت کی نظر میں تو کھٹکتی تھیں اور واجب سزا تھیں مگر ارباب وطن کی نظروں میں بڑی قدردانہ عزت رکھتی تھیں۔ ان کارگزاریوں میں خواہ ان کی نوعیت اپنی ہو یا سیاسی، اک شاہدہ بجاوٹ ایک شبیہء حسرت پسندی پایا جاتا تھا۔ اس لئے ان کی سزا باعث تک و عار ہونے کی بجائے سبایہ ناز و افتخار سمجھی جاتی تھی۔ امیری ان ادیبوں اور شاعروں کے لئے یکسوئی اور فرصت کا زمانہ بن کر آتی تھی جسے وہ اپنے پسندیدہ علمی و ادبی مشغلوں میں صرف کرتے تھے اور جب وہ قتل خانے سے رہا ہوتے تھے تو ایک آدھ کتاب کا مسودہ اپنے ساتھ لاتے تھے ضروری نہ تھا کہ اس مسودے کا قتل خانے کی زندگی سے کوئی علاقہ بھی ہو، اس لئے کہ ان ادیبوں اور شاعروں نے اپنی قید و بند میں کھسی ہوئی تحریروں میں بھی قید و بند کے تجربے کو جملہ موضوع نہیں بنایا اور اس کا ذکر عموماً محض سرسری طور پر کیا، سوائے فیض کے کہ جن کا زمانہ امیری کا کلام واقعی زمانہ نامہ ہے اور جس میں قتل خانے کی لہذا شاعر کی اپنی جذباتی فضاء یعنی تخلیق اور اس قسم کی دوسری کیفیتوں کے ساتھ ساتھ اپنے عزم و حوصلہ اور اپنے مسلک پر یقین و اعتماد کا اثبات لیا ہوا ہے لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا، غالب کی امیری کا معاملہ بالکل مختلف تھا۔ ان کو کسی سیاسی وجہ سے نہیں بلکہ ایک اخلاقی جرم کی پاداش میں سزا بنتی چلی تھی۔ حالی نے اس حادثے کی تفصیلات کچھ اس طرح بیان کی ہیں کہ بے حد افسوس میں چوسر کے ساتھ کچھ بدکر کھینچنے پر قمار بازی کے الزام میں غالب پر دہلی کی انگریزی عدالت میں نویداری مقدمہ چلایا گیا۔ بعض معاصرانہ شواہد کی بناء پر اور خود مرزا کے اپنے قول کے مطابق دشمنوں اور حاسدوں کی فتنہ پردازوں کے باعث ان پر یہ الزام آئی۔ بادشاہ تک نے معافش کی مگر کارگر نہ ہوئی اور غالب کو چھ مہینے کی قید پامشقت اور دوسو روپے جرمانے کی سزا ہو گئی۔ یہ امیری ان کے لئے جسمانی اذیت بھی تھی اور مدافعتی کوفت بھی۔ تین مہینے گزرے تھے کہ دہلی کا حکم صادر ہو گیا۔ اپنی گرفتاری اور دہلی کا سارا حال مرزا نے اپنے ایک فارسی خط میں لکھا ہے۔ حالی نے "یادگار غالب" میں اس خط کا اردو ترجمہ پیش کیا ہے جو درج ذیل ہے:

"کوٹوال دشمن تھا اور جھٹپٹ بدرفتار، فتنہ گشت میں تھا اور ستارہ گردش میں" بادلوں کے جھٹپٹ کوٹوال کا حاکم ہے، میرے باپ میں وہ کوٹوال کا حاکم بن گیا اور میری قید کا حکم صادر کر دیا۔ سیشن جج بدجو یہ کہ میرا دوست تھا اور بیش مجھ سے دوستی اور مہمانی کے برتاؤ برتا تھا اور اکثر صحبتوں میں بے تکلفانہ ملتا تھا۔ اس نے بھی اغراض اور تقاضا اختیار کیا۔ صدر میں اڑیل کیا گیا، مگر کسی نے نہ سنا اور وہی حکم بحال رہا۔ پھر معلوم نہیں کہ کیا باعث ہوا کہ جب آری میرا گزر گئی تو جھٹپٹ کو دم آیا اور صدر میں میری دہلی کی رچ رٹ کی اور وہیں سے حکم دہلی کا آگیا اور حکام صدر نے ایسی رچ رٹ بھیجی کہ اس کی بہت تعریف

کی "منا ہے کہ دم دل حاکموں نے مجھ کو بہت غریب کی اور میری خاکساری اور آزاد روی سے اس کو مطلع کیا" یہاں تک کہ اس نے خود بخود میری دہائی کی رپورٹ بھیج دی۔ اگرچہ میں اس وجہ سے کہ ہر کام خدا کی طرف سے سمجھتا ہوں اور خدا سے لڑا نہیں پاسکتا جو کچھ گزرا اس کے شک سے آزاد اور ہر کچھ گزرنے والا ہے اس پر راضی ہوں "مگر آرزو کرنا آئیں مہجرت کے خلاف نہیں ہے۔ میری یہ آرزو ہے کہ اب دنیا میں نہ رہوں "روم ہے" مصر ہے" ایران ہے" ہندو ہے" یہ بھی جانے دو "خود کعب آزادوں کی جانے پناہ اور استاذہ رحمت اللعالمین ولداؤں کی تکلیف کا ہے۔ دیکھئے وہ وقت کب آئے گا کہ دہاندگی کی قید سے زیادہ جان فرسا ہے" نہایت پاؤں اور بغیر اس کے کہ کوئی حیل مقصود قرار دوں "مصرصر اگل جاؤں۔ یہ ہے جو کچھ کہ مجھ پر گزرا اور یہ ہے جس کا میں آرزو مند ہوں۔"

یہاں یہ فکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ غالب کا یہ خط جو ایک تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ ان کے فارسی خطوط کے مجموعے میں شامل نہیں۔ اس کی اشاعت میں بھی غالب کے وہی عزیز اور دوست حائل ہوئے ہوں گے جنہوں نے حالی کے بیان کے مطابق "حبیبہ" کو ان کی تعلیمات فارسی میں پہچنے نہیں دیا تا آنکہ اس مرد آزادہ رو یعنی غالب نے کہ جس کی پوری زندگی ایک کھلی کتاب تھی مرنے سے کسی قدر پہلے اسے اپنے مجموعے "مہدیین" میں شامل کر دیا اور یوں وہ شک ہونے سے بچ گیا۔ ظاہر ہے کہ ان عزیزوں اور دوستوں نے "حبیبہ" اور قید کے بارے میں غالب کے خط کی اشاعت کو اسی خیال سے رد کیا کہ غالب کی اپنی کسی تحریر کی غیر موجودگی میں آخر کو یہ واقعہ غیر مصدق سمجھ کر فراموش کر دیا جائے گا اور غالب کے سوانح کا حصہ نہ بننے پائے گا۔

بہر حال اب تو اس واقعے کے حلق غالب کے اپنے بیان کے علاوہ کئی ایک اور بیان بھی مہر عام پر آچکے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اگرچہ ناقدین نے غالب کے "حبیبہ" کا کوئی ادبی جائزہ پیش نہیں کیا مگر محققین نے غالب کی گرفتاری اور اسیری کے بارے میں خوب خوب وار تحقیق دی ہے اور معاصرانہ اور دوسری شہادتوں سے جملہ تفصیلات مہیا کرنے میں کوئی کسر نہیں افشا رکھی۔ سر صاحب نے تو اس ضمن میں مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک خصوصی نوٹ بھی درج کیا ہے جس میں ایک جگہ مولانا لکھتے ہیں:

"خواجہ صاحب (حالی) نے اس معاملے کو اس رنگ میں ظاہر کیا ہے کہ گویا کوئی بات نہ تھی۔ محض چور سر اور شہر کے کاشقار قتل اس شوق کی تحلیل کے لئے برائے نام کچھ بازی بھی بد لیا کرتے تھے۔ کو قتل چو تک دشمن تھا اس لئے قمار بازی کا مقدمہ بنا دیا۔ حالانکہ اصلیت بالکل اس کے خلاف ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ پورا قمار بازی کا معاملہ تھا اور لوہا امیر الدین مرحوم (دالہ و لوہارو) کے لفظوں میں مرزا نے اپنے مکان کو جو بازی کا اڈا بنا رکھا تھا۔"

اس کے بعد مولانا نے غالب کی گرفتاری کے حلق ذاتی کشکو کے دوران سر امیر الدین کی بتائی ہوئی تفصیلات بیان کی ہیں اور آخر میں اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے:

"اس سلسلے میں واقعہ کا ایک پہلو نہایت عبرت انگیز ہے جس کی تفصیلات مجھے خواجہ حالی مرحوم سے معلوم

ہوئی۔ جو نئی مرزا غالب گرفتار ہونے اور رہائی کی طرف سے مایوسی ہو گئی نہ صرف دوستوں اور چلبیسوں نے بلکہ عزیزوں نے بھی ایک قلم آئینیں پھیر لیں اور اس بات میں شرمندگی محسوس کرنے لگے کہ مرزا کے عزیز واقارب تصور کئے جائیں۔ اس باب میں نوابہ خاندان کا جو طرز عمل دہادہ نہایت الموناسک تھا۔ میں نے نواب امیر اللہ علی مرحوم سے اشارہ کیا کہ جو کر کے ٹھونانا چاہا تو ان کے جوابات سے بھی اس کی پوری تصدیق ہو گئی۔

اس خاندان کا کوئی فرد نہ تو اس نسل میں مرزا سے ملا اور نہ کسی طرح کی اعانت کی، انکا یہ فیصلہ بالکل جب آگرہ کے ایک اخبار نے مرزا کا ذکر کرتے ہوئے انھیں خاندانِ لہوار کا رشہ وار ظاہر کیا تو یہ بات ان لوگوں پر بہت شیعہ گزری اور یہ اجتماع و تحلف اس کی تعلیف کرائی، یہ لکھوایا گیا کہ مرزا صاحب سے خاندانِ لہوار کا کوئی فیسی تعلق نہیں، محض دور کا سبھی تعلق ہے۔"

”کتاب فیاء الدینی پر مرزا کو جس درجہ تاثر تھا“ وہ ان کے قلم کے لیے بے شمار ہے۔“

معم قزند واز و در خزندہ راز
 خیاہ دین عہد کسین برادر من
 اگرچہ اوست ارسلو ومن غلطولم
 بود چہ پایہ رسلوے من سکندہ من
 لیکن خضایت افسوس کے ساتھ کہتے چلتا ہے کہ افسوں نے بھی آنکھیں پھیر لیں اور اسے کسر شان سمجھا کہ قید
 خانہ میں ایک امیر ہرم سے ملنے جائیں۔

مرصاحب نے مولانا حالی اور مولانا آزاد کے نوٹ کے علاوہ اس معاملے میں ایک معاصرانہ شہادت یعنی "حسن الامپار" کے انہر جات پر لکھیے کیا ہے جن میں ہمدردانہ نقطہء نظر کے ساتھ یہ کہا گیا تھا کہ غالب کو "وہمنوں کی غلط اطلاعات کے باعث قمار بازی کے جرم میں قید کیا گیا۔" اکرام صاحب نے البتہ ایک اور معاصرانہ شہادت یعنی خٹلی مخدیشیام واس عاصی دہلوی کے دیوان کا حوالہ دیا ہے جس میں "تاریخ گرفتاری مرزا غالب" کے عنوان کے ماتحت یہکہ مژدور ایک قطعہ تاریخ درج ہے۔ عاصی نے لکھا ہے:

”مرزا نوشہ شاعر ہے بدل“ دیر مشرب“ انھیں یہ اسد و غالب سے فیض الحسن خان کو قاتل دہلی کو باغی عداوت پیدا ہو چکی اور اس نے بعلت قمار بازی ان کو قید کرا دیا۔۔۔۔۔ بدولت گرفتاری کو قاتل صاحب دھند میں بیٹھ کر موقع پر گئے اور ظاہر کیا کہ سواراں دہلی آئی ہیں۔ اس دھوکے سے اندر داخل ہو گئے اور اندر مکان کے ضربات جوتی باہم اس قدم ہوئیں کہ باہر تک آواز آتی تھی۔ مگر دینے کے اندر بہت ہیست تھی اور کچھ اداوی برہنہ باز پہنچ گئے اگر قاتل کے قید کرا دیا۔ بہت سے دیکھی و شرفاء اس حرکت سے ناراض تھے اور عدالت میں برات کے مساعی ہونے، مگر قید ہو گئی۔

”ایک روز مسٹر اس صاحب سول سرجن دہلی قیدیوں جیل خانہ کو ملاحظہ کرتے کرتے حضرت کے پاس تک پہنچ گئے اور حال دریافت کیا۔ آپ نے فی البدیہہ فرمایا۔

جس سے کہ ہم فخر و فخر پا ہیں

کیمزوں میں جو نہیں بننے کے ٹانگوں سے سوا ہیں
اسی وقت ڈاکٹر صاحب نے گورنمنٹ کو چھٹی لکھ کر دیا۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے اپنے مضمون "غالب اور حادثہ اسیسی" (نقوش۔ ۸۳۔ ۸۴ اگست ۱۹۲۳ء) میں اس معاملے کو نئے سرے سے کھنگالا ہے۔ انہوں نے ایک اور معاصرانہ شہادت "دہلی اردو ایشیاء" کی مدد سے یہ ثابت کیا ہے کہ غالب ۱۸۸۳ء سے پہلے ۱۸۸۴ء میں بھی قمار بازی کے الزام میں گرفتار ہوئے تھے مگر قید سے بچ گئے تھے۔ ڈاکٹر نارنگ عاصی دہلی کے بیان اور دوسری معاصرانہ شہادتوں کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ غالب قمار بازی کے مرتکب تو ہوئے تھے مگر گرفتاری کی تمام تردید یہ ہیں تھی جیسا کہ مولانا آزاد کے بیان سے واضح ہوتا ہے۔ خصوصاً ان حالات میں کہ جب خود مولانا آزاد ہی کے قول کے مطابق شہر کے رنجیں زانوں کے دیوان خانوں میں یہ رسم عام تھی۔ کوتاہی کا لفظ غالب کو نشانہ قرار دینا غالب سے ذاتی بدولت ہی کی بناء پر سمجھا جاسکتا ہے۔ اس امر کی تصدیق غالب اور عاصی دونوں کے بیانات سے ہوتی ہے۔ حالانکہ عاصی سے غالب کے ساتھ کسی رعایت یا ہمدردی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اس واقعہ سے متعلق اس کی نظر اور قطعہ تاریخ کے انداز اور لب و لہجہ سے توصیف ظاہر ہے کہ وہ غالب کی ذلت و رسوائی سے بہت لطف اندوز ہو رہا ہے۔ حیرت ہے کہ اس میں ثبوت کے بعد بھی ڈاکٹر نارنگ کے نزدیک عاصی کو غالب کا مخالف یا بدخواہ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے اکرام صاحب پر جو لے دے کی ہے وہ بہت دلچسپ ہے:

"شیخ محمد اکرام نے "غالب نامہ" میں عاصی کی عبارت کو "قید" کے ذیل میں درج کیا ہے لیکن قطعہ تاریخ پیش نہیں کیا۔ اس سے متعلق ان کی رائے یہ ہے:

"شاید عاصی 'غالب کا دل سے قدردان اور یہی خواہ نہ تھا۔ چنانچہ جو قطعہ تاریخ اس نے لکھا ہے" اس سے غالب کی صریح توہین ہوتی ہے۔"

"یہاں سوائف "غالب نامہ" غالب پر سنی کا نکار ہو گئے ہیں۔ یہ منطق خوب ہے۔ چونکہ عاصی کے قطعہ تاریخ سے "غالب کی صریح توہین ہوتی ہے۔" اس لئے ان کے بیان کو ناقابل اعتنا قرار دے دیا جائے۔ صداقت بیشک یہ ہوتی ہے اور اگر ایک شخص نے غالب کے واقعہ قید سے متعلق سچی باتوں کو صاف صاف بیان کر دیا تو اسے غالب کے قدردانوں اور یہی خواہوں کے ذمے سے خارج کرتے ہوئے اس کے بیان کی اہمیت کو کم کرنا کہاں کا اولیٰ انصاف ہے۔"

سوال یہ ہے کہ اگر اکرام صاحب نے عاصی کی عبارت نقل کی ہے تو پھر یہ کہاں تک بچا ہے کہ انہوں نے عاصی کے بیان کو "ناقابل اعتنا" قرار دے دیا ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اکرام صاحب نے اس عبارت کو نقل کرتے ہوئے صراحتاً یہ لکھا ہے کہ اس سے "مگر گرفتاری کے واقعہ پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے۔"

بہرحال یہ واقعہ اتنا خف تھا کہ اس نے غالب جیسے مضبوط اعصاب کے گوی کو بھی ہلا کر رکھ دیا۔ اپنی بے آہستگی اور رسوائی کا احساس تو غالب کے اس خط کے آخری حصے سے عیاں ہے جو اوپر نقل ہوا ہے یا مختصر طور پر قید

کے نام ایک خط کے ان الفاظ سے کہ ”سرکار انگریزی میں بڑا پایہ دیکھتا تھا۔ دیکھیں زانوئیں میں گنا جاتا تھا۔ پورا خلعت پاتا تھا۔ اب ہڈیاں ہو گیا ہوں اور ایک بڑا وہید لگ گیا ہے۔“

مگر یہ وہ تاثرات ہیں جو ذاتی سطح پر غالب کی ملتی ٹھٹھٹ اور رنجے کے کسی بھی شخص کے ہو سکتے ہیں۔ دیکھتا تو یہ ہے کہ اس حادثے کے دوران حقیقی سطح پر شاعر غالب کے دل و دماغ پر کیا گزری اور اس نے اسے کس رنگ میں محسوس کیا۔ اس نظم کا تفصیلی جائزہ لینے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا چار ماہ قبل نظر کے سامنے رہے۔ خدا میں اسے ذیل میں درج کر دیا ہوں۔ یوں بھی ”سید بھگن“ کہ جس میں یہ مرقع پہلی بار چھپا تھا مست کم باب ہے اور سر صاحب کی ”غالب“ کہ جس میں اسے نقل کیا گیا تھا اب غالب۔

ترکیب بند

(۱)

- ۱۔ خوام از بند بہ زلفاں خن آواز کم
غم دل پرہ دوری کرد' لغاں ساز کم
- ۲۔ بہ فوائے کہ دسڑاپ چکاند طوطاب
طوفتن راب' خن زحرد پرواز کم
- ۳۔ در فراہی بہ جہاں یکدہ بنیاد خن
در امیری بہ خن دعویٰ آواز کم
- ۴۔ بے مشقت نبو و قہ' بہ شعر کوہرم
روز کے چند دمن تلپاء آواز کم
- ۵۔ چون سراپم خن' انصاف زہرم خوام
چون قصم غزل' اندیشہ زلفاز کم
- ۶۔ آچہ افسون بہ خود از بیت صیاد دم
آچہ خون در بگر از صریت پرواز کم
- ۷۔ یار دیرہ قدم رنجہ مطربا کا منجا'
نہن منجد کہ تو در کوئی دمن باز کم

- ۸۔ بے تاسازی طالع کہ بہ من گردد باز
باخود شکوہ کر از طالع تاساز کنم
- ۹۔ اہل زندان بہ سر و چشم خودم جاوادم
تا بدی صدمہ نشینی چہ قدر باز کنم
- ۱۰۔ بدہ زندان گرفتار دفا نیست بہ شر
خوشن را بہ شام صدم و ہمزاد کنم
- ۱۱۔ من گرفتارم و این دامنہ دامنہ تن زن
در سخن بیدی و شیدا ایجاز کنم
- ۱۲۔ گرچہ توقع گرفتاریء جاویدم نیست
لیکن از دہر دگر خوشی امیدم نیست

(۲)

- ۱۔ شمع ہر چند بہ ہر ذلوت آسان سوزد
خوشتر آست کہ بر نفع در ایوان سوزد
- ۲۔ خود من ہرگز بیسوزید و گر سوختی ست
ہنگامی کہ در مجسمہ سلطان سوزد
- ۳۔ خانہ ام ز آتش بیداد عد و سوخت در باغ
سوختن داشت ز شمع شبستان سوزد
- ۴۔ منم آن خستہ کہ گر دخم جگر ہضم
بر من از مر دل گہر و مسلمان سوزد
- ۵۔ منم آن سوختہ خرمن کہ از اقباء من
نفس دایرہ راہزن و دہقان سوزد
- ۶۔ منم آن قیس کہ گر سوی من آید لیلی
محمل از شعلہ آواز پدی خوان سوزد

- ۷۔ تاجنامہ گزردہ روز ہے شہما دریاپ
از چرانے کہ عرصے پر در زنداں سوزد
- ۸۔ حم از بند در ایترہ رقیباں لرزد
ولم از درد ہے اندرہ اسیران سوزد

- ۶۔ عارض خاک ہے پاشیوں غوی تازہ کھید
روغنی خاکہ فراتید کہ من ی اکیم
- ۷۔ چون من اکیم شہما شکوہ گردن نہ رواست
زین پس واؤ کانیہ کہ من ی اکیم
- ۸۔ ہاں 'عزیزان کہ درین کلبہ اکامت دارید
بخت خود را بستاید کہ من ی اکیم
- ۹۔ تلبہ دروازہ زنداں پئی کورون من
قدے رنج نہانید کہ من ی اکیم
- ۱۰۔ چن غن منجی و فراچی آئین من است
ہوہ الامن برپائید کہ من ی اکیم
- ۱۱۔ ہے خود از شوق بہانید کہ خود ہار رویہ
ہے من از مر گرانیہ کہ من ی اکیم
- ۱۲۔ مکہ خویشتان شدہ بیکانہ د بدنامی من
غیر بکشت خود کہ غم بکافی من

(۴)

- ۱۳۔ مصطفیٰ خان کہ درین واقعہ غم خوار من است
کہ معلوم ہے غم از مرگ 'عزا دار من است

- ۱۔ آنچہ فردا است ہم امروز در آمد گوئی
آفتاب از جنت قبلہ بر آمد گوئی
- ۲۔ دل و دستہ کہ مرا بود فرمانہ زکار
شب و روزی کہ مرا بود سر آمد گوئی
- ۳۔ سرگزشتہ ہمہ رنج و - الم آورد سختی
سرگزشتہ ہمہ خوف و خطر آمد گوئی
- ۴۔ ہرۂ اہل جان چنان ز جہاں دود و غم است
ہرۂ من ز جہاں بیشتر آمد گوئی
- ۵۔ خستہ و یستہ من حد حس نیست
بر من اینہا رقتا و قدر آمد گوئی
- ۶۔ ہرم را توان کہ بہ خستہ ضائع
نشدگی ، غارتہ دی ہنر آمد گوئی
- ۷۔ غم دل داشتہم ایک غم جانم دانند
ز غم را ز غم دیگر ہر اثر آمد گوئی
- ۸۔ چرخ یک مو گرانایہ بہ زندان خواب
یوسف از قید زنجار بدر آمد گوئی
- ۹۔ مژہ اشپ ز کجا ایستہ خواب آورد
انجمن گرم ز غم بگر آمد گوئی
- ۱۰۔ خود چرا خون طوہم از غم کہ بفسطواریء من
دست حق بہ لباس ہنر آمد گوئی
- ۱۱۔ خوابہ است درین شہر کہ از پریش دی
پایہ طہطہم در نظر آمد گوئی

(۵)

- ۱- خواجه دایم که پیسے دوز نما نم در بند
لیک وانی که شب اولاد دایم در بند
- ۲- نیتدم که کس کیه دایم که دوم
جانب در چ حسرت گرامم در بند
- ۳- خست ام خست من و دعوای حاکمین حاشا
بند خست است ' پیدان دایم در بند
- ۴- شامم از بند که از بند معاش آلودم
از کف شمع رسد چار و دایم در بند
- ۵- آمد و غار پادید و کلل بوسید
خواب از بخت این دایم ستانم در بند
- ۶- یارب این کوهر معنی که فغانم زکاست
بند بر دل بود و نیست زبانم در بند
- ۷- هر کس از بند گران نالد و ناکس که نم
تالم از غولش که بر غولش گرامم در بند
- ۸- خوی غولش بر مصیبت زده دینے دگر است
دنج از دیدن دنج و گرامم در بند
- ۹- رفت دربار من حکم که پادید در دین
شش سه از عمر گرامی گزرامم در بند
- ۱۰- اگر این است ' خود آنت که عهد اخنی
گزد نیز چه عهد رمضانم در بند
- ۱۱- عدت قید اگر در نظر نیست چرا
خون دل از مرده بے صرفه چکانم در بند

۴- مستم غفل کہ دریند ربائی ہام
ہم نذوق است کہ در سلسلہ غائی ہام

۵- (۶)

۱- من نہ آئم کہ ازین سلسلہ ننگم نبود
چہ کنم چون بہ تھا زہرہ بنگم نبود

۲- زین دو رنگ گدہ صد رنگ خزانہ مہرور
نگدہ نیست کہ از بخت دو رنگم نبود

۳- راز دانا فہم رسوائی جاوید بلاست
بہر آزار فہم از قید فرغم نبود

۴- لرزم از خوف درین جہز کہ از غشت و گل است
دورہ در دل خطر از کام نہنگم نبود

۵- زین دو سرنگ کہ پیچہ بزم ی زرم
بہی از شیر و ہر است نہلنگم نبود

۶- ہم آئینہ د این جاوید رنگ است ولے
تپ چہائی آلائش زغم نبود

۷- آہ ازان دم کہ سراپد زدنجان گدہ
اندین دامنہ گیرم کہ در گم نبود

۸- ہمدان ' داروم امید ربائی دریند
دامن از بعد ربائی نہ شکم نبود

۹- جوہر اعدا رود اندل بہ ربائی ' لیکن
طنن احباب کم از زخم حدنگم نبود

۱۰- چہ کلاف قلم از جلد بہ دان ی دریند
بکہ صحبائی فہم در بدل تنگم نبود

- ۱۔ مائش تھ کہ درین سلسلہ باہم خوشنور
چہ کسم چنان سر این رشتہ بہ چنگم نبود
۲۔ بہ صرے قلم طویش بود مستقیم من
اندوین بند گران چین و بیکدستی من

(۷)

- ۱۔ اعلان دروالم از دیدہ نکشید ہم
غالب غمزہ را روح دروانید ہم
۲۔ تھ اٹھ کہ در پیش و نکشید ہم
تھ انگھر کہ باشکرت و شانیہ ہم
۳۔ ہم در آئین فکر سر طرازیہ ہم
ہم در اقلیم خن شہ نکشید ہم
۴۔ چٹم بہ دور کہ فرخندہ نکشید ہم
شاہ ہاشید کہ فرخ گمرانید ہم
۵۔ سور ہشید دقا دیدہ و نودید ہم
دعہ ہانید ' صفا قالب و جالید ہم
۶۔ من بہ طون فلتہ و ہنم' ہم ہشید ہم
من بگر خستہ درانم' ہم دانید ہم
۷۔ درمیان ضابطہ سر و دقائے ہوداست
من ہرغم کہ ہر آئینہ ہر آئید ہم
۸۔ روزے از سر نکشید لکائی چنان است
بارے از لطف بگوئید چہانید ہم
۹۔ گرہاہم بہ جہان' غار و حصے کم گمید
اے کہ سر و من بارغ جہانید ہم

۱۔ چارہ گر جوان کردہ دے کئی ست
 دل اگر نیست خداوند زبائید ہمہ
 ۲۔ بہت بند است کہ در بند و قلم سائست ہم
 بخلست و بہ بند و بخلانید ہمہ
 ۳۔ کن باہم کہ ہر ہر دم زمین یاد آید
 دارم امید کہ در ہر دم سخن یاد آید

نظم کے پہلے بند ہی سے شاعر نے اس جذبے کی ترجمانی کر دی ہے جو پوری نظم کے آئندہ ہر بند میں سمویا ہوا ہے پہلے دو شعروں میں "نظم دل" کی "چہ وہ دہی" کرنے، "خاں کو "ساز" بنانے اور اپنی "زمزمہ پروازی" میں مصزوب سے "نوع غالب" بنکانے کا ذکر ہے۔ چوتھے شعر میں خیل خانے کی عام مشقت، رسی بٹنے کی علامت سے اپنی زمزمہ پروازی کو اپنے خاص رنگ میں "رسم نگاہ آواز" کی انتہائی خوبصورت ترکیب سے یاد کیا ہے۔ پانچویں، چھٹے اور ساتویں شعر میں چند اشعاروں کے ذریعے ایسی مختلف ذہنی کیفیتوں کو بیان کیا ہے جو شاید اہل زمانوں کی نفسیات کا حصہ بن جاتی ہیں۔ "مرا اہل انصاف" بھی ہے اور "اندیشہ غبار" بھی۔ "صیت صبا" بھی ہے اور "حسرت پرواز" بھی، اور اس کے ساتھ دوست محبوب اور روزمرہ زندگی کے معمولات کی یاد۔ یہاں غالب نے آئے والے دوست کی دھنگ اپنے پروازہ کھولنے کے جذبہ اشتیاق اور خیل خانے میں زندگی کے اس معمول سے اپنی عکروی کو کس حسرت سے یاد کیا ہے اور اس میں کتنی حساسیت بھر دی ہے! آٹھویں شعر میں اس عکروی کا دہر دار اپنے طالع ہمساز کو نصوایا ہے۔ نویں شعر میں بڑے نازہ افکار سے ذکر کیا ہے کہ کس طرح زندان میں اہل زندان نے انھیں سر آکھوں پر بٹھایا۔ اور ان کی عزت افزائی کی۔ شاید اسی سے متاثر ہو کر دسویں شعر میں غالب نے "زندان گرفتار" سے شعر سے رسم و وفا اظہر بنانے کا شکر کرتے ہوئے ان کا "ہرم و ہرماز" بٹنے کے عزم کا اظہار کیا ہے۔

دوسرے بند کے پہلے تین شعروں میں ذاتی اہمیت کا احساس نمایاں ہے۔ غالب دراصل یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر میری قسمت میں جلا اور برباد ہونا ہی لکھا تھا تو اس کے لئے مجھے میرے مناسب حال مقام تو میسر آیا ہوگا۔ قید خانے کا کلبہ احزان تو میری شایاں شان نہیں ہے۔ اس ذہنی کیفیت کے زیر اثر چوتھے پانچویں اور چھٹے شعر میں اپنی مصیقتی اور سونگلی اور وارفتگی کا ذکر ایسے زور دار الفاظ میں کیا ہے کہ قصیدے کا رنگ پیدا ہو گیا ہے یہی رنگ نویں اور بند کے آخری شعر میں پھر ابھر گیا ہے کہ جہاں اپنے "نظم دیدہ" اور "تف غام" اور دل کے داغوں کا بیان ہے۔

اس بند کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ساتویں، دسویں اور گیارہویں شعر میں شاعر نے پہلی دفعہ اپنے کرد و چہرے یعنی خیل خانے کی لفظ کے بارے میں اپنے واضح تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ اس بند کا آٹھواں شعر خاص طور پر قاتل قوجہ ہے۔ یہاں نفسیات نظم کے ایک بڑک پہلو کی طرف اشارہ ہے لیکن یہ کہ انسان اپنے دکھ درد کے زمانے میں "ہر دہی اور ہر درد مند سے ایک تعلق محسوس کرتا ہے۔ اس کی ہمدردیوں کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے۔ اسے دوسروں

کے دکھ درد کا بھی احساس ہونے لگا ہے۔ چنانچہ اب غالب کا دل باقی امیدوں کے اعداد پر چل رہا ہے۔ جن کا ہم "ہراد" بننے کے عزم کا اظہار پہلے بند میں کر چکے ہیں۔

تیسرے بند کے پہلے سات شعروں میں ذرا ان کے پاساؤں سے خطاب کرتے ہوئے غالب انہیں اپنے آنے کی نید دے رہے ہیں۔ یہاں "من ی اکیم" کی روایت ہی سے اپنی اہمیت کا بے پایاں احساس لایا ہے جو ہر حال غالب کی شخصیت کا ایک جزو ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے آپ کو "رہود و جلود سلیم" بھی کہا ہے۔ گویا وہ اپنی زندگی کی اس نازک انتہاء کو قبول کرنے کے بعد اس میں ہر قسم کا رنگ اٹھانے کو چاہا ہے۔ انہوں نے فوس اور گیارہویں شعر میں غالب جیل خانے کے "دندان گرفتار" کو "ہاں عن اس" کہہ کر خطاب کرتے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ اپنی قسمت پر ناز کریں کہ میں آ رہا ہوں میرے استقبال کے لئے آگے بڑھیں اور مجھ سے مرد محبت کا اظہار کریں۔ دسواں شعر اس لئے توجہ کے قابل ہے کہ اس میں غالب نے اپنی کسی اور خصوصیت کو فوس صرف فنی سنجیدہ و فراوانی کو اپنا امتیاز پایا ہے اور اپنے جیل کے ساتھیوں کو اس سے فیض اٹھانے کی دعوت دی ہے۔ آخری شعر میں ان عروہوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے غالب کے بدنامی اور رسوائی کی وجہ سے ان سے بیگانگی اختیار کر لی تھی اور جن کا ذکر گرفتاری کے مصطفیٰ مولانا ابوالکلام آزاد کے نوٹ کے اقتباس میں آچکا ہے۔

چوتھے بند میں غالب نے ایک بار پھر اپنے جملہ رنج و الم کو یاد کیا ہے اور پہلے ہی شعر میں قید کو اپنے اوپر ایک قیامت گزرنے سے تعبیر کیا ہے۔ چوتھے شعر میں یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ درد و غم اٹھانا اہل جہاں کا مقدر ہے یہ شکوہ کیا ہے کہ اس میں میرا حصہ دوسروں سے کہیں زیادہ رہا ہے۔ چنانچہ پانچویں شعر میں قید کی انتہاء کو بھی تقاد و قدر ہی سے منسوب کیا ہے۔ چھٹا شعر پھر خاص غالب کے رنگ میں ہے۔ کس ناز سے کہا ہے کہ میری زندگی کی مصطفیٰ میرے ہنر کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکی۔ بلکہ یوں کہنے کے میری مصطفیٰ "غادہ دوسے ہنر" بن گئی ہے۔ یعنی اس نے میرے فن کو ضمیمہ تر بنا دیا ہے۔ انہوں نے شعر میں غالب نے اپنے تب کو یہ کہہ کے تسلی دی ہے کہ آسمان ایک نہ ایک "سرو گرانمایہ" کو قید خانے میں دیکھنا پسند کرتا ہے۔ کل حضرت یوسفؑ تھے تو آج میں ہوں۔ بند کے آخری تین شعروں میں نواب مصطفیٰ خان شیخو کا ذکر ہے کہ جنہوں نے زمانہ امیری میں غالب سے انتہاء درجہ کا خلوص برآ اور بقتل جلی "تین مہینے تک برابر ان کی فم غراوی اور ہر طرح کی خبر گیری میں مصروف رہے۔"

پانچویں بند میں غالب نے قید کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔ پہلے ہی شعر میں کہا ہے کہ جیل خانے میں دن اور رات میں فرق باقی نہیں رہتا۔ دوسرے شعر میں بڑے نازک احساس کی ترجمانی کی ہے۔ جیل خانے کی فضا میں دل اتنا بھگ گیا ہے کہ شاعر کو نہ کسی کا آنا پسند ہے اور نہ خود کہیں جانا۔ ایسی حالت میں دردناک کو حسرت بھری نگہوں سے دیکھنا ہی باقی رہ جاتا ہے۔ تیسرا شعر گیارہویں شعر کی خفیتوں کے سامنے اپنی شکست کا کھلا اعتراف ہے۔ چوتھے شعر میں غالب کی مصروف شوقی ہو کر آئی ہے۔ اب وہ قید پر اس لئے خوشی کا اظہار کرتے ہیں کہ گھر محاش سے تو آزاد ہیں۔ پانچویں اور چھٹے شعر میں "گو ہر سنی" تکبیر نے کا ذکر ہے اور ساتویں شعر میں یہ افسوس ظاہر کیا ہے کہ میں قید خود اپنے لئے ایک بوج بن گیا ہوں۔ انہوں نے شعر میں پھر وہی عام انسانی دردوں کی بات دہرائی ہے۔ وہ اس طرح کہ مصیبت میں

میری "خونے خوش" ایک اور مصیبت بن گئی ہے۔ اس لئے کہ مجھ سے دوسروں کا نظم دیکھا نہیں جاتا۔ چھپنے بند کے ابتدائی اشعار میں غالب نے اپنی حالیہ مصیبت کے بارے میں نقطہ نظر کی صاف صاف وضاحت کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قضاء و قدر سے تو کوئی چارہ نہیں ٹھہریں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اس قید کو باعثِ تنگ و عار نہیں سمجھتے۔ میرے لئے یہ قید "صد رنگ خرابی" لائی ہے۔ اس میں میری "رسمانی جلدی" ہے جس کا نظم "تقد رنگ" کے نظم سے کچھ کم نہیں۔ چوتھے اور پانچویں شعر میں غالب کو کیا اس نظم کی مراحت کہتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہی وہ بلا ہے جس کے زیر اثر میں جو کبھی کامِ تنگ سے نہیں ڈرتا تھا اب جیل کی کوٹھڑی سے ڈرنے لگا ہوں۔ میں جو کبھی شیر و چنگ سے ہراساں نہیں ہوتا تھا اب پہرہ دار سپاہیوں سے ہراساں ہو جاتا ہوں۔ اس قاتل سے غالب کو یہ جتنا قصور ہے کہ بظاہر تو ہر جیل کی کوٹھڑی کامِ تنگ سے لور پہرہ دار سپاہی شیر و چنگ سے زیادہ خوفناک نہیں۔ ان کے خوف کا تصور دراصل اسی "رسمانی جلدی" کے نظم سے وابستہ ہے جو اس قید کی بدولت غالب کے حصے میں آیا ہے۔ چھپنے شعر میں یہی بات اس انداز میں کہی ہے کہ میں تو آئینے کی طرح صاف شفاف تھا۔ اس حادثہ امیری کی وجہ سے میرے آئینے کو بدنامی کا رنگ لگ گیا ہے جو میری برداشت سے باہر ہے۔ انھوں نے شعر میں غالب نے اس کی مزید وضاحت یوں کی ہے کہ مہائی کے بعد دشمنوں کے ظلم تو بھول جائیں گے مگر دوستوں کے طعنے دل پر حیرین کر گئیں گے۔ بند کے آخری تین شعروں میں انہوں نے اپنے آپ کو ایک ایسے اہل قلم کے روپ میں دیکھا ہے کہ جس کا نظم اس کے دل سے چمک کر اب اس کے "مخالف قلم" سے چھپنے لگا ہے اور جس کے لئے اس کی "صرح قلم" ہی وہ نوا بن گئی ہے جو قید و بند کی حالت میں اس کو "مستی و سبک دہشتی" کی ضمانت ہے۔

ساتویں اور آخری بند میں غالب نے بزمِ سخن کے ان اصحاب سے خطاب کیا ہے کہ جن کو یہ نظم جیل خانے سے نکھ کر بھیجی ہے اور جو اگرچہ غالب کی آنکھوں سے نمٹا ہیں مگر ان کے دل میں جگہ رکھتے ہیں۔ اس خطاب کا طریقہ جواز ایک ایسی خصوصیت رکھتا ہے کہ خود غالب کے کلام میں بھی اس کی کوئی اور مثال شاید مشکل ہی سے مل سکے۔ بند کے آخری شعر میں غالب نے ایک دفعہ پھر اپنی "خونِ سنجدی" ہی کو اپنی پہچان بتایا ہے اور کسی دوسری بزم میں نہیں صرف "بزمِ سخن" ہی میں یاد رکھنے والے کی امید ظاہر کی ہے۔

غالب کی اس نظم کے اس بند وار مطالعے سے جو نچھ نمایاں طور پر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ نظم صحیح معنوں میں "حبیبہ" ہے۔ یعنی اس میں قید و بند کی فضا میں غالب کی جذباتی اور نفسیاتی فضا کا ذکر ہی بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ طویل نظم اسی ایک محور کے گرد گھومتی ہے اور اس لحاظ سے یہ غالب کی زندگی کے ایک انتہائی ناگوار زمانے میں ان کی شعری شخصیت کے تاثرات اور تجربات کا ایک ایسا جوار مرتفع پیش کرتی ہے کہ جس کے مقابلے میں غالب کے کلام کا کوئی اور نمونہ پیش نہیں کیا جاسکتا۔

یہ نظم جس طرح غالب کی جذباتی اور نفسیاتی فضا کی عکاسی کرتی ہے اس کے بارے میں کچھ کہنے سے بچنا ہی بھی عرض کرنا چاہوں کہ اس نظم میں کسی انسان کے خلاف کسی قسم کے غصے یا نفرت کا اظہار نہیں۔ اس بند کے خلاف بھی نہیں جس کی بدولت نے ان کے اپنے قول اور طبع جانبدار شادلوں کے مطابق غالب کو جیل خانے بھجوا دیا

قلم غالب کو "ہمارا ادرا" کی کوئی پروا نہیں وہ تو رہائی کے بعد دل سے مٹ ہی جائے گا۔ فکر ہے تو صرف "طعن احباب" کی۔

ہمارا ادرا دور از دل ہے رہائی یقین
طعن احباب کم از دلم خد غم نبود
چنانچہ غالب نے اپنے فارسی خط میں تو "کو تو دل دشمن تھا" کا ذکر کیا ہے مگر اپنی نظم میں اس کو تو دل کو کوئی دوش نہیں دیا۔ اپنی نظریہ ہی کو اس لفظ کا بھی ذمہ دار ٹھہرایا ہے:

حسن حسن من حد حس نیست
بر من اینها ز قضا و قدر آمد کوئی
وہی قدر ہے کہ جس کے بارے میں ان کا کہنا ہے:

نگہ نیست کہ از بہت دور گم نبود
لیکن مشکل یہ ہے:

چہ کلم ہوں بہ قضا زہرا ہنگم نبود

یہاں شاید انگریزی ادیب اور شاعر اسکروائلز کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ اس نے بھی اطلاقی بزم کی پاداش میں قید کئی تھی۔ اس کی ایک تحریر (DE PROFUNDIS) ڈی پروفنڈس اس زمانے کی یادگار ہے جو شروع تو ہوتی ہے فلم انداز کے موضوع پر نہایت اثر انگیز تصریحات سے لیکن چند ہی صفحات کے بعد اپنے محبوب اور اس کے والد کے خلاف وائٹل کے بے پناہ طعن و تشنیع اور تلخ و تند الزامات کا طغیان بین جاتی ہے "اس لئے کہ وہ اسے خیل بھرانے کے ذمہ دار تھے۔ مگر غالب نے اپنی نظم میں نہ کسی کو اپنا دشمن گردانا ہے اور نہ کسی کے خلاف ہکم کہا۔۔۔۔۔ اپنے عزیز و اقارب کی بیگانگی کی طرف اشارہ کیا تو قصور وار اپنی ہی "بدنامی" کو قرار دیا۔

بلکہ خوشیاں شدہ بیگانہ زندہ نامی
غیر نفسکست خود مگر فہم ناگاہی

یہاں جیسا کہ ابھی قصوڑی دہریے نے ذکر ہوا ہے۔ غالب نے اپنے بزم سخن کے احباب سے خطاب میں ایک خاص قسم کی عقلی کا اعتراف ضرور کیا ہے "مگر اس عقلی کی حقیقت اور نوعیت دوسری ہے۔ اس میں غصہ اور نفرت نہیں" آزدہ کی لور باؤس پائی جاتی ہے جس کی بنا ہی محبت "سوت اور انسانی ہمدردی کی طلب ہے۔

غالب کی اس نظم کا کسی قسم کے غصے اور نفرت کے جذبات سے پاک ہونا جب کہ طعن مضمون اور حالات و واقعات کے سیاق و سباق میں ان کی گھمبائش موجود ہو "شاعر کے مزاج کی ایک خاص صلاحیت کا پتہ دیتا ہے۔ اس کی وضاحت کے لئے یہاں غالب کی زندگی کے ایک اور اہم واقعہ کا حوالہ ضروری ہے یعنی چٹن کے معاملے میں اپنا حق منوانے کے لئے غالب کی طویل اور اٹھک جنگ و دو اور اس کا انجام ۱۸۸۳ء میں جب غالب کی آخری اپیل ٹکے و کنویر کے دربار سے مسترد ہو گئی تو گویا غالب کی ان سب امیدوں پر پانی پھر گیا جن کے سارے انمول نے اب تک

زندگی گزاری تھی۔ اس ناگہی کے بعد کے زمانے کے کلام سے (اور یہ زمانہ ان کی فارسی شاعری کا زمانہ ہے) اندازہ ہوتا ہے کہ اب غالب کے ہاں بنیادی انسانی اقدار پر احمق اور اس کے سارے زندگی کی مصیبتوں کو قبول کرنے اور زندگی سے مناسبت کا رجحان ابھرنے لگا ہے۔ اسیری کا حادثہ بخش کے فیصلے کے تین سال بعد یعنی ۱۸۵۷ء میں پیش آیا۔ یہاں یہ یاد دلانا بھی غیر ضروری نہ ہو گا کہ اس وقت غالب عمر کے پچاسویں برس میں تھے یعنی عمر کی اس منزل میں کہ جب آدمی دنیا میں بہت کچھ دیکھنے اور سمجھنے کے بعد اپنے ”سیلے“ سے ”ٹٹائیوں سے کام“ لینے کی صلاحیت پیدا کر چکا ہوتا ہے۔ بشرطیکہ ٹٹائیوں نے اسے اندر ہی سے ختم نہ کر دیا ہو۔ ہر حال کتنا میں یہ چاہتا ہوں کہ غالب کے زمانہ اسیری کی یادگار اس نظم میں وہ رجحان کہ جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے نمایاں ہے اگرچہ اس کے ساتھ ساتھ تضادِ قدر سے شکوہ شکایت بھی برقرار ہے۔

اس نظم کا سب سے نمایاں پہلو تو اہل زندان کے بارے میں غالب کا رویہ ہے مگر پہلے غالب کے بارے میں اہل زندان کا رویہ یعنی زندان میں ان کی طرف سے غالب کی پذیرائی کہ جس کا ذکر غالب نے نظم کی ابتداء ہی میں بڑے غمزہ و اہمال سے کیا ہے۔

اہل زندان یہ سر د چٹم خود جا دادند

نہدی صدور نشینی چہ قدر ناز کنم

شاید اسی کے زیر اثر ہے اعتقاد ہو کر غالب نے اگلے ہی شعر میں کس والہانہ انداز سے ”دندان گرفتار“ کی طرف اپنی دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے:

بلہ دندان گرفتار دعا نیست بہ شعر

طہستن رہا بہ شہدوم و ہرگز کنم

اس شعر میں احساس کی شدت اور سچائی کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے یہ نہ بھولنے کہ قید کا زمانہ غالب کے لئے کبھی کا زمانہ تھا۔ سوائے نواب مصطفیٰ خاں شیخو کے کہ جنہوں نے حق دوستی سمجھا، غالب کے دوست اصحاب حتیٰ کہ عزیز و اقارب بھی ان سے کنارہ کش اور بے تعلق ہو گئے تھے۔ اسی لئے تو یہ شعر ان مصیبت زدہ انسانوں کے لئے جو اس زمانے میں نا آشنا ہوتے ہوئے بھی آشنا بن گئے۔ غالب کے پر غلوص اور پر جوش جذبہ و رفاقت سے لبریز ہے۔

یہاں مجھے شکسپیر کی عظیم تخلیق کنگ لیئر (KING LEAR) کا وہ خوفناک سین یاد آتا ہے کہ جب کنگ لیئر اپنے سب کچھ لانے کے بعد مفلوک اللہی کے عالم میں رات کے وقت بارشوں کے سخت طوفان کے درمیان پھاڑی پر ایک جھونپڑی میں پناہ لیتا ہے تو پہلے خود اندر جانے کی بجائے اپنے ہمراہ فرما ہے:

”IN, BOY, GOT FIRST, YOU HOUSLESS POVERTY“ کہتے ہوئے اسے اندر بھجواتا ہے اور پھر ان تمام بھوکے بچے اور بے گھر لوگوں کو کہ جو اس بے رحم طوفان کی زد میں ہیں یاد کر کے ان کے لئے اپنی دعا ان الفاظ سے شروع کرتا ہے۔

"POOR NAKED WRETCHES WHERESOEVER YOU ARE

لیز کے روئے اور اس دعا پر ٹیکسٹر کے مشہور شارح اور جلد پڑھنے والے کو یاد دہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہی وہ مقامات ہیں جہاں ٹیکسٹر کی ہر سطر کرنے کو کبھی چاہتا ہے۔ غالب کا جو شعر اوپر نقل ہوا ہے کچھ اسی قبیل کا ہے۔
 نظم کے دوسرے بند میں غالب نے "اندوہ امیراں" پر اپنا دھک بیان کیا ہے:

نظم از بند در اندوہ رقیبیاں سرزد
 دل اندوہ بہ اندوہ امیراں سوزد

اس سے اگلے بند میں بھی اہل ذہنوں سے دوستی اور اپناشت کا انداز قائم ہے۔ یہاں پہلے تو انہیں یہ کہا ہے کہ
 ذہنوں میں میری آواز میرا خیر مقدم کو اور پھر اپنی "خن سنجی و فرزاگی" سے بہرہ ور ہونے کی دعوت دی ہے:

ہاں عزیزان کہ دوریں گلے اکامت دارم
 بخت خود را ہستائید کہ من بی آیم
 تپہ دروازہ ذہنوں بی کورون من
 قدمے درخیز لہائید کہ من بی آیم
 چوں خن سنجی و فرزاگی آئین من است
 بہرہ از من بر بانیہ کہ من بی آیم
 بہ خود از شوق بہ بانیہ کہ خود باز دید
 بہ من از سر گرائید کہ من بی آیم

اور پانچویں بند میں اپنی "خوشے خوش" کو اس لئے ایک مصیبت قرار دیا ہے کہ اس کی وجہ سے دوسروں کو درنج و غم میں دیکھنا بھی باعث تکلیف بن جاتا ہے:

خوشے خوش ہر مصیبت زورہ رہے درگست
 درخیز از دیدن درنج درگرم در بند

تفکر یہ کہ اس نظم میں غالب نے ہر بار مصیبت زورہ لوگوں کے ساتھ انسانی سطح پر موصفت اور پناہ گشت کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ اس روئے کو "خوشے خوش" کی دلیل کہنے یا اس جذباتی اور روحانی صحت و توازن کی کہ جس کے باعث غالب کی طبیعت نے غم و اندوہ اور مصیبت کے وقت ایک نئی نئی "دست اور ہائیدگی پائی ورنہ ایسے موقعوں پر یہ بھی تو ممکن ہے کہ آوی اپنے گھر کو "خانہ الغری" اور اپنی مصیبت کو دنیا بھر سے الگ سمجھنے لگے اور اس پر کڑھنے اور آنسو بہانے کے لئے اپنے ہی اندر سکڑا سمٹ کر رہ جائے۔

اس نظم کی ایک اور خصوصیت بھی توجہ کے قابل ہے۔ غالب کو اپنی عالیٰ نہیں اور خانہ لائی و جاہت پر جو باز تھا اس کا اظہار انہوں نے اپنی نظم و نثر میں بادیا کیا ہے۔ اس نظم میں بھی یہ امکان موجود تھا کہ وہ اپنی موجودہ "زلزلہ" کا اپنی "مکتوبہ عزت" سے مقابلہ کرتے مگر جیسا کہ میں عرض کرتا چلا آیا ہوں کہ اس نظم میں غالب نے ہر

جگہ انسانی اقتدار ہی کا پاس کیا ہے۔ چنانچہ یہاں انہوں نے اپنے شاعر ہونے ہی کو اپنا اقتدار گردانا ہے۔ تیسرے بند کا شعر کہ جس میں "خُن سنجی و فرزاگی" کو اپنا "آئین" قرار دیا ہے، ہم دیکھ آئے ہیں۔ چوتھے بند میں اپنی "محشلی" کو "خازنہ روئے ہنر" کہہ کر اپنے ہنر پر اس طرح ناز کیا ہے۔

ہنرم را عتواں کہ چ غشمن ضائع

محشلی خازنہ روئے ہنر آید گوئی

پچھلے بند میں اعداد غم کے اس وسیلے یعنی شعر گوئی کو قید کی تختیوں کے دوران ایک سارا اور اپنی "مستی و سبک دہنی" کا ضامن قرار دیا ہے:

بے تکلف قلم از چند بدلتاں کی ریزد

ہنگ مہربانی غم در دل تنگم نمود

بے صبر غم طوفان بودستیء من

اندوہیں بند گراں ہیں و سبک دہنیء من

اور آخر میں یہ "حبسہ" بزم خُن میں یاد کئے جانے کی امید پر ختم بھی ہوا ہے:

آن ہاشم کہ بہ ہر بزم ذمیں یاد آید

دارم امید کہ در بزم خُن یاد آید

اس نظم کے جن مقالات کا لوہا ذکر آیا ہے ان سے گزرتے ہوئے یہ خیال پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ یہ نظم غالب کی زندگی کے ایک ایسے زمانے میں لکھی گئی کہ جب وہ بے امید، "بدنامی"، "روایتی"، بے وفائی اور کسمپرسی کے ظم و اندوہ سے بے اختیار ہو کر نکلا افسوس تھا:

خست ام خست من و دعویٰ حقیق حاشا

بند خلت است تہیہاں توانم در بند

اور خود اپنے وجود کو اپنے لئے ایک پوچھ بھٹنے لگے تھے۔

ہر کس از بند گراں نالہ و فاس کہ غم

نالہ از خویش کہ بر خویش گرام در بند

جس ماحول میں انہوں نے یہ نالہ گزارا اس کا عالم یہ تھا:

آہ ازیں خانہ کہ روشن نشود در شب تار

بہ ابدان خواب کہ در چشم گھمبیاں سوزد

آہ ازیں خانہ کہ دودے عین یافت ہوا

بہ سوسے کہ خس و خوار بیاہاں سوزد

اور جو کچھ وہ سوچتے اور محسوس کرتے رہے وہ اس سے ظاہر ہے:

آنچہ فردا است ہم امروز در آمد مگوئی
 آفتاب از جہت قبلہ بر آمد مگوئی
 دل و دستہ کہ مرا بود فردا ماند کار
 شب دروازے کہ مرا بود سر آمد مگوئی
 سر گزشتہ ہمہ رنج و الم آورد مگوئی
 سر نوشتم ہمہ خوف و خطر آمد مگوئی
 ہر اہل جہاں چوں ز جہاں درو د فہم است
 ہر مہم من ز جہاں بیشتر آمد مگوئی

مگر اس کے پڑھو غالب نے اس نظم میں اپنے درد و غم کا اظہار دھار اور ضبط کے ساتھ کیا نہ وہ جذباتیت کا
 ظہار ہوئے نہ غصے اور نفرت کا ' شکایت کی تو صرف تقدیر کی اور دوستوں سے گلہ کیا تو مرد محبت کے نام پر ' انسانی
 اقتدار کو اپنایا اور اپنے دل کے دروازے تمام اہل زمانہ پر کھول دیئے اور وہ کمال جو فطرت نے انہیں دیا تھا
 اسی کو اپنا اعزاز و امتیاز سمجھا۔ نتیجہ یہ کہ غالب کی زندگی کے تاریک ترین دنوں کی یادگار نظم ان کی شخصیت کے روشن
 ترین پہلوؤں کی آئینہ دار بن گئی۔ اسی لئے تو میں نے عرض کیا تھا کہ یہ نظم غالب ہی کی نہیں شاید دنیا بھر کی
 جہاںات میں ایک منفرد اور بلند حیثیت رکھتی ہے۔



پروفیسر نذیر احمد

دستِ نبو اور دساتیر

نار دہ اتم کہ نرست خن خواہ شدن
ایں سے از قلم خریداری کنن خواہ شدن
کوکم را در ہم اوج قبول بود است
شربت شعرم بگیتی بعد من خواہ شدن

غالب کی پیش گوئی تھی کہ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا، ان کی شاعری کی شہرت بڑھتی جائے گی اور سارے عالم میں پھیل جائے گی۔ یہ پیشین گوئی حرف بحرف صحیح نکلے اب ان کے کلام کی شہرت ایشیائی ممالک سے بڑھ کر یورپ اور امریکہ تک پہنچ چکی ہے۔ اور غالب نے جس دل نشیں اور شاعرانہ انداز میں یہ پیشین گوئی کی تھی وہ بھی داؤد طلب ہے، ان کی شعر و شاعری شراب ہے جو اپنے لہان میں خریدار نہ پیدا کر سکی، یہ شراب پڑی رہی، پرانی ہو گئی تو اس کے دام بڑھ گئے۔

غالب وہ خوش نصیب شاعر ہیں جن کے کلام کا بڑا مطالعہ ہوا ہے (سوائے اقبال کے) شاید ہی کسی نور شامیاء اصیب کا اتنا مطالعہ ہوا ہو، اور حق تو یہ ہے کہ اس اعتبار سے فارسی، اردو، عربی یا ترکی کا کوئی شاعر ان کا سیم و شریک نہیں۔ لیکن باوجود دیگر مطالعے کے ان کی زندگی کے بعض پہلو دانشوروں کی توجہ کے محتاج ہیں۔ یہ بات عام ہے کہ ان کے کلام میں جو خراج ہے وہ کسی شاعر یا اصیب کے کلام میں نہیں ملتا۔ وہ محض شاعر و اصیب نہ تھے، زبان و ادب و تاریخ کے عالم تھے۔ ان کے اردو خطوط ایک طرف تو اردو ادب کے بہترین نمائندہ تو دوسری طرف علم و فن کے قابل وصف مظہر، انہوں نے اپنے مکاتیب میں سیکڑوں علمی، ادبی، شعری، فنی، تاریخی، سیاسی امور پر بحث کی ہے اور میرے خیال میں ان کے کلام کا یہ رخ جو درحقیقت ایک دائر المعارف کی وسعت اپنے دامن میں سمونے ہوئے ہے، بالکل اچھوتا ہے۔ ان کی اکثر تصانیف میں ان کا سیاسی شعور کافی بیدار نظر آتا ہے، وہ تاریخ و تہذیب کے محرکات سے آشنا معلوم ہوتے ہیں، ان کا کلام اس دور کی سیاسی و تہذیبی امور کا آئینہ دار نظر آتا ہے۔ اردو کے علاوہ فارسی میں بھی انہوں نے خوب خوب طبع آزمائی کی ہے، قلم و تہذیبوں میں ان کے ضخیم کلیات موجود ہیں وہ سبھی سیر حاصل مطالعے کا تقاضا رکھتے ہیں، بلاشبہ ان کے اردو شعر کا خاصا شائق مطالعہ ہو چکا ہے، لیکن ان میں بھی ان کی جو دار شخصیت کے بعض پہلو ایسے ہیں جو مطالعے کی دعوت دیتے ہیں:

گمان مبرکہ بہ پایاں رسید کارملاں
ہزار چارہ ناخوردہ دررگ نام است

غالب کے یہاں بعض قہریلوں کی طرف اشارے ملتے ہیں، انہیں میں ایک دساتیری تحریک ہے، اس سے وہ خاصے حاذق نظر آتے ہیں، لیکن بلکہ وہ اس تحریک کی طرف واضح اشارے کے، یہ امر غالب شعلوں کی توجہ کا مرکز بن گیا، یہ تحریک ہڈی پر غریب نہیں پر کشش تھی، دساتیر ایک مجموعہ صحائف کی شکل میں منظر وجود پر آئی جس کے مطالب کا سراغ کہیں نہیں ملتا اور جس کی زبان کا دشت دنیا کی کسی زبان سے نہیں قائم ہوتا، یہ ہر زبان سے الگ، جس کو نہ کسی نے سنا اور نہ جانتا، لیکن نیکوئی ایرانی اور ہندوستانی شاعر ادیب اس کے غریب میں آئے اور اس کے مطالب اور اس کی زبان کا اثر قبول کیا، دساتیر کی زبان عربی اثرات سے یکسر پاک تھی، اس کے اکثر و بیش تر الفاظ فارسی سوا کے چرے ہیں اس وجہ سے فارسی غائص کے شیدائیوں کے لئے اس کتاب میں ہڈی کشش تھی، غالب فارسی سوا کے پرستار تھے، اس عام پر امن کا دساتیر سے حاذق ہونا قدرتی امر تھا۔

غالب کے کلام نظم و نثر اور فارسی پر دساتیر کا خاصا اثر موجود ہے، کسی پر کم کسی پر زیادہ، راقم نے ان کے بعض کلام میں دساتیری الفاظ کی نشاندہی کی ہے، تاج کی صحبت میں دساتیر کے مختصر تعارف کے بعد ان کی فارسی تصنیف ”دحتیو“ میں دساتیری الفاظ کی نشاندہی کی جائے گی۔

غالب نے دحتیو کے خاتمے پر یہ رباعی لکھی ہے:

| | | | | | | | | | |
|--------|--------|--------|----|-------|-------|---------|-------|--------|-------|
| نیلگون | کہ | بیش | در | روانی | مانیم | سرچشہ | راز | آسمانی | مانیم |
| لعلی | دساتیر | پوردار | ما | سامان | ششم | کاروانی | مانیم | | |

”ہم راز آسمانی کے سرچشہ ہیں، اسی وجہ سے ہم بیش رواں رواں ہیں، فارسی یہ کتاب دساتیر کا ایک جز ہے، اور کاروانی کے اعتبار سے گویا ہم سامان ششم ہیں۔“

دحتیو مرزا غالب کی فارسی نثر میں ایک کتاب ہے جو پندرہ ماہ کے واقعات پر (مئی 1857ء تا جولائی 1858ء) مشتمل ہے، جیسا کہ خود غالب نے اپنے کئی خط میں لکھا ہے:

”میں نے آغاز ماہ دسم مئی 1857ء سے سی دسم جولائی 1857ء تک دو ہفتہ شریعتی چورہ مینے کا حال نثر میں لکھا ہے۔“

(نقشہ: 17/ اگست 1858ء)

”مئی کی گیارہویں 1857ء سے جولائی کی ایکویس 1857ء تک چورہ مینے کا حال میں نے لکھا ہے۔“

(یوسف علی خان عزیز، 1859ء)

دحتیو کی زبان کے بارے میں غالب نے کئی جگہ لکھا ہے:

”فارسی بے آمیزش لفظ عربی لکھی ہے اور فارسی وہ بھی وہ فارسی قدیم جس کا اب پارس کے بلاد میں نشان نہیں رہا، تاہم ہندوستان چہ رسد۔“

(18/ جولائی 1858ء)

”مختصر اس کا کیا ہے کہ دساتیر کی عبارت یعنی فارسی قدیم لکھی جائے اور کوئی لفظ عربی کا نہ آئے، جو نظم (19)

اس نثر میں درج ہے وہ بھی بے آمیزش لفظ عربی ہے پس الفاظ کے نام نہیں بدلے جاتے وہ عربی، انگریزی، ہندی ہو ہیں، وہ لکھ دیے ہیں۔

(مثنوی ہرگوپال نقض 17 / اگست 1858ء)

”مطریق ماہِ یلزم (2) اس کا التزام کیا ہے کہ یہ زبان فارسی قدیم جو دساتیر کی زبان ہے اس میں یہ نسخہ لکھا جاوے اور سوائے اس کے کہ وہ بدلے نہیں جاتے کوئی لغت عربی اس میں نہ آوے۔“

(چندہری عبد الغفور سدر 1858ء)

دخیز میں خاص فارسی کے الفاظ آئے ہیں ان کو چار قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

1۔ عام فارسی لفظ و فقرے جیسے ”نام“ ”خداوند“ ”توانا“ ”اخر“ ”انا“ ”مر“ ”رواں“ ”تن“ ”کار“ ”دشوار“ ”ست“ ”استوار“ ”کشش“ ”کوشش“ ”کامد“ ”ہام“ ”ستیزندہ“ ”بم“ ”فرہادی“ ”فرہادی“ ”فرہادی“۔

2۔ بڑی تعداد میں ایسے الفاظ و فقرات ہیں۔ جو غالب کے دور میں کم مستعمل تھے۔ جیسے ”افراد“ ”گرائش“ ”ورانش“ ”ستان“ ”دودا“ ”زاور“ ”زاوش“ ”چکر“ ”پرستوگ“ ”دوم“ ”فرہنگ“ ”مٹکوی“ ”نیمز“ ”آہو“ ”صیب“ ”پارک“ ”ایوار“ ”پانتر“ ”بلور“ ”پردار“ ”باد افراہ“ ”اشلم“ ”پتارہ“ ”تھوہ“ ”ناگفت“ ”کرزن“ ”دین“ ”پخت“ ”نیاکان“ ”ایا پنیر“ ”کلیہ“ ”کالیگی“ ”کامال“ ”کاریا“ ”کنارک“ ”پہاوند“ ”قالیہ“ ”پیوند“ ”ردیلب“ ”شارستان“ ”پاساد“ ”مٹفولہ“ ”کازہ“ ”گوسہ“ ”لوانندہ“ ”فرہادی“۔ فارسی میں متعدد ایسی فرہنگیں موجود ہیں جن میں صرف فارسی سوانہی کے الفاظ معدوم ہیں، ان میں ملت فرس“ ”فرہنگ قواس“ ”معراج الفرس“ ”لسان الشعرا“ ”زبان“ ”گویا“ ”فرہنگ“ ”جہانگیری“ ”فرہنگ سردی“ ”سرد سیدانی“ ”فرہنگ جعفری“ یہاں قاطع وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ ”دخیزہ“ کے الفاظ ان فرہنگوں میں شامل ہیں، اگرچہ مشکل ہے کہ غالب نے فرہنگوں سے لفظ منتخب کئے ہوں، بہر حال ان میں سے بیش تر الفاظ ترجمہ دساتیر میں موجود ہیں، اور ”دخیزہ“ قوی غالب نے دیں سے لئے ہیں، ”کچھ الفاظ قدیم شاعروں سے لے لئے ہوں گئے۔

3۔ بعض مرکب الفاظ و ترکیب ان کے خود ساختہ ہیں، ”کچھ ایسے بھی ہوں گے جو دوسرے معاصرین کے کلام میں خال خال مل جائیں گے، ”کچھ ترجمہ دساتیر میں بھی ہوں گے۔ چند مثالیں ملاحظہ کریں: ”سہ و مر سار“ ”شب و روز“ ”نہ سپر فراز“ ”ملت اختر فرود“ ”روان (2) ”اتن“ ”نیمز“ ”والش (4) ”داو آسود“ ”بم“ ”آہیزندہ“ ”پتارہ“ ”جہانپاس“ ”کردار گزادی“ ”چار سو (پنک)“ ”جہانستان“ ”ماہ گر فتن“ ”سوگیر (طرفدار)“ ”ناپسودہ (اپھوٹا)“ ”گور کاد“ ”داستان“ ”سقم کورہ“ ”بر آورد (تقریب) وغیرہ۔

4۔ دساتیری الفاظ، یہی آج کی محنگو کا موضوع ہے۔

دساتیر ایک جہلی کتاب ہے، اس کے مدد جات جہلی اور زبان مصنوعی، ”لہام“ ”فقتین“ کی رائے ہے کہ یہ سوانہی صدی میں گور کوانی فریق کے لوگوں کی مرتب کی ہوئی ہے، یہ سولہ کتابوں کا مجموعہ ہے جو سولہ خطبوں پر مشتمل ہوئیں، یہ کتابیں حسب ذیل ہیں:

1۔ نادمہ اول بفرز آلود و خوشروان و خوشور، ”کل جملے (چراس) 170ء ان میں شروع کے چند یہ ہیں: (5)

- 1- چانگم پیراس "از منقش دوزخست گموا کشده و براد تاغوب برده درج دهنده آزار رسانده۔
- 2- عام ایرو تخلصیدہ و تخلصیش کر۔
- 3- عام پروان۔
- 4- بن بود ایرو تخلص و انست چنانکہ هست جزاؤ کہ یاد۔
- 5- هستی و یکسانی و کسی سراسر قودنبا آوندہ گوہر اوست داند پروان نیست۔
- 6- جز آغاز و انجام و ابتداء و ختم و مانعہ یاد و پدر و مادر و زن و فرزند و ہای و سوی و تن و تن آسودگانی و رنگ و بو است۔

- 7- زندہ و توانا و بی نیاز و دلوگر و بر خنودن و دیدن و پروان آگاہ است۔
 - 8- و هستی نزد واقع او یکبار بی دامن و بکلام پیدا است و بعد یک چیز پوشیدہ نیست۔
- نامہء شت ہی افراہم : 88 ہراس پر مشتمل ہے 'تین ابتدائی مشرک جملوں کو چھوڑ کر چند خطے دہل میں درج کے ہاتے ہیں :

- 4- سپاس خدای را کہ نخست اندوختی چند کورد و پس متان را۔
- 5- مگرہ بین ای ہی افراہم پر آید آزار کہ بچونہ بہ پیمان پروان۔ تن سالار و جہنہ و تاجش و تاجش و تاجش کہ
- مین چرخ باشد ہم خان راورد و دودہ گرفتہ پیشہ میگردد۔
- 17- ختم کہ ختمین آید را بگرہ ہم دپس از و سیزدہ بغیر کباب ہم ہی ہم فرستادم 'یکی پس دیگری خطیری آراشد۔
- 18- ہاں چارہ بغیر ہماں آراست و آرام یاب شد۔
- 20- چن (8) صد زاد سال دہدہاشای ایشان را رفت آید آزاد ہدشاہ جہانہ رای گذاشت پروان پرست شد۔

نامہء سوم شت شای کلیو 80 ہراس

- 4- ای شای کلیو پر ہی آلاہ چن آب و پیمان دوائی جہان یک اسپا را (7) سال کھید مودان بڑہ کارشدہ 'ہی آلاہ از ایشان پروان رفت۔
- 5- اکون ترا گزیدم وہ خطیری فرستادم متلیش کن مرا جہن
- 6- عام ایرو دهنده دوزی امر زندہ۔

نامہء شت و خشور یا سان 63 ہراس

- 4- بدان ای یا سان پر دشتائی مہل چن یک شمار سال از خسروی و پیمان ہی شایان گزیدہ پر ہر تو کہ شائی مہل ہاشیدہ کاری مودان دیدہ و از میان مودم پروان شد۔
- 5- اکون ترا گزیدم بہ خطیری 'برخیز و کش بزرگ آید ورا شیدہ و متلیش کن مرا۔

- 4- ای فرزندیار پر دیا سکن اہام چنن لودندہ سلام از خد لوندی یا ساتیان دشت موبان بدکا شدند یا سکن اہام از مہان لکان کہ موم باشند کنار گرفت۔
 - 6- ترابہ خیمہی و پاشای گزیدم آنچین خطیر خطیران بزرگ آہورا رندہ ساز۔
 - 9- تراباخن و دوجیش و بر تو دودد آفرین۔
- نامہء شست و خشتور سیاہک 49 (ص 84 - 83)
- 4- ای سیاہک پر مکتاہ تو خطیر نزدیک منی شای ہر موزر اخیمن۔
 - 8- ای شرف بزرگ ستورہ بر منی سپر۔
- نامہء شست و خشتور ہوشنگ 37 (ص 84 - 86)
- 4- ای ہوشنگ پر سیاہک گزیدہ خطیر منی و ترا دانش و فرزائی داوم
 - 5- تو آموز کار خطیرانی کہ آیند۔
 - 6- آنچین بزرگ آہورا تازہ دار۔
 - 7- دہستی ہوام را کہ یادہ تست این گوئد۔
- نامہء خشتور قصورس 54 (ص 86 - 92)
- 4- ای دشتور من قصورس پر ہوشنگ آنچین بزرگ آہورا استوار کن۔
 - 5- آتاپ یادہ تست اورا کہ خورشید باشند پر موم کہ ترابرنید و دیکس ستای اورا این گوئد۔
- نامہء شست و خشتور جمشید 93 (ص 92 - 104)
- 4- ای جمشید پر قصورس ترا بگنیدم "آنچین بزرگ آہورا استوار و پادار کن۔
 - 5- تو خطیر ہستی بسیار بزرگ۔
 - 6- شید من بر دوی تست۔
- نامہء شست و خشتور فریدون 48 (ص 104 - 107)
- 4- ای فریدون بر مردمان و جانوران بی ازار غنیدم و از مکتاہ ایمن گذشتم و ترا کہ دوست منی بہ خطیری گزیدم و جان را بہ مستی تو گدوم کہ ہمہ مرغان تو نلوند و خسروی ترا بر خود گنیدند۔
 - 5- آنچین بزرگ آہورا رازندہ کن۔
 - 6- سواد را کہ جانور کن ندانست ترا آموز غنم۔

نامۀ وختور کیخسرو 28 (109 - 112)

- 4- ای وختور من کیخسرو پدرشیا وخت تو خود من گمراهی هستی.
- 5- بهشکل طایق تو از من جدا نیست.
- 6- دوان فرشته است و پدر فرشته است و پنجن سوادشی گمراهی و بزرگ بهر خود نام دایم.

نامۀ وخت وختور زرتشت 164 (212 - 136)

- 4- ای زرتشت پدر استیمن ترا به وختوری گزیده ام.
- 5- دودمان من خود را بهر دایم.
- 6- یکی در طواب و آن وختی است.
- 7- دوم در میان طواب و بیداری و آن فریاد است.
- 8- سوم در بیداری که از تو سبکی و با فرشته از آسمانها گزیده شدی.

چند نامۀ اسکندر 16 (136 - 138)

- 4- ای سکندر پدر داراب یزدان ترا بهاد شای و بهانگیری برداشت " آئین بزرگ آبا دراک بزرگ ترین خطیران است بسیار دانستوری آشکار کنی.
- 5- من از چند کار ایم انبان که بد شد ترا بدم بدم.
- 6- بیگانه بر ایم ان کمار.
- 7- اگر از فکر تو بیزکان ایم ان آزادی رسید چت کنی.

نامۀ وخت ساسان نخست 93 (138 - 191)

- 4- یادوری بجم از یزدان اودنه گوهر شایسته کار کن فروزه دایم نگه بر.
- 5- گفته است دایست هستی شایسته هستی را.
- 6- یزدان نباشد جای تو.
- 7- شایسته است یزدان.

نامۀ وخت پنجم ساسان 41 (191 - 194)

- 4- ای دیم ساسان.
- 5- اکنون ترا به خطیری گزیده ام.
- 6- خودست منی و راه راست به نشان.

18- دیہی پرکاری ایرانیان را کہ پرویز را کشید۔

19- آگہس را کہ من بر کشیدم اینہا برانداختند۔

23- ایک از تازیان پادشایا بد۔

39- در قعر تو خطبری پیشہ ماند۔

40- اندوہ مدار کہ انہام یزدان بخش۔

41- وانہام از ہم وہ شاد و دودن گریند چون موش از سوراخی بہ سوراخی۔

اس سلسلے میں چند اسود کا ذکر ناگزیر سا ہے:

1- دراصل جو عمارتیں مختلف کتابوں کے ضمن میں درج ہوئی ہیں وہ نہ دساتیر کے ترجمہ کی ہیں اور جیسا کہ عرض ہو چکا ہے دہم ساسان نے حکم ہدائی کے مطابق اسے اپنے عہد کی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ یہ زبان فارسی ہے جس میں جا بجا خود ساختہ و مصلح لفظ داخل کر دیے گئے ہیں۔

2- دہم ساسان خسرو پرویز کے زمانے میں تاجا گیا ہے، خسرو پرویز ساسانی خاندان کا جلیل القدر فرما نروا تھا جس نے 591ء سے 628ء تک حکومت کی 668ء میں قید کر کے قتل کر دیا گیا، کمرا عربوں کی شکست سے سال پہلے (بتگ) قادیسہ میں یزدگرد نے 635ء میں حضرت عیسیٰؑ کے سرداروں کے ہاتھ شکست کھائی اور 651ء میں ایک آسیاہن نے مرہاب کے قریب اسے قتل کیا، اور دساتیر کا ترجمہ اسلامی فارسی میں ہے، جو ساسان دہم کے زمانے تقریباً 250 سال بعد ایران میں عسور پذیر ہوتی ہے۔

3- دساتیر کی زبان نمونہ یہ ہے:

عاشان، عماش، ہشاشان، ہشاش، ہشاش، غشاشان، غشاش، واسلاش، پاسلاش، راساراس، تاساناس۔
ہاششتی، راششتی، شاششتی، راششتی، شاششتی، راششتی، راششتی، راششتی، راششتی، راششتی۔

ساسان دہم نے شاششتی کو شاششتی صدر (معنی و اششتی) سے مشتق بتایا ہے۔ وانشا و اششتی و اششتی و اششتی یعنی دنیا میں جانے والی چیزیں ہست ہیں۔

4- دساتیر سنگوں سال کی مدت کو حاوی ہے، مد آباد کی بادشاہی کی مدت صد و اڑس سال بتائی گئی ہے، جو ساسان دہم کی تفسیر کے اعتبار سے اچھی ہوتی ہے۔

3- یعنی تین پر انھیں صفر جو ہارے شمار سے باہر ہے۔ اس سے اس کتاب کے گزرتے والوں کا جعل واضح ہے۔

6- اس زبان کا رشتہ دنیا کی کسی زبان سے نہیں ملتا۔

7- زرتشت کی کتاب لوستا ہے جس کا کافی حصہ آج بھی موجود ہے، دساتیر میں ایک نامہ زرتشت کا ہے، اس کا لوستا سے کوئی تعلق نہیں، یہ اموساتیر گزرتے والوں کے جعل کا ناقابل رد ثبوت ہے۔

اس طرح اور بہت سے قرائن ہیں جن سے ثابت ہے کہ دساتیر کی زبان اس کے مندرجات سارے جعلی ہیں۔ یہ جعل سازوں نے مل کر مکر لیا ہے تاکہ لوگوں کو اپنے جعل میں پھنسانیں۔

چنانچہ بڑے داخل مند، مقرر، ادیب، شاعر و فیوہ و ساتھی جمل میں پھنسنے لور وہ اس کے مطالب اور اسی کی زبان سے حاشا ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ دساتیر کی مصنوعی زبان کا ترجمہ خسرو پرویز کے دور کے سامانِ ظہیم نے اسلامی قاری میں کیا۔ اس میں بھی صدبا الفاظ جملی اور خود ساختہ ہیں، انہیں خود ساختہ و مصنوعی الفاظ سے صاحبِ زبان قاطع اور زبان کے سب سے بڑے مخالف دونوں نے دھوکہ کا کھایا، زبان میں سینگلوں و ساتھی لفظ موجود ہیں اور غالب کی کوئی بھی تحریر اس سقم سے پاک نہیں۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ غالب کے ایک معاصر و شامسا مولوی نجف علی خاں (متوفی 1298ھ) تھے، انہوں نے غالب کے دفاع میں واقع ہڈیاں نام کی ایک کتاب 1280ھ / 1864ء میں مرزا صاحب دہلوی کی فرائضِ مطبع سرائی میں باہتمام حمایت علی خاں مطبع ہوئی۔ مرزا قربان علی بیگ تھکس سالک نے جو غالب کے حلقہ میں تھے، تاریخ پر 16 شعر کا ایک قطعہ لکھا جس کے آخری اشعار یہ ہیں:

| | |
|---|---------------------------------------|
| مکتوب ام ایمن قلعہ را سالک بطرز دلچسپ | تاگویم شرح مضمون نیا بی تفسار |
| گھر از ہر مصرعہ اول تو حرف اولین | گرہی نام مصنف را تو باشی طوستانار |
| حرف آخر ہم ازان گمبہ بین اعدا او | بکھنوار و دوسد و پشتا بھری در شمار |
| اولین حتی گمبہ از آخرین ہر مصرع | نام ایمن مجموعہ بی مثل را آسمان برادر |
| در تو بیکوی نشان از بیوی تاریخ ہم | آخر از مصرعہ آخر گمبہ دیار دار |
| چون صاحب آن کئی دغدہ بخشی مسائل | جان نہ ہضم در حق طوداز کی شصت و چار |
| گرد درگاہ خدا جانی عطا گرد مرا | الکھم در خویش و در تاریخ ہم آرم بکار |
| مصنف کا نام "نجف علی خاں" کتاب کا نام "شرح دساتیر" سنہ ہجری 1280ھ اور سنہ عیسوی 1864ء اس قطعے سے برآمد ہوتا ہے۔ | |

سفرک و ساتیر پر غالب کی تقریب ہے، یہ تقریب میں الفاظ موجود ہیں، چاہا دساتیری الفاظ کی آمیزش بھی نظر آتی ہے، اس میں متوالف سفرک کا ذکر اس طرح آتا ہے:

"الافاق وانا متقی بدول زور تورود زبان راغوش تنگداشت، بدل گفتم چہ بہ ازان کہ نامم غنی درمع مکتوب باقیم، دیدہ وری کو آنگو کہ اسود فرخ رخ سخی راور مصرعتی ہازار آورده اند کہ زیبای جمل پاکش سوادہ ہاوش روزگار است، نی نی پستوی زبان پہلواں را درکار نگاہ حق پرودی کار آورده اند کہ استخوان استخوان راگزین آموز گاراست، ہناسپ مایہ، سامان نمایہ آور کیان پایہ متوالف نجف علی خاں ہمایوی خوی ہامایہ آن کہ مدائن گویا چہ جگرش پیش ازان نازد کہ جگر ہای دیگر چہ روان گویا آن کہ لیرای فردغ جوی دساتیر را بد ستیاری خامہ کلی ہاشامہ چنان آراست کہ لیلای معنی در سید خیمہ الفاظ دیدار فرماپ پدیدار ان خامہ نامور از روشنی چشم چشم روشنی خواست:

نگار خانہ بھی شد وژم ازین ارنگ لطافت قلم نقشبند را اصبرم
ہم کن دہر بدان نامہ ساز را نازم ہم این سوار سوار سپہر اصبرم
اس تحریر سے اس بات پر بخوبی استدلال کیا جا سکتا ہے کہ غالب نجف علی خاں و سڑک کی تالیف سے قبل سے
بخوبی جانتے تھے۔ دہلوی کی ملاقات پر بھی استدلال ہو سکتا ہے، اس صورت میں غالب کے ایک خط (مجم صبیح اللہ
۱۳۸۴ء میں جو ۱۳۸۴ء کے بعد کا ہو گا) اس بیان کی تصدیق مشکل معلوم ہوتی ہے:

"ہاں صاحب خط دیدودہ کے ساتھ ایک خط مولوی نجف علی صاحب کے نام مع اس حکم کے کہ میں اس کو
مولوی صاحب کے پاس پہنچاؤں" میں نے پایا، حال یہ ہے کہ مولوی صاحب سے میری ملاقات نہیں، صرف
اتحاد معنی کے اکتفا سے انہوں نے داخل ہواں نگہ کر فن خن میں مجھ کو مدد دی۔ مثنیٰ کو بند سگہ دہلوی،
ایک ان کے شاگرد اور میرے آشنا ہیں، ان کو وہ خط پیشہ بھیج دیا، یقین ہے وہ مولوی نجف علی کو بجو
دیں گے، انہی کے اعتماد سے دریافت ہوا ہے کہ مولوی صاحب مرشد آباد بنگالے میں ہیں، نواب باقم نے
ان کو ذکر رکھ لیا ہے۔" (ج ۴، ۱۵۳۷)۔

"تخصیصات بالا سے واضح ہے کہ دستاویز غالب کو بہت پسند تھی، لیکن ان کے فائز نظر صرف دستاویز کا ترہہ تھا،
دستاویز کی اصل سے زیادہ واقف نہیں ہوں گے، ترہہ دستاویز سامانِ ہنرم کا کیا ہوا ہے جس کا ذکر خود دستاویز میں ہے،
سامانِ ہنرم دستاویزِ خطیر اور صاحبِ کتاب ہے، اس لئے اس کے ترہے کی غیر معمولی اہمیت ہے، دستاویز پر وہ بیگانہ
میں ہزاروں آئے لیکن کسی نے یہ نہ سوچا کہ سامانِ ہنرم یا خود پر دہ کے دانے کا آوی ہو وہ فارسی زبان دستاویز کیوں
کر پیدا کر سکتا ہے جو اس کے کسی صدی بعد وجود میں آتی ہے، معتقدات کی دنیا میں آوی کی فکر کی قوت سلب ہو جاتی
ہے، یہ کتاب کور کیانی طبع کی تخلیق ہے جس نے ایران اور ہندوستان میں کئی صدی تک اپنی صداقت کا سکہ بٹھا
رکھا تھا غالب جیسے فاضل پسند دانش مند کا ایسے جہل میں پھنس جانا واقعی بڑی حیرت کی بات، لیکن وہ اس جہل میں
پھنسے اور بری طرح پھنسے، میرا خیال ہے کہ غالب کی اردو فارسی تحریروں میں جس تحریک کا سب سے زیادہ اثر ہے وہ
یہی دستاویز یا کور کیانی تحریک ہے، ان کی طرز نگارش بھی حائر اور ان کی فکر بھی، دستاویزِ خطیروں کی صداقت پر
وہ مراثیت ثبت کر چکے ہیں، مجھے ذاتی طور پر اس پر سخت حیرت ہے کہ غالب جیسے ذہین آوی اس پتھر میں آئے کیوں
کر، بہر حال یہ امر واقعہ ہے کہ ان کی تثر ہو یا قلم نگاری ہو یا اردو کوئی تحریر دستاویز اثر سے پاک نہیں، یہ تو تصویر
کا ایک رخ ہے، دوسرا رخ یہ ہے کہ سوائے قاضی عبدالودود کے کسی غالب شناس نے اس کی شخصیت کے اس نمایاں
پہلو کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا، اس پر مجھے بڑا استحباب ہے اور اس سے بڑی حیرت کی بات کیا ہو گی کہ باوجود اس
کے کہ میں نے اپنی بار بار کی تقریروں اور تحریروں میں غالب کی شخصیت کے اس پہلو پر روشنی ڈالی ہے اور تقریریں
غالب انسانی نثوت کے پایتھ فارم پر ہوئی اور تقریریں غالب انسانی نثوت کے پتھر میں شائع ہوئیں، اور پھر اسی انسانی
نثوت میں ۱۹۸۵ء میں ایک کتاب "نقد قاطع یہاں" شائع ہوئی اس کا ایک باب دستاویز ہے۔ اور دوسرے دستاویز کے
اثرات کلام غالب پر ہے، مگر قسم تو یہ ہے کہ غالب انسانی نثوت سے ایک کتاب "غالب اور سند ستون" کے نام سے

1988ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کا سب سے اہم ماخذ دخیوہ ہے جس میں دساتیر کا سب سے زیادہ اثر ہے مگر مرتب کتاب پر نہ دساتیر کی حقیقت کھلی اور نہ دخیوہ پر اس کے اثرات کی "اس پر مستزاد ہے کہ غالب اپنے کو "سامان ششم" سمجھتے ہیں اور یہ تحریر مرتب "غالب اور سہ ستادان" نے نقل بھی کی ہے لیکن مرتب پر یہ وادہ مخشف نہ ہوا کہ سامان ششم کے پیچہ کون سی حقیقت پوشیدہ ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر بے موقع نہ ہو گا کہ سامان ہجتم کو خدا کی طرف سے یہ عہدہ سنا یا گیا تھا کہ اس کے خاندان میں نبوت کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اسی مناسبت سے غالب اپنے کو سامان ششم سمجھتے ہیں یعنی مرآۃ الہدی خاندان میں سامان ہجتم کے بعد کا خطیر دساتیر کے مطلب کے بدل پر یہ بڑی دلیل ہے کہ اس کے بعد (سوائے غالب کے) نہ کسی خطیر کا پتا ہے اور کسی آہلی کتاب کا۔

"اشارہ شعراء میں ہو چکا ہے اور خود غالب نے اس کا اقرار کیا ہے کہ دخیوہ دساتیر کا ایک جز ہے۔ لیکن یہ بات دساتیری مطلب سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ صرف اس کی طرز تحریر سے متعلق ہے۔ دساتیر (ترجمہ) کی زبان خالص فارسی ہے۔ غالب خالص فارسی کے دلدان تھے جیسا کہ ان کی ساری نثری تحریروں سے واضح ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دساتیر میں کچھ ایسے خود ساختہ لفظ ہیں جن میں ناپاہن ہے۔ وہ غالب کو حائر کے بغیر نہ روکے۔ دلیل میں دخیوہ کے کچھ الفاظ کا تجزیہ پیش خدمت ہے :

در آسجی فردغ ہر فردغ بہ نیستی تویم بخندہ ہستی است۔ ص 139 اور حقیقت نیستی میں ہر صفت کا فردغ محض ہستی کا بخندہ ہے۔ اس جملے میں تین لفظ دساتیری نہیں۔

آسجی اس کی یہاں قاطع ص 63 میں اس طرح تخریج ملتی ہے :

آسجی معنی حقیقت بود کہ در متعلی ہماز است۔ و آسجی و آسجی و آسجی و آسجی ہماز۔ فارسی میں مرکب کلمات میں اس طرح آیا ہے : ذہر آسجی نوش آسجی گوہر آسجی و فیوہ لیکن ہماز کے متبادل حقیقت کے معنی یہ لفظ دساتیری جیسا کہ فرہنگ دساتیر ص 238 سے ظاہر ہے۔ فرہنگ ایران باستان، پم و اورج، 1، شمران 1326۔

فروزہ : یہاں قاطع 3 : 1477ء میں "فروزہا"۔ ہم اول "فروزہا" معنی فروزہا تا، شا و فرو غا باشد۔ و جمع صفت ہم است کہ مستند باشد۔ "فروزگان" معنی مستند و صفات باشد کہ جمع صفت است۔ "فروز" معنی تابش و روشنی و فردغ آفتاب و فیوہ۔ و معنی صفت ہم آمدہ است۔ و در اصل صرف لفظ فروز اصلی ہے۔ اور اس کے معنی تابش 'روشنی کے ہیں' صفت کے معنی میں اس کا استعمال دساتیری ہے 'فروزہا اس کی جمع ہے اور صفات کے معنی میں اس کا استعمال دساتیری ہے 'فروزہا اس کی جمع ہے اور فروزہ فارسی میں نہیں لفظ دساتیر میں معنی صفت آیا ہے۔ جیسا کہ فرہنگ دساتیر میں ہے (ص 238) "فروزگان" فروزہ کی دوسری جمع ہے 'یہ کلمہ فروزہ معنی روشن شدہ۔ و معنی موصوف ہم آمدہ۔ معنی آخر کے اہوار سے دساتیری 'دیکھیے فرہنگ دساتیر ص 238۔ یہ کلمہ لفظاً فارسی میں نہیں آیا صرف دساتیری ہے یا آواز کی آہنی۔

234 / 181 قرأتب معنی کرامت
قرأتب بہان میں شامل نہیں، لیکن دساتیری ہے (دیکھئے)

202 جاور

بہان 12: جاور معنی حال باشد چنانک اگر گوید چہ جاور داری مراد کن باشد کہ چہ حال داری؟
حاشیہ بہان اما این کلمہ در دساتیر معنی حال دندادند مکان استعمال شدہ رنگ دساتیر ص 241۔
181 جاور گردش: فرشیہ زاندریشہ جاور گردش

برچرخ نیستی کہ چنان ی لرزد

جاور گردش معنی قیصرہ خال۔ بہان کا طبع 5612

جاور گردش معنی قیصرہ و تبدیل دادن، یہ فرہنگ دساتیر ص 241 میں ہے۔

183 تاور فراتاش

بہان 211b4 تاور معنی ممکن کہ در برابر واجب باشد۔ دساتیری (فرہنگ دساتیر ص 269)

بہان 145:3 فراتاش معنی دھواست در برابر عدم آواز کیوانی، دساتیری لفظ ہے

بہان

بہان 211b4 تاور فراتاش معنی ممکن الوجود است چہ تاور معنی ممکن و فراتاش معنی وجود ہے دساتیری مرکب ہے

دیکھئے بہان 211b4 حاشیہ، نیز فرہنگ دساتیر 269۔

185/212 فرانان

بہان 1446:3 فرانان حکم و فرمان را گویند

حاشیہ: برسانند و دساتیر فرہنگ ایران باستان 47 و فرہنگ دساتیر 256 و تصنی در فرمان۔

189 سومہ پاس

بہان 192:2 سومہ استواء و حد و طرف باشد

یہ لفظ دساتیری ہے اور فرہنگ دساتیر 254 میں موجود ہے۔

189/234 فرگشت

فرمان 1467:3 فرگشت معنی فرمان و حکم باشد

یہ لفظ دساتیری ہے، رک فرہنگ دساتیر ص 257۔

196 وختیہ (8) کا یہ جملہ ملاحظہ فرمائیں:

ان پانچویں سرخوان و سراپا اور تازی گفتار خطاب و نصیحت و پیمائش و رنجہ و در (8) انگریزی زبان دشمن قوائد بود

گویا سرخوان اور سراپا کا ترجمہ عربی زبان میں خطاب و نصیحت ہے۔ اور تلکرمہ پانچ انگریزی دشمن ہے۔

اس میں کئی لفظ سنے اور غور طلب ہیں:

پانچواں بہان قاطع 363 میں اس طرح آیا ہے: معنی ترمہ باشند آن معنی فنی است از زبانی زبانِ دیگر۔
یہ لفظ اصیل فارسی نہیں ہے، دساتیری ہے پتا چپہ فرہنگ دساتیر میں 238 میں دیکھا جا سکتا ہے۔

مرخوان: یہ لفظ بہان قاطع 2065:4 میں آیا ہے:

مرخوان معنی خطاب باشد چنان کہ در بعض متون متعارف است مانند آصف خاں و اسلام خاں و لشکر خاں و
امثال گن۔

مولف سراج اللغات مثل فرہنگ نظام ج 5 میں ماہِ این ترکیب از برسانتہ ہای فرقہ آور کیاں است؟
فرہنگ دساتیر میں 2066 آورہ 'مرخوان' معنی خطاب باشد کہ از سلاطین ہامراہ اراکین دولت محبت شود مثل
آصف جاہ و آصف الدولہ و غیر ذلک، و گن مرکب است از مر (محبت، لطف) + خوان (از خواندن) 'ہامراہ
لقب و عنوانست۔

اس سلسلے میں چند چیزیں قابلِ توجہ ہیں:

- 1- آصف جاہ و آصف الدولہ کے خطاب لئے ہیں 'زیادہ قدیم نہیں۔
- 2- مرخوان کا بھانے مرخان لقب کے لئے زیادہ مناسب لفظ تھا لیکن آواز کی وجہ سے بھانے کے
لئے خان کو خوان میں تبدیل کر دیا۔

سرلیا کے معنی "ہمو و جہم" بہان 1112:2 میں درج ہیں 'در اصل یہ کلمہ سرلیا' سرلیا ہے' یعنی سر سے ہر تک'
پورے کا چارہ مگر غالب نے غلت کا ترمہ سرلیا کیا ہے۔ بخوبی دیکھیں ہے کہ یہ لفظ آواز کی بابت سلسلے کا ہو۔

"جیم" فارسی کا سمت ابتدائے لفظ ہے اور تلفظ معنی (جیم) میں آیا ہے۔ بہان قاطع 657:2 میں اس لفظ کے یہ
معنی درج ہیں:

1- خرام و رفتاری ہاز

2- امر از خرامیدن، بخروم

3- خوار و خوار

4- امر بھینک یعنی گرد برا

5- معنی 'لفظ جہم' معنی 'دع' مثلاً این سخن جیم ندارد و فیہو۔

لغت فرس میں جیم کے معنی 'معنی لود و رفتی' دیے ہیں اور حسب ذیل آیات بطور شاہد نقل ہیں:

و معنی کلی کہ شاعر دہرم و یک نیست و شعر تو نہ حکمت و نہ لذت و نہ جیم

شہید

| | | | | | |
|--------|-------|------|-----|-------|--------|
| مدد کی | چراہی | لحم | کند | چراہی | من |
| | کہ | نیز | نہ | ہم | کار من |
| | چہ | ہوئی | آں | اولی | کان |
| | | | | اوب | ندار |
| | | | | | دنام |

چم کوئی کن معنی کان خن نداد چم
بادجو اس کے کہ "چم" ٹائوس سا لگتا ہے لیکن اصل فارسی لفظ ہے "دساتیر" سے کوئی تعلق نہیں۔

دستجوہ ص 201 بست و یک نوای ہوش قرار اشہر پیست

(21) ہوش دیا آوازوں (21) توپ کی سلامی) کا سبب کیا ہے

بہان 131223 شوہ باضغای ہا معنی سبب و باعث و ملکہ باشد

یہ دساتیری لفظ فرہنگ دساتیر ص 255 اور فرہنگ ایران باستان ج 1 ص 47 میں موجود ہے۔

دستجوہ 203 این کہ فرجام کار بادشاہ و بادشاہزادگان کہ مدگاہ داستان کشائش شرہاستی غلست نکاشتہ ام

نیزادہ برین است۔

موجود یہ بھی کہ بادشاہ اور شہزادوں کا انجام جو شر کی فتح کا مقدمہ ہونا چاہئے میں نے پہلے نہیں لکھا ہے اس امر پر
مفسر ہے۔

لفظ مدگاہ بہان قاطع ص (978) کے علاوہ مجھے اب تک کسی فرہنگ میں نظر نہیں آیا اس کے تین معنی اس
فرہنگ میں دیے ہیں:

1- کنایہ از دیوانچہ و کتاب

2- دست بلای چارہ

3- بیخواسے قوم

بظاہر یہ لفظ دساتیری ہے۔

"مدود" معنی بنیاد اصل فارسی کا لفظ ہے بہان 18753ء میں اس کے متعدد معانی لکھے ہیں: دیوار، پہاڑ و بنای
دیوار، انحصار، بناؤ۔

آرٹش: دستجوہ ص 206 "آرٹش خن رمان راہ آرٹش این نگارش رسائی ہا"۔ (خن شناسوں کی
رسائی گھر اس قرعے کے معنی تک ہوا) بہان ص 31 آرٹش بکسر ثالث معنی ہاٹھ کہ در مقابل لفظ
است۔

اس معنی کے اعتبار سے یہ لفظ دساتیری ہے، دیکھیے فرہنگ دساتیر ص 230۔

ارزائش: دستجوہ 216 ارزائش طواران اور ہانا "خنس واران۔

بہان 102 ارزائش بکسر ثون دوزن بخشائش معنی خیرہ خیرات و چیزی دردادہ خدا بمروم دادن۔

یہ دساتیری لفظ فرہنگ دساتیر ص 232 میں موجود ہے۔

دستجوہ 213 ہر دین ملہ فرور فردزی کہ ازین فرہنگش تافور و دین۔

فرور: بہان 14843 میں اس کی تفسیر اس طرح ہے:

فرور معنی راست و درست باشد چنانکہ گویند: لٹائی فرور دین و فرور کیش است یعنی راست کیش

و درست مذہب۔

برہان قاطع سے تقریباً نصف صدی قبل فرہنگ جماعتگیری (1092ھ) میں فروغ وروج ہے :
 دو معنی وارد اول معنی راست و درست آدھ چنانچہ اگر گویند غلامی فروغ دین است یا فروغ ریش است مراد
 آن باشد کہ راست و درست ریش است و در کتابی از کتب فرہنگ قدیم نوشتہ دیدم کہ فروغی بمعنی معنی
 نوشتہ دیدم۔

برہان میں فروغ کے ساتھ فروغ دی 'فروغ دین' بھی آئے ہیں 'یہ دساتیری صورتیں ہیں۔

برہان قاطع 1150ھ "فروغ" معنی راست و درست باشد چہ فروغ ریش و فروغ دین کسی را گویند کہ در ریش و ملت و
 مذہب خود راست و درست باشد۔

فروغی مختلف فروغ دین و آن کسی باشد کہ دودین و ملت خود راست و درست باشد۔

جماعتگیری 1060ھ فروغی کسی را گویند کہ براہ راست باشد دودین چنانکہ گویند فروغ کلمی و فروغ دین و آنرا فروغی نیز
 خواہد قلا اح فروغیست۔

فروغ و فروغی : معنی راست و درست مذہب و دساتیری ہے 'فاری میں یہ معنی نہیں۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ
 برہان قاطع کے مصنف نے نیچوں دساتیری لفظ اپنی فرہنگ میں شامل کر لیا ہے 'ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرہنگ جماعتگیری
 کی تالیف کے وقت آؤر کیوں سلطے کی کتابیں دہود میں آ رہی تھیں اور ان کی فرہنگیں بھی تیار ہو رہی تھیں۔
 جماعتگیری کے مولف نے ان کی کتابوں سے متاثر ہو کر یہ الفاظ اپنی فرہنگ میں شامل کر لیا ہے۔ غیر آؤر کیوں ادب
 میں جماعتگیری کے یہ اندراج شاید قدیم ترین اندراج ہو۔ اس لئے اس اندراج کی تاریخی اہمیت بھی مسلم ہو جاتی ہے۔

فرہنگش : برہان قاطع 1481ھ معنی مہارت و دلا۔

یہ لفظ دساتیری ہے 'چنانچہ فرہنگ دساتیر ص 259 میں آیا ہے 'اور فرہنگ ایران ہستان ج ۱ ص 47 میں اس کو
 دساتیری قرار دیا گیا ہے۔

شمار خواست : دخیوہ 218 : دوبارہ محسن شمار خواست فرہان رسید۔

برہان قاطع 1223ھ میں شمار خواست معنی شوق و اشتیاق 'لیکن دخیوہ کے نسخے میں خواہش کے معنی میں ہے
 اس لفظ کا شمار دساتیری الفاظ کی فہرست میں ملتا ہے 'دیکھئے "غالب پر چند مقالے" ص 30۔

ہودل بند۔ دخیوہ 220

برہان 2389ھ میں ہو دل کے یہ معنی درج ہیں :

ہو دل بکسر حالت ہودان موصول معنی رصد باشد چہ ہو دل بند رصد بند را گویند و رصد گاہ جہاں است کہ
 حرکات الافاک و کواکب را در انجا ضبط می کنند۔

یہ دساتیری لفظ ہے چنانچہ فرہنگ دساتیر ص 276 میں ہو دل و ہو دل بند دونوں مذکور ہیں۔

ہرنیز: دہنیہ ص 220 و چرخِ جزبہ ہرنیز گردنی کہ اور است از لہو نہ لہو۔

(اور آسمان نے سوائے گردش کے جو اس کے ساتھ مخصوص ہے ہر گز راہ ملے نہ کی)۔

برہان 23274 میں اس طرح ہرنیز کی تفسیر ملتی ہے

معنی قہقین و چتری نمود پہون باشد چہ ہرنیز مند صاحب قہقین را گوید بخت از لہو بازند۔ و معنی قہقین و قرار دادن ہم بست چنانکہ گوید: مواجب فلان را ہرنیز کردیم یعنی قہقین کردیم و قرار دادیم۔

ازلاو: دہنیہ، معنی ہرگز آیا ہے، مگر یہ لفظ کسی فرہنگ میں نظر سے نہیں گزرا۔

فرگاہ: دہنیہ 232: از فرگاہ ششاد فیروز بخت ارفع

فرگاہ کے معنی برہان 14683 میں اس طرح بیان ہوئے ہیں:

بعد از فرگاہ لفظی است کہ آزا۔ عربی حضرت ی گوید

یہ دساتیری لفظ ہے اور فرہنگ دساتیر ص 257 میں درج ہے۔ لیکن یہ لفظ فارسی میں مستعمل ہونے کے لائق ہے 'فر معنی شان و شکوہ' کیا فرگاہ، معنی شاہ و شوکت کی جگہ 'بارشاہ کی بارگاہ' حضرت — فنایہ بات کامل ذکر ہے کہ فرگاہ کا وزن فرگاہ۔ اگرچہ فرگاہ پڑے بھیے کو کہتے ہیں لیکن اس میں "فر" کی وجہ سے سقم ہے 'اس کو یہاں نہ لکھنا چاہیے۔'

مکہ و کنواریہ کی مدح جو نظم ہے 'اس کی ایک بیت یہ ہے:

یہ فرگاہت بخشش خود در نواز بفرتاب دانش خود بند ساز

اس میں فرہنگ معنی نظم اور فرتاب معنی کرامت دساتیری الفاظ ہیں 'ان کا ذکر قبلہ" ہو چکا ہے۔

تراج معنی "آئین" دساتیری استعمال ہے۔ اس معنی میں کہیں نظر نہیں آیا۔

یہ مختصری گزارش ان دساتیری الفاظ کی ہے جو غالب نے عمرا" دہنیہ میں داخل کیا ہے، ان کے نزدیک وہ اصیل فارسی کے الفاظ ہیں جو فارسی شاعروں اور ادیبوں کی عظمت کی وجہ سے فارسی زبان کا جز نہ بن سکے۔ ان لفظوں کے علاوہ اور بھی دساتیری الفاظ دہنیہ میں ہوں گے جن کی شناخت و تحقیق مطالعے کی محتاجی ہے۔

غالب کی دوسری اور تصانیف میں دساتیری عنصر موجود ہے، کسی میں کم، کسی میں زیادہ، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی تمام کتابوں میں دساتیری الفاظ کی تلاش کی جائے اور اس کی شناخت کو عام کیا جائے۔ غالب کے اردو کلام کا کافی مطالعہ ہوا، شاید سب ادیبوں اور شاعروں کے کلام سے کہیں زیادہ، مگر غالب کے کلام میں اس عنصر کی تلاش قرار واقعی نہیں ہوتی، یہ بڑی دکھ کی بات ہے۔

(۶) دہنیہ ص ۱۷۰ نظم ہے وہ فارسی "سوا" میں ہے اس میں کوئی لفظ عربی کا نہیں لیکن اس کے ساتھ جو قصیدہ مکہ و کنواریہ کی قربت میں معلوم ہوا اس میں عربی الفاظ و فقرات کافی پائے جاتے ہیں۔ مواجب قصیدہ میں مکہ۔ خطبہ انکسار کے لئے "ظہان مکہ پادشاه و امیر" ہے، مکہ کے سوا سب مکتبہ ہوا ہے۔

غالب کی شاعری میں جنس

غالب کی شاعری میں جنس، جنسی عناصر اور اشارات کے مطالعہ سے پتھر ان اہم امور کو ذہن نشین رکھنا ضروری ہے جو غزل کی روایات کی صورت میں مختلف نسلوں کے لئے سامان تسبیح بزم پہنچاتے رہے۔ کھستو میں ریختی اور داسوت ایسی امتزاج اور غزل میں معاملہ بندی دفیوہ و داصل جنسیت ہی کی مرہون منت تھیں۔ کھستو شاعرانہ بدنام سہی لیکن غزل میں جنس نگاری صرف انہیں سے مخصوص قرار دینی جا سکتی، کیونکہ دلی کے علاوہ بھی بعض اور دکنی شعراء کے ہاں اس رجحان کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ دکن کا شاعر کیونکہ لندن اور اس کی بوہاس سے شمالی ہند کے شعراء کی مانند دور نہیں تھا، اس لئے اس کے ہاں جذبہ جسم کی نگار کے حراف ہے۔ شاید اسی لئے دکن میں جنس نگاری نسبتاً مستقل اور صحت مند نظر آتی ہے جبکہ شمالی دکنیوں اور انحطاط پذیر تصنیف کے طبع کی بنا پر کھستو میں یہ جنس نگاری کھجور دی کی حدود میں جا داخل ہوتی ہے۔ اسی لئے تو دکن میں عورت کے عاشق بننے سے غزل میں دلی کو مٹا اور جذبات کی گھٹاوت پیدا ہوئی جو ہندی گیت کی عظیم ترین خصوصیات میں سے ہے۔ اس کے برعکس کھستو میں عورت کا عاشق بننا ریختی کو جنم دیتا ہے۔

تصوف اکثر شعراء کے لئے برائے شعر کھنٹی سی، لیکن اس کے زیر اثر لابی شاعری کا جو سلسلہ اردو غزل کی ابتداء ہی سے ملتا ہے، اس نے ایک ایسے وچارے کی صورت اختیار کر لی جس میں مختلف عمرانی اور سیاسی حالات کے رد عمل کے باعث کی پیش تو ہوتی رہی، لیکن جو کھلتا، فتنہ نہ ہو سکا۔ تصوف کے زیر اثر عشق کے جس تصور نے فودہ پالا، اس سے اگر ایک طرف محبوب میں بدورایت پیدا ہوئی تو دوسری طرف اس عاشقانہ خود سپرگی نے جنم لیا جس کی محفل ثقلی التعلیق اور جس کا مقصود۔

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

— قرار دیا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازہی تصوف سے اشتقاقیات کے جن قصورات کا آکساب عمل میں لایا گیا ان کی اہمیت اپنی جگہ مسلم۔ کہیں کہ ان کی بدولت عاشق کے مکمل کیٹھے پر پابندی عائد رہی۔ یوں دیکھیں تو غزل شاعری دو قوی ترین عناصر کی درمیان لڑاں عشق کی ترجمان نظر آئے گی۔ اگر عشق کا جسمانی سطح پر جنسی جبلت کی ترجمان زبان میں اظہار کیا گیا تو تصوف کی صورت میں واردات اور تزکیہ کی اصلاحات بروئے کار لائی گئیں۔

ہم جنسیت پر جتنی شاعری بھی اہمیت میں کم نہیں بلکہ اسے تو دو دریاؤں کے درمیان ”دو آہ“ سے مطالبہ قرار دیا جا سکتا ہے اور ”ہم جنس“ کو حقیقت اور ”ہماز“ دو نواں ہی سے وابستہ کیفیات کا مرکز بنا کر عشق کے جسمانی اور روحانی مظاہر کے لئے وسیلہ اعتماد بنایا جاتا رہا۔ اس پر مستزاد یہ کہ محبوب کی جنس واضح نہ کرنے کی روایت کی موجودگی میں تو ہم جنسیت پر جتنی شاعری کو قطعی اور دو ترک قسم کی عشقیہ شاعری قرار دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اپنی غیر ملوث شدہ صورت میں تصوف کی بدورایت اور جذبات کی خودیدہ سری سے سراپہ دو اور دو چار قسم کی جنسی شاعری قرار پاتی ہے۔

غالب کے تخلیق شعور کی پہلی تک قول ترقی کے کئی ادوار مکمل کر چکی تھی۔ دلی، میر، درد اور گھنٹوی شعراء کی صورت میں قول کے انفرادی رجحانات و ادبیات کی صورت میں اخصیص حاصل کر چکے تھے۔ جسمانی اور روحانی سطح پر عشق نے دو دھاروں کی صورت اختیار کر کے ایک طرف درد اور دوسری طرف بعض گھنٹوی شعراء (مثلاً جرات، انشاء وغیرہ) کے پاس روحانیت اور جنسیت کی دو انتہاؤں کو جنم دیا جبکہ دو جنسیت (BI SEXUALITY) میر تقی میر کی نمایاں خصوصیت قرار دی جا سکتی ہے۔ ہم جنسیت اور مخالف جنسیت (HETRO SEXUALITY) قرار دے دو پڑے ہیں جن میں قول کر ہی میر کی شاعری کی قدر و منزلت صحیح کی جا سکتی ہے۔

خود غالب کے ہم عصر مومن کی شاعری میں بھی جنس کا واضح شعور ملتا ہے جب کہ مومن کو تو اس بنا پر غالب پر فوقیت بھی دی جا سکتی ہے کہ غالب نے اگر ایک عشق کیا تو مومن نے کوئی نصف درجن کے قریب (جن کے ہر عشق کی یادگار ایک ایک شہری بھی ہے) کہنے کا مطلب یہ ہے کہ غالب کے پاس بھی اگر ایسے اشعار ملیں جن کی جنس کی روشنی میں تخریج و توضیح کی جا سکتی ہو تو یہ نہ تو کوئی ایسا باغیانہ فعل ہے اور نہ ہی چونکا دینے والا اقدام (جیسا کہ مضمون کے عنوان سے قاری کو احتمال ہو سکتا ہے)۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ رہے کہ غالب کا زمانہ سیاسی اجڑی اور اس کے زیر اثر قدردوں کی فکرت کا زمانہ تھا۔ غالب اپنی فنی زندگی میں حسن پرست اور ایک جذباتی موم بھی ہو گا۔ وہ آرام و آسائش کا ولولہ اور ہر قیمت پر اپنا بھرم قائم رکھنے والا بگڑا رکھیں بھی تھا مگر اس کے باوجود وہ اجڑی اور انتشار سے بھی آنکھیں بند نہ کر سکا۔ اسی لئے تو ایسے اشعار بھی ہیں۔

غم اگرچہ ہلے حمل ہے پہ بچیں کہاں کہ دل ہے
غم عشق مگر نہ ہوا غم ہودگار ہوا

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بٹھنے وہیں تصور پاہن کئے ہوئے

غم زمانہ نے بھاری نکتہ عشق کی مستی
دگر نہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذت الم آگے

غالب نے ایک ذکی، الحس شاعر کی مانند اپنے ماحول کے تضادات اور ان سے جنم لینے والے رد عمل کو کئی جہات پر عروس کرتے ہوئے موضوع سخن قرار دیا۔ اس کی شاعری کے مجموعی تاثر کو "تعلقات" قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کے پاس اقبال کی مانند ہاضمہ لکھم لکھم نہ تھیں، لیکن غالب نے اپنے عصری مسائل اور اس میں بسنے والے افراد کی تعلیم میں اپنے مشاہدے اور تجربات سے حاصل کردہ بصیرت ہی کو اپنا فلسفہ قرار دیا۔ لیکن فلسفی محض ذہن ہی تو نہیں بلکہ جسم بھی رکھتا ہے۔ غالب مرد بھی تھا، اس لئے اس کے کلام میں ذہنی پیچیدگیوں کے سراغ بھی ملتے ہیں۔ یہ وہ نفسی کیفیات ہیں جو جنسی ترقیب اور انتہاؤں (INHIBITIONS) سے جنم لینے والے مگرز کے درمیان توازن

سے اعتراض کا ایک انداز مرتب کرتے ہوئے غالب (اکسی بھی مرد) کے جنسی مزاج اور مردانہ افرات کو اپنا کر کرنے کا باعث بن سکتی ہیں۔

خطوط اور شاعری کے مسائل سے غالب کی جو تصویر ابھرتی ہے وہ زندگی اور اس کی دلچسپیوں سے بے یار کرنے والے فرد کی ہے کیونکہ اپنی ذات (2) سے بے یار ہے۔ اس لئے وہ اس کے حوالے سے افراد و اشیاء کو پہچانتا ہے۔ یہ نکتہ اہم ہے کیونکہ اسی سے غالب کی طبع اور عقل کا رنگ ”چمکنا“ ہوتا ہے۔

غالب کی شاعری میں جنس کی رنگ آمیزی کے تجربے کے لئے راست قسم کے سوانحی حالات اور فنی مواد کے فقدان کی صورت میں، جب خطوط کی طرف رجوع کیا جائے تو ایک خط سے غالب کے عشق کا حال بھی معلوم ہوتا ہے

”بھئی! مٹل ہے چہ بھی غضب کے ہوتے ہیں، جس پر مرتے ہیں“ مار دیکھتے ہیں۔ میں بھی مٹل ہے ہوں“ مگر میں ایک ہی ستم پوش دوستی کو مار دیکھا تھا۔ پاپس پاپس برس کا یہ واقعہ ہے یا آئندہ یہ کوچہ چھٹ گیا۔ اس فن سے بھی بیکار محض ہو گیا ہوں، لیکن اب بھی کبھی کبھی وہ لڑائیں مار آتی ہیں۔ اس کا مرثا زندگی بھر بھولوں گا۔“

”اعتراف“ کی بناء پر یہ غلام ایک ماضی کو ٹٹولنے کے لئے روشنی کی ایک کرن ایسی اہمیت حاصل کر لیتا ہے کہ اس سے جوانی کے اس جذباتی حادثے پر بھل سی روشنی پڑتی ہے لیکن کسی ایسے حادثے کی وقوع پذیری کا علم بذات خود بھی تو بہت اہم ہے۔ اس عشق کو جوانی میں چاہتے اور چاہے جانے کی خواہش کا اعلان اظہار بھی سمجھ سکتے ہیں اور اسے شاعر کا اپنے تخلیقی پہلو کی محبوب کے دیگر میں صورت پذیری بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ حقیقت ظاہر کچھ ہی ہو۔ لیکن جوانی کے اس واقعہ نے غالب پر جو شدید اثر کیا وہ اس فقرہ سے عیاں ہے کہ ”اس کا مرثا زندگی بھر بھولوں گا۔“ غالب کیونکہ اپنی تخلیقی قوتوں کا حامل تھا اس لئے شاعری کی صورت میں جذبے کا ترشح کر لیا اور یوں ”وہم مرگ دوست“ تخلیقی تسبیح بن جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خواہشات جن کی چھین کی نفسیاتی الجھنوں کا باعث بن کر شخصیت کی صحت مند نشوونما کے لئے رکاوٹ بن سکتی تھی۔ ان سب کا اظہار بلکہ تذکرہ جب قول میں ہوا تو — آئینہ عریض صبا سے بکھلا جائے۔ ایسی حالت ہو گئی۔ غالب کے ہاں دواجی مضامین سے قطع نظر عشق اور محبوب کا جنس پر استوار جو تصور ملتا ہے، کہیں وہ اس ناکام عشق کا علیل تو نہیں؟

”نواہل“ کو امتحان لے پر مشعل دیا قرار

کیا پڑتا ہوں اس بت سے دلوں کو میں

مانگے ہے بھر کسی کو لب بام ”ہے ہوس!“

دلف سیاہ رخ پہ پریشان کئے ہوئے

ہا ہے ہے بھر کسی کو مقتل میں ”آرند“

سڑے سے تیز دھندل مڑناں کے ہوئے

اک نو بہار باز کو تاکے ہے پھر نکلا

چو فرہنگ نئے سے گلشن کے ہوئے

میں اور "خط وصل" خدا ساز بات ہے

غالب مجھے ہے اس سے "ہم آغوشیہ آورد"

"فرائض" — "ہوس" — "تاکے ہے پھر نکلا" — "خط وصل" — "ہم آغوشیہ آورد" محض اتفاق نہیں بلکہ تناسل کے اعداد اور کیفیات کی تقسیم کے لئے اشاریوں کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔ یہ اور اس نوع کے دیگر اشعار کے مطالعہ سے غالب کے جذبات کے بارے میں جو خاکہ ذہن میں ابھرتا ہے "وہ یک رنگ نہیں بلکہ اسے MOSAIC سے مشابہ قرار دیا جا سکتا ہے" جب کہ اس مشہور شعر میں تو اس نے اپنے حوالے سے ہر صواب کی طرائف کا اعداد کیا ہے۔

نہیں اس کی ہے 'دماغ اس کا ہے' راتیں اس کی ہیں

جمہری دقتیں جس کے بالہ پر پہنچاں ہو گئیں

اس ضمن میں غالب کے تصور محبوب کا چہرہ بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی واضح رہے کہ کچھ شعراء نے عشق (حقیقی یا مجازی کی انحصار نہیں) سے وابستہ جذبات و احساسات کی عکاسی کو مرکز توجہ بنا کر ان رنگ بدلتی کیفیات کے اعداد ہی کو کمال فن ٹال دیا۔ جب کہ بعض نے محبوب کی ذات کے گرد تصورات کا "ہمان نو" قیصر کیا۔ محبوب کا بیکر ایک منظور (PRISON) کی صورت اختیار کر لیتا ہے، عشق یک رنگ شعاع ہے جبکہ محبوب کی ذات اس میں توں قورع ایسی رنگ رنگی پیدا کرتی ہے، بظاہر عشق اور محبوب میں فرق نہیں معلوم ہوتا اور انہیں بالعموم مترادف سمجھا جاتا ہے، لیکن ان میں باریک سا فرق ہے، عشق لطیف اور دائمی نوعیت کا جذبہ ہی نہیں بلکہ "لا جنس" سے نگاہ کی اعلیٰ ترین صورت بھی۔ ابتداً "محبوب ہی اس کا محرک بنتا ہے لیکن انتہائی صورتوں میں محبوب سے بھی بے نیاز ہو کر اور اس کے مضمینی تصورات سے ملوہ ہو کر جب ثنائی انصاف کی منزل آتی ہے تو شاعر اس نفسی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے، جہاں لطرت اور اپنی ذات دونوں ہی میں اسے کسی اور جہاں آرام کا ٹکس نظر آتا ہے اور یوں اس کا دل اور نبض کامنات ایک ہی تال پر دھن دھن کھانے لگتے ہیں، لیکن محبوب کے وجود سے بھونکنے والے تصورات اچھی بلند ہواؤں کی اجازت نہیں دے سکتے، ان کی اساس کیونکہ جنس پر استوار ہوتی ہے اور مقصود وصل سے جھیل جاتا ہے، اس لئے بلورائیت اور بلند پروازی کی بجائے زمین کے پودوں کی طرح ایک دوسرے کی طرف جھکنے اور پٹنے کا رجحان لگایاں نظر آتا ہے۔ غالب نے عشق کا تذکرہ بھی کیا مگر وہ دود کی بات اس میں ذوق کر نہیں رہ جاتا، وہ "طبعاً" سوئی نہیں اس لئے "یہ مسائل قصوف، یہ حیرا بیان غالب" کہہ کر ساتھ ہی یہ بھی احساس کرا دیتا ہے "تجھے ہم دل دیکھتے جو نہ پاؤں غرار ہو تک"

غالب کی شاعری میں SACRED اور PROFANE کا عجیب فن کارانہ اخراج ملتا ہے چنانچہ یہ اور اس نوع کے دیگر اشعاروں کی پوری اہمیت حاصل کر لیتے ہیں کہ اس کے عشق اور محبوب کے تصور میں کسی حد تک اس کی کار فرمائی دیکھی جاسکتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی طوطا رہے کہ انفرادیت پسندی کے باوجود غالب کے ہاں بہت سے ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جو ان کی نفسی کیفیات کے فہام یا مکاس نہیں بلکہ محض تلافی کی رعایت یا غزل کی روایت کی پیروی ان کا باعث ہے۔ اس لئے غالب کے تصور محبوب کا جائزہ لینے کے لئے صرف انہی اشعار پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہوگی جو اس کے مخصوص رنگ کے مقرر اور نفسی طبع کے فہام ہوں:

میں جو کہتا ہوں کہ ہم لیں گے قیامت میں حمیں
کس رعایت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم (3) حور نہیں۔

خدا کی ہے اور بات مگر خوری نہیں!
بولے سے اس نے سچکوں دوسے وفا کے

غیر کو یا رب وہ کہیں کر منع گستاخی کہے
مگر کیا بھی اس کو آتی ہے تو شوا جائے ہے

ہو کے عاشق وہ پری مرغ اور ملاک بن گیا
رنگ کھتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے

اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا!
ہاتھ آنکھیں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ جتے (4)

محبوب کی یہ تصویر یک رخی نہیں بلکہ متعقبات خاصاں اچاگر کرتی ہے۔ اس کا یہ کہنا کہ "ہم حور نہیں" اسے اور انیت سے سزا کر کے زمین پر لے آنے کے مترادف ہے۔ وہ خدی سی لیکن "خوری نہیں" اور پھر حیا دار اور شرم کی بنا پر وہ غیر کو منع گستاخی بھی نہیں کر سکتا اور شاید اسی لئے عاشق ہو کر اس پری مرغ کا رنگ کھتا جائے ہے۔ غالب کے ہاں SCARED اور PROFANE کے جس اخراج کا اشارہ "اگر کیا گیا ہے اس کا اندازہ محبوب کے تصور کے ضمن میں بھی ہو جاتا ہے۔ مندرجہ بالا اشعار سے ایک کوئل شخصیت کا تصور ابھرتا ہے۔ اب ذرا یہ اشعار بھی ملاحظہ ہوں۔ یہ اس "نیا دار پری مرغ" کا وہ سراغ ہے:

تو اور سوئے غیر نظر ہائے تجز تجز
میں اور دکھ تری مژدہ ہائے دراز کا
بغل میں غیر کی آنج آپ سوئے ہیں کہیں دوتہ

سب کیا ہے خواب میں آ کر مجھ ہائے پناہ کا
 سے وہ کیوں بہت پیچھے بزمِ غیر میں یا رب
 آج ہی ہوا منظور ان کو امتحان اپنا
 میں انہیں جھیلوں اور کچھ نہ کہیں
 چل نکلتے ہو مجھے چلے ہوتے
 کیا طوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
 بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے
 صحت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ غو
 دینے لگا ہے بوسہ بلیر انجا کئے

زبان یہ ہے کہ ان غلطو غلطو سے مرتب ہونے والی محبوب کی یہ تصویر حقیقی ہے یا غالب کی اپنی
 PROJECTION یہ ایک ایسا دلچسپ اور اہم سوال ہے جس کا صحیح جواب نہ ملنے کے باوجود سوال کی نفسیاتی اہمیت
 کم نہ ہوگی۔
 غالب کا ایک مشہور شعر ہے:

گو ہاتھ میں جنہیں نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
 رہنے دو ابھی ساغر و جہتا میرے آگے

نفسیاتی لحاظ سے اس شعر کی تحلیل کریں تو غالب کے تحت الشعور میں دو رجحانات کی کارفرمائی کا مطالعہ کیا جا
 سکتا ہے: ایک کنزروی کا احساس اور دوسرے نظارے سے تسکین۔ یہ دونوں رجحانات بہت قوی ہیں۔ بظاہر تو یوں
 معلوم ہوتا ہے گویا نظارہ پرستی کنزروی کی وجہ سے ہے۔ لیکن اشعار کے تفصیلی مطالعہ کے بعد ایسا نہیں معلوم ہوتا
 کیوں کہ اپنی ہر اگاہ حیثیت میں بھی ایسے اشعار کی کمی نہیں کنزروی کا احساس اشعار کے علاوہ غلطو سے بھی حشر
 ہے۔ غلطو میں مختلف بیماریوں کے حوالے سے جسمانی کنزروی کا تذکرہ ملتا ہے بلکہ کافی سے زیادہ تذکرہ ہے۔ ظاہر ہے
 اشعار میں معدہ کی خرابی اور پاؤں کے درم اور ان سے پیدا ہونے والی جسمانی کنزروی کی تصویر کشی نہ ہو سکتی تھی
 لیکن پھر بھی کنزروی کی بات کی گئی ہے۔ یہ اعصابی کنزروی بھی ہو سکتی ہے اور اس سے بچھ کر جنسی کنزروی بھی۔

چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاط کا
 ہے دل پہ بارِ قلعہ صحت ہی کیوں نہ ہو
 کر دیا ضعف نے عاجز غالب

تک جی ہے ہوائی مہری

ہرا دانے نے اسد اٹھ جاں جنہیں

وہ دلوںے کہاں وہ ہوائی کدھر مگی

کم از کم یہ اشعار محض اور بے معنی کنزوری کے غلام تو نہیں ہو سکتے۔ اس موقع پر اعتراض کرتے ہوئے اسے محض توجیہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ توجیہ ہی ٹھہرے تو توجیہ ریت کے محل کی طرح بے بنیاد تو نہیں ہوتی یا اگر اب تک اور کسی نقد کا اس مضمون کی طرف دھیان نہیں گیا تو ان اشعار سے جو ایک خاص نوع کا مضمون بالکل واضح طور سے خارج ہے، اسے ثابت تو نہیں کیا جا سکتا؟ غالب کو اس کنزوری کا "سراق" معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ مثنوی اشعار کے ساتھ ایک مسلسل غزل بھی کہی ہے۔ آٹھ اشعار کی اس غزل میں صرف حذف شدہ وہ اشعار مرکزی سوز سے ہٹ کر ہیں، ورنہ باقی سب کا مضمون کنزوری اور اس سے وابستہ کیفیات ہی ہیں:

وہ فراق اور وہ دس سال کہاں

وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں؟

فرست کا دیوار شوق کسے

نقد نگارۃ جہل کہاں؟

دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا

شود سو داسے خط و قلم کہاں؟

ایسا آسمان نہیں سو روتا

دل میں طاقے جگر میں حال کہاں؟

ہم سے پھرہ قرار غارۂ عشق

واں ہو جائیں گہ میں دل کہاں؟

مستحل ہو مجھے قوی غالب

وہ عناصر میں اعتدال کہاں؟

مسلسل غزل نفسیاتی لحاظ سے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ غزل کے تکنیکی لوازم جس ابتکار فکر کے متقاضی ہیں، اس کی بنا پر جذبہ بھیل کر نہیں بلکہ سست کر اعتماد پانا ہے۔ اگلے احکامات کیوں کہ گفتگوں کی طرح کھل کر نہیں برستے، اس لئے وہ معروہوں میں۔۔۔ بجلی کی کھائی چمک کی مانند غزل کو گو سب کچھ دکھانا ہوتا ہے۔ لیکن بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ تخلیق کی صورت میں جو ارتقاع ہوتا ہے اور اس سے شاعر جو لاشعوری تسکین حاصل کرتا ہے، وہ

اسے ایک شعر تک محدود نہیں رہے دینی اور ہوں وہ ایک خاص نفسی کیفیت کے تحت مسلسل کہے جاتا ہے۔ غالب کے ہاں مسلسل غزلیں کم ہیں۔ لیکن جو ہیں وہ کسی نہ کسی نفسی کیفیت کے لئے کلید کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔ غالب کے ہاں نظادہ پرستی کو دوسرا قوی رجحان قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیا اس کی وجہ ہوگا ہاتھ میں جنبش نہیں ہے یا کوئی اور نفسیاتی باعث! اس کے بارے میں حقی طور سے کچھ نہیں کہا جاسکتا، لیکن اتنا ہے کہ اشعار اور مصرعوں کے علاوہ غالب کے ہاں ان تراکیب کی بھی کمی نہیں جن کا تعلق ”وید“ یا ”ویدہ“ سے ہے۔

”ویدہ، نم“ — ”عیدہ نظادہ“ — ”جلوہ گل“ — ”نگاہ شوق“ — ”ویدہ یثوب“ — ”ہلوہ باز“ — ”ہمار نظادہ“ — ”چشم حسود“ — ”نگاہ آفتاب“ — ”مروج گد“ — ”ہتی نظادہ سوز“ و غیرہ ایسی ترکیبوں کی فصل چھ مثالیں ہیں۔

مصدقہ ذیل مصرعوں میں بھی یہی مضمون اہمارا ہے:

| | |
|---|--------------------------------------|
| ع | شیدان گد کا خوں بہا کیا؟ |
| ع | کون لا سکتا ہے تب جلوہ دیدار دوست؟ |
| ع | تسکین کو ہم نہ روئیں جو فراق نظر ملے |
| ع | لیکن آنکھیں دولہ دیدار دنداں ہو گئیں |
| ع | موتے موتے دیکھنے کی آلودہ رہ جائے گی |

نظادہ پرستی سے لے کر جنسی نظادہ پرستی (VOYERISM) تک دیکھنے کے جو مراحل ہیں، غالب کے ہاں ان کے نشانات ملتے ہیں۔ کچھ تو اس روایت کے باعث کہ اس حد کی معاشرت میں عورت سے چونکہ سانی رخ پر میل ملاپ کے مواقع کا فقدان تھا، اس لئے جو کچھ بھی تھا ”عیدہ نظادہ“ ہی تھا۔ شاید اسی لئے ہمارے ہاں لیس پر مبنی اشعار کی کمی ہے اور حواسِ فسد میں سے بھی زیادہ تر آنکھوں سے کام لیا گیا (نظادہ افریں تصوف میں ”ویدہ ویدہ“ کو اساسی اہیت حاصل ہے) مگر غالب کے ہاں روایت کے ساتھ ساتھ کچھ اور ذہنی تھانوں کا بھی سراغ لگایا جاسکتا ہے۔ روایتی شعر خوبصورت تراکیب یا الفاظ کے حسن ترتیب کے باوجود اس والمانہ پن سے عاری ہوتا ہے، جو جذبہ کی آمیزش سے شعر کو بلند کر دیتا ہے اور اس لحاظ سے شعروں کا احباب واقعی دل کا معاملہ سمجھ سکتا ہے۔ بہت سے اشعار میں سے چند مثالیں پیش ہیں:

بچھے ہے جلوہ گل فراقِ حاشہ غالب
چشم کو چاہئے ہر رنگ میں وا ہو جانا
ہوئی ہے کسی قدر اراذلانہ سے جلوہ
کہ مست ہے تیرے کچھ میں ہر درد و دیار

کیوں مل گیا نہ تپ رخ یار دیکھ کر
 جہاں ہوں اپنی طاعت دیدار دیکھ کر
 تو ہوا جلو گر مبارک ہوا
 ریش بھدا جینا نیاز
 تھنا کرائے کو آئینہ داری
 تجھے کس تھنا سے ہم دیکھتے ہیں
 دل کو نیاز صرف دیدار کر بچے
 دیکھا تو ہم میں طاعت دیدار بھی نہیں
 حد سے دل اگر افسردہ ہے گرم تھانہ ہو
 کہ چشم تک شاید کثرت نگاہ سے دا ہو
 آنکھ کی صورت مراد پہ کھینچی ہے کہ تا
 تھ پہ کھل جانے کہ اس کو حسرت دیدار ہے
 نگاہ سے بھی کام کیا دامن غلبہ کا
 سستی سے ہر گز ترے رخ پہ نگر مکی
 ہنوز غریب حسن کو رستا ہوں
 کسے ہے ہرگز سو کام چشم بٹا کا

ان مثالوں سے غلبہ کی دیدار پرستی کے مابراج کا انداز لگانا دشوار نہیں مگر اب سوال یہ ہے کہ غلبہ نے اس نگاہ پرستی سے کیا کام لیا؟ اس ضمن میں یہ اسی حقیقت کو ملحوظ رہے کہ ایک مرد عورت کو یا عاشق اپنے محبوب کو جب جنسی نگاہ سے دیکھتا ہے تو تمام جسم سے ایک وقت جنسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا جاتا بلکہ اپنی نفسیاتی سادگ اور جنسی مزاج کی بنا پر ایک آلودہ عضو سے اس کشش کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس طرح جنسی نگاہ حواسِ شرے کا تو مردوں میں ہوتا ہی ہے لیکن اس میں بھی اپنی مخصوص جنسی انگڑے کے باعث کسی ایک حس سے وابستہ تسکینات کو بیشہ پر فروغ دیا جاتی ہے۔ چنانچہ عام زندگی کی ماند شعراء نے بھی اپنی مخصوص جنسی اظہار کی وجہ سے کسی ایک حس سے وابستہ تسکینات کو اپنے لئے باعث تسکین محسوس کرتے ہوئے ان سے وابستہ کیلیات کی تردید میں خصوصی دلچسپی شغف اور افسانہ پن کا اظہار کیا۔ مثلاً میر (5) کے ہاں محبوب کے پاؤں سے اتنی زیادہ دلچسپی ملتی ہے کہ بعض اوقات تو اس پر پاؤں سے FOOT FETISHIST کا گمان ہونے لگتا ہے۔ — صفحہ (8) اور حسرت (2) نے بیہوشی اور رنگوں سے خصوصی شغف ظاہر کیا ہے۔ مزید برآں حسرت کے ہاں تو یہی بھی جنسی اہمیت ہے۔ گھسٹری شعراء کے

ہاں معاملہ ہندی کے جام پر اس حیاتی شاعری نے خوب فروغ پایا۔ اس نقطہء نظر سے جب غالب کا جائزہ لیں تو اس کے ہاں رجحان دید کے تحت قد اور رفتار سے زیادہ اور پائوسی و یوس بازی کے متحرک میں اس سے قدرے کم لمس سے دلچسپی ملتی ہے یوں تو قد اور رفتار کا متحرک بھی غزل کی مسلمہ بدایات میں سے ہے اور دید کے نفسی رجحان سے عاری ہونے کی بنا پر بھی بہت سے شعراء نے یہ مضمون اسی لئے ادا کیا ہو گا کہ پردہ کی بناء پر صرف قد اور رفتار ہی حسن بننا بن سکتے تھے۔ لیکن غالب کا واثقانہ بین ہی اس کے دل کا معاملہ محمول دیتا ہے:

جب تک نہ دیکھا تھا قد یار کا عالم
میں معتقد فتنہ محشر نہ ہوا تھا
ترے سہوا قامت سے اک قد آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں
سلیہ کی طرح ساتھ بھری سو صنوبر
تو اس قد وکشل سے ہو گھڑا میں گوسے

قد کے بعد اب رفتار پر اشعار ملاحظہ ہوں:

عاجت ہوا ہے گردن بیتا پہ خون لعل
لڑے ہے موج سے تری رفتار دیکھ کر
جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں
خواباں خواباں ارم دیکھتے ہیں
چل جیسے کڑی ککان کا تیر
دل میں ایسے کہ جا کہے کوئی

قد اور رفتار کا ایک ہی شعر میں حسین استخراج دیکھئے:

اگر وہ سو قد گرم خرام تاز ۲ جلوے
کف سر خاک گلشن قمری تازہ فرما ہو

غالب کے ہاں SACRED اور PROFANE کی جس خصوصیت کی طرف بطور بالا میں اشارہ کیا گیا۔ اس کی مکمل فرہنگی یہاں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ قد اور رفتار پر جمالیات کے اعلیٰ ترین معیار پر پورے اترنے والے ایسے اشعار کے ساتھ جب وہ یوس بازی پہ اشعار کہتا ہے تو اس میں جنسی طوائش اپنی CRUDE صورت میں اظہار پاتی ہیں۔ نہ یوس برائے اس کی طوائش بری لیکن غالب نے بعض اوقات جس تسکین آمیز لہجے میں اس طوائش کا اظہار کیا، اسے

صرف ہنسیت کی شدت کو نیمو فلانج کرنے کی سعی ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسے نیمو فلانج کرنا ہی اسے PROFANE بناتا ہے۔ ورنہ اگر صحت مندانہ انداز سے اس کا بیان ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ چند مثالوں سے یہ نکتہ واضح ہو جائے گا۔

یوسر نہیں نہ دیکھتے دشنام ہی سعی
آخر زبان تو دیکھتے ہو تم مرد ہاں نہیں
ہاں ہے ہمارے یوسر دے کیوں کے ابھی
غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیم ہاں نہیں
فخریہ ناشتہ کو دور سے مت دکھا کے ہوں
یوسر کو پہچانتا ہوں میں منہ سے مجھے تاکہ ہوں
کیا خوب تم نے غیر کو یوسر نہیں دیا
بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے
صحت میں غیر کی' نہ چڑی ہو کہیں یہ غوا
دیکھ لگا ہے یوسر بغیر الہا کے
یوسر دیکھ نہیں اور دل پر ہے ہر لفظ لگا
میں میں کہتے ہیں کہ ملت آنے تو مل اچھا ہے
دکھا کے جنتش لب میں دم کر ہم کو
نہ دے ہو یوسر تو حد سے کہیں جواب تو دے

یوسر کی صورت میں لمسی حیالت کو غالب نے PROFANE تو بنایا ہی تھا مگر اسی پر اکتفا کرتے ہوئے اس نے پاپوسی کی صورت میں اسے جلتی انحراف—DEVIAION—کی صورت بھی دے دی۔ میں کھجوری (PERVERSION) کی اصطلاح ہوں نہیں استعمال کر رہا کہ "انحراف" نسبتاً بے ضرر ہے، جبکہ کھجوری سے ذہن میں عریضانہ اور ہلکانہ تصورات کے ساتھ ساتھ گھٹانے پن کا احساس بھی ابھرتا ہے۔ غالب کے ہاں پاپوسی کی خواہش تو ہے لیکن اس کا اعتقاد جس انداز سے ہوا، اس کی وجہ سے قادی کے ذہن میں اگر کوئی ایسی بدلیاتی تصورات نہیں ابھرتے تو کم از کم گندگی دھیو کا بھی احساس نہیں ہوتا۔ میر اور غالب کی کئی مشابہتیں وراثت کی گئی ہیں لیکن اب تک اس طرف کسی کی نگاہ نہ گئی کہ دونوں کے ہاں پاپوسی کا دھتار بھی ہے۔ البتہ یہ ہے کہ میر کے اشعار میں اس خواہش نے ابھی خاص OBSESSION کی صورت اختیار کر لی ہے جبکہ غالب کے ہاں اتنی شدت اور بے چینی نہیں

ملتی۔ اس نے اپنے مخصوص انداز میں یہاں بھی جنسیت کو بعض اوقات مزاح سے یکجہ نلاج کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں اس کا بہت ہی مشہور شعر ہے:

اسد خوشی سے میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے
کما جو اس نے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

یہ بظاہر مزاح بات ہوتی ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں 'پاؤں سے جنسی دلچسپی رکھنے والے کے لئے پاؤں دابنے کی فراکش دعوت وصل سے کم نہیں (بلکہ استہزاء پندار یا کھجور دیاں صورتوں میں تو یہی وصل ہے) ہاتھ پاؤں پھولنا محاورہ سخی اور یہاں غالب نے اسے بانجھ کر بظاہر اس سے گفتگو پیدا کیا ہے لیکن درحقیقت یہ اس جنسی اضطراب کے لئے اشارہ ہے جو ایسے ہی مواقع سے مخصوص ہوتا ہے۔ غالب نے کئی اشعار میں اسی کیفیت کے تحت وصل کا مضمون بھی بانجھ دیا ہے:

میں اور خط وصل خدا ساز بات ہے
جس نذر دینی بھول گیا اضطراب میں
ترے وعدہ پر جتنے ہم تو یہ جان بھوت چلا
کہ خوشی سے مرنا چاہتے اگر اعتبار ہوتا

اسی نوع کے بعض اور اشعار سے یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ غالب کے "ذہنی اضطراب" اور "خوشی سے مرنے" کی جو کیفیت وصل سے وابستہ ہے "اس کا اظہار اس نے غیر شعوری طور پر ہاتھ پاؤں پھولنے کا محاورہ بانجھ کر کیا" میرا اور غالب کے پاؤں کے اشعار کے تقابلی مطالعہ سے کم از کم یہ تو با آسانی واضح ہو جاتا ہے کہ میر کے ہاں غالب کے مقابلے میں ایسے اشعار میں زیادہ شدت اور بے چینی پائی جاتی ہے اور یہ شدت ہی ان کی نفسیاتی اہمیت چھین کر دے انہیں جنسی مزاح کی تنصیم کے لئے اہم اشاریہ کی حیثیت دے دیتی ہے۔

غالب کے ہاں رفتار سے جس فیصلگی کا اظہار ملتا ہے گو اسے بھی نظریات از فیس کیا جا سکتا کہ رفتار سے پاؤں کا بھی تعلق ہے، لیکن ان اشعار سے جو منظر ہمارے سامنے ابھرتا ہے وہ ساکت پاؤں کا ہے، جب کہ آٹھ اشعار کی جس غزل کی مدلیف میں پاؤں ہے، اس میں ایک بھی شعر ایسا نہیں، جس میں محبوب کی رفتار کے حوالے سے اس کے پاؤں کا تذکرہ ہو بلکہ "جتنے ہیں خود بخود میرے اندر کھن کے پاؤں" کہہ کر اپنے پاؤں کا تذکرہ کر بھی دیا۔

اس امکانی اعتراض کی طرف ہوں اشارہ کر دیا کہ غالب کے یہ اشعار میری دانست میں کیونکہ اس کی جنسیت کے ایک اہم زاویہ پر روشنی ڈالتے ہیں (وہ ناگہانی سی) اس لئے اس ضمن میں پیدا ہونے والی غلط فہمی کی وضاحت بھی لازمی تھی۔

اب اشعار ملاحظہ ہوں:

لے تو لوں سوتے میں اس کے پاؤں کا بوسہ مگر

حوالہ جات

۱۔ ایک خطِ خاطر ہے۔
 ۲۔ اس کی مراد یہاں ہر عالمِ رنگ و رو بہ کی ہر ایک شے ہے۔ ایک مرضِ قاتل نے یہ شخصیت کی کہ ہم کو نہ دیرِ منظور میں ہم باخ
 لقی و ظہور میں نہ کھڑا اور جسے ادا کر رہے ہوں وہ کہ جس کی بھی عاقبت کی بھی نہ ہو۔ سو میرا اس شخصیت پر عمل یہ کہ کسی کے مرنے کا کم نہ
 کہہ رہے کہ نہ مرنے کی بھی حالت اور کسی کی مرید ہو۔ کہانی کا شعر ہے: "کم نہ کہوں۔"
 اس خط کے ساتھ ہی یہ اشعار بھی نقل کیے ہیں:

اس خطِ خاطر میں تمام دنیا
 اسے دیکھتا ہے وہ شہرِ باد

ماضی ہوں یا شوقِ فریب ہے مرا کام
 مجھ کو برا کہیں ہے ماضی میرے کام

۳۔ غالب کا ایک شعر ہے:

جی کہتے ہیں وہ خطِ دل و خطِ ارادہ ہوں نہ کہیں ہوں
 جہاں ہے بہت کچھ جہاں میرے کام

۴۔ غالب کو یہ قصور بہت محبوب معلوم ہوا ہے ایک اور شعر بھی اسی ضمن میں ہے:

ان پائیِ ادب سے لیں گے خبر ہی ہم احکام
 قصور سے لیں گے کیا عورتی اگر دلی ہو کھلی

۵۔ اسی کا ایک شعر ہے۔

انفاس میں آنے کی کہیں کہیں ہے اسرار
 کہیں ہے کچھ جس قدر نازک ہے اسرار

۶۔ یہ ہے اشعار کے خطِ خاطر سے ملنے والے اشعار ہیں:

| | | | | | | | | | |
|-----|-----|-----|-----|-----|-----|-----|-----|-----|-----|
| دلت | دلت | دلت | دلت | دلت | دلت | دلت | دلت | دلت | دلت |
| کہ | کہ | کہ | کہ | کہ | کہ | کہ | کہ | کہ | کہ |
| کہ | کہ | کہ | کہ | کہ | کہ | کہ | کہ | کہ | کہ |
| کہ | کہ | کہ | کہ | کہ | کہ | کہ | کہ | کہ | کہ |

پائی میرے ہے ہاں ہاں قریبی نہ دور
 لگی کی جگہ دکھانے کے سخی نے ہر وہ

دہانے ہوں میں کہیں کہ ہم ہم نہ نہ ہوں
 لگی کے رنگ سے بہت آ کر ہو ہ ہ

سب پہلی سے پہلی ہے وہاں سرخ ہوا
 میں کچھ نہ کچھ میں سرخ ہوا

۷۔ اسی میں بھی کئی نے پانچ نواں کہا ہے) کئی

ماضی ہوں میں کہیں کہ ہم ہم نہ نہ ہوں
 لود بھی سرخ ہو گیا رنگ ترے لباس کا

جس کی کہانی نہ انہوں نے صرف
 وہ کہ خوشی سے بہت سے ہم انہوں نے تھا

خوشی ترے لباس کی دلی ہے کہیں سے

تھیں نہ ہوا تھا ہر گز ہر ماہ کا
تھا جسے طبع نہ تھا جسم خوب پار
طوبہ سے دلی تھی ہر اس بھٹی میں تھی

صرف سہیلی

اب اشعار ملاحظہ ہوں:

لے تو لوں سوتے میں اس کے پاؤں کا بوسہ مگر
ایسی پاؤں سے وہ کافر بدگلی ہو جائے گا

دھوٹا ہوں جب میں پیچے کو اس سمیٹن کے پاؤں
دکھتا ہے خد سے کھینچ کے باہر لگن کے پاؤں

اس کے برعکس میر کے ہاں زیادہ اہمیت پتی ملتا ہے۔

آنکھیں کھٹک سے اس کی لگا کر خاک برابر ہم بھی ہوئے
سندی کے رنگ ان پاؤں نے تو بھٹی کو پاہل کیا

اس کی پاؤں کی توقع پر
اپنے تئیں خاک میں ملائے گا



عندلب گلشن نا آفریدہ

احمد ہمدانی

غالب پہلا شاعر ہے جس نے ہماری شاعری کو جدید فکر اور نئے طرز احساس سے روشناس کرایا۔ غالب سے پہلے ہمارے ہاں طرز احساس کی تشکیل مسئلہ اقدار کے تناظر میں کی جاتی تھی جس کا لازمی نتیجہ وہ چند مضامین تھے جنہیں ہمارے شعراء اپنے اپنے طور پر دہراتے دہتے تھے اور کوشش کیا کرتے تھے کہ بار بار برتے ہوئے مضامین کو نئے ڈھنگ سے بانٹیں۔ مسئلہ اقدار کے تحت عاشق کا ہر وقت پر باوقار ہونا اور محبوب کا زیادہ سے زیادہ تفاعل کش اور جفا جو ہونا بہت ضروری تھا لیکن تجربہ سے اس طرح کی وفا شکنی گور جفا زندگی کی تصدیق نہیں ہوئی۔ انسان اپنی زندگی اقدار کی نہیں بلکہ احوال کی مصلحت میں بسر کرتا اور اطراف کے حالات بدلنے کی صورت میں اقدار کے بدلنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ غالب نے بھی یہ ضرورت محسوس کی اور مسئلہ اقدار پر ذاتی تجربہ کو فطرت دیتے ہوئے کہا۔

اپنی بہتی سی سے ہو ہو کچھ ہو
آگئی کر نہیں لگت سی سی

ذاتی تجربہ کی یہ اہمیت و فطرت سی جدید فکر اور نئے طرز احساس کی اختیاری خصوصیت ہے۔ یوں بھی ہمارا صد سائنسی فروغ و ترقی کا عہد ہے اور سائنس کے تمام تر عمل کی بنیاد تجربہ ہے۔ سائنسی عہد نے مخصوص سائنسی مزاج اور سائنسی رویے کو جنم دیا جو بالآخر ذاتی تجربہ پر استوار فکرائانہ طرز احساس پر منتج ہوا۔ اسی طرز احساس کو جدید حیثیت (Modern Sensibility) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اردو شاعری میں غالب بلاشبہ جدید حیثیت سے آراستہ پہلا شاعر ہے۔ ہماری روایتی فکر پر حیثیت پرستی Idealism کا غلبہ تھا جس کی وجہ سے ہم طویل مطلق IDEA ABSOLUTE کو حقیقت مطلق کے مظاہر سمجھتے تھے ظاہر ہے کہ جو چیز غیر حقیقی ہوگی تو اس سے منسوب تمام عقائد بھی غیر حقیقی ہوں گی مثلاً اشعار و مناظر اصول حرکت کے تحت ہر لمحہ بدلتے رہے ہیں لیکن خلیت پرست مطلقین حرکت اور حرکت کے نتیجہ میں آنے والی تمام تبدیلیوں کو غیر حقیقی تصور کر کے ناقابل اعتقاد قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اصول اول حرکت نہیں بلکہ سکون ہے کیونکہ مطلق میں کسی طرح کی تبدیلی ممکن نہیں اور تبدیلی واقعہ ہونے کے لئے سکون یا سکون کی لازمی شرط ہے۔ اس سکونی نظریہ کے تحت اقدار ناقابل تغیر ہیں جبکہ سائنسی فکر کے مطابق اقدار کا تعلق حالات سے ہوتا ہے لہذا حالات میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ اقدار میں تبدیلی فطری عمل ہے مثال کے طور پر غلامی کے ادارہ کو لے لیجئے ایک زمانہ تھا جب غلامی کو معاشرہ کے لئے ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں اجرت پر کام کرنے کا رواج نہیں تھا چنانچہ مختلف جنگوں میں شکست کھاتے ہوئے لوگوں کو قید کر کے غلام بنا لیا جاتا تھا یا پھر قرض و غیروادانہ کرنے کی صورت میں مقروض کو غلامی قبول کرنی پڑتی تھی۔ غلاموں کی خرید و فروخت کو جائز تسلیم کیا جاتا تھا۔ لیکن آج کل جب اجرت پر کام کرنے والے مزدور کمزرت سے لڑتے ہیں تو غلاموں کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی لہذا اس ادارہ کو انسانیت کے معافی قرار دے دیا گیا ہے۔ اس طرح اور بہت سی اور

جبرے کرنے سے معظوم ہوتا ہے کہ وہ سب بھی حالات کی مطابقت میں تکمیل دی گئی تھیں "وفا" کے تصور ہی کو لئے لکھے۔ زدی معاشرہ میں ذہن زدی پیداوار تھی اور اس سے چنے رہنے کی حد تک وابستگی معاشرہ کے لئے نہایت ضروری تھی اور ذہن سے وابستگی کے ساتھ ذمیدار تھے "وفا" ایک اعلیٰ قدر تھی۔ یہی اعلیٰ قدر معاملات خلق میں عاشق کے لئے نہ صرف لازمی قرار پائی بلکہ اس کی ضمانت بن گئی لیکن جب صنعتی معاشرہ وجود میں آیا تو ذہن سے وابستگی کی بابت اور ذمیدار سے وفاداری کے تصورات میں تبدیلی کے فائدہ معاملات خلق میں تصور وفا میں بھی تبدیلیاں آئیں اب وفا اور جفا افراد کے عمل و رد عمل کی صورتیں تصور کی جاتی ہیں نہ کے مطلق اقدار۔

نئے طرز احساس کو اپنانے کے لئے صحت مند شعور کے ساتھ پہلی شریہ جدید فکر ہے، کچھ یاد رکھنا یا کم از کم نئی فکر کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی برکتوں پر نظریں جمائے رکھنا ہے، ہمیں اس کا تو کچھ سراغ نہیں ملتا کہ غالب کی نئی فکر سے کس حد تک یاد اللہ تھی البتہ تاریخ کے بارے میں اس کا صحت مند شعور اور سائنسی اکتشافات کے ذریعہ سایہ تکسکی پیش رفت پر اس کا نظریں جمائے رکھنا کچھ دشمنی بھی حقیقتیں نہیں ہیں بھلپ کی کشتیوں کا سمندر ہوں کے سینے پر دوڑنا مشوں میں ریلوں کے چل بچھتا اور بچ رہنے میں طرح طرح کے کارخانے کھل جانا کوئی تکمیل نہیں تھا۔ ان سب چیزوں کے پیچھے فطرت کی تفسیر کرنے کا انسانی عمل کار فرما تھا۔ یہ سب چیزیں انسان کی فطرت اور فطرت پر اس کے غالب آنے کے اعلان تھیں غالب نے اس اعلان کو جسے خود سے بنا اور بڑی گرم ہوئی سے اس کی تصدیق کی "تفسیر فطرت کے اس عمل اور کھینچی پیش رفت کو نوع انسانی کے حق نیک شگون تصور کرتا تھا۔ وہ صنعتی انقلاب کی راہیں ہموار کرنے والی اس کھینچی پیش رفت کا دل کی گمراہیوں سے استقبال کرتا نظر آتا ہے۔

اس کھینچی پیش رفت نے ہر مادی کو شرف و وقار سے ہمکنار کیا اور ہماری سوچ میں انقلابی تبدیلی پیدا کی تاریخ کے بارے میں غالب کے صحت مند شعور کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ وہ حقیر کے لئے تحریب کو ضروری تصور کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب تک مسجورہ فرسودہ صورت کو منہدم نہیں کیا جائے گا اس وقت تک جہاں تازہ کی تعمیر ممکن نہیں۔ تعمیر میں خرابی کی صورت کا مضر ہونا ضروری ہے۔ خرابی یا تحریب کا ہر عمل خواہ وہ تقریری کے لئے کیوں نہ ہو لوگوں کا جذباتی طور پر پریشان خاطر ضرور کرتا ہے تاریخی شعور سے محروم لوگ تحریب کے اس عمل کو سخت ٹاپندہ دہی کی فکر سے دیکھتے اور گمراہے دک میں حباب ہو جاتے ہیں برصغیر میں انگریزوں کی آمد کے بعد جو فوٹ پھوٹ کا عمل شروع ہوا وہ دوا کی طرز حیات کے حوالوں کے لئے حدود و تکلیف وہ تھا جبکہ غالب جیسے ہائے فطرت دانشور نے اس فوٹ پھوٹ کے نتیجہ میں مدئے کار آنے والی تعمیر کو محسوس کیا اور اس کی پذیرائی کی۔ اس سلسلے میں اس کا رویہ ہر مادی کے مشورہ شاعر گوگلے کے خیال سے بہت بڑی حد تک ہم آہنگ نظر آتا ہے۔ گوگلے لکھتا ہے کہ "کیا اس تکلیف پر ہمیں رنج کرنا چاہئے جو ہماری آسماںوں میں اضافہ کرتی ہے" گوگلے کے اس سوال کا جواب یقیناً نفی میں ہو گا۔ غالب بھی انگریزوں کی آمد کے بعد برصغیر کے دیکھی معاشرہ کی فوٹ پھوٹ سے پیدا ہونے والی جذباتی پریشان خاطر کی کو مستقبل کے حق میں مبارک تصور کرتا تھا اس کی نظریں حال کے دکھوں کی چادر میں بھیجی ہوئی مسرتوں کا نظارہ واضح طور پر کر رہی تھیں۔ جس کا اس نے طرح طرح سے اظہار کیا ہے۔ مستقبل کے اس واضح نظارہ

کے تحت ہم اسے بجا طور پر "مصلوب کشن نا آفریدہ" کہہ سکتے ہیں۔

شعر گوئی کی صلاحیتیں اسے مہداد فیاض نے بڑی فراوانی سے عطا کی تھیں فارسی زبان سے اس کو بہت کمرا شغف تھا لہذا اردو اس کے قول کے مطابق اس نے اپنے ایک شعر میں وہ "کہ چہ" کے بجائے "یعنی چہ" استعمال کیا تو اس کے استاد شیخ معظم نے سخت براہی کا اظہار کیا۔ "کہہ دن بعد اسے ملاحظہ ہو کہ کام میں ایک شعر نظر نہ کیا جس میں لفظ "کہہ چہ" "یعنی چہ" کا معنی بھی استعمال ہوا تھا وہ کتاب لے کر استاد کے پاس دوڑا اور کہن کو وہ شعر دکھایا۔ شیخ معظم اس کو دیکھ کر حیران ہو گئے اور مرزا سے کہا کہ تم کو فارسی زبان سے خدا داد مناسبت ہے (یارگار غالب ص ۳۶) غالب کو بدش عام پر چلتا بچپن ہی سے ٹاپند تھا۔ وہ اپنا راستہ سب سے الگ اختیار کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کا ابتدائی کام عوام میں تو کیا لوہی حلقوں میں بھی مقبول نہ ہو سکا البتہ بدش عام سے الگ راستہ تلاش کرنے میں انہوں نے قوت فیصلہ سے بہت زیادہ کام لیا تھا جس کی وجہ سے آگے چل کر ان کے کام میں جو عذرت 'صوت' لطافت و نزاکت اور بلند پروازی ملتی ہے اس کی مثال اردو شاعری میں مشکل ہی سے نظر آئے گی۔ اس کے ابتدائی انداز کام کو دیکھ کر میر تقی میر نے کہا تھا کہ "اگر اس لڑکے کو کوئی استاد مل گیا اور اس نے اسے سیدھے راستے پر ڈال دیا تو یہ لاہور کا شاعر بن جائے گا ورنہ سہل پختے لگے۔" یہ چند اسے کوئی استاد تو نہیں ملا لیکن اس کی مشق اور اس کے تجربے نے ضرور اسے سیدھے راستے پر ڈال دیا اور میر کی بات سچ ثابت ہوئی۔

غالب کو یہ انہی طرح معلوم تھا کہ شاعری نہ تو اشیاء و مناظر کی ہوسو تصویر کشی کا نام ہے اور نہ خیالات و تصورات کی وضاحت کو شاعری سے تعبیر کیا جاسکتا ہے البتہ خیالات و تصورات اشیاء و مناظر اور حالات و واقعات سے جو جذبات و احساسات ابھرتے ہیں ان کو وہ صوبوں تک منتقل کرنے کا عمل شاعری کہتا ہے لیکن اس عمل کی انجام دہی میں بڑی مشکل پیش آتی ہے کہ جذبات و احساسات کی کوئی صورت نہیں ہوتی جس کے مماثل صورت خارجی اشیاء میں تلاش کر کے لوگوں کو دکھا دی جائے اس مشکل کو حل کرنے کے لئے شاعر ایک ایسی الفاظ ابداع کرتا ہے جو لوگوں کے دلوں میں شاعر کے جذبات و احساسات سے ملنے پہلے تاثرات پیدا کر سکے۔ ایسی فضا ابداع کرنے کے لئے شاعر نقشوں، استعاروں اور ترکیب کے علاوہ مصرعوں کے مجموعی آہنگ سے کام لیتا ہے۔ غالب کو جذبات و احساسات کو الفاظ میں اور الفاظ کو جذبات و احساسات میں ڈھالنے کا جبر بھر کمال آتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جذبات و احساسات کو جس دلچسپ انداز سے دو صوبوں تک پہنچا دیتا ہے۔ اس کی مثالیں اردو کے شاعروں میں خال خال ہی ملتی ہے ڈاکٹر وزیر آغا نے غالب کی اس خوبی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے "غالب کا کام ایک ایسا آئینہ ہے جس میں اس کی اپنی بلدی زندگی پوری طرح متکشف ہوتی ہے تاہم یہ کس اصل سے کہیں زیادہ خوبصورت اور دلنواز پیکر بھی ابداع ہے۔ ارتقا کی قریب بھی یہی ہے کہ کیفیت 'مزاج' راجحان اپنی بنیادی خصوصیات ترک کے بغیر ادفع' لطیف یا حسین نظر آنے لگے (تجذیب اور احتساب ص ۱۰۵)

غالب کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت اس کی انفرادیت ہے۔ جیسا کہ ہم نے عرض کیا تھارتے روایتی شعراء غیر لگے بعد میں مضامین اپنے اپنے ذہن کے قائل تھے۔ جبکہ غالب اچھے مضامین کو انفرادی انداز

سے پیش کرنے پر زور دیتے تھے۔ ان کی شاعری میں وہ لفظ بھی نظر آتی ہے جو ان کے جذبات و احساسات سے ملنے ملتے تاثرات پیدا کر سکے اور اسلوب کی وہ انفرادیت بھی جو نادر ترکیبوں اور استعاروں سے قطع نظر مصرعوں کے مجموعی آہنگ سے۔ ایسے تاثرات ابھار دے جو دوسروں کو اس کے احساسات میں شرکت کو ممکن بنا دیں۔ مثلاً ان کا یہ مطلع دیکھئے۔

نورِ امن ہے پیداو دوست جاں کے لئے رہے نہ طرزِ حتم کوئی آسمان کے لئے
اس مطلع میں پورے جان تو بالکل زلا فطری آ رہا ہے لیکن ذرا انقلاب کے احتجاج اور مجموعی آہنگ کو بھی دیکھیں۔ پہلے مصرعے میں صرف "و" چار مرتبہ آیا ہے جس سے مصرعے میں ایک ٹھنڈائی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ ٹھنڈائی کی یہ کیفیت احساسِ امن کی آئینہ دار ہے جبکہ دوسرے مصرعے کی روانی سے اس غرضی کا احساس پیدا ہوتا ہے اور جو غم زمانے کے بوجھ سے نجات پانے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح اس شعر میں لفظوں کی صوتیات اور مصرعوں کے مجموعی آہنگ نے نہایت خوبصورتی سے شاعر کے جذبات و احساسات کو دوسروں تک منتقل کیا ہے۔ چند اشعار اور سنے جن سے غالب کے مختلف اسلوب اور اچھوتے مضامین کا تقابلی اندازہ ہو سکتا ہے

بیکہ مشکل ہے ہر اک کام کا آسان ہونا

آوی کو بھی میر نہیں انساں ہونا

عرض نیازِ عشق کے جہل نہیں رہا

جس۔ دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے

جہاں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

ہوس کو ہے نظار کار کیا کیا کیا

نہ ہو مرنے تو چھینے کا مزا کیا

نہ تھا بیکہ تو خدا تھا بیکہ نہ ہوتا تو خدا ہوتا

دوبا مجھ کو ہونے کے نہ ہونا میں تو کیا ہوتا

آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شہرِ یاد

مجھ سے مرے گز کا حساب اے خدا نہ مانگ

ہے طیب طیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود

ہیں خواب میں بنود جو جاگے ہیں خواب میں

ہزاروں حسرتیں ایسی کہ ہر حسرت پہ دم کھلے

بہت لگے رہے ارمان لیکن پھر بھی کم لگے
 لکنا غلط سے آدم کا سینے آئے تھے لیکن
 بہت بے اہم ہو کر تھے کوہجہ سے ہم لگے
 طاقت میں تہہ ہے نہ سر دائیں کی داگ
 دماغ میں ڈال دو کوئی لے کر بھشت کو
 مختصر مرنے پہ ہو جس کی امید
 نا امید اس کی دیکھا چاہئے
 میں ہوں مشتاق جہاں مجھ پہ جہاں اور سی
 تم ہو بیاد سے خوش اس کے سوا اور سی
 ہم ہیں مشتاق اور وہ ہے دار
 یا اعلیٰ یہ ماجرا کیا ہے

اب کہاں تک انتخاب کیا جائے اس کا تو پورا دماغ ہی منہو اسلوب "پھوٹے مضامین" اور تشبیہات اور
 استعارات کا ایک ولادین مجموعہ ہے۔

غالب کے منہو اسلوب اور اس کی اعلیٰ تحقیقی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے ہم یہ بات نہایت وثوق سے کہہ سکتے ہیں
 کہ وہ بین الاقوامی سطح پر ناخدا روزگار کھلانے کا دنیا کے کسی بھی بڑے سے بڑے شاعر سے کم مستحق نہیں ہوا ہوئے
 کے ساتھ اسے اپنی بڑائی کا ثبوت بھی پوری طرح احساس تھا چنانچہ زبانہ کی جلدوری کو دیکھتے ہوئے اس نے یہ بات نہایت
 یقین کے ساتھ کہی تھی کہ "مشہرت شعرم" یہ سمجھی ہو کہ خواہ شدن اور دنیا نے دیکھا کہ اس کا یہ دعویٰ بالکل
 درست تھا۔ بلاشبہ وہ ان چند لوگوں میں سے ایک تھا جنہیں "پیدا کرنے کے لئے ملک کو برسوں گردش میں رہنا پڑتا
 ہے۔"



غالب کا تصور جنت و دوزخ

مولانا غلام رسول مر

اس مضمون کے حقیقی بات چیت شروع کرنے سے پہلے یہ عرض کر دینا چاہئے کہ جن شاعروں کو ایک فلسفے کا مالک سمجھا جاتا ہے یا جن کے بارے میں عام عقیدہ ہے کہ وہ ایک خاص تعلیم یا پیغام لے کر دنیا میں آئے تھے اور انہوں نے اپنی پوری زندگیوں اسی تعلیم یا پیغام کی اشاعت میں گزار دیں، ان کے کلام میں بھی ایسے اشعار مل جاتے ہیں جنہیں ان کے فلسفے یا پیغام کے تحت نہیں لایا جاسکتا۔ اگرچہ تعلیمات کے حلقے میں کتابی پھیلا دیا جائے ہم کہہ سکتے ہیں کہ انہیں خاص حالات پیش آئے، جن سے شاعر کے دل پر گہرا اثر پڑا اور وہ اثر بے اختیار شعریں کر زبان پر آیا، یا خوشی و طبع کے رباب پر مغرب لگی اور ترانہ پیدا ہو گیا۔ غالب کے اردو اور فارسی کلام میں بھی ایسے کئی اشعار ملتے ہیں جنہیں بڑا و سزا آخرت کے حقیقی غالب کے مستقل فلسفے سے کوئی مناسبت نہیں اور ہمیں بتانا پڑتا ہے کہ یا تو وہ خاص تاثرات کے ماتحت کہے گئے یا وہ شاعری کی خوشی و طبع کے کرشمے تھے مثلاً:

| | |
|---|---|
| داعیہ نہ تم سے نہ کسی کو بلا سکو | کیا بات ہے قساری شراب طہور کی |
| ظاہر ہے کہ گہرا کے نہ بھانگیں گے نکیریں | ہاں، منہ سے نکلے بادۂ وہ عہدہ کی ہو آئے |
| وہ چیز جس کے لئے ہم کو ہو بہشت عزیز | سوائے بادۂ کلام و ملکوت کیا ہے |
| خوش است کوثر و پاک است پادہ کہ در دوست | ازاں رفیق مقدس دریں خارچہ حظ |

آخری شعر جن حالات میں کہا گیا ہو گا، ذرا غور فرمائیں گے تو ان کا نقشہ کچھ اس طرح کا ہو گا کہ زندگی کی تکلیفیں حد برداشت سے بڑھ گئیں، حالات کی نامساوگاری نے جینا دو بھر کر دیا۔ کسی ہمدرد و خزانہ نے دلدادگی اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ ان پر صبر کیجئے۔ آخرت میں ان تکلیفوں کا گراں بھارا اجر ملے گا، جنت نصیب ہو گی اور وہاں اپنے کو کوثر کا دلال ہو گا۔ شاعر کو آخرت کے اجر سے انکار نہیں۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ اب کوثر نہایت پاکیزہ اور خوشگوار مشروب ہے، لیکن ساتھ ہی خیال آتا ہے کہ خدا نے تو اب جسم و روح کو عذاب کے فلولادی نتیجے میں بیکار رکھا ہے اور کسی پہلو کل نہیں پڑتی۔ اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کی فوری تدبیر ہوتی چاہئے کوثر کی بشارت آج کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے۔

یا مثلاً زندگی بھرا حتی مصیبتوں سے ساتھ چلا کہ دل پاس و افسردگی کا بیکریں گیا، امید و آرزو کے سارے نکل ڈھے گئے، ہر سمت دیرانی ہی دیرانی نکلر آئے گی شاعر سوچتا ہے کہ بعد جنت حظ ہو گی تو بے شک اس میں سراسر راحتیں اور آسائشیں ہوں گی لیکن یہ راحتیں اور آسائشیں ان دنجوں، غموں، تکلیفوں اور آرزو شکنیوں کی طعانی کیوں کر کر سکیں گی جن سے ہر بھر ساتھ پڑا رہا؟ لہذا بے اختیار ہو کر کہتا ہے:

جنت نہ کند چارۂ افسردگی دل تعمیر بہ اندازۂ دیرانی مایست

اس سے یہ ثابتا ہوتا ہے کہ ہم پر غلوں کے ایسے میل گزرتے کہ جنت بھی مل جائے تو ان کی تلخی نہ کر سکے گی۔ شرفی طبع کی مثال میں یہ شعر بھی پیش کیا جاسکتا ہے:

ان پر بڑاؤں سے لیں گے ملہ میں ہم انتقام
قدرت حق سے بھی حوریں اگر واں ہو گئیں

واقعی حالات سے متاثر ہونے کی نہایت عمدہ مثال سن لیجئے غالب کی طبیعت کا رنگ۔ ذہنک شاہانہ تھا وہ امیر گمراہے میں پیدا ہوئے امیری کی فضا میں ابتدائی پرورش پائی وقت کے امیر زادوں کی سی عادتیں پالتے ہو گئیں۔ اس کے مقابلے میں ملی حالات گزرتے گزرتے اس دورے پر پہنچ گئے کہ معمولی زندگی کے سہانے بھی بھرنے نہ رہے امیرانہ فرائض کو قائم رکھنے کے لئے قرض لینا شروع کیا۔ قرض بڑھتا گیا نہ طبیعت کا طور بدلا نہ ملی حالت بہتر ہوئی۔ قرض خرابوں کے تقاضوں نے ناک میں دم کر دیا آدنی میں سے ان کو کچھ دے دلا کہ مطمئن کرنا چاہا۔ تو گمراہ کا چراغ جلانے کی کوئی صورت نہ رہی۔ شاعر فطرتاً حساس ہوتا ہے اور غالب کی ذکاوت جس تو درجہ کمال پر پہنچی ہوئی تھی اس وجہ سے زندگی اس کے لئے عذاب و دوزخ سے سوا ہو گئی۔ اسی حالت میں کہتا ہے کہ قرض کر لے تجھے دوزخ میں ڈال کر غضب باری تعالیٰ کے اس نعرہ کا منہ سرپوش سے بند کر دیا گیا۔ اس پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ:

واں کہ نہ باشد در حق دینی مصیبت در طلب چارہ و نال تکلیف از ذل
واں کہ نہ باشد در حق مقام صعوبت شور و تارواے تھانائے صابن
یعنی قیمیں رکھ مصیبت کی اس تھکانے میں دینی کی طرف سے کوئی کچھ نہ کرے کے لئے تکلیف نہیں ہو گی اور قیمیں رکھ کہ صعوبت کے اس مقام میں صابن اپنا رویہ بانگتے نہیں پہنچے گا اور اس کی پیروی شور سے طبیعت پر مزہ نہیں ہو گی۔

پھر شاعر بعض اوقات ایسی باتیں بھی کہہ جاتا ہے جن کی حقیقت تک عام لوگوں کی نظرس نہیں پہنچتی لفظ سے سرسری طور پر جو معنی پیدا ہوتے ہیں انہیں کو صحیح مان کر وہ ثابت کر لیتا ہے۔ رفتہ رفتہ وہ معنی دلوں اور دماغوں میں اس طرح بے دست ہو جاتے ہیں کہ کسی کو مزید غور و فکر اور تحقیق و کاوش کا خیال ہی نہیں آتا۔ غالب کو اس قسم کی عمل انگاریوں اور غلط فہمیوں سے بھی ساتھ پڑا رہا۔ میں اس سلسلے میں صرف ایک مثال پیش کروں گا اس کا مشہور شعر ہے۔

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے
عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس شعر میں غالب نے جنت کو بے حقیقت اور محض ایک خیالی سراپ قرار دیا ہے جو دل کو خوش رکھنے یا قریب مسرت دینے کے لئے ایجاد کی گئی ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ معلوم دلوں کا ہر شعر مذہب شریعت کی مہر میں نہیں ڈالا جائے کہ جو لوگ ایسے اشعار کے حلقہ حسن عقل کے مسلک پر چلتے ہیں وہ یہ کہہ کر گزر جاتے ہیں کہ یہ "دندان" بات ہے اور دندنی کے معنی کی وسعت علاج تشریح نہیں لیکن اگر غور و تحقیق کا قدم آگے بڑھایا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس شعر کے اور معنی بھی ہو

ہکتے ہیں جنہیں غالب بلند فکری اور ذوق عرفاں سے زیادہ مشابہت ہے۔ جنت کے حلقہ مذہبی کتابوں میں جو کچھ بیان ہوا ہے حکمت و معرفت کا ذائقہ رکھنے والے اصحاب اسے محض جہازی رنگ میں قبول کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ خدائے رحیم و کریم اپنے فرمانبردار اور اطاعت گزار بندوں کو نیک عمل کے بدلے میں سرور و راحت ابدی کی جو نعمتیں عطا کرے گا انکی حقیقت ہمارے تصور سے بہت اونچی ہے۔ مذہبی کتابوں میں اس سرور و راحت کو بیان کرنے کے لئے جو تصویریں اختیار کی گئیں وہی قصیں جو انسانوں کی سمجھ میں آسکتی تھیں۔ مثلاً شاداب بارش ہوں گے "ان میں ضرر جاری ہوں گی۔ ایسی حوری ہوں گی جن کا دامن جن و انس میں سے کسی کے مس سے میل نہیں ہوا" سدا بہار میرے ہوں گے میرے خیال میں ان بیانات کا مقصد یہ ہے کہ ان بلیوہ اور ناقصہ فہم کی ایک سرسری جھلک سامنے آجائے حقیقت اس سے بہت بلند اور انسانی فہم کی گرفت سے بہت بالا ہے۔ کہیں اس شعر کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ غالب اس حقیقت کا اظہار کر رہا ہے کہ جنت اصلاً جو کچھ ہے اسے صرف عارف ہی جان سکتے ہیں عوام نے اظہار و بیان کے جہازی پیرایوں کو حقیقت سمجھ لیا اور اسی کو دلوں کی مسرت و شادمانی کا سراپہ سمجھ کر تافخ ہو گئے۔

لیکن جنت و دوزخ کے بارے میں غالب کا ایک خاص اور مستقل نقطہ بھی ہے اس نے محض جزا و سزا کی حقیقت ہی بیان نہیں کی بلکہ عاصیہ اعمال کے حلقہ بھی جانتا تھا۔ اظہار خیال کیا ہے۔ اگرچہ فیض شری نقطہ نگاہ سے اس کے باب میں کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی اور ظاہر ہے کہ عاصیہ اعمال کے پلیر جزا و سزا کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ خلاف وہ کہتا ہے۔

بکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے کہے پر باطن کوئی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا
یعنی فرشتے ہمارے اعمال کے حلقہ جو کچھ کہتے رہے وہی صلیب کتاب کے وقت ہمارے خلاف دستاویز بن گئی۔
ہمیں کیا معلوم ہو کیا کہتے رہے ہمارا کوئی وکیل یا عمار تو سب پر موجود نہ تھا جو ان کے کہے ہوئے پر اعتراض کر سکتا
اس ایک طرف تحریر کو کس بنا پر قبول کیا جائے۔ یہ شعر در حقیقت تکلیف اعمال کے حلقہ عام تصور پر مبنی ہے ورنہ بارگاہ باری تعالیٰ میں کسی کو اس قسم کی بات کہنے کی کب مجال ہے جہاں انسان محض اپنے اعضاء و جوارح اس کی نیک یا بد اعمال کے گواہ ہوں گے۔

پر سس اعمال کے سلسلے میں دو راہیں ہیں ایک گمراہ انسان کو بھڑاتا ہے وہ سراسر اسے عمار تسلیم کرتا ہے۔
غالب کے ہاں دونوں گمراہوں کے افکار و خیالات کا ثبوت موجود ہے مثلاً

تھی رست از تو نخر ایچم سزاگار در طو بدیم کار تو ایم' انعام پیست؟
یعنی اے خدا! تو نے جیسا ہمیں بنا دیا ویسے ہی اعمال ہم سے سرزد ہوتے رہے۔ جو صلاحیتیں وجود میں رکھ دیں وہ بد سے کار آئی رہیں۔ اگر ہم سے کوئی نیک عمل بن آیا تو وہ میری رحمت کا کرشمہ تھا اس کے لئے ہم کوئی اجر اور کوئی انعام مانگتے کے حقدار نہیں ہیں اس لئے کہ اس میں ہمارا ہاتھ نہ تھا۔ اسی طرح اگر ہم برے ہیں اور ہم سے برائیاں سرزد ہوتی رہیں تو ہم سے بڑے ہوئے تھے پھر سزا کیوں دی جاتی ہے۔

اس شعر میں انسان کو عذاب نہیں مجبور بنایا گیا ہے۔ اگر اسے ایک خاص دائرے میں قرار مانا جائے تو غالب کہتا ہے کہ بے شک مجھ سے ایسے اعمال سرزد ہوتے رہے جن کا ارتکاب گناہ تھا اور ان کے لئے خودی سزا ملنی چاہئے لیکن اس سلسلے میں بعض افعال کی حسرت بھی رہ گئی۔ اس لئے کہ ہندو آرنو اسباب میسر نہ آئے اب اگر گناہوں کا جائزہ لے کر مجھ سے سزا کے قتل فرمایا جاتا ہے تو میری حسرتوں اور ناکامیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کا صلہ بھی دیا جائے کہ وہ گناہوں کی سزا اور ناکامی گناہوں کی حسرتوں کو بالقتل رکھا جائے گا تو معاملہ برابر ہو جائے گا۔

ناکامی گناہوں کی بھی حسرت کی طے دار یا رب اگر ان کدہ گناہوں کی سزا ہے
آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد مجھ سے مرے گنہ کا حساب اسے خدا نہ مانگ
اندھوں کو دوزخ پر سش وہ دوزخ ہرچہ گزشت کاش ہمارا خن از حسرت مانیز کشت
مٹوئی میر گمبار کی مٹا ہٹ میں اس مضمون کو غایت پر تاثیر انداز میں پھیلا کر پیش کیا ہے اور اپنی حالت کا نقشہ ایسے رنگ میں کھینچا ہے کہ ہر حساس آدمی چند کرپاڑ اٹھے گا۔ یہ غنیمی واقعی لائق بخشش ہے۔

دو دوزخ کو غالب عذاب نہیں بلکہ ذریعہ اصلاح اور تادیب مانا ہے۔ کہتا ہے اس زندگی میں انسان سے اچھے برے دونوں قسم کے افعال سرزد ہوتے ہیں طبعیوں میں میل یکیل کے اجزا باقی رہ جاتے ہیں اور نیک عملی سے ان کا تنقید یہاں نہیں ہو سکتا۔ خدا نے ان اجزاء کو دامن طبیعت سے چھڑانے کے لئے ایک گمراہ چار کر دیا وہ دو دوزخ ہے۔ اس گمراہ کا مقصد یہ نہیں کہ ہمیں دکھ اور افسوس پہنچائے بلکہ ہماری طبیعتوں سے میل یکیل دور ہو جائے اور ہم پاک و صاف ہو کر اس کی رضا و خوشنودی کے مستحق بنیں۔

تاثر دوزخ ہمارا دوزخ گشت گمراہ ہمارا از دوزخ
غالب کا نظریہ یہ ہے کہ جس چیز میں ثابت و استقامت نہیں اور بدلتی رہتی ہے وہ آرنو کے لائق نہیں حسرت و شرمناکی کا رنگ بدل جانے کا دور دل کو ہر لمحہ پریشان رکھتا ہے۔ یاس و ناامیدی۔ اگر مستقل نہ رہیں تو اس پر غلبہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

گردش رنگ رطب سے ڈر ہے غم محرومی جاوید نہیں
اسی نظریے کی بناء پر دو دوزخ کے حلقہ لکھتا ہے:

لنہار از قب دو دوزخ جاوید حرس خوش ہمارست گمراہ ہم خزاں برخیزد
یعنی دو دوزخ کے دائمی عذاب سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے یہ تو ایک ایسی ہمار ہے جس پر کبھی خزاں نہیں آئے گی۔ جس ہمار کو خزاں کا کوئی خوف باقی نہ رہے ہمارے کون پسندیدہ اور مرغوب نہیں کیجے گا؟ پھر وہ صرف دھماکے خدا یا محض خدا کا طلب گار ہے۔ جنت کو اپنا نصب العین نہیں بنانا چاہتا اس کے نزدیک جنت کی آرنو در حقیقت اپنے احسانات قدرت کی تسکین کی آرنو ہے اس میں للہیت نہیں۔ عمل وہی قاتل قدر ہے جس میں للہیت ہو جو ناقصہ خدا کے لئے ہو اپنی کوئی غرض اس میں شامل نہ رہے۔

طاعت میں نہ رہے نہ دلتیں کی لاگ دو دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر ہشت کو

اس نے اپنے دل کو تمام آرزوں سے پاک کر لیا تھا صرف ایک آرزو اور طلب باقی رہ گئی تھی اور وہ یہ کہ خدا کی رضا کیا ہے؟ وہ طوطی ہو کر اپنے بندے کو کیا دے گا؟ غالب کہتا ہے کہ جن لوگوں کو اپنے اچھے اعمال پر ناز ہے اور ان کے فتنے میں مست ہیں، یعنی ان کی جزا کے طلب نگار ہیں ان کی خواہش جیتھی ہی ہوتی ہے کہ دوزخ سے بچ جائیں اور بہشت میں جگہ پائیں میری نظر ایک انگل کی عطا ہے اس کی بارگاہ لطف سے شعلے ملے یا پھول دوزخ کی آگ ملے یا بہشت کی بہار اس کو تمام آرزوں کا حاصل اور تمام ترسوں کو نچوڑ سکتا ہوں۔ اگر اپنی خواہش کو اس کی عطا پر مقدم رکھوں تو یہ بات تمام رضا میں ثابت کے خلاف ہو گی۔

خمود مہکات بہ غلہ و ستر آؤ بخت

مشتاق عطا شعلہ ز گل باز بخواست

میں ختام ہے جہاں پہنچ کر اس نے کہا:

منازلِ گر ہے زاہد اس قدم جس باغِ رضواں کا

وہ ایک گلدستہ ہے ہم بے طوؤں کا طاق لسیاں کا

جس باغِ رضواں کی منازل میں زاہد اس قدمِ مرگرم ہے ہم بے طوؤں ان مشتاق حق نے اسے طاق لسیاں کا ایک گلدستہ سمجھ رکھا ہے۔ یعنی بالکل بھلا دیا ہے اور ہمارے ذہن اور دماغ میں اس کے تصور کی بجلی سی جھلک بھی نہیں گزری اس حضور کو قادی کی ایک رہائی میں بیان کیا ہے:

آن را کہ عطیہ ازل در نظر است ہر چند بلا پیش طرب بیشتر است

فرقی است میان من و صفای در کفر بخشش و گداز عہدہ دگر است

ایک جگہ کہتے ہیں کہ اسے محبوب ازل! ہم تو میرے دیوار کے پیاسے ہیں۔ ہمیں بہشت کی آرزو کیوں ہو؟ وہ تو ہماری نظر میں ایک سراپ ہے جس سے پیاس نہیں بجھ سکتی بلکہ تیز تر ہو گی۔ "مب تشنہ دیوار ترا غلہ سراپ است"

ہمارے عارفوں کے انداز میں فرمایا ہے کہ بندے اور باری تعالیٰ کے درمیان ایک راستہ ہے جسے ملے کے بغیر بندہ ضروری کا مقام حاصل نہیں کر سکتا۔ بہشت کی خاص چیزیں کہاں ہیں؟ کوثر اور طوطی عارفوں کے نزدیک ضروری کے راستے میں کوثر ایک چشمہ ہے اور طوطی ایک سایہ دار درخت یعنی وہ مخلوق مقصود نہیں ہیں۔

راہست زعمدا حضور اللہ خدای تو دراز گیز طوای کو تاہ

ابن کوثر و طوطی کہ نکلتے داد سرچشمہ و سایہ ایست درنہمہ راہ

بخشش کا کون طلب گار نہیں، لیکن غالب کے نزدیک محض مہمانی اور رعایت کی بنا پر بخشا جانا باعثِ شرمساری ہے اور شرمساری اس درجہ اذیت پہنچاتی ہے کہ سلامت دوزخوں کی آگ بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

بخت دوزخ در نماز شرمساری مضراست انتقام است این کہ باہرم ہزارا کردہ

خدا نے لطف و تواضع سے ہمیں بخش دیا۔ ہم شرمسگی سے پانی پانی ہو گئے عزت کا نقصان ہی تھا۔ اس شرمسگی نے ہمارے دل کو جو دکھ پہنچایا اس میں سلامت دوزخوں کے برابر ظاہر تھا۔ بلاشبہ ہم پر مہمانی ہوئی اور

ہمارے ساتھ رہا کرتی تھی۔ لیکن بدامنی کا طاب اس سے بدتر تھا دیکھئے اس شعر میں حسن و عمل کا کتنا پاکیزہ
 عشق موجود ہے۔ اس بات چیت کو میں غالب کی تین دہائیوں پر غم کرتا ہوں جن سے ازانہ ہو سکے گا کہ اس کے
 بدن کا ہر قطرہ خون عشق کی حرارت سے کس درجے غور تھا:

| | |
|------------------------------|------------------------------|
| یا رب نفس شرابہ ہدم بخند | یا رب خزا ہائے دہرہ رجم بخند |
| بے سوز غم عشق مہلدا زہار | جانے کہ ہے روز مستحسوم بخند |
| اور است اگر ہزار جرم بخند | اور است اگر ہشت نیرم بخند |
| مردست فدا کنم بہ صد گنہ نشاط | جانے کہ ہے روز مستحسوم بخند |
| تاریخ نیم ہشت نیرم بخند | از بخشش خاص ناچہ جرم بخند |
| امید کہ صرف بدنامی تو شود | جانے کہ ہے روز مستحسوم بخند |



ڈاکٹر سہیل بخاری

مرزا غالب کی ایک الجھن

اوحار کون نہیں لیتا دیتا ہے اوحار کی بھی ایک حد ہوتی ہے اور جب اوحار حد سے بڑھ جائے تو لوگ چونک اٹھتے ہیں اور انہیں یہ سمجھنا پڑتا ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہونی چاہئے۔ غالب کو اوحار لینے کا ایک روگ سالگ گیا تھا کہ جب تک جیتے رہے اوحار ہی میں ڈوبے رہے اور مرے تو بھی آٹھ سو روپے کے دیں دار نکلے جو ان کی بیوی نے رام پور کے نواب سے مانگ کر نکالے۔ مرزا کو شروع سے ۱۸۵۷ء تک انگریزی سرکار سے ساڑھے پانچ سو روپے صیغہ کی پنشن ملتی رہی ہے یہ ایسا گنا ہے کہ اس میں ان کا گزارا نہیں ہو پاتا تھا کیونکہ ۱۸۵۷ء میں وہ حکیم احسن اللہ خان کی سفارش سے بہادر شاہ ظفر کی سرکار میں تھوڑی خاندان کی تاریخ لکھنے پر نوکر ہو گئے تھے اور پچاس روپے صیغہ تھوڑا پانے لگے تھے۔ اس پر انہوں نے ایک شعر بھی کہا ہے:

غالب و خلیفہ خواہ ہو دو شاہ کو دعا

وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

۹ جون ۱۸۵۳ء کو انہوں نے مرزا قند کو ایک خط میں لکھا:

"یہ تمہارا دماغ اگرچہ اور امور میں پایہء عالی نہیں رکھتا مگر احتجاج میں اس کا پایہ بہت عالی ہے یعنی بہت محتاج ہوں۔ سو وہ سو میں میری پیاس نہیں بجھتی۔ تمہاری بہت پر سو ہزار آفریں۔ سبے پور سے مجھ کو اگر دو ہزار ہاتھ آجاتے تو میرا قرض دفع ہو جاتا اور پھر اگر دو چار برس کی زندگی ہوتی تو اتنا ہی قرض اور مل جاتا۔ یہ پان سو تو بھائی تمہاری جان کی قسم مہرقات میں جا کر سو لایزہ سو بیچ دیں گے سو وہ میرے صرف میں تو ہیں گے۔ صاحبزادہ کا سودی جو قرض ہے وہ بھڑ پھر وہ سولہ سو کے باقی رہے گا اور وہ جو سو باجو صاحب سے منگوائے تھے وہ صرف انگریزی سوداگر کے دینے تھے۔"

۲۳ جون کو پھر انہیں لکھتے ہیں:

"بھائی جس دن تم کو خط بھیجا تیسرے دن صوبہ گلخہ کی عرضی اور پنجیس روپے کی رسید اور پان سو کی حطوی پہنچی۔ تم کہے۔ باجو صاحب نے پنجیس روپے صوبہ گلخہ کے لئے اور مجھ سے مجھزادہ لئے۔ بہر حال حطوی ۳ دن کی بے حاوی تھی۔ ۶ دن گزر گئے تھے ۶ دن باقی تھے۔ حق کثرت کہ روپے لے لئے۔ قرض متعلق سب کا ادا ہوا۔ بہت سبک دوش ہو گیا۔ آج میرے پاس ۷۷ روپے نقد بکس میں اور ۲ بوقل شراب اور ۳ شیشے گلاب کے خوشبو خانے میں موجود ہیں۔"

۱۸۵۵ء میں رام پور کے نواب یوسف علی خان ان کے شاکر ہوئے تو وہاں سے بھی انہیں کچھ مدد ملنے لگی۔ غرض

علامہ نوٹ ہے خبر کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"نواب یوسف علی خان بہادر" والدہ رام پور کے بھرے آٹھائے قدیم ہیں، اس سال ۱۸۵۵ء میں میرے شاگرد ہوئے۔ تاہم ان کو محکمہ دیوانہ میں چھوٹی غزلیں اصلاح دے کر بھیج دیتا۔ گاہ گاہ کچھ روپیہ لومہ سے آتا رہتا۔ قلعے کی کھڑاوی جاری، انگریزی فٹن کھلا ہوا، ان کے مطابق فوج گئے جاتے تھے۔"

اس زمانے میں بھی جب کہ تین تین جگہ سے آمدنی ہوتی تھی، مرزا کے دن شاید ہی اچھے گزرے ہوں کیونکہ ساڑھے باٹھ اور پچاس روپے سب لاکر ایک سو بارہ روپے آٹھ آنے میں نہ ہوتے تھے اور نواب صاحب کی رقم گاہ گاہ ہی ملتی تھی۔ مرزا جیسا بچا تو پختہ ہی نہیں تھے، جو ملتا تھا وہ خرچ کر دیتے تھے، پھر اس کے آگے وہ ہی برس بیچے آزادی کی لڑائی ہو گئی تو بہادر شاہ تخت سے اتر سکے۔ وہاں کی کھڑاوی جاتی رہی اور انگریزی سرکار سے جو فٹن ملتی تھی وہ بہادر شاہ کا ساتھ دینے کے شہ میں روک لی گئی۔ اس کے بعد ان کے بہنو دوست اور شاگرد ان کی خدمت کرتے رہے، یہاں تک کہ جولائی ۱۸۵۸ء میں رام پور کے نواب نے ان کی سو روپے میں نہاد کھڑاوی کر دی جو انہیں ہر مہینے ملنے لگی۔ اس میں ان کی کیا گزرو ہو سکتی تھی۔

مئی ۱۸۶۰ء میں فٹن کھلی اور تین سال کا آٹھ روپیہ ملا۔ اس کا حساب ۶ مئی ۱۸۶۱ء کے خط میں مرزا قند کو لکھتے ہیں، جس سے اس سچ کے زمانے کا کچھ حال معلوم ہوتا ہے:

"ذرا سا سالہ مجتہدہ ہزاروں کہاں سے ہوئے۔ سات سو پچاس روپے مل پاتا ہوں۔ تین برس کے ۱۰ ہزار اور ۱۰ سو پچاس روپے ہوئے۔ سو روپے مجھے وہ قرض ملے تھے وہ کٹ گئے۔ ذرا سو روپے مفرقات میں گئے۔ رہے وہ ہزار روپے۔ میرا نکار کار ایک بنیا ہے اور میں اس کا قرض دار قدیم ہوں۔ اب وہ وہ ہزار لایا اس نے اپنے پاس رکھ لئے اور مجھ سے کہا کہ میرا حساب کیجئے۔ سات کم پندرہ سو اس کے سو سول کے ہوئے۔ قرض حقوق کا اسی سے حساب کر لیا۔ گیارہ سو کئی روپے وہ نکلے، پندرہ اور گیارہ ۳۶ سو ہوئے۔ اصل میں یعنی وہ ہزار میں چھ سو کا تھا۔ وہ کتا ہے پندرہ سو میرے دے ۱۰۔ پان سو سات روپے باقی کے تم لے لو۔ میں کتا ہوں مفرقات گیارہ سو چکا دے، تو سو باقی رہے، آٹھ تو لے، تو مجھے کو دے۔"

اسی روپے کا حساب مرزا علاؤ الدین خاں کو بھی لکھا ہے:

"فٹن ہے کم و کثرت جاری ہوا۔ ذرا مجتہدہ سا سالہ یک مہنت مل گیا۔ بعد اوائے حقوق چار سو روپے دینے باقی رہے اور ستائیس روپے گیارہ آنے مجھے بچے۔"

اس کے بعد مرزا کو سرکاری فٹن اور رام پور کی کھڑاوی لاکر ایک سو باٹھ روپے آٹھ آنے ملنے لگے تھے اور رام پور سے انعام الگ۔ مرزا کی گزرو پھر بھی نہیں ہوتی تھی۔ مہاجروں سے سو روپے روپیہ ادھار لینے رہتے تھے، یہاں تک کہ آخر میں آکر ان لوگوں نے بہت کڑے قاضی کے تو مرزا نے، جو رام پور کے نواب سے اپنے پوتے حسین علی خاں کی شادی کے لئے روپیہ مانگے کو کئی خط بھیج چکے تھے، کہرا کر انہیں لکھا کہ مجھے آٹھ سو روپے ہی بھیج دو، جس

سے میرا احوال چمک جائے اور عزت بچ جائے۔ میں حسین علی خاں کے پیادے کے لئے ہر مدد سے نہیں مانگوں گا۔

مرزا کی اس پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ ان کی آمدنی ان کا خرچ ہوا نہیں کر پاتی تھی اور خرچ اس حالتِ ہانت کا تھا جو وہ رکھتے تھے اور رکھنا چاہتے تھے۔ وہ گھر سے باہر بیس میں نکلتے تھے اور گھر میں کتنے ہی نوکر چاکر رکھتے تھے جن کا ذکر اپنی کئی چٹھوں میں کرتے رہے ہیں۔ وہ بے سرف مرزا کو لکھتے ہیں:

”کلب خاص اپنا دوتا دوتا ہوں۔ ایک بڑی دو بچے تین چار آدمی گھر کے۔ گلو، کیاں، ایاز بہ باہر۔
مداری کے جو دو بچے گویا مداری موجود ہے۔ یہاں گھمن گئے گئے سینہ بحر سے آگئے کہ بھوکا مرنا ہوں۔
اجھا بھائی تم بھی رہو۔ ایک پیسے کی آمدنی نہیں۔ میں اتنی روٹی کھانے والے موجود۔“
ایک اور خط میں عطا کی لکھتے ہیں:

”اکرم نکس جدا، چوکیدار جدا، سود جدا، مول جدا، بی بی جدا، بچے جدا، شاگرد پیٹہ جدا آمد ہی ایک سو ہاشم، تنگ آگیا، گزارا مشکل ہو گیا۔“

یہ حالت رکھنے کے لئے مرزا کو احوال سے کام چلانا پڑتا تھا۔ ہر سوال یہ ہے کہ وہ آمدنی سے اپنا خرچ کیوں نہیں نکالتے تھے اس کا حال ان کے اس خط میں لکھا ہے جو انہوں نے مرزا قربان بیگ کو لکھا ہے:

”میں نے اپنے کو اپنا غیر تصور کیا ہے۔ جو دکھ مجھے پہنچتا ہے، لکھتا ہوں، لو غالب کے ایک اور بھائی گلی،
بست اترا تا تھا کہ میں بڑا شاعر اور فادی دان ہوں، آج دور دور تک میرا جواب نہیں۔ لے اب تو قرض
دادوں کو جواب دے۔ بچ تو میں ہے کہ غالب کیا مرا، ٹھہ مرا، بڑا کافر مرا۔ ہم نے از راہ عقیم جیسا
بارشاہوں کو بعد ان کے جنت آرام کھاد و عرش نشین خطاب دیتے ہیں، چونکہ یہ اپنے کو شاہِ عالم رو غنی چاہتا
تھا، متر مقرر اور حلوئے زلویہ خطاب تجویز کر رکھا ہے۔ اسے غمِ عدولہ، بیاد، ایک قرض دار کا گہر جان بھی
پاتھ، ایک قرض دار بھوک سنا رہا ہے، میں ان سے پوچھ رہا ہوں، ابی حضرت نواب صاحب، نواب صاحب
اور خاں صاحب آپ سلطنتی اور افرسیانی ہیں، یہ کیا ہے حرمی ہو رہی ہے، کچھ تو آکسو، کچھ تو بولو۔ بولے
کیا خاک۔ بے حیا، بے فیہرت، کوٹھی سے شراب، بکدھی سے گلاب، بزاز سے کپڑا، میوہ فروش سے آم،
مراٹھ سے دام قرض لئے جاتا ہے۔ یہ بھی سوچا ہوتا کہیں سے دوں گا۔“

یہی بات انہوں نے اپنے ایک شعر میں بھی کہی ہے:

قرض کی پیچھے تھے سے لیکن لکھتے تھے کہ ہاں

دیکھ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

مرزا کی ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ احوال کی ان پریشانیوں میں انہیں اپنے بڑے آدمی ہونے کا برابر دھیان
رہتا تھا اور دھیان کیوں نہ ہوتا تب کہ اپنا بڑا پٹا اور بڑے پٹن کا مجرم رکھتے ہی کے لئے وہ یہ سب ٹھیکڑیں اٹھاتے
تھے اور ہمیں اس سوال کا بھی جواب مل جاتا ہے کہ وہ اپنا خرچ کیوں نہیں نکالتے تھے جس سے اپنی آمدنی ہی میں ہمار
پڑتی رہتی۔ مرزا کی ہماری زندگی کٹ گئی اور وہ اپنے اونچے گھرانے، ریاست اور جمہوری ہی کے گیت گاتے رہے۔ ان

دنوں میں بھی جب کہ دلی میں سب کو اپنی اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی، مرزا ایک ہی رنگ لاسچے رہے۔ مولانا دلی نے "یادگار غالب" میں جو لکھا ہے کہ مرزا کے دروازے پر لوگے نظرے اور اپناج فقیروں کا ایک جھنگھٹا لگا رہتا تھا اس کا کارن بھی یہی تھا کہ وہ ایسے لوگوں کی مدد کر کے ہی اپنے بے پناہ کا بھرم دیکھ سکتے تھے۔

جب دلی کانٹ میں فارسی چڑھانے والے کی جگہ بدعنوانی گلی تو حکومت ہند کے سیکرٹری مسٹر ٹامسن نے مرزا غالب کو بلا دیا۔ یہ پاگلی پر ان کے ہاں پہنچے پر پاگلی سے اس لئے ضیاع اترے کہ ٹامسن صاحب آپ انہیں لینے آئیں۔ جب ٹامسن صاحب کو پتا چلا تو وہ باہر آئے اور مرزا سے کہا کہ "جب آپ گورنر کے دربار میں آئیں تو آپ کی آؤ بھگت اسی طرح کی جائے گی۔ اس گھڑی آپ فکری کے لئے آئے ہیں" اس لیے ویسا ہی برداؤ ضیاع ہو سکتا۔ مرزا نے جواب دیا کہ "مگر غفلت کی ملازمت کا ارادہ اس لئے کیا ہے کہ اعزاز کچھ زیادہ ہو" نہ اس لئے کہ موجودہ اعزاز میں بھی فرق آئے۔" صاحب نے جواب دیا کہ "ہم قاعدے سے مجبور ہیں۔" اس پر غالب یہ کہہ کر پلے آئے کہ مجھ کو اس ملازمت سے معاف رکھا جائے۔

کچھ لوگ! اسے مرزا کی خودداری کہتے ہیں جیسا کہ ان کے شعروں سے بھی ظاہر ہوتا ہے:

ہندگی میں بھی وہ آزاد و خود بھی ہیں کہ ہم
اگلے پھر آئے در کعبہ اگر دانہ ہوا

ہم پکاریں اور کھلے، یوں کون جانے
یار کا دردانہ پائیں گے کھٹ

پرمکاتیب غالب چند کہ اس خودداری کا کہیں کھوج تک ضیاع ملے۔ انہوں نے رام پور کے خواب سے روپے مانگتے میں ذرا سی بھی جھجھکی ضیاع دکھائی نہ روپے مانگنے کا کوئی ڈھب ہی چھوڑا۔ یہ بھی لکھتے ہیں کہ مانگتے شرم آتی ہے اور پھر مانگتے بھی جانتے ہیں۔ کبھی قصیدے کے بھانے اور کبھی کسی اور بھانے سے انعام مانگتے ہیں اور کبھی دیتے ہیں کہ تحفہ میں سے یہ رقم کتنی نہ جانتے۔ اپنے بڑے حسین علی خاں کے بیاہ کے لئے روپیہ مانگنے کو نکاتر چہ چھپاس لکھیں، آخر جب اوصار مانگنے والے غالب کی جان کھانے لگے تو گھبرا کے لکھا کہ بلا سے آٹھ سو روپے ہی بھیج دو جس سے میری لاج تو رہ جائے۔ میں اب حسین علی خاں کے بیاہ کے لئے روپیہ ضیاع نہیں مانگوں گا۔

اس کے لئے ان کے کچھ خطوں سے کچھ مثالیں لکھتا ہوں "ذرا مرزا کا لہو دیکھئے:

"آپ کے اس تکیہ دار" دونہ خوار فقیر نے آپ کی مدد میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔ (نظ ۱۰/۵۳۔

"مکاتیب غالب")

"ماہ صیام میں سلاطین و امرا خیرات کرتے ہیں۔ اگر حسین علی خاں حقیق کی شادی اس صیام میں ہو

جائے اور اس پر اسے اپناج فقیر کو روپیہ مل جائے تو اس صیام میں تیاری ہو رہے۔" (نظ ۱۰/۵۴۔

"مکاتیب غالب")

"دوسری بات یہ ہے کہ سو روپے آپ کی سرکار سے بطریق خیرات اور ۳۳ روپے ۸ آنے سینہ انگریزی سرکار سے بہ عوض جاگیر پاتا ہوں۔ عالم الغیب جانتا ہے کہ اس میں میرا بڑی مشکل سے گزارا ہوتا ہے۔"

(خط ۵۳/۶۶ - "مکتبہ خلیفہ")

آخری خط سب سے زیادہ مزے دار ہے جس کے ایک ہی جملے میں اپنے آپ کو فقیر بھی بتایا ہے اور جاگیر دار بھی بتایا ہے اور یہی مرزا کی ایجنس تھی۔ مرزا کو اپنے لوہے گرانے پر بہت گھمنہ تھا۔ فنی صیب اللہ خاں ڈاکا کو ایک بار یوں کہتے ہیں۔

"میں قوم کا ترک ملحوظی ہوں۔ دادا میرا بلورہ النور سے شاہ عالم کے وقت میں ہندوستان آیا۔ ۱۸۳۳ء میں گئے گئے کیا۔ نواب گورنر سے ملنے کی درخواست کی۔ دفتر دیکھا گیا۔ میری ریاست کا حال معلوم کیا گیا۔ ملازمت ہوئی۔ سات پارچے اور چھٹا 'سرچ' ملائے موارید یہ تین رقم خلعت ملا۔ زان بعد جب دہلی میں دوبار ہوا مجھ کو بھی خلعت ملا رہا۔ بعد طرہ بہ جرم مصابحت بلورہ شاہ دوبارہ خلعت دونوں بند ہو گئے۔ میری بریت کی درخواست گزری۔ تحقیقات ہوتی رہی۔ تین برس کے بعد بند چھا۔ اب خلعت معمولی ملا۔ فریضہ یہ خلعت ریاست کا ہے 'عرض خدمت نہیں' اتنا ہی نہیں۔"

ایک جلی میں اپنی کتاب چھپوانے کے سلسلے میں فنی شیو زاین کو یہ ہدایت لکھی ہے:

"میں میری جان۔ نوابی کا مجھ کو خطاب ہے۔ تم اللہ اور اطراف و اعوان کے امرا سب مجھ کو نواب کہتے ہیں بلکہ بعض انگریز بھی 'چنانچہ صاحب کشتربلورہ دہلی نے جو ان دنوں میں روٹکاری بھیجی ہے تو لٹافے پر نواب اسد اللہ خاں لکھا' لیکن یاد رہے کہ نواب کے لفظ کے ساتھ میرزا یا میر نہیں کہتے 'خلاف دستور ہے' یا نواب اسد اللہ خاں لکھو یا میرزا اسد اللہ خاں لکھو اور بلورہ کا لفظ تو دونوں حال میں واجب اور لازم ہے۔"

ایک جلی میں سید غلام حسین قدر بگرای کو اپنے من مت کے لئے یوں کہتے ہیں:

"میر صاحب ماجرا یہ ہے کہ میں پیشہ نواب گورنر جنرل بلورہ کے دوبار میں سیدھی صاف میں دسواں نمبر اور سات پارچے اور تین رقم ہوا ہر خلعت پاتا تھا۔ قدر کے بعد چاقن جاری ہو گئی لیکن دوبار اور خلعت بند۔"

وہ بار بار لوگوں کو کہتے ہیں کہ خط پر میرا نام اور دہلی لکھ کر بھیج دیا کرو، مجھ تک پہنچ جائے گا۔ خط جس ڈاک خانے سے چلتا ہے وہیں وہ جائے تو وہ جائے دہلی کے ڈاک خانے میں نہیں کو سکیں انہوں نے جگہ جگہ یہ بتایا ہے کہ قاری نور انگریزی کے خط بھی جو انگلستان کے میرے نام آتے ہیں 'دہلی کے پتہ پر مل جاتے ہیں۔ جب کہ ان پر ملنے لگی مادیوں کا نام بھی نہیں ہوگا وہ کہتے ہیں کہ نامور کو میں کے خط میں لیے چڑھے پتے کی ضرورت نہیں ہوتی جس کا مطلب یہ ہے کہ میں بھی نامور آوی ہوں۔ وہ ایک خط میں مرزا قند کو کہتے ہیں:

بات یہ ہے کہ نامور آوی کے واسطے مجھے کا پتا ضروری نہیں۔ میں غریب کوئی ہوں مگر فارسی 'انگریزی

خط ہو میرے نام کے آتے ہیں تکھ میں ہوتے۔"

مرزا علاء الدین کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"ہم شرمی کھا کر کھتا ہوں کہ ایک شخص ہے کہ اس کی عزت اور نام آوری جسور کے نزدیک جیت اور متعلق ہے اور تم صاحب بھی جانتے ہو مگر جب تک اس سے قطع نظر نہ کرو" اس صفحے کو گہم و ذلیل نہ سمجھو کہ جو کہیں نہ آئے تک بچاس برس سے وطن میں رہتا ہوں۔ ہزار خط اطراف و جوانب سے آتے ہیں۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ حملہ نہیں لکھتے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ حملہ سابق کا نام لکھ دیتے ہیں۔ حکام کے خطوط فارسی و انگریزی یہاں تک کہ ولایت کے آئے ہوئے صرف شہر کا نام اور میرا نام۔ یہ سب مراتب تم جانتے ہو اور خطوط کو دیکھ چکے ہو اور پھر مجھ سے پوچھتے ہو کہ ممکن تھا۔ اگر میں تمہارے نزدیک امیر نہیں نہ سہی" اہل حرفہ میں سے بھی نہیں ہوں کہ جب تک حملہ اور قاتل نہ لکھا جائے ہر کار میرا پتا نہ پائے۔ آپ صرف وطن لکھ کر میرا نام لکھ دیا کیجئے خط کے پہنچنے کا میں خاص۔"

ان کی یہ سب باتیں ہوتی ہیں کہ وہ اپنے آپ کو بہت بڑا آدمی سمجھتے ہی نہیں تھے وہ سوں کو بتاتا بھی جانتے تھے۔ ان کی اس الجھن کا کوئی نہ کوئی کارن ہونا چاہئے کیونکہ اونچے اونچے گھرانوں کے لوگ بھی کبھی کبھی مست جاتے ہیں اور پھر زمانے سے الجھوٹا کر کے اپنی روکھی سوکھی پر ہی دن کاٹتے لگتے ہیں۔ نہ وہ اپنا بڑا پن کسی کو جانتے ہیں نہ مرزا کی سی شہہ غریبی کر کے لوحار کے دکھوں ہی میں بھستے ہیں۔ ان لوگوں کی زبان پر اپنے "بڑے پن" کی بات صرف اس گھڑی آتی ہے جب ان کی ساتھ اور آہد پر چوٹ پڑتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا کچھ مرزا پر بھی کوئی ایسی گھڑی آتی تھی اور کوئی ایسی چٹا پڑی تھی جس نے ان کی غلامی عزت میں بنا لگایا ہو۔ ان کا ایک شعر ہے:

منا ہے شہ کا مصائب بھرے ہے رازنا

وگرنہ شہر میں غالب کی آہد کیا ہے

کہنے کو تو یہ ایک غزل کا مطلع ہے اور اس میں کسی ہوتی ہے آہد کی بات تقریبی کبھی جاسکتی ہے۔ پر ہمیں کچھ بے آہد کی بات کا ذکر ان کے ایک خط میں بھی ملتا ہے۔ ۱۸۵۳ء میں مرزا کا تعلق ہے پر سے قائم ہوا تو مرزا قلعہ نے اس کی تحصیل پر بھی اور لکھا کہ وہاں میرا بھی خیال رہے۔ اس کے جواب میں ۱۸۵۳ء کو وہ قلعہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"جے پر کا امر محض انتہائی ہے۔ بے قصد و بے ذکر در پیش آیا ہے۔ ہوس ناگاہ اور متوجہ ہوا ہوں"

یوڑھا ہو گیا ہوں" ہوا ہو گیا ہوں" سرکار انگریزی میں بڑا پایہ رکھتا تھا" دیکھیں زادوں میں گنا جانا تھا" پورا خلعت پانا تھا" اب بدنام ہو گیا ہوں اور ایک بہت بڑا دھماکا لگ گیا ہے" کسی ریاست میں دخل نہیں کر سکتا تھا مگر ہاں استوا پھر بڑا دخل میں کر دلو و رسم پیدا کروں" کچھ فائدہ اٹھاؤں" کچھ اپنے کسی عزیز کو وہاں داخل کرادوں۔ دیکھو کیا صورت پیدا ہوتی ہے۔"

مرزا کی اس بدنامی کے اس واقعے کا حال مولانا عرشی نے "مکاتیب غالب" میں لکھا ہے کہ "۷۵۵ھ میں فیض

الحسن خاں کوتوال دہلی کے ہاتھوں قمار بازی کے الزام میں گرفتار ہوئے اور چھ مہینے کی پابندیت قید اور دو سو روپے جرمانے کی سزا پائی۔ اس واقعے کی جزئیات بے حد انوس ٹاک تھیں۔ کوتوال نے گرفتاری کے وقت اور جھڑپ کے سزا کی تہذیب میں ان کی وہابیت و شرافت کا قصداً لحاظ نہ کیا۔ پولیس اور عدالت کے اس نامناسب سلوک سے ان کی حسن فیریت سخت بھروسہ ہوئی، خود اپنی نظر میں شرافت خاندان پر دھما آگیا اور اپنے کو دوسرے ہندوستان سے ملنے جانے کے قابل شمار کرنے میں پس و پیش کرنے لگے۔

اس واقعے سے متعلق مولانا مرقی نے ماضی میں اخبار "نواک الزاعرن" جلد دوم نمبر ۱۲ مورخہ ۳۱ مئی ۱۸۸۳ء کے صفحہ ۸۰ پر لکھی ہوئی عبارت نقل کی ہے۔ "۲۵ مئی کو سچ مکان جناب مرزا نوشہ احمد اللہ خاں صاحب کے قمار بازی ہو رہی تھی، چنانچہ کوتوال صاحب یہ خبر پا کر وہاں گئے اور جناب میرزا صاحب کو سچ اور قمار بازوں کے گرفتار کر کے کوتوال میں لے آئے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ صاحب جھڑپ ان کے حق میں کیا حکم دیتے ہیں" اور شاہ نصیر کے ایک شاگرد کشتیام لال حاسی دہلوی کی عبارت بھی دہرائی ہے:

"مرزا نوشہ" شاعر بے بدل دہلی، رند مشرب، انتقام پسند، احمد و غالب سے فیض الحسن خاں کوتوال کو ناحق کی عداوت پیدا ہو گئی اور اس نے بھلت قمار بازی ان کو قید کرا دیا جس کی مدد و جہ زلیل تاریخ لکھائی گی:

سر اچھد سے فصل میں تو سب اعتماد طوقاں ہے
اور افکارہ سو مستطالیں میں قید غریباں ہے
تلقی غالب نہ کیونکر موش اور گرہے کے دل پر ہو
دہلی جلی کشتائی کانچہ ہوں سے بدعناں ہے
ربانی مدد بد سے میرزا نوشہ کی کیوں کر ہو
"نہن غم خوار" واس بن کر گیا فیض الحسن خاں ہے
سر بارہ پکڑ کر شہنہ تقدیر نے حاسی
اسد کو جوتوں سے تھیر کر ڈالا یہ زنداں ہے

بروقت گرفتاری کوتوال صاحب رتھ میں بیٹھ کر موقع پر گئے اور ظاہر کیا کہ سواریاں زناتی آتی ہیں۔ اس دھوکے میں اندر داخل ہو گئے اور اندر مکان سے ضربات جاتی باہم اس قدر ہوئیں کہ باہر تک آواز آتی تھی، مگر دینے کے اندر جیسعت بست تھی اور یہ کہ اندرونی برقعہ از بیخ کے گرفتار کر کے قید کرا دیا۔ بہت سے دیکھیں اور شرفا اس حرکت سے ناراض ہوئے اور عدالت میں برالت کے سامنے ہوئے مگر قید ہو ہی گئے۔

اس بے آبروئی کا مرزا کو جو دکھ پہنچا اور بدنامی کا ان کے دل پر جو گھمرا اثر چڑا، اس نے ان کے ذہن میں عمر بھر کے لئے ایک الجھن پیدا کر دی۔ وہ اپنے من کو یہ فہم سمجھا سکے کہ یہ ایک انقلابی بات تھی جو ہو گئی کہ کوتوال نے ان سے اپنا جھڑپ لٹا اور اپنا کینہ پن دکھایا۔ اس انقلابی دھبے کو دھونے کے لئے مرزا نے یہ کوشش کی کہ کسی

ریاست میں استادی جریا عراج بن کر پہنچیں اور یہ طریقہ بہت مناسب تھا۔ بے چارہ کی ریاست میں تعلق پیدا ہونے کا جو موقع آیا، وہ اس کو شش کا نتیجہ تھا اور جب وہاں نکل منڈھے نہیں چڑھی تو انہوں نے رام چار کی ریاست میں استادی بن کر داخل کیا۔ یہ ایسا لگتا ہے کہ اس سے بھی مرزا کے دل کو تسلی نہیں ہوئی، اس لئے انہوں نے آپ ہی اپنے اوسے گھرانے، اپنی ریاست اور پسموری کا دھندورا پیٹنا شروع کر دیا اور یہ طریقہ لگلا تھا کیونکہ اس کے لئے انہیں امیرانہ ٹھانٹ رکھنا ضروری ہو گیا اور جب ان کی آمدنی نے اس کا ساتھ نہیں دیا تو انہوں نے اوجھار لے لے کر کام چلایا اور مرتے دم تک اس کی پریشانیوں بھگتتے رہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بے عزتی کا یہ نامراد واقعہ ان کے دھیان سے کبھی نہیں نکلا اور ایک دو گہ بن کر ان کے ذہن سے آخر تک چٹنا رہا۔



غالب کے ادبی معرکے

مالک رام

غالب دسمبر ۱۸۶۷ء میں پیدا ہوئے اور فروری ۱۸۶۹ء میں انہوں نے رحلت کی۔ اگر اس اٹھ سال سے کچھ اوپر سے کے واقعات کا بطور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان کی پوری زندگی معرکوں کی ایک مسلسل داستان ہے۔ ان میں ہر طرح کے معرکے تھے۔ خانہ دانی معرکے، مالی معرکے، جذباتی معرکے، اور ان سب سے اہم تر ادبی معرکے۔ یہاں انہیں آخری قسم کے معرکوں کا کچھ بیان مقصود ہے۔ بیشتر دوسرے معرکے محدود مدت کے تھے یا ان کے اثرات عارضی تھے، لیکن ادبی معرکے ان کی پوری زندگی کو محیط ہیں۔

۱:- مولوی محمد معظم سے چپقلش

ان کا سب سے پہلا ادبی معرکہ اپنے کتب کے استاد مولوی محمد معظم سے اُگرنے میں پیش آیا۔ جب ان کی عمر دس گیارہ برس سے زیادہ نہیں تھی۔

غالب کے زمانے میں کتبوں کے نصاب میں فارسی اور عربی کا دور دورہ تھا، عربی پر کم اور فارسی پر زیادہ توجہ تھی۔ عربی میں بالعموم قرآن ماعرود اور صرف و نحو کی تعلیم لازم تھی۔ اس کے مقابلے میں فارسی کا نصاب وسیع تر تھا۔ اگر طالب علم واقعی پڑھنے کا شوقین تھا اور اس کا ذہن اختہ ہوتا تو پانچ سات برس میں وہ فارسی کے کلاسیکی ادب کا بیشتر حصہ پڑھا لیتا تھا۔ غالب کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی۔ عربی میں وہ بمشکل ملہتہ عامل ہی تک پہنچے۔ لیکن انہیں فارسی ادب سے فی الجملہ مزاحمت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ اس ابتدائی زمانے میں ان کی ایک فارسی غزل کا پتا ملتا ہے جس میں انہوں نے دویف میں ”مگر چہ“ کی جگہ یعنی چہ کھسا تھا۔ پورا واقعہ حالی کی زبان سے سنئے: لکھتے ہیں: (۱)

دغالب نے جیسا کہ اپنے فارسی دیوان کے خاتمے میں تصریح کی ہے ”گیارہ برس کی عمر میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ اسی زمانے میں انہوں نے فارسی میں کچھ اشعار بطور غزل کے موزوں کئے تھے جن کی دویف میں ”مگر چہ“ بجائے ”یعنی چہ“ کے استعمال کیا گیا تھا۔ جب انہوں نے وہ اشعار اپنے استاد شیخ معظم کو سنائے تو انہوں نے کہا کہ یہ کیا مصلی دویف اختیار کی ہے۔ ایسے بے معنی شعر کہنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ مرزا یہ سن کر خاموش ہو رہے۔ ایک روز علامہ غوری کے کلام میں ایک شعر نظر پڑ گیا جس کے آخر میں ”مگر چہ“ ”یعنی چہ“ کے معنی میں کیا تھا۔ وہ کتب لے کر دوڑے ہوئے استاد کے پاس گئے اور وہ شعر دکھایا۔ شیخ معظم اس کو دیکھ کر حیران ہوئے اور مرزا سے کہا: تم کو فارسی زبان سے عہد ادا مناسب ہے، تم ضرور فکر شعر کیا کہ اور کسی کے اعتراض کی پروا نہ کرو۔

علامہ غوری کے دیوان میں دو غزلیں ایسی ہیں جن کی دویف ”مگر چہ“ ہے۔ (۲) اس جگہ چپقلش میں غالب کا نصاب

رہے۔ ہونہار ہوا کے پچھے پچھے پات۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ آنکھ کیا پیش آنے والا ہے اور اس سے کس نتیجے کی توقع ہو سکتی ہے۔

2:- شعرائے دلی سے جھڑپھاڑ

غالب (1823-1886) میں ملا عبداللہ کو ساتھ لے کر آگرے سے دلی آئے۔ اس وقت ان کی عمر ۳۷ برس کی تھی۔ شاعری وہ قیام آگرہ کے زمانے ہی میں شروع کر چکے تھے اور آگرہ جیسا کہ آپ نے دیکھا اس زمانے کی کم از کم ایک فارسی غزل کا ضرور پتا چلتا ہے "انہوں نے آغاز اردو ہی سے کیا تھا۔ چونکہ تعلیم کے دوران میں فارسی ادب کا مطالعہ بڑے وسیع پیمانے پر کیا تھا" اس لئے ان کا فارسی شعرو سے متاثر ہونا قدرتی امر تھا۔ جیسا کہ انہوں نے خود ایک خط میں لکھا ہے (3) وہ جب شعر کہنے لگے تو بیدل اور شکت اور امیر ان کے محبوب شاعر تھے۔ اسی زمانے کا شعر ہے:

طرز بیدل میں رنخت لکھتا اسد اللہ خاں قیامت ہے

ان استاد کے نتیجے کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی شاعری مضمون آفرینی کی دھن میں گوہ کنڈان و دکھ پر گوہ دہان کا نمونہ بن گئی۔ قدرتی بات تھی "سے والے اس سے بڑے اور انہوں نے ان پر مسلسل گوئی کی قسمت لگا دی۔ ان کی غلط روی کے اور تو اور میر بھی قائل تھے۔ حالی نے طوط میرزا کی زبانی یہ روایت درج کی ہے (4)۔

"طوط میرزا کی زبانی سنا گیا ہے کہ میر تقی میر نے "ہر مرزا کے ہم وطن تھے" ان کے لائق کے اشعار سن کر یہ کہا تھا کہ "مگر اس لڑکے کو کوئی کمال استاد ملی گیا" اور اس نے اس کو سیدھے راستے پر ڈال دیا تو لاجواب شاعر بن جائے گا" دہندہ مسلسل کہتے گئے جگہ۔"

میر کا انتقال ۱۸۶۵ء (۱۲۸۲ھ) میں ہوا اور میرزا ۱۸۸۶-۱۸۸۷ء میں آگرے سے دلی گئے۔ گویا ہدایت حالی (5) میرزا کا کلام نواب حسام الدین حیدر خان نے میرزا کے قیام آگرہ کے زمانے میں لکھنؤ لے جا کر میر کو دکھایا، جس پر انہوں نے اس رائے کا اظہار کیا۔ اگر میر کی یہ رائے تھی کہ انہیں "سیدھے راستے" پر ڈالنے کی ضرورت ہے "تو خیال کیا جاسکتا ہے کہ عوام کی کیا رائے ہو گی!

میرزا آگرے سے اپنی شاعری اور طرز سخن ساتھ لے کر آئے۔ یہاں دلی میں بھی مخالفت کم ہونے کا کیا امکان تھا! مشاعرے کی بھری مجلس میں حکیم آغا جان پیش نے اپنی غزل میں یہ قلعہ داخل کیا اور ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پڑھا (6):

زبان میر جگے اور کلام میرزا جگے مگر اون کی زبان وہ آپ سمجھیں "یا خدا جگے
اگر اپنا کما تم آپ ہی جگے تو کیا جگے مزا کہنے کا جب ہے "تم کو اور دوسرا جگے
خیال کیا جاسکتا ہے کہ اس پر غالب کے حلقین نے ان کا کیسا مذاق اڑایا ہو گا اور کیسے انہیں غنیف کرنے کی
کوشش کی ہو گی "مگر ان کی زبان یہ آپ سمجھیں "یا خدا جگے میرزا کی پریشانی بھائی تھی۔
حالی کی روایت ہے (7):

خاکیا ہے کہ اہل دہلی مشاعروں میں جہاں مرزا بھی ہوتے تھے "قرینہ" ایسی فزلیں نکھ کر لاتے تھے جو اتفاقاً اور ترکیبوں کے لحاظ سے قہرمت پر شرکت و شہکار معلوم ہوتی تھیں مگر معنی نادر و گویا مرزا پر یہ ظاہر کرتے تھے کہ آپ کا کلام ایسا ہوتا ہے۔

حالی نے اسی طرح کا ایک واقعہ مولوی عبدالقادر رامپوری کا لکھا ہے (8) موصوف نہایت عریف الطبع تھے۔ چند روز کے لئے ان کا تعلق قلعہ دہلی سے بھی رہا۔ ایک دن انہوں نے غالب سے کہا کہ آپ کا ایک اردو شعر کچھ میں نہیں آتا۔ اس کے معنی بتا دیجئے اور جھٹ سے دو مصرعے مولود کر کے پڑھ دیجئے:

پہلے تو روغن مٹی، بھینس کے اڑے سے نکال
پھر دوا بھنی ہے، کل بھینس کے اڑے سے نکال

میرزا نے احتجاج کیا اور کہا کہ حاشاً! یہ شعر میرا نہیں، لیکن مولوی صاحب موصوف نے اصرار کیا اور فرمایا کہ میں نے خود آپ کی فزلیں میں یہ شعر دیکھا ہے۔ میرزا سمجھ گئے کہ ان کا مقصود وہ پودہ ہے جانا ہے کہ تم اس طرح کے بے معنی شعر کہتے ہو۔ مشاعروں میں غالبین ان سے کیوں کر پیش آتے تھے اور وہ کیسی کیسی تیاریاں کر کے آتے تھے اور ان میں کس طرح کی کٹنگ اور چہ ی گوئیاں ہوتی تھیں۔ میرزا کا اپنا ایک شعر بھی اس صورت حال کا مظاہر ہے:

تمی خبر کرم کہ غالب کے اڑیں گے پرے
دیکھئے ہم بھی گئے تھے، پتہ قاشا نہ ہوا

اور جب معترضوں کی چیلنجیں کسی طرح کم نہ ہوئیں، تو انہوں نے جمل کر سب کو جواب دے دیا۔ نہ متاع کی تنہا نہ صلہ کی پیدا۔ مگر نہیں چن مرے اشعار میں معنی، نہ سنی لیکن ابھی تک انہیں کسی وسیع پیمانے پر مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ جو کچھ ہوا مقامی طور پر اور اس کے اثرات بھی ایک محدود پیمانے سے جھکوت نہیں ہوئے۔

لکھنے کا ادبی معرکہ:-

ان کی زندگی کا سب سے پہلا اہم ادبی معرکہ لکھنے کا ہوا۔

میرزا Asaf کے اواخر میں اپنی خانہ دانی بخش کے حلقے میں لکھنے کے لئے روانہ ہوئے تاکہ وہاں گورنر جنرل کی کونسل کے سامنے سارے کوائف رکھ کر داد خواہی کریں۔ وہ رستے میں مختلف مقامات پر رکتے ہوئے فروری 1878 میں لکھنے پہنچے تھے (9)

لکھنے کا دوسرا عالم نظم و ادب کا مشہور مرکز تھا۔ یہاں ان دنوں ہر مہینے کے پہلے افراد کو بزم سخن آراستہ ہوتی، جس میں شعر کے اہل علم جمع ہوتے، شاعر حضرات اپنا کلام سناتے اور اصحابِ قلم سے داد وصول کرتے۔ میرزا بھی اسی طرح کے ایک مشاعرے میں شریک ہوئے اور انہوں نے اپنی فزلیں پیش کی:

ایک دم وہ کلمات نمایاں ہو کر آتے کہ شہیدانِ زمیں ہرچیز
اس غزل میں ایک شعر ہے:

جز دے از عالم داز ہر عالم ہضم
چو سوئے کہ تان داز مہاں ہرچیز
اس پر حاضرین میں سے کسی نے اعتراض کیا کہ مصرع اولیٰ میں ہمہ عالم کی ترکیب لفظ ہے۔۔۔ ہر جمع اور
عالم واحد بحسب اجتہاد قلیل یہ ابتداء جائز نہیں۔ ایک اور صاحب نے کہا کہ "ہضم" کی جگہ تفضیل بعض "ہیشترم"
ہائے تھا۔ کسی اور نے کہا کہ "ہمہ زمیں" کی ترکیب لفظ ہے۔ فرض کہ پورا شعری لفظ ہے۔

جیسا کہ غالب نے عہد الرزاق شاکر کے نام خط میں لکھا ہے (10) "میں نے اپنے میں شاہزادہ کامران درانی کا سفیر
گورنمنٹ میں آیا تھا کلمات خان اس کا نام تھا۔ اس تک یہ قصہ پہنچا۔ اس نے اساتذہ کے اشعار پان سات ایسے
پڑھے جن میں "ہمہ عالم" دہرہ روز "ہمہ جا" مرقوم تھا اور وہ اشعار "قاطع برہان" میں مندرج ہیں۔"
"قاطع برہان" میں لکھتے ہیں۔ (11)

یکے از پردوش یافتگان قلیل تو مسلم در نکلتے ہمیں گشت : اوستا در بارہ "کدہ" و "ہمہ" کہ آن مرادف خانہ و
ایں ترہہ تمام است "از روی اجتہادی کہ بدانت یہاں طویل وارو" جز اسی چند کہ شمار کن از بیاض یا شعل
نکزد" یا قلیل کدہ کو دونوں اسم مفرد یا بعد لفظ ہمہ شہنشاہان نامی شمارہ "پانچ گزاروم کہ بکڑیاں ہفتکندہ چوں
خودی کار بردو شک گیرند" آگاہاں راچہ آگاہ کہ توفیق بادا را پیر نہا پیر کدہ و غلٹ کدہ (دو منو کدہ) و
شفٹکندہ و ترکدہ و امثال ایں ہا در نظم و نثر اہل علم بسیار است۔ فقر المتاخرین فرماید "شعر:

خاموش! کز شش سینہ تراشت

نثر کدہ گردید بکڑ مرغ حرم را

بچہ جس ہمہ روز و ہمہ شب و ہمہ عالم و ہمہ ہا در کلام گرانمایگان ہزار جاویدہ ایم۔ حافظ علیہ الرحمۃ راست
شعر

گر سن آلودہ دامنہم چہ عجب ہمہ عالم گواہ صحت اوست
سعدی رحمت اللہ علیہ راست "شعر:

بچہاں فرم از اتم کہ جہاں فرم از دست

عاشق ہمہ عالم کہ ہمہ عالم از دست

محمد حسین نظیری نیشاپوری کہ مینو شمشاد "ی سراپہ" شعر:

چو سگ از ان بکویت ہمہ شب تھادہ غلیم

کہ ہوا سے صید دارم نہ خیال پاسانی

دیگر سے گوید "مصرع: ہمہ جا خانہ عشقت" چہ مسجد چہ کشت یا رب! چو نہ روا باشد کہ ہندوئی ہستہیلی

پادریاں را بکرم برزد" و از پیش خورشید و زنی گفتار آہستہ آواز آہستہ!

یہی وجہ تھی کہ جب مشاعرہ گاہ میں لوگوں نے ہند قتل ان پر اعتراض کیا تو انہوں نے ذات کر کہا کہ قتل کون قتل! وہ فرید آباد کا کٹری پکا! اسلئے امرت کے مقابلے میں اس کی حیثیت ہی کیا ہے کہ میں اس فرمایہ کی سند قبول کروں!

غالب کی ایک اور غزل ہے جس کا مطلع ہے:

ی رود خندہ بلمان بہاراں ندۂ خون گل رنقت ولے پاکستان ندۂ معلوم نہیں! یہ غزل انہوں نے اسی مشاعرے میں پڑھی تھی! یا کسی دوسرے مشاعرے میں۔ بر حال اس کے مجدد جلیل شعر:

شور لشکر ہفتاد بنی حزکاں دارم طفت بر ہے سر و سلبانی طوفان ندۂ یہ اعتراض کیا گیا کہ اس میں ردیف ندۂ بہمز کا استعمال قلم ہے۔

اس زمانے میں نکلنے میں قتل کے شاکر دوں اور مداحوں اور جیروں کی ابھی بڑی تعداد مقیم تھی اور شر کے طغی اور انہی حلقوں میں ان کا خاصا اثر تھا۔ غالب پر جو اعتراضات ہوئے ان سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس مشاعرے میں بھی یہ اصحاب کچھ کم نہیں تھے۔ غالب نے جب قتل کی سند ماننے سے انکار کر دیا اور ان کے خلاف تحقیر آمیز الفاظ استعمال کئے تو اس پر ہنگامہ مچا ہو گیا۔ غالب کی طرف سے جن دوستوں نے اعتراضات کے جواب دینے ان میں نواب سید علی اکبر خان طہاٹلی (مستولی امام باڑہ ہوگلی) مولوی محمد حسن، میرزا حسین علی خان (سفر میرزا کامران درانی والی ہرات) المطلب بہ کفایت خان اور مولوی محمد عبدالکرم (سرخ شہی و فخر فارسی گور نر جزل) کے نام ہمیں معلوم ہیں (12)۔ لیکن مخالفت کسی طرح فرو نہ ہوئی۔ معاملہ مشاعرہ گاہ سے نکل کر کوچہ و بازار تک پہنچ گیا، مخالفوں نے ان کے کلام پر اعتراض کر کے اور غالباً انہیں شائع کر دیا تھا۔ (13)

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ ہے نکل نہیں ہوگا۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے مولانا غلام رسول مرحوم کی کتاب "غالب" پر جو تعلیقات قلمبند کی تھیں ان میں لکھتے ہیں (14) کہ جن لوگوں نے غالب کے خلاف یہ ہنگامہ مچا کیا تھا ان میں تین اصحاب کے نام معلوم ہو سکے (1) احمد علی گپاسٹوی۔ (2) مولوی احمد علی مدرس مدرسہ عالیہ اور (3) مولوی وہاب علی گسٹوی۔

(1) اور (3) کے بارے میں کچھ کہنے سے قاصر ہوں، لیکن مولوی احمد علی مدرس مدرسہ عالیہ کا نام اس سلسلے میں لینا یقیناً درست نہیں۔ ان کی تاریخ ولادت ۱۸۳۹ء ہے (15)۔ جب کہ غالب کو یہ ہنگامہ ۱۸۴۸ء میں پیش آیا تھا۔

بر حال جب مخالفت کسی طرح نہ ہوئی اور لوگ ان پر ہزاروں میں گواڑے کہنے لگے تو نواب اکبر علی خان طہاٹلی اور مولوی محمد حسن کے مشورے پر (16) انہوں نے اپنی مشہور شہری کہیں جو اب "باو خلاف" کے عنوان سے ان کے کلیات نظم نگاری میں شامل ہے، پہلے اس کا نام "آشتی نامہ" تھا۔

اس شہری میں پہلے انہوں نے کچھ تعلق اور چالچی سے کام لیا ہے۔ نکلنے کے سامان عالم و فضل کی تعریف

کی ہے اور پھر اپنی محنتی اور نیکسی کا بیان کر کے ان سے مدد دی اور مہمان نوازی کی درخواست کی ہے۔ پھر کہتے ہیں :
(۱۷)

بر غریباں کہا دو است حق
درنگو نید ماجرائی رفت
میہاں خداے را' انصاف
نک اندر سوسے سے کہ نکند
دلف گفتار را کہ درہم کرد
"ہم عالم" لفظ کہ گفت نخست!
"ہیش" را "ہیشتر" کہ گفت کہ گفت
"سوسے را ہرگز" کہ گفت لفظ!
چوں بد یزد کا اعتراض ظاہر
رشتہ باز پس آپ کہ وار
چوں بد یزد کا معنی من
ہر کہ دیدم' وہ فوفی رفت
از چہ بود کہ ہر صدم خون
نکسودن ہے بیاوریم
از ظم دل ستوہ گردیدم
کہ مندانہ گفتگو کروم
چوں شتیدم کہ نکتہ پروازاں
از من آدودہ اندازاں پانچ
فلت آدودم و جنوں کدم
چند شعروں کے بعد دوسری غزل کی مداف "نہ" پر اعتراض کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

رم اگر نیست' طو چاست حق
از تو در گفتگو خطائی رفت
ناخت از کہ بود رم عاف
بچمن دستخیز دے کہ نکند
بزم اشعار را کہ برہم کرد
پارہ ذیں لفظ کہ گفت نخست!
بد دمن پشتر کہ گفت کہ گفت!
شعر را سر ہر کہ گفت لفظ!
ہرچ غالب نوشتہ است' بجاست
معرض را دمن جواب کہ وار
نہاں نہ خستہ دو سیاہی من
بود لازم براں گرفت' گرفت!
در وہ آگہی قدم خون!
خیرہ بگو اشق ہا درہم!
چوہ پایک کردہ گردیدم!
پارہ در حق نظر دانوم!
قد و امان و الجمن سازاں
چہ نیایش بجاک سودم رخ
خوشن آب و دیدہ خون کرم

زوہ - رائی زوہ - چہ انصاف
 شعلہ در سطر استخوان زوہ است
 پای وحدت بود - اضافت نیست
 در خود سرزشت ہمیں نہ منم
 گوہر راز سلفہ اند چشیں
 ہم ہمیں چاہہ رکت اندھ
 کردہ اندازہ نکلا عیدہ ہا
 ے زوہ - غم زوہ - شراب زوہ
 نقال فقیر قلب ست
 زوہ - غم زوہ - مضمون
 حق بود حق - نہ باطلت کہ ہست
 قزم فیض میرا نہ بیدل
 کہ بدنیماں بدلیتہ دارد
 قدم عاشقی ہوں زوہ -
 یک ہوں قلیل ثاراں نیست
 سر دراز زیں نہ کھپے بود
 راست گویم در آشکار و خفیت
 شعر بیدل - بجز تھن نیست

باوجودے کہ شعر من صافست
 اعتراض آفتاب بھال زوہ است
 زوہ را کسو از حرافت نیست
 واضح طرز میں زش نہ منم
 دیگران نیز گفتہ اند چشیں
 شورش کلام رکت اندھ
 در خود گزارش زوہ ہا
 اکثر از عالم شتاب زوہ
 ے زوہ - فخر - کہ شریب ست!
 چوں برآید انجمن مومش
 دین خود از شش قاعلت کہ ہست
 بچند گل میل ہے ساحل
 از محبت خاکچہ دارد
 "عاشق بیدل" ہوں زوہ
 گرچہ بیدل زائل امراں نیست
 صاحب جاہ و دستگاہے بود
 نہ لطف گفتہ است در خود گفت
 دعوی بندہ دیر دین نیست

اس کے بعد کہتے ہیں کہ میں چند دن کے لئے ایک کام سے یہاں آیا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے جانے کے بعد
 اہل نکلے مجھے اس طرح یاد رکھیں کہ دلی سے ایک یہ وقف آیا تھا جس نے بزرگوں سے بیکار کا جھڑا کھڑا کیا۔ داسے
 برسن کہ میں اپنے وطن کی بدنامی کا باعث بنوں اور جب کوئی مجھے یاد کرے تو کہے: "ٹس کم جہاں پاک

میاں دل است خارا نیست
 پہ زبا نہا لکڑہ است دمن
 گس طوان تخت لونیست
 ہارہا آں کہ ہارہا گوید
 رشک بر شہرت قتلم نیست
 در میان است ہائے ہفتے
 داس ہم از پیش خود نمی گویم
 ہم بری قول و وعدہ چاند
 ہرگز از اصلیں نہد ققیل
 قول دے استا روا نسود
 سہکلی ما دسل ایران است
 دلی و کشور ز ایران نیست

آب ہنگام ام خداو نیست
 دی کہ در پیش گاہ بزم سخن
 کہ فلاں باقیل تید نیست
 خود کے ہارہا چرا گوید
 لطفے از صبت قتلم نیست
 نہ ہوا خواہیے نہ دہشے
 ماش نہ کہ بہ نمی گویم
 مگر آتاں کہ پاری داند
 کہ ز اکل زباں نہد ققیل
 لاجرم اعجاز را نسود
 کاہیں زباں خاص اکل ایران است
 سخن است آفتار پنہاں نیست

اس کے باوجود اگر احباب کو یہ شکایت ہے کہ میں کیوں ققیل کی جودی نہیں کرتا اور اسے اپنا دلیل روا قتلم نہیں کرتا تو جہت نہ فرمائیے:

کلی بہ جادو دی بدہر سر
 زباں نو آہن صفو بہ گدوم
 صاحب و معنی و نظیری را
 طالب و سعی و غفائی را
 آں علوری جان معنی را

کہ چہاں از حزیں بہ ہجوم سر
 دل دہکز امیر بہ گدوم
 دامن از کف کشم چکو نہ بیا
 پردہ سخاں ہستائی را
 خاصہ روح و روان معنی را

ظاہر ہے کہ ان مسلم القیوت اساتذہ اکل زبان کے مقابلے میں ققیل اور اس کے خواہد تاہوں کی کیا حیثیت ہے لیکن اس کے باوجود یہ اضافہ کر کے شہری فتح کر دیتے ہیں:

ختمہ مکتوبے ایچام
 ایک باہر کہ میں دارم
 ی شوم خلیق راہ صلح دلیل
 تا لہار دگر ز من گد
 گفتن کہیں ہوشیاری نیست
 گرچہ ایرافش خواہم گفت
 ایک از من ہزار بار ہے است
 من کف خاک دار سپر بلند
 وصف او حد چوں نے نمود
 مرحبا ساز خوش بیانی او
 نثر ادب نقل طاقس است
 بہ وجود چش شرف بیان
 میں رقصہا کہ ریخت کف طلال
 از من نارسائے چچ ماں
 یو کہ تید عذر خواہی ما
 آشتی ہمد و داد پیام
 مست لائے سونے انیام
 حنج معنی در آستیں دارم
 ی سرایم نوائے صبح قلیل
 رسد از ہر دامن دے سہل
 لیکن والسن اختیار نیست
 سعدی جایش خواہم گفت
 از من و ہجوم ہزار ہے است
 خاک را کے رسد ہے چرخ کند
 صر در خود روز نے نمود
 جزا شور نکتہ دانی او
 انتخاب صراح و قاموس است
 شکوہ دار و ہجم زندہ ستان
 ہونے سطرے زندہ افعال
 معذرت ہمارے ایست زی یادان
 رحم ہما و ہیکلانی ما
 حتم شدہ والسلام و الاحرام

بظاہر اس آشتی نامے سے اہل نکتہ کی ایک شہنی ہوئی اور اس کے بعد کی مخالفت میں وہ شدت نہیں رہی۔ بہر حال جیسا کہ آپ نے دیکھا اس محرکے میں میدان غالب کے ہاتھ رہا۔ انہوں نے جو موقف پہلے دن اختیار کیا تھا اس سے ذرا براہ نہیں ہٹے۔ بحث اس پر چھڑی تھی کہ غالب کے کلام میں قلم ترکیں استعمال ہوتی ہیں جسے معترضین نے ان کے قصص نظم اور قاری سے بلا اذیت پر محمول کرنا چاہا تھا لیکن اہل زبان کے مستند اساتذہ کے کلام سے شہادتیں مل گئیں کہ یہ اعتراض قلم ہے۔

لیکن اس ہنگامے سے ایک دور دوری نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ہمیشہ کے لئے ہندوستانی قاری شعراء اور ادباء کے نکتہ چین بن گئے۔ ان کے نزدیک ان میں سے کوئی بھی قابل اعتبار نہیں۔ ایک حضرت امیر خسرو کو چھوڑ کر وہ زندگی بھر سب کے منکر رہے اور قلم وہ فیضی کو بھی پرے طور پر قابل احترام تسلیم نہیں کرتے تھے۔

اب تک ہمیں غالب کے جو اردو خطوط ملے ہیں ان میں سب سے پرانا خط ۱۸۳۶ء کا ہے (مگرچہ یہ آج تک شائع نہیں ہوا)۔ گویا نکتہ کے اس ہنگامے اور اس خط میں کوئی ۱۸ برس کا وقفہ ہے۔ مطلوبہ خطوں میں بلا مبالغہ تیسہوں جگہ غالب نے قلیل کے (اور اسی ضمن میں دوسرے ہندوستانی قاری گویوں کے) خلاف اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ وہ انہیں "لوہ خن کے غول" اور "کوی کے گمراہ کرنے والے" کہتے ہیں۔ لیکن وہ سب سے زیادہ مخالف قلیل

کے ہیں۔ جہاں بھی موقع ملتا ہے 'وہ اسے نہیں نکلتے' بلکہ ان کے خیال میں ہندوستان میں فارسی کو سب سے زیادہ نقصان قلیل ہی نے پہنچایا۔ اس مخالفت کی بنیاد ہمیں لگتی ہے پڑی۔ چونکہ ان پر اعتراض قلیل کی سند سے کیا گیا تھا اس لئے وہ خاص طور پر اس کے خلاف ہو گئے۔ انھیں قہر اس پر تھا کہ باب نظری و دیگر اساتذہ کرام کے کلام سے اساتذہ پیش کی جاری ہوں تو ان کے مقابلے میں قلیل کی رائے کو وقعت ہی کیوں دی جائے۔ ان کا ایک شعر بھی ہے۔

غالب سوخت جاں را چہ بگلند آری

بدارے کہ نوازد نظری راز قلیل

4:- قاطع برہان کا معرکہ

غالب کی زندگی کا سب سے اہم اور طویل معرکہ ۱۸۳۳ء میں اس وقت شروع ہوا جب انہوں نے اپنی کتاب "قاطع برہان" شائع کی۔ اس کتاب کی داغ بیل پانچ سال پہلے ۱۸۲۸ء میں پڑی تھی۔

۱۸ مئی ۱۸۲۸ء کو میرٹھ چھاتنی میں ہندوستانی فوج نے اپنے فیرنگی انگریز انہوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ پہلے انہوں کو موت کے گھاٹ اتارا، پھر جیل کے دروازے کھول کر بندوں کو آزاد کر دیا۔ یہ گویا ملک گیر بغاوت کا اعلان تھا۔ اسی کو انگریزی مورخوں نے "مرد" کا نام دیا ہے۔

اس باقی سپاہ کے سرحدیے خوب جانتے تھے کہ جب تک دلی کے صاحب اثر لوگ ان کے ساتھ شامل نہیں ہوتے 'ان کا یہ احتمالی اقدام مقامی حالات بن کر رہ جائے گا اور وہ با آسانی کھل کے دکھ دینے جائیں گے۔ لہذا ان میں سے کچھ لوگ راتوں رات ۲۵-۳۰ کلومیٹر کی مسافت طے کر کے اگلی صبح ۱۸ مئی ۱۸۲۸ء کو دلی قلعہ دلی کے دروازے پر پہنچ گئے۔ انہوں نے بہادر شاہ ظفر کو مجبور کیا کہ وہ ان کی کمان اپنے ہاتھ میں لیں اور انگریزوں سے مقابلے میں ان کی قیادت کریں۔ بہادر شاہ جیسا کہ عقیدہ دہلی نے لکھا ہے (۱۸) 'اس یکمیلے میں پڑنا نہیں چاہتے تھے اور اسے اپنے اور اپنے خاندان کے لئے جاد کن اقدام خیال کرتے تھے۔ لیکن وہ مجبور ہو گئے اور انہوں نے پانیوں کی حمایت کی جہاں بحر لی۔ پھر اس کے بعد جو کچھ ہوا 'وہ تاریخ کا حصہ ہے اور ہمارے موضوع سے خارج۔

۱۸ مئی ۱۸۲۸ء سے دلی پر دہلی سپاہ کا قبضہ ہو گیا۔ شرمیں جو انگریز تنظیم تھے 'ان میں سے جو پانیوں کے بہتے چڑھا 'دھچکا کر دیا گیا۔ جیتہ شرم چوڑا کر بھاگ گئے' جسے جہاں جگہ ملی 'اس نے وہاں پناہ لی۔ جن مقامی باشندوں سے متعلق شبہ ہوا کہ یہ انگریزوں کا دوست اور بھائی خواہ ہے 'وہ خاص طور پر پانیوں کا مورد خطاب ہوا۔ نہ اس کے جان و مال محفوظ تھے 'نہ حرمت و ناموس۔ غالب چونکہ نصف صدی سے انگریزوں کے دھیلے طوار رہے تھے 'اس لئے انھیں بجا طور پر اندیشہ تھا کہ کہیں ان کا بھی گھریار نہ لٹ جائے یا یہودی بچے نظر نہ آسم نہیں۔ لہذا انہوں نے آگے لو بھل ہٹا کر او بھل کی کسات پر عمل کیا۔ گھری کی ہار دہاری میں محصور ہو کر بیٹھ رہے۔ احمد ضرورت کے سوائے گھر سے باہر جانا آتا بند کر دیا کہ نہ کوئی انہیں دیکھے 'نہ یہ کسی کی آنکھ میں ٹھکیں۔

لیکن گوشہ نشین ہو جانا جتنا آسان ہے 'بیکار وقت کا اتنا ہی مشکل ہے۔ ہمارے 'ان کی ملائے کی عادت ان کے آؤسے آئی۔ جس شخص سے وہ چٹنے کو کتابیں کرائے پر لیا کرتے تھے۔ وہ تو ان تک پہنچ نہیں سکتا تھا۔ گھر لے

دے کے صرف دو کتابیں تھیں۔ دساتیر اور فارسی لغت کی مشہور کتاب ”برہان قاطع“ مولفہ محمد مصطفیٰ تھیں۔ فرصت کے اوقات میں وہ اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے۔ بلور دیکھنے پر وہ اس میں قدم قدم پر مختلف قسم کے غلطیوں سے دوچار ہوئے۔ وہ کتاب کے حلیے میں اشارات قلمبہ کرتے رہتے، کہیں جہدگی سے معنی کی تصحیح کر دیتے، کہیں اس کی لغت پر کوئی تلافی یا پتلا لکھ دیتے۔ جب وسط ستمبر ۱۸۷۷ء میں شہر میں امن کی صورت قائم ہوئی، دوبارہ رابطہ قائم ہوا، تو کسی نے ان سے فرمائش کی کہ ان حواشی کو یکجا لکھوا لیا جائے تو یہ فارسی کے طلبہ کے لئے مفید ہوں گے۔ چنانچہ تمام حواشی بین الدفتین لکھوا لئے گئے اور ان کے مختلف دستوں نے اس مسودے کو بغرض استظهار دیکھا۔ شہر میں انھیں اسے شائع کرنے کا ارادہ نہیں تھا، لیکن بعد کو انھیں خیال ہوا ہو گا کہ اگر یہ شائع کر دیا جائے۔ پھر میرا پرائیوٹ دعویٰ کہ ہندوستان کے فارسی گو، فلا فہم اور غلط نویس ہیں، پورا ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ کتاب ”قاطع برہان“ کے عنوان سے ۱۸۷۳ء میں مطبع نوکلکھور، کھنٹر سے شائع ہوئی۔ اس میں صرف ۷۷ صفحات ہیں، آخر میں ایک صفحہ کا غلط نام ۹۸ ہے اس کی قیمت ایک روپیہ مقرر ہوئی تھی۔ بعد کو انھوں نے اس میں اضافہ کر کے اسے دوسری مرتبہ ”درفش کاروانی“ کے نام سے ۱۸۷۵ء میں چھپوایا۔ یہ ایڈیشن اکمل الطالع دہلی میں چھپا تھا، اس میں متن کا غلط نام ۱۵۳ صفحات ہیں۔ کتاب کا شائع ہونا تھا کہ ”معتقدان برہان قاطع“ برصغیر اور تھوار میں پکڑ پکڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے، کہ ہیں، یہ کون ہوتا ہے، ایک مشہور و معروف مولفہ لغت پر اعتراض کرنے والا! مولانا حالی لکھتے ہیں: (۱۹)

خلافت کی وجہ ظاہر ہے، تقلید نہ صرف امور مذہبی میں، بلکہ ہر چیز، ہر کام اور ہر علم اور ہر فن میں ایسی ضروری شے ہو گئی ہے کہ تحقیق کا خیال نہ خود کسی کے دل میں خلوت کرتا ہے اور نہ کسی دوسرے کو اس قال سمجھا جاتا ہے کہ سلف کے خلاف کوئی بات زبان پر لائے۔ جو کتاب سود و سود پر پلے کھسی جائیگی ہے وہ دینی منزل کی طرح واجب التسلیم سمجھی جاتی ہے۔ پس مرزا کے اعتراضات برہان قاطع پر کیسے ہی صحیح اور واجب ہوتے ممکن نہ تھا کہ ان کی سختی کے ساتھ خلافت نہ کی جاتی۔

بہر حال بڑا کھسکاں کا دن چلا۔ سب سے پہلی جو کتاب ”قاطع برہان“ کے جواب میں شائع ہوئی، وہ سید سعادت علی کے ”عرق قاطع برہان“ ہے۔ یہ فارسی زبان میں ہے۔ اس میں ۹۱ صفحات ہیں اور یہ ۱۳۸۰ھ (۱۸۷۳ء) میں مولوی امجد علی کے مطبع امجدی، دہلی، شہرہ میں چھپی تھی۔

”عرق قاطع برہان“ کے جواب میں غالب کی حمایت میں تین چیزیں شائع ہوئیں:

۱:- ”دافع برہان“ از سید محمد نجف علی خان۔ ۲۸ صفحات کا مختصر رسالہ ہے۔ یہ ۱۳۸۱ھ (۱۸۷۵ء) میں اکمل الطالع دہلی میں چھپا۔

۲:- ”ملاحک نہیں“ از سیدان دار خان سیاح۔ ۳۱ صفحات کا یہ مختصر رسالہ اردو میں ہے۔ یہ بھی ۱۳۸۱ھ (۱۸۷۵ء) میں اکمل الطالع دہلی میں چھپا تھا۔ اس میں ۲۰ لکھنے ہیں۔ ہر ایک لکھنے عرق قاطع برہان کی کسی عبارت پر مبنی ہے۔ جس میں سید سعادت علی کی عبارت کی بے ربطی، غلطی یا کج فہمی کا مذاق اڑایا گیا ہے۔

۳:- ”سوالات عبدالکریم“ آٹھ صفحے کا یہ اردو رسالہ بھی اکمل الطالع دہلی میں ۱۳۸۱ھ (۱۸۷۵ء) میں چھپا تھا۔ اس میں

مید سعادت علی مصطفیٰ مہرق قاطع بہان سے ۱۱ سوالات پر مجھے لکے ہیں۔ ان کے بعد آخر میں دو سوالوں پر مشتمل ایک فٹنی ہے : (۱) قواعد مقررہ فارسی کے مطابق صیغہ امر کے بعد نحو الف افتادہ معنی ناعلیت کرنا ہے اور ام جادہ کے آگے الف نون منفید معنی جمع ہے۔ الف نون سے معنی فاعل کے لینے کا قصد کرنا ناشی فطرت سے ہے یا نہیں؟ (۲) رواں رداں، افان و فیزاں، یعنی صیغہ ہائے امر کے آگے الف نون ہر آتا ہے، وہ حالیہ کھاتا ہے۔ الف نون حالیہ کے وجود کا منکر مسلمات جسور کا منکر ہے یا نہیں؟ فتوے کے ساتھ محمد سعادت علی، خدا بخش، محمد نصیر الدین، محمد لطیف حسین، محمد فضل اللہ اور نجف علی کے تائیدی جواب ہیں۔ دوسرے سوال کے جواب میں غالب کی تائیدی بھی شامل فٹنی ہے (20)۔

"قاطع بہان" کے جواب میں دوسری کتاب "سالم بہان" تھی۔ اس کے مولف میرزا رحیم بیگ میرظمی تھے۔ ہر اپنے آپ کو لہم بخش سہانی کا شاعر کہتے تھے۔ رحیم پڑھے لکھے آدمی تھے، اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ میرٹھ میں کتب پرچاست تھے۔ اخیر عمر میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے۔ انہوں نے سالم بہان اسی زمانے میں لکھی تھی۔ وہ اظہار کرتے تھے اور کوئی اور شخص اسے لکھتا رہا۔ اس سے ان کے حالات کی قوت اور وسعت معلومہ کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ یہ کتاب "مطلع باغی" میرٹھ میں ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۵ء) میں چھپی۔ ۱۷۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

اس کے جواب میں خود غالب نے ایک خط (اردو میں) مرزا رحیم بیگ کے نام لکھا اور اسے الگ سے چھاپ کر دوستوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ "بارہ غالب" کے عنوان سے ۱۱ سطروں پر ۱۸۷۵ء میں مطلع لکھی (محمد میرزا خان) دہلی میں چھپا تھا۔ اس کے بعد یہ "سور ہندی" میں شامل ہوا اور اب تمام مجموعوں میں ملتا ہے۔

عالمین کی ایسی تحسین نہیں ہوئی تھی۔ ۱۲۸۳ھ (۱۸۶۷ء) میں امین الدین امین دہلوی نے "قاطع القاطع" شائع کی۔ یہ مطلع مصطفیٰ دہلی میں بھیجی، پوری کتاب میں ۳۶۸ صفحات ہیں۔ دراصل "قاطع بہان" کے جواب میں سب سے پہلے یہی کتاب لکھی گئی، اگرچہ یہ شائع بعد کو ہوئی۔ اس کا بارہ تاریخ "فراغ" ہے، جس سے (۱۲۸۸) برآمد ہوتے ہیں اور قواعد مید سعادت علی نے اپنی کتاب "مہرق قاطع بہان" میں اس کا ذکر کیا ہے (ص ۷۳) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کا مسودہ دیکھا تھا۔ کسی وجہ سے یہ کتاب جلد شائع نہ ہو سکی اور مید سعادت علی نے اپنی کتاب پہلے شائع کرا دی۔

اس کتاب (قاطع القاطع) کی زبان اتنی پتلی اور قش ہے کہ غالب نے اسے فکر انداز کر دیا۔ غالب کے جواب میں سب سے وسیع کتاب آغا احمد علی احمد جہانگیر لکھی نے بعنوان "موسم بہان" شائع کی۔ یہ کتاب ۳۶۸ صفحات پر مشتمل ہے اور غائب کے حروف میں مطلع منظر العجائب، کلکتہ میں ۱۲۸۲ھ (۱۸۶۶ء) میں چھپی۔ ایسی کتاب دہلی نہیں پہنچی تھی کہ دوستوں نے کھجکتھے سے غالب کو اس کے بارے میں اطلاع دی، اس پر انہوں نے ۳۱ شعر پر مشتمل ایک قطعہ فارسی زبان میں لکھا۔ یہ بعد کو "مسودہ بہان" میں شامل کیا گیا۔ "موسم بہان" کا جواب غالب نے خود دیا۔ انہوں نے ۳۲ صفحات کا مختصر رسالہ "تجہ جہ" کے نام سے لکھا تھا، ۱۸۷۷ء میں اکمل الطالع دہلی میں چھپا۔ اس میں ۷۱ فصلیں ہیں۔ پہلی ۱۱ میں "موسم بہان" کے اعتراضوں کے جواب اور ان پر اپنے اعتراض ہیں۔ آخری ستر صفحوں

نصل میں "برہان کا طبع" پر مزید اعتراض ہیں۔

"تجلی تیز" کے آخر میں ۲۱ اپنی سوالات کا ایک اختتام ہے۔ ان کے جواب نواب محمد مصطفیٰ خان شیف نے دیے ہیں؟ اور ان کی تائید مولانا حالیؒ، محمد سلوٹ علی خان اور نواب غیاث الدین احمد خان نیر بخش نے کی ہے۔

مولوی احمد علی احمد جاناگیر گمری نے جواب میں "شعبہ تیز تر" شائع کی۔ اس دوران میں میرزا غالب نے "کا طبع برہان" کا دوسرا ایڈیشن "ورنٹس کاروانی" شائع کر دیا تھا۔ اس میں مزید نوادہ اور اعتراضات شامل کئے گئے تھے۔ احمد نے ان اعتراضات کے اور "تجلی تیز" کے مشمولہ ثلث کے جواب دیے۔ کتاب کا نام تاریخی ہے جس سے (۱۸۹۷ء) برآمد ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود کہ کتاب پر تاریخ طباعت ۱۸۹۶ء چھپی ہے، یہ شائع ۱۸۹۶ء میں شائع ہوئی، جیسا کہ اس کی تاریخ طباعت "ترکی دارہ جواب ترکی" سے ظاہر ہے۔ غالب اس کی اشاعت سے پہلے ذی القعدہ ۱۳۸۵ھ میں اپنے خالق حقیقی کے حضور حاضر ہو چکے تھے۔

اس سرے کے دو شانہ نے نکلے۔ غالب نے جب احمد جاناگیر گمری کو مخاطب کر کے اپنا اشار الہ قطعہ لکھا۔ جس کا مطلع تھا:

مولوی احمد علی احمد محض فطرہ و خصوص مشکوئے پارس انشا کردہ است

تو اس کے جواب میں احمد نے ایک قطعہ لکھا اور اپنے ایک شاگرد عبدالصمد فدا سلسلی کے نام سے شائع کر دیا۔ اس کا عنوان: "ہنگامہ دل آشوب" (۱) میں ہے: "و میں قطعہ کہ مولوی احمد علی صاحب بخواب قطعہ حضرت غالب کا شہ از نام عبدالصمد فدا سلسلی شاگرد خود حضرت داد" فدا کے جواب میں غالب کے دو شاگردوں محمد باقر علی باقر آردی اور سید فخر الدین حسین خن نے ایک ایک قطعہ لکھا۔ ان چاروں قطعوں کا مجموعہ "ہنگامہ دل آشوب" کے نام سے مثنوی سنت پر شلو کے مطلع آرا، (خلع شاہ آباد بہار) میں ذی القعدہ ۱۳۸۳ھ (اپریل ۱۸۹۷ء) میں چھپا۔

اس کے بعد عبدالصمد فدا نے (یا خود احمد جاناگیر گمری نے) باقر اور خن کے قطعوں کا جواب لکھا اور اسے پہلے چاروں قطعوں کے ساتھ شامل کر کے "تجلی تیز تر" کے نام سے ۱۳۸۳ھ (۱۸۹۷ء) میں غلام نبی خان کے مطلع نبوی میں چھپ کر شائع کیا۔ اب بواہر تلخ جوہر کھسٹوی (۱۲۱) (شاگرد خالق کرمانی) میدان میں اترے۔ انہوں نے ایک قطعہ لکھا، جو دراصل احمد جاناگیر گمری کی حمایت اور غالب کی مخالفت میں تھا لیکن اس کا اکتدار انہوں نے صاف لفظوں میں رد کیا، "البتہ بین السطو سے ان کا مقصد یہاں ہے۔ فدا کے قطعے (مشمولہ تجلی تیز تر) اور جوہر کے اس قطعے کے جواب میں پھر باقر اور خن نے ایک ایک قطعہ لکھا۔ اسی دوران میں میر آغا علی خن کھسٹوی نے ایک مثنوی مضمون میں غالب کے بعض اشعار پر اعتراضات کئے، جو اووہ اخبار (۲۵ جون ۱۸۹۷ء) میں چھپا۔ خن نے اس کا جواب اردو نثر میں لکھا اور باقر نے فارسی نثر میں۔ ایک اور صاحب محمد امیر امر کھسٹوی نے غالب کی حمایت میں ایک اردو قطعہ اووہ اخبار میں چھپوایا، ان پانچوں قطعوں اور دونوں مثنوی مضامین کا مجموعہ بھی ہنگامہ دل آشوب حصہ دوم کے عنوان سے مولوی ابدال ۱۳۸۳ھ (دسمبر ۱۸۹۷ء) میں مثنوی سنت پر شلو کے مطلع سے شائع ہوا۔

یہ تمام منظومات (محمد امیر) میر کھسٹوی کے قطعے کے علاوہ فارسی میں ہیں اور ان سب کی زمین وہی ہے، جو

غالب کے پہلے قلمی کی قلمی 'انکا کردہ' است 'نکاحا کردہ' است۔

دوسرا شاہانہ وہ مقدمہ ازالہ حیثیت عرفی تھا جو غالب نے قاطع القاطع کے مصنف امین الدین امین دہلوی کے خلاف دائر کیا۔ وہ بنیائے میں ریاست کے عدسے میں مدس تھے۔ سب سے پہلے انہیں نے غالب کا جواب لکھنے کا خیال کیا تھا۔ ان کی کتاب ۱۸۸۷ء میں مکمل ہو گئی تھی، لیکن یہ شارح ۱۸۸۳ء میں ہوئی۔

پہرستی سے انہوں نے اپنی کتاب میں جو زبان استعمال کی وہ کسی سنجیدہ محقق یا علمی موضوع کے شاہانہ شان نہیں تھی۔ اسی لئے غالب نے اسے درخور اعتنا نہ خیال کیا۔ کسی نے ان سے پوچھا: حضرت! آپ نے سب کتابوں کا جواب دیا، لیکن مولوی امین الدین کا جواب نہیں لکھا تو فرمایا: "اگر کوئی گدھا تھارے لات مارے تو کیا تم بھی اس کے لات مارو گے؟"

لیکن بعد کو دوستوں کے کہنے سے یا خود بخود ان کے دل میں خیال آیا کہ مولوی امین الدین کی طویت کو بالکل نظر انداز کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے ۲ دسمبر ۱۸۸۷ء کو اپنی کشفی کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ اس مقدمے میں قلمی عروج الدین بدایونی ان کے وکیل تھے۔ بجائے مقدمہ "قاطع القاطع" کی متعدد ذیل عبادتیں عرضی دہلوی میں پیش کی گئی تھیں:

۳ (کتاب) : باری عبادہ چہ حرکت ناکرئی کردہ است

ایضاً : پیش حاکم وقت وقتہ ذمہ لسانی خویش و انما

۲۳ : امیں خرمینی بعد ازین را بر پشت خود نثار

ایضاً : بہ دشنام پردازم

۲۸ : میان خون شیش غوطہ خورد

۳۴ : کلاں اکبر آبادی دریں جا قسطنیہ کاہرہ

۳۸ : سکی و گردنی ہار ابراسے او بنیاد نند

۵۵ : قصد پایہ کشو آ جوشن بازورد

۶۸ : امیں قبلی

۶۹ : از غراب اکبر آبادیوسے بہ دلی رسید

۷۵ : معترض ازین عظمہ مدحتے دیدہ است

۲۰ فروری ۱۸۸۸ء کی درخواست میں وکیل نے ان پر متعدد ذیل عبادتوں کا اضافہ کیا:

۷۷ : اگر امیں جنس قسمت (۶) را حاکم منصف ی دیدہ یعنی چہ گویم 'گو خوش ی دیدہ

۷۸ : بضاغت خواہد ہمیں ازاد است 'ہر کس را نشان ی دیدہ

۷۹ : معترض عالیہ را چہ اگر رفتہ گر براسے ترکیب مان خوردن گرفتہ باشد

۸۰ : جستن خرس دایاد کردہ است و رقص یوزبہ را بہ اعتبار آوردہ است

۱۷۲ : گوش و بچی چہ انگویم دست خواہد بید ' و زبان بہ قضا خواہد کشید
 ۳۸ : گوش اواز دنا گوش بر کشد یا بہ سور اخل مصلی زہد

عدالت نے فریقین کو اپنے اپنے گواہوں کی فرست پیش کرنے کی ہدایت کی۔ اس پر مدعا علیہ مولوی امین الدین کے وکیل ابہ سائے نے متعدد ذیل اصحاب کی فرست داخل کی:

- ۱- مولوی ضیاء الدین صاحب ' پروفیسر عربی مدرسہ سرکاری
- ۲- مولوی سعید الدین خان صاحب ' استادیور صاحب سیکرٹری اعظم
- ۳- حکیم شمس اللہ خان صاحب

۴- محمد حمید الدین خان صاحب عرف عبدالعظیم صاحب

۵- مولوی ابراہیم صاحب

۶- مولوی محمد حسین صاحب

۷- مولوی قمر الدین صاحب

غالب کی طرف سے پیش کردہ فرست میں ان اصحاب کے نام تھے۔

۱- مولوی مفتی سعادت علی خان صاحب ' مدرس کالج دہلی۔

۲- باشریارسے لال صاحب ' سیکرٹری

۳- مولوی نصیر الدین صاحب ' مدرس مدرسہ دہلی۔

۴- مولوی لطیف حسین صاحب مدرس

۵- مفتی محمد چند صاحب مدرس کالج دہلی۔

دونوں فرستوں پر سرسری نظر رکھا دے گی کہ مدعا علیہ کی فرست کے پہلے دونوں نام ہی غالب کی پوری فرست پر بھاری ہیں۔ اس کا اثر عدالت پر ہوا ہو گا ' وہ ظاہر ہے کیونکہ یہ اصحاب علمی حلقوں میں بہت معروف تھے۔ اس پر حکم یہ ہوا کہ مقدمے کے دوران میں جب مولوی ضیاء الدین صاحب شہادت کے لئے حاضر ہوئے ' تو کسی نے حاکم عدالت کے کان میں کہا کہ مولوی صاحب بڑے معزز آدمی ہیں ' انھیں بیٹھنے کو کرسی ملنا چاہئے۔ عدالت نے یہ مشورہ منظور کر لیا۔ اس کا حاضرین اور فریقین مقدمہ پر کیا اثر ہوا ہو گا ' اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس وقت کے انگریزی اخبار مصلحتاً نہت میں کسی نے احتجاجاً یہ خط بچھوایا:

میں سخت حیران و پریشان ہوں کہ اسسٹنٹ کسٹرنے مولوی ضیاء الدین کو کرسی دنا پر کرسی دی۔ اس رعایت سے غالب کے ساتھ نا انصافی ہوئی۔ وہ سوسائٹی میں نہایت معزز ہیں۔ لفظ نہت گورنر کے دربار میں انھیں مولوی ضیاء الدین سے اونچے درجے پر بٹھایا گیا تھا۔

فریقین کے گواہوں کے بیانات کو تفصیل سے درج کرنا طوالت سے خالی نہیں۔ بطور نمونہ صرف مولوی ضیاء الدین کا بیان جو انہوں نے مدعا علیہ کی صفائی میں دیا ' درج کرتا ہوں۔ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ دوسرے اصحاب نے کیا کیا

کل الفاظ کی ہوں گی۔ میں نے ساتھی اس کتاب کو دیکھا ہے :

ص ۳۳ میں جو عبارت لکھی ہے وہ "محرکت نامکونی" یہ الفاظ کس خاص حرکت پر خصوصیت نہیں رکھتے۔ اس کے معنی ہیں کہ "وہ جو حرکت لائق کرنے کو نہ ہو" لفظ "ضرمت" ہا "جو کھسا ہے" اس کے معنی صرف مارنے کے ہیں " خصوصیت کسی دوسرے معنی پر نہیں رکھتا۔

"زخم لبائی" کے معنی ہیں "زخم اندرونی" یا صدمہ دل۔ احتمال معنی اس کے لوطیاں میں چاہے جو کچھ لے لے " طرز عبارت سے جو کوئی دیکھے گا "وہ معنی اس لفظ کے اور معنی خیال نہیں کر سکتا ہے۔ یہ عبارت بھی نہ قیل ہے نہ ہوا گوئی ہے۔

(سوال وکیل مدعی کا) (جواب) : "زخم" موصوف اور "ضرمت" اس کی صفت ہے۔ "ضرمت" کے معنی کسی نے عقد کے نہیں لئے۔

ص ۲۳ میں لکھا ہے : "خر عسی" خر کے معنی وہ قوف ہیں اور لفظ بیٹی سے عظمت اور بزرگی ہوتی ہے۔ جیسے کہ فرزند صاحب کشتہ دلی میں مارے گئے ہیں۔ ان کی تاریخ وفات میں ایک قطع یہ ہے :

چراں فرزند کشتہ دلی گشتہ مقتل از قتلک ہلا
از قتلک چار میں نہا کہ قر بیٹی نمود . داویلا (22)

"قر بیٹی" ایسا ہے جیسا کہ کلب حسین اور کلب علی۔ چنانچہ والی راہبہ کا نام کلب علی خان ہے معنی کتے علی کے سوال وکیل مدعی : اس عبارت سے کیا مراد ہے؟

جواب : میرے نزدیک کوئی امر تحقیق کا نہیں ہے۔

ص ۲۸ میں جو لکھا ہے کہ "میان خون حیض غوط خورد" یہ صنعت اہرام ہے۔ یہ لحاظ حقیقی معنی کے کسی طرح نہ راست نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کام یہ قوتی سے کرنا اور وہ کام جو نہیں کرنا ہے "یعنی خون حیض کا جتنا نہایت یہ قوتی ہے۔ دوسرے معنی یہ کہ خون حیض کو یہ لحاظ رنگ چٹاک مشابہت شراب سے گویا کثرت شراب۔

سوال وکیل مدعی : اگر آپ کتاب کو دیکھیں تو کیا کہیں گے؟

جواب : لطیف عبارت ہے۔ اس واسطے ہم نہیں گے۔ مگر تحقیق کسی طرح کی اس میں نہیں ہے۔ معنی کا قول ہے راج خون حیض و خرد زہر شد از ہوائے من

خون حیض خوردن کو آیا کرتا ہے۔ اگر مودی نسبت کما جاوے "تو معنی یہ قوتی کے ہیں جیسا کہ حیض الہیال مراد عمل نہیں ہے حیض کے واسطے۔ اس کے معنی عیب اور بہ کوئی کے ہیں۔

ص ۳۸ میں لکھا ہے کہ

گوش لو از بنا گوش برکنند یا بہ سوراخش مطعے زندہ

سوراخش کے شمع کی خمیر بہ موجب قاعدے کے قریب کی طرف ہوتی ہے یعنی بہ طرف کان مطلب یہ ہے کہ "کان" کھولے جاویں "مگر صرف لوامت والے اور معنی بھی کچھ سکتے ہیں۔

ص ۳۲ میں لکھا ہے: "کمال اکبر آبادی" یہ معنی ہے فروش۔ مگر اس شخص کے واسطے جو دائم الخمر ہو، عجیب نہیں ہے، بلکہ مرزا نوشہ کا شاکر وہ شخص مسکھن (23) ہے۔ جو شراب نہ پیئے، اس کے نزدیک عجیب ہے۔ مگر مدی دائم الخمر ہے۔ اس واسطے اس کی نسبت کچھ تعجب نہیں ہے۔

دوسری جگہ لکھا ہے: "بیلی و گردنی ہار ابرائے اولیاء برہنہ" یعنی نہیں ان کے اوپر اور اصل یہی ہے۔ ص ۵۵ میں لکھا ہے کہ "نقد ہایہ کشادہ" یہ کاورد روز مرہ کا ہے کچھ نئی کلام نہیں ہے۔

ص ۶۰ میں ہے "عجبلی" لغوی معنی اس کے یہ ہیں: لڑ چلا۔ ص ۶۱ میں لکھا ہے: "از شراب اکبر آباد پوسے یہ وہلی رسیدہ است" یہ صنعت صنعت ایہام ہے۔ مگر اس جگہ معنی زمین کے بھی اچھی طرح ہو سکتے ہیں۔

ص ۷۰ میں لکھا ہے لفظ "زوی" معنی "اس ازوی" معنی کی ضمیر۔ طرف قریب بھرتی ہے۔ معنی حاصل کی طرف مگر کوئی؟ (قرینہ) کافی نہیں ہے۔

ص ۷۴ میں جو لکھا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ خوب اس کو سزا دینا۔ ص ۱۰۱ میں لکھا ہے لفظ "ازار" اس کے معنی عزی میں چادر کے ہیں۔ مگر ہندی میں پانجام کو کہتے ہیں۔ یہ کتاب فارسی اگر یہ لفظ دیکھا جاوے، تو یہ معنی چادر سمجھا جاوے گا۔

ص ۱۰۲ میں لفظ "غایہ" کا لکھا ہے۔ یہ بھی صنعت ایہام ہے۔ مگر اس مقام پر معنی بیض مرغ کے ہیں۔ ص ۱۰۳ میں جو لکھا ہے، اس کے معنی یہ ہیں (۶) اور ایسے مقام پر یہ عبارت لکھی جاتی ہے کہ جو حرکت بجا طور میں آئی ہو جیسا کہ رقم چلا۔

ص ۱۰۴ میں جو عبارت لکھی ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ حاکم خوب سزا دے گا۔ ص (۳۸) عبارت متنازعہ کو تو ہم لطافت اور خوبی جان کرتے ہیں اور ایسی تحریر میں دشام یا ہنک نہیں سمجھتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ مولوی ضیاء الدین نے یہ بیان دعا علیہ کے وکیل کے مشورے اور ہدایت پر دیا ہو گا۔ دوسرے گواہوں نے بھی انہیں کی تائید کی۔ مقدمہ شیخہ دلاہ اگر یہ اسے کیا مظلوم کہ جو کچھ یہ مولوی صاحبان کہہ رہے ہیں۔ کہیں کچھ صحیح اور درست ہے اور کس حد تک حیلہ اور فریب۔ لیکن غالب فوراً "کچھ گئے کہ وہ ان شہادتوں کی موجودگی میں اپنا دعویٰ ثابت کرنے میں ناکام ہو گئے ہیں۔ اور ہر شے کے بعض حاکم فریقین سے کہہ رہے تھے کہ وہ یہ مقدمہ ختم کریں اور صلح صفائی کر لیں۔ اب جب مقدمے میں کامیابی کی توقع نہ رہی تو انہوں نے ان معذرت کے بیچ بھاڑ کو نصیحت جانا اور مقدمہ واپس لے لیا۔ چنانچہ ان کے وکیل مفتی عزیز الدین نے عدالت میں یہ درخواست پیش کر دی:

جناب عالی

جو کہ مجھ مدعی کا مقدمہ بنام مولوی امین الدین بابت ازلاء عینی حسب منشاء دفعہ ۳۹۹ تعزیرات ہند بعدالمت ہے۔ چنانچہ یہ قضائی چند گراوی روئسائے شر باہم رضا مندی ہوئی۔ اب مجھ کو کچھ دعویٰ بابت

مقدمہ ہائی نہیں 'مقدمہ داخل دفتر ہو جاوے۔

مرضی

مرضی الدین وکیل مدعی ۲۳ مارچ ۱۸۶۸ء

اس پر حکم ہوا:

از پیش گاہ اوبرین صاحب ہماور

مقدمہ خارج اور کفالت داخل دفتر (24)۔ لفظ

مولوی امین الدین کے تمام گواہوں سے میرزا غالب کا بھی ملتا جلتا تھا، لیکن انہوں نے طرم کو پچانے کی خاطر قابل اعتراض فقرہوں کے ایسے سنی کئے جن سے اس پر کوئی الزام قائم نہ ہو اور اس طرح قلبیس سے کام لیا، حالانکہ عبارتیں بھی صاف تھیں اور سیاق و سباق سے طرم کا مدعا بھی بالکل واضح اور عیاں تھا۔ جب مقدمہ ختم ہو گیا تو کسی نے میرزا غالب سے پوچھا: حضرت انہوں نے آپ کے برخلاف شہادت کیوں دی؟ اس پر میرزا نے اپنا قاری کا یہ شعر پڑھا:

ہر چہ در گری 'جز جیس مائل نیست

ہمارہ نیکی من شرافت نیسی است

(یعنی میری نیکی کی وجہ شرافت نیسی ہے کیونکہ ہر شخص اپنی جنس کی طرف مائل ہوتا ہے۔ چونکہ

شرافت نیسی میں میرا کوئی ہم جنس نہیں 'اس لئے کوئی میرا ساتھ نہیں دے گا) (25)۔

لیکن ازالہ حیثیت عدلی کے مقدمے میں کامیابی اور ناکامی تو جانی بات تھی۔ اصلی مسئلہ یہ تھا کہ کیا میرزا نے جو قاطع بیان میں لکھا تھا اور بہان قاطع پر جو اعتراض کئے تھے، وہ حق پر مبنی تھے یا نہیں! تو یہ بعد کی شہادتوں سے ثابت ہو گیا کہ ان کے بیشتر اعتراض درست تھے، 'بے شک' بعض مقالات پر ان سے بھی تسلسل ہوا اور انہوں نے بعد کو ان سے رجوع بھی کر لیا لیکن جیسا کہ مالی نے لکھا ہے (28)۔ فرنگ نامی (مرتبہ رضا قلی خان بدایعت) نے جو میرزا کی وفات کے بعد ان میں چھپی 'ہا بھان کی تائید کی ہے۔ ابھی چند سال ہوئے 'بہان قاطع کا ایک ایڈیشن حیران سے شائع ہوا تھا، اس کے مرتب محمد معین نے بھی بہت جگہ پر میرزا کی تائید کی ہے۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ قاطع بہان کا بنیادی مواد محض میرزا کی یادداشت پر مبنی تھا، جب نہ کوئی کتاب ان کے پاس تھی نہ لغت ہی کا کوئی مجموعہ، تو اس سے ان کی فارسی زبان سے فطری مناسبت کا جو ثبوت ملتا ہے، وہ ناقابل تردید ہے۔

5:- نواب کلب علی خان سے چپقلش

میرزا صاحب دہلہ رامپور نواب یوسف علی خان کے استاد تھے۔ نواب صاحب موصوف کا تخلص ناظم تھا اور یہ بھی غالب کا تجویز کردہ تھا۔ جب تک ناظم زندہ رہے، میرزا صاحب کی ان سے گاڑھی چھنی۔ نواب صاحب نے ان کا ایک سو روپیہ ملانہ وظیفہ مقرر کر دیا تھا، جو انہیں باقاعدہ ہر مہینے ملتا رہا۔ اس کے علاوہ بھی وہ سلوک کرتے رہے۔

عند الضرورت غالب بھی مطالبہ کرنے سے گریز نہ کرتے۔ نواب صاحب نے پیشہ ان کی مدد کی۔ فرض دونوں کے بہت باجگت کے تعلقات تھے۔

نواب یوسف علی خان فردوس مکان کا اپریل ۱۸۸۵ء میں بعد از عہد سرطان انتقال ہو گیا۔ ان کی جگہ ان کے فرزند اکبر نواب کلب علی خان سر اسے مسدود راجد ہوئے۔ نواب کلب علی خان بہت تعلیم یافتہ اور فاضل آدمی تھے۔ اردو اور فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ اردو میں غشی امیر خٹائی سے تلمذ تھا اور فارسی میں مرزا محمد تقی خان سپہر مولف نایع التوازیج سے۔

جب نواب فردوس مکان کا انتقال ہوا تو قدردان غالب کے دل میں اندیشہ گزرا کہ اب مجھے والدی عہد سے استادی کا تعلق تو رہا نہیں، خدا معلوم، میری سو روپے مالانہ کی محکومہ جاری رہتی ہے یا نہیں! بارے "جب انہوں نے نواب فردوس مکان کی قبریت کا خط لکھا تو نواب کلب علی خان نے اس کے جواب میں انہیں یہ اطلاع دی کہ "جو مشاہدہ آپ کا حضرت نواب صاحب قبلہ کے عہد سے مشہور ہے وہ انشاء اللہ بدستور جاری رہے گا۔" اس پر غالب نے اطمینان کی سانس لی۔

اگست ۱۸۸۶ء میں نواب کلب علی خان نے اپنے دیرینہ مصاحب اور دوست مولوی محمد عثمان خان بہادر دارالہمام ریاست کی شرح قصائد بدرہاچ پر تقریر لکھی۔ چونکہ یہ تقریر فارسی میں تھی، انہوں نے اسے بالخصوص اصلاح غالب کے پاس بھیجا۔

غالب کا بعد از انتقالی فارسی نویسوں کے بارے میں ہر رویہ تھا اور وہ ان کی فارسی کو جس نظر سے دیکھتے تھے اس سے متعلق کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے۔ مثلاً "ایک جگہ انہوں نے "رنگ اورنگ بانی" لکھا تھا۔ میرزا صاحب نے "اورنگ" کی جگہ "ارنگ" بنا دیا۔ ایک اور جگہ "آشیاں چیدن" استعمال ہوا تھا۔ میرزا صاحب نے کہا کہ یہ لفظ ہے اس کی جگہ "آشیاں بستن" یا "آشیاں ساختن" چاہئے۔ جب یہ تقریر نواب صاحب موصوف کے پاس واپس پہنچی تو انہوں نے میرزا کو لکھا (27) کہ

نیرنگان خام کہ در تحریر معانی شعر عربی ویم متحقق لفظ ارنگ و اورنگ گوہر ہار گردیدہ، بر خاطر انخاص فردوش ہر آئینہ حق و محتجب مہلو کہ آکڑ باک رجایان علم تحت ارنگ و اورنگ را بمعنی واحد چداشت احد و عامہ مفران کلام شیرازی مشار "آشیاں چیدن" را مرادف "آشیاں بستن" نداشت چنانچہ نظیر ہر کئے لطیف خبری ہمارہ ہذاست، بمطالعہ خواہ رسید۔ مع ہذا اگر طبع آں استاد زبان بہ ترقیم الفاظ بلا فی الجملہ لغوی داشت بحضرت حوالہ قلم نرانیہ کہ مبعوث عند را از تقریر اصلاح شدہ چہ نسیاست خود کو سازم زیرا کہ مرا اذان مشفق واسطہ تلمذ بودہ است نہ از عربی و دیگران۔ اما نظیرے بختر گزشتہ است، صرف رائے الطالع بہ تصدیق ہذا مندرج گردید۔

نواب صاحب نے یہ خط بہت توجہ اور ضبط سے لکھا ہے۔ لیکن اس میں ہر انہوں نے کہا کہ "مرا اذان مشفق واسطہ تلمذ بودہ است" چونکہ یہ بات خلاف واقع تھی، اس سے میرزا کو دھوکا ہوا اور انہوں نے حسب عادت

میں نے جس طرح سے غور وبحث کیا ہے، یہ اس قسم کی بات پر مبنی ہے، جو اظہارِ آئیں کا مجموعی، انہوں میں مضمر ہے (میں وہ افسانہ خدا معلوم، پتیل کی نئے ہند کے اسے اس طرح تبدیل کر دیا، جیسے آئینہ نے دریا کیا ہے، یا آزاد نے خواجہ گل کے کام پر مضمر دلی ہے۔

۶۔ یادگار غالب، ۱۹۳۵ء

۷۔ یادگار غالب

۸۔ یادگار غالب

۱۰۔ غزلوں کا مجموعہ (تقریباً ۱۹۲۰ء) (مطبوعہ نول، کتب خانہ، لاہور)

۱۱۔ قافیہ بہانہ و رسائی حلقہ (مجموعہ قافییہ میراجیور)، ۱۹۳۵ء (پتیل کے ۱۹۳۵ء)

۱۲۔ کلیاتِ فارسی نثر (غالب، مدہ نام اور علی شاہ) (غزلوں کا مجموعہ، ۱۹۳۵ء) (پتیل کے ۱۹۳۵ء)

۱۳۔ یادگار غالب، ۱۹۳۵ء

۱۴۔ غالب، ۱۹۳۵ء (پتیل کے آزاد اور ۱۹۳۵ء)

۱۵۔ غزلتِ آفاقہ، ۱ (پتیل کے)

۱۶۔ کلیاتِ نثر فارسی (غالب)، مدہ

۱۷۔ یہاں جس میں اس نے کئی کے مطابق درج ہے جو "گلِ رحمت" (غالب) مجموعہ میراجیور، ۱۹۳۵ء (پتیل کے ۱۹۳۵ء) میں شامل ہے۔ جسے نزدیک یہ اس مثنوی کی اولیٰ دو عبارت ہے۔ پتیل کو انہوں نے بعض الفاظ کے حذف و اضافہ اور الفاظ کے تبدیلی سے اسے اس طرح کر دیا جیسے یہ اب متداول کلیات پر مبنی ہے۔ تاہم یہ کہ اصل نثر کے سامنے یہ اس شکل میں پیش کی گئی ہو گی، جسے "گلِ رحمت" میں بھی ہے۔

۱۸۔ داستانِ نور، ۱۹۳۵ء

۱۹۔ یادگار غالب، ۱۹۳۵ء

۲۰۔ اگرچہ یہ کتاب "گل" پر مبنی اور غالی سوانح کا اور "مجموعہ میراجیور" پر مبنی ہے، تاہم پتیل نے یہاں "گل" میں شامل تمام قوافی میں پر مبنی کیا کہ وہ دونوں دماغ سے غالب نے کئی اور دو سطروں کے نام سے شائع کر دیئے (پتیل کے یادگار غالب، ۱۹۳۵ء) (پتیل کے ۱۹۳۵ء)

۲۱۔ خواجہ گل میراجیور، غالب کے ایک شاعر کا بھی نام ہے، لیکن وہ پہلی ہے، جو دو مرتبہ صاحبِ کتب کے رہنے والے تھے۔

۲۲۔ دیکھ کر میراجیور ۱۹۳۵ء (مثنوی کی تفسیر، ۱۹۳۵ء) "گل" اور آزاد اس صورت سے یہ آئینہ برآمد نہیں ہوئی۔

۲۳۔ میراجیور، ۱۹۳۵ء

۲۴۔ اس حصے کی میراجیور کی پہلی سوانح اور کے شاعر میراجیور میں شائع ہوئی تھی۔ وہیں سے میراجیور "مجموعہ غالب" پر مبنی ہے۔ میراجیور نے اسے اپنے ہاں لے لیا (اس میں میراجیور) اگرچہ اصلی نثر کی بھی کئی عبارت ہے، میراجیور نے مثنوی ہے، لیکن ان دونوں جہوں میں اصل مثنوی سے بھی اختلاف ہے کہیں کہیں عبارت جڑوں کی ہے۔ لیکن یہاں ایک نہ چھٹے کے باعث کچھ کچھ کے ہیں، یہاں اس طرح لکھا گیا ہے، یہ اصلی نثر پر مبنی ہے۔

۲۵۔ یادگار غالب، ۱۹۳۵ء

۲۶۔ یادگار غالب، ۱۹۳۵ء

۲۷۔ مثنوی، غالب، میراجیور (میراجیور، ۱۹۳۵ء)

۲۸۔ مثنوی، غالب، ۱۹۳۵ء (میراجیور)

۲۹۔ مثنوی، غالب، ۱۹۳۵ء (میراجیور)

۳۰۔ مثنوی، غالب، ۱۹۳۵ء (میراجیور)

۳۱۔ مثنوی، غالب، ۱۹۳۵ء (میراجیور)

۳۲۔ میراجیور، ۱۹۳۵ء (میراجیور) "مثنوی، ۱۹۳۵ء" (غالب) (میراجیور) (میراجیور) (میراجیور)





شہابِ پائے

قدرت اللہ شہاب کے غیر مطبوعہ خطوط کا مجموعہ

ترتبہ:
تسلیم احمد تصوّر

سورج پبلشنگ بورڈ لاہور



کلامِ غالب کے تراجم

پروفیسر گل احمد سرور

غالب کی اردو شاعری کے انگریزی تراجم

اب تک غالب کی اردو شاعری کے جن تراجم تک میری دسترس ہوئی ہے، وہ حسب ذیل ہیں۔ یہ سب اردو کے بعد کے ہیں اور زیادہ تر غالب صدی کے موقع پر سامنے آئے۔ میری تلاش جاری ہے۔ اس لئے اس مختصر مقالے میں صرف انہیں تراجم پر بات ہوگی، مکمل جائزہ بعد میں ہو سکے گا۔

پہلا ترجمہ جیالال کول کا ہے یہ کشمیر کے ایک ممتاز ادیب ہیں اور انگریزی کے استاد رہے ہیں۔ اردو سے انہی

طرح واقف ہیں۔ ان کی کتاب کا نام معنی خیز ہے، یعنی غالب کی ترجمانی OF GHALIB INTERPRETATIONS کتاب پر مولانا آزاد کا مختصر پیش لفظ ہے اور یہ ۱۹۵۵ء میں چھپی ہے۔ دراصل یہ ترجمے

میں ہیں۔ کول نے یہ محسوس کیا کہ صرف ترجمے سے اصل کی روح تک رسائی نہ ہو سکے گی۔ اس لئے انہوں نے خیال کو واضح کرنے کے لئے اپنی طرف سے بہت کچھ اضافہ کیا ہے۔ مگر آخر میں اصل شعر کا ترجمہ بھی ضرور کیا ہے۔

ترجمے کی زبان صاف اور رواں ہے اس لئے غالب کے خیال اور اس کے سیاق و سباق تک رسائی ہو جاتی ہے۔ مولانا آزاد کے مختصر پیش لفظ میں کئی اہم اشارے ہیں۔ مولانا نے مشرقی زبان کی شاعری کو ایک مغربی زبان کا جامہ پہنانے کی

تکفل کی طرف توجہ دلائی ہے۔ پھر فرمایا ہے "ہر زبان کی شاعری اپنے شاعرانہ تخیل کی ایک مخصوص دنیا رکھتی ہے۔

لفظوں کا ترجمہ کر دیا جاسکتا ہے۔ لیکن وہ دنیا ترجمہ کی پکڑ میں نہیں آسکتی۔ لیکن باوجود ان مشکلات کے چننے کی

اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوئے ہیں۔ انہوں نے مرزا غالب کے تین سو چھیتر شعر ترجمے کے لئے منتخب

کئے تھے۔ ان سب کو انہوں نے انگریزی کا لباس پہنا دیا ہے اور اس طرح پہنایا ہے کہ اس نئی وضع میں کسی طرح کی

ادبیت اور غیر ادبیت محسوس نہیں ہوتی اور ترجمے کی ہڈی سے ہڈی کامیابی کی ہے۔" کتاب میں ایک تمبیہ کے

علاوہ سوال 'فن' 'زندگی' 'صحت' 'یاد' اور 'مردگی' اور عجم سوالات کے تحت اشعار کا ترجمہ اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ

غالب کے پورے خیال کی وضاحت ہو گئی ہے۔ لفظی ترجمے پر اصرار کرنے والوں کے نزدیک یہ کوشش ترجمے کے

ذیل میں آتی ہی نہیں مگر میرے نزدیک غالب کے فکر و فن کی ترجمانی کی یہ کوشش پھر بھی قابل قدر ہے۔ کول نے

ترجمے کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ تخیل کی شاعری ترجم کی شاعری کے مقابلے میں ترجمے کے لئے زیادہ

موادوں ہے۔ جہاں انہوں نے منظوم ترجمے کئے ہیں وہاں قافیے کا احترام بھی رکھا ہے۔ لیکن ان کے پہلے شعر کے ترجمے

کے لئے پہلے انہوں نے اٹھارہ سطروں میں انسان کے سوال کرنے کی عادت کا ذکر کیا ہے اور پھر شعر کا ترجمہ اس طرح

کیا ہے۔

TO ME ALL CREATION IS AN INTERROGATION ALL OBJECTS QUERY MARKS, SYMBOLS OF
WAILING AND CAMEANTATION, QUESTIONING THE WISDOM OF THE CREATION.

ایک اور شعر:-

ہوس کو ہے نکلا کار کیا کیا
نہ ہو مہا تو جینے کا مڑا کیا
کے ترے میں پہلے پانچ سطریں مسکے کی وضاحت کے لئے ہیں بھر یہ آزاد ترجمہ ہے۔

HOW MANY HOPES AND DESIRES JESTLE IN MANS BREST AND CROWD WITHIN THE
BREST OF HIS LIFE;

ایک اور ناکندہ شعر کے ترے میں میرے نزدیک غالب کے فکر و فن کی اچھی ترجمانی ہے۔ شعر یہ ہے:-
شوق ہے سلطان طراز ٹاڑی ارباب ہجر
زہ صبرا دست گاہ و قطرہ دریا آشنا
اس کا ترجمہ صرف چار سطروں میں ہے اور منظوم ہے۔ قافیے کا التزام بھی ہے۔

DESIRE INSPIRES THE EDWARD HEART WITH VALIANT ASPIRATION;
DESIRE DRIVES THE LITTLE DROP OF WATER, TOWARDS THE OCEAN;
DESIRE NERVES THE HUMBLE MAN TO SHOOT HIGH AT A STAR.
DESIRE BLOWS A SPECK OF DUST TO DESERT SANDS AFAR

پر قافیہ مثل ایک مضمون قصیدے کے ایک مطلع کی ہے جس کے ترے میں پہلے چار سطروں کا مقدمہ ہے ہجر
آزاد ترجمہ:-

دہر 2 جلوہ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خودی

HEDEST THOU NOT WISHED TOSEE THE SELF IN THE CREATIONS MAGIC MIRROR
HELD NOT BE HERE TO WONDE AT IT " IT IS THE BEAUTY SEEN BY THEE "
AND YET NOT KNOWN FOR THINE

کمال کی ترجمانی کو طواہ ترجمہ کہا جائے یا نہیں ' یہ واقعی ایک قابل قدر کوشش ہے۔ کمال اکثر غالب کی فکر و فن
کی مدح تک پہنچ گئے ہیں۔ اشعار کی درجہ بندی میں بھی ایک ہوش مندی ملتی ہے۔ ان کی انگریزی کچھ قدامت رکھتی
ہے مگر اپنے قصہ میں کامیاب ہے۔

'' سری اہم کوشش جس کا ذکر ضروری ہے ' احمد علی کے ہے جو 1919ء میں دہلی کے مشرقی علوم کے ادارے کی
طرف منظر عام پر آئی۔ اس کا نام 'غالب کی منتخب نظمیں' ترجمہ مع قصیدہ

GHALIB SELECTED POEMS, TRANSLATED WITH AN INTRODUCTION BY AHMAO ALI

امیر علی انگریزی کے بہت ممتاز معلم رہے ہیں۔ ترجمے میں ان کی مہارت مسلم ہے۔ انہوں نے پانچ جلدوں میں اردو اشعار کا اردو 'اظہاری' اور لسانی اندیشہ 'بلبل اور نگاہ' کے نام سے اردو شعراء کے انتخاب کا ترجمہ اور ارض آتھیں کے نام سے اردو نیشیں شاعری کا ترجمہ اس سے پہلے شائع کیا تھا۔ غالب کا انتخاب نسخہ جدید سے کیا گیا ہے صرف دو شعر نسخہ مرثی سے لئے گئے ہیں۔ انتخاب میں ابتدائی شاعری کی خاصی نمائندگی ہے۔ ۳۳ غزلوں کے پانچ یا اس سے زیادہ اشعار ہیں۔ ایک مشہور قصیدے کی تفسیر پوری لے لی ہے۔ کل اشعار کی تعداد ۲۸۸ ہے۔ میں سنیے کی قصید میں غالب کے فکر و فن کی خصوصیات کا بہت طوطی سے جائزہ لیا گیا ہے اور جا بجا اشعار کے تراجم سے اپنی بات کو واضح کیا گیا ہے۔ ان کی زبان کوئل کی زبان سے زیادہ جدید اور جاندار ہے۔ بلاشبہ اسے غالب کا بہت کامیاب ترجمہ کہا جاسکتا ہے۔ انہوں نے اس کا بھی التزام کیا ہے کہ ترجمہ فکر و فن دونوں کی ترجمانی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ لفظی اور مطابق اصل ہو۔ چند مثالوں سے یہ بات واضح ہو جائے گی۔ دیکھو ان کے پہلے شعر کا ترجمہ یہ ہے۔

OF WHOSE GAY WORK MANSHIP DOES THE PAINTING COMPLAIN THAT EVERY PORTRAIT WEARS A PAPER DRESS

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا کا ترجمہ اس طرح ہے۔

AMBITION IS BUSY WEAVING DREAMS OF HAPPINESS YET THERE IS DEATH WITHOUT WHICH LIFE WOULD SO DULL IT SELF

دہر: جلوہ بیکاری مشوق نہیں کا ترجمہ یوں ہے۔

THE WORLD IS FULL OF THE EFFULGENCE OF THE ONE-NESS OF THE WILL, BELOVED; WHERE WORLD WE BE IF BEAUTY DID NOT POSSESS SELF LOVE,

اس ترجمے میں مجھے خود غی کے ترجمے کے لئے POSSESS SELF LOVE کنوار معلوم ہوتا ہے اس کی بجائے شاید SELF REGARDING بہتر ہوگا۔ ان دو اشعار کے ترجمے میں امیر علی بہت کامیاب ہیں۔

نہ گل نظر ہوں نہ پردہ ساز میں ہوں اپنی فکر کی آواز
تو اور آرائش فم کا گل میں اور اندیشہ ہائے دور دراز

I AM NEITHER SOUND WITHIN THE SONG NOR TUNE WITHIN THE MELODY; THE VOICE OF MY OWN DEFEAT AM WHILE YOU ARE BUSY ARRANGING THE CURLS AND LOCKS OF YOUR HAIR I AM LOST IN FAR AWAY THOUGHTS AND OTHER CARES

غالب کے شعر میں اندیشہ خیال کے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے لایا گیا ہے۔ اس لئے امیر علی کا FAR AWAY THOUGHTS کے بعد لایا سمجھ میں آتا ہے پھر بھی شاید FAR AWAY CARES کافی تھا۔

ایک شعر کا ترجمہ بھی قابلِ توجہ ہے۔

درد و حرم آئینہ عکسِ قضا
دامِ مرغی شوق تراشے ہے پتلیں

WEARIED, DESIRE INVENTS AND SEEKS REFUGE IN TEMPLE AND MOSQUE,
MERE REFLECTIONS IN THE MIRROR, HOPES, IMAGES MULTIPLIED

ایک مثال اور علامہ فرمایا ہے۔ شعر ہے۔

میری حقیر میں منظر ہے اک صورتِ قرابی کی
یہوایا برقِ غم سے کا ہے خونِ مہر

ترجمہ نقلی ہوتے ہوئے شعریت رکھتا ہے۔

IN MY CONSTRUCTION LIES CONCEALED A FORM OF RUIN THE LIGHTNINGS,
FLASH THAT STRIKES THE GRAIN- FILLED GRANARY IS THE BURNING BLOOD
OF THE PEASANTARY

مجھے یہاں صرف لفظ CONSTRUCTION پر اعتراض ہے۔ MAKE-UP یا MAKING شاید بہتر ہو تاکہ
میں نے ترجموں کے ہر انتخاب دیکھے ہیں ان میں سے کسی میں سوائے امر علی کے انتخاب کے میر کی زمین میں وہ غزل
ضمیمہ کی گئی جس کا مطلع یہ ہے۔

دشمنی میں میاں نے ہم دم غلوں کو کیا دام کیا
دشمنہ چاکِ بےبند دیدہ صرف نقاشِ دام کیا

انگریزی ترجمہ یہ ہے۔

HOW THE WANTON HUNTER TAMED US THE AFFLICTED,
ASSUMING THE FORM OF A WILD BEAUTY,
USING THE THRED FROM THE LOVERS RENT
TATTERED HEART TH WENVE THE SNARES . MESH

۱۹۶۹ء میں ایک اور اہم ترجمہ سامنے آیا۔ یہ پروفیسر مجیب کا ہے۔ ہر ساریت انگریزی نے ہندوستانی لوب کے
معادلوں کے سلسلے میں شائع کیا ہے۔ اسی صفحے کی اس کتاب میں ۳۸ صفحات کا تعارف ہے جس میں مختصر 'اولی
ردایت اور غالب' بہ حیثیت شاعر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ایک صفحہ تراجم کی توصیف پر ہے۔ ۲۸ صفحے تراجم کے لئے
دفع ہیں باقی دو صفحے حوالوں اور منتخب، بلوگرانی کے لئے ہیں اشعار کی تعداد ۳۴۰ ہے۔ ترجمے کے لئے اشعار کے
انتخاب کے سلسلے میں مجیب کا کہنا یہ ہے کہ غالب کے ہر اشعار زیادہ مشہور ہیں ان میں ذاتِ زمان کا حسن ہے یا مدائنی
ہذبات کا ایک چونکا دینے والے انداز میں بیان ہے۔ اس لئے انہیں یہ زیادہ مناسب معلوم ہوا کہ زیادہ مشہور اشعار

کے بجائے ایسے اشعار کا ترجمہ کیا جائے جن میں فکر اور الجھری کی زیادہ اہمیت ہے۔ چنانچہ بیشتر غزلیں اور اشعار ابتدائی دور سے لئے گئے ہیں۔ عجب نے اشعار موضوعِ کلیت اور چکر کے لحاظ سے انتخاب کئے ہیں اس انتخاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ غالب کی ابتدائی دور کی ایک فزل سے شروع ہوتا ہے جسے عجب نے یہ کہا ہے اور اس کے حلق یہ رائے بھی ظاہر کی ہے کہ "اس کا جواب مجھے کسی اور زبان میں نہیں ملتا ہے۔" اس کے پہلے اور آخری شعر کے ترجمے سے بات واضح ہو جائے گی۔ مطلع یہ ہے۔

گدائے طاقت تقریب ہے زباں تھم سے کہ خامشی کو ہے جواب وہاں تھم سے
مقطع اسد ظلم نفس میں وہے قیامت ہے غرام تھم سے 'مبا تھم سے' گھستان تھم سے

THE TONGUE MUST BEG THEE FOR THE OF SPEECH

FOR SILENCE HAS ITS WAY TO CATCH THY EAR

SAD AND BEYOND BELIFE.

AGAD SHOULD BE AS IN A MAGIC CAGE CONFINED

WHEN GRACE OF MOVEMENT, GARDEN MORING BREEZE

ARE THINE TO GIVE

AND BEYOND BELIFE کے لئے "قیامت ہے" کے لئے

SAD کے بجائے IT IS TERRIBLE شاید بہتر ہوگا۔

ابتدائی دور کے ایک اور شعر کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔ شعر ہے۔

اسد! کے سوائے سرہیزی سے ہے تسلیم دیکھیں تو
کہ گفتِ تنگ اس کا ابر ہے پودا اغرام اس کا

ترجمہ۔

MORE THRILLING THAN WILD DREAMS OF

PASTURES GREEN IS RESIGNATION TO THE WILL

OF GOD HIS ARE THE FIELDS THIRSTING FOR

RAIN AND HIS

THE CAREFREE RAIN-CLOUDS FULLY AWAY

غالب کے اسی شعر کا بیجا دل کوں کا ترجمہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ عجب کی کوشش بھی دیکھئے۔ شعر۔

شوق ہے سہاں طرازِ تازشِ اربابِ مجر
ذرا صحرِ دنگار و قطروں دریا آشنا

LOVES PASSION TO THE LOVELY GIVES

MEANS TO HALT THEMSELVES

نہ مکمل نغمہ ہوں نہ پردہ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز
کہ یہ ترجمہ بھی میرے نزدیک قابلِ قدر ہے کہ اسے لفظی نہیں کہا جا سکے۔

I AM NOT MELODY BURSTING LIKE A FLOWER FOR A STRING WITH
TUNES REPLETE I AM A CHORD THAT HAS JUST SNAPPED SOUND OF
MY OWN DEFEAT.

غالب کے اس شعر کا ترجمہ بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ گو اس میں شعر کی کیفیت نہیں آ پائی۔

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یا رب
میں نے دشتِ امکان کو ایک نقش پا پایا

WHERE IS SOARING DESIRE TO SET ITS OTHER FOOT, O GOD
THE IMPRINT OF ONE FOOT HAS COVERED THIS DESERT OF A WORLD

محب نے اپنے انتخاب میں غالب کی پہلی غزل کا صرف یہ شعر رکھا ہے۔ حقیقت گہرا ل نے غالب کی
تصویر بناتے وقت اس شعر کو اپنے پسندیدہ اشعار میں شمار کیا تھا۔

ہندو ہے اختیارِ شوق دیکھا جائے
ہندو شمشیر سے باز ہے دمِ شمشیر کا

محب کا ترجمہ واقعی قابلِ تحریف ہے۔

BEHOLD HOW PASSIONS, UPSURGE MAKES ALL CREATION REEL
THE KEENNESS OF THE SWORD BURSTS FROM ITS BREAST OF STEEL

کیس کیس محب نے ترے میں اپنی طرف سے اتفاق جمائے بھی ہیں۔ اس طرح مطلب تو اور واضح ہو گیا مگر
ترجمہ قریح ہو گیا۔ یہ شعر دیکھئے۔

مگر تم کو ہے یقینِ اہابت دعا نہ مانگ
یعنی بطورِ یک دل ہے دعا نہ مانگ

ترجمہ۔

IF YOU HAVE FAITH THAT GOD WILL
GRANT YOUR PRAYER
THEN DO NOT ASK FOR ANY THING AT ALL,
AND IF YOU DO, ASK ONLY FOR A HEART

THAT HAS NO FEAR, NO AIM AND NO DESIRE

یہاں THAT HAS NO DESIRE کافی قدامت

چوتھا ترجمہ پہلے تین ترجموں سے زیادہ جامع ہے۔ یہ ڈاکٹر محمد یوسف حسین نے کیا ہے اور غالب انشلی ٹیوٹ ہی دہلی کی طرف سے ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا۔ غزلوں کی ترتیب نسخہء مرثیہ نقیض طائی کے مطابق ہے۔ نیز نسخہء حیدر کے منتخب اشعار اردوئے معلیٰ کے خطوط اور جاسطی طائی کے چند منتخب اشعار کا بھی ترجمہ ہے، بقول نگار عابدہ احمد اس میں سترہ سو سے زیادہ اشعار کا ترجمہ ہے۔ ترجمے کے سلسلے میں یوسف صاحب کا کہنا یہ ہے کہ ہمیں نے غالب کے الفاظ کا صحیح ترجمہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے، نہ کچھ چھوڑا ہے نہ کچھ بڑھایا ہے۔ سوائے ایسے مقامات کے جہاں قاتل قسم ہونے کے لئے اس کی ضرورت تھی۔ "اس کے بعد انہوں نے نثر یا نظم کے ترجمے کی بات بھیجی ہے۔ ان کے نزدیک نثر میں شاعری کا فطری مواد تو باقی رہ جائے گا مگر اصل کا جامہ دیکھنا غالب ہو جائے گا۔ یوسف صاحب نے قافیہ RHYME کو چھوڑ کر RHYTHAM کو برتنے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ آہنگ کے ذریعے سے ہی ہند ہے کی ترتیبی ہو سکتی ہے۔ انہوں نے سولت کے لئے دو مصرعوں کا چار سطروں میں ترجمہ کیا ہے۔ کوئی خاص اثر اختیار نہیں کی ہے۔ لیکن فطری ہلکا کا احترام رکھا ہے۔ چوتھیں صفحے کی حیدر پیش لفظ کے بعد ہے، "میں میں غالب کی شاعری کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ آخر میں وہ تمام اشعار دیئے گئے ہیں جن کا ترجمہ ہوا ہے۔ ترجمے کی غلطی یا غلطی کا اندازہ حسب ذیل مثالوں سے ہو گا۔

دیوان کے پہلے شعر کا ترجمہ یہ ہے۔

AGAINST WHOSE COQUESTTISH ART

IS THE PICTURE A COMPLAINANT

EACH IMAGE ROBED IN PAPER

LAYS CHARGE TO ITS CREATOR

ترجمہ لفظی ضرور ہے، مگر COQUESTTISH شوقی تحریر کا اچھا ترجمہ نہیں۔ اسی طرح آخری سطر کی زبان کمزور ہے۔ لیکن ایک اور مشہور شعر۔ ہند، وہ ہے اختیار شوق کا ترجمہ مجھے بہت بحر معلوم ہوا۔

THE INTENSITY OF PASSION BEYOND CONTROL

IS A SIGHT WORTH SEEING

THE SWORDS, HARD CUSTRE

SHINES SWORDS, HARD LUSTRE

SHINES BEYOND THE SWORD

گم یہ عجب کے ترجمے کو میں پہنچا

شوقی ہے سلاطین طراز

LOVE PROVIDES THE NECESSARY MEANS

FOR THE EXALTATION OF THE HUMBLE
EACH PARTICLE IS A POTENTIAL DESERT
EACH DROP OF WATER TO THE SEA IS FRIEND

یہاں بھی ترجمہ لفظی ہے، مگر آخری سطر ٹھکنی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ صرف لفظی ترجمے میں اکثر شعریات قائب ہو جاتی ہے اس لئے یہاں چھوٹے دگر کی بھی ضرورت مسلم ہے۔
ایک اور مشہور غزل کے ان دو اشعار کا ترجمہ دیکھئے۔

نہ گل لعل نہ پردہ ساز میں ہوں اپنی شکست کی آواز
تو اور نہ آرائش خم کاکل میں اور اندیشہ ہائے دور وراز

NEITHER THE BLOSSOMING OF SONG

THOU ART BUSY

NOR THE NOTE OF MELODY, AM I

EMBELLISHING THY CURIS

I AM NOTHING BUT THE SOUND

I AM FILLED WITH APPREHENSIONS

OF MY OWN HEARTS, BREAKING

OF THE FAR AND NEAR

پہلے شعر کا ترجمہ ہیں تو مناسب ہے مگر شکست کے لئے ایک لفظ لانا چاہئے تھا
کی ضرورت نہ تھی۔ دل کا تو شعر میں کہیں ذکر ہی نہیں ہے۔ ہاں دو سرے شعر کا ترجمہ بے صیغہ ہے۔ اگرچہ اندیشہ ہائے دور وراز کی پہلو داری پوری طرح متعلل نہیں ہوئی۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ بیب کے علاوہ یوسف حسین علی نے بھی گدائے طاقت تقریر ہے۔ وہاں تجھ سے احتساب کیا ہے۔ اس کا ترجمہ دیکھئے۔

THE TONGUE IS BEGGING

THE POWER OF SPEECH FROM THEE

AND SILENCE HAS ITS OWN WAY

OF COMMUNICATION FROM THEE

متعلق کا ترجمہ بھی دیکھئے۔

HOW SAD THAT IN THE SPRING SEASON

ASAD IS CONFINED IN ONE CORNER

OPAN ENCHONTEG CAGE

WHEN THE GRACE FULL WALK, THE FLOWER GARDEN

AND THE GENTLE BREEZE ARE ALL FROM THEE

یہاں بھی قیامت کا ترجمہ HOW SAD قیامت کی قامت پر موزوں نہیں ہے۔

یوسف حسین نے صرف غالب کے اردو اشعار کا ترجمہ ہی نہیں کیا، انہوں نے غالب کے منتخب فارسی اشعار کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ ان کا یہ امتیاز بہر حال لائق ستائش ہے۔

۱۹۷۷ء میں چودھری محمد نعیم نے غالب کے منتخب اشعار کا ترجمہ WRITERS WORKSHOP

CALCUTTA سے شائع کیا۔ اس ترجمے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اسٹیکل برنس شاکی مشہور کتاب SELF

THE POEM IT کا نتیجہ کیا گیا ہے۔ شروع میں چودھری محمد نعیم نے کہا ہے کہ ان کا مقصد صرف ترجمہ نہیں بلکہ ان اشعار کو اس طرح اور ایسی تفسیحات کے ساتھ پیش کرنا ہے کہ پڑھنے والا اصل شعر کی طرف متوجہ ہو جو دوسرے رسم خط میں دبا گیا ہے اور دیکھے کہ شاعر کے فکر و فن تک اس کی کتنی رسائی ہوئی ہے۔ یہ مقصد ہر لحاظ سے قابل قدر ہے۔ وہ مثالوں سے ان کے ترجمے کی خصوصیت کو واضح ہو گئی۔

ہیں نواں آواز اجڑا آفرینش کے تمام
میر گھروں ہے چراغ و نگار بادیاں

ALL THE ELEMENTS OF CREATION

ARE INCLINED TOWARDS DECAY

THE SUN IN THE HEAVEN IS A CAMP

IN THE PATH OF WIND

دور و حرم آئینہ نگار تمنا
والہام کی شوق تراشے ہے پناہیں

THE CHURCH AND THE MOSQUE REFLECT A REPETITION OF DESIRE

THE TIRED IS CARVING OUT SHELTERS FOR IT SELF

دور کے لئے CHURCH کا استعمال میرے نزدیک عجیب نہیں، غالب کی مراد یہاں مندر سے ہے۔

نعیم نے مشکل الفاظ کے معنی بھی دیئے ہیں اور آخر میں شعر کی تخریج بھی کی ہے۔ اس کی وجہ سے ترجمہ غیر اردو دہاں لوگوں کے لئے زیادہ مفید ہو گیا ہے۔

اس نصاب میں نوائے سروش WHISPERS OF ANGLE کے نام سے غالب کے چارہ انگریزی ترجموں کا انتخاب، غالب انڈی کی طرف سے شائع ہوا۔ اس میں ہاشم امیر علی، سید اوصاف علی، محمد فرست اللہ، قرۃ العین حیدر، پریم جھپری، بیالال کول، اندر جیت لال، رفیق طاہر، مالک رام، اختر مرزا، محمد عجب، شہاب نسیم رحمت اللہ،

ایچ سی سرسوت اور مرزوق کے قراچ کے نمونے دیے گئے ہیں۔ کل اور عجب کے قراچ کے نمونے اوپر دیے جا چکے ہیں۔ انکو جیت لال 'سرسوت' پرچا ہو رہی اور مرزوق کے قراچ کے نمونے درج ذیل ہیں۔

یار تھیں ہم کو بھی رکا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں

BEAUTEUS AND COLOURFUL REVELRIES FOR LONG THEY GLOWED FRESH
OF THEIR KING AH, TO MERE PICTURE IMAGES THEY ARE REDUCHO NOW
IN THE REMOTE RECLSES OF MY MIND (INDER)

SINS LIPS PAGEANT I TWO KNEW

OF BEAUTY RARE, OF GLORIOUS THE

NOW LIKE PICTURES ON A PAINTED ALCOVE

LIFE LIES STILL

دونوں محض ترے ہیں 'مگر میرے نزدیک پرچا ہو رہی کا زہر بہتر ہے۔

مٹائے پائے، غراں ہے ہمارا اگر ہے بھی
دوام کلفت خاطر ہے پیش دنیا کا

ITS DEAD IMAGES, THE ALCOVESOP MYU MEMORY

FELT WHAT IS THE SPRING (PREMA JAUHAR)

IN ALL ITS SHORH-LIVED FLOWEROF GUISE

THE LASTING SERMONS IN, DISGUISE (HCSARASWAT)

بلوچہ قلعے کے القام کے 'اس ترے میں اصل کے ساتھ انصاف ہوا ہے۔
نہن عمر کے ترجموں میں ہے با تفصیل ہے 'مگر جہاں انہوں نے انحصار سے کام لیا ہے۔ ترے میں اصل کی
کیلیت آگئی ہے۔

نظر ہائے غم کو بھی اسے دل نصیبت ہائے
ہے صدا ہو جائے گا یہ ساز ہستی ایک دان

نوائے سوادش کی اشاعت کے بعد ہی حکام غالب کے انگریزی ترے کے نام سے محمد خاں 'سابقہ پیکرہ سیمور
پندرہویں نے ایک کتابچہ شائع کیا جس میں وہ سنے ہیں۔ 'فراق' 'طوابع احمد عباس' 'دلف رسل' 'دی فکر' 'اندر جیت
لال' 'کھن پال' 'عجب' 'آندہ خاتون' 'قرۃ العین حیدر' 'بیا لال کل' 'صوفی اسے' 'کیو' 'نیا' اور 'نہن عمر کے بعض ترجموں

کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دراصل یہ کتابچہ ڈاکٹر آمنہ خاتون نے غالب کے اردو اور فارسی کے ایک سو پانچ اشعار کے ترجموں کے تعارف کے لئے لکھا گیا ہے۔ غور خاں نے یہ درست کہا ہے کہ پہلے ترجمہ 'بیر شرح' ہی اصول غالب کی شاعری کو دوسری زبانوں میں منتقل ہو کر مرکب ہانے سے بچا سکتا ہے۔ ورنہ غالب کی یہ پیشین گوئی پوری ہو جائے گی کہ مجھ کو دیار قبر میں مارا وطن سے دور۔ فراق اور آمنہ خاتون دونوں کے غالب کے اس شعر کے ترجمے کا موازنہ کر کے انہوں نے آمنہ خاتون کے ترجمے کو بہتر قرار دیا ہے۔

ہے پہلے سرحد اور اک سے اپنا مکتوب
تھے کہ اہل نظر قبلہ تھا کہتے ہیں

HE WHOM I WORSHIP LIVES BEYOND THE

BOUNDS OF COMPRE HENSION

TO THE SEEING EYE THE TEMPLE OF WORSHIP

IS ONLY A SYMBOL OF THE REAL TEMPLE (PIRAQ)

آگے جا کر قبلہ اور قبلہ نما کی تفریق ہے۔ غور خاں نے فراق کے پہلے مصرعے کے ترجمے کو درست قرار دیتے ہوئے دوسرے مصرعے کے ترجمے پر جو اعتراض کیا ہے وہ صحیح ہے مگر فراق کا ترجمہ 'بیر بھی رواں اور شکستہ' ہے۔
نکسن پال اور قرۃ العین کے غالب کے اس شعر کے ترجمے کا موازنہ قابل فہم ہے۔

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے ملتا
جب آنکھ کھل گئی نہ زباں تھا نہ سود تھا

ASLEEP, I WAS ALL JOY WITH YOU AWAKE,

HAVE NON TO LOOK TO.

DREAMING MY THOUGHTS HAD AFFAIRS WITH THEE AWAKE, THERE WAS

NO GAIN NOR LOSS.

قرۃ العین کا ترجمہ مختصر اور مکمل ہے۔

غور خاں کے نزدیک عجیب اگر اپنے خیالات کو غالب کے الفاظ میں ظہور نہ کرنا چاہیں تو غالب کے اشعار کا معنی اور بے عیب ترجمہ کر سکتے ہیں۔ لیکن ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ نکسن پال کے بعض ترجمے اصل سے بہت متواقی ہیں۔ نکسن پال اور عجیب کے غالب کے اس شعر کے ترجمے سے ان کی بات واضح ہو جاتی ہے۔

آہ ہے دلِ حسرتِ دل کا شمار یار
مجھ سے مرے گئے کا حساب اسے خدا نہ مانگ

O GOD CALL ME NOT FOR MY SINS TO ACCOUNT

FOR HEART BURNS OF DESIRES UNFULFILLED

I DO RECOUNT (LAKHAN PAL)

I THINK OF ALL THE SCARS LEFT BY SMOTHERED

DESIRES, AND TEMPTATIONS RESISTED

ASK ME NOT, O GOD

FOR AN ACCOUNT OF SINS I HAVE COMMITTED (MUNIB)

میر خاں نے دہلی کے غالب کے اس شعر کے ترجمے کی داد دی ہے اور اسے قابلِ رشک کہا ہے۔
 چن ہوں قومِ دی و دہ ہر اک تجز راہ کے ساتھ
 بچاتا نہیں ہوں ابھی دہ ہر کو میں

I GO SOME WAY WITH EVERY MAN I SEE ADVANCING SWEETLY

SO FAR I SEE NO MAN WHOM I CAN TAKE TO BE MY GUIDE.

لیکن دہلی اور نور شید الاسلام کا غالب کی نثر کا ترجمہ تو منظر عام پر عرصہ ہوا آگیا تھا، لیکن ان کی منتخب اردو اور فارسی اشعار کا ترجمہ ابھی شائع نہیں ہوا۔ دہلی لفظی ترجمے کے قائل ہیں۔ اس لئے ان کی کتاب کی اشاعت کا اظہار ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ترجمہ قریب قریب مکمل ہو گیا ہے۔

۱۹۷۴ء-۱۹۷۶ء میں میر خاں کا غالب کے ۱۳۳ اشعار کا ترجمہ DISTRACTING WORDS کے نام سے دہلی سے شائع ہوا۔ میر خاں نے کہا ہے کہ جو اصل متن کو چاہتا ہے یا اس کا شیدائی ہے، وہ لفظی ترجمے کو پسند نہیں کرے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ ترجمے نمایاں ہیں لیکن انہیں ترجمہ کہوں گا۔ انہوں نے انگریزی میں متبادل محاورے کی تلاش کی ہے مگر اصل متن سے وفاداری کی کوشش بھی کی ہے۔
 محب نے جن اشعار کا ترجمہ کیا ہے ان میں سے دو کا ذکر کا ترجمہ دیکھئے۔

گواہے طاقتِ تھری ہے زباں تجھ سے
 کہ خاموشی کو ہے جزایہ بیاں تجھ سے
 فردگی میں ہے فریادِ بے دلاں تجھ سے
 چراغِ صبح و گلِ موسمِ خزاں تجھ سے

THE TUNGE BEGS THEE THE POWER TO SPEAK

FOR BY THY GRACE ALONE

SILENCE SOUNDS THE DISTRESSED CRY TO THEE

FOR THINE IS THE LAMP FAINTING IN MORN

AND THINE THE FLOWER.

WHICH IN AUTUMN BOTH LANGUISH

یہ ترے قاتل قدر کے جاتے ہیں۔ اس طرح غالب کے اک مشہور شعر کا ترجمہ

سادگی و پرکاری ہے خود و پشیاری
حسن کو تحافل میں جرات آنا پلایا

ART LESS ART FULL CARELESS CAREFULL

BEAUTY IN A FEIGNED ABANDON

IS A CHALLENGE FOR US INDEED.

مگر بے طوئی کا ترجمہ CARELESS کنزور ہے۔

آخر میں ایک خاص گوشہ کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جو انجاز احمد نے ۱۹۳۹ء میں کی تھی۔ انہوں نے کچھ ممتاز امریکن نوجوان شعراء کو غالب کی دس غزلوں کے ترجمے 'مشکل اللہ' کی شرح کے ساتھ بھیجے اور ان سے درخواست کی کہ ان کو اپنی زبان میں پیش کریں۔ انہوں نے کچھ امریکن شعراء کے ساتھ چند امریکن یونیورسٹیوں کا دورہ بھی کیا تھا۔ انہوں نے غالب کے اشعار پڑھے اور امریکن شعراء نے ان اشعار پر اپنی اپنی تخلیقات خاکیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ترجمے نہ تھے TRANS CREATIONS بلکہ ایک اور تخلیق تھے۔ پھر بھی ADRIENE RICH ایڈریئن ریچ اور رابرٹ بلائی کی تخلیقات قاتل قدر تھیں۔ بلائی نے "دست ہوئی ہے یاد کو مہماں کے ہوئے" کو ایک نظم کی صورت دے دی تھی جو اپنی جگہ خوب تھی۔ ایڈریئن ریچ کے یہاں غالب کے غزلوں میں اپنے مقالے میں غالب کے اس شعر کا ترجمہ کیا تھا۔

کوئی آگاہ نہیں باطن ہم دیگر سے
ہے ہر اک فرد جہاں میں دہق غافلانہ

NONE KNOWS THE INNER NATURE

OF THE OTHER

EVERY INDIVIDUAL IN THIS WORLD IS

AN UN CYPHERED LEAF

ایڈریئن ریچ کو یہ شعر اتنا پسند آیا کہ انہوں نے یہ ترجمہ لکھ لیا۔ انجاز احمد کی کوشش کا ایک خوشگوار نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے بعد ایڈریئن ریچ نے انگریزی میں غزلیں بھی لکھیں اور ایک غزل میں کہا "اے غالب تو کون ہے جو یہاں نچوڑا رک کی عمارتوں کے جنگل میں مجھے یاد آتا ہے۔" انجاز احمد کی یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔

میں نے عطاء اللہ درانی کی فرمائش پر ۱۹۳۹ء میں انہیں دیوان غالب اردو کا لفظی ترجمہ بھیج دیا تھا۔ اب انگریزی

کے بعد اسے شائع کرنے کا ارادہ ہے۔ مگر چونکہ ابھی یہ غیر مطبوعہ ہے۔ اس لئے صرف اس کی طرف اشارہ کافی سمجھتا ہوں۔

لوہے کے قزاق کی مثالیں مکمل نہیں۔ لیکن ان کی روشنی میں ترشے کے سلسلے میں کچھ باتیں تو کہی جاسکتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک زبان کی شاعری کا دوسری زبان میں ترجمہ بہت مشکل ہے کچھ لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ شعر میں صرف خیال نہیں ہوتا، بلکہ الفاظ کا ایک خاص استعمال ہوتا ہے جس میں استعارہ، علامت، پیکر تراشی، پهلوداری، ابہام سمجھی کچھ ہوتا ہے۔ اسی سے اس کا چارو عبارت ہے۔ اس لئے ایلٹ نے یہاں تک کہہ دیا کہ شاعری کا ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ مگر ترشے کی کوشش برابر ہوتی رہی ہے اور یہ کوشش ضروری بھی ہے۔ طرح طرح کے مترجموں نے زور دیا تھا، تراجم سے بھی دعوے میں آئی ہے جیسا کہ مشرقی شاعری کے مغرب کے دوہائی شعراء پر اثرات اور غلطی شاعری کے پانچ پر اثرات سے واضح ہے۔ اردو شاعری کے انگریزی تراجم میں مشکل اس وجہ سے بھی پڑتی ہے کہ ترشے میں وزن اور بحر کا آہنگ، قافیے کی تکرار اور توقع اور اپنی روایت سب مختلف ہیں۔ اس لئے خیال کے ساتھ وفاداری برتتے ہوئے، قافیے کی پابندی کے ساتھ معنوم ترجمہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں، انگریزی میں غالب کے اردو شاعری کے جو تراجم ملے ہیں ان میں قافیے کی پابندی اکثر ایک اہل علم طواغیت ثابت ہوئی ہے۔ صرف کہیں کہیں ہی اس میں کامیابی ہوئی ہے۔ نثر میں ترشے کو عام طور پر پند نہیں کہا گیا، حالانکہ اس میں اصل کی روح کو برقرار رکھنا آسان ہے، ہاں اس نثر میں ایک آہنگ ضرور ہو گا۔ عقلی ترشے پر سب نے زور دیا ہے، مگر یہ بات بھی ہے کہ صرف عقلی ترجمہ جس میں کہیں پر کہیں ماری جائے، یا تو پیکا اور بے کیف ہو جاتا ہے یا لفظوں کا گورکھ دھوا، اس لئے میرے نزدیک صرف عقلی ترجمہ ہی کبھی مل نہیں ہوتا چاہئے بلکہ ہر ترجمہ ایک تخلیق کو ہونا چاہئے۔ اس کے لئے صرف اردو زبان کے مزاج، اس کی اپنی روایت، اس کے اسلوب سے واقفیت کافی نہیں، انگریزی بھی سہلے وار زبان پر بھی گہرا عبور ہونا چاہئے۔ ہم نے دیکھا کہ ان لوگوں کے ترشے زیادہ کامیاب ہیں جنہیں انگریزی پر کول، محبوب، احمد علی، کی طرح قدرت ہے۔ آج انگریزی میں بھی شاعری کی زبان بہت کچھ بدلتی گئی ہے۔ اس لئے اٹھارویں صدی یا انیسویں صدی کے اسلوب کی پیروی سے ترجمہ معنوی اور بوجھل معلوم ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ شاعری جس میں زیادہ تر محاورے برتے گئے ہیں، دوسری زبان میں عقلی طور پر منتقل ہو کر محکمہ خیر ہو جاتی ہے۔ بہت عرصہ ہوا اس مسودہ مرحوم نے سر جی ٹانڈ کی فرمائش پر مجھ سے غالب لکھنؤی کے منتخب اشعار کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کی فرمائش کی تھی میں نے غالب کے اس شعری مثال دے کر معذرت کر لی۔

ہاتھوں نے آگ دی جب آہنیانے کو مرے

جن پہ تکیہ تھا وہی چپے ہوا دینے لگے

لیکن 'جس فکر یا عقل کی کار فرمائی ہو' وہاں حرم کا کام بہت آسان ہوتا ہے۔ اقبال کا ترجمہ غالب کے ترشے سے آسان ہے۔ کیونکہ غالب کے یہاں صرف فکری نہیں، اس کا مخصوص استعاراتی نظام اور پیکر تراشی ہے اور وہ اقبال سے زیادہ پہلو دار شاعر ہے۔ میرے خیال میں میر کا اردو ترجمہ اور مشکل ہو گا کیونکہ میر کی زبان پڑی "چور"

زبان ہے اور اس کی سادگی بڑی پرکار۔ میرے نزدیک اس وقت تک سب سے اچھے ترے احمد علی کے ہیں مگر وہ بھی ہر جگہ کامیاب نہیں ہوئے ہیں۔ غزل کے ترے میں ردیف کو تو نظر انداز کرنا ہی پڑتا ہے۔ صرف ابتداء یا آخر میں اس کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ قافیے کو انگریزی قافیے میں احوالاً بہت مشکل ہے اس لئے میرے نزدیک غالب کے اچھے انگریزی ترے ایک طرح کی تثنی نظم میں ہو سکتے ہیں جو ہندو انگریزی زبان کے امراء و رموز پر نظر رکھنے کے بعد ابلاغ کے مقاصد پورے کر سکتی ہے۔ اشعار کے انتخاب میں موضوع کو ضرور دہنایا جانا سکتا ہے۔ گہینہ معنی کے طلسم اور شمشیر کے باندھے میں تیزی سے مدد بر آؤنا بہت بڑا کام ہے اور اپنے طور پر یہ بھی تحقیق ہے۔

نہ پرچہ وسعت سے غازیہ جنوں غالب
یہاں ہے کاسرہ گردوں بھی ایک خاک انداز



کلام غالب کے جگہ تراجم

پروفیسر عظیم سسرای

عہد حاضر میں غالب اور اقبال دونوں شاعروں پر بحث کام ہوا ہے اور دنیا کی مختلف زبانوں میں ان کے تراجم بھی ہوئے ہیں۔ غالب کا تعارف بنگال میں انیسویں صدی عیسوی کے اوائل ہی سے ہوا اور جب وہ نکلتے گئے تو اہل بنگال میں ان کی شخصیت اور کلام سے واقفیت میں اور بھی اضافہ ہوا، موافقین اور مخالفین کے دو گروپ ہو گئے یہی نہیں بنگال میں ان کے معقدوں کے علاوہ ان کے شاکر بھی پائے جاتے ہیں، تحلیل پاکستان کے بعد، مشرقی پاکستان میں اقبال کے جگہ تراجم اکثر و بیشتر ہوئے اور کتابی صورت میں شائع کئے گئے، اس طرح اقبال کی مقبولیت خاص و عام ہر طبقے میں ہوئی، غالب کا کلام نہ صرف اقبال کے مقابلے میں بلکہ ویسے بھی مشکل ہے، بظاہر اسی لئے اس کے تراجم عہد پاکستان اور اس کے بعد کم ہوئے، لیکن اس سلسلے میں کوئی امتیازی صورت نہیں رہتی مگر یہی معنی غالب کے کلام کے جگہ ترسے ہندو اور مسلمان دونوں ادیبوں اور شاعروں نے کئے۔ ان میں کچھ مضمون کی صورت میں اور کچھ کتابی شکل میں اشاعت پذیر ہوئے، ایک اور بات قابل توجہ ہے کہ بنگالی اہل قلم نے منظور و منظوم تراجم کے ساتھ ساتھ غالب کے حالات زندگی اور کلام پر تنقیدیں بھی لکھی ہیں اور ان کے فلسفیانہ خیالات اور عمیق جذبات سے بحث بھی کی ہے، اس سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تنقید غالب کے سلسلے میں بنگالی ادیب، اردو اہل قلم سے کتنے قریب ہیں۔ اس لئے کلام غالب کے جگہ تراجم کے ساتھ ساتھ، غالب کے بنگالی حرحصن کے خیالات کا خلاصہ بھی پیش کرنا بجا نہ ہو گا۔

سب سے پہلے میں رشید فاروقی کا تذکرہ کرتا ہوں جنہوں نے ماہنامہ ”ماہ نو“ مطبوعہ ذوالحکاء اگست ۱۹۶۷ء میں ”اردو ادب اور فلسفے“ کے عنوان سے ایک مقالہ سپرد قلم کیا اور غالب کی زندگی اور شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بتایا کہ غالب ایک ذہین شاعر تھے، ان کی شاعری نے انہیں امرنا دیا ہے۔ ان کے خیال میں غالب کی شاعری کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

دور اول: ابتدا سے ۲۵ سال کی عمر تک، اس عہد کی شاعری میں جذبات و احساسات زیادہ ہیں، وہ ان غالب سے اس کی شواہد ملتی ہے۔ غالب جذبات میں اس دور کی شاعری میں فارسی زبان کا اثر زیادہ ہے کیونکہ اس زمانے میں فارسی کا اس قدر چرچا تھا کہ غالب کیا کوئی بھی شاعر اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا، فارسی الفاظ و محاورات کا آغا غالب تھا کہ اردو بالکل فارسی سمیٹ ہو گئی تھی۔

دوسرے دور میں فارسی کا اثر پہلے دور کے مقابلے میں کم ہو جاتا ہے، اس عہد کی زبان اور طرز بیان آسان اور سلیس ہو گیا تھا اور عام طور پر قتل قلم تھا۔

تیسرے دور میں غالب کی زبان اور اسلوب بیان اتنا سحر ہو گیا تھا کہ غالب کو اول درجے کا شاعر سمجھا جانے لگا تھا۔

غالب کے کلام کی خصوصیات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ انہوں نے بہت سے فارسی لہجہ عربی کے مشکل الفاظ استعمال کیے ہیں یہ طرز عمل ان کی صلاحیت سے بالاتر نہ تھا۔ غالب جس طرح سوچتے تھے اسی طرح مفکرات انداز میں شعر بھی کہتے تھے لیکن ان کے اشعار تشریحی ہونے کے بجائے تخلیقی ہوتے تھے۔ ان کی شاعری میں فلسفہ ہے انہوں نے بھی عام انداز میں یا مختصر بیانے پر زندگی کا جائزہ لینے کی کوشش نہ کی وہ انسان کو جہاں تک انسانیت اور اس کی عظمت کا تعلق ہے دل سے پسند کرتے تھے رشید فاروقی کے ہنگر قراچم اب پیش کئے جاتے ہیں انہیں سماعت فرماتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اصل مضمون سے کس قدر قریب ہیں زبان بہت سیدھی سادگی استعمال کی گئی ہے اور انداز بیان میں سادگی ہے جسے ہماری سمجھنے والا کم و بیش آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

(۱) ہیں اور بھی دنیا میں منظور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور
Pirajana Ara amra qulqul Agham

(۲) رنج کا فکر ہوا انسان قریب جاتا ہے رنج
شکلیں اتنی چہیں مجھ پر کہ گہرا ہو گئیں

Manushy Jali Jangh Jhalite Chahatke Ara Jee Taba Tea Zakhsh

Shitay Ma
Nita Jee

Amra upar Eto Hushaid Aalacha Te Te Shakhaj Ara
Mushaid
Pashade

(۳) ہوں مگر حسی نظار تصور سے نظر سنج
میں غریب گلشن کا آفرید ہوں

Uttaple Kulpomar Amade Ani Gan faya Chahachhi

Ajio Tar Shinghli Anani Anis chae Anguman Gulshadi

(۳) ہم ہیں مقلد اور وہ غرار
یا انہی سے ماہرا کیا ہے

amir ka shir darya- chita ka
Amir Ka Shir Darya Chita Ka

he khuda bhar ki banan !
He Khuda Bhar Ki Banan !

(۵) میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں
کاش پہچوں کہ دعا کیا ہے

amir ka shir darya- chita ka
Amir Ka Shir Darya Chita Ka

amir ka shir darya- chita ka
Amir Ka Shir Darya Chita Ka

(۶) عشق سے طبیعت نے لبت کا سوا
درد کی دوا پائی، درد ہے دوا

amir ka shir darya- chita ka
Amir Ka Shir Darya Chita Ka

amir ka shir darya- chita ka
Amir Ka Shir Darya Chita Ka

(۷) آہ ہے دلِ صرستِ دل کا شمار ہوا
بھ سے مرے گز کا حساب اے خدا نہ مانگ

amir ka shir darya- chita ka
Amir Ka Shir Darya Chita Ka

amir ka shir darya- chita ka
Amir Ka Shir Darya Chita Ka

amir ka shir darya- chita ka
Amir Ka Shir Darya Chita Ka

مجھے شعر کے پہلے مصرع میں حرجم نے "طہیت" کا ترجمہ درست نہیں کیا، اس کا قبل "ہئی چننے" (نکاح) کشیدہ کیا ہے جس سے صحیح مضمون ادا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح پانچویں شعر کے پہلے مصرع میں زبان کا ترجمہ نہ ہو سکا۔ منہ کھلا ہوا دیکھتے سے زبان کا مضمون پورا نہیں ہوتا۔

دوسری مختصرتہ جانب ابو سعید ایوب کی ہے جنہوں نے غزلیات غالب کا انتخاب قطاری اور تنقیدی مقدمے کے ساتھ کتابی صورت میں ڈے پبلشنگ، ٹنکٹہ سے جنوری ۱۹۷۶ء میں شائع کیا۔ جانب ابو سعید کی طواری زبان اردو ہے لیکن بگڑے زبان میں انہوں نے رفتہ رفتہ دھنگہ حاصل کر لی کہ سر زمین بنگال میں فلسفہ اور بگڑے ادب خصوصاً نیگورہ درجہ اولیٰ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ غالب کی طرف ان کی توجہ یقیناً ایک نال ٹیک ہے کیونکہ عام بنگالی طبقہ اور بانیوں داد کے ادب ان کے قریب کی طرف خصوصیت سے متوجہ ہوئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ غالب کے منتخب اشعار کا ترجمہ ہے، "موضوعات کے لحاظ سے انتخاب کرنے کا اور انہیں غزل میں یہ کام مشکل ہے کیونکہ شاعر کے مختلف رجحانات و میلانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اشعار کو ایک ہی لڑی میں پرونا دشوار ہے غزل چیلنجی ہانگوں سے ملتی جلتی ہوتی ہے لیکن اس سے غزل 'غزل میں کم سے کم الفاظ کے وسیلے سے شاعر اپنے خیالات و احساسات کو بیان کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ فنی خوبیوں کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ انہوں نے لفظی ترجمے سے اجتناب کیا ہے تاکہ اصل مطلب واضح ہو سکے' حرجم اگر تاؤر انکلام شاعر ہو تو شعر کا ترجمہ زیادہ بہتر طور پر کر سکتا ہے' ہاں اس میں شک نہیں کہ مضمون ترجمے کو اصل مضمون سے قریب تر لانے میں دشواری ہوتی ہے۔

بہر صورت 'منصور ترجمے میں انہوں نے کوشش کی ہے کہ بنگالی کو اردو شعر کی دل کشی اور شاعری کی روح سے روشناس کیا جائے تاکہ غالب کے فکر فنی اور شاعرانہ اہمیت کا اندازہ لگ سکے۔ ابو سعید ایوب نے اس امر کی وضاحت کر دی ہے کہ بعض جگہ غالب کی مخصوص ترکیبوں اور دل کشی استعاروں کے قبل بگڑے الفاظ نہ لکھنے کے باعث انہیں آواز ترجمہ کرنا پڑا ہے تاکہ شاعر کے شعری احساسات، دلی جذبات اور نازک خیالات کو قاری کے ذہن تک صحیح طور پر منتقل کیا جا سکے۔ غالب اردو کے مشکل گو شاعر ہیں، انہوں نے بعض ایسے اشعار کے ہیں جو کچھ میں نہیں آتے لیکن بہت سارے آسان شعر بھی کہے ہیں، بعض ایسے اشعار کہے ہیں جن کا مضمون سمجھنے میں ذہن پر زور دینا پڑتا ہے لیکن غالب کے ہر شعور الفاظ اور دل کشی انداز بیان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا جا سکتا، غالب کی شاعری ان کی شخصیت کے ارد گرد گھومتی ہے یعنی اپنے مخصوص رنگ و طعم کا اعجاز اپنی شاعری میں کہتے ہیں جسے ناقابل اختصار نہیں سمجھا جا سکتا، غالب نے جہاں اپنے غم و الم کا تذکرہ کیا ہے، ایسا مضمون ہوتا ہے کہ ہر شخص کا غم ان کے شعر میں جھلکتا نظر آتا ہے۔

دیکھنا تقریر کی لغت کہ جو اس نے کیا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

نقدوں کا خیال ہے کہ اردو میں دو ہی ایسے شاعر گزرے ہیں، ایک غالب اور دوسرے اقبال، دونوں کا نقطہ نظر اور انداز فکر اگرچہ مختلف ہے لیکن بعض امور میں مماثلت ہے مثلاً دونوں کا بیشتر کلام فارسی میں ہے اور دونوں نے

پندیدہ مضامین قاری ہی میں ضبط کئے ہیں۔ غالب نے ۱۹/۱۵ سال کی عمر سے اردو میں شعر گوئی شروع کی اور ۳۰ سے پچاس سال کی عمر تک قاری زبان میں شعر کئے، جب غالب بہادر شاہ ظفر کے استاد مقرر ہوئے تو انہیں شاعر الملک یعنی (راشکو کوئی) کے خطاب سے نوازا گیا، غالب نے ابتدائی اور آخری دور میں جو شعر کئے ان کی زبان بیان اور لب و لہجہ میں خاصا فرق ہے لیکن قاری الفاظ کا استعمال ان کے یہاں بدستور جاری رہا اور قاری طرز کلام کو برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ اب ابوسعید ایوب کے چنگ تزام سے مثالیں پیش ہیں:

(۱) ہم نے دشت کہ بزم جہاں میں جوں شمع
شطرہ عشق کو اپنا سر و سامان سمجھا

| | | | | | |
|---------|-----|------|------|--------|--------|
| دشترہ | عشق | بزم | جہاں | سامان | سمجھا |
| Dashtra | eq | Bazm | jaan | saaman | Samjha |
| دشترہ | عشق | بزم | جہاں | سامان | سمجھا |
| Dashtra | eq | Bazm | jaan | saaman | Samjha |

(۲) یہ فتنہ آدمی کی خاک ویرانی کو کیا سم ہے؟
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آہاں کیوں ہو

| | | | | | | | | | |
|-----|-------|------|----|------|---------|----|-----|-----|-----|
| یہ | فتنہ | آدمی | کی | خاک | ویرانی | کو | کیا | سم | ہے؟ |
| Yeh | Fatna | Admi | Ki | Khak | Wiraani | Ko | Kya | Sam | He? |
| یہ | فتنہ | آدمی | کی | خاک | ویرانی | کو | کیا | سم | ہے؟ |
| Yeh | Fatna | Admi | Ki | Khak | Wiraani | Ko | Kya | Sam | He? |

| | | | | | | | | | | |
|------|-----|------|-----|----|---------|----|----|-------|------|----|
| ہوئے | تم | دوست | جس | کے | دشمن | اس | کا | آہاں | کیوں | ہو |
| Huye | tum | Dost | Jis | Ke | Dushman | As | Ka | Ahaan | Kyon | Hu |
| ہوئے | تم | دوست | جس | کے | دشمن | اس | کا | آہاں | کیوں | ہو |
| Huye | tum | Dost | Jis | Ke | Dushman | As | Ka | Ahaan | Kyon | Hu |

(۳) غرضی کیا کیفیت ہے میرے اگر سو پار ابر آئے
کھتا ہوں کہ ڈھونڈتے ہے ابھی سے برق غریب کو

| | | | | | | | | | |
|-------|-----|--------|----|------|------|----|-----|------|-----|
| غرضی | کیا | کیفیت | ہے | میرے | اگر | سو | پار | ابر | آئے |
| Gurzi | Kya | Kifait | He | Mere | Agar | Su | Par | Abir | Aye |
| غرضی | کیا | کیفیت | ہے | میرے | اگر | سو | پار | ابر | آئے |
| Gurzi | Kya | Kifait | He | Mere | Agar | Su | Par | Abir | Aye |

انتخاب ہوا کہ ان کا تعلق کلاسیک صد شاعری سے تھا لیکن ان کی طبیعت میں جدت طرازی تھی ان کی وفات پر ایک صدی گزر جانے کے بعد ان کی شاعرانہ عظمت برقرار ہے انیسویں صدی کے مسلم تہذیب اور معاشرے کی بد حالی کی عکاسی انہوں نے اپنے کلام میں پیش کی ہے وہ اپنی آنکھوں سے ایک طرف غنی ہوئی تہذیب کا نظارہ کر رہے تھے اور دوسری طرف آزادی کا سورج طلوع ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے ان کا کلام اپنے دور کی تصویر بھی ہے اور مستقبل کی بشارت بھی اس لئے غالب کے دور کو اردو شاعری کا شانہ جانیے کون نامناسب نہ ہو گا۔ بنگال میں غالب کے معاصرین سو دن تھے لیکن انہوں نے طویل نظمیں لکھی ہیں اس لئے ان دونوں میں کوئی قدر مشترک نہیں البتہ غالب اور بیگم دونوں برسات کے سطر کو پیش کرتے ہیں لیکن غالب نے برسات سے حنا ہو کر اپنے جذبات و آثارات کو شعری دیکر میں داخل ہے غالب کے یہاں بیگم کے مقابلے میں زیادہ گہرائی اور گہرائی ہے بیگم فطرت سے زیادہ قریب ہیں اور غالب اپنے جذبات میں غرق رہتے ہیں۔ زندگی کے بارے میں ان کا فلسفیانہ انداز نظر بھی ان کی جدت پسندی کی نمائندگی کرتا ہے۔ ہاں غالب کے شعر کا ترجمہ ستر میں ویسا دل کش روپ پیش نہیں کرتا جیسا نظم میں۔ میرالدین یوسف نے کلام غالب کے حواجم ستر اور نظم دونوں میں کئے ہیں اور اصل مضمون سے بہت قریب ہی نہیں قابل فہم بھی ہیں زبان میں سادگی اور سفاکی ہے اس کے علاوہ انہوں بیشتر مشکل اشعار کے تراجم کئے ہیں۔

علم کیمیا کے سباق پر فیض انکس فیض احمد چودھری نے بنگلہ دہلی میں اور مسٹر پٹیل نے حیدرآباد میں غالب کے تراجم کئے ہیں لیکن وہاں تک میری رسائی نہ ہو سکی اس لئے ان کے بارے میں کوئی رائے دینا مشکل ہے۔ میرالدین یوسف کے تراجم کی مثالیں پیش ہیں:

(۱) قد میں یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھیں دوڑان دیاں نہاں ہو گئیں

| | | | | | | | |
|-------|--------|--------|-----------|-------|-------|---------|-------|
| دیکھو | دیکھو | دیکھو | دیکھو | دیکھو | دیکھو | دیکھو | دیکھو |
| Radio | magnum | Copini | Kilometer | Tata | Tan | Akafata | دیکھو |
| دیکھو | دیکھو | دیکھو | دیکھو | دیکھو | دیکھو | دیکھو | دیکھو |
| gunny | Kagay | dash | Pate | Rajda | Alak | Chidre | dash |

(۲) جوئے ہوں آنکھوں سے لپٹے ہو کہ ہے شام فراخ
میں یہ کھجور کا کہ ہمیں وہ فروزاں ہو گئیں

| | | | | | | | |
|--------|-------|------|-----|----|---------|------|------|
| Amkhar | Shara | Wite | Sao | Go | Airahar | Kale | Kale |
| Amkhar | Shara | Wite | Sao | Go | Airahar | Kale | Kale |
| Amkhar | Shara | Wite | Sao | Go | Airahar | Kale | Kale |
| Amkhar | Shara | Wite | Sao | Go | Airahar | Kale | Kale |

آج کے یہاں جوئے خوں کی شریک کا ترنہ آنکھی بل دھارا کیا گیا ہے نہ دوست نہیں یعنی ایک چشم۔
یوں کہا جا سکتا تھا "آنکھی ہوتے رو کھو دھارے۔"

(۳) خیر اس کی ہے 'دماغ اس کا ہے' راتیں اس کی ہیں
تجری لائیں جس کے ہاند پر پریشان ہو گئیں

خیر اس کی ہے 'دماغ اس کا ہے' راتیں اس کی ہیں
Tunir as ki hai 'Dimaag us ka hai' Raatein us ki hain
تجری لائیں جس کے ہاند پر پریشان ہو گئیں
Tajree laayeen jis ke haand par perishaan ho gayeen

پہلے صبر میں حرم نے غالب کے مضمون کو دوبلا کر دیا ہے یعنی دوسرے ٹکڑے میں دماغ کا ترنہ خواب کیا
ہے اور ظاہر ہے کہ خیر کے بعد خواب ہی کی توقع ہے۔ دوسرے مصرع میں لوگوں میں یعنی اسے دل قافیے کی ضرورت
کی وجہ سے فاضل لایا گیا ہے۔

(۴) جود گل نے کیا تھا' وہں چراغیں آپ جو
یاں دواں مڑکائی چشم تر سے خون تاب تھا

خیر اس کی ہے 'دماغ اس کا ہے' راتیں اس کی ہیں
Kunir as ki hai 'Dimaag us ka hai' Raatein us ki hain
تجری لائیں جس کے ہاند پر پریشان ہو گئیں
Tajree laayeen jis ke haand par perishaan ho gayeen

(مشور تراجم)

(۵) چچ مت وجہ سعد مستی ادراپ مکن
سایہ ہاک میں ہوتی ہے ہوا موج شراب

خیر اس کی ہے 'دماغ اس کا ہے' راتیں اس کی ہیں
Kunir as ki hai 'Dimaag us ka hai' Raatein us ki hain
تجری لائیں جس کے ہاند پر پریشان ہو گئیں
Tajree laayeen jis ke haand par perishaan ho gayeen

(۶) ہے یہ رسات وہ موسم کہ جب کیا ہے اگر
موج ہتی کو کسے فیض ہوا موج شراب

| | | | | | |
|------|-----------|-------------|--------|-----------|-------|
| ۱۵ | بارشکال | نکاح | ۱۶ | مکمل | ۱۷ |
| Rp | Barshkal | Naach | CK | Madhoshom | in |
| ۱۸ | مکمل | ۱۹ | ۲۰ | ۲۱ | ۲۲ |
| Ten | Madhoshom | Naach | Jodi | Definitio | Matul |
| | | | | | |
| | | | | ۲۳ | ۲۴ |
| | | | | Kore | Tago |
| | | | | Jage | |
| ۲۵ | ۲۶ | ۲۷ | ۲۸ | ۲۹ | ۳۰ |
| Tode | Tala | Atchaborgio | Jouran | Nichan | Tago |

(۷) فرض کیا؟ فصل گل کسے ہیں کس کو؟ کوئی موسم نہ
 دیکھا ہم ہیں، 'فصل' ہے اور 'مکمل' بال و پل کا ہے

۱۸۴۵ء کی ؟ ۱۸۴۵ء کی ؟ ۱۸۴۵ء کی ؟
 Homero's Ki ۱۸۴۵ء Ki ۱۸۴۵ء Ki

۱۸۴۵ء کی ؟ ۱۸۴۵ء کی ؟ ۱۸۴۵ء کی ؟
 Pindarabadda ۱۸۴۵ء کی ؟ ۱۸۴۵ء کی ؟ ۱۸۴۵ء کی ؟
 ۱۸۴۵ء کی ؟ ۱۸۴۵ء کی ؟ ۱۸۴۵ء کی ؟
 ۱۸۴۵ء کی ؟ ۱۸۴۵ء کی ؟ ۱۸۴۵ء کی ؟

(۸) فرض کیا؟ فصل گل کسے ہیں کس کو؟ کوئی موسم نہ
 دیکھا ہم ہیں، 'فصل' ہے اور 'مکمل' بال و پل کا ہے

۱۸۴۵ء کی ؟ ۱۸۴۵ء کی ؟ ۱۸۴۵ء کی ؟
 Ken Redonag ۱۸۴۵ء کی ؟ ۱۸۴۵ء کی ؟ ۱۸۴۵ء کی ؟

۱۸۴۵ء کی ؟ ۱۸۴۵ء کی ؟ ۱۸۴۵ء کی ؟
 Proti ۱۸۴۵ء کی ؟ ۱۸۴۵ء کی ؟ ۱۸۴۵ء کی ؟



محمد یوسف صاحب

کلام غالب کے کشمیری ترجمے

مرزا غالب کا کشمیر سے تعلق صرف ایک سطر پر نہیں، وہ کشمیر کے قدردانی حسن، اس کے خوبدوں کے عمل اور اس کی شراب کے خواص کے قدرداں ہی نہیں، مدح خواں بھی تھے۔ وہ بھی کشمیر میں گئے، لیکن انہوں نے اپنے ایک صدمہ بھر فنی میر کو ان الفاظ میں خراج ادا کر کے کشمیر کے ظاہری حسن کو معنوی سطر پر لے جا کے اپنی خلائی کا مظاہرہ کیا:

میر کے شعر کا احوال کسوں کا غالب
جس کا دماغ کم از گلشن کشمیر میں

چونکہ اس وقت میرا موضوع ذرا مختلف ہے، اس لئے زیادہ مثالیں پیش کرنا مناسب نہ ہو گا۔ لیکن غالب، کشمیر کی مٹی سے اٹھے ہوئے شاعر، ظاہر فنی سے اکساب جس طرح کبھی براہ راست اور کبھی واسطہ کرتے ہیں، اس کی طرف اشارہ کرنے کی ترغیب سے دامن پچانا مشکل ہے۔ اختصار کے لئے میں ان کے صرف ایک شعر کو پیش کرنا چاہوں گا۔ جس سے ظاہر ہو گا کہ مرزا نے کس طرح فنی کے قاری شعر کو اردو میں ترجمہ کر کے پیش کیا ہے۔ فنی کا شعر ہے:

شد دو ششم از شمع کہ در بزم حریفان
خاموش شدن، مرگ بود اہل زبان را

اور غالب نے اسے تقریباً "اسی الفاظ میں اردو میں یوں کہا:

زبان اہل زبان میں ہے مرگ، خاموشی
یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع

ہر کیف، کشمیری زبان میں غالب کا اثر اس صدی کی ابتدائی میں ظاہر ہونا شروع ہو گیا تھا۔ جدید کشمیری شاعری کے پیش امام نظام احمد مجبور (1886-1955) کے مختصر سے کلام میں غالب سے اعتدال و اختلاف کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً انہوں نے غالب کے مشہور مطلع:

یہ مسائل قصوف، یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم دلی سمجھتے، ہو نہ باہر طوار ہوتا

کو اپنی دواجی سلیقہ مدی کے ساتھ تقریباً "ہوں کا توں کشمیری میں منتقل کر دیا۔ البتہ اپنی ہمسازہ معاشرت کی رعایت میں غلط رکھ کر یہ اعتدال کی کہ شراب نوشی کا ذکر کرنے کی بجائے اپنے پیٹے کو اپنی ولایت کی راہ میں حائل کر دیا:

چا نہ کچھ مجھ کو چادرن عارفن آپ حیات
باز ہت درویش کامل آسہ پہنچے نے مقلد وار

(مجھ کو! مجھ کو! عارفانہ کلام عارفوں کے لئے آپ حیات نوش کرنے کے برابر ہے۔ ہم تجھے درویش کامل سمجھتے اگر تو پیش
ور پڑاری نہ ہوگا۔)

مجھ کو کے اس نوع کے اشعار تعداد میں بہت ہیں۔ میں صرف چند ایک ہی نقل کرنا چاہوں گا۔ جن میں غالب
کی چھاپ سلیج پر ہی نمایاں ہے۔ غالب کا شعر ہے:

مشتق سے طبیعت نے زیست کا مڑا پایا
درد کی دوا پائی" درد لا دوا پایا

مجھ کو اس عالم آشوب کو اپنی ذات کی آری میں یوں محدود کر دیتے ہیں:

ٹپے میون غم خوار" ٹپے میون مستحضر
ٹپے پھونک پتہ ڈی ملخصار وہ نو

یاد رہے کہ مجھ کو کے کلام میں یہ مثالیں نکھری ہوئی صورت میں ملتی ہیں اور اس نے کہیں پر غالب کا حوالہ
نہیں دیا ہے، لیکن صاف ظاہر ہے کہ غالب کا کلام اسے ازبہ تھا۔ اور اس کی آواز میں مجھ کو کے اقتدار سے باہر ہو کر
کشمیری اشعار میں داخل ہاتی تھیں۔

ماسز زبہ کل" مجھ کو کے ہم عصر اور ہم عمر تھے۔ وہ کشمیری زبان میں ساتھ انگریزی ادارہ حاصل کرنے والے پہلے
شاعر ہیں۔ ان کا کلام کیفیت میں مجھ کو کے کلام کا مقابلہ نہیں کر سکتا، مگر غالب ان کے اعصاب پر بھی سوار تھے۔ جس
کا اندازہ ان کے ایک کشمیری شعر سے ہو سکے گا:

بندہ اڑ کہہ غالبن آکھ نیو تھ سہد باہ اڑ
داعطیے کوا منبریں پندہ تیر دعا کر خانے

(داعطیے منبر سے دعا کے ہزار ہر چلائے مگر غالب کے ایک شعری تاثر بھی پیدا نہ کر پائے گا) عبداللہ آزاد" مجھ کو کے
کم عمر ہم عصر تھے۔ ان کے شعر کا مزاج غالب سے بہت دور ہے۔ وہ ہنگامے اور فضا بازی کا شاعر ہے مگر اس کے
بارہو خانے کے اثر کی طاقتور دھج سے دور نہیں بھاگ سکتا۔ اس نے غالب کے بعض اشعار کا ترجمہ کرنے کی کوشش
کی ہے" میں صرف ایسے وہ اشعار پیش کروں گا: غالب کا شعر ہے:

آج داں قفقہ دکن ہائے ہوئے جانا ہوں میں
میرے نقل کرنے میں وہ اب لائیں گے کیا

آزاد نے اس کا ترجمہ کیا ہے اور حق یہ ہے کہ ہر زور ترجمہ کیا ہے:

نیو بہ سینہ وارہ وارہ زبہ یہ چان مارہ مارہ
تیر کلن چارہ چارہ" میر شکار کیا کہ

آواز کی اسی غزل کا مطلع:

ہاں سر ہے جہہ ہے وفا میں ادا تیں کیا کہے
سورہ دلش محبتیں نذر یہ ڈار کیا کہے
غالب کے اس مطلع کی مدائے بازگشت ہے مگر ذرا کمزور قسم کی مدائے بازگشت:
لاہ چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب
ترے بے سر کئے سے وہ تجھ پر صوبوں کیوں ہو

اس کے بعد سورہ دور کے شعرا آتے ہیں، جو اس وقت بھی شعر گوئی میں مصروف ہیں۔ ان کے یہاں غالب سرائی کا دھڑکے گیت کے لحاظ سے نہ سہی، کیفیت کے لحاظ سے غالب کے فنی کمال کے برابر نزدیک آتا ہے۔ ان کے یہاں اشعار غالب کے شعروں کا عکس تو پیش کرتے ہی ہیں لیکن اس سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کا طرز فکر اور انداز نگارش غالب کے بہت نزدیک ہے۔ اسی لئے بعض اوقات ان کے اشعار کے بالکل براہ راست غالب کا شعر بھی دکھا جا سکتا ہے۔ مگر ان اشعار کو غور سے آٹکا جائے تو ان میں غالب کا کوئی کچھ اس کی کوئی ترکیب بھسلاتی ہوئی نظر آئے گی۔ یہ کیفیت کے اعتبار سے کشمیری شعر کا بلند ترین درجوں کی طرح سزا کا ملا ہے اور غالب یہاں ایک خضر راہ کی طرح حاوی نظر آتے ہیں۔

رحمن راہی سورہ کشمیری شعرا میں بہت اچھا مقام رکھتا ہے۔ وہ غالب کا قاری ہی نہیں بلکہ فریاد بھی ہے۔ راہی کے مجموعہ کلام میں اس کی ایک پوری غزل غالب کی بے مثال غزل:

تو کو چاہتے اک عمر اڑ ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

کی بازگشت ہے اور اس نے غزل کو "بزدانہ غالب" قرار دے کر شامل کیا ہے۔ اس غزل کو غالب کی اصل غزل کے بعض اشعار کے ساتھ رکھ کر دیکھ لیجئے:

ہاں صبریں راضی، دل دیوانہ تے
دنگی تاریں اندر تو راند تے

اس شعر میں خیال تو غالب کے مندرجہ ذیل شعر کا ہے، لیکن اس کی تشبیل اور استدلال راہی کا اپنا ہے:

عاشقی صبر طلب اور تنہا ہے تب
دل کا کیا رنگ کدوں خون جگر ہونے تک

البتہ غالب کے اس شعر کا جواب راہی سے نہیں بن چلا اور شاید یہ ان اشعار کی فرست میں ہیں۔ جن کو ترانے کی بجائے چمانے کی استدراوی نہیں رکھتی۔ یہ غالب کی عظمت کے وہ لمحے ہیں جو بخلی کے کونڈوں کی طرح لپکتے ہیں اور صرف اس کی تخلیقی پہلی میں ہی پنپ سکتے ہیں۔ غالب کا ایک شعر ہے:

دہر دہر دم آئینہ تکرار تنہا

کب ہو سکتا ہے۔

جہاں کمال نے غالب سے لفظ، دھواوی جھلکی ہے وہاں جو صورت پیدا ہو گئی ہے۔ اس کی مثال دوان غالب کے پہلے شعر

تھیں قریادی ہے کس کی شونی قمر کا

کافری ہے بزمین ہر بیکر قصور کا

سے دی جاسکتی ہے۔ جسے کمال نے یوں رس نچوڑ کے ایک چمکا بنا دیا ہے:

تھیں چہہ تابعداں کہندہ شرح تصویرک

چہہ بزلہ جاسر ٹھنڈہ پرتیبہ دندو تصویرک

ابہت جہاں کمال نے حقیقی آزادی کا استعمال کیا ہے۔ وہاں اس نے غالب کے تاڑ کو نمودار نہیں کیا ہے۔ مثلاً اس شعر کے ترجمے کو لیتے:

رات دن گردش میں ہیں ملت آسمان

جو رہے گا بکھ نہ بکھ ' گھبراہیں کیا

کمال اس کو یوں لیتے ہیں:

دن نہ گھوٹک' دن نہ گھوٹک بدگیاں

دن چہہ پھیراں' دن چہہ پھیراں آسمان

اس نمبر میں غلام می خیال' غلام می فراق' مٹھل سلطان پوری' چمن لال چمن' دوسل پندو' غلام می ثانی کے غالب کے تراجم بھی ہیں اور کہیں کہیں ان میں غالب کے فن کا اچھا خاصا پر تو بھی نظر آتا ہے۔

لیکن کشمیری میں ترجمہ غالب کا سب سے اہم اور شاندار کام سال دواں یعنی ۱۸۸۸ء ہوا اور اس کا سرا اسی اصلی نمونہ کو حاصل ہے، جس کے اہتمام سے کراچ میں اور آپ اس مقام پر نو مکتو ہیں۔ غلام غالب کا دلیف دار اور ترجمہ دار کشمیری ترجمہ اس سال جاری کر دیا گیا۔ غالب اصلی نمونہ کے شائع کردہ اس ترجمے کے مترجم کشمیری زبان کے دندو نویس مکر سلیقہ مند شاعر غلام می ناظر ہیں۔ کشمیری جیسی پرماتما زبان کے کچے کوزے میں غلام غالب کی آنکھیں شراب اغلیلا خطرات سے پر تھا کیونکہ ہر مرتبے پر یہ اندیشہ در پیش تھا کہ:

آئینہ بندی صہبا سے بھٹلا جائے ہے

لیکن یہ کارنامہ اہتمام پذیر ہوا۔ راقم الحروف نے اس ترجمے کے پیش گفتار میں رائے ظاہر کی تھی کہ یہ دوان غالب کا کشمیر زبان کا پہلا عمل ترجمہ ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ یہ آخری اور سب سے اعلیٰ ترجمہ بھی ہو۔ میں نے اس وقت لکھا تھا کہ دراصل ابہت اس بات کی ہے کہ کشمیری ادب میں اتنا احمق اور اعتبار پیدا ہو گیا ہے کہ اس کا کوئی کواہ بنا ہندوستانی ادبیات کی اس اہم دست چوٹی کو تفسیر کرنے کے لئے مکر ہندو لے، جس کو دنیا مرزا غالب کے نام سے چاقی ہے۔ میں نے اس وقت لکھا تھا کہ کشمیری زبان کی سرحدوں کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اس میں دوان غالب کا ایک

نکل ترہہ ہے۔ میں نے اپنے صوفے کو واضح کرنے کے لئے اقبال کا یہ شعر استعمال کیا تھا:

ہر کھوتر پہ بچھنے میں مڑا ہے اے ہر
وہ مڑا شاہ کھوتر کے لو میں بھی نہیں

اور کہا تھا کہ فرق یہ ہے کہ غالب کوئی تن آساں کھوتر نہیں بلکہ ایک تجڑ ہوا شاہین۔ جس کے شہر کی بھٹ سے
بڑے بڑے فلاں کے پٹے لگ سکتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ناظر کا ترہہ اپنی طویوں کی وجہ سے ممتاز
نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بہت سے عقائد پر اس نے غالب کو کشمیری میں نخل کرتے ہوئے کمال فن کا مظاہرہ کیا
ہے۔ حقا غالب کے اس شعر کو لکھتے:

دیکھو اسے ساکن خطہ خاک

اس کو سمجھتے ہیں عالم آرائی

ناظر جسے غالب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتا ہے:

دبھو ہر اڑ ہر پڑ ساکنو

حائس پاراں سہلن اقصی دہان

غالب کا ایک سل منتخب شعر ہے:

خط کہیں کے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو

ہم تو عاشق ہیں تھارے نام کے

ناظر نے اس میں بھی سی شرفی پیدا کر کے کشمیری میں اس کا لطف دو چلا کر دیا ہے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں:

خط لکھو مطلب کہہو حتمہ اسر تن

اسر چھہ عاشق چاند ٹوک ڈور چھا

یہ درست ہے کہ ایسے عقائد بہت زیادہ نہیں ہیں اور کہیں کہیں ناظر اصل کا پوچھ سار نہیں سکتے ہیں مگر ترشے کی
دنیا میں اور وہ بھی غالب کے ترشے میں ایسا کتنی بار ہوا ہے۔ میرے خیال میں ناظر کا ترہہ دہان کشمیری زبان کا ایک
تاریخ ساز واقعہ ہے اور اس کی حرارت اور تابش سے کشمیری شعر میں آنے والے درس میں تحقیق سطح پر بہت سے
دھماکے سنائی دیں گے اور بہت سے کوئے لکھیں گے اس دہان کے حوالے سے کشمیری شاعر غالب کی زبان میں بجا
طور پر کہہ سکتا ہے کہ:

دکھاؤں گا کشا' دی اگر فرصت نہانے نے

میرا ہر داغ دل اک خم ہے سو چراغوں کا



کلام غالب کے پنجابی تراجم (پاکستان میں)

ترجمہ کیوں؟

اس موضوع پر قلم اٹھاتے وقت میرے ذہن میں چار سوالات اٹھے: پہلا سوال یہ کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کی کیا ضرورت ہوتی ہے؟ دوم یہ کہ شاعری کا ترجمہ کیوں ضروری ہے؟ تیسرے یہ کہ اردو زبان کے شعرا میں غالب کا ترجمہ کیوں ضروری ہے؟ اور چوتھی یہ کہ کلام غالب کا پنجابی میں ترجمہ کرنے کی اہمیت کیا ہے؟ پہلا سوال کہ ترجمے کی کیوں ضرورت ہوتی ہے؟ تو اس کے بارے میں میں یہ کہوں گا کہ زبانوں پہ انسان کی قدرت بہت محدود ہوتی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ وہ دنیا بھر کی زبانیں بول یا سمجھ سکے۔ اس مختصر عمر میں یہ ایک ناممکن عمل ہے۔ انسان کو حشر کے باوجود مادری زبان کے علاوہ صرف چند زبانیں سمجھ سکتا ہے۔ اس معاملے میں اس کی صلاحیتیں بہت محدود ہیں۔ لہذا اپنی زبان کے علاوہ دنیا کی دوسری زبانوں کے علم و ادب اور ان کی فکر تک رسائی کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ترجمہ ہے۔

یہ ذریعہ کامیاب ہے یا کمزور؟ اچھا ہے یا برا؟ ہو بھی ہے، دنیا تک پہنچنے اور اسے سمجھنے کا اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ ابھار نہیں ہو پایا۔ اگر ہم اس ذریعے کو بالکل ہی جاننے والے سے مسترد کرتے ہیں تو پھر ہمارے پاس بے خبری اور آگاہی کے درمیان اور کوئی راستہ نہیں۔ اگر ایک لسانی قومیت اپنی زبان کے اندر دوسری زبانوں کے خیالات کے در آنے کے راستے نہیں کھولتی تو وہ نہ صرف جمالت کا مفکر ہو کر رہ جاتی ہے بلکہ وہ باقی تمام دنیا سے کٹ کر کنوئیں کا میٹھک بن جاتی ہے اور فکری ترقی کے تمام راستے اس پہ مسدود ہو جاتے ہیں۔ جمالت اور آگاہی کے درمیان فاصلے کو پانٹنے کے لئے ترجمے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ ترجمہ لسانی قومیتوں کے درمیان رابطے کے پہلے کام ہی نہیں کرتا بلکہ اس زبان کو بھی وسعت بخشتا ہے جس میں ترجمے کے راستے دوسری زبان کے خیالات اور افکار سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ یورپ کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ یورپ کی لسانی قومیتوں نے اپنے لسانی تفوق کے جذبے کو تعصب میں تبدیل نہیں ہونے دیا۔ اور ایک یورپی زبان میں دوسری زبانوں کے مشاہیر نظم جو فن کے قراجم اس کثرت سے ہوئے کہ یورپ کے فکر و فن کے دنیا بھر میں چرچے ہوئے اور یوں یورپ نے دنیا میں ایک اعلیٰ تمدنی مقام حاصل کر لیا۔

شاعری کا ترجمہ کیوں؟

دوسرا سوال یہ کہ شاعری کا ترجمہ آخر کیوں ضروری ہے جبکہ ناقدین ادب کی اکثریت کم و بیش اس بات پر متفق ہے کہ شاعری کا ترجمہ ہو ہی نہیں سکتا۔ زیادہ سے زیادہ ایک زبان کی شاعری کا مفہوم دوسری زبان تک پہنچایا جاسکتا ہے مگر شاعری جیسے نازک فن کی نزاکتیں 'اس کے لیے' اس کے انداز اس کی چاشنی ترے میں منتقل نہیں ہو سکتی۔ شاعری انسان کے نازک ہندوں کا اظہار ہے اور ان ہندوں کے متن کو پہچاننے کے لئے اس زبان کا جاننا ضروری ہے جس میں وہ شاعری کی گئی ہے۔ ناقدین ادب کی اس رائے میں بہت حد تک صداقت موجود ہے۔ فن ترجمہ اس معراج پر تو نہیں پہنچ سکا کہ ایک زبان کی شاعری کو زبان و بیان کے تمام متن اور پارکیوں کے ساتھ دوسری زبان میں منتقل کر دے اور ایسا ممکن بھی نہیں کہ ترجمہ محض الفاظ کو بدل دینے کا نام نہیں ہو کہ یہ ایک مخصوص تہذیب کو ایک دوسری تہذیب میں منتقل کرنے کا کام ہے۔ ہر تہذیب کے اپنے مخصوص سانچے ہوتے ہیں جو ایک قوم کے اندر صدیوں کی باہمی معاشرت سے وجود میں آتے ہیں۔ ان سانچوں کو جب دوسرے مختلف سانچوں میں ڈھالنے کی کوشش کی جاتی ہے تو اس کوشش میں صرف بیان ہی نہیں 'ہمت بھی بدل جاتی ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ جس قدر اختلاف دو قوموں کی تہذیب میں ہوتا ہے اسی قدر بیان و ہمت کے سانچے مختلف ہوتے ہیں اور بعض اوقات تو ترجمہ اصل سے اس قدر مختلف ہوتا ہے کہ اس میں اصل کی کوئی صورت بھی نظر نہیں آتی۔ ان مشکلات کے باوجود شاعری کا ترجمہ اہل فن اس لئے کرتے آ رہے ہیں کہ فن ادب کی اصناف میں سے شاعری ایک ایسی صنف ہے جو کسی زبان کے انسانی بخرد کمال کے امکانات کا سب سے اعلیٰ دارم ہے۔ اس میں کوئی کام نہیں کہ کسی زبان کی شاعری مکمل طور پر لطف اندوز ہونے اور اس کے کمال فن کو پہچاننے کے لئے اس زبان کو جاننا اور سمجھنا ضروری ہے جس میں شاعری کی گئی ہے مگر جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ یہ ممکن نہیں۔ دنیا کے کسی بڑے شاعر کو لے لیجئے اس کی شاعری کے خاص فن اور ان کی تہوں میں اترنے کے لئے پوری عمر درکار ہے۔ یہ صرف ترے سے ممکن ہوا کہ ہومر 'دانتے' شکس اور گوئے جیسے عظیم شعرا کو فن اور ان کے فکر کی بلندی دوسروں تک پہنچی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ جن زبانوں میں ان راجست شعرا نے شاعری کی 'اس زبان کی وسعتوں کا' اس کے استعمال اور اس کے فنی امکانات کا اندازہ بھی پہلی مرتبہ ہوا کہ جس میں اتنی بڑی شاعری ممکن ہو سکی۔ لہذا نثر کے ترے کی نسبت شاعری ہی کے ترے سے دوسری زبان کے ہزاروں فنی کمالات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ یوں بھی زبان کے ادب کو اس کی شاعری پر مے بغیر جاننے کا دعویٰ ایسا ہی ہے جیسے مجھ کے بغیر صورت ذات کو جاننے کا دعویٰ۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو میاں سے فرانس گیا اور وہیں ایک فرانسیسی عورت سے شادی کر لی۔ پہری شادی عورت گار اور خوبیاں والی تھی۔ میں برس کی رفاقت کے بعد جب اس شخص سے اس کی بیوی کو تعریف کی گئی تو اس نے جواب میں کہا کہ بس یوں گتا ہے کہ میں برس سے میں محبت نہیں 'محبت کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کر رہا ہوں۔ تو شادی کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کہ یہ نازک ہندوں کی زبان ہے اور نازک ہندوں کے اظہار کا بہترین سانچا صرف شاعری ہے۔

غالب کا ترجمہ کیوں؟

تیسرا سوال جو میرے ذہن میں اٹھا یہ تھا کہ اردو شعرا میں غالب کا ترجمہ کیوں ضروری ہے؟ اس سوال کا

جواب خاصا تفصیل طلب ہے مگر یہاں اختصار کے پیش نظر میں یہ کہوں گا کہ اردو زبان اور اس کی شاعری کے حقیقی کمال کو جاننے کے لئے غالب کی شاعری کا جتنا از بکھر لازم ہے۔ غالب دنیا کے ان دس پارہ عظیم شعرا کی صف کار کن ہے کہ دنیا کا کوئی ادب اسے جانے بغیر شعری فکر کی بلندیوں اور عظمتوں کا ادراک حاصل نہیں کر سکتا اگرچہ غالب کا اردو کلام اور اس کے فارسی کلام کے مقابلے میں غالب کی اپنی نظر میں "بے رنگ من است" تھا مگر غالب اردو شاعری کی مصراع ہے اور اردو زبان کی تنصیب کی اعلیٰ ترین صورت۔ اردو زبان کے استعمال میں جو SOPHISTICATION غالب کے یہاں ہے وہ اس کے ہم عصر اور شاہ کے استاد ذوق کی زبان میں نہیں ملتی۔ غالب اردو زبان کی تنصیب کی سب سے عمدہ مثال ہے اور اس کے استعمال پہ اسے ایسی قدرت تھی کہ وہ اس زبان کے کسی اور شاعر کے حصے میں نہیں آتی۔ لہذا غالب سے انتہائی اردو زبان کی تنصیب کی اعلیٰ ترین صورت سے آشنائی ہے اور غالب سے محرومی نہ صرف اردو شاعری سے محرومی ہے بلکہ دنیا کی اعلیٰ ترین شاعری سے محرومی ہے اور شاید اسی لئے غالب ترجمہ کرنے والوں کے لئے ایک بہت بڑا چیلنج ہے اور اس چیلنج سے نبھانا ہوتا جان جو کھوں کا کام ہے۔ اس کے ہم عصر اور ہم زبان شعرا اور خن شناس شاکر تھے کہ وہ ایک مشکل پسند شاعر ہے اور کچھ میں آنے والا نہیں ہے۔ اہل فن جانتے ہیں کہ یہ شکایت ادب 'عقل اور طوم کی تاریخ میں ہر اس شخص کے بارے میں کی گئی جس نے کسی میدان میں اجتہاد کی نئی راہیں نکالیں۔ غالب صاحب ایجاد شاعر تھا اور فکر کی بلندیوں کے ساتھ ساتھ زبان کے فنی استعمال پہ اسے خفا نہ قدرت حاصل تھی۔ پس غالب کی شاعری کو دنیا کی دوسری زبانوں میں منتقل کرنا دراصل شاعری کے کمالات کے ساتھ ساتھ اردو زبان کی اسکاٹنی وسعتوں اور عظمتوں سے دنیا والوں کو روشناس کرانا ہے۔

غالب کا پنجابی میں ترجمہ کیوں؟

چوتھا اور آخری سوال یہ ہے کہ کلام غالب کا پنجابی زبان میں ترجمہ کرنے کی کیا اہمیت ہے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ اردو شاعری یا نثر کا پنجابی میں ترجمہ کرنا 'حرجین کے نزدیک اس لئے اہم ہے کہ اردو زبان بہ نسبت دوسری زبانوں کے پنجابی زبان کے بہت قریب ہے۔ ڈاکٹر گوہر نوشاہی "ترجے کا فن اور پنجابی لکھو" کے عنوان کے تحت اس نکتے کو یوں بیان کرتے ہیں۔ "اردو زبان کا وجود جن عناصر اورید سے تیار ہوا، پنجابی زبان ان میں سے ایک ہے۔ پنجابی زبان کا مزاج، لب و لہجہ اور گھن گرج سب اردو زبان میں موجود ہے اور اردو زبان کی تمام باریکیاں اور اعتبار و بیان کے تمام اسلوب پنجابی زبان کی وسوسہ میں ہیں۔" اردو اور پنجابی شاعری کے باہمی رشتے کی شواہد اردو زبان کے قدیم تذکروں میں سید انشاء اللہ خاں انکا کے اس شعر سے بھی ملتی ہے۔

نالا رات کو قصہ ہو میر راجے کا تو اہل درد کو پنجابیوں نے لوت لیا
حافظ محمود شیرانی کا تحقیقی مقالہ "مغایب میں اردو" اردو اور پنجابی کے باہمی رشتے پر علمی سطح پہ روشنی ڈالتا ہے۔ جسے علامہ شیرانی نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان دونوں زبانوں کی یہی باہمی قربت ہی پہلی سطح پہ حرجین کی تحریک کا سبب بنی ہے اور وہ اردو سے پنجابی اور پنجابی سے اردو میں تراجم کا بڑا اٹھا لیتے ہیں۔ کلام

غالب کا پنجابی ہونے اور پڑھنے والے ایسے طبقے میں "جو اردو زبان و ادب سے نا آشنا ہے۔" حصارف ہوگا اور غالب کی شاعری جب پنجابی زبان کی دھڑس میں آئے گی تو اس سے خود پنجابی زبان الفاظ و بیان کے ساتھ ساتھ نئے لہجوں اور مزاج سے روشناس ہوگی بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ غالب کے پنجابی ترشے سے پنجابی زبان "اعتماد و بیان کی ایک نئی جہت سے مالا مال ہو گئی" دوسری جانب پنجابی زبان کے ادب میں دنیا کے ایک عظیم شاعری فکر بھی شامل ہو جائے گی اور یوں پنجابی ادب کے سرمائے میں بے ہوا اضافہ ہوگا۔

ہمارے ہاں تو پنجابیوں کی دو دنیاں ہیں۔ ان کی ہل چال کی زبان تو پنجابی ہے مگر ان کی تہذیب اور قوی زبان اردو ہے۔ رسالت کے رہنے والے جو زیادہ تر پنجابی نوک ادب کے تھے سختے اور پڑھتے تھے "وہاں اب قسیم مجازی پہنچ گیا ہے۔ لہذا ایسے کثیر تعدادی والے طبقے کے لوگوں کے لئے غالب کو ان کی زبان میں پیش کرنا" پنجابی زبان ہی پر احسان نہیں بلکہ رسالت کے رہنے والوں میں اعلیٰ اور معیاری ادب سے روشناس کرانے کے حصارف ہے۔

اچھا ترجمہ کسے کہتے ہیں؟

اس بحث کے بعد ذہن قدرتی طور پر چند اور سوالوں کی طرف جاتا ہے کہ اچھے ترشے کا معیار کیا ہے اور اسے کیسے پرکھا جاسکتا ہے؟ کیا ترجمہ ایک تخلیقی عمل ہے یا خالصتاً "تکنیکی" اچھے ترشے اور اچھے حصرم میں کس قسم کی خصوصیات کا ہونا ضروری ہے؟ کیا ترجمہ "استفادہ اور تخریج میں کوئی حد قائم کی جاسکتی ہے؟ یہ اور اس قسم کے سوالات پر ناقدین ادب کی طویل بحثیں ہو چکی ہیں۔ بعض ناقدین کی رائے میں ترجمہ اصل کے الفاظ کی بجائے مضمون کی طرف زیادہ جھکا ہوا ہے۔ علامہ انصاری لکھتے ہیں: "ترجمہ اگر کامیاب ہو جائے خود تخلیقی ادب کا حصہ بن جاتا ہے۔ اس کے احتساب کا کوئی اصول وضع نہیں کیا گیا۔" (۱) واکٹر گوہر شکی کا کہنا ہے کہ "ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ یا مضمون کو منتقل کرتے ہوئے جو دقیقہ پیش آتی ہیں ان کو مد نظر رکھا جائے تو یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ترجمہ ایک خاص شعوری اور اکتسابی عمل ہے۔ جس کو انجام دینے کے لئے باقاعدہ مباحث اور مہلکے کی ضرورت ہے۔"

(3)

فن ترجمہ اور اس کی پرکھ کے تمام مباحث کو پڑھنے کے بعد مختصر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جس زبان میں جو کوئی ادب پارہ ترجمہ ہوا تو اسے اس کے خالق سے الگ ہٹ کر دیکھنا چاہئے یعنی جس زبان میں ترجمہ ہوا ہے اس میں کیا وہ ایک مستقل اور حساس تحریر بنی ہے یا نہیں دوسرے لفظوں میں ہمیں یہ عمل دیکھنا چاہئے کہ غالب کا پنجابی ترجمہ غالب سے الگ ہٹ کے پنجابی زبان میں بجائے خود ایک ایسی نظم یا غزل ہے جو اس کے پڑھنے والے کو اسی طرح MOVE کرتی ہے جس طرح غالب کے ایک حساس اردو قاری کو۔ اگر ترشے کی صورت میں ظاہر ہونے والی تحریر اپنے پڑھنے والے پر کوئی تاثر نہیں چھوڑ سکتی تو وہ ترجمہ اپنے بنیادی مقصد یعنی شعری ابلاغ میں ناکام رہا ہے۔ میرا خیال ہے ترشے کی پرکھ کا یہ معیار ترشے کی کامیابی یا ناکامی کو جاننے کے لئے بنیادی حیثیت کا حامل ہے اور اسی معیار کو سامنے رکھتے ہوئے ہم کام غالب کے پنجابی ترجموں کا ایک جائزہ لیتے ہیں۔

پاکستان میں غالب کی اردو غزلوں اور نغموں کے منظوم ترسے کتابی صورت میں ابھی تک صرف دو ہی ہیں۔ اہمیت کی ایک شعرا نے ان کی چیدہ چیدہ غزلیات یا ایک آدھ غزل کے کچھ ترسے کئے جو مشترکہ کوششوں سے زیادہ نہیں۔ پاکستان میں اس کا باقاعدہ آغاز صوفی غلام مصطفیٰ حسیم مرحوم نے غالب کے فارسی کلام کے پنجابی تراجم سے کیا۔ ان کے یہ تراجم پنجابی زبان میں پہلی کامیاب کوشش کی جا سکتی ہے۔ لیکن صوفی صاحب نے غالب کے ترسے کو صرف ان کی فارسی شاعری تک محدود رکھا اور کسی اردو غزل کا ترجمہ نہیں ان کے ہاں نہیں ملتا۔ صوفی صاحب کے علاوہ ماہر صدیقی، مفتی لطیف گجرانی، احمد حسین اور دہلویز شاد نے ایک دو غزلوں کے ترسے کئے لیکن اردو غزلیات کا پہلا ترجمہ ۱۹۶۹ء میں پروفیسر دلاؤ گانچوی نے کیا جسے کتبہ میری لاہوری نے لاہور سے شائع کیا۔ یہ مجموعہ غالب کی ۲۳ غزلیات کے منظوم ترسے پر مشتمل ہے اور ”غالب دواں غزلاں“ کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ دلاؤ گانچوی ۱۹۸۶ء میں بمبائل پور میں پیدا ہوئے اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد محکمہ تعلیم سے منسلک ہو گئے۔ ”غالب دواں غزلاں“ کا ترجمہ سرائیکی زبان میں کیا گیا ہے جو پنجابی زبان ہی کا ایک لہجہ ہے اور یہ زبان مٹان، ’بمبلیور‘، ’خیر پور‘، ’دھیم پور‘، ’جٹاں‘، ’سندھ اور بلوچستان کے سرحدی اضلاع میں بولی جاتی ہے۔ مشہور صوفی شاعر بکسرست اور خواجہ فرید کا کلام سرائیکی ہی میں ہے۔ مسعود حسن شہاب اس ترسے کے دیباچے میں ترسے کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”غالب کی اردو غزلوں کو بمبلیوری مٹانی زبان میں عقل کرنے کی سب سے بڑی تحریک میں ہے کہ وہ (حزیم) اردو غزل کی اصلی اقدار سے ان لوگوں کو محفوظ و مستفید کرنا چاہتے ہیں۔ جن کے لئے اردو زبان انجینی نہیں تو اپنے نکات و معارف کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ الفہم بھی نہیں ہے۔“

دلاؤ گانچوی نے فارم کے لئے جو ”تقریبات“ رکھے ہیں۔ ان میں اصل غزلیات کے اوزان و بحر اور ردیف و قوافی کو بچوں کا توں برقرار رکھا ہے۔ فارسی اور عربی الفاظ جو مشترکہ طور پر دونوں زبانوں میں مستعمل ہیں، انہیں بھی مٹانی بمبائل پوری میں عقل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ صرف اس افعال اور صفات و فیوہ میں رد و بدل کیا ہے مثلاً ”کھا“ کی بجائے ”کھا“، ”کی“ بجائے ”کی“، ”ہو تا“ کی بجائے ”ہو تا“، ”اگوں“ اور بہت کی بجائے ”بہوں“، ”دھیو“ و ”فیو“ (۹)

واقعہ یہ ہے کہ حزیم نے اس ترسے میں ”کھا“، ”کی“، ”ہو تا“، ”اگوں“، ”بہوں“ کے علاوہ کوئی اور قابل ذکر کام کیا ہی نہیں۔ غالب کے اشعار کو بچوں کا توں اٹھا کر رکھ دیا ہے اور جہاں کہیں ایک کدھ کدھ ترسے کی کوشش کی ہے وہاں منظوم اصل سے دور ہو گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حزیم میں شاعری کے ترسے کی صلاحیت ہی نہ تھی۔ غزلیات کے ان تراجم میں نہ تو وہ غالب کی فکر کو پنجابی زبان میں عقل کر سکے ہیں اور نہ ہی ترسے میں سرائیکی زبان کا جسے وہ مٹانی بمبلیوری کہتے ہیں۔ کوئی روپ یا نفا عیش کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں غالب کے ان تراجم کی اہمیت اس سے زیادہ نہیں کہ ان میں ترسے کے دعوے اور اعلان کے باوجود ترسے کے فن کو سرے سے استعمال ہی نہیں کیا گیا۔ لہذا ترسے کے اس پہلے مجموعے کی اہمیت محض ایک ریفرنس سے زیادہ نہیں۔ آپ صرف چند مثالوں سے ملاحظہ فرما لیجئے کہ اصل اور ترسے میں کتنا فرق ہے۔

نقل فریادی ہے کس کی شوقی تحریر کا
کاغذی ہے جڑوں پر جگر تصویر کا

ترجمہ

نقل فریادی ہے کھنڈی شوقی تحریر دا
بس کہ ہوں غالب امیری میں بھی آفتل زیر پا
اتنی ہے غالب امیری دج دی بھاڑاں تے
واں سڑے وانگ ہے کڑا میٹھی زنجیر دا

یا

مثنیٰ مجھ کو نہیں وحشت ہی سی
میری وحشت تجری شہرت ہی سی
ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے
غیر کو تجھ سے محبت ہی سی

ترجمہ

مثنیٰ نہیں تیں وحشت ہی سی
میں بھی وحشت تجری شہرت ہی سی
اسل دشمن تے نے ہیں قہقہے
غیرکوں قہقہے محبت ہی سی

آپ نے دیکھ لیا کہ ترشے کے نام پر حیرم نے صرف ’اسا‘ افعال اور صفات کو بدلنے کی زحمت کی ہے اور ردیف ’قالیے‘ اور بحر کو بھی جوں کا توں رکھا ہے۔ ایسے ترشے کو دیکھ کر صرف ایک ہی خیال بار ذہن میں آتا ہے کہ اگر یہ ترجمہ ہے تو پھر اس سے بہتر ہے کہ اصل ہی کو پڑھ لیا جائے۔

کلام غالب کے باغی ٹرے کا دوسرا منظوم ترجمہ دیوان غالب کے عنوان سے امیر عابد نے بارہ برس کی محنت کے بعد مکمل کیا اور جسے مجلس ترقی ادب لاہور نے ۱۹۸۷ء میں شائع کیا۔ امیر عابد معنی کے چنبٹے سے تعلق رکھتے ہیں اور ترشے کی اشاعت کے وقت وہ گورنمنٹ اسکول کالج ڈھو پہلے خالصہ کالج قراہ گوہراؤالہ میں شعبہ اردو میں استاد تھے۔ حیرم کے بقول ترشے کا خیال انھیں غالب کی شاعری کی تدریس کے دوران آیا ’جب انہوں نے محسوس کیا کہ ”پڑھی پڑھائی تشبیہیں اور گھڑے گھڑائے جملے بول کے طالب علموں کو بظاہر مطمئن تو کر دیتا تھا مگر میرا دل کتنا تھا کہ غالب ان نوجوانوں تک نہیں پہنچ پاتا۔ ہاں البتہ جب کبھی اپنی مادری زبان باغی کا سارا لے کے غالب کے شعر، مکتوب کی توہیں لاکر کج مجھے بھی اس شعر کی سمجھ آگئی اور پڑھنے والوں کو بھی۔ چنانچہ امیر عابد نے جون ۱۹۷۷ء کی ایک رات غالب کی مشہور غزل ”یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا“ ریڈیو پر سن کے ترجمہ کر ڈالی اور جب دوستوں کو سنائی تو انہوں نے اس کو شش پہ بے حاشا داد دی اور یوں شوق کا یہ قافلہ رواں ہوا۔ امیر عابد کے اس ترجمے کے بارے میں احمد عظیم قاسمی دہاپے میں لکھتے ہیں:

”امیر عابد کے اس طرح کے سچے اور اچھے تراجم سے میں مسحور ہو کر رہ گیا۔ میں سوچنے لگا کہ جس طرح شعر کما قدرت کی طرف سے دلچسپی کی ہوئی قوتوں کا اظہار ہے، اسی طرح اچھے شعر کا اچھا ترجمہ بھی قدرت کی اس دلچسپی خاص کے بغیر ممکن نہیں اور امیر عابد اس سے پوری طرح آراستہ ہے۔“

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:

”امیر عابد کا ترجمہ دیکھئے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس نے غالب کو ہانی کی طرح پی لیا ہے اور اسے اپنے خون میں دواں کر لیا ہے۔“

امیر عجم گامی کے بقول امیر عابد غالب کی مجلس اور بظاہر سلوہ اشعار کی سادگی و ہر کاری کو بھی اپنے تخلیقی ترسے کی گرفت میں لے لیا ہے اور یہ کہ

”امیر عابد کے اس ترسے نے روز روشن کی طرح ثابت کر دیا ہے کہ وہ اردو کی انتہائی گہری اور کبیر شاعری کی تقسیم و حصین پر بھی حاوی ہے۔ اور پنجابی تو جیسے اس کے سامنے ہاتھ بندھے کھڑی ہے۔ ترسے کا یہ مجرہ اسی لئے ظہور پذیر ہوا ہے۔“

پنجابی زبان کے ہنسور شاعر اور نقاد شریف کنہاوی نے امیر عابد کے تراجم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔
”مہماؤں کاٹ کر دودھ کی ضرر نکالنا ہر جیسے والے کے بس کی بات نہیں ہوتی مگر غالب کے کام کو پنجابی میں احوال کر امیر عابد نے یہ کام کر دکھایا ہے۔“

پانچویں کی یہ آراء امیر عابد کے تراجم کے بارے میں مبالغے سے پاک ہیں۔ بلاشبہ امیر عابد نے کام غالب کو پنجابی زبان کی کھائی میں احوال کر غالب کو پنجابی زبان کا شاعر بنا دیا ہے۔ ایسا شاعر جس کا اصل روپ مسخ نہیں ہونے پایا۔ جیسا کہ میں نے اس مضمون کے آغاز میں کہا تھا کہ غالب ایک بہت بڑا پہنچ ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کبھی بھی زبان کا حصر اس پر ہاتھ ڈالنے وقت کھپ جاتا ہے۔ مگر امیر عابد نے بارہ برس جس گن اور غلوں کے ساتھ غالب کے ساتھ دن رات بسر کئے، وہ بلا غر غالب کو اردو کے کوسے سے نکال کر پنجابی زبان کے کوسے میں اس طرح لئے آئے کہ دلی کے مرزا نوٹ، پنجاب کے ہاسی گئے گئے ہیں۔ میرے نزدیک امیر عابد کے ترسے کی یہی سب سے بڑی کامیابی ہے کہ پنجابی زبان کا چلا پن کر غالب کی شاعری سر زمین پنجاب کی چڑ گئے گی ہے اور اردو سے ٹالہ پنجابی اسے چڑ کر بہت حد تک غالب کے گھر کی گھرائیوں، خیال کی زانگوں، اور زبان و بیان کے حسن کا تجزیہ کر سکتا ہے۔

امیر عابد کا ترجمہ نہایت با محاورہ ہے۔ پنجابی زبان پر ان کے عبور اور دھڑک کا ثبوت انہوں نے اپنے ترسے میں دے دیا ہے۔ ایسے ایسے خوب صورت محاورے اور لفظی بندشیں انہوں نے استعمال کی ہیں کہ اس سے خود پنجابی زبان کے حسن اور اس کی وسعت پر حیرت ہونے لگتی ہے۔

اس ترسے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ حصرم نے ترسے کو محض لفظوں کو تبدیلی نہیں سمجھا بلکہ ایک تنصیب سے جنم لینے والے تخلیقی عمل کو ایک دوسری تنصیب کے اندر یوں بدل کے رکھ دیا ہے کہ غالب کے تراجم اپنی الگ حیثیت میں ایک تخلیقی عمل کا حصر معلوم ہوتے ہیں۔

علامہ انیس امیر عابد نے غالب کے اشعار کے مضمون کو نہایت دانتداری سے ترسے میں غفل کیا ہے اور یہ التزام برقرار رکھا ہے کہ مضمون کی تریل میں لہجہ اور طرز بیان بھروسہ نہ ہو۔ میرے نزدیک یہی وہ بڑا اور مشکل مرحلہ ہے جسے حصرم کی صلاحیت کا کڑا امتحان ہوتا ہے۔ امیر عابد اس امتحان میں سرخرو ہوئے ہیں اور کام غالب کے ان تراجم میں لہجہ اور طرز بیان کو اس سے پنجابی سبجے میں بدل دیا ہے کہ پنجابی آہنگ کے اندر سمونے جانے کے بعد

اس میں اصل لیے کی روح باقاعدہ جھلکتی ہے۔

امیر غالب نے ترشے میں بیشتر اوقات 'قافیے' اور محلوں کو بدل دیا ہے مگر اس کے باوجود یہ ترشے اصل کے ساتھ ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ بعض مقامات پر حرم نے قطعی اضافے بھی لئے ہیں۔ مگر اس طور پر کہ ان سے شعر کے حسن میں اضافے کے ساتھ مضمون کی صحت برقرار رہی ہے۔ بلکہ ان الفاظ کے اضافے سے مطالب کی تقسیم میں آسانی پیدا ہوئی ہے۔ پنجابی ہونے کے باطن سے امیر غالب کے ترشے نے میری غالب غمی میں بڑی مدد کی ہے اور ایسے ایسے مشکل مقامات پر آسان کر دیئے جن کو میں نے ہماری پھر جان کر چوم کے چھوڑ دیا تھا۔ ہمیشہ مجموعی امیر غالب کے اس ترشے میں غالب کی شاعری کا حسن بھی دکھائی دیتا ہے اور پنجابی روح ان انفرادی حیثیت میں اپنی اگلی کو برقرار رکھ پایا ہے۔

ہاں ہم اس کامیاب کوشش کے باوجود حرم کہیں کہیں اصل میں سے اس قدر دور ہو گیا ہے کہ اگر پڑھنے والے کو اصل حسن کا پتہ نہ ہو تو وہ محض اس ترشے سے شعر کے حسن اور مضمون دونوں تک نہیں پہنچ پاتا۔ اسے بڑے ترشے میں اس طرح کی لغزشوں کا احتمال کمال قسم ہے اور ایسی لغزشیں اس وقت سرزد ہوتی ہیں جب مضمون ایک خاص طرح کی بے بسی اور لاچاری کا شکار ہو جاتا ہے یا پھر اس عابدے میں جس ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے اس سے احتیاط کرنے لگتا ہے۔ ہرمال دوسرے ایسے نغمے میں ایسے تمام اشعار جو غالب کے طرز شاعری اور طرز بیان سے دور ہو گئے ہیں ان پر نظر ثانی کی جاسکتی ہے اور انہیں اصل کے قریب لا کر ترشے میں پیدا ہونے والے ابہام کو دور کیا جاسکتا ہے۔

میری ان آراء کی وضاحت کے لئے امیر غالب کے تراجم سے کچھ مثالیں ضروری ہیں جن سے آپ کو اندازہ ہو سکے گا کہ وہ اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوا ہے اور کہاں کہاں اس کے قدم کمزور پڑے ہیں۔

روح ان کی اولین قول ہی کو لےجئے "دلاکھ کھانچوی نے"

تھقل فرادی ہے کس کی شرفی تحریر کا کھنڈی ہے درجن ہر جگر تصویر کا
کا ترشہ یہ کیا قول

تھقل فرادی ہے کھنڈی شرفی تحریر کا کھنڈی چلے دے دے کیوں تن ہی ہر تصویر کا
امیر غالب کا ترشہ دیکھئے

چر چکنا اے چڑکار کھڑے کھنکھن کھنکا دے تحریر سائیں
چلے کھنڈی ساریاں سورتیں دے بے دیاں بے تصویر سائیں

بس کہ ہوں غالب امیر میں بھی آتش زبیا سے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا
دلاکھ کھانچوی

اسیری دج دی بھا جیاں تے وال سڑے دانک ہے کڑا میٹھی دھیر دا
اسیر عابد:

غالب ہنکھڑاں (5) دج نہ دھواں ٹھلایا جیاں پہلو پوٹیاں بھجیاں میں
کنڈل سکا وال ہے سنگلی دا جھڑی سنگلی آساں اسیر سائیں

مٹن بھ کر نہیں وحشت ہی سی میری وحشت تھری شہرت ہی سی
اس شہر کا دشا دکھانچری کا لٹلی ترجمہ تو آپ عا خط کر ہی چکے ہیں "اب اسیر عابد کو دیکھئے:
میںوں مٹن نہ ہوا" جمل کھارا سی میرا جمل کھلا را تھری چڑھا سی
قطع کیجئے نہ قطع ہم سے" کچھ نہیں ہے تو عدوت ہی سی
سلاے ہلوں لگ لگاتے توڑیں نہ کچھ دی نہیں بھیا ات کڑکا سی

یہ مثالیں تو دونوں حرمین کے قابل کے لئے تھیں "اب ذرا وہ تراجم دیکھئے جہاں اسیر عابد کا ہر اپنے کمال پر ہے:
تم سے ہے جا ہے مجھے اپنی جای کا گھر اس میں کچھ شائبہ غولی نگہر بھی تھا
ترجمہ

گھر حیرے اتے میرا پھدا نہیں" خا توں نہیں لمحہ بربادیاں دا
میرے دلن دلاں دے روپیاں دج" میرے اپنے لیکھاں دی بار دی سی

غالب

بکلی اک کوئے مچی آنکھوں کے آگے تو کیا
بات کرتے کر میں لب تھنہ تحریر بھی تھا

اسیر عابد:

ہوا کچھ ہے چم کے اکھیاں" لٹکھاں مار کے ہوئی لڑاں بکلی
چنگی گل ہے سی سچے کوئی گل کدے" میرے ہلھل دی ترسہ گلزار دی سی

غالب

پکڑے ہاتے ہیں فرشتوں کے کھسے پر ماتن
گوی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

اسیر عابد:

پکڑے ہاتے آں اسی نعلی ہندے ہسی قلماں تے جہ فرشتیاں دے

کہے مجھے سن جہوں اعمال تھے کُل سلا وکیل عمار دی سی

غالب:

پٹے میں عیب نہیں رکھتے نہ فریاد کو نام ہم ہی آشفہ سہوں میں وہ بھوں بھر بھی تھا

ایر علی:

کسے کاروبار لوں نہیں مٹا کا جنوں بندے پہ فریاد نہاں

جنوں چڑھی بھرائی سر موت آئی اسال عاشقان وچ سوار دی سی

غالب کی ایک سلس غزل کے پندرہ اشعار کا ترجمہ دیکھئے۔ جس کے ہر دوسرے مصرعے میں ایک لفظ کا اضافہ حرجم نے کیا ہے اور اس اضافے سے معنی کا حسن بڑھ گیا ہے:

موت کا ایک دن صبح ہے غنیمت کہاں رات بھر نہیں آتی

ترجمہ

بکی گل اے! مٹا آگ دن منہا اے غنیمت کہاں رات بھر نہیں آتی

آگے آتی تھی حال دل پہ نہیں اب کسی بات ہے نہیں آتی

ترجمہ

آگے دل دے جانوں باز کوئی سی ہوں کسے دی گلوں بھیڑی آوندی نہیں

جانا ہوں خواب طاعت و زہد اب طبیعت اور نہیں آتی

ترجمہ

نیا جسے لہکیں اور دوسرے نہیں ایسے پاسے طبع کھنٹی آوندی نہیں

ان ترانوں میں غنیمت کے لئے جملی، انہی کے لئے بھیڑی، طبیعت کے لئے کھنٹی کی معنات کے اضافے کی وار کوئی پہچانی ہی دے سکتا ہے۔

ایک اور مشہور غزل کا ترجمہ بھی ایر علیہ کے اس کمال کا نمونہ ہے کہ وہ اردو لکھے اور بیان کو کس خوبصورتی سے اسی انداز میں ترجمہ کرتا ہے اور پہچانی بخلاوے کو کس چابک دستی اور ہوشیاری سے استعمال کرتا ہے:

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے تمہی کو کہ یہ انداز مکتو کیا ہے

ترجمہ

گل گل تے آہتا ایں کہہ ایں؟ ساغوں تیرا کہہ اے

آپے دیں خاں تیرا اندر بدلن دا چالا کہہ اے

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہو گا کہہ تے ہو جواب راکھ، جیتو کیا ہے

ترجمہ

ہتے سارا چہ بلایا دل کتے پچا ہی
ہوا ہے شہ کا مصائب پھرے ہے اترات
سواہ نوں یار پھر دل بیٹا جھو لہندا کھہا اے
دگر نہ شہر میں غالب کی آمد کیا ہے
ترجمہ

شاہ دی بھنی بھنڈاے تے اڑی نہیں سوگدی
نہیں تے دسو شہر اندر غالب دی واہ واہ کھہا اے

ان مثالوں میں انداز محفل کے لئے یوں دا چالا اور اترانے کے لئے اڑی نہ گنا کا مولورہ مترجم کے مسن انتخاب اور پنجابی زبان پر دسوس کی عمدہ مثالیں ہیں۔ جہاں جہاں اضافے ایسے نہیں گئے اور وہ متن کو پھلانگ گئے ہیں اس کی ایک مثال یہ مقلع ہے:

جو یہ کہے کہ رنقت کہیں کے ہو رنقت فارسی
مکتوب غالب ایک بار پڑھ کے اسے سنا کہ یوں
ترجمہ

کہیں رنقت ڈنگلا فارسی نوں ہے کوئی پچھے امیر نپالیاں نوں
اک وار بٹھا کے کل اوہوں غالب خاں وے بول سنا کہ رنقت

اس ترجمے میں "بے کوئی پچھے امیر نپالیاں نوں" ایک ایسا اضافہ ہے جس کا شعر کے اصل متن میں کوئی وجود نہیں اور اس پر مزید سہم یہ کہ مترجم نے ترجمے میں اپنا شخص بھی ڈال دیا ہے اور "لہجلیوں" کو بھی خواہ مخواہ جج میں لے آئے ہیں اور پھر غالب کو غالب خاں بنا دیا ہے۔ یقیناً یہ ترجمہ کنزوری ہی نہیں 'متن کو مسخ کر کے اسے مسم بنا دیا گیا ہے ایسی اور بھی کئی مثالیں ترجمے میں موجود ہیں۔ بحر حال امیر عابد کی یہ کوشش پنجابی زبان میں غالب کا ایک عمدہ تعارف ہی نہیں بلکہ غالب کی شاعری کے تراجم میں اسے ایک کلیدی حیثیت حاصل رہے گی۔





مطالعائی انٹرویوز

تسلیم احمد تصور نے معروف ادبی شخصیات
کے انٹرویوز کا ایک نیا سبب انداز اپنایا۔

سُورج پبلشنگس، یو۔ پی۔ ایچ. لاہور

تاریخ

نوادراتِ غالب

جائے ولادت مرزا غالب آگرہ





اس مکان کا دالان جہاں مرزا غالب پیدا ہوئے



جائے رہائش مرزا غالب، بیمارانِ دہلی



قیام گاہ مرزا غالب، محلہ راج دواہہ، رام پور



موقع کی یہ رنگین منبری تصویر جو مغل مصوری کا شاہکار ہے ۱۶۸۲ ہجری کی بنی ہوئی ہے۔ اصل تصویر دس انچ لمبی اور سات انچ چوڑی ہے۔ اور لواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی مرحوم کے کتب خانے حبیب گنج ضلع علی گڑھ میں محفوظ ہے۔ یہ تصویر لواب مرحوم نے ۳۰ ذیقعدہ ۱۳۱۵ ہجری کو دہلی میں خریدی تھی۔ اس کا فوٹو سب سے پہلے ۱۹۳۸ء میں بانگ رام صاحب نے ”سید بھجن“ اور ”اکبر غالب“ میں چھپوایا تھا۔ اسی تصویر کا عکس بھارت میں ۱۹۵۲ء میں ساڑھے چار آنے والے ٹکٹوں پر شائع ہوا تھا۔ یہ تصویر حقیقی طور پر صدوقہ ہے۔



یہ تصویر سب سے پہلے "یادگار غالب" مطبوعہ ہائی پریس کالج لاہور ۱۸۸۷ء میں لیتھو سے چھپی تھی جو غالب کی اصل تصویر تھیں۔ مولانا غلام رسول مرے اپنی کتاب "غالب" میں مولانا ابوالکلام آزاد کے حوالے سے لکھا ہے۔

ایک فوٹو اور دو تصویریں حالی مرحوم نے فتنی رحمت اللہ رحہ کے پاس اس غرض سے بھیجی تھیں کہ ان میں جو تصویر بہترین ہو اس کی نقل "یادگار" کے لئے تیار کر لی جائے۔ فتنی رحمت اللہ مرحوم نے بنیادی طور پر آخری فوٹو کو سامنے رکھا لیکن تحلیل کا رخ اس طرف رہا کہ اس عالم سے چند برس پہلے ناک نشہ کیا رہا ہوگا۔ اس طرح ایک نیا چوکنا تیار ہو گیا۔"



مؤلف کی یہ رقصیں تصویر مرزا غالب نے کسی پاکمال مصور سے ہوا کر تیموری خاندان کے آخری بنگہ دار بہادر شاہ ظفر کو پیش کی تھی جو لال قلعہ دہلی کے قیام خانے میں محفوظ ہے۔ اصل تصویر ساڑھے سات انچ لمبی اور پونے چھ انچ چوڑی اور تصویر کے نیچے ”شہید حضرت غالب دہلوی“ لکھا ہوا ہے۔ اس کا قلم سب سے پہلے بابائے اردو مولوی عبدالحق نے رسالہ اردو اپریل ۱۹۳۹ء میں حیدر آباد سے شائع کیا تھا جس پر انہوں نے لکھا تھا ”اس وقت تک کبھی تصویریں مرزا صاحب کی شائع ہوئی ہیں جن میں یہ تصویر سب سے زیادہ قابل اہم ہے۔“



یہ تصویر سب سے پہلے ۳ اگست ۱۹۴۷ء کے ”پیپہ اخبار“ لاہور کے صفحے میں شائع ہوئی تھی جو خادمِ تعلیم پریس لاہور میں لیتھو سے چھپی تھی اس کے بارے میں چترت موہن داناڑی لکھی کا کہتا ہے۔

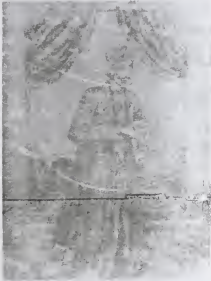
”لالہ سری رام نے جنہیں تصویروں کے جمع کرنے کا بڑا شوق تھا ایک قلمی تصویر دہلی کے مصوروں کے خانہ کلاں سے خریدی تھی یہ تصویر اسی کی نقل ہے۔“



مرزا غالب کی آخری تکمیلی تصویر یہ تو اب مرزا علاء الدین خاں بہادر علانی مرحوم نے کھنپوائی تھی اور اسی تصویر کا اعلان ۲۸ مئی ۱۸۸۸ء کے اٹکل الاطبار میں شائع ہوا تھا۔ اس تصویر کے لئے جانے کے چھ ماہ بعد مرزا صاحب کا انتقال ہوا۔



یہ تصویر سب سے پہلے ۱۸۶۱ء میں دلچان غالب پرچہ المصروف پہ نسخہ حیدرہ میں شائع ہوئی تھی۔ یہ اس تصویر کا چرچہ ہے جو کلیات فارسی طبع دوم ۱۸۶۳ء میں چھپی تھی۔ چرچہ بنانے والے نے حقیقت سی تبدیل کر دی لیکن بنیادی طور پر تصویر وہی ہے اور ناک نقشے میں کوئی فرق نہیں ہے۔



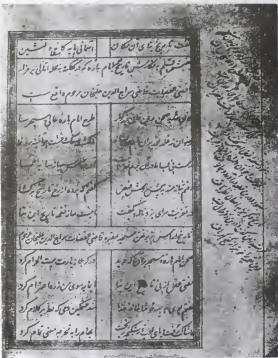
یہ تصویر سب سے پہلے نکلیات غالب ملیح دوئم میں لیتھو سے بھیجی تھی ۱۸۶۳ء میں ملیح
 نو کشور نے مرزا صاحب کی زندگی میں شائع کیا تھا۔ یہ تصویر اصلی ہے اور مرزا صاحب کی
 فکر سے گزر چکی ہے۔ اسی تصویر کا اعلان ۱۸۶۳ء اور ۱۸۶۴ء کے "اورد اخبار" میں شائع ہوا



رام چر (بھارت) کے معروف فنکار طاہر ایم سید کا تخلیق کردہ خاں کا ایک خوبصورت نکلی مجسمہ



دوران غالب فارسی کا ایک نمونہ سے کتابت دو صد سالہ جشن غالب کا نام مصل ہے لیکن بقول
 مالک رام یہ عجیب ہے جو غالب کا شاگرد اور ۲۰۰۰ قلم حاشیہ پر غالب کی تحریر ہے



کلیات غالب فارسی کا ایک نسخہ دو قراب مصطفیٰ خاں کے لئے ۱۷۵۵ء میں کتابت کیا گیا۔ غالب نے اس نسخے پر نظر ثانی کی اور حاشیہ پر بعض جگہ خود سے غزل فرمایا

سند غالب بنام ذکی معہ دستخط

سید اسد سائے فطرت کے کھنکھاتے آفتاب
 سوا ہی کہ میں نیمچا چند روز کا ہوا ہوں مہینا بہرے
 غذا بالکل مفقود صرف گوشت کی پانی پر مدار ہے
 اوتھنا دشوار اگر اوتھوں تو ہر دن سر سے گرنے
 ۲ سید محمد زکریا خان نسب میں سید امیر زادہ عالی
 ۵ دامن انکی بزرگ فطرت کا منصب پا چکی ہیں
 جاگیر ایک تہی پہر عرض جاگیر نہیں مقرر ہو اٹھنا
 یہ شخص ذات خود نیک اور صاحب علم اور متواضع
 اور دشمن اور نیک طبیعت اور رنگین طبع معنی
 طبیعت کو علاقہ اچھا ہے شعر کہتی ہیں اور خوب
 کہتی ہیں اس فرخ میں سحر شاگھو رشید ہیں —
 اسد خان غالب





غالب انٹرنی ٹیوٹ دہلی کے میوزیم میں اسد اللہ خاں غالب اور چودھویں کے خوبصورت مجسمے



مرزا اسد اللہ خاں غالب کی مہر



دارائے سخن مرزا اسد اللہ خان غالب کا دہلی میں مزار کا ایک منظر

پردہ اٹھنا ہے

ممتاز ماہر غالبیات، آنجمنی پر تصوی چند کی مایہ ناز کاوش "جاگیر غالب" ایک عرصہ سے ثایاب تھی کہ لاہور میں "جاگیر غالب" شائع کر دی گئی۔ اب غالب دوست حیران پریشان ——— آنجمنی پر تصوی چند سے ہمدردی کریں یا ناشر کو مبارکباد دیں۔ چلئے چھوڑیئے اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔ مگر ———

محترم پروفیسر لطیف الزمان خان نے ملتان سے "جاگیر غالب" کا اصل نسخہ بھجوا دیا۔ جو پاکستان میں پہلی بار ادارہ سورج شائع کرنے کا اعزاز حاصل کر رہا ہے۔ ———

پروفیسر صاحب بے حد شکریہ

جاگیر غالب، ڈاکٹر سید معین الرحمان اور پروفیسر لطیف الزمان خال

یک شنبہ ۱۶/اکتوبر ۱۹۹۳ء

تصور صاحب محرم، حلیم

اولیٰ بدلتی پر پردہ ڈالنا جرم میں شریک ہونے کے حروف ہے۔ آپ اسے پسند کرتے ہیں نہ میں۔ اسی لئے ”جاگیر غالب“ مرید پر قہوی چندر کا ٹکس میں آپ کو گزشتہ پنج شنبہ ۱۳/اکتوبر کو روانہ کر چکا ہوں۔ کتاب کے بارے میں ”سوال و اقل“ درج کرتا ہوں۔ اصل کتب میں ناقص بیچ کے بعد ایک تصویر ہے جس میں پر قہوی چندر مرحوم ڈاکٹر حسین خاں صاحب کو مسودہ دکھا رہے ہیں۔ ڈاکٹر سید معین الرحمان نے اس تصویر کو اپنی مرید کتاب ”جاگیر غالب“ میں شامل نہیں کیا ہے۔ شاید کسی اور موقع پر وہ قبیلی کا کام دکھائیں گے۔ پر قہوی چندر کے ساتھ یا ڈاکٹر حسین خاں صاحب کے ساتھ اپنی تصویر پکالیں گے ٹھیک اسی طرح جس طرح پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب کی تصویر کے ساتھ معین صاحب نے اپنی تصویر بتائی اور جدید اردو غزل کے ایک بیچ پر شائع کی ہے۔

وہ صلوٰۃ بھی معین الرحمان صاحب نے غالب کر دیا ہے جس پر کتاب کے نئے کے تین چٹے درج ہیں۔ اشاعت اول کی تعداد گیارہ سو ہے، نکشی پر خشک در کس ”دلی میں شائع ہوئی ہے اور قیمت اکیس روپے ہے۔

معین الرحمان صاحب نے مئی ۱۹۸۶ء کے ”پردان کو دو لخت کر دیا ہے اور لاڈ لیک کی تصویر کو الگ شائع کیا ہے۔“

معین الرحمان اپنے مقدمہ کے ساتھ (حروف انہوں نے نہیں پر قہوی چندر مرحوم نے لکھا ہے) جو کتاب مکتبہ کا دواں پمیری دواں لاہور سے شائع کرائی ہے اس کے کوائف یہ ہیں۔

جاگیر غالب

حروف، مقدمہ

ڈاکٹر سید معین الرحمان

پہلی دروغ گوئی یہ کی گئی ہے کہ بحیثیت مرتبہ پر قہوی چند مرحوم کا نام نہیں دیا گیا ہے۔
دوسرا جھوٹ یہ ہے کہ قادری کو دعو کا دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ لفظ "تعارف" استعمال کیا گیا
ہے لیکن تعارف مصین الرحمان نے نہیں لکھا ہے۔ مقدمہ میں مصین صاحب نے لکھا گیا
جھوٹ ہوا ہے اس کے بارے میں چند باتیں عرض کرتا ہوں۔

مصین صاحب لکھتے ہیں:

"جاگیر غالب" کے نام سے یہ کتاب غالب دوستوں کی تذکرہ کی جاری ہے شکل موجود اس
سے پہلے عام نہیں ہوئی۔"

یہ بات صحیح ہے کیونکہ حسب معمول اور حسب عادت مصین صاحب نے اس کا طبع بکاڑ
دیا ہے اور بکڑی ہوئی شکل میں یہ کتاب پہلی بار شائع ہوئی ہے، لیکن اصل کتاب کب شائع
ہوئی؟ پر قہوی چند بتاتے ہیں نہ مصین الرحمان۔ اندازہ ہے کہ یہ کتاب ۱۹۶۸ء یا ۱۹۶۹ء میں غالب
صدی کے موقع و مناسبت سے شائع ہوئی ہوگی۔

مصین الرحمان نے کتاب جمیل الدین عالی صاحب کے نام معنون کی ہے اور ایسا کرتے
ہوئے انہیں قطعی شرم نہیں آئی۔ کتاب مرحوم پر قہوی چند صاحب نے اپنے بیٹے وید پر کاش
کے نام معنون کی ہے۔ اس انتساب کو مصین الرحمان نے صلیحان پر شائع کیا ہے۔

قاعدہ ہے کہ جس شخص کے نام کتاب معنون کی جاتی ہے اس سے اجازت بھی لی جاتی
ہے۔ عالی صاحب نے اپنے ایک خط میں مجھے لکھا ہے کہ ان سے اجازت نہیں لی گئی۔ اس بے
حیائی اور ہندوستانی کو کیا کہئے کہ سید مصین الرحمان (پروفیسر صدر شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج
لاہور) نے پر قہوی چند کی کتاب کو اپنے نام سے شائع کر کے مرحوم کی روح کو تکلیف پہنچائی
اور انتساب "عالی صاحب کے نام بغیر اجازت شائع کر کے جس طرف کا مظاہرہ کیا ہے وہ کسی طرح
دل آزاری سے کم نہیں ہے۔ کسی مرحوم کے نام یا ادارہ کے نام انتساب ہو تو اور بات ہے جو
مخلص حیات ہے اظہاراً کتاب معنون کرنے کے لئے اجازت ضروری سمجھی گئی ہے۔

جناب شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے ایک کتاب "حق جاگیر غالب" کا ذکر کیا ہے۔ مختلف
طریقوں سے مصین صاحب نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے جیسے یہ کتاب شائع نہ ہوئی ہو۔
ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے ۱۲/ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو خود مجھ سے کہا کہ "حق جاگیر غالب" ان کے کتب
خانے میں موجود ہے۔ ڈاکٹر انصار اللہ (فکر شعبہ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) نے
غالب جیلو گرائی میں "حق جاگیر غالب" کا ذکر کیا ہے تو یقیناً کتب انہوں نے دیکھی ہی ہوگی۔

مصین صاحب کو اگر انتہاء تھا تو براہ راست ان سے معلوم کر سکتے تھے مگر ایسا نہیں کیا گیا۔

ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کو مصین صاحب نے "معروف غالب شمس" کا لقب دیا ہے۔

عقاد صاحب نے علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۱۹۳۹ء اس وقت مرتب کیا تھا جب وہ شعبہ عربی میں طالب علم تھے۔ اسی نمبر کو احوال غالب اور نقد غالب کے نام سے انجمن ترقی اردو (پنہ) علی گڑھ نے شائع کیا لیکن غالب پر عقاد الدین احمد صاحب کا کوئی وقیع کام آج تک نظر سے نہیں گذرا۔ ان کی تو بس ایک ہی خوبی ہے کہ طبعاً سب حد بخیل ہیں۔ معین الرحمن صاحب انکڑ غالب پر کتابیں حاصل کرنے کے لئے پاکستان ہی کے ضلع ہندوستان کے ادیبوں کو بھی لکھتے رہتے ہیں ایک مرتبہ معین صاحب نے عقاد الدین صاحب کو "غالب مصور" مرتبہ نور الدین آزاد کے لئے لکھا۔ اس طرہ صورت کتاب کے عام ایڈیشن کی قیمت پانچ سو روپے اور ڈی گس ایڈیشن کی قیمت ایک ہزار روپے ہے۔ عقاد الدین صاحب ایسا کر اس نسخہ کیوں بھیجتے۔ انہوں نے معین الرحمن کو اسی طرح بتایا جس طرح "حق باگیر غالب" کے بارے میں بتایا مجھے اس کتاب کا علم نہیں۔۔۔" وغیرہ۔ یہ طرہ صورت کتاب ڈاکٹر ط انصاری مرحوم کے دیباچہ کے ساتھ ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ عام نہیں ہے لہذا معین الرحمن صاحب کو چاہئے کہ ترتیب نو "تعارف" مقدمہ کے ساتھ اپنے نام سے شائع کریں۔

چونکہ محمد اسماعیل ہانی پتی 'ڈاکٹر محمد انصار اللہ نظر' ڈاکٹر عتیق انجم اور عقاد الدین احمد کے علاوہ 'معین صاحب کو "حق باگیر غالب" کا تذکرہ نہیں ملا اس لئے اس کتاب کا وجود مشکوک ہے۔

"باگیر غالب" مرتبہ پر تقوی چند کے ملبوم نسخے ہندوستان اور پاکستان میں عام نہیں ہیں اس لئے معین الرحمن صاحب کو یہ حق حاصل ہو گیا ہے کہ وہ پر تقوی چند مرحوم کی کتاب کو اپنے نام سے شائع کر لیں۔ ہندوستان میں یہ کتاب ہر اس شخص کے پاس اور ادارے میں موجود ہے جو غالب کو عزیز رکھتے ہیں۔ پاکستان میں بھی ان حضرات کے پاس کتاب موجود ہے جو غالبیات پر کتابیں شائع کرتے ہیں۔ یہ نادر کتاب معدوم ہرگز نہیں ہے۔ میرے ذخیرۂ غالبیات میں اس کے دو نسخے ہیں۔ پہلے نسخہ پر قیمت اکیس روپے ہے اور دوسرے نسخہ پر کتب فروش نے اس رقم کو کٹ کر ساٹھ روپے کر دیا ہے۔

غالب پر لکھی گئی درجنوں ایسی کتابیں ہیں جو عام نہیں ہیں بلکہ معین الرحمن صاحب کو تو ان کے نام بھی معلوم نہیں ہیں تو کیا اس کے یہ معنی ہوں گے کہ سید صاحب اب سب کتابیں کو اپنے مقدمہ اور دوسروں کے تعارف کے ساتھ اپنے نام سے شائع کر لیں۔ کچھ اور کتابیں بھی عام نہیں ہیں۔

ماضی قریب میں صرف تین کتابوں کے نام لکھتا ہوں :
از میر تقی میر 'حیات اور شاعری از ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی (پولانی ۱۹۵۸ء)

۲۔ مرزا محمد رفیع سودا از ڈاکٹر طلیق انجم (جنوری ۱۹۶۶ء)

۳۔ موسس 'خصیصیت اور فن' از ڈاکٹر طیسرا احمد صدیقی (فروری ۱۹۷۶ء)

یہ کتابیں قطعاً "عالم" نہیں ہیں۔ کیا مصیبن الرحمان کو یہ حق حاصل ہو گیا کہ "ترجیب نو" تحارف 'مقدمہ' کے ساتھ اپنے نام سے شائع کر لیں۔

(سر) سید احمد غلامی صاحب کی کتاب آثار الصلحہ کو تین جلدوں میں ڈاکٹر طلیق انجم نے ۱۹۹۰ء میں اردو انکروی دہلی سے شائع کرایا۔ یہ نہ عام ہے نہ عوامی تو کیا مصیبن الرحمان اسے اپنے نام سے شائع کریں گے؟

ایک صاحب نے غالب کے خطوط سے جملے نکالے عبارت 'ترجیب دی اور اپنے دادا کے نام غالب سے خط لکھوا لئے۔ یہ جمل پکڑا گیا لیکن نام تو رہ گیا۔ مولانا آسی جیسا عالم غالب کے رنگ میں غزلیں کہہ کر شرح لکھ گیا۔ آج تک یہ کتاب بچھپ رہی ہے۔ چڑھے کھٹے لوگوں کے علم میں ہے کہ یہ جعلی کام ہے لیکن نام تو رہ گیا۔ مصیبن الرحمان صاحب بھی اچھی طرح جانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ قبیلہ کا کام کریں 'دوسروں کی تحریریں اپنے نام سے شائع کریں غالب کے حوالے سے ان کا نام تو رہے گا۔

چند نام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

مرحوم ڈاکٹر ملک حسن اختر جیسے محقق انسان تھے جب وہ "حیات غالب کا ایک باب" پر کام کر رہے تھے 'انہیں معلوم ہوا کہ ایک صاحب غالب کے جشن کے کاغذات جمع کر رہے ہیں اور پتی ایچ ڈی کا مقالہ لکھنا چاہتے ہیں۔ مرحوم جو کچھ حاصل کر سکے اسے کتاب کا حصہ بنا دیا لیکن مقالہ پتی ایچ ڈی کا اب تک نہیں لکھا جاسکا ہے۔ میں تعجب کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ حسن اختر صاحب کو معلوم تھا یا نہیں کہ "جاگیر غالب" کا ایک نسخہ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کی لاہوری میں موجود ہے۔ وہ لاہور میں مقیم ہیں اور یہ بات ہر شخص کے علم میں ہے کہ ہر کتاب پنجاب پبلک لاہوری میں نہ ملے وہ وحید صاحب کے پاس مل جائے گی۔

حسن اختر 'رشید حسن غلامی صاحب کو برصغیر کا موجودہ زمانے کا سب سے بڑا محقق خیال کرتے تھے میرا بھی یہی خیال ہے کہ آج غلامی صاحب سے بڑا محقق نہیں ہے حقیق کا معاملہ ہو تو رشید حسن غلامی صاحب کی نگاہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی لیکن اگر کوئی صاحب یہ توقع کریں کہ وہ دہلی کے کتب فروشوں کے پاس حقائق جاگیر غالب کے لئے مارے مارے پھریں گے تو وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں ان کے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔

رشید حسن غلامی صاحب جیسے عالم' جیسے شریف اور انتہائی سادہ انسان ہیں۔ مصیبن الرحمان نے انہیں بھی دھوکا دیا۔ اپنی کتاب "غالب اور انقلاب ستاروں" کو ۱۹۸۸ء میں غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی سے غلامی صاحب ہی کی سفارش اور پیش لفظ کے ساتھ شائع کرایا۔ واضح

رہے کہ یہ کتاب رشید حسن خاں صاحب کی درخواست پر غالب النسخی ثبوت نے شائع کی تھی۔ جب میں نے رشید حسن خاں صاحب کو معین الرحمن کا اصل چرو دکھایا تو انہوں نے اپنا سر پیٹ لیا۔ یہ ایک موضوع ہے۔ بشرط زندگی اس پر آئندہ روشنی ڈالوں گا۔ یہ چند سطور اس لئے لکھی ہیں کہ معین الرحمن فارسی پڑھتا تک نہیں جانتے تھے کہ وہ دستیلو کا ترجمہ کریں۔

کہا گیا ہے کہ "قانونی موٹکائیاں" تھیں۔ مرحوم پر قہوی چند نے اپنے دیباچہ (صفحہ ۹) پر واضح الفاظ میں لکھا ہے۔

"میں جناب کے سڈی بھارگو ڈائریکٹر اے۔ اے تھزی (سید اکبر علی تھزی) کا منکھو ہوں جن کی نوازش سے میری رسائی جاگیر غالب سے متعلق دیکھاؤ تک ہوئی ہے۔" اگر "قانونی موٹکائیاں" ہوتیں تو سید اکبر علی تھزی "نامہ ہائے فارسی غالب" کیوں کر مرتب کر پاتے۔ غالب کے فارسی خطوط کا یہ ذخیرہ بھی پینٹل آرکیوز آف انڈیا دہلی سے تھزی صاحب تلاش کر کے ۱۹۵۸ء اور شائع کیا ہے۔ اپریل ۱۹۵۹ء کے وسط میں ڈاکٹر بارغ نی دہلی میں تھزی صاحب کے قلیٹ پر ڈھائی سال قفل نیاز حاصل کرنے گیا تاکہ ہائے فارسی غالب کے ترجمہ کی اشاعت کی اجازت حاصل کدوں۔ جاگیر غالب کے بارے میں بھی منکھو ہوئی۔ سید اکبر علی تھزی صاحب نے مرحوم پر قہوی چند کی محنت کی دلدی اگر "قانونی موٹکائیاں" ہوتیں تو وہ ذکر ضرور کرتے۔

آج بھی اکبر علی تھزی صاحب سے حقیقت معلوم کی جا سکتی ہے لیکن معین الرحمن ایسا کیوں کریں انہیں تو ہر صورت تاج اپنے ماتھے پر سجاتا ہے۔ معین الرحمن بغیر کسی ثبوت کے دعویٰ کر رہے ہیں "جاگیر غالب" کے چھپے ہوئے سارے فرسے ضائع کرا دیئے (صفحہ ۲۲) دوسری سطر میں لکھتے ہیں۔

"ضائع کئے ہوئے کاغذوں۔۔۔ کے ڈھیر سے ایک ایک کاغذ چن کر انہوں نے "جاگیر غالب" کی پہلی جلد بنوائی۔"

اور معین الرحمن کو بھجوا دی۔ کیا غلب مرحوم کو الہام ہوا ہو کہ ان کا چنا مر جائے گا اور وہ طور بھی "سورگ باش" ہو جائیں گے۔ سوال یہ ہے کہ جب سارے فرسے ضائع کر دیئے گئے تو کاغذات کیسے بچ گئے اور ڈھیر کو کیا غنائش کے لئے گھر میں سجا رکھا تھا۔ ایک جانب وہ پر قہوی چند اور ان کے بچے کی غلاست طبع اور معیار حسن کا ذکر کرتے ہیں اور دوسری جانب کاغذات کے ڈھیر کا ذکر۔۔۔ کیا غلب پر قہوی چند صاحب کو خیال آیا ہو کہ معین صاحب کا قصہ آئے گا تو وہ "ڈھیر سے ایک ایک کاغذ چن کر" "جاگیر غالب" کی پہلی جلد بنوا کر غالب کے وارث کو بھیج دیں گے۔

اس کو کہتے ہیں عالم آرائی۔

ہر قوی چہر صاحب نے اشتہاب میں لکھا ہے "مجموعہ ہذا موصوف ہی کی محنت اور جدید فوٹو گرافی کا شاہکار ہے۔"

کیا کوئی شخص چاہی ہوش و حواس اپنے بچے کی "محنت اور جدید فوٹو گرافی" کے "شاہکار" کو ضائع کر سکتا ہے۔

اصل کتاب میں صفحہ ۲ پر لارڈ لیک کی تصویر کے ساتھ وہ "پروانہ" (مئی ۱۸۹۶ء) شائع ہوا ہے جو تمام خرابی کا باعث بنا۔ صحیفہ صاحب نے لارڈ لیک کی تصویر کو الگ شائع کیا ہے اور "پروانہ" کو دو لخت کر دیا ہے۔

جب نصر اللہ لیک کا انتقال ہوا تو نہ ان کے بچے تھے نہ ورثہ۔ غالب ان کے بھائی مرزا یوسف، نصر اللہ لیک کی والدہ اور تین بیٹیں ہی وارث تھیں۔ ان خواتین میں سے کوئی بھی لارڈ لیک کے پاس نہ جاسکتی تھیں۔ غالب کی عمر اس وقت صرف نو سال تھی۔ اس صورت حال سے خواجہ حانی نے فائدہ اٹھایا اور احمد بخش خاں سے مل گیا۔

خواجہ حانی کو جاگیر میرا کر کے احمد بخش خاں کا پورہ ٹکے لارڈ لیک نے احمد بخش کی درخواست پر رجسٹر ٹکٹ کبھی تاکہ ایکٹنگ گورنر جنرل جارج ہارو ہارلو سے رضامندی حاصل کرے۔ ۳۱ ستمبر ۱۸۹۶ء مطابق ۳ مئی ۱۸۹۶ء کو "پروانہ" جاری کیا گیا۔ بمشکل ایک ماہ گزرا ہوگا کہ ۷ جون ۱۸۹۶ء کو احمد بخش خاں نے لارڈ لیک سے ایک اور "پروانہ" حاصل کر لیا جس کی رو سے ملے پایا کہ جشن مندرجہ ذیل طریقے سے ملے گی۔

۲۰۰۰

خواجہ حانی

۱۵۰۰

نصر اللہ لیک کی والدہ اور بیٹیں

۱۵۰۰

مرزا غالب اور مرزا یوسف

۵۰۰۰

جب غالب جوان ہوئے تو انھیں اندازہ ہوا کہ احمد بخش نے ان سے اور ان کے خاندان سے زیادتی کی ہے۔ خواجہ حانی تو خاندان کا فرد ہی نہیں تھا۔ غالب احمد بخش خاں کے خلاف کوئی قدم اٹھاتے ہوئے جھکتے تھے کیونکہ وہ مرزا الٹی بخش کے چھوٹے بھائی تھے۔ احمد بخش خاں نے غالب کو یقین دلایا تھا کہ خواجہ حانی کے انتقال کے بعد جشن کی رقم اس کے ورثہ کو نہ دی جائے گی۔ ۱۸۹۵ء میں خواجہ حانی کا انتقال ہو گیا اور رقم اس کے بیٹوں کو منتقل ہو گئی۔

یہ عقدہ آج تک حل نہیں ہو سکا کہ احمد بخش نے لارڈ لیک سے "پروانہ" کیسے حاصل کیا۔ مید اکبر علی ترقی صاحب نے بارہ بارے قاری کا تعارف بے ضل لکھا ہے مگر ہے وہ انگریزی میں۔ عین الرحمن صاحب انگریزی سے بھی ناواقف ہیں ورنہ اب تک اس اہم کتاب کو جو نہ معدوم ہے نہ عام، اب تک اپنے نام سے شائع کر چکے ہوتے۔

میرے ایک دوست عزیز احمد صاحب نے بتایا ہے کہ اس سلسلہ کے کچھ کاغذات ایڈمیرا

میں پڑے ہوئے ہیں اور کچھ کافذات بی ایچ ڈی کا مقالہ لکھنے والے صاحب کے پاس ہیں۔ مطلب یہ کہ ابھی معین الرحمن صاحب کو گورنمنٹ کالج لاہور کا نام روشن کرنے کے اور مواقع ملیں گے۔

اکبر علی خاں، عرشی صاحب کے صاحبزادے نے تو اتنا ہی کیا کہ غالب سے اپنا نام نکھوا لیا۔ مگر یہ قلمی کام بہت چھوٹا تھا۔ قلمی کا جیسا معین الرحمن کرتے ہیں اس کی دوسری مثال کتب کے دور میں نہیں ہے۔ معین صاحب نے جاگیر غالب کو سر کے بل کھڑا کر دیا۔ پرتھوی چند مرحوم نے انگریزی کتاب کی مانند کتابیں بیڑوائی تھیں۔ معین صاحب نے اس کو "وائیں سے بائیں" کر دیا ہے اور ستم یہ کہ "کچھ تصحیح" بھی کر دی ہے۔ جو شخص پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب مرحوم کی تحریروں کو اپنے نام سے شائع کر لے اور ان کی تحریروں میں "صحیح" بھی کر دے وہ کیا نہیں کر سکتا۔ رشید صاحب ہی کے الفاظ میں یہ "نور غنائی کا بھونڈا انعام و اعلاں ہے۔"

ایک ستم اور ملاحظہ کیجئے۔ معین صاحب نے صفحہ ۴ پر یہ اعلان کیا ہے "یہ کتاب، غالب (وفات ۱۸۶۹ء) کی ایک سو چھیرویں برسی کی مناسبت سے شائع کی جا رہی ہے" جیسے کہہ رہے ہوں۔

آتش کھسی یہ تو نے غزل عاشقانہ کیا!

اپریل ۱۹۹۸ء کے تیسرے ہفتہ کی بات ہے اور ڈاکٹر محمد علی صدیقی دلی میں تھے۔ ذہن جدید کے ایڈیٹر ذہیر رضوی سے ملنے گئے وہاں ڈاکٹر حلیم خنی پہلے سے موجود تھے۔ ذہیر صاحب بتا رہے تھے کہ امروہہ کہنے کو تو قصبہ ہے لیکن بڑے باکمال لوگ وہاں پائے جاتے ہیں۔ آپ کو دو سو سال پرانا کافذ چاہئے مل جائے گا اتنا ہی پرانا ونڈ رائٹنگ لکھے والا مل جائے گا وفیوہ۔ میں نے عرض کیا اگر امروہہ میں ایسے باکمال لوگ نہ ہوتے تو وہ ان غالب بھٹے غالب کیسے وجود میں آتا۔ لیکن اب کوئی صاحب یہ بتائیں کیا امروہہ میں کوئی سید معین الرحمن جیسا بزم پیدا ہوا ہے؟

بخدمت گرامی جناب حلیم احمد تصور صاحب

آپ کا مخلص
لطیف اثری خاں

حیاتِ غالب کے اہم واقعات

- ۱۷۹۹ء سردسیر، غالب کی پیدائش سکس سال مل آگرو۔
- ۱۷۹۹ء غالب کے والد عبدالرشید کا انتقال۔
- ۱۷۹۹ء نصر اللہ بیگ خاں مرزا کے چچا کا انتقال۔
- ۱۷۹۹ء رانگت، غالب کی شادی امرت کوٹیکم و خیر نواب الہی بخش خاں معروت
- ۱۷۹۹ء عبدالعزیز کا درو آگرو۔ جی کو مرزا غالب نے دو برس اپنے پاس رکھا اور علمی حقائق دو قافی زبان فارسی کے ہر ہی طرح سے حاصل کئے۔
- ۱۷۹۹ء سکھتے کے لئے روانہ ہوئے اور مولانا ساجد کھنور، ہانہ بنارس پٹنہ اور مرشد آباد۔
- غالب کے شہر نواب الہی بخش خاں کا انتقال۔ غالب کے برادر خورد مرزا امیر مسک دیوانگی۔
- ۱۷۹۹ء مقدیر پنشن وارن کرپا اور سکھتے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے دربار میں شمولیت۔
- ۱۷۹۹ء ایفینٹ گورنمنٹ خاں مغربی صوبہ نے مقدسہ فیصلہ غالب کے خلاف صادر کر دیا۔
- ۱۷۹۹ء نو برسہ غالب نے عروضا داشت حشر کی کو کاغذات پنشن ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹر ان کو لکھ کر دئے جائیں۔
- ۱۷۹۹ء دلی کا ناکام درس سے انکار۔
- ۱۷۹۹ء بورڈ آف ڈائریکٹران نے لندن میں اضافی پنشن کے خلاف فیصلہ دیدیا۔
- ۱۷۹۹ء حاویہ اسیری اور مرزا اس کے بعد سول مرحمت کی رہت پر دلی جبرگئی۔
- ۱۷۹۹ء مولائی، بہادر شاہ ظفر کی خدمت، یہاں سے دیر باہان خواہر کے تاریخ نویسی سلطانہ تیموریہ۔
- ۱۷۹۹ء شاعری میں مرزا فروغ العبد بہادر شاہ ظفر کے استاد اور پیر سپاہی و شاہ او شہزادہ خضر سلطان کے استاد اور نواب دہلوی کی طرف سے باپچہ سوریہ سالانہ بطور تحفہ۔
- ۱۷۹۹ء خضر خضر سلطان کو پٹنہ سے لگے کو کاغذات نامہ دیا۔ بہادر شاہ ظفر نے بیاض کا ازام اور سوزی، بڑا در خورد مرزا یوسف کا انتقال۔
- نواب یوسف علی خاں دلی راہبر کے شاعری میں استاد۔
- ۱۷۹۹ء نواب رام پور کے سوریہ باہان و تحفہ مقرر کیا۔
- ۱۷۹۹ء رام پور کا بہادر سفر، اوس میں پنشنی کا دوبارہ اجراء مع سابقہ بقایا۔
- ۱۷۹۹ء دربار انگریزی میں مقام، عظمت و اعزاز کی بھائی۔
- ۱۷۹۹ء غالب کا دربار سفر رام پور اور نواب علی خاں کے حشر، آجہ خن میں شرکت۔
- ۱۷۹۹ء چاروں کی اجازت، لکھنؤ اور سامت میں کمزوری۔
- ۱۷۹۹ء دار فروغی، انتقال غالب و مرزا علی مرزا خاں الہی بخش خاں عرب نظام الدین اولیاء برمنی دلی۔
- ۱۷۹۹ء فروغی، غالب کی بیدار کوٹیکم کا انتقال۔

CHRONOLOGY OF EVENTS IN GHALIB'S LIFE

- Dec. 1797 : (8 Hajab 1212 A.H.) - Birth at Kalan Mahal, Agra.
 1803 : Father (Abdullah Beg) died;
 1806 : Uncle (Aasnullah Beg) died;
 wj. 1810 : Married Umaru Begum daughter of Nawab Elahi Bux Khan Marwafi.
 1811 : (1226 A.H.) Humruzd (Abdus Samad) arrived in Agra to whom Ghalib lent with him for two years and got mastery over Persian language.
 1826 : Left Delhi for Calcutta via Lahore, Kanpur, Lucknow, Banda and Murshidabad. Ghalib's father-in-law died - Ghalib's brother Yusuf became mad.
 1828 : In Calcutta, Ghalib filed a suit for restoration of full pension and was given a place in the Darbars of East India Company.
 1836 : Lt. Governor of the North West Province decided that Ghalib could get only Rs. 150 as pension - Appeal rejected.
 1836 : Ghalib applied pension papers should be sent to the Board of Directors, East India Co. at London.
 1840 : Ghalib refused a job in Delhi College.
 1842 : Board of Directors at London decided against increase in Ghalib's pension.
 1847 : Ghalib arrested, sentenced, imprisoned, released after the report of Civil Surgeon.
 1850 : Became an employee of Bahadur Shah Zafar at Rs. 50 per month to write the history of the Taimur Dynasty.
 1854 : Became poetic tutor to Bahadur Shah Zafar's heir-apparent Mirza Fakhrud, then to Bahadur Shah Zafar himself and to his son, Prince Khizr Sultan. Ghalib was granted Rs. 500 per year as stipend by Nawab Najid Ali Shah.
 1857 : The Revolt; Khizr Sultan was shot dead by Hudson, Zafar impeached and dethroned; Ghalib's brother Mirza Yusuf died; Ghalib became poetic tutor of Nawab of Rampur.
 1859 : Nawab of Rampur granted a stipend of Rs. 100 per month.
 1860 : Ghalib's first trip to Rampur, May 1860; pension restored by the English with all arrears.
 1863 : Place in English Darbars and robes of Honour resumed.
 1865 : Second trip to Rampur to attend Coronation of Kalbe Ali Khan -.
 1866 : Strained ailing; sight and hearing began to fail.
 1869 : 15th Feb. Ghalib died - Buried at Nizamuddin near the grave of Nawab Elahi Bux Khan.
 1870 : 4th Feb. Umaru Begum, Ghalib's wife died.

Fort William
Foreign Dept.
17th December, 1856

No. 6147
Office Memorandum

Recd. a letter from Assudvolla Khan,
dated 8th Instant, with its enclosures:

Ordered that the despatch from Sir
Gen. Clerk received with the above
letter be returned to Assudvolla
Khan with an intimation that the
Hon'ble the Court of Directors
have not as yet replied to the
despatch forwarding his Memorial
to the address of H. M. the Queen
and that when a reply is received,
it will be communicated to him.

Secretary

دفتری یادداشت مکلا

کلمہ ولیم حکمران مورخہ

۱۷ دسمبر ۱۸۵۶ء

اسد اللہ خان کا مرسلہ مورخہ ۸ ماہ مال بعد ہر ششہ کا اخراجات موصول ہوا۔ حکم دیا گیا کہ
سر جان کلارک کا مرسلہ مورخہ ۸ خط کے ساتھ اسد اللہ خان کو واپس بھیج دیا جائے اور
اطلاع دی جائے کہ اس مرسلہ کا جواب جس کے ہمراہ ایک یادداشتہ خطاب کلکتہ منظر ارسال کی گئی تھی
ابھی تک عدالت ڈائرکٹران سے موصول نہیں ہو رہی ہے۔ چونکہ کوئی جواب آیا اس رسالہ کو اطلاع
دی جائے گی۔

سیکرٹری

نورث ولیم

Leave to submit it for your Lordship's perusal,
and to solicit respectfully according to the
Directions contained therein, intimation on
the subject.

And your Lordship
Memorialist will
remain duty bound
ever pray

Delhi
the 8th December
1856

سائل جناب دلا کی خدمت میں پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہے اور نہایت غرضیاد
سے ملتی ہے حکومت کے مشق کو کی ہدایت برقی ہوا اس سے مطلع فرمایا جائے۔

دادرس ہمیشہ پابند فرض دعاگو
رہے گا۔

دلی

۹ دسمبر ۱۸۵۶ء

Can transmit it for Your Lordship's
perusal, & to which respectfully re-
-cursing to the questions contained
therein, information on the subject.

Delhi
The 8th
Decemr
1858

My Lordship
Memorandum
I am duty bound,
to say -

فروغیہ احمد خان برادر داد خان احمد علی خان صاحب دہلی کے سرکار میں دیکھ کر بہت مسرت ہوئے

To,

The Right Honorable
Charles John Viscount Canning
Governor General of India
in Council,
Fort William.

The Hon'ble Memorial of Assudulla Khan,
Nephew of Hussainulla Beg Khan, the late
Jagheedar of Sank Sansa

Most Humbly Sheweth: —

That in conformity with the direction contained in the letter from T.N. Redington Esquire, Memorialist had the honor to submit to your Lordship his Petition addressed to Her Majesty the Queen, for transmission to England. In reply to which, Memorialist may be informed through a letter from G.F. Edmonstone Esquire, Secretary to the Government of India (dated 19th May 1856) that Memorialists Papers were forwarded to England on the 17th May 1856.

On the 11th August Memorialist had the honor to submit another application addressed to T.N. Redington Esqr., stating simply that occurring to instructions received from him, Memorialist had submitted his Papers through the Government of India, and had received intimation that they were forwarded.

Having received a letter now from Sir George Clerk, Memorialist begs

خدمت جناب عزت آپ پارلیمانی و سکاؤٹ کینگ گورنر جنرل ہندوستان کو تسلی و تسکین

عاجزا و ادوارا دست سنباط اسلواٹھاس برادر نوادہ نصر اللہ بیگ خان سابق مہاجر وارسنگ و سرفہ

منابت خاکساری سے عرض ہے

کہ جناب ٹی این رڈنگٹن صاحب مہار کے کتب میں درج شدہ چارٹ کے مطابق ندوی نے جناب والا کی خدمت میں ایک عرضداشت بخطاب ملکہ مظفر اس فرض سے پیش کی تھی کہ اس کو انجمن ان رواد قزاقا و جاسے۔ اس کے جواب میں جواب جی۔ ایف۔ ایڈمنسٹریٹر سکریٹری حکومت ہند نے اپنے کتب مورخہ ایسی مشفقانہ کے فریو سائل کو اطلاع دی کہ اس کے کاغذات و رسمی مشفقانہ کو انجمن ان رواد کروئے گئے ہیں۔

مورخہ اگست کو سائل نے ایک دوسری درخواست جناب ٹی این رڈنگٹن صاحب کی خدمت میں پیش کی تھی۔ جس میں عرض کیا کہ مذکورہ سائل نے مورخہ کی چارٹ کے مطابق اپنے کاغذات حکومت ہند کی خدمت میں پیش کروئے تھے۔ اساع آئی تھی کہ مذکورہ بالا کاغذات رواد کروئے گئے۔ اب سر جارج کلارک کا مراسلہ موصول ہونے پر۔

No. 1 The Right Honourable

(Charles John Stansfeld) Secretary
to the Government of India
in Council

Fort St. George

My dear Sir, I have the pleasure of acknowledging the receipt of your letter of the 11th inst. in relation to the late Government of South India.

Most respectfully,

I have the pleasure to inform you that the Secretary to the Government of India has received your letter of the 11th inst. and has forwarded it to the Secretary to the Government of India. I have the pleasure to inform you that the Secretary to the Government of India has received your letter of the 11th inst. and has forwarded it to the Secretary to the Government of India. I have the pleasure to inform you that the Secretary to the Government of India has received your letter of the 11th inst. and has forwarded it to the Secretary to the Government of India.

On the 11th August I received from the Secretary to the Government of India a letter in relation to the late Government of India. I have the pleasure to inform you that the Secretary to the Government of India has received your letter of the 11th inst. and has forwarded it to the Secretary to the Government of India. I have the pleasure to inform you that the Secretary to the Government of India has received your letter of the 11th inst. and has forwarded it to the Secretary to the Government of India.

Having received a letter from Sir George Clerk, I have the pleasure to inform you that the Secretary to the Government of India has received your letter of the 11th inst. and has forwarded it to the Secretary to the Government of India.

To,

G. F. Edmonstone Esquire,
Secretary to the Government of
India in Council,
Fort William.

Respected Sir,

In submitting the enclosed Memorial together with its enclosure, I have the honor to solicit respectfully, your laying the same, for the consideration of His Lordship's and kindly obtaining for me the solicited intimation.

I have the honor to be

Respected Sir,

Your most obedient and
humble servant.

Delhy
the 6th December
1856

Sd/ Asaudoolah Khan
Nephew of Mussurpoolah Beg
Khan, the late Sierran
of Dink Sunair

خدمت جناب جی۔ ایف۔ اے۔ منشی صاحب بہادر

سکرٹری حکومت ہند۔ جنرل فورٹ ولیم

جناب عالی

موقر باخدا تم سے ہے کہ ہم رشتہ یارداشت بہرہ مشککہ اخذات ارسال کرنا میرے لئے باعث عزت ہے۔ بلکہ کرم اس کو عالی جناب کی خدمت میں برائے التفات پیش فرادیں اور اس کے کو مطلع فرمائیں۔

انجانی نامہ آپ کا خادم
دستخط اسد اللہ خان بھتیجہ نصرت بیگ خان
سازن ماگیر دار سرنگ دوسرے

مورخہ دسمبر ۱۲۷۷ھ

۱۰۰

5

۱۰۰

J. F. Remondet Esq.
Secretary to the Government of
India
Rangoon

Respectable,

I am sorry to hear that you
must be so ill at present. I am
sure that you are very
much obliged to me for the
very kind and generous
offer of the book. I am
very glad to hear that
it is so well received.

I am sure that
the book will be
very useful to you.
Yours truly,
J. F. Remondet
1854.

I have written to you
by the first of the month
by the first of the month
by the first of the month

I have written to you
by the first of the month
by the first of the month
by the first of the month

For William
Foreign Department
9th November 1844

To
Assadullah Khan

Sir,

I have received and laid
before the Governor
General in Council your
letter of the 23rd Ultimo
with its enclosed Petition,
and am directed to inform
you in reply that, no an-
swer has as yet been recei-
ved from the Hon'ble the
Court of Directors on the
subject of your claim to
an increase of pension,
but that, a copy of your
present petition will be
forwarded to that authority.

I am etc.,

Sd/

از حکم اسرارہ جتوہ ولیم ۹ نومبر ۱۸۴۴ء

خدمت اساتذہ خاں

جناب عالی

آپ کا خط مورخہ ۲۴ مارچ ۱۸۴۴ء کے موضوع پر درخواست موصول ہوا اور وہ بحضور گورنر جنرل
برکٹس پیش کر دیا گیا تھا۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ اس کے جواب میں آپ کو اطلاع دیں کہ ابھی تک آپ کی
پینشن میں اضافہ کی بابت عدالت ڈائریکٹران سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا تاہم آپ کی موجودہ درخواست
کی ایک نقل حکام کو بھیج دی جائے گی۔

میں بہت رنج و غمو

درست

1861
J. W. Williams
H. J. Deane
J. W. Williams

22-23-24
 25-26-27
 28-29-30
 31-32-33
 34-35-36
 37-38-39
 40-41-42
 43-44-45
 46-47-48
 49-50-51
 52-53-54
 55-56-57
 58-59-60
 61-62-63
 64-65-66
 67-68-69
 70-71-72
 73-74-75
 76-77-78
 79-80-81
 82-83-84
 85-86-87
 88-89-90
 91-92-93
 94-95-96
 97-98-99
 100-101-102
 103-104-105
 106-107-108
 109-110-111
 112-113-114
 115-116-117
 118-119-120
 121-122-123
 124-125-126
 127-128-129
 130-131-132
 133-134-135
 136-137-138
 139-140-141
 142-143-144
 145-146-147
 148-149-150
 151-152-153
 154-155-156
 157-158-159
 160-161-162
 163-164-165
 166-167-168
 169-170-171
 172-173-174
 175-176-177
 178-179-180
 181-182-183
 184-185-186
 187-188-189
 190-191-192
 193-194-195
 196-197-198
 199-200-201
 202-203-204
 205-206-207
 208-209-210
 211-212-213
 214-215-216
 217-218-219
 220-221-222
 223-224-225
 226-227-228
 229-230-231
 232-233-234
 235-236-237
 238-239-240
 241-242-243
 244-245-246
 247-248-249
 250-251-252
 253-254-255
 256-257-258
 259-260-261
 262-263-264
 265-266-267
 268-269-270
 271-272-273
 274-275-276
 277-278-279
 280-281-282
 283-284-285
 286-287-288
 289-290-291
 292-293-294
 295-296-297
 298-299-300
 301-302-303
 304-305-306
 307-308-309
 310-311-312
 313-314-315
 316-317-318
 319-320-321
 322-323-324
 325-326-327
 328-329-330
 331-332-333
 334-335-336
 337-338-339
 340-341-342
 343-344-345
 346-347-348
 349-350-351
 352-353-354
 355-356-357
 358-359-360
 361-362-363
 364-365-366
 367-368-369
 370-371-372
 373-374-375
 376-377-378
 379-380-381
 382-383-384
 385-386-387
 388-389-390
 391-392-393
 394-395-396
 397-398-399
 400-401-402
 403-404-405
 406-407-408
 409-410-411
 412-413-414
 415-416-417
 418-419-420
 421-422-423
 424-425-426
 427-428-429
 430-431-432
 433-434-435
 436-437-438
 439-440-441
 442-443-444
 445-446-447
 448-449-450
 451-452-453
 454-455-456
 457-458-459
 460-461-462
 463-464-465
 466-467-468
 469-470-471
 472-473-474
 475-476-477
 478-479-480
 481-482-483
 484-485-486
 487-488-489
 490-491-492
 493-494-495
 496-497-498
 499-500-501
 502-503-504
 505-506-507
 508-509-510
 511-512-513
 514-515-516
 517-518-519
 520-521-522
 523-524-525
 526-527-528
 529-530-531
 532-533-534
 535-536-537
 538-539-540
 541-542-543
 544-545-546
 547-548-549
 550-551-552
 553-554-555
 556-557-558
 559-560-561
 562-563-564
 565-566-567
 568-569-570
 571-572-573
 574-575-576
 577-578-579
 580-581-582
 583-584-585
 586-587-588
 589-590-591
 592-593-594
 595-596-597
 598-599-600
 601-602-603
 604-605-606
 607-608-609
 610-611-612
 613-614-615
 616-617-618
 619-620-621
 622-623-624
 625-626-627
 628-629-630
 631-632-633
 634-635-636
 637-638-639
 640-641-642
 643-644-645
 646-647-648
 649-650-651
 652-653-654
 655-656-657
 658-659-660
 661-662-663
 664-665-666
 667-668-669
 670-671-672
 673-674-675
 676-677-678
 679-680-681
 682-683-684
 685-686-687
 688-689-690
 691-692-693
 694-695-696
 697-698-699
 700-701-702
 703-704-705
 706-707-708
 709-710-711
 712-713-714
 715-716-717
 718-719-720
 721-722-723
 724-725-726
 727-728-729
 730-731-732
 733-734-735
 736-737-738
 739-740-741
 742-743-744
 745-746-747
 748-749-750
 751-752-753
 754-755-756
 757-758-759
 760-761-762
 763-764-765
 766-767-768
 769-770-771
 772-773-774
 775-776-777
 778-779-780
 781-782-783
 784-785-786
 787-788-789
 790-791-792
 793-794-795
 796-797-798
 799-800-801
 802-803-8

I have received
and had before the 11th
of the month your letter
of the 23^d ultimo with
the enclosed petition
and am directed to
inform you in reply
that no answer has
as yet been received
from the British High
Commissioner on the
subject of your claim
to an increase of pay
but that a copy of
your present petition
will be forwarded to the
Authority ~~concerned~~

22



made acquainted with such orders as may have been received in his case.

And your Lordship's
Petitioner will as in duty
bound ever pray.

Dehlee

the 23rd October
1844

اس کو مطلع کیا جائے ان احکام سے جو اس کے مقدمہ سے متعلق مرصول ہوئے ہوں۔
آپ کا یہ دادخواہ ہمیشہ پابند دعا گو رہے گا۔

درستخط

دہلی
۲۳ اکتوبر ۱۲۶۴ھ

Directors to be dealt with Hon'ble Court may think fit on the 26th of January that Petitioner addressed a Petition to the Government soliciting to know the result of his humble prayers contained in the Petition forwarded to England. In reply thereto, your Lordship's Petitioner was informed through a letter from the Secretary to the Government that no answer until then was received from the Home authorities.

As more than 2 years however have elapsed now since the dispatch of the memorial to Europe, Petitioner has the honor to solicit information on the subject of his Claims, and implores humbly to be

ڈیڑ لاکھ روپے کا عہدہ کی کرپٹ مناسبت اور روایتی حضور کے اس دوا خواہ نے ایک درخواست حکومت کو دی جس پر خلوس اس استدعا کی گئی تھی کہ اس کو اس درخواست کے نتیجے سے آگاہ کیا جائے جو انگلستان کو روانہ کی گئی تھی۔ اس کے جواب میں حکومت کے سیکرٹری کی جانب سے ایک خط کے ذریعہ اطلاع دی گئی کہ اس وقت تک حکام وطن (انگلستان) کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ اس درخواست کو یورپ روانہ کئے ہوئے دو سال کا عرصہ گزر چکا ہے یہ دوا خواہ بڑے خلوس سے اپنے حقوق کے متعلق ہونا چاہتا ہے اور انتہائی عاجزی سے ۔

Secretary, to be dealt with with
Honourable Court may think fit.

On the 25th of January Mr.
Pittman addressed a petition to the
Governor and relating to the
result of the Committee's progress contain-
ed in the petition forwarded to Reg-
iment in reply thereto, your Lord-
ship Pittman was informed that
a letter from the King to the Queen
the two answers sent to them and
received from Mr. Henry (Cuthbert)
- five -

At more than 2,000 miles
and have elapsed since since the
disposal of his memorial, to the
petitioner has the honor to exhibit
information on the subject of his
(Pittman, I suppose, Henry, etc.)
296

To,

Lieutenant General.
The Right Honorable
Lord Sir Henry Hardinge Bart
G. C. B. Etc. Etc. Etc.
Governor General of India,
Fort William

The Humble petition of Assudoullah Khan

Most respectfully Sheweth :

That your Lordship's Petitioner had the honor to submit to your Lordship's predecessors on the 29th July 1842, a Memorial of his claims, for transmission to His most Gracious Majesty the Queen of England and it was intimated to Petitioner on the 5th August through a letter from Sir T. H. Maddock, then Secy to the Government of India that the memorial in question was forwarded to the Hon'ble Court of

خدمتِ عشقِ جنرل عالی جناب لارڈ سر ہنری ہارڈنگ برسرِ شرفِ سکاٹی بنی و فریو فریو
گورنر جنرل ہندوستان آئندہ

اسد اللہ خاں کی ماہرانہ درخواست

منہایت مؤرد بانگزارش ہے کہ حضور کے اس رادخواد نے آپ کے پیش کردہ کی خدمت میں،
۲۹ جولائی ۱۸۴۲ء کو اپنے حقوق کے بارے میں ایک بارداشت کریم النفس کے منظر کو انگلستان
ارسال کرنے کے لئے پیش کی تھی۔ اس کے متعلق ۵ اگست کو مشرفی۔ ایچ میڈوک نے جو اس
وقت حکومتِ ہندوستان کے سکریٹری تھے۔ ایک خط کے ذریعے راورس کو مطلع کیا کہ ریزیکٹ
بارداشت رواد کو دیکھ کر خوشنودت آپ صلاحت

Friend and General

The Right Honourable
Lord Salisbury, M.P.
of C. B. & Co.
Governor-General of India

Dear Sir

The Hon. Mr. Phipps of the India Office

has the pleasure to inform you

that your Lordship's Memorial

has been forwarded to your Lordship's
Secretary on the 29th July 1862, a memorial
of his Majesty, for the nomination to the most
Hon. the Secretary of State of England;
and there submitted to the Secretary on the
5th Augst there is a letter from Sir T. A.
Mackintosh, then Secy to the Government
of India, that the memorial in question
was forwarded to the Hon. Mr. Phipps
on the 29th July 1862

To,

J. Currie Esquire,
Secretary to the Govt.
of India, Etc., Etc., Etc.,
Fort William

Respected Sir,

I have the honor to submit the favor of your laying the enclosed Memorial before the Right Hon'ble the Governor General of India, and to acquaint me, with your usual kindness with such orders as may be passed thereupon and for this act of kindness, I shall feel highly grateful to you.

I have the honor to be
Sir,

Dehlee
the 25th Oct.,
1844

Your most obedient and
humble servant,

Sd/ Asad Oullah Khan

بخدمت جناب ہے کیوری سکریٹری حکومت ہندوستان قلعہ ولیم

جناب عالی

برسرے آپ سے یہ عرض کرنا باعث عزت ہے کہ منسلک یادداشت

آپ بحضور گورنر جنرل ہندوستان پیش کر دیں اور جب کہ آپ فیض بہرانی فرماتے
رہے ہیں ان احکام سے جو اس پر صادر ہوں مجھے آرشن کر لیں۔ میں اس کم کیجئے
آپ کا بڑا مشکور گزار ہوں گا۔

میں ہوں آپ کا انتہائی

تاجدار عابد قاسم

دستخط اسد اللہ خان

دہلی ۲۵ اکتوبر ۱۳۴۴ھ

I have the honor to
 acknowledge the receipt
 of your letter of the 10th inst.
 and in reply to inform you that
 the same has been forwarded to the
 proper authorities for their consideration.

Very respectfully,
 Your obedient servant,
 J. H. [Signature]

I have the honor to acknowledge the receipt of your letter of the 10th inst. and in reply to inform you that the same has been forwarded to the proper authorities for their consideration. I am, Sir, very respectfully,
 Your obedient servant,
 J. H. [Signature]

I have the honor to acknowledge the receipt of your letter of the 10th inst. and in reply to inform you that the same has been forwarded to the proper authorities for their consideration. I am, Sir, very respectfully,
 Your obedient servant,
 J. H. [Signature]

Attest
 [Signature]
 Secretary

Extract of a Letter from the Honorable the
Court of Directors No. 30 dated 4th October 1843.

Answer to Pol. Dept. from G. G. dt. 12th August
No. 10 - 1842

| | | |
|-----------------------|---|------------------------|
| Transmitting Memorial | ' | 106. This Memorial has |
| from Asadullah Khan | ' | been forwarded to the |
| to H. Majesty praying | ' | Commissioner for the |
| for an increase of | ' | Affairs of India. |
| his pension. | ' | |

مرزا آپ کو رفاں ڈائرکٹران کے خط کا اقتباس
ہے

موصوفہ رکھتے ہوئے

مملکت اور سپہ پاس۔ جواب پنجاب گورنر جنرل مورخہ ۱۲ اگست ۱۸۴۲ء

یادداشت اسد اللہ خان

روایت علی حضرت مکر مقرر کر

برائے ترجمانہ اضافہ پیش

۱۸۴۲ء ی یادداشت کفر

برائے امور ہندوستان

گورنر و دیگر کتب ہے

Abstract of a letter from the Honorable Member
of Directors N. 50 dated 1st October 1842

Answer to P. 10: 4th p. 47, 12 August. 1842

Transmitting Memorial 106. This Memorial
from Mirza Asaf Khan has been forwarded to the
to H. Majesty praying Commissioners for the affairs
for an increase of his in. hold
Kulou.

Copy /

No. 233

From : F. Currie Esquire,
Secy to the Government of India
with the Governor General

To

Asadullah Khan
Muzil Camp Dural 5th February 1844

Foreign Dept.

Sir,

I have received your letter of the 25th Ultimo, with its enclosed Petition to the Governor General and am directed in reply to inform you that no answer has yet been received from the Home Authorities.

I am etc.
Signed / F. Currie
Secy to the Govt. of India
with the Governor General

1 True Copy /
Signed / F. Currie
Secy to the Govt. of India
with the Governor General

مافقہ

۲۳۳

از جناب ایف۔ کیوری صاحب سکرٹری حکومت ہند بھارتی گورنر جنرل
بخدمت اساتذہ خاں کیمپ انرا کے مورخہ ۱۲ فروری ۱۹۴۷ء

جناب عالی

آپ کا خط مورخہ ۱۲ فروری ۱۹۴۷ء میں ایک درخواست جنام گزرا۔ اس پر موصول ہوا۔
مجھے سے کہا گیا ہے کہ اس کے جواب میں آپ کو مطلع کروں۔ مگر اس کا نام (پاکستان)
کے کوئی جواب موصول نہیں ہوا ہے۔

دستخط ایف۔ کیوری

سیکرٹری حکومت ہندوستان، انجمن گورنر جنرل

کیمپ ۲ فروری ۱۹۴۷ء

دستخط ایف۔ کیوری، سکرٹری حکومت ہند (مقل مطابق اصل)

1. Copy 1

1. Copy 1
 To Mr. Currie

at Currie Barracks
 10, Victoria Road
 with the Government

To
 Apudollah Hleavie
 (Dated Camp Dera 5th February 1911)

Foreign Dept Sir

I have received your letter of the
 25th ultimo with its enclosed petition to the
 Government. I am directed to inform you that no answer has yet been
 received from the same authorities.

Camp Dera
 5th Feb 1911

Yours faithfully
 J. Currie
 10, Victoria Road
 with the Government
 (To be Copy)
 J. Currie
 10, Victoria Road
 with the Government

1 Copy /

No. 630

From: The Secy. to the Govt. of India,
with the Governor General

To: Asadullah Khan
Dt. Allahabad 5th August, 1842

Sir,

The Governor General directs me to Inform you that the Memorial forwarded in your letter of the 29th July will be transmitted to the Hon'ble Court of Directors by the present mail to be dealt with as the Hon'ble Court may think fit.

I am etc.

(Signed) F. H. Maddock
Secy. to the Govt. of India
with the Governor General

Allahabad

5th August 1842

منقول

۶۳۰

از مسکری حکومت ہندوستانی گورنر جنرل

بخدمت سداۃ خاں الہ آباد مورخہ ۵ اگست ۱۸۴۲ء

جناباں

جناب گورنر جنرل کی ہدایت کے مطابق آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ آپ کی یادداشت جو آپ نے اپنے خط مورخہ ۲۹ جولائی کے ہمراہ بھیجی تھی وہ موجودہ ڈاک سے حضرت آب علی خان صاحب کو بھیج دی جائے گی تاکہ وہ جیسی کارروائی مناسب سمجھے کرے۔
الہ آباد ۵ اگست ۱۸۴۲ء

میں ہوں وغیرہ وغیرہ

دستخط۔ ایف۔ ایچ۔ میڈوک

مسکری گورنمنٹ ہندوستان گورنر جنرل

W. H. R.

From the Surgeon General of India
Mr. Surgeon General

R.

Official XX.

10p. A. 1842 6th Aug 1842

P. P. Surgeon

The Surgeon General has
informed that the amount for
wounded in the Battle of the 23rd Feb
will be transmitted to the
Joint Directors by the
Joint Directors as the
Joint Directors of the
Joint Directors of the

Joint Directors

A. Mahabab
23rd Aug 1842

Signy J. Mahabab

Surgeon General of India
Joint Directors of the

Lordship's Petitioner does not know the result of his humble prayer - he is therefore now laboring under great anxieties and he has the honor to implore humbly that he may be made acquainted with such orders which may have been received by your Lordship from Europe.

And your Lordship's Petitioner
will at duty bound, ever
pray

Dahly
the 25th Jany. 1844

اور حضور کے اس دادخواہ کو اس کی التجا کے متعلق کوئی علم نہیں۔ اس وجہ سے ایک
انتظار ہے۔ لہذا منہایت عاجزی سے التجا کرتا ہے کہ اُن احکام سے اسے مطلع کیا جائے جو
جناب کو روپ سے موصول ہوتے ہوں۔
آپ کا دادخواہ آپ کے لئے دعا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔

دہلی

آپ کا دادخواہ ہمیشہ پابندِ قرض
و عار ہے۔

۲۵ جنوری ۱۸۴۴ء

Lauchlin Curran and others

the committee on the subject of the

the committee on the subject of the

the committee on the subject of the

the committee on the subject of the

the committee on the subject of the

the committee on the subject of the

the committee on the subject of the

the committee on the subject of the

the committee on the subject of the

the committee on the subject of the

the committee on the subject of the

the committee on the subject of the

the committee on the subject of the

Gracious Majesty the Queen of England:

That your Lordship's Petitioner was favored then with a reply from Mr. Secretary J. H. Piddock under date the 5th of August (a copy of which Petitioner begs leave to annex humbly) signifying that your Lordship was pleased to order that the memorial in question be forwarded to England: Petitioner presumes humbly that his papers must have been sent off either by the end of August, or commencement of September 1842. But this being the 18th month, Your

مالیہ کو منظور انگلستان میں پیش کی تھی۔ جناب کے اس دادخواہ کو اس کے جواب میں سکریٹری ہے۔ ایچ جی پیڈوک کا ایک خط مورخہ ۵ اگست ۱۸۴۲ء (جس کی نقل اس کے ساتھ ضاق کرنے کی اجازت چاہتا ہوں) موصول ہوا جس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ حضور صاحب نے بحالہ فرائض یہ حکم فرمایا کہ مزید بحث یا درخواست انگلستان روانہ نہ کروں جائے۔ اس لئے یہ دادخواہ عاجزانہ طور پر خیال کرتا ہے کہ اس کے کاغذات اگست کے آخر میں یا ستمبر میں شروع کے شروع میں بھیج دیئے گئے ہوں گے۔ لیکن اب یہ اسٹامپ ہواں مہینہ ہے۔

I have the honor to acknowledge the receipt of your letter of the 15th inst. and in reply to inform you that the same has been forwarded to the proper authorities for their consideration. I am, Sir, very respectfully,
 Yours, Sir, very respectfully,
 J. H. [Signature]
 Secretary to the [Institution]
 [Address]

To :

The Right Honourable,
Edwards Lord Ellenborough,
Etc., Etc., Etc.,
Governor General of India

The very humble Petition of Asadullah Khan

Most respectfully sheweth :

That on your Lordship's visiting Allahabad in 1842, Your humble Petitioner was informed on making enquiries, that the Hon'ble the Court of Directors had confirmed the decision passed in his case by the Government of India. Petitioner then appealed from their award and submitted a Memorial for transmission to Her Most

بخدمتِ عزتِ آپ ایڈورڈ لارڈ ایلن بورو۔ وغیرہ وغیرہ

گورنر جنرل، ہندوستان

اسد اللہ خاں کی عاجزانہ درخواست

منہایت ادب سے عرض ہے کہ لارڈ صاحب شہزادہ میں جب الہ آباد تشریف لائے تھے تو اس عاجزانہ درخواست کے دریافت کرنے پر اُس کو بتایا گیا تھا کہ عزتِ آپ عدالتِ ثنائی کرکٹ نے اس کے مقدمے کا فیصلہ جو حکومتِ ہندوستان نے کیا تھا تسلیم کر لیا ہے۔ جب درخواست نے اُن کے فیصلے کے خلاف اپیل کی تو ہمارا ایک بارداشت ہنر مند ارسالِ خدمت

The Right Honorable
 Governor of Bengal
 Fort St. George
 General-Post Office

My dear Sir,
 I have the honor to
 acknowledge the receipt of
 your letter of the 11th inst.

in relation to the
 application for the
 appointment of a
 Deputy Secretary to the
 Government of Bengal.
 I have the honor to
 inform you that the
 application has been
 forwarded to the
 proper authorities for
 their consideration.

I have the honor to be

Sir,

Your most obedient
Servant

Sd/ Assudvallah Khan

Dehlee

the 25th Jany. 1844

میں ہوں آپ کا وغیرہ وغیرہ -

میں ہوں جناب کا انتہائی نامہدہ خادم

درستخط

اسد اللہ خان

دہلی

۲۵ جنوری ۱۲۶۳ھ

Dear Sir,
 I have the honor
 to acknowledge the receipt
 of your letter of the 14th
 inst. in relation to the
 matter of the

land of the late
 John D. Smith, deceased,
 and the same has been
 forwarded to the proper
 authorities for their
 consideration. I am,
 Sir, very respectfully,
 Yours,
 J. D. Smith

By
 J. D. Smith
 J. D. Smith
 J. D. Smith

Received of
 J. D. Smith
 the sum of
 \$100.00
 for the purchase
 of the land of
 the late John
 D. Smith, deceased,
 and the same has
 been forwarded
 to the proper
 authorities for
 their consideration.

To :

Currie Esquire,
Secretary to the Govt. of India

Sir,

I have the honor to solicit respectfully that you will have the kindness to lay the enclosed Petition for the liberal and humane consideration of the Right Hon'ble the Governor General of India.

I hope from your high, and your eminent character, that I will experience the same kindness from you, as was always shown to me by your Predecessors. Viz, Messrs G. Swinton, Prinsep, Sterling W. H. Macnaughton and F. H. Maddock etc.

خدمت کیورٹا صاحب

سیکرٹری حکومت ہند

جناب عالی

میں نہایت ادب سے اس بات کا متفق ہوں کہ آپ برا و کرم میری شکایت کو
عزت ملک گورنر جنرل ہندوستان کی خدمت میں اُن کی فیاضانہ ہمدردی و توجہ
کے لئے پیش کریں۔

آپ کے اعلیٰ اور ممتاز تدبیر سے مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھ پر اسی
طرح نوازش کریں گے جس طرح آپ کے پیش رو کرتے رہے ہیں۔ مثلاً جی، سونمن،
پرنسپ، اسٹرٹنگ، ڈبلیو، ایچ، میکنٹا، ڈارلین، ہاچ، ڈیوڈ، صاحبان وغیرہ وغیرہ۔

My dear Sir,
I have the honor to acknowledge the receipt of your letter of the 10th inst. in relation to the matter of the 1st inst. and in reply to inform you that the same has been forwarded to the proper authorities for their consideration.

I have the honor to acknowledge the receipt of your letter of the 10th inst. in relation to the matter of the 1st inst. and in reply to inform you that the same has been forwarded to the proper authorities for their consideration.

I have the honor to acknowledge the receipt of your letter of the 10th inst. in relation to the matter of the 1st inst. and in reply to inform you that the same has been forwarded to the proper authorities for their consideration.

To,

Edwards Esqr.,
Secretary to the Govt. of India

Sir,

The kindness and compliance I had the honor to experience favor your Honor when I took the liberty of waiting on you in Delhi is deeply impressed upon my mind. I now beg leave to address these lines to you for the purpose of enquiring after your Health and which I hope sincerely, you respectfully enjoy.

A reply to this letting me know how you continue, will be deemed as a great favor and honor to me. I have by this date addressed a Petition to His Lordship in my case.

I have the honor to be
with
Respect, Sir, Your most
obedient & very humble
Servant,

Delree

the 25th Jany. 1844

Sd/ Assud Oullah Khan

خدمت جناب ایڈووکیٹ صاحب

سکرٹری حکومت ہندوستان

جناب عالی

دہلی میں جب میں نے آپ کے حضور میں آنے کی جاسمت کی تھی تو اس وقت ہرزارش واکرم آپ نے مجھ پر فرمائے تھے ان کا ایک گہرا نقش میرے ذہن پر چڑھا مجھے اجازت دیکھ کر کہ ان چند سطروں میں آپ کی صحبت کے بارے میں دریافت کروں جس کے متعلق مجھے خلصاً نامید ہے کہ وہ پُر لطف ہوگی۔ اس کے جواب میں اگر آپ نے خود مجھے آگاہ فرمایا تو مجھ پر بڑا اکرم چڑھا اور عزت افزائی ہوگی، میں نے اپنے مقدمے کے سلسلے میں آپ ہی ایک درخواست جناب لارڈ صاحب کو ارسال کی ہے۔

میں آپ کا دلیرو و دلیرو

اسد اللہ خان

دہلی

۱۵ جنوری ۱۸۴۴ء

Edwards
Hendy
India

For

The Council of the
has the honor to inform you that
I had the honor of writing you a letter
in regard to your request. I have been
to a very short time to your
of placing after your death. I will
be sure, you deeply enjoy.

at last, with the best of
You continue, with the same as your
I have been. I have been to the
the same as your.

Delivered
The 25th June
R. B.

and the best of
I have been to the
the same as your
I have been to the
the same as your

receipt of your kind favor now under acknowledgement respecting my case will, I hope plead my humble apology.

I have the Honor to enclose in the Original a Persian Letter from Mr. Secy Thoreason dated 16th April, 1844 from which you will perceive that no orders upto the date were received from the Hon'ble the Court of Directors respecting my appeal to that Tribunal: After perusal I beg humbly that you will have the kindness to return this, together with the 3 enclosures of the enclosed memorial.

With the highest esteem and
deepest respect:

I have the honor to be

Sir,

Your most obedient & devoted
very humble servant

Sd/ Asudoolah Khan

Dahli
the 5th June, 1842

آپ کا نوازش نامہ وصول ہوئے پر اسے مقدمہ کے بارے میں کیا امید ہے کہ عاجز ادوائی مجلس جانیگی
میں اصل فارسی مراسلہ نمبر ۱۶ اپریل ۱۸۴۴ سنہ ۱۲۶۱ ہجری قمری جناب تھورسین
منسک کرنے کی عزت پاتا ہوں۔ اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اس تاریخ تک عدالت ڈاکٹرٹران
سے میری اپیل کے متعلق کوئی حکم وصول نہیں ہوا تھا۔
عاجز ادو درخواست ہے کہ بعد ملاحظہ مہربانی فرما کر اس کو درخواست سے عین منسک کا نشانہ
کیا احمد واپس قرار دیجئے

انتہائی گرم جوش اور گہرے ادب کیساتھ

دلی

۵ جمادی الثانی ۱۲۶۲ھ

میں ہوں آپ کا انتہائی

ناہدار اور عاجز خادم

مستطاب اسد اللہ خان

کمیته ای که در این باره تصمیم گرفته است
 و شاید برای این که بتواند این کار را
 به خوبی انجام دهد...

بنابر این در این باره تصمیم گرفته است
 و شاید برای این که بتواند این کار را
 به خوبی انجام دهد...
 و شاید برای این که بتواند این کار را
 به خوبی انجام دهد...
 و شاید برای این که بتواند این کار را
 به خوبی انجام دهد...

و شاید برای این که بتواند این کار را

به خوبی انجام دهد...

شاید
 شاید
 شاید

و شاید برای این که بتواند این کار را
 به خوبی انجام دهد...

و شاید برای این که بتواند این کار را
 به خوبی انجام دهد...

To :

F. H. Madduck Esquire,
Secretary to Government of India,
Allahabad

Sir,

I have the honor to acknowledge the receipt of your favor of the 30th Ultimo : and beg to solicit respectfully, that you will have the kindness to lay the enclosed Memorial for the most liberal and humane consideration of the Right Hon'ble the Governor General of India and to acquaint me duly with such orders as may be passed thereupon and for this act of kindness, I shall ever feel most unfelignedly grateful to you.

I hope you will pardon the trouble I am giving you : and the concerns and anxiety. I have naturally felt, from the

بخدمتِ ایف۔ ایچ۔ مڈڈک صاحب

سکریٹری حکومتِ ہند

الوآباد

جنابِ عالی

جناب کے خطِ مورخہ ۲۴ مارچ گزشتہ کے موصول ہونے کا شرف حاصل ہوا میری یہ تحریر
اے وقتِ بادِ عرض ہے کہ آپ بڑا وکرم منکب بادِ اُشتِ عالی جناب گورنر جنرلِ ہند وستان کی
خدمت میں ان کی نہایت فیاضانہ فکرِ عظیم النفسِ آج کے لئے پیش کر دی اور مناسب عرصہ
میں جو کچھ احکام صادر ہوں ان سے مجھے آسنا کیجئے۔ اس کرم کے لئے میں ہمیشہ آپ کا فکر گزار
رہوں گا۔

اسی وجہ سے کہ آپ مجھے اس تکلیف دہی کے لئے معاف فرمائیں گے اور وہ نگرہِ تشریف
جو مجھے تھوڑی لمبے پر لکھ کر سن ہوئی

8
J. M. H. H. H. H. H.
of the ...
of the ...
Aligarh.

Sir,

When the time ...

the ... of the ...
to ... the ...
and ...
...
...
...
...
...

...
...
...

1 Copy /
No. 349 of 1842

From: The Secretary to Govt. of India
with the Governor General,

To: Asudvallah Khan

Poll. Dept.

Dated: Allahabad 15th June 1842

Extract of a letter from
The Hon'ble Court of
Directors dt. 7th Feb. No.
10 of 1842.

(Claim of Asudvallah
Khan to .. of the
provisions assigned
him from the revenue
of Teropeture

Pana 89:
This claim
has been
provided &
on gold

grounds previously to the sequest-
ration of the Jagheer.

Sir,
In reply to your
letter of the
5th instant, I
am directed to
enclose a copy
of the orders
of the Hon'ble
the Court of
Directors on
your case.

Allahabad
15th June 1842

I have etc. etc.

Sd/-

Secy. to Govt. of India
with the Governor General

1 True Copy /

Sd/-

Secy. to Govt. of India
with the Governor General

۳۳۷۱۸۴۲

ایکٹری حکومت ہند بخسوی گورنر جنرل

نقل

خدمت اسٹیشن

مورہ ۱۵ جون ۱۸۴۲ء الہ آباد

جناب عالی

آپ کے خط مورہ ۱۵ جون کے جواب میں مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ آپ کے مقدمے سے متعلق
عزت اکب اجلاس ڈائریکٹران کے حکم کی نقل آپ کو بھیجوں۔

محکمہ انٹیلیجنس

میں ہوں وغیرہ وغیرہ

غرض آپ عدالت ڈائریکٹران کے خط

سیکٹری حکومت ہند

پر ۱۵ جون

مورہ ۱۵ جون ۱۸۴۲ء کے

جوابی گورنر جنرل

یہ دعویٰ جائیداد کی فضیلت

منا کا اقتباس

سے قبل معقول بنیادوں پر تیار نقل مطابق اصل

اسٹیشن فنانس کارروائی۔ اس حصہ کا

سیکٹری حکومت ہند

کہا گیا ہے۔

ہمزبور نوپ کے مالیت اس کو دیا گیا۔

بخسوی گورنر جنرل

الہ آباد ۱۵ جون ۱۸۴۲ء

1841
C. 1. 11. 1841

to be sent to the Librarian
with the "General"

to the Librarian

Handwritten notes in a box, possibly a list or a set of instructions, mentioning "the Librarian" and "the General".

Handwritten notes on the right side, mentioning "the Librarian" and "the General".

Handwritten notes at the bottom left, mentioning "the Librarian" and "the General".

Handwritten notes at the bottom right, mentioning "the Librarian" and "the General".

Handwritten notes in the middle, mentioning "the Librarian" and "the General".

Handwritten notes, possibly a signature or a title, mentioning "the Librarian" and "the General".

Handwritten notes, possibly a signature or a title, mentioning "the Librarian" and "the General".

Handwritten notes at the bottom left, mentioning "the Librarian" and "the General".

from the enclosed Government replies in original that upto the month of November 1839 no orders were received from the Hon'ble the Court of Directors respecting his appeal to that Tribunal. But the present communication from Mr. Secretary Madduck stating that the decision of the former Government have been confirmed by the Hon'ble the Court of Directors has alarmed the poor Petitioner greatly he apprehending that it perhaps refers to his Appeal. He therefore has the Honour to implore himself that he may be made acquainted if any order has been received in this case of appeal, and if so, that a copy of it with its note, may be granted to him - and for which act of kindness; the Petitioner will feel most unfeignedly grateful.

The Petitioner has the Honour to solicit respectfully, that the enclosures in original may be returned to him, after perusal.

And your Lordship's Petitioner
will as in duty bound ever
pray.

Dehly

Sd/

The 5th June, 1842

ان بصورت اصل مسئلہ سرکاری جوابات سے کہ ماہ نومبر
میں مذکور وقت آپ عدالت ڈائریکٹران سے کوئی جواب داد میں کی اپیل کے متعلق موصول نہیں
میرا لیکن جناب سیکرٹری میڈیک کے تازہ مراسلہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدالت ڈائریکٹران نے سابقہ
حکومت کے فیصلہ پر کی تصدیق نہ کی ہے جس سے عاجز و ادنیٰ کو بڑا صدمہ پہنچا کہ میا دایاس کی
اپیل کی طرف اشارہ ہو۔ لہذا ان امکانات سے روشناس کی عزت جانتا ہے اگر اس کی اپیل
کے مسئلہ میں موصول ہوتے ہوں۔ اگر واقعی یہ بات ہے تو ان کی نقل ضایت کی جائے۔
خود کو اس نواز شاد سلوک کا انتہائی مشکور رہا۔

نزدی مقدمات اس کے ساتھ کہ مسئلہ اصل کا عدالت بعد ملاحظہ و امین فرمائے جائیں۔

آپ کا ادنیٰ خواہ پابند فرض
و حاضر رہے گا

دینی
و نون مستقیم

The facts connected with his case are as follows viz. that being dissatisfied with the decision passed in his case by former Governments, the Petitioner applied to your Lordship's Government, the Petitioner applied to your Lordship's Predecessor that a reference may be made in his case to the Hon'ble the Court of Directors and his prayers were granted as will be perceived from the enclosed letter (in the original) from Mr. Secy. W.H. Macnaghten, under date 5th December 1836 No. 1. The Petitioner having made enquiries in 1838 respecting the dispatch of his case of Europe, received a reply from Mr. Secretary Prinsep (enclosed in the Original No. 2) dated 14th March 1838, stating that the papers connected with the case were forwarded to the Hon'ble the Court of Directors in a letter from the Government dated the 10th April 1837. The Petitioner again afterwards wrote to the Government to know the result of his appeal, when he received a reply from Mr. Secy. Prinsep (enclosed in the Original No. 3) dated 27th November 1839 informing him that the case was dispatched on the 10th May 1837 per "La Belle Alliance" and the Hon'ble the President in Council has yet received no orders from the Hon'ble Court on the subject.

That your Lordship will perceive

اس مقدمہ سے متعلق واقعات حسب ذیل ہیں۔ سالانہ حکومت کے فیصلے سے قنصل نے ہوسٹل پر دوا
خواہ نے لارڈ صاحب کے پیش آمد سے درخواست کی تھی کہ اس کا مقدمہ عدالت ٹرانسپورٹ میں سمجھوتا
ہو جائے اور یہاں سے منظور کر لی گئی تھی۔ مگر مگرٹری میکناٹن کے منسوخ خط مورخہ ۵ دسمبر ۱۸۳۹ء
سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سائل نے مستند اعلیٰ ان کا اذات کے یورپ بھیجے جانے کے لئے استفسار
کیا تھا جس کے جواب میں مگرٹری پرنسپ کا خط واصل ہوا۔ مگرٹری پرنسپ کا خط مورخہ ۱۴ مارچ ۱۸۳۸ء
میں ۱۸۳۷ء میں بیان کیا گیا ہے کہ اس مقدمہ سے متعلق تمام کاغذات حکومت کے خط مورخہ ۱۰ اپریل
۱۸۳۷ء کے علاوہ عدالت ٹرانسپورٹ ان کا ارسال کر دیئے گئے ہیں۔ اس سائل نے دوا پر حکومت کو لکھا
کہ وہ اپریل کا نتیجہ جانا چاہتا ہے۔ جب اس کو موصول ہوا۔ مگرٹری پرنسپ کا خط مورخہ ۲۷ نومبر ۱۸۳۹ء
منسک خبر میں اس کو اطلاع دی گئی ہے کہ اس کا مقدمہ ۱۰ مئی ۱۸۳۷ء کو سمجھوتا کیا گیا تھا اور عدالت
آب صدر کو قنصل کو جنوری ۱۸۴۰ء میں اس کے متعلق ایک موصول نہیں ہوئے۔ جواباً
مقرر کر دیئے گئے

The first comment with the name is as
 follows: as that being described with the
 original paper in his name of James G. Thompson
 the Patent Office applies again to describe Thompson
 the last reference may be made in his name to the
 Office of the Court of Directors. The original is a
 parchment as with the parchment from the Patent
 Office (in the original) from 1847 (1848) with
 exception, under date 29 Dec. 1848. The
 Patent Office having made inquiries in 1848 re-
 sulting the description of the original being
 a copy from the Patent Office (the original
 original at 2) dated 27 March 1849, stating that
 the paper connected with the case was provided
 to the Patent Office. The Patent Office in a letter dated
 the 2nd March 1849 dated 14 April 1849. The Patent
 Office again afterwards made the Government aware
 of the want of his Appeal, when he received a
 Reply from the Patent Office (the original
 at 2) dated 27 March 1849 & providing him that
 the copy was dispatched on the 10th May 1849 per
 the vessel "Albion" the Patent Office
 did not in language being raised as a case
 in the Office (from the Patent Office)

That your Lordship will be
 pleased

To,

The Right Honorable,
Lord Edward Ellenborough,
H.C.B. etc.,
Governor General of India
Allahabad.

The humble petition of Asadullah Khan,
son of Mussuravallah Beg Khan, late
Jagheerdar of Sunh and Sansah.

Most humbly Sheweth :

That your Lordship's Petitioner had ventured to submit a Memorial for the consideration of your Lordship, on the subject of his appeal to the hon'ble the Court of Directors: Upon his memorial your Lordship has been pleased to pass the following order as communicated to him through a letter from Mr. Secretary Madduck, under date the 30th Ultimo. That this question having been already decided by former Governments, and the decision confirmed by the Hon'ble the Court of Directors, His Lordship cannot admit the further agitation on the subject.

حاجی شہنشاہ ارٹھوڈوکس متی۔ ایچ۔ سی۔ بی۔ وغیرہ

گورنر جنرل ہندوستان

الہ آباد

اساتذہ خاص دولہ نضر اللہ بیگ خاں مرحوم جاگیر دار سونک و سونہ کی عا جہان
درخواست ہے کہ درخواذ نے حضور کے لئے ایک یادداشت۔ عزت آپ عالیہ و انگریز
میں ملتے پہلے پیش کیا تھا جس کی یادداشتہ جناب ارٹھوڈوکس نے ذیل کے احکام جاری کئے
جو جو اساتذہ سیکرٹری میٹروک کے خط موافق ۳۰ مارچ گزشتہ اس کو پہنچاوائے گئے حکم ہوا کہ اس
سوال کا سابقہ حکومت فیصلہ کر چکی ہے اور اسی فیصلہ کو عدالت ٹرائی کراٹھان نے بحال رکھا ہے
اور ارٹھوڈوکس اس معاملہ پر مزید بحث کن منظور فرمائے ہیں۔

/ Copy /

No. 335

Office Memorandum

Allahabad,
Pol. Department
13th June 1842

The Secretary to Government in the Political Department, with the Governor General has the honor to request that the Secretary to Government in the Military Department with the Governor General will take the necessary steps for obtaining the orders of the Hon^{ble} the President in Council to the Commissary General being instructed to move to Karnool early in July next.

Sd/ T.H. Maddock
Secretary to Govt. of India
with the Governor General

/ True Copy /

Sd/ T.H. Maddock
Secretary to Govt. of India
with the Governor General

دفتري يادداشت برحق نقل

الآباد

پوئين نگر ۱۳ جون ۱۸۴۲ء

سيکرٹري اسمبلكت به بيشي گورنر جنرل - عرض كن تا به كه سيكرٹري سرڪار مسكه
افواج - به بيشي گورنر جنرل به بيشي گورنر جنرل با حاكم لا عت آبه مدد به كوشل ضروري تقديم اٹھائے
چونكه فكر وسد كے اٹھے عہدہ داسكو ضرورت بر لائی مين كمال مانے تا حكم جاري بهر چكا به۔

دستخط - ن. اچھا - ميٹنگ

سيكرٹري سرڪار هند - منصور گورنر جنرل

مسند نقل

دستخط - ن. اچھا - ميٹنگ

سيكرٹري سرڪار - هند - منصور گورنر جنرل

Office Memorandum

1st June 1913

The Secretary to Government in the Political Department, with the Governor General, has the honor to request that the Secretary to Government in the Political Department, with the Governor General, be kept in the loop for all the correspondence between the Government and the Secretary to Government in the Political Department, with the Governor General, in the matter of the proposed extension of the railway line from the station at the end of the line to the station at the end of the line.

Yours faithfully,

1st June 1913

1st June 1913

Yours faithfully,

1st June 1913

To,

Assudvallah Khan
Delhi

Sir,

On reply to your letter dated the 16th
Ultimo soliciting the decision of Government
on your Petition of the 9th August last, I am
desired to refer you to my letter dated the
28th of the last mentioned month.

I have etc.

Sd/ W.H.M.

Despatched 9th October
Fort William
2nd October 1837

بخدمت اسد اللہ خان۔ دہلی

جناب عالی

بجواب آپ کے خط مورخہ ۱۶ اگست میں میں آپ نے اپنی عرضداشت مورخہ
۹ اگست شہزادہ حکومت کے فیصلہ کی درخواست کی ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے
مکتوب مورخہ ۲۸ اگست کے ملاحظہ فرمادیں۔

مرسلہ دراکتوبر

میں ہوں

فریڈرک ولیم

مستطاب۔ لجنہ۔ ایچ ایم

دراکتوبر ۱۸۳۷ء

مکرمہ سرکار

c. Ghanshyam Bhan,
 Pimpri. 5
 Sir,

in reply to your letter
 regarding the decision of
 Govt. in your Petition
 of the 9th August last.
 I am desired to refer
 you to my letter dated
 the 28th of the last month.
 Yours faithfully,

I have signed
 Fort William
 2nd October 1837
 J. A. B.

Ms. No. 753. B. 1. 1. 1.

To :

W. H. Macnaghton Esq.,
Secretary to the Government,
Fort William.

Sir,

I have the honor to acknowledge the receipt of your favor of the 28th Ultimo and beg leave to state for your information, that I have dispatched by Dak, a duplicate of the Petition I had submitted to the address of the Right Hon'ble the Governor General in Council under date the 9th Ultimo to His Honor the Lieutt. Governor and have solicited His Honor to submit the same through His Channel, for the consideration and orders of His Lordship: The Petition in question being in appeal against the decision of His Honor and His Honor forwards it to Fort William. His Lordship will be pleased to pass his orders thereupon, otherwise I have the honor to solicit the decision of His Lordship on the Petition I have already submitted on the 9th Ultimo.

I have the honor to be

Sir,

Your most obedient servant

Sd/Assauddullah Khan

Dehli

the 16th Sept., 1887

خدمت جناب ولیو۔ ایچ میکناٹن صاحب

سکرٹری حکومت

قلندریہ

جناب عالی

جناب کا عزایت نامہ نمبر ۲۸ راہ گزشتہ موصول ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ مجھے اجازت دیکھ کر میں جناب کی اطلاع کے لئے عرض کروں کہ میں نے اپنی عرضداشت بذریعہ ڈاک عزت آپ کو ذرا جلدی بکوسل کی خدمت میں ۳۰ راہ گزشتہ کو پیش کی تھی اس کی ایک نقل نقیضت گورنر صاحب کو بھی پیش کر دی ہے اور موصوف سے امتدعا کی ہے کہ وہ اس کو اپنے ذریعے سے اردو صاحب کی خدمت میں ان کی توجہ اور احکام کے لئے بھیج دیں چونکہ ریپریکٹ اپیل ان میں کے فیصلہ کے خلاف ہے۔ اس لئے اگر نہ اس کو قلعہ دہلی بردار کروں تو ضرور اس پر بھی اپنے احکام صادر فرمائیں۔ مگر میری یہ عرض ہے کہ لاٹو صاحب اس پر بھی اپنا فیصلہ فرمائیں جو میں نے ۱۰ راہ گزشتہ کو ان کی خدمت میں پہلے ہی سے پیش کر دی ہے۔

آپ کا انتہائی مابعد خادم
درستخط

H. H. Macanaghten Esq

Secretary to the Government
Fort William

Sir,

I have the honor to acknowledge
the receipt of your favor of the 20th ultimo: My
leave to state for your information, that I
have dispatched by Bell, a duplicate of the
Petition ^{has} submitted to the House of the Right
Honble the Governor General in Council under
Order the 9th ultimo, to His Honor the Chief
Governor, & have solicited His Honor to submit
the same thro' his Channel for the Consideration
of the Council: The Petition in
question being in appeal against the decision
of His Honor & His Honor's presence at Fort William
his Council will be bound to take his orders
thereupon, otherwise should the same be sent
the decision of his Council on the Petition
have already submitted under 9th ultimo.

I have the honor to be

Yours most obed^t & devoted
Servant
H. H. Macanaghten

19th Feb, 1804 }
نی فرستاده شد به پست



To:

Assudoullah Khan,
Dekli

Sir,

Your letter to me under date the 9th Inst., enclosing a Petition to the address of the Right Hon'ble the Governor General of India in Council, has been received and I am directed in reply to inform you that any representation you may have to make to the Supreme Government, it should be submitted through the Channel of His Honor the Lt. Governor of Agra N.W. Provinces.

I am etc.

Sd/ W. H. M.

Despatched
1st September

F.W. 28th August, 1837

بخدمت اسد اللہ خاں، دہلی

جناب عالی

آپ کا ایک خط ۹ ماہ حال بعد ایک درخواست بنام عزت آپ گورنر جنرل
ہندوستان کو کنسل وصول ہوا اس کے جواب میں مجھے اطلاع دینے کا حکم ہوا ہے کہ
اگر آپ کو کوئی بھی اپنی عرضداشت پیش کرنا ہو تو ٹیلیگراف گورنر آگرہ شاہی مغربی صوبے
کی وساطت سے ہونا چاہئے۔

مرسلہ یکم ستمبر

فدٹ ولیم

۲۸ اگست ۱۸۳۷ء

میں ہوں آپ کا
دستخط ڈبلیو۔ ایچ۔ ایم

To Addressed to the
- Delhi.

Sir.

Your letter to me
under date the 9th
Inst., containing a Peti-
tion to the a.d. of the
the Right Honourable the
Gov. Genl. of India in
Council, has been re-
ceived & I am directed
in reply to inform you
that any representation
you may have to make
to the Supreme Govern-
ment, it should be sub-
mitted through the Chan-
cel of the Hon. the
Governor of Bengal &c.
Provinces

Yours
P. H. G.

T. W. 28 August
1837

Recd. 1st September

Abstract translation of a letter from Lund Lake to
Ahmed Buksh Khan Bahadour.

It is the earnest wish of the Servants of the
Honorable Company to support the family of the late
Mirza Nussurwollah Beg Khan and a Sumud was formerly
granted to you, which also was obscurely written, it
is therefore, within that the Five thousand Rupees of
money current in that pargunnah which has been granted
to your Highness, shall be delivered every month and
every year according to the account to each of the
undermentioned connexions of the late Mirza that main-
taining themselves thereby they may pray for the long
life and prosperity of the Hon'ble Company's Servants.

| | | |
|-------------|-------------------|--------------------|
| Khaja Hajee | Mothee and Sister | Mirza Noushah and |
| 2000 Rupees | of the late Mirza | Mirza Yuseph nee- |
| | 1,500 Rupees | hews of the late |
| | | Mirza 1,500 Rupees |

Written on the 7th June, 1806 A.D. (Corresponding to the
19th Rebyulabool 1221 A.H.

لارڈ ٹیک کے خط نام احمد بخش خان سے افذ کردہ ترجمہ

عزت باب کہیں بہاؤ کے ملاقات کی سرگرم خواہش ہے کہ نصرت شریک خان کے خاندان کی
کفالت کی جائے۔ اس کے لئے ایک سند پہلے ہی عزایت ہو چکی ہے جو واضح طور پر نہیں کہیں گئی۔
اس لئے اس کے اندر ہی ملنے والی الوقت مبلغ پانچ ہزار روپے لڑہیئے جو کہ ہر مائے نس کو دیا گیا ہے اور ہر
ماہ دہر سال نصرت خان کے مندرجہ ذیل متعلقین کو حساب کے مطابق ادا کروایا جائے تاکہ یہ لوگ اپنا
گزارہ کر سکیں اور کہیں بہاؤ کے ملازمی عمر اور خوش حالی کی دعا کرتے رہیں۔

خواجہ حاجی مبلغ دہر ہزار روپے سالانہ

والدہ اور مشیر و مرزا مرحوم پندہ سو روپے

مرزا فرشتہ اور مرزا یوسف بلہندہ لگان مرزا مرحوم پندہ سو روپے

محررہ محمد جان مستندہ

مطابق تقریباً ۱۵ ارب بیچ الاول ۱۲۲۱ھ

objectionable. His Lordship thought the best mode was to allow Ahmad Buksh Khan a deduction for their support and with this view he fixed his payment at 15,000 Rupees per Annum.

/ True Extract /

Signed/ W.H. Macnaghton
Officiating Chief Secy.
to the Govt.

/ True Copy /

Signed/ M.B. Lake
Dist Asst. A.E.G.

جس پر کہے کم اعتراض بہرہ لارڈ ایک صاحب نے اس کو صالح خیال کیا کہ
امریکیش خاں کو اس رقم میں سے کچھ چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ اُن کے کینسل ہو سکیں۔ اس غلط
سے انہوں نے چندہ ہزار روپیہ سالانہ کی ادائیگی کی تجویز کی۔

دستخط ڈپٹی ایچ میکناگٹن
تائیم مقام چیف سکرٹری حکومت

اقتباس مطابق اصل

نقل مطابق اصل

دستخط ایم۔ بی۔ لیک

فرسٹ اسٹینڈ اسے۔ ای۔ جی

Extract from a letter from Lieutenant Colonel
Rohrbaugh dated 4th May, 1806.

At the period when Ahmad Bakhsh gave up
Rohltuck and Hussianah, The Right Hon^{ble} Lord
Lake promised to give him the district he held
in Mount in Jaisamir for the term of his life
for payment of 25,000 Rupees per annum. Soon
after this on the sudden Death of Hussurwallah
Beg Khan a near relation of Ahmad Bakhsh Khan
the districts of Sonk and Sonsah which had
been given to that Chief were resumed, but His
Lordship deemed it necessary to provide in some
manner for his Brother and family, and this
became more urgent from the necessity of dis-
banding the Corps of Irregular Cavalry in which
most of them were employed and in which there
were also one or two officers who had come over
from the enemy on a promise of favor and pro-
tection. To affect these objects in a manner
the least

تفصیل کر لی ایک کے خط میں اس میں مندرجہ ہے

میں وقت احمد بخش روہٹک اور سرباز سے دست بردار ہو گئے۔ اس وقت
حضرت آپ لاہور تک نے وہ ضلع جو ان کے پاس میوات میں تھا استمراری پر
تازہ نگاہ ۱۵ ہزار روپیہ سالانہ کی ادائیگی کے عوض دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کے قریب
نیراٹ پگ خاں جو احمد بخش خاں کے قریبی رشتہ دار تھے اپنا ایک فوج ہو گئے تو
سوک دوسو سو کے انتظام دہیں لے گئے۔ اس پر لاٹیک صاحب نے یہ ضروری
سمجھا کہ کسی طرح ان کے سہائیوں کے خاندان کے لئے کوئی تدبیر ہو نا چاہیے یہ اور بھی ضروری
ہو گیا جبکہ یہ مفاد سواروں کا سالانہ نوٹ دیا گیا جس میں سے اس خاندان کے کافی سے زیادہ لوگ
لاہور رکھ گئے اور جس میں ایک دواستور میں کی فوج سے نواز ملے اور حفاظت کے واسطے ہر چار
گئے تھے۔ اس مقصد کی تعمیل کے لئے ایک طریقہ۔

Governor has granted to Khaja Hajee's sons may be suspended until the receipt of the orders of the Hon'ble the Court of Directors, in your Petitioner's case.

And your Lordship's petitioner will, as in duty bound, ever pray.

Dahlee
the 9th Ausut,
1837

مگر در نے خواجہ حاجی کے فرزندوں کو عطا کی ہے۔ اس کی ادائیگی اس وقت تک التوا رہی
رکھی جائے جب تک کہ سائل کے مقدمہ کا فیصلہ قوت تک عدالت ٹرانزیکٹران سے موصول نہ ہو جائے۔
جناب کا داد خواہ پابندِ فرض آپ کے لئے ہمیشہ دعا کرے گا۔

میں ہوں آپ کا بیعتا بعد ارادہ عاجز خادم
اسعد اللہ خاں

۱۰ اگست ۱۲۵۵ھ

Governor has granted to Khya. Myasdas,
 may be suspended, until the receipt
 of the orders of the Honble. the
 of Directors, in your Petitioners
 Case. -

And your Lordships
 Petitioners side, as in and
 bound, ever more
 1837. ()



Solicit most respectfully, that your Lordship will be pleased to order, as a measure of justice, that the amount (viz. 2,000 Rupees per Annum), which His Honor the Lieutenant Governor has ordered un-sanctioned to be paid to Khaja Hafee's sons, may be paid from the 15,000 Rupees of the Sowars, and not from the Pension of Mussuravallah Beg Khan's family : But if your Lordship will not deem expedient to grant this order, your Petitioner trusts humbly, that your Lordship will, in justice, be most graciously pleased to order that the payment of the 2,000 Rupees which the Lieutenant

موجودہ درخواست کرتا ہے کہ جناب یا فوٹواریشن اور ازروئے انصاف یہ حکم صادر فرمائیں کہ مبلغ دو ہزار روپیہ کی رقم جو عزت مآب لفٹیننٹ گورنر نے خواجہ حاجی کے فرزندوں کو ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ رقم ان پندرہ ہزار روپیہ میں سے ادا کی جائے جو سواروں کے لئے رکھے گئے تھے تاکہ اس پیش سے جو نصر اللہ بیگ خان کے خاندان کے لئے مقدر ہوئی۔ اگر جناب ایسا حکم صادر فرماتا سب خیال ذکر میں کریں کہ یہ داد خواہ خاکساری سے مستثنیٰ ہے کہ آپ ازروئے انصاف جی ہی مہرانی فرما کر یہ حکم دیں کہ جو دو ہزار کی رقم لفٹیننٹ

which, most respectfully, His Highness
will be pleased to take, as a measure
of justice. that the amount (viz. 2000
Rupies for Annam), which His
Highness the Lieutenant Governor
has ordered to be
paid, to His Highness's Son, may
be paid, from the 10000 Rupies
of the Treasury, which is the
Pension of His Highness's Son.
But if you
would not deem proper
to grant this order, you
Petitioner trusts, humbly, that
you will be able, in justice,
to most graciously please to
order that the payment of the
2000 Rupies, which the Lieutenant
Governor

as the lawful due of Mussurwallah Beg Khan's family.

12th. Lieutenant Governor has ordered that Khaja Hajee's sons should receive 2000 Rupees per annum : in that case, His Honor has granted them this pension from the moneys which was intended exclusively for the support of Mussurwallah Beg Khan's family. But on the receipt of the orders of the Hon'ble the Court of Directors, in either case as described above, the claims of Khaja Hajee's sons must be considered null and void, or in other words only imaginary, your Petitioner feels confused, from what sum or from where then, the amount paid to them, will be deducted or realised.

13th. In conclusion, your Lordship's Petitioner has the honor to

کیونکہ یہی رگ نعرہ شریک خان کے قانونی وارث ہیں۔

۱۲۔ لفٹیننٹ گورنر نے حکم دیا ہے کہ خراجہ حاجی کے لاکھوں کو مبلغ دو ہزار روپیہ سالانہ ملنا چاہیے۔ اس حالت میں حضور نے یہ پیش اس رقم سے منظور فرمائی ہے جبکہ صرف نعرہ شریک خان کے خاندان کے گراؤ بی کے لئے مخصوص رکھی گئی ہے۔ مگر جب عزت آباد دار کھڑان کے انتخابات مندرجہ بالا قیادوں پر معنی ہو کر صادر ہوں گے تو خواہ حاجی کے فرزندوں کے حقوق خلیفہ قانون قرار پائیں گے۔ دوسرے لفظوں میں محض غیباں تصور کئے جائیں گے۔ یہ سائنس جبران ہے کہ اس وقت کو کسی رقم ہوتی ہو میں سے یہ رقم جو ان کو دی جائے گی ہے دین ہو سکے گی یا ان سے واپس لے جائے گی۔

۱۳۔ آخر میں جناب سکا دار خواہ

as a support is directed to be given to Mussurwallah Beg Khan's family, whereas in the detail of names below 2000 Rupees is intended for Khaja Hajee. However, that Individual during his life time received and enjoyed 3000 Rupees, per annum, but since his death his interest with support has ceased. But the entire amount in 5000 Rupees, as specified on the body of the Shooqua and directed distinctly this sum as a support exclusively for the family of Mussurwallah Beg Khan, must be considered fully and entirely due. It may not be superfluous to add here that Khaja Hajee's sons have no connexion with Mussurwallah Beg Khan's family, and the mention of their names is not made any where. Hence, it is meet, your Petitioner believes that he and his family should be considered entitled to this amount

نصرت بیگ خان کے خاندان کو گزارہ کے لئے دئے گئے ہیں جس کی تفصیلات میں مسبقہ دو ہزار روپیہ خواجہ حاجی کے لئے مقصود ہیں یہ شخص اپنی زندگی میں مبلغ تین ہزار روپیہ وصول کرتا رہا ہے لیکن اس کی وفات سے اس میں سے اس کا حق ختم ہو گیا اگر یہ پانچ ہزار روپیہ جو اس شقہ میں دئے گئے ہیں اس میں صاف طور پر یہ واقعہ کیا گیا کہ وہ صرف نصرت بیگ خان کے خاندان کے گزارہ کے لئے نہیں اور یہی جناب کی توقع کے لائق ہے کہ وہ سارا ہی ان کو پہنچے ہے۔ یہ بیان کن ابھی فضول نہیں ہو گا کہ خواجہ حاجی کے لڑکوں کا نصرت بیگ کے خاندان سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی ان کا ذکر کہیں آیا ہے۔ اس لئے یہ داغواہ یقین رکھتا ہے کہ اس کو اس کے خاندان کو اس رقم کا حق وارثانہ ملنا چاہیئے۔

submitted) and your Lordship's Petitioner begs leave most humbly to offer some explanation respecting these Documents severally in separate paragraphs.

10th. If the decision of the Hon'ble the Court of Directors be passed on the basis of the English Report, Musurwallah Beg Khan's family will there be entitled to 10,000 Rupees per annum (Musurwallah Beg Khan's family consists now of 5 persons. Your Lordship's Petitioner his Brother and his 3 Aunts) If Khaja Hajee were alive now, he would be entitled to nothing, much less his sons.

11th. But, if the Decision of the Hon'ble the Court of Directors is based on the contents of the Persian Shooqua (a Translation of which accompanies this); Your Petitioner beg leave to state for your Lordship's kind notice, that in the body of the Shooqua, 5000 Rupees

ہیش کتاہوں (سائل نہایت مؤثر باد طور پر ان دستاویزوں کی ایک ایک پیروں میں وضاحت کرنے کی اجازت چاہتا ہے۔

۱۰۔ اگر عزت آف عدالت ڈائریکٹران نے انگریزی رپورٹ کے مطابق فیصلہ فرمایا تو ضرر نہ ہوگا
خاں کے خاندان (جو اس وقت پانچ افراد پر مشتمل ہے) میں سے ایک سائل اس کا بھائی اور میں
بھو بھیاں میں) کو مبلغ دس ہزار روپیہ سالانہ حق پہنچے گا اور اگر اس وقت غلامہ حاجی زندہ ہوتے تو
ان کا کوئی حق نہ ہوتا چاہئے کہ ان کی اولاد۔

لیکن اگر عزت آف عدالت ڈائریکٹران نے اپنا فیصلہ فارسی شعر (میں ستر جملہ شاعری) کے مطابق کیا
تو اس کے متعلق سائل جناب کی گزارشات و توجہ کے لئے یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ اس شعر میں مبلغ پانچ ہزار روپیہ

submitted). Your Lordship's Petitioner by
leave most humbly & for some expla-
-tion respecting these & other matters
in separate paragraphs.)

10th If the decision of the
of Directors be proper on the basis of the
English Report, the present Beg
Khani family will then be entitled
to 10,000 Rupees per annum (at present
about 10000 Rupees per annum) as
of the present. Your Lordship's Petitioner, his
brother Khun & sister. If Khun &
were alive now, he would be entitled
to nothing, much less his share.

11th But if the decision of the
of Directors is based
on the contents of the Shoogwan
(a Regulation which is in force)
Your Petitioner has leave to state your
Lordship's kind notice, that in the
body of the Shoogwan, 5000 Rupees

Lordship's petitioner most humbly presumes, that as they were servants of 30 years, His Honor the Lieutenant Governor ought to have ordered them to apply to pensionary support, when they would present a petition to this effect, a Pension would of course be assigned to them according to the prescribed Regulations. They would be then provided, as a measure of justice.

8th. Your Lordship has been pleased to the earnest solicitation of your Petitioner, to submit His case for the decision of the Hon'ble the Court of Directors and it is evident, that they will either decide according to the spirit of Lord Lake's Report under date the 4th May 1816, or with reference to the Pension Shooqra (Copy of the former and translation of the latter are herewith

اور صاحب کا یہ وارخواہ عاجزانہ قیاس کرتا ہے کہ چونکہ انہوں نے بیس سال کی خدمت کی ہے۔ اس لئے عزتِ آبِ نشیمن گوئی کو یہ حکم دینا چاہیے تھا کہ وہ جن کے لئے درخواست: اپنے خود پیش کریں اور جب وہ ایسی درخواست دے تو صاحب کے تحت لن کویشن دے دی جاتی اور جب یہ لن کویشن برطانوی قوانین و ضوابط کے مطابق ہو جاتی ہوگی۔

۵۔ حضور نے کمال نوازش سے اس وارخواہ کی پُر غلوس استدعا پر اس کا مقدمہ عزتِ عالیہ عدالتِ دائرہ لکھنؤ کی خدمت میں بڑے تصفیہ بھیج دیا ہے۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ وہ یا تو اس فیصلہ لائیکس کی رپورٹ مورخہ ۱۸۱۶ء کے نفسِ مضمون کے مطابق یا فارسی شقہ کے مطابق کریں گے۔ (پہلی کی نقل اور دوسری کا ترجمہ ساتھ ہی

Lordskip petitioned his Majesty's presence,
that as they were Lords of 80 yrs, His
Majesty the Lieutenant Governor ought to have
ordered them to apply to his Majesty's
patent, when they would present a
petition to the effect, a pension was
of course, to be assigned to the necessity
of the preceding petition. They said
to the Governor as a condition of
granting it.

9th. -- Your Committee has been re-
solved, at the earnest solicitation of
your Petitioners, to submit a Report for
the consideration of the House of Commons
Directors, & their Council, that they will
either decide according to the spirit
of Lord Lake's Report, issued at the 4th
May 1806, or with reference to the
human Suffering (Copy of the former
resolution of the Committee has been sent

is worthy of consideration, that Khaja Hajee was neither a Relative of Mussurwallah Beg Khan nor a Pensioner to the British Government, but was only a servant, as and head officer of the Sowars, after him his sons continued in his situation.

7th. As the Jagheer of Nawab Ahmed Buxah Khan, has reverted to Government and the 50 Sowars disbanded, the situation of the Head Officer of those Sowars must of course, be considered abolished: But Lieut. Governor having allowed Khaja Hajee's sons to retain the situation in question - it will appear strange to your Lordship to find that the Sowars are disbanded, but their head officers are allowed to hold the situation.

8th. Khaja Hajee's sons were servants as head officers of Mussurwallah Beg Khan's 50 Sowars, and with them they were also considered dismissed: But your

امیر کا یہ خود ہے کہ غلام مائی ذوق نعر شہ بیگ خاں کے رشتہ دار تھے اور یہی حکومت انگلشیہ کے جشن غلام بیگ ایک ملازم تھے اور سواروں کے اعلیٰ افسر تھے اور اس کے بعد ان کے لڑکے ان کی جگہ پر کام کرتے رہے۔

۶۔ اب چونکہ قزاق احمد بخش خاں کی جاگیر حکومت کو واپس ہو گئی ہے اور سواروں کی ختم کر دیئے گئے ہیں تو ان کی سارا کی حیثیت بھی ساتھ ہی ختم ہو جانا چاہیے تھی۔ لیکن فضیلت نگاروں نے ان کو زیر بحث حیثیت قائم رکھنے کی اجازت دیدی ہے۔ جناب یہ دیکھ کر ضرور حیران ہوں گے کہ بھاس سوار تو ختم ہو گئے ہیں لیکن ان کے افسران اعلیٰ کو اپنی جگہ پر قائم رکھنے کی اجازت دیدی گئی ہے۔

۷۔ پسران غلام مائی ذوق نعر شہ بیگ خاں کے بھاس سواروں کے افسران اعلیٰ کی حیثیت سے ملائے تھے اور انھیں کے ساتھ ان کو کھن بہریت مل گیا۔ لیکن

"a matter of consideration; that the Rajah Raju
 was, neither a Relation of the Government
 by blood, nor a pensioner of the British
 Government, but with Raju's Servants
 as an hind office of the Government. After
 him, he was taken into the State.
 7th: As the Rajah of Tanjore
 should think that his servants
 to Government & the Government
 the Situation of the hind office of the
 Government, in which case, he was
 abolished. But, the British Government
 allowed ^{the Rajah} to retain the Situation in
 question - should appear strange to
 your Lordship. We find that the Government
 are ordered, but that the Rajah
 are allowed to hold the Situation.
 8th: The Rajah Raju Raju Raju
 as hind office of the Government Raju
 Raju Raju Raju, with them they
 were also considered. Described. But your
 Lordship

Musauvallah Beg Khan, and his Father and Uncle were servants of Musauvallah Beg Khan's father and on the account, when the Rissalah of 400 Sowars was disbanded and 50 Sowars were selected out of them and made over to Nawab Ahmad Buksh Khan, by General the Hon'ble Lord Lake, preference was given to Khaja Hajee, and he was retained as the head of the 50 Sowars.

6th. That when the 50 Sowars were made over to Nawab Ahmad Buksh Khan, and a deduction was made of 15000 Rupees from that Istamuran Money and this sum was appointed for the maintenance of the 50 Sowars, Nawab Ahmad Buksh Khan assigned 2000 Rupees out of that sum for Khaja Hajee yearly, and when in 1824 or 25 Khaja Hajee died - Shamsudeen and Qudusdeen were reinstated in the situation of their Father by Nawab Ahmad Buksh Khan, and they received 2000 Rupees yearly. It

نصرتیجگ خاں کے متفقہ۔ اور ان کا چچا اور والد نصرتیجگ خاں کے والد کے ہاں تھے جب یہ چار سو سواروں کا رسالہ ختم ہو گیا اور ان میں سے صرف پچاس ہی منتخب سوار رکھے گئے اور ان کو جنرل عزت آباد لارڈ لیک کے ذریعہ کچن خاں کو دیدار خواجہ حاجی کو ان کی امتیازی حیثیت کی وجہ سے ان پچاس سواروں کا افسر بنادیا گیا جس وقت یہ پچاس سوار نواب احمد بخش خاں کو دئے گئے تو اس وقت پندرہ ہزار روپیہ کی رقم استعماری لکھائی سے ملیدہ کر دی گئی اور اس رقم کو ان پچاس سواروں کے اخراجات کے لئے مختصر کر دیا گیا۔ نواب احمد بخش خاں نے اس رقم میں سے مبلغ دو ہزار روپیہ سالانہ خواجہ حاجی کو دینے کی وجہ سے قبلہ یا سنیہ میں خراب حاجی کا انتقال ہو گیا تو خواجہ شمس الدین احمد خواجہ الدین کو اپنے والد کی جگہ پر کھالی۔ کہا گیا اور ان کو مبلغ دو ہزار روپیہ سالانہ ملتا رہا۔ یہ

informed by Mr. Allen, the Father of Single would
 serve as of Captain Allen by the Father
 it in the second, when the Republic of 1800
 Congress was by far the most - were
 soldiers who then made one to know
 Alvin Ketchikan, by General the
 House, and later, perhaps one given
 to Major Major, the one returned as
 the head of the 50 Lines -

80 That when the 50 Savans
were made over to Nawab Ahmed Shah
when, & a deduction was made of 15000
Rupees from the Settlement Money & the
Sum was appointed for the maintenance
of the 50 Savans Nawab Ahmed
Baksh Khan assigning 25000 Rupees
out of that Sum for Khajeh Begum yearly -
& when in 1765 or 25 Khajeh Begum died -
"Dunshoodin" & "Munshoodin" were re-
-instated in the Settlement of their
Father by Nawab Ahmed Baksh Khan
& they received 20000 Rupees a year, & 4

been retained on the Government Records); But as your Petitioner now appeals against much points as are connected with Khaja Hajee, it is incumbent on him to give a short detail respecting that individual and his sons.

4th. - Mussuravallah Beg Khan, your petitioner's Uncle had a Rissalah of 400 Sowars under him, in which there were 3 Officers, and one of them was Khaja Hajee. The mention of his name will be found among Mussuravallah Beg Khan's Rissalah; it is inserted in the Book of Rissalah of General Lord Lake's time - and which is on the Records of Government in Calcutta :- and, with reference to that Book, your Lordship's Petitioner solicits the Decision of this point.

5th. Khaja Hajee had one supervising over the other 2 Officers in the Rissalah viz. that they were now servants, and had only served in that Rissalah - Whereas Khaja Hajee was an old servant of

حکومت کے ریکارڈ میں محفوظ رکھی گئی ہوں گی۔ لیکن چونکہ دوسرے ان خاص امور کے خلاف اپیل کر رہا ہے جن کا تعلق غلام حاجی سے ہے۔ اس لئے ضروری خیال کرتا ہے کہ ان کے تفرقہوں کے بارے میں مختصر بیان کر دے۔

۴۔ سائیکس کے چچا انڈرائڈ بیگ خان کے تحت چار سو سواروں کا رسالہ تھا جس میں قبیلہ افشار تھے۔ ان میں ایک غلام حاجی تھا جس کا نام انڈرائڈ بیگ خان کے رسالہ کے ذکر میں آئے گا اور یہ قبیلہ اردیکے حکمرانوں کی کتاب میں بھی درج ہے۔ جو حکومت کے ریکارڈ میں موجود ہے۔ سائیکس کے یہ درخواست ہے کہ اس کتاب سے ان امور کا فیصلہ کیا جائے۔

۵۔ غلام حاجی کو اور افشاران پر فوقیت حاصل تھی کہ نہ کہ یہ دواخانہ صرف ملازم تھے اور رسالہ میں نہ آتے تھے۔ اس کے برعکس غلام حاجی دیرینہ ملازم۔

of the final orders of the Hon'ble the Court of Directors in his case.

2nd. Lieutenant Governor having ordered in con-junction with your Lordship's Petitioner and his family (consisting of 5 persons), that Khaja Shamsudeen and Khaja Badrudeen sons of the late Khaja Hajee should continue to receive the sum of 2,000 Rupees, per annum, which Nawab Ahmed Buxah allowed to Khaja Hajee, and which he afterwards continued on his sons, your Petitioner begs leave respectfully to appeal against his Decision, to your Lordship's Tribunal.

3rd. Particulars and facts respecting Khaja Hajee, have been explicitly detailed in the papers connected with your Petitioner's case and which your Lordship has been pleased to transmit for the decision of the Hon'ble the Court of Directors (Copies of which must have

عزتِ آبِ عدالت ڈاکٹر کرمان کا قطعی فیصلہ اس مقدمہ میں

۲۔ لٹینینٹ گورنر نے ایک حکم جاری کیا ہے۔ کہ میں حضور کے سائل اور پانچ افراد پر مشتمل اُس کے خاندان کیساتھ خواجہ شمس الدین و خواجہ بد الدین پیران خواجہ حاجی صلیح دو ہزار روپیہ سالانہ پنشن دینے میں جو خواجہ احمد بخش خاں نے خواجہ حاجی کو دی تھی اور ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزندوں کو دینے لگے تھے۔ آپ کا سائل اس حکم کے خلاف مؤیدانہ طور پر آپ کی عدالت سے اپیل کرنے کی اجازت چاہتا ہے۔

۳۔ خواجہ حاجی کے متعلق تفصیلات اور واقعات اُن کا ذات میں درج ہیں جو میں نے اپنے مقدمہ کے سلسلے میں پیش کئے ہیں اور جو اپنے براؤنر عزتِ آبِ عدالت ڈاکٹر کرمان کی خدمت میں فیصلہ کے لئے بھیجے ہیں اور جن کی کاپیاں مندرجہ

of the final order of the Board of Control of
Directors, in London.

2^d. The Board of Control, in London, has
in consequence of the above, decided to
appoint (and pay) Mr. Thomas
Shanghaan to the position of
the late Mr. Thomas. It is
to remain the same of 2000 Rupees, per annum,
which Mr. Thomas allowed
to Mr. Thomas. It is
continued in the same, and the Board of
Control is to be appointed to the
position of Mr. Thomas.

3^d. Particulars of the
position of Mr. Thomas, have been
submitted to the Board of Control, and
the Board of Control has been
pleased to appoint
for the position of the Board of Control
of Directors (Board of Control) of the
Board of Control.

To,

The Right Honourable,
Lord George Auckland,
K.E.B. etc., etc., etc.,
Governor General of India in Council,
Fort William.

The humble Petition of Asadullah Khan
the Nephew of the late Mussurwallah Beg Khan

Humbly Sheweth:

That the Hon'ble the Lieutenant Governor
of Agra has passed an order, that your Lordships
Petitioner, his Brother and his 3 Aunts should
continue to receive the sum of 3,000 Rupees per
annum what they have all along received as their
(out of the 10,000 Rupees), from Nawab Ahmed Bahadur
Khan's Jagheers Your Petitioner humbly presumes
that it was necessary to adopt this measure, till
the receipt

محترمت جناب قوت آپ کا رٹو مارچ آگینڈے کے لئے۔ لی دفریو دفریو

گورنر جنرل ہندوستان کے کوٹل

فورٹ ولیم

ماہر اور درخواست از اسد اللہ خان پرنس نوازہ نغرا شہید کے خاں مرحوم

مؤدبہ انکوارش ہے کہ

قوت آپ انٹینڈ گورنر شاگ نے یہ احکام جاری کئے ہیں کہ محضہ کا سائق اسرار

بہادر اور تین سچر سپہاں مبلغ تین ہزار روپیہ سالانہ حسب سابق (دس ہزار میں سے) غالب

اصلاحات خاں کے جاگیر سے وصول کرتے رہیں۔ ناچیز کا خیال ہے کہ ایسا کرنا اس وقت تک واجب

نہ تھا جب تک موصول ہو۔

No.

The Right Honorable

Lord George Auckland

H. C. B. 3rd 5th 3rd

General Governor of India in Council

Fort William

The Honorable Secretary of State

for the Colonies

Whitehall

My dear Sir

I have the honor to acknowledge

the receipt of your letter of the 10th inst.

in relation to the petition of the

British subjects in India, and in reply to inform you

that the same has been forwarded to the

proper authorities for their consideration.

I am, Sir, very respectfully,

Yours obedient servant,

John D. D. D.

Secretary to the Government

To,

W. H. Macnaghten Esqr.

Secretary to the Government,

Fort William,

Sir,

I have the honor to request, that you will with your usual kindness be so obliging as to beg the enclosed Petition with its enclosure, for the most liberal and impartial consideration and orders, of the Right Hon'ble the Governor General in Council: I submit these papers with reference to my case already pending the decision of the Hon'ble the Court of Directors.

I have the honor to be

Sir,

Dehli

the 9th August,

1837.

Your most obedient, devoted
and humble servant,

Sd/ Nandoolah Khan

بخدمت جناب ڈپٹی۔ ایچ میکناگتن صاحب

بیکریٹری حکومت ہند

فورٹ ولیم

جناب عالی

میرے لئے جناب سے یہ عرض کرنا باعث افتخار ہے کہ آپ اپنی روایتی بہرانی سے مجھ پر فائز فرمائیں اور میری ملوث ہزار درخواست اور مشکلہ کاغذات گورنر جنرل پر کونسل کے سامنے برائے فیاضانہ اور غیر جاناب دارانہ توجہ اور احکامات کے لئے پیش فرمائیں، میں محاکمہ فیاضانہ میں کرہام میں یہ اس مقدمہ سے متعلق ہیں جس کے لئے قوت آب ریالت ڈاکٹر کولمان کے فیصلہ کا انتظار ہے۔

میں چون آپ کا چیدنا بدار اور عاجز خادم

دستخط: اسد اللہ خاں

دلی

۱ اگست ۱۸۳۷ء



H. H. Macgregor Esq.
 Secretary to the Government
 Fort William.

Sir!

I have the honor to request
 that you will, with your usual kindness
 be so obliging, as to lay the inclosed
 petition with its' Enclosures, for the most
 liberal & impartial consideration & order
 of the Right Honble the Governor General
 in Council: - I submit the Papers
 with reference being already having
 the decision of the Honble the Chief
 Director. -

I have the honor to be
 Sir
 Your most obedient, devoted
 & humble servant
 Aspidochelone Khan

Delivered
 the 4th Aug^r 1857.
 Aspidochelone Khan



Pol. Dept.

To,

Asadullah Khan,
Delhi

In reply to your letter dated 1st instant, I am desired to refer you to mine of the 5th of December last, and to state that His Lordship in Council has been pleased to express his gratification at the mark of attention which you have shown in sending him a copy of your Persian verses.

I am etc.

Sd/ W. H. Macnaghten.

Secy to Govt. of India

Despatched 24th
April

Fort William,
17th April 1837

پرنسپل ڈیپارٹمنٹ

خدمت اسد اللہ خان، دہلی

بکواب آپ کے خط سورج تکرم ماہ حال مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں آپ کی توجہ اپنے مراسلہ مرقہ گذشتہ طرف مبدول کراؤں اور بتاؤں کہ حضور لارڈ صاحب پیکر نسل نے اپنی خوشنودی مزاج کا اظہار کیا ہے۔ آپ نے ان فارسی اشعار میں صاحب موصوفت کماں قدر قابل توجہ سمجھا ہے اور جس کی ایک نقل آپ نے ان کو بھیجی تھی۔

میں ہوں و لیلہ و خدیو

دستخط ڈیپو۔ ایکٹ۔ میکناٹن

بیکر شری حکومت ہند

مرسلہ ۴۴ اپریل

نورث ٹیم، ۱۱ اپریل ۱۸۳۷ء

H. 15

To, Abdul Kham.

Belhi.

Handwritten signature/initials.

Handwritten initials.

S. R.

Handwritten signature/initials.

Respected Sir, I have the honor to

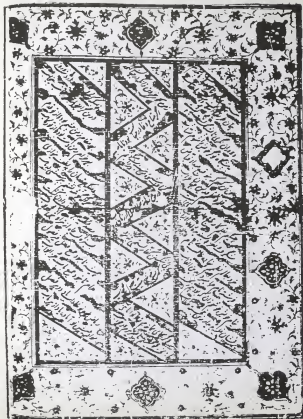
For Mr. Wilson
17 April 1837

In reply to your letter dated 1st instanc, I have desired to inform you of the sum of the 5th of December last, and to state that His Lordship in Council has been pleased to express his gratification at the mark of attention which you have shown in sending him a copy of your Pension order.

Yours &c.

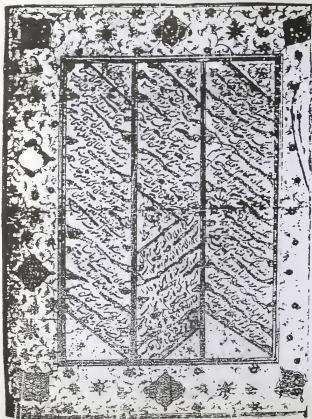
Handwritten signature/initials.
Wm. Pitt Rivers

بیرغمانی سلسلہ افراسیاب سے ملتا ہے اور اس وقت سے لیکر میرے والد کے عہد تک شاہی سپاہ سے تعلق رہا ہے اور یہی طریقہ ان کی اولاد کا بھی تھا۔ اگرچہ پشت و در پشت اپنا نسب نامہ شریحاً انداز میں بیان کروں تو آپ سب کو بہادر بھی پائیں گے۔ میں ہی وہ ہوں جس کو خود اعتمادی ہے کہ اس اجڑی دنیا میں پروردگار عالم کے فضل سے شاعری کی دنیا کا بادشاہ ہوں۔ اور قلم ہی سے تلوار کا کام لیتا ہوں۔ میرا یہ کام صاحب نظر لوگوں کو نہایت عمدہ اور مغرب خاطر ہے۔ عقل کے تقاضوں نے مجھے دنیا کے شعریں غالب کا نام دیا اور اسی نام سے فرشتوں کے یہاں بھی مشہور ہوں۔ مجھے خوشی والہینان ہے کہ اس مبارک خطاب میں آپ کے غلبہ کی نشاندہی کا بھی سرغ ملتا ہے۔ وفاقواری دنیا میں ناباب ہے مگر میرے پاس زیادہ سے زیادہ مل جائے گی کیونکہ اگر سارے عالم سے دفا اٹھ جائے تو محض میری وفاقواری پر دے عالم پر چھا جانے کے لئے کافی ہے فضوں باتیں جانا بیڑ طریقہ نہیں رہا ہے۔ میں جو کچھ کہتا ہوں ٹھیک کہتا ہوں۔ یہ وفاقواری کی خصوصیت جو کچھ مجھ میں موجود ہے ابتدائی جوانی میں بھی اسی طرح تھی۔ نافرمانی اور کافر طبقہ کو دوبانے کے لئے میں نے لڑائی میں حصولِ ثواب کی نیت سے بزمِ شریعت باندھ لی تھی اور اگر اب میں اپنی کرداری کے باعث عاجز رہ جاؤں تو میں یہی سمجھوں گا کہ میری قسمت موت تک کبھی نہیں بنے گی اور کبھی سادھا نہیں ہوگی۔ میں شب و روز آپ کی فوق کشی کے وقت سے یہی دعا کر رہا ہوں کہ خدا کرے جہاں بھی آپ کے قدم چڑیں وہاں میری آنکھیں ہوں اور آپ کے ہر سفر میں میرے ہاتھ رکاب کا کام دینے کی صلاحیت رکھیں۔ اپنے ہم سفر کو فواز تے وقت اپنے اس عقیدت مند کو جو گوشِ نشیبیچ فراخوش نہ فرمائیں بلکہ اس کے حال پر تو میری نوابی کا ہم پر عام بات ہے کہ جب پانی کنویں سے نکال کر کھیت کو دیا جاتا ہے تو ٹٹول کے ٹپکتے ہوئے پانی سے کنارہ کے سبز کو کئی گنا زیادہ پانی مل جاتا ہے۔ میری ہمیشہ کے لئے یہ دعا ہے کہ جب تک فصل کی جمعہ فضوں اور باب کی جمعہ ابواب میں کوئی تہذیبی ذائقہ اس وقت تک آپ کی طبیعت کا باغ سرسبز و شاداب اور پرمہر رہے اور عیش و عشرت کے ذرائع دن و رات چمکنی ترقی کرتے رہیں۔

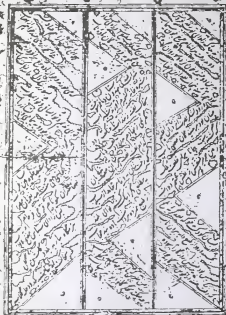


اب غالب مشراب مسرت و انسا میں مست ہو جانے کی تلقین کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے لوگو! تمہیں اپنی قسم ہے کہ اپنی ملازمتوں اور محنتوں کے تقاضا سمجھنے والے ہو اور اس مشرت بھری مجلس میں پھیلے ہوئی شراب کے جام بھرو اور مستی میں آکر اس زمین پر اتنی شراب چھڑک دو کہ جس کے اثر سے قیامت تک اس میں سے لالہ کے ترو تازہ پھول اُگتے رہیں۔ بس مجھے تو کھانا ہی رنگ کی شراب ہی دیتے رہو۔ اگر میں سلا آگئی کروں تو مجھے ساغر ہی تھما دیا کرو وہی میرے سلام کا جواب ہو گا۔ ہاتھوں میں روشنی چراغوں کے پیالے چھوڑ دینا اور بجائے ان کے کرے کی جھت سے زہر اور مہتاب کی روشنی کا غبار پھینکاؤ۔ جب شراب اُٹھاتے وقت پیالے میں چلے آٹھیں تو اس وقت سرخ آنکھوں کے اشاروں کیساتھ شراب دیتے جاؤ۔ ہاں فلا میٹھی شراب کے دو جام تو مجھے دید و کو کو کہ یہ کسی صورت میں اچھا نہ ہو گا کہ میں نالا علی کے زیر اثر ایسی کئی کئی کا شکار رہ جاؤں یہ دو جام اس لئے درکار ہیں کہ ایک تو صوبہ لاہور پر قبضہ ہونے کی خوشی میں اور دوسرا نواب علاقہ کی مبارک سلامیانی پر۔ ملک گیری کی بوس کو علی جا رہے ہونے کے بعد سلطنت واپس کر دینے والے لارڈ پانڈنگ کے کیا کہنے ہیں کہ اس کے اتم میں مشہاب ثاقب نیزے سے کاٹا دیتا ہے۔ آسمان گھوڑے کا اور ہلال اس کے گھوڑے کی زین سے لگی ہوئی رہا ہے۔ یہی وہ قاتل ہے جو اسید کی کیتھی پر دیا دیا بارش برسانے والا ہے اور اس کی ذات مشرق سے طلوع ہونے والے سورج کی بخششیں اپنے اندر رکھتی ہے۔

اسے مدد دے! تیرے ستارے جیسے روشن چہرہ کو صحن کی مجلس کا چراغ کہا گیا ہے اور نیزے مذہب کو سیدھے دست پر لگانے والے خضر سے قیصر کی ہے تیری بلند شان و شوکت کے سامنے ابدان کے بادشاہ دارا و جہن تیرے بلند محنت پر صد کرتے ہیں اور تیری کند کی جگہ میں رستم و سہراب کی حیثیت قیدیوں کی سی ہے۔ مٹن کی سجادہ میں جس طرح پر وہ بھی اضافہ کا باعث ہوتا ہے اسی طرح تیرے راستہ کی گرد ملک پر اچھائی کی جامہ ڈال دینے والی ہے۔ تیری نظر حیات عیش کو بڑھانے والی ہے جیسے سرور و سرخوشی میں اضافہ کا ذریعہ شراب خیال کی حاتی ہے۔ بادلوں کو تیری سخاوت سے بلانے نام نسبت ہے کیونکہ تو دریا بہا تا ہے اور بادل قطرہ قطرہ شاہین کے چھپتے ہیں، تیری ہی جیسی طاقت و کھائی و جی ہے لیکن چہ نسبت خاک! ہاں عالم پاک کیونکہ تو شہروں اور گھاؤں پر منہ کرتا ہے اور وہ انسانوں اور چکوروں کا شکار کرتا ہے۔ ایک شمشاد قیامت مفرور باغی نے تم پر ہرگز تیری سیدھی نظر کے سامنے ایک عمارت کی طرح اپنے آپ کو پیش کیا۔ تیرے جلال کے آگے آسمان تو آداب ہوا لانے کی خاطر سہم کر رک گیا ہے اور تیرے حکم کو منتظر ہے۔ لہذا تو حکم دے اگر یہ بیٹھ جائے اور ہمیشہ کے لئے حجام بن جائے۔ اسے سرور و جہاں اپنا قمارت کیا کرناؤں۔ ہوں تو میں شام غریبہ خشن رکھتا ہوں لیکن میرے اکا پشیمانی دنیا میں نہ تھا۔



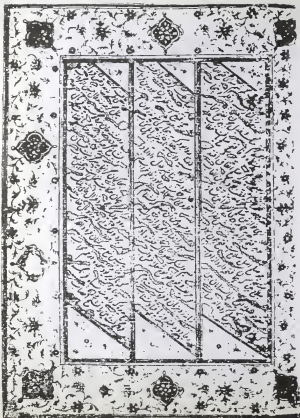
یہاں سے غالب اپنے مدوح کی قوت و جبروت کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور مقتدی کا جشن منانے کی ترغیب دیتے ہوئے اس طرح اظہار خیال فرماتے ہیں کہ اسے لوگوں کی تم نے نہیں دیکھی کہ تو بے گنت اور قوت کی آواز بلند ہوتے ہیں آسمان میں پارے کی مانند لرزش پیدا ہو گئی اور اس سرزمین پر خون کے دھوریا جاری ہیں گویا اب تو غالب کو سات دریاؤں کا خط کھینا جاتے۔ گھوڑوں کے سونے سے زمین کی دیشیں سطح پر جو خاص قسم کے نقش و نگار بن گئے ہیں وہ حقیقت میں نظروں میں انگریزوں کے فخریہ لشکر کے اس علاقہ میں داخلہ پر شاہ وقت کی بیعت سے بطور تحفہ پیش کرنے کے لئے ہیں دوسری طرف دشمن کا حال اس شریک کی طرف ہے جو رونے پٹنے کے بعد سو گیا ہو اور دایہ کے دماغ سے اس کے رونے کا شرکا برخش سرور چٹ گیا ہو گویا فتنہ بذات خود زمانے کی گود میں سو گیا ہے لہذا یقیناً آسودگی کا دور شروع ہونے والا ہے۔ اب جبکہ یہ تک میرے مدوح کے زیر فرمان آچکا ہے اور نئے اصلاحی اقدامات کے لئے راستہ ہموار ہو چکا ہے تو میری طرف سے جاگے فروزشوں سے کہہ دو کہ خاص شراب حاضر کریں کیونکہ ہندوستان کی میٹھی شراب نے میرے دماغ کو سکون عطا کرنے کی بجائے انتشار کا شکار بنا دیا ہے اور جلا دیا ہے اب شاید اس حلین کو کثیر کے میخانہ سے لائی ہوئی شراب ہی ٹھنڈا کر سکتی ہے۔ لہذا میرے لئے وہی لائی جائے۔ گرم مٹی کو تو ٹھنڈا کرنے کے لئے پانی ڈالا جاتا ہے لیکن یہ پانی جوش اپنے جلے ہوئے خاکدان کے لئے مانگ رہا ہوں اس سے میرے اندر کی آگ باہر آجاتی ہے چونکہ غالب کو مطلوبہ مشرب اب مل گئی ہے اور ان کی عقلیں طبیعت کے چہرے پر سے نقاب اٹھ گئی ہے تو مزید حوش و ولولہ کیا فخر و مسرسلٹی اس طرح پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بات مجھ سے مت بوجھو کہ میں جس شراب کا ذکر کر رہا ہوں اس کا شریک و غم پر کیا ہوتا ہے جس یوں سمجھو کہ اس کا اثر دیا ہی ہے جو سرخ رنگ کے تیرنے و بوند کے کلیپر پر کیا تھا یعنی ٹرپ پیداکری تھی۔ میرے دل کی بھی وہی کیفیت ہے کیونکہ اس میں فوج کی خوشی میں مغل کرائی کا شریک پیدا ہو گیا ہے۔ لہذا اب مجھ سے ایسے ساتھیوں کی ضرورت ہے جو اسے خوشی کے شغل میں میرے شریک ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اور وہ بھی ایسے ساتھی کہ جب ان کے چہرے پر شراب ناب کی دلی ابھرے تو ایک ہی نظر میں ماسدوں کے دلوں کو مس کی آگ میں جلا کر کباب بنا ڈالے۔ ہاں تو میرے ساتھی خود جلا کر شراب چھلکا کر شروع کر دے اور اتنے مضرب نوزد اب کے تاروں کو چھیر کر خوشی کا نغمہ ادا پ اور اسے میرے محبوب ذرا کچھ شراب کا پیالہ تو پڑا دے تو کیاں ہے۔ اسے نفس و سرور کے منہ نو کہہ رہے اپنے مضرب کو حرکت میں تو لا۔ اسے خمریت رکھنے والا اور شہزاد کا سپاہی کہ چاہئے اور تم بھی سنو اور اس موقع پر بند و راز کو کھولنے والے مہو کی گرم نوازی کا شکر یہ بجاؤ اور وہ اس طرح کے منوریت کی گرجا میں چند بھروں کے ہاتھ لگا دو۔



۱۸۳۸ء

تصیّد درج لارڈ ہارڈنگ کے وقت فتح پنجاب لاہور وغیرہ

ابتداءً شریں غالب نے فتح پنجاب کی خوشخبری پکار اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کیا ہے لیکن ہوتوہ شناسی اور نزاکت حالات کو بھی مد نظر رکھا ہے۔ پہلے اس کے کردار و حرکت کی باتیں کی جاتیں انہوں نے فاتح کے اوصاف کو اپنے مخصوص انداز میں مختلف علمی صنعتوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اب جبکہ جنگ و جلال فتح پوری کی صورت میں ختم ہو گئی ہے اور صلح کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں تو اس طرح فاتح کی طرف سے میل دلاپ کی طرف ہاتھ بڑھا اعلیٰ کرداری اور بلند اخلاقی کمالات ہیں۔ یہاں مدوح اس انسانیت سے بھرپور نظریہ کا حامل ہے بلکہ قابل ستائش ہے۔ اس بلند طرز عمل سے نہ صرف اس کی عظمت کا پتہ چلتا ہے بلکہ اس سے خوشیوں کے ایسے نغمے پھوٹ پڑتے ہیں جو دلوں کو حیرت لیتے ہیں۔ جنگ میں فتح پا لینا تو ہم بات ہے لیکن حقیقی فتح دلوں کے حیرت لیتے ہیں کہ فاتح و مغلوب ہیں انتقام کی گرمی ٹھنڈی پڑ جائے اور باہم میل و ملاپ میں ترقی ہو۔ اب جو گناہ کیا ہو گا یہ لہذا میرے مدوح نے دل حیرت لئے ہیں۔ اتنا ہی نہیں ہوا بلکہ بیتا بڑا عطا و سمجھوتہ کیا تھا پھر مفتوح کو واپس کر دیا ہے۔ جبکہ فاتح میں ایسے اعلیٰ صفات موجود ہیں تو پھر کیوں فتح پوری اس کے قدام نہ چڑھے۔ برخلاف اس کے جو تو مہم اپنے مقابلے سے گر جائے تو پھر اس کو ایسا ہی دن دیکھنا چاہیے۔ اب یہ نظام آگیا ہے نجات بہبود کی امیدیں پیدا ہو گئیں ہیں، بھلائی ناپسندیدہ قدریں دم توڑ چکی ہیں۔ اس نئے آئین سے اگر جتنے والے جلتے ہیں تو جلتے دو کیونکہ ان میں حقیقت مشناسی نہیں ہے۔ وہ سراب و دریا میں تمیز نہیں کر سکتے ہیں۔ اصل میں اس فتح پوری کے اسباب ہیں۔ کیونکہ غالب و مغلوب کے اوصاف میں بڑا فرق ہے اگر ایک طرف آسمان کی بلندی ہے تو دوسری طرف گرد و غبار کا ڈھیر اگر ایک طرف دریا کا تیز بہاؤ ہے تو دوسری طرف گھاس پھوس کی چنگاری۔ پس یہ بناوٹ کی معمول سی چنگاری چکی اور فوراً بجھ گئی۔ اسی طرح گھاس کی دیوار بھی باوجود کوشش کے پائیدار نہیں ہو سکتی ہے اور در قرانی کا بجز اپنے سنگیوں کے بنے ہوئے پر قصاب سے ٹکر لے سکتا ہے۔ یہ لانا کہ ہرن و ڈرلے میں تیز ہے لیکن وہ چیتا نہیں بن سکتا ہے۔ چکھڑ بھی آسمانوں میں اڑان کرنا لیکن وہ شاہین ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔ میرے مدوح میں اعلیٰ صفات و کردار ہیں اس لئے دشمنوں کے سر اس کے سامنے جھک گئے۔



Poetry have met with the approbation and favorable attention of His Lordship a line may be granted to me as a mark of favor.

If the correspondence connected with my case, has been forwarded for the consideration of the Hon'ble the Court of Directors, I solicit most earnestly, that should be made known to me.

I have the honor to be

Sir,

Your most obedient

and humble servant

Dehli

the 1st April

1887

Asdowllah Khan

اگر میری نظم ہارڈ صاحب نے پسند کی ہو اور اُسے قابلِ توجہ سمجھا ہو تو اس کے لئے
ازراہِ کرم ایک سطر مجھے لکھ دیں۔ اگر میرے مقتدر سے متعلق خط و کتابت بہت عزتِ آپ
عدالت ڈائریکٹر ان کی خدمت میں ارسال کر دی گئی ہو تو نہایت خلوص سے ملتی ہوں کہ مجھے
اس سے مطلع کیا جائے۔

آپ کا بیعتہ: ابیدار اور عاجز خادم
اسد اللہ خاں

دہلی
یکم اپریل
۱۳۰۶ھ

Party have met with the appreciation & favorable attention of the Legislature, & this may be pointed to as a new mark of favor --

If the correspondence connected with my Case, has been forwarded for the consideration of the Honble the Board of Directors, I solicit much earnestly, that it should be made known to me --

Belleville }
the 1st April }
1887. }
Yours truly
R. H. H. H. H.
Appl. O. H. H.

Seal
مهر و نشان
محمد علی شاه قاجار

may be paid to us regularly, till the final decision of the Hon'ble the Court of Directors in my case, may be passed, and on the 17th January, I ventured to submit a few lines in Poetry, for the Kind acceptance of His Lordship.

But not having received an answer to the . above communications, I labour under great anxieties of mind.

I beg leave however, to attract your kind attention to my entreaties, and implore, that the necessary orders may be passed upon the points I have presented for the consideration of His Lordship, and that the same may be communicated to me through the Agent at Delhi :- and, should my

میں اس وقت تک باکاء و ملنا پاتے جب تک کہ عدالت ڈائرکٹران میرے مقدمے کا فیصلہ کرے اسے اجنبی کی جو منظم کلام حضور لاہور صاحب کی شرف قبولیت حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ کیا تھا۔ ان مراسلات کا جواب دہنے پر مجھے بڑا ذہنی استشار پر داشت کرنا پڑا۔

تاہم مجھے اس بات کی اجازت دیجئے کہ آپ کی مشفقانہ توجہ اپنی معروضات کی طرف کر لیں۔ میری التماس ہے کہ ان امور پر ضروری احکام صادر فرمائے تاکہ جو میں نے حضور لاہور صاحب کی توجہ کے لئے پیش کئے تھے اور ان احکامات سے مجھے برسات دیٹی ایجنٹ مطلع کیا جائے۔

may be paid to as regularly. All the
final decision of The British Government
of Directors in this case may be referred
to on the 17th January. I intend to submit
a few lines in reply, for the Board's accept-
ance of the Lordship:-

... .. But, at having seen
... .. as 'answer' to the above
communications, I have under-
gone great anxieties of mind:-

My dear Sir, to
attract your kind attention to my
Intuition, & I explain, that the re-
ception of this may be referred upon
the point then presented for the
consideration of the Lordship, &
that the same may be commu-
nicated to me for the report
at Delhi:- And should my
... ..

W. H. Macnaghten Esquire,
Secretary to the Government of India,
Fort William.

Sir,

On the 20th of December last, I had the honor of addressing you a public letter, wherein I urged 3 points and solicited the orders of the Right Hon'ble the Governor General in Council upon them, viz. 1st that the balance 2,03,000 Rupees due to me, may be deducted out of the 2,60,000 Rupees of the late Shumshoodeen Khan, in the hands of Government, and held in suspense - 2nd that the arrears due to me at 3000 Rupees annually, up to April 1835 may be paid to us from the amount sale of Shumshoodeen Khan's Property and 3rdly that on Pension at 3000 Rs. per annum

برائے پرنسپل ڈیپارٹمنٹ مورخہ، ۱۰ اپریل ۱۸۳۵ء

بخدمت جناب ڈیپو، ایک میکانٹ
سکرٹری حکومت ہند قلعہ ولیم

جناب عالی

مجھے گزشتہ ۲۰ روز سہر کو جناب کی خدمت میں ایک غیر مخصوص مراسلہ لکھنے کا شرف حاصل ہوا جس میں تین باتوں پر اصرار کیا گیا ہے اور عرض کیا تھا کہ عزت مآب گورنر جنرل کے احکامات حاصل کئے جائیں۔ اولاً دو لاکھ تین ہزار کی رقم مجھے واجب الادا ہے وہ شمس الدین مرحوم کے ان دو لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ جو حکومت کے پاس ہیں اور جن کی ادائیگی التزام میں ہے، میں سے کٹ لئے جائیں۔ ثانیاً میرا بقایا البشر تین ہزار روپے سالانہ اپریل ۱۸۳۵ء تک نواب شمس الدین کی فروخت شدہ جائداد سے ادا کیا جائے اور دوسرے یک سو بیس تین ہزار روپے سالانہ پنشن

A. A. Macony & Co. Ex-
11

Tracy Alderman, Jr.

Ed. J. Brown



On the 20th of Decemb. last,

I have the honor of acknowledging your letter, wherein you inform me, relative to the sale of the Right, to the Province of England, in regard to the same, viz. the

The Balance 2,050.00 Rupees due to me, may
be deducted out of the 2,40,000 Rupees of the

2. ~~to~~ Beijing ~~China~~ China ~~has~~ has

Formulated, & kept in England. 250

arriving. at 4 April 1875 pay to

And I, too, from the Grand Old

Then showed the above Property. #34
Pluton Pine. at 3000 Rs per Acre

Governor General in India in Council.

In urging the above points, I have the honour to request humbly, that you will if you deem proper be so kind, as to present the Paper before the Right Hon^{ble} the Governor General, in Council and obtain necessary orders from His Lordship.

I have the honour to be
Sir,
Most obedient servant
Sd/- Asadullah Khan

Dehlee
the 26th December
1836

گورنر جنرل ہندوستان کا اطلاع کے لئے یہ عرض کرنا چاہتا
ان امور پر درود دیتے ہوئے میری یہ درخواست ہے کہ اگر جناب مناسب
مجال کریں تو یہ کا فزات عزت آب گورنر جنرل بہ کونسل کی خدمت میں پیش کر کے
مضمر لارڈ صاحب سے ان کے متعلق احکام حاصل کر لیں۔

دہلی ۲۶ دسمبر ۱۸۳۶ء

سید امجد علی جناب کا
انتہائی بااعتماد
دستخط : اسد اللہ خان

The first of these is the
 one which is the most
 common of all the
 kinds of the disease.

The first of these is the
 one which is the most
 common of all the
 kinds of the disease.

I have the honor to be
 Sir,
 Yours faithfully,
 34th

Dated 11th
 1860



That the sum of 20,3000 Rupees due to me may be deducted out of the 2,60,000 Rupees left by the Jagheerdar of Ferozepore in the hands of Government and which sum should remain till the orders of the Hon'ble the Court of Directors are received in my case. 2ndly that the arrear of our annual Pension of 3,000 Rs. due us, up to April 1835 may be paid to us from the amount of the Property left by the late Jagheerdar of Ferozepore and 3rdly, Till any orders are received from the Court of Directors our annual pension of 3,000 should be paid to us regularly. The 2 latter points I would refrain from submitting, but I regret to say, that want of attention on the part of the agent at Delhi and the intrigues of the pension Amiah have involved upon me the necessity of bringing them to the notice of the Right Hon'ble the

کہ مبلغ ۲۰۳۰۰۰ روپیہ کی رقم جو مجھے واجب الادا ہے۔ وہ ان ۲۶۰۰۰۰ روپیہ میں سے کاٹ لی جائے جو جاگیردار فیروزپور نے سرکار کے پاس رکھ چھوڑی ہے اور اس کی ادائیگی اس وقت تک التوا میں رہے جب تک عزت آباد عدالت ڈائریکٹر ان کا فیصلہ میرے مقدمے کے بارے میں موصول ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ ہماری پنشن مبلغ ۳ ہزار روپے سالانہ جمادی الاول ۱۲۳۵ تک واجب الادا ہے ہمیں اس پانچلہ سے ادا کی جائے جو فیروزپور کے مرحوم جاگیردار نے چھوڑی ہے۔ تیسرے یہ کہ جب تک عدالت ڈائریکٹر ان سے احکام موصول ہوں ہماری سالانہ پنشن مبلغ تین ہزار روپے میں بانٹا دیا جاتی رہے۔ اس کے علاوہ دو اور باتیں میری نہیں بیان کر سکے ہیں مجھے گریز تھا مگر اب افسوس کے ساتھ اظہار کر رہا ہوں کہ ایجنٹ دہلی نے میری دستد ما کو قابلِ غور نہیں سمجھا اور فارسی عمار کی سازشوں سے تنگ ہو کر حضور عزت آباد

To

W. H. Macnaghten Esqr.,
(Chief Secretary to Govt.,
Political Department,
Fort William.

Sir,

I have the honor to acknowledge the receipt of your letter of the 5th instant acquainting me that the correspondence connected with my case will be forwarded in due course for the consideration of the Hon'ble the Court of Directors, and for which act of kindness and justice, I beg to express my humble gratitude.

I have now the honor to solicit that His Lordship will be graciously pleased to pass under the following points viz. etc.

خدمت جناب ڈیپو ایجنٹ میکناگتن صاحب
چیف سکرٹری گورنمنٹ برٹش انڈیا
تخلو دیم

جناب عالی

مجھے آپ کا واسطہ مورخہ ۱۷ مارچ ۱۸۷۷ء میں ملنے کی عزت مائل ہوئی۔ اس میں
مجھے آپ نے آگاہ کیا ہے کہ میرے مقدمے سے متعلق خط و کتابت مناسب وقت پر
عزت آپ عدالت ڈائریکٹران کی خدمت میں ان کی توجہ کے لئے روانہ کر دی جائے گی۔ میں
اس انصاف پر اپنے عاجز و شکر یہ کی اجازت چاہتا ہوں۔

اب اتنی اور التجا کرنے کا متمنی ہوں کہ لارڈ صاحب براہ کرم حسب ذیل امور پر بھی
اپنے ایک احوال فرمائیے۔

To,

Asadullah Khan

Sir,

In reply to your letter of the 14th Ultimo, I am desired to acquaint you that the correspondence connected with your case will be forwarded in due course for the consideration of the Honorable the Court of Directors.

I have etc.

Sd/- W. H. Managhten

Secy to Governor General

Font Will'...

5th December, 1836

بخدمت اسد اللہ خان

جناب عالی

بحوالہ آپ کے خط مورخہ ۱۱ مارچ گزشتہ۔ مجھے ہدایت ہوئی ہے آپ کو اطلاع دینے کی تمام مراسلات آپ کے مقدمہ سے متعلق مناسب وقت میں عدالت ثوار کر دیں گے کہ ہائے ثوار سال کر دی جاوے گی۔

قلعہ ولیم ۵ مارچ ۱۲۵۴ھ

میں ہوں آپ کا

کوستنڈ ولیم، ایچ میکاش

سکرٹری گورنر جنرل

My dear friend

I am happy to hear that

you are well and happy

again to go to
the Correspondence
Committee with you
and will be for
in due course for
consideration of the
Honorable the Com.
of Christ.

I am

Yours

W. H. C.

W. H. C.

Dec 8th 1876

For William
5 Dec 1876

List of Papers connected with Asadullah Khan's case and which have been submitted from time to time to the Right Hon'ble the Governor General in Council.

A Petition to His Lordship address dated 22nd March 1836, with copy of a Petition under date the 30th June 1835, to the address of the Hon'ble W. Blunt Esq. (the then Governor of Agra). Lieut. Secretary W. H. Macnaghten's Letter to Asadullah Khan's address under date the 13th June, 1836, and his reply thereto dated the 14th July and a statement of Asadullah Khan's case, of the same date submitted in a Letter to Mr. R. Colwins His Lordship's Private Secretary. A Petition to His Lordship's address submitted in Mr. Secy Macnaghten's Letter under date the 1st October 1836 and the Secy Macnaghten's Letter of the 17th October to Asadullah Khan's address.

Dehlee
the 14th Nov.
1836

اسد اللہ خاں کے مقدمے متعلق کاغذات کی فہرست جو کہ عزت اکبر گورنر جنرل
ہو کونسل کے حضور میں مختلف اوقات پر پیش کئے گئے۔

ایک درخواست بحضور لاہور صاحب مورخہ ۲۲ جون سنہ ۱۲۵۵ھ

اور ایک نقل در خواست مورخہ ۲۲ جون سنہ ۱۲۵۵ھ بنا کہ عزت اکبر ڈیپوٹنٹ سب
لاس وقت کے گورنر آگرہ اور ڈیپوٹنٹ سکرٹری ٹیپوٹنٹ سیکرٹری کا خط بنا کہ اسد اللہ خاں ۱۳ جون
سنہ ۱۲۵۵ھ اور اس کا جواب مورخہ ۱۳ جون لائی اور اسد اللہ خاں کے مقدمے کے درمیان واسطی تاہیک کی
قدیر لیا ایک خط سند مستطراز ہائوس حضور والا کے پرائیویٹ سکرٹری۔ ایک عرضداشت
بہضور جناب والا جو مشر سیکرٹری کے خط مورخہ ۱۱ اکتوبر سنہ ۱۲۵۵ھ پیش کی گئی اور سکرٹری
مشر سیکرٹری کا خط مورخہ ۱۱ اکتوبر

بنام اسد اللہ خاں مہل

۱۳ نومبر سنہ ۱۲۵۵ھ

List of Papers connected with the
Hibernian Case, which have been submitted from
time to time to the Right Hon. the Lord Chief Justice
of the King's Bench.

A petition to His Lordship addressed dated 22nd March 1836
from the City of Dublin under date the 30th Jan. 1836 the
assent of the Hon. Mr. Plunket (Mr. Plunket's Son) &
Messrs. Wm. Macneil & Co. (the Lordship's solicitors) dated the
28th March under date the 10th June 1836, the 2nd of July
dated the 16th July & a Statement of Affairs under
Cover, of the same date submitted in addition to Mr.
McNeil's His Lordship's private Secy. & dated
to His Lordship's address submitted in Dublin,
Macneil's date under date the 10th Oct. 1836
Messrs. Macneil's date of the 17th Oct.
to the Lordship's Secy. & dated.

Delivered
the 11th Nov.
1836

Governor of Agra, in your Petitioner case, just and equitable, they should explain to your Petitioner, the ground on which they may confirm the order of the Lieut. Governor of Agra through a regular Koobahany.

5th. That your Petitioner begs humbly to state, that should your Lordship deny compliance with the above supplication (i.e. of transferring his case for decision to the Sudder Dewannee Adawlut in Calcutta), he must be under the necessity of entreating most humbly, that your Lordship will be graciously pleased to forward his case with all the papers therewith connected to England, in order, that it should be tried before King in Council.

And your Lordship petitioner will, as in duty bound, ever pray for your Lordship's long life and prosperity.

Dohlee,
the 24th November,
1836.

Further: The Papers connected with the the case, are noted down with accompanying List.

گورنر آگرہ کے احکام کو حق و انصاف پر مبنی خیال کریں تو سوائے کہ چند بے دھوکا ران رجومات سے انکار کریں جن کی بنا پر ان احکامات کی تصدیق کرتے ہوں۔

۵۔ آپ سے یہ درخواست منہ پارت مؤدبہ عرض کرتا ہے کہ اگر حضور بندہ کی یہ درخواست کہ میرا مقدمہ عدالت دیوانی حاکم میں منتقل کیا جائے قابل قبول دیکھیں تو یہ ناچیز مالیات سے مجبور ہو کر عرض کرنا چاہتا ہے کہ حضور کا بیڑا کرم ہو گا اگر میرا مقدمہ بہرہ متعلقہ کا فداۃ انگلستان کو بھیج دیا جائے تاکہ اس کی بارشاد سلامت ہو بلکہ درجہ تحقیقات کیجئے۔ اب اس دادری کا فرض ہے کہ وہ حضور کی دراز تہی عمر اور بیہوشی کے لئے دعا کرے۔

دہلی

۳۴ نومبر ۱۸۳۶ء

ملا وہ اس کا فداۃ متعلقہ مقدمہ صاحب ذیلی دست میں اور ساتھ ہی ان کی بہت بڑی

Geneva of Apr. 17 - Johnson, Jan. 1st and
 1840 letter. They send express sympathy to
 you and that they trust you in the hands of the
 Governor of Iowa the a sign of Probation: -

54 That your petition has been
to what, but should you have had
compliance with the above application (if
they having, his go. to receive the letter
before was addressed in relation), he would
be under the necessity of publicly declaring
that you had petitioned with a prayer for
some business with all the before mentioned
concerns of England, on order, that it should
be passed before King in Council -

I shall } I have described further in
the 4th volume } as on July 1840, we pay down
1836 } doable by the 1st of Jan.

مجلس شورای اسلامی



Merton. No paper cannot illustrate
our note on the "young" List.

the ground on which your Lordship was pleased to admit them But, if your Lordship did not demand replies from the Lieutenant Governor of Agra, to the seven Queries, your petitioner begs leave with every deference to state, that your Lordship ought to have satisfied your petitioner in respect to them.

4th. That your petitioner has the honor to solicit now, that your Lordship will be pleased to transfer his case with all the papers therewith connected (which your Petitioner has had the honor of submitting, from time to time, since your Lordship's ingress into India) to the Sudder Dewannee Adawlut in Calcutta with injunctions, that your petitioner's case be investigated in that Court by a regular procedure. Should your petitioner's claims prove valid on the decision of that Court, the Authorities presiding as judges over that Court will, make due intimation to your Lordship, that your Lordship, may grant Petitioner his just and lawful one; but should they consider the orders of the Lieutenant

جن کی بنا پر ان کو قبول کر لیا گیا اور اگر فلیٹنگ گورنر کے کوئی استدعا نہیں کیا گیا تو یہ داد غلط نہایت ادب سے عرض کرتا ہے کہ خاکسار کی اس سلسلہ میں تفسیل کرنی چاہیے تھی۔

۴۔ آپ کا داد خواہ اب یہ استدعا کرتا ہے کہ جناب لارڈ صاحب میرا یہ مقدمہ وارہ متعلقہ کا نزاع جو مسائل نے وقتاً فوقتاً حضور کی خدمت میں اس وقت سے پیش کئے ہیں جس وقت سے حضور ہندوستان میں تشریف لائے ہیں صدر دیوانی محکمہ کو منتقل کر دئے جائیں اور محکمہ فرمایا جائے کہ مسائل کے مقدمہ کا تحقیقات ضابطہ کے تحت کی جائے اور اگر داد خواہ کا دعویٰ اس عدالت میں صحیح ثابت ہو تو یہ حکم اس عدالت میں بحیثیت منصف صادر کر دیا جائے۔ اس سے انکار نہیں تاکہ حضور مسائل کا مائتوق عدالت فرمائیں۔ لیکن اگر وہ فلیٹنگ

[illegible]

45 That your petition has at
last a solid core, that you should not
be influenced to transact business with all the
thousands connected (which your petition has
had the honor of submitting, from this State
since your last visit - signed with hands) & the
Federal Executive Authority in place, with
information, that you petitioned for the
grant of what you had by a regular procedure. That
your petition came from you and in the opinion
of that (Zach. the Authority) passing on
judges over that point with much considera-
tion to your disadvantage, that you have any
part of petition has just changed the, but
should they consider the value of the petition

from the orders of the Lieutenant Governor of Agra appealed against the decision of that Authority to your Lordship in Council and afterwards submitted an illustrative statement of his case, under date the 14th of July last, and ventured to offer seven points or Queries, to which he implored, that replies may be obtained from the Lieutenant Governor of Agra, and that your Lordship bestowing due consideration upon the Queries and His Honor the Lieutt. Governor of Agra's replies thereto, should decide your petitioner's case; and this procedure and petition by most respectfully to observe was worth of your Lordship's consideration.

3rd That your petitioner begs humbly to state, that if your Lordship had obtained replies from the Lieutt. Governor of Agra, to the 7 points, and had admitted them, your petitioner begs permission humbly to state, that he should have been favored with a copy of them, and made acquainted with

لفٹیننٹ گورنر آگرہ کے حکم سے ہوتی

اُس کے خلاف سائن لے لادو صاحب پر کونسل کے حضور میں اپیل کی تھی۔ بعد ازاں ایک تمثیل درخواست مورخہ ۱۲ جولائی کو پیش کی جس میں سات اہم امور پر استدعا کر کے کی جرات کی گئی ہے اور ان کے متعلق یہ عرض کیا گیا ہے کہ ان کے جوابات حضور لفظینٹ گورنر سے طلب کئے جائیں۔ سوالات اور لفظینٹ گورنر آگرہ کے جوابات کی روشنی میں حضور سے درخواست کی تھی کہ اس سائن کی عرضداشت کا فیصلہ فرمائیں۔ حضور ملا مغل فرمائیں گے کہ یہ بھاری دوائی اور مسیری عرضداشت جناب کی توجہ کے مستحق ہیں۔ حضور کا سائن نہایت عاجزی سے عرض کرتا ہے کہ اگر عالی جاوہ نے ان سات سوالوں کے جوابات لفظینٹ گورنر آگرہ سے حاصل کر لئے ہیں اور ان کو قابل قبول سمجھا ہے تو یہ درخواست عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے کہ ان کی ایک نقل اس کو مرحمت فرماتا جائے تھی اور ان درخواست سے آسٹھا کرانا چاہیے تھا۔

from the order of the Lieutenant Governor of Upper
appeals against the decision of that authority to
your Lordship in Council: & also was submitted
an illustration of the ~~disadvantage~~ of his Grace's order was
the Act of July last, mentioned & the same point
in ~~1791~~ 1790, which he interpreted, that Appeals
may be obtained from the Lieutenant Governor
of Upper Canada that your Lordship's history and
consideration upon the Review of the Honorable
Persons of your Majesty's Court, should decide
your Majesty's Grace: And, this procedure upon
days most respectfully & obsequiously, and with
of your Lordship's consideration.

3^d That your petition by Henry
be taken, that if possible his claims appear
from the best Source of Aym. to be 7 points.
And as admitted them, your petition by your
himself taken, that he should have a copy
with a copy of them, I was acquainted with

The Right Honorable
Lord G. Auckland
K.C.B. etc., etc., etc.,
Governor General of India in Council,
Fort William.

The humble petition of Asadullah Khan
the Nephew of the Late Nassuroollah
Beg Khan.

Most respectfully Sheweth,

That your Lordship's petitioner has received
through the Agent at Delhi, Mr. Secretary
Machaphton's Letter of the 17th Ultimo, signifying
that your Lordship in Council sees no sufficient
ground for a reconsideration of your Petitioner's
claims, which appear to have been finally disposed
of by the order of the Lieutenant Governor of the
North Western Provinces passed on the 18th of
June last.

2nd That your petitioner beg respectfully to
state, that having suffered manifest injustice

بھنور وال جناب لارڈ جی۔ آگ لیکٹ کے۔ سی۔ بی۔ وغیرہ وغیرہ

گورنر جنرل ہندوستان بہ کورٹن

تقدم و تمیم

اسد اللہ خاں برادر زادہ نصر اللہ خاں مرحوم کی مؤدبہ درخواست

گزارش ہے کہ وادرس کو برطانوی آئیگنٹ دہلی، مشرک ٹریڈ سیکٹارن کا خط موصول ہوا
گزارش موصول ہوا جس میں واضح کیا گیا ہے کہ حضور خاں کو کوئی معقول و میر نظر نہیں آئی میں کی بنا
پر مسائل کے حقوق پر نظر ثانی کی جا سکتی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بھائی حکم موصوفہ دار ہونا
آؤٹسٹنٹ گورنر شمالی مغربی صوبہ میں تعلق فیصلہ ہو چکا ہے۔

۲۔ جناب سے وادرس مؤدبہ عرض کرتا ہے کہ برطانوی مسائل کے ساتھ

The Right Honourable

Lord G. Auckland

H. C. B. Esq. & Son

General General of India - General

Fort Williams

The South Indian of 1841 called the

the nephew of the late - General

By the name of

that respectfully and humbly

That your Lordship's presence

has received the the report of the 17th of January

the 17th of January 1841, signed

that your Lordship is present and no sufficient

ground for a reconsideration of your petition which

which appears to have been finally decided by

by the order of the Government (General of the

North Western Province) in the 1841

that

2nd

That your petition, by reference

to the 1841, that having suffered no material injury

been

His Lordship may be pleased to transfer my Case, for decision, to the Sudder Dewannee Adawlut in Calcutta - or, to submit to England for a talat before King in Council. In either case His Lordship granting compliance, I trust humbly that you will be so kind as to let me know in due time.

I have the honor to be
Sir

Dehlee
the 14th Nov,
1836.

Your most obedient
Servant
Asquid Dollah Khan

جناب میرے مقدمہ کو پہلے جس درویشانی عدالت انکلیتہ یا انگلستان میں بحضور بادشاہ
مقامت منتقل فرادیں۔ ان دونوں میں سے جو جناب کو پسند ہو مجھے یقین ہے کہ آپ
مناسب وقت میں اپنی کارروائی سے آگاہ فرادیں گے۔

دک

۱۳ نومبر ۱۲۵۴ھ

میں ہوں جناب کا
استجائی تا بعد از غامد
اسد اللہ خان

To,

W.H. Macnaghten Esquire,
Secretary to the Government,
Fort William.

Sir,

I have the honor to acknowledge the receipt of your letter of the 17th Ultimo and with deep sorrow I have learnt that the Right Hon'ble the Governor General in Council has bestowed no consideration upon my case having confirmed the orders of the Lt. Governor of Agra prepared on the 18th of June, 1836, without reconsidering my case.

I have the honor to solicit, that you will have the goodness to present the accompanying Petition in the consideration and orders of His Lordship in Council. You will be pleased to observe, that I have supplicated in the petition, that

محرمیت جناب ڈپٹی ایچ میکناگتن
سکریٹری گورنمنٹ فورٹ ولیم

جناب عالی

مجھے آپ کا خط سونے والا گزشتہ موصول ہونے کا فخر حاصل ہے اور میں نہایت
حال سے مطلع ہوا ہوں کہ فرمت آپ گورنر جنرل بیکونسل نے میرے مقدمے کو قابلِ توجہ نہیں
سمجھا اور فیصلہ گورنر آف کے حکم موافقہ میں مسترد کر دیا۔ یہاں تک کہ اور میرے مقدمے
پر نظر پڑائی نہیں کی۔

مقبولِ ادا التجا ہے کہ جناب بلو کریم میری ہر شے درخواست بمقتضیٰ صاحبِ بہ
کونسل ہلے مصلحتِ محکامات و توجہ پیش کر دیں۔ آپ بخوشی ملاحظہ فرمائیں گے۔ میں نے اس
درخواست میں عرض کیا کہ

W. H. McLaughlin Esq.
Secretary of the Board
Public Def. Fund
Fort William
Ind.

I have the honor to acknowledge
the receipt of your letter of the 11th inst.
in relation to the above. I have directed that
the right Hon. the General Assembly
Committee be instructed as requested
and they have accordingly
ordered the Attorney General to prepare
the bill of June 1886, without any delay
whatever.

I have the honor to acknowledge
you will have the pleasure to present
the accompanying Bill for the Committee
& order of discharge of the same. You
will be pleased to observe that the
draftsman in the petition, that
the

4. My humble wish is that the amount of Istemrar Revenue, should always be paid by the Jageendar of Feerozepore to Government annually, and those individuals that are lineal Heirs and relatives of Musar Dallah Begh Khan, their Pensions be paid from the Treasury of the Government. This is not the first time, I have made this request but from the time, I have instituted my claim.

I have the honor to be

Dehlee
29th March
1831

Sir,
Your most obedient servant
Usaid Dallah Khan
Nephew to Musar Dallah Begh
Khan, the late Jageendar of
Sowah Sowasa.

میرے بلاشبہ حق کو

۴۔ میری عاجزانہ خواہش ہے کہ ہندوستان استعماری کی رقم جاگیردار فیروز پور حکومت کو
ہیشہ سالانہ ادا کرے اور وہ اشخاص کہیں جو جاگیردار کے وارث ہیں اور نصرا شریک کے
رشتہ داروں کی پنشن حکومت کے خزانے سے ادا ہو۔ یہ درخواست میں نے روز آزل
نہیں کی ہے۔ بلکہ اس وقت سے عرض کر رہا ہوں۔ جب سے میں نے اپنے حقوق کا مطالبہ
کیا ہے۔

میں ہوں جناب کا انتہائی تابع

اسد اللہ خان

دہلی

۲۹ مارچ ۱۸۳۱ء

بلوہ زارہ نصرا شریک خان مرحوم

جاگیردار سوکھ دسواہ

My letter was B. is. The amount of the thin-
 100 Rupees should be paid by the Government of
 Tanjore to the Government annually, and then the British
 that are living in the land of the British should pay
 them, this is the British the British from the Treasury of the
 Government. This is not the first time, I have made this
 request, but from the time, I have not been able to get it.

What is the British to be

the

the British the British the British

the British the British the British

the British the British the British
 the British the British the British
 the British the British the British
 the British the British the British

the British the British the British
 the British the British the British
 the British the British the British
 the British the British the British

the British the British the British
 the British the British the British
 the British the British the British
 the British the British the British

2. Copy of an English Petition which the Petitioner being aggressive with the decision passed by Mr. Hawkins, submitted to the Supreme Government.

3. Copies of Surrender Granted by General Lord Lake to Nawab Ahmed Bukhsh Khan.

4. Copy of an English Petition when the Petitioner has forwarded by Dak to the Supreme Government during the time of Mr. Hawkins the Resident at Delhi.

۲۔ اس انگریزی درخواست کی نقل جو درخواست کرنے والے نے مشن آفیس کے ذریعے سے
بھیج دی تھی اس کے ساتھ ساتھ

۳۔ جنرل لارڈ لیک نے جو اسناد و لوہے کے دستخط خان کو عطا کیے ان کی نقل۔

۴۔ اس انگریزی درخواست کی نقل جو درخواست کرنے والے نے بذریعہ ڈاک حکومتِ عالیہ کو
اس وقت روانہ کی جب مشن آفیس دہلی کے ریذیڈنٹ تھے۔

- 2 Copy of an English Petition
wherein the Petitioner being aggrieved
with the decision passed by
Mr. Hawkins, submitted to
the Supreme Court. - P.
- 3 Copies of Summat granted in Court
Shro Sahib to Anwar Khan
Bukhari Khan. -
- 4 Copy of an English Petition wherein
the Petitioner has complained
by Dat. to the Supreme Court
during the time of Mr. Hawkins
at Delhi. -

verified from the records of the Political Office in attendance on your Lordship.

Being now greatly involved in embarrassment and entirely destitute of the means of subsistence I entertain a confident hope that Your Lordship will be kindly pleased to take my hard case into consideration, and award me justice by referring to the undermentioned documents as well as to the Report of His Excellency General Lord Lake dated 4th May 1806 and by issuing such an order as may secure my rights to me.

/ True Translation /

Sd/-

Documents referred to enclosed in the above:-

1. Copy of a Report of Sir B. (Ulebawake with a copy of its reply.

ان ریکارڈس کی طرف رجوع کرنے سے جو حضور کے ٹکڑے پیش میں ہیں۔ اس وقت میں بڑا پریشان حال ہوں اور گزارے کے لئے بالکل تنگ دست ہوں۔ مجھے ٹھکانا اُمید ہے کہ حضور لارڈ صاحب میری اس دگرگوں حالت کی طرف توجہ دیں گے اور میرے ساتھ انصاف کرنے کے لئے مناسب ذیل دستاویزات کو ملحوظ فرمائیں گے اور لارڈ ایک صاحب کی رپ رٹ مورخہ ہر مئی سنہ ۱۸۰۶ء کو دیکھ کر ایسا حکم فرمائیں گے جس سے میرے حقوق مجھے مل جائیں۔

صحیح ترجمہ

دستخط۔

منسلک دستاویزات جن کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے
دسوائے کول۔ ہمدک کی رپ رٹ کی نقض۔ ساتھ ہی اس کے جواب کی نقض۔

verified from the records of the Post
Office in attendance on your
address.

Being now greatly
involved in embarrassment and,
entirely destitute of the means of
subsistence I entertain a confi-
dent hope that your address
will be kindly pleaded & take
my hard case into consideration.
And award me justice by referring
to the undersigned and Chamber
as well as to the Report of the
Sitting General for Lake date
4th May 1876 and by issuing forth
an order as may secure my right
to one.

True Hamilton
Ch. Fisher

Documents referred to. &
1 Copy of a Report of the C. Fisher
with a Copy of its reply.

put up with the requisite Papers and also to say that an order would be immediately issued on the subject, of which a copy would be furnished to me.

My claim is in every respect just and rightful. In consequence of the non-settlement of the question the British Government is sustaining a loss in regard to the Istumar Revenue due to it while I myself am losing my own right. I therefore request that the fixed Istumar Revenue may be received into the Humble Company's Treasury and the means assigned for my support may be continued to me. The real facts of my case will I humbly presume, be clear by a reference to the documents mentioned below the authenticity of which can be satisfactorily

دیا تھا کہ متعلقہ کا اذات پیش ہیں اور فرمایا تھا کہ اس کے مفروضہ کے متعلق جلدی حکم جاری کیا جائے گا اور جس کی ایک نقل بھی دی جائے گی۔ میرا دعویٰ ہر لحاظ سے انصاف پر مبنی اور جائز ہے۔ اس معاملے کا فیصلہ نہ ہونے کی وجہ سے حکومت برطانیہ استراری نگران میں نقصان اٹھا رہی ہے اور میں خود اپنے حقوق کو ضائع کر رہا ہوں اس لئے میری درخواست ہے کہ اس کا مقرر شدہ استراری نگران عدالت آپ کہنی کے خزانے میں وصول کیا جائے۔ اور جو ذرائع میرے گذرے کے لئے مقرر تھے وہ مجھے دئے جائیں میرے مقدمے سے متعلق اصل حقائق میرا عاجزہ خیال ہے کہ مندرجہ ذیل دستاویزات کے ملاحظہ سے عیاں ہو جائیں گے جن کی صحت کے متعلق تسلی کی جاسکتی ہے۔

put up with the requests that
are also to say that an order
would be immediately issued
on the subject, of which a copy
would be furnished to me.

My claim is in every
respect just and rightful. In consequence
of the non-attainment of
the question the British Govt
is sustaining a loss in regard to
Attorney General's fee &c. &c.
while I myself am losing my
own rights. - I therefore request
that the fees attorney General
may be received into the India
Company's Treasury and the
means of payment for my solicitor
may be continued to me.

The real facts of my case will
I humbly presume be clear
by a reference to the documents
mentioned below the outline
of which can be satisfied
without

Faam :

Assoudoullah Khan,
Nephew of Mussurwallah
Beg Khan Jageerdar
of Swanik Seresa -
to the Right Humble
Governor General.

Delivered 1st April, 1832.

In the month of December last I had the honor of making a representation to your Lordship in person at the Durbar at Delhi and also of submitting an uzee through the medium of Mr. Secretary Prinsep soliciting that the papers and documents connected with my case might be called for from the Presidency Office and referred to and a proper decision passed thereon. Your Lordship was graciously pleased to accept of my application, and order its being

منجانب اسد اللہ خان

برادر زادہ نصر اللہ بیگ خان

جاگیر دار سرنگ دسونہ

بخدمت جناب گورنر جنرل بہ کونسل برکیم اپرین ۱۸۳۲ء کو

پیش کی گئی۔

گذشتہ ماہ ستمبر میں مجھے یہ عزت بخش گئی تھی کہ میں ذاتیہ خود دربار میں
حضور لارڈ صاحب کی خدمت میں اپنی عرضداشت پیش کروں علاوہ ان میں ایک
عرضی مسٹر پرنسپ سکرٹری کی دولت سے گزراؤں کہ یہ سب کام کا خدات اور ستاؤں
جو میرے مقدمے سے متعلق ہیں پر فیڈیشن کے دفتر سے منگوائے جائیں اور ان کو دیکھ کر
مناسب فیصلہ کیا جائے۔ حضور لارڈ صاحب نے میری یہ درخواست قبول کر لی ہے
اور حکم

1880

Spudolack Khan

Stephens of Stephens & Co.

By Khan Jagender
of South London.

is the Right Honourable
the Gov. General.

Delivered to the Hon. Secy.

In the month of June
last I had the honour of sending
a representation to your Excellency
on person at the Durbar at Delhi
and also of submitting an image
through the medium of Mr.
Agnew, kindly desiring that
the Papers and Documents connected
with my case might be called
for from the Presidency Office
as required to and a proper
and proper manner. Your Excellency
and accordingly pleased to accept of
my application, and in view of being

Yours

and with this opinion confirmed by the Vice President, in Council, His Lordship will not be disposed to interfere with the arrangement for the st. part of the family of Mussur Dallah Khan made by the deceased Chieftain of Feruzpore.

I have etc.

Sd/-

اور جس کی تصدیق نائب صدر یہ کونسل نے کر دی ہے۔ لارڈ صاحب اس کو مناسب خیال نہیں کرتے کہ اس اختتام میں مداخلت کی جائے جو فیروز پور کے نواب مرحوم نے نصر اللہ بیگ خاں کے خاندان کے لئے کیا تھا۔

میں ہوں

دلیرو دلیرو

کمپ مہرہ

۲۴ جولائی

and with the same in
 mind by the Fine Arts
 Committee, the Lordship
 will not be disposed
 to interfere with the
 arrangements for the
 support of the
 Faculty of Fine Arts
 made by the Government
 of Singapore.

Yours faithfully

R. S. S.

(Received at the
 21. 12. 1901)

To,

G. Swinton Esq.,
Chief Secy to Govt.
Fort William.

Sir,

I am directed to acknowledge the receipt of your letter dated 30th Ultimo with its enclosures relative to the case of Nassud Olla Khan, and to convey the thanks of the Governor General for the consideration shown in forwarding these papers.

2. No petition has yet been addressed to His Lordship by Nassud Olla Khan under the opinion however of Sir John Malcolm as to the genuineness of the Letter of Lord Lake produced by the Heir of the late Nawab Ahmed Bushah Khan.

بخدمت جناب بی سوشن صاحب .

چیف سیکریٹری حکومت

قلندہ ولیم

جناب عالی

مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں آپ کے خط مورخہ ۳۰ ماہ گذشتہ کے موصول ہونے کی آپ کو اطلاع دوں جس کے ساتھ وہ تمام کاغذات منسلک ہیں جو اسد اللہ خاں کے مقدمے سے متعلق ہیں۔ آپ کی اس توجہ کا جس کے تحت آپ نے ان کاغذات کو بھیجا ہے۔ گورنر جنرل کی طرف سے شکریہ ادا کروں۔

۲۔ ابجیکٹ اسد اللہ خاں کی کوئی درخواست لاٹو صاحب کے نام موصول نہیں ہوئی ہے۔ تاہم سرواں میسج کی رائے میں وہ خط جو نواب احمد بخش خاں کے وارث نے لاٹو ایکس کا پیش کیا ہے۔ اصل ہے۔

of Santa Fe
 P. O. Box 1000

Fort Worth

Dear Sir,

I am very glad to
 receive the report of
 your visit to the
 with its intention which
 is the cause of the
 when, and to convey the
 details of the project
 for the construction of
 in forwarding the
 The plan has
 been adopted by the
 by the Board of the
 the House of the
 the government of the
 State of Texas for
 under the Act of the
 the Board of the
 the Board of the

at the public Durbars, during my stay at Calcutta.

2. I am under the necessity of making this unusual request in consequence of my first visit at the Residency during the administration of Mr. Hawkins, on my return from Calcutta, being received in a manner totally unsuited to my Rank and standing in the scale of Asiatic Society and extremely ungratifying to my feelings when contrasted with the certainty and civility with which I was distinguished by the Right Honourable the Governor General in Council

I have etc.,

Delhi

27th November 1830

/ A True Copy /

Signed / G. Swinton
Chief Secy to the Govt.

نے میری عزت افزائی اپنے دربار عام میں کی تھی جبکہ میں کلکتہ میں تھا۔

۲۔ مجھے یہ غیر معمولی درخواست کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ کلکتہ سے واپسی پر جب مجھے پہلی مرتبہ مشرقی گھنٹوں کے دوبہ نظام میں شرفِ ملاقات بخش گیا تو جس طریقے سے میرا استقبال ہوا وہ میری شان و شوکت کے قطعی حسبِ حیثیت نہیں تھا۔ میرے ایشیائی سماج میں حاصل ہے۔ اس سے میرے احساسات کو ٹھیس پہنچا کیونکہ یہ اس سلوک و تہذیب کے خلاف تھا جس کے باعث گورنر جنرل بیکونسل نے مجھے مستعار بنا دیا تھا۔

میں ہوں وغیرہ وغیرہ

دہلی

نقل مذاہنِ اصل

۱۸ فروری ۱۸۳۱ء

دستخط جی سوئٹن

چیف سکریٹری گورنمنٹ

at the Public Market, during my stay in
Colonias

I have been in the receipt
of meeting this annual request, which I
know of my first visit at the residence, ex-
pressing the administration of his station,
on my return from Colonias, being in
a manner totally dissatisfied to my
understanding in the state of his station,
and the very unpleasant to my feelings,
as I am contrasted with the urbanity and
civility with which I was distinguished
by the Right Honorable the Governor General
in Council.

I have etc.

At the
of the Hon. the B. S. }
of the Hon. the B. S. }



درد منو ساله
درد منو ساله
درد منو ساله
درد منو ساله

I have been
of the Hon. the B. S.
of the Hon. the B. S.

/ copy /

To,

George Swinton Esquire,
Chief Secretary to Government,
Fort William

Sir,

As my case is under the consideration of the Honorable the Vice President in Council, and it is likely that my claims will shortly be referred to the Resident at Delhi, for deliberation and examination, I have the honor to solicit that you will have the kindness to submit my Prayer, for the consideration of Government, that I may be brought to the Notice of Mr. Martin, the Resident at Delhi in such manner, as will ensure to me, as the descendent of the late Mussow Oullah Beg Khan, Jagheerdar of South, Sonnah, in the District of Agra, the same degree of attention and compliance with which I was honored by the Right Honorable the Governor General.

نقل

مخدمت جناب جارج سونٹن صاحب

چیف سکرٹری گورنمنٹ

فورٹ ولیم

جناب عالی

چونکہ میرا مقدمہ عزت مآب نائب صدر ریہ کوئٹہ کے زیر غور ہے اور غالباً جلد ہی میرے مطالبہ ریڈیٹنٹ واپس کو غور و غرض کے لئے بھیجے جائے گا۔ لہذا مؤدبانہ التماس ہے کہ میری یہ استدعا حکومت کی توجہ کے لئے پیش کر دی جائے کہ مجھے مسٹر مارٹن ریڈیٹنٹ واپس کے حضور میں اس طرح پیش کیا جائے کہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ میں فضا شدہ جنگ خاں مرحوم جاگیردار سونک و سونہ ضلع آگرہ کے خاندان سے ہوں اور مجھے اس توجہ اور عنایت سے نوازا جائے، جس طرف عزت، آب گورنر جنرل۔

1677

To

George T. Smith, Esquire
 Chief Clerk of the Court
 Fort St. Vrain

Sir

When case is under the con-
 sideration of the Honorable the Vice President
 in Council, and it is likely that my claim
 will shortly be referred to the Presidential Ath-
 letic Commission and Commission; I have the
 honor to solicit that you will have the kind-
 ness to demand my Papers for the consideration
 of said Commission, that I may be brought before
 the Honorable the Commission the Presidential Ath-
 letic Commission, and Commission to the
 Vice President of the late Superintendent
 of the State, Superintendent of State, Superintendent
 of the State of the same department
 and Commission with which I was connected
 by the Honorable the Governor of the State,

will be pleased to state his opinion on the merits of Assud Oollah claim, and in the assertion of that individual that the Document is either a forgery or was fraudulently obtained.

2. The Honorable the Governor will observe, that the Persian Letter does not bear any English counter signature on the back such as is usual when Persian Letters are issued from the Persian Secretary office.

3. I am directed to request that the Original Papers may be returned to me, and that special care be taken of the alleged original letter from Lord Lake that it may be returned to Nawab Shumsood deen.

I have etc.

Signed / G. Swinton
(Chief Secy to Govt.)

Fort William

22nd October 1830

/ A true copy /

Sd/ G. Swinton
(Chief Secy to Govt.)

برائو پرانی اسناد کے حقوق کی فرہیت اور اس شخص کے اصرار پر کہ یہ یا تو جعلی ہے یا دھوکے سے حاصل کی گئی اپنی دکانے کا اظہار فرمائیں۔

۲۔ عزت۔ آب گورنر صاحب ملاحظہ فرمائیں گے کہ فارسی کے خط کی پشت پر انگریزی کی تصدیق نہیں ہے جیسے کہ فارسی سکرٹری کے دفتر سے جاری شدہ خطوں پر ہوا کرتا ہے۔

۳۔ مجھے یہ عرض کر کے کہ ہدایت کی گئی ہے کہ آپ اصل کاغذات مجھے واپس کر دیں اور اس بات کی خاص طور سے احتیاط کی جائے کہ وہ خط جس کو لارڈ ٹلیک کا بتایا جاتا ہے وہ اب شمس الدین کو واپس کر دیا جائے۔

میں ہوں آپ کا

دستخط۔ جی سوزنٹن چیف سیکرٹری گورنمنٹ

فورٹ ولیم

۲۲ اکتوبر ۱۸۳۰ء

مصدقہ نقل ۱۶۵

دستخط۔ جی سوزنٹن چیف سیکرٹری سرکار

will in, thank to state his pleasure on the
 receipt of Abdul Aziz's claims, and on
 the pleasure of that individual that the
 Document is either a forgery or was
 fraudulently obtained.

2. The Honorable the Governor
 will, please, that the Persian Letter
 does not bear any English counter
 signature on the back such as is usual
 when Persian letters are placed down
 the Persian language before.

3. I have, with respect, that the
 original paper may be returned to me,
 and that, if you care, be taken of the
 alleged original letter from Lord Dalhousie,
 that it may be returned to it as was
 I have, with respect.

Yours truly
 J. H. Williams }
 22nd October 1836 }
 Secy to the Honorable
 the Governor
 (a new copy)
 Permitted
 Abdul Aziz's claim

2nd Oct.

1 Copy 1

To,

C. Harris, Esq.,
Chief Secy to the Govt. of
Bombay
Pol. Dept.

Sir,

I am directed by the Honorable the Vice President
in Council to transmit to you the enclosed Documents
noted in the Margin, and to request that the Honorable

- | | |
|--|----------------|
| 1. Note by the Secretary on case of | the Governor, |
| Assud Oallah dated 19th August, 1830 | after examin- |
| 2. Officiating Resident at Delhi dated | ing the origi- |
| 8th October | nal Persian |
| 3. Sumud enclosed in - do - | Document said |
| 4. Letter from Assud Oallah Khan | to be a letter |
| 5. Lieutt. Coll. Malcolm - dated 4th | from Lord Lake |
| May 1836 | by one party |
| 6. Translation of Sumud in - do - | and pronounced |
| 7. To Lieutt. Coll. Malcolm dated | to be forgery |
| 16th May 1836 | by the other |
| 8. From Lieutt. Coll. Malcolm dated | |
| 10th June 1836. | |

نقل

بخدمت جناب سی. فورس چیف سکریٹری حکومت بھٹی

جناب عالی

جیسے عزت آپ جناب نائب صدر بکروٹن کی ہدایت سے کہ آپ کو مستفکرات ذات جو ماضیہ ہوئے
یہ بھیج دیئے۔ ۱۱۔ رہا لیجناب گورنر سے درخواست کروں کہ

۱۔ اسد اللہ کے مقدمہ پر سکریٹری کا نوٹ مورخہ ۱۹ اگست ۱۸۳۶ء

۲۔ قائم مقام ریڈیٹنٹ اوپن مورخہ ۲ اکتوبر ۱۸۳۶ء

۳۔ سند مستفکرا ایضاً

۴۔ اسد اللہ کا خط مورخہ ۲۶ ستمبر

۵۔ لفٹیننٹ کرنل مالکم کا خط مورخہ ۲۶ ستمبر

۶۔ سند کا ترجمہ ایضاً

۷۔ جامہ لفٹیننٹ کرنل مالکم مورخہ ۱۶ ستمبر

۸۔ سفیانہ لفٹیننٹ کرنل مالکم مورخہ ۱۶ جون ۱۸۳۶ء

فارسی کی اصل دستاویز
کو دیکھنے کے بعد ایک
فرقی اسم کو لاؤنیک کا
خط کہتا ہے اور دوسرا
اس کو مللی قرار دیتا ہے

(copy.)

To

C Morris, Esq

Chief Secretary to the Government of
Bombay.

Dear Sir,

1. Let the Government
send a copy of the
letter of 17th August 1858.
2. Copying - Printed at
Public Office & Station.
3. Government advised in the
letter from the Secretary
to the Government
of 17th August 1858.
4. Let the Government
send a copy of the
letter of 17th August 1858.
5. Translation of the
letter of 17th August 1858.
6. Let the Government
send a copy of the
letter of 17th August 1858.
7. Let the Government
send a copy of the
letter of 17th August 1858.
8. Let the Government
send a copy of the
letter of 17th August 1858.

I am directed by the Honorable
the Vice President of the Council
to transmit to you the enclosed
Documents relating to the
and to request that the
letter to the Governor, after exami-
ning the original Persian
Document, should be a letter
from a high authority by one
early and Government to
be a forgery by the
will.

fixed by Lord Lake.

And your Petitioner, as in duty bound,
shall ever pray for the prosperity and stability
of the British Government.

Delhi,

26th Sept. 1830

/ A True Copy /

Sd/- G. Swinton
Chief Secy to Govt.

لارڈ لیک نے اخطا کیا تھا۔

آپ کا درخواست اپنا فرض سمجھ کر حکومت برطانیہ کی خوشنمائی اور استواری
کے لئے ہمیشہ حاضر رہے گا۔

دہلی

۲۶ ستمبر ۱۸۳۰ء

مصدقہ نقل

دستخط جی۔ سوینٹن

چیف سیکریٹری سرکار

sent by Lord Lytton.

Delhi, }
15. Apr 1858 }

And your Excellency, as in duty
bound; shall ever prize the
Prosperity and Stability of the
British Government
independence of India ☐

(a true copy,

John Lubbock
Secretary, to the Govt.

Government, and 10,000 Rupees annually fixed in Colonel Malcolm's letter may be ordered to be paid, in future, from the General Treasury at Delhi for the support, as it was designed, of the late Nussour Dollah Beg Khan's family which at present, is composed, in reality, of only 5, five persons, viz. Your Lordships, Petitioner and his Younger Brother, and three sisters of the late Nussour Dollah Beg Khan, who left no issue. Your humble petitioner being the son of the Uterine brother of the late Nussour Dollah Beg Khan, is legally considered the real successor, under whose Protection the family is left. The result of a strict investigation of the Public Records at the Presidency will exhibit the truth and nothing but the truth, whilst the unbiased award of your Lordship in Council establish and recognise the real Rights of the Posterity of the family of the late Nussour Dollah Beg Khan, according to the Provision

کئے اور کرنل میکمل کے خط میں جو دس ہزار روپے سالانہ نصرا شہیگ خاں کے خاندان جو پانچ افراد پر مشتمل ہے جن میں سے ایک آپ کا داد خواہ - دوسرا اس کا برادر خور و تین نصرا شہیگ کی ہمیشہ رہی کیوں کہ وہ لا ولد تھی، کے لئے مقرر کئے گئے تھے وہ خزانہ عام دہلی سے ادا کئے جائیں۔ آپ کا داد خواہ نصرا شہیگ خاں مرحوم کا والد کی طرف سے سوتیلے بھائی کا لڑکا ہے اور ان کا قانونی واسطہ ہے جس کی نگہبانی میں سارا خاندان ہے۔ اگر سرکاری ریکارڈ کی اچھی طرح چھان بین کی جائے تو سچائی اور صرف سچائی کا اظہار ہو گا۔ لاڈ صاحب پرنسپل کا فیر جانب دارانہ فیصلہ نصرا شہیگ مرحوم کی آئندہ نسلوں کے اصل حقوق کو ثابت اور ان کا اعتراف کرے گا جیسا کہ

purged; on 2nd, that the late Nawab Ahmed Ullah Khan after having caused this Sunnud to be drawn up and written in his Private Residency in collusion with the Omrah of Lord Lake, through the agency of bribes - when the attention of that nobleman was engaged on other subjects of importance - obtained the signature of Lord Lake to a Document, the purport of which was unknown at the moment, among the mass of Persian Papers daily and hourly, brought for signature and that it species of fraud and forgery of the worst and most dangerous tendency.

9. Your Petitioner, in conclusion, most earnestly prays, that, according to the original compact under the guarantee of Lord Lake the Jagheerdar of Porezapore may be desired to remit annually 25,000 Rupees to the British Treasury, that 15,000 Rupees, in default, originally appropriated for the maintenance of a Body of 50 Horsemen, may be credited to the account of

جعلی ہیں۔ یا دوسرے نواب احمد بخش خاں مرحوم نے اس مسند کو اپنی رہائش گاہ بنی تیار کروا کر لکھوایا۔ اور لارڈ لیک کے لئے کورٹروٹ دے کر جب وہ شریف آدمی دوسرے اہم امور میں مصروف تھا اس کے دستخط حاصل کر لئے، جس کا منہبوم اس وقت ان کو معلوم نہ تھا اور جبکہ فارسی کا مذاق کا ایک انیار ہر روز اور ہر گھنٹہ ان کے دستخطوں کے لئے پیش ہوتا تھا۔ یہ ایک دھوکہ دہی اور جعل سازی کا نمونہ ہے جس سے بدترین قسم کی خطرناک ذہنیت کا اظہار ہوتا ہے۔

9۔ آپ کا دادخواہ آخر میں نہایت خلوص سے استدعا کرتا ہے کہ اصل معاہدہ کے مطابق جس کے ضامن لارڈ لیک ہیں۔ فیروز پور کے جاگیردار سے کہا جائے کہ وہ ۲۵ ہزار روپے سالانہ انگریزوں کے خزانے میں داخل کیا کرے اور پندرہ ہزار روپے جو بہاس سواروں کے لئے مقرر تھے ادا کرنے کی وجہ سے بکن سرکار جمع

project, was, I.D. that the late H.M. Admiral Sir
Kilham, after having saved the shipwrecked
skeleton of and written up his Private Diary
in collusion with the Consul of that city
the the Agency of that city, where the records
of that Administration was engaged in a
subject of importance, - obtaining the signature
of Lord Laker to a Government, the payment
of which was unknown at the moment
among the list of Revenue before the
Government, brought for signature, - and this is an
example of fraud and forgery of the worst kind
most dangerous tendency.

3. Your Petitioner in conclusion, most
earnestly prays that, according to the original
compact under the guarantee of Lord Laker
Paymaster of Treasury may be deemed to remit,
annually \$10,000 Refuse to the United States;
that \$10,000 Refuse, in default, originally offer-
ed for the maintenance of a Bridge of 50
Miles, may be added to the same
Government.

Government even in the shape of intimation abrogating the former arrangement.

8. On these various grounds, your Petitioner does not hesitate to pronounce the Summat in question to be fabricated that it was never written or drawn up in the Office of Lord Lake, under the sanction of that nobleman, who never authorised the reduction of the original Provision to a moiety and that no correspondence, your Petitioner is well assured is forthcoming in the Public Department, either at Delhi, or at the Presidency, which can directly or indirectly afford to this isolated document, the color of validity - or, abstractedly any inherent matter of consecutive application, gave to it the slightest pretension to Legitimacy. There seem to be two points, therefore, to be considered, calculated to lead to a true conclusion:- 1st either that the Summat, the Seal and the Signature, are all

اس شکل میں کہ ساہذا انتظام کو منسوخ کر دیا گیا ہے۔

۸۔ ان مختلف وجوہات کی بنا پر زیر بحث سند کو آپ کا دادخواہ بناوٹی قرار دینے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ یہ لارڈ ٹولیک کے دفتر میں نہ تیار ہوئی نہ کبھی لکھی اور نہ اس شریف آدمی نے اس کی منظوری دی، انہوں نے اسے طے شدہ انتظام میں کبھی ایسی کنی کا اختیار نہیں دیا اور داد میں کو اس بات کا یقین ہے کہ اس بارے میں کوئی خط و کتابت سرکاری دفتر دہلی یا پرنسپلٹنس میں موجود نہیں ہے جو بالواسطہ یا بلاواسطہ اس تہاوتادین کو جائز قرار دے اور اس کے اندر بھی کوئی ایسی چیز نہیں ملے گی جو اس کو جائز قرار دینے کے لئے معمول کی بھی اہمیت رکھتی ہو۔ اس لئے اس کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے دو باتوں کا خیال رکھنا لازمی ہے۔ اول اس سند پر جو منخط اور بہر میں وہ سب

government, even in the shape of anticipatory
abrogation, the former arrangement!

On other various grounds, your A.
claim does not hold water to procure the
document in question to be fabricated. That
it was never written or drawn up in the
Office of Lord Lytton, under the sanction of
that nobleman, who never authorized the
fabrication of the 'Original Provision' & a
series - and that no correspondence from
Lithuania is well known, is forthcoming in
the 'Public Department' either at Delhi, or
in the 'Residence' - which can, directly, or
indirectly, afford to this isolated document
the air of validity - or at least of any
important matter of consequence, additions,
and with the highest pretensions to authenticity.
There seems to me but, in 'Great Hong Kong',
to be something, resembling to be a true
specimen. - 1st either that the 'Provision',
the text - and the signature - are all
fakes.

Beg Khan and that he is not bound to maintain 50 Horsemen from his Jagheer, it is clear beyond any effort of sophistry, that he ought to remit, annually 20,000 Rs. to the Treasury of the British Government unless he can produce any document which absolves him from the Original compact.

7. When 10,000 Rs. was appropriated annually for the provision of the family of the late Nussoor Dollah Beg Khan out of the 25,000 Rs. originally agreed by the Jagheerdar of Porehpore to be paid annually into the British Treasury, Lord Lake reported to, and, procured the sanction of Govt. to this measure of intermediate expediency. It will therefore seem extraordinary to your Lordship in Council, how Lord Lake could have injudiciously, departed at once, from a deliberate and sanctioned pledge, under the guarantee of his own signature, by reducing the Provision to a moiety of 5,000 Rs. without holding some correspondence with

اور وہ خود کو سپاس سواروں کا رسالہ برقرار رکھنے کا پابند نہیں سمجھتا تو اس سے بغیر کسی مناسبت کے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو مبلغ بیس ہزار روپے سالانہ سرکار برطانیہ کے خزانے میں داخل کرنا چاہیے۔ مگر کوئی ایسی دستاویز پیش کرے جس کے بموجب اس کو اصل معاہدہ سے چشمکارہ مل جائے۔

۷۔ جب مبلغ دس ہزار روپے سالانہ نصر اللہ بیگ خاں مرحوم کے خاندانی گزارہ کے لئے ان مبلغ ۲۵ ہزار روپے سالانہ میں سے جو جاگیردار غیر ذی پورا سنگریزی خزانہ میں جمع کرتا تھا، وضع کر لئے گئے تو اس درمیانی تغیر و تبدل کی اطلاع لاٹھ نے فوراً سرکار کو دی اور منظوری حاصل کر لی۔ اس سے حضور بہ کو قلعہ کو تعجب ہوا کہ لاٹھیک نے یہ غیر منصفانہ قدم ایک سوچے بچے اور منظور شدہ فیصلہ کے خلاف کیسے اٹھایا جس پر ان کے اپنے دستخط بھی ہیں اور سابقہ انتظام میں سے مبلغ پانچ ہزار روپے کی تخفیف بغیر کسی خط و کتابت کے سرکار سے

By Nelson, and that he is not bound to in-
terfere with the revenue from his father. It is clear,
beyond any effort of Substanty, that we
ought to demand annually, 20,000 Roubles to the
Treasury of the Russian Government, and that
we can produce any document which we wish
to prove from the original Contract? -

7. Now, Sir, Rupas was appointed
annually for the 10 years of the term of
the 1st Rupas. (Which Rupas being out of
25,000 Rupas originally agreed by the father
of Joseph to be paid annually into the
Russian Treasury, and Lake, etc. etc. and to
use the Russian Government to the
purpose of intermediate expenses. And
therefore some extraordinary to your Lord,
that in common, how Lake could have
suddenly, separated at once, from a sub-
ject to an independent Prince, under the
guarantee of his own signature, - by re-
solving the 10 years to a quantity of 5000 R.
without holding some correspondence with
the Government.

resolutions of Government thereon. Your Petitioner here, would crave permission to attract the attention of your Lordship in Council to the facts which follow:- In the month of May 1806, however, Lord Lake deemed it expedient to make another arrangement for the appropriation of the sum of 25,000 Rupees stipulated; by the late Nawab to be paid annually into the Treasury of Government viz. 15,000 Rs. annually, for the maintenance and continued support of a Body of 50 Horsemen attached to Nussur Oollah Beg Khan, on his demise - and 10,000 Rs. annually for the provision of his family. Lord Lake, at that period, reported to Government on this arrangement and its sanction was obtained, as the records at the Presidency will show. Under these circumstances, if the Jagreedar of Ferozepore contends on the validity of the Sumud now brought forth, that 5000 Rupees annually was the provision fixed for the family of the late Nussur Oollah

و قرار داد حکومت اس پر جناب کا یہ داد خواہ اس اجازت کا منتفی ہے کہ حضور لارڈ صاحب
بکونسل حقانیت مندرجہ ذیل کی طرف توجہ مبذول فرمائیں مادہ مئی سنہ ۱۸۰۶ء میں تاہم لارڈ
لیک نے اس کو سوسند سمجھا کہ ایک اور انتظام کے تحت نواب مرحوم مجوزہ ۲۵ ہزار روپے
سالانہ جو سرکاری خزانے میں داخل کیے تھے وہ ۱۵ ہزار روپے سالانہ پچاس سو روپے
کی نگہداشت کے لئے جو نعرائے جنگ خاں سے وابستہ تھے اور مبلغ دس ہزار روپے سالانہ
ان کے لئے مانگوان کے لئے مقدمہ کئے اس وقت لارڈ ایک نے اس کی اطلاع حکومت کو
دی اور منظوری حاصل کر لی، جیسا کہ پرنسپل ڈپٹی سیکریٹری کا ریٹرو ظاہر کرتا ہے۔ ایسے حالات میں اگر
فیروز پور کا جاگیردار پیش کردہ مسند کی صحت پر کھجور سکتا ہے جس کی رو سے مبلغ پانچ ہزار
روپے سالانہ کا معین نعرائے جنگ مرحوم کے خاندان کے لئے ہوتا ہے۔

[illegible]

which it should emanate. Independently of this want of concatenation of circumstances it exhibits no light on the pretended relationship of Khaja Haja, whether by blood or connexion by marriage or by any other tie of Fraternity.

6. The country of the Mewats, was granted in Jagheer, to the late Nawab Ahmad Dux Khan by Lord Lake and 25,000 Rs. annually it was stipulated, should be perpetually paid by the former into the Treasury of the British Govt. To this effect, 2 original Sumuds, under the Seal and Signature of Lord Lake are now lodged in the office of the Jagheerdar of Ferozepore and copies of those 2 Sumuds are recorded in the office of the Resident at Delhi; one dated the 22nd of December 1804 and the other, the 4th March 1806, and it is presumed that the report of Lord Lake, of these respective dates, must be recorded in the Political Department, with the orders and

یہ ادا کی جائے گی۔ ان حالات کا سلسلہ نہ ملنے کے علاوہ یہ اس بات پر بھی رکھنی نہیں ڈالتی ہے کہ اس کا بے بنیاد و عمری رشتے دار کی کسی بھئی یا ازاد و حاجی تعلق کی وجہ سے ہے یا اور کسی قرابت واری کی بندش کی بنا پر ہے۔

۴۔ میرات کا علاقہ تھانڈ لیک نے فواب احمد بخش خاں کو جاگیر میں اس شرط پر دیا تھا کہ وہ مبلغ پچیس ہزار روپے سالانہ برطانوی حکومت کے خزانے میں داخل کرنے رہیں گے۔ اس کے متعلق دو سندیں جن پر لارڈ لیک کے دستخط ہیں۔ جاگیر دار فیروز پور کے دفتر میں ہیں اور ان دونوں اسناد کی نقلیں ریڈیٹ ٹنٹ دہلی کے دفتر میں موجود ہیں۔ ایک پر ۲۲ دسمبر ۱۸۰۴ء اور دوسری پر ۴ مارچ ۱۸۰۶ء تواریخ درج ہیں۔ یہ بھی اغلب ہے کہ تاریخوں کے متعلق سرکاری احکام حاصل کرنے کے لئے لارڈ لیک کی رپورٹ حکمرانوں کی شکل میں درج ہو چکی ہوگی۔

احکامات

which it should emanate. Independence
of this want of concentration of circumstances
it exhibits in light on the material side.
Tendency of Rhyon Sige. whether by 2nd,
or numerous in marriage or by any other
side of Feasibility.

6. The Council of the Minors, was paid
in Japan, to the late General Akashi, Ben
Kam in London, and Little Paper among
it was stipulated. Should be, respectively, sent
by the Prime and the Treasury of the United
Government. To this effect, 2 Original Letters
under the seal and signature of Lord Lake,
are now lodged in the Office of the Japanese
G. Legation. And copies of these 2 Documents
are recorded in the Office of the Minister
at Paris. One dated the 22nd of December,
and the other, the 21st of March, 1888: and it is
assumed that the Report of Lord Lake, of
the 22nd of March, must be recorded in the
Official Department: with the Prime and
Resolutions

by foisting on the Jagheerdar a Provision of 5,000 Rs. for the family of the late Mussur Oollah Beg Khan. But the real state of the case is different, as will appear in the 6th para of this Memorial.

5. In the letter of (the) Coll. Malcolms, in 1806, a provision of 10,000 Rs., annually is fixed for the family of the late Mussur Oollah Beg Khan, without any reference to the name of Khaje Haje or his posterity. Your Petitioner here respectfully begs to remark that it is extraordinary how, in the Persian Surruud, now brought forward a provision of Rs. 5,000 for the family is mentioned and the name of Khaje Haje introduced, without the slightest advertence or explicatory allusion to the former arrangement fixed in that letter of Colonel Malcolms. This surruud, besides, is totally devoid of the usual and customary detail of the services, on account on which a benevolent grant is founded, and of the source from

کہ کہ نصر اللہ بیگ خاں جاگیر دار کے خاندان کے لئے یہ مبلغ پانچ ہزار روپے مہیا کر دے اس مقدمے کی اصلیت کچھ اور یہی ہے جو اس یادداشت کے چھٹے پیرے سے ظاہر ہو گیا۔

۵۔ جب کرنل میکلم کے خط مورخہ ۱۸۰۶ء میں مبلغ دس ہزار روپے نصر اللہ بیگ خاں کے خاندان کے لئے مقرر ہیں جن میں خواجہ حاجی یا اس کی آئندہ نسلوں کا کوئی ذکر نہیں۔ آپ کا رد خواہ منہایت اوپ سے یہ عرض کرنا ہے کہ یہ خلاف معمول ہے جو اس فارسی سند میں مبلغ پانچ ہزار روپے کا ذکر موجود ہے اور اس میں خواجہ حاجی کا نام شامل کر دیا گیا ہے اور میکلم کے مراسلے میں جو اختلاف کیا گیا ہے اس کی طرف کوئی صوری سا اشارہ بھی نہیں ملتا جس سے یہ واضح ہو جائے۔ اس کے علاوہ یہ سند اس بات کو بھی بالکل بیان نہیں کرتی کہ کن خاندان کے عرصہ یا کن حالات کے تحت یہ فیاضانہ عنایت کی گئی تھی اور کس مد

Khan, or of its confirmation by the British Government forthcoming on the record of the public offices on these very important grounds, alone the instrument objected to, must appear in a very questionable light.

4. In this fabricated Surrender, no mention is made of the source from which 5000 Rs. annually were to be paid to the family of the Late Nussur Ullah Beg Khan, nor can it be known, from its general purport, on what particular account, Lord Lake was pleased to make the grant. It is as worthy of observation, as it is true, that previously to the date which this fabricated instrument bears, the coveny of the Mowats was granted, in Jagheer, to the late Nawab Ahmad Bux Khan. The grant of this Territory in uninterrupted possession became beyond a doubt sacred. It therefore seems unaccountably either with Policy or good Faith, how Lord Lake should have interfered subsequently

حکومت برطانیہ سے تصدیق ہوئی ہے۔ اس دستاویز سے متعلق ایسی ضروری وجوہات کا اندراج کسی سرکاری دفتر میں نہیں۔ اس لئے یوں دکھائی دیتا ہے کہ یہ تمام مشکوک ہے۔

۳۔ اس بناوٹی سند میں اس کا بھی ذکر نہیں کہ یہ مبلغ پانچ ہزار روپے سالانہ نصر اللہ جنگ خاں کو کہاں سے ادا کئے جاتے تھے اور نہ ہی اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ لارڈ لیک نے اس خوشنودی کی کیا وجہ تھی جس کی بنا پر یہ عنایت کی گئی۔

یہ قابلِ غور ہے جو صیح بھی ہے کہ اس دستاویز پر درج شدہ تاریخ سے پہلے میوات کا علاقہ نواب احمد بخش خاں مرحوم کو جاگیر میں دیا گیا تھا۔ اس علاقے کی ملکیت بغیر کسی دخل اندازی کے تھی۔ اس لئے یہ بیان نہیں کیا جاسکتا ہے کہ کس مصلحت یا قول و قرار کی بنا پر اس میں لارڈ لیک نے دخل اندازی۔

show, as of the confirmation by the American
 government, for the time being, as the Americans
 the 'Indian Affairs' are their very important
 grounds, since the settlement should be
 must appear in a very questionable light.
 is. The this fact is to be known, as
 mention is made of the time from which
 1892 is accurately now to be put to the time
 of the settlement, which 'By History' we
 can it be known from its general history
 on what particular account. And it is now
 pleased to make the point. It is a matter
 of observation, as it is true, that 'American'
 is the date which this fact is to be known
 from the country of the present was, and
 in fact, to the settlement of the land. And
 it is now. The grant of the territory, in con-
 siderable proportion, became beyond a doubt,
 and it is now. Some of the same
 with 'this is good fact', however,
 a fact of which it is not necessary to mention.

the Department of Pensions and a report of the circumstances connected with each Jagirdars case, was immediately made to, and the orders of Govt. obtained thereupon. It will appear extraordinary to your Lordship in Council that this essential precaution and prescribed usage, in the conduct of Public Business, have not been observed in respect to the Sumud in question, which seems perfectly isolated, from the want of any allusive connexion with any correspondence calculated to give it any formal or official validity for neither a copy of this Sumud can be traced either in the office of the Resident at Delhi, or in the Political Department of Government at the Presidency nor is any correspondence with Lord Lake and the Government relative to the Provision of 5,000 Rs. only for the family of the late Nussur Oolla Beg

پیشن کے چمکنے پر کئی عادی تھا اور ہر جاگیردار کے بارے میں فوراً نام مالات بیان کر کے احکام حاصل کرنے کی پذیرت کی تھی۔ آپ کو یہ پیر معمولی معلوم ہو گا کہ یہ ضروری احتیاط اور مرقوم دستور اس سرکاری کارروائی کے لئے اس سند کے معاملہ میں ملحوظ نہیں رکھے گئے جو ایک تنہا مثال ہے۔ کوئی ایسا اشارہ بھی نہیں جس سے اس کا تعلق کسی سرکاری خط کو کیا ہے معلوم ہو اور جو اس کو رسمی یا دفتری لحاظ سے جائز قرار دے۔ اس سند کی نقل خود ریڈیٹڈ ڈپٹی کے دفتر میں ہے اور پرزید ٹیڈنسی میں حکومت کے پریسیکل ٹکریس اور ڈائریکٹریک اور محکمہ کی ایسی کوئی خدمت کو ثابت ہے جس کے ذریعے صرف مبلغ پانچ ہزار روپے کی نصر اللہ بیگ خاں مریم کے خاندان کے لئے

the Department of Success, and a Black flag.
 The circumstances connected with each paper
 have now been immediately made to, and
 the order of Government obtained there-
 upon. I will appear accordingly to
 give evidence in regard to this
 special function, and presented only
 in the course of Public Inquiry, has
 not been received in regard to this
 document in question, which seems des-
 titute of value from the want of any
 official connection with any competent
 authority to give it any formal or official
 validity; for, neither a copy of the same
 goes to travel either in the Office of
 the President at Delhi or in the Office
 of Government at the Pan-
 theon, nor is any correspondence with
 the latter and the Government relative
 to this ceremony of ۱۸۵۸, only, in the
 hands of the late Public Office, by
 Adams

Petitioner had been set aside.

2. In that Petition, your Petitioner represented to your Lordship in council that the Sunnud which was brought forth from the Jagheerdar of Ferozepore, to invalidate his claims was fabricated, false, and negatory and, as the document is to be laid before your Honorable Board, your Petitioner, has presumed, in respectfully, to advocate reasonably the following explanation of the grounds on which he has pronounced that document to be a counterfeited instrument possessing no circumstantial unity or connexion.

3. It is well known that Lord La's established as an inviolable Rule that, when a Sunnud was granted to a Jagheerdar, a copy of it should be deposited, as a record, in the offices of Government. This Rule also regulated

مسترد کر دیئے تھے۔

۲۔ اس درخواست میں آپ کے دادخواہ نے حضور لاہور صاحب کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ وہ سند جو جاگیردار فرید زور پور نے میرے حقوق کو ناجائز قرار دینے کے لئے پیش کی تھی وہ بناوٹی اور بے مطلب ہے۔ چونکہ یہ سند آپ کے عزت مآب بورڈ میں پیش ہونے والی ہے اس لئے آپ کا دادخواہ اس وقت کو نہایت مناسب سمجھتا ہے کہ وہ تمام وجوہات بیان کر جسے جن کی بنا پر اس کو جھوٹا قرار دیا جاتا ہے اور اس کو بالکل غیر مشفق سمجھا جاتا ہے۔

۳۔ یہ بخوبی معلوم ہے کہ لاہور لیک صاحب نے ایک ناقابل متنبہ قاعدہ بنایا تھا کہ ہر کسی جاگیردار کو سند مطا کی ہائے کو اس کی ایک نقل حکومت کے دفتر میں رکھ جاتے۔ یہی قاعدہ

Peltone had been at home...

2. In that Peltone, your late
Representative to your Legislature in London, &
the Sumner which was brought forth
the 17th of June of 1840, & carried
his name, was definitely calculated, and
unpublished. And as the Government can
be held before your Honorable
Board, your Peltone has promised
to publish, & submit a statement, &
following explanation of the grounds
on which he has pronounced this doc-
ument to be a counterfeited historical
copying an unauthenticated copy, &
conclusion.

3. It is well known that a
late exhibit is an inevitable
that when a Sumner was granted,
a September, a copy of it should
be delivered, as a Record, and the relation
of Government. This Rule also comes

/ Copy /

To,

The Right Honorable
Lord William Bentinck K.E.B. etc. etc.,
Governor General in Council,
Fort William

The Petition of Usudvallah Khan the Nephew
of the late Musour Dallah Beg Khan, Jagheer-
dar of Sunk Sansah in the District of Agra,
residing at Delhi.

Humbly Sheweth,

That your Petitioner has learnt with
gratitude and elated hope, that your Lordship in
Council has been pleased, in consequence of a
Petition presented by him in the month of July
last, to your Honorable Board, to call on the
Acting Resident at Delhi for the original
Sanad on which the claims of your

بخدمت جناب عزت آب لارڈ ولیم بنک کے ای بی وغیرہ وغیرہ

گورنر جنرل بہ کونسل

فورٹ ولیم

عرض اسد اللہ خاں ہارنزاہ نصر اللہ بیگ خاں مرحوم

جاگیر دار سونگہ دسوسہ ضلع آگرہ ساکن حال دہلی

موجودہ انا کہ اس ہے کہ

آپ کے دادخواہ نے نہایت ممنون اور شہ امید ہو کر اس بات کو سننا ہے کہ لارڈ
ساحب بہ کونسل نے اس درخواست پر جو عزت آب کو دی گئی تھی نتیجتاً یہ نکمہ ہے
کہ وہ اصل سند پہنچی کہ اس کے جس کی ٹوک سے قائم مقام ریڈیٹنٹ دہلی نے سائن کے حقوق

(Sij)

To

The Right Honorable

Lord William Bentinck K.G. &c.

Governor General in Council

Fort William

The Colonel of Madras &c. &c.

Lieut. Col. of the 1st Madras Cavalry

Regt. of the 1st Madras Cavalry

Regt. in the District of Mysore

residing at Dindigul.

Sir,

That your Honorable has received
 with gratitude and stable hope, that your
 Lordship in Council has been pleased
 to concur in a Resolution of the
 Council in the month of July last, to your
 Honorable to send to the
 District of Dindigul, the
 Commission which the Council have
 appointed.

of my former representation, to obtain from the
Jagheedar of Ferozepore and forward for the
inspection and consideration of the Right
Honorable the Governor General in Council.

I have etc.,

Delhi

26th September 1830

/ A True Copy /

Sd/ Chief Secy to Govt.

میری سابقہ درخواست کے نتیجے میں کہ وہ جاگسیدار فیروز پور سے
حاصل کی جائے، اور عزت مآب گورنر جنرل کو براۓ معائنہ اور
توجہ ارسال کر دی جائے۔

میں ہوں آپ کا

دلی سرد سہار جٹن باب

نقل مطابق اصل

دستخط، چیف سیکریٹری سرکار

of my former representation, to
give the papers of George
and forward for the inspection
and consideration of the Right
Honorable the Governor
in Council.

Like,

27/1/1964

www.vision

Have you

۱۰۰

(A true copy)

My dear friend

Melvin J. Glick

[illegible]

10/10/19

With reference to the Russian
relations, as long as we
have a permanent alliance
with the great power on the
west, nothing could be possible
to make her less powerful
than the dominant English power
ruled by the system of
European equilibrium. It
will be better to be known
as a great power than as a
great subordinate.

/ Copy /

To,

S. Fraser, Esqr.,
Deputy Secretary to Government,
Political Department,
Fort William.

Sir,

With reference to a Petition which I submitted through you, in the month of July last, for the consideration and orders of His Lordship in Council, I have the honor to transmit to you the enclosed memorial, which I respectfully solicit may be laid before the Honourable Council Board at the same time with the Original Summat, which the Acting Resident at Delhi has been desired, in consequence

نقل

خدمت جناب امین فریئر صاحب

ڈپٹی سیکریٹری گورنمنٹ

محکمہ پولیٹیکل

فورٹ ولیم

جناب عالی

بھولا میری عرضداشت جو میں نے آپ کی وساطت سے گزشتہ ماہ جولائی میں حضور لاہور صاحب کو نسل کی توجہ اور احکامات کے لئے پیش کی تھی۔ یہ مسئلہ یادداشت کیں ارسال خدمت چلا اور خود یاد عرض ہے کہ یہ کیں اس اصل سند کے ہمراہ کو نسل پورڈ کے سامنے پیش کر دی جائے جس کو حاصل کرنے کے لئے قائم مقام ریڈیٹنٹ دہلی سے غور و کشش کی گئی ہے۔

(copy)

J. Fraser, Esq.

Deputy Secretary to Government

~~General~~ Department

Fort William

Sir,

With reference to a Petition which
I submitted to you, in the month of
July last, for the consideration and
aid of His Lordship in Council, I
have the honor to transmit to you the
enclosed Memorial, - which I respectfully
submit may be laid before the Honorable
Council Board at the same time
with the original Memorial, which
the Acting President at Delhi
has been desired, in consequence

J.

Jagheendar of Ferozepore.

8. Your petitioner has presented two petitions to the Res. at Delhi, one under date 6th March 1870 and the other of 20th of the same month and year and it is painful to your petitioner to think that the Res. has neither taken these petitions into consideration nor submitted them to Govt. But has decided the Matter exparte.

9. Your petitioner pointed out in his petition to the Resident two Sumruhs under the Seal of Lord Lake, the Original at Ferozepore, and the copy in the office of the Resident at Delhi. One in the name of the Late Nawab Ahmed Buhsh Khan granting Ferozepore Jeerihah our Sawhruss in Istannar 5,000 Rs. per annum dated 22nd December 1804. The other, in the same name, granting Poorah Hanah, Beehwa and Nugeena, and in Istannar 20000 Rs. per annum dated 4th March 1806 and it occurs to your petitioner that the Resident has not brought the subject of these Sumruhs under the consideration of your Lordship.

جاگیردار فیروزپور

۸۔ آپ کے دادخواہ نے ریذیڈنٹ دہلی کی خدمت میں دو عرضداشتیں مورخہ ۲۵ مارچ ۱۸۷۰ء پیش کی ہیں لیکن اس خیال سے سائل کو تکلیف ہے کہ ریذیڈنٹ صاحب نے نہ تو ان پر غور فرمایا اور نہ ہی حکومت کو پیش کریں بلکہ معاملہ کو یکطرفہ کر دیا۔

۹۔ اس سائل نے ریذیڈنٹ دہلی کو اپنی درخواست میں قریب دلائل کی کارڈ ٹیک کی مہر اور دستخط کیا۔ دو سارا اصل فیروزپور میں ہے اور ٹیک کی کاپیاں ریذیڈنٹ دہلی کے آفس میں ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جس میں مرحوم احمد بخش خاں کو فیروزپور ممبر کو اور سکرس کی جاگیر ۵۷۰۰ مربع سٹندہ کو بطریق استمرار مبلغ پانچ ہزار روپیہ سالانہ پر عطا کی گئی تھی اور دوسری سند مہر اپنی سند شدہ کی ہے جس کے قدر یہ نواب موصوف کو جاگیر لانا ہے۔ بیچور اور گنڈی بطور استمرار مبلغ بیس ہزار روپیہ سالانہ پر دی گئی تھیں لیکن حضور کے دادخواہ کو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ریذیڈنٹ دہلی ان اسناد کے معنوں کو جناب والا کے ماتخذ میں نہیں لاتے۔

5. When your Lordship in Council decided that the family of Musammar-ullah Beg Khan should be provided for according to the provision made in Col. Malcolm's letter it is strange that the decision of the Govt. at Delhi is contrary to its purport and letter and it is not known from what department any document has been procured, which could in any manner nullify the Provision made in Col. Malcolm's letter.
6. Your Lordship in Council has ordered that the case of your Petitioners should be duly investigated and examined at Delhi; but no examination has as yet been instituted into the matters now have the pretensions of Khaja Hajeer been scrutinized; and the order in this case, is that the complaint of Khaja Hajeer being included in the provision of 5,000 Rs., will remain in the same predicament, as if the allowance were 10,000 Rs.
7. If the Resident at Delhi, has ground, his decision in the Summat submitted by the Jagheendar of Faruquepur under the Seal of Lord Lake, your petitioners is surprised in three different grounds first that, no copy of the Summat produced by the Jagheendar of Faruquepur, is in the records of the Resident at Delhi, and of Govt. it cannot be deemed valid; Second, that the Summat now produced by the Jagheendar of F. does not cancel any former Summat in previous provision. Therefore, it does not prove that it is valid; the 3rd, it is proved from the record of Govt. that 25,000 Rupees per annum was provided for the maintenance of 50 persons and his family on an inspection of these documents, it cannot be accounted how the remaining 20,000 Rs. can be deducted from the allowance and now another persons right can be given to the

۵۔ جبکہ مسند والہ نے فرمایا ہے کہ غرض یہ کہ خاں کے خاندان کو جناب میٹرم کے مراسلہ کے مطابق ملنا چاہیے تو ریڈیٹنٹ نے فرمایا کہ فیصلہ اس تحریر اور مراسلہ کو ماننا تو قرین و قیاس ہے۔ بڑے قہر کے ساتھ ہے۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ کس حکمران کا فرمان آیا گیا ہے جو کسی طور سے جناب میٹرم کے خاکہ کو بے اثر نہ کر سکتا تھا۔

۶۔ جناب والہ کو کونسل نے فرمایا کہ جس کے سامنے کے مقدمہ میں کوئی چیز پیش نہ کی ہو تو مانا جائے لیکن ایسی کوئی چیز پیش نہ کی ہو تو میں غلام عاقل کی درخواست کو رد کر دیتا ہوں اور قہر کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس پر یہ کہ غرض یہ عاقل کی پانچ ہزار کے عطیہ میں شمولیت دینے کی بات ہے کہ اگر ان کو نہیں ملتا تو اس میں ہرگز ہرجا ہے۔

۷۔ جاگیردار فریاد کی ہے کہ مسند ڈیپٹی کے دستخط اور حکم کیا تو پیش کی ہے اس کے تین ہزار روپے ان کے فاقے پر دلوں کو کہ میرٹ ہے۔ ان کے کہ مسند کے ان جاگیردار فریاد نے فرمایا ہے کہ وہی چیز پیش کی ہے اور یہی حکومت کے بجائے اس کے لئے پیش کی ہے۔ لہذا مسند نہیں دیکھ سکتی ہے۔ وہ بھی کہ جس سے ساتھ ساتھ اس کو کہتے ہیں کہ یہ ہے۔ لہذا مسند کے فاقے کا ہزار ہونے کا ثبوت نہیں ہے۔ سو ہم یہ کہ خاندان کا ساتھ کر لے رہے ہیں۔ یہ ہرجا ہے۔ یہ بھی ہزار روپے والا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ خاں کے خاندان کی درخواست کے لئے لگے تھے۔ کسی طرح نہیں فرمایا کہ اس کے لئے ہرگز نہیں ملتا تو اس کی رقم میں سے تخفیف کر کے دے جائیں اور دوسرے شخصوں کا حق دیا جائے۔

5. — When your last letter is received, I started that the
 Society of Hypocrites at N. Y. shall be known to
 be unworthy to be members here by the Col. of the
 letter. It is strange that such a thing is the
 of the Society of the City, is worthy to be
 letter: and it is known from what a
 my document has been received, which could
 in my name, calling the ~~document~~ the
 Provision made in Col. B. of the —

[illegible]

Petitioner requested that your Lordship in Council will investigate from the Records, what was, the allowance fixed by Lord Lake for the maintenance of Musauvallah Beg's Family and cause an inquiry to be instituted as to the pretensions of Khaja Rajee, to receive a portion of the allowance, and in these respects your petitioner solicited justice from Government.

3. Sir Ed. Coulbrooke, the then Pres. at Delhi solicited copies of the Papers connected with your Petitioner's case from Govt. as no such documents were found in the Residency Office, and reported to Govt. the particulars of Khaja Rajee pretensions: Col. Malcolm's letter of 1806, was sent by W. Stirling to the Pres. at Delhi with the orders of Govt. that the representations of your Petitioner should be examined. The report of Sir Ed. Coulbrooke in consequence bears testimony to the presentation of your Petitioner.

4. According to the orders of Govt. it was just that the allowance fixed in Col. Malcolm's letter, should have been appropriated and allotted to Musauvallah Beg's family and the pretensions of Khaja Rajee duly examined. Mr. Blake, the Assistant to the Pres. at Delhi sent for your petitioner and informed him that he was instructed by the Pres. Mr. Hastings that it was decided that the family of Musauvallah Beg Khan should continue to receive 5000 Rs. annually, as they had all along received that sum: This decision of Mr. Hastings, has no connection with the claims or representation preferred by your Petitioner and he therefore begs leave to lay the particulars of his case in this case before Lordship in Council.

دور خواہ نے درخواست کی تھی کہ حضور بہ کوشش سرکاری رجسٹر میں چھان بین کر کے کہہ کر لیا اور اس کا ایک نمونہ پیش کیا
خان کے خاندان کی پرورش کیلئے مفقود کیا گیا اس میں سے ایک حصہ غلام خانی کا جائز طور پر پا رہا ہے اس پر فقہین کی جانچ سے
ملاقات پر مسائل کے حکومت سے انصاف کی درخواست کی تھی۔

۳۔ سر ایڈمز کوئلبروک نے جو اس وقت ریڈینٹ ڈپٹی تھے مسائل کے معاملے سے متعلق کاغذات کی انکوال ہمیش کی تھیں
اور حکومت کو اطلاع دی تھی کہ ریڈینٹ آفس میں کوئی کاغذ موجود نہیں ہے اور غلام خانی کی والدہ اس کے حالات بیان کرتے
تھے۔ مثلاً سٹریٹنگ سے کوئی سیکرٹری مستند کا واسطہ دینی میں نہیں تھی کہ ایسا کاغذات کیسے اس کے املا کیا تھا کہ اس کی طرف اشارہ
کرنا چاہتا ہے۔ ایڈمز کوئلبروک کی رہنمائی اور خان کے سرور میں وضاحت پر آخر خدشات کا دور گھٹن ہے۔

۴۔ سرکار ایس کاغذات کے بموجب سٹریٹنگ سے چھان بین کر کے مسائل میں مفقود اور انکوال ہمیش خان کے خاندان کو جسے
طور پر سے خانی اور غلام خانی کی دھمک دیا کہ اگر وہ اس کا جواب دے گا تو اس کے مسائل میں ریڈینٹ سٹریٹنگ نے مسائل کے طلب کیا اور
اس کو اطلاع دی کہ اگر ایس آفیس میں ریڈینٹ ڈپٹی نے بات کی ہے کہ یہ طے شدہ ہے کہ غلام خانی کے خاندان کو دینا کا پانچ پر
۵۔ یہ سالانہ خطے میں جو پہلے سے پائے رہے ہیں۔ سٹریٹنگ کے اس فیصلہ کا کوئی تعلق مسائل کے مطالبات یا وضاحت
سے نہیں ہے۔ بہت دور خواہ اپنے معاملے کے واقعات حضور بہ کوشش کے مسائل پیش کر کے کہ ایک بات چاہتا ہے۔

Lord William Cavendish Bentinck etc.,
Governor General of British
India in Council.

The Petition of Usaddvallah Khan, the
Nephew of Nussorwallah Beg Khan; Jagheer-
dar of Sown's Sownah and Inhabitant of Delhi.

Humbly Sheweth:

That your Lordship in Council is aware that your
Petitioner in the first instance laid his grievances
before your Honble Board at Calcutta, when the Honble
W. B. Bayley Esq. was acting Governor General, as the
Records of Govt. will show; and the order passed there-
on was, that your petitioner should lay his statement
before the Rest. at Delhi.

2. On referring to the Petition presented to your
Honble Board, when your Petitioner was in Calcutta, it
will appear, that your petitioner was preferred two
complaints one that the Jagheerdar of Ferozepore has
diminished very considerably the annual allowance,
conferred on Nussorwallah Beg Khan family since his
death and the other that, from the limited allowance
allotted to the family, an interloper named Khaja Hajee
and been foisted to whom a portion is payable, by the
said Jagheerdar irregularly, unjustly and illegally.
In that petition your

خدمت جناب لاٹو ولیم کزنڈلش بنگ و فیرو

گورنر جنرل حکومت ہندوستان بکوشل

اسد اللہ خاں پرانہ نژاد نصر اللہ شیخ خاں جاگیر دار سونک و سونہ ساکن دہلی کی عاجزانہ

درخواست کر

جناب والا بے کوشل کو علم ہے کہ دادورس نے پہلی مرتبہ اپنی شکایات عزت آپ بورڈ کے سامنے
شکستہ میں پیش کی تھیں جبکہ جناب ڈائری۔ بی۔ جے قائم مقام گورنر جنرل تھے جیسا کہ حکومت کے رجاٹو سے
ظاہر ہے جھکا اس پر حکم ہوا تھا کہ دادورس کو اپنا بیان مدیٹیشنٹ دہلی کے سامنے رکھنا چاہیے۔

۲۔ بحوالہ لاٹو کو پیش کردہ درخواست سے ظاہر ہے جھکا جیسا کہ سائی شکستہ میں تھا کہ دادورس نے دو شکایات
کو ترجیح دی تھی۔ اولاً یہ کہ جاگیر دار فیروز پور نے نصر اللہ شیخ خاں کے فائدہ ان کو صفا کردہ گزار میں قابل غرضتک
ان کے انتقال کے وقت سے کن کر دی ہے و دوم یہ کہ بھانگن کی اس تقریر و رقم میں کبھی ایک بالکل غیر متعلق شخص خواجہ
عاجی کو حصہ دیا گیا ہے جو سب قاعدگی۔ بے انصافی اور غیر قانونی ہے۔ اس درخواست میں

For the same reason, it is not
in the power of the British
Government to do it.

The British Government
has no power to do it.
The British Government
has no power to do it.

And, therefore, it is

The British Government
is aware that your statement in the first
instance had been made for your
benefit at Calcutta, when the British
Government had no power to do it.
The British Government
has no power to do it.

2 — In referring to the British
Government to do it, it will appear, that
your statement had been made for your
benefit at Calcutta, when the British
Government had no power to do it.
The British Government
has no power to do it.

Your Humble Petitioner, being the son of the Uterine brother of the late H.O.B.K. is legally considered the real successor, under whose protection the family is left. The result of a strict investigation of the public Records at the Presidency will exhibit the Truth - and nothing but truth : whilst the embarrassed award of your Lordship in Council will establish and recognise the real Rights of the Posterity of the family of the late H.O.B.K., according to the Provision fixed by Lord Lake. -

and Your Petitioner as in duty bound, shall ever pray.

Sd/

آپ کا درخواستیہ نسل بیگ خان مرحوم کا بھتیجا ہے اور قانوناً ان کا جائزین وارث ہے۔ اس کی نگرانی میں یہ قانون ریتا ہے۔ پرنسپل ڈپٹی سیکرٹری کے پبلک رجسٹر میں پوری توجہ کے ساتھ کاوش ہے اس معاملہ کی صداقت کوئی حتمی واضح ہو جائے گی۔ ایسی کہ جس میں مراسلہ صداقت ہی ہوگی تب حضور والا کو نسل یقینی طور پر فیصلہ فرمائیں گے اور نسل بیگ خان مرحوم کے وارثوں کے حق کو لاٹری بیگ کی قرار داد کے بموجب برقرار رکھیں گے اور سائل ہمیشہ پابند فرض و عاگوں رہے گا۔

Your Honourable Petitioner, being the son of the
 Uterine Brother of the late N.O.B.K.,
 is legally considered, ~~after~~ ^{as} the real Successor
 under whose protection the Family is
 left. — The Result of a strict in-
 vestigation of the Public Records established
 at the Presidency, will exhibit the
 Truth — Nothing but the Truth. Whilst
 the award of Your Lordship in Council
 will establish & recognize the ^{real} Rights
 of the Posterity of the Family of the late
 N.O.B.K., according to the Provision
 fixed by Lord Lake. —

And Y. Petitioner, as in duty
 bound, shall ever pray —
 Sir

the value of validity as abstractedly, by any inherent matter of consecutive application give to it the slightest pretension to legitimacy - There seem to be 2 points therefore to be considered, calculated to lead to a true conclusion : 1st Either that the sunned, the Seal and Signature are all forged, or 2nd that the late Nizam A.D.K., after having caused this Sunned to be drawn up and written in his Private Residence, in collusion with the vialah of Lord Lake, through the Agency of Bribes, when the attention of that Nobleman was engaged on other subjects of importance, obtained the signature of Lord Lake to a Deciment, the purport of which was unknown at the moment, among the Mass of Persian Papers daily and hourly brought for signature, and this is a species of Fraud and Forgery of the worst and most dangerous tendency.

9. Your Petitioner prays most earnestly in conclusion that, according to the Original Compact, under the guarantee of Lord Lake, the Peshawar of Peshawar may be desired to remit, annually, 25,000 Rs. to the British Treasury that 15,000 Rs. in default, originally appropriated for the maintenance of a body of 50 Horsemen, may be credited to the account of Government, and 10,000 Rupees annually fixed in Colonel Malcolm's Letter, may be ordered to be paid in future, from the General Treasury at Delhi, for the support, as it was designed, of the late N.O.D.K. family, which, at present, is composed in reality of only 5 free Persons, viz; your Lordship's Petitioner and his younger Brother, and 3 sisters of the late N.O.D.K., who left no issue.

کہ اصل قرار دیا ہوا ہے اور اس کے متعلق دیکھا گیا ہے کہ اس کے ہرگز ہونے کا متعلق ہو سکتا ہے اور اس کے
تیار ہونے پر غور کیا گیا ہے کہ اس کے ہرگز ہونے کا متعلق ہو سکتا ہے اور اس کے
دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اگر وہ اس کے ہرگز ہونے کا متعلق ہو سکتا ہے اور اس کے
طرح سے سازگار ہے کہ اس کے ہرگز ہونے کا متعلق ہو سکتا ہے اور اس کے
اس کا نتیجہ نہیں ہو سکتا ہے کہ اس کے ہرگز ہونے کا متعلق ہو سکتا ہے اور اس کے
نظر میں اس کے ہرگز ہونے کا متعلق ہو سکتا ہے اور اس کے

۱۰۔ سابق جناب خاندان در فراست کہ کہ اس کے ہرگز ہونے کا متعلق ہو سکتا ہے اور اس کے
جائے کہ اس کے ہرگز ہونے کا متعلق ہو سکتا ہے اور اس کے
ہزاروں سالہ جنگی کتاب کے ہرگز ہونے کا متعلق ہو سکتا ہے اور اس کے
اس کا نتیجہ نہیں ہو سکتا ہے کہ اس کے ہرگز ہونے کا متعلق ہو سکتا ہے اور اس کے
اس کا نتیجہ نہیں ہو سکتا ہے کہ اس کے ہرگز ہونے کا متعلق ہو سکتا ہے اور اس کے

the colour of O.G., or, in abstracted, by any
...antipation of convenient application. just it the
highest pretension of legitimacy. - Therefore, this
can be 2 Points, to be considered, calculated to lead
to a true conclusion: 1) Either that the Seal and
the Seal - & the Signature - are all forged; or, 2),
that the Late Nawab, A. B. Khan, after having caused
the Seal and to be drawn up & written in his
Private Residence, in collusion with the ruler
of Lord Lake, this the Agency of Oakes, - then the
attention of that Nobleman was engaged on the
subject of his portraiture, - obtained the Signature
of Lord Lake to a Document, the purport of
which was unknown to that Nobleman at the
moment, among the bulk of Persian Papers
daily & hourly, brought for Signature. - And
this is a species of Fraud & Forgery of the worst
& most dangerous tendency in evidence.

9 - That your Petitioner's most earnestly
that, according to the Original Imperial Compact,
under the Guarantee of Lord Lake, the Supremacy
of the Emperor may be desired to visit, an amount
of 2,50,000 Rs. to the British Treasury that would
in default, originally appropriated for the
maintenance of a Body of 50,000 men, may
be credited to the account of Government;
& 10,000 Rupees annually paid in Cash.
And Lord Lake, may be ordered to be paid
in full, from the General Treasury at Delhi, for the
support, as it was designed, of the Late A. B. Khan
Family, which, at present, is composed, in
reality, of only 5 poor Persons, viz. 5 poor
Lords of the Late A. B. Khan, his younger Brother, and 3
daughters of the Late A. B. Khan, who left no offspring.

for another a copy of the demand can be traced
is in the Office of the Resident at Delhi, or
in the Political Department of Government at this Resi-
dency - nor the any correspondence with Lord
Lalor & the Govt, relative to the Provision of
5000 Rs. for the Family of the late Rajah
Sardar Singh Khan, or of its confirmation by the
British Govt, forthcoming on the record of the
Public Office. - On these very important
grounds, alone, the document objected to, must
appear in a very questionable light -

4 - In this fabricated demand, as mentioned
is made of the sum - whether the sum of
from which 5000 Rs. annually was to be paid
to the Family of the late A. S. K. - as can be
be known, from the fragment of the document,
on what particular account, Lord Dalhousie
pleased to make the Grant. - It is an act
of observation, as it is true, that, previous to
the date when this document bears, the
County of the ... was granted, in Sagar,
& the late Resident at Rajah Khan: The
Grant of this Territory, in western D. of
Sagar, was beyond doubt, secured: It
therefore, seems unnecessary to enter into
the or good-faith, Lord Dalhousie should
have interfered to subsequently, by pointing
on the Rajah's ... Provision of 5000 Rs.
for the Family of the late A. S. K. & ...
the real state of the case will appear in
the 8th Part of the document -

5 - In the letter of (then) Col. Hillier
... 1856, on this case, a Provision of 20000
... is made for the Family of the
late A. S. K. it is without any reference
the name of Khajur Singh, or his children
... is ... to ...
... is ...

submitted to my perusal, and informed him that the Governor General in Council desired to see it, in consequence of a Memorial from the said Larn Asud Oollah Khan in which the letter in question is asserted to be Larn. The Nawab had just sent Larn required written in Persian and -- the great seal and signature of -- and in submitting it herewith -- that Government will, on inspecting it be as fully convinced of its genuineness as I was when in May -- I reported on Asud Oollah Khans claim and will not suffer the false assertion of that person who has given so much trouble to the Government to you and to -- so much offence to the -- to pass unpunished.

Asud Oollah
Khan's assertion
that the
said letter is
a forgery
utterly false
and deserving
of punish-
ment.

I have etc.,

Signed/ J.

Delhy Resy.

Oct. 8th 1830

پیش کیا تھا اور مطلع کیا کہ گورنر جنرل کو کونسل اس کو دیکھنے کے فراہم کیا ہے۔ ہر پنا کے ایک عرضداشت جو اسد اللہ خاں کی طرف سے ہے اور جس میں متعلقہ خط --- ہونا بیان کیا گیا ہے۔ نواب صاحب موصوف نے ابھی ابھی وہ مطلوبہ --- مراسلہ بھیجا ہے جو فارسی میں لکھا ہوا ہے اس پر ٹھہرا لیا اور دستخط بھیجیں ہیں۔ اس کو ساتھ ہی پیش کرتے ہوئے یقین ہے کہ حکومت اس کا مذاکرہ کرنے پر اس کے اصل ہونے میں اس قدر مہذب یقین کرے گی جتنا میں نے کیا تھا۔ صوبہ کہ میں نے اس میں ہر لپٹ دی تھی۔ اسد اللہ خاں کے دعوے کے متعلق اور اس کے مہوٹے بیان پر حکومت اس شخص کے قریب میں آئے گی۔ جس نے سرکار کو اتنا پریشان کیا اور آپ کو بھی اتنی کوفت دی اس کو قریب مزا کے چٹنے دیا۔

اسد اللہ خاں کا بیان کہ
ذکورہ مراسلہ جعلی ہے
بالکل جھوٹا ہے اور
مستوجب سزا ہے۔

دہلی ریڈیٹنس
در کتبہ پرنٹنگ

میں ہوں آپ کا
دستخط جی ہوسنٹن

/ Copy /

Geo: Swinton Esquire,
Chief Secy to the Government
Political Department
Fort William

Sir,

Immediately on receipt of your letter dated 20th of last August, viz. on the 13th Ultimo I addressed a letter to Nawab Shamsuddeen Ahmed Khad requesting him to send again to me the letter from Lord Lake to his Father Nawab Ahmed Buksh Khawr, dated 7th June, 1836, fixing the allowances to be paid to the Family of Mirza Nussur Oollah Khan deceased which on a former occasion, how the claim of Asad Oollah Khawr alias Mirza Nowshe was under investigation, he (Lord) Nawab had

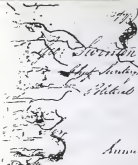
نقل

خدمت جارج سونٹن صاحب چیف سکرٹری گورنمنٹ ہائیکمانڈریٹ

ورث ولیم

جناب عالی

آپ کا مکتوب مورخہ ۲۰ اگست گذشتہ جیسے ہی ملا یعنی ماہ گذشتہ ۱۳ ذی الحج کو میں نے فوراً ہی نواب شمس الدین احمد خاں کے نام ایک خط ارسال کیا اور اس میں ان کو لکھا کہ لارڈ لیک کا خط مورخہ ۷ جون ۱۸۳۶ء جو ان کے والد نواب احمد بخش خاں کے نام ہے اس کو بھر بھیج دیں۔ الاؤنسوں کی تقریری کے بارے میں جو مرزا نصر اللہ بیگ مرحوم کے خاندان کو دیئے جاتے ہیں ان کیونکہ اس خط کی موجودگی اسد اللہ خاں مرزا انوشہ کے دعوے میں زیر تفتیش ہے۔ دو خط ایک سابق موقع پر میرے ملا خط کے لئے نواب مرصوف نے



Mr. Horton, Esq
1111 1/2 Street, to the Government
of India
Bombay

Remitting on receipt of your letter
dated 20th of last August, viz on the 13th
I addressed a letter to Nawab, Khwaja
dow Ahmed Khan requesting him to
send you to me the letter from which
you to his father stated it was
taken from a date of 18th June 1881,
during the allowance he had to the
family of Mirza Asghar Ali Khan
which was a former residence
of the late Mirza Asghar Ali Khan
The former Asghar was under
investigation by the Government
of India

within the line which it is the intention of the Honorable the Governor General to maintain, Malogheer the Jagheer of Behauder Khan as in the District of Goel as you will observe by reference to my dispatch under date the 24th Jany. 1806.

I have etc.,
Sd/ John Malcolm Esq.

Head Quarters
Cawnpore
10th June, 1806

/ A True Copy /

Sd/ G. Swinton
Chief Secy to Govt.

اُس حد کے اندر میں جو گورنر جنرل رکھنا چاہتے ہیں جیسے بہادر عساں کی جاگیر
الو گھیر ضلع کوئل میں ہے جس کو آپ میرے مراسلہ مورخہ ۲۸ جنوری ۱۸۰۶ء
کے لحاظ سے سمجھ جائیں گے۔

میں ہوں آپ کا
دستخط : جان مالکم

نقل مطابق اصل

دستخط : جی. سونٹن
چیف سیکرٹری گورنمنٹ

صدر دفتر
کامپور
۱۰ جون ۱۸۰۶ء

cannot be estimated when it has recovered a little from the late Ravages to which it was exposed at less than a nett revenue of Two Lacks of Rupees per annum, Lord Lake conceives that the Governor General might not have been aware of this great difference on point of value between these possessions and has therefore not mentioned the subject to Nejabat Ally Khan.

Communications have been made in answer to the applications of Murteza Khan and other Chiefs under similar circumstances in favor of their relations informing them in a general way that Government would hereafter take the subject of providing for their support into its consideration and that they might rely that a liberal arrangement would be made.

The Possessions of all these chiefs are (His Lordship believes)

دولاکھ کے سالانہ نگران سے کم نہ ہو گا۔ جب کہ وہ گزشتہ بر بادوں کے اثرات سے قدرے سدھر جائے جو اس کو درپیش ہیں۔ لارڈ لیک کا خیال ہے کہ گورنر جنرل دونوں مقبرہ داروں کی قیمت میں اتنے بڑے فرق سے آگاہ نہیں ہوں گے اور انہوں نے اس وجہ سے نہایت غلطی سے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ درخواستوں کے جواب میں مراسلے مرتضیٰ خاں اور ان جیسے دیگر امراء کو ان کے رشتہ داروں کی موافقت میں بھیج دئے گئے ہیں اور بطریق معمول مطلع کیا ہے کہ حکومت ان کی گذراوتات کی امداد کرنے کے معاملے پر بعد میں غور کرے گی اور یہ کام فریضہ دلی سے کیا جائے گا۔

لارڈ صاحب یقین کرتے ہیں کہ ان سب امراء کے مقبرہ دار

cannot be returned when it has arrived
 & it is from the late Emperor to which
 it was referred at first then a great
 number of Emirs & of Pashas for
 instance, had been convinced that the
 Emperor himself might not have been
 aware of this great difference in point
 of view between these two parties &
 had therefore not mentioned the sub-
 ject to the Great Ally Khan.

Communications have been
 made in Quetta to the effect that of
 our side of the and other Chiefs and
 senior persons have been given of
 their relations informing them in a
 general way that Government would
 interfere to the subject of providing
 for them to plant in the (vacation)
 and that they might rely that a special
 arrangement would be made.

The object of the above
 these Chiefs are the last left behind of
 within

arrival at Fort William to afford the Honorable the Governor General every information in my power that can assist his decision respecting the ultimate disposal of the advanced districts of Rewarree, Mob and Sonah.

The communication of the Governor General's eventual intention has been made to Ahmed Bursah Khan who states that he is most grateful for the favors he has already received and will endeavour to prove himself worthy of any further mark of the confidence of Government.

The Jagger enjoyed by Nijabut Aly Khan in the Company's Dominions is not above Ten Thousand Rupees per Annum and not more than half as in the Dooab the other is in Panripur. The province of Rewarree which is a settled country and not subject to internal disturbance

فورٹ ولیم سینچے پر عزت آب گورنر جنرل کو ہر ممکن اطلاع دینے کے لئے جس سے ریواڑی ٹوب اور سونا کے اضلاع کے متعلق آخری فیصلہ میں مدد مل سکے۔ گورنر جنرل کے امکانی ارادہ سے بہر حال احمد بھٹل خاں کو مطلع کر دیا گیا ہے جس پر وہ عرض رشاں میں اور ان مہربانوں کا از صدا احسان مند اور بہز مند پہلے بھی ہو چکے ہیں اور کوشش کریں گے کہ وہ اپنے آپ کو حکومت کے مزید خلوص و اعتماد کے قابل ثابت کریں۔

نہایت علی خاں کی جاگیر جو کہیں کے قلم رو میں ہے وہ دس ہزار روپے سالانہ سے زیادہ کی نہیں اور نہ اس کے نصف سے زیادہ بود و آب میں ہے اور دیگر جو پانی بہت میں ہے۔ ریواڑی کا صوبہ جو پراسن ہے اور اندرونی جگہوں میں مبتلا نہیں ہے۔

arrived at Fort Belknap to afford
the Honorable the General and
information in my power that and
afford his decision respecting the al-
limate disposal of the same. The
tricks of Penner, Red and Small

The Communication of the former General's statement in relation to the mass at Abasco. He told them who stated that he is much grateful for the favor he has already received and will endeavor to prove himself worthy of any further mark of the confidence of Govt.

The paper in your copy
registered & kept in the Company's
possession is not above five hundred.
Paper per annum and not more
than half as in the case of the other
as in the paper of the Company of the
which is a little more by and not
subject to be taken & disturbed - P.

/ Copy /

To

N.B. Edmonstone Esqr.,
Etc., Etc., Etc.,

Sir,

I have the honor to acknowledge the receipt of your letter of the 16th Ultimo and am directed by the Right Honorable Lord Lake to state that the Sumruhs transmitted in your dispatch of the 18th Ultimo (which has also been received) have been given to Nejabut Aly Khan and Ahmad Buksh who had attended his Lordship to Campore. That to Abdool Sumrud Khan has been delivered to his Vakeel.

I leave Campore in a few days and shall be prepared on my

نقل

بخدمت امین، بی ایڈ منشن صاحب دفرہ

جناب عالی

میں آپ کے مکتوب مورخہ ۱۶ گزشتہ کی وصولیائی کی اطلاع دینے میں اپنی عزت سمجھتا ہوں یہ عرض کرنے کی جگہ ہدایت ہوتی ہے۔ عزت آپ کا ایک سے کہ آپ کا مراسلہ مورخہ ۱۸ گزشتہ موصول ہوا۔ وہ جس کے ساتھ آپ نے اسناد بھی بھیجی ہیں اسناد نہایت اعلیٰ خاں اور احمد بخش خاں کو دے دی گئی ہیں جو لاہور صاحب کی خدمت میں کانپور تک حاضر رہے تھے، اور عبدالصمد خاں کے نام کی مسدودان کے وکیل کو دے دی گئی ہے۔ میں کانپور سے چند ہی روز میں روانہ ہوں گا اور تیار رہوں گا۔

(Copy.)

۲۷

Mr. H. C. Emerson, Esq.,
New York

Sir,

I have the honor to acknowledge the receipt of your letter of the 18th ult. and am directed by the Right Hon. the Secy. to the State to the Hon. the Secretary of the State to inform you that the Hon. the Secretary of the State has also been informed of the same. I have been asked to reply to Mr. Allen and Mr. B. who had written to the Secy. to the State. That the Hon. the Secretary of the State has been directed to the State.

I have been asked to reply to Mr. Allen and Mr. B. who had written to the Secy. to the State. That the Hon. the Secretary of the State has been directed to the State.

according to established usage to include Zemindars in Istimary tenures. The Istimary-dar in such case would stand in the place of the Government and would receive the revenue under the same rules by which Government itself collects it.

10. A report upon the several points above adverted to, will enable Government to pass a decision upon the reference contained in your despatch.

I have etc.,

Sd/ H. B. Edmonstone
Secy to Govt.

Fort William
16th May, 1806

1A True Copy/

Sd/ G. Swinton
Chief Secy to Govt.

گزینداروں کو شامل مکمل ہوتا۔ ان کے حق میں بطریق استمراری ایسی صورت میں استمرار و حکومت کا قائم مقام ہو گا اور مالگزار کی اُن ہی قوانین کے تحت جن کے مطابق حکومت وصول کرتی ہے وصول کرے گا۔

۱۰۔ مذکورہ بالا مستورہ مشورہ طلب امور پر حکومت رپورٹ ملنے پر فیصلہ صادر کر گئی جو آپ نے مراسلہ میں تحریر فرمائے ہیں۔

آپ کا رفیو وغیرہ
دستخط ایس۔ بی۔ ایڈمنسٹریشن
سکریٹری گورنمنٹ عالیہ

فرسٹ وولیم
۱۶ مئی ۱۹۱۰ء

نقل مطابق اصل

دستخط: جن۔ سونٹن چیف سکریٹری گورنمنٹ

according to the bill of exchange. I wish
you understand in Latin very tender. The
Latin version in such case would
stand in the place of the former one
and would receive the same answer under
the same rules by which former
staff collects it.

to interfere upon the
house I fear to advise even to the
unable Government to pass a Resolution
upon the reference contained in your
circular.

T. H. Williams }
 H. J. May 1906

Dear Sir
 J. H. A. Spaulding
 Chas. D. Lee

John C. G.

Love to the
Crazy Dove

to granting the lands composing the Jaggeers of those persons to their descendants under the tenure of Zemindaries if a moderate quit rent to be now fixed, provided there are no Zemindars in the lands of those Jaggeendars, and their lands are situated within the proposed line of our frontier Huzul and Pulaul which have been granted in Istimars to Moorteza Khawr and Mahommed Khawr Affredee respectively appear to be so situated. The situation of Mallaghur granted to Bahadur Khawr is unknown not being laid down in any of our Maps.

8. If there are Zemindars within those Jaggeers the grants might be continued to the descendants of the Jaggeendars as Istimars subject to the payment of the proposed quit rent in the form of service.

9. There is no objection

یعنی اُن کے ورثہ کو زمینوں کے دئے جانے میں جو جاگیروں پر مشتمل ہیں جسٹس زمینداری کے تحت بشرطیکہ ان جاگیرداروں کی آراضیات میں کوئی زمیندار نہ ہو اور ان کی آراضیات ہماری تقریر کی جانے والی مد کے اندر ہوں ہوٹل اور پولو جریطریق استمرار بالتزئیب مرضی فاں اور محمد خاں آفریدی کو عطا کی گئی ہیں۔ وہ بظاہر ایسے ہی واقع ہیں۔ مالاگرا و جو بہادر خاں کو عطا ہوئی اس کی جائے وقوع معلوم نہیں کیوں کہ وہ ہمارے نقشوں میں درج نہیں۔

۸۔ ان جاگیرداروں میں زمیندار ہوں تو جاگیرداروں کے ورثہ حق دار مانے جائیں۔ بطریق استمرار بموجب خدمت بشرط ادا کی گئی مجوزہ معافی گمان۔

۹۔ اس میں کوئی اعتراض نہیں۔

& granting the lands enjoining the
 payment of these persons to their de-
 scendants under the tenure of faraman
 etc, making it quite plain that the same
 paid, provided there are no persons now
 in the lands of these jaggers, & the
 their lands are situated within the
 proposed line of our frontier. Bouda
 and Bulbul which have been granted
 in return to Murtaza Khan and
 Mohammed Khan Affander, respectively
 they appear to be so situated. The
 situation of Malloghar grants to
 Rahmat Khan is unknown, with
 being laid down in any of our Maps.
 If there are persons
 within these jaggers the grant, right
 the contained to the descendants of the
 jaggers as I think subject
 to the payment of the English quit
 rent in the form of revenue.
 There is no objection
 (according)

ground for passing a Judgement upon the case. It would be sufficient therefore for you to appraise Ahmed Bux Khan that the Governor General in Council is disposed to accede to his wishes provided it should appear to be consistent with general arrangements which are now under the consideration of Government and that after your arrival at the Presidency the question will be finally decided.

7. With respect to the applications of Moortaza Khan, Behaudur Khan and Mohammad Khan Affreeder, I am directed to state that the Governor General in Council concurs in the expediency of the general principle of giving to the families of the different Jagheerdars a permanent interest in the soil and with reference to that principle is not aware of any objection.

وجہدات کی بنا پر وہ اس بارے میں کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں لہذا یہ کافی ہو گا کہ آپ احمد بخش خاں سے اتنا کہہ دیں کہ گورنر جنرل، بہ کونسل ان کی درخواست منظور کرنے پر آمادہ ہیں۔ بشرطیکہ زیر غور تمام استقامات کے لحاظ سے بھی مناسب ہو۔ نیز یہ کہ اس کا قطعی فیصلہ آپ کی پریذیڈنسی میں تشریف آوری پر ہو گا۔

۷۔ ہر تعلق خاں، مہار خاں اور محمد خاں آفریدی کی درخواستوں کے بارے میں سمجھ کر یہ کہنے کی ہدایت ہوئی ہے کہ گورنر جنرل بہ کونسل اس عام اصول کے متعلق ہیں کہ مختلف جاگیرداروں کے خاندانوں کی زمینوں میں مستقل دلچسپی ہو اور اس اصول کے متعلق ان کو کسی اعتراض کا علم نہیں۔

granted for passing a judgment upon
the case. It would be sufficient then
for you to express a doubt that
the Governor General and
Council is disposed to insist to his
wishes provided it should appear to
be connected in the general arrange-
ments which are now under the con-
sideration of Government and that
after your arrival at the Presidency
the question will be finally decided.
With regard to the
applications of Boodha, Khan
Rahman, Khan and Rahim
Khan (Hindus), I am directed to
state that the Governor General and
Council concurs in the expediency
of the general principle of giving
to the families of the deceased
a permanent interest in the
land and with reference to the
principle is not aware of any objection.

ultimately with regard to the disposal of the advanced Districts of Rawari Sunah and Nob. The Governor General in Council is however at present of opinion that it would be advisable to exclude those advanced Districts from the British Dominions and if that arrangement should be ultimately determined, it occurs to the Governor General in Council that Rawari might be granted to Nijabut Alli Khan in exchange for his Jaggeer in the Ovaub and that there would be no objection to granting Sunah and Nob to Ahmed Buksh Khan on the terms proposed.

6. The Governor General in Council observes that the decision of the question may without inconvenience be suspended until your arrival at the Presidency when a personal communication with you may afford the Governor General in Council additional

آفریں ترقی یافتہ اضلاع ریواڑی۔ سونا اور نوب کی پیش کش کے بارے میں تاہم گورنر جنرل کو کونسل کی رائے میں فی الحال یہ مناسب ہو گا کہ یہ اضلاع برطانوی قلمرو سے الگ رکھے جائیں۔ بالآخر جب وہی فیصلہ قرار پائے جو گورنر جنرل بہ کونسل کا رجحان ہے کہ ریواڑی پنجاب علی نماں کو دو آب کی جاگیر کے بدلے میں دیا جائے اور سونا اور نوب احمد بخش خاں کو دئے جائیں تو کوئی مجوزہ شرائط کے ساتھ اعتراض نہ ہو گا۔

۷۔ گورنر جنرل بہ کونسل کا اس معاملہ میں خیال ہے کہ اس سوال کا تصفیہ ملتوی رکھنے میں کوئی ہرج نہیں۔ جب تک آپ کی خود تشریف آوری پریذیڈنسی میں ہو اور تب آپ سے بالمشاورت گفتگو کے بعد مزید

ultimately with regard to the disposal
of the advanced District of Pomeri
Sack & Rob. The General General in
Council at present of opinion
that it would be advisable to cede
these advanced Districts from the British
Possessions and if that arrangement
then to be ultimately decided, it
seems to the General General in
Council that Pomeri might be granted
to a British ally then in exchange
for his Pajee in the Desert, and
that there would be no objection to giving
Sack and Rob to the British ally
on the terms proposed. -

6 The General General in
Council observes that the decision of
the question may without inconvenience
be suspended until your arrival at
the Presidency when a personal com-
munication with you may afford the
General General in Council assistance &
guidance

of rendering the Jaidad of Jahnzeel Khan and Pyy Muhammad Khawr dependant on their continuing to yield obedience to Nejobut Alli Khawr.

4. The Governor General in Council also entirely approved the grant to Ahmed Buhsh Khan of the lands assigned to him on the same tenure as those held by Nejobut Alli Khan and Abdoul Sumud Khan and considers the relinquishment of the Annual Sum of 15,000 Rs. hitherto payable by Ahmed Buhsh Khawr to be amply compensated by the Political advantages of the present proposed arrangement a Sumud / or Perwannah in favor of Ahmed Buhsh Khan will accordingly be prepared and transmitted to you in conformity to the draft enclosed in your dispatch.

5. The Governor General in Council is not prepared to decide

کہ اسمبلی خاں اور فیض محمد خاں کی مہانداد پر قرار رہنے دی جائے۔ جب تک وہ خواہت ملیخان کی فرماں برداری کرتے رہیں۔

۴۔ گورنر جنرل پکوسل کو کہتے ہیں کہ وہ آراضی احمد بخش کو دی جائے جو ان کے نام کی گئی ہے۔ اس اختیار اور قبضہ کے ساتھ جیسے کہ خواہت ملی خاں اور عبدالعزیز خاں کے پاس تھے، اور پندرہ ہزار روپے سالانہ کی معافی جس کی ادائیگی اب تک احمد بخش خاں کے ذمے تھی۔ اس کا غلط خواہ مواضع سمجھتے ہیں۔ سیاسی مفاد کے مد نظر جیسا کہ مجوزہ انتظام سے ظاہر ہے اور ایک سند یا پرواز تیار کر کے بالکل اس مسودہ کے مطابق جو آپ کے مراسلہ کے ساتھ تھا آپ کو بھیجا جائے گا۔

۵۔ گورنر جنرل پکوسل کو فیصلہ کرنے پر آمادہ نہیں۔

of denouncing the friends of Ahmad Khan and Fajr. Ahmad Khan is represented in this connection as gold discovered by a Tajik in the Khaman.

4. The General Council in Council also entirely approved the grant of Ahmad Bakht Khan of the lands assigned to him on the same terms as those held by a Tajik in the Khaman and Ahmad Khan and Ahmad Khan and Ahmad Khan. The Council also approved the annual sum of 15,000 Rs. to be paid by Ahmad Bakht Khan to be amply compensated by the better advantages of the present proposed arrangement. Ahmad Bakht Khan will accordingly be prepared to sign the draft enclosed in your despatch.

5. The General Council in Council is not prepared to receive the draft.

/ copy /

Lieut. Colonel Malcolm,
Etc., Etc., Etc.,

Sir,

I am directed to acknowledge the receipt of your dispatch No. 192 dated the 4th Instant.

2. The drafts of Sunnuds in favor of Nejabut Alli Khaw Abdoul Sumud Khan transmitted in your dispatch, are entirely approved and Sunnuds (Perwanahs) prepared in conformity to those drafts sealed with the Governor General in Council will be transmitted to you without delay.

3. The Governor General in Council approved the arrangement.

نقل

بخدمت خلیفہ کربلہ علیکم السلام وغیرہ

مجھے چاہیے کہ آپ کے مراسلہ نمبر 192 مورخہ 4 مارچ 1920ء کی وصولیائی کی اطلاع

دوں۔

۲۔ مسودات استناد بنام نہایت مل خاں و عبدالصمد خاں جو آپ کے مراسلہ کے ساتھ بھیجے گئے ہیں، مکملتہ منظور ہیں اور استناد ہلے کے پروانجات ان ہی مسودات کے مطابق تیار کی ہوئی گورنر جنرل ہر کونسل کے ہدف خط اور کھراپ کو نیز تائید بھیجے جائیں گے۔

۳۔ گورنر جنرل ہر کونسل نے اس انتظام کو منظور فرمایا۔

(27)

Dear General, The enclosed

Yr. Yr. Yr.

Sir,

I am directed to acknowledge
the receipt of your despatch No 192 of the 1st
the 1st of January.

The drafts of (sums) in
-pence of 100,000 to the 1st of January 1860
summed 100,000 have been received in your dis-
patch, are entirely approved & approved
for payment of 100,000 prepared in conformity
to these drafts and with the general
in general and signed by the
General General in Council with the
signature of the General in Council with the
signature of the General in Council with the
signature of the General in Council with the

Yr.

to September 1805). From that time the British Government will have no concern whatever with those Mahauls which will always remain in your possession and that of your descendants as those lands require the exercise of arbitrary power, no complaints will be received from the Inhabitants of them.

Entertaining a proper sense of gratitude for this distinguish favor, you will continue to manifest attachment to the British Government and your exertions to promote its interest.

In this consists your own advantages and welfare.

Dated 4th May 1806 answering to 14th of Saffer 1221 Hijree.

A true translation

Sd/ J. Munckton

Depy Persian Secy to Govt.

/ True Copies/

G. Swinton

Chief Secy to Govt.

ستمبر ۱۸۰۵ء اس وقت سے گورنمنٹ برطانیہ کو ان ممالکات سے کوئی سروکار نہ ہوگا جو
جملہ ضروری اختیارات کے ساتھ آپ اور آپ کے وارثوں کے قبضہ میں رہیں گے اور
وہاں کے رہنے والوں کی کوئی شکایت نہیں سُنی جائے گی۔ اس خصوصی سلوک پر
آپ بجا طور پر اطمینان ہی کا احساس رکھتے ہوئے اُمید کی جاتی ہے کہ آپ کی طرف سے گورنمنٹ
برطانیہ کے ساتھ وابستگی کا اظہار ہوتا رہے گا، اور آپ کی جدوجہد اس کے مفاد کو ترقی دینے
میں جاری رہے گی۔ اس میں آپ کا فائدہ و بھلائی ہے۔

مورخہ سرمنی مستندہ مطابق ۱۴ صفر ۱۲۲۱ھ

دستخط: جے میکناٹن

صمیم ترجمہ

ڈپٹی سکرٹری سرکار عالیہ (فارسی)

نقل مطابق اصل

دستخط: جیمز منٹون چیف سکرٹری سرکار عالیہ

6 September 1865. From that time
the British Government will have no
concern whatever with these matters,
which will always remain in your
possession and that of your descendants
as these laws require the exercise
of arbitrary power, no complaints will
be received from the British part of them.

Accepting a people's
sense of gratitude for this distinguished
favor, you will continue to manifest
attachment to the British Government
and your exertions to promote its
interests.

I thus commit your own
advantages and welfare.

Believe me, Sir, to be
6th of Sept 1865

Attestation

of J. Proctor

True Copy

For Signature
C. J. Proctor

on occasions of exegency, to the aid of the British Government a party of 50 Troopers and that you always remain steadfast in your attachment and good will to the British Government.

The British Government having become acquainted with your character and disposition, and with the merit of your services and attachment to its interests, from the communications of the Right Honorable the Commander in Chief has now been pleased to record those services by confirming to you and your Heirs in perpetuity from generation to generation the whole of the Mehals above mentioned, including both land Revenue and the Saer Duties with the deductions, and under the conditions however above specified from the beginning of the Fuzlee Rubbee of 1213 Fuzlee (answering

گورنمنٹ برطانیہ کی مدد کے لئے پچاس سواروں کا سالہ دینا ہو گا اور آپ پیشہ گورنمنٹ برطانیہ سے وابستگی میں مستعد اور اس کے غیر خواہ رہیں گے۔

نائب کانڈرمان چیف کے مراسلوں سے سرکار برطانیہ کو آپ کے صفات اور خصائل معلوم ہوئے۔ آپ کی مخصوص خدمات اور اس کے مفاد سے آپ کی وابستگی کا علم ہوا۔ لہذا ان خدمات کے صلے میں آپ کے اور آپ کے وارثوں کے نام ہمیشہ کے لئے نسل در نسل تمام مذکورہ بالا محالات مع آمدنی نگاہ آراضیات و مسائرہ تنقیضات کے مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ منطور کی جاتی ہیں۔

مشروع ربيع مستلزم مطابق

on occasions of emergency, with aid
of the British Government a party
of 50 Troopers and that you always
remain steadfast in your attitude
and good will to the British Govt.

The British Government
having become acquainted with your
character and disposition, and with
the merit of your services & devotion
to its interests, from the Communi-
cation of the Right Honorable the
Secretary of State for India
& the Government of India
has decided to award to you a
gold medal for your services
in perpetrating your devotion to
the service the whole of the British
Army mentioned, including with
the British Government and the
British Army and the British
Government, and as the
British Government has
from the beginning of the British
Army of 1915 (the British Army)

your service and attachment to the British interests the Right Honorable Lord Lake (Commander in Chief conferred on you Istemrausee (Perwarrah) grant of the Mehals of Ferozepore Theerkeh and the Tuppah Saugris, Betahna Nujhwa and Nujheena including the customs as well as land Revenue, of them (excepting such gardens and Legma Jagheer Pamarthee and other rent free lands, as have been long disposed of, and other fixed and established daily allowances etc.) on condition that you require no aid from the British Government, and that you settle the affairs of the Mehals with your own troops, and that you be charged with the expense of providing for the maintenance and support of Khawja Hujee and other dependents of the late Mirza Nussur Oolla Beg Khan, and provided also that you furnish

اور برطانوی مفاد سے وابستگی دیکھتے ہوئے عزت مآب لارڈ لیکک کا انڈراکشیف پرنسپل احمدی برائے محالات فیروز پور جیکر، ساگرس، بیٹن، بجنور اور گنیز مہمصولات و لگان آراضیات سوائے ایسے باغات اور مردوئی جاگیروں اور معافی کی زمینوں کے جن کا فیصلہ بہت پہلے ہو چکا ہے اور دیگر مقروضہ دستوروں کے مطابق یو سیہ الاؤنس (مجتہ) وغیرہ کے اس سلسلہ پر آپ گورنمنٹ برطانیہ سے کوئی مدد مانگیں گے اور اپنے محالات کے سارے معاملات اپنے سپاہیوں کے ذریعہ پکا آئیں گے اور غلام حاجی و نصر اللہ بیگ خساں مرحوم کے خاندان کی گذر بسر کے اخراجات کے ذمہ دار ہوں گے۔

نیز وقت ضرورت

your services and attachment to the
British interests the Royal Household
has the pleasure to inform you of
your appointment as Commissioner of the
Tribute of Turkestan, Tibet
and the Saffed, Angora, Beluchistan,
Kashgar and Yarkand, including the
districts as well as land revenue
of them (excepting such gardens and
agars) together with the other
land taxes, as heretofore
collected, and also the fixed tribute
tax, advanced to you on condition that
you require no aid from the British
Government, and that you shall be
agent of the tribute to be paid by you
and your troops, and that (and to be charged
on the surplus of proceeds) for
the maintenance and support of the
British and other expenses of the
British Empire as the British
and British also that you furnished

within the companions Dominions.

His Lordship merely promised to mention their wish but he directs me to state his opinion that it would be politic to make some arrangement by which the families of the different Jagheerdars should have a permanent Interest in the soil of as such would not only lead to the improvement of the country but reconcile and attach them to the British Government.

Head Quarters
Campore 4th
May 1806

I have etc.,
Sd/ John Malcolm
Lieutt. Col.

Enclosure in a despatch (No. 192) from
Colonel Malcolm dated 4th and Received 13th
May 1806.

Translation of a Draft of a Perwannah in
favour of Ahmed Buksh Khan Bahauder.
Adverting to the Merit of

کپتانی کے کلمہ دروپ لازم ہیں۔

لارڈ صاحب نے ان سے بعض یہ وعدہ کیا ہے کہ ان کی خواہشات کا ذکر کریں گے، اور انکی
یہ رائے کاغذ دینے کی ہدایت فرمائی ہے کہ سیاسی حیثیت سے یہ مناسب ہوگا کہ متعلقہ گائیکوں
کے وراثہ کے لئے کوئی ایسا بندوبست کروایا جائے جس کے مد نظر وہ اپنی زمینوں کی
کاشت و نگہداشت میں مستقل دل چسپی لینے لگیں جس سے دھرم علاقے کی ترقی ہوگی
بلکہ وہ سرکار برطانیہ کے ساتھ دوستی اور ملاہستگی رکھیں گے۔

مصدقہ سرمنشی مستند

صدر دفتر کپتانی

دستخط جان مالکم ایفٹن کرنل

کرنل مالکم کا مراسلہ ۱۹۲۰ء صدھ ۱۲۸۱ء اور موصولہ سرمنشی مستند و منسلک

کاغذ پر وادہ کتب احمد بخش خاں کے مصدقہ کا ترجمہ آپ کی خبرات کی خصوصیات۔

as he possesses great activity and intelligence had much influence in the country and (His Lordship is satisfied) most sincerely attached to the British Government.

The Right Honorable Lord Lake directs me to state that he had received applications from Murtiza Khan, Bahadur Khan and Mahomed Khan Affander expressive of their anxiety that some arrangement should be made to secure some provision (however comparatively small) for their discordant. This they represent may be done by either giving their Heirs a small Jageer as has been granted to the sons of Bombay Surkhes (which may be taken from the lands they now hold) or in securing them the reversion of the whole grant on paying Government a fair Revenue, that it is to say giving them a Zamindari right in the said subject to the same rules and regulations as other possession.

کیوں کہ وہ ہوشیار اور ذہین ہونے کے ساتھ علاقہ میں بہت بالا زمین اور لارڈ لیک صاحب کو ان کی گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ خالصانہ وابستگی پر پورا بھروسہ ہے۔
عزت آپ لارڈ لیک صاحب نے مجھے ہدایت فرمائی ہے کہ انہیں رضائی خاں بہادر خاں اور محمد خاں آفریدی سے درخواستیں موصول ہوئی ہیں جن سے ان کی تشریف کا اظہار ہوتا ہے کہ ان کے ورثہ کے لئے گزارہ کے وسیلہ کا کچھ انتظام ضرور ہونا چاہئے۔
خواہ مقابلہ تمھوڑا ہی ہو یا اس لئے وہ کہتے ہیں کہ ان کے وارثوں کے نام چھوٹی سی جاگیر کر دی جائے جیسے بھوانی مشکر کے نام منظور کی گئی ہے۔ اس کے لئے ان کے پاس جو زمینیں ہیں ان میں سے حاصل کر لی جائے یا یوں طے کر دیا جائے کہ ان کی آراغیات گورنمنٹ کو مناسب لگان ادا کرنے پر ان کے حق میں منتقل کر دی جائیں یعنی ان کو حقوق زمینداری ان قاعدوں اور ضابطوں کے مطابق دئے جائیں جیسے

of his paper for great industry and ability.
 you see has made an influence in the County
 and as, his knowledge is so great, it is not
 surprising, a student of the British School.

The Right Hon^{ble} the Sec^y
 has written me to state that he has received
 several applications from Mr. Taylor, Mr.
 Robinson, Mr. and Mr. (the
 Officers, captains of the militia, that
 some arrangement should be made to
 have a school, (however small) in
 the town to be built, for their children.
 This they represent to me to be a very good
 thing, that there is a small school as has
 been granted to the Lord of the Manor,
 but they wish to pay for the school from
 the land they own, but we are securing the
 possession of the school, grant on
 payment of a small sum of money.
 That is to say, giving them a Government
 school in the school subject to the Lord
 and regulations as to the school.

now rented to Tai Sing Choudrees of Rawarree for the Term of three years at an increasing Jummah.

His Lordship is not aware of the manner in which the Governor General in Council means ultimately to dispose of these Provinces and has therefore given Ahmed Buxh Khan no reason to conclude his request will be complied with. His Lordship however directs me to state that if any ultimate arrangement should be made respecting these Provinces by which it should be desired to convert them into either a source of advantage or of strength to the British Government without making them immediately subject to our own administration that he knows no native Chief with whom an arrangement could be made with such a confident expectation of its answering every end as with Ahmed Buxh Khan.

وہ اس وقت دیوالی کے تیج سنگم چودھری کو تین سال کے لئے زیادہ مشرع لگان پر دے ہوئے ہیں۔ لارڈ صاحب نہیں جانتے کہ گورنر جنرل بہ کونسل بالآخر ان صوبوں کا کس طور پر بندوبست کرنا چاہیں گے۔ چنانچہ انہوں نے احمد بخش خاں کو کسی طرح بھی یہ نتیجہ افذ کرنے کا موقع نہیں دیا ہے کہ ان کی درخواست منظور ہو جائیگی۔ اہم لارڈ صاحب نے مجھے یہ کہنے کی ہدایت فرمائی ہے کہ صوبوں کا بندوبست انی مفعلیا گورنمنٹ برطانیہ کی تعویذ کا لہذا رکھتے ہوئے فی الفور خود دینا چاہیں تو ان کے علم میں مقامی رفاہ میں سے کوئی ایسا نہیں جو سکھوتہ کرنے کے لئے اس قدر قابل اعتماد اور ہر لحاظ سے قابل اطمینان ہو جیسے احمد بخش خاں ہیں۔

now sent to Sir, Sir Chambers of
Barrington for the term of three years, at
an increasing sum.

The last of is not
in any of the manner in which the
former four is in Council and all things
to depend of these Powers and the
this for given about the last of them
no reason to be chosen to be sent into
to comply with the last of them
which is not to be of any other
arrangement than to be made respecting
these Powers by which it should be
allowed to be sent into the same
same of advantage or of strength to
the British Government in the last of
them is not only subject to be sent
administration that it knows no
other of it with some arrangement
point could be made with such a
Confident expectation of it and many
more and is with the last of them
: 25

amount he pays to Government combined with a consideration of his Services led his Lordship to make him an offer (if he would give up all claim to aid and promise to maintain the peace of his own possession and to furnish 50 horse if required) to grant them exempt from any payment whatever and to give him the lands he holds upon the same tenure as those held by Nijabut Ally Khan and Summed Khan. To this he most readily assented and I enclose by desire of Lord Lake a draft of Surrender for him drawn out in the same manner as those granted to the two Chiefs above mentioned.

I am directed by the Right Honourable Lord Lake to enclose copy and translation of a representation which he has received from Ahmed Buzak Khan - The districts of Sarah and Hob which he is desirous to hold are

ترمہ گرہنٹ کو ادا کرتے ہیں اور ساتھ ہی ان کی خدمات کا لحاظ رکھتے ہوئے لائٹھ صاحب کو آمادہ کیا کہ وہ آراضیات جن پر وہ قابض ہیں ان کو اسی لگان پر دے دی جائیں جتنا کہ نہایت مل خاں اور صدر خاں کے لئے رکھا گیا تھا۔ بشمولیکہ وہ مدد طلب کرنے کے حق سے بالکل دست بردار ہوں، اور اپنے مقبوضات میں امن و امان رکھنے کا وعدہ کریں اور بروقت ضرورت پچاس سوار مہیا کریں۔ اس کو انہوں نے نہایت مستعدی سے ان لایا میں لائڈلیک کی خواہش کے مطابق امداد بخش خاں کے لئے ایک مسند کا مسودہ ارسال کر رہا ہوں جو اس طور پر تیار کیا گیا ہے جس طرح ان دونوں رئیسوں کے لئے منظور کیا گیا تھا۔

مجھ کو عزت آپ لارڈلیک نے اس عرضداشت کی نقل اور ترجمہ بھیجنے کی ہدایت فرمائی ہے جہاں انہیں امداد بخش خاں سے موصول ہوئی ہے کہ وہ جن اضلاع سونا اور نوب پر قبضہ رکھنے کے خواہشمند ہیں۔

amount he pays to Government he is kind
with a consideration of his services to
the State to make him an offer if
he will to give up all claim to it and
permit me to maintain the peace of his
own subjects and to furnish so-
ever if required to grant them except
from any payment whatever and to give
him the same to be his own the same
times as those to be by the State of the
State and to be the same to the State
most ready to be and to be the
desire of the State to be a gift of the
State for him drawn out in the
same manner as those granted to the
the Chiefs above mentioned.

I am directed by the Viceroy
Khan to be to be a copy and
translation of a representation which
to be received from the Khan to be
about the District of Sindh and
that which he is desirous to be the

name

of Ahmed Buksh Khan the districts of Sorh and Sansah which had been given to that Chief were resumed but His Lordship deemed it necessary to provide in some manner for his Brother and family and this became more urgent from the necessity of disbanding the caps of Irregular Cavalry in which most of them were employed and in which there were also one or two Officers who had come over from the Enemy on a promise of favor and protection. To effect these objects in a manner the least objectionable his Lordship thought the best mode was to allow Ahmed Buksh Khan a deduction for their support and with this view he fixed his payment at fifteen thousand Rupees per annum.

The situation of the districts held by Ahmed Buksh Khan their turbulent state and the smallness of the

امیر بخش خاں کو سونک اور سونسا کے جو علاقے دیئے ہوئے تھے واپس لے لئے گئے لیکن لاڈ لیک نے یہ ضروری خیالی کیا کہ ان کے بھائی اور دیگر متعلقین کی پرورش کا بندوبست کیا جائے اور یہ یوں بھی ضروری ہوا کہ بے ضابطہ سواروں کا رسا رکھی توڑ دیا تھا جس میں ان کے خاندان کے اکثر لوگ ملازم تھے اور ان میں ایک بادشاہ فرس بھی تھے جو فرائض اور حفاظت کے وعدوں پر دشمن کو چھوڑ کر اور مراٹھے تھے۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے یہ طریقہ بہتر سمجھا جس پر کسی اعتراض کی بہت کم گنجائش ہو سکتی تھی کہ امیر بخش صاحب کی واجب الادا مالگڈاری میں کمی کر دی جائے تاکہ اس سے وہ ان کی پرورش کریں اور اس نظر سے اس کے فتنے مالگڈاری کی مانگی پندرہ ہزار سالانہ مقدار کر دی۔

امیر بخش خاں کے پاس جو اضلاع ہیں ان کی جائے وقوع شر یہ سرری اور تھلی

as before. But when the District
of Lucknow was taken, which has been
given to that Chief, was removed. But
the Lucknow District was given to
him, in some manner for his Raza
and family and this became more known
from the receipt of the District. The
Chief of Lucknow, the District, in which
most of them were employed and in
which there were a few more or two Officers
who had come from the Government
promises of fear and protection. In
effect these objects were required. The
best objection to the Lucknow District
the best was to allow Alim
Raza Khan a reservation for their
support and with this view he paid
his payment at fifteen thousand Rupees
for an amount.

The situation of the District
held by Alim Raza Khan was
which was the result of the
amount.

on their continuing to yield obedience to that Chief. The former (Ismael Khan) has no doubt a distinct personal claim on the generosity of the British Government but that is perfectly satisfied by the grant of a Jageer which he holds independent of the Nabab and his holding the Jaidad originally assigned upon any terms but those of obedience to the head of his family might hereafter introduce divisions and weakness which would be injurious to the object of the whole arrangement.

At the period when Ahmed Buksh Khan gave up Rhatuck and Hussianah the Right Honourable Lord Lake promised to give him the districts he held in Mawat in Jattimar for the term of his life for a payment of Twenty five thousand Rupees per annum. Soon after this on the sudden death of Nussurvullah Beg a near relation

کہ وہ رئیس کی قراں برداری سنبالاتے رہیں گے۔ اول الذکر (اسمعیل خان) بیک وقت ذاتی طور پر حکومت برطانیہ کے قرائح دلائے سلوک کے مستحق ہیں لیکن جاگیر کی منظوری سے جس پر قراں کی کسی بدخلت کے بغیر راجہ راست اپنا قبضہ رکھتے ہیں۔ ہاتھ دلوں پیمانہ کو قبضہ بغیر شرط کے دیا گیا ہے سوائے اس کے کہ وہ اپنے خاندان کے سربراہ کی قراں برداری کریں اس سے بعد میں ایسے اختلافات اور خامیاں پیدا ہو سکتی ہیں جو سارے اختلاف کے لئے نقصان دہ ہوں گی۔

جس وقت احمد بخش خان نے رجنک اور ہریانہ چھوڑ دیا تو عالی جناب لارڈ لیک نے وہ علاقہ جو میوات میں ان کے پاس تھا استمراری طور پر ان کو بھیجیں ہزار روپے سالانہ مال گزارہ پر تاحیات دینے کا وعدہ کیا اس کے بعد جلد ہی نصر اللہ خان کا اچانک انتقال ہو جانے پر ان کے بیٹے نے رجنک و ہریانہ وار

and then on turning to give obedience to that Chief the former, I said then he would a distinct personal claim on the generosity of the Ruler of Jinnah but that is perfectly satisfied by the grant of a jagir which he holds in the possession of the Ruler and he holds the land originally assigned upon his terms but those of obedience to the head of his family might be a source of distinction and greatness which would be superior to the object of the whole arrangement.

At the period when I had asked the Ruler of Peshawar and he said the Ruler of Peshawar had promised to give him the district he held in Peshawar in Peshawar for the term of his life as a payment for his services. He said that he was a man of Peshawar. After this in the absence of the Ruler of Peshawar by a near relation

/ Copies /

No. 192

To,

N.B. Edmonstone, Esqr.,
Etc., Etc., Etc.,

Sir,

I have the honor to acknowledge the receipt of your dispatch under date the 12th Ultimo.

I have the honor to enclose drafts of *Sunnuds* for Nejabut Ally Khan and Abdul Samound Khan. These are drawn out (as far as I can judge) in conformity to the intentions of the Honorable the Governor General and will I trust be honored with his application. In the *Sunnud* of Nejabut Ally Khan the *Jadedad* of Ismael Khan and Fyze Mahomed Khan are made dependent

نقول منشا

خدمت جناب

ایم بی ایڈمانسٹن صاحب وغیرہ وغیرہ

جناب عالی

آپ کے مراسلہ مورخہ ۱۲ مارچ گذشتہ وصول ہونے کی اطلاع دینا میرے لئے باعث عزت ہے۔

نجات علی خاں اور عبدالقصد خاں کی اسناد کے مستندات مشکوک کرنا میرے لئے باعث عزت ہے۔ جہاں تک میں اندازہ کر سکا ہوں۔ یہ گورنر جنرل کی منشاء کے مطابق تیار کئے گئے ہیں اور یقین ہے کہ ان کی درخواست کے ساتھ منظور فرمائے جائیں گے۔ نجات علی خاں کی سند پر اسمعیل خاں اور فیاض محمد خاں کی جائیدادوں کا انحصار ہے۔

the previous arrangement sanctioned by the Governor General in Council, and is it binding on Government? I should imagine, not, and whether it be genuine or fabricated, the family of Mussur Dulla Khan, appears to be entitled to the larger allowance.

All the papers referred to in this Note, accompany for reference.

Signed / G. Swinton
(Chief Secy to the Govt.)

19th August 1830.

/ True Copy /

(G. Swinton)
(Chief Secy to the Govt.)

جواخطام اس سے پہلے گورنر جنرل منظور کر چکے تھے کیا گورنمنٹ اس کی پابند ہے۔ میرے خیال میں نہیں۔ سند اصل ہو یا جعل نصر اللہ خان کا خاندان زیادہ گذارہ کا مستحق تھا۔

تمام کاغذات جن کا اس تحریر میں ذکر ہے برائے حوالہ شامل ہیں۔

دستخط جی سوینٹن

۱۹ اگست ۱۸۳۰ء

ہیف سکریٹری سرکار عالیہ

نقل مطابق اصل

دستخط جی سوینٹن ہیف سکریٹری سرکار عالیہ

the proposed arrangement sanctioned by
the Governor General in Council, and
is it binding on Government? I should
imagine, not, and whether it be genuine
or fabricated, the Society of *Asyut* sold
them, appears to be entitled to the *Comp.*
allowance.

All the papers referred
to in this Note, accompanying for reference.

19 August 1850. - Signed G. Swinton
Chief Secy to the Gov.
[Truclap]

G. Swinton
Chief Secy to the Gov.

of the Nabab Ahmed Buksh Khan (then in attendance on Lord Lake at Cawnpore) His Lordship had written the letter of the 7th June; would not Colonel Malcolm when acknowledging a few days afterwards the 10th June the receipt of the orders of Government of the 16th of May, have reported that a letter had been addressed to Ahmed Buksh Khan, fixing a specific sum of 5,000 Rupees as the amount of provision to be granted to Nussur Dulla's family, and explaining the grounds on which the remaining 5,000 Rupees of the remitted quit rent had not been reannexed to the sum payable by the Nabab on account of his Jaggeer. But no such report is forthcoming. If the Document be genuine Ahmed Buksh Khan, it is not improbable, obtained it through some fraud, but even granting it to be an order willingly issued by Lord Lake, was His Lordship competent to disturb

جہڑاب احمد بخش خاں نے بھنوری لاٹڈ لیک (مقیم کا پورہ) دی تھی اور لاٹڈ صاحب نے، جون والی چٹھی لکھ دی تو کیا کرنا مل سکے اس بارے میں اپنے خط اور چون میں تذکرہ کرتے ہیں کہ انہوں نے ۱۶ مئی کے سرکاری احکام کی وصولی یا کی اطلاع دی تھی اور کیا وہ دیکھتے کہ ایک چٹھی احمد بخش کو لکھی گئی ہے، جس میں مبلغ پانچ ہزار روپے نصرا لڈ لیک خاں کے خاندان کے لئے مقرر کر دیے ہیں باقی پانچ ہزار روپے و معافی لگان کی بھی تشریح کرتے کہ وہ اس رقم میں شمار ہوں گے جہڑاب موصوفہ خاں گیسٹارگان (دیتے ہیں۔ لیکن ایسی کوئی وجہ نہیں ملتی۔ اگر دستاویز اصل ہی ہے تو یہ ثابت ہے انا مکان نہیں کہ احمد بخش خاں نے اس کو دھوکے سے ماہل کر لیا ہو۔ بالفرض اگر ہر ڈ لیک نے رضا مندی سے بھی وہ لکھی ہے تو کیا ان کو ایسا اختیار حاصل تھا۔

of the stated Ahmed Buksh Khan, then
in attendance on Lord Lake at Calcutta,
His Lordship had written the Letter of
the 7th June; and not Ahmed Buksh
when acknowledging a few days afterwards,
the 10th June, the receipt of the Order of
Government of the 16th of May, bears witness
that a Letter had been a long time before
Buksh Khan, giving a specific sum of
5000 Rupees as the amount of provision to
be granted to Asaph Ullah's Family, and in
explaining the grounds on which this
sum of 5000 Rupees of the revenue was
not to be now drawn upon the Revenue
payable by the State on account of the
Daggar. But no such report is further
coming. If the Document bearing
Ahmed Buksh Khan, it is not impos-
sible, obtained it through some
fraud; but even granting it to be
an Order ~~granted~~ by Lord Lake, was
His Lordship competent to distribute
this

Oolla Beg Khan's family, though unfortunately from the loose manner in which the Sumud of the 4th May 1806 is worded the precise sum is not mentioned. It grants a reduction of quit rent from 25,000 to 15,000 for a specific purpose and that was the support and maintenance of Nussur Oolla Beg's family. It alludes to "deductions and conditions above specified", but the deductions and conditions are only expressed above in general terms. But Lord Lake having granted this Perwana on the 4th May, and having received an answer from Government on the 16th of the same month approving what had been done, is it likely that His Lordship, then at Campore would again write to Ahmed Bux Khan on the 7th June, regarding what was settled by the orders of the 16th of the preceding Month?

If, however, at the request

کے خاندان کے لئے تفویض ہوا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے سند مورخہ مرمی مستند غیر واضح انداز میں لکھی ہوئی ہے اور رقم کے تعین کا ذکر نہیں ہے اور لگاں میں ۲۵ ہزار سے ۱۵۰ ہزار روپے کی تخفیف انصرائش خاں کے خاندان کی ہرودش اور کفالت کے خاص مقصد کے لئے ہے۔ یہ مذکورہ بالا تخفیفات اور شرائط کی طرف اشارہ کرتی ہے لیکن یہ تخفیفات اور شرائط غیر مخصوص انداز میں مذکور ہیں لارڈ لیک نے مورخہ مرمی کو یہ پرواز عطا کیا اور حکومت سے اسی ماہ کی ۹ تاریخ کو منظوری حاصل کر لی اس کے بعد کیا یا غلب ہے کہ لارڈ موصوف جواس وقت کانپور میں تھے اس معاملے کے متعلق جس کا فیصلہ ماہ گذشتہ کی ۱۰ تاریخ کو ہو چکا تھا۔ احمد بخش خاں کے لئے، جو ان کو بارہویگر لکھتے ہیں۔

کاہم اگر اس درخواست پر

at Delhi, it should be sent to the Presidency.

If Shumsodddeen Khan should endeavour to evade this demand by saying the original is lost, there will be strong presumption against him.

Shumsodddeen Khan's reply as submitted in Mr. Hawkin's dispatch of the 5th May last, is written in a very flippant style and it meets Asasuddulla's assertions by remarking that he is a poet, and avails himself of a poet's privilege to deal in romance.

But let the case be looked into seriously.

Let us examine the Sunnud to Ahmed Buteh of the 4th May 1806, which is genuine, and was ratified by the Governor General in Council. A copy of it will be found as an enclosure in Sir John Malcolm's dispatch of the same date. That grant virtually assigns 10,000 per annum for Musoor.

تو اس کو پینڈیٹ فیضی رواد کر دیا جائے۔

اگر شمس الدین خان اس مطالبہ کو یہ کہہ کر ٹالے کہ شمس الدین کی اصل چٹھی گم ہو گئی ہے، تو ان کے خلاف شد و شہادت پیدا ہوں گے۔

شمس الدین خان کی جواب میں آئی ہوئی چٹھی جو مسٹر کنس نے اپنے مراسلہ مورخہ ۵ مئی ۱۸۵۶ء کے ساتھ بھیجی ہے وہ بہت ادا بالی انداز میں لکھی گئی ہے اور اس انداز کے تمام معمول کو یہ کہہ کر ٹال دیا ہے کہ وہ وہاں پینڈیٹ کے شاعرانہ مراعات سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ لیکن مقدمے پر سنجیدگی سے غور ہونا چاہیے۔

احمد علی کی سند مورخہ ۴ مئی ۱۸۵۶ء کو یہ کہنا چاہئے جو اصل ہے اور جس کی تصدیق گورنر جنرل پکونسل سے ہو چکی ہے۔ اس کی ایک نقل اسٹیٹس کے مراسلہ سر جان الیک کے ہمراہ لے گی وہ طبعاً مقننہ اس جزو رو ہے سالانہ نصرت خان

at Delhi, it seems to me to be the best.

If Ahmed had seen that
endeavour to evade this demand by saying
the Original is lost, there would be strong
presumption against him.

Shams and some others
as submitted in Mr. Lambton's Dispatch
of the 5th May last, is written in a very
flippant style, and it seems to afford rather
speculations by remarking that he is a poet
and avails himself of a poet's privilege
to deal in romance.

But that the Council looked
into seriously.

Let us examine the
to Ahmed Durrani of the 4th May 1806,
which is genuine, and was copied by
the Governor General in Council. A
Copy of it with the found was enclosed
in Sir John Pulteney's Dispatch of
the same date. That report is truly
signed 1000 pages. A. M. M. for
C. M.

ceedings as evincing a partiality for the Nabab Shumsood-deen, and requests to be favored with a copy of the orders of Government. He also enclosed a letter to my address, a translation of which accompanies and this repeated and, direct appeal to myself, has induced me to look into all the papers, and to trouble Government with the foregoing narrative, more especially, as it appears to me that there are grounds to believe, that Asud Dulla's complaint is not without some foundation.

No letter from Lord Lake dated 7th June 1806, is forthcoming on the records of Government.

It does not appear that the Original has been submitted to Mr. Hawkins.

It appears to be desirable that the Letter of the 7th June, should be produced and examined, and if doubts as to its real nature be entertained

کلکتہ کی اسدوئی سے نواب شمس الدین کے ساتھ جانب داری ظاہر ہوتی ہے نیز درخواست کی کراؤرنٹ کے احکامات کی نقل سائل کو فراہم کی جائے۔ اس نے ایک خط مجھے بھی اس کے ساتھ ہی لکھا جس کا ترجمہ منسلک ہے (اس کی بار بار اور براہ راست اسپیل نے مجھے تمام کاغذات دیکھنے اور کراؤرنٹ کو تذکرہ بالا بیان پر غور کر کے کی زحمت دینے کی ترغیب دی۔ بیانات کی بنیاد پر جیسا کہ میں سمجھتا ہوں۔ اسدوئی کی شکایات بالکل بے بنیاد نہیں ہیں۔)

لاڈلک کا کوئی خط بھی مورخہ مرجون میں نہ ملے۔ حکم مت کے ریکارڈ میں موجود نہیں ہے۔ چہ نہیں چلے کہ اصل مشرطہ کس کو پیش کی گئی ہو۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مرجون کی سرسہ جیش متیا کی ہائے اور اس کو پرکھا جائے اگر اس کے اصل ہونے پر وہی میں سفہ بات پیدا ہوتے ہوں۔

ending at arriving a packet for the
 Adol Shumland den, and requests to
 be favored with a copy of the Orders
 of Government. He also inclosed a letter
 to my address, a translation of which
 accompanies. and this repeated and
 direct appeal to myself, has induced me
 to look into all the papers, and to trouble
 Government with the foregoing narrative:
 more especially, as it appears to me that
 there are grounds to believe that Alfred
 Collair's complaint is not without some
 foundation.

No Letter from Lord Ash-
 urst of the 7th June, 1866, is forthcoming, on
 the records of Government.

It does not appear that the
 Original has been submitted to the Board.

It appears to be desirable
 that the Letter of the 7th June, should
 be produced and examined, and if
 doubt is to be cast upon its contents
 at

Lake's Letter dated 7th June 1806". Specifying the persons who were to receive the 5,000 Rupees a year, accompanied Mr. Hawkins's report, and he stated as his opinion, that the complaint had no right to more than what was expressly provided by Lord Lake, for him and his Brother Mirza Yussuf viz. 1,500 per annum, which the Nabab Shumsoud-deen he observed, has all along been willing to pay.

In reply Government stated on the 28th May last, that it concurred in Mr. Hawkins's decision.

Asad Oolla on the 7th July forwarded an English Petition complaining against Mr. Hawkins's decision on the basis of a Surruud, which he asserts is a forgery, and requests that the records of Government may be searched in proof of this.

On the 28th July, he again complained against Mr. Hawkins's pro-

فیک کا معاملہ سرحد، جہاں مستندہ جس میں ان اشخاص کی وضاحت کی گئی ہے جن کو پانچ ہزار روپے سالانہ مستحق مشرک کنس کی رپورٹ کے ساتھ منسلک تھا اور انہوں نے خود اپنی رائے کا اظہار کیا کہ شکایت کنندہ (اسادشا) اس سے زیادہ کا اکل حق دار نہیں ہے جو لارڈ لیک نے صاف طور پر اس کے اور اس کے بھائی مرزا یوسف کے لئے بتایا گیا ہے۔ یعنی ایک ہزار پانچ سو روپے سالانہ جو فواب شمس الدین خاں جو وقت سے چٹا رہا ہے۔ جو اس سرکار نے گذشتہ ماہ مئی کی ۱۰ کو تارک کو لکھا کہ وہ مشرک کنس کے فیصلہ کو منظور کرتے ہیں۔

۱۰ جولائی کو اسادشا نے ایک عرضداشت انگریزی میں بھیجی اور زور دیا کہ جس منگی بنا پر ان کنس نے فیصلہ کیا ہے وہ جعلی ہے اور درخواست کی کہ اس کے ثبوت میں گورنمنٹ کے ریجسٹر کی کاپیاں کی جائے۔ پھر اس نے ۱۰ جولائی کو مشرک کنس کے خلاف کر شکایت کی۔

Latest letter dated 7th June 1853, informing the persons who were to receive the 5000 Rupiah a year, accompanied Mr. Mackenzie's report, and he stated as his opinion, that the complainant had no right to more than what was properly provided by law & his father, and his Brother Major Joseph Big 1500 per annum, which the latter claims. and, when he returned, has not done any writing to pay.

In reply Government stated on the 28th May last, that it concurred in Mr. Mackenzie's decision.

Spent Police in King's Lodge, forwarded an English Edition Complaint, against Mr. Mackenzie's decision and that basis of a sum which he asserts is a forgery, and requests that the words of Government may be recorded in proof of this.

On the 25th July, he again complained against Mr. Mackenzie's proceedings

on the complaint preferred by the Petitioner.

On the 5th December 1829, Mr. Hawkins, the officiating Resident at Delhi, solicited the attention of Government to Sir Edward Colebrooke's Letter of 24th February, to which he stated no answer had been returned. He was informed in reply, that an answer had been sent on the 13th March, since which time no report on the case had been received, and he was furnished with a copy lest the Original had been mislaid.

On the 5th May last, Mr. Hawkins submitted his report on Assud Oolla's case. It would appear, that he had referred Assud Oolla's Petition to the Nabab Shums-oo-deen-Khan (son and successor of the late Ahmed Buksh Khan) for his answer to the complaint. A translation of Shumsoud-deen's reply and what is called "Lard

عرض کنندہ کی شکایات کے بارے میں ۵ دسمبر ۱۸۲۹ء کو قائم مقام سر ڈیوڈ ہارڈن نے
سراچھو دو گول برہم کے واسطے مورخہ ۲۴ دھوری کی طرف لکھ دلائی اور کہا کہ اس کا جواب نہیں
دیگا۔ ہوا ان کو اطلاع دی گئی کہ ۱۲ مارچ کو اس کا جواب بھیج دیا گیا تھا، لیکن مقدمے کے
متعلق کوئی رپورٹ اس وقت سے موصول نہیں ہوئی اور ان کو اس کی ایک نقل بھی بھیج گئی
کہ مبادا اصل راجہ راجہ ہو گئی ہو۔

گذشتہ ماہ مئی کی ۵ تاریخ کو مشرک کنس نے اسد اللہ کے مقدمے کی رپورٹ بھیجی۔
یہ ظاہر ہوا کہ انہوں نے اسد اللہ کی عرضداشت قواب شمس الدین خاں راجہ اور مالشیہ
قواب احمد بخش خاں مرحوم کو شکایت کا جواب دینے کے لئے بھیجی تھی۔

شمس الدین کے جواب کا ترجمہ۔ اور میں کو کہا جاتا ہے کہ لاٹو

in the complaint prepared by the petitioner
 On the 8th December 1897
 Mr. Hawkins, the officiating President,
 at Delhi, solicited the attention of govern-
 ment to the Edward Colver's letter
 of the 24th February, to which he stated his
 answer had been returned. He was
 informed in reply, that an answer had
 been sent on the 13th March, since on
 which time no report on the case had
 been received; and he was furnished
 with a copy, but the original had been
 mislaid.

On the 5th May last, Mr.
 Hawkins submitted his report on Alfred
 Colver's case. It would appear, that
 he had referred Alfred Colver's petition
 to the Local Government. He was
 and successor of the intervention, or
 Public Agent for his services to the
 complaint. A translation of the same was
 given in reply, and what is called "L. d."

etc. from Government to Ahmed Bughsh Khan under date the 4th May 1806, contains the following clause which is all I can trace relative to the subject. The support and maintenance of Khajeh Hajee, and the other dependents (Mutaulliguan) of Mirza Nussur Oolla Beg Khan deceased, are upon you, and you will on requisition in case of necessity have in readiness for the Sirhan fifty Horsemen¹⁰.

In concluding his report, Sir Edward Colebrooke requested to be furnished with copies of any Documents on the records of Government which might appertain to the case.

In reply an extract from Lieutenant Colonel Malcolm's Dispatch of the 4th May 1806, regarding the settlement made with the Nawab Ahmed Bughsh Khan was sent to the Resident at Delhi on the 13th March 1829, and he was called to investigate and report.

امور بخش خانا کو متخائب سرکار سرخندہ میں منشی مشتعلہ سے متعلق صرف ایک ہی مندرجہ ذیل جملہ ملت ہے اور وہ یہ کہ خواجہ حاجی اور نصر اللہ مرحوم کے دوسرے متعلقین کی پرورش اور کفالت ختم ہمارے ذمہ ہے اور پچاس سواروں کا دستہ بوقت ضرورت سرکار کے لئے تیار ہے۔

سراٹھ ورد کوئی بڑک نے اپنی رپورٹ میں گزارش کی کہ اگر موضوع سے متعلق کچھ کاغذات حکومت کے ریسکارڈ میں ہوں تو ان کی نقل بھیجا کر دی جا سکے۔

جواب میں ایفینٹ کرنل ماکنم کے مراسلہ سرخندہ میں منشی مشتعلہ کا اقتباس جو احمد بخش خاں کے ساتھ بھرتہ کے بارے میں تھا اور اس بارے میں مشتعلہ و گورنمنٹ ڈپٹی کو ارسال کیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ تحقیق فرما کر رپورٹ روانہ کریں۔

and from Government to Ahmed Roshd Khan under date the 4th May 1856, contains the following clause, which is all I can trace relative to the subject. The support and maintenance of Khajis Khans and the other dependent Mohammedans of Ahir, Muzam, and other Khans, and you will see, in case of necessity, have in readiness for the required supply of arms.

In concluding his report, Sir Edmund Blyden reported to be furnished with copies of any Documents in the records of Government, which might appertain to the case.

In reply, on the 11th of June Lieutenant Colonel Maltby's Dispatch of the 4th May 1856, regarding the settlement made with the Ahmed Roshd Khan, was sent to the Resident at Delhi on the 13th March 1857 and he was called to investigate and report

reported to Government, that Asud Olla had presented a Petition to him, the purport of which was that on the death of Nussur Olla Khan, who held in Mokurreeee for his life the Pergunna Sawah and Sarsa at a quit rent of 15,000 the quit rent of between 20,000 & 30,000 Rupees at which the late Ahmed Buksh held the lands of Ferwzepore etc. had been relinquished in consideration of Ahmed Buksh Khan making himself responsible for the support of Nussur Olla Beg Khan's family, and that for such support Ahmed Buksh has never paid more than 5,000 Rupees annually, out of which he has paid 2,000 to one Khajeh Hajee, an alien to the family, 1,500 Rupees to the Petitioner, and 1,500 Rupees to one of the Petitioner's sisters, leaving a Brother and two other sisters of this Petitioner wholly unprovided for.

Sir Edward Colebrooke proceeds to state,
" The Sunrud of Ferwzepore

سرا کو تکریر کیا کہ اس لئے ایک درخواست اہل کو پیش کی تھی جس کا مقصد تھا کہ سونک اور سونک کے بہن گئے نصر اللہ خاں کو جو بعض مبلغ پندرہ ہزار روپیہ سالانہ انگلذاری پر تاحیات ملے ہوئے تھے۔ فیروز پور کی جاگیریں بھی جنگل سالانہ انگلذاری مبلغ ۲۰۰۰۰ روپیہ تا ۲۰۰۰۰ روپیہ تھیں۔ ان کے خاں مرحوم کے زیر انتظام تھیں جس کی انگلذاری مبلغ میں ہزار روپیہ نصر اللہ بیگ خاں کی وفات کے بعد اس جا پر معاف کر دی گئی کہ انہوں نے نصر اللہ بیگ خاں کے خاندان کی پرورش کی فرم داری اپنے ذمے لی تھی۔ لیکن احمد بخش خاں نے مبلغ پانچ ہزار روپیہ سالانہ سے زیادہ بھی ادا نہیں کئے اس میں سے بھی دو ہزار روپیہ خواہ حاجی کو جو خاندان میں غیر آدمی تھا۔ پندرہ روپیہ سالانہ کو اور مبلغ پندرہ سو سال کی ایک پیشرو کو دیتے رہے۔ اپنی ایک بھائی اور دو بہنوں کو قطعاً محروم رکھا گیا۔

جناب ایڈووکل برک نے مزید بیان کیا کہ فیروز پور کی سند

reported to Government, that Ghassef Ali Khan
presented a Petition looking the purport of
which was that on the death of his father
Khan, who held in addition to his office
the Pergunna Land and houses at a joint
rent of 5000, the joint rent of the same
and 3000 Rupees at which the late Ahmed
Bek Khan held the Lands of Ferozpoor
etc. had been relinquished in consideration
of Ahmed Bek Khan making himself
responsible for the support of his father
Ghassef Ali Khan's Family, and that for such
support Ahmed Bek had now paid more
than 5000 Rupees annually, out of which
he has paid 2000 to one Khajeh Mirza an
alien to the Family, 1500 to his own
Petitioner, and 1500 Rupees to one of the
Petitioner's sisters, having a Brother
and two other Sisters of the Petitioner
wholly unprotected for.

There are several other
Petitions etc. and the other Sisters of the Petitioner
etc. etc. etc.

See Edward Colver's
Journal to the Government of Ferozpoor.

It will be useful to inquire also whether as asserted by the Petitioner the Surrender by Lord Lake dated 6th June 1806 is a forgery, and whether the case has been fully investigated.

Without going through all the particulars stated by the Petitioner in his several Memorials, to which, however, I beg reference is containing much information which I shall take for granted is known to Government, I propose to submit merely an account of what has lately taken place.

Assud Oalla came to Calcutta in 1828 and presented a Memorial to the Persian Secretary - Vide Memorial received 28th April 1828, and recorded 2nd May No. 46.

The order passed on that Memorial was, "Ordered that the Petitioner be informed that the above Petition ought to be addressed to the Resident at Delhi".

On the 24th February 1829 the Resident at Delhi, Sir E. Colebrooke

یہ معلوم کرنا بھی سرورمند ہو گا کہ آیا آرڈر ایک کی عطا کردہ وہ سند، جو ان مسئلہ بمبلی ہے جیسے کہ عرض کنندہ بتلاتا ہے اور کیا اس کے متعلق پوری چھان گیری گئی ہے۔

ان تمام تفصیلات میں جائے اپنے عرض کنندہ نے اپنی مختلف عرضداشتوں میں بیان کی ہیں جن کا میں اس یقین کے ساتھ حوالہ دے رہا ہوں کہ حکومت کو وہ سب باتیں معلوم ہوں گی میں بعد میں پیش آمدہ حالات کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔

اسد اللہ خاں مستندہ میں لکھتے آئے اور فارسی سکریٹری کو عرضداشت پیش کی جو ہم پر پہلے کو وصول ہوئی اور اس کا سرکاری مستندہ کو نمبر ۳۳ پانڈٹ ہوا۔

اس عرضداشت پر جو حکم ہوا یہ تھا "حکم شد کہ عرض کنندہ کو مطلع کیا جائے کہ مذکور بالا عرضداشت ریڈیٹڈ ہوئی کو دینی چاہئے تھی"

۳۰ فروری ۱۸۲۹ء کو سرای اکول برگ ریڈیٹڈ دہلی نے

Mr. D. I. I have not been
informed as to whether or not the
Sum of £1000 has been paid to the
Government, and whether the case has been
investigated.

Without going into the particular
details of the Paper in its several
stanzas, to which however, they allude
as containing much information, which I
shall take for granted, is known to your own
I propose to submit merely an account of
what has lately taken place.

April 20th. Spent with the family at the
in the morning, and presented a Memorial to the
Parliamentary. Vide Memorial received
25th April. 1827, and received L. 1000. 10s. 6d.

The Order passed on the 11th inst.
and was ordered that the Petitioner be
informed that the above Petition ought to be
addressed to the President of Dublin.

On the 26th February 1859
the Resident at Delhi, Sir C. Colclough,
replied

1500 settled on Asad Oallah was intended for the joint support of the two Brothers, as the other 1500 Rupees seem to have been intended for females, the three Aunts of the Petitioner.

It may be useless to inquire now whether Khajee Hajee was entitled to share with the Heirs of Nussur Oulla Khan, since he has been acknowledged as a Member of the family in the Perwanna of the 4th May, 1806 which Ahmed Buxah Khan obtained under the Seal and Signature of the Governor General in Council. But it may be useful to inquire, whether Ahmed Buxah Khan acted up to the condition of his Sunnat, when he allotted 5,000 per annum only for the maintenance of Nussur Oulla Khan's Family including Khajee Hajee, and whether his heir and Successor Shumsou-deen-Khan is bound to make a larger provision for them.

پندرہ سو کی رقم جو اساتذہ کے نام کی گئی تھی وہ دونوں بھائیوں کے لئے مشترک ہو جس طرح دوسری پندرہ سو کی رقم عرضی کنندہ کی چھو بچوں کے لئے تھی۔
اب یہ تحقیق کرنا ہے کہ کار معلوم ہوتا ہے کہ نصرائفہ خاں کے وراثہ کے ساتھ خواجہ حاجی کا حصہ دار ہوتا ہے جن بھائیوں نے یہاں پہنچا ہے، کیونکہ احمد بخش خاں نے سہری مشیہ کو گورنر جنرل کی ہیرا اور دستخط کے ساتھ جو پروانہ حاصل کیا تھا، اس میں اس کو خواجہ حاجی (فائدہ ان کا ایک فرد تسلیم کیا گیا ہے) تاجم اس امر کی تائید ہوگی کہ آیا احمد بخش خاں نے اپنی سند کی شرائط کو پورا کیا، جب کہ انہوں نے مبلغ پانچ ہزار روپے سالانہ فائدہ ان نصرائفہ خاں کے لئے بمشور خواجہ حاجی مقرّر کئے اور آیا ان کے وراثہ دار بنائیں جسے الدین خاں مرید گذارہ دیئے گا پابند ہے۔

1500 dollar in off-hand cash was intended
for the joint support of the two Brothers,
as the other 1500 Dollars were to have been
intended for the Family, the three Aunt of
the Brothers.

It may be as yet to enquire
now whether Major Nijb is entitled to share
with the share of Supier Colle Khan? Since
he has been acknowledged as a Member of
the Family in the Purwanah of the 4th
May 1806, which Ahmed Bakt Khan
signed under the seal and signature of
the Governor General in Council. But
I may be useful to enquire, whether or
Ahmed Bakt Khan acted up to
the condition of his loan, when he
stated 5000 per annum only for the
maintenance of Supier Colle Khan's
Family, including Khyat Nijb and
whether he has and sacrifices them
or does - Khan is bound to make a large
provision for them.

of providing for Nussur Oolla Khan's family and the Petitioner asserts that the Nawab unjustly set up Khajee Hajee as the Principal Person of Nussur Oolla Khan's family and allotting 5,000 Rupees per annum for the general support of the family distributed it as follows:

| | |
|-------------------------------|----------|
| To Khajee Hajee | .. 2,000 |
| To Nussur Oolla Khan's mother | .. 1,500 |
| To the Petitioner | .. 1,500 |

On Khajee Hajee's death, Ahmed Buksh Khan continued the portion of 2,000 to his Children.

When the Mother died her portion went to her eldest Daughter (sister of Nussur Oollah Khan) who, out of it, supported her two younger sisters.

The Petitioner states, that out of his portion, he had supported his younger Brother who, he complains was left unprovided for by Ahmed Buksh Khan. It's probable, however, that the sum of

کردہ نصر اللہ خاں کے خاندان کی پرورش اس آمدنی سے کریں گے۔ عرضی کنندہ اس بات پر مستعد و تیار ہے کہ نواب (احمد بخش خاں) نے غیر منصفانہ طور پر خواجہ حاجی کو نصر اللہ خاں کے خاندان کا مقدمہ فرو قرار دیا اور پانچ ہزار روپے سالانہ کی مال گذاری پر تفصیلی حجت منقسم کر دی۔

| | |
|-------------------------|---------------------------|
| خواجہ حاجی | مبلغ دو ہزار روپے سالانہ |
| والدہ نصر اللہ بیگم خاں | مبلغ پندرہ سو روپے سالانہ |
| عرض کنندہ (امداد خاں) | مبلغ پندرہ سو روپے سالانہ |

خواجہ حاجی کی وفات کے بعد احمد بخش خاں نے مبلغ دو ہزار روپے کا حصہ اس کے بچوں کے نام جاری رکھا۔

نصر اللہ خاں کی والدہ کے انتقال پر ان کے حصہ کی رقم ان کی سب سے بڑی بیٹی (عزیزہ نصر اللہ خاں) کو پہنچی جس سے انہوں نے اپنی دو چھوٹی بہنوں کی بھی پرورش کی۔
دلو خواہ کا بیان ہے کہ وہ اپنے حصے کی رقم میں سے اپنے چھوٹے بھائی کی بھی پرورش کرتا ہے جس کی اس کو شکایت ہے کہ احمد بخش خاں نے اس کو کچھ نہیں دیا۔ غالباً وہ

of providing for my own wife, Khairat Begum
and the Paltan, as well as the small
unusually large Khairat Begum as the principal
of the family of my wife, with Khairat Begum
and allowing 5000 Rupees per annum for
the general support of the family distributed
as follows:-

| | |
|----------------------------|------|
| For Khairat Begum | 2000 |
| For my wife, Khairat Begum | 1500 |
| For the Paltan | 1200 |

On Khairat Begum's death, an
Ahmed Bakhsh Khan continued the
portion of 2000 to his children.

When this mother died, her
portion went to her eldest daughter, who
of Khairat Begum's wife, who, out of it, sup-
ported her two younger sisters.

The Paltan stated that
out of the portion, he has supported his young
brother, who, he, complained was often
provided for by Ahmed Bakhsh Khan.
It is probable, however, that this sum of

Buksh Khan Chief of Ferozepur etc.

When Mussur Oolla Khan died, he left a Mother, a Widow, three Sisters and two Sons viz. the Petitioner and his Younger Brother Yousuf Allee Khan (or Mirza Yousuf).

The Petitioner further states that there was another Person named Khajee Hajee, who was no relation of Mussur Oolla Khan, but was connected by marriage he being the son of a Niece of Mussur Oolla Khan's father's wife. This person however seems to have assumed the management of Mussur Oolla Khan's affairs, and on his death, is stated to have conspired with Ahmed Buksh Khan to defraud the Family of the deceased. Ahmed Buksh Khan as the father in law of Mussur Oolla Khan and the Natural Guardian of his family, obtained from Lord Lake a remission of the quit rent, payable by him for Ferozepore on the condition

جو فیروز پور وغیرہ کے سردار تھے۔

جب نصر اللہ کا انتقال ہوا تو انہوں نے وفات میں اپنی ایک والدہ، ایک بیوہ، تین بہنیں اور دو بیٹے یعنی داد غماہ داد اللہ اور اس کے چھوٹے بھائی نور مسیح علی خاں عرف مرزا یوسف کو چھوڑا۔

سائل مزید بیان کرتا ہے کہ ایک اور شخص خواجہ حاجی جو نصر اللہ بیگ خاں کا کوئی رشتہ دار نہیں تھا تاہم اس کا ایک ازواجی تعلق تھا اس بناء پر کہ وہ نصر اللہ خاں کے والد کی بیوی کی بھانجی کالو کا تھا اور اس نے نصر اللہ خاں کے معاملات کا انتظام اپنے اختیار میں کر لیا تھا۔ اُن کے انتقال پر کہا جاتا ہے اس نے احمد بخش خاں سے سازش کر کے مرجم کے خاندان کے ساتھ دھوکہ کیا۔ احمد بخش خاں نصر اللہ خاں کے غمگین تھے اور اُن کے خاندان کا قدرتی سرپرست بن کر لارڈ لیک سے فیروز پور کی واجب الاموال گڈر سی اس سٹریٹ پر معاف کرائی۔

Bukht Khan, Chief of Faizpore State.

When Asaf-ud-Daula Khan died, he left a Mother a widow, three sisters and two Sons, Viz. the Politician and his Younger Brother Yusuf Akbar Khan (or Mirza Yusuf). The Politician further states

that there was another Person named Akbar Major, who was no relation of Asaf-ud-Daula Khan, but was connected by marriage, he being the son of a Sister of Asaf-ud-Daula Khan's Father viz. this Person however seems to have assumed the management of Asaf-ud-Daula Khan's Affairs and on his death, is stated to have conspired with Ahmad Bukht Khan to deprive the Family of the deceased Ahmad Bukht Khan of the Estate in Law of Asaf-ud-Daula Khan and the natural Guardians of his Family, obtained from Lord Salis a remission of the great debt payable by him for Faizpore, on the condition

/ copy /

*Note by the Chief Secretary on the
Case of Assud Oulla,*

19th August 1830

Assud Oulla states himself to be the Nephew of Late Nawab Mussur Oulla Beg Khan, who held the district of Agra under General Perron, and who came over to Lord Lake in the Marhatta War, when, for his good services he had certain Lands bestowed on him in the district of Agra, on an Istimaaree tenure at a Jumma of Rupees 15,800. These were the Pergunnaas of Sonk and Sonssa, the revenue of which, Assud Oulla in his petition represents amounted to more than a Lakh of Rupees.

Mussur Oulla Khan was the son in Law of the Late Nawab Ahmed

اسد اللہ کے مقدمے پر چیف سیکریٹری کا نوٹ

موردہ ۱۹ اگست ۱۸۳۰ء

اسد اللہ اپنے آپ کو نواب نصر اللہ بیگ خاں مرحوم کا بھتیجا بیان کرتا ہے جو جنرل پیرن کے تحت ضلع آگرہ کا افسر تھا اور مرہٹوں سے جنگ کے دوران لارڈ لیک کے آقا تھا۔ ان کی اعلیٰ خدمات کے صلہ میں ان کو ضلع آگرہ میں کچھ جاگزیں پنڈہ ہزار یا ٹھہرے دیے گئے تھے جن میں پرہیزگار علاقے کی گئی تھیں۔ یہ دیہے گئے سرنگ اور سونسا تھے جن کی آمدنی اسد اللہ اپنی عرض میں ایک لاکھ سے زائد بتاتا ہے۔

نصر اللہ خاں نواب احمد بخش خاں مرحوم کے داماد تھے۔

Copy

Notes by the Chief Secretary in the
Case of Affend Billah:

19th August 1850.

Affend Billah stating

himself to be the nephew of the late Amir
Afend Billah. By Khaw, who held the
District of Affend under British Power,
and who came over to Lord Dalhousie in the
Archibald Mackenzie, for his good services
he had obtained Lands bestowed on him in
the District of Affend in an Intoxicant
Taxes of Rs. 10000. These were the Payments of Land and
Taxes, the sum of which Affend Billah
in his petition represents amounted to more
than a Lack of Rupees.

Affend Billah Khaw was
the son in Law of the late Amir Ahmed
Bek.

2. The Purwarah in question is returned herewith for the purpose of being restored to the Khair Shumood Deen Khan.

I have etc.

Signed / G. Swinton

Chief Secy to the Govt.

Fort William,
31st December 1830

/ True copy /

(G. Swinton)

Chief Secy to the Govt.

۲۔ زیر دست پر داد نواب شمس الدین خان کو واپس کر دینے کے لئے ارسال ہے۔

آپ کا خادم

دستخط ا جی۔ سونٹن

چیف سکرٹری گورنمنٹ

فرٹ ولیم اس۔ دسمبر ۳۱ ۱۸۳۰ء

مصدقہ نقل

دستخط ا جی سونٹن چیف سکرٹری گورنمنٹ

2. The Persian Language
was learned here with a view to the purpose of
being restricted to the Persian language and
Arabic.

Not killed me,
31 December 1830

Shawwa.
Signed by George Smith
Chief of the force

The two copies /
for the same
Chief of the force

/ copy /

To,

William Byron Martin Esq.
Resident at
Delhi.

Pol. Dept.

With reference to the late Officiating Resident's despatch of the 8th October last, relative to the case of Assudoulla, I am directed to transmit to you, the accompanying copy of a despatch from the Chief Secretary to the Government of Bombay dated the 7th instant, from which you will observe that the Petition on letter under the seal and signature of Lord Lake, asserted by the Petitioner to be a forgery, is considered by Sir John Malcolm to be genuine document.

نقل

بخدمت جناب ولیم بنام ایس ایم ریڈیٹنٹ دہلی
جناب عالی

محکمہ واسطہ درگت پڑا سا جناب ولیم بنام ایس ایم ریڈیٹنٹ بمبئی سے ملتا ہے کہ اس کی ہدایت ہوئی ہے۔
اس کے آپ کو معلوم ہو گا کہ وہ پورا نا اکتوب جس پر لاٹ لیک کی ہوا اور دستخط ہیں اور
جس کو دادخواہ اعلیٰ تیار ہے۔ سرکارانہ حکم کے نزدیک وہ اصل دستاویز ہے۔

1873

To,

William Byron Marshall Esq
Resident at

Delhi.

Dear Sir,

With reference to the late
officiating Resident's despatch of the
8th October last, relative to the case of
Agha Dada, I am directed to transmit
to you, the accompanying copy of a
despatch from the Chief Secretary to the
Government of Bombay dated the 2nd
instant, from which you will observe
that the Persian order under the
Chelani signature of Lord Salsette
by Mr. Pichayee to be a forgery, is
considered by Sir John Malabar to
be a genuine document.

with him, and that was combined with such respect from the Natives and liberality of sentiment that his character may be pleaded in repitiation of his having acted in the dishonourable manner supposed. If he had been guilty of such acts there must I think have had complaints from some of the parties engaged in it.

Signed / John Malcolm

/ True copy /

Signed / Clonries

Chief Secretary

/ True copies /

(G. Swinton)

Chief Secy to the Govt.

اور یہ عزت مقامی باشندوں کے نزار ولاء احساسات سے بڑھتی اور ان کا پس من
اس بات کی تائید کرتا ہے کہ انہوں نے غیر شرفیاء کا کام نہ کیا ہو گا۔ بالفرض اگر وہ ایسے
کاموں کے مرتکب ہوتے تو میرا خیال ہے کہ بعض متعلقہ افراد کی طرف سے مزید
تکالیفات کی جائیں۔

دستخط : جان مالکم

نقل مطابق اصل

دستخط شوریس

چیف سکریٹری

مصطفیٰ نقل

دستخط : جی۔ سوانٹن چیف سکریٹری گورنمنٹ

with him, and that was combining
such respect from the Nation and being
often tried, the French character may be
pleaded in reputation of his having
acted in the dishonorable manner
supposed. If he had been guilty of
such acts then must I think have
had complaints from some of the party
engaged in it.

Legendre John Malcolm.

'True Copy'

Legendre A. Torres

Chief Secretary

'True Copy'

Pro-Seminar

Chap. Secy. to the Govt.

his sentiments on the question under consideration

The original enclosures are herewith returned,

I have etc.

Signed / (JTORR3ES

Chief Secretary

Bombay Castle

7th December 1830

Minute by the Honorable the Governor

30th November 1830

According to my belief the Sunned bears Lord Lake's signature. The period at which it was attained was one at which much business, that active operations had led to being on areas, was settled. That superior Native Nobleman Ahmad Buhah Khan received and merited so much confidence from Lord Lake and all who were acquainted

اس میں صاحب موصوف کے تاثرات زیر قیومہ لکھ چکا ہر کئے گئے ہیں مسئلہ اصل کا مذاق واپس کئے جاتے ہیں۔

میں ہوں

چیف سکرٹری

دستخط دستور میں

مصدقہ ۱۰ نومبر ۱۸۳۰ء

بجسٹری کلین

دار و سبب ۱۸۳۰ء

رکھ دیا منجانب قزاق آب گورنر صاحب

میرے یقین کے مطابق سند لارڈ لیک کی دستخط ہے۔

سند ہذا اس وقت حاصل کی گئی تھی جبکہ برسرِ پیکار رہنے کی وجہ سے التوا میں پڑے ہوئے معاملات کا تعقیب کرنے میں بہت معروریت تھی نیز یہ کہ احمد علی خاں جیسے شریف اور اس علاقہ کی اعلیٰ مرتبہ شخصیت کو لارڈ لیک کا خصوصی اعتماد حاصل تھا اور تمام اہم شواہد و حقائق سے واقف تھے وہ یقیناً ان کی عزت کرتے تھے۔

his documents on the question under
consideration.

The original enclosure was
of four with attention.

Yaveste,
Sunday October 29th, 1890.
"November 1890" Chief Secretary

Minute by the Committee the Governor
11th November 1890.

According to my belief
the Government have had to be disappointed
The period at which it was a hard
case as to what much to do, by the
active government had led to being in
even more a state. That the period at which
Holliman showed British then more
and invited so much confidence from
Ludlow, and also who were required

(opies No. 1834

Pol. Dept.

To

The Chief Secretary
to the Supreme Government
at Fort William.

Sir,

I am directed to acknowledge the receipt of your letter dated the 26th October with its several enclosures regarding the claims of Assudulla Khan, and requesting the sentiments of the Honorable the Governor thereon.

In reply I am directed to transmit, for the purpose of being laid before the Honorable the Vice President in Council, the accompanying copy of the Minute by the Honorable the Government dated the 30th November expressing

پریسیڈنٹ ڈیپارٹمنٹ نقول ۱۸۳۳ء

حکومت چیف سکرٹری سرکار عالیہ

فورٹ ولیم

جناب عالی

آپ کے مراسلہ مورخہ ۲۶ اکتوبر بمقام منسلک چنداں فزات بلسلہ مطالبات اسد اللہ خان اور میں میں عالی جناب گورنر جنرل کے تاثرات معلوم کرنے کی درخواست کی گئی ہے کہ وصول پا کر اطلاع دینے کی مجھے ہدایت ہوئی ہے۔

اس کے جواب میں مجھے ہدایت ہوئی ہے کہ سرکار عالیہ کی روٹا دو مورخہ ۳۰ فروری کی منسلک نقل جناب نائب صدر کو پیش کرنے کی غرض سے ارسال کروں۔

Ben

1624

25

To
The Secretary
to the Supreme Government
at Fort Mifflin.

2/2

Dear Sir, I have directed the two
boxes to be sent by you in the
stage, & to be with the same
received in the day of the 10th. And with
this, and requesting the favour of
of the Honorable the Governor the com-

to reply I am directed to
transmit to the proper officers of
the State the same with the best kind of
recommendation. The accompanying copy
goes forward by the same with the General
to take the 3d Division in September.

that as the sum to be laid out for that purpose; and he thinks it probable, that the document, subsequently limiting the amount to 5,000 Rs. was procured by Ahmed Buxsh for the purpose of checking any demand that might arise out of the amount of the remission.

I have the honor to be
Sir,
Your most obedient,
humble servant,

(G. Swinton)
Chief Secy to the Govt.

Fort William,
17th December
1830

بیم مقصد ہذا کے لئے کتنی رقم مقرر ہوئی۔ ان کا اقلب خیال ہے کہ وہ دستاویز
جو احمد بخش خاں نے بعد میں پانچ ہزار روپے کے قلیبیں کی حاصل کی تھیں، اس غرض سے تھی کہ
ساتھ شدہ رقم پر کسی کو زندہ مطالبہ کی روک تھام ہو جائے۔

آپ کا تابعدار
دستخط جی۔ سونٹن
چیف سکریٹری حکومت ہند

فورٹ ولیم
14 دسمبر 1830ء

That has the turn to be laid out for
that purpose, and he thinks it
probable, that the document, subse-
quently limiting the amount to \$500,
was procured by Khwaid Khwaid for
the purpose of checking any demand
that might arise out of the amount
of the remission.

I have the honor to be
Sir,
Yours most obedient,
servant,
John W. Smith
Chaplain of the Court

William,
21 March 1850

President Gen. Sir John Lubbock
General, I have been directed to hand
to you, for your most convenient use,
of the following documents, which I enclose

1. A copy of the Report of the
Committee on the subject of the
proposed alterations in the
constitution of the Council, dated
the 1st of January 1863.
2. A copy of the Report of the
Committee on the subject of the
proposed alterations in the
constitution of the Council, dated
the 1st of January 1863.
3. A copy of the Report of the
Committee on the subject of the
proposed alterations in the
constitution of the Council, dated
the 1st of January 1863.

containing a summary
of the case, together
with copies of the
correspondence on
the subject.

The Vice President in
Council however, does not concur in
the statement contained in the con-
clusion of the Note to the effect that
the proposed alterations will be an
advantage to the Corporation.
He is disposed to believe, that
the arrangement by which the
British have been bound to provide
for the payment of the debt, by a
series of ^{monthly} payments, was a
very wise one, by means of which

To,

Henry Thoby Prinsep Esqr.,
Secretary to the Governor General,
Pol. Dept.

Sir,

I am directed to transmit to you, for the information of the Right Honorable the Governor General the accompanying copies of a despatch from the Chief Secretary to the Government of Bombay dated the 7th instant, and of a letter which has been addressed to the Resident at Delhi under this Dab, relative to the case of Assulvalla.

As it is not improbable that the Petitioner will bring his complaints against the Nawab

جنرل جناب ہنری تھوبی پرنسپ

سکرٹری گورنر جنرل

پالیسی ڈیپارٹمنٹ

جناب عالی

مجھے دیا جاتا ہے کہ آپ کو حال جاہ گورنر جنرل کی اطلاع کیلئے چیف سیکریٹری
حکومت بمبئی سے موصولہ کاغذات مورخہ ۷ مارچ اور ایک خط جو اسی ڈاک سے ریڈیف
صاحب بہادر علی کو بسلسلہ مقدمہ اسد اللہ موصول ہوا ہے کی نقول ارسال
کروں۔

جو نگہ یہ بات امکان سے باہر نہیں ہے کہ درخواست کنندہ اپنی شکایات سے مخلاف مزاح

To,

Henry Meek, Esq.,
 Secretary to the Government

45/1

2 Mr.

I am directed to transmit

to you, for the information of the
 Right Honourable the Governor General,
 of the accompanying copy of a dispatch
 from the Chief Secretary to the Govern-
 ment of Bombay dated the 7th
 instant of a letter which has
 been addressed to the President at
 Allahabad under this date, relating
 to the case of S. G. D. Talwar.

I am, Sir, very respectfully,

Believe me to be, Sir, very truly,
 your obedient servant,
 J. H. Meek

دہلی کی عدالت سے مقدمہ کا فیصلہ ہو جانے کے بعد غالب غامض نہیں بیٹھے اور گورنر جنرل کے پاس اپیل انہوں نے گورنر جنرل لاڈل جنگل کے پاس اپیل دائر کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گورنر صاحب نے تمام متعلقہ کالینڈر طلب کر لئے مگر سابقہ فیصلہ ہی کو برقرار رکھا۔

لیکن انکسوس کہ یہ تمام درخواستیں بے کار گئیں اور عدالت کے خروار میں ولایت سے بھی فیصلہ آگیا کہ جو کچھ جنرل میں ملے ہو چکا ہے وہی درست ہے۔ مرزا صاحب نے یہ جواب موصول ہونے کے بعد بھی دل نہیں چھوڑا اور ایک درخواست بطور اپیل دہرائی کہ عدالت کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیں لیکن ان کا بھی کوئی جواب نہیں نکلا۔ آخر عدالت میں وہ ہاتھ پر ہاتھ دیکر بیٹھ گئے۔

محب بات ہے کہ تقریباً دس سال کے بعد خدا جانے کس کے اشارہ پر مرزا غالب نے ایک قصیدہ سکندر کوثر کی طرح میں لکھ کر عدالت میں لا کر انہر کی معرفت روانہ کر دیا۔ مرزا صاحب کے بہت تعلقات ان کی گورنر جنرل کے زمانہ سے قائم تھے اور بعد میں بھی جاری رہے۔ جب لاڈل موصوف نے وہ قصیدہ سکندر کوثر کی ہانچہ میں پیش کیا تو جواب آیا کہ شاعر کیا چاہتا ہے غلام غوث خاں بے خبر ہو گئے ہیں اور صبر و شہدائت کا کھانا کھا ہوا حکم وزیرِ مغل کا ورنہ ایک کڑواگ میں بھر کر تو کیا یہ کاس قصیدہ کے ملے اور جائزے کے واسطے برتنو سلاٹو البراسائن نے بھجوا یا ہے۔ خطاب اور غفلت اور خشن کی توجہ منظور ہے۔ جو حکم صادر ہو گا سب کو توجہ گورنمنٹ اس کی اطلاع دینی ضروری ہے۔

اس خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ غالب کو اپنی جاگیر کے مالدار میں انصاف حاصل ہو جانے کی پوری توقع ہو چکی تھی لیکن برصغیر کی بھی فیصلہ خیر نے پایا تھا کہ ملک میں عدالت کا پہلا گام برپا ہو گیا جس کے نتیجہ میں چند درستی کی قسمت کا ستارہ تو انگریزوں کے ہاتھ میں آ ہی گیا تھا غالب کی امیدوں کا دیو چراغ بھی جو تیس سال سے کبیر جی کے نام میں جل رہا تھا ہمیشہ کے لئے بجھ کر رہ گیا۔

بھلی نغمہ بھول نہ پردہ ساز

میں بھول اپنی سرشت کی آواز

APPEAL IN THE COURT OF THE GOVERNOR GENERAL

When the court of Delhi gave its decision Ghalib did not accept it quietly and preferred an appeal before the Governor General Lord Bentinck. The Governor General called for all the papers but upheld the previous judgment.

It is pitiable that all his applications proved ineffectual and in the year 1842 the directors gave their judgment that whatever had been decided in India was correct. Mirza did not loseheart on receiving such a reply and by another application preferred an appeal in 1842 before Queen Victoria, which also failed to produce any result. In 1842 he surrendered himself to his fate. It is surprising that after nearly ten years, Mirza improvised God alone knows on whose suggestion, a Qasida in praise of Queen Victoria and through Lord Ellenborough in the year 1854 sent it to Her Majesty. Mirza was on good terms with Lord Ellenborough when he was Governor General in India and their relations had not broken off ever afterwards. When the Lord Ellenborough presented the Qasida to Queen Victoria, Mirza received a reply in which he was asked to state what he actually wanted. Mirza wrote to Ghulam Chaudhary Khair : " On Nov. 17, 1856, I received an order of the Prime Minister through the English mail that in recognition of the Qasida and its appreciation received through now Ellenborough the suggestion for the title and robe of honour and pension is accepted and about the orders issued on this he will be duly informed through the Government."

This letter reveals that Ghalib was very hopeful of getting justice in the case of his jagir. But unfortunately when he was waiting for the final decision the mutiny of 1857 broke out and as a result the control of the destiny of India came into the hands of the British Government. But Mirza's lamp of hope which had been flickering in a desolate state for sixteen years was extinguished for good.

Na Gule Naghma Hun, Na Parda-o-Saaz
Main Hun A-ni Sirkast Ki Awaz

غالب کو حال ہو کر نواب احمد بخش خاں نے اپنے داماد نصر اللہ خاں مرحوم کے معصوم وارثوں کے ساتھ دیدہ و دانستہ بے انصافی کی ہے کہ میرا سے منظور شدہ گواہ کی رقم میں ہزار روپیہ سالانہ سے گنا کر صرف پانچ ہزار کر دی ہے اور میرا سے بھی بالکل ایک غیر متعلق شخص کو دو ہزار روپیہ کا حصہ دل قرار دیا ہے۔ جب اس بے انصافی کے خلاف نہائی و تحریکی احتجاج بے سود رہا تو غالب نے میرا اپنی جاگیر کے معاد کر کے طلب حق کی خاطر مالک پالیٹ انڈیا کے سامنے قانونی انصاف کے لئے پیش کر دیا۔

نصر اللہ بیگ خاں مریشی کی طرف سے اکبر آباد کے حاکم تھے۔ جب لاہور ٹریک نے اس شہر پر قبضہ کر جانے کی تو نصر اللہ بیگ خاں نے نہ کسی کثرتِ دعوٰی کے شہر کا انگریزوں کے حاکم کر دیا۔ تجربہ میں لاہور ٹریک نے خوش چمکان کر انگریزی قریح میں پائیر سواروں کا رسالہ لکھنا دیا اور ستر و سورت پر یہ مشاہیر مقرر ہوئے۔ اسی دوران میں نصر اللہ بیگ نے سوئٹس و سوسائٹی نامی دو پرستے ریاست بلکہ جسے جس کے اپنے قبضہ میں لے لئے۔ جب لاہور ٹریک نے غیر منظم توغوشنروسی کے طور پر یہ دونوں پرستے اور دستہ شہداء کے حکم کی رو سے نصر اللہ بیگ خاں کو بہین حیات منظورہ جاگیر میں علی اکبر کے بیگن جلدی ہی ہم آہنی سے گھر کر ان کا مشہدہ میں انتقال ہو گیا۔ لہذا اس سوئٹس و سوسائٹی کے اضلاع حسب شرائط حکومت نے واپس لے لئے اور فرمی سالار بھی توڑ دیا گیا۔

نصر اللہ بیگ خاں۔ نواب احمد بخش خاں والی فیروز پور جوہر کے داماد تھے۔ جنرل ایک کو نصر اللہ خاں کے وارثوں کی پرورش کا خیال ہوا اور اس انتظام کے لئے انھوں نے فرقہ سالار سے التماس کیا۔

نواب احمد بخش خاں کو ان کی خدمات کے صلہ میں سیکرٹری انگریزی نے مشہدہ اور مشہدہ میں دو جاگیریں بطریقِ باعتراف عطا کی تھیں۔ ایک فیروز پور جوہر کا اور سالگرہ کی جاگیر۔ دوسری پونا۔ ہا۔ بھویر اور گیند و خیر (ان دونوں جاگیروں کی سالانہ مال گزاری مبلغ چھپیس ہزار روپیہ سالانہ سرکاری خزانہ میں جمع کی جاتی تھی۔ مہر منی مشہدہ کو یہ حکم جاری ہوا کہ وہ چھپیس ہزار روپیہ جو نواب احمد بخش خاں سرکار کو ادا کرتے ہیں معاف کر دے جائیں گے بشرطیکہ نواب موصوف یہ منظور کر لیں کہ وہ چند ہزار روپیہ سپاس سواروں کے دستہ پر خرچ نہ کریں گے اور باقی دس ہزار روپیہ نصر اللہ بیگ خاں کے وارثوں کو بطریقِ منشن ادا کیا کریں گے۔ اس حکم کی تصدیق سرکاری ریکارڈ سے بھی ہوتی ہے۔ یہی کہ بعد کا عمر بخش خاں نے لاہور ٹریک سے ایک اور مشہدہ ورجن مشہدہ کو کسی طرح سے حاصل کر لیا جس کی رو سے نصر اللہ بیگ خاں کے وارثوں کو مبلغ پانچ ہزار روپیہ سالانہ تقسیم ہوتے عطا کئے گئے تھے۔

۱- خواجہ حاجی دستاردار دو ہزار روپیہ سالانہ

۲- والدہ چٹھری خان نصر اللہ بیگ خاں پندرہ سو روپیہ سالانہ

۳- مرزا اسد اللہ خاں اور مرزا یوسف پندرہ سو روپیہ سالانہ

It was very painful for him to realise that Nawab Ahmed Bux had played a trick on him and harmed the interests of the innocent dependents of Nasarullah Beg Khan by getting the 10,000 fixed by the Government reduced to Rs. 5,000 per annum and giving out of his Rs. 2,000 to person who had no claim to the pension. When his protests, oral and written produced no result he was obliged to put his claims before the East India Company and ask for a fair treatment and legal justice.

Nasarullah Beg Khan was the Subedar of Akbarabad under the Marathas. When Lord Lake marched towards the city, Nasarullah Beg Khan surrendered it to the British without any resistance. Lord Lake was very pleased by this and he made him the Risaldar of 400 horses and men in the British army and fixed Rs. 17,000 as his remuneration. During these days Nasarullah Beg Khan captured two parganas of Holkar State. When Lord Lake heard about it he was very much pleased and by an order dated September 21, 1805 Nasarullah Beg Khan allowed to keep the Parganas as his Jagir for his lifetime.

Soon after this in 1806, Nasarullah Beg Khan fell from an elephant and died. In accordance with the order, the two Parganas reverted to the Govt. Nasarullah Beg's Brigade was disbanded.

Nasarullah Beg Khan was the son-in-law of Ahmed Bux Nawab of Berazepore. General Lake was moved by the plight of the dependents of Nasarullah Beg Khan and in order to make some provision for them, the following orders were passed:

Nawab Ahmed Bux for his service was awarded two Jagirs in 1802 and 1804 on the basis of a permanent settlement.

For these two Jagirs Nawab Ahmed Bux was required to deposit Rs. 25,000 annually in the State Treasury as land Revenue. On May 4, 1806, an order was issued that Rs. 25,000 which Nawab Ahmed Bux used to pay to the Government be remitted, provided the said Nawab agreed to spend Rs. 15,000 on 50 horses and men and paid the remaining 10,000 to the dependents of Nasarullah Beg Khan as pension. This order is corroborated by the official records. But afterwards Nawab Ahmed Bux succeeded to get another Shukh from Lord Lake by which the sum of Rs. 10,000 was reduced to Rs. 5,000. It was to be distributed as under:

1. Khwaja Mirzi Risaldar - Rs. 2,000
2. Mother & sisters of Nasarullah Beg - Rs. 1,500
3. Mirza Asadullah & Mirza Jussuf - Rs. 1,500

موتی امام بڑھ چکل سے حاصل کر کے غالب نے اپنے وکیل کو روانہ کر دئے بغیر خاطر خواہ نکل اور مشرکول بروک نے ۲۴ فروری ۱۹۱۷ء کو غالب کے حق میں رپورٹ صدر کوروا کر دی۔ غالب نے لکھا: "کول بروک کرٹیل ہنری اٹاک کے ذریعہ مجھ پر مبرا بن رہا ہے اور ایسی عمدہ رپورٹ جس سے بہتر سوچی سمجھی نہیں جاسکتی صدر دفتر کو بھیج دیتا ہے" اگر وہ جواب حاصل کرے جس سے بہتر جواب تصور بھی نہیں ہو سکتا ہے۔

خاصات اعمال کا ایڈورڈ کول بروک پر شہوت غریبی وغیرہ کے الزامات لگ گئے۔ جنگی پارامشس میں وہ اپنے عہدہ سے معزول کر دئے گئے اور ان کی جگہ مشرکولس ریڈیٹنٹ ہوئی مگر ہوتے جھکا غراب شمس الدین خاں سے بہت گہرا تعلق تھا۔ انہوں نے دوسری رپورٹ صدر کوروا کر دی جو سرمرزا کے خلاف تھی۔ اس میں بھی لکھا تھا کہ غالب سارے ملت سوروپ سے زبازہ کے مستحق نہیں ہیں۔ غالب نے لکھا: "ابھی وہ جواب دستہ ہی میں تھا کہ کول بروک معزول ہو جاتا ہے۔ کول بروک کی بجائے اکنس پیشہ جا آئے اور جو کچھ بھی قبضہ کے مخالف ہو سکتا ہے صدر افسر کو لکھ دیتا ہے۔" مشرکولس کی مخالفاذکار روانی کا جب غالب کو علم ہوا تو وہ پریٹاں ہو گئے۔ اور مشرکولس کے پاس سفارش پیش کیا کہ وہ میر کرلے لگے مگر بد قسمتی سے وہ دستہ بھی بند ہو گیا۔ کہتے ہیں "مرزا ابوالقاسم خاں نے وعدہ کیا کیا تھا کہ میں وقت کرٹیل ہنری اٹاک کے مزاج درست ہو جائیں گے وہ ان سے اکنس کے نام سفارشی خط حاصل کر لیں گے اور کچھ ہتھیادیں گے۔ اسی زمانے میں ایک بڑے انگریز افسر نے مجھ سے کہا کہ کرٹیل ہنری اس دنیا سے چلے گئے ہائے افسوس میں اس بے وقار کے شہر میں پتھروں سے مراروں اور بایوس سے جان دیدوں۔"

اب مرزا نے خیال کیا کہ کتہ میں رہنا مفید نہیں ہے وہی پہنچ کر ہی بہتر صورت حال پیدا ہو سکتی ہے۔ لہذا انہوں نے راجپوت اختیار کر لی اور برادر قوام ۱۲ فروری ۱۹۱۷ء کو فوتی آ گئے۔

مشرکولس کی رپورٹ مشرانڈریو مشرنگ کی وفات سے ۱۱ دن یعنی ۱۱ مئی ۱۹۱۷ء کو پہنچی۔ "میں حیرت میں ہوں کہ جوں دولت، جوں سال حاکم یعنی اندر داس مشرنگ کی موت کس لئے ہوئی اور اس بڑے سالو سے قضا و تدبر کے ہارکنوں کے بغیر کیا نتیجہ ہے" اب کھلا کہ بد بخت غالب کی امیدوں کے تلو کو فنا کے سیلاب میں بہاؤ ہے۔"

فرانسس اکنس کی رپورٹ پر غالب کو بڑا تعلق ہوا جس کا اظہار انہوں نے اس طرح کیا ہے۔ "ہائے ہائے۔ کیا رپورٹ اور کیا مقدمہ۔ حبشیوں کے ہاتھوں کی طسرت پیچ و پھینچوں سے مارے ہوئے دل کی طرح ٹھوڑے ٹھوڑے۔ رپورٹ گزند کی ایک دنیا کے قتل کا فتویٰ۔ رپورٹ آہر و ریزی کا حکم۔"

Guardian of Imambara of Hugly and sent them to his Vakil. The result was very favourable. On the 24th of February, 1829, Sir Colebrook sent a favourable report to the headquarters. Ghalib has written: "Colebrook became very kind through the courtesy of Col. Henry Enlar and submitted to the head office such an excellent report that a better report could not be imagined, and expected a reply that could not be improved upon."

Unfortunately, a charge of corruption was framed against Colebrook. In his place Mr. Hawkins was appointed Resident of Delhi. He was on very cordial terms with Nawab Shamsu-ud-Din. He submitted a report to the Headquarters which was wholly against Mirza. In his report he wrote that Ghalib was not entitled to more than Rs. 750 yearly. Ghalib has said: "The reply was on the way when Colebrook's services were dispersed with. Hawkins came in his place and whatever he could write against my case, he sent it to the Head Office." When Ghalib came to know about these hostile proceedings, he was very perplexed. He thought of ways and means to get a recommendation for Hawkins. Unfortunately this door was also closed to him. He writes: "Mirza Abdul Qasim had promised to get a letter of recommendation for Hawkins from Henry Amaluk as soon as he recovered from illness" and send it on to me. During this period an important British Officer told me that Col. Henry had passed away. What a pity that I am now required to break my head with stones and give up my life in despair in this city without a Governor."

In such desperate circumstances Ghalib was no doubt confused but he did not start bawling and become gloomy, because he relied upon the promises of Andrew Sterling. That is why he writes: "When I was informed about it, I did not feel heart-broken. Sterling believes in God and recognises just claims when he is setting matters right. He tries to find out a way of dealing with them. My destiny was laughing on me and before the report reached Head Office his wide eagle eyes were closed for ever."

Now Mirza considered it useless to stay on in Calcutta and decided to go back to Delhi where alone any improvement in the situation could be thought of. Consequently he returned and reached Delhi on the 9th of November, 1829.

Hawkins' report was received 19 days before the death of Mr. Sterling May 1830. Ghalib wrote "I am surprised how this young and promising officer, Sterling, died and what the heavens had in view when it decreed such a tragedy. Now it has been revealed to me that by this boat of my hopes was to be swept away by the flood set forth by the Almighty."

The report given by Francis Hawkins made Ghalib utterly miserable. He expressed his feelings in these words: "Alas! What a report and what a case -- like the hairs of a negro full of curls within curls,

نعرائے ریگ خاں اور ایک بھتیجہ کو باقی رشتہ داروں کو نظر انداز کر دیا گیا۔ لہذا یہ طریقہ تقسیم درست نہیں ہے۔
 ”میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ میرے خاندان کا ایک ملازم میرے ساتھ ہر جہاں شریک ہو۔“

۴۔ حکومت انرازمہر بان اس معاملہ کی پوری تحقیقات کرے اور ریڈ ریگ کی مشنڈا اور ست وید کی خط و کتابت اور مندرجات ملاحظہ فرمائی جائیں۔ ریجسٹرارٹو سے یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ احمد بخش خاں کو یہ تین لاکھ کی جاگیر کن شرط پر دی گئی تھی۔ میں تین ہزار سے زیادہ کچھ بھی نہیں ملے۔

۳۔ خواجہ حاجی کے دو ہزار سے ہیں کوئی علاقہ نہیں۔ یہ رقم ہمارے خاندان کی رقم میں سے وضع نہیں ہونا چاہئے۔

۵۔ حکومت کو معلوم ہو گا کہ سپاس سواروں کی نگہداشت کیلئے کوئی ملازم نہیں رکھا گیا کہ یا شرط پوری نہیں کی گئی۔ پھر معافی کس بات کی۔ لہذا رقم سرکاری خزانہ میں جمع ہونی چاہئے۔ میں اس سے کوئی واسطہ نہیں۔

۶۔ نعرائے ریگ خاں کے وارثوں کی تحقیق کی جائے اور ہر ایک کی حیثیت کے مطابق وظیفہ عطا کیا جائے۔ ہر وظیفہ غرار کو الگ الگ اسناد عطا کی جائیں اور وظیفہ پھر سے مقرر کئے جائیں۔

تمام وظیفوں کی ادائیگی خزانہ سرکار سے ہونا چاہیے اور ان کا کوئی تعلق فیروز پور کی جاگیر سے نہیں رہنا چاہیے۔

غائب کی عرضداشت کو نسل میں پیش ہوئی تو یہ حکم ہوا کہ قانون کے مطابق پہلے یہ معاملہ ریڈ ریٹ دہلی کی خدمت میں پیش ہونا چاہیے اور صاحب کلمے ہیں اب اس امید سے غرضی ہوئی کہ میز فریڈ نامہ قابل قبول اور کو نسل میں پیش ہونے کے لائق سمجھی گئی۔ کو نسل میں عرضی گزری اور حکم ہوا کہ قوانین کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے فریڈ ریڈ ریٹ دہلی کے کالوں میں گونجے۔

ایسی صورت میں غائب کا دہلی واپس آنا ممکن نہ تھا۔ اتنے بھاری اغوا جات کا بار برداشت کرنا ان کی طاقت سے باہر تھا لہذا ضد کیا۔ کہتے ہیں ”میں نے کہا واپس کی طاقت اور سب اب نہیں ہیں۔ حکم ہوا خود یہاں رہا اور کسی دیکھل کے فریڈ ریڈ ریٹ جنسی میں معاملہ پیش ہوا لہذا غائب نے لاہور میں لاٹ کو دہلی میں اپنا وکیل مقرر کر دیا۔ سو خدات اٹھ کر بھیج دئے اور خود کلکتہ میں قیام جاری رکھا۔“

اس زمانے میں دہلی کے ریڈ ریٹ سرٹیفیکٹ عدول ہو سک تھے اور منشی اقلات حسین خان ان کے چیکار تھے۔ اقل الذ کے لئے کرنل منبری املوک سے اور مولانا ذکر کے لئے غائب اکبر علی خاں

Nasrulla Beg Khan and the second his nephew. The other relatives did not get anything. This division was not correct and to consider a servant of the family as a member was adding insult to injury.

iii. The Government may kindly thoroughly investigate this affair with reference to Lord Lake's correspondence and the *sunads* of 1803 and 1805. The records will establish conditions on which Nawab Ahmed Ali was given the *Jagir* of Rs. 3 Lakhs and we were given not more than three thousand rupees.

iv. We have nothing to do with Rs. 2,000 given to Khawja Haji and this sum should not be deducted from the sum meant for my family.

v. The Government must have come to know that nobody was employed to look after those 50 horses and men which means the conditions thus laid down were not respected. Therefore, this sum should be deposited in the Treasury and we have nothing to do with it.

vi. A thorough investigation should be instituted about the heirs of Nawab Nasrulla Beg Khan and according to status of each share in the stipend be fixed. Every stipendiary should be given *sunads* individually, and his share fixed afresh. All stipends should be paid from the state Treasury and should have no concern with the *Jagir* of Ferozpur.

Ghalib's application was presented in the Council. On this an order was passed that according to the prescribed procedure the case should go to the Resident of Delhi. Mirza writes that "it has been very encouraging that my complaint was considered acceptable and good enough to be put before the Council, from where it was ordered that the legal procedure require that the complaint should be first presented before the Resident of Delhi.

Under the circumstances it was not possible for Mirza Ghalib to return to Delhi, because he could not afford such a heavy expenditure. He protested against it. He writes: "I explained my position that I have not got the means to return to Delhi." Then he was ordered to stay on and present his case in the residency through a *Wakil*. So Ghalib sent all his papers to Lala Hera Lal in Delhi and engaged him as his advocate.

In these days Sir Edward Colebrook was the resident at Delhi and Altaf Hussain was his court assistant. Ghalib secured letters for the former from Col. Henry and for the latter from Mirza Asad Ali Khan.

کھڑے رواد ہر گزائب نواب اور الفقار علی خاں کے پاس باندھ بیٹھے۔ نواب صاحب سے نصیال کی طرف سے رشتہ داری بھی ہوئی تھی۔ وہاں غائب کا غافل خواہ علاج و معالجہ ہوا اب وہ معتقیا بھر کر نکلے رواد ہر چاہتے تھے لیکن زادہ ہونے کی وجہ سے پریشان تھے۔ لیکن نواب باندھ کی وساطت سے امین چند سا ہوا کار نے مبلغ دھنڑا روپیہ کا انتظام کر دیا جو نکلے کے سفر میں کام آئے۔ اور بلو قریح آباب۔ چارس۔ چنڈ۔ مرشد آباد نکلے کیلئے رواد ہر گئے۔ اس سفر میں ان کے ہمراہ تین ملازم بھی تھے جب غائب مرشد آباد پہنچے تو نواب احمد بخش خاں کے (دکتر برکشتہ) انتقال کی خبر ملی۔ لیکن غائب نے اپنا ارادہ نہیں بدلا اور خیال کیا کہ میرا تعلق کسی کی ذات سے نہیں ہے بلکہ ماگیر ہے۔ ہذا ۱۱۱۱ فروری ۱۲۷۲ کو نکلے پہنچ گئے اور شہر بازار میں ایک عودہ مکان دس روپیہ ماہوار کرایہ پر لیکھا اس میں قیام کیا۔ مرنالے بھی پہنچ کر نواب کبر علیاں۔ سے ملاقات کی۔ پھر بہمن فرخزادہ درویش فرخزادے ملے۔ غائب کھٹے میں، میں بہمن فرخزادہ سسٹنٹ سیکرٹری سے ملا۔ معقول ملاقات ہوئی۔ استقبال اور رفعتی معافہ ہوا عطر امداد بھی آیا۔ اس عودہ اطلاق والے کی ملاقات نے مجھے خوش اور قوی دل کر دیا۔ گورنر جنرل کے نام کی درخواست اس عدالت کے قوانین کے مطابق میں نے سیکرٹری صاحب کے سپرد کر دی ۱۱

غائب نے ۱۱ فروری کو اپنی جو مرضات گورنر جنرل کو فائل کی خدمت میں پیش کی تھیں اس کا متن مندرجہ ذیل مطالبات پر مشتمل تھا۔

۱- نواب احمد بخش خاں کو جائداد اس شرط پر دی گئی تھی کہ وہ پچیس ہزار روپیہ سالانہ حکومت کو ادا کرتے رہیں گے لیکن جب نصر اللہ ریگ کا انتقال ہوا تو یہ فیصلہ کیا گیا کہ صرف پچاس سو روپوں کی دیکھ بھال کریں گے اور مرحوم کے داروں کو گزارہ دیتے رہیں گے۔ اس کے بدلے میں بیس ہزار روپیہ کی معافی دیدی گئی۔ لہذا اٹھس لاکھ خاں سے میں پانیس سال کا صاحب طلب کیا جائے تاکہ چھ گز ہونے ان دونوں عدول پر کفارہ کیا۔

۲- احمد بخش خاں نے خود ہی بجائے دس ہزار کے پانچ ہزار روپیہ کر دئے اور اس میں بھی خواہ حاجی کو دو ہزار کا حصہ دار بنا دیا گیا ہیں تین ہزار ہی ملے کیونکہ حاجی صاحب کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ میری رقم میں ملنا چاہئے تھی۔ تین ہزار بھی صرف دو آدمیوں کو ملے یعنی والدہ

From Lucknow he went to Banda to meet Nawab Zulfikar Ali Khan. The Nawab was related to him from his mother's side. There he got proper medical treatment which restored him to health. He wanted to go to Calcutta from there but he could not afford to undertake the journey. Through the good offices of the Nawab of Banda a money lender Amin Chand arranged Rs. 2,000 for him. With this he embarked on the journey to Calcutta and reached Calcutta via Furruckhabad, Benares, Patna and Murshidabad. On his journey he had three servants with him. When he reached Murshidabad, 1828 he heard about the demise of Nawab Ahmed Bux. But Ghaliob did not change his mind to reach Calcutta and rightly concluded that he was not concerned with any individual and his main object was merely to assert his rights. In February, 1828 he reached Calcutta and on a monthly rent of Rs. 10 got a decent house to live in.

When Mirza reached Hughli he met Nawab Akbar Ali Khan and then he had an interview with Saimon Frazer brother of William Frazer. Mirza writes, "I met Saimon Frazer Assistant Secretary. This was a cordial meeting in which I was well received and he shook hand with me when I left. Scents and bettles were also brought in. This meeting with so highly cultured man pleased me and I was encouraged by this. The application addressed to the Governor General I handed over to the Secretary in accordance with the procedure of this court.

In the application which Ghaliob submitted to the Governor General in Council on February 28th, 1828, he claimed that:

i. Nawab Ahmed Bux was given the property for which he was required to pay Rs. 25,000 annually to the Government. When N.B. Khan died, he was directed to maintain fifty horses and men and provide for the dependents of the deceased and for this he was given the remission of Rs. 25,000. As such Shams-ud-din should be asked to submit accounts of this sum for the last twenty or twenty two years.

ii. Ahmed Bux himself reduced the sum from Rs. 10,000 to Rs. 5,000 and even in this made Shams-ud-din, who was not one of us, a share of Rs. 2,000 and so we received only three thousand. The stipulated sum should have been given to us. These three thousand were also given to two persons one of them was the mother of

اول تو غالب طبعاً صلیح کل مشرب کے دلدار تھے اور پھر یہ کہ ان کی نازک مزاجی اور آزار دہی کچھ ہی حالات کی الجھنوں میں پڑنے کے موافق انہیں انہوں نے اپنے دوستوں کے مشورہ پر احمد بخش خاں سے مصالحت کو پیش کر لینا مناسب سمجھا، وہ خود معاملہ کو صاف کرنے کی فرض سے نواب موصوف کے پاس لوہار و پنچھوار بات چیت کی۔ "اب آپ کو اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیے اور ہمارے لوہے کے وارنٹوں کو ان کا حق ملنا چاہیے یا پھر کچھ اجازت دیجئے کہ میں اپنا مطالبہ حکومت کے سامنے پیش کروں" اس پر احمد بخش خاں چٹکیاں ملے لے کر روئے لنگھے اور کہا "تم میرے کچھ ہو۔ نور فخر ہو دیکھتے ہو کہ مجھے کیسے زخم آئے ہیں اور کیسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ کچھ اور حق سے کام لو تمہارا حق نہیں پورا ہوا ہے" اس متعدد کلام پر نظر رکھتے ہوئے غالب، نواب احمد بخش خاں کیساتھ بھرت پور بھی چلے گئے۔ پھر فریڈ پور اس وقت گئے جبکہ نواب صاحب بیمار تھے اور جناب شکاف ان کی میاؤں کے لئے آئے ہوئے تھے۔ لیکن غالب کے بار بار تقاضوں کے باوجود احمد بخش خاں نے شکاف صاحب سے ان کی ملاقات نہیں کرائی حالانکہ انہوں نے متعدد بار دعوے کیے تھے۔ چنانچہ غالب نے علی بخش خاں کو لکھا: "نواب سے وابستہ امیدوں کیساتھ میں نے بہت کچھ سنا کیا اور آتش انتظار کی گری سے چھلکا رہا۔ ایسے عذاب میں مبتلا بیٹھا ہوں جیسے قیدی قید خانہ میں اور وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو ایک سہزادہ جہنم میں دیکھے تھا۔ فریڈ پور میں اس لئے آیا تھا کہ وہاں واپس لوٹوں۔ نواب نے زبانی گزارش سے مجھے فریب دیا۔ کب تک صبر کروں اور کچھ زمین نہ پرانے دل کو غمش رکھوں شاہجہا آباد کے دور دراز سے بائیس ہستی میں دوست کہتے تھے کہ تم نواب صاحب کے پاس نہیں جاتے اور وہ وہاں ان سے نہیں کہتے ورنہ یہ کب ہو سکتا تھا کہ نواب صاحب کی طرف سے چارہ سازی نہ ہو۔ اب جو کچھ کر رہا ہوں اور ناشائستہ کی خاطر سے کر رہا ہوں۔ خدا کیلئے ایسی بنیاد قائم کرو کہ میرا اکملی جلد واپس آجائے تاکہ میں نصیحت کرنے والے دوستوں کو خیر دیکھ سکوں اور بے سرو سامانی کیساتھ تھکے روز ہو جاؤں؟

اب غالب نے خیال کیا کہ میں خود ہی کیوں نہ شکاف صاحب سے ذکر ورامالہ پیش کروں اور ان کو بتا دوں کہ میرے ساتھ کتنا ظلم ہو رہا ہے اور کتنی بڑی بے انصافی میرے ساتھ ہوئی ہے۔

اسی دوران میں چچا کے گورنر جنرل صاحب بہادر کا پورہ تشریف لارہے ہیں غالب نے خیال کیا کہ یقیناً چارلس شکاف بھی ان کی پذیرائی کے لئے وہاں جائیں گے لہذا واپس میں ان سے ملاقات کر کے مطالبہ انصاف مناسب رہے گا۔ لہذا اسی امید پر وہ کتا پور پہنچ گئے لیکن سوء اتفاق کہ جاتے ہی بیمار پڑ گئے اور ان کی یہ امید بھی بے آئی۔ بیمار کی حالت میں کھٹکھٹہ پہنچے۔ وہاں لوگوں نے ان کی بڑی عزت کی۔

By nature Ghalib was peace loving. He was a man of tender feelings, sensitive and easy going. As such it was not possible for him to bear the burden of the formalities of the law and follow the complexities of the legal proceedings. Therefore, on the advice of his friends he entered into negotiations with Nawab Ahmed Bux and in order to get the issue settled amicably he went to Lahore to meet him. Mirza asked Nawab Bux to fulfil his promises and get the heirs of the property their legitimate rights or to permit him to place the whole case before the competent authority. Nawab Ahmed Bux started weeping and in his lamentation said that "you are my child and don't you see how I have been wounded and stand surrounded by miseries and woes from all sides?" The Nawab asked Mirza to wait for more time patiently and all what was due to him would be paid to him. Believing all this Mirza accompanied him to Bharatpur. Then he went to Ferozepur while the Nawab was lying sick and Mr. Metcalf had come to enquire about his health. In spite of Ghalib's repeated requests the Nawab did not put him in touch with Mr. Metcalf, though many a time he assured him that he would do so. Consequently Ghalib wrote to Ali Bux that he was living on hopes held out by the Nawab. "The fire of waiting has consumed me and I have suffered terribly as a prisoner suffers in the prison and I am experiencing all that a non-believer suffers in the inferno. I did not come to Ferozepur to return ultimately to Delhi without getting anything. The Nawab by his lip sympathy deceived me. How long will I have to bear all this and as nothing is coming out how can I keep myself happy! In the end all are throwing miseries on me. My friends complain that I do not go to Nawab Sahib and relate my plight to him, and if I do so they believe that Nawab will surely do something for me. Now what I am doing is to satisfy those who do not understand this. For heaven's sake do something by which Mirzaan Ali may return immediately so that I may bid farewell to my friends who have been advising me all these days and proceed to Calcutta without bag and baggage."

Ghalib planned that he should meet Mr. Metcalf and explain to him the unfair treatment, tyranny and injustice meted out to him. During these days Ghalib came to know that Governor General would be visiting Cawnpur. From this he surmised that Metcalf would also be going there to receive the Governor General and on his return it would be possible to meet him and work for justice. With these expectations he reached Cawnpur. But when he reached there he fell ill, and could not meet Metcalf and thus even this hope was dashed in the ground. In that state of ill health he reached Lucknow where he received a very warm welcome.

تعارُف

غالب کے واقعات ان بیگ اپنے والد شہزادہ نرسم خاں سے ناواض ہو کر شہزادہ کے تگ بھگ سر قندہ کے مور شاہ کے عہد میں ہندوستان آئے اور ایک معزز نوجوی عہد پر برشاہد مصروف کے عہد میں آئے۔ انہوں نے تین اولاد میں چھوٹی تھیں۔ ایک لڑکی دو لڑکے عبدالرشید بیگ خاں اور نصر اللہ بیگ خاں۔ یہی عبدالرشید بیگ خاں غالب کے والد بزرگوار ہیں۔ عبدالرشید بیگ خاں نے پہلے لکھنؤ میں لڑا۔ آصف الدولہ کے یہاں ملازمت کی پھر حیدر آباد میں خطا کا علی خاں کی ملازمت میں چلے گئے۔ بعد ازاں لڑہاؤں بختاورد سنگھ والی افور کی فوج میں آ گئے اور وہیں ایک گڑھ میں کے باغیوں کی سرکوبی میں مصروف تھے کہ گولی کا نشانہ بن کر شہداء میں فوت ہو گئے اب نصر اللہ بیگ خاں نے مصمم مقیموں کی پرورش اپنے ذمہ لے لی۔

غالب لکھنے میں پانچ برس کا تھا بھاپ مرگیا۔ آٹھ برس کا تھا بھاپ مر گیا۔ لیکن اس کسبی کی تہی کے ابو محمد غالب اس فضا سے کسی حال میں بھی نکل نہ سکے جو ریاست و مارتے ان کے خاندان میں پیدا ہو گئی تھی۔ مرزا کے والد بزرگوار عبدالرشید بیگ خاں کی وفات سے تین سال میں ہوئی تھی اور بھاپ نصر اللہ بیگ خاں کا انتقال تین سالوں میں ہوا تھا جبکہ غالب صرف نو برس کے تھے لہذا ان کی پرورش و تہذیب میں جو اتھا کافی جا بجا رکے ایک تھے۔ ہر طرح کی خوش حالی و فائز الہی تھی لہذا غالب کی پرورش میں کسی قسم کی فراوانی نہ ہو سکتی تھی۔ فریضہ کے ناز و نعم سے ان کے در و شب گزارنے پر تعلیم و تربیت کا معقول انتظام کیا گیا۔ جس کی ابتدا مولوی مسٹر اکبر آبادی کی زیر نگرانی اور انتظام عبدالغلامی کی مشفقانہ رہنمائی میں ہوئی۔ انہیں زندگی کی تہ و بہار میں ہی گزار دی تھیں کہ شادی ہو گئی۔ املاؤں و گیم و تفرقہ و ابھی کتبش خاں معروف چلو در فاب احمد کتبش خاں والی لڑاؤں و شریک حیات نہیں۔ اگر کو چھوڑا دی میں سکونت اختیار کی۔ ملازمت میں زیادتی ہوئی زندگی نے پسند نہ کیا۔ ملازمت سے دن چھوڑا۔ آئی میں کسی کا احساس ہوئے گا۔ جہاں فرخ شاہی و سرخ زخمی میں گرنے کی وجہ سے اس وقت میں گرفتار ہو گئے تھے۔ نتیجہ یہ کہ دولت و شرف کے ہمیشہ و خیر و کواپنے مصداق بنے مائی نگین کے لئے کام ہوا کرتے رہے۔ جب یہ ذریعہ بھی ختم ہو گیا تو پھر جیسے اپنی مدد سے بدلنے کے اور مراد صرف تھیں یا شہزادہ کریم۔ اختتام کار حالات نامساعد گاہے گاہے بدلتے چلے گئے۔ بدلتے چلے گئے۔ چاروں چارہ اور مراد و مرطریں و ڈوٹا تھیں تو پختہ کی خطا و تقصیر کا معاملہ و مانع میں ہو گیا۔

FOREWORD

Ghalib's grandfather, Kagan Beg, fell out with his father Jangnam Khan and about 1750 A.D. came to India from Samarkand during the rule of Mohammed Shah and got a decent job in his army. He left behind three children, one daughter (Hasti Begum) and two sons Abdullah Beg and Nasarullah Beg Khan. Abdullah Beg, the revered father of Ghalib, first joined the service of Asaf-uz-Daula Nawab Wazir of Lucknow and then went to Hyderabad and served under Nizam Ali Khan. Later on he joined the Army of Raw Raja Duddhwan Singh and while engaged in suppressing a rebellion in one of the Garis he was hit by a bullet and died in 1802. Nasarullah Beg took upon himself the responsibility of looking after the young children left behind by Abdullah Beg Khan.

Ghalib writes that when he was only five years old his father died and that at about nine his uncle also passed away. In spite of the fact that Ghalib became an orphan at such a tender age, he could not disassociate himself from the mode of life that power and wealth had brought into his family. Ghalib's father Abdullah Beg died in 1802 A.D. and uncle Nasarullah Beg in 1804. This brought Ghalib in the care of mother's family. Mirza's maternal grandfather Khawja Ghulam Hussain Khamdan was a wealthy man of Agra and belonged to a noble family. He was held in high esteem as one of the nobles of the city and possessed much property. He had everything in abundance and could afford a decent and comfortable living. Mirza had all what one could wish for and, therefore, the belief that he suffered from deprivation is without any foundation. He passed his days in luxury. Good arrangements had been made for his education which began under Moulvi Muazzan of Akbarabad and finished under the able and affectionate guidance of Abdul-Samad Inani. At the age of thirteen he was married to Umrao Begum, daughter of Nawab Illahi Bux, the younger brother of Nawab Ahmed Bux Khan, ruler of Loharwas. After his marriage he left Agra and settled down in Delhi which put a heavy strain on his scanty resources. This naturally affected the course of his life but as he was used to comfort and plenty it became impossible for him to restrain his extravagance. Consequently all that he possessed was spent without any consideration for the rainy day. When left with nothing he resorted to borrowing instead of controlling his expenditure. This ultimately made him a destitute. Miseries surrounded him from all sides. With no possibility for any financial relief, his all attention was directed towards the treacherous diversion of his person.

ابراہیم اور بے غالب کی خاندانی نیشن پر خطوط غالب کی روشنی میں کافی واضح کیا ہے لیکن اس تمام تر کوشش کی حیثیت محض واقعاتی ہے۔ لہذا میں نے جاگیر غالب پیش کر کے اس باب کو پائیدار بنانے کی کوشش کی ہے۔

فسوز ہوا تمام وہاں غالب کی عرصہ شستوں۔ حاکمان ایٹ ایٹ ایکٹو ویز ملالہ سوات و کشتان کمپنی کی کارروائیوں پر مشتمل ہے۔ مقدمہ نیشن سے متعلق مکمل مسئلہ نیشنل آرکائیوز نئی دہلی میں محفوظ ہے اور سب سے ایسے افشاں کی حامل ہے۔ جو ابھی تک نظروں سے اوجھل تھے مثلاً نصر شاہیگ خان کو موماً فراب احمد خیل خاں کو سہیو کی بنایا گیا ہے لیکن مکمل ہذا میں کئی نگہ دلا دیکھا ہوا ہے جس سے اس معاملہ میں مزید تحقیق کی گنجائش پیدا ہوتی ہے غالب نے کل مولد درخواستیں پیش کی ہیں جن میں سے ہر ایک پر اپنے دستخط اور ہر شیت کرنے سے قبل انہوں نے مختلف ایسے فقرے تحریر کئے ہیں جن سے ان کی پریشانی۔ بے جا رگی اور فوجی کشاکش کا اظہار ہوتا ہے اور جو قاری کے لئے پہلی مرتبہ پیش نظر ہیں۔ فائن میں غالب کی اپیلیں اور متعلقہ وقریٰ کارروائی مگرری میں غور و خوض سے کیونکہ اس وقت ٹاپ رائیٹر کی ایجاد نہ ہوئی تھی لہذا میں نے صفحہ صفحہ فوجی تحریروں کی عکس کا پیاں ایک جانب اور اس کے عین مقابل انگریزی عبارت اور اس کے نیچے اردو ترجمہ ان مقابلہ جانب پیش کر دیا ہے تاکہ اردو و اس طبقہ بھی مستفید ہو سکے۔ میں جناب کے۔ فوجی بھار گراڈ انکسٹر اسے۔ اے ترمذی نیشنل آرکائیوز نئی دہلی کا نہایت مشکور ہوں جسکی فائز سے میری رسائی جاگیر غالب سے متعلق ریکارڈ تک ہوئی ہے۔ چہ تسمیٰ کو اپنی ریڑھ کی ہڈی کا ریکارڈ دستیاب نہ ہو سکا تاہم غالب کے ان خطوط سے استفادہ کر لیا ہے جو انہوں نے مقدمہ نیشن کے بارے میں اپنے دوستوں اور شاگردوں کو تحریر کئے تھے صرف اسی طور سے مقدمہ کی مکمل تاریخ مرتب ہو سکتی جو آپ کے پیش نظر ہے۔ اور بقول غالب یہ حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے۔

میں جہیز نامہ ایسی فاک میں مل جائے گی یہ ہر کیفیت جاری سہی بے حامل میں ہے
پر تھوڑی چند

Some valuable work has already been done on the subject Ghalib's pension, but its main basis has been the incidental reference found in the poet's letters to his numerous friends and disciples. The present publication carries this process forward by bringing to light a number of facts and incidents contained in official records and documents pertaining to those days, which are preserved in the National Archives in New Delhi.

My research into this material has among other things, revealed certain details which are at variance with those commonly accepted hitherto. To give only one example : Nasrullah Beg Khan is generally regarded as the brother-in-law of Nawab Ahmad Bahadur Khan ; but in the official files which I have studied he is referred to as his son-in-law.

Each of the sixteen petitions which Ghalib submitted to plead his case bears his signature and his seal. All of them express, in the poet's unique style an intense mental strain combined with a pathetic hope that justice will be done.

In compiling this book I have arranged, on one page, a photostat impression of the original hand-written petition in English, and, on the opposite page, a printed version of the text and its Urdu translation.

I am greatly indebted to Shri K.D. Bhargava, Director of the National Archives, and to Mr. A.A. Taimzi his distinguished colleague, for affording me every facility to consult this priceless material. Though, unfortunately, I have not been able to obtain any documents pertaining to the Delhi Residency, I have to my advantage of Ghalib's own letters to his friends and advisers, in dealing with facts relating to it.

That in brief, is how this book came to be written. In presenting it to the reader, however, I am underscored by the poet's note of despondency:

Was khuson-na-umaidi khak meri aur paaygi
Yeh jo ik lazzat hamari sayi-e-bekar se meri hai!

دیباچہ

یہ ستر حقیقت ہے کہ مرزا غالب دنیا نے ادب میں ایک استیاری حیثیت کے ایک تھے ان کی غزلیات رباعیات قصائد اور مثنویات نے صراحۃً کمال کو پہنچ کر مرزا غالب کو زندہ جاوید بنا دیا۔ شاعری اور شریکاری میں ان کا اپنا انداز بیان ہے اور انداز ادب میں ایک تنہا مثال ہے۔ میں فکر غالب اور موقع غالب میں مرزا غالب کی شاعرانہ عظمت، بے بدیہ فکر و ذہانت، طبع اور دوسرے ادبی کاموں پر کافی روشنی ڈال چکا ہوں اب یہاں جاگیر غالب کے متعلق ان عقائد کو منظر عام پر لانا ہے جو اب تک ہم پر وہ ڈھسے ہوئے تھے۔

مرزا کے چچا نصر اللہ بیگ خاں نے چار سو سواروں کی رسالہ داری اور ڈیڑھ لاکھ روپیہ انگریزوں سے آگے کو بغیر کسی ڈائی کے حوالہ کر دینے کے صلہ میں پایا تھا۔ جب نصر اللہ بیگ خاں کا انتقال ہوا تو مرزا کی عمر صرف نو سال کی تھی۔ جب جاگیر کا دوبارہ اختتام ہوا تو نصر اللہ بیگ خاں کے وراثت میں سے غالب اور ان کے خاندان کو دس ہزار روپیہ سالانہ مقدمہ دیا گیا۔ لیکن نواب احمد بخش خاں نصر اللہ بیگ خاں نے چال بازی سے لاکھوں کے مقدمہ کی تھوڑی سا رقم کے ایک جملہ شدہ حاصل کر لیا جس میں مرزا غالب کے خاندان کو صرف پانچ ہزار روپیہ سالانہ ملا تھا لیکن ضروری قوتوں کی بیلاری کے بعد مرزا غالب کے ذہن و شعور پر ایک ایسا گہرا نقش مرتب کر چکے تھے جسے وہ زندگی بھر نہ مٹا سکے یہ واقعہ ہے کہ چھپٹن کا مقدمہ مرزا کی زندگی کا ایک اہم واقعہ تھا جس کی مدد و جد میں طلب حق کی خاطر کم و بیش سولہ سال گزر گئے مگر نتیجہ سب سے بے حاصل ہی رہا۔ امید و بیم کا یہ طویل عرصہ مرزا غالب کے لئے تنہائی پریشانی اور ذہنی کشمکش کا دور تھا کیونکہ یہاں محض امتداد آمدنی کا سوال نہیں تھا بلکہ عزت و وقار کا سوال بھی تھا جو غالب کو ہر صورت عزیز تر تھا وہ اپنے خوابات کو رکھتا تو کسی طرح کا فرق بھی گوارا نہ کر سکتے تھے جیسے کہ مرزا غالب نے اپنا تبار ایک جگہ اس طرح کیا ہے۔ میں اپنا تبار کیا کراؤں یوں تو میں شاعری کا شغل رکھتا ہوں لیکن میرے آباؤ اجداد کا پیشہ عمل و دنیا میں تھا میرا خاندانی سلسلہ اقربا ہاں سے ملتا ہے اور اس وقت سے لے کر میرے والد کے عہد تک شاہی سپاہ سے تعلق رہا ہے اور سبھی طریقہ ان کی اولاد کا بھی تھا اگر میں پشت در پشت اپنا نسب نامہ غور کیا انداز میں بیان کروں تو آپ سب کو سب اور سب پائیں گے میں ہی وہ ہوں جس کو خود اعتمادی ہے کہ اس انگریز دنیا میں پوروں کا یہ عالم کے فضل سے شاعری کی دنیا کا بادشاہ مہول اور تعلیم سے تلواری کا ایسا ہیں۔ میرے کام صاحب نظر لوگوں کو رہنا ہے۔ مدد اور مدد و غور و فکر کے عقل کے تقاضوں نے مجھے دنیا سے شعر میں غالب کا نام دیا ہے اور اسی نام سے فرشتوں کے یہاں بھی مشہور ہوئے۔

PREFACE

Ghalib's place in the literary world is now universally acknowledged. His many-sided genius, his inevitable style in verse and prose, and the breadth of his vision in surveying man and the phenomena around him have made him truly immortal.

In my two earlier publications, Fikr-e-Ghalib and Muragga-e-Ghalib, I sought to bring out his qualities as a poet and a man. My present contribution is a study of an aspect of Ghalib's life whose full details and implications have remained obscure so far, but whose impact on his personality and sensibility was permanent and profound.

Ghalib's uncle, Nasrullah Beg Khan, had been rewarded by the British with the command of a cavalry unit consisting of 400 horsemen, and a sum of Rs. 1½ lakhs, for having surrendered to them the city of Agra without any resistance. When he died, Ghalib was barely 9 years old. After Nasrullah Beg Khan's death, the management of his estate was re-organised and, as a result Ghalib and his family received an annual settlement of Rs. 10,000. But Nasrullah's father-in-law, Nawab Ahmed Bahadur Khan, working in league with some members of Lord Lake's staff got the original award fraudulently reduced to Rs. 5,000 per annum.

While it is generally known that Ghalib made persistent but vain attempts to secure justice in the matter of his pension, the complete story of his struggle is yet to be told -- a struggle which lasted for sixteen long years, during which moments of faith in the authorities' sense of fairness alternated with agonizing spells of despair and frustration. Eventually the entire episode became for him a question of his personal honour and dignity, rather than one of monetary benefit.

Writing in an intimate vein, Ghalib once said: 'I write poetry, but the lives of all my ancestors were spent in active pursuits. I trace my descent from Afrasiab and since his time my forebears have always followed a military career ... In this dismal and desolate world, I am able to retain my faith in myself as a poet of unrivalled merit. My pen is my sword. My work receives high praise from discerning critics and scholars. My prowess in the field of poetry has brought me the name of Ghalib, and even the angels in heaven know me by this name.'

DEDICATION

TO MY BELOVED SON, VED PRAKASH,
WHOSE UNTIRING EFFORTS AND UNIQUE
PHOTOGRAPHIC TECHNIQUE BROUGHT THIS
BOOK INTO BEING.

انتساب

عزیز القدر اقبال نشان نور بصر

وید پرکاش سلمہ کے

نام

معنون کرتا ہوں مجموعہ ہذا موصوف ہی کی محنت

اور جہد

فوٹو گرافی کا شاہکار ہے



Mr. Prithvi Chander showing the manuscript of Jigar-E-Ghalib to Dr. Zakir Hussain the President of India.

JAGIR - E - GHALIB

جاگیر غالب

بموجب سرکاری ریکارڈ

عرضداشتِ غالب بحقِ خاندانی منشن
بنام ایسٹ انڈیا کمپنی سرکار ہند

پرتھوی چندر



انتظاریه

غالب یونیورسٹی میں

غالب نے ٹائی کی ٹٹ درست کرتے ہوئے آواز لگائی۔

"جیکم! ارے بھی دیکھ رہا ہوں کہ کچ بھی لیٹ ہو جاؤں گا۔ غضب خدا کا۔ تو بیٹے والے ہیں! اوکھڑ جم لہجہ ہے کہ ابھی تک تیار بھی نہ ہو سکے۔"

جیکم نے جگن سے دلچسپی اور کھ گہر کے سرگم کی لے پر جواب دیا۔

"خدا کی پناہ! آپ تو ذرا میں سارا گھری سر پہ اٹھا لیتے ہیں۔ میں کیا یہاں اپنی کمر سیدھی کر رہی ہوں؟ یا کوئی جاسوسی ٹول چڑھ رہی ہوں؟" اس کے بعد پس منظر کی موسیقی تیز تر ہو گئی

غالب نے ٹائی کی ٹٹ درست کی۔ ہل کریم لگا کر بالوں میں سکھایا۔ اپنی فرنج کٹ واڈھی میں چمک پیدا کرنے کے لئے اس پر ہاتھ پھیلا۔ اسے میں جیکم نے کمرے میں ہائٹ لے کرے میں داخل ہوئیں۔ غالب کو ابھی تیار نہ پا کر ان کی تیوری پر تل چمکے۔ گرج کر بولیں۔ "خود تو تیار نہیں ہوئے اور ہمارے لئے قربان چہ قربان چہری کے جا رہے ہیں۔"

غالب نے موقع کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے مصالحت آمیز لہجے میں جواب دیا۔ "بھئی مجھے تو بس تیار ہی سمجھے۔ اصل جھنجھٹ تو کینٹ ٹائی کی ٹٹ ایڈجسٹ (ADJUST) کرنے میں ہوتی ہے" اس سے میں صدمہ برآ ہو چکا ہوں۔ کیا کروں؟ میرٹن کی فیض پر ٹٹ اوپر اوپر سرک رہی جاتی ہے۔ اگر زیادہ کس دوں تو اپنے آپ کو منسوخ طبع ارحمت سمجھنے لگتا ہوں۔"

جیکم آنکھیں کھل کر بولیں۔ "ابھی تو آپ نے ایک ہی ہلٹ خزاں طے کیا ہے۔ آپ کو ابھی یہ سوا چوڑی دار چٹون بھی تو چڑھنا ہے۔ اتنی دیر میں تو میں طوا بھی ڈالتی۔"

طوے کے باہم پر غالب سوچ میں چمکے کہ مفت میں ایک نقصان ہوا چاہتا ہے۔ صلح عویانہ انداز میں بولے۔ "چٹون پہننے میں تو کوئی دیر نہیں ہو گی۔ تب طوا تیار ہی کر لیں۔ ہاں تب تک ہم اپنی سونچوں سے بھی بچنے لیتے ہیں۔"

جیکم کے چہرے پر پیار کا ایک رنگ بچھل گیا۔ مسکراتی ہوئی لکھوں سے ان کو گھورتی ہوئی جگن کی طرف پلٹ آئیں۔ غالب نے اپنی داہیں پانچ (Drain Pipe) چٹون کو دنگر سے اتارا اور برش سے صاف کیا۔ پھر بڑے احترام سے آہستہ آہستہ اسے پہننے لگے۔ اس سلسلے میں قانون برقرار رکھنے کے لئے کسی پار سرکس کا کمال بھی کرنا پڑا۔ خدا خدا کر کے چٹون چڑھائی۔ فیض کی شکلیں درست کیں۔ جٹی کو دوبارہ بلا لاکا دیکھا۔ پتلی ٹوکے جوتے پر برش پھیرا

اور یحکم کو آواز دی۔ "بچے ہم چار ہو گئے۔"

"ہم اٹھ بچے۔ طوا بھی بس آیا ہی جاتا ہے۔" یحکم کی آواز نکلی۔

ناشو چوی تھا۔ اس سے فارغ ہوتے ہوتے توج گئے۔ غالب نے دست و پا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اف آج پھر میں پندرہ روٹی لیٹ جائیوں گا۔ اور ناشو چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔"

یحکم چلیں۔ "توج کیا جلدی ہے؟ اگر وہ چار منٹ دیر سو رہے ہوں تو کون سی آفت آجائے گی۔ ناشو تو ٹھیک سے بچے۔"

غالب نے بی بی بے چارگی سے ان کی طرف دیکھا اور بولے۔ "یحکم آپ نہیں سمجھیں گی کہ۔۔۔۔۔"

"بی بی! ہم بھلا کسے کو سمجھیں گے۔ ہم تو گھرے رہے جا رہے۔۔۔۔۔"

یحکم باقاعدہ اشارت لینے والی تھیں کہ غالب نے جلدی سے منہ پلٹا اور بولے۔ "نہیں نہیں! خدا کے لئے غلام نہ بکھنے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ذرا سی بھی دیر میرے لئے کتنی ضرر رساں ہے۔ اس کا آپ کو اندازہ نہیں۔ دراصل پستلا جوڑ لنگوٹنگ (Linguistic) کا ہوتا ہے۔ آپ سمجھتی ہیں نا لنگوٹنگ (Linguistic)۔"

"توج میرے باپ دادا نے بھی یہ فرنگی زبان نہیں پڑھی تھی۔ میں کیا جانوں؟ یہ کیا بلا ہے؟" یحکم منہ نہیں۔ غالب نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "لنگوٹنگ" لسانیات کہہ سکتے ہیں۔ لسانیات تو آپ سمجھتی ہوں گی۔ اس میں مختلف زبانوں کی پیدائش ان کے ارتقاء و نمو پر محدود تبدیلیوں و فیرو کے بارے میں چھان بین کرتی ہوتی ہے۔ میرے لئے مشکل یہ آ پڑی ہے کہ اس میں کُل ان لوگوں کی پارینڈہ نہیں، اس کے علاوہ لندا، پٹاچہ وغیرہ بھی کون کون سی خرافات زبانوں کا ذکر ہوتا ہے، جن سے میرے فرشتے بھی واقف ہونا پسند نہیں کرتے اور ان زبانوں میں غزل کا ایک صاف شعر بھی نکالنا ناممکن ہے۔ ارے قاری! عربی یا ژوند پاژندہ وغیرہ کے بارے میں پڑھنا ہوتا تو میں خود استدلال کو پڑھانے لگا۔ مگر قسمت کا کھیل ہے کہ آج یہ بھی دن دیکھنے پڑ رہے ہیں۔"

قسمت کا ذکر آیا تو یحکم نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "قسمت کی باتیں نہ بکھنے۔ اس کے ہاتھوں وہ بدر لھو کریں کھائے پھر رہے ہیں۔ کسی پل بچیں نہیں۔"

غالب نے دیکھا کہ اب یحکم کا پسندیدہ ٹاپک چل رہا ہے۔ اس پر وہ ٹھنڈی سانس بھر کر کہتی ہیں "اس لئے انہوں نے جلدی سے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "غراب امیر الدین کی ساگر میں آپ نے کون سا سٹے دیڑھائی کا ٹکس دیکھا تھا۔ سوچتا ہوں اب کے "میرلا" کے ہال میں جو میں ان کے سترہویں پڑتے کے لئے سرا کھا تھا، وہاں سے چیک آ جائے تو آپ کے لئے بھی ویسا ہی ٹکس خرید دوں۔" یحکم کی آنکھوں میں دعا۔ "چیک آگئی۔ فرانی اڑے کی طسری غالب کی طرف پھرتے ہوئے چار سے ہو گئیں۔" آپ نے اڑے تو بالکل کھائے تو نہیں۔ اتنی سخت محنت کر رہے ہیں۔ ضرور حق رہے گی کہ جائے گی۔ کوئی جہل ٹاپک بھی نہیں لیتے۔ "ہمدرد" دلوں نے "نکارا" کی تعریف میں ملت ہی قصیدہ لکھوا لیا، مگر اس کی ایک یوتھ بھی نہیں بھولی۔" پھر غالب کی طرف امتحانی محبت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "غراب شمس الدین کی سالی ج کرنے لگی تھیں تو کہہ سے وہ ہار لائی تھیں۔ بالکل جدید طرز کا بنا

ہے۔ سنا ہے جس کی کسی مشہور کہانی کا ہوا ہے، مگر اس کی قیمت بہت زیادہ ہے، ہماری اوقات سے باہر ہے۔" کہتے کہتے ان کا لہجہ بڑا ہی صریح نک ہو گیا۔ غالب تو صرف موضوع گفتگو بدلنا چاہتے تھے۔ مگر جگمگتیں کہ ہر بات کی تین اپنی منطقی پر تو رہی تھیں۔

کافی کے پیالے میں شکر گھولتے ہوئے حکم نے یاد دلایا۔ "ہندوستان پور آگل" کے نئے جنرل میجر کے لئے آپ نے جو مبارک باد کہی تھی ابھی تک وہاں سے کوئی جواب نہیں آیا۔"

کل اتوار تھا، اس لئے ٹیک اور پوسٹ آفس بھی بند تھے۔ آج شاید ٹیک ڈرائٹ آجائے۔ اس رقم کا تو مجھے بھی ضرورت سے انتظار ہے۔ سودی شروع ہونے والی ہے۔ کم از کم لیری اول (Terry Wool) کا ایک سوٹ، ایک نل اور ایک ہاف سوٹر، سوزے، دھاتے اور ایک جوڑا جو آ تو ضرور خریدتا ہے اور اگر کچھ نکل ہو تو ایک سفر اور اور کوٹ (Over Coat) بھی۔ اسی میں سے فیس بھی جمع کرنی ہے۔" غالب نے ایک لمبی غرمت پیش کر دی۔

"ہا اور ڈالیا کے پیالے سے؟"

"وہاں سے بھی اب تک ٹیک آ جانا چاہئے تھا۔ ہائے کیوں دیر ہو رہی ہے۔"

"کل اتوار ڈیج سے ہو آپ کو بلایا گیا تھا، ہر پختے ایک پروگرام دینے کے لئے" اس کا کیا ہوا؟

"میری آواز نیٹ کی گئی تھی۔ معلوم ہوا کہ ڈیج کے نازک آلات اور ہڈی نقصان سامعین میری آواز کی کڑنگی اور لہجے کے بے جھگمگام بداشت کرنے سے قاصر ہیں۔" غالب نے ایک زہر خد کے ساتھ جواب دیا اور کافی کے پورے کوٹ لینے شروع کر دیے۔ جگمگدی ہڈی سانگیل صاف کرنے لگیں۔ کافی ختم کرنے کے بعد انہوں نے کتابیں اور فائلیں کیمیز میں دبا کیں تو آدم آئے میں اپنا آخری بار جانچ لیا۔ بالوں پر ہاتھ پھیلا اور انگلیں دھن میں مٹی بھاتے ہوئے باہر نکلے۔ حکم و دوائے پر کڑی ہو گئیں۔ سانگیل پر سوار ہوتے ہوئے غالب نے ہاتھ ہلا کر انہیں "ہا" کہا اور رفتار تیز کر دی۔

چوراسے پر پہنچ کر انہوں نے سیرا تھولی سے چار صد سالہ پان لئے اور احتیاط سے صفحہ میں رکھ لئے۔ کپشن سکرپٹ کی ایک ڈیوے لے کر بیچ میں رکھ لی۔ پھر سڑک پر جا بجا گنگاری کرتے ہوئے پونہروٹی کی طرف روانہ ہو گئیں اگلے موڑ تک جاتے جاتے جب منہ میں تھوڑی گھٹائش ہو گئی تو انہوں نے پٹی کے پل کے سارے سانگیل روکی اور اس پر بیٹھے ہی بیٹھے ایک سکرپٹ لے کر بوتلیں میں دبا لی۔ گڑی میں دیکھا تو نوچ کر بیچیں منہ ہو رہے تھے۔ سکرپٹ کا ایک لمبا کٹ لے کر انہوں نے سانگیل دوبارہ اسٹارٹ کی اور رفتار بتدریج بڑھاتے گئے۔ پانچ منٹ کے اندر وہ پونہروٹی کے کپڑوں میں داخل ہو گئے اور اگلے دو منٹ میں اپنے کلاس میں۔

کلاس چل رہا تھا۔ غالب کچھل سیٹ پر بیٹھ گئے اور پھر سننے لگے۔ ڈاکٹر ہمہ واں جو لوہ کے مختلف امتحان پر بڑی گہری نگاہ رکھتے تھے۔ ایک ایک موضوع پر کئی کئی کتابیں کھینچتے تھے اور خبر سے پورپ میں بھی ہو آئے تھے۔ ہندوستان کی قدیم زبانوں کی سائنس اور فن کی نشوونما پر دھواں دھواں لکھ کر دے رہے تھے، جس میں جا بجا راجن ماہرین سائنات کے افکار و خیالات کا حوالہ دیتے جا رہے تھے۔ زبان کی خیالی ترقیوں اور فرضی تصانیف کی دوراز کار دلیلیں

اور محسن تہذیبوں کی ہوائی بائیں کرتے ہا رہے تھے۔ غالب حیرت سے ان کی مدح اور فکر انگیز تقریریں رہے تھے اور دل میں کہہ رہے تھے۔

”کہ ”رہے ہیں“ جنوں میں کیا کیا ”یہ“ ”کہ نہ مجھے خدا کہے کوئی
اسانپات کے بعد اردو ادب میں مدافوی تحریک کی بحث شروع ہو گئی۔ اردو ادب میں مدافوی اثرات کی تلاش
میں مغربی ادب کے ذہنیوں کو کھنگالنے لگے۔ بات روسو کے اس مشہور قول سے شروع کی کہ ”انسان آزاد پیدا ہوا ہے“
مگر پدمر دیکھو وہ ”پادہ زنجیر ہے“ اور انتخاب قریں سے ہوتے ہوئے انجیل کے صنعتی انتخاب اور یو پ کے لوہاں
اور پد کردار شاعروں اور انہیوں کی زندگیوں میں مدافوی اثرات کی جلوہ آرائیاں تلاش کی جاتی رہیں۔ غالب زیر لب
منکرا نے لگے۔ ”ایک پروفیسر کی نظر ان پر پڑ گئی اور انہیں جیسے بریک لگ گیا۔ جملہ کریو لے ”sense Mr. Ghaliib.“
”What is this none“

غالب نے محتات سے جواب دیا۔ ”روسو سے بہت پہلے سنتے ہی مشرقی منکری نے ایسی صدا بائیں کسی اور نکسی
پیں پھردی کیوں سب سے پہلا مدلی شخص؟ جب کہ ہمارے ادب کی روایات یو پ سے نہیں“ ”عنی اور قاری سے
مستعار ہیں ہمارے چمن میں شیراز و بخارا اور بدلو و نیٹا پر کے گلاب کھلتے ہیں“ لندن اور پیرس کے نہیں۔ کیا یہ
ضرو ری ہے کہ مدافیت کی جو تعریف انگریزی ادب میں کی گئی ہے“ اس کا اطلاق ہمارے ادب پر بھی ہو؟ ویسے بھی دلی
کی مدافیت میں کیا شبہ ہے اس نے بھی تو اپنے عہد سے بغاوت کی تھی۔ حسن کی سر مستیوں اور جلوہ آرائیوں میں
وہ سر تکا فرق رہا اور والدانہ انداز میں محبت کے فتنے کاٹا رہا۔ میر کی الم پسندی اور غم دوستی ”سودا کا شکوہ“ نظیر کی
عوامیت اور زندگی سے قربت انہیں دوسری ”بانی“ حقیقت“ عہد و مدلی کے قانون انتہیت کرداروں سے بے پناہ لگاؤ، دزم و
برم کے ہنگامے، میر حسن کی عشقیہ اور بیانیہ شاعری“ خود میری شاعری“ جو عاصمہ سے اپنی ہوئی ہے اور غور و فکر کی
دوست دیتی ہے۔ اس کے علاوہ میری ترنہ و داستانی ادب سے بالکل ایک الگ شے ہے۔ کیا ہمارے یہاں ایک انتخاب
نہیں ہوا رہا۔ کیا ہمارے ادب نے ارتقاء کے مختلف ادوار کو نہیں دیکھا ہے؟ کیا ہم ایسی تحریکوں سے دو چار نہیں
ہوتے رہے ہیں“ پھر کیوں ہم بات بات میں مغرب سے سندھ و صوبہ کر لیتے ہیں اور اپنی ہر بات کا آغاز وہیں سے کرتے
ہیں۔“

غالب ابھی نہ جانے اور کتنی دیر تک بولے جاتے۔ کلاس میں سناٹا چھا گیا تھا۔ پروفیسر کے چہرے پر پیچھے کے بے
شار فکرے جھلکانے لگے۔ وہ گھبراہٹ میں اپنی مختلف جیبوں میں دھال تلاش کرنے لگے۔ دھال اس کے سامنے ہی میز
پر پڑا تھا۔ غالب نے میز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”غالب دھال احر ہے۔“ کلاس میں جیسے زلزلہ آگیا اور
غالب کلاس کے باہر نکل آئے۔

غالب ایک خالی کلاس میں آکر بیٹھ گئے۔ اسی میں چڑا اسی اس روز کی تباہ واک لایا۔ ان کے نام کئی دہائیوں
آئے تھے۔ اسی کے علاوہ بے شمار خطوط بھی تھے۔ غالب نے رسالوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا“ پھر خطوط کی طرف متوجہ ہو
گئے۔ ان میں دوستوں کے خطوط تھے ”کچھ شاگردوں کے۔“ کچھ خطوط اپنے بھائیوں کے تھے“ جن میں جدید غزلوں اور جدید

ترجیم نگاروں کی فرمائش کی مکی تھی۔

غالب نے ان خطوط کو ایک طرف ڈال دیا۔ کچھ خطوط پر ستاروں کے تھے، جن میں مختلف طبقوں کے افراد تھے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء و طالبات سے لے کر دفتر کے چار اور قلم استاد سبھی قسم کے لوگ شامل تھے۔ غالب نے طالبات اور ایجنٹوں کے خطوط چھانٹ کر ایک طرف کر لئے اور بقیہ ڈاک کو اپنے پلاسٹک کے بیگ میں ڈال دیا۔ ہر ایک سکرپٹ سلگا کر کرسی کی پشت سے لٹک لگائی اور بڑے اطمینان سے ایک ایک خط کو کھولنے لگے۔ کچھ لافوں میں دقتیں تصویروں کے ساتھ ساتھ دلکش تصویریں بھی تھیں۔ غالب سکرپٹ کے کٹ کے ساتھ ان کا بغور مطالعہ کرتے اور تصویروں کو مختلف انداز سے دیکھتے جاتے۔ ان کے ہونٹوں پر یہ شعر گزرتے لگا۔

چند تصویریں جال چند حسینوں کے خطوط بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ سالاں نکلا

ابھی غالب اپنی ڈاک سے فارغ بھی نہیں ہوتے تھے کہ دلالت "ایک ٹیلی گرام جھپاک سے ان کے کمرے میں داخل ہوئی" اور بڑے ہی سر پہ انداز میں "ہیلو مائی پرنٹ" کہہ کر ان سے مصافحہ کیا، جس پر مصافحہ کا شک گزرتا تھا۔ غالب نے مسکرا کر اسے بھی ایک کرسی پیش کی۔ "ٹیلی گرام کی شدت لی پچکاری اور خوشبوؤں کی بے پناہ آمیزش چلا کر کمرے کی محدود فضا میں اس نے بھان پیدا کر دیا۔ کرسی پر بیٹھتے ہی اس نے اپنا خوبصورت و بختی بیگ کھول کر ایک ننھا سا مسطرہ دھال نکلا اور اپنے پالے ہوئے "مڑوں رنگ" پانٹوں پر پھیرنے لگی۔ پھر ایک ننھا سا آئینہ نکال کر اپنے ہونٹوں کے زاویے درست کرنے لگی۔ غالب نے جلدی جلدی تمام خطوط اور تصویروں کو بیگ میں رکھ کر نوپ کھینچ دی، پھر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"اور کہنے محترم راہبہ خاتون آپ بخیر ہیں؟"

اور! اور! "اس نے ہونٹوں کو قد سے سنجیز کر کہا۔ "کیسے مسٹر غالب" میں دہلی ہوں، صرف دہلی! اتنا بڑا اور پرانا نام مجھے ذرا بھی سوٹ نہیں کرتا۔"

"آئی ایم ویری سادی۔" غالب نے معذرت چاہی۔

"میں آر ٹائی مائی لو" ہر بار بھول جاتے ہیں۔" اس نے پیار سے شراب کا ڈرام لہو جاتے ہوئے کہا۔ "میری کتاب کا نام "غالب سب سے بڑا انتھونی" (Ghalib The Greatest Revolutionist) ہے۔ پتلے انگریز جی میں آفسٹورڈ سے "جلیان کراؤں گی۔" اس کے بعد اردو ورڈن میں آپ سے ٹرانسلیٹ گراؤں گی۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ اس نے فخریہ انداز میں گردن کو قد سے کم کر کے پچھل۔

غالب نے ہانکے کی غرض سے جلدی کہا۔ "جو مزاج یاد میں آئے۔"

"آپ کی لائف کی نیچل حکایت کرنے کے لئے آپ سے ذرا قریب رہنے کی ضرورت ہو گی تاکہ آپ کی صحیح صحیح تصویر پیش کر سکوں، ورنہ حالی کی "حیات غالب" اور "عبد الحلیف کی "غالب" کی طرح اس پر بھی تحقیقی کا اہتمام آجائے گا۔" کہتے کہتے وہ اور قریب کھٹک آئی۔

غالب کرسی پر دو سری طرف جھکتے ہوئے بولے۔ "مکی ہاں، بھلا ارشاد ہے۔"

دوبلی نے یک ایک چمک کر کہا۔ ”آپ اس گوشہ ویراں میں کیوں بیٹھے ہیں۔ چلے کھینچ چلتے ہیں۔“ پھر وہ ناگن کی طرح تار کر کرسی سے اٹھی۔ منظر نما ڈھونے کو شاٹوں پر ہلایا اور جہر کے حضور دامن کو کھینچ کر گھٹنوں سے پیچے کیا اور غالب کو بازو سے پکڑ کر دروازے کی طرف بڑھی۔ غالب نے اس برق پارہ کو نگاہیں میں مقید رکھ کر سگراتے ہوئے کہا۔

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے دلکش آہائے ہیں میں ”چلے“ دیکھوں بھلا آپ مجھ سے دیکھا جائے ہے

گھنٹین سے نکل کر غالب لاہوری کی طرف بڑھے تاکہ اخباروں کی سرخیاں دیکھ لیں۔ دوبلی کو انہوں نے اس کی چند سیلیوں کے حوالے کر دیا تھا۔ ابھی وہ پور ٹیکو ہی میں تھی کہ علامہ سہبائی مل گئے۔ ٹیک سلیک کے بعد غالب نے ان کا حال دریافت کیا۔ علامہ نے بتایا کہ ان کی دن رات کی ان تک محنت اور مسلسل دوڑ دھوپ سے وہ دوسرے اب خبر سے ڈگری کالج ہو گیا ہے۔ وہی اس کے کرتا دھرتا ہیں۔ بڑی مشغولیت رہتی ہے اس لئے کہیں آنا جانا نہیں ہو پاتا ہے۔

غالب نے کہا ”اگر فارسی یا اردو میں کوئی نوٹش ہو تو مجھے دلا دیجئے۔“

علامہ نے جواب دیا۔ ”آج کل فارسی یا اردو میں کون نوٹش پڑھتا ہے۔ ہاں انگریزی ’سائنس‘ یا حساب میں کئے تو دلا دوں۔“

غالب نے باجی سے لٹری سائنس لے کر کہا۔ ”ان مضامین میں تو مجھے خود ہی نوٹش لینے کی ضرورت ہے۔“

علامہ نے پھر پوچھا۔ ”آخر آپ کو یونیورسٹی میں داخلہ لینے کی کیا ضرورت پڑ گئی؟“

غالب نے مدال سے آنکھوں کے بیچتے ہوئے گوشوں کو خشک کرتے ہوئے جواب دیا۔ ”ایک زمانہ تھا مرحوم دلی کالج میں پروفیسر کے لئے چلا گیا اور دہرائی پست پر میں نے اس آفر کو ٹھکرا دیا تھا۔ آج کبھی اترا کالجوں میں بھی معمولی ٹیچر کے لئے یونیورسٹی کی ڈگری مانگی جاتی ہے۔ کئی بچوں پر کوششیں کیں، سختی ہی سفارشیں گزاریں، مگر سبھی Board Of Education کے سوتائین کی موٹی موٹی بے حس فاطمیں پیش کرتے ہیں لاڈلری نہیں۔ آخر تک ہار کر جو تھوڑے بہت زمین داری پانڈ تھے انہیں کوچ کر یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ ہاسٹہ اردو علی گڑھ والوں کو اندھ جیتا دیکھ کر ان کی بدولت شادیت کٹ سے مجھے ایم اے میں داخلہ مل گیا“ وہ ”کون“ پھر پتہ تری زلف کے سر ہونے تک۔“

علامہ سہبائی بہت متاثر ہوئے۔ دلگیر آواز میں بولے۔ ”خدا جلد آپ کو اس کڑی آزمائش سے کامیاب و کامران نکالے۔“

غالب نے حسرت سے جواب دیا۔ ”ابھی دیکھنے چاہیے علامت کی سنگینی اور ستم دہائی کب تک اسی طرح برقرار رہتی ہے۔ ہمارے نور ساتھی کسی نہ کسی ٹھکانے لگ ہی گئی، ایک صرف ہم ہیں کہ۔“

وہ میں ہے وذل عمر کہاں دیکھنے تجھے نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پاپے دکاب میں

حکیم موسیٰ خاں موسیٰ کو دیکھتے کہ ”ہمدرد“ کی سول انجینی لے لی ہے اور مزے میں دن کاٹ رہے ہیں۔ شیخ ابراہیم ذوق کو حکومت ہند نے ”پدم بھوشن“ کا خطاب اور پانچ ہزار سالانہ کی پختن باندھ دی ہے۔ اعلیٰوں کو انہوں نے موٹر گیکرینج میں تبدیل کر کے کرانے پر اٹھا دیا ہے۔ عبد الغفور سہروردی کو دیکھتے علی گڑھ میں چندوہری بنے بیٹھے ہیں اور بزم اردو کی رونق دیکھ رہے ہیں۔ میر صدیقی بھونچے لقمی دنیا کے ”نواب“ بن گئے ہیں۔ اور تو اور نہ جانے کتنے ہی میرے ہارے میں الٹی سیدھی باتیں لکھ کر مضمون اور اسکاٹ ہو گئے ہیں اور ایک ہم ہیں کہ۔

قرض کی پینے تھے سے نہیں سمجھتے تھے کہ ہاں رنگ لائے کی ہماری فائدہ مستی انگدن غالب کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور علامہ صاحب اس کی تاب نہ لا کر جلدی سے مصافحہ کر کے آگے بڑھ گئے۔

اشیاءوں کی سرخیاں دیکھ کر غالب دائیں چائسلر جیپری کی طرف روانہ ہوئے۔ کشمیر کے مسئلے سے لے کر وٹ نام کی دودھ بھڑ بھڑ ہوتی جنگ سے امن عالم کو لاحق خطرات، مشرق وسطیٰ میں اسرائیل اور عربوں کی تکرار، حزب ”ضرر سورج“ کا جھڑا، سیکرٹری کاؤنسل کا قتل، ہندوستان میں فیملی پلاننگ کی ناکامی، بھیاٹک قند کے آثار، کانگریس کے زوال کے اسباب وغیرہ صد مسئلوں کی سرخیاں انہوں نے دیکھ ڈالیں، مگر ان کے دماغ میں اس وقت صرف ایک ہی مسئلہ بہارچیت کی طرح لگا مار چنگاڑا ہوا پتھر کاٹ رہا تھا۔ وہ قاضی کی لوائی کی کاہم ترین اور بڑک مسئلہ۔ زمین مینے لگا مار فیس نہ جمع کرنے کی صورت میں نام کٹ ہانا چینی تھا اور فی الحال فیس کی لوائی کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس مسئلے میں دائیں چائسلر سے ملنا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے لئے کوئی مناسب وغیرہ بھی جاری کرانا تھا۔ ضروری سٹاف کے خطوط ان کی جیب میں پڑے کھڑکڑا رہے تھے۔

دائیں چائسلر کے کمرے کے دروازے پر چڑھ ہی اسٹول دوار سے لگائے آرام سے سو رہا تھا۔ غالب نے قدم سے دودھ سے کھٹکا کہ اسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا، مگر وہ اسی طرح غافل چڑا لو گھٹ رہا۔ غالب نے چاہا کہ شانوں سے بکڑ کر چٹا نہیں۔ مگر پھر خیال آگیا۔

گواہ کچھ کے وہ چپ قلمی دو شامت آئے ”بھما“ اور ”بھو“ کے قدم میں نے پاسوں کے لئے

اس لئے کمال دودھ امیٹی سے کام لیتے ہوئے انہوں نے اپنے کمزور جوتے کو فرش پر ڈرتے ڈرتے چٹکا کہ اس کی دھنک ہی سے اس کی آنکھ کھل جائے، مگر اس کیفیت کے کالوں پر جوں تک نہ دھنکی۔ شاید سیکڑ شو پکڑ دیکھ کر آیا تھا اور رات کی بقیہ غیند میں پوری کر رہا تھا۔ غالب اس کے برابر سے کئی بار گزرتے ”دودھ دودھ سے کھٹکا“ فرش پر جوتے سے کواڑ پیدا کی۔ مگر وہ خواب راحت کے مزے لیتا رہا۔ کافی دیر ہو گئی اور غالب اس کے جاگنے کا انتظار کرتے کرتے پور ہو گئے تو یہ شعر دہتے ہوئے باجس لوٹ گئے۔



غالب بنام فکر

نکرتہ نسوی

سر شبہ خاد سہر فکر میاں! ہم تو حمیں فکر رہا سمجھتے تھے لیکن تم سوئی نکلے ہماری سمجھ میں غلطی تھی تم میں
 نہیں عزیز سمجھ کر حمیں خبر دے دی کہ ہم دہلی آرہے ہیں تم نے اڑے اور اب جو دیکھتا ہوں ذاک سے اخبار کے دو
 تراشے چلے آرہے ہیں کہ مرزا نوشہ پہ شمس نہیں اپنی مدد سہ ماہی بری کی نگرانی کریں گے 'سو دہلی تخریف لایکے ہیں
 تراشے کی حقیر سے یوں حشر ہے مجھے حمیں پوچھیں کہ اس طرح دینا مطلوب تھا کہ ایک سو سال سے جو فراری تھا 'اب
 خود ذیہ دام آگیا ہے پکڑ کر بدنی خانے لے چلو۔۔۔۔۔ غیر ہم بھی کہاں دینے والے تھے انسانی خون اور شراب ٹاپ
 دونوں یکک وقت رکوں میں دوڑتے ہیں۔ سو ایک مراسلہ کھسا کا طبع یہاں قسم کا اور ہر کارے کے ہاتھ اخبار کو روانہ کر
 دیا۔ کہ اسد اللہ خان نامی ایک شخص بھانسی سے دہلی آیا ہم کا خان کام کا مساجن 'کمار' پاؤں سے ملائی پنگ خریہ
 اور ہمارے پرچہ پھرا۔ ہلا کہاں غالب اور کہاں پنگ؟ فکر میاں فہرے ایک مصلے طراقت کے مارے لگے دیا کہ غالب
 آئے ہیں۔ بلعداؤں میں قیام رہے گا۔ ابے مصلے! تجھے یہ نہ سوچا کہ اب پورے سو سال بعد تو وہ ملک اشعرا قرار
 پایا ہے 'اب کیوں بلعداؤں میں رہے گا کسی امیر و ذری کا شیش محل اس پر کیوں واسطیں ہوگا چنانچہ وہی ہوا لوگوں کے
 جھوم نے بلعداؤں پر بلہ یوں دیا۔ ملتا ہوں لاشیں چارن بھی ہوا اور کلون اندوڑی بھی۔ مگر بلعداؤں کے ہر گھر سے
 کورا ہوا اب ملا کہ ہم غالب سائب کو نہیں ہاستے یہاں تو گجڑے کمار 'کچھ پتار قسم کے طیب اور کچھ بیار نہیں رہتی
 ہیں۔۔۔۔۔ سو میاں صبح کے اخبار میں ہمارا یہ مراسلہ بھی چھ لینا۔ اثر خاطر خواہ ہو گا۔ اتفاقاً ہمیں یقین ہے سنا ہے جنن
 مدد سہ ماہی کھلی دالے ہمارے مزار پر بھی بھیجتے پھرے کہ شاید گوہر مراد یعنی غالب حاصل ہو تو گرفتار کر کے کوہلی میں
 دے دیں۔ کہ غالب حمیں ہے سہوہیا ہے جنن غالب فخر پر ہاتھ صاف کرنے کی نیت رکھتا ہے۔ مدعا ان کا یہ تھا کہ ہم
 خود کیوں نہ ہاتھ صاف کریں میاں فکر سنو بھائی مت دو ہمارا لٹکا دہلی میں صرف حمیں مظلوم یا ایک سینہ بلاق رام
 کہ جس سے ہماری صاحب سلامت تھی۔ فخر مستی میں اس کے سارے پاؤ بھر شراب اور شہوہ گوشت کی ایک
 پلیٹ چلتی تھی۔ فدا کسی تیرے کو ہمارے قیام کی خبر کیوں دو۔ چند دن کے لئے تماشائے اہل کرم دیکھئے دو۔ تصادفی
 صحت اور عقل دونوں کے لئے دینا کا غالب۔۔۔۔۔ غالب

ایضاً 'بلعشبہ خاد سہر

مرزا غالب..... ایک قلمی اسٹوڈیو میں

سہرہ فروری ۱۹۴۵ء کو مرزا غالب نے صبح ۱۲ اخبار مطالعے کے لئے اٹھایا تو اس کے دوسرے ہی صفحہ پر اشتہار نظر سے گزرا۔

”پہلی نظر کو اپنی آئندہ رتھیں قلم کے لئے سے فنکاروں کی تلاش ہے۔ جلد ہی شروع ہونے والی اس قلم میں بیرونی حدود کے اندر سوویتار کے ساتھ ساتھ مکالمہ نویس اور نظم نگار بھی سنے ہوں گے۔ خواہش مند حضرات صندوق ذیل پتہ پر درخواستیں بھیجیں یا سہرہ فروری کو دس بجے دن میں براہ راست اسٹوڈیو میں شریک ہوں۔“

پہلی نظر نمبر ۱۱ آرٹس بلڈنگ۔ لائبریری روڈ۔ بمبئی۔ ۱

غالب نے اخبار بند کر کے خود اپنے آپ سے کہا ”چلو میاں غالب! اب قلم لائن میں بھی قسمت آزمائی کرو“ یعنی اسٹوڈیو چٹائی کرو۔ اچھے محلے جنت میں مزے اڑا رہے تھے ”شراب کوثر کے جام پہ جام چڑھا رہے تھے“ اور خورد و لبان سے دل لگا رہے تھے کہ نیکام نہ جانے ہی میں کیا آئی جو یوں اپنی جان مصیبت میں پھنساؤ۔ خدا کے حضور میں ایک عرضداشت بھجوائی کہ مجھے دوبارہ زندگی عطا کی جائے اور میری مدح کو اسی پرانے غالب میں ایک بار پھر ہندوستان جانے کی اجازت دی جائے۔ میاں تم نیا ہندوستان دیکھنا چاہتے تھے ”آزادی کے بعد اپنے وطن کی انسانیت“ دیکھنا چاہتے تھے! پر رے ہو مجھے نا حسرتے انسان؟ خوب دیکھ لیا نا آزاد ہندوستان؟ اب تی بھر گیا ہو گا؟ سارا لشکر اتر گیا ہو گا؟ جس دلی میں تم سو سال پہلے طلق کے محبوب تھے اور ہر فرد و بشر کے لئے جنس مرغوب تھے اسی دلی میں کبھی کبھی جو جیس چٹکیں اور اذیتیں اٹھائیں! کلی قاسم جان کہ جہاں کسی زمانے میں حساری اچھت تھی ”جا کر دیکھا تو اس کی عجیب شکل و شہامت تھی۔ نہ وہ پہلے جیسے مکان“ نہ وہ پرانی وضع قطع کے انسان“ اور نہ وہ ان کی شستہ زبان! لاشہ اللہ نہ وہ دلی رہی اور نہ وہ اہل دلی! پہلے تو حسیں دلی میں سرکاری چٹن جین سے جینے کو“ اور قرض کی سے تی بھر کے پینے کو مل جاتی تھی مگر اس بار تو کوئی ملازمت بھی نا پائے کسی جہتی سے آتش ہے وہ ادھار بھی نہ لائے۔ قلم عدول دیر الملک اور نظام جنگ کے خطابات بھی بیکار ہوئے“ انھیں تو سن کر ہی سب ہزار ہوئے۔ تم نے کہاں کہاں نہ عرضیاں دیں“ اور کبھی کبھی نہ کو ششیں کہیں“ لیکن کسی جگہ کی افسری کہا“ کسی حد سے کی مٹلی بھی نہ مل سکی“ آخر جب دلی میں ہر شخص بے سود“ اور ہر راہ مسدود دیکھی تو اپنے آپ پر لعنت بھیجنے ہوئے اور اہل وطن کو آفریں کہتے ہوئے ”دلی والوں سے صف سوز اور اہل بمبئی سے ٹاٹ ہوا میاں آنے سے قبل انہماک سے سنا کرتے تھے کہ بمبئی میں خلقت کا اڑدھام ہے اور دودھ نگر عام ہے۔ مگر یہاں پہنچے تو جانا کہ شنیوہ کبھی پائند دیدہ نہیں ہوئے۔ خلقت کا اڑدھام تو

حقیقت اتنا زیادہ ہے کہ ہر طرف کھرا کھی ہے لیکن روزگار کے معاملے میں وہی دلی بھی قنسا قنسی ہے۔ "کار" رکھے دسلے یہاں اہل اقتدار ہیں، لیکن وہ جو فکار ہیں، اس صنعتی مقام پر بھی بیکار ہیں۔ بجز ان چند خوش نصیب شاموں اور اویسوں کے کہ جن کی قلمی دنیا تک رسائی ہے اور جنہوں نے جامیان مکالے اور غیر شامانہ نئے گھر کر تھوڑی مدت دولت کھائی ہے۔ تم یہاں فن شامی کا طم الفحائے ہوئے، اور خود کو ایک جنس تجارت بنائے ہوئے تھے، لیکن نہ تم کوئی یوسف تھے اور نہ بھی کوئی مصر تھا جو یہاں قصدا کوئی خریدار مل جاتا۔ یا حسن کلام کی بدولت کوئی روزگار مل جاتا۔ گزرتا تو دور کنار یہاں تو بہت بھرنے کو دو دن اور سر چپائے کو ایک مکان پاتا بھی دشوار ہے۔ دو دن سے قاتے کر رہے ہو۔ صرف نصرا پانی پی پی کر بھت بھر رہے ہو۔ آج قسمت سے یہ اشتہار نظر آیا ہے "خت باجی کے عالم میں ایک سلسلہ روزگار نظر آیا ہے۔ چلو حصول معاش کے ہی دھیلے کو بھی دیکھ لو، "دوڑی روٹی پانے کے اس چیلے کو بھی دیکھ لو۔ جنت میں سعادت حسن منلو نے بتایا تھا کہ کسی زمانے میں خود تساری دھمکی پر بھی ایک قلم بنی تھی، جس کی کھائی منو ہی نے لکھی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ قلم والوں کی یہ کہنی تھیں سر آنکھوں پر بٹھائے اور تم سے اپنی فی قسم کے گائے کھوائے۔"

مرزا نے پٹری غمر کے اندر ہی میں شریک ہونے کا ارادہ کر کے اخبار ایک طرف ڈال دیا اور اٹھ کر اپنے رنگ آور بکس میں سے اپنی وہ بوسیدہ مہاکمل دو نسلت ہی چیتی کپڑی کی بنی ہوئی تھی۔ اور جس پر دو دوڑی کا کام کیا ہوا تھا۔ پہلے تو کچھ دیر مرزا جگہ جگہ سے مسکی ہوئی اور رونو کی ہوئی اس پیش قیمت عبا کو جہت سے دیکھتے رہے اور پھر ایک فٹھڑی سانس بھر کر انہوں نے اسے زیب تن کر لیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے وہ لمبی جھبے دار ٹوپی بھی سر پر رکھ لی اور وہ سرخ نری کا نرم سلیم شامی جو آٹا بھی پکڑیں میں ڈال لیا جسے پن کر کسی زمانے میں وہ بڑے کدو فر کے ساتھ قلعے جلا کرتے تھے۔ پھر محاسبہ انہیں خیال آیا کہ کاش آج وہ ہوا دار بھی ہوتا جس میں سوار ہو کر وہ دلی کی سڑکوں پر لٹا کرتے تھے لیکن اس خیال کے آتے ہی وہ ہنس دینے اور خود سے مخاطب ہو کر بولے "وہ ابھی غالب تم بھی شیخ بلی کی طرح خیالی چاؤ پکائے گئے، حقائق کو بھول کر تصورات کے گھوڑے دوڑائے لگے! اب اس زمانے میں ہوا دار کہاں؟ اور اگر ہوں بھی تو ان کا کرایہ ادا کرنے کے لئے تسارے پاس دو ہم و دینار کہاں؟ اب تو ہر خاص و عام ٹیکسیوں میں سڑکرتا ہے، ہڈیوں کی گاڑی میں دینہ کر فرمائے بھرتا ہے۔ مگر تم تو اس میں بھی نہ دینہ پڑو گے۔ چاروٹا چار پیدل ہی چلی مقصود تک چلو گے۔ چلو اب جلدی اس کھولی سے نکلو ورنہ وقت نکل جائے گا اور پھر نامرادی کے سوا کچھ نہ باقیہ آئے گا۔"

مرزا غالب اپنی ذرا عبا سہرائے ہوئے انتہائی جلت کے عالم میں اپنے دوست کی کھولی سے باہر آئے اور ایک راہ گیر سے منہل مقصود کا پچ پچ کر پیدل چل دیئے۔ راستے میں تیسویں افراد نے ان پر آوازے کے اور فقرے چست کئے، لیکن وہ سب سے بے پردا پے تھے قدم رکھتے ہوئے آگے بڑھتے گئے اور کم و بیش وہ کھینے بعد پٹری غمر کے دفتر کے سامنے کچھ اس طرح پیٹے میں شرارہ رہائے کا پتے پہنچے جیسے کوئی ٹیڈ کھینچنے والا دن بھر بار بھاری کرنے کے بعد شام کو اپنے مالک کی کوٹھی پر پہنچتا ہے۔ وہاں بچاس ساٹھ امیدوار پہلے ہی سے موجود تھے جن

میں تک سب سے درست حسین و جمیل وہ شیرازیں بھی تھیں اور چھاتے ہوئے سوٹ بوت میں طپوس خریدتے تھے۔ ابھی 'لے لے ہاؤں اور میلے کیچے' دانتوں والے سازندے بھی تھے اور پہلی شیرازئی والے شعراء اور لوہا بھی۔ اس مجمع میں کچھ اس قسم کا اجتماع صدیق نظر آ رہا تھا جیسے کسی سماں چٹے میں یو۔ پی کے مشرقی اضلاع کے دھننی اور شملہ و بھٹی تال کی شہری آبادی کے مذہب اشخاص نکلا ہوں، یا کسی سیاسی میٹنگ میں مزدور جماع کے کارندے اور زمیندار پارٹی کے خوش پوشاک رہنما اکٹھا ہوں۔ مرزا غالب جب اپنی ودباری ج جج میں وہاں پہنچے تو کچھ حضرات تو اس طرح آگئیں پہاڑ پہاڑ کر دیکھنے لگے جیسے انھیں جیس کے کسی کینے میں کوئی ٹالک لیلوی شہزادہ نظر آگیا ہو اور کچھ افراد اس طرح مسکراتے گئے جیسے انھوں نے پرتوی راج کپور کو کوئی مزاحیہ پارٹ لوار کرتے دیکھ لیا ہو۔ ہم کپٹی کے دفتر کے دو دروازے پر ایک دوسری پوش چڑاسی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ پہلے تو کچھ دیر مرزا کو گھور گھور کر دیکھا رہا اور پھر ان کے قریب آ کر انھیں پہلے سے اوپر تک دیکھا ہوا بولا: کیوں بھائی تم شرفک سے سیدھا ادھر ہی چلا آیا ہے کس قسم میں کام کرتا ہے یا رہ کوئی کاسٹیوم ہم معلوم ہوتا ہے۔ سبھی تو ایسا ناگ ڈریس میں ہے۔ ہر نو تم کو کیا کام ہے؟ سینہ سے ملنا یا تنکا ہو تو ہم ہا کر اسے بول دے؟ مرزا نے حیران ہو کر چڑاسی کے چہرے کی طرف دیکھا لیکن جب اسے اس طرح تنبیہ پلا تو کسی قدر ناراض ہو کر بولے۔ میں یہ کس قسم کا لب و لہجہ ہے؟۔ ہنگامی کا یہ کونسا طریقہ ہے؟ "یہ انداز گفتار تو اسے نہپ رہا ہے جو تھوگنا یاد ہو۔ تم سے تو میری صاحب۔۔۔۔۔ سلامت بھی نہیں ہے؟ کبھی کی کوئی واقعیت بھی نہیں ہے۔ یہ طرز غالب تو ایک طرح کی ہے ابلی ہے، بلکہ صریحاً بد قیچی ہے" "ع

حسین ہاڑ یہ انداز گفتار کیا ہے

چڑاسی کی کچھ میں غالب کی پوری بات تو آئی نہیں ہے لیکن وہ "بد قیچی" کا لفظ ضرور سمجھ گیا اور آپ سے باہر ہو کر ہو کر بولا "تم ہم کو بد قیچی بولا؟ ناگ پھیلا ہے تمہارا؟ ہم اکٹھا بھی گویا ہے۔ تم ہم سے یوم مارتا ہے؟" اور یہ کہتے کہتے اس نے آنکھیں چڑھائیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر ایک صاحب جو شکل و شبہات اور وضع قطع سے شاعر معلوم ہوتے تھے 'لپک کر ان دونوں کے قریب پہنچے اور انھوں نے پہلے چڑاسی کو سمجھاتے ہوئے کہا "اوسے بھائی یہ میں کے لئے نئے گوی ہیں۔ انھیں معلوم نہیں کہ" یعنی والے کس طرح گفتگو کرتے ہیں۔ تم بھی ڈراما ہی بات پر گرم ہو گئے۔" اور پھر مرزا کی طرف مڑ کر بولے۔ "حضرت آپ بھی عجیب آدمی ہیں اتنا بھی نہیں سمجھے کہ اس شہر میں رہنے والوں کا فکری انداز کلام ہی ایسی ہے اور خواہ مخواہ کبیوہ خاطر ہو گئے۔ یہ ہٹا ہے۔ سینہ کریم بھائی کا خاص منہ لگا ملازم جو چٹری غلز کے ناگ ہیں۔ آپ غالباً فخر نگاروں کے انشراح میں شریک ہونے کے لئے شریف لائے ہیں؟ تو جناب ہٹو کہ اپنا نام بتا دیجئے۔ یہ اند ہا کر آپ کے نام کا اندراج کر دیا"۔ یہ سن کر غالب نے ایک لمبی سانس کھینچی اور فرمایا "خیر صاحب اگر یہ بات ہے تو میں درگزر کرتا ہوں اور اس ملازم کی گستاخ کلائی سے قطع نظر کرتا ہوں۔ مجھے ناچنے کو عوام مرزا اسد اللہ خاں کہہ کر جلاتے ہیں" اور اہل فن غالب کہہ کر مسد علم و دانش پر غصاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ میں اس وقت دلیل و خوار ہوں" اور عوام و خواص دونوں کی نظروں میں ہسکار ہوں۔"

مرزا کا ارشاد سن کر پہلے تو وہ صاحب خوب ہنسے جنھوں نے ہٹو اور ان کے درمیان مسلح مقابلہ کرانی تھی اور

نگار جیسا نظر آتا تھا۔ سیاہ کمر دراز چہرہ، نکھ حلقہ آلود پیشانی، ہموں پہ جوڑ سر اور موٹی بھری گردن۔ سیاہ رنگ کی اصلی وحالی چٹون ابر کمری نیلے رنگ کی بن شرٹ میں لمبوس مٹنے میں دھنسا ہوا تھا۔ دو دم کپٹی کا ڈائریکٹر زنجی شریا جو کسی بھروسے سے چہرے سے مٹا رہا تھا۔ سوکھا مدقوق چہرہ جس میں جگہ جگہ بڑیاں ابھری ہوئی اور تھوڑی سی جیسا سٹھ باہر کو نکلا ہوا، ہموں نے ہموں نے بھروسے رنگ کے بال، اندر کو دھنسی ہوئی پیشانی زرد آلود آنکھیں، گمے سوٹ پہنے اکڑا ہوا بیضا تھا۔ تیسرے فنی لیاقت علی تھے۔ پتلے دپے مجلس سے انسان، جن کی سیاہ اچھن میں سے ابھرا ہوا گریو صاف نظر آ رہا تھا۔ سنری فریم کی ٹیک ان کی ٹاک کی پچھلی پر رکھی ہوئی تھی اور ٹیک کے اوپر پیشانی کا سلسلہ کافی دور تک چلا گیا تھا کیونکہ ان کے سر پہ بال بس اتنے ہی تھے جتنے کہ گھسے کے سر پہ بیگیں ہوتے ہیں۔

مرزا غالب جب کمرے میں داخل ہوئے تو سیٹھ کریم بھائی نے ذرا آگے بیٹھا کر حیرت زدہ آنکھوں سے انہیں اس طرح دیکھا جیسے کوئی دستانی طالب علم شمر کے نیڑی ٹوکوں کو دیکھتا ہے اور پھر جب وہ میز کے قریب پہنچے تو گہرا کر پوچھا "تم کون ہے گی؟"

ڈائریکٹر زنجی شریا نے سامنے دیکھے ہوئے کانڈ پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا "یہ گیت کار کے چٹو کے لئے ایک کیٹیڈیٹ ہے۔"

سیٹھ کریم بھائی نے پھر سوال کیا "تھارا نام کیا ہے گی؟"

مرزا کو یہ سوال سن کر ایک بار پھر غصہ آگیا اور وہ تیاریوں پر طی ڈال کر بولے "جناب آپ کا بھی وہی انداز گفتار ہے جو آپ کے طازم شعراء ہے! وہ تو خیر شاگرد پیشہ ہونے کے سبب کامل معافی ہے مگر آپ کا یہ طرز تعامل تہذیب و شائستگی کے ٹکڑے مٹاتی ہے۔"

سیٹھ نے فنی لیاقت علی کی طرف نظریں سمٹا کر دریافت کیا "فنی جی! یہ گیت بنانے والا بھلا کیا ہوا؟ اپنی تو کچھ نہیں سمجھا۔"

سیٹھ کریم بھائی نے اپنی اٹھی ہوئی گردن کو دوبارہ موٹنے کی پشت پر دیکھے ہوئے ہر سکون لیے میں کہا "جیسا ایسا ٹانگ بات ہے! تب تو باقی ہی اس کا انڈیو لو۔ اپنی کے دماغ میں تو اس کا کوئی بات نہیں سمجھیں گا۔"

فنی جی نے ٹیک سیدھی کی اور میز پر پڑے ہوئے کانڈ کو پناہ کر پوچھا "آپ کا نام مرزا اسد اللہ خان غالب ہے؟ یہ تو ہو ہو وہی نام ہے جو بھلاو شاہ ظفر کے استاد کا تھا۔"

غالب نے جواب دیا۔ "جی ہاں میں وہی شاعر مل گرفت ہوں وہی غالب خشت ہوں جو کبھی دو بار عفر میں دار مٹھو دی دیا کرتا تھا۔ اور بھولیاں بھر بھر کر انعام لیا کرتا تھا۔ خدا سے دوسرا جنم ٹانگ کر دوبارہ دنیا میں آیا ہوں اور اس جنم میں گزشتہ جنم سے بھی زیادہ بد خلقی ساتھ لایا ہوں۔ دلی میں جرد سے ٹھکرایا گیا اور ہر گھر سے بھاگایا گیا۔ اب بھینٹی میں ٹھوکریں کھا رہا ہوں اور جی ہی جی میں اپنے کٹے پر مچھتا رہا ہوں۔ وہ وقت کی روٹی کے لالے پڑ گئے ہیں دوڑتے دوڑتے پاؤں میں پھاسے پڑ گئے ہیں۔ آج آپ کا اشتہار دیکھ کر یہاں آیا ہوں اور یہ الحیا لایا ہوں کہ جناب مجھے اپنی قلم کے گانے گھنٹے کا موقع عطا کریں اور میرے کرم فرما دیں۔"

فشی لیاقت علی نے سینہ کریم بھائی کو مخاطب کر کے فرمایا "ارے سینہ جی یہ تو بہت بڑے شاعر ہیں۔ ان کے بارے میں ایک قلم بھی بن چکی ہے جس کا نام "مرزا غالب" تھا۔ آپ ہی اس قلم کے ہیرو تھے۔" سینہ نے چونک کر کہا "کیا بولا؟ یہ مرزا غالب کا ہیرو ہے؟ ارے فشی لیاقت علی تم اپن کو بوٹ جانا؟ مرزا غالب کا ہیرو تو بھارت بھوشن تھا۔ اب اس کا مارکٹ کھاس ہو چکا ہے۔ کوئی پروڈیو سراس کو اپنی قلم میں ہیرو نہیں لیتا۔" اور پھر سینہ جی غالب کی طرف رخ کر کے ایک زور دار قہقہہ لگاتے ہوئے بولے "ارے بھائی بھارت بھوشن جی! تم اپنی پرانی قلم کا ڈریس پہن کر آنا ہے! ہائی گاڑ بہت اسارت لگتا ہے! مگر اپن تم کو ہیرو نہیں لے سکتا! اپن ابھی ہیرو کا کنٹرول کر چکا۔ اب اپن کو گیت بنانے والا مانگا۔ تم گانے گیتے کا کیا؟"

فشی لیاقت علی نے گھبرا کر سینہ کریم بھائی کو ٹوکتے ہوئے کہا "نہیں نہیں سینہ جی یہ بھارت بھوشن نہیں ہیں۔ یہ تو مشہور شاعر مرزا غالب ہیں۔ آپ کی قلم میں گانے لکھنا چاہتے ہیں۔"

یہ سن کر سینہ جی مختصر ہو گئے اور انہوں نے سر لیے میں فرمایا "فشی لیاقت علی! تم یہ کیا لڑنے والا بات بولا؟ ابھی کہا کہ یہ مرزا غالب قلم کا ہیرو ہے۔ کیا اپن اتنا نہیں جانتا کہ اس قلم میں ہیرو کا پارٹ بھارت بھوشن نے کیا تھا۔ اگر تم ایسا ہی کل مال کریں گے تو اپن تم کو ڈس کر دے گا۔"

ڈائریکٹر زخمی شہزاد اب تک چپ چاپ بیٹھے ہوئے تھے بیچ بچھڑا کراتے ہوئے بولے "ارے نہیں نہیں سینہ جی آپ کو لگہ فشی ہوئی۔ فشی جی کا مطلب دراصل کچھ اور تھا۔۔۔۔۔" اور پھر انہوں نے بات کا رخ دوسری طرف گھمانے کے لئے مرزا غالب سے مخاطب ہو کر کہا "..... خیر ہاں تو مرزا صاحب آپ کو غلطی گیت گیتے کا کچھ تجویز ہے؟ میرا مطلب یہ آپ نے کبھی عشق کے طور پر کسی کنبائی کی کوئی جھوٹیشن دہن میں رکھ کر کوئی گیت لکھا ہے؟" مرزا صاحب نے جواب دیا "صاحب آپ نے ہمیں کوئی داستان کو سمجھا ہے کہ کنبائیوں سے ہمارا تعلق ہو اور قصوں سے واسطہ ہو؟ میں تو میدانِ شعروءِ ناموس ہوں اور طبقہ خدوہاں کا ایک فرد ہوں۔"

فشی لیاقت علی نے بیچ میں دخل دیتے ہوئے کہا "مگر مرزا صاحب قصوں میں تو آپ کو کنبائیوں پر غور کرنا ہو گا اور جھوٹیشن کے مطابق گیت لکھنا ہو گا۔"

غالب نے ایک آہ سرد کھینچتے ہوئے جواب دیا "ہاں صاحب آپ نے کہا فرمایا۔ جیسا میری شامت اعمال نے مجھ سے کیا کیا نہ کہو! اب تو جھٹ بھرنے اور جن ڈھنگے کے لئے جو آپ کہتے ہیں وہی کہوں گا۔ علم و ادب سے گریز ہو کر قصے کنبائیوں کا دم بھوں گا۔"

شہزادی نے کہا "اچھا تو اپنا لکھا ہوا کوئی روایتی ڈسٹ بنائیے۔" مرزا غالب نے استغماہ طور پر ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "یہ کس شے کا نام ہے؟ کیا یہ کوئی نئی صنفِ کلام ہے؟"

فشی جی نے جلدی سے لہجہ دیا "یعنی کوئی روایتی دو گانہ پیش کیجئے۔" مرزا صاحب پھر بھی کچھ نہیں سمجھے اور انہوں نے باری باری دونوں کی طرف سوالیہ نگاہیں اٹھاتے ہوئے فرمایا "۔۔۔۔۔"

قلم لہار "جنگل" بنی تھی کبھی کبھی جگمگاتے دل رکھنے کو طوطا بھی پڑھی تھی، مگر قلمی دنیا میں دو گانے کا کیا ملبوم ہے؟ یہ امر اس چیز کے لئے قلمی لاسطوم ہے۔"

ڈائریکٹر صاحب نے کہا "جنتاب دو گانے اس گیت کو کہتے ہیں جسے بھو اور بھوئی مل کر گاتے ہیں۔" مرزا صاحب برا سامو یا کر پوئے "استغفر اللہ! مجھے بھی آپ حضرات نے کوئی نوکل دلا سمجھا ہے؟ جو اس قسم کا ہے ہو گا، گانے کے لئے کہا ہے۔"

سینہ کریم بھائی نے صوفی کی پشت پر سے بھر اپنی صوفی اور بھوئی گردن اٹھاتے ہوئے افسار خیال فرمایا "سرا جی یہ سامرا بالکل کنڈم ہے۔ یہ فٹٹ نہیں بنا سکتا تو اپن اس سے کنڈرکٹ نہیں کرے گا۔ تم ننڈ سے دوسرا کیڈیڈیٹ بنانے کو پو۔"

قلمی لیاقت علی نے قدرے گھبرا کر کہا۔ "سینہ جی یہ بہت بڑے شاعر ہیں آپ انہیں یوں جواب نہ دیجئے۔" سینہ جی بھڑک کر پوئے "تم کیا مانگ بات کرتا قلمی جی؟ اپن بڑے بڑے گیت بنانے والوں سے کنڈرکٹ کر چکا ہے۔ اپن نے پٹری قلمی انہوں قلم میں ساحر کو لیا تھا جس کا ہر ساگ ہٹ ہو۔ یہ بڑا کاہنا ساحر سے بڑا ساگ رائٹر ہے؟ تم اس کو ساڈیہ کیوں کرتا؟ کیا حصارا ناٹے والا لگتا؟"

ڈائریکٹر شیا نے پھر سچ بچا کر اتے ہوئے کہا "ارے سینہ جی یہ بات نہیں ہے!" اور پھر معاملے کو رفع دفع کرنے کے لئے وہ دوبارہ مرزا صاحب سے ہنگام ہو گئے۔ "ہاں تو مرزا جی آپ تو ٹیڈی ساگ بناتے۔"

غالب نے جواب دیا۔ "حضرات آپ کی اصطلاحوں کو سمجھنے سے میں قلمی قاصر ہوں کیونکہ ایک صدی قلمی شاعر ہوں۔ ذرا کرم یہ فرما دیجئے کہ اسے مراحت و وضاحت سے سمجھا دیجئے۔"

قلمی جی بولے "یعنی کوئی قلمی نگرہ جسے من کر لوگوں کے دل بھر آئیں۔ گیت نہ سنی، آپ کوئی حزیں غزل بناتے۔"

مرزا صاحب نے اطمینان کی سانس لیتے ہوئے کہا "ہاں یہ ممکن ہے لہجے میری ایک غزل سماعت فرمائیے اور اسے من کر مجھے ملازمت مرحمت فرمائیے۔"

دجئے اب ایسی جگہ جلی کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم حق کوئی نہ ہو اور ہم نہاں کوئی نہ ہو
بے درد و دیوار ما ایک گھر بنایا چاہئے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسہاں کوئی نہ ہو
پڑجئے گر بنار تو کوئی نہ ہو حارار
اگر مر چاہئے تو نوہ خوش کوئی نہ ہو

مرزا غالب اشعار بناتے رہے اور قلمی لیاقت علی اور ڈائریکٹر زنگن شیا آنکھیں بند کئے عالم خود فراموشی میں ان سے محظوظ ہوتے رہے مگر سینہ کریم بھائی کا چہرہ لٹک رہا تھا جسے سے سرخ ہو آگیا اور آخر کار وہ چہرہ لٹک کر کھڑے ہو گئے

اور چل کر بولے "ہندو! اپن یہ گانا نہیں سنیں گا۔ تم پکا فرانا ہے تم اپن کو مرزا غالب قلم کا گانا سنا۔ اپن اگر جاہل ہوتا اور تم سے یہ گانا کھرید لیتا تو سراب سوئی اپنی قلم کھنی پر کورٹ کیس ٹھوک دیتا۔" یہ کہتے کہتے انہوں نے کھنی بھائی جسے سن کر نچو اندر داخل ہو گیا۔ سینہ جی نے اس سے کہا اس گیت بنانے والے کو یہاں سے چٹا کر۔ یہ چار سو ہیں ہے، اپن کا کہا ادا کرونگا۔" اور اس سے چل کر غشی جی اور ڈائریکٹر صاحب کچھ کہہ سکیں، ہست نے مرزا صاحب کا ہاتھ پکڑ کر انہیں کمرے سے باہر کر دیا مرزا غالب نے وہاں سے نکل کر اپنی عرق کشور ڈھلانی سے دھست پونچھتے ہوئے ذرا لب یہ مصرعہ دہرایا۔

ہست ہے آہو ہو کر ترے کوپے سے ہم نکلے

اور مجھے مجھے قدموں سے اپنے دوست کی کھولی کی طرف اس طرح روانہ ہو گئے جیسے کوئی نیا اور اناڑی وکیل شام کو پکڑی سے رخصت ہوتا ہے۔



غالب اور اس کا ماحول

[1]

غالب کی ”ابا“ شعری تصورات، حقیقی روایات اور عام زندگی کے مظاہر میں نمودار ہوتی ہے۔ ان کی اردو شاعری کا بیشتر سرمایہ ہمیں برس کی عمر تک کھل ہو چکا تھا اور اس کے بعد اس میں گہیل اضافہ ہوا۔ مرزا کی فارسی شاعری کا آغاز پچیس برس کی عمر کے قریب ہوا لیکن اس میں غالب حصہ قیام نکلتے کے بعد کی یادگار ہے۔ اردو کلام کو عقلمان شباب کا اور فارسی شاعری کو بعد کے اودار کا حاصل سمجھنا چاہئے۔ فارسی شاعری میں ان کے مزاج کی ہمواری اور ہمدردی کے نشان زیادہ ملتے ہیں۔ ابتدائی اردو کلام میں ان کا تخیل اور استعارات و تشبیہات کی کثرت ہے جو بیدل اور صاحب، ناصر علی، جلال اسیر و فیض کا سرمایہ خاص ہیں۔ آئینہ، طوطی، آسمان، سیلاب، پنبہ، پروانہ، شمع، گلن، سرو، چرخ، شعلہ و آتش ان کی نگری حنا کے اٹھارے کے خارجی پیرائے ہیں۔ غالب سے گل کا ادبی ماحول دراصل زندگی اور اس کے اٹھارے کے مخصوص سانچوں کا دور ہے۔ جب تحریک شعری ایک پیچیدہ نگری نظام سے محسوس اور مرتے ہوئے معاشرے کی افادہ سے پیدا آتا اور خارج از وقت و مہی اور حسی تشبیہوں کے تکرار و تکرار سے سنوارنے میں مصروف تھی۔ ایسے میں کہ خارجی زندگی مثبت عمل سے محروم ہو رہی تھی۔ عمل و حرکت کا واحد وسیلہ غیر ذات کا اور اک اور معاشرے کے تصور ذاتی اور مثالی نمونے کے بیان تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ بیدل کے ماہد الطیبانی تصورات غنی کا شیری کے اخلاقی درس اور صاحب کی مقولہ سازی کی قد میں خارجی زندگی کی بے پناہ پوش سے بچ نکلنے کا درخان قوی ہے۔ یہ اخلاقی درس و تدریس سنی و عمل کو یا تو فرد کی روحانی ترقی پر صرف کرنے کے کام آ رہی تھی یا پھر زندگی کی خارجی بے عملی کو داخلی عمل کے واسطے سے پچانے کی مجبوری قرار دی جاسکتی ہے۔ ان شعرا میں بیدل زیادہ بیدار شعور کا ملک ہے، لیکن بیدل کا زندگی کے جھوٹ کو عمل اور حرکت کے پیمانوں میں پیش کرنے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ وہ دراصل ایک ایسے آدھے معاشرے کی نشان دہی کر رہا ہے جس کا رشتہ خارج سے بہت کمزور ہو چکا ہے۔ معاشرتی زندگی کی یہ تصویر درحقیقت خارج میں اپنا وجود کھو چکی ہے۔ اس کا عمل اور اس کی قوت سرور کا دائرہ کار محض در و دیوار کا تحریک اور اس کا اضطراب فقہ سیلاب کا اضطراب ہے۔ سیلاب و آسمان کے استعارے انسانی زندگی کو کائنات سے الگ کر کے انسان کو مجبوری و بے چارگی کے ساحل پر لاکھڑا کرتے ہیں۔ طوطی و آئینہ زندگی کی خصوصیات تو جیسے کے علاوہ حیرت و حیرانی کا استعارہ ہے۔ یہ حیرت، یہ حیرانی روحانی ارتقا کا اشارہ ہی نہیں خارجی زندگی کی حیرت و حیرانی کا ایک داخلی جواز بھی ہے۔ اس خوفناک صورت حال کو بیدل جیسے حساس اور بیدار شاعر نے جب اپنی گرفت میں لیا تو اس کی تصویر ہماری حقیقی زندگی کا بدل ہو کر رہ گئی۔ انسان کی قوت تغیر حقیقی زندگی میں قابل عمل نہ تھی۔ تحلیل زندگی میں اس کے لئے محرک تعلیم و تعلیمات کا مرکز بن گئی۔ حیرت و حیرانی کی یہ حالت انسان کو گرد و پیش پر نگاہ ڈالنے پر مجبور کرتی ہے تو اس کے کلام وہ ذخیرۃ الفاظ آتا ہے جس کا تعلق انسانی نظر کے ساتھ ہے۔ وہ وہ

نگاہ کی کافر سناہوں کے وسیلے سے متحرک تصاویر (Motor Imagery) شاعر کی کارگاہ خیال میں نمودار ہوتی ہیں۔ غالب کے ہاں بھی 'دید' 'عید نظارہ' 'جلوہ محل' 'دید' 'یعقوب' 'چشم حسود' نگاہ 'آداب' ہمار نظارہ کی کثرت اسی فکری سانچے میں خلق ہوئے ہیں۔ انسان اپنی ذات کو خارجی عوامل کے وسیلے سے پہچانتا ہے۔ غالب نے بھی جس مخصوص ماحول میں اہگو (Ego) کی تشکیل کی، اس میں ان شعری روایات کا حصہ بھی ہے جو غالب کے زمانے سے قبل کی ادبی فضا میں زندہ تھیں اور جن میں خود غالب نے پرورش پائی۔ غالب زندگی کی حرکت اور عمل کو ہیرویت کی سطح سے دیکھتا ہے جس میں شعری تشکلات (Images) کا تحرک خارجی زندگی کی بے عملی کی عطا کرتا ہے۔ غالب کی یہ عطا خارجی حالات کے خلاف شدید مقاومت کا داخلی بیان ہے :

ہاں سے ہیں جو یہ پیش نظر در و دیوار
نگاہ شوق کو ہیں ہاں و پر در و دیوار
وہ آ رہے ہمارے ہمارے میں تو سائے سے
ہوئے خدا در و دیوار پر در و دیوار
نہ پہچانے بے خودی ہمیشہ مقدم سیلاب
کہ ٹاپتے ہیں چلے سر بسر در و دیوار
آمد سیلاب طوفان صدائے آب ہے
تھکن پا جو کلن میں رکھتا ہے انگلی چلہ ہے

عمل اور حرکت سے متعلق اخیرۃ الفاظ کی کثرت غالب کی لانا کو مثبت راستوں پر بھی گامزن کرتی ہے۔

[2]

مرزا کی ابتدائی زندگی ایک ختم بچے کی زندگی ہے جو کبھی چچا کے ہاں پرورش پاتا ہے، کبھی نانا کے دسترخوان کا دلہ بڑا ہے، کبھی سسرال کا دست نگر ہے۔ اپنی ذات کی حفاظت کے لئے سنے سے حساد فقیر کرنے کی ضرورت ہر حال ہر انسان کو پڑتی ہے۔ غالب کی "ہما" اپنے حقیقی زمانے سے نکل کر ماضی کی طرف رجوع کرتی ہے تو اجداد کی عظمت کا احساس انہیں کچھ زیادہ ہی شدت پر مجبور کرتا ہے۔ وہ جس متوسط طبقے میں پیدا ہوئے اس کے لئے ان کی پیشی کافی تھی، لیکن وہ اس پر قانع نہیں ہوئے۔ عمر بھر انہیں اپنے اجداد ہیرو کی عظمت، خاندان کی قدیم دولت، رجبے کی از دست رفتہ وقعت اور شان و شوکت کا دست پاس رہا۔ اس وعدے میں ان کی اپنی مالی حالت ابتر ہوتی چلی گئی۔ آخر عمر تک وہ معاشرے میں اصلی حیثیت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ اس سے ان کی زندگی اور ان کی آرزو کے درمیان فاصلہ بڑھ گیا۔ یہی ان کی بدتمیزی کا سبب بھی ہے اور اسی میں ان کی عظمت کا راز بھی مخفی ہے۔ آرزو کو بلند سے بلند تر مقام پر فائز کرتے ہوئے مثبت حالت میں غالب اپنی "ہما" کے لئے اعتماد کی دولت، خطر

و مزاج کی چاشنی اور نشاطیہ کیفیات کی جلوہ گری کو قلمی توانائی کے لئے ایک حفاظتی دالو (Safety valve) کے طور پر استعمال کرتے رہے۔ اس مثبت روش سے ان کی شاعری میں غلوص و احتاد، زندگی پر گہری نظر ڈالنے اور تجربات کی نوعیت متعین کرنے، کٹھن حالات میں زندگی کو بسر کرنے کا شعور، اپنے تجربات کو مسوداتی نقطہ نظر سے دیکھنے کی سکت آئی:

دمکھی میں سر گیا جو نہ باب نبو تھا
 عشق نبو پیش طلب گار مو تھا
 حسن غزلے کی کشاکش سے چمٹا میرے بعد
 بارے آرام سے ہیں اہل جنا میرے بعد
 منصب شیطانی کے کوئی قاتل نہ رہا
 ہوئی مسکولی و انداز و اوا میرے بعد
 دل سے تری ٹلا، بکر تک اتر گئی
 دونوں کو اک اوا میں رخصت کر گئی
 نظامے نے بھی کام کیا داں کتاب کا
 مسقی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی
 دیکھو تو دل فریبی انداز عشق پا
 سوچ خرام باز بھی کیا گل کتر گئی
 دواع و وصل چہ اکابر لذتے داد
 ہزار بار بعد صد ہزار بار جا

غالب کی شخصیت کی تشکیل میں ان کے حسب نسب نے بہت حصہ لیا ہے۔ ان کے اجداد ترک تھے، پیدل کے اجداد بھی ترک تھے، امیر خسرو بھی ترک تھے، ابو ظفر بلبلو شاہ کے آباؤ اجداد بھی ترک۔ غالب کی اس پسند کے دوسرے عوامل بھی یقیناً ہوں گے لیکن غالب کو ان شخصیتوں سے ایک لگاؤ تھا۔ دیگر معضی اور غیر معضی عوامل کے علاوہ ان کی پسند کا رخ متعین کرنے میں اس مناسبت کو بھی دخل معلوم ہوتا ہے۔ وہ پاک و ہند کے فارسی شاعروں میں صرف خسرو کو پسند مانتے ہیں۔ آخر کیوں؟ وہ ہندی نژاد شاعروں میں سے پیدل کی طرف کو اپناتے ہیں اور اس پر غور بھی کرتے ہیں۔ آخر کس لئے؟ وہ بادشاہوں کی قرطب کو بھی، گری جانتے ہیں، لیکن ابو ظفر بلبلو شاہ کی تاریخ نویسی کی خدمت کو محض سرکاری نوکری کے طور پر نہیں سمجھتے بلکہ اس کے وسیلے سے ترکوں کے نظریہء تاریخ کو بیان کرتے ہیں اور اپنے نسلی تعصب کے بھرپور اظہار سے بھی باز نہیں آتے۔ مرثیہ دو صرف مظاہر تاریخ ہی نہیں ترکوں کے علم الانساب کی دستاویز اور غالب کے تعصب نسلی کی واضح شہادت بھی ہے۔ غالب کے ان اثرات کو قبول کرنے میں

دوسرے عناصر کو بھی دخل ہوگا، لیکن اپنے مزاج سے ہم آہنگی کے لئے انہوں نے ان اثرات کا ایک داخلی رشتہ اپنی ذات سے بھی استوار کیا۔ نسلی برتری پر فخر و تاز غالب کے مزاج کا خاصہ ہے۔

محمد شاہی عہد میں غالب کے دادا ولی میں وارد ہوئے۔ وہ ترکی جانتے تھے لیکن اس کے بعد محمد شاہ قریاں دوا سے عہد کی طرح اس خاندان پر بھی ترکی قیام ہو گئی۔ فارسی زبان اور مقامی روایات نے خاندان کی تربیت کی۔ غالب تک آتے آتے آبائی وراثت کا تھوڑا حصہ باقی رہا تھا۔ غالب کی تربیت جس معاشرے میں ہوئی وہ اگرے اور ولی کی فضا ہے۔ اس میں ابھی فارسی کی ساکھ باقی تھی۔ غالب نے اسی فضا میں آنکھ کھولی اور فارسی اور اردو کے علمی و ادبی سرمائے سے استفادہ کیا۔ اس زمانے میں فارسی لوہ میں دو نکتہ ہائے خیال موجود تھے۔ ہندی ایرانی نسل نے مقامی اور ایرانی کا امتیاز قائم کیا۔ غالب کے حلقہ انتہاب میں نواب حسام الدین حیدر کا گھرانہ اثر انداز معلوم ہوتا ہے۔ شاید اسی خانوے کے زیر اثر غالب اپنے آبائی فرقے کو چھوڑ کر شیعیت کی طرف راغب ہوئے۔ غالب مقامی سے زیادہ ایرانی عناصر کے والد و شیدا تھے۔ ان کے شعری نظموں پر اس نقطہ نظر کا نمایاں اثر ہے۔ ایران پرستی لگاتار میں جا کر اور بھی تیز ہوئی۔ جب وہاں ہندی دہستان کے شیدائی غالب کے فارسی کلام پر معترض ہو گئے۔ غالب کی انا نے اس کا انتقام یوں لیا کہ آئندہ کے لئے اردو کو تقریباً ترک کر کے فارسی شاعری میں مرکباً بیشتر زمانہ صرف کر دیا۔ وہ اردو کی بجائے فارسی پر تاز کرتے ہیں:

فارسی میں تا بہ بنی نقش ہائے رنگ
بگور از محمود اردو کہ ہے رنگ من است

انہیں فرزند گلار کہلاتے پر بھی فخر ہے۔ اور دین بزرگوں سے گریز ان کے نزدیک ایک اعلیٰ قدر ہے:

با من میامیز اسے پسر' فرزند آذر را گر
ہر کس کہ شد صاحب نظر' دین بزرگوں طوفی نگر

ایران کی طرف رغبت کا یہ مسلک صرف مذہبی عقاید کی حد تک نہیں۔ غالب نے اسے زندگی کے جملہ پہلوؤں پر جاری کر رکھا ہے۔ اردو اور فارسی کلام میں آگ اور اس کے حقائق کی کثرت غالب کے فکری نظام میں بہت دور تک جاتی ہوئی نظر آتی ہے۔ 'شع'، 'شعلہ'، 'زبان'، 'لالہ'، 'خون'، 'ناخن'، 'خون'، 'شہیدان'، 'بہل'، 'دست'، 'حاج'، 'سر'، 'رنگ' سے یہ لگاؤ غالب کی زندگی کے بعض جذباتی پہلوؤں کی وضاحت کرتا ہے:

ہوائے میر گل آئینہ ہے مری قاتل
کہ انداز بخون غلطیدن بہل پند گیا
اسد بہل ہے کس انداز کا قاتل سے کتا ہے
کہ مشق تاز کر طون دو عالم میری گردن پر

میں سلوم کس کس کا لو پانی ہوا ہوگا
قیامت ہے سرکھ اکوہ ہوتا تیری مڑکوں کا
رگ تنک سے لپکتا وہ لو کہ پھر نہ تھتا
شے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا
دلم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوتی کا ہے طعن
غیر سمجھا ہے کہ لغت دلم سولن میں نہیں
ہوا جب غم سے ہوں بے حس تو غم کیا سرکے کٹنے کا
نہ ہوتا کر ہوا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا
اٹل تصویر کی دالہ کیوں
آہوں میں بھی حنا باندھتے ہیں
حنائے پائے خواں ہے بہار اگر ہے بھی

.....
غم میں ہوتا ہے آوازوں کو بیش از یک حس
برق سے کرتے ہیں روشنی شع مائم خانہ ہم
مجھے اب دیکھ کر امیر شفق اکوہ یاد آیا
کہ فرقت میں تری آفتاب برستی تھی گھٹاں پر
بجز پرواز شوق باز کیا باقی رہا ہوگا
قیامت اک ہوائے سحر ہے خاک شہیداں پر
چمک رہا ہے بدن پر لو سے جبرائیل
ہماری بیب کو اب حاجت رفو کیا ہے
اچھا ہے سر انگشت حنائی کا تصور
دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند لو کی
وہ جب عشق قضا ہے کہ پھر صورت شع
شع نہ نہیں بجز ریشہ روانی مانگے
غم ہستی کا اسد کس سے ہو جڑ مرگ علاج

طبع ہر رنگ میں جلتی ہے سر ہوتے تک
 دل تا بھر کہ ساحل دریائے طوں ہے اب
 اس وہ گزدر میں جلدی مکل آگے گرد تھا
 طہرت حق کہ اہل تنہا مت پوچھ
 عید نکادہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا
 سورج طوں سر سے گزدر ہی کیوں نہ جائے
 آجہاں یار سے اٹھ جائیں گیا
 یزم ترا طبع و مکل عقلی یوزاب
 ساز ترا زیر و بزم واقعہ کرلا
 بے طور ہوتے ذوق چیدن گنہ من
 دانستہ دشمنہ نیز نکران گنہ کیست
 عجب نکلا سے جاد کے چلے ہیں ہم آگے
 کہ اپنے سائے سے سر پاؤں سے ہے وہ قدم آگے
 بز دھم تیغ باز نہیں دل میں آرد
 جب خیال بھی ترے ہاتھوں سے چاک ہے

[3]

غالب کے ہاں بعض الفاظ جی اہمیت رکھتے ہیں۔ رنگوں میں ان کی Fixation سرخ سبز اور سیاہ رنگ کے ساتھ ہے۔ ان میں سرخ و سیاہ کو بہت اہمیت ہے۔ خون اور اس کے مخلقات کا غالب کی جہنی زندگی سے کیا رشتہ ہے؟ ان کی جہنی زندگی کی تفصیلات معلوم نہیں اس لئے ان علامتی الفاظ کے جہنی سیاق و سباق سے قطع نظر شہدائے کرلا کی شہادت اور اپنی مظلومی کے درمیان معنوی رشتے کی تلاش و جستجو غالب کو سرخ رنگ سے وابستہ رکھتی ہے۔ غالب کی خود دہمی کی یہ ایک رفیع صورت ہے جس میں وہ اپنی زندگی کے معمولی واقعات کو واقعات کرلا سے مماثل کر دکھاتے ہیں۔ شہادت 'خون شہیداں' نکل کے طائفات غالب کے ذاتی کرب کا وہ اظہار ہے جس کی جھلکیاں ہمیں کھستری داستان کے شعرا کی غزلوں میں ملتی ہیں۔ لیکن غالب کی سرخ رنگ سے چسپائی اس کے علاوہ بھی توجہ طلب نکات رکھتی ہے۔ ان کے ہاں سرخ رنگ کا ایک رشتہ سیاہ رنگ کے ساتھ بھی ہے۔ وہ سرخ کو سیاہ میں تبدیل ہوتے دیکھتے ہیں۔ مرنے کا ابھام روشنی نہیں تاریکی ہے۔ نو کا شہادت تک 'نکل کا مرگ تک' سنا کا وارغ تک 'نکل لالہ کی ہنک ونگ کا وارغ لالہ سے' روشنی کا دھوئیں سے رہا اور طوں کا تاریکی سے ایک سلسلہ قائم ہے :

بڑا دل دینے پرش جنوں عشق نے مجھ کو
 یہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ غول تن میں
 سایہ میرا مجھ سے مثل درد بھاگے ہے اسد
 پاس مجھ آتش بھال کے کس سے ٹھرا جائے ہے

ایک ذرہ زین نہیں ہے کار بارغ کا
 یاں جاوہ بھی فیکہ ہے لالے کے درغ کا

شع کی نو غالب کو اس لئے اچھی لگتی ہے کہ وہ بلا اثر بچھ جاتی ہے یا بل جاتی ہے۔ بکھتا اور بل کر رہ جاتا
 غالب کے نزدیک ہر زندہ کا مقصود اور ہر انتہا کا انجام ہے :

میں ہوں اور افسردگی کی آواز غالب کہ دل
 دیکھ کر طرز تپاک اہل دنیا بل گیا
 بوسے گل، غلام دل، درد چراغ محفل
 جو قری بزم سے نکلا سو پریش نکلا
 غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
 شع ہر رنگ میں بچتی ہے سر ہوتے تک
 شع بچتی ہے تو اس میں سے دھواں اُفتا ہے
 شعلہ عشق یہ پرش ہوا میرے بعد
 سائے کی طرح ساتھ نہیں سرد و صبور
 تو اس قدر دھول سے ہو گزار میں توے
 قفس قفس کہ ہے جنم و چراغ صرا
 مگر قفس شع یہ غلام لٹی نہ کسی
 شعلہ سے نہ ہوتی ہوس شعلہ نے جو کی
 ہی کس قدر افسردگی و دل پہ جلا ہے
 قری کف خاکستر و بلبل قفس رنگ
 اے تالہ نشان ہجر سوختہ کیا ہے؟
 جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا

کہتے ہو کہ اب راکھ جتنی کیا ہے
 مٹی بٹے فوجی ٹکا کی ٹانہی پر نہ کیوں؟
 ہم نہیں بٹے نفس ہر چند آتش ہر ہے
 آگ سے پانی میں بجتے وقت اضمحی ہے صدا
 ہر کوئی دماغی میں ٹالے سے ٹاپا رہے (2)

محبوب کے سراپے میں بھی انہیں رنگوں کی آمیزش غالب کے لئے دلچسپی کا سامان ہے۔ ان کی "انا" اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ وہ اپنے کلام میں محبوب کے پیکر سے انسانی اور گوشت پرست کا حلقہ رکھتے ہوئے بھی اس کی پوری تصویر قاری کو بھی نہیں دکھاتے۔ کبھی کبھی تو محبوب غالب کی ذات کی Projection کا روپ دھار لیتا ہے۔ یہ محبوب خارجی وجود رکھتا ہے اس کے جسمانی پہلو اور حرکات و سکنات غالب کو مرغوب ہیں۔ اس کے خرام ٹاز اس کے اعضا اس کی نزاکت اور حیاداری اس کا چہرہ اس کے گل اس کی زلفیں اس کی آنکھیں غالب کو پسند ہیں۔ وہ اس کے شباب کی دل آویزی کے بھی قدردان ہیں۔ لیکن کلام غالب کی مدد سے اگر آپ غالب کی محبوب کی تصویر بنانا چاہیں تو وہ از حد دھندلی اور محم ہے (3)۔ غالب عشق و محبت میں اپنی ذات کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ وہ محبوب کے سراپے سے زیادہ اس کے بارے میں تعصبات دہینے کو اہم جانتے ہیں۔ محبوب کے احساسات کو بیان کرنے کی بجائے محبوب کو محض اپنے داخلی کوائف کے مسح کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ان کی "انا" آپ اپنی رقیب بھی ہو جاتی ہے:

کیوں جل گیا نہ تب رخ ہار دیکھ کر
 جٹا ہوں اپنی طافت دیدار دیکھ کر
 دا کر دیئے ہیں شوق نے بند قبلے حسن
 غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا
 ابھرا ہوا نقاب میں ہے ان کے ایک تار
 مرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو
 ہم دھجک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے
 مرتے ہیں دلے ان کی تنہا نہیں کرتے
 مگر بے خودی میں بھول گیا دلوں کوئے ہار
 جاتا دگر نہ ایک دن اپنی خبر کو میں

اسی سیاق کی وجہ سے غالب کو خط (نامہ) 'نامہ بر' نامہ و فیہو سے بھی تعلق خاطر ہے:

سیاہی جیسے گر جاوے دم تھرے کھنڈے
مری قسمت میں یوں تصویر ہے شب ہائے بھراں کی

غالب کا محبوب اس کے جذبات و خیالات کا عکس ہے۔ اس عکس میں غالب اپنا چہرہ دیکھتے رہتے ہیں۔ ایسے میں وہ صرف وہی نقش اُٹھاتے ہیں جو ان کے ذاتی میلانات سے مطابقت رکھتے ہیں۔ انہیں سرخ رنگ پسند ہے۔ یہ سرخ رنگ اپنی دو بہ تغیر صورت میں سیاہ رنگ میں تبدیل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

غالب محبوب میں بھی سرخ و سیاہ کی فراوانی تلاش کرتے ہیں۔ خون بہل، پنچہ مریم، شرار و رنگ بھی علامتی حیثیت رکھتے ہیں۔ فرد کی جذباتی زندگی سے ایک سے زیادہ رشتے علامت کا بنیادی وصف ہے۔ یہاں بھی ان علامات کے کئی رنگ ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ ان کا ایک غیر محسوس رشتہ متضاد رنگ یعنی سیاہی سے بھی ہے۔ خون بہل کا شہادت سے 'موت کا قبر سے' 'لالے کا داغ سے' 'دل کا داغ دل اور سیدائے دل سے' 'زخم کا چٹم سے' 'موت کا چٹم کی مناسبت سے' 'خوشی کا فم سے' 'نشا کا رنج سے' ایک ایسا رابطہ ہے کہ غالب اکثر دونوں حالتوں کا ایک ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ غالب کی ایران پر مبنی تصویر کے جس عکس میں اسیر ہے اسی کا لازمی رشتہ مقابل اور تضاد کی اس دھوپ چھاؤں کے ساتھ ہے۔ غالب سرخ رنگ کو اس لئے عزیز رکھتے ہیں کہ اس میں سیاہ رنگ میں حقیقت ہو جانے کی صلاحیت ہے۔ اس لحاظ سے سرخ و سیاہ کا یہ باہمی ربط جنسی زندگی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ روشنی انہیں عزیز ہے کہ وہ تاریکی سے دست و گریب ہیں۔ جنسی روابط کا مرکز صرفی سے سیاہی کی طرف ایک علامتی سفر ہے اور غالب کا کلام ان کی زندگی کے اس پہلو کا عکاس ہے :

رہساز یار کی جو کھلی جلوہ عصری
ذلف سیاہ بھی شب مستاب ہو گئی
موج مجسم لب آسودہ مسمی
میرے لئے تو خفا یہ ناپ ہو گئی

ان جنسی علامتوں کا تعلق غالب کے تہذیبی افق سے بھی ہے۔ ان کے ہاں یہ علامات اپنے تضاد کی وجہ سے بھی غالب کے لئے پرکشش ہیں۔ ایران دوستی ان کے تصورات کی متضاد کیفیتوں کو ایک لڑی میں پرو دیتی ہے۔ غالب کے تصورات حسنِ شقی بھی دوائی راستوں سے بہت کر "لانا" کے داخلی مسائل سے ہم آہنگ ہیں۔ فارسی اور اردو کے مروجہ تصورات حسن کو خیر باد کہہ کر غالب محبوب میں سرخ و سیاہ کے ڈانڈے یوں بھی ملائے ہیں کہ ان کا محبوب دوائی محبوب کی بجائے ایک 'تم پیشِ دو مٹی ہو جانا ہے۔ کیا غالب کے ہاں محبوب کا رنگ ان کے نفسی رجحانات کا مرکزی نقطہ ہے؟ یقین سے تو نہیں کہا جا سکتا، لیکن مظہر حقیقت یہی معلوم ہوتی ہے :

مٹی کیے جوش صفائے ذلف کا اعضا میں نکس

ہے نزاکت جلوہ' اسے کلام سے قافی تری

غالب کا تصور محبوب سیاہی اور تاریکی سے کسبِ حسن کرتا ہے۔ غالب کو محبوب کی زلفیں اس لئے عزیز ہیں کہ وہ سیاہ رنگ کی ہیں۔ حُرکان بھی سیاہ ہیں، آنکھ کی پتلی سیاہ ہے، 'سایہ بھی سیاہ ہے' چٹم و بادل وار بھی اپنی سیاہی کی وجہ سے پسندیدہ ہے۔ اس لئے محبوب کے سراپے کی جو معمولی سی ہلک کلام غالب میں ملتی ہے اس میں تاریکی اپنا رنگ بھانے ہوئے ہے: -

چٹم طوہاں غامضی میں بھی فوا پرواز ہے
سرسر تو کوسے کہ دور شعلہ آواز ہے
ٹوٹھیں میں ترشا ہوا تھکتی ہے
نگاہ دل سے ترے سرسر سا تھکتی ہے

غالب، 'تصور محبوب روایت سے نہیں اپنی خارجی زندگی اور داخلی نفسی کوانکف سے حاصل کرتے ہیں۔ اس سے ان کی انا کو صحتِ مددِ راستہ مل گیا۔
غالب روایتِ تصوراتِ حسن و عشق کا مخالف ہے۔ وہ عشقیہ تصورات کو بھی اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک ذاتی تجربے کی مدد سے اس کے حسن و قبح کا جائزہ نہیں لے لیتا۔ وہ بنے جانے شعری تصورات کا مخالف ہے۔ غالب کی قوتِ مقاومت کا میدان وسیع ہے:

کیا کیا طغر نے سکندر سے
اب کسے رہا کسے کوئی
بدنگی میں بھی وہ آزار و غرور ہیں کہ ہم
اٹے پھر آئے در کعبہ اگر وا نہ ہوا
قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے طوہاں جبین
ہم کو منظور تک غرقِ مسموم نہیں
کیا وہ نمود کی خدائی تھی؟
بدنگی میں مرا بھلا نہ ہوا
شبیہ ام کہ ہے آتشِ تسوختِ ابراہیم
ہے ہیں کہ ہے شر و شعلہ ی قواہم سوخت
قاشائے گلشن، قشائے چمن
بہار آفرینا گلزار ہیں ہم؟

مینف کہ من بھوں مجھ وڑ تو خن رود کہ تو
الٹک بدیدہ بشعوی آو بہ سینہ نگری
دیتے ہیں جنت حیات دہر کے بدلے
نشر بہ اندازہ طہار نہیں ہے

ماحول سے مسلسل برسرِ پیکار رہ کر غالب نے اپنی "کویتا" کو یوں معقول کر لیا کہ آرزوئی اور انگلیوں کی سچ گود
فیش کی میسر شدہ آسائشوں سے بہت بلند اور ارفع ہو گئی:

حضر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے لوح ہو گا کاش کے مکاں اپنا
نہ بندھے تھکنے شوق کے مضنوں غالب
گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل بازو کا
مری ہستی فضا کے حسرت آباد قننا ہے
جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا عقاب ہے
نہ ہو گا یک بیاباں مانگی سے لہق کم میرا
حباب سوجھ و رفتار ہے نعل قدم میرا
نا کہہ گناہوں کی بھی حسرت کی طے واہ
یا رب اگر تیرا کہہ گناہوں کی سزا ہے
آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد
مجھ سے مرے گز کا حساب اے خدا نہ مانگ
ہر چند سبک دست ہوئے بہت فتنی میں
ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سبک گراں اور
ہنگامہ زوئی بہت ہے انشال
ماصل نہ کیجئے دہر سے صبرت ہی کہیں نہ ہو
ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم لگے
بہت لگے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم لگے
دیر و اند و پاید و آسپاں گاہ شد
در انتظار تا رام چید نم نگر

کو کہم را در ہدم ادب توئے بود است
شربت شعرم بگفتی بعد من خواہ شدن
بیا و ہوش رفتائے دیدم بگر
چو انگ از سر حنکوں چکدتم بگر

اپنے ماحول سے آمادہ جنگ رہنے کی وجہ سے غالب کی زندگی مسلسل تکلیفوں، مسلسل اضطراب اور خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں رہی۔ اس سے ان کی انگو (Ego) کے شیت اور حقی دونوں پہلوؤں کی آہ باری ہوتی رہی۔ کچھ زمانہ سلیم ہیں اور کچھ صحت مند (4)

[4]

غالب ۱۸۷۶ء میں لکھتے تھے: "ان کی ابتدائی دہائی زندگی معاشی آسودگی میں بسر ہوئی تھی۔ جاگیرداری نظام کی سیاحت کردہ جماعتیں اور نو و لعب کے وہ سارے طبقے جو ہستانی اور ذہنی تسکین کے لئے فرد کو اس کے معاشرے سے ہم کنار کرنے کا باعث ہو سکتے ہیں غالب کو بھی میسر تھے۔ پیش و محشر میں جوانی کو بسر کر کے غالب نے اپنے لئے ادارت اور فارغ البالی کا جو نمونہ تراش لیا تھا وہ انہیں عمر بھر ایک آسیب کی طرح پریشان کرتا رہا۔ نواب احمد بخش خاں کی گرفت فنی (۱۸۷۶) اور خانگی معاملات کی پیچیدگی نے غالب کو زندگی کی ہر وجہ کے دور ہے پر لا کھڑا کیا۔ ان میں ہندو اپنا حق طلب کرنے کا احساس بیدار ہوا اور اس فعال قوت نے ان کے ہاں ذہنی اور عملی دونوں لحاظ سے ایک طوفانی سرگرمی کا آغاز کر دیا۔ وہ قانونی کارہا ہوئی کے لئے لکھتے روانہ ہوئے۔ اس سے قبل وہ جذباتی آشوب سے دوچار ہو چکے تھے۔ ایسے میں کام میں ہے چارگی، بے بسی اور بے چارگی کا اعتراف اور ناکامیوں پر آنسو بہانے کا طریق زیادہ بہاد ہے۔

فلت کدے میں میرے شب غم کا ہوش ہے
اک شمع ہے دلیل سر سو غموش ہے
دارغ فراق صحبت شب کی بلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی غموش ہے

غم کی تپتی کو اس انداز میں قولے کے لوات بھی غالب پر اپنا اثر چھوڑ گئے۔ وہ بخشن کے مقدمے میں ناکام ہوئے اور انہیں قرض کے ایک مقدمے میں خانہ فنی پر مجبور ہونا پڑا۔ اسی طرح کا شدید دور آخری عمر میں آیا تھا جب انہیں ۱۸۷۷ء کے بعد طرح طرح کے مالی مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ قاطع یہاں کے قضیے میں الجھتا پڑا اور قرض داروں کے ہاتھوں سخت نڈاب کا سامنا ہوا۔

ان تین ادوار میں غالب کی شخصیت انہیں بے بسی اور بے چارگی کے حصار میں مقید کر رہی ہے اور وہ اپنے

کلام میں گرید و شیون کا سا انداز اختیار کرتے ہیں لیکن عام طور پر ان کی "اٹا" انیس مثبت انداز میں مقلومت کا حوصلہ بخشتی ہے۔ اپنی اہلالت سے اس طرح کی نظرت کا احساس صرف وہی ہے :

اور میں وہ ہوں کہ مگر جی میں بھی خود کہوں
غیر کیا خود مجھے نظرت مری اوقات سے ہے
سہ ہم ہوں لازم ہے میرا ہم نہ لے
جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب سے

ایسے میں بعض اوقات غالب اپنے فم کو وہ سرے کا فم قرار دے کر سنجین کا موقع دھونڈتے ہیں :

شورش باطن سے یاں تک مجھ کو غفلت ہے کہ وہ
شیون دل یک سرود غلغلاہ ہمایہ ہے

لیکن باخوم غالب کی قوت و اہلیت حالات سے ٹکرانے اور برسرِ پیکار ہونے ہی میں مسرت محسوس کرتی ہے۔ وہ "معا" زندگی سے غصہ کی بجائے مقابلے کی طوائش رکھتے ہیں۔ "عمل" حرکت اور حرارت انہیں زندگی کا حاصل معلوم ہوتی ہے۔ وہ حیات میں حرکت و تھوڑ کے خواہاں ہیں :

دگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قافل
جو آگہا ہی سے نہ بچے تو پھر لو کیا ہے

گرد بار وہ ہے تلی ہوں
مرمر شوق ہے پانی میری

اپنا نہیں وہ شیون کہ آرام سے بیٹھیں
اس دور پہ نہیں بار تو کیسے ہی کو ہو آئے

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیا غالب کی "اٹا" جمہوی اعتبار سے انہیں عزیز و پاس کے سمندر میں غرق کر دیتی ہے یا وہ زندگی کی ہر مثبت قدر کی غنی کرتے ہوئے زندگی کے بارے میں ایک معاونانہ رویہ دیکھتے ہیں؟ غالب کی زندگی سیدھے خط سے عبارت نہیں اس میں مد و ہذر ہیں۔ غالب اپنے اردو اور فارسی اشعار میں عقلی سطح کو جذباتی سطح پر فزیت دیتے ہیں اس لئے ان کے ہاں زندگی کو تھقل کی مد سے دیکھنے کا شعور پایا جاتا ہے۔ یہ ہوش مندی غالب کو بالخصوص کی اہم گمرانی میں گم نہیں ہونے دیتی۔ وہ زندگی اور اس کے مسائل کو ایک باشعور شخص کی طرح دیکھتے ہیں اس سے ان کے تجربات میں گمرانی اور ان کے نقطہ نظر میں ہوش و خرد کا رنگ زیادہ ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن میری دانست میں عقل کی یہ کارگزاری کسی ٹھوس فلسفیانہ نقطہ نظر کا نتیجہ نہیں۔ غالب بنیادی طور پر جذباتی شخص

ہیں۔ ان کی عقلی سطح و راصل ان کی زندگی کی جذباتی اتلاؤں کی ایک منقلب صورت ہے۔ میرا قیاس یہ ہے کہ غالب زندگی کو جذبات کے راستے سے دیکھتے ہیں اور اس کی لطیفانہ تعبیر اور تشریح بعد میں کرتے ہیں اس لئے ان کے ہاں جذبات کے آثار چمکاتے ہوئے عقلی فیصلے بھی مختلف ادوار میں مختلف طرح بیان ہوئے ہیں۔ آپ اسے ان کے فکر کا تضاد سمجھیں یا ان کی متحرک زندگی کا سیلاب یا لاوا، وہ کسی منطقی فیصلے کو زندگی کا آخری فیصلہ نہیں جانتے۔ جب حالات کے دباؤ سے ان کی لانا کو صدمہ پہنچتا ہے تو وہ بھی زندگی کو آئی و قافی ماننے لگتے ہیں اور اپنے فہم کو بھی غفلت کے دوسلے سے، کبھی فرار سے کبھی، تسلیم و رضا سے، کبھی نفرت و طغیان یا طغزو و طرافت سے، قاری پر چما جاتے ہیں۔ وہ دراصل کیفیات (Moods) کے شاعر ہیں۔ ان کی جذباتی زندگی جوانی کی ابتدائی خرواہوں میں جذبات کی تذبذب کی طرف متوجہ ہوئی اور ان کے ابتدائی بے دلائلہ کلام میں زندگی کو قفل کر کے اس سے کام لینے کا جذبہ قوی نظر آتا ہے لیکن یہ حالت پھر تغیر سے دوچار ہو گئی۔ اپنی جوانی کے ایک حصے میں انہیں حالات سے مقابلہ بھی کرنا پڑا۔ اب "ہاں" کو صدمہ پہنچا۔ اس زمانے کی فطرتوں میں فہم کی گرفت زیادہ مضبوط ہے۔ یہ دور ان کی باطنی حالت کی ابتری کے علاوہ ان کی جذباتی ابتری کا دور بھی ہے۔ کچھ مدت کے لیے "انا" غیر صحت مند راستے پر ذرا دور تک چل نکلی۔ اب انہیں دلی کا ہر باشندہ و دشمن نظر آنے لگا۔ ٹککتے سے واپسی کے بعد ۱۸۳۵ء تک ان کی انا مریشات راستوں پر پارہ پارہ رہی :

"دور عرض ایسے سال رسم و راہ ایمان دلی بر گشت و پام مرد و عاقل و سلسلہاں دوقی عرصہ وار و گھر گزیدہ" (۱۵)

"چہ گویم از بخت خود چہند گد مندوم و از بھوم اعدہ چہ مایہ نخرندم۔ خطبے سر آزاد من دادود عالنے تختہ خون من است۔" (۱۶)

"حقاک مرد آؤرم در نملو موم دلی نیست" (۱۷)

"وہلوان حسد پیش چوں مرا تخلص صلوٰۃ الاولائے مولوی والستند رنگ آن دھتند لہ در ہر دوازے دو بار سے بار پر آگندہ گسے نرو من آید و آنچہ خواہ از پیش خود بخرشد و بیان نماید" (۱۸)

"منت لدائے راکہ نامرادی و ناگاہی بر من آسمان است اما ہرے از خندہ عوام و ملاست خواص آوار ہی کشم۔" (۱۹)

"ممل یوں از ٹککتہ چہ غضب است۔ واللہ کہ دلی شائستگی آن نداد کہ آؤارہ در دے خاک نہیں تواند بود۔ خاص و عام ایسے جہے بے سبب آؤار و مرد و زن ایسے جہہ یوم موم خوار، بخاطر داد کہ چون ایسے داور ہی بیایان رسد چہ بماند از ہی شریہ اکیم و ٹککتہ راور یابم" (۲۰)

"آگیا ٹککتہ و دق و خود را ہیچ شانہاں دارم از در و دیوار شانہاں آگیا بجای داد" (۲۱)

یہ خط ۱۸۳۹ء سے لے کر ۱۸۴۵ء کے درمیان مختلف اوقات میں لکھے گئے۔ اس دور میں غائب کے مقدمے کا فیصلہ غالب کے خلاف ہوا، قرض کے مقدمے میں گوشہ نشین ہوئے، ولیم فریڈ کا قتل ہوا اور غالب ایک محسن سے محروم ہو گئے۔ غالب کے حالات میں سارے دلی والے طوط نہ تھے۔ ان کی نزگیت مریشات راستے پر مصروف سفر ہو

پہلی حتیٰ لیکن ۱۸۷۱ء نے انہیں بھرپور سی و کوشش کے راستے پر ڈال دیا اور ۱۸۷۵ء تک وہ اس مریضانہ صورت حال سے بچ سکے۔ یہی زمانہ ان کی فارسی شاعری اور غزلیوں کے عروج کا ہے۔ اس دور میں غالب نے فارسی شاعری پر زیادہ توجہ کی اور یہ کلام ان کی شخصیت کو زیادہ مربوط اور ان کی جذباتی زندگی کو زیادہ استوار کر کے پیش کرتا ہے۔ غالب بھر صحت مندی سے روشناس ہو سکے۔ اس مستحکم اور پر وقار جذباتی زندگی میں آخری طوفان ۱۸۷۵ء کی ہنگ آزلوی نے پیدا کیا۔

غالب کی نئی زندگی بھی کچھ زیادہ کامیاب معلوم نہیں ہوئی۔ بے اولادی کا احساس انہیں شدت سے رہا اور آخر عمر میں اس کا احساس زیادہ شدید ہو گیا تھا۔ لگتے سے وہ اپنی تک وہ اولاد کی طرف سے بائیں ہو چکے تھے۔ اپنی انا کے استحکام سے وہ ان ذاتی محرومیوں کا مقابلہ طویل و مزاحیہ جرات سے کرتے رہے۔ ان کی شوخی اور شریعہ پابانی شعری سہارے کا دور حصہ ہے۔ آرزو کی شدت، جد و جد کی کلوت، مقاصد کی بلند آہنگی، غالب ان وسائل سے اپنی توانائی کو بحال کیے ہوئے تھے:

حریف مطلب مشکل نہیں فسون نیاز

دعا قبول ہو یا رب کہ عمر خضر دراز

۱۸۷۵ء میں ان پر گزرنے والے صدائے نے انا کو ایک بار پھر سقیم راستوں پر ڈال دیا۔ یہاں قاطع کے سلسلے میں غالب کی جوانی کا ردائیاں صحت مند انسان کے مزاج کو پیش نہیں کرتیں۔ اعصاب کی کمزوری کے ساتھ شخصیت کا تارو پود بھی یکسر شروع ہو گیا۔ اس زمانے میں قرض خواہوں کے ہاتھوں بھی غالب پریشانی میں گرفتار رہے۔ قربان علی بیگ سالک کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

”یہاں خدا سے بھی توقع باقی نہیں، مخلوق کا کیا ذکر؟ کچھ بن نہیں آتی۔ آپ اپنا کشمکش ہی کیا ہوں۔ رنج و دلت سے خوش ہو جاؤں، یعنی میں نے اپنے کو غیر تصور کیا ہے۔ جو دکھ مجھے پہنچتا ہے کتا ہوں تو غالب کے ایک اور جوتی گئی۔ بہت اذیتا تھا کہ میں بڑا ماہر اور فارسی دان ہوں۔ آج دور دور تک میرا جواب نہیں۔ لے اب قرض داروں کو جواب دے۔ سچ تو یوں ہے غالب کیا مرا بڑا ظلم مرا“ بڑا کافر مرا۔ ہم نے از رو تقسیم جیسا بادشاہوں کو بعد ان کے ”جنت آرام گلو“ ”عرش نشین“ خطاب دیتے ہیں“ چونکہ یہ اپنے آپ کو شاہ قہر و خنی جان تھا“ ”سفر مقر“ اور ”پادشہ زانو“ خطاب تہنیز کر رکھا ہے۔ آئیے ہم اللہ بھارہ ایک قرض دار کا گرجان میں ہاتھ“ ایک قرض دار بھوک مٹا رہا ہے۔ میں ان سے پوچھ رہا ہوں۔ اتنی حضرت جواب صاحب۔ جواب صاحب کیسے“ ”لوکلان صاحب۔ آپ سلطنت اور افراسیابی ہیں۔ یہ کیا ہے حرمی ہو رہی ہے؟ کچھ تو اسکو“ کچھ تو بولو۔ بولے کیا ہے حیا“ بے غیرت“ کو غمی سے شراب“ گندمی سے گلاب“ براز سے کپڑا“ میوہ فروش سے آم“ مراف سے دام قرض لے جاتا تھا۔ یہ بھی سوچا ہوتا کہیں سے دن کا (۱۲)۔“

یہ لب و لہجہ اپنی شخصیت کی کثرت ریخت کے عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر پیدا ہوا ہے۔ غالب کی شخصیت نیز می کھیر ہے جس میں جذباتی مد و جہد نے رنگا رنگی اور طرح پیدا کر رکھا ہے۔ اس کے پیچھے کسی مستقل اور مرتب نظام فکر کی جستجو ممکن نہیں۔ وہ شاعر پہلے ہیں فلسفی یا کلمہ اور بعد کو ہیں۔

[5]

لارڈ لیک کے قبضہ دہلی ۱۸۵۳ء سے پہلے غالب پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے شاہ عالم خانی، اکبر شاہ خانی اور ہجو ظفر بہادر شاہ کا دور دیکھا۔

وہ جس معاشرے کے فرد تھے اس میں بے انتہائی دشمنی و منافقت قائم ہو رہی تھی۔ اقدار کی کثرت کا عمل شروع ہو چکا تھا۔ نئے معاشرے نے پرانے معاشرے کی جگہ ابھی نہیں لی تھی۔ نئی اقدار جن کا چلن ۱۸۵۷ء کے بعد ہوا ابھی محض سایہ ریز تھیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارتی پالیسی نے متوسط طبقے کے وجود میں آنے کے فطری عمل کو روک رکھا تھا۔ شہری زندگی اور صنعتی کاروبار کو ختم کر کے پاک و ہند کو زرعی معیشت کی طرف لے جانے کی شعوری کوششوں کا نتیجہ یہ تھا کہ سیاسی اور اقتصادی نظام کے ساتھ ساتھ تہذیبی عادت کا شیرازہ بھی بکھرتا چلا گیا۔ قدیم نظام معیشت کے خاتمے کے ساتھ قدیم اقدار پر زور پڑی۔ روحانی تقاضوں کی جگہ ابھی مادی حقیقتات نے نہیں لی تھی، خلا کی کیفیت تھی۔ نئے علوم اور نئے انکشافات کو معاشرتی زندگی میں کسی حد تک محسوس کیا جا رہا تھا، لیکن زندگی اور نظریات زندگی کے درمیان فاصلے بڑھ چکے تھے، عقیدے اور عمل میں جاپیں کی حالت تھی۔ اقدار کی مثالی صورتیں صرف ذہنوں میں تھیں عملی زندگی ان سے محروم ہو چکی تھی۔ مختلف عوامل کا یہ تصادم غالب کے سامنے تھا۔ حساس اور باشعور انسان کی طرح انہوں نے اسے دیکھا۔ زندگی کے تقابل نے ان کی شوقی اور شوخ بیانی کے لیے مواد فراہم کیا۔ کبھی کبھی وہ اس تقابل کو بہت نمایاں شکل میں بھی دیکھتے ہیں :

فرست اگرت وقت دیدہ مغنم انکار

ساقی و مغنی و شرابے و سروے

دینار ازاں قوم نہ ہاشی کہ فرہند

حق را بسجودے و نبی را بہ دودے

بے عمل اور محروم کی جگہ غالب کی شاعری حرکت اور عمل کی قریب ہے۔

نئی زندگی کے تقابلے اور اس کی تاریخی شکل ابھی پوری طرح سامنے نہیں آئی تھی۔ غالب کے ہاں زندگی کی مثبت قدروں کا احساس قافی ہے، ان کی معین صورتیں نہیں ہیں۔ یہ صورتیں آگے چلی کر سرسید احمد خاں اور حالی کی قریبوں میں پہلی بار نکھر کر سامنے آئی ہیں۔ جب شعردوب کا تعلق زندگی کے گہرے شعور کے ساتھ استوار ہو گیا۔ غالب کے سامنے تک یہ منزل نہیں آئی تھی۔ غالب کا دوبہ انسانی رجحانات کے خلاف ایک احتجاج تو ہے بغاوت

نہیں۔ اس کی شعری نفاذ ہی معاشرتی زندگی ہے جو ذوق اور شہ نصیر کی زندگی تھی۔ پس اتنا ہے کہ غالب نے خلق و تخلیقات کی تائید سے اپنی شاعری کا جہن نہیں سمجایا۔ اس نے ذاتی تجربے کی اہمیت کو شدت سے محسوس کیا اور اپنے عقیدے پر عمل پیرا ہو کر اردو ادب کو زندہ اور پائیدار طرز احساس عطا کیا۔ یہ طرز احساس آج بھی اردو شاعری کے لیے سرِ پایہ افتخار ہے۔

حواشی

- ۱۔ اردو کے معنی "غالب" میرزا لودھی ۱۹۳۳ء میں اول مطبعہ ۱۹۳۷ء (مطالعہ ہنزائی "غالب اور مغل شاہیں دہلی کا تاریخی نظریہ" ۱۱) "انکس ہو" (شریف آباد) نے لکھائی طور پر، اگرچہ وہ میرزا کی علامت بھی ہے۔ غرض اور کیا غرض کے اختلافات بھی غالب کے ہاں زندگی اور زندگی کے اس خلق کا اشارہ ہیں
- نفاذ غرض غرض سے خلق ہے غرض
میرزا غرض کے ہاں ہے غرض
پس غرض غرض ہاں ہے غرض
از سر نو زندگی ہو غرض ہاں ہے
- اس تاریکی کا رنگ غالب کی لکھائی (Pencil) سے بھی ہے۔ کیا غالب کے ہاں یہ علامت محبوب کی دھند سے غیر معمولی دلچسپی کا نتیجہ ہے؟ یا غرض ہی کی ایک حالت جنم ہے غرض کا نتیجہ ہے؟ یا محبوب کی جہاد و کشت ہے؟ اس کے بارے میں قطعیت سے اس وقت تک کہنا ممکن نہیں جب تک غالب کی زندگی کے بارے میں کچھ مزید معلومات حاصل نہ ہو جائیں۔ دہلی "غرض" تاریکی کا باقی خلق میں صورت حال کی طرف اشارہ کرتا ہے۔
- دوسرے حوالے ہیں اس کو کچھ صورت حال قرار دیا گیا ہے۔
- ۲۔ تحصیل کے لیے دیکھیے غرض غالب "مطالعہ ہنزائی" "غالب کا تصور حسن و خلق" میرزا احمد علی ص ۷۷ تا ۸۸
- ۳۔ اس نکتے کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو میرزا کا کتاب "ہنزائی" "غالب اور کتبیں حیر" درمیان "غالب میرزا" ص ۷۷۔
- ۴۔ مکتوب عام مولوی سراج الدین "آرکائیو" ۲۸ نومبر ۱۹۷۹ء حقائق "غالب" میں ص ۷۷
- ۵۔ مکتوب عام مولوی سراج الدین "حقائق" "غالب" میں ص ۷۷
- ۶۔ "ہنزا" میں ص ۷۷
- ۷۔ "ہنزا" میں ص ۷۷
- ۸۔ مکتوب عام میرزا احمد جگہ غالب "ہنزا" میں ص ۷۷
- ۹۔ مکتوب عام میرزا احمد جگہ غالب "ہنزا" میں ص ۷۷
- ۱۰۔ مکتوب عام میرزا احمد علی "کتابت لغز غالب" میں ص ۷۷
- ۱۱۔ مکتوب عام مولوی سراج الدین "حقائق" "غالب" میں ص ۷۷

مختص لال کپور

غالب کے اڑپس گے پرزے

بلخ ہشت میں مرزا غالب اپنے محل میں ایک پر تکلف مسند پر بیٹھے وہ ان غالب کی وقتی گردانی کر رہے ہیں۔ اچانک باہر سے خنوں کی آواز آتی ہے۔ غالب کے..... اڑپس گے پرزے..... غالب کے..... اڑپس گے پرزے مرزا گھبرا کر لا حول پڑتے ہیں اور فرماتے ہیں: یہ لوگ جنت میں بھی جہنم نہیں لینے دیں گے۔ پھر خدا کا حکم دیتے ہیں: باہر جا کر پتہ لگاؤ یہ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں وہ خبر لاتا ہے کہ: غالب بکھنوں نے ایک جلوس نکالا ہے۔ جس کی رہنمائی یاس یگانہ اور طباطبائی کر رہے ہیں اور یہ جلوس شہنشاہ سراج الدین ابو ظفر کے محل کی جانب بڑھ رہا ہے۔ اسے میں دیوان غالب کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں پرزے لٹا میں اڑتے ہیں مرزا کے محل میں گرتے ہیں وہ ان کو اٹھاتے ہیں اور یہ دیکھ کر حیران ہو جاتے ہیں کہ ان پر ان کے اشعار کے علاوہ کچھ اور بھی لکھا ہے۔

کہتے ہو جواب راکھ بھجو کیا ہے..... خوب محبوب نہ ہوا مرئی ہوئی ہو راکھ کو کہہ دی ہے۔ کہتے: "لفظ یہاں نکتا غیر مناسب ہے (طباطبائی) جو جو وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ جہنم..... وا صاحب خدا کا شکر کیجئے کہ جو جو سر سے گر پڑا ہے۔ اب اسے بھر اٹھا کر گردن ڈروانے کا ارادہ ہے کیا۔ پھر تجھے دیدہ تریاد آیا..... اتنی صاحب! کس کا دیدہ تر؟ اپنا؟..... رقیب کا؟..... محبوب کا؟..... سب اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا..... یک نہ شدہ شدہ یعنی کس کا سر یاد آیا۔ بھنوں کا؟ اپنا؟ یا شیخ ابراہیم ذوق کا؟ "دونوں جہان دے کے وہ کہجے یہ خوش رہا"..... کس کو دونوں جہان دے کے کون خوش رہا؟ یہ معر ہے یا مصرع! شیخ بھتیجی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے۔ یہ بھی خوب دی بھجے شیخ دی ہے اور دھواں "میں" سے اٹھ رہا ہے (بھارت کشمیری) ان کے ناخن ہوئے محتاج مٹا میرے بعد..... کھل صاحب اگر عہد مٹا میرے بعد کھ دیتے تو کیا حرج تھا۔ یہ مسائل تصوف یہ ترائیاں غالب..... خدا گنتی کئے اس غزل میں آپ نے تصوف کی کوئی دھڑبھائی کی ہے اور پھر آپ کو کیسے وی سمجھ لیں۔ کیا جو غم کش میں تصوف سمجھا گیا ہے یا مر کر دسا ہونے میں؟ کتنے شیریں ہیں مجھے لب کہ رقیب۔ گالیاں کھا کے بے مڑا نہ ہوا..... وہ رقیب ہی کیا۔ جس کے مقدر میں محبوب کی گالیاں ہوں۔ پھر آپ اور رقیب میں فرق ہی کیا رہا۔ میں اور اندیشہ ہائے دور دراز..... یہ بھی بتا دیا ہوتا وہ اندیشہ ہائے دور دراز کیا ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اپنی ذہنی سوار نے میں مصروف ہیں اور آپ انہیں نظر بھر کر دیکھ رہے ہیں آئینے میں سہی "ملتا تھا اگر نہیں آسمان تو سل ہے"..... یہ بات کیا تھی۔ اگر آسمان نہیں تو سل کیسے ہے؟ اپنے ہی میں ہم نے غنائی اور ہے کیا غنائی ہے؟ کیا امراؤ دیکھ کو طلاق دینے کا ارادہ ہے؟ یا قسم پوش زوشی کا انوا کرنا چاہتے ہیں؟ نیند کیوں رات بھر نہیں آتی۔ ظاہر ہے کہ شراب خوردی کی وجہ سے آپ کا اعصابی نظام

کنور پڑ گیا ہے۔ خیر کیسے آئے؟ موت آتی ہے پر نہیں آتی۔۔۔ جب آتی ہے تو اسے روک کیوں نہیں لیتے؟ کھینچے رہے جنوں کی شکایات ٹونچیاں۔ ”بہتہ اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے۔“ ہاتھ قلم ہو جانے کے بعد کیا جڑ سے کھینچے رہے (مطالعہ) ”بیٹھا رہا“ اگرچہ اشارے ہو اچھے ”کون کس کو اشارے کرنا رہا؟ کپ؟ رقیب؟ یا محبوب؟

غالب ان گستاخانہ تبصروں کو چڑھ کر زیر لب مسکراتے ہیں ”اب وہ چند اور پرزے ملاحظہ فرماتے ہیں“ ”غالب کے نزدیک شاعری ذاتی عیاشی کا بدل ہے انہوں نے جو کچھ کھسا اپنے لئے اور اپنے بارے میں کھلا۔ عمر بھر وہ قلم عشق کا روٹا روٹے رہے۔ کاش انہیں معلوم ہوتا۔۔۔“ ”اور بھی قلم ہیں زمانے میں محبت کے سوا۔“

غالب نے جی بھر کر عشق کیا۔ ”عمر“ خیالی محبوں سے جس قدر سے ملی ”ہر شب پیٹتے رہے۔“ ”عمر“ قرض کی۔ بھر بھی انہیں شکایت رہی کہ ان کے ارمان بہت کم تھے۔ اللہ اللہ کہتے ہے مبرا اور نا شکرے تھے وہ۔

غالب اس پرزے کو چڑھ کر غروب ہشتے ہیں اور اب ایک بہت پرنا ہوا نکلتے ہیں۔
”وہ جسے ہم انگریزی میں سٹریم آف کانسنس (STREAM OF CONSCIOUSNESS) کہتے ہیں۔ مرزا کی تمام غزلوں میں رواں دواں ہے۔ مثال کے طور پر ان کی مشہور غزل لیجئے۔ جس کا مطلع ہے:

کوئی امید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی

ظاہر ہے ایام غم میں وہ چاندنی چوک سے گزر رہے ہیں اور انہیں محسوس ہوتا ہے کہ مظلیم سلطنت کے زوال کے بعد ان کی کسی امید کے بر آنے کا امکان نہیں۔ چاندنی چوک میں جاتا ہے کہ کہیں کوئی اچھی صورت نظر نہیں آری۔ یک لخت ان کا خیال گوروں کے ہاتھوں ہندوستان کی پکڑ دھکڑ کی طرف لے جاتا ہے ”اور وہ پوچھتے ہیں ۔ جب مرزا برحق ہے تو پھر گوروں کے دُور سے ”نہیدہ کیوں رات بھر نہیں آتی“ گوروں سے ان کا تخیل اپنے شاکر و رشید سوانح الطاف حسین حالی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور وہ حالی کو دل ہی دل میں جھڑک کر کہتے ہیں۔ ”ہانا ہوں“ ”اب طاعت و نپرد۔ پر طبیعت ادھر نہیں آتی“ بھر وہ سوچتے ہیں یہ حالی بہت بڑا دور ہے لیکن امراتہ تنگ نے عدت سے جان نہ اب میں ڈال رکھی ہے کیوں نہ اسے ایک دن کمری کمری حالی جائیں۔ بھر ڈرتے ہیں کہ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں“ اس لئے فرماتے ہیں ”جے کچھ ایسی ہی بات ہو چپ ہوں دوتہ کیا بات کہ نہیں آتی“ چونکہ وہ نشے میں ہیں اس لئے انہیں مطلقاً ”علم نہیں کہ وہ اس وقت کہاں ہیں اپنی مشکوک فیض حالت پر تبصرا کرتے ہوئے کہتے ہیں ”ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی“ ”معا“ انہیں یاد آتا ہے کہ ظفر نے انہیں چاچ پر ساتھ لے چلنے کی فاش کش کی تھی لیکن وہ مدد شاہد باز ہیں اس لئے ان کا چچ قبول نہیں ہو گا۔ کف افسوس لئے ہوئے فرماتے ہیں:

کب کس منہ سے جاوے غالب
شرم تم کو کمر نہیں آتی

اپنی غزل کی یہ تاویل چڑھ کر مرزا ایک ٹلک ٹلک قلم لگاتے ہیں۔ لیکن اس سے انکا پرنا چڑھ کر ان کی ہنسی بچھڑکی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ غالب شاعر نہیں افسانہ نگار تھے۔ انہیں مختصر ترس افسانے لکھنے میں کمال حاصل تھا۔

ان کے کچھ افسانے تو اپنے اختصار اور اپنی المانیّت کے باعث شاہکار کہے جاسکتے ہیں مثلاً
کمالیہ بیگم کا دروازہ غالب اور کمالیہ صاحب
یہ اٹکا جاسکتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم اٹکے

(نوٹ) اس افسانے کا مرکزی خیال یہ ہے کہ خالقانی ہندو شیخ ابراہیم ذوق جن کے ذہنی دہلی میں دھوم ہے کل
چوری چھپے شراب پیتے بکڑے گئے ایک اور افسانے میں انہوں نے پاسپال کے ہاتھوں اپنے ہنر جانے کے واقعہ کو یوں
بیان کیا ہے:

گوا کچھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی
انہا اور انہ کے قدم میں نے پاسپال کے لئے
اور مصدرچہ دلچ افسانہ تو ایک اچھے خاصے نفسیاتی ناول کا موضوع بن سکتا ہے:
کی مرے گل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیمانی کا پشیمانی ہوتا

اس سے اٹکا پرلہ افسانے سر پہنچتے پر مجبور کھڑا ہے ہندوستان کی ایسی کتابیں دو ہیں 'ایک دید مقدس' دوسرا
دیوان غالب مرزا غالب نے اپنے محزون اشعار میں دید متعزوں کی بہت عمدہ تفسیر کی ہے۔ رگ دید میں ایک متعز آتا
ہے جس کا مضموم ہے۔ انسان ہوتا۔

بلکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہوتا
آری کو بھی میر نہیں انسان ہوتا
مگر دید میں کہا گیا ہے 'خدا کی ذات کے سوا تمام چیزیں بچے اور معدوم ہیں مرزا اس نکتے کو یوں بیان کرتے ہیں:
بب کہ تجھ میں نہیں کوئی موجود
ہر یہ ہنگامہ اسے خدا کیا ہے
انفرد کے ایک منتر میں تقنین کی گئی ہے کہ یہ دنیا الہ ہے غالب نے اس خیال کا اعجاز اس طرح کیا ہے:
اسی کے مت فریب میں آ جائیو اسد
عالم تمام حلقہ دام خیال ہے

مرزا اپنا سر بکڑ کر رہ جاتے ہیں۔ وہ ایک منٹ کے سکوت کے بعد کہتے ہیں توبہ توبہ 'غالب اور دیدوں کا مفسر
سفید بھٹ کی اس سے بڑی مثال مشکل سے ملے گی۔ یا خدا میں نے کیا کیا۔ خواہ کڑاؤ بھینس کے آگے ہیں بھائی۔ یہ
پر اسے چاہ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میرا دیوان ایک گورنر کا وعدہ ہے۔ اسے بھی میاں مندی حسین محمود
شیخ 'ہر گہاں تھتہ' اور ادھر آؤ اور اپنی آنکھوں سے دیکھو میرے دیوان کی کیا گت بھائی چارہ ہے
ایک نفرت دردالے پر دھک ہوئی ہے اور اندر آنے کی اجازت ملنے پر غشی ہر گہاں تھتہ داخل ہوتے ہیں۔
"آداب عرض چو مرشد مبارک ہو بہت بہت مبارک"

”سچی ہر کہاں تھا! دیکھ نہیں رہے ہو کہ میرے پرزے اڑائے گئے ہیں اور تم مہاراجہ پیش کر رہے ہو۔ گویا میرے ذمہوں پر تنگ چھڑک رہے ہو“

”تھو مرشد! میں جانتا ہوں جن گستاخ ہاتھوں نے آپ کے پرزے اڑائے۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ ان کا کیا مشرہوا“

”مشر کیا ہوا تھا۔ سنا ہے وہ شیشہ نظر کے گل میں پیچھے اور انہیں طعنہ دیا کہ انہوں نے مجھ ایسے بھروسہ کو کہیں منہ لگا رکھا تھا۔“

گستاخی معاف مرزا صاحب۔ آپ نے غلط سنا جلوس کو شیشہ کے گل تک پہنچے ہی نہیں دیا۔ فرشتوں کی ایک خاص نگاہ نے اسے حراست میں لے لیا“

”حراست میں لے لیا“ پھر اسے کہاں لے گئے؟“

”گواہ محشر کی عدالت میں“

”پھر؟“

”بادی قضا نے جلوس کے رہنماؤں کو سخت ترین سرزنش کرنے کے بعد فرمایا۔ وجہ بیان کرنا کہ غالب شہنشاہ کے جرم میں ابھی ابھی کیوں نہ تمہارے پرزے اڑا دیئے جائیں“

”مور بھی کچھ کہا؟“

”ہاں انہوں نے مزید فرمایا“ غالب کی صد سالہ بری کے موقع پر جو عالم فانی میں مٹائی جا رہی ہے، ہم حکم دیتے ہیں کہ دارالہقا میں ”دیوان غالب“ کو سونے کے حروف میں شائع کیا جائے۔ اور ہماری ذاتی لائبریری میں اسے وہی مقام دیا جائے جو کلیات شیکسپیر، کلیات کالی داس اور کلیات ڈائسن کو حاصل ہے“

”غافل کون و مکان! تمہارا کس زبان سے شکر ادا کروں“

غالب بھروسے میں گر جاتے ہیں اور جب اٹھتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ۔۔۔

دیوان غالب کے پرندوں نے خوبصورت اور لائق کی صورت اختیار کرلی ہے جن پر ان کی غزلیں سونے کے حروف میں لکھی گئی ہیں:



انشائیہ

غالب کا بستر

ارشاد میر

میں نے اپنے لئے غالب کا بستر جیسا موضوع منتخب کیا ہے، جو بظاہر پیش پا افتادہ ہے لیکن نہایت تحلیل انگیز ہے۔ جس پر آج تک کسی غالب شناس کی شبیہ نظری نہیں لگی یا شبیہ اپنی محدود پہلو کے حدود میں محصور رہیں کرنے کے بعد بھی یہ معلوم نہ کر سکے ہوں کہ غالب کے بستر کا حدود کا طول و عرض کیا تھا۔ بڑی چھان بین کی بہت سرکھاپا۔ غالب کی مشہور دیگر افایاں پڑھیں۔ ان میں غالب کے چنگ کا تذکرہ ضرور ملتا ہے۔ مگر اتنا ظم نہ ہو سکا کہ مرحوم کس قسم کی رضائی اوڑھتے تھے۔ اپنی نازک مزاجی اور خاصیت طبع کے پیش نظر نخل و کڑواپ کی "ریشم و اطلس" یا دلی دالوں کی وہ چلی پتلی رضائیاں جنہیں کندھوں پر ڈال کر سیر کے شوقین بیابانگ دلی اعلان کرتے پھرتے تھے کہ آج دلی میں اتنی رضائیاں کی سووی پڑی ہے۔ پھر یہ مسئلہ بھی جنوز متنازع فیہ ہے کہ آیا غریب اور کس پھری کے دور میں غالب نے بھی کندھ کے لحاف بھی بڑھائے تھے۔ کلیہ ایک استہلال کرتے تھے یا دو تین لور کیا بھی کلیہ سر کے علاوہ دائیں بائیں پہلوؤں میں بھی رکھنے کے شوقین تھے۔ پر رضائی اور نخل کے میں مدنی عالم کہاں کی ہوتی تھی یا سخیل و ریمان کی۔ اسی طرح مرحوم سفید کھس استہلال کرتے تھے یا رنگدار چار خانہ بچھاتے تھے۔ یہ وہ اہم سوالات ہیں جن پر یا تو غالب کے خاندان کا کوئی ایسا فرد روشنی ڈالے جس کے پاس روایت سید بہ سید چلی آئی ہو۔ یا کوئی نصب و احسان کے لئے غالب کا قریبی رشتہ دار ہی کر روایت گزرتا۔ اگر یہ ممکن نہیں تھا تو غالب مرحوم کو سودا کے قدان برادر غنچہ کی طرح نہ سہی۔ علامہ اقبال کے فنی ملازم علی بخش ایسا غنی فہم خدمت گزار میر آہانا جو اندرون خانہ کے روزمرہ کے حالات پر کماحقہ سرچ لائٹ ڈال جاتا یا کم از کم ان کی شب بھری کی داستانیں ہی چنگارے لے لے کر سنا جاتا یا کوئی مرزا حسین کے ملازم رضائی کی طرح ہوتا جن کی اکثر بات چیت شعروں میں ہی ہوتی تھی۔ مرزا حسین اگر کھیں سے نکل آکر کہتے "رضائی مکمل ی آئند" تو رضائی فوراً "دو مرا میرد لگاتا" "کاساں پیش کساں ی آئند" اگر عالم بھروانی ہوتی تو کہتے "یک انگرے ہار دیند اچکم با"۔ یہ دوسری بات ہے کہ جواب میں کہیں سے تراز آئی "لیکن بہ شرط آنکہ نہ سودا گیم با"۔ تاکہ آج قدردان غالب اور اوپ نواز طبقہ عشق و بیچ میں جلا نہ ہوتے۔ بخدا آج تو مولانا محمد حسین آزاد اور حضرت حالی پر بھی رواہ کر پیش آتا ہے کہ اگر یہ بلند مرتبت تذکرہ نویس لگے ہاتھوں غالب کے تاریخی بستر پر بھی طبع آزمائی کر جاتے جبکہ انہیں چشم دید گواہوں کی حیثیت سے بخوبی ظم تھا کہ ان کی شاعری اور بستر کا چلی دامن کا ساتھ تھا۔ تو غالب کی زندگی کا یہ پہلو بھی اچھا ہو جاتا لیکن محمد حسین آزاد کا کام تو میں نے یوں ہی پیش میں ہے کلیہ ہو کر لے لیا ورنہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ آزاد کو قدوق کی چھٹکوں کی وجہ سے تمام حق شاکردی غالب کو ہے بستر یعنی کھوڑے چنگ پر سونے کے علوی ہونے پر ختم کرنا تھا۔ چاہے آپ حیات میں

کتنی ہی جلی آنے لیکن حیرت ہوتی ہے کہ غالب کے اس شاگرد رشید حالی نے کچھ نہ لکھا۔ جبکہ ممکن ہے کہ جناب حالی غالب کی غیر ماضی میں نظر پڑا کر بھی اس بستر پر استراحت بھی فرما چکے ہوں۔

شامی ہی نہیں بلکہ غالب کی دوسری ادبی کارستانیوں کا افر حصہ بھی بستر کا مہمان منت ہے۔ سرسید نے لے دے کہ غالب کو بچپن کا مشکوک قسم کا خطاب دے کر خاموشی اختیار کر لی۔ غالب تو آج بھی بچا ہیں جبکہ زمانہ قیامت کی چال چل کر ادب میں کئی "ہاپے" ہم دے چکا ہے۔ حالی نے یادگار غالب کھنسی مگر استاد کا بستر گول کر رکھا۔ ان سے غالب کے بستر والا تاجاک پہلو رہ جانا اردو ادب کا ایک عظیم المیہ ہے جس کی طافی ناممکن ہے۔ حالی کو صرف ایک ہی واقعہ یاد ہے کہ ایک دفعہ مرزا چنگ پر دراز تھے۔ میر صدی بھوج اگر ان کے پاؤں دابہ لگے۔ مرزا نے کہا "سید داوے ہو پاؤں دبا کر گنکار نہ کرو"۔ میر صاحب نے کہا "پاؤں دبانے کی اجرت دے دیجئے گا"۔ مرزا اس پر راضی ہو گئے جب میر صاحب پاؤں دبا چکے تو اجرت کا مطالبہ کیا۔ مرزا صاحب نے کہا۔ "آپ نے میرے پاؤں دابہ میں نے آپ کے دام دابہ حساب برابر ہو گیا۔" اس نادر موقع پر بھی حالی بڑے آرام سے غالب کے بستر پر روشنی ڈال سکتے تھے جب وہ اس حد تک انکشاف کر دیتے ہیں کہ مرزا رات کو چنگ پر لیٹ کر اشعار لکھا کرتے تھے اور فی شعر ازار بند کو ایک کاغذ دیتے جاتے تھے۔ صبح کاغذوں سے اشعار کی تعداد معلوم ہو جاتی تھی ازار بند کی کاغذوں تک پہنچ جاتا ہا بھی استاد کی انتہائی اور ذاتی معلومات کی آخری حیل ہے تو پھر اتنی دقت گوارا کر لینے میں کیا مضائقہ تھا کہ حضرت غالب غزل بستر پر اونٹھے منہ یا سیدھے لیٹ کر لکھتے کے قائل تھے۔ شاید ان تذکرہ نویسوں کی نظر میں آب حیات میں نقل شدہ یہ لطیفہ ہو گا کہ جب ایک استاد کے لئے کہا گیا کہ وہ صرف گاؤں پر لیٹ کر شعر کہتے ہیں تو کہنے والے نے بچپنی کسی کو یہ تو شعر کہنا نہیں شعر جتنا ہوا۔ ہر حال اور کچھ نہیں تو کم از کم یہ بتا دیجئے کہ غالب قصیدہ مرعہ یا سرا لکھتے وقت تکبہ آنکھوں پر رکھتے تھے یا کونٹیں بدل بدل کر افطاری کیفیت پیدا کر کے لکھتا پڑا تھا۔ پھر شاگردوں کے کلام میں اصلاح دیتے وقت ان کی طبیعت کس انداز میں موزوں ہوتی تھی یہی نہیں کیا دیا دایمہ سے بے خبر ہو کر غالب پر بھی ایسی کیفیت بھی طاری ہوتی کہ شعر لکھتے وقت بستر سے بے اختیار فرش پر آگئے ہیں۔ گرمیوں میں بستر پر پھر دانی لگانے کے شوقین تھے یا پھولوں سے سمجھوتہ کر کے ان سے دست بچہ رکھتے تھے یا چاروں خانے چت ہو کر ان کی جھنجھٹ سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔ پھر دانی کا کپڑا کس طرز کا تھا۔ کیا وہ دھماکہ کی مثل تھی جو انہیں عقد میں ملی تھی یا ٹکٹ سے ٹوڑ لائے تھے جہاں کی یاد کو بستر پر کرپنے میں پیش پوسٹ رکھتے تھے چونکہ حالی سے غالب کے بستر پر (دیر و دانت یا کسی مصیبت کے پیش نظر جس کو بوجہ شاگرد خاص ہونے کے صرف وہی جان سکتے ہیں) ہم فرسائی میں اس قدر کو تاہ قلمی ہوتی ہے کہ اس معمولی سی فرد گذشت سے اب ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ غالب کے کلام بلاغت نظام سے اشعار چن کر ان کے بستر کا بنا بنا دیا جائے۔ شاید اس طرح اس بستر کی نری یا گرمی ہمارے قارئین بھی محسوس کر سکیں۔ روح ان غالب سے یہ حقیقت تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ غالب کو ایک عاشق صادق کی طرح اپنے محبوب سے وابستہ عشق ہے۔ عشق روحانی عشق کی طرح کی کھڑا ہے لیکن غالب بھی یہی گویاں نہ کھیلے تھے۔ تمام مرعہ ری دلہن سے تندی سے محبوب کو سوہم کرنے کے لئے مختلف اقسام کے پاپڑ

بیٹے رہے۔ جن میں سے ایک صدی نو سو اس کے کوچہ کا طواف قلعہ جہاں خوش قسمتی سے کافی تک و دو کے بعد ایک ستری موقع پر حضرت غالب کی ملاقات اپنے محبوب سے ہو جاتی ہے۔ حضرت غالب اس موقع سے فائدہ اٹھا کر محبوب کے مکان کے باہر اپنا ہنر بچانے کی براہ راست محبوب سے ہی اجازت طلب کرتے ہیں کیونکہ اس وقت پاسپان شاید حق پہنے یا کسی دوسرے ناخوار عاشق کو گلی سے باہر نکالنے کے لئے کہا ہوا ہے جسے محبوب بخوشی قبول کر لیتا ہے لیکن ابھی غالب چٹیاں بچا کر ہنر بچا کر اسی خوشی بیٹے کی چارواں کرنے لگتے ہیں کہ محبوب اپنا اصلی دلوں لیتا ہے اور فوراً اجازت واپس لے لیتا ہے جس کا ان پر فوری رد عمل ہوا رنگ زرد پڑ گیا قدم لڑکھڑائے گئے۔ کیونکہ کماروں کے کندھوں پر پاکی میں بیٹھنے والے غالب آخر اپنی آٹا کو مٹی میں ملا کر ہنر سر پر رکھے کوچہ محبوب میں پہنچے تھے جہاں ان کا یہ مہرت ناک مشر ہوا۔ لیکن اس کوچہ سے بے امید ہو کر نکلے وقت بھی غم غلا کرنے کے لئے اب ہی آپ بیڑائے رہے۔

دو چ رہنے کو کیا اور کہ کے کہا بھر گیا

بچنے عرصہ میں مرا پلٹا ہوا ہنر کھلا

یہ دو ٹوک سے تو نہیں کہا جاسکتا البتہ قیاس یہی ہے کہ ہنر معمولی رہے گا ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک نہیں ایک رضائی اور نیچے پر مشتمل ہے جسے غالب نے محبوب کے حکم پر جلد از جلد کھولا یا کم از کم محبوب کے دروازے پر بچانے والا ہنر نہایت ہی فکر سوزی قسم کا ہوگا جیسا لوگوں نے شاید حسرت سہیلی کو بھل میں دبا دے ہوئے ضرور دیکھا ہوگا۔ لیکن آگے بڑھتے ہی آؤد واپس ہونے پر ہوشی ہنر لپیٹ کر بے نیل مرام واپس لوٹنے لگے تو عیار محبوب نے وحاشاں بندھائی کہ مکان کی داغ زخمی دوسرے بھائیوں سے مشترک ہے جن سے اجازت لینی ضروری تھی مزید براں صدی جنوں پر ہے جس میں دروازے پر بیٹھے سے "غالب ختہ" کو ذیل نمونے ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے فی الحال تعریف لے جائیں محبوب بہ نفس نفیس ان کے گھر پہنچ جانے کا اس ان ہوئی پیش کش پر غالب کی باجیں کھل گئیں اور وہ شادوں و فرحان گھروٹ آئے اور گئے انتظار کرنے مہایوں نے پوچھا کیا ہے آپ یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہیں کیا بھائی محبوب نے وعدہ کیا تھا وہ تو خیر کیا آئے گا البتہ قاصد کا انتظار ہے کہ وہ کم از کم بھی پیغام لے آئے کہ "آج آسکتے نہیں ہم آج ہم کو کام ہے" (مصرعہ کا مصرعہ ہے) اس لئے ہم "بھی قضا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں" آخر ٹھک آکر کہنے لگے۔

وعدہ آنے کا دلا کیجئے یہ کیا انداز ہے

تم نے کیوں سوئی ہے میرے گھر کی درجانی مجھے

لیکن آخر محبوب بات کا پکا لفظ اور شام کو جب وضع دار محبوب نے اپنا وعدہ پورا کیا یعنی آیا تو غالب کو مشکل سے یقین آیا کہ آیا واقعی وہ خود آیا ہے اور کیا واقعی یہ میرا گھر ہے یا میں محبوب کے دروازہ پر پڑا ہوں۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے

کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

اور جب محبوب کچنی چڑی باتیں بنا کر اور لیلیکا دکھا کر چلا جاتا تو رات بستر پر دراز ہو کر محبوب کی یاد میں پہلے
بوسیدہ چھت کی کڑیاں اور پھر انتظار کی کئی گھڑیاں گھنیں۔ سینکڑوں کوٹھیں لپٹے رہے

جو جمل اٹھتا ہے یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں

جس پر غالب نے فی الہدیہ بھی دھم لے کر کہی اونچی آواز میں دوتا شروع کر دیا جب صبر کا دامن بالکل ہاتھ
سے چھوٹ گیا تو دھواڑیں مار مار کر روئے گئے غالب کے روئے کا "خدا زبیاں" بھی جدا تھا۔ معلوم ہوتا ہے وہ بڑی
بے ہمتی اور غلوں سے رویا کرتے تھے۔ ان کے اس طرح ڈار ڈار روئے کا یہ فیضان ہوا کہ ٹھیکہ کی روٹی تک ہلک
گئی اسی دوران محبوب نے جلتی پر جلی کا کام کیا اور حسب روایت وہاں فٹنی کا ارتکاب کرتے ہوئے ہارش کا بہانہ
کر کے نہ آنے کا بیٹام بھیجا اور حرا انہوں نے آنکھیں بند کیں اور فرمایا۔

واں کرم کو نذر ہارش تھا عنان میر خرام

گر یہ سے یاں پنبد ہاٹش کف سیلاب تھا

جب اس شعر کو چنہ کر بھی دل کی بھڑاس نہ نکل اور تسکین نہ ہوئی تو محبوب سے بیزار اور زندگی سے جھگ تدا
غالب سر ہونڈنے کے لئے دیوار کی سطح میں نکلے۔ لیکن دار فکلی کے عالم میں چوک یہ ہو گئی کہ کوچہ دار کی بجائے
سحر کی طرف نکل گئے اور وہاں پہنچ کر چاروں طرف دیکھا تو میدان صاف تھا پریشان ہو کر کہنے لگے۔ سحر میں اسے
تھاکوئی دیوار بھی نہیں۔ اسی اثنا میں دھمڑنا ہوا تاہم یہ بھی لومر آٹکا جب ٹھکریں بیٹام رساں سے دوچار ہو گئیں تو
بڑی بے بسی کے عالم میں محبوب کا محل انتظار کیا معلوم ہوا کہ محبوب بیٹام دینے کے بعد کم خواب کے گئے ہ
استراحت میں مصروف ہو گیا قافیہ سن کر غالب کے سینے میں ایک تیر سا لگا ہو "پر افشاں ہو کر پار نکل گیا اور دشت کو
دیکھ کر گھریا دیا "سو چلاؤ اپنے گھر کی دیوار سے ہی سر پھوڑیں"

یاں سر پر شور ہے خوابی سے تھا دیوار ہوا!

واں وہ فرق باز نحو باطل کم خواب تھا

غالب! اس کے بعد قصہ کے سمجھانے بھانے سے خود کٹتی کا اراد ہوا تو کر دیا۔ پہلے بیڑوم کے پتھر کاٹتے رہے
پھر زمین پر اتنی پاتی مار کر چنہ گئے محبوب کو بھانے کے لئے ناکہ جتن کے گردہ برابر یاد آتا رہا۔ پھر سوچا لڑ سوچا کیں
شاید وہ خواب میں آجائے لیکن اضطراب نے سونے نہ دیا۔

وہ آئے خواب میں تسکین اضطراب تو دے

وہ مجھے تپش دل کمال خواب تو دے

خود خاکستر نہیں تھے اور تصور محبوب کے بستر کی طرف منتقل ہو چکا تھا جو کم خواب کے نیچے پر سر رکھے مٹھی بند
سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس تصور سے غالب کی آنکھوں میں خون اتر گیا۔ نیند حرام ہو گئی بد قسمتی سے اس زمانے
میں خواب گور گولیاں یا مار مارا کے انجکشن بھی دستیاب نہ ہوتے تھے لہذا انہوں نے خود کٹتی سے دایس ہو کر وقت کشی
کے لئے شعرو شاعری کا سارا لیا اور بے سود ملانی کے عالم میں معشوق کے بستر کا تصور پاندہ لیا۔

نازش آیام غاکثر فطینی کیا کہوں
پہلوئے اندیشہ وقف ہستہ سہلاب تھا

اس تصور سے طبیعت قدمے ہلکی ہوئی تو غاک فطینی ترک کی اپنے ہستہ کی طرف رجوع کیا لیکن ہستہ دروازہ ہوتے ہی حالت پھر غیر ہو گئی محبوب کی بے وفائی وعدہ خلافی اور عہد فطینی سب کچھ پھریا دے آنے لگا اس کش مکش اور اضطراب میں دھیان اپنے ہوم و ہمزاد مولس تھائی ہستہ کی طرف منتقل ہوا جیسے وہ اپنے ہستہ کے لئے بوجھ ثابت ہو رہے ہیں اور سر سے نکلے اور وجود سے ہستہ کو دیکھ ل رہا ہے چنانچہ ہستہ سے فوراً "ہمدی کا احساس پیدا ہونے لگا۔

تیش سے میری وقف کش مکش ہر نام ہستہ ہے
مرا سر دیکھ جائیں ہے مرا حق بار ہستہ ہے

یہ طوفان گہ جوش اضطراب شام تھائی
شعلات آفتاب صبح محشر نام ہستہ ہے

یہ اشعار نہیں بلکہ ایک دستاویز ہے جن سے یہ واضح کرنا مقصود ہے اور ثابت بھی ہوتا ہے کہ غالب "طبعاً شریف النفس حساس طبع ہیں اور اپنے ہستہ تک سے والہانہ عشق و محبت رکھتے ہیں گویا غالب کا جسم پانی گرم کرنے کی "لیکڑ کا رلا" ہے۔ وجود میں ہزاروں بجلیوں جھپکی ہوئی ہیں جن کی تاثیر سے "پوشیدہ اس ہستہ میں ہیں آتش کدے ہزار" اس لئے غالب کا ہستہ کوئی معمولی ہستہ نہیں بلکہ اپنی ذات خواص میں لا جانی ہے جسے خراج عقیدت پیش کرنے کے بعد خون کے آئسہ بہانا جائز بلکہ واجب ہو جاتا ہے اور بڑی مایوسی کے عالم میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ میرے خویش ایک صحرا کے لئے ہامٹ روفت ہیں لیکن کیا کہوں میرا ہے حس و حرکت دل ہستہ دروازہ ہے چنانچہ اس حقیقت حال کا اظہار اس انداز سے کرتے ہیں کہ رقیب رویاؤ بھی استادی کا لوہا ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

سر شک سر بھرا واہ نورالہمین دامن ہے
دل ہے دست و پا اللہ پر خوار ہستہ ہے

اس دل کو ہستہ کا پر خوار قرار دینا جسے صوفیائے عرش الہی کہہ غالب کا ہی کمال ہے اس وقت غالب کے دل پر انتہائی شفقت کا دورہ ہے۔ دردِ جب وہ اس ہنگامہ کی ظالمتوں سے ایسے ہی تنگ آجاتا ہے جیسے ایک پرہیزگار باپ اپنے ناخوار اور بد قریش لڑکے کی حرکتوں سے تو پھر چچ الٹتا ہے۔

میں اور اک آفت کا نکلا یہ دل وحشی کہ ہے
عاقبت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا!

ابھی بھریار کی ہے پتلی لاحق ہے اور بے قرار دل باقی ہے آپ کی طرح محبوب کے وصال کے لئے تپ رہا ہے تو جیسے تیار لڑکے کا باپ لڑکے کا حال ڈاکٹر سے بیان کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے بھریار میں غالب

کہ بے تابی سے ہر اک تدر بہتر خار بہتر ہے

آخر غالب دل برداشتہ اور قدرے زائل عقین ہو جاتے ہی کیونکہ ان کا بہتر محبوب کے بغیر کاملوں کی صبح بن جاتا ہے بلاخر کافی سوچ بچار کے بعد وصال کے لئے یہی نوسہ کیا تجویز کرتے ہیں کہ ہسپتال میں داخل ہو جائیں یعنی دریاں سے راہ و رسم بڑھا کر محبوب کے در پر ہی جا چڑیں۔

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے دیں

سر زہر بار منت دریاں کئے ہوئے

ان کی یہ قدر ایک حد تک کارگر ثابت ہوتی ہے اور وہ بلاخر دریاں کو اپنے پیشے میں امار لینے میں کامیاب ہو کر خاک رہ کا بہتر بنا کر در محبوب پر دھونی مار لیتے ہیں لیکن ہر وقت یہی خدشہ رہتا ہے کہ کسی وقت پاسباں کو پہہ بدر کر کے کاٹوری تنہم چاری نہ کر دے۔

باد لاسے کہ در کوئیل زخم پاسباں

بہتر از خاک رہ و بالش ز بہتر داشتہ

غالب کے محبوب کا دریاں کوئی خانہ دانی اور خدا ترس انسان معلوم ہوتا ہے جس نے غالب کو کھلی چھوٹ دے دی تھی۔ البتہ محبوب کو دب دریاں کی اس کارستانی کا علم ہو کہ غالب اس کی شہ پر خاک رہ کا بہتر بنا کر کوچہ میں ڈالتا ہوا ہے تو اس نے دریاں کو پھٹی دے دی۔ چنانچہ غالب کا بعد وہ چلا گیا تو اسد اللہ خاں کس پہری کے عالم میں کوچہ محبوب سے گھر لوٹ آئے جہاں اہریار میں نقابت اور سکوری بندہ کر عالم شرع جاری ہو گیا چنانچہ اسی عالم میں بڑے درد سے محبوب کو خدا کا واسطہ دے کر آخری دیدار کے لئے بلاتے ہیں۔

اسد ہے شرع میں چل ہے دعا برائے خدا

مقام ترک حجاب دواعِ حنین ہے!

دعا مستجاب ہوتی محبوب کو مستقر ذرائع سے غالب کی حالت شرع کا علم ہوا تو پہلے خط لکھا۔ لیکن پھر خدا ترسی اور پبلک کے شدید اسرار پر یہ غصہ نہیں تیار داری کے لئے چل پڑا جو رضی غالب نے محبوب کو غریب خانہ واقع محلہ ملی باران میں رونق افروز ہونے دیکھا تو اس کا دل طبلوں اچھلنے لگا اگرچہ اب اتفاق ہو چکا تھا۔ لیکن محبوب کو آتا دیکھ کر پھر چہرے پر نقابت طاری کر لی اور بنارین کر لیٹ گیا محبوب کا شہریہ ادا کیا مگر اپنی فطرت سے مجبور ہو کر طر پھر بھی نہ چھوڑی اور محبوب کے آنے کا احسان محبوب پر نہیں بلکہ اپنی بناری پر رکھا یہ خود ستائی غالب سے کسی حال میں نہ چھوٹی اس لئے زندگی ایسے بے حالوں کی۔

خوشا اقبال و نوردی عبادت کو تم آئے ہو

فدوغِ شمع بالیں طالع بیدار بہتر ہے

لیکن محبوب بھی غالب کا محبوب ہے ضرور خن فہم ہو گا اس لئے دب اس نے جیسی نظروں سے دیکھا یعنی گویا زبان حال سے یہ کہا کہ غالب ہم تو چل کر اپنی مرضی سے آئے اور تم داوا اپنی بناری کو دے رہے ہو تو پھر غالب

بھیلے اور گئے خوشامد کرنے کے اسے جان غالب میں تمہارا اس قدر احسان مند ہوں کہ اس آخری وقت سہانے پہنچ کر جو بے کس نوازی فرمائی ہے اس کے بدلے میں عمر عزیز کے چھپا دو ایک لمحے بھی حضور کے قدموں پر نچھلوا کرنا چاہتا ہوں۔

ہائیم رسیدتی دہے ہے کس نوازی با

فدایت یک دو دم عمر گرامی را رسیدن ہم

آخر محبوب رخصت ہوا۔ جاتے ہوئے جنگ کر غالب کو غور سے دیکھا کہ واقعی تیار ہے یا مکرنا ہے چاہے تو دھیس بکھے سے گرامیں اور اپنی خوشبو بکھے پر چھوڑ گئیں شاید کوئی محو قسم کا سلیٹ ہو گا جو انگلستان کی زمیں مسجور کی شام کو "آف دی پی ہو کر لگاتی تھیں ہر حال کو مر غالب کی طبیعت حاضر تھی یوں فرمایا۔

ابھی آتی ہے ہو ہاتھ سے اس کی زلف چٹکیں کی

ہماری دید کو خواب زلفا مار بستر ہے

ابھی ان خیالات میں محو تھے کہ نامہ بر محبوب کا خط لے آیا جسے آنکھوں سے لگا کر کئی بار چوما۔ اچھے خوش بختی پر ہاتھوں ہوئے کہ آج چھپر پھاڑ کر کرم بخشی ہو رہی ہے فرض خط ہاتھ میں لے کر بستر پر لیٹے جیسے ذرا سیانا شیر خواہ اپنی دودھ کی بوتل خود ہی ہاتھوں میں لے کر لیٹ جاتا ہے اور دودھ پیتا ہے خط کھولا اور پڑھا اور اس کے بعد یہ واقعہ اخباروں کی خبر کا عنوان بن گیا کہ ہارٹ لیٹ ہو گیا کیونکہ پولیس کی شہادت میں یہ شعر غالب کی چھاتی پر خط کے ساتھ ملا۔

بدر کے ساتھ آگیا پیغام مرگ

وہ گیا خط میری چھاتی پر کھڑا

غالب اور انکم ٹیکس

انکم حسن صدیقی

جہلی اور اسلامی تاریخ پڑھتے وقت اور ان دونوں مضامین میں انکم اسے کرتے وقت یہ بات بھی ہمارے دہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ کبھی ہمارا واسطہ انکم ٹیکس سے بھی پڑے گا۔ یہ کیا پتہ تھا کہ ہماری روزی اسی کے ذریعہ نکلی ہوگی۔ ہاں یہ بات ضروری تھی کہ پشت با پشت سے پیشہ تھا تو کوری تھا اس لئے یہ ہی خیال تھا کہ کاتبِ نقد برائے ہمارے لئے بھی ضرور کوئی نہ کوئی نوکری ہی نکلی ہوگی۔ اب وہ نوکری کس قسم کی ہوگی یہ ہماری قسمت اور حالات پر منحصر ہو گا سینٹرل سپرے سروسز کے مقابلے کے امتحان کے فارم بھرتے وقت ضرور اس بات پر بھی نظر پڑی تھی کہ ایک سو سو انکم ٹیکس کی بھی ہے دیکھ یہ عجیب بات ہے اور ناقابلِ یقین بھی کہ ہمارا سب سے پہلے انکم ٹیکس سے تعارف مرزا غالب کے ذریعہ ہی ہوا تھا۔ تفصیل اس احوال کی یہ ہے کہ غلطوہ غالب پڑھتے ہوئے ہم نے مرزا کا علاء الدین علاقائی کے نام یہ خط بھی پڑھا اور پڑھ کر جڑی حیرت بھی ہوئی۔

"صبح یکشنبہ ۲۸ جولائی ۱۸۶۳ء"

اب میں اور باخدا روپیہ آٹھ آنے ٹکٹری کے 'سو روپیہ' نام ہار کے قرض دینے والا ایک میرا مختار کار وہ سو روپہ بھلا لیا چاہئے مول میں قضا اس کو دینی پڑے "انکم ٹیکس" جدا "چوکیدار" جدا سو روپہ "مول جدا" بی بی جدا "شاگرد چپٹے جدا" آدھی ایک سو باخدا "ٹنگ" آگیا گزارا مشکل ہو گیا "روزمرہ کا کام بند رہنے لگا سو جا کیا کروں؟ کہاں سے گھپائش نکالوں "قرودرویش بھلان درویش"

اب جب بھی ہم سے کوئی انکم ٹیکس کی شکایت کرتا ہے تو اس کا دونا دوتا ہے تو ہم اس کو تسلی دینے کے لئے مرزا غالب کی چٹا ضرور بنا دیتے ہیں کہ انہیں شاید یہ سن کر کچھ صبر آجائے کہ وہ اکیلے ہی انکم ٹیکس کے مارے ہوئے اور محتانے ہوئے نہیں ہیں۔ غالب ہمارے کو تو ایک سو باخدا روپیہ آٹھ آنے ماہوار پر بھی انکم ٹیکس دینا پڑتا تھا جب کہ اب تو انکم ٹیکس سے بھوٹ کی حد میں پالیس ہزار روپیہ سالانہ تک پہنچ گئی ہے۔

حکمہ میں آنے کے بعد ایک جہتو میں ضرور ہوئی اور وہ یہ کہ یہ پتہ کیا جائے کہ برصغیر میں انکم ٹیکس کب سے لگنا شروع ہوا اور اس کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی اور وہ کون سا والا انکم ٹیکس تھا جس نے مرزا غالب جیسے شاعر کو بھی محتانے سے نہیں چھوڑا اور ان غریب کی ایک سو باخدا روپیہ آٹھ آنے ماہوار کی آمدنی بھی انکم ٹیکس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکی۔ کہتے ہیں جویدہ یا بندہ چنانچہ اس تلاش نے ہمیں ہمارے پرانے کرم فرما جتاپ رحمان حسن نقوی صدر پاکستان انکم ٹیکس پارلیمنٹس تک پہنچا دیا جنہوں نے اس سلسلہ میں ہماری نہ صرف بوری مدد کرنے کا وعدہ فرمایا بلکہ ۱۸۶۰ء کا ایکٹ بھی تلاش کر کے ہمارے حوالے کر دیا جو برصغیر میں انکم ٹیکس کی ابتدا تھی حالانکہ اس ایکٹ کے نام میں انکم ٹیکس کے نام کا نہیں بھی ذکر نہیں تھا بلکہ نے ایکٹ ۱۸۶۰ء کا ایکٹ نمبر ۳۲ لکھا جو دفاتر ہائے اور مختلف پیشوں وغیرہ سے ہونے والی آمدنی پر "ڈیوٹی" لگانے کے لئے وضع کیا گیا تھا اور جس کی تاریخ نافذ ۳۱ جولائی ۱۸۶۰ء تھی

یہ ایکٹ پانچ سال کے لئے نافذ العمل تھا اور اس کے ذریعہ دواں سال کی آمدنی پر ذیلی لگائی جاتی تھی اور اس دواں سال کی ابتدا پہلی اگست ۱۸۶۰ء سے ہوتی تھی یہ ایکٹ خالص مختصر تھا۔

اس کی غاص باتیں یہ تھیں

قاتل ٹیکس آمدنی کی حد اور ٹیکس کی شرح :-

اس ایکٹ کی سب سے اہم یہ دو باتیں تھیں جو غاص کر تاج کے حالات اور ٹیکس کی موجودہ شرح اور قاتل ٹیکس آمدنی کی حد کے متاعریض قلعی قاتل زمین اور طراب و خیال کی باتیں معلوم ہوتی ہیں مثلاً مرزا غالب کی باہانہ ایک سو باسٹھ روپیہ آٹھ آنے ماہوار کی آمدنی پر انکم ٹیکس گناہ جین کیونکہ قاتل ٹیکس آمدنی کی حد اس ایکٹ کے مطابق صرف دو سو روپیہ سالانہ سے شروع ہوتی تھی اس لئے مرزا بھادے بھی بچاڑے گئے۔

شرح ٹیکس :-

ٹیکس کی شرح صرف ۳ فی صد تھی جب کہ ٹیکس دوک کے ناموں کی آمدنی پر یہ شرح صرف ایک فیصد تھی۔ ٹیکس کی شرح بلا لحاظ آمدنی یکساں اور ایک ہی تھی جو آج کل کے نظام سے قلعی مختلف تھی۔ موجودہ نظام میں آمدنی بدینے کے ساتھ ساتھ ٹیکس کی شرح میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

سال تشخیص :-

اس ایکٹ کے مطابق سال تشخیص پہلی اگست ۱۸۶۰ء سے شروع ہوا اور ذیلی یا ٹیکس کا نفاذ دواں سال کی آمدنی پر ہوا۔

حکام :-

اس ایکٹ کے نفاذ کی ذمہ داری ضلعی کلکٹر حضرات کے سپرد کی گئی جو اپنی مدد کے لئے اپنے ماتحتوں اور ذیلی کلکٹروں کو مقرر کر سکتے تھے پریذیڈنسی کے شعبوں کے لئے تین کسٹمر مقرر کئے گئے جن کے تقرر کی مینوا ایک سال ہوتی تھی ان میں سے ایک کا فیر سرکاری ہونا بھی ضروری تھا۔

ٹیکس اکٹھا کرنے اور اس کی تشخیص کے لئے ایسے مقرر کئے گئے جو ذیلی کلکٹر بھی ہو سکتے تھے اور ان کو کلکٹر کے اختیارات بھی تفویض کئے جاسکتے تھے۔ ٹیکس گزار کو یہ حق بھی حاصل تھا کہ وہ اپنے کیس کی تشخیص کے لئے مخصوص حالات میں انٹرنل کسٹمر یا کلکٹر بھی مقرر کروا سکتا تھا۔ بلحاظ عدد سرکاری آؤٹرو فیو کو بھی محکمہ دار ٹیکس و حندگان کی آمدنی اور سرکاری شکایت سود و فیو کی آمدنی کی تشخیص کے لئے مقرر کیا جاتا تھا اور ان کو بھی دی اختیار حاصل ہوتے تھے جو کلکٹروں کو تھے۔

تشخیص پذیر علیہ پتہ پائیت :-

اس ایکٹ کی ایک خاص اور اہم بات یہ تھی کہ ٹیکس کی تفصیلات بذریعہ پمپلیٹ بھی ہو سکتی تھی۔ پمپلیٹ کے ذریعہ تفصیلات کے لئے یہ لازمی تھا کہ اس کے فیصلے کو ٹیکسوں کی منظوری حاصل ہو۔ اس فیصلے کی اپیل بھی ٹیکس کے پاس ہو سکتی تھی اور اگر وہ مناسب سمجھے تو پمپلیٹ سے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کو بھی کہہ سکتا تھا۔ زمینوں اور مکانوں کے مالکان جو ان میں قیام پذیر ہوں ان کے لئے Rack Rent کا طریقہ کار وضع کیا گیا تھا جس کے مطابق ان کی آمدنی وہ تصور کی جاتی تھی جس پر وہ پمپلیٹس کرائے پر اٹھائی جاسکتی تھیں۔

ٹیکس کے نفاذ کا یکساں طریقہ۔

تمام کمپنیاں، سوسائٹیوں اور دیگر اداروں پر بھی ٹیکس کے نفاذ کا یکساں طریقہ کار مقرر کیا گیا تھا جو اس وقت کے طریقہ کار سے قطعی مختلف تھا۔

ٹیکس دہندہ کو نظر ثانی کا حق بھی حاصل تھا جو اب بھی ہے مگر اس وقت یہ ضروری تھا کہ ٹیکس وادب الادا پر ارجح کر لیا ہو۔ اس کے بغیر نظر ثانی کی درخواست کی سماعت نہیں ہوتی تھی۔

اس ایکٹ میں ایک بات آئیکل کے مقابلے میں بہت اچھی تھی اور وہ یہ ہے کہ بے مقصد اور فضول یا پھوٹی پھوٹی بے کار محض باتوں پر تکلیف دہ مقدمہ بازی کے خلاف جرنلے کی سزا بھی رکھی گئی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ ٹیکس کی پھوٹی موٹی خلاف ورزیوں پر آئیں کی رضامندی سے مصالحت کی گنجائش بھی موجود تھی۔

اس قانون میں ایک بہت اچھی حق یہ بھی تھی کہ ٹیکس اٹھانے والے عدالت کے لئے ان کی بد نیتی یا بد اعمالی کے لئے اگر وہ اپنی سرکاری پوزیشن میں اس کے مرتکب ہوں تو اس کے لئے جرنلے اور قید دونوں کی سزا رکھی گئی تھی۔ ان کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ عطف رازداری اٹھائیں اور تفصیلات کے درجہ جہ باتیں ان کے علم میں آئیں انھیں دوسروں کو نہ بتائیں۔

ٹیکس گزاروں کے لئے یہ آسانی بھی دی گئی تھی کہ وہ وادب الادا چار برابر قسطوں کے ذریعہ ادا کر سکتے ہیں اس رقم کی پہلی قسط پہلی نومبر کو وادب الادا تھی جب کہ بقیہ تینوں قسطیں بالترتیب پہلی فروری، پہلی مئی اور پہلی اگست سے پہلے جمع کرانی ہوتی تھیں۔

۱۸۶۸ء کا ایکٹ نمبر ۱ پہلی مئی ۱۸۶۸ء سے نافذ العمل۔

ٹیکس لگانے کا اٹکا مرحلہ ۱۸۶۸ء میں پیش آیا جب ایکٹ نمبر ۱ نافذ العمل ہوا۔ اس سے پچھلے ایکٹ میں یعنی ۱۸۶۰ء کے ایکٹ نمبر ۳۲ میں آمدنی پر ٹیکس، زمین کے نام سے لگایا گیا تھا۔ اس وقت اسے ٹیکس کا نام دیا گیا جو تجارت اور پیشوں کی آمدنی پر عائد کیا گیا تھا۔ اس قانون کے مطابق ہر تاجر اور پیشہ ور کے لئے جس کی سالانہ آمدنی پانچ سو روپیہ سے زائد ہو یہ لازمی قرار دیا گیا تھا کہ وہ اپنا رجسٹریشن کرائے اور سرٹیفکیٹ حاصل کرے جس کا اجرا پہلی مئی ۱۸۶۸ء سے شروع ہوا۔ تمام کمپنیوں کے لئے یہ لازمی قرار دیا گیا کہ وہ پانچ سو روپیہ وچٹگی ادا کریں اور اس کے علاوہ ہر شاخ کے لئے بھی پانچ سو روپیہ وچٹگی جمع کرنا ضروری تھا۔ یہ وچٹگی ٹیکس جمع کرائے کے بعد آتی تھی۔ اسی طرح کمپنی کے منافع

کی تقسیم پر بھی ایک لیسہ دہائی ٹیکس کا نفاذ ہوا۔ ساتھ ہی ساتھ کمپنی کے ان ملازمین کی تنخواہ سے ایک لیسہ ٹیکس کاٹنے کا قانون بھی بنا۔ یہ ان لوگوں کے لئے تھا جن کی سالانہ تنخواہ ایک ہزار روپیہ سالانہ سے زائد ہو۔ یہ اقدام مانفڈ سے دہائی ٹیکس وصول کرنے کی ابتدا تھی ورنہ اب تک عام طور پر دیوبندی یا ٹیکس سال گزارنے کے بعد ہی وصول کئے جاتے تھے۔ ساتھ ہی یہ قانون بھی بنا کہ اگر ٹیکس چالیس روپیہ سے زائد ہے تو وہ دہائیوں میں وصول کیا جائے گا۔ ٹیکس کے سلسلوں کا یہ پہلا ایکٹ تھا جس میں باقاعدہ ٹیکس تھے۔

ایسے نکشت کار جن کے پاس اپنی زمینوں کی پیداوار کو بیچنے کے لئے زمینوں پر نہ تو کوئی دوکان ہو اور نہ کوئی ٹیکسری ہو ان پر اس ایکٹ کا اطلاق نہیں ہوتا تھا۔

Indian Income Tax Act 1869

انکم ٹیکس کے نام سے پہلا ایکٹ ۱۸۶۹ء کا ایکٹ نمبر ۵۱ تھا جس کا نام ہی انڈین انکم ٹیکس ایکٹ تھا۔ یہ ایکٹ پہلی اپریل ۱۸۶۹ء سے نافذ العمل ہوا۔ پہلی بات جو اس قانون کے ذریعہ کی گئی وہ پچھلے ایکٹ کے تحت رجسٹریشن حاصل کرنے کی پابندی کے قانون کی منسوختی تھی۔ رجسٹریشن کو ایک قلم منسوخ کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ اس ایکٹ کی خاص خاص باتیں یہ تھیں۔

- ۱۔ قابل ٹیکس آمدنی کی حد انٹالیس روپیہ دس آٹھ اور آٹھ پائی ماہوار سے زائد مقرر کی گئی۔ اس حد تک ماہوار آمدنی حاصل کرنے والوں پر ٹیکس نہیں لگایا گیا۔
- ۲۔ جو فرم ٹیکس ادا کر رہی تھی اس کے حصہ دار ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے۔
- ۳۔ پانچ سو روپیہ ماہوار تک تنخواہ پانے والے فوجی بھی ٹیکس سے مستثنیٰ قرار پائے۔
- ۴۔ کمپنی کے ہر شخص پر آمدنی کا ایک لیسہ ٹیکس مانفڈ پر سے ہی اکٹھا کیا جانا طے ہوا۔
- ۵۔ شخصیت کے خلاف ٹیکس کے پاس ٹیکس دہائی کی درخواست کی نہیں صرف آٹھ آٹھ مقرر ہوئی جو کامیابی کی صورت میں مع ربط قابل واپس تھی۔
- ۶۔ ٹیکس کے چھپنے کے خلاف کمشنر کے پاس درخواست دی جاسکتی تھی۔ اس اپیل کے لئے درخواست کی نہیں ایک روپیہ مقرر ہوئی یہ نہیں بھی کامیابی کی صورت میں ربط کے ساتھ قابل واپس تھی۔
- ۷۔ اگر ٹیکس چھ مہینے روپیہ سے زائد ہو تو ٹیکس دہندہ اسے دو سطروں میں ادا کر سکتا تھا۔
- ۸۔ ٹیکس اور کمشنر کو یہ اختیارات حاصل تھے کہ وہ اپنے اختیارات اپنے ماتحت دوسرے افسران کو بھی تفویض کر سکتے تھے۔

۹۔ اس ایکٹ کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ پہلی دہائی ٹیکس کی مختلف شرحیں آمدنی کے حساب سے مقرر ہوئیں۔ ورنہ اب تک ایک ہی شرح سے تمام قابل ٹیکس آمدنی پر ٹیکس عائد ہوتا تھا۔ نئی مقرر کردہ شرح آمدنی بڑھنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی جاتی تھی۔ پہلی دہائی ٹیکس کے ساتھ ٹیکس کی مختلف شرحوں کا شیڈول لگایا گیا جو شیڈول اسے مکمل اس کے مطابق بڑھتی ہوئی آمدنی پر ٹیکس کی شرح بھی بڑھتی جاتی تھی جس کی تفصیل اس شیڈول میں درج تھی۔

تادم سیتا پوری

غالب کے متعلق چند غیر معتبر روایات

غالب اپنی زندگی میں مقبول رہے ہوں یا نا مقبول۔ لیکن ان کی حثت پہلو، شخصیت اپنے عہد ہی میں مرکزِ توجہ بن چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے "دامنِ شہرت" میں گلوں کے ساتھ کچھ خار بھی سمٹ آئے ہیں۔ جنہیں اگر روایت نگاروں کی خوش بختی سے الگ کر کے روایت و درایت کے اصولوں پر پرکھا جائے تو یہ روایتیں اس سیرِ ان پر پوری نہیں اترتیں۔ میں صاحب 'آبِ حیات' کے کمال فن تذکرہ نویس کا بھی معترف ہوں اور ان کی ٹیک بیتی کا احترام بھی کرتا ہوں، مگر اس کے باوجود "آبِ حیات" کے ان کزور پہلوؤں کو حوازنِ حقیقی جانچوں سے محروم نہیں کیا جاسکتا جن کی زد سے شاید ہی کوئی تذکرہ نگار بچا ہو۔ اس سلسلے میں "آبِ حیات" کا یہ مشہور لطیفہ "روایت بالمعنی" کے اعتبار نے اس کے سیاق و سباق کی لہذا کوئی چھان بین نہیں کی اور اس عہد میں جس طرح خاقانہ من و عن نقل کر دیا۔

"مولوی فضل حق صاحب مرزا (غالب) کے بڑے دوست تھے۔ ایک دن میرزا ان کی ملاقات کو گئے۔ ان (مرزا فضل حق) کی عادت تھی کہ جب کوئی بے تکلف دوست آیا کرتا تو خالق باری کا مصرع پڑھا کرتے تھے :

بیا برادر کو دے بھائی

چنانچہ میرزا صاحب کی تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے اور یہی مصرع کہہ کر بھڑکایا۔ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ مولوی صاحب (فضل حق) کی "دعائی" بھی دوسرے دھان سے اٹھ کر پاس آں بیٹھی۔ مرزا نے فرمایا: ہاں صاحب! اب وہ دوسرا مصرع بھی فرما دیجئے۔

بہ نصیبی مار بیٹھ دی بالی" (۱)

جہاں تک غالب کی بدعہ گوئی کا تعلق ہے، یہ لطیفہ ان کے کمال فن کا عکاس ہے، مگر اس کے ساتھ ہی مولانا فضل حق کی دعائی کا تذکرہ یقیناً درست نہیں ہے، کیونکہ اس عہد کے سب سے بڑے "منکر حقائق" مرزا حیرت دہلی نے اس واقعے کی تفصیلات میں مولانا فضل حق کی "دعائی" کا ذکر نہیں کیا ہے۔ حالانکہ یہ مرزا حیرت دہلی وہی ہیں جنہوں نے حضرت شاہ اسماعیل شہید سے "نلو عقیدت" کی بنا پر ایشیا کے اس بڑے متقی خاندان کی علمی عظمت سے انکار کر دیا تھا۔ اگر انہیں مولانا فضل حق کی اس کزوری کا پتا چل جاتا تو وہ "آبِ حیات" سے زیادہ بوجھا چھا کر اسے پیش کرتے۔ مرزا حیرت نے اس لطیفے کو اس طرح نقل کیا ہے :

بھکیوں کا بیج ہو رہا تھا اور میرزا نوشہ (غالب) تخریف لائے۔ ان کے ایک بھائی نے ہر ایک پھوٹی

ریاست کے خواب تھے "امیر خسرو کی "خالق باری" کا میرزا نوشہ کو دیکھ کے مصرع پڑھا:

بیا برادر آؤ رے بھائی

میرزا نوشہ نے بے ساختہ جواب دیا کہ "دوسرا مصرع بھائی تم نے کس کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ لی صاحب (یعنی خواجہ) کی طرف خطاب کر کے پڑھ دو۔ اس پر مجلس میں چڑا قہقہہ پڑا۔ اور دوسرا مصرع یہ ہے:

یہ نہیں مادر چنہ ری بائی"

(چراغ دہلی، صفحہ ۳۳)

مجھ واقعہ کس طرح ہر تھا اور کیا تھا۔؟ اس سلسلے میں تقریباً اسی صدی کی ایک روایت اور بھی ملتی ہے جو اس لحاظ سے قریب تر کسی جا سکتی ہے کہ اس کے نقل کرنے والے غالب کی حقیقی بہن چھوٹی خانم کے ہوتے سرور جنگ (2) آغا مرزا بیگ ہیں جنہوں نے کچھ زمانہ اپنے دادا (غالب) کا بھی پایا تھا اور پھر اپنی خانوادگی روایات سے انہیں ایک خاص لگاؤ بھی تھا۔ سرور جنگ نے لکھا ہے:

"مرزا غالب کی مولانا فضل حق (خیر آبادی) سے کمال دوستی تھی۔ ہر شب کو معمولاً "مرزا غالب مولانا (فضل حق) کے پاس جایا کرتے تھے۔ ایک شب کو مولانا جو سرور شدہ دار دروازہ بند تھے باہر گھر میں تخت پر بیٹھے ہوئے کچھ سسلیں دیکھ رہے تھے۔ ایک "رزمی" بھی اس امر کی منتظر کہ مولانا دیکھ لیں تو سلام کر کے چنہ چاؤں کھڑی ہوئی تھی۔

"اس عرصے میں مرزا (غالب) لاہور آئے آئے پہنچے۔ مولانا (فضل حق) نے سراخا کر کہا:

بیا برادر آؤ رے بھائی

مرزا (غالب) نے کہا۔ "دوسرا مصرع بھی پڑھ دیجئے کہ دیر سے (یہ) منتظر کھڑی ہے۔" دوسرا مصرع یہ ہے:

یہ نہیں مادر چنہ ری بائی" (3)

یہ قصہ روایات اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہیں کہ غالب کی زندگی میں ان کا فن ہی نہیں شخصیت بھی ایک ایسی شہرت سے دو چار ہو چکی تھی جس کے پس منظر میں مشہور اور مشکوک روایات کا جنم پا جاتا کچھ زیادہ قریب خبر میں ہے۔ پھر ان کے مرنے کے بعد تو تعریف سے تنقیدیں اور مدح سے تہقیر کے ایسے ایسے پہلو نکالے گئے جن کی مکمل تفصیلات بھی آج نہیں ملتیں۔ غالب کی وفات کے تیس سال بعد جب مجدد السنہ مشرق مولانا سید احمد حسین شوکت میر غنی کی شرح دیوان غالب چھپیں تو اس میں نہ محض غالب کے فن کو شوکت میر غنی کی تحفیات کا سامنا پڑا بلکہ شوکت نے بعض جگہ بغیر کسی حوالے کے حمایت ہی جتنی واقعات کو غالب سے منسوب کر دیا۔ مندرجہ ذیل مر

میں منظر ہوں وصل میں خوف رقیب سے

وہاں ہے تم کو وہم نے کس چچا و کب میں

کی شرح کرتے ہوئے شوکت میرعلی تحریر فرماتے ہیں: (4)

"سبب ہم کو مظلوم ہوا ہے کہ جب مرزا غالب نے یہ شعر مظلومے میں چھاتا فتح مشاعرہ کے بعد مولوی امام امام بخش صہبائی مرحوم نے جو ایک مقدس اور متوجہ بزرگ تھے مرزا صاحب سے پوچھا کہ آپ نے اس شعر میں کیا معنی پتا کیے ہیں۔ مرزا صاحب نے کہا کہ مولانا! آپ اس شعر کے معنی کیا سمجھیں گے؟ نہ آپ نے ربڑی بازوی کی نہ خانگی بازوی کی نہ امرو بازوی کی نہ فاعل سینہ نہ مفعول میں نے تو اپنا ایک واقعہ لکھا ہے۔ یعنی جس "مسماۃ" پر میں فریفتہ تھا، بڑی تھوڑی اور چالوں سے اس کو کسی کوئے کھدرے میں ڈھب پر چڑھایا۔ مگر اس خوف سے کہ کوئی آکڑا ہو گا، ردولیت چوہے کے گل میں گھس گئی، مسماۃ سمجھی کہ غالب محض نامزد اور عین ہے۔ میں نے عذارت میں یہ شعر دیا۔"

ایسے مبتدل اور غیر ادبی جھوٹ کی مثال شاید شوکت میرعلی کے بعد مرزا وادہ حسین یاں عظیم آبادی (۱) (پنجابی) ہی کے یہاں ملے تو طے "دوسری جگہ ممکن نہیں۔ مرزا یاں (دقائق صحیح) نے اپنے رسالہ موضوع و توانی (چراغِ سخن) میں بلا کسی حوالے کے ایک ایسی ہی من گڑ مت حکایت تحریر فرمائی ہے:

"غالب پہ کیا؟ کتنے ہی ہونہار شاعر اس قوت متقلد کی آزادی اور مطلق العنانی کی بدولت گمراہ ہو گئے اور اپنے جو گمراہ ہوئے وہ اس وقت تک راہ پر نہیں آئے جب تک قوت متقلد کو تخیل پر حاکم نہ بنالیا۔ ہائے میر تقی میر! کیا جو میری و سخن تھا، مرزا غالب کے شعر میں کر صاف کہہ دیا کہ اس لوگے کو اگر کوئی استاد کامل مل گیا اور سیدھے راستے پر لگا دیا تو لا جواب شاعر بن جائے گا ورنہ سب مل جکتے گئے گا۔ وہی ہوا کہ غالب نے کسی کو استاد نہ بنایا اور نہ راہ راست پر آئے۔ چنانچہ غالب کے کسی بے تکلف دوست نے یہ مطلع دیا کہ از راہ حسن ان کی بہت تقریریں کیں۔"

پہلے تو ردوین گل بھینس کے اندر سے نکال

بعد اس کے بڑو گل بھینس کے اندر سے نکال

غالب نہایت آزرده ہوئے اور کہا۔ نہ معلوم کس سطرے نے یہ مطلع میری طرف منسوب کر دیا ہے۔ اس پر

ان کے مہیاں نے فرمایا کہ بھی برا کہیں مانتے ہو، "تھارے شعر تو ایسے ہوتے ہی ہیں۔" (5)

غالب کے فن اور شخصیت کے سلسلے میں اس قسم کی فرضی حکایتوں اور جھوٹی روایتوں کو خاصی اہمیت حاصل ہے، جنہیں احتیاط و توازن کے ساتھ اگر جانچا اور پرکھا نہ گیا تو غالبیات کے بہت سے گوشے تاریکی میں چھپ جائیں گے۔

شوکت میرعلی اور یاں عظیم آبادی کے بعد اس ضمن میں انتظام اعلیٰ شہابی مرحوم (دقائق ستمبر ۱۹۶۸ء) کا تا۔ لاشعوری طور پر سامنے آ جاتا ہے۔ انہوں نے ایسی ہی خطبہ "ملکوک اور غلط روایات کا ایک ذخیرہ ہے" پیاں چھوڑا ہے۔ ایک کثیرا تصانیف مصنف کی حیثیت سے جو اہم ذمہ داریاں ان پر عاید ہوتی تھیں، انہوں نے وہ بھی ان کو پورا نہ کر سکے۔ "لائف اشعرا" ملحق صاحب مرحوم کی ایک مشہور تصنیف ہے جس میں محض غالب ہی کے معلق نہیں

بلکہ دیگر مشاہیر کے بارے میں بھی جا بجا ایسی فرضی حکایتیں شامل کر دی گئی ہیں جن کا سرچر نہیں۔ بعض جگہ فرضی کتابوں کے حوالے بھی ہیں لیکن زیادہ تر روایات ایسی ہیں جن کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ غالب کے حلقہ جو لطائف اس کتاب میں نقل کئے گئے ہیں ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اس سے پہلے قبول عام حاصل کر چکے ہیں۔ مگر اسی کے ساتھ ساتھ چند لطیفے ایسے بھی ہیں جو سہریت لفظ یا سٹوک اور مشتبہ ہیں۔ چند لطیفے ملاحظہ ہوں:

"مرزا غالب نے مولانا غلام امام شہید سے اپنے خاص قرینہ انداز میں دریافت کیا: آپ شہید کب سے ہوئے اور کیوں کر ہوئے؟ غلام امام نے فرمایا کہ جب سے "کافر غالب ہوئے"۔ اور مرزا کا یہ شعر لکھ کر بھیج دیا:

با من میاویز اے پدر فرزند آذر را مگر
ہر کسی کہ شد صاحب نظر دین بزرگان خوش نہ کرد
مرزا مسکرا کر رہ گئے۔" (6)

اسی طرح ایک دوسرے لطیفے (دلی کی اولیٰ صحبت) میں تحریر فرمایا ہے:

"حکیم مومن خان مومن کے یہاں احباب کا مجمع تھا۔ مرزا غالب 'نواب شینو' مفتی صدر الدین آذرہ، حکیم آغا جان میمن سے حضرات شریک صحبت تھے۔ قاضی غم الدین برقی آبادی بھی حکیم صاحب (مومن) سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ ناخ گھسٹوی کے کلام پر بحث تھی، میر تقی میر کا ذکر آگیا، مرزا غالب فی البدیہہ فرماتے ہیں:

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناخ
آپ ہے بہو ہے ہو معتقد میر نہیں
میں کہنے لگے 'استاد ناخ نے کیا خوب شعر کہا ہے:
ہوں نزاکت سے گراں سرمہ ہے چشم یار پر
جس طرح ہو رات بھاری موم تیار پر

ہر ایک نے توجہ سے سنا اور دلا دی۔ برقی سکندر آبادی نے دست بستہ عرض کی کہ حضرت ناخ نے سرمہ چشم یار پر لکھ کر جدت کا ثبوت دیا ہے اور ہم سے نو آموزوں کے لئے آپ تو خدا ہو گئی اور اور حضرت استادوں نے توفیق بھی کر دی۔ حکیم صاحب بولے یہاں برقی خوب بات پیدا کی اور معقول گرفت ہے۔۔۔۔۔۔" (7)

یہ تیسرا لطیفہ (لوق و غالب) بھی اسی رنگ میں ترتیب دیا گیا ہے:

"حضرت لوق اور مرزا غالب میں شاعرانہ چٹک تھی۔ لوق کا قلم 'معلیٰ میں طوطی بول رہا تھا' یا 'یار' کے استعارے کیا تھے حکمت استعارہ ہے ہوئے تھے۔ اکثر شعرا سے مرزا غالب سے مانوس تھے، مرزا بلائے پر قلم

چلا کرتے، حضرت ذوق کی کوشش رہتی تھی کہ مرزا اسد اللہ غانی کا کہیں قلم میں پاؤ نہ جم جائے تو اس کی رخصت ہو گئی، حرف گیری کیا کرتے۔ شعر سلطان کو مرزا سے تلمذ تھا، انہوں نے قلم دانوں کی باتیں جانتیں۔ مرزا فرماتے ہیں:

قاری میں آج یہ بچی نقش ہائے رنگ رنگ
بگڑے از مجموعہ اردو کہ ہے رنگ من است

راست می گویم من و از راست سر لعل کشف
ہرچ در گفتار فخر تست آن رنگ من است (8)

”اس قسم کا ایک اور لطیفہ (تازہ نعل) بھی غالب کے ایک شعر سے گڑھا گیا ہے۔

”مرزا غالب قلم سے منہ کی چپ ہاتھ تو حضرت سلطان (9) آپ کی بڑی خاطر مدارات کرتا اور جس مرزا بچے اور اپنے والد ماجد بیاد شاہ سے جا کہ کہا، مرزا صاحب آئے ہیں۔ حضور بادشاہ سلامت بہد باریابی کا موقع مٹا لیا دیتے، ورنہ حضرت ذوق کے مقابلے میں کسی کی دال گھٹنے والی نہ تھی۔ ایک دن بادشاہ سے مرزا صاحب (غالب) نے شعر سلطان کے لئے کہا:

شعر سلطان کو رنگے خالق اکبر سرسبز
شاہ کے ہار میں یہ تازہ نعل اچھا ہے“ (10)

اور یہ لطیفہ بھی غالب پہلی بار ملحق انتظام اللہ شہابی مرحوم کی وساطت سے اہل ادب تک پہنچا ہے:

”مرزا غالب رام پور گئے ہوئے تھے۔ حضرت جلال (نکیم خاں علی) مرزا صاحب سے ملنے آئے۔ شراب نوشی میں مصروف تھے، ایک جام سے جام سے بھر کر جلال کے سامنے پیش کیا، انہوں نے کہا میں نہیں پیتا ہوں۔ مرزا نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا تاج تو ابر ہے۔ جلال نے کہا، حضرت مجھے اس سے رغبت نہیں ہے۔ غالب بولے، اتنی حضرت ابر بھی ہے، سوری بھی ہے۔ آخر جلال جھٹ سے گئے اور کہنے لگے، حضرت میں محرم جانتا ہوں۔ اس پر مرزا مسکرائے اور کہتے گئے، پھر یہ شعر آپ نے کہیں کر کہا:

رات سے خوب سی پی صبح کو توپ کر لی
دند کے دند رہے ہاتھ سے جھٹ نہ گئی (11)

”ان لطائف کے سلسلے میں ملحق انتظام اللہ شہابی مرحوم نے کسی راوی کے حوالے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی اور ان لطیفوں کے سیاق و سباق سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ غالب کے مختلف اشعار کو واقعات کا چاند پھنا کر لطائف کے قالب میں داخل دیا گیا ہے۔ اول تو یہ روایات لطیفوں کے انداز میں کہیں دوسری جگہ نظر بھی نہیں آئیں، اور اگر فرض کر لیا جائے کہ جس احترام کے ساتھ جلال نکستی اور غالب کی ملاقات کو قلم بند کیا گیا ہے، کسی حد تک بچ بھی ہو تب بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ غالب نے جلال کا شعر چڑھ کر انہیں لا جواب کر دیا ہو۔

ملحق صاحب مرحوم نے یکہ لطیفوں کے ساتھ مولوی اکرام اللہ گپاموی کی ”تصویر الشعراء“ کا حوالہ بھی دیا ہے مگر

یہ مزید نہیں فرمایا ہے کہ یہ کتاب کب لکھی گئی۔ اور کہاں ہے، یا غلطی کی شکل میں کس کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اور نہ اس کتاب (ظائف اشعرا) میں مولوی اکرام اللہ کہا سہی کے اس تعلق کو ظاہر فرمایا ہے جو مرزا غالب سے ظاہر کیا گیا ہے۔ ”مولوی سید مد علی تپش“ کے عنوان سے ”ظائف اشعرا“ میں اس شعر:

فوز جزو پر بھی تو ہے مطلع و مطلع غالب

غالب آسان نہیں صاحبِ دواں ہوا

کو بھی غالب سے منسوب کر دیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت تپش مرزا صاحب (غالب) کے شاگرد تھے۔ مراسلت سے شاگرد ہوئے تھے۔ دہلی مرزا صاحب سے ملے آئے۔ گھبراہٹ میں دواں کا صاف شدہ مسودہ بھول آئے۔ ایک دوسرا مجموعہ تھا وہ بھرا چکا گیا۔ مرزا صاحب سے اپنے دواں کا ذکر کیا اور اس مجموعے کو غلطی سے گزارا، اس میں بہت تھوڑا کلام ان کا قلم ہائی دوسروں کا کلام تھا، پوری پوری قرینیں بھی نہ تھیں۔ مرزا صاحب (غالب) نے دیکھ کر کہا:

فوز جزو پر بھی تو ہے مطلع و مطلع غالب

غالب آسان نہیں صاحبِ دواں ہوا

تپش صاحب نے اس مجموعے کو واپس لے کر دیکھا تو دواں نہ تھا، دوسرا نسخہ تھا، جلد ایک سی بی تھی اس سے دھوکا ہوا۔ مرزا صاحب سے بھی معذرت کی اور دوبارہ وہ دواں لے جا کر دکھایا اور اصلاح لی۔ یہ دواں ان کے پہلے شفی عہدائید کج علی کے یہاں بطور تحریک مکتوب ہے۔“ (12)

یہ شعر نہ تو غالب کا ہے، نہ سید مد علی تپش اکبر آبادی کے دواں سے اس کا کوئی تعلق ہے۔ بلکہ اس غلط انتساب سے صاف ظاہر ہے کہ اس کے مصرع غلطی میں ”غالب“ کے تھکس کو دیکھ کر ایک فرضی حکایت گزار دی گئی ہے۔ یہ شعر حقیقتاً ”عہدائید خان اویج“ کا ہے۔ جس کا ذکر ”آب حیات“ میں موجود ہے۔

”اویج تھکس“ عہدائید خان نام۔ ۳۰ برس کے مشاق تھے۔ ایسے بلند مضمون اور نازک خیال پیدا کرتے تھے کہ قلوب میں نہ لائیتے تھے اور انہیں عہد الفاط میں ایسی چستی و درستی سے ہلاتے تھے کہ وہ مضمون سنا بھی نہ سکتا تھا۔ اس لئے بھی تو مطلب کچھ کا کچھ ہو جاتا تھا اور کبھی کبھ بھی نہ رہتا تھا۔ سنگدل اور مشکل زمینوں میں غزل کہتے تھے، فکر مضائق اور عارض الفاط میں تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ غور کے ساتھ کاوش کرتے تھے اور آپ ہی آپ مزے لیتے تھے۔ ہونٹ چباتے چباتے ایک طرف سے سفید ہو گیا تھا۔ بعض دلوں پر کہتے تھے کہ آنکھوں سے لو ٹپک پڑا تھا، جب یہ شعر کہا تھا۔ بیٹھے (شعر) پر کہتے تھے کہ چھ مینے تک برابر پڑتا رہا۔ پڑھتے اس دور خود سے تھے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، مٹاؤں میں غزل سناتے تھے تو صف بھلے سے آگے نقل جاتے تھے۔ بعض اشخاص شہر میں اور قلعے میں اکثر مرشد زادے (شہزادے) شاگرد تھے، مگر استاد سب کہتے تھے۔ شعرائے ہاکل کو جا کر سناتے تھے اور واہ واہ کی

بچیں اور قریلوں کی فغان و قریادے کو چھوڑتے تھے، کیونکہ اسے اپنا حق سمجھتے تھے۔ ذوق مرحوم باوجود کم عمری اور عادت خاموشی کے "غوب غوب۔ بہت خوب" کہتے اور کھڑے چڑھاتے تھے۔ مسکراتے اور چہرے پر مسود ظاہر کرتے گویا شعر کی کیفیت میں بیٹھے ہیں۔ اور میرزا (غالب) تو ایسی دل لگی کے مصالکے وضع کرتے پھرتے ہیں کہ: "نعت خدا دے" شعر سننے اور کہنے تھے کہ یہ سب کافر ہیں جو تمہیں استاذ کہتے ہیں۔ شعر کے خدا ہو خدا! سجدے کا اشارہ کرتے اور کہتے سہان اللہ! سہان اللہ۔ میں ان دنوں میں جتندی شوقین تھا۔ اپنا مشتاق کبھو کبھو سے بہت خوش ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ بس تم میرے کلام کو سمجھتے ہو۔ رستے میں مل جاتے تو دس قدم دور سے دیکھ کر کھڑے ہو جاتے اور جو نیا شعر کہا ہوتا اسے دہن سے اکر کر پڑھتے۔ پھر شعر سننے جاتے چلنے، قلعے کے پچھلے میدان میں گھنٹوں چلتے اور شعر پڑھتے رچے تھے۔ غروب خانے پر بھی تحریف لاتے اور پھر پھر سے کم نہ بیٹھتے۔ ایک دن رستے میں ملے دیکھتے ہی کہنے لگے 'آج کیا تھا' انہیں (غالب کی طرف اشارہ ہے) بھی جانتا تھا۔ میں نے کہا کیا؟ کوک کر کہا:

دیرِ جہد پر بھی تو ہے مطلع و مطلع غالب

غالب آسمان خمیں صاحب دیوان ہوتا" (13)

غالب سے ایک "نئے شعر" کا اقتساب کرتے ہوئے مفتی انتظام اللہ شامی مرحوم نے ایک واقعے کو وہ جگہ کہانے کی کوٹھل کی ہے۔ مولانا عرقی رام پوری نے اس کی تفصیل ان الفاظ میں تحریر فرمائی ہے:

"یہ شعر مفتی انتظام اللہ شامی نے "انٹائے بے خبر" کے دیوانے میں اس قصیدے کے ساتھ لکھا ہے:

"ایک بار مرزا صاحب دہلی سے آکرے گئے تو "نیل کے کلب" میں مجلس انہاب منعقد ہوئی۔ مرزا حسام الدین بیگ، خواجہ غلام غوث بکیر و فیروز خان، شیخ شریک مجلس تھے۔ شعر و شاعری کا چرچا تھا۔ اس زمانے میں فرقہ اہل فطانت سے ایک رجحان "مسم" تھی جس کا شہر بہت تھا اور وہ خود بھی فکرِ سخن کرتی تھی۔ وہ بھی شریک مجلس ہوئی، مرزا صاحب (غالب) نے فی البدیہہ (یہ شعر) (14) ارشاد فرمایا۔"

"اس کے بعد مفتی صاحب (انتظام اللہ شامی) نے اخبار قومی زبان کراچی بابت یکم و دسمبر ۱۹۵۷ء (15) میں "غالب اور سائر" کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا، اس میں لکھا ہے کہ:

"مرزا غالب آخری مرتبہ دہلی سے سنہ ۱۸۷۳ء یا ۱۸۷۴ء میں (اپنے) وطن (آکر) آئے، مرزا حسام الدین بیگ، خلف مرزا مغل بیگ، رئیس برادر کے یہاں چند روز مقیم رہے۔ انھیال میں کوئی نہ دیا تھا، ماموں ہاتھ سے ہا پچے تھے۔ مرزا صاحب کی تشریف آور دہلی پر صحبت انہاب منعقد کی گئی۔ صحبت میں مرزا (مرزا) حاتم علی بیگ، راجہ (راجہ بلوان سنگھ) بے خبر، غلام غوث خان بے خبر، شیخ احمد علی شیون، میرزین العابدین شورش و فیروز شریک ہوئے۔ تمام اصحاب جمع ہو گئے تو "مسم" ذوقِ برق لباس میں آئی، اس پر غضب یہ تھا کہ ہنزدہ سالہ اولاد رکھا تھا، پیشانی پر کشتہ لگا ہوا۔ داخل مجلس ہوئی، ہر ایک کی نگاہ اس پر پڑے بغیر نہ رہی۔ مرزا غالب بے ساختہ کہتے ہیں:

یہ چلی زر افلاں مانگ سبز اس پر روشنا ہے
نارشا ہے پر طافس میں کالے کو پالا ہے" (10)

بالشہ یہ شعر غالب کا نہیں ہے، لیکن اگر یہ واقعہ "انٹائے بے خبر" کی روایت تک محدود رہتا تو شاید "سن
جیٹ الواقعہ" ایسی مضبوط گرفت میں نہ آسکتا جتنا "قوی زبان" (کراچی) کی تفصیلات کے بعد واضح ہو گیا ہے، کیوں
کہ اس دو سری روایت میں صرف مرزا حاتم علی بیگ مرکاٹام ہی اس کے بے بنیاد ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔
۱۷۵۵ء سے پہلے مرزا حاتم علی بیگ مرکاٹام کوئی تعلق بھی آگرے سے نہیں رہا۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے تھے، ان کا آبائی
مکان آج بھی گڑھ ابو تراب خان میں موجود ہے۔ شیخ امام بخش خاں کے شاگرد تھے، غدر کے بعد جب انگریزوں نے فتح
پور سیکری کے پاس دو گاؤں جاگیر میں دیے تو پہلی بار آگرے سے ان کا تعلق قائم ہوا۔ اور اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا
کہ ۱۷۸۷ء کے بعد مرزا غالب بھی آگرے گئے ہوں۔ خواجہ عبدالرزاق عشرت لکھنؤی مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

۱۷۸۵ء کے غدر میں سات انگریزوں کو اپنے گھر میں چھپایا، اس خدمت میں مرزا سخاوت علی بیگ اور مرزا
حاتم علی بیگ) کے ماموں شریک تھے۔ پھر لکھنؤ سے ان کو آگرے لے گئے، "گورنمنٹ سے اس خدمت کے صلے میں
ہائیکس پارچہ کا خلعت مع مالانے موارید اور گھوڑا اور اسلحہ عطا ہوئے اور جاگیر میں دو موضع قریب فتح پور (سیکری)
مرمت ہوئے۔ اب (مرنے) اپنا قیام آگرے میں کر لیا اور وہیں باقی کورٹ میں وکالت کرنے لگے۔" (17)

جنت غالب مانگ رام نے اسی شعر کے سلسلے میں لکھا ہے:

"شرح غالب (ص ۳۴) میں جنت مرثی صاحب نے اس شعر سے متعلق صاحب موصوف (مفتی
انتظام اللہ شاہی) کے دو مختلف مضمونوں کے اقتباس دیے ہیں۔ دونوں کا مضمون ایک ہی ہے کہ جنت مرزا
غالب "آخر مرتبہ" آگرے گئے تو وہاں محفل اصحاب میں ایک ربوڑی "مضم" غازی کو ذوقی برقی لباس میں
لبوس "سبز و شاد اوڑھے دیکھا تو (غالب نے) فی البدیہہ یہ شعر بولا۔"

مفتی صاحب موصوف نے خلاف معمول اس روایت کے لئے حوالہ نہیں دیا۔ بہرحال اگر وہ ایسا
کرتے جب بھی قابل قبول نہ ہوتا۔ میں افسوس کے ساتھ یہ ظاہر کرنے پر مجبور ہوں کہ شاید بہت کم لوگوں
کو اس کا علم ہے کہ مفتی صاحب روایتیں "وضع" کرنے میں بہت متنبہ ہیں۔ وہ بالعموم کسی قلمی کتاب کا
نام اجتراع کر کے اس کی حد درجے کے کہ یہ کتاب "مستنبط گویا" (خلع بودائی) کے کتاب خانے میں ہے
یا آرکائٹ (دراں) کے شاہی کتاب خانے کی زینت ہے یا کسی اور جگہ ہے۔ حالانکہ اس کا کہیں وجود نہیں
ہو گا۔ گویا میں خبر سے کوئی کتاب خانہ ہے ہی نہیں۔ اور جن کتابوں سے مفتی انہوں نے بعض مضامین
میں "آرکائٹ" کا نام لیا ہے، حقیق سے وہ بھی لفظ ثابت ہوا ہے۔ وہ (مفتی صاحب) پچھلے ۵۰-۶۰
برس سے اس "بعل" کے مرتکب ہو رہے ہیں اور بہت لوگ اس سے گمراہ ہوئے۔ ضرورت اس امر کی
ہے کہ ان کو اس پر تنبیہ کیا جائے اور ان کی کوئی روایت اس وقت تک حلیم نہ کی جائے جب تک کہ یہ
کسی دو سری "صدقہ شہادت سے درست نہ ہو۔ فی الحال اسے اشارے پر اکتفا کرتا ہوں۔ میں اس شعر کو

محض خلقِ صاحب کی خدمتِ غالب کا تسلیم کرنے سے انکاری ہوں۔" (18)

غیر مستتر اور غیر مستند روایات کے سلسلے میں جناب مالک رام محقق انتظامِ ادب شہابی مرحوم کا تذکرہ جن الفاظ میں کیا ہے، انہیں الفاظ کی مستحق اسی حد کی ایک اور شخصیت بھی ہے جسے کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مولانا عبدالہادی امی الدینی مرحوم (وفات ۱۳۳۶ھ) اپنے دور کے ان ہاتھوں میں تھے جنہیں اگر زمانہ عین سے دھکنے کی سلت دیتا تو آج اردو ادب کی تاریخ میں وہ ایک ممتاز مقام حاصل کر چکے ہوتے۔ گردشِ ایام کی تاسلیت نے انہیں ہل بھر کی سلت نہیں دی۔ وہ بچپن ہی تو اس دور میں جب "عز و اس" کی ادبی نگاہ کو آرائیوں کا آفتاب ہو چکا تھا۔ "محرک یکجہت و شر" کا ظہار بھی فضاؤں میں موجود تھا۔ کھسٹری اور غیر کھسٹری کی تنہاں بھی باقی تھیں۔ اس "عز و اس" میں زندہ رہنے کے لئے انہیں "نو کشتور" کا سہارا لینا پڑا۔ اردو اور فارسی کتابوں کی تقوید اشاعت کا شعبہ ان کے ہاتھ میں تھا۔ قتلِ اشاعت کتابوں کا انتخاب ان کی ترتیب و تدوین، تخریجِ نگاری اور عوامی فہمی، سب کچھ انہیں سے متعلق تھا۔ ان کے زمانے میں دہلی میں دہلی اور پرائی کتابوں کا قائل قدر اضافہ ہوا اور نو کشتور پریس کو نفاذِ جائیداد نصیب ہوئی۔ اسی زمانے میں نیاز فتح پوری مرحوم "نگار" کو لے کر بھوپال سے کھسٹری پہنچ چکے تھے اور مقبول و وصل بنگاری بھی کھسٹری کی بہادری پر جلوہ نما ہو چکے تھے۔ وصل مرحوم کے یہاں روزانہ نشیون کا سلسلہ شروع ہوا اور اسی کے ساتھ غالب کے دیوان میں "نیا اضافہ" ہونے لگا۔ کام غالب میں کئی سوئے اشعار شامل کر کے مولانا آسی نے "مکمل شرح دیوان غالب" تصنیف فرمائی جسے صدیق کڈپہ کھسٹری نے ۱۳۳۶ھ میں شائع کیا۔

"مکمل شرح دیوان غالب" میں نہ محض غالب کے نام سے جعل کام کا (۱۵۱) الماق کیا گیا بلکہ کچھ ایسے نئے انکشافات بھی کئے گئے جن سے اہل علم و ادب اس وقت سے بے خبر تھے۔ مکمل شرح کے طویل مقدمے میں دو ایسی باتوں کی نشان دہی کی گئی جن میں غالب کا "غیر مطلوبہ" کام سمجھا گیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس فاضلانہ مقدمے میں بعض ایسی باتیں بھی کہیں کہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں دیا گیا۔ چنانچہ جناب مالک رام جیسے محقق نے بلا کسی تحقیق کے تذکرہ "مقدمہ غالب" میں صرف مولانا آسی کے بیان کا سہارا لے کر حقیقی حاتم الدین احمد الدینی کو غالب کے شاگرد لکھ دیا جو قطعاً ایک سنگٹوک و مشتبہ روایت ہے اور روایت و ب روایت کے جن اصولوں پر پرکھنے کے بعد جناب مالک رام نے مفتی انتظامِ ادب شہابی کی روایت ماننے سے انکار کیا ہے، مولانا آسی بھی اس میزبان پر پورے نہیں اترتے۔

"مکمل شرح دیوان غالب" کے اسی مقدمے میں مولانا آسی نے آپ حیات کی اس روایت کی تخریب کرتے ہوئے عکس غالب کا مروجہ دیوان "مولانا فضل حق غیر آبادی اور مرزا خانی خان کا انتخاب کیا ہوا ہے" ایک سخت تنقید کی ہے اور ایک ایسی روایت تحریر فرمادی ہے جس کا کوئی ذکر کہیں نہیں ملتا۔ مولانا آسی نے تحریر فرمایا ہے:

"مرزا خانی (خان) ہوں یا مولانا فضل حق (خیر آبادی) میرا ہرگز یہ خیال نہیں ہے کہ مرزا (غالب) ایسے فیور طبع نے اپنے جگر پاروں کو ان کے حوالے کر کے ان کی زندگی اور موت کو ان کے دم و دم پر چھوڑ دیا ہو گا، غلط ہے اور بالکل غلط ہے" یہ اور بات ہے کہ ان دونوں نے صلاحیں دی ہوں اور مرزا نے ان کی دوستانہ صلاح کو مانا بھی

ہو۔ مگر یہ انتخاب مرزا ہی نے کیا ہے۔۔۔ طرہ میرے والد (خلیفہ حسام الدین احمد الدینی) مرزا غالب کے دیکھنے والوں میں تھے، ان کے کمال فن کے پورے راز دان تھے۔ وہ جب آزار کا یہ ”آپ حیات“ والا لفظ دیکھتے تھے کہ مرزا نے مولوی فضل حق سے انتخاب کرایا تو غصے کے بارے سرخ ہو جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ کیا بہتان باندھا ہے۔

”والد صاحب بیان کرتے تھے کہ مرزا اصطلاح دے کر بعض شاعروں سے ایک ہندو قبیلہ کی نسبت تو ضرور یہ کہتے تھے کہ ذرا اس کو بھی سنا لیتا اور پاتی کسی کو وہ کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ صہبائی (نام غلط) کو ملائے منجھی، آزدہ (مفتی صدر الدین) کو ایک حکمران، ذوق کو بادشاہ کا استاد، سومن کو لڑاکو جانتے تھے اور ذرا بھی ان کی پروا نہ تھی۔“ (20)

قطع نظر اس سے کہ مروجہ زبان غالب کے انتخاب کی نوعیت کیا تھی، مولانا آسی اپنے والد مفتی خلیفہ حسام الدین احمد کے بارے میں کوئی ثبوت اس کا پیش نہیں کر سکتے کہ وہ غالب کے ”کمال فن“ کے پورے راز دار تھے۔ غالب کا کوئی ایسا خط آج تک سامنے نہیں آ سکا جس میں خلیفہ حسام الدین احمد کا ذکر کسی سلسلے میں آیا ہو۔ جناب مالک رام نے محض مولانا آسی کے خود نوشت حالات (مطبوعہ ماہنامہ نگار نکلون، پست بخوری فرودی اصحاح) کو بیاد۔ کہ خلیفہ حسام الدین احمد کو غالب کا شاگرد اور ”کمال فن“ کا پورا راز دان ”تصور کر لیا۔ حالانکہ انہیں خود نوشت حالات کے جس ٹکڑے پر جناب مالک رام نے یہ عظیم غلط فہم قرینہ ہے اگر اس کے صرف اسی حصے پر توجہ فرما لیتے تو پوری بات سمجھ میں آ جاتی ہے جناب مالک رام نے مولانا آسی کے خود نوشت حالات کا جو حصہ نقل کیا ہے اس کی ابتدائی طور پر ہیں:

”حسام، خلیفہ حسام الدین احمد الدینی۔

”حاجہ (مخلع میرٹھ) کے نواح میں ”ملدن“ ایک قصبہ ہے، وہیں کے ایک شریف خانہ ان کے جنم و چراغ تھے۔ شاعری کیا ورثے میں پائی تھی۔ ان کے والد مولوی شیخ خدا بخش بھی شاعر تھے، حاجہ تھیں۔ حاجہ کے والد شیخ عبد الحکیم عرف میاں تنہن عاشق تھیں کرتے تھے۔ یہ میر تقی میر کے ہم عصر اور ہمیں تھے، انہیں میں خوب سمجھتیں رہتی تھیں اور ایک ساتھ شعروہ شاعری سے شوق کرتے تھے۔“ (21)

جس طرح غالب کے ”کمال فن“ کے راز دان ”(خلیفہ حسام الدین احمد کا نام یا کوئی شعر آپ کو کسی تذکرے میں نہ ملے گا“ اسی طرح تمام جدید تذکرے میر تقی میر کے ان ”ہم عصر اور ہمیں“ سے غلطی نظر آئیں گے۔ اگر جناب مالک رام ”تکلیات میر“ مروجہ مولانا آسی کے طویل مقدمے میں میر کے ان ”ہم عصر اور ہمیں“ کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے تو شاید باقاعدہ خلیفہ حسام الدین احمد کو غالب کا شاگرد تسلیم نہ کرتے۔

مفتی انتظام اٹھ شبانی مرحوم کی طرح مولانا آسی مرحوم کا ذہن بھی ہمیشہ احساس ذمہ داری سے غلی رہا اور ایسی ایسی روایتیں ان کے قلم سے چھانٹ نکلیں گی ہیں جنہیں کوئی غیر تحقیقی ذہن و شعور بھی مشکل سے قبول کرے گا۔ ”ہندو قبیلہ“ کا ذکر مولانا آسی نے غلط روایت میں کیا ہے۔ اس کا ذکر آپ کو آزار کے یہاں ملے گا نہ حالی کے یہاں۔ غالب کے کسی ہم عصر نے ایسے خفیہ فہم قبیلہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا حالانکہ اگر ایسی کوئی باتوق شخصیت اس

وقت ملی میں ہوتی تو آزاد حالی نہ سہی خواجہ حسن نظامی مولانا راشد الخیری اور ناصر خیر فراق جیسے روانیت نگار تو اسے بھی فراموش نہ کرتے۔

مولانا آسی نے غالب کے اردو کلام میں اعلیٰ کلام تو شامل ہی کیا تھا سب سے پداستم یہ کیا کہ ۱۸۳۵ء میں دیوان غالب (۱۸۳۵ء) ایک نیا ایڈیشن نو کٹورہ پریس کھنڈ سے ایسا شائع کرایا جس میں ایک طرف تو نسخہ حیدرہ (مکتوبہ ۱۸۳۱ء مطبوعہ ۱۸۳۱ء) کا ایک انتخاب بھی "حکاب غزلیات غیر مطبوعہ مرزا غالب مرحوم" کے عنوان سے شامل کر دیا اور نسخہ حیدرہ کے حوالے کے بغیر قرر فرمایا:

"چونکہ مرزا غالب کی غیر مطبوعہ غزلیں یا وہ کلام جسے غالب نے خود قابل طبع نہ سمجھا تھا اکثر پیدل اور شوکت امیر و فیض کے رنگ میں ہیں اور اس وجہ سے وہ بھر الجھی ہوئی اور بعید القسم ہیں لہذا ان غزلوں میں سے وہ اشعار انتخاب کئے گئے جو اس رنگ میں بھر سہل اور آسان ہیں۔ ہمارا ارادہ تھا کہ ان اشعار کو ان کے سوا دیوان کی غزلوں میں شامل کر دیا جائے مگر چونکہ خود مرزا نے ان کو علاحدہ کر دیا ہے لہذا ہم نے بھی مستحق مرحوم کا اجماع کیا۔" (22)

دوسری طرف اس دیوان میں حاشے پر بعض اشعار کی شرح بھی کی گئی ہے اور بے سرو پا روایات بلا کسی حوالے کے لکھ دی گئی ہیں۔ ۱۸۳۵ء کے ایڈیشن کا جو نسخہ میرے سامنے ہے اس پر سوادق نہیں ہے اس لئے یہ کہنا دشوار ہے کہ اس پر بحیثیت مرتب مولانا آسی کا نام ہے یا نہیں؟ لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ یہ دیوان مولانا آسی ہی کا ترتیب دیا ہوا ہے اور شرح کے پڑاؤ میں جن اشعار پر غیر مستند روایات کے حواشی لکھے ہوئے ہیں وہ سب مولانا ہی کی جدت طبع سے قلعہ رکھتے ہیں۔ مولانا آسی مرحوم کے ایک قریبی دوست میرزا محمد عسکری بی۔ اے نے اپنے خود نوشت حالات "سن کیستم" میں مولانا آسی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"شاعر و ناقد و شارح مشہور نو کٹورہ پریس میں بعدد سگ و شارح ملازم ہیں خوش نصیب اریس کے کہ ایسا گوہر بے ہما کو ذریعہ کے سہل مل گیا اور وہ اس کی قدر نہیں کرتا۔" (23)

اس ایڈیشن میں شرح کے پردے میں جو "روایت سازی" کی گئی ہے وہ دلچسپ بھی ہے اور المہلک بھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے ان اشعار کے "بہیں منظر" میں جھانک کر کچھ تصوراتی خاکے بنا ڈالے ہیں جو اس دیوان کے حاشیوں کے سوا شاید کہیں بھی نظر نہ آئیں گے۔ اب آپ ان اشعار کے آیتے میں وہ روایات علامہ فرمایا نہیں جنہیں بلا کسی مستند حوالے کے اس دیوان غالب میں لکھا گیا ہے:

سہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب

تھے ہم دلی بکھتے ہیں جو نہ ہوا غوار ہوا

حنا ہے کہ غالب مرحوم نے یہ غزل قلم میں پڑھی تھی۔ ہمدرد شاہ ظفر مرحوم نے جب یہ مطلع سنا تو فرمایا کہ ہم تو اس وقت بھی آپ کو ایمان نہ بکھتے۔ مرزا نے از راہ شوخی عرض کیا کہ حضور تو اب بھی ایسا ہی کہتے ہیں مگر یہ اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ میں اپنی حالت پر ہمدرد نہ ہو جاؤں۔ (صفحہ ۶۱)

دیوانے معاصر تک کئی سے ہوا تنگ

میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

ذوق مرحوم اس شعر کو چاہ کر پہلوں سر دھتے تھے اور غالب کی تعریف ان الفاظ میں کرتے تھے کہ

غالب کو اپنے اچھے شعروں کی خود بھی خبر نہیں ہوتی۔ (صفحہ ۲۹)

ملتی ہے خوشے بار سے نار التحاب میں

کافر ہوں مگر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں

مولانا آزاد، بھی غالب کے کسی شعری تعریف نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ وہ خود نہایت صاف شعر

کہتے تھے اور شعر میں مفاتیح کو پسند کرتے تھے۔ ایک دن کسی نے اہانک یہ شعر پڑھا، بھڑک گئے اور پوچھا

یہ کس کا شعر ہے؟ کسی نے کہا۔ غالب کا شعر ہے۔ جواب دیا کہ پھر اس میں مرزا کی کیا تعریف ہے؟ یہ تو

عاری روح خاص ہے اور اس کے مستحق حقائق ہمیں نصرت ہیں۔ (صفحہ ۵۵)

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے

ذوق مرحوم کہیں پاکی میں بیٹھے جا رہے تھے غالب کی نظریاتی، چونکہ ان سے ہم عصرانہ چٹک تھی،

انہوں نے یہ مصرع فی البدیہہ کہہ کر پڑھا۔ ذوق مرحوم نے سن لیا اور بادشاہ سے شکایت کی۔ بادشاہ نے

غالب کو بلوایا اور پوچھا کہ آج آپ نے کوئی غزل کہی ہے۔ انہوں نے پوری غزل سنائی۔ آخر میں مقلع

میں یہ مصرع شامل کر کے خاتم کیا۔ (صفحہ ۹)

اس قسم کی متعدد روایات (24) اس زمان کے حاشیوں پر لکھ دی گئی ہیں جن کے بارے میں کوئی قابل اعتبار

ثبوت یا حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔ جو مکالمات ان روایات میں درج کئے گئے ہیں یقیناً بے بنیاد اور من گھڑت ہیں۔

مولانا آسی کے مرتب دیوان غالب اور ایک ہی ایڈیشن جون ۱۹۳۵ء میں نو کھنڈر پریس لکھنؤ نے شائع کیا تھا کہ

۱۹۳۲ء میں مولانا کا انتقال ہو گیا ان کی وفات کے بعد مولوی امیر حسن نورانی (رکن شعبہ طباعت دہلی یونیورسٹی) ان

کے قائم مقام کی حیثیت سے نو کھنڈر پریس کی راجہ رام کمار براج میں پہنچ گئے۔ ان کے زمانے میں اس دیوان غالب

کے دو ایڈیشن ۱۹۵۷ء اور ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئے جن کے مولود پر مولوی امیر حسن نورانی کا نام اس التزام کے ساتھ

چھپا ہوا ہے کہ ”صحیح و اضافہ حالات زندگی“ لیکن سوائے اس کے کہ مولانا آسی کے لکھے ہوئے حالات میں رد و

بدل کیا گیا ہے پائی ان ایڈیشنوں میں سب کچھ وہی موجود ہے جو مولانا آسی نے لکھا تھا۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۷ء کے

ایڈیشن میں صفحہ ۵۵ پر ”انتخاب غزلیان غیر مملوہ غالب مرحوم“ کی خوش خبری ۱۹۶۰ء کے ایڈیشن میں بھی موجود ہے

اور صفحات ۳۳ و ۳۵ پر غالب کا مشہور ”سرا“ شائع کرنے کے بعد لکھا گیا ہے کہ :

”یہاں تک ”غزلیں“ دیوان غالب کی تمام ہوئیں۔ اب آگے قصائد اور قطعات ہیں۔“

مولانا نورانی کے صحیح کئے ہوئے ایڈیشنوں میں بھی یہ تمام فرضی حکایات بدستور موجود ہیں، کہیں ایک نکتے کا

ترق فیض۔ نساء صید کو چھپے ہوئے نصف صدی سے زیادہ زمانہ ہو گیا۔ اس کے نہ جانے کتنے انتہائے شائع ہو چکے

مگر مولانا نورانی کے نزدیک یہ آج بھی ایسا نادر ذخیرہ ہے جس کی دریافت کا سرا انہیں کے سر ہے۔

انور سدید

عہدِ غالب کے چند مسائل

ذاتی اعتبار سے غالب کا تصور ایک ایسے دور میں ہوا جب ہندوستان کی پرانی تہذیب و م قوڑ دی تھی اور مغرب کی چٹار سے نہ صرف نئے علوم کا درکشاد ہو رہا تھا بلکہ پرانے معاشرے نے حقیر کے نئے خطوط کو قبول کرنا بھی شروع کر دیا تھا اس لحاظ سے غالب کے عہد میں جہاں ایک طرف شکست و ریخت ہو رہی تھی وہاں ایک نئی حقیر کا عمل بھی جاری تھا۔

غالب کا ایہ یہ تھا کہ وہ مظاہرِ احوال کے دورِ آخر میں ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوا اس وقت بھول خواجہ عالم مسلمانوں کا منزل درجہ غایت کو پہنچ چکا تھا اور ان کی دولت، عزت اور حکومت کے ساتھ علم و فضل اور کمالات بھی رخصت ہو چکے تھے۔

لیکن یہ احوال آگاہانہ نہیں آتا۔ اس کے آثار تو اور تک زیب کی وفات کے فوراً بعد نمایاں ہوئے شروع ہو گئے تھے۔ راجپوت، جاٹ اور مرہٹے ہندوستان کے مختلف حصوں میں سر اٹھا رہے تھے۔ اور گزرب نے جن مرہٹوں کا شیرازہ ہوا کے اڑتے ہوئے ذوال کی طرح بکھیر دیا تھا وہی اس کے چاشنیوں کے لئے درد سر بن گئے تھے۔ بیشتر مثل شہزادے ذاتی جاہ و شہرت کے لئے انہیں کے اکہ کار بن جاتے تھے۔ چنانچہ جس اقتدار کو مستحکم کرنے کے لئے بار نے شہادت، اکبر نے رداواری، بھنگیر نے تھان، شاہجہاں نے حلاوت اور لور گزیب نے قوت و خیر استعمال کیا تھا جب ان کی اولاد کی جگہ گہری کی ہوس کی خور ہو تو متوجہ بھی فارغ بن گئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تاجروں نے حکمرانوں کے روپ میں حقداروں کو تخت و تاج سے محروم کر دیا۔ غالب پیدا ہوا تو قلعہ مثل کی حفاظت اور عہدہ بانی کے فرائض مرہٹے سرانجام دیتے تھے لیکن ۱۸۵۳ء میں سندھیا کو شکست ہوئی اور لارڈ لیک کی فوجیں دلی میں داخل ہو گئیں تو تھپہ نے شہنشاہ مظاہر کا تاج انگریزوں کے قدموں میں ڈال دیا۔ جہاں لیک نے اس سچ کرانہیہ کو ہضم کرنے میں دیر نہ کی اور فتح دلی کے بعد شاہِ عالم کو کھسکا۔

”میں اس موقع کو اپنے لئے غیر معمولی اعزاز و اکرام کا باعث سمجھتا ہوں“ اس لئے کہ پنجاب والا کے احکام نافذ کرنے کا فرض عزت و محرم کا حامل ہے۔

آہستہ آہستہ مثل انخطا کے اس درجے پر پہنچ گئے جہاں حکومت اور تاجدار کی آواز تک ختم ہو جاتی ہے۔ آخری مثل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے بارے میں تعمیر دلی نے جو ان کے داد و دہا باقی مراتب تھے ”واستانِ خور“ میں کھسا ہے کہ

”اذاں جملہ ایک یہ بھی حکیم کلام حضرت کا تھا میری اولاد باحق آرزو سلطنت کی رکھتی ہے۔ یہ

کارخانہ آگے چلے والا نہیں ہے۔ مجھ پر ہی غم ہے۔ از تہود تا ظفر“

ہر چند بادشاہ ہمدرد تھا اور رعایا جان نثار تھی، مگر مصلیٰ میں مثل دربار پر رے شان و شکوہ سے قائم تھا لیکن یہ سب شیخ کا آخری اہلا تھا اور شیخ کے لئے مدفن بھی بائگ کرانا پڑا تھا۔ مولانا الطاف حسین حالی نے نوال کی اس باریکی سے مدفن کی ایک کنکری بکڑی ہے اور لکھا ہے کہ

”حسن اتفاق سے دارالخلافہ دہلی میں چند اہل کمال ایسے جمع ہو گئے تھے جن کی محبتیں اور پیٹے ہمد

اکبری کے جلموں اور صحبتوں کی یاد دلاتے تھے۔“

اہل کمال میں غالب بھی تھا جس کا ہم سر شیخ محمد اکرام کے بھتیجے شاہجہان اور جہانگیر کو بھی نصیب نہ ہوا ہو گا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے سلطنتِ تہود کے نوال کا آخری خوں پکلا دیا تھا اور ان میں سے بعض نے صریح غلامی سے نوائے سروش بننے کے بجائے الٹک دواں سے اس سلطنت کی بربادی کا نوحہ کیا۔ غالب کی دگوں میں سلوٹی دگوں کا خون دوڑ رہا تھا، ہر چند اس دور میں دگوں کی تھوڑی سی پٹی ملی گئی تھی لیکن سلوٹی خوں ابھی سروس میں ہوا تھا اور غالب نے اس متحرک خوں سے کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دینے کی کوشش کی جو اسے اور اس کے عہد کو جلدواں اور مظلوم کے باطنی کو زندہ کر دے اور ان کے نوال آبادہ شخص کی عظمت بحال ہو جائے۔

غلامی، سیاسی اور تہذیبی نوال کے اس دور میں غالب کا ایک اہم مسئلہ اپنے شخص کو برقرار رکھنے کا تھا۔ مظلوم کے زمانے میں مسلمان معاشرے میں سید، پھان، شیخ اور مغل کی تقسیم دواں پانچ تھی، ہندوستانی معاشرے میں طویل عرصے تک بود و باش اختیار کرنے کے باوجود بیشتر امراء اور شہزادے اپنے اس نسلی امتیاز کو برقرار رکھنے کی کوشش کی، اس واسطے سے دیکھتے تو یہیں لگتا ہے کہ علم و فضل اور کلماتِ فن و ادب نوال تھے، قدیم تہذیبی قدروں، شہنشاہی کی ند میں تھیں اور شاہ وقت کی حیثیت شاہِ خلیج سے زیادہ تھیں تھی، قہقہے کی عظمت بھی ایک بے حقیقت سارا تھی۔ تاہم اس دور کے لوگوں کو اپنے موروثی شخص کو قائم رکھنے میں تسکین ملتی تھی۔ ان کے لئے یہ حقیقت بھی فضیلت کا نشان تھی کہ ان کے آباؤ اجداد بیرونِ ہند سے آئے تھے۔ اس لئے یہ کتنا درست ہے کہ شخص کا مسئلہ اس دور کا ایک عمومی مسئلہ تھا۔ غالب کو اپنی غائبانی عظمت کا احساس زیادہ تھا، غالب کو فکر تھا کہ ان کا سلسلہ نسب تو بہن بیگ اور قزم خان سے چلتا ہے اور ان کی زبان ترکی اور فارسی تھی، غالب نے اپنے شخص کے حقوق کے لئے ایسے دماغ بھی تلاش کئے جن پر وہ عمل کر سکتے تھے۔ انہوں نے ایسی شاعری تخلیق کی کہ جلدیہاں ادب نے غالب کو منظرِ تہذیب و تمدن کا بحرینِ زندہان تسلیم کیا۔

مولانا الطاف حسین حالی کے خیال میں ”مرزا کی قلم لاکھ میں کوئی بڑا کام ان کی شاعری اور انشاء پردازی کے سوا نظر نہیں آتا۔“ لیکن وہ اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہیں

”صرف اس کام نے ان کی لاکھ کو دارالخلافہ کے اخیر دور کا اہم محترم باشندہ واقعہ بنا دیا ہے اور میرا

خیال ہے کہ اس ملک میں مرزا پر فارسی نظم و نثر کا خاتمہ ہو گیا ہے۔“

مولانا حالی کو ملال تھا کہ غالب شاید لفظ زمانے میں پیدا ہو گیا تھا۔ انہوں نے کہا:

”غالب کی قدردانی بھی کہ چاہئے یا اکبر کرتا“ یا جاگیر“ یا شاہجہان“

خود غالب کو یہ احساس تھا کہ

”میں عذرا بخش تا آفرید ہوں“

لیکن وہ تمام عمر مگر ہی غلط تصور سے نغمہ سنا رہا اور اس دور کی مداحی شاعری سے انحراف کر کے اپنی راہ اس طرح الگ تراشی کہ اب یہ دور غالب ہی سے منسوب ہوتا ہے ”انیسویں صدی اس کے نام مستحق ہو چکی ہے۔

بیسویں صدی میں عبدالرحمن بجنوری نے غالب کے شخص کا اثبات کیا تو ”دربار غالب“ کو مقدس دین کے برابر قرار دے دیا۔ رشید احمد صدیقی نے غالب ”اردو ادب کا آج کل“ کو مظلیم سلطنت کی عطا قرار دیا۔ اس توجہ میں شیخ محمد اکرام نے لکھا کہ

”شاہجہان کا تاج محل اور غالب کی شاعری فن کی دو مختلف اصناف کے شاہکار ہیں لیکن دونوں کی حد

میں ایک دوسرے کا فرما ہے۔“

غالب کا عہد مغلوں کے زوال کا عہد اردو کے عروج کا دور تھا۔ چنانچہ غالب کو اگر اکبر اور شاہجہان کے عہد کی علمی مصحفیں نہیں ہوئیں تو اس کا حال غالب کو اور اس کے شاگرد رشید حالی کو تو ہو سکتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ غالب کے اس ذاتی زمانے میں اردو کا کراں قدر انتہائی قائمہ مضرب تھا۔ غالب اگر اکبر کے عہد میں پیدا ہوتا تو وہ یقینی اور ابوالفضل کی محاسن میں فارسی شاعری تخلیق کرتا لیکن اردو شاعری اور وہ خطوط معرض وجود میں نہ آتے جن میں دلی کا دوزموا اولی شان سے جلوہ گر ہے۔ چنانچہ اول الذکر صورت میں اس کی عظمت بیسویں صدی کی طرف پیش قدمی نہ کرتی اور دلی کی آخری شمع کے بجھتے ہوئے اہلے تک محدود ہو کر تاریخ کا حصہ بن جاتی۔

غالب کے دور میں اردو لشکر، شہنشاہ اور بازار کی زبان ہی نہیں تھی اسے فارسی کے باکمال شاموں نے قبول کر لیا تھا اور یہ قلم مسلح تک پہنچ گئی تھی۔ ہمارے شاہ ظفر خود شاعر، شاعروں کا قدروان اور شعر کا عاشق و شیدا تھا۔ قلمے میں محفل مشاعرہ بھی تو اس میں تو شاہ نصیر، عظیم صفت، قاسم، فراق، شکیبا اور ممنون جیسے شعراء شریک ہوتے۔ ظفر پہلے شاہ نصیر سے اصلاح لیتے تھے، پھر اس خدمت پر استاذ ذوق مامور ہوئے آخری عمر میں یہ سعادت مرزا غالب کو نصیب ہوئی تو اس کی طرحی کا لگانہ نہیں تھا۔ یہ شعر اسی واسطے کی یادگار ہے۔

غالب وغینہ خوار ہو، دو شاہ کو دعا

وہ دن کئے ہو کہتے تھے، توکر ضعیف ہوں میں

لال قلمے تک اہل کمال کو رسائی حاصل تھی لیکن قلمے سے باہر بھی اہل کمال جمع تھے، ان میں شاہ ولی اللہ کے فرزند ان کو سب سے زیادہ اہمیت تھی۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی ان کے فرزند تھے، اس خاندان نے ہندوستانی مسلمانوں کے عقائد اور مذہبی میلانات کی اصلاح و ترمیم میں قابل قدر خدمات سرانجام دیں تھیں۔ اکبرین لوہ میں کلیم مومن خان مومن، نواب مصطفی خان شینو تھے، اہل علم میں مفتی صدر الدین آزاد، امام بخش صہبائی، اور مولوی مملوک علی جیسے فضلا موجود تھے، یہ اس عہد کی علمی تکلیفیں تھیں جس میں غالب ایک روشن ستارہ تھا، یہ دور سے فکر آجاتا تھا

بلکہ سچ تو یہ ہے کہ غالب انہیں ستاروں سے دلو کا غالب ہوتا تھا، انہیں کی رائے پر نگاہ کرتا تھا کہ یہ خلیج منجھ اور
خلیج فہم تھے۔ مشاعروں میں غالب انہیں تلاش کرتا، نظر آجاتے تو اطمینان سے مشاعروں پر حملہ موجد نہ ہوتے تو پریشان ہو
جاتا۔ غلام رسول مرنے اس دور کے چند مشاعروں کا احوال غالب کے فارسی مکتوب سے لگایا ہے۔ ایک خط میں
غالب نے لکھا ہے:

”غلام الدین مثنوی اور مولوی امام بخش صہبائی بہ سب علالت نہ آئے، حضرت آذرہ کی خدمت میں
آوی بھگا گیا وہ اگرچہ وہ سے آئے مگر آگئے۔ میں نے طریق زمین میں ایک قصیدہ لکھا تھا اور سوچ رہا تھا
کہ اسے ”ہرات باقیہ“ کی طرح باخداوند واپس لے جاؤں اور اردو کے شعراء کو درد سر نہ دلاؤ لیکن
حضرت آذرہ کی تحریف آوری سے دل مطمئن ہو گیا اور میں نے قصیدہ پڑھنا ضروری سمجھا۔“
ایک اور مشاعرے کا ذکر یوں کیا ہے۔

”اس مشاعرے میں میری ”ہناک زمین گیر“ رناتہ گریوں کی آنکھوں کا غبار نہ بنی، میں نے ایک ہفتہ
پہلے غزل کہی تھی، جسے حضرت آذرہ کی خدمت میں بھیج دیا۔“

آذرہ غالب کے زیادہ قائل نہیں تھے، شاید غالب بھی اس بات سے آشنا تھے، ایک محفل میں غزل پڑھی تو یہ
شعر آذرہ کو خاص طور پر غائب کر کے پڑھا۔

تو اے کہ تھو خلیج مستران
مہاش مگر غالب کہ در نازت

حالی نے لکھا ہے کہ حاضرین میں سے کوئی بھی حائر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

اس دور میں اگرچہ انگریزی طرز کے مدرسے قائم ہو چکے تھے، فورٹ ولیم کالج میں قرآن کا کام قابل قدر اعزاز میں
ہو رہا تھا، اور دینی کالج قائم ہوا تو اس نے علوم دینی کی روشنی پکھیلنے میں عمدہ خدمت سرانجام دی، لیکن علم و ادب کی
دولت استاد کے وسیلے سے بھی شاگردوں میں تقسیم ہوتی تھی اور اس تقسیم میں مذہب اور عقیدے کی کوئی قید نہیں
تھی، غالب اس لحاظ سے بھی خوش قسمت ہے کہ اسے مخلص شاگردوں کا وسیع حلقہ نصیب ہوا جو اس کے نام کا سر
پر سے ہندوستان میں چلا رہا تھا۔ ان میں غلام فوٹ ہے، خیر، ہر گز قابلِ قتلہ، ”عبد الغفور نساج“ نبی بخش حقیر، انوار اللہ
شفیق، ”سبب اللہ وکام“، قاضی عبدالجلیل جنہوں تھے جن کی علمی استعداد اور مہربانی کا خود غالب معترف تھا، شاگردان
غالب کی حقیقی بانگ دام صاحب نے کی ہے، ان کی کتاب کو دیکھنے کے کیسے کیسے لوگوں پر غالب کا ابر کرم برس رہا تھا
اس کے دوستوں میں ایک مصطفیٰ خان شینو تھے جنہوں نے حالی کی تربیت کی اور وحشت تھے جن سے مرثیہ لکھوانے
کی خواہش میں غالب نے مرثیہ بھی قبول کیا تھا، یہ شعر اسی آرزو کی یادگار ہے۔

وحشت و شینو اب مرثیہ کہیں شاید

مر گیا غالب آشتی سرا کہتے ہیں

غالب کا فن اس کی شخصیت کا لحاظ بھی ہے اور طلبہ تہذیب و ثقافت کا آئینہ دار بھی ہے۔ لیکن غالب کے

نہانے میں ہی رنگ آہٹیں تبدیل ہو چکا تھا، نئی قصبہ کی ہوا بیل پڑی تھی، انگریزوں نے اپنے قدم اس سرزمین پر مضبوطی سے جمائے تھے، چھاپے خانے کا نظام، سستی ڈاک کا نظام، تاریکی کی قصبہ، آبیاری کے لئے نہروں کی کھدائی اور ریل کی آمد نے نہ صرف ہندوستان کی معاشی زندگی پر اپنا اثر ڈالا بلکہ قلمرو عمل کی سچ بھی بدل دیں، اردو شعرو ادب کی زبان میں بھی تھی لیکن لارڈ میکالے نے انگریزی کو فروغ دے کر ایسے ہندوستانی تلاش کر لئے جو انجیت انگریزوں کی رہ گئیں۔ میکالے کے اس اقدام نے ہندوستان کا قدیم تہذیبی و خانہ بد کے اور ایک وسیع و عریض ملک کی کیا پٹھے میں پڑی ہمدی۔

قلم کے دور میں اگر یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ مشرق کی تہذیبی اقدار کا تحفظ کس طرح کیا جائے تو اسی دور میں ایک اہم مسئلہ یہ بھی تھا کہ نئے علوم کی ضرورت اور اہمیت سے کیا انکار کیا جاسکتا ہے؟ سائنسی علوم کی اشاعت نے مشرقی احساس شعور کو ایک نئی کھٹ دی تھی، روحانیت پسندوں کو اس سے صدمہ پہنچا۔ لیکن ان علوم کی اہمیت کا احساس بھی روز افزوں ترقی پر تھا، اس کی ایک روشن مثال راجہ رام موہن رائے ہیں جنہوں نے ایک ایسے کالج کی تشکیل پر زور دیا جس میں بچہ پ کے تعلیم یافتہ اور کمال استاد مغربی علوم مثلاً طبیعیات، کیمیا اور انٹروی و دیگر کی تعلیم دیں۔ اسی دور میں شاہ ولی اللہ کے حوالہ کے روشن خیال بزرگ شاہ عبدالغفور نے مسلمانوں کو فکرت کالج میں نئے علوم حاصل کرنے کی عام اجازت دی اور انگریزوں کی ملازمت کو اس صورت میں جائز قرار دیا کہ تقویض شدہ فرائض معاشرے کے لئے مفید ہوں۔

قلم اس دور کی ان خصوصیات میں سے تھا جس نے نئے خیالات کو قبول کرنے اور کشور نظری کو فروغ دینے کی کوشش کی، صدمہ میں جب یہ غم بھڑ کیا گیا کہ آئندہ ہندوستان انگریزوں کے لئے ہو گا تو قلم کی عمر ستہ برس تھی، اس وقت لارڈ دکنل کے سب سٹیڈی امیری سسٹم اور لارڈ ڈلہوزی کی المانی کی پالیسی پر عمل درآمد کیا جا رہا تھا، انگریزوں کی حکومتیں ہندوستان کے شہنشاہوں اور راہبوں کے جیسوں سے گھرا کر خون کا آخری قطرہ تک فوج پڑی تھیں۔ یہ انگریزی استحصال کا بدترین دور تھا لیکن یہ کئی اعتبارات سے ذہنی آزادی اور علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کا دور بھی تھا اور قلم نے اسے شہہ روئی سے خوش آمدید کہا۔

اقتدار کی جن دو مختلف شاخوں نے مجموعی طور پر اس دور کے فرد کو ذہنی سطح پر شدید غفلت کا شکار بنا رکھا تھا ان میں سے ایک تن اور درخت لال قصبے میں خزاں رسیدہ ہو چکا تھا۔ دوسرا بے جز پیدا تھا جو باہر سے آیا تھا اور اب آکس تیل کی طرح پورے ملک پر قلم آکر اس کا رس چوس رہا تھا۔ جذباتی و انتہائی قصبے کے ساتھ تھی لیکن ذرا رخ پیدا ہوا کہ انگریز کے قصبے میں تھے، چنانچہ ایک ایسی فضا پیدا ہو گئی جس میں وفاداری کے غور حائل ہونے لگے تھے، اس صورت حال نے فرد کو ذہنی اسرو کی کا شکار بنایا، اس دور کا ہر شخص ایک الجھن میں گرفتار دکھائی دیتا ہے۔ اس الجھن کا ایک ذوقیہ نظیر اکبر آبادی ہے جس نے دنیا کی بے ثباتی کو موضوع شعر بنایا اور کہا۔

نے غلام نہ دیا میں کوئی غلام رہے گا
نے صاحب مقدر نہ ناکام رہے گا

زوداد نہ ہے زور نہ پدائنام رہے گا
شادی نہ غم گردش امام رہے گا
لے بیٹن نہ دکھ درد نہ آرام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

بدھ سارا زادی غالب نے پیش کیا اس نے ٹپنی قدروں کو اور بدلتے ہوئے زمانہ کو نئے انداز میں دیکھا۔ اس نے زوال ہند پر اپنے آنسو بہائے کہ اس کی آنکھوں کی پتیاں ویران ہو گئیں۔ غالب چونکہ اس دور کا ایک ناہنہ نگار خیال تھا۔ اس لئے اس کا آشوب آج بھی میں زیادہ گہرا ہے اس کے تجربات مشرق ہیں اس کا الیہ درد انگیز ہے۔ وہ کہہ رہا ہے۔

داع فراق صبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی قہقہ سو وہ بھی خاموش ہے
ہوا ہوں عشق کی غارت گری سے شرمندہ
سوائے حسرت قہیر گھر میں خاک نہیں

اس المودی نے اجتماعی طور پر جس فضا کو جنم دیا تھا اس نے بلاخر ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ رزم کی صورت اختیار کر لی برسوں کا سلگتا ہوا آئین نقاشی اچانک پست پڑا۔ قلم حلی کا کڑوا نامہ دار اپنے آپ کو درویش گوشہ نشین تصور کرتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۵۷ء کی یہ تحریک قلم ہو گئی انگریزوں نے اس کا انتقام جمہوری طور پر ہندوستانی باشندوں سے اور خصوصی طور پر مسلمانوں سے پوری سفاکی سے لیا چنانچہ اس دور میں ایک اہم مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ نئے حالات میں عوام الناس کو کس طرح بحال کیا جائے سرسید احمد خان نے ”اسباب بخلت ہند“ لکھ کر مسلمانوں کی دکالت کی۔ مسلمانوں کے خلاف جو عام رویہ پیدا ہو گیا تھا اس کے عدم جواز کی دلیلیں دیں۔ سرسید کی علی گڑھ تحریک مسلمانوں کو نئے معاشرے میں آہل کرنے کی کوشش ہے۔

اس اہم مسئلہ کو غالب نے اپنے انداز میں یوں حل کیا کہ انگریز قوم کے برسر اقتدار افراد کو اپنی امید نگاہ ٹھایا۔ ایک خبر کا قول تو یہ ہے کہ

”غالب کو جب ماحول کی تبدیلی کا یقین ہو گیا تو اس نے پرانے فریم میں سے مطلق کی باقی تصویریں نکال دیں اور ان کی جگہ نئے اور انگریز المودی کی تصویریں سجادیں۔“

اس بیان میں ممکن ہے کہ مبالغہ ہو لیکن یہ بات واضح ہے کہ ۱۸۵۷ء کی شکست نے غالب کو ادھ موا کر دیا تھا اس شکست کی ایک آواز غالب بھی تھا جس نے ۱۸۵۸ء میں یہ شعر لکھ کر اپنی ہزونی کا اعتراف کر لیا تھا۔ لیکن دوسری طرف ہزونی کے چار برس گزارنے کے بعد ۱۸۶۳ء میں غالب نے یہ شعر بھی کہا۔

تنب لائے ی جے کی غالب
دائے سخت ہے اور جان مرزا

غالب کے نزدیک تحریک آزادی "مرعز ہے جا" تھی، اس نے اپنے انگریز دوستوں کے مرنے کا ماتم کیا اور لکھ مخلص کو "خداوند ہونے زمین ملیہ وہاں آفریں" کہہ کر قصیدہ لکھا۔ "دوختہ" میں لکھا۔
 "اس کتاب کے پڑھنے والے یہ سمجھ لیں کہ میں نے۔۔۔ جس کے قلم کی جنین سے کافور ہوئی
 بکھر جاتے ہیں۔۔۔ انگریزی حکومت کے بن و تھک سے پرورش پائی ہے اور بچپن سے ان فاتحین کا رویہ
 لیکن ہوں"

اس سب کے باوجود حقیقت یہ بھی ہے کہ "سقوطِ دہلی" کے بعد دو لوگ جنہوں نے "غیر" میں حصہ نہیں لیا تھا
 انعام و اکرام سے نوازا گیا۔ لیکن غالب اپنے گھر سے نہ نکلا، جشنِ ہند کو ہی مٹی، غلت چھین مٹی، انتخابِ دانیس لے
 لیا کیا اور بقیہ اب الکلام آزاد عام باغیچہ کی طرح شمار ہونے لگا۔ غالب نے اس قسم کے ذاتی اور اجتماعی مسائل سے
 بھرا آنا ہونے کی سنی کی، دہلی کے سقوط پر صابر، وارغ، ظہیر اور غفر جیسے شعراء نے دلدوز کیفیات کو بڑے اثر انگیز
 انداز میں نظم کیا ہے۔ غالب کی جگہ پر بھی آنسوؤں کے چراغ روشن تھے لیکن اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی، "و
 دارغ فراق صبت شب ماتم کردہا تھا لیکن اسے شکست و ریخت میں جی قہیر کے آثار بھی نظر آرہے تھے۔" ۱۸۵۳ء
 سے کہہ دیا تھا۔

و بارہ شہادہ کی سر مستیاں کہاں

اٹھنے کہ اب وہ لذت خواب سر مٹی

غالب اپنی زندگی کے ہر مرحلے پر اپنے سر کے مسائل سے دوچار رہا۔ یہ مسائل کچھ تو اس کے اپنے پیدا کردہ تھے اور
 کچھ اجتماعی تھے۔ غالب نے ان سب کا مقابلہ کیا اور بڑی پامروئی سے کیا۔ یہاں اس کی کامیابی یا ناکامی کا ذکر مقصود
 نہیں لیکن دیکھتے مسائل سے بھرا آنا ہونے کے لئے اس نے جہاں کے عالم میں جب اس کی عمر ۲۳ برس کے لگ
 بگ تھی کیا مفید نسخہ تجویز کیا تھا۔

بٹنے کے جلوہ گل رزقِ قشاشاں غالب

چشم کو چاہئے ہر رنگ میں واہو جانا

سر غالب نے اپنی پے چشمِ قشاشاں کو ہر وقت وا رکھا اور مسئلے کو "جلوہ گل" سے زیادہ اہمیت نہ دی، اس صحت مند رویے
 سے جو شاعری پیدا ہوئی تمام احوالِ حدودِ زمان و مکان اس کے آگے دکھاتے نہیں دے سکتے۔



نواور غالب

۱۔ قصید:

مرزا غالب اپنی معاشرتی ضرورت سے والیان ریاست کے درباروں میں رسائی کے لئے برابر کوشش کرتے رہے تھے اور ان کے جو اصحاب متفرق ہارگاہ ہوتے تھے ان کے توسط سے اپنے ملاقات اور مدد اشعار بھیجے رہے تھے۔ انہوں نے راجستھان کی ریاست ٹونک سے بھی تعلق پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ تقریباً ۲۸۰۰ مربع میل میں پھیلی ہوئی چھوٹی سی ریاست جو پانچ متفرق قصبوں میں مٹی ہوئی تھی۔ ۱۸۰۶ء میں نواب امیر خاں نے یہ درہمشریر قائم کی تھی اور اسے ۱۸۲۶ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک معاہدے کی رو سے تسلیم بھی کر لیا تھا۔ نواب امیر خاں سے تو غالب کا کوئی ربط قائم نہیں ہو سکا کیوں کہ وہ بوم کے خیس رزم کے آوی تھے اور غالب بھی اس وقت تک شاعر کی حیثیت سے زیادہ نمایاں نہیں ہوتے تھے۔ البتہ ان کے انتقال کے بعد ۱۸۳۴ء میں نواب محمد وزیر خاں مسہر خاں سے ہوئے اور ان کو مغل بادشاہ اکبر شاہ ثانی ۱۸۰۶ء-۱۸۳۷ء نے بھی ایک شاہی فرمان کی رو سے نواب وزیر الدولہ خطاب عطا کیا تو غالب نے ان سے ربط پیدا کرنا چاہا۔ یہ ایک ظلم دوست فرمان دوا تھے۔ مومن خاں مومن نے بھی ان کی مدد میں اشعار کئے ہیں۔

غالب نے ۱۸۳۴ء / ۱۲۵۶ھ سے پہلے کسی وقت میر منفل حسین خاں کی معرفت سترہ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ، حقیقت عنی شیرازی کی زمین میں کہہ کر بھیجا تھا۔ (قصیدہ 566- کلیات نظم فارسی ص ۳۳۲) جس کا مطلع ہے:

اے ذات تو جامع، سفت عدل و کرم را

اے بر شرف ذات تو، اجماع اسم را

یہ قصیدہ کلیات (طبع ۱۸۳۵ء) میں موجود ہے لیکن بعد کو اسے غالب نے نواب خسر الامراء (حیدر آباد) کے پاس بھی بھیجا ہو گا تو بعض اشعار کا اضافہ کر دیا تھا۔ نسخہ اخلاص میں یہ اضافہ شدہ دو شعر موجود ہیں۔ وزیر الدولہ سے غالب نے اپنا ربط ہائی رکھا اور میر الانخس کے موقع پر سلاطین قصیدہ، حقیقت بھیجے گئے۔ میر الانخس ۱۲۶۷ھ (۱۸۵۱ء) کے موقع پر مبارک باد دیتے ہوئے انہوں نے ۴۵ شعروں کا جو قصیدہ (قبر ۵ کلیات نظم فارسی ص ۳۳۵) بھیجا اس کا مطلع تھا:

میر الانخس ہر کلمہ زبسن آمد

وقت آراستہ خمر و ارجان آمد

اس قصیدہ ۱۔ سہ خطے میں ذخیر ہوئی تو ایک قطعہ (۲ اشعار) نکالنے کا بھیجا گیا:

آپا چہ بود کہ میر قلاب خوش بواب بندہ ام ہانی
 آن گوند مریدہ کہ دانی درویش نوشتہ سوسہ سلطان
 کن گوند قصیدہ کہ گوئی از سطرہ رسیدہ خجستان
 ان ہر دو رسیدہ نیست پیدا زان سو اثرے بہ بیچ عنوان
 (بارغ دور قلعہ ۳۲)

اس میں آگے چل کر یہ کہا کہ یہ دراصل قلاب صاحب نے دمشق سے دنیا، روم سے عقل، عراق سے گھوڑے، دکن سے ہاتھی، نیشاپور سے فیوڑے، اور بدخشاں سے طاقت ورتہ کرنے کا حکم دیا ہو گا اور ان چیزوں کے وہاں سے آنے میں دیر ہو رہی ہے، یہ آجائیں تو مجھے حثیت فرمائی جائیں گی۔ مولانا حلی نے اسے بھولچ کی مثال میں پیش کیا ہے یہ قلعہ سہدین میں بھی شامل ہے۔ بہر حال اس قصے کے چور بھانپ کر قلاب وزیر الدولہ نے حکم دیا کہ پانسو روپے (۵۰۰) سکہ ماموری مرزا کو بطور صلہ بھیج دیے جائیں۔ یہ روپے مرزا کو ۱۳/ صفر ۱۸۳۷ھ (۹/ دسمبر ۱۸۱۸ء) کو وصول ہوئے اور قلاب نے اپنے خط کے ساتھ اس کی رسید بھیجی۔ سید منظور الحسن برکاتی کا مضمون "قالب کی ایک فیصلہ کن یاد قریر" (انج کل قوروی ۱۸۵۵ء) اسی سے متعلق ہے اور اس کا کھس رسالہ "قالب نما" (بے پر) (۱۸۷۰ء) میں شائع بھی ہو چکا ہے۔ قلاب وزیر الدولہ محمد وزیر خاں نے ۱۸۶۳ء/ ۱۲۸۳ھ میں انتقال کیا اور ان کے بیٹے قلاب محمد علی خاں مسند آرا ہوئے۔ قالب نے ان کی مسند نشینی پر بھی نو (۹) شعروں کی ایک مشعری بطور تہنیت بھیجی (تکلیات قاری ص ۳۳ طبع نول کشور ۱۳۱۸ء) جس کا پہلا شعر یہ تھا:

دین سال قلاب عالی جناب
 بدوے زکین غیرت آفتاب

اور آخری شعر میں بارہ تاریخ نظم ہوا تھا:

کہ چن اختر نیک آمد بقال
 ہم از "اختر نیک" پیداست سال

۱۳۳۷ھ

قالب محمد علی خاں بہت اولوالعزم اور بیالے قرباں دہا تھے، انگریزوں کو خوف ہوا کہ قلاب امیر خاں کی طرح یہ بھی میدان کارزار گرم نہ کر دیں، اس لئے انھیں ایک قتل کے مقدمے میں ملوث کر کے معزول کر دیا۔ (۲۰/ جنوری ۱۸۸۶ء) ریاست ان کے بیٹے قلاب ابراہیم علی خاں (۱۸۶۷ء-۱۸۸۳ء) کو دے دی اور انھیں جلا وطن کر کے بنارس بھیج دیا۔ یہ باقی مرد ہیں رہے اور علی مظاہر میں زندگی بسر کی، چنانچہ بخاری شریف کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا۔ ۱۸۹۵ء میں وہیں انتقال ہوا۔ کتب خانہ مسید بہ نونک بواب تین حصوں میں بٹ چکا ہے (مخطوطات کا ایک حصہ لیٹل میوزیم نئی دہلی میں، اور دوسرا نونک کے عریک اینڈ پرنٹس دسریج انشٹی ٹیوٹ میں، اور مطبوعات کا ذخیرہ مسید بہ میٹروک لاہور کی) نونک میں چلا جاتا ہے) یہ زیادہ تر قلاب محمد علی خاں ہی نے بنارس میں اپنے قیام کے دوران جمع کیا تھا۔ سید نجف علی

بھمیری جنوں نے سرکو کالج بہان کے سلسلے میں اور غالب کی صلیت میں کتاب "نوافل ہڈان" (اکسل الطالع دلی ۱۸۸۸ء) لکھی تھی 'مدرس میں نواب مر علی خاں کے ساتھ تھے۔

۱۷ جم / ۱۸۵۵ء میں مرزا غالب نے طالع یار خاں کے توسط سے اپنی کتاب "مہرنامہ" کا ایک نسخہ نواب وزیر الدولہ کی خدمت میں بھیجا تھا جو ۲۷ جمادی الثانیہ ۱۷ جم / ۱۸۵۵ء (۱۷ مارچ ۱۸۵۵ء) کو کتب خانے میں داخل کیا گیا تھا۔ اس نسخے کی تفصیلات سید جمیل الدین نے (نوائے ادب (بہشتی) جولائی ۱۸۵۸ء - جنوری ۱۸۵۹ء) میں شائع کر دی تھیں۔ اس طرح غالب نے ۱۷ جم / ۱۸۸۸ء) میں اپنی تصنیف دھنڈو کا ایک نسخہ نواب وزیر الدولہ کی خدمت کیا اور اس پر اپنے قلم سے یہ اشعار لکھے :

خود نواب وزیر الدولہ کن محمد کرم د داخل د داو
ہم بدین حلیہ مگر یاد آید غالب ملت کہ رقصت ز یاد

اس نسخے کا تعارف بھی سید جمیل الدین شائع کرا چکے ہیں (نوائے ادب جولائی - اکتوبر ۱۸۵۹ء)

پہلی مرزا غالب کے قلم غیر منسلک فارسی خطوط کا متن اور ان کے کلمے پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ تینوں خطوط نواب وزیر الدولہ کے نام ہیں۔ ایک قطعہ قصیدہ فارسی میں بھی ہے جو اسوں نے عید الاضحیٰ کی مبارک باد کے طور پر بھیجا تھا۔ یہ سب ریاست ٹونک کے "مشی خانے" میں محفوظ تھے جو اب راجستان اسٹیٹ آرکائیوز میں قلم ہو چکا ہے۔ مجھے ان خطوط کے کلمے مولانا محمد عمران خاں صاحب ٹونک کی محبت سے دست یاب ہوئے ہیں۔ ان کا قصہ دل سے شکر ادا کرتا ہوں۔

۲- خطوط کا فارسی متن

(۱)

جلد "د ملیا"

یہ موقف عرض ہار یافتگان برسم حضور سہور افسور نواب قدسی القاب 'عظیم الشان' رفیع الکائن 'دل نعت' آید رحمت 'قبلہ دنیا و دین' حضرت امیر المؤمنین دام اقبالہ 'و ذلوا الفضل' میر سائو کہ عزیز نگار اگرچہ بحسب صورت از دور ہائے گمان نظر گاہ کہت است اما از دوسے معنی وابستہ دلائل آن دولت ابد مدت است۔ ہاں خاموشی را کہ در کن حضرت شرف قبول یافتہ و محکور نظر کیا اثر افتادہ زہریم روشناسی ی انگار۔ جانا بدگوی گاہ استحقاق رافت و ارزش مطوفت دست آویزے شرف بکث داد۔ درین پنجام کہ خان صاحب مشفق و مہربان طالع یار خان و سعادت و اقبال نشان امیر یار خان از اسلام آباد ٹونک بدین دیار آمد۔ "سودہ بزبان اردو محسن نمود" و فرمود کہ خاطر آسمان پیوند والا خداوند بدان گرائش وارد کہ این عبارت از ہندی بہ فارسی نقل کردہ شود تا دل ظیفین نسخہ سرالہام یافتہ باشد۔ ازان جا کہ حق پرستی و حق گزار ی آئین' و رعایت حقوق خداوندان نعمت از ضروریات دین است "یہ سہ دورہ بد کہ یودے کہ اگر تیرے دست بکامد خدمتے بجا آرم" تا نوازش و بخشش کن حضرت را بہ اندازہ طاقت طرشتن خانی کردہ باش۔ چوں از مہاسن

حسن اتفاق این رحمت قریب پدید آمد، پسرانجام کار و آرائش گفتار هست گما شتم و دعا و ثوابی که اکنون میر
بود در ضمن آن نگارش به تقدیم رساندم۔ هر چند متاع اندک است و بدین فقر، لیکن چون می شوم که خلیف
از امرای آب شور به ارمغان پرستی و سلیمان پاسه طبع از مورد۔ دل را به نوید قبول شادی گنجد آفریدگار
زبان مرا از گزاف نگه دارد و از حق امید دارم که جز حق در ضمیر من نگردد۔ حق انیت که هم به استحقاق
خدا که از مخلوق طالع یار خان خصوصاً و از دیگران عموماً می شوم و هم مشایخه القاصی که در باره من
منصور آمده است، حیف می خورم که در حد فراق دولتی لادار این برابردار سواد شریفی عظیم سرائق جان و
جلال شد و این سوخته اختر قوتی قدم یوس نیافت۔ اکنون بر کس سرم که اگر مرگ امان دهد و نایب و طاقت
بهری کند، ازین شر به نیت هجرت نقل کرده، شت استخوان خود را بدان درگاه که کعب کمال و دوشان بید نگاه
است، رسانم و بقیه عمر در خدمت حضرت امیر المومنین بسر برم۔ نیز دولت اقبال سر چشمه فروغ جادوایی
داد۔ عرض داشت اسد الله۔ معروض چهارم ذی الحجه ۳۳۳ هجری۔

محمد اسد
الله خلد

(۲)

عرض داشت برادر خواهر اسد الله بخیر فیض مجبور جناب مستطاب دامون القاب، قبله و نیا و دین حضرت امیر
المومنین دام القاب، حتی بر این بایده نیایش که میدان بجا تواند آورد و متضمن آن قدر متانتی که خواران را
در اندیشه تواند گزشت، همانا خود را از دین باز بدامن آن دولت جاوید طراز بست، از آنها که بکار دگر نیایم و
خدا حجت شایسته سرانجام بتوانم داد، بر ثا طوایی و دعا گوئی قامت در زبده و با خود آن قرار داده ام که هر سال
بقریب کیفیت عید اضحی سواد ستایش از جانب من روشتاس نگاه القاصی می شده باشد، چنانکه سال گزشت
قصیده که بیت اسم در آن نگارش اینست:

صورت حق اسلام وزیر الدوله

که دلش آید صورت ایمان آمد

دوان داشت ام و اسام این قطعه روان میدارم۔ زیاده حد لوب غیر اقبال در درخشگی یا مرجع آب
نوام داد۔

معروض بیستم ذی القعدة ۱۳۳۹ هجری

محمد

لم ابدے ترا چرخ مر نو دانت
آن دکانی که بودد گرد سم انیب
تو زلفی و نام تو خداوند کریم
کاتب دهر بر بایه عمر تو نمود
بار فرشته و فرخ بتو عهد اخنی

دولت طواف ترا دهر شب دایج نوشت
قلم حیر تو بر سطوح آماج نوشت
رقم قلعه سلاری تاج نوشت
بر چه در زانچه خضره بجلج نوشت
وانکه این قلعه که این بند تاج نوشت

تکم شد که از شیخ ابداد حال عارض
در یافت بخود گزارش نموده شود فقط
حق تاریخ هست و چشم ما صفره صید

تو زلفی و نام تو خداوند کریم
کاتب دهر بر بایه عمر تو نمود
بار فرشته و فرخ بتو عهد اخنی
دولت طواف ترا دهر شب دایج نوشت
قلم حیر تو بر سطوح آماج نوشت
رقم قلعه سلاری تاج نوشت
بر چه در زانچه خضره بجلج نوشت
وانکه این قلعه که این بند تاج نوشت

تو زلفی و نام تو خداوند کریم
کاتب دهر بر بایه عمر تو نمود
بار فرشته و فرخ بتو عهد اخنی
دولت طواف ترا دهر شب دایج نوشت
قلم حیر تو بر سطوح آماج نوشت
رقم قلعه سلاری تاج نوشت
بر چه در زانچه خضره بجلج نوشت
وانکه این قلعه که این بند تاج نوشت

۳۔ اردو ترجمہ

ﷺ اللہ کی حمد اور رسولؐ پر درود کے بعد

نواب قادی القاب، عظیم الشان، رفیع المکان، ولی نعمت، آئیہ رحمت، قبلہ دنیا و دین حضرت امیر المومنین دام اقبالہ و زاد افضالہ کی (نوشیوں بھری بزم کے پارباہوں کی) خدمت میں عرض ہے کہ عارضہ نگار اگرچہ جہاں نظر کرے، قریب سے دور چلے ہوئے میں سے ہے، لیکن باطنِ دامن دولت ابدیت سے وابستہ ہے، اور اس قصیدہ نگاری کو جو آج حضرت کی نظر سے گزرتی ہے، اور شرف قبول پائی ہے، اپنے تعارف کا ذریعہ اور آپ کی رافت و رحمت کے استحقاق کی دستاویز سمجھتا ہے۔

اس زمانے میں جب خان صاحب مشفق و مہمان طالع یار خاں اور سعادت و اقبال نیکان اصغر یار خاں، اسلام آباد قریب سے اس شہر میں آئے تو انہوں نے اردو زبان میں ایک مسودہ لکھے دکھایا، اور فرمایا کہ خداوند کی خاطر آسمان پر جو اس طرف مائل ہے کہ اس عبارت کو ہندی سے فارسی میں ترجمہ کیا جائے، تاکہ دل نشیں عبارت میں ایک نقطہ تیار ہو جائے۔

چونکہ حق پرستی و حق گزاری میرا آئینہ، اور خداوند نعمت کے حقوق کی رعایت میں جملہ ضروریات دین ہے، مسلسل اس فکر میں تھا کہ کوئی تقریبِ ہاتھ آئے تو کچھ خدمت انجام دوں، تاکہ اس حضرت کی نوازش و بخشش کی اپنے مقدور بحرِ بحرِ بحر میں جھلکی کر سکوں۔ چوں کہ ضمن اتفاق سے یہ تقریب نکل آئی ہے، میں نے عبارت آرائی کر کے اسے انجام دینے کی ہمت کر لی اور جو دعا و ثنا خمیر میں پوشیدہ تھی اسے بھی اس نگارش کے ضمن میں بطور مقدمہ لکھ دیا۔ ہر چند یہ ایک متاعِ فکیل اور بدیہِ حقیر ہے، مگر جب سنا ہوں کہ خلیفہ نے ایک بدو سے کھاری پائی کا ہدیہ، اور سلیمان نے جوبلی سے ٹڈی کی ٹانگ کا تحفہ قبول کیا تھا، تو میں بھی اپنے دل کو نوید قبول سے شلو کرتا ہوں۔ خدا بھری زبان کو ڈینگ مارنے سے بچائے اور حق سے امیدوار ہوں کہ سوائے حق کے میرے خمیر میں کچھ نہ گزرے۔ حق یہ ہے کہ آپ کے حامد مشفق طالع یار خاں سے خصوصاً اور دوسروں سے عموماً سنتا ہوں اور میرے حال پر آپ نے جو التفات فرمایا ہے اس کے مقابلے کے بعد یہ افسوس ہوتا ہے کہ لاؤد الان برا کی قربانِ روانی کے زمانے میں جب شہرِ دہلی آپ کے جاہ و جلال کا خمیر لگا رہا تھا تو اس سوختہ اختر کو قدمِ بوسی کی توفیق کیوں نہ ہوئی۔ اب سوچتا ہوں کہ اگر موت نے صلیت دہی اور آپ و طاقت نے ساتھ دیا تو اس شہر سے ہجرت کی نیت سے نکلوں اور اپنی مٹھی بھر ہڈیوں کو اس درگاہ میں جو بید ستگاہ و درویشوں کی امیدوں کا کعبہ ہے پھینکا دوں اور باقی عمر حضرت امیر المومنین کی خدمت میں بسر کروں۔ خدا کہے نیر دولت و اقبال سرچشمہ فروغ جاودانی رہے۔

عرض داشت اسد اللہ۔ معروضہ چہارم ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

مر

۲:۳ عرض داشت ہوا اطوا اسد اللہ بخجور فیض مجبور جناب مستطاب تاجین القاب قبلہ دنیا و دین حضرت امیر المومنین دام اقبال۔

اس نیاز مندی کی بنا پر جو میرہ بجالا سکتے ہیں اور اس ستائش کے ضمن میں جو شاعروں کے اندیشے میں گزر سکتی ہے، میں نے خود کو ایک مدت سے اس دولتِ جاوید طراز کے دامن سے وابستہ کر رکھا ہے۔ چوں کہ کسی خود مصروف کا نہیں ہوں، اور کوئی دُشمن کی خدمتِ اہم نہیں دے سکتا، اس لئے ٹا طوائی اور دعا گوئی پر قناعت کر کے اپنے لوہے پر لازم کر لیا ہے کہ ہر سال عیدِ اضحیٰ کے موقع پر مبارک باد کی ایک تحریر اس دوستِ خاص، شہدائے اقلیت کی جانب سے ہوا کرے جیسا کہ سال گذشتہ ایک قصیدہ، جس کی بیتِ اسم یہ ہے۔

صورتِ معنیِ اسلام وزیرِ الدولہ کہ دانش آئینہ صورتِ ایمان آمد
بیمبا ہے اور اس سال یہ قلعہ روانہ کر دیا ہوں زیادہ مددِ اوب افی خیر اقبال صبرِ ہاں تاب کی طرح چمکا رہے۔
موضوعہ ختمِ ذی قعدہ ۱۳۹۹ ہجری۔

مر

۳:۳ حقیقت کے اشعار کا ترجمہ:

- ۱۔ اے وہ کہ جلیقہ و قیصر نے تجھے سو بار سو سو طرح سے اپنی درخواست بھیجی ہے کہ ان کے ہاں کی رقم کچھ کم کر دی جائے۔
- ۲۔ فیضِ حیرے ہاتھ میں قلم کو رخ کا علم سمجھتا ہے، اور بختِ تیری کلاہ کو کمری تاج لکھتا ہے۔
- ۳۔ آسمانِ حیرے قمِ ابد کہ نہ تو جانتا ہے اور حیرے بدخواہ کے دن کو بھی زمانہ سپاہ رات لکھتا ہے۔
- ۴۔ وہ اسرار (حق) جو فحشیِ حیر میں پوشیدہ ہوئے ہیں انہیں حیرے قم حیر نے ہاں ماری کے کھلے صفحے پر لکھ رکھا ہے۔
- ۵۔ اگرچہ تو کیا نہیں، مگر خداوندِ کرم نے قافلہٴ حجاج کی امارت حیرے نام میں لکھ دی ہے۔
- ۶۔ زمانے کے کاتب نے وہ سب حیرے سرمایہٴ عمر میں جوڑ دیا ہے جو فقر کے جنم پترے میں ان کی عمر کے بارے میں لکھا تھا۔
- ۷۔ تجھے عیدِ سیدِ قربان مبارک ہو اور یہ قلعہٴ حقیقت بھی جو اس بنداٴ محتاج نے لکھا ہے۔

۳:۳ عرض داشت ہوا خواہ اسد اللہ بخسور کمرمت حضور جناب مستطاب نواب صاحب قلعہ و کعبہ و جہانِ قلم فیضِ ایمان احسان دامنِ اقبال۔

چونکہ یہ عرضِ نگاہ ہر طرح کی نظم و نثر سے سوائے تعریف اور اہتمامِ نیاز مندی کے کچھ اور عرض نہیں رکھتا ہے۔ خدا کرے وہ دل افروز دن بھی نکلے تب یہ آنکھیں ان عرضِ بڑا قدموں سے دوپٹاں ہوں اور قلم کا کام زبان سے لیا جائے۔ اگر زمانے نے مسادت کے اسباب سے دریغ نہ کیا تو اب کی جاہلوں میں اس کعبہٴ مقصود کے طواف کا احرام ہاتھوں کا یعنی آپ کے آستانے پر پہنچوں گا۔

مروئی میرِ محفلِ حسین خاں کو کہاں سے لاکھ دو حیرے نیاز نامہ کو نظر انداز سے گزاریں اور خداوند کا قربان و

پردانہ خوشنودی میرے پاس بھیجیں۔ جانتا ہوں کہ جب تک خود خد مت مہارگ میں نہ پہنچوں گا۔ میرا کام حسب دل خواہ نہ ہو گا۔ اس بار مجموعہ دانش و ادب شیخ الحداد سے کچھ زیادتی عرض کیا ہے امید ہے کہ آپ شرف سامت بخشیں گے۔ زیادہ حد اوب الٹی ہمار دوست و اقبال جلودان اور ہمارستان جاہ و جلال بے خزاں رہے۔

معروضہ کیم ر محترم اے ۱۱ جری

م

تاجدار اعلیٰ تک دستیاب نہیں ہے۔

طالع دار خان کے دو بیٹے صفدر دار خان اور امیر دار خان اور چار بیٹیاں تھیں۔ صفدر دار خان کا نام افضل جگر افضل سے اسقدر دار خان رکھا گیا ہے۔ اشفاق: صفدر دار خان کا مشہور "تاجدار" کے ترک سے تعلق" قرینہ دلی حشر مصداق" تاج کے ایک لڑکے سے ایسا سلوک ہوا ہے کہ صفدر دار خان اور امیر دار خان عہدہ دار سے ایک پکے نوک سے رخصت ہونے کو دلی آگے تھے کہ یہاں دکان شروع ہو گیا اور یہ دکان میں جا سکے۔ جگہ دلی کے بعد دادگیر شروع ہوئی تو دونوں نے گھر بکرنے کے اور چھٹی پر ملے گئے۔

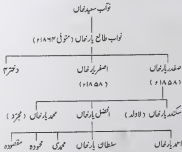
افضل دار خان کے دونوں بیٹے نوک سے رخصت ہونے کو آگے تھے۔ قدر کے سبب نہیں جا سکے۔ یہیں رہے۔ بعد جگہ دلی دونوں نے کھانوں کو چھٹی ملی۔ طالع دار خان نوک میں ہیں۔ زندہ ہیں پر بقیں سب کو مرہ سے چتر ہوئے گئے۔

(امیر بدای - عام امور ابدال تعلق)

یہیں تاجدار نے صفدر - حقیقت کو پہچانا ہے" بلوچ کا اعلان ہوئے پر یہ دونوں جنگ آزادی میں حصہ لے کر دلی "سے تھے اور صفدر جلد خطر کے دربار میں حاضر ہوئے تھے۔ امیر دار خان نے ایک امرجہ کو گولی مار کر ہلاک بھی کر دیا تھا بعد جگہ دلی دونوں بھائی فرار ہو کر لوہہ جا رہے تھے کہ امرجہ میں گرفتار کر لئے گئے اور دلی و کر انہیں چھٹی پر آجھا دیا گیا۔ (امیر افضل تعلق) : کمرنگ عہدہ دار کی ترمیم میں طالع تاج کی ایک۔ "بلوچ" (اسے چرہ لکھ و عام آگست عہدہ دار۔) تاج و وزیر صفدر کے انتقال (1858ء) کے بعد طالع دار خان بھرپور چلے گئے تھے اور خانہ دینی انتظام ہوا۔

صفدر دار خان کے بھی بیٹے تھے۔ سکندر دار خان افضل دار خان اور امیر دار خان ان میں افضل دار خان سے نسل پڑی ان کے دو بیٹے امیر دار خان اور سلطان دار خان اور تین بیٹیاں (امی) "عمود" (حقیقت) ہو گئیں۔ افضل دار خان کی شادی میں شیراز خان نے صاحبزادی کنگ تجم سے ہوتی تھی شیراز خان کے دو بیٹے سید امیر اور سید امیر تھے۔ کنگ عہدہ دار (امیر بادشاہ) نے شیراز خان صاحب افضل تجم سے (دلی) حاکم ہونے کی نواہی دی۔ ان کی دولت و املاں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے بھائی میں تھیں۔ کنگ عہدہ دار عبدالمجید عہدہ دہلی کو "بھائی" رکھا کرتی تھیں۔

تاجدار طالع دار خان کے نوامیس میں دلی کنگ کے بھائی پر بھی مرہ صفدر کنگ عہدہ دار (1858ء) اور انعام دار کے برائے تجم بنگلہ دار (امیر) - این۔ مسد بھی تھے۔ انہیں چھٹی پر ملے۔ طالع دار خان کے پرانے سلطان دار خان (لاہور کنگ) پریم کورٹ انوف انڈیا) سے ملے ہیں ہے !



سید لاہور ایلیہ راہ فروری 1858ء میں لاہور آچکے تھے کہ گورنر جنرل ہو کر آئے تھے۔ ان کی مدد میں تاجدار سے (امیر) اشفاق کا ایک قبیہ کہہ کر سید لاہور دلی میں لے گیا تھا جس کا مطلع ہے (قبیلہ) "سنگھت" علم باری) اسے درجہ از پیر بادشاہ آستانہ تو پڑا جان کنگ و کنگ دہلیان تو ہے 3 قبیوں کا ایک اور قبیہ ی دوسم وکھت علم باری (صفدر) بھی ان کی مدد میں ہے جس کا مطلع ہے :

ہر کسی چیز کے غایت اور ایشیا سے اردو کی
اسی دنیا کے درمیان یا کچھ کچھ

اپنے زمانے کے تمام انگریزی سے خاں کی تعلیمات بہت پارہ گئی دلائی خاں ان کے تواس سے خاں نے ایک (نصف) انبار کا قصبہ ملک وکھریا کی طرح میں
کھڑا کر انکھنوی میں پیدا کیا جو کہ کے سامنے چلی گئی ہو گیا تھا۔ ان کا گورنر پہلی کا دور میں حضور بادشاہ میں یہ انکھنوی دانیوں سے گئے تھے۔
طبع ان کے واسے میں سوسہ ہزار معلوم نہیں ہو سکا۔ بقایہ یہ خاں دارالعلوم کے متعلق ہیں سے تھے۔ طبع نمبر ۳ پر سار کا نشان
خاں دارالعلوم کے علم سے ہے اور یہ کھانا ہے۔ "مکمل طور کہ از طبع ان دار جان دارن و بیانات کھوار گورانی لکھوہ طور۔ طبع۔ کچھ خاصیت سے اور
علم بہ علم نہ ہو۔"

مزاح:

دوست ایک سے مرزا خاں کے تعلقات کے حلقے میں مندرجہ ذیل مضامین داخل ہیں:

| | | |
|-------------------------|---|---|
| دارالعلوم امین برکاتی | : | سرکاری کا ایک خاص نمونہ۔ خواہ وہ (انگریزی)
برقی ۱۹۵۵ء۔ برقی ۱۹۵۵ء۔ |
| ۱۹۵۵ء۔ برقی ۱۹۵۵ء | : | خاں اور نوک۔ کار (کھنڈ) شہر ۱۹۵۵ء |
| ۱۹۵۵ء۔ منظر امین برکاتی | : | دار خاں۔ آج کل برقی (برقی) ۱۹۵۵ء |
| ۱۹۵۵ء۔ منظر امین برکاتی | : | خاں کی ایک اور لکھنوی کئی گھر۔ آج کل۔ برقی ۱۹۵۵ء |
| ۱۹۵۵ء۔ سید امین الدین | : | وہی کا ایک خاص نمونہ۔ خواہ وہ (انگریزی) اکتوبر ۱۹۵۵ء |
| ۱۹۵۵ء۔ سید قادیان خاں | : | خاں اور نوک۔ دار تو (کراچی) برقی ۱۹۵۵ء |
| ۱۹۵۵ء۔ منظر امین برکاتی | : | خاں کے دوست۔ آج کل (برقی) ۱۹۵۵ء |
| ۱۹۵۵ء۔ منظر امین برکاتی | : | خاں اور نوک۔ خاں لا (بے پر) ۱۹۵۵ء |
| ۱۹۵۵ء۔ گھر لکھنوی دار | : | خاں کا نوک سے خاں۔ گھر (برقی) ۱۹۵۵ء |
| ۱۹۵۵ء۔ امین الدین خاں | : | دوستان سے مرزا خاں کا خاں۔ لکھنوی (بے پر) اکتوبر ۱۹۵۵ء |
| ۱۹۵۵ء۔ منظر امین برکاتی | : | خاں کا ایک بیکل دوست۔ شام (انگریزی) برقی۔ اکتوبر ۱۹۵۵ء |
| ۱۹۵۵ء۔ امین الدین خاں | : | کسی ۱۹۵۵ء کی ترتیب میں خاں خاں کی دوست۔ بیکل
(بے پر)۔ گھر ۱۹۵۵ء |
| ۱۹۵۵ء۔ منظر امین برکاتی | : | خاں اور نوک۔ خاں لا (بے پر) ۱۹۵۵ء |
| ۱۹۵۵ء۔ منظر امین برکاتی | : | نوک میں خاں کے اہل۔ گھر (برقی) اکتوبر ۱۹۵۵ء |



مثنوی چراغِ دیر۔۔۔۔ ایک جائزہ

ڈاکٹر حمید قرنی

غالب نے ایک سوتے پر کما تھا کہ میرا لطف یعنی میری قوتِ بیان ہی میرا سراپہ ہے ہاتھ اس طرح جس طرح کانِ تک کا گوہر تک ہی ہوتا ہے۔

خود تک گوہر کانِ تک است

قوتِ بیان کے اس سراپے نے تلفِ مستحق اور متعدد شعری جہتوں میں اہتمام پایا ہے اور یہ اہتمام اردو سے کہیں زیادہ اس زبان میں ہوا ہے جس کی آتشِ بے دود نے غالب کے وجودِ معنوی کو سوشل کر دیا تھا۔ کلیاتِ غالب (فارسی) کے دہاپے میں انہوں نے کس قدر دوست لکھا تھا:

”مجھے فارسی کی آتشِ بے دود نے کہاب کر ڈالا اور میں ہانڈ پر زودِ معنی

کی کھنی سے آشنا ہوں۔ میں آئندہٴ عجم کا سمندر ہوں۔ اپنے سوز کا جواب میں

خود ہوں۔ میں نعلِ بزدانِ ایران کے ہار کا بلبل ہوں۔ میرے ہالہ و زاری کا

نشان میرے ہی وجود کے اندر ملے گا۔۔۔ سانسِ شرارے ہوئی ہے اور زبان

شعلوں کی فصل کاٹی ہے۔۔۔ میں اسی غیر معمولی صورتِ حال میں چلا ہوں۔“

ص ۱۵۷

اسی غیر معمولی صورتِ حال نے جب شعر کا پیکر اختیار کیا تو کہیں فارسی غزلیات و قصائد کا شعلہٴ رقصاں وجود میں آیا اور کہیں منقبت و مشوحات کے زندہ مجوزے غبار میں آئے۔ ایسے کارنامے جن کی اہمیت کا احساس اب نعلِ بزدانِ ایران کو بھی ہونے لگا ہے اور اس باب میں لطفِ علی صورتِ گر

محمد علی فریاد اور محمد حسن عاثری کے نام لئے جا سکتے ہیں جنہوں نے غالب کے پیش کو کھل کر خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

غالب نے پہلی ہی چودہ مثنویات لکھیں، جن میں "مثنوی چراغ ویر" اپنے فن اور اسلوب کے اعتبار سے بے مثال کی جا سکتی ہے اور فکر غالب کا اہم ماخذ۔ غالب کی زندہ اور ہیدار بیکر تراشی اور ان کا احساس جہاں اس مثنوی میں انماذ کے حدود کو چھوٹا نظر آتا ہے۔ اور اس مثنوی میں ان کی تین حیات یعنی لاسر، باصرہ اور سامع نے روشن اور متحرک تماشوں کی ایک جیتی جاگتی اور سانس لیتی ہوئی دنیا تعمیر کی ہے۔ ہمارے خوش قسمت ہے کہ اسے غالب جیسا قادر الکلام شاعر میسر آیا۔ وہی ہمارے جو شمع علی حس کے دل میں اتر گیا تھا اور جس نے اس سے یہ زبان زد خاص و عام شعر کھلایا تھا:

از ہمارے فردم معبر عالم است اینجا

ہر برہمن ہرے بھمن و رام است اینجا

رشید احمد سرسبئی نے لکھا ہے کہ چٹن اور پاسپان دونوں نے غالب کی زندگی تلخ کر رکھی تھی، چٹن کے تھے سے ٹھٹھنے کے لئے وہ ۱۸۳۶ء میں فیروز پور سے عازم کلکتہ ہوئے، اور یوں تھوہ بلاد ہند دیکھنے کا ارضیں موقع مل گیا جن میں کلکتہ کے علاوہ کانپور، کھنڈوا، الہ آباد، پٹنہ اور ہمارے قافل ذکر ہیں۔ ہمارے میں انہوں نے کئی ماہ تک قیام کیا اور ہمیں وہ مثنوی معروض شہود میں آئی جو میرا موضوع ہے۔ غالب نے اپنے اس طویل سفر کا احوال اور ذکر اپنے تھوہ قاری اور اردو مکاتیب میں کیا ہے۔ انہوں نے دوران سفر میں جن اسباب کو خط لکھے ان میں ایک مولوی محمد علی خاں صدر امین پانڈہ بھی تھے۔ انہیں اپنی منازل سفر اور عراجم سے آگاہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اب جو خط لکھ رہا ہوں۔ ممکن ہے وہ کلکتہ پہنچنے تک آپ کو

مل جائے۔ میں نے تنگ آکر یہاں سے کشتی کرلیہ پر لے لی ہے اور بم اللہ

بم۔ ما و مرستہ پانڈہ کر دیا ہے جتنا کے راستے الہ آباد روانہ ہو رہا ہوں۔ وہاں

سے ہمارے جانے کا ارادہ ہے جہاں چند روز توقف کرنے کے بعد اسباب سفر

دست کر کے بنگال روانہ ہو جاؤں گا اور مرشد آباد پہنچ کر ہی دم لوں گا۔" ص ۷

غالب بہ ہزار غرابی الہ آباد پہنچے۔ یہ شہر انہیں ایک لمحے کے لئے پسند نہ آیا۔ انہوں نے اس

خرابے پر خدا کی لعنت بھیجی۔ انہیں یہ شہر مرد محبت سے عاری نظر آیا۔ انہوں نے اس کو واوی

ہولناک قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اسے شہر کتا مانسانی ہے۔ اس کے برعکس دسمبر ۱۸۳۷ء میں

بنارس پہنچے، فرست، گاڑی اور انتہاز کے عجیب و غریب احساس نے ان کے وجود کا احاطہ کر لیا۔ انہی لمحہ علی خاں کے نام اس شرکی فرست آفرینی کا ذکر کرتے ہوئے کیفیت سرسستی میں ڈوب کر لکھتے ہیں:

”ادھر بنارس میں وارد ہوا ادھر ہوائے ہائلفز اور صمیم ہشت آسما مشرق کی جانب سے چلنے لگی۔ میرے جسم میں جان آئی۔ اس ہشت ہوا کے اٹھارے میرے غبار دل کو طبع کے ہمنڈے کی طرح آزاد کر دیا اور اس صمیم کے انتہاز نے میری حسکن دور کر دی۔ سواد بنارس کے کیا کہنے اگر میں اسے دکھائی کے حوالے سے دنیا کی آنکھ کی پتلی کہہ دوں تو مبالغہ نہ ہو گا۔ اس قریبے کے اطراف واہ وا۔ سبز و گل کی کثرت سے یہ شہر دنیا پر ہشت کی مانند ہے۔ دریائے گنگا اگر اپنا سر اس کے پاؤں میں نہ دھرتا اور رگڑتا تو ہماری نگاہ میں استعد معزز نہ ہوتا اور خورشید اگر اس کے دیوار و در کو منور نہ کرتا تو اس قدر روشن اور تابناک نہ ہوتا۔“

واقعہ یہ ہے کہ دریائے گنگا کے شمالی کنارے پر آباد اس شہر کو ہندوستان کا ایجنٹر کہا جاتا تھا۔ روایت ہے کہ سب سے پہلے بدھ نے یہیں دعا کیا تھا۔ ”کاشی رہیہ“ میں اس شہر کی پیدائش کی جو تفصیلات مرقوم ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ رشیوں کی گزارش پر دشمن نے اس کائنات میں سب سے پہلے اسی مقدس قریبے کی تحقیق کی۔ آقاؐ میں یہ قریب ہاشت بھر کا تھا۔ بھر بدھ پنج کوں تک بدھ گیا۔ اس کا نام کاشی یعنی بدھ کو منور کرنے والی بستی پڑ گیا۔ اس وقت تمام دنیا پانی ہی پانی تھی۔ تب اس کی اطراف میں اور زمین پیدا کی گئی۔ اسی وجہ سے ہندو کاشی کو دنیا کا مرکز سمجھتے ہیں۔ مسکرت کی پرانی کتب میں یہ قریب کاشی اور بارہاٹی دو ناموں سے موسوم تھا۔ آج بھی یہ قریب علم مسکرت کا پورا مرکز کہلاتا ہے۔ ہندو مذاہن میں اس کے گھاٹ اور کنڈ بہت جبرک اور مقدس آفریں بتائے جاتے ہیں۔ بڑا دلوں ہندو دریائے گنگا میں اشتان کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کو دھو کر نئی زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔ خود کیا جائے تو پانی سے پاکیزہ ہونے کا یہ تصور اور حقیقت تو تمام مذاہب میں پائی جاتی ہے اور اس سے پرہیز ہو کر حیات تازہ اور اعادۂ شباب کا حاصل ہو جانا بھی دراصل اسی حقیقت کی توسیع ہے جس کی منظر افروختہ ہے۔ ہر حال لائے آباد سے تقریباً ۸۳ میل کے فاصلے پر آباد یہ شہر ہندوؤں کے نزدیک وحی حیثیت رکھتا ہے جو ہم اہل اسلام کے لئے کعبہ بنارس کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ شمس داس نکیر

واس اور حزیں اسی کی مٹی میں آسودہ خواب ہیں۔

قاضی عبدالودود نے ایک جگہ قیاس کیا ہے کہ غالب کی بنارس میں طویل اقامت کسی "بالا بلندے" حراکوں و رازے" سے تعلق خاطر کی مرہون منت ہے۔ مالک رام نے تو ثبوت میں غالب کا ایک شعر بھی پیش کیا ہے جس میں ایک بت کاشی کی جانب سے شرف قبولیت بخشے جانے کی حسرت صاف جھلکتی ہے:

کاش کاش بت کاشی جہیزِ یوم غالب

"بندہ تو ام" گویم، گویدم ز ناز "آری"

یعنی: کاش وہ بنارس بت مجھے شرف قبولیت بخشے۔ میں کہوں کہ حضور کا غلام ہوں اور وہ ناز نخرے سے کہے ہاں ہاں کیوں نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بنارس کا ذکر غالب نے جس وادمانہ پن، جس شاعرانہ ندرت، جن نادر تشبیہات و استعارات اور جس زندہ کمالی ہراسے میں کیا ہے اس کے عقب میں یقیناً کسی "بت کاشی" کے ابتزاز آفرین اور مجز آثار انعامات کی کار فرمائی نظر آتی ہے۔

بلاد و اصعار کی قریف و توصیف، مشتعل شاعری کا تفصیلی و تحقیقی مطالعہ بذات خود ایک دلچسپ اور معنی خیز موضوع ہو سکتا ہے۔ آثار البرکات منیر لاہوری کی مثنوی "در صفت بنگالہ" "بیدل کی "طور معرفت" دلی کی "در قریف سورت" اور خود غالب کی "چراغ دیر" کو کیسے بھولا جا سکتا ہے۔

غالب کی اس مثنوی پر بیدل کی "طور معرفت" کے اثرات بے حد گہرے ہیں اور اس کا ایک مفید اور چشم کشا جائزہ مرحوم ڈاکٹر عبدالغنی نے مرتب کیا تھا۔ میں اس باب میں صرف یہ اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ "چراغ دیر" پر "مثنوی در صفت بنگالہ" اور قیمت کبھای کی "نیرنگ عشق" کے اثرات بھی دیکھے جا سکتے ہیں اور یہ اثرات تفصیلی مطالعے کے محتاج ہیں۔ زیر نظر اوراق میں "نیرنگ عشق" کے "چراغ دیر" پر اثرات کی مختصری امتلا کی جائے گی۔ "چراغ دیر" پر "مثنوی در صفت بنگالہ" کے اثرات کا تذکرہ پھر کبھی سی!

"مثنوی چراغ دیر" ایک سو آٹھ اشعار پر مشتمل ہے۔ غالب نے اس کے لئے وہی

بحر اختیار کیا جو ان سے پہلے نظامی (نشد و شیریں)، ہمای (دوست و لقا)، منیر لاہوری (در صفت بنگالہ)، طیفیت کبھای (نیرنگ عشق) اور بیدل (طور معرفت) اختیار کر چکے تھے۔ یعنی بحر ہزج مسدس مخدوف۔ غیاث میں لکھا ہے کہ ہزج باقرم اور خوش کن گواز کو کہتے ہیں۔ چونکہ غالب کو ایک کیفیت سرخوشی، سرمستی اور دایمت کو بیان کرنا تھا اس لئے انہوں نے اس کے لئے موزوں ترین بحر کا انتخاب کیا۔ ان

کے جوش اور مستی کا یہ عالم ہے کہ جذبات کا ایک محضرستان بنا ہے۔ شغوی کا آغاز ہی طریف ہے
شاعر اپنے احباب کی بے انتہائی کاشاکی ہے اور محسوس کرتا ہے گویا وہ اس بھری پری کائنات میں تھا
اور بے وطن ہے۔

نفس با صور دم ساز است امروز
غوشی محشر راز است امروز
رگِ حکم شرارے ی تو - م
کلبِ حاکم غبارے ی تو - م
دل از شورِ فلک آسا ہے جوش است
جباب ہے نوا طوقاں خروش است
در آتش از نوائے سازِ خروشم
کبابِ شعلہ آوازِ خروشم
نفس ابرویم سازِ فغانست
بمان نے تبم در استخوان است

ملاحظہ فرمائیے کہ اس دردناک صورت حال کی قیامت فیزیکی کو کس خوبی سے زبان دی ہے اور "س"
ش "س" کی متواتر مضمیری آوازوں سے اپنے دل کی آتش شعلہ طیر کو آہستہ کر کے اپنی شدت جذبات
کو کس ہنرمندی سے بیان کیا ہے!

پھر دہلی اور دہاں کے اپنے چند احباب کو یاد کرتے ہیں اور اپنے دل کو تسلی دیتے ہوئے کہتے ہیں
کہ اگر دہلی نہ ہو تو جائے غم نہیں۔ دنیا تو آباد رہے گی۔ غم کیسا؟ بارغ میں کسی بھی شاعر گل پر آشیانہ
بنایا جا سکتا ہے۔ کسی بھی لالہ زار میں تصور نمکدان بن سکتا ہے اور وطن یعنی دہلی کی جدائی کا داغ دل
سے دھویا جا سکتا ہے یہاں سے گریز کرتے ہوئے غالب اس گل زمیں کا ذکر کرتے ہیں جو اس شغوی کا
مرکزی موضوع ہے۔ کہتے ہیں کہ دہلی اس شر کا طواف کرنے کے لئے آتا ہے۔ اب ہمارے کی توصیف
و تعریف کا آغاز ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

سبحان اللہ ہمارے کیا کہنے۔ یہ ہمیشہ فرم اور فردوس معمور ہے۔ کسی
ناکھ نے ہمارے حسن و جمال کو ہمیں سے نسبت دی۔ اس پر دیوائے گنگا
اب تک ہمیں بر نہیں ہے۔ ہمارے کا طرزِ زیست اتنا پرکار ہے کہ دہلی ہر دم اس

پر سلام بھیجتا رہتا ہے۔ تاج کے ماننے والے ہندو جب لب کشا ہوتے ہیں تو اس شر خوبی کی تعریف میں جنت جاتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اس اہیت کے حامل شر میں جب کوئی مر جاتا ہے تو دوبارہ کسی مادی قالب میں نہیں آتا۔ گویا اس کی روح وجودِ اقداری و مادی سے نہایت ابدی حاصل کر لیتی ہے۔ اس کی آب و ہوا کو دیکھیں تو یہ بات قہر خیز نہیں کہ اس کی فضا میں صرف روح ہی روح ہے۔ اس کے پر پادوں کو دیکھو، یہ اسنے نازک اور لطیف ہیں گویا سر تاپا روح ہیں۔ ان پر پیکھوں کا وجود پھول کی خوشبو کی طرح لطیف ہے۔ اس سر کے قش و خار بھی گویا باغ ہیں اور اس کا گرد و غبار بھی روح کا جہر (غبار) ہے۔ اس عجیب و غریب قدیم بت کدے کی بہار گردش زمانہ سے محفوظ ہے اور اہیت رکھتی ہے۔ ہر موسم میں اس کی فضا جنت آباد ہے۔ اس جہن دار کی ہوا کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے بہارِ موجِ گل کا زہارِ باندھ لیتی ہے۔ اگر آسمان کے ماتھے پر اس کا قشعہ نہیں تو آخر پہرے رگیشٹی شفق کی موج کیا ہے؟ ہمارے ناقوس بھانے والوں کا عبادت خانہ ہے گویا یہ ہندوستان کا کعبہ ہے۔

یہاں اس امر کی نشاندہی ضروری ہے کہ غالب چونکہ ایک مقدس ہندو استھان کا ذکر کر رہے ہیں اس لئے ان کی نظریات و تفسیلات بھی اسی فضا سے میل کھاتی ہیں مثلاً زبانہٗ قشعہٗ ناقوس و فیض۔

اس کے بعد غالب ایک خاص کیفیت و سرسختی کے عالم میں اس کے حسیوں کا سراپا بیان کرتے ہیں۔ غالب نے اگرچہ اپنے قیام ہمارے کے زمانے کو اختائے جوانی کہا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ انیسویں برس کی عمر اختائے جوانی کی نہیں مین جوانی کی عمر تھی۔ ایسی ہی عمر میں ایسی قیامت خیز زندہ اور جوانی کی حرارت سے مملو جھلکتی ہوئی شمع و شگ اور شعلہ و ش تصویریں کھینچی جاسکتی تھیں:

| | | | | |
|-------|--------|-------|-------|-------|
| تالش | را | جوانی | شعلہ | طور |
| سراپا | نور | ایرو | چشم | دور |
| سپانا | نازک | و | دلہا | توانا |
| ز | نادانی | بکاس | طوفان | دانا |
| جسم | بکے | دور | بہا | است |

وہاں ہا رنگ گل ہائے ربی است
 نہ انگیزہ قد اندازہ خراس
 پائے گئے مستردہ داس
 نہ رنگیں جلو ہا غارت مگر ہوش
 بہار ہست و نو روئے آغوش

ان حسینوں کے جلوں کی آتش افروزی ہرمنوں تک کو خاک کر
 دیتے والی ہے۔ ان کے چمکتے روشن شعلہ چرے کیا ہیں، گنگا کے کنارے
 چراغاں کا منظر ہیں۔ ان کے قد کیا ہیں قیامت ہیں۔ ان کی ہلکی گھٹی اور لابی
 ہیں اور دلوں پر نیزہ بازی کرتی ہیں۔ ان کے جسم کیا ہیں، دلوں کی عمر اور ہمت
 بڑھانے والے ہیں اور ان کی آسائش و راحت کی سرایا خلاصت ہیں۔ ان کی
 مستی موہوں کو مساکت و ساکن کر دیتے والی ہے اور ان کے جمال بدن سے پانی
 جسم ہو جاتا ہے۔ ان حسینوں نے ایشیا کے لئے پانی میں اتار کر اس میں آفت
 بپا کر دی ہے۔ اور سینوں میں پتھروں کی طرح تڑپنے لگتے ہیں۔
 ان کے جلوں کی آب نہ لاکر سیسوں میں پڑے موتی پانی ہو گئے ہیں۔

حسینان ہارس کا ذکر کرنے کے بعد غالب پھر شعر ہارس کے جمال کی تصویر کھینچنے لگتے ہیں۔ غالب
 کے یہاں اس مثنوی میں حسینوں کے جمال اور شر کے حسن کی تصویر اس خوبی سے آمیز ہوئی ہے کہ
 ”حسن تو شدم تو من شدی من جن شدم تو جاں شدی منی سی کینیت پیدا ہو گئی ہے۔“

غالب کے نزدیک ہارس شعر نہیں، ایک بے مثل حسینہ ہے اور گنگا کا پانی گویا وہ آئینہ ہے جو یہ
 حسینہ صبح و شام اپنے ہاتھوں میں تھامے ہوئے جمال ہے۔ لہٰذا اللہ اس شعر کا کیا حسن و جمال ہے کہ اس کا
 عکس آئینے میں رقص کرتا ہے۔ جہن کتابا بیا نگار خانہ سی مگر ہارس جیسا نگارستان اس میں کہاں۔
 تمام دنیا میں اس جیسا شعرستان نہیں جس کے گرد اسے گھٹتے اور کثرت سے بلغ ہوں۔ اس کے لالہ زار
 اپنے اندر صحرایہ و سستیں رکھتے ہیں اور اس کی بہاریں گھٹتیں در گھٹتیں ہیں۔

غالب شعر ہارس کے حسن و جمال سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ اس کی دلچسپی نے ان کے قلب
 سے غریب الوطنی کا فم نکل کر دیا۔ اس کینیت ہے خودی کا ذکر ان کے متحدہ اردو اور فارسی مکاتیب
 میں آیا ہے۔ اپنے دوست محمد علی خاں کے نام لکھتے ہیں:

"ذوقِ نقد سر مست ہوا قنارِ گشت کہ ہے نورانہ دامن پر یاد وطن
افتادہ و کنیت نقارہ ایں جانکے دل را فرو گرفت کہ دلی را جز بر طاق نسیاں
چاند نامہ" شہ

اسی خط میں آگے چل کر لکھتے ہیں (اردو ترجمہ پیش ہے):
"میراج، چاہا کہ ترکِ مذہب کر کے شیعہ توارِ ذالوں اور قنکر لگا لوں۔ زہار
پاکہ لوں اور اسی وضع میں گنگا کے کنارے بیٹھ کر آلائشِ ہستی کی گرد سے خود
کو پاک کر لوں اور قنکرے کی طرح سمندر میں تل جاؤں"۔
ایک مدت بعد جب محمد جوی نے غالب کو مطلوب کر لیا تھا وہ اپنے قیامِ بنارس کی یاد بھر سے
تازہ کرتے ہیں اور اسی آرزو کا اعلانِ اظہار کرتے ہیں جس کا ذکر مذکورہ بالا مکتوب میں ہوا ہے۔ میاں
داغ غلام سیاح کے نام ۳ فروری ۱۸۹۷ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں:
"بنارس کا کیا کہنا ہے۔ ایسا شہر کہاں پیدا ہوتا ہے۔ انتہائے جوانی میں
میرا وہاں جانا ہوا۔ اگر اس موسم میں جوان ہوتا تو وہیں رہ جاتا اور ادھر کو نہ
آتا۔"

۔ مہارتِ خانہ و باتوریاں ہست ... صفا کعبہ ہندوستان است"۔
انہی میاں داغ غلام سیاح سے ایک سابقہ خط میں بنارس سے اپنے عشق کا ذکر کرتے ہیں اور اس عشقی
کا ذکر کرتے ہیں جو ذہنِ فکرِ مضمری کا موضوع ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ غالب کے شعری کارناموں کا گہرائی سے جائزہ لیں تو وہ متعدد مقامات پر ان کے
REAL SELF اور POETIC SELF کے باہمی پیکار کا منظرِ نظر آتے ہیں۔ بنارس سے ان کی
وابستگی بھی ان کے انہی دو پہلوؤں کے پیکار اور شہوت کی آئینہ دار ہے۔ چنانچہ بنارس کی اس کشش
کے ساتھ دلی کی کشش بھی موجود رہی۔ کشش و گریز کا یہ جریبِ عشقی کے آخر میں خارج سے باطن
تک رسائی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس کشش و گریز کا اظہار غالب کے ایک قاری قطعہ میں بھی ہوا
ہے جو اسی زمانے میں لکھا گیا اور جو صنعتِ سوال و جواب سے مزین اور مرتب ہے۔

گفتِ جور و بجائے اہل و عزم
مفتشِ عینیت نظامِ سلیم

مفت آنکوں مجھ کو دلی چیت
مفت جانست دایں جانش تن

مفتش چیت ایں ہارس مفت

شاہدے مست عمر گل چیدن! شہ

گویا غالب ہارس کو ایک ایسی حینہ کے روپ میں دیکھتے ہیں جو مست شباب و مست قرام ہے اور عمر گل چیتی ہے اور کیفیت شاید کچھ ایسی ہے جیسی اقبال کے ان شعروں میں وحلی ہے:

وہ مست ناز جو گلشن میں جا نکلتی ہے

گلی گلی کی نہاں سے دعا نکلتی ہے

الٹی پھولوں میں وہ انتخاب مجھ کو کرے

گلی سے رشک گل آفتاب مجھ کو کرے

اس زندہ اور متحرک کائنات کے بعد غالب اس شہر کی عظمت کا ایک اور پیرایہ تراشتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں نے ایک روشن خمیر اور روشن بیان سے زمانے کی گردش کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ دیکھیں جہاں سے اچھائیاں رخصت ہو گئی ہیں 'دقا' مر' محبت اور صلہ رحمی اٹھ گئیں 'ایمان کا محض نام رہ گیا ہے اور یہ عیاری اور مکاری کے حروف ہو گیا ہے۔ باپ لولہ کے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں۔ بیٹے باپ کی جان کو لاگو ہیں 'بھائی بھائی سے برسر پیکار ہے' شش جہات سے محبت اور اتفاق اٹھ گیا ہے۔ یہ سب تو قیامت کی علامتیں ہیں مگر اتنی واضح علامتوں کے باوجود آخر قیامت آئی کیوں نہیں؟۔ اس روشن خمیر نے شہر ہارس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اللہ نے قیامت محض اس خوبصورت شہر کی وجہ سے روک رکھی ہے۔ صلح بے مثال کو یہ گوارا نہیں کہ ایسا رنگیں شہر برباد ہو جائے۔

شہر ہارس کی اس توصیف کے بعد غالب کے سے حکیم فرزاد کو معا یہ خیال آتا ہے کہ اصل بہن خارج میں نہیں انسان کے باطن میں آباد ہے اور اس تک رسائی گہری ریاضت کے بغیر ممکن نہیں۔

اگر تیرا جنوں کامل ہو تو کاشی سے کاشین تک تو مجھے قدم کا فاصلہ ہے اس لئے
شہر دہی ہے کہ تو خوشبو کی طرح اپنے لباس اعتباری کاہر آ اور قید جسم سے باہر
نکل۔ معرفت اور پہچان کا رستہ نہ چھوڑ اور ان چھ اطراف (جہات ست) کا پکر
لگا۔ صرف کاشی تک ۔۔ جانا دلیل نارسائی ہے۔ خدا را سوچ یہ کیا کارنامہ جراتی

ہے۔ کاشی میں ذرا اپنے کاشانے کو بھی تو یاد کر۔ اس جنت میں اس دیرانے کا بھی تصور کر۔ اپنے ان درمائدہ عزیزوں کا تصور کر جن کے دل درد اور دکھ سے لہو ہو گئے ہیں۔ ہو شرمیں ہیں مگر احساس ہے کسی سے یوں محسوس کرتے ہیں گویا صحرا میں پڑے ہیں۔ لانے نے گویا انہیں ایسے پارے سے بنایا ہے جسے آگ پر ڈال دیا گیا ہو۔ ان سے تعاضل نہ ہوتے۔ ان کے دامنوں کو نظر انداز کر کے پھول کی آرزو کرتا تاروا ہے۔ اسے بے خبر تجھے ابھی کتنے ہی کسار و بیاباں کا سامنا کرنا ہے۔ تجھے تو غم و اندوہ کے ہاتھوں سمیٹوں ہو جانا چاہیے تھا اور کہہ دھڑا کی خاک چھانٹنا چاہیے تھی۔ جن آسانی ترک کر' رنج کا سامنا کر۔ ہوس کو فنا کر' اپنے دل کی آگ سے اپنے غم کو بجھلا۔ دل کو مصائب اور احتمالات سے خون کر' عقل سے گرہیں نہیں کھینچیں اس لئے جنوں اختیار کر۔ جب تک تیرا سانس نہ اکٹھا جائے' جاوہ چٹائی ترک نہ کر۔ شرارے کی طرح فنا کا سامنا کرتے ہوئے اٹھ' دامن بھاڑ اور آزاد ہو جا۔ الا کا دم بھر اور لا کے آگے پہر ڈال۔ اللہ اللہ کہہ اور ماسوا کو پھونک ڈال۔

اب سوال یہ ہے کہ اس مثنوی میں اہم چیز کیا ہے۔ کیا تان کاشی کے جمالِ اعصاب گیر کا مرصع اور خواباک بیان یا لباسِ اعتباری سے باہر آکر قیدِ جسم سے نکلنے کی تلقین؟ حقیقت یہ ہے کہ مثنوی کا آخری حصہ ایک ایسے سالک راہِ طریقت کی یاد دلاتا ہے جو حالتِ قبض میں ہے اور شرح و بسط کا آرزو مند ہے۔ مثنوی کا یہ آخری حصہ میرے خیال میں کہیں زیادہ موثر ہوتا اگر غالب خود کو جمات ست کا پتھر لگانے کی ترفیہ دینے کے بجائے اس سے آزاد بننے کی تلقین کرتے۔ ہر حال انھیں انہیں برس کی عمر میں فنی و ابدیت کے رموز سے یہ آگہی ایسی بھی نہیں کہ اسے محض طبعی آگہی کہ کے تالا جاسکے۔ لا والا کہ یہ مضامین غالب کی شاعری میں کثرت سے وارد ہوئے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ کہتے ہیں:

جاگر لا اندر گریبانِ جمات اگنہ ایم

بے جنت بیوں غرام از پردہ پندار ما

اسی کو صوفیہ "ہارو پدلا" سے تعبیر کرتے ہیں

ابن میری مثل غالب کی دیر نظر مثنوی کے آخری مصرعے "گو اللہ و برق ماسوا شہ" کا حوالہ دے

کر ہر شے کو مٹا دینے اور ہاوا اللہ سے خالی ہونے کے صوفیانہ تصور کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

To destroy everything besides God, that is the quality of Prophetic spirit which has found its clearest expression in the Islamic creed, and likewise the ideal of the mystic who sees nothing but Him, marvelling at his unity and his manifestations in time and space which are real only so long as they depend on Him.⁹

مشوی کا آغاز دیکھیں اور پھر اس کا انجام نگاہ میں لائیں۔ واقعی اس ضرب القتل کی صداقت پر ایمان لانا پڑتا ہے کہ ہمارے حقیقت کا خزانہ ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہی خاصہ قیمت کبھائی کی "نیرنگ مشق" کا ہے جس کے غالب کی زیر نظر مشوی پر اثرات کا اعلیٰ بیان یہاں ہے کل نہ ہو گا کہ غالب نے اس سے تاثر پذیر ہی کا کہیں ذکر نہیں کیا۔

قیمت کی مشوی "نیرنگ مشق" کی تاریخ تکمیل ۱۸۸۵ء ہے۔ گویا یہ مشوی غالب کی زیر نظر مشوی سے تقریباً ڈیڑھ سو برس قبل لکھی گئی۔ قیمت کی اس مشوی کو جو قبول عام حاصل ہوا وہ ان کی کسی اور تخلیق و تحریر کو حاصل نہ ہو سکا۔ بحر کی روانی۔ تشبیہات کی ندرت۔ مضامین و معانی آفرینی کا کمال اس مشوی کی چند اہم خصوصیات ہیں اور اس کے بعض شعرا اور مصرعے تو ضرب القتل کا درجہ حاصل کر چکے ہیں مثلاً

| | | | |
|-----|------|------|--------|
| ہم | شاہر | نازک | خیالیں |
| میں | ظاہر | آشت | حالات |

یا مثلاً

| | | | | |
|------|-----|-----|--------|------|
| بستر | م | در | گردیدہ | راضی |
| نہ | شور | مجب | نے | م |

اس مشوی کے اثرات کہیں کہیں مقام اقبال پر بھی دکھائی دے جاتے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ اس مشوی کے اثرات صرف غالب کی "جہانگیر" ہی پر نہیں ان کے بعض اور اشعار پر بھی ہیں مثلاً ذیل کے اشعار دیکھئے

قیمت

زمرش سید ہ جولان مہر ہ
طہر ہ ہر قدر ہ ہر جوش انا الشریع
غالب ہ

دل ہ ہر قلعہ ہے سائرہ انا لہر
مہم اس کے ہیں ہمارا پہچان کیا

نہ پائی کہ رنٹنٹی ہر ہر ہر
سرا ہر ہر جوش انا الشریع ہر ہر
مشغولی ابر کھوار

غور فرمائیے کہ قیمت کے یہاں ذرہ و آفتاب کا وحدت الوجودی مضمون ہے اور غالب کے یہاں قلعہ و دریا کا۔ قیمت نے "انا الشریع" کی ترکیب استعمال کی ہے اور غالب نے بھی انا الشریع اور اس کے ساتھ انا لہر کی۔ قیمت کا یہ اسلوب خاص ہے مثلاً "اسی مشغولی میں ایک جگہ کہتے ہیں:

ہم مشغولی از پائی تا فرق
صدائے سید اش ہانگ انا لہر

دیکھا جائے تو انا الشریع انا لہر اور انا لہر ایک ہی حقیقت کے متعدد مقرر ہیں۔
یا مثلاً قیمت کہتے ہیں:

قد او از قیامت یک قدم پیش
فراموش شعر راہ رفتن از خلیق

اور غالب کہتے ہیں

ترے سرو قامت سے اک قدر آدم
قیامت کے نئے کو کم دیکھتے ہیں

"خداوندوں نما" کی ترکیب غالب سے پہلے قیمت نے استعمال کی ہے۔ شاہد کے محل ہے مثال کے
اگر میں لکھتے ہیں:

اند در خداوندوں نما سین
نہ لعل ہر ہر ہر ہر ہر ہر

غالب کا مشہور شعر کے یاد نہیں:

ہے آرمیدگی میں کوشش بجا مجھے
صبحِ وطن ہے خندہٴ دناں نما مجھے

غالب کی شاعری پر نقیثت کے ان اثرات کا اختصار کے ساتھ ذکر کرنا اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اہل نظر اندازہ لگائیں کہ غالب بھی سعدی کی طرح "قتع زہر گوشہٴ فنا فتم" کے مصداق ہیں۔ "چراغِ در" غالب نے تقریباً انیس برس کی عمر میں لکھی اور اس پر جا بجا "تیرنگ عشق" کے اثرات نظر آتے ہیں مگر تقریباً ۲۵ برس بعد غالب "نقیثت اور بعض دیگر اکابر کے بارے میں جس رائے کا اظہار کرتے ہیں" اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب غالب نقیثت کے بحر سے آزاد ہو چکے ہیں اور انانیت کے اس مقام پر فائز ہیں جہاں دوسروں کی نفی کر کے اپنے اثبات کا رستہ ہموار کیا جاتا ہے۔

صاحبِ غیاث الحقائق کا ذکر کرتے ہوئے انور الدولہ "عشق کے نام خط میں اور لکھنے والوں کے ساتھ نقیثت کا ذکر بھی کرتے ہیں مگر انہیں راہِ خن کا قول قرار دیتے ہیں۔ خط کا اقتباس ملاحظہ ہو (یہ خط ۱۸۵۳ء میں لکھا گیا تھا)

"آپ جانتے ہیں کہ یہ کون ہے؟ ایک معلمِ قزوایہ، رامپور کا رہنے والا۔ فارسی سے نا آشنائے شخص اور صرف و نحو میں نا قلم۔ انکسائے طیلہ و فطالت، مادھو رام کا پڑھانے والا۔ چنانچہ دیباچے میں اپنا مافذ اس نے خلیفہ شاہ محمد و مادھو رام و نقیثت و قلیل کے کلام کو لکھا ہے۔ یہ لوگ راہِ خن کے غول ہیں۔ یہ فارسی کیا جانیں۔ ہاں طبعِ موزوں رکھتے تھے۔"

۱۸۵۳ء میں یعنی دقات سے چھ برس پہلے چودھری عبدالغفور سرور کے نام خط میں عبدالقادر بدایونی کے حوالے سے نامر علی۔ بیدل اور نقیثت کی فارسی کی تحقیر کرتے ہیں۔

خطوطِ غالب ہی کی دوسری جلد میں میرزا رحیم بیگ کے نام اپنے تاریخ و سنہ نداشتہ خط میں لکھتے ہیں: محمد اکرم بخاری (یعنی نقیثت) کا شعر تو قابلِ التفات نہیں تھا۔

نقیثت کے شعر کو قابلِ التفات گردانے اور انہیں راہِ خن کا غول قرار دینے والا ہی غالب زیرِ نظر مثنوی (چراغِ در) میں جا بجا نقیثت کی "تیرنگ عشق" سے استفادہ کرتا نظر آتا ہے۔ مبالغہ نہ ہو گا اگر کہا جائے کہ اگر غالب کی مثنوی میں "تیرنگ عشق" کے بعض اشعار شامل کر دئے جائیں تو دونوں میں امتیاز کرنا مشکل ہو جائے گا۔ ذیل میں "چراغِ در" اور "تیرنگ عشق" کے مماثل جڑیوں کے

حاصل اشعار ملاحظہ فرمائیے:

غالبہ:

نقصیت:

(۱) لوائے او یک گستاں جلوہ سرشار
خزائے صد قیامت قندہ و دہار

(۱) لوائے یک گستاں جلوہ سرشار
خزائے صد قیامت قندہ و دہار

(۲) ز انگیز بدن پے گشتہ بکمر
ز ہر عضویش میاں رخسار دیگر

(۲) ز انگیز قندہ انداز خزائے
پائے بگننے مستردہ دانت

خار ز موجِ جزوہ اش در ہر طرف دام

(۳) ز حسن دلبرانِ عادت ہوش
قفا داشت صد کھل و آغوش

(۳) ز رنگیں جلوہ با عادت گر ہوش
بہارِ بہتر و نودنِ آغوش

نودنِ شمع با حسنِ لکھنوز
پے پروانہ ہلش صبحِ نو روز

رسانیدند عظامِ دین
بہارِ حسن و عیدِ شین

درد آمد شمع رخسارِ جہا کوش
صفت پروانہ را غارِ ہوش

(۴) چہ پر ہوش و در کف چچ تازاں
چہ بے لالہ ہشیر بازان

(۴) قیامت قاتلینِ مژگاں درازان
ز مژگاں بر صبرِ دل نیزہ بازان

(۵) تائیں راہیلی شہدہ طور (۵) تائیں نور چشم شہدہ طور

(۶) گھنٹے نیست از آب و ہوائیں (۶) فطائے نشو و مست ہوائیں
کہ عجاہاں شود اندر فضائیں دینے کاہنا خاک پائیں

(۷) فرد باندن بکاٹی نارسایست (۷) چہ جور است میں چہ کافر ماجرایست
خدا را میں چہ کافر ماجرایست چہ غم است میں چہ جلد افترایست

غیبت اور غالب کے مندرجہ بالا اشعار کے قائل سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ غالب نے غیبت سے قولی 'ترکیب اور اسالیب کی بنیاد پر کس قدر اختلاف کیا ہے۔ غیبت انگیزدن کا ذکر کرتے ہیں تو غالب انگیز قد کہ غیبت صبح نو روز' ہمار گشتی اور عید شیدن کا ذکر کرتے ہیں اور غالب ان کے متبع میں ہمار ہمز اور نو روز آغوش کا۔ غیبت گنجائی عارت گر ہوش' شہدہ طور اور کافر ماجرا کی ترکیب استعمال کرتے ہیں اور ہمز کی ترکیب محاش ہراسے میں غالب بھی استعمال کرتے ہیں۔ بحر شغوی کے آخر میں جس طرح غیبت "الہزار قنطرة الغیبة" کی صداقت نمایاں کرتے ہوئے مزید کی جنوں ہوائی کا ذکر کر کے اسے "خلیل کبہ ملک جبین" اور مقرر لا اسب لا یلین" دکھاتے ہیں اسی طرح غالب بھی

ز لا دم زن و حلیم لا شو
مگر اللہ و بقی ما سوا شو

کی تلقین کر کے جنوں اندوڑی کا درس دیتے ہیں۔ ہاں یہاں اس حقیقت کا اعکاس بھی ضروری ہے کہ غالب نے شغوی نیز تک عشق ہے اس طور اختلاف کیا کہ غیبت کے بعض مضامین اور ترکیب کو زیادہ چکا دیا۔ گویا یہ اختلاف ایک بالغ نظر اور مجتہد مزاج رکھنے والے شاعر کا اختلاف ہے کسی اندھے بہرے مقلد کا اختلاف نہیں۔

غالب کے طالب علم جانتے ہیں کہ ایک زمانے میں غالب بیدل کے مقلد تھے اور دھک بھار اچھادی بیدل کے عاشق۔ مگر رفتہ رفتہ وہ بیدل کے اثرات سے آزاد ہوتے گئے۔ یہ درست ہے کہ غیبت سے ان کی فیضانِ اندوڑی بیدل کے مقابلے میں نسبتاً کم ہے مگر بیدل اور غیبت دنیو سے بعد ازاں برائت کا اعلان دراصل اپنے ان نقوش قدم کو مٹانے کے حوالہ ہے جو سیدھے ان دونوں حضرات کے قہر و فوج تک جاتے ہیں۔

غالب نے ایک جگہ ناظم ہروی کا ایک مثنوی غما قطعہ نقل کیا ہے جس میں اس نے ممتاز مثنوی نگاروں کا ذکر کرتے ہوئے انکی تاریخی ترتیب قائم کی تھی۔ یہ ترتیب مندرجہ ذیل تھی: "خاقانی اور نظامی سے ہوتی ہوئی سعدی، خسرو اور جامی تک پہنچتی تھی۔ غالب نے اس میں ایک شعر کا اضافہ کیا جس میں ان کا اپنا نام شامل تھا:

ز جامی بہ منی و غالب رسید

ز منی و غالب بہ غالب رسید

کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ اس قطعہ شریا میں غنیمت کا نام بھی شامل کرتے جن کا فیض "چراغ دہر" ہی پر نہیں ابر گہر ہا تک پہنچا ہوا نظر آتا ہے جو ان کی ہفتہ عمر کی مثنوی ہے۔ بہر حال غالب سے یہ روایت آگے چل کر مثنوی نگاری کی حد تک اقبال تک پہنچتی ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ اقبال کی مثنویات کا رنگ دوسرا ہے۔ دیکھیں بیانی انکا مقصود نہیں تھا اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ بعد کی فارسی شاعری میں غالب کی "چراغ دہر" کا جواب نہیں مل سکتا۔ کہتے ہیں کہ صاحب کمال لا ولد وہ جانا ہے۔ غالب کے صاحب کمال ہونے میں کیا شک ہے وہ لفظاً و معنایاً ہر دو لحاظ سے لا ولد ہیں۔ "نیرنگ عشق" اور "چراغ دہر" دونوں فارسی مثنویات میں بے مثال ہیں۔ غالب کی شاعری پر فارسی استاد کے اثرات کا جائزہ کسی مرد مبارز طلب کا خضر ہے۔ غالب شہاسی کے حوالے سے ان اثرات کی نشاندہی نہایت درجہ ضروری ہے تاکہ غالب کی حقیقی وہن کا صحیح صحیح تصویر کیا جاسکے۔

۱۔ نیاز فتح پوری غالب کی مشنویات کے بڑے مداح تھے اور ان کی فارسی غزلیات کو مشنویات کے مقابلے میں ثانوی حیثیت دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر غالب مشنویات پر زیادہ وقت صرف کرتے تو دنیا اس کا جواب نہ پیش کر سکتی۔۔۔۔۔ دیکھیے مکتوبات نیاز جلد دوم ص ۴۳

۲۔ بیچ آہنگ (اردو ترجمہ از مختصر ماجر) ص ۸۷

۳۔ الہ آباد نے انہیں جس کرب میں چلا کیا اس کے منظر ذیل کے دو شعر ہیں جو رائے بیچ مل کھتری کے نام خط میں درج ہیں

مطلوبہ سلطنتِ غمِ دل غالب حزین
کاندھِ حش ز ضعفِ توں گفت جاں نہد
کوئید زندہ تا پہ بتارس رسیدہ است
یا را اویں گیلاور ضعیف ایں گماں نہد

۴۔ نامائے قاری غالب (ترجمہ) ص ۲۰۲

۵۔ ایضاً ص ۲۳

۶۔ ایضاً ص ۲۳: یہ مضمون ان کے مشہور شعر میں یوں وارد ہوتا ہے

قلندر دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے
کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مائل اچھا ہے

۷۔ خطوط غالب (مرتبہ سر) جلد دوم ص ۲۹۷، ۲۹۸

۸۔ کلیات غالب قاری (جلد اول مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل کسنوی) ص ۸۵

۹۔ A Dance of Sparks (Imagary of Fire in Ghalib's Poetry) p. 128

۱۰۔ خطوط غالب جلد اول (مرتبہ سر) ص ۳۱۷

۱۱۔ خطوط غالب جلد دوم (مرتبہ سر) ص ۵۶۸

۱۲۔ ایضاً ص ۲۰۲

ایک اور خط

ڈاکٹر معین الرحمن، ڈاکٹر وحید قریشی اور پروفیسر لطیف الزمان

حلیم صاحبہ، اسلام ٹیکم!

جاگیر غالب مرحوم پر تھوڑی چند کے بارے میں اس سے قبل تین خطوط لکھ چکا ہوں۔ اس وقت میرے پیش نظر ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کا مضمون ”جاگیر غالب۔ ایک مطالعہ“ ہے۔

مضمون کی ابتدائی طور میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ ”اس برس کی دریاہٹوں میں ”جاگیر غالب“ سرفہرست ہے“ یہ بات تاریخی اور حقیقی اعتبار سے غلط ہے۔ سید معین الرحمن صاحب نے اپنی مرحوم کتاب ”جاگیر غالب“ کے صفحہ ۱۹ پر لکھا ہے۔

”یہ کتابیں جن پر ۳ جون ۱۹۷۷ء کی تاریخ ثبت ہے۔ میرے ذخیرہ قابلیت کا امتیاز اور زور ہیں۔ انہی میں ان کی بدولت اور قابل قدر کتاب ”جاگیر غالب“ بھی شامل ہے۔“

پھر یہ ۱۹۷۵ء کی دریافت کیوں کر ہوئی؟

مقدمہ کے صفحہ ۱۰ پر سید صاحب لکھتے ہیں۔

”شیخ محمد اسلمیل پٹنی پتی نے ایک کتاب ”حق جاگیر غالب“ کو ضور ۱۹۶۹ء کی مطبوعہ بتایا ہے۔“ یعنی سید صاحب شیخ مرحوم کی بات پر یقین نہیں کر رہے ہیں۔ اس کتاب کا حوالہ ڈاکٹر انصار اللہ ظفر کی غالب، جلد گرائی (۱۹۷۳ء) میں موجود ہے، اور اس سے قبل ڈاکٹر خلیق انجم ۱۹۶۷ء میں بتا چکے تھے کہ ”حق جاگیر غالب“ چھپ چکی ہے اور یہی سال ”حق جاگیر غالب“ کی اشاعت کا ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کو کتاب کا ایک نسخہ ۱۹۷۷ء میں مل چکا تھا۔ اس کے باوجود سید معین الرحمن صاحب اسے ”معدوم“ بتاتے ہیں۔ سبب یہ کہ دریافت کا سرا اپنے سر ہاتھ رہے ہیں۔

ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کا یہ بھی خیال ہے کہ ”حق جاگیر غالب“ کی اشاعت کو روک دیا گیا۔ اگر ایسا ہوتا تو مرحوم پر تھوڑی چند ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کی خدمت میں کیوں پیش کرتے۔ ڈاکٹر صاحب کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ تکمیل پند انسان تھے کسی دوسرے درجہ کی چیز کا سوال ہی نہیں تھا۔ مرحوم کی اس ادا کو ہر لوب شمس اس وقت بھی جانتا تھا اور اس سے غفلت بھی۔ اس لئے یہ بات حلیم خیس کی جاسکتی کہ ”چھاپی ہوئی کتاب کی فروخت روک دی گئی“۔

وحید قریشی صاحب کے مضمون سے میرے اس خیال کی تصدیق ہو گئی کہ ”حق جاگیر غالب“ اور ”جاگیر غالب“ کے صفحات کی تعداد برابر ہے۔ سب کے میں کدھتہ کسی خط میں عرض کر چکا ہوں اصل کتاب ”حق جاگیر غالب“ ہے۔ سب اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا تو اس کا نام

تبدیل ہو گیا لفظ "حق" نکال دیا گیا اور کچھ نئی دستاویزات بھی شامل کر دی گئیں اور چند درخواستوں کو جو غیر حلقہ قصص نکال دیا گیا۔

مبین الرحمن نے اس بات کا ثبوت نہیں فراہم کیا کہ "دوسری اشاعت کے فرسے بھی ذمیر (ضائع) کر دیئے" لفظ بھی سے وہ یہ تا رہے ہیں کہ حق جاگیر غالب کے فرسے بھی ضائع کر دیئے گئے تھے۔ اب تو سید صاحب خود پیشتر ہیں وہ بتائیں انہوں نے جن کتابوں کو ضائع کیا ہے کسی کتاب کے فرسے انہوں نے "ذمیر" کر دیئے؟

ڈاکٹر وحید قریشی صاحب لکھتے ہیں۔

حیرت قوی چند کے متن میں ڈاکٹر مبین الرحمن صاحب نے کچھ تبدیلیاں کی ہیں۔ کیا کسی متن میں تبدیلی چاہتے تھے؟ ڈاکٹر وحید صاحب اردو کے بڑے نامور محقق ہیں ان کے قلم سے ایسی بات تعجب کا باعث ہے۔ "کتاب کو ہاتھ سے دائیں سے بائیں اردو متن کے مطابق کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دستاویزات کی ترتیب بھی بدل دی گئی ہے۔"

میں تو یہ کہوں گا کہ سید صاحب نے ساری کتاب کو زیر و زبر کر دیا ہے۔

ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے مضمون کے آخر میں تحریر فرمایا ہے۔

"میری رائے میں ڈاکٹر مبین الرحمن کا یہ کارنامہ اتنا اہم ہے کہ اس کی جس قدر پرہیزی کی جائے کم ہے۔ انہوں نے ایک گم شدہ محتاج گراں بہا کو پڑھنے والوں کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔"

رسا ہدائی نے یہ کیا کہ غالب کے خطوط سے جملے اڑائے اور نئے خط غالب کے اپنے دادا کے نام چھاپ دیئے اگر مبین الرحمن صاحب کا پر قوی چند صاحب کی کتاب کو زیر و زبر کر دینا کارنامہ ہے تو پھر رسا صاحب نے بھی کارنامہ انجام دیا ہے وہ جعلی خطوط کیوں کہلائیں! (نور خطوط غالب از رسا ہدائی، ۱۹۳۸ء) کا شاندار ادب، گلستا۔

علامہ امجدی الدینی نے غالب کے رنگ میں غزلیں کہیں اور ان کی شرح لکھ دی اسے الماتی کلام کیوں کہتے کارنامہ کیوں نہ کہتے (مکمل شرح کلام غالب از عبدالہادی آسی (صدیق بک ڈب) امجد آباد پبلشرز گلستا)

مبین الرحمن صاحب کے کارنامے میں بتاتا ہوں۔

۱۔ ایک طالب بشری ہاسٹل نے ادا جعفری کی شخصیت اور شاعری پر ایپ اے کا تمغہ لکھا۔ ڈاکٹر سید مبین الرحمن صاحب نے اس مقالے کے پانچ مضامین بنائے اور اپنے نام سے نقوش لاہور میں چھپوائے۔

۲۔ ڈاکٹر سید مبین الرحمن صاحب نے غالب اور انقلاب ستون کے عنوان سے دھتور کا ترجمہ ضائع کیا وہ ترجمہ ان کا نہیں ہے۔ اس سلسلے میں بڑا کمال یہ دکھایا کہ برصغیر پاک و ہند کے سب سے بڑے محقق "سب سے معتبر نقاد رشید حسن خاں صاحب تک کو انہوں نے خود دے

دیا کہ خان صاحب کی سفارش پر غالب الہی ٹیوٹ دہلی نے بھی اس کتاب کو شائع کیا اور جب میں نے محترم رشید حسن خاں صاحب کو اصل حقیقت سے آگاہ کیا تو وہ سر ہنسنے لگے۔

۳۔ مرحوم رشید احمد صدیقی صاحب نے اپنے مرشد ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب کے انتقال پر جن خیالات کا اظہار کیا تھا رشید صاحب کے انتقال پر ڈاکٹر سید صمیم الرحمن صاحب نے ان الفاظ کو رشید صاحب پر چسپاں کر دیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے طلبات رشید احمد صدیقی مطبوعہ دہلیال کراچی (۱۹۹۹ء) کا مقدمہ بعنوان ”آئینہ کیوں نہ دلاں!“

۴۔ مرحوم محمد طفیل دیر نقوش کے بارے بھی کتاب ”میر نقوش“ مرتب میں نے کی صمیم الرحمن صاحب کے ہاتھوں میں مسودہ پہنچا انھوں نے اپنے نام سے شائع کیا۔ میرے پاس ان اسیوں کے خطوط موجود ہیں جنہیں میں نے اس سلسلہ میں خطوط لکھے تھے وہ تمام خطوط جلد ہی پیش کر دیئے جائیں گے۔

۵۔ مرحوم رشید احمد صدیقی صاحب کی کتاب جدید اردو غزل کی بھی ڈاکٹر سید صمیم الرحمن نے تجویز کری کی ہے۔ انہیں رشید صاحب کا نام پڑھتے ہی ”مکتاپ“ لگنے لگتا ہے۔ موصوف کو اس لفظ کے معنی تک نہیں معلوم اور اسے رشید صاحب کے نام کے ساتھ استعمال کیا ہے۔

سید صاحب کے یوں تو اور بھی بہت سے کارنامے ہیں لیکن زیادہ عرصہ نہیں گزرا سید صاحب نے دوسرے خود ایک انٹرویو تحریر فرمایا اپنے ہاتھ ڈاکٹر اجمل نازکی کو حکم دیا کہ وہ اپنے نام سے شائع کریں۔ یہ انٹرویو پہلے روزنامہ ”پاکستان“ لاہور میں اور پھر ”قوی زبان“ کراچی میں شائع ہوا۔ اس انٹرویو کا فوٹو اسٹیٹ میرے پاس ہے۔ میں اس کا ٹکس چھپوا کر جلد ہی ”مرزا جمیل الدین خاں“ صاحب کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا گا۔

ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کے علم میں یہ بات ہے کہ جاگیر غالب کے علاوہ غالب کی پٹن کے سلسلہ میں اور دستاویزات بھی موجود ہیں۔ میرے عزیز دوست اور سابق رفیق کار پروفیسر عظیم احمد صاحب (ہوائی ٹیکسٹری این ڈی سی) نے

Official Record on Ghalib's Pursuit of Family Pension and Related

Matters 1805-1869

کو بھیجا گیا ہے۔

اس میں ۱۵۶ دستاویزات موجود ہیں۔ ان میں غالب کے اپنے قلم سے لکھی ہوئی فارسی میں درخواستیں موجود ہیں جو کج تک کہیں شائع نہیں ہوئیں ان کا ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ تمام انگریزی

تحریروں کا بھی ترجمہ ہوگا اور جب یہ ادبی دنیا کے سامنے کتابی شکل میں پیش کیا جائے گا تو غالب کی پختن کے سلسلہ میں سب سے بڑا کارنامہ ہوگا۔ جس طرح اسے پروفیسر نذیر احمد صاحب نے ترجمہ دیا ہے اور دستاویزات کو مرتب کیا ہے وہ بھی کسی کارنامہ سے کم نہیں۔
میں نے نذیر صاحب کو لکھا ہے کہ اگر انہوں نے جلد اس کام کو مکمل نہ کر لیا تو ڈاکٹر سید معین الرحمن صاحب اسے لے لیں گے اور ان کی تمام حق بریزی کو اپنے سرے میں اٹھالیں گے۔

مخلص

لطیف الزمان خان

چار شنبہ ۹ اگست ۱۹۹۵ء

ناشر حلیم احمد پٹر معراج دہلی نے ۱۶۔ عمر روڈ "اسلام پورہ لاہور سے بچوا کر

معراج پٹر عزادار دود بازار لاہور سے شائع کیا

شاعری ہی شاعری

منظروادائی

| | |
|-------------------------|----------|
| ○ اہلہ | 50 روپے |
| ○ نور ازل | 50 روپے |
| ○ باب حرم | 50 روپے |
| ○ میرے اچھے رسول | 50 روپے |
| ○ کعبہ شفق | 100 روپے |
| ○ دور سے درمی تک | 70 روپے |
| ○ برف کی جگہ | 60 روپے |
| ○ لہجہ | 70 روپے |
| ○ کھلے در پہ بند ہوا | 120 روپے |
| ○ راکھ کے ڈھیر میں پھول | 150 روپے |
| ○ سو کی جہان | 70 روپے |
| ○ ستاروں کی آنکھ | 75 روپے |
| ○ علم نہ سنا | 75 روپے |
| ○ حصار | 100 روپے |

حفیظ مآتب

| | |
|--------------------|----------|
| ○ مک حشرات دی | 80 روپے |
| ○ صلوات علیہ و آلہ | 90 روپے |
| ○ و سلمہ اعلیٰ | 120 روپے |
| ○ وحی نبیین وحی ظل | روپے |
| ○ منقبت | روپے |

اسلم کو لکری

| | |
|----------|----------|
| ○ نعل چل | 80 روپے |
| ○ ویرانہ | 100 روپے |
| ○ پنجھی | 80 روپے |
| ○ خند | 100 روپے |
| ○ عینان | 100 روپے |
| ○ کاش | 80 روپے |

| | |
|--|----------------------------|
| جہان راستہ روکے کفری ہے فرصت عباس شہ 180 | |
| ہمیں تیری تمنا ہے | اختصار 100 روپے |
| تویر و شیر | جشن محمد الیاس 180 روپے |
| مکشف | فیض اعظم 100 روپے |
| سافر تک کیا ہے | سلیمان سعید 75 روپے |
| بکھی تو چاہتے تھے گا | سیف اللہ خالد 100 روپے |
| اب میرا انتظار کر | شفیق احمد 100 روپے |
| آس کنارے | عظمیٰ احمد 70 روپے |
| شرعے سلامت | عارف عبدالعزیز 80 روپے |
| اچھے دنوں کی آس میں | روحی کھلی 100 روپے |
| انتال | اکرم ناصر 80 روپے |
| میں نے خواب آوازوں کے | عزیز رفیق 70 روپے |
| چوہ گلاب سا | مرزا فیض کوثر 70 روپے |
| جرس دل | مرزا فیض کوثر 75 روپے |
| پتلیوں کے جانے کا سے | راہد رانا تھو پگور 60 روپے |
| یادوں کا چراغ | ریاض قصور 100 روپے |
| چھایا | زیر و مید 80 روپے |
| دو چن غالب | اسد اللہ غالب 50 روپے |
| دو دن حلی | لطیف حسین حلی 45 روپے |
| ساتھ چدوے | شفیق کاشمیری 100 روپے |
| گوئیں دس کرکٹوں | ظہور حسین ظہور 99 روپے |
| غزلیں جو پہچان نہیں | مرتضیٰ سہ اللہ شاہ 70 روپے |
| نغمیں جو پہچان نہیں | *** 70 روپے |



بزرگ صغیر پاک و ہند کی آبرو، شاعری کے آفتاب

مرزا نوشہ اسد اللہ خان غالب

کی ادبی عظمت کا آفتاب کبھی غروب نہ ہوگا

ماہ و سال کی گردش کے ساتھ اس کی روشنی اور تابندگی بڑھتی جائے گی

آج دو صد سالہ جشنِ غالب

— کے موقع پر —

صرف شعروادب کے ولدا وہ ہی نہیں، ہر سخنِ فہم غالب کی عظمتِ شہرگئی کا مستحق ہے

ہم سخنِ فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں

زرعی ترقیاتی بینک پاکستان

1997ء

پاکستان کا گولڈن جوبلی سال

اس تاریخی موقع پر -----

شوہ

کی ایک خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا جا رہا ہے

جو

ہر اعتبار سے انفرادیت کی حامل ہوگی



دیوان غالب

_____ اردو شاعری کے بڑا محرم اور وقت کے حادثے میں زندہ رہنے والے شاعر کا مجموعہ
_____ کام غالب کے شائقین اور علم و ادب کے حار کھن کے لئے ہے ہماروں
_____ الفاظ سے پاک _____ جلد نو بصورت سرورق سے
_____ آرامت قیمت صرف 50 روپے

غالب کا مقدمہ پیش تحقیق : ڈاکٹر انیس باگی

_____ غالب کو دہلی سے پردے کے ذریعہ صدی ہونے کو ہے۔
_____ لیکن غالب کی زندگی و شخصیت میں تاریخی کی دلچسپی اب بھی نہ صرف قائم ہے بلکہ بڑھتی جا رہی ہے۔
_____ ”غالب کا مقدمہ پیش“ غالب کی زندگی کا 7م مسئلہ تھا
_____ غالب کو سب پر غالب کرنے میں اس مقدمے کا بیاد مل
_____ تھا _____ اس کتاب میں وہ دستبردِ منتِ شال کی گئی ہیں جو اس
_____ سے پہلے کبھی منظرِ عام پر نہیں آئیں۔ قیمت: 80 روپے

عظمت غالب ڈاکٹر عبدالغنی

_____ کوئی شاعر عظمیٰ عظمت کے مرتبے پر فائز نہیں ہو جاتا
_____ انکے میں منظر میں شاعر کی شخصیت ”اس کا حوالہ اور اس کا ماحول
_____ بھی شامل ہوتے ہیں
_____ غالب کو عظمت سے انکار کرنے والے عزائم کا جہاں
_____ لینا ایک وقت طلب کام تھا لیکن مصنف اگر بڑی ادب کے استاد
_____ ہونے کے باوجود عظمت غالب کو حقیقی انداز سے آشکار کیا ہے۔
_____ جلد ایچ بی قیمت 75 روپے

_____ اردو زبان کے بڑے شاعر
_____ پاکیزہ گفت اور شانست ادب کے ترجمان
_____ ماہر انشوری کی بطور تصانیف
_____ لکھی کتابیں
_____ جنہیں لوگ عاشق کرتے ہیں
_____ جنہیں ہمارے چاہنا ہے
_____ جسے بطور تحفہ پیش کیا جاتا ہے
_____ اب پہلی بار _____ پر سناری لکھیں
_____ ایک ہی جگہ پر دستیاب

کلیات ماہر

_____ آؤٹ پٹ _____ مردِ سلامت _____ مضبوط جلد _____ قیمت: 450 روپے
_____ کم شدہ افسانہ نگار

شخص آغا کی کہانی

_____ تحقیق: ناصر بشیر
_____ شخص آغا گزراوی سے چند برس قبل قتل کے واقعے کے متعلق ہے
_____ غالب کی طرح نمودار ہوا چند افسانے اور ایک ناول کشا ہر کہیں کم
_____ ہو گیا
_____ ناصر بشیر نے نہ صرف شخص آغا کی شخصیت کی کڑی جانچ کی
_____ بلکہ اس کے حالاتِ حیات بھی پراخت کے طور اس فنکار کاظمی
_____ جہازہ غیر جانبداری سے لیا۔ قیمت: 75 روپے

اشفاق احمد

_____ گھرونی کی دنیا کا ادوارل ہم جن کے تجربے کردہ دارے
_____ من چلے کا ہوا
_____ نے نہ صرف سرجوں میں باہل بھاری
_____ قیمت: 225.00 روپے

القلمی انٹرپرائزز غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

دینی لٹریچر کی سب سے دلچسپ کتاب

ہم کیوں مسلمان ہوئے؟

دنیا بھر کے مختلف ملکوں سے منتخب دیکھنے والے ۹۰ ماہر نو مسلم اپنے قبولِ اسلام کی سرگزشت بیان کرتے ہیں۔ ان میں سولہ خواتین کے تذکرے بھی شامل ہیں۔

- ☆ اسلام کی عظامت اور مذہبِ باطل کے کھوکھلے پتے کی روح پرور مثالیں
- ☆ ناول اور افسانے سے یاد کر کے لطف
- ☆ بے حد ایمان افزا — بے حد یقین پرور
- ☆ سچیں 'رُوائے' اور ضرورت اور انہماک
- ☆ مکمل سہ ماہی 'اسلمیک گائڈ' مضبوط جلد
- (توہم انصاف شدہ ایڈیشن)
- / ۲۵۰ روپے

اقبالیات پر کتب

| | | |
|----------------------------|------------------------------|----------|
| غورِ اقبال | ڈاکٹر عبدالحق | 120 روپے |
| الفردِ اقبال | حکیم ڈاکٹر مداخل | 175 روپے |
| (اقبال کے ۱۲ مکالمے) | | |
| نکوشاتِ اقبال | پروفیسر نذیر احمد | 60 روپے |
| حیاتِ اقبال کا سفر | باردن الرشید مجسم | 60 روپے |
| اقبال پر اقبال ہے | باردن الرشید مجسم | 100 روپے |
| اقبال کا نظریہ خودی | ڈاکٹر منظور ممتاز | 45 روپے |
| مداحِ اقبال | ڈاکٹر ایف سی حسین خان | 180 روپے |
| اقبال کا نظریہ تعلیم | محمد حبیب الدین احمد | 18 روپے |
| مشققاتِ اقبال | سید عبدالواحد حسینی | 90 روپے |
| پانچویں اقبال | سید عبدالواحد حسینی | زیر طبع |
| روزِ نگارِ فقیر (اول) | فقیر وحید الدین | 150 روپے |
| روزِ نگارِ فقیر (دوم) | فقیر وحید الدین | 180 روپے |
| تاریخِ تصوف | علامہ اقبال / حصار نگار دہلی | 75 روپے |
| اقبال اور مسعودی | ایم دانش قادری | 21 روپے |
| پروہِ مرید | پروفیسر شریف جٹ | 45 روپے |
| (دہلی اور اقبال کا مکالمہ) | | |
| علامہ اقبال اور ہزار سوخت | محمد حکیم لڑائیں | 36 روپے |
| اقبال اور جدید دماغی اسلام | ڈاکٹر حسین الدین عقیل | زیر طبع |

○ حضور نبی کریم کی ولادت باسعادت کے موضوع پر جذب و شوق میں لکھی ہوئی ایساں پرور منتخب شاہکار تحریروں کی قیمت 150 روپے

سیرتِ رسولؐ پر ایک نئی کتاب
جب حضورؐ آئے
ترتیب و تحقیق محمد حسین خالد

مکتبہ تعمیرِ انسانیت اردو بازار ○ لاہور